دھوپ
بارش اور سائے
نگہت سیما

پیش لفظ

دھوپ، بارش اور سائے یہ ناول پاکیزہ میں قسط وار چھپتا رہا، تقریباً تین سال یا دو تین ماہ زیادہ...... میں بنیادی طور پر افسانہ نگار ہوں۔ کہانی لکھنا مجھے اچھا لگتا ہے لیکن میں نے خواتین کے مختلف ڈائجسٹوں میں ناولٹ بھی لکھے...... دھوپ، بارش اور سائے میرا پہلا طویل ناول تھا۔ اس سے پہلے ایک منی ناول پندرہ اقساط کا چھپ چکا تھا۔ یہ ناول ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جس کی ماں ایک ماڈل اور اداکارہ تھی اور والد سوتیلے تھے۔ اس میں محبت، معاشرہ، سماجی اور انفرادی سوچ اور ان کا فطری اطلاق سب موجود ہیں۔ میں نے اپنی تحریروں میں ہمیشہ انسانی شخصیت کے وہ پہلو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو ہر نفس میں موجود ہونے کے باوجود ان کہے ہیں۔

یہ انسانی المیوں، جذبوں اور احساسات کی کہانی ہے...... امید ہے میری پہلی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی آپ کو پسند آئے گی۔

نگہت سیما، چکوال

''موموـ''

بالوں میں تیزی سے برش کرتے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کے لیے رکے اور اس نے ذرا سا رخ موڑ کر پیچھے دیکھا......زینب احمد' دروازے کی دہلیز پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں۔ ان کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور چہرہ عجیب سا لگ رہا تھا۔

''میک اپ کے بغیر ماما کا چہرہ کتنا بے رونق اور ویران لگتا ہے۔'' اس نے سوچا اور بے نیازی سے مڑ کر پھر برش کرنے لگی۔

''موموـ'' اب کے ان کی آواز سے غصہ جھلک رہا تھا۔

''جی۔'' وہ ان کی طرف رخ کر کے کھڑی ہو گئی اور انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''رات تم نے شجی کے ساتھ بدتمیزی کیوں کی؟''

''بدتمیزی! میں نے ماما؟'' اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا ''بدتمیزی تو اس نے کی تھی۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہی تھیں کہ اس نے میرا ہاتھ......''

''اوہو تو جان کیا ہوا تھا' ذرا سا ہاتھ ہی تو پکڑا تھا اس نے......''

"ماما......" اس کی آواز بھرا گئی "یہ آپ کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھو جان! وہ اس کمپنی کا مالک ہے، جہاں میں کام کرتی ہوں اور تم نے اسے خفا کر دیا۔ دیکھو مومو! زندگی میں چھوٹے موٹے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں اور تم ہو کہ بات سمجھتی ہی نہیں ہو۔ جانو! دنیا بہت آگے نکل گئی ہے۔ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ جانے تمہارے اندر پندرھویں صدی کی روح کیوں حلول کر گئی ہے۔"

"مجھے ایسے سمجھوتے نہیں کرنے اور کہہ دیجیے گا اپنے اس شرجیل مرزا سے۔ آج تو میں نے اس کا ہاتھ جھٹکا ہے۔ آئندہ اگر اس نے ایسی حرکت کی تو میں اس کے منہ پر تھوک دوں گی۔"

"تم حد سے بڑھتی جا رہی ہو۔"

"میں نے کوئی کام بھی حد سے بڑھ کر کبھی نہیں کیا۔ حد سے تو آپ بڑھ رہی ہیں۔ آپ کو ذرا بھی یہ احساس نہیں ہے کہ آپ ایک معزز شخص کی بیوی اور تین بیٹیوں کی ماں ہیں۔"

"مومو۔" انہوں نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

وہ منہ پر ہاتھ دھرے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"زینی...... تم نے اسے مارا۔ ڈارلنگ، پیار سے، محبت سے بات کیا کرو۔"

"عثمان! یہ...... مومو بہت بدتمیز ہو گئی ہے۔"

"مریم بیٹے! ماما سے بدتمیزی نہ کیا کرو۔ تم بڑی ہو۔ تمہیں تو خود اپنی ماما کا خیال رکھنا چاہیے۔ تمہیں پتا ہے کہ تمہاری ماں کو ڈپریشن ہو جاتا ہے......" عثمان احمد نہ جانے کب وہاں آ گئے تھے۔

"پاپا۔" وہ لمحہ بھر یونہی ہونٹ کاٹتی رہی اور پھر ایک دم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"ریلیکس ہنی ریلیکس۔"

عثمان احمد نے ساکت کھڑی زینب کا ہاتھ تھاما اور اسے باہر لے گئے۔

مریم نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...... بجائے اس کے کہ پاپا اسے تسلی دیتے، اسے پیار کرتے، وہ الٹا اسے سمجھا کر چلے گئے اور ماما کی تو یہ پرانی عادت تھی، مظلوم بننے کی۔ ذرا کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف ہوتی تھی، انہیں ڈپریشن ہونے لگتا تھا۔ ذرا پاپا اس کی طرف متوجہ ہوتے، انہیں گھبراہٹ ہونے لگتی۔

"احمد پلیز۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"میرے سر میں کچھ ہو رہا ہے۔"

"پلیز احمد۔"

وہ رونے لگتیں۔

اور پاپا سب کچھ بھول کر ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

بچپن ہی سے وہ یہ سب دیکھتی چلی آ رہی تھی۔

بارہا شوق سے جیتے ہوئے کپ اور اپنی رپورٹس بک لے کر وہ پاپا کے سامنے گئی تھی۔

"پاپا! یہ......"

"واہ! ہماری بیٹی نے تو کمال کر دیا۔ بھئی لاؤ ادھر اپنی رپورٹس بک......"

اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پہلوؤں میں لٹک جاتے تھے۔ عین اسی لمحے ماما کو گھبراہٹ ہونے لگتی تھی اور پاپا سب کچھ بھول کر ان کے ہاتھ ملنے لگتے تھے۔

اور ایک بار جب وہ چھوٹی سی تھی۔ زیادہ سے زیادہ نو برس کی تو پاپا کے ایک دوست نے جو رائٹر تھے اور ان دنوں ان ہی کے ہاں مقیم تھے، اسے پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"پتا ہے گڑیا! تمہاری ماما تم سے جیلس اس لیے ہوتی ہیں کہ تم اپنی ماما سے زیادہ خوبصورت ہو۔"

"کیا فضول باتیں کرتے ہو مجتبیٰ۔ کوئی ماں اپنی بچی سے جیلس ہو سکتی ہے بھلا۔ خواہ مخواہ بچی کا ذہن خراب نہ کرو۔" پاپا نے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔

"یار! ایک بڑی زبردست کہانی ذہن میں ابھر رہی ہے۔ ماں بیٹی سے جیلس...... واہ۔"

"تم اپنی کہانیاں اپنے تک محدود رکھو۔ کہانیوں اور حقیقتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

پتا نہیں اتنے بہت سارے سالوں کے بعد اسے یہ بات کیسے یاد آ گئی تھی۔ یونہی بیڈ پر لیٹے لیٹے اس نے سوچا۔

'پتا نہیں، یہ انکل مجتبیٰ آج کل کہاں ہوتے ہیں۔'

"اور اگر کبھی جو مل جائیں تو ان سے ضرور پوچھوں گی کہ واقعی ایسا ہو سکتا ہے کہ ماں مجھ سے جیلس ہوں اور یہ بات انہوں نے مجھ سے کیوں کہی تھی۔"

اتنے سارے لوگ گھر میں آتے ہیں۔

آج نیو ایئر پارٹی ہے۔

آج عید ملن ہے۔

آج بزنس ڈنر ہے۔

آج عاشی کا برتھ ڈے ہے۔

آج مور کا برتھ ڈے ہے۔

'مگر یہ انکل مجتبیٰ پتا نہیں کیوں نہیں آتے۔'

جب وہ چھوٹی سی تھی تو وہ بہت آیا کرتے تھے اور رات گئے تک پاپا کے ساتھ گپیں لگاتے۔ اپنی

کہانیوں کے پلاٹ سناتے۔ان کے کردار پر بحث کرتے اور کبھی ماما کو چھیڑتے۔

''مسز عثمان' آپ کی شخصیت میں بڑا اسرار ہے۔میں کسی دن ضرور آپ پر کہانی لکھوں گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا کردار میرے یادگار کرداروں میں سے ہوگا۔''

'پتا نہیں' انہوں نے ماما پر کہانی لکھی تھی یا نہیں۔'

'اور وہ انہیں یہ بھی بتائے گی کہ اسے بھی ماما کی شخصیت میں اسرار لگتا ہے۔'

بہت اسرار۔

جیسے انہوں نے چہرے پر کوئی ماسک چڑھا رکھا ہو اور ان کا اصلی چہرہ اس ماسک کے پیچھے چھپا ہوا ہو۔

وہ پاپا سے آج انکل مجتبیٰ کے بارے میں ضرور پوچھے گی۔

مگر نہیں ابھی کچھ دیر پہلے پاپا نے اسے کس بری طرح اگنور کیا تھا۔وہ پاپا سے بات نہیں کرے گی۔کبھی نہیں۔

وہ پھر ہولے ہولے سسکنے لگی۔

اس کی ماما زینب عثمان احمد پندرہ برس پہلے مشہور ٹی وی آرٹسٹ اور ماڈل ہوا کرتی تھیں لیکن عثمان احمد سے شادی کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے ماڈلنگ اور ٹی وی پر کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔عثمان احمد ایک بہت بڑی دوائیوں کی کمپنی کے مالک تھے لیکن پچھلے چند سالوں میں نہ جانے کیا ہوا تھا کہ ان کا کاروبار گھاٹے میں جا رہا تھا۔حالانکہ لوگ اب بھی بیمار ہوتے تھے بلکہ پہلے سے زیادہ بیمار ہوتے تھے اور ہر حال میں دوائیں خریدتے تھے۔

دواؤں کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔لیکن پھر بھی عثمان احمد کی کمپنی گھاٹے میں جا رہی تھی۔

تنگ آ کر انہوں نے اسے فروخت کر دیا تھا اور اب فارغ تھے اور زینب کی ناز برداریوں میں مصروف۔

اور زینب احمد جو پہلے شوقیہ ماڈلنگ کرتی تھیں اور کبھی کبھار کسی ڈرامے میں آ جاتی تھیں' اب پچھلے دو سال سے شرجیل مرزا کی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں باقاعدہ ملازمت کر رہی تھیں۔دوائیوں کی کمپنی کے فیل ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ عثمان احمد کے مالی حالات خراب ہو گئے تھے۔عثمان احمد ایک جاگیردار تھے اور سرگودھا سائیڈ پر ان کی اچھی خاصی زمینیں تھیں اور ان زمینوں کی ٹھیک ٹھاک آمدنی تھی۔پھر بھی معلوم نہیں کیوں' زینب عثمان نے ملازمت کر لی تھی اور آج بھی اتنی ہی مقبول اور ہر دل عزیز تھیں' جتنی وہ آج سے پندرہ سال پہلے تھیں۔لوگ ان کی ماڈلنگ کو پسند کرتے تھے اور اگر وہ کسی

ڈرامے میں آتیں تو ان کی شمولیت ڈرامے کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔

غضب کی ایکٹنگ کرتی تھیں وہ۔

مگر مریم کو ان کا ٹی وی پر آنا اور ماڈلنگ کرنا پسند نہ تھا۔اس نے پاپا سے بہت بحث کی تھی۔

''پاپا اگر مالی حالات ٹھیک نہیں ہیں تو اخراجات کم کیے جا سکتے ہیں۔ایک گاڑی فروخت کر دیں۔خانساماں کو چھٹی دی جا سکتی ہے۔مالی کی تنخواہ بے فائدہ جا رہی ہے۔ماما کو ملازمت کی کیا ضرورت ہے آخر۔''

''ضرورت تو نہیں بیٹا لیکن شوق ہے ان کا اور میں ان کے شوق میں حائل نہیں ہوتا۔خدا کے فضل سے زمینوں کی آمدنی کافی ہے۔''

''پاپا آپ انہیں روک تو سکتے ہیں۔''

''نہیں روک سکتا۔تمہیں تو پتا ہے' اسے ڈپریشن ہو جاتا ہے۔طبیعت بگڑ جاتی ہے اس کی۔''

بات صرف ملازمت کی ہی نہ تھی بلکہ جب سے انہوں نے ملازمت کی تھی' گھر میں طرح طرح کے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔اکثر رات گئے تک پارٹیاں ہوتیں۔

شوبز سے تعلق رکھنے والے لوگ۔

پاپا اور ماما کے دوست احباب۔

سب ان پارٹیوں میں شرکت کرتے تھے اور ماما چاہتی تھیں کہ مریم بھی ان پارٹیوں میں شریک ہوا کرے بلکہ ان کے مہمانوں سے بھی اچھی طرح پیش آئے' جبکہ مریم کو یہ سب پسند نہ تھا۔

اسے ماما کے مہمان بھی پسند نہ تھے۔

چھچھورے' نودولتیے۔

تہذیب و شائستگی کے نام پر بدتہذیبی کا مظاہرہ کرنے والے اداکار۔

جن کے ظاہر اور باطن مختلف تھے۔

اوپر سے چمکتے لشکتے' اندر سے میلے گندے۔

سفیدی پھری قبروں کی طرح۔

مریم ان پارٹیوں سے چڑتی تھی اور اسے عثمان احمد پر غصہ آتا تھا کہ وہ انہیں کسی بھی بات پر روکتے نہیں تھے۔ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہر بات پر سر جھکا دیتے تھے۔ان کی اپنی کوئی رائے تو تھی نہیں۔بس چابی کے گھوڑے کی طرح زینب احمد کی مرضی پر چلتے تھے حالانکہ کیا کمی تھی ان میں۔

وجیہہ' باوقار۔

دولت مند۔

ہر لحاظ سے وہ زینب احمد کے مقابل تھے پھر پتا نہیں کیوں...... مریم کو پاپا کا یہ مسکین سا انداز بالکل پسند نہ تھا لیکن پاپا اسی میں مگن تھے۔

''ہوں۔'' روتے روتے اس نے سر اٹھا کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے سات بج رہے تھے

''اوہ۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔'' آج تو زیرو پیریڈ بھی تھا۔ مس یامینہ کو پریکٹیکل بھی کروانا تھا اور وہ دوبار ایک پریکٹیکل کبھی نہیں کرواتی تھیں۔''

باتھ روم میں جا کر جلدی سے اس نے منہ دھویا۔ بالوں کو یونہی ہاتھوں سے سمیٹ کر پونی بنائی اور بیگ کاندھے پر لٹکا کر باہر نکل آئی۔

''مریم بی بی ناشتا'' اماں جیناں نے اسے آواز دی مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''ناشتا کر کے جاؤ''

زینب احمد ڈائننگ روم کے باہر کھڑی تھیں شاید...... لیکن وہ یوں ہی سر جھکائے چلی گئی۔ سیاہ گیٹ کو اس نے بہت غصے سے کھولا۔ تب ہی عاشی اور نینا ڈائننگ روم سے نکل کر اس کے پیچھے لپکیں۔ تیمور بھی ان کے پیچھے لڑھکتا ہوا آ رہا تھا۔

''آپ کالج جا رہی ہیں؟'' عاشی نے پوچھا۔

''کس کے ساتھ جائیں گی؟'' نینا نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بوائل انڈے کو منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا'' چاچا اسلم چھوڑنے جائے گا نا۔''

''نہیں۔'' اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔'' نینا بسوری'' کل بھی آپ چلی گئیں تھیں۔''

''مومو' میں بھی آپ کے ساتھ......'' تیمور نے اسے بلایا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

کتنے دنوں سے وہ یونہی جا رہی تھی۔ کبھی بس میں' کبھی رکشے میں اور کبھی ویگن میں جبکہ گھر میں تین تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شاید اس طرح وہ اپنی خفگی کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔ اپنے رویے سے ماما کو بتانا چاہتی تھی کہ اسے ماما کا طرزِ عمل پسند نہیں ہے اور نہ ہی شرجیل مرزا کی گھر میں اتنی زیادہ آمد اسے اچھی لگتی ہے۔ پارٹیز اور فنکشنز کے علاوہ بھی جب اس کا دل چاہتا' بے تکلفی سے منہ اٹھائے چلا آتا ہے جبکہ ماما چاہتی تھیں کہ وہ اس سے بے تکلفی سے ملے' ہنسے بولے اور اس کی چھوٹی موٹی گستاخیوں کا برا نہ مانے۔

''ہوں۔ غلیظ انسان۔'' اس نے سر جھٹکا اور سرمئی سڑک پر سر جھکا کر چلنے لگی۔

اردگرد لوگ آ جا رہے تھے۔

مطمئن اور خوش باش لوگ۔

اپنی اپنی سائیکلوں کے کیریرز پر ڈبوں یا تھیلوں میں کھانا رکھے کلرک پیشہ لوگ۔

کالج اور اسکول جانے والے طالب علم۔

مزدوری کی تلاش میں جانے والے مزدور۔

اور کیا یہ سب لوگ خوش اور مطمئن ہیں' اپنی اپنی زندگیوں سے یا میری طرح مضطرب اور بے چین ہیں۔

اس نے قریب سے گزرنے والے ایک اخبار بیچنے والے بچے کی طرف دیکھا۔

'اس کے چہرے پر کتنی طمانیت ہے۔

حالانکہ یہ ننگے پاؤں ہے اور اس کی قمیص بازو سے پھٹی ہے۔'

'اور کیا ہی اچھا ہو اگر زلزلہ آ جائے۔'

چلتے چلتے اس نے سامنے سات منزلہ عمارت کو دیکھا۔

'اور یہ عمارت دھڑام سے گر جائے سب ملبے تلے دب جائیں۔'

'یہ سب۔'

'یہ اخبار بیچتا ہوا ننگے پاؤں بچہ' یہ سائیکلوں کے کیریرز پر اپنا کھانا رکھے جاتے کلرک اور...... اور میں۔'

'اور پھر یہ سب ختم ہو جائے۔'

یہ بے چینی یہ اذیت۔

کوئی احساس باقی نہ رہے۔

نہ ماما کی زیادتیوں کا۔

نہ پاپا کی بے حسی کا۔

ماما جو اذیت دیتی ہیں۔

اور پاپا جو ایک مشین ہیں جس کا کنٹرول ماما کے ہاتھ میں ہے جو بٹن دبا دیں۔

پاپا یس مین

عاشی نینا اور مور

''ارے مور......'' چھوٹا سا گل گوتھنا سا اپنے نرم نرم موٹے موٹے ہاتھوں سے اپنے آنسو پونچھتا اپنا بڑا سا بیگ گھسیٹتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔ خواب کے سے عالم میں اس نے دیکھا کہ تیمور آنسو پونچھ رہا ہے۔

'اور بھلا ان سب کا کیا قصور' اور وہ سب تو اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ خواہ مخواہ ماما کا غصہ بھی ان پر نکال رہی ہے اور نینا کا منہ یہ کیسا ذرا سا نکل آیا' جب اس نے......'

قریب سے گزرتے ایک اسکوٹر سوار نے فقرہ کسا تو وہ چونکی اور ایک دم پیچھے پلٹ پڑی۔ آہستگی سے اس نے سیاہ گیٹ کھول کر اندر جھانکا' وہ تینوں ابھی تک پورچ میں کھڑے تھے۔ روٹھے روٹھے اور خفا خفا سے۔

وہ تقریباً دوڑتی ہوئی پورچ تک آئی اور تینوں کو ایک ساتھ بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ تیمور باقاعدہ سسکنے لگا۔

''اب آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں جاتیں مومو؟''

تیمور اگرچہ صرف چھ سال کا تھا لیکن آپی یا باجی کے بجائے مومو کہتا تھا اور مریم کو بھی بہت اچھا لگتا تھا۔ دو ایک بار ماما نے ٹوکا بھی تھا۔

''بیٹے' یہ تمہاری بجو ہیں انہیں بجو کہا کرو۔''

''نہیں ماما۔ مجھے اس کا ایسے بلانا اچھا لگتا ہے۔ یہ میرا ننھا سا بھائی' میرا دوست ہے۔''

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی مور۔ میری جان' میں بس میں جاتی ہوں نا۔'' اس نے انہیں علیحدہ کرتے ہوئے سمجھایا'' اور وہاں رش ہوتا ہے' کھڑے ہو کر جانا پڑتا ہے اور تم چھوٹے سے ہو۔''

''آپ بس میں کیوں جاتی ہیں' ہمارے ساتھ گاڑی میں کیوں نہیں جاتیں؟'' عاشی نے پوچھا۔

''بس یونہی۔''

''مجھے پتا ہے۔'' نینا نے سنجیدگی سے کہا'' مومو آپی ماما سے ناراض ہیں۔''

''ماما گندی بچی ہیں۔'' تیمور نے ناراضگی سے کہا۔

''بری بات۔'' اس نے تیمور کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

''ایسا نہیں کہتے' ماما اچھی ہیں......''

''تو پھر ماما آپ سے لڑتی کیوں ہیں۔''

''میں بھی تو ماما سے لڑتی ہوں۔''

''نہیں' پہلے تو خود ہی ماما آپ سے لڑتی ہیں۔'' تیمور نے بحث کی۔

''اچھا چلو چھوڑو فضول باتیں' مجھے پیار کرو۔''

تینوں نے باری باری اس کے رخساروں پر بوسہ دیا پھر وہ تینوں کو ساتھ لے کر گاڑی تک آئی جہاں چاچا اسلم کپڑے سے اسے صاف کر رہا تھا۔

''چاچا' ان تینوں کو اسکول چھوڑ آؤ۔''

''آپ بھی ہمارے ساتھ جاتی تھیں تو ہمیں بہت اچھا لگتا تھا۔'' نینا نے کہا'' جب ہم اسکول کے گیٹ میں داخل ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھتے تو آپ کھڑکی میں سے جھک کر ہاتھ ہلاتی تھیں تو......''

''ہاں۔'' تیمور نے بھی شکوہ کیا'' چاچا اسلم تو بس گاڑی سے اتارتے ہی زوں کر کے نکل جاتا ہے۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو گاڑی ہوتی ہی نہیں۔''

''چاچا اسلم۔'' اس نے نرمی سے اسے بلایا'' بچے اسکول کے گیٹ سے جب تک اندر نہ چلے جائیں' رکا کرو وہاں۔''

''جی آپ نہیں چلیں گی؟''

''نہیں۔''

وہ ایک دم بہت تھکی تھکی اور نڈھال سی لگنے لگی تھی۔ ایک بار تو اس کا جی چاہا تھا کہ وہ واپس اپنے کمرے میں چلی جائے اور کوئی ہلکا سا ٹرینکولائزر لے کر آنکھیں موند کر سو جائے۔ رات بھی وہ تقریباً جاگتی ہی رہی تھی۔ بار بار شرجیل مرزا کا خیال آتا تو اس کا خون کھولنے لگتا تھا'' اف' کتنے خوبصورت ہاتھ ہیں آپ کے مس احمد۔'' کتنی بے تکلفی سے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ پاپا اپنے بیڈ روم کے دروازے پر کسی روبوٹ کی طرح ساکت کھڑے تھے۔

''تو پاپا کو پتا ہے میں بس سے جاتی ہوں اور پاپا نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں پوچھا۔'' اس نے بیگ کو دائیں کندھے سے اتار کر بائیں کندھے پر ڈالا اور سر جھٹک کر باہر نکل آئی پھر وہی طویل سرمئی سڑک تھی اور وہ تھی۔

❀❀❀

شام سے ذرا پہلے جب وہ قصبے کے ریلوے اسٹیشن پر اترا تو اس کے ہاتھ میں صرف ایک بریف کیس تھا۔ اس نے تھوڑی دیر کے لیے بریف کیس نیچے زمین پر رکھا اور چاروں طرف دیکھا۔ آج سے بیس سال قبل اسٹیشن اتنا بارونق اور بڑا نہیں تھا اور شام کے وقت تو صرف دو چار مسافر ہی ہوتے تھے۔ سامنے کی طرف چھوٹا سا ایک کھوکھا تھا جہاں ایک مدقوق سا بوڑھا کاؤنٹر پر بیٹھا ہمہ وقت تسبیح کے دانے گراتا رہتا تھا اور ایک چھوٹا سا انتہائی میلے ہاتھوں اور گندے کپڑوں والا لڑکا تیزی سے چائے بنا کر کنارے جھڑی پیالیوں میں ڈالتا اور اس سے قدرے چھوٹا لڑکا ان پیالیوں کو لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی بینچ نما میزوں پر رکھتا جاتا تھا لیکن اب وہاں کھوکھے کے بجائے ایک صاف ستھرا ریسٹورنٹ تھا۔ جس کی پیشانی پر'' الشان ریسٹورنٹ'' لکھا تھا۔

اس کے علاوہ بھی بڑی تبدیلیاں آگئی تھیں۔

''گرم گرم پکوڑے' نان۔''

ایک شخص خوانچہ اٹھائے اس کے پاس رکا لیکن اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر زمین سے اپنا بریف کیس اٹھایا۔

'اور کتنی تبدیلیاں آگئی ہیں' یہاں' صرف بیس سال میں۔'

'لیکن بیس سال کچھ کم تو نہیں ہوتے۔ خود میری زندگی میں کتنی تبدیلیاں آئی ہیں۔ میں' میں نہیں رہا۔'

اور جن دنوں وہ لاہور ہاسٹل میں رہتا تھا تو چھٹیاں ہوتے ہی کیسے بے قرار ہو کر گاؤں کی طرف دوڑ پڑتا تھا اور بے جی اسے کیسے چھت پر کھڑی ملتی تھیں۔

''میں تیری ہی راہ دیکھ رہی تھی پتر۔'' جب وہ ماسی رحمتاں کے تندور کے پاس سے موڑ مڑتا تھا تو بے جی اسے چھت پر کھڑی نظر آجایا کرتی تھیں اور وہ اسے دیکھتے ہی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر گلی میں نکل آتی تھیں۔ جب وہ اپنے دروازے پر پہنچتا بے جی دروازہ کھول کر باہر گلی میں آجاتی تھیں۔

''بے جی' آپ کو کیسے پتا چلتا ہے کہ میں آرہا ہوں؟'' وہ ان کے گلے لگتے ہوا پوچھتا۔

''بس پتر صبح سے ہی میرا دل دھڑک رہا تھا کہ آج میرا پتر ضرور آئے گا۔''

''ہاں ہاں' تجھے تو الہام ہو جاتا ہے۔''

بابا بھی اس کے پیچھے باہر نکل آتے تھے۔ ہنستے ہوئے' خوش باش سے بابا اور بابا کیسے ہمیشہ خوش رہتے تھے۔ ہر مشکل' ہر مصیبت میں ان کے لبوں پر شکر کا کلمہ ہوتا تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں بابا کو کبھی پریشان اور ناخوش نہیں دیکھا تھا۔ جب شدید بارشوں میں فصلیں تباہ ہو گئیں تھیں۔ جب عنبر ان کی لاڈلی بیٹی' شادی کے ایک سال بعد ہی ایک بچے کو جنم دے کر مر گئی تھی اور جب سلطان چاچا کو گل باز خان کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا۔ تب بھی نہیں۔

''اس کی مرضی یہی تھی۔ بندہ تو عاجز مسکین ہے۔ شکر ہے جس حال میں وہ رکھے۔'' ان کے لبوں پر یہی کلمے رہتے تھے۔ پتا نہیں اب...... اب بھی بابا ایسے ہی ہوں گے اور بے جی...... پتا نہیں' بے جی اب بھی چھت پر کھڑے ہو کر میرا انتظار کرتی ہو گی یا نہیں اور ان بیس سالوں میں مجھے یاد تو بہت کیا ہو گا بھابو نے اور بھابو مجھ سے کتنا پیار کرتی تھیں' کتنے لاڈ اٹھاتی تھیں میرے' بالکل سگے بھائیوں کی طرح اور بھا نثار میرا کتنا خیال کرتا تھا۔

'اور وہ دونوں پیچو' میچو...... بھا نثار کے جڑواں بیٹے ارسلان اور ارمغان۔ وہ دونوں کتنے پیارے تھے مجھے۔ اور ان بیس سالوں میں مجھے ان کی بھی یاد نہیں آئی۔'

'کیسا پتھر ہو گیا تھا میرا دل۔'

'نہیں بلکہ میں سارے کا سارا ہی پتھر ہو گیا تھا۔'

''بابو جی کدھر جاؤ گے جی؟'' ایک تانگے والا اس کے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''کدھر جاؤں گا۔'' اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

'شاید اپنے گاؤں کا کوئی ہو۔' بیس سال پہلے یہاں قصبے کے ریلوے اسٹیشن پر دو ہی تو تانگے والے ہوتے تھے۔ مجیدا تانگے والا اور کرم الٰہی تانگے والا۔ مگر آج دو نہیں بلکہ آٹھ نو تانگے والے کھڑے تھے اور ان میں شاید کوئی بھی کرم الٰہی یا مجیدا نہیں تھا۔

''میں رنگ پور جاؤں گا۔''

''بیس روپے ہوں گے جی۔''

''بیس روپے!'' وہ پھر بیس سال پہلے کے دور میں پہنچ گیا۔

''ہاں جی۔ سالم تانگہ لیں گے تو بیس روپے اور سواری تانگہ لیں گے جی تو پانچ روپے ہوں گے۔ لیکن انتظار کرنا پڑے گا۔''

''نہیں' نہیں انتظار نہیں...... سالم تانگہ ہی لوں گا۔'' اب وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا تو اب مزید انتظار نہیں ہوتا تھا۔ وہ بریف کیس اٹھائے تانگے میں بیٹھ گیا۔

'اور وہ سب مجھے دیکھ کر کس قدر حیران ہوں گے' اور کتنے خوش' اور میں کیا کہوں گا۔ اپنی ندامتوں اور شرمندگی کو کیسے چھپاؤں گا ان سے کہ بیس سال تک پلٹ کر ان کی خبر تک نہ لی تھی میں نے...... پر نہیں وہ مجھے شرمندہ ہی کہاں ہونے دیں گے۔ بابا تو مجھے گلے سے لگا لیں گے۔'

''کوئی گل نہیں پتر' ہو دیر سے سہی آ تو گئے ہو۔ جاتے سمے دیکھ لیا تمہیں...... اوئے بھاگوان اٹھ۔'' پھر وہ بے جی سے کہیں گے۔ ''ارسلان کو بھیج کر حوالدار کی دکان سے بتاشے منگوا لے دس روپے کے اور بانٹ دے۔''

''لو' پہلے تو میں تیل ڈال آؤں مسجد میں۔ خیر سے میرا پتر امریکا سے ڈگری لے کر آیا ہے۔''

''بابو جی' آپ رنگ پور کے ہی ہو؟''

''ہاں۔'' وہ اپنے خیالات سے چونکا ''تم رنگ پور کے ہو؟''

''نہیں جی۔ میں تو ادھر کا ہی ہوں شہر میں ہی رہتا ہوں۔ چھوٹا سا تھا یہی کوئی تین چار سال کا تو جی میرا باپ مر گیا۔ ہوش سنبھالتے ہی تانگہ چلانے لگا۔ میرا باپ بھی تانگہ چلاتا تھا جی۔ سات بہنیں ہیں۔ سب کو پار لگانا ہے۔ چار کو بیاہ چکا ہوں۔ تین رہتی ہیں۔''

''ایک یہ شخص ہے۔ ان پڑھ اور کم علم۔ جو اپنے فرض کو پہچانتا ہے اور اتنی چھوٹی سی عمر سے ہی گھر کو سنبھالے ہوئے ہے اور ایک میں ہوں' اعلیٰ تعلیم یافتہ جو محبتوں کی قدر بھی نہ کر سکا۔''

وہ پھر سوچوں میں کھو گیا تھا۔

تانگہ اب کچی سڑک کی طرف مڑ گیا تھا۔
کچی پکی فصل کی خوشبو اس کی ناک سے ٹکرائی۔ پھر اسے جھٹکا سا لگا۔
"یہ سڑک ابھی تک کچی ہے۔"
"جی او جی! ووٹ والے وعدے تو بڑے کرتے ہیں جی۔ ایک دفعہ جیت جائیں جی، پھر سب سے پہلے سڑک پکی کروائیں گے لیکن پھر جی جیت گئے تو کہاں کے وعدے...... آج تک تو جی وعدوں کے سہارے ہی چل رہے ہیں۔"
"ہاں وعدے...... وعدے کون پورے کرتا ہے۔"
اس نے بھی تو وعدہ کیا تھا اور پھر اس وعدے کو باقاعدہ نکاح کی زنجیر پہنا دی تھی لیکن پھر وہ اس وعدے کو نہ نبھا سکا۔ پتا نہیں، رضوانہ کہاں ہوگی اور پتا نہیں، وہ مجھے یاد بھی کرتی ہوگی یا اپنے گھر، شوہر اور بچوں میں مست ہوگی اور اسے یاد بھی نہیں ہوگا کہ کبھی میں اس کی جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں چھت پر کھڑا رہتا تھا اور صرف اس کے لیے اس کی خاطر لاہور سے ہر پندرہ دن بعد گاؤں بھاگا چلا آتا تھا اور جب چاچا سلطان قتل ہو گئے تھے تو بابا نے پوچھا تھا۔
"سکندر پتر، رضی اکیلی ہو گئی ہے، دل چاہتا ہے اسے گھر لے آؤں۔"
"تو لے آئیں نا بابا۔"
"اس طرح نہیں۔ تیرا نکاح کر کے پتر۔"
اور لڑکا ہونے کے باوجود اس کی نگاہیں جھک گئی تھیں اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔
"جی بابا۔"
"بیٹا تو شہر پڑھتا ہے اگر تیری کہیں اور مرضی ہو تو۔"
"نہیں بابا! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جو آپ کریں گے، بہتر کریں گے۔"
پھر کیا ہوا۔ اس نے سارے وعدے توڑ ڈالے حتیٰ کہ نکاح کی زنجیر بھی کاٹ ڈالی تھی۔

دل دریا سمندروں ڈونگا
کون دلاں دیا جانے ہو

تانگے والا اسے سوچوں میں کھویا دیکھ کر گانے لگا اور وہ اردگرد پھیلے کھیتوں کو دیکھنے لگا۔ گندم کی کٹائی ہو چکی تھی۔ جگہ جگہ گندم کے گٹھے بندھے رکھے تھے۔ کہیں کہیں کھیتوں کو اگلی فصل کی بوائی کے لیے تیار کیا جا رہا تھا اور ان میں پانی لگا تھا۔ شام کے ملگجے سے اندھیرے میں اسے یہ منظر بہت اچھا لگا۔ اوپر آسمان پر بھوری چڑیوں اور کوؤں کے ڈار اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف اڑتے ہوئے جا رہے تھے۔ اس نے سڑک کے ساتھ ساتھ بجلی کے کھمبوں کو دیکھا۔

"رنگ پور میں بجلی آ گئی ہے؟"
"ہاں جی۔" تانگے والے نے گھوڑے کو ہلکا سا چابک مارا "چل شہزادے۔"
وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے پکی اور ادھ پکی فصل کی خوشبو اپنے اندر اتار رہا تھا۔
"چلو جی، باؤ جی، رنگ پور آ گیا۔"
"ہاں۔" وہ چونکا۔
"ادھر ہی اترو گے یا آگے تک لے جاؤں؟"
"نہ، یہاں ہی۔"
وہ بریف کیس اٹھا کر اتر گیا۔ سامنے ہی چھوٹا سا میدان پار کر کے ماسی رحمتاں کا تندور تھا۔ وقت ایک دم بیس سال پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کے اندر وہی جوش و ولولہ بھر گیا، جو پہلے گاؤں آتے ہوئے ہوتا تھا۔ قدموں میں ایک دم تیزی آ گئی۔ ماسی رحمتاں کے تندور کے پاس پہنچ کر اس کی نگاہیں بے اختیار گھر کی چھت کی طرف اٹھ گئیں لیکن منڈیر سنسان پڑی تھی۔ وہ لمحہ بھر یونہی رک کر چھت کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے ابھی بے جی کہیں سے آ کر منڈیر پر کھڑی ہو جائیں گی اور پھر ان سے نظریں ملتے ہی وہ دایاں ہاتھ اٹھا کر انہیں وش کر دے گا۔ اور...... ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے اردگرد کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔
"اپنے وطن کی ہواؤں کی خوشبو ہی اور ہوتی ہے!" ایک بار لاہور آتے ہوئے محسن وقار نے سوہاوہ کے قریب پہنچ کر بس کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر زور سے سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔
"بس اپنے علاقے میں داخل ہوتی ہے تو ہواؤں کی خوشبو ہی بدل جاتی ہے۔ سوندھی سوندھی روح میں اتر جانے والی خوشبو......"
وہ اور محسن دونوں ہی بڑے جذباتی ہوا کرتے تھے۔ وہاں ہاسٹل میں اپنے علاقے کی گاجر اور مولیوں کو یاد کرتے تھے "یار! اپنے علاقے کی مولیوں کی بات ہی کیا ہے۔" محسن وقار سلاد کی پلیٹ میں سے مولی کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتا تو ضرور کہتا "کیا بات ہے بھئی اپنے تترال کی مولیوں کی۔" وہ تترال کا رہنے والا تھا۔ "پورے پاکستان میں کیا، پوری دنیا میں ایسی ذائقے والی مولیاں نہیں ملیں گی۔"
"یار اب مولیوں اور گاجروں کی بات چھوڑو۔ برگر اور فاسٹ فوڈ کی بات کیا کرو۔"
کوئی دوست اسے ٹوکتا۔
"لعنت ہو تمہارے برگروں پر۔ ہمارے سرسوں کے ساگ اور تندوری روٹی پر ایسے ہزاروں برگر قربان ہوں۔" اسے کوئی کمپلیکس نہیں تھا کہ وہ گاؤں سے تعلق رکھتا ہے بلکہ وہ تو اس پر فخر کرتا تھا۔
"یہ پانی کے چھینٹے مار مار کر فریزروں میں رکھی سبزیاں...... ارے کبھی میرے گاؤں آؤ تو بتاؤں

تمہیں توری اور ٹنڈوں کا کیا ذائقہ ہوتا ہے۔ دیسی کھیرے کا کیا مزا ہے۔''

''بس بس' یہ ٹنڈے اور توریاں تو ہی کھاتا رہ۔'' حمزہ اور اسد تو اس کی ایسی باتوں سے بہت چڑتے تھے اور انہوں نے اس کا نام ہی دیسی کھیرا رکھ چھوڑا تھا۔

پتا نہیں یہ سب لوگ کہاں ہوں گے۔

اپنی اپنی زندگیوں میں سیٹ اور مطمئن یا اس کی طرح بے چین اور مضطرب۔ تہی دامن اور خالی ہاتھ یا مالا مال۔

اس نے ایک بار پھر ارد گرد کی خوشبو کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی۔

اور محسن وقار سچ ہی کہتا تھا۔ اپنی مٹی کی خوشبو ہی اور ہوتی ہے۔ وکھرا ہی ذائقہ ہوتا ہے۔

سامنے ماسی رحمتاں کے تندور کے پیچھے برگد کا اونچا درخت آج بھی اسی آن بان سے کھڑا تھا۔

آسمان پر آج بھی سفید سفید بدلیاں راج ہنسوں کی طرح تیر رہی تھیں۔ سب کچھ کتنا اپنا اپنا اور خوبصورت لگ رہا تھا لیکن سامنے اس کے گھر کی منڈیر خالی تھی۔ وہاں بے جی نہیں تھیں۔ یکا یک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں لیکن اس نے سر جھٹک کر آنسوؤں کو بہنے سے روکا اور سر جھکا کر گھر کی طرف چل پڑا۔ گلی سنسان پڑی تھی۔ گاؤں میں شام ہوتے ہی ویرانی ہو جاتی تھی۔ رنگ پور کی گلیاں بھی سنسان پڑی تھیں۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر کتنی ہی دیر تک وہ یونہی ساکت کھڑا رہا۔ ایک وقت تھا' جب وہ دروازے کو دھکا دیتا' بھاگتا ہوا اندر پہنچ جاتا تھا اور آج اجنبی بنا کھڑا تھا۔ کئی لمحے یوں ہی گزر گئے۔ آخر حوصلہ کر کے اس نے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ بہت دیر بعد کوئی دروازے پر آیا۔

''کون ہے بھئی' خیر تو ہے۔'' دروازہ کھولے چوہدری نثار کھڑے تھے۔

''بھا نثار۔'' وہ بریف کیس پھینک کر ان سے لپٹ گیا۔

''کون تو...... تو سکندر۔ سکندر تو۔'' بھا نثار نے اسے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا اور اس کی خشک آنکھوں میں آنسو امڈے چلے آئے۔

''ارے' کہاں چلا گیا تھا تو' ہم سب کو چھوڑ کر۔ کیسے پتھر کر لیا تو نے اپنے دل کو۔'' نثار چوہدری آنسوؤں سے رو رہے تھے۔

دونوں کے آنسو ایک دوسرے کے کندھوں کو بھگوئے جا رہے تھے۔

''اچھا' اب بس مت رو۔ آ گیا ہے نا۔ میرے دل کو یقین تھا کہ تو ضرور آئے گا۔ ضرور تجھے کوئی مصیبت آ پڑی ہوگی۔ تبھی تو رک گیا ہوگا۔ بے جی کہتی تھیں اور بابا بھی کہتے تھے۔ سکندر ہمیں بھولا نہیں۔ وہ ہمیں بھول نہیں سکتا۔ ضرور کسی مصیبت میں پڑ گیا ہے۔''

''بے جی اور بابا ٹھیک تو ہیں نا۔''

''بے جی اور بابا۔'' نثار چوہدری نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے دہرایا' 'وہ تو چلے گئے سکندر' تیرا انتظار کر کر کے تھک گئے تھے۔''

''بھا۔'' وہ ایک بار پھر نثار چوہدری کے گلے لگ گیا اور دونوں بھائی رونے لگے۔

''کیا ہے۔ کون آیا ہے' ملک صاحب۔ خیریت تو ہے نا جی۔'' یہ بھابو کی آواز تھی۔

''صالحہ' صالحہ۔'' چوہدری نثار نے بھرائی ہوئی آواز کہا' 'سکندر آیا ہے...... اپنا سکندر۔''

''سکندر' ملک جی۔''

اور پھر چوہدری نثار اس کے گرد بازو حمائل کیے اسے اندر لے گئے۔ بھابو نے تڑپ کر اسے گلے لگا لیا اور پھر کتنی ہی دیر تک وہ بھابو کے گھٹنوں پر سر رکھے آنسو بہاتا رہا۔

''اب بس بھی کر نیک بخت۔ پتا نہیں کتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے۔ چائے پانی کا کوئی بندوبست کر اپنے ویر کے لیے۔''

اس نے سر اٹھا کر نثار چوہدری کی طرف دیکھا۔

وہی بابا والا انداز۔

وہی آنکھوں سے جھانکتی شفقت و محبت!

وہی پور پور پیار میں ڈوبا لہجہ۔

''چلو اٹھو جھلی گھر آنے والے پردیسی کا ایسے خیر مقدم نہیں کرتے۔''

بھابو آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ اٹھ کر پھر نثار چوہدری کے پاس بیٹھ گیا۔

''بھا۔''

''بس بس' اب رونا نہیں...... بہت رو لیا تم نے۔ اب تو آ گیا ہے نا تو سب ٹھیک ہے۔''

انہوں نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور مسکرائے۔

''بھا' ماں جی اور بابا کب...... اور کیسے......؟''

''چھ سات سال پہلے بس چھ ماہ کے وقفے سے دونوں ہی چھوڑ گئے۔ پہلے ماں جی اور پھر بابا۔ تجھے پتا تو ہے نا' ماں جی کو دمے کی تکلیف تھی۔ سانس اکھڑ جاتا تھا تو پھر...... بس ایک روز ایسا اکھڑا کہ......''

ہاں۔ اسے یاد تھا۔ بہت اچھی طرح سے یاد تھا۔ جب وہ چھوٹا سا تھا اور ماں جی کو سانس کی تکلیف ہوتی تھی تو وہ ساری ساری رات بیٹھ کر گزار دیتی تھیں۔ ذرا لیٹتی تھیں تو سانس اکھڑ جاتا تھا اور اٹھ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ اپنی چارپائی سے وہ بار بار سر اٹھا کر انہیں دیکھتا اور پھر تکیے پر سر رکھتے ہوئے

سوچتا کہ وہ بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے گا اور پھر ماں جی کا علاج کرے گا۔ پتا نہیں' کیسے ڈاکٹر تھے کہ ماں جی کی تکلیف دور ہی نہیں کر سکتے تھے۔ بابا کتنی مرتبہ انہیں شہر لے گئے تھے مگر جب سردیاں آتیں' ماں جی کا وہی برا حال ہو جاتا۔ چارپائی سے ہی لگ جاتی تھیں تب ہی تو بابا نے بھا نثار کا بیاہ جلدی کر دیا تھا۔ ادھر عنبر کی ڈولی اٹھی تھی' ادھر بھا نثار کی دلہن گھر آئی تھی۔

''بابا' ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں۔ ابھی اتنی کم عمری میں شادی؟''

''پڑھ لینا پتر۔ پر عنبر کے جانے کے بعد تیری ماں اکیلی ہو جائے گی۔ ہمیں روٹی کون پکا کر دے گا۔ گھر کا خیال کون رکھے گا۔ تجھے پتا ہے نا۔ سردیوں میں کتنی اوکھی ہو جاتی ہے وہ۔''

بابا نے سمجھایا تو نثار چپ ہو کر رہ گئے۔ یوں بھابو صالحہ ان کے گھر آ گئی تھیں اور تب بھا نثار میٹرک کر کے نئے نئے شہر گئے تھے۔

ماں جی گرمیوں میں تو بھلی چنگی رہتی تھیں۔ تندور میں روٹیاں لگاتیں۔ سال بھر کے لیے گندم سنبھال کر رکھتیں۔

ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں۔ مگر سردیاں......

تب وہ ان کا ہاتھ' ہاتھوں میں لے کر انہیں یقین دلاتا ''ماں جی دیکھ لینا' میں ڈاکٹر بنوں گا اور آپ کا علاج کروں گا۔''

وہ ڈاکٹر تو بن گیا تھا لیکن ماں جی کا علاج نہیں کر سکا تھا۔

''اور بابا تو بس ماں جی کے بعد چٹ پٹ ہی چلے گئے۔ چپ سی لگ گئی تھی ان کو۔ کبھی بات بھی کرتے تو تیری یا ماں جی کی۔ پھر وقت برابر آ گیا ان کا۔ تجھے بہت یاد کرتے تھے سکندر...... کہتے تھے' اگر کبھی سکندر لوٹ کر آیا تو اسے بتانا کہ ہم اس سے خفا نہیں ہیں۔ ماں باپ بھی کبھی اپنی اولاد سے خفا ہوتے ہیں۔ لیکن رضوانہ پتر سے معافی ضرور مانگ لینا۔ اس کا دل دُکھایا ہے تو نے......''

''رضوانہ......'' چھم چھم کرتی رضوانہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

سیاہ کاجل بھری آنکھیں
گلابی رنگت
نازک سراپا
کمر کو چھوتے بال
ہنستی تو رخساروں پر گڑھے پڑ جاتے تھے
ہونٹ بند کرتی تو آنکھیں ہنستی تھیں
اس کا پورا وجود ہنستا تھا۔

پتا نہیں کہاں ہو گی وہ۔

اس کا دل چاہا پوچھے کہ وہ کیسی ہے۔ اس کا شوہر کیسا ہے کیا کرتا ہے۔ اپنے گھر میں خوش ہے یا نہیں...... لیکن ہمت نہیں پڑی۔ بس شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''بھا'' بڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا ''گھر میں بڑی خاموشی ہے۔ سب لوگ کدھر ہیں۔ اپنے بچے میچو اور......''

''سب شہر ہوتے ہیں یار۔ ہم بڈھا بڈھی ادھر اکیلے رہتے ہیں۔''

''کہاں بھا' ابھی آپ بڈھے کہاں ہوئے ہیں۔'' اس نے غور سے ان کے کسرتی بدن کو دیکھا۔ سفید کرتے شلوار میں ملبوس' سیاہ چمکتے بالوں اور گھنی مونچھوں کے ساتھ وہ بڑے شاندار لگ رہے تھے۔ شاید ابھی تک ان کے بال سفید نہیں ہوئے تھے جب کہ اس کا آدھا سر سفید ہو گیا تھا۔

''بچے جوان ہو جائیں تو ماں باپ بوڑھے ہو ہی جاتے ہیں یار...... ارسل اور منا یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ چھوٹی ایمن بھی لاہور میں پڑھ رہی ہے۔ بی ایس سی کر رہی ہے۔ تو نے تو اسے نہیں دیکھا۔ تیرے جانے کے بعد پیدا ہوئی تھی اور وہ شہریار ہے ناں' اپنی عنبر کا بیٹا' وہ ڈاکٹر بن گیا ہے۔ ہاؤس جاب کر رہا ہے۔ چاروں لاہور میں ہی ہوتے ہیں۔ یہ تیری بھابو نے بڑا منع کیا تھا کہ بچوں کو شہر نہ بھیجو' بہت ڈرتی تھی کہ تیری طرح انہیں شہر ڈس نہ لے۔ پر میں نے سمجھایا۔ جھلیے شہر برے نہیں ہوتے ہیں۔ شہر آدمی کو کچھ نہیں کہتے ہیں۔ یہ تو آدمی خود ہی بھٹک جاتا ہے۔ اپنی راہ کھوٹی کر لیتا ہے۔ شہروں نے بھلا کیا کرنا ہے۔ جیسے شہر ویسے گاؤں۔ آدمی نے بھٹکنا ہو تو گاؤں میں رہ کر بھی بھٹک جاتا ہے۔'' شیری کے ابا کو ہی دیکھ لو۔ مڑ کر کبھی خبر ہی نہیں لی کہ بیٹا جیتا بھی ہے یا نہیں؟ اب میں بھی تو شہر گیا تھا ناں۔''

وہ نادم سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

بھا نثار نے فیصل آباد کی زرعی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔

''ارسل کو تو پروفیسر بننے کا شوق ہے۔ انگریزی میں ایم اے کر رہا ہے۔ بڑا شاعر واعر ہو گیا ہے۔ تیرا لاڈلا مشاعروں میں جا کر شعر سناتا ہے اور وہ منا تو پورا بقراط ہے۔ ایک دم کامریڈ۔ سیاست میں ایم اے کر رہا ہے۔ اس کی باتیں سن کر تو لگتا ہے جیسے پاکستان کا اگلا وزیر اعظم اسے ہی بننا ہے۔'' نثار چوہدری نے قہقہہ لگایا...... اونچا زوردار قہقہہ۔

'اور بھا نثار بالکل بابا کی طرح لگنے لگے ہیں۔' سکندر نے سوچا...... 'باتوں کا وہی انداز' وہی لہجہ' پتا ہی نہیں لگتا کہ انہوں نے زرعی یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا ہے۔'

''اور شیری۔ وہ بڑا ذمے دار لڑکا ہے۔ سنجیدہ اور کم گو سا...... شاید ماں کی موت اور باپ کی بے

اعتنائی نے اس سے اس کی شوخیاں چھین لی ہیں حالانکہ بابا اور ماں جی نے تو اسے ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھا اور اپنی بھابو کا تو تجھے پتا ہی ہے۔ کیسا دل ہے اس کا 'سمندر..... محبتوں کا سمندر۔''

''ارے تجھے پتا نہیں سکندر رے ماں جی کے بعد اس نے کیسے راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیرے لیے دعائیں کی ہیں۔ شیری کے پروفیسرز اس کی بہت تعریفیں کرتے ہیں۔ ایک دفعہ میں لاہور گیا تھا تو اس کے ایک پروفیسر کہہ رہے تھے کہ شیری ایک دن بہت بڑا سرجن بنے گا۔''

بھابو کچن میں کھڑ کھڑ کر رہی تھیں۔

''صالحہ چائے تو پلوا دے سکندر کو پھر پکاتی رہنا کچھ۔'' چوہدری نثار نے اسے آواز دی اور پھر سکندر کی طرف دیکھا۔

''تو بتا' یار کہاں کھو گیا تھا۔ مڑ کر خبر ہی نہ لی۔ بیوی بچے کہاں ہیں تمہارے..... بتاؤ یار' کچھ اپنے متعلق۔''

''میں سچ مچ دنیا کی اس بھیڑ میں کھو گیا تھا بھاجی۔ واپسی کا راستہ ہی گنوا بیٹھا تھا۔ ایسی بھول بھلیوں میں الجھ گیا تھا کہ جن سے نکلنا اپنے اختیار میں ہی نہیں رہا تھا۔''

آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں اکٹھے ہونے لگے تو چوہدری نثار نے اسے کھینچ کر گلے سے لگا لیا اور وہ ان کے گلے سے لگا ایک بار پھر سسکنے لگا۔

❀ ❀ ❀

''یہ اینٹی کنزیومر ایکٹیوٹیز میں غیر اسلامی ہیں سب وژیول آرٹ۔''

''ہوں۔'' مجتبیٰ حیدر نے اخباروں کا پلندہ پروفیسر عادل کی میز کے سامنے پھینکا ''یہ..... یہ پڑھا ہے سب آپ نے؟''

''پڑھ چکا ہوں۔''

تصدق احمد کے SCULPTURES پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ جو پرچہ اٹھاؤ اس میں تصدق احمد پر تنقید۔ اخبارات' ادبی پرچے۔ سب کے سب بھرے ہوئے ہیں۔ کیا گناہ کر دیا ہے اس نے یار یہ SCULPTURES بنا کر میں نے ایک دو پیس دیکھے ہیں۔ بہت اچھے لگے۔ بڑے نیچرل اور سچے سے۔''

''اپنی اپنی نظر کی بات ہے بھئی۔'' پروفیسر عادل نے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

''دراصل اس ملک میں ابھی لوگ فن کو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔''

''تصدق آیا تھا؟'' مجتبیٰ حیدر نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''آپ گئے تھے؟''

''نہیں۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے' اس کی مایوسی کو دیکھنے کا۔ نمائش سے پہلے بڑا پرامید تھا۔''

''کچھ لوگوں نے پسند بھی کیا ہے اس کے کام کو۔ آپ نے شاید پڑھا نہیں۔''

کونے میں بڑے انہماک سے ایزل چیئر پر جھکے مسرور صفدر نے بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

''آمنہ صفی کا کالم نہیں پڑھا آپ نے۔ بہت تعریف کی ہے اس نے۔ اس کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ آج کل وہ تہذیب و ثقافت کے بچاؤ کے لیے بڑا کام کر رہی ہے۔''

''میں نے آمنہ کا کالم نہیں دیکھا۔'' مجتبیٰ حیدر نے مسرور کو جواب دیا۔

''تمہارا کام کب ختم ہو گا۔ سب لوگ آنے والے ہوں گے۔''

''بس ایک آخری ٹچ دے لوں۔'' مسرور نے پروفیسر عادل کو جواب دیا اور جلدی جلدی برش پھیرنے لگا۔ مجتبیٰ حیدر اسے یوں تصویر پر کام کرتے ہوئے دیکھتے رہے' جبکہ پروفیسر عادل سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جا رہے تھے اور گاہے گاہے گنگنانے لگتے۔

عشق لگا گھر وسریا در وسریا ورسریا (عشق ہوا ہے گھر بار بھول چکے ہیں اور زرق برق لباس بھول چکے ہیں)

''کس سے عشق ہو گیا ہے پروفیسر؟'' مجتبیٰ حیدر نے شرارت سے دیکھا ''ایک ہم ہیں' عمر گزر گئی اس صحرا نوردی میں لیکن ایسا عشق نہیں ہوا۔ جس میں گھر بار سب بھول جائیں۔''

''جو عشق فرزانہ ہوتا ہے' وہ عشق نہیں ہوتا میری جان۔''

''اور تمہارا عشق کیا دیوانہ ہے؟''

''میرا عشق ابھی میرے خون کے اندر گردش کر رہا ہے۔ ابھی میں خود بھی نہیں جانتا کہ میں اس عشق کی ہفت منزلیں طے بھی کر سکوں گا یا نہیں یا زندگی بغیر عشق کیے ہی گزر جائے گی۔ کیا تم سے کسی نے عشق نہیں کیا؟''

مجتبیٰ نے قہقہہ لگایا۔

پروفیسر عادل نے ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر اس کی بات کا جواب دیے بغیر مسرور کی طرف متوجہ ہو گئے ''تمہاری تصویر میں اب کچھ چیز جھلکنے لگی ہے مسرور۔ جو کھینچتی ہے اپنی طرف۔ اسی طرح محنت سے کام کرتے رہے تو ایک دن نام کماؤ گے۔''

''تھینک یو پروفیسر۔ آپ کی حوصلہ افزائی سے ہی آج یہاں تک پہنچا ہوں۔''

''کیا خیال ہے' پروفیسر عادل' مصوری کھاتے پیتے لوگوں کا فن نہیں ہے کیا؟'' مجتبیٰ نے خیال ظاہر کیا۔

''اور اس کے ساتھ ظلم یہ ہوا کہ مڈل کلاس لڑکوں نے مصوری شروع کر دی۔'' مسرور صفدر نے مڑ کر شاکی نظروں سے مجتبیٰ کو دیکھا۔

''شاید۔''

پروفیسر عادل نے پھر سگریٹ جلایا اور آنکھیں کھول کر سیدھے بیٹھ گئے۔ جب وہ کسی کی باتیں توجہ سے سنتے تھے تو ان کا یہی انداز ہوا کرتا تھا۔

''داتا دربار کے پاس جو کمرشل آرٹسٹ بیٹھے سرورق بنا رہے ہیں' وہ بالکل جاہلانا ہے۔ آغا کی نئی کتاب کا سرورق دیکھا تھا تم نے ایک دم فضول۔ دراصل اس جنریشن نے کمرشلائزیشن کی ہے۔ اس طرح آرٹسٹ اور کتاب میں تعلق بنا ہے۔''

انہوں نے آدھا پیا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک دیا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ایک دم چمک آ گئی تھی اور قدرے سکڑ گئی تھیں۔ پیشانی کی لکیریں گہری لگنے لگی تھیں۔ ایک ہاتھ کی مٹھی بند ہو گئی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ کو انہوں نے سمجھانے کے سے انداز میں اوپر اٹھا لیا تھا۔ جب وہ کسی لیکچر کے موڈ میں ہوتے تو ان کا یہی اسٹائل ہوتا تھا۔

''افسانے کو ILLUSTRATE کرنے کی روایت ہمارے ہاں اتنی نہیں ہے۔ انور سجاد کی کتاب ''استعارے کی کہانیاں'' میں ILLUSTRATION ڈیکوریشن کے نقطہ نظر سے کی گئی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' مجتبیٰ حیدر نے پوچھا ''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں پروفیسر۔ میں تو کمرشل آرٹسٹوں کی بات کر رہا تھا جو......''

''اور میں یہ کہہ رہا تھا کہ ادبی رسالوں اور ڈائجسٹوں نے مصوری اور ادب کو یک جا کیا ہے۔''

پروفیسر عادل نے انہیں ٹوک دیا۔ وہ جب بولنے پر آتے تھے تو بے تکان بولتے تھے۔ بظاہر ان کی گفتگو میں کوئی ربط نہیں لگتا تھا لیکن بعد میں جب غور کیا جاتا تو کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کڑی ملتی دکھائی دیتی تھی۔

''انور سجاد افسانہ نگار بھی ہے اور مصور بھی۔ اس کی کہانی ''چوراہے کے بعد'' میں مصوری بھی ہے۔ اس نے کوشش یہ کی ہے کہ گریوٹی لے آئے۔ منٹو میں بھی یہ بات تھی لیکن اس کی DEATAILS تھوڑی تھیں' وہ برش پینٹ نہیں کرتے تھے۔ انتظار حسین کا اپنا اسٹائل ہے۔ آرٹ تو بہر حال وژیول ہے اور یہ محدود فن ہے۔''

''پاکستان میں ادب کے برعکس مصوری کی کوئی تحریک کیوں نہیں چلی پروفیسر عادل۔'' مجتبیٰ حیدر نے پوچھا ''ہندوستانی یا پاکستانی کوئی ایلگم تو بننا چاہیے تھا نا۔''

''جنگ عظیم اول اور دوئم کے بعد جب ادبی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو یہ جنگ کی ضرورت یا جبر سمجھ' تمام دانش ور فاشزم کے خلاف اکٹھے ہوئے' ربط بڑھا۔ وہاں جتنی تحریکیں آئیں' سب ادب سے آئیں۔ سرئیلزم' امپرشزم۔ یعنی جنگ کے بعد مصوری ادبی شے بن گئی۔''

پروفیسر عادل بول رہے تھے اور مجتبیٰ حیدر سن رہے تھے۔ پروفیسر عادل بھی کمال کی شخصیت تھے۔ ہر موضوع پر ان کو دسترس حاصل تھی۔ بے انتہا مطالعہ تھا ان کا۔ مصوری ہو یا ادب' سیاست ہو یا شاعری۔ جس موضوع پر بولتے کوئی ان کی معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا میں اکیلے تھے۔ شاید کوئی عزیز رشتے دار نہیں تھا ان کا۔ لوگ ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ بس اچانک ہی وہ لاہور کے مختلف حلقوں میں پہچانے جانے لگے۔

کوئی چار سال قبل وہ لاہور آئے تھے اور کالج آف آرٹ میں پڑھا رہے تھے۔ شاید خاندانی رئیس تھے۔ گلبرگ میں بہت بڑی کوٹھی تھی۔ شاندار ہنڈا اکارڈ ان کے پاس تھی۔ ان کی شہرت کی ایک وجہ ان کے ہاں منعقد ہونے والی ادبی نشستیں تھیں اور ادبی و علمی نشستوں میں بڑی بڑی معتبر شخصیتوں کے علاوہ نئی نسل بھی شامل ہوتی تھی بلکہ نئی پود کے تو وہ آئیڈیل تھے۔

یونیورسٹی اور کالج کے طلباء انہیں گھیرے رکھتے تھے۔ گھر میں چونکہ وہ اکیلے ہوتے تھے اس لیے وقت بے وقت اسٹوڈنٹ چلے آتے تھے۔ اپنے اسٹوڈنٹس میں وہ بے حد مقبول تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اکثر اسٹوڈنٹس کی مدد بھی کر دیتے تھے۔ کسی کے اندر کوئی صلاحیت دیکھتے تو اسے اجاگر کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور ہر طرح سے اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

مسرور صفدر بھی ایک غریب لڑکا تھا۔ اس کا تعلق کسی گاؤں سے تھا۔ پروفیسر عادل نے اس میں صلاحیت دیکھی تو نہ صرف اس کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اسے گھر لے آئے تھے اور ہر طرح کی مدد کرتے تھے۔ آج کل مسرور ان کے ساتھ ہی رہ رہا تھا۔

اس نے اپنا کام ختم کیا۔ ایزل اور برش سنبھال کر رکھے اور ہاتھ دھو کر آ گیا۔

''یار ذرا بخش کو چائے کے لیے کہہ دو۔''

''جی سر۔''

مسرور چائے کا کہہ آیا تو حافظ احسان اللہ بھی تشریف لا چکے تھے۔ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے اور پروفیسر عادل کے مداح تھے' آج ہفتہ وار ادبی نشست تھی اور اس میں غالباً حافظ صاحب اپنا افسانہ پڑھنے والے تھے۔ یہ ان کا پہلا افسانہ تھا۔ انہوں نے مسودہ مجتبیٰ کے حوالے کر دیا۔

''مجتبیٰ صاحب' ذرا ایک نظر دیکھ لیں اسے۔''

''حافظ صاحب' آپ نے لکھا ہے اسے تو یقیناً کوئی بات ہو گی۔''

''ارے نہیں مجتبیٰ صاحب' ہم تو طفلِ مکتب ہیں۔ آپ اتنے کہنہ مشق افسانہ نگار۔ ذرا ایک نظر

دیکھ لیتے تو دل کو تسلی ہو جاتی۔'' لیکن مجتبیٰ صاحب کا موڈ نہیں بن رہا تھا چنانچہ افسانے کے اوراق پلٹتے ہوئے ایک بار پھر انہوں نے گفتگو کا رخ تصدق احمد کی طرف موڑ دیا۔

''آپ نے تصدق احمد کی نمائش دیکھی تھی؟''

''گیا تو تھا میں لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے آرٹ وارٹ کی کچھ سمجھ نہیں ہے۔''

''اخبارات نے بہت کچھ لکھا ہے اس پر۔''

''تعریف میں یا تنقید میں؟''

''تنقید زیادہ کی ہے، بلکہ ایک صاحب نے تو یہ آرٹ وغیرہ سب کو غیر اسلامی قرار دے دیا ہے۔''

''دراصل ہم دانش ورانہ سطح پر مفلس ہیں۔'' پروفیسر عادل نے حافظ احسان کی طرف دیکھا ''ہم ذاتی مفاد کو مدنظر رکھنے لگے ہیں' قومی نہیں۔ اخبارات صرف سنسنی کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ انسان کا ایک قومی نظریہ ہوتا ہے، دوسرا بین الاقوامی۔ ہمارے دونوں اوصاف منفی ہیں۔ نہ ادب' نہ مصوری' کسی چیز کی اہمیت نہیں رہی۔ فنون صرف انجوائے کرنے کی چیز رہ گئے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں سامری کے بچھڑے کی پوجا ہو رہی ہے۔ یہاں صرف مراعات یافتہ طبقہ ہی فنون پر حق حاصل کر سکتا ہے اور تصدق احمد بے چارا ایک چھوٹے سے گاؤں کے چھوٹے سے زمین دار کا بیٹا ہے۔ اسے کوئی حق نہیں کہ وہ فن کی خدمت کا دعویٰ کرے۔''

''خیر' یہ تو ہر جگہ ہوتا ہے اور ہمارے ہاں تو یوں بھی وسائل کی کمی ہے۔'' مجتبیٰ نے افسانے کا مسودہ حافظ احسان اللہ کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ہر جگہ نہیں۔'' پروفیسر عادل نے سنجیدگی سے کہا ''سارترے نے اعزازات کے ساتھ دفن ہونے کے بجائے عام آدمی کی طرح دفن ہونے کو ترجیح دی تھی۔''

پروفیسر احسان اللہ نے افسانہ مسرور کو پکڑا دیا۔

''کیا خیال ہے تمہارا مسرور' اس افسانے کو آج محفل میں پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ تم ینگ آدمی ہو، ذرا اپنا نقطہ نظر بتاؤ......'' حافظ احسان اللہ خاصے بے چین لگ رہے تھے۔ مجتبیٰ حیدر اور پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

''سر' کہانی نہ بھی اچھی ہوئی اور اگر محفل میں پڑھی گئی تو یار لوگ اس کے کوئی نہ کوئی معنی ضرور نکال لیں گے۔''

''یار تم پڑھو تو۔''

مسرور صفدر کہانی پڑھنے لگا۔ پروفیسر عادل اور مجتبیٰ حیدر پھر سے پاکستان میں مصوری پر باتیں کرنے لگے۔

''ہر حرن چاؤلہ کے افسانے ''گھوڑے کا کرب'' میں انسان کی ENTITY کا جو تجربہ ملتا ہے' اس کی ایک جھلک آپ کے ہاں بھی دکھائی دے رہی ہے۔'' مسرور نے افسانے کا مسودہ پروفیسر احسان کو واپس کیا۔

''واقعی۔'' حافظ صاحب کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

''میرے اندر بھی الفاظ کا ایک ہجوم ہے' ایک سیلاب ہے جو امڈ رہا ہے۔ سوچ رہا ہوں' میں بھی لکھنا شروع کر دوں۔''

مسرور نے پروفیسر عادل کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''سطروں اور رنگوں میں کیا فرق ہے۔ مصور کو الفاظ کے سہارے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟'' پروفیسر عادل نے اس سے پوچھا۔

''پتا نہیں سر لیکن مجھے لگتا ہے' میں کسی دن ابل پڑوں گا۔ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ جاؤں گا۔ وہ سب کچھ جس نے میرے اندر ہل چل مچا رکھی ہے۔ اگر اس سب کو باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا تو......''

''تم مصور ہو...... اپنے اندر کے ہجوم کو رنگوں میں سمیٹ لو۔''

''شاید ایسا ممکن نہیں ہے۔ شاید میں اتنا بڑا مصور کبھی نہ بن سکوں گا کہ اپنے اندر کے دکھ کو' اپنے اندر کی خوشیوں کو رنگوں کی زبان دے سکوں۔''

''لکھو یار۔ ضرور لکھو۔ پروفیسر کی بات پر کان مت دھرو۔'' مجتبیٰ حیدر نے پروفیسر عادل سے اختلاف کیا۔

''کئی بڑے مصوروں نے لکھا اور خوب لکھا۔ رنگ کہیں پر دھوکا بھی دے جاتے ہیں۔ آدمی اپنے اندر کے عذاب کو رنگوں کی زبان نہیں دے سکتا تو قلم کا سہارا لے لیتا ہے۔ اب دیکھو نا ڈالی نے چار پانچ کتابیں لکھیں۔ پکاسو نے نظمیں لکھیں ڈراما لکھا۔''

پروفیسر عادل سر جھکا کر سگریٹ سلگانے لگے۔ جب انہیں کسی کی بات سے اختلاف ہوتا تھا اور وہ بحث نہیں کرنا چاہتے تھے تو یونہی سگریٹ میں پناہ ڈھونڈتے تھے۔

''سر۔'' مسرور ایک دم پرجوش دکھائی دینے لگا ''میرے اندر بے شمار کہانیاں ہیں جو باہر آنے کو بے تاب ہیں مگر مجھے ڈر لگتا ہے۔ جیسے یہ کہانیاں باہر آئیں گی تو میرا اپنا آپ ختم ہو جائے گا۔ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔''

''لکھو' یار لکھو۔ یہ منٹو اور عصمت چغتائی کا دور نہیں ہے۔ ایک اچھے مصنف کو معاشرے کے گھناؤنے پہلوؤں کو ایکسپوز کرنے کی جرأت ہونی چاہیے۔''

''چاہے یہ گھناؤنے پہلو معاشرے میں مزید بگاڑ کا سبب بنیں۔'' پروفیسر عادل نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہوتا شاید۔" حافظ صاحب نے بھی گفتگو میں دخل دیا۔

"بائے دا وے تم نے اب تک معاشرے کے کتنے پہلوؤں کو ایکسپوز کیا ہے؟" پروفیسر عادل اب پوری طرح مجتبیٰ حیدر کی طرف متوجہ تھے۔

"میں نے۔" مجتبیٰ نے اپنی طرف اشارہ کیا "میں تو محبتوں کا داعی ہوں۔ محبتوں کی کہانیاں لکھتا ہوں۔ محبتوں کا درس دیتا ہوں۔"

"یہ محبت ہے کہاں۔ کبھی نظر آئی تمہیں، کبھی ملی تمہیں؟" پروفیسر عادل تلخ ہونے لگے۔

کبھی کبھی وہ یونہی تلخ ہونے لگتے تھے۔ ان کے ہونٹ زہر میں بھیگ جاتے تھے۔ زبان سے انگارے گرتے۔

"یہ جن محبتوں کا تم پرچار کرتے ہو نا مجتبیٰ حیدر۔ کیا یہ محبتیں ہیں کہیں' مجھے یہ بتائیں کہاں ہیں یہ محبتیں اس دنیا میں۔ یہ محبتیں دھوکا ہیں' فریب ہیں' ریاکاری ہیں۔ تم جھوٹ بولتے ہو مجتبیٰ حیدر اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی دھوکا دے رہے ہو۔ دیوانا بنا رہے ہو لوگوں کو۔"

"نہیں پروفیسر۔" مجتبیٰ حیدر سنجیدہ ہوگئے "محبتیں دھوکا نہیں ہوتی ہیں اور جو دھوکا ہوتا ہے وہ محبتیں نہیں ہوتیں' کچھ اور ہوتا ہے۔"

"ٹھیک...... لیکن مجتبیٰ حیدر' مجھے یہ بتاؤ تمہیں کبھی ایسی محبت نہیں ملی جو دھوکا نہ ہو' فریب نہ ہو جس کے پیچھے کوئی غرض نہ ہو' کوئی لالچ نہ ہو۔ کوئی مطلب نہ ہو۔"

"ممکن ہے' مجھے ایسی محبت نہ ملی ہو لیکن میں محبت کے وجود کا منکر نہیں ہوں۔ اس دنیا میں ایسی بے غرض محبتیں ہیں اور کئی لوگ ہیں جنہیں یہ محبتیں حاصل ہیں۔"

"لیکن یہ جو اتنی خوبصورت دنیا تمہارے ناولوں میں نظر آتی ہے' یہ محض تخیلاتی ہے۔ اتنی شدید اور خالص محبتیں تخیل کی دنیا میں تو تخلیق کی جا سکتی ہیں لیکن حقائق کی دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مان لو...... مان لو یار۔"

"ہے میری جان...... ہے ان محبتوں کا وجود۔ اتنا وافر نہ سہی جتنا میری کتابوں میں ہے لیکن ہے ضرور۔"

پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ آگئی۔ مجتبیٰ حیدر نے ان کی مسکراہٹ میں چھپے طنز کو دیکھا اور سائڈ ٹیبل سے ایک کتاب اٹھائی۔

"یہ فرمان صدیقی کی کتاب ہے۔ "مستعار لیے ہوئے گھر" بقول تمہارے ادب کا شاہکار...... اس کتاب میں بڑے اداریے لکھے گئے۔ ادبی محفلوں میں اسے سراہا گیا۔ بڑے بڑے مضامین پڑھے گئے مگر اب تک اس کا پہلا ایڈیشن ہی بک شاپس پر پڑا ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی میرا ناول "بہاررُت" بھی مارکیٹ میں آیا۔ اس کے تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔"

"ہوں۔" پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر ابھی تک وہی طنزیہ مسکراہٹ تھی "تمہارے ناول نئی نسل کے لیے بہت اچھا ٹرینکولائنزر تو ہو سکتے ہیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز حقائق کی دنیا میں نہیں مل رہی' وہ تمہارے ناولوں میں نظر آتی ہے تو نئی نسل جو محبتوں سے ناآشنا ہے' اس میں بے پناہ دلچسپی لے رہی ہے۔"

"پروفیسر' یہ بحث طول کھینچ جائے گی۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ محبتوں کا وجود ہے اور یہ دنیا محبتوں کی وجہ سے ہی قائم ہے۔ اگر محبت کا وجود نہ ہوتا تو یہ دنیا بہت جلد ٹوٹ پھوٹ جاتی۔ ختم ہو جاتی اور......"

"السلام علیکم۔" ایک ساتھ دو تین آوازیں آئیں تو مجتبیٰ نے بات ادھوری چھوڑ کے دروازے کی طرف دیکھا۔

"آیئے آیئے حضرات' آپ ہی کا انتظار تھا۔"

ارسلان' ارمغان اور افروز کے ساتھ آج ایک نیا چہرہ بھی تھا۔ پروفیسر عادل نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"سر' یہ ڈاکٹر شہریار ہیں۔ میرے کزن۔" ارسلان نے تعارف کرایا "انہیں آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔"

"موسٹ ویلکم۔" پروفیسر عادل نے ہاتھ آگے بڑھایا "ینگ لوگوں سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

"پروفیسر' ہماری بحث ابھی جاری ہے۔ فی الحال اسے پینڈنگ میں ڈال دیتے ہیں۔"

"میں ہاروں گا نہیں۔"

پروفیسر عادل نے قہقہہ لگایا اور نئے آنے والوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔

❀❀❀

مس مہرین کا پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد مریم باہر نکلی تو اس کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے روح پر کوئی بھاری بوجھ آ گرا ہو۔ مس مہرین نے کیا پڑھایا تھا' کیا سمجھایا تھا' سب اس کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ آج کالج ہی نہ آتی مگر گھر...... گھر میں رہ کر بھی کیا کرتی۔ خواہ مخواہ کی ٹینشن' ماما آتے جاتے اسے کچھ کے دیتی رہتیں۔

"پتا نہیں' یہ ماما کو کیا ہو گیا۔ دو تین سال پہلے تک تو ایسی نہیں تھیں اور پاپا بھی انہیں کچھ نہیں کہتے لیس مین۔"

جب رات شرجیل مرزا نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا تو پاپا دیکھ رہے تھے لیکن نظریں چرا کر دوسری

طرف دیکھنے لگے تھے۔

'کیسے باپ ہیں یہ'۔ شرجیل مرزا سے زیادہ اسے باپ پر غصہ تھا۔

پاپا ہی کی وجہ سے وہ رات کی پارٹی میں شریک ہوئی تھی۔ ورنہ اسے ماما کی ان پارٹیوں اور ڈنرز سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ماما کے مہمانوں میں سے اکثر اسے برے لگتے تھے۔

بھوکے گدھ۔

نظروں ہی نظروں میں کھا جانے والے۔

پتا نہیں پھر بھی ماما ان سے کیوں تعلقات رکھے ہوئے ہیں۔ ایک بار اس نے پوچھ بھی لیا تھا۔

"تعلق نبھانے پڑتے ہیں میری جان۔" ماما نے اسے سمجھایا تھا۔

ان میں سے اکثر بیوی بچوں والے بھی تھے لیکن ان کی نظروں کی بھوک ختم نہیں ہوتی تھی۔

"بیٹا لوگ تمہارے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تم اس گھر کی بڑی بیٹی ہو۔ تمہاری ماما کو کتنی شرمندگی ہوتی ہے' جب انہیں بہانہ بنانا پڑتا ہے۔" پاپا نے اسے سمجھایا تھا۔

"مگر پاپا' یہ تو آپ لوگوں کے ملنے والے ہیں۔ ماما کے' آپ کے۔ میرا کیا کام؟"

"پرسوں بھی مسز آفندی تمہارا پوچھ رہی تھیں اور میڈم نرگس کی بیٹی نے کئی بار تمہارا پوچھا تھا۔"

"اچھا۔"

میڈم نرگس کی بیٹی اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ اس کی باتیں بھی اسے بہت پسند تھیں۔ میٹرک میں پڑھتی تھی بہت مزے کی باتیں کرتی تھی لیکن بہت کیوٹ تھی اور صرف پاپا کی خاطر وہ رات کے فنکشن میں شریک ہوئی تھی اور پاپا نے شرجیل مرزا کو اس کا ہاتھ پکڑتے دیکھا تھا اور نظریں چرائی تھیں۔

اور ماما......

جانے کیسی ماں تھیں کہ بجائے اس کا ساتھ دینے کے الٹا اسے ڈانٹ رہی تھیں کہ وہ شرجیل مرزا کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کرتی۔ مائیں تو بیٹیوں کو چھپا چھپا کر رکھتی ہیں۔

اور ماما......

شاید وقت کے ساتھ غیرت وحمیت کے معنی بھی بدل گئے ہیں۔ اب جو ایٹی کیٹس میں شامل ہے وہ پہلے بے غیرتی میں شمار ہوتا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک سب کچھ کتنا صحیح تھا۔

پاپا صبح صبح اپنے دفتر چلے جاتے تھے۔ ماما گھر پر رہتیں۔ انہوں نے ٹی وی پر کام کرنا اس وقت چھوڑا تھا' جب مریم چھ سال کی تھی اور عاشی سال بھر کی تھی۔ مریم نے ان کے پرانے انٹرویوز کی فائل کئی بار دیکھی تھی اور ان کے انٹرویوز پڑھے تھے۔

"میری بچیاں بڑی ہو رہی ہیں اور انہیں میری ضرورت ہے۔" انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا "ورنہ مجھے تو عثمان نے کبھی بھی ٹی وی پر کام کرنے سے منع نہیں کیا۔"

اور پاپا بھلا منع بھی کیسے کر سکتے تھے۔ ان کا کنٹرول ویسے بھی ماما کے ہاتھ میں تھا۔

"روبوٹ۔" اس نے زیر لب کہا اور واپس لیب میں جا کر بیٹھ گئی۔

اب مسز امان کا پیریڈ تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی غیر حاضر دماغی کی وجہ سے مسز امان کی ڈانٹ کھائے۔ مسز امان کو تو بس موقع چاہیے ہوتا تھا۔ ذرا کسی طالبہ سے کوئی غلطی ہوتی تو وہ فوراً تیز آواز میں طنز کے تیر برسانے لگتی تھیں اور پھر وقفے وقفے سے ان کا لیکچر جاری رہتا تھا۔ آج اگر وہ ان کا پیریڈ اٹینڈ کرتی تو یقیناً مسز امان کی نظرِ کرم اس پر ہوتی۔

"اچھا تو بی بی کس تصور میں گم ہو جو لیکچر کی طرف دھیان نہیں۔ ایسا ہی تصورات میں بسے رہنے کا شوق ہے تو بھی گھر بیٹھو......شادی کرو' گھر بساؤ۔ یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ کیوں ماں باپ کا پیسہ ضائع کرتی ہو۔"

ایک تو ان کی کانوں کو پھاڑتی آواز' اوپر سے ایسے کاٹ دار جملے سننے کی تاب مریم میں کم از کم نہیں تھی "پتا نہیں' ایسے جلے بھنے لوگ محکمہ تعلیم میں کیوں آ جاتے ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل اسٹول پر رکھ دی۔

زینب عثمان احمد نے اگرچہ ماڈلنگ کرنا اور ٹی وی پر کام کرنا چھوڑ دیا تھا لیکن پھر بھی ان کی سوشل ایکٹیویٹیز بہت تھیں۔ وہ خواتین کی کئی تنظیموں کی ممبر تھیں۔ ایک این جی او خود چلا رہی تھیں۔ کلب میں باقاعدگی سے جاتی تھیں۔

عثمان احمد فارغ ہوتے تو دونوں کی اکثر شامیں جیم خانے میں گزرتیں۔ اس لیے وہ بچوں کو بہت کم وقت دے پاتی تھیں اور مریم ان سے زیادہ عثمان احمد کے قریب تھی۔ وہ اگر کبھی گھر آ جاتے تو اسے وقت دیتے تھے۔ اس سے اس کی پڑھائی کے متعلق پوچھتے تھے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتے تھے اور کبھی اس کے ضد کرنے پر اس کے ساتھ کوئی گیم وغیرہ بھی کھیل لیتے تھے لیکن پھر بھی وہ زینب عثمان احمد کی کمی محسوس کرتی تھی۔

عاشی اس سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ پاپا گھر پر نہ ہوتے تو وہ سارا وقت اس کی نرسری میں گزارتی تھی۔ اسے گود میں لینے کی کوشش کرتی۔ اسے ہنساتی۔ آیا سے اس کا فیڈر لے کر خود اسے فیڈ کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ سو رہی ہوتی تو اس کی کاٹ کے پاس بیٹھی اسے تکتی رہتی۔ اسے اپنی اس بے حد گلابی رنگت والی بہن سے بہت پیار تھا لیکن ماما نے عاشی کو جب وہ چار سال کی ہوئی' تو مری کانونٹ میں داخل کرا دیا تھا۔

وہ اکیلی بولائی بولائی پھرتی۔ اپنے کمرے میں چھپ چھپ کر روتی۔ وہ اسکول میں بھی اپنی کم گوئی کی وجہ سے کسی کو اپنا دوست نہ بنا سکی تھی۔ اس کی دوست تھی تو صرف عاشی تھی اور پتا نہیں ماما نے عاشی کو اس سے اتنا دور کیوں کر دیا تھا۔

اسے اداس اور تنہا دیکھ کر عثمان احمد نے دو ایک بار دبا دبا احتجاج کیا تھا۔

''زینی، مومو عاشی کے بغیر اداس رہتی ہے۔ بہت اور خاموش ہو گئی ہے۔''

''تو۔'' زینب احمد نے بھنویں اچکا کر انہیں دیکھا تھا۔

''عاشی بھی وہاں ایڈجسٹ نہیں کر رہی ہے۔''

''ہو جائے گی ایڈجسٹ۔ میں تین سال کی تھی، جب میرے ڈیڈی نے مجھے مری کانونٹ بھیج دیا تھا۔ پہلے ہی مومو کو مری نہ بھیج کر پچھتا رہی ہوں۔ یہ بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ ذرا سا بھی کانفیڈنس نہیں ہے اس میں۔ کوئی مہمان آتا ہے تو چھپ جاتی ہے۔''

''پھر اسے بھی وہاں بھیج دو۔''

''اب...... اب یہ یہاں سیٹ ہے۔ وہاں نہیں چل سکے گی۔'' انہوں نے بات ختم کر دی تھی۔

چھٹیوں میں جب عاشی گھر آتی تو وہ دیوانہ وار اس کے گرد گھومتی رہتی تھی لیکن عاشی بہت خاموش ہو گئی تھی۔ وہ بہت بولتی لیکن وہ چپ بیٹھی رہتی تھی۔ کتنی اجنبی ہو گئی تھی وہ۔

''پاپا عاشی بہت بدل گئی ہے۔'' وہ عثمان احمد سے شکایت کرتی ''اب وہ پہلے کی طرح مجھ سے کھیلتی بھی نہیں، باتیں بھی نہیں کرتی۔''

''بیٹا تم بڑی ہو نا اس لیے وہ تم سے جھجکنے لگی ہے۔ تم تو باجی ہو اس کی۔''

ان دنوں عاشی کے اندر ایک عجیب سا غرور آ گیا تھا یا پھر اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ نخوت سے سر اٹھا کر چلتی تھی۔ زینب احمد اسے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور مریم تو جیسے اس کی چھٹیوں میں زندہ ہو جاتی۔

اس کا اسکول جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا مگر مجبوری ہوتی تھی۔ ماما چھٹی نہیں کرنے دیتی تھیں۔

وہ چلی جاتی تو پھر وہی اداسیاں اور ایسے ہی اداس لمحوں میں ایک بار پھر اس نے دعا مانگی تھی۔

''کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس کا کوئی اور بہن بھائی بھی ہوتا۔''

شاید وہ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی کہ جب وہ تیرہ سال کی تھی اور عاشی آٹھ سال کی کہ نینا چلی آئی۔ وہ دونوں بے تحاشا خوش تھیں اور نینا کے بعد تیمور میاں آ گئے۔

کہاں تو زینب عثمان بچوں سے الرجک تھیں۔ عاشی کی پیدائش پر انہوں نے خوب واویلا کیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ اب مزید بچہ نہیں چاہیے اور کہاں اب نینا اور تیمور کا استقبال بڑی خوش دلی سے کیا تھا۔ ان کی سہیلیاں اکثر حیرت کا اظہار کرتی تھیں۔

''بس اللہ کی دین ہے۔'' وہ مسکرا دیتیں۔

ایک بار مریم نے مسز آفندی کو کہتے سنا تھا۔ وہ شاید میڈم نرگس کو بتا رہی تھیں۔

''دراصل زینی کو عثمان سے خطرہ ہو چلا تھا کہ کہیں وہ زنجیریں نہ توڑ لے۔ وہ اپنی آفس سیکریٹری میں بہت انوالو ہو رہا تھا۔ بس زینب نے کھٹا کھٹ بچے پیدا کر کے اسے باندھ لیا۔ اب وہ زینی کو چھوڑنے سے پہلے..... کچھ سوچے گا ضرور۔''

تب اسے مسز آفندی کی بات اچھی طرح سمجھ نہیں آئی تھی لیکن پھر بہت عرصے بعد ایک بار جب ماما کو ڈپریشن ہو رہا تھا اور وہ بہت چیخ کر بول رہی تھیں اور پاپا کو ان کی آفس سیکریٹری کے حوالے سے بہت کچھ کہہ رہی تھیں، اسے ادراک ہوا تھا کہ مسز آفندی کی بات کا کیا مطلب تھا۔

تینوں ماما کی نسبت اس سے زیادہ قریب تھے۔

تیمور تو اس کی جان تھی۔ وہ چھوٹا سا تھا لیکن اسے بڑا مضبوط سہارا لگتا تھا۔ یوں جیسے اگر کوئی طوفان آیا تو تیمور اسے اور عاشی کو اس طوفان سے بچا لے گا۔

اب ماما نے جاب کر لی تھی اور وہ بھی شرجیل مرزا جیسے غلیظ آدمی کے پاس۔

ماما جتنا اس کی خاطر مدارات کرتیں، اتنا ہی یہ شخص اسے زہر لگتا۔ بظاہر اس میں ایسی کوئی خامی بھی نہ تھی۔ انتالیس چالیس سال کا اسمارٹ آدمی تھا۔ دیکھنے میں اپنی عمر سے بہت چھوٹا لگتا تھا۔ بہت خوش لباس تھا، گفتگو اچھی کرتا تھا۔ ماما تو اس کے آگے بچھ جاتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ جب وہ آئے تو وہ بھی اسے انٹرٹین کیا کرے۔

مگر وہ یوں دیکھتا تھا، جیسے ایکسرے کر رہا ہو۔

چڑ آتی تھی اسے اور رات کو کتنی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''اُفوہ......'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

سر میں درد کی ایک ٹیس سی اٹھی۔

پچھلے کئی دنوں سے یہ سر درد تو اس کی جان کو چمٹ کر رہ گیا تھا۔ اس نے سوچا، وہ ڈسپنسر سے کوئی پین کلر لے کر کھا لے لیکن پھر اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی۔

''خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

پین کلر لے کر بھی تھک گئی تھی۔ اس نے آنکھیں موند کر سر کرسی کی پشت سے ٹیک لیا۔

عینی، روشی اور میرا اسے ڈھونڈتی ہوئی لیب میں آ گئیں۔

''مومو، تم یہاں چھپی بیٹھی ہو اور ہم تمہیں پورے کالج میں تلاش کر چکے ہیں۔''

''تم نے مسز امان کا پیریڈ اٹینڈ نہیں کیا۔'' مریم نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

''مسز امان کا پیریڈ ختم ہو چکا ہے خاتون۔ آپ کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔''

''اچھا..... میں شاید سو گئی تھی۔ میرے سر میں بہت درد ہو رہا تھا۔''

''چھٹی کر لینی تھی۔'' عینی نے کہا۔

''بس پریکٹیکل کی وجہ سے نہیں کی۔ مسز امان نے کچھ پڑھایا؟''

''پڑھایا کم سنایا زیادہ۔'' میرا نے جواب دیا۔

''کیا.....؟'' اس نے پوچھا۔

''کھری کھری سنائیں۔'' میرا ہنسی ''مثلاً یہ کہ آج کل کی لڑکیاں انتہائی فضول ہیں۔ ادب آداب نام کو نہیں۔ فلمیں دیکھ دیکھ کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ تہذیب سے نا آشنا ہیں۔ باتوں کی دھنی ہیں۔ کام کی نکمی ہیں۔''

''بس باس۔'' مریم نے ہاتھ اٹھایا ''ٹائیٹل سے ساری کہانی سمجھ میں آ گئی ہے۔''

''اچھا' اب یہاں لیب میں ہی مرتی رہو گی یا کینٹین بھی چلنا ہے۔ بھوک سے میرے پیٹ میں چوہوں کی پوری فوج دوڑ رہی ہے۔''

روشی کو ہر وقت بھوک لگتی رہتی تھی حالانکہ وہ دیکھنے میں سب سے کمزور تھی۔

''مری کیوں جا رہی ہو۔ دو منٹ سانس تو لینے دو۔''

عینی ایک اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''میرا پیٹ تو مسز امان کے لیکچر سے ہی بھر گیا تھا۔ مزید کچھ کھانے کی ضرورت نہیں رہی۔''

''اچھا تو تم دونوں جاؤ ٹھونس آؤ جا کر۔ ہم دونوں یہاں ہی بیٹھے ہیں۔''

''تمہیں پتا ہے' مس مہرین خوامخواہ لیب میں بیٹھنے سے منع کرتی ہیں۔ تم بھی چلو نا' ہمارے ساتھ۔ وہیں کینٹین میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ اگلے دونوں پیریڈ فری ہیں۔ مسز پراچہ نہیں آئی ہیں۔'' میرا نے بتایا۔

''نہیں یار' تم جاؤ۔'' مریم نے کہا ''رہی مس مہرین کی بات تو وہ چھٹی پر چلی گئی ہیں۔''

''تمہارے لیے سموسے اور کوک لے آئیں۔''

''لے آنا' تمہارا دل چاہے تو لیکن ہم اب یہاں سے اٹھیں گے نہیں۔ مومی کے سر میں درد ہے اور مجھے کچھ نوٹس مکمل کرنے ہیں۔''

روشی اور میرا چلی گئیں تو عینی نے غور سے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھا ''تم کچھ پریشان ہو مریم؟''

''نہیں تو۔'' وہ مسکرائی ''بتایا ہے نا کہ سر میں درد ہے۔''

''ہم تم اچھے دوست نہیں ہیں کیا؟'' عینی نے پوچھا۔

''وائے ناٹ۔''

''پھر دوستوں سے کیوں چھپاتی ہو مریم۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں۔ تم بہت اپ سیٹ لگتی ہو۔''

''نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''مریم' میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ ممکن ہے' میں تمہاری پریشانی دور نہ کر سکوں لیکن دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

''بلیو می عینی۔ کوئی بات نہیں ہے۔ ماما جاب کرتی ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ وہ جاب نہ کریں۔ گھر میں رہا کریں۔''

''اوہ۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے دوست۔ آنٹی کو اگر جاب کا شوق ہے تو تمہیں کیا۔ اکثر خواتین کو جاب کا شوق ہوتا ہے' بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ جاب کر لیتی ہیں۔ اب ظاہر ہے تمہیں ان کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا تمہاری ممی بھی جاب کرتی ہیں؟''

''اوہ نو۔'' عینی ہنس پڑی ''میری امی تو ایک سادہ سی دیہاتی خاتون ہیں۔ وہ تو ابا ہی کی جاب کر رہی ہیں۔''

''کبھی مجھے ان سے ملواؤ نا۔''

''تم چلو نا چھٹیوں میں گاؤں' میرے ساتھ۔''

''کیا وہ تمہیں ہاسٹل میں ملنے نہیں آتیں؟''

''نہیں' وہ کبھی گاؤں سے باہر نکلی ہی نہیں ہیں۔ انہیں شہروں سے خوف آتا ہے۔ وہ کہتی ہیں' شہر اچھے بھلے لوگوں کو ڈس لیتے ہیں' کھا جاتے ہیں۔''

''وہ ایسا کیوں کہتی ہیں؟'' مریم نے حیرت سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' عینی نے نفی میں سر ہلایا اور عاشی کے متعلق پوچھنے لگی ''عاشی واپس مری چلی گئی ہے۔''

''نہیں۔'' مریم نے بتایا ''وہ وہاں ہوم سک فیل کرتی ہے۔ بیمار ہو جاتی ہے۔ ان کے پرنسپل نے کہا کہ اسے لے جائیں وہاں جاتے ہی اسے ٹمپریچر ہو جاتا ہے۔ وامٹنگ ہونے لگتی ہے۔ یہاں آتی ہے تو ٹھیک ہو جاتی ہے۔ مجبوراً ماما کو اسے یہاں داخل کروانا پڑا ہے۔ کیتھیڈرل میں کروایا ہے۔ مور اور نینا بھی وہاں ہی پڑھتے ہیں۔ ویسے ماما کو بہت دکھ ہے اس کے واپس آنے کا۔ ماما کی خواہش تھی کہ وہ وہاں سے ہی سینئر کیمبرج کرے۔ مور اور نینا کو تو پاپا نے جانے ہی نہیں دیا کہ جب یہاں اتنے اچھے اسکول ہیں تو پھر مری جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے تو ماما اپنی مرضی کرتی ہیں لیکن پتا نہیں کیوں' انہوں نے پاپا کی یہ بات مان لی۔ شاید وہ خود بھی مور سے جدا نہیں رہ سکتیں۔ مور سے وہ بہت پیار کرتی ہیں۔''

''مائیں سارے بچوں سے یکساں پیار کرتی ہیں لیکن مور چھوٹا ہے نا اس لیے تمہیں لگا کہ آنٹی اس سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔''

''میں جیلس ہو کر نہیں کہہ رہی ہوں۔ ویسے ہی بتایا ہے تمہیں۔'' مریم نے وضاحت کی۔

"میری ماں ہم تینوں بہن بھائیوں سے یکساں پیار کرتی ہیں۔ وہ تو شیری بھائی سے بھی اتنا ہی پیار کرتی ہیں، جتنا ہم سے۔"

"شیری کون ہے؟"

"میرا کزن ہے۔ بابا البتہ مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور میری ماں کا دل تو سمندر ہے مریم۔ تم اگر ہمارے گھر آؤ نا تو وہ تم سے بھی اتنا ہی پیار کریں گی جتنا کوئی ماں اپنی بیٹی سے کرتی ہے۔ پتا ہے موئی، وہ کہتی ہیں کہ ماں تو ماں ہوتی ہے، سب کی چاہے وہ عینی کی ہو یا میرا کی۔"

"عینی! میں تمہاری ماں جی سے ایک بار تو ضرور ملوں گی۔" مریم نے اشتیاق سے کہا۔

"انشاء اللہ ان چھٹیوں میں، میں تمہیں اپنے ساتھ گاؤں لے کر جاؤں گی۔ آنٹی جانے دیں گی؟"

"پتا نہیں۔" مریم افسردہ ہوگئی "ماما کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔ کبھی ایک دم نرم مزاج اور بہت لبرل ہو جاتی ہیں...... اور کبھی یک دم سخت۔ یاد ہے، لاسٹ ایئر پر انہوں نے مجھے روشی کے ہاں جانے نہیں دیا تھا، اس کی بہن کی شادی پر اور پھر میڈم نرگس کی بیٹی کی شادی پر وہ مجبور کرتی رہیں بلکہ غصہ بھی ہوئیں کہ کیوں نہیں جا رہی ہو۔ پتا نہیں، ماما ایسی کیوں ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر انہیں ڈپریشن ہو جاتا ہے۔ رونے لگتی ہیں۔"

"تم انہیں کسی سائیکاٹرسٹ کو کیوں نہیں دکھاتی ہو۔"

"ڈاکٹرز کو دکھاتے ہیں۔ ڈاکٹر عاصم ہمارے فیملی ڈاکٹر ہیں۔ باقاعدگی سے چیک اپ کرتے ہیں ماما کا...... آج میں...... نہیں آج نہیں جب ماما کا موڈ اچھا ہوگا تو میں ان سے پوچھوں گی کہ کیا انہوں نے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھایا ہے۔"

تب ہی میرا اور روشی سموسے اور کوک اٹھائے آگئیں اور ان کے سامنے رکھتے ہوئے روشی بولی۔

"لو کھاؤ۔ مرو شہزادیو!"

"اتنے غصے میں کیوں ہو جانو۔" عینی نے پوچھا۔

"کینٹین پر جھگڑا ہونے لگا تھا۔" میرا نے بتایا۔

"کس سے؟" عینی نے میرا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہی لاڈلی بیگم۔"

"الوینا۔" مریم نے پوچھا۔

"ہاں...... خوامخواہ پنگا لیتی ہے۔ کہنے لگی، تم نے میرے پاؤں پر پاؤں رکھ دیا ہے۔ انتشار تھا۔ میں آپا جی کو پیسے دینے لگی تو ذرا سا پاؤں چھو گیا تھا اس سے۔ بس جان کو آگئی۔" روشی نے تفصیل بتائی "توبہ کس قدر گندی زبان ہے اس کی۔ لگتا ہی نہیں کہ کسی اچھی فیملی سے تعلق ہے اس کا۔"

"اس کے پاپا منسٹری آف ہیلتھ میں ہیں۔ شاید ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ صحیح معلوم نہیں۔" میرا نے

وضاحت کی "لیکن سنا ہے، پیچھے سے بڑے پشتینی رئیس ہیں۔"

"ہوتے رہیں بابا، ہمیں کیا۔ سموسے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ کھاؤ۔" روشی نے سموسہ اٹھالیا۔

اور وہ تینوں بھی سموسوں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

❁❁❁

بان کی کھردری چارپائی پر لیٹے لیٹے سکندر ملک نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ پورا آسمان موتیوں سے بھرا لگ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ یونہی آنکھیں کھولے ٹم ٹم کرتے ستاروں کو دیکھتا رہا۔ کتنے سالوں بعد آج وہ یوں کھلے آسمان کے نیچے سویا تھا۔ اوپر تاروں سے بھرا تھال تھا۔ بچپن میں جب کبھی وہ چھت پر سوتے تھے تو وہ ہزاروں بار کی بوجھی ہوئی پہیلی ضرور بابا سے پوچھتا تھا۔

"بابا، بابا ایک پہیلی بوجھیں گے۔"

"ہوں ہوں۔ مشکل ہوگی۔ ہم ان پڑھ لوگ ہیں۔"

"نہیں بابا بوجھیں نا۔" وہ ضد کرتا۔

"ایک تھال موتیوں سے بھرا۔ سر کے اوپر اوندھا کھڑا۔"

بابا سوچ میں پڑ جاتے "تھال اوندھا کھڑا ہے تو موتی گرتے کیوں نہیں۔"

"نہیں گرتے نا بابا۔ دیکھیں نا ادھر اوپر۔" وہ انہیں ہنٹ دیتا۔ بابا پھر بھی نہ بوجھ پاتے "آسمان، تاروں بھرا آسمان۔" وہ بابا کی ہار پر خوب خوش ہوتا تھا...... اور پھر گرمیاں آتیں اور وہ چھت پر سونے کے لیے آتے تو وہ بھول جاتا کہ پچھلے سال بھی بابا سے اس نے یہی پہیلی پوچھی تھی۔ وہ پھر پوچھنے لگتا اور بابا پچھلے سال کی طرح ہی انجان بن جاتے۔

اسے آسمان اور اس پر جگمگ جگمگ کرتے ستارے بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ آسمان پر نظر آنے والے سب سے روشن ستارے کو اپنا ستارا کہا کرتا تھا۔

کبھی کبھی وہ بھا نثار اور عنبر آپا ساتھ ساتھ چارپائیاں بچھا لیتے اور آسمان پر اپنے اپنے نام کا ستارا ڈھونڈتے رہتے۔ اسے اپنے ساتھ رضوانہ کا بھی خیال رہتا تھا۔ اپنے ستارے کے ساتھ والے ستارے کو اس نے رضی کے ستارے کا نام دے رکھا تھا...... "وہ رضی کا ستارا ہے...... اور اسے پہلے میں نے لے لیا ہے اور اسے کوئی نہیں لے گا۔"

بھا نثار بہت ہنستے تھے۔

"یار، رضی اپنا ستارا خود ڈھونڈ لے گی۔ یہ تمہارے ساتھ والا ستارا تو میں ہی لوں گا۔"

"نہیں، رضی کو سمجھ نہیں ہے۔ چاچا کہتے ہیں، وہ بے وقوف ہے۔ اس کا ستارا تو میں ڈھونڈوں گا۔ وہ نہیں ڈھونڈ سکتی نا۔"

''اچھا تو وہ والا۔ وہ ادھر کونے والا ستارا رضی کا ہوگیا۔ یہ میرا تمہارے ساتھ والا۔ ہم دونوں بھائی ہیں نا۔ دیکھو ابھی بھی ساتھ ساتھ ہماری چارپائیاں ہیں۔''

لیکن وہ بھا نثار کی باتوں میں نہیں آتا تھا۔

''نہیں' رضی اتنی دور اکیلی ڈرے گی۔ آپ تو بڑے ہیں نا۔ آپ کو ڈر نہیں لگتا۔ آپ وہی لے لیں۔''

اور پھر کیا' کیا تھا اس نے...... رضی کو اکیلا چھوڑ دیا' اکیلا کر دیا۔ عمر بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں کھا کر مکر گیا۔

اس نے کروٹ بدلی۔ بھا نثار ساتھ والی چارپائی پر سو رہے تھے اور بھابو نیچے صحن میں تھیں۔

انہوں نے اس کا بستر کمرے میں بچھایا تھا لیکن اس نے کہا۔ کہ وہ چھت پر سوئے گا اور پھر چھت پر اس نے چارپائی پر گدا بھی نہیں بچھانے دیا۔

مدتیں ہی ہوگئی تھیں' یوں بان کی کھردری چارپائی پر سوئے۔ اس کے منع کرنے کے باوجود بھابو نے دری اور چادر بچھادی تھی۔ بان کا کھردرا لمس اس کے جسم کو بہت اچھا لگا۔ آخری راتوں کا چاند تھا اور آسمان پر تارے خوب جگمگا رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے گہری لمبی سانس لے کر اس ہوا کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

کتنا صحیح کہتا تھا محسن وقار۔ اپنے علاقے کی ہوا کی خوشبو کا مزا ہی اور ہے۔ روح میں اترتی ہوئی سوندھی سوندھی خوشبو...... اس نے پھر کروٹ بدلی تو چوہدری نثار نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''سکندر' نیند نہیں آ رہی ہے نا۔ تیری بھابو نے کہا تو تھا کہ نیچے سوجا۔ تجھے کہاں عادت رہی ہوگی' یوں کھلی چھت پر سونے کی ۔ پھر کھردری چارپائی پر نیند نہیں آئے گی تجھے۔ پتر' نیچے بچوں کے کمرے میں میٹرس بچھے ہیں۔ مجھے تو کمروں میں نیند نہیں آتی۔ دم گھٹتا ہے اس موسم میں حبس ہوجاتا ہے اندر۔ تو چلا جا نیچے۔''

''نہیں بھا میں یہیں سوؤں گا۔ آجائے گی نیند آپ سوئیں۔''

''تیری مرضی۔'' بھا نثار نے کروٹ بدل لی۔

'آپ کو کیا پتا' میٹرس کیا آگ لگاتے ہیں۔ تھک گیا ہوں ان میٹرس بچھے بستروں پر سو سو کر۔ انہوں نے تو میرا جسم ہی نہیں' روح بھی گلادی ہے۔ اندر سے سڑاند اٹھنے لگی ہے۔ اس نے پھر آسمان کی طرف دیکھا۔

ایک ستارا ٹوٹ کر گم ہوگیا تھا۔

''یہ تارے کیوں ٹوٹتے ہیں ماں جی؟'' وہ اکثر بچپن میں پوچھا کرتا تھا۔

''بیٹا' یہ فرشتوں کے گرز ہیں۔ جب شیطان آسمان پر جاتا ہے اور چوری چوری فرشتوں کی باتیں سنتا ہے تو فرشتے اسے اپنے آگ کے یہ گرز مارتے ہیں۔''

''اچھا ماں جی' کیا فرشتے بھی باتیں کرتے ہیں۔'' اسے حیرت ہوتی ''پر وہ کیا باتیں کرتے ہوں گے

ماں جی؟''

''پتا نہیں پتر' میں تو جاہل ان پڑھ ہوں' میں کیا جانوں۔'' ماں جی کو جب کوئی جواب نہ سوجھتا تو یونہی کہہ کر جان چھڑا لیا کرتی تھیں۔ پھر وہ بابا کے کان کھانے لگتا اور بابا کو جواب نہ سوجھتا تو وہ بھا نثار کو پکڑ لیتا۔ بھا نثار اس سے پانچ سال ہی بڑے تھے لیکن بزرگوں کی طرح اسے ٹریٹ کرتے تھے۔

اور چھت پر لیٹے لیٹے اس نے بھا نثار اور آپو عنبر سے کتنی کہانیاں سنی تھیں۔

بندر یا شہزادی کی۔

نیلی نیلی داڑھی والے بوڑھے کی۔

سنہری پری کی۔

اور کہانیاں سنتے سنتے جب اوپر آسمان پر کوئی موسمی سیارا نظر آتا تو وہ سب کچھ بھول کر اسے دیکھنے لگتا تھا۔ لمحوں میں وہ دھویں کی لکیر چھوڑتا نظروں سے غائب ہوجاتا تھا۔ پہلی بار جب عنبر نے اسے اڑن طشتری والی کہانی سنائی تھی تو اس نے بھا نثار کو چپکے سے بتایا تھا کہ رات کو کئی بار اس نے آسمان پر اڑن طشتریاں دیکھی ہیں اور جب ایک رات اس نے بھا نثار کو سوتے سے جگا کر دکھایا تھا کہ وہ دیکھیں اڑن طشتری بھاگی جارہی ہے تو بھا نثار نے اسے بتایا تھا کہ بے وقوف' یہ موسمی سیارے ہیں۔ زمین سے چھوڑے جاتے ہیں موسم کا حال معلوم کرنے کے لیے۔

کاش وقت وہیں کہیں ٹھہر جاتا۔ کتنے اچھے دن تھے وہ۔ خوشیوں سے بھرے۔

ہر غم اور فکر سے بے نیاز وہ سارا دن گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔

اسے یہ کھیل کتنے پسند تھے۔ وہ سوچا کرتا تھا کہ جب اس کے بچے ہوں گے تو وہ انہیں بتائے گا کہ بچپن میں وہ کیا کھیل کھیلا کرتا تھا اور اس کے بچے اپنی خوبصورت آنکھوں میں حیرت بھرے اس کی باتیں سنیں گے۔

نئے زمانے' وڈیو اور کمپیوٹرز کے دور کے بچے۔

انہیں بھلا ان کھیلوں کی لذت کا کیا پتا۔

جب پٹھو گرم کھیلتے ہوئے کسی کی پیٹھ پر زور سے بال پڑتا تھا۔ جب بھاگتے ہوئے چور کو پکڑا جاتا تھا اور جب سرخ چہروں کے ساتھ وہ مخالف ٹیم کے کسی فرد کو اپنی طرف کھینچ کر لے آتے تھے تو کتنا مزا آتا تھا۔

جب ایکی ڈالتے ہوئے آنکھوں میں ستارے ناچ اٹھتے تھے اور اردگرد اوپر نیچے سب کچھ دائروں میں گھومنے لگتا تھا تو......

وہ رضوانہ کے ساتھ ایکی ڈالتا تو وہ رونے لگتی تھی۔

''تم لڑکوں والے کھیل کھیلو۔''

''نہیں' میں تمہارے ساتھ اینکی ڈالوں گا۔''

''تم مجھے گرادو گے' ہاتھ چھوڑ دو گے۔''

''نہیں گراؤں گا ہاتھ بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ وعدہ کرتا لیکن پھر گھومتے گھومتے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیتا تھا۔ ایک بار تو اس کا سر دیوار کے کونے سے ٹکرا کر پھٹ گیا تھا اور رضوانہ کتنا ڈرتی تھی۔ سچ مچ اس نے زندگی کے میلے میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس کی آنکھوں کی تہہ میں نمی سی گھلنے لگی تو اس نے آنکھیں موند لیں۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگا۔

ابھی وہ پورے پانچ سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ بابا نے اسے اسکول میں داخل کروادیا۔ بھا نثار کے ساتھ وہ بھی تانگے پر بیٹھ کر قصبے کے اسکول میں جانے لگا تھا۔ بابا نے اسے ایک انگلش میڈیم اسکول میں داخل کرایا تھا اور جب وہ 'ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل اسٹار' اور 'بابا بلیک شپ' اشارے کر کے سناتا تو بابا بہت خوش ہوتے اور رضوانہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت اتر آتی۔ وہ اسے حیران دیکھ کر اپنی کاپیاں اور ڈرائنگ بکس دکھاتا۔

''مجھے دے دو۔ میں بھی رنگ بھروں گی۔''

''ابھی تم چھوٹی ہونا' جب تم بڑی ہو جاؤ گی' میرے جتنی تو پھر چاچا تمہیں بھی اسکول میں داخل کروادیں گے۔''

''نہیں' ابا کہتے ہیں' لڑکیاں نہیں پڑھتی ہیں۔''

''میں ابا سے کہوں گا اور وہ چاچا سے کہیں گے تو وہ تمہیں ضرور اسکول بھیجیں گے......'' اور اس کی سفارش پر رضی بھی گاؤں کے اسکول جانے لگی تھی۔

گاؤں میں لڑکیوں کا پرائمری اور لڑکوں کا مڈل اسکول تھا لیکن وہاں اساتذہ کبھی کبھار ہی آتے تھے۔ اس لیے بابا نے ان دونوں کو قصبے کے اسکول میں داخل کروایا تھا اور رضوانہ تو لڑکی تھی اس نے زیادہ پڑھ کر کیا کرنا تھا اس لیے چاچا نے اسے گاؤں کے اسکول میں ہی داخل کروایا تھا حالانکہ اس نے بابا کو کتنا بتایا تھا کہ اس کی کلاس میں لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں لیکن بابا نے کہا تھا۔

''پتر' تیرے چاچا کی مرضی۔''

تب اس نے مایوس ہو کر چوری چوری اپنی ڈرائنگ بکس اور کلر اسے دے دیے تھے اور خود بابا سے کہہ کر کہ اس کی بکس کہیں گم ہو گئی ہیں' خود نئی لے لی تھیں۔

وقت کتنی جلدی سے گزر جاتا ہے' پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب کتنے ماہ و سال گزر گئے تھے وہ میٹرک کر چکا

تھا اور رضوانہ آٹھویں میں آ گئی تھی۔ پرائمری اسکول اب مڈل بن گیا تھا۔ اس روز وہ چاچی کی خیریت معلوم کرنے گیا تھا۔ چاچی پچھلے چند ماہ سے بیمار تھیں۔ چاچا کئی بار اسے شہر کے اسپتال میں لے کر جا چکا تھا لیکن ڈاکٹروں کو اس کی بیماری سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔ بس وہ دوائیں دے کر بھیج دیتے اور چاچی تھی کہ روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

چاچی صحن میں بچھی چارپائی پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور رضوانہ اس کے پاس بیٹھی اسے دلیہ کھلا رہی تھی۔

''السلام علیکم چاچی۔''

''آؤ سکندر' پتر آؤ۔''

چاچی نے محبت سے کہا۔ اس نے اچٹتی سی نظر رضوانہ پر ڈالی تھی لیکن پھر جیسے یہ نظر اس پر سے ہٹنا بھول گئی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ شاید وہ ابھی ابھی نہا کر آئی تھی۔

اتنے لمبے' اتنے سیاہ بال۔

اس کی گلابی رنگت دمک رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

''ارے' یہ اتنی بڑی ہو گئی ہے۔'' ایک دم ہی اسے احساس ہوا حالانکہ وہ اسے ہفتے میں ایک بار تو ضرور دیکھتا تھا لیکن آج وہ اسے بڑی اجنبی اجنبی' بڑی نئی نئی سی لگ رہی تھی۔ اسے لگا کہ جیسے اینکی ڈالتے ڈالتے وہ ایک دم بڑی ہو گئی ہو کہانیوں کی طرح۔

رضوانہ دلیے کا پیالہ نیچے رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے اس نے جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''بھائی سکندر' چائے پیو گے؟''

''ہاں......نہیں۔'' وہ چونک کر نیچے دیکھنے لگا۔

وہ ہولے سے ہنسی۔ ٹھن ٹھن جیسے چاندی کے روپے گر رہے ہوں۔

''ہاں بھی اور نہیں بھی۔ بھائی سکندر' ایک بات کہو نا۔''

''نہیں۔'' وہ شرمندہ سا ہو گیا اور چاچی کی طرف دیکھنے لگا۔

''پتر تیرا نتیجہ آ گیا ہے؟'' چاچی نے پوچھا۔

''نہیں چاچی' ابھی تو دو مہینے ہیں۔''

''نثار آیا ہے۔''

''نہیں ماں جی' ابھی تو وہ فیصل آباد میں ہی ہیں۔''

''بہو ٹھیک ہے۔''

"جی۔ بھابو کہہ تو رہی تھیں ادھر آنے کو۔ شاید شام کو آئیں گی۔"

وہ چاچی سے باتیں کرنے لگا تھا اور پھر جتنی دیر بھی وہ وہاں بیٹھا رہا، رضوانہ نہیں آئی حالانکہ جب کبھی وہ چاچا کے گھر آتا تھا تو وہ اس کے سامنے ہی بیٹھی باتیں کرتی رہتی تھی۔

اپنے اسکول کی، سہیلیوں کی، اپنی استانیوں کی۔

مگر آج نہ جانے کہاں غائب تھی۔ جبکہ آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر اسے دیکھے۔

کیسی انوکھی انوکھی لگ رہی تھی۔

کھلی کھلی، نکھری نکھری سی۔

اس روز گھر آ کر بھی وہ اس کے متعلق سوچتا رہا کہ آج رضی اتنی انوکھی کیوں لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا، وہ اس سے پوچھے گا کہ وہ عجیب عجیب اور انوکھی انوکھی کیوں لگنے لگی ہے لیکن وہ اسے ملی ہی نہیں اور اس کا نتیجہ آ گیا۔ بھا نثار نے اسے لاہور گورنمنٹ کالج میں داخلہ دلا دیا۔ وہ سب کچھ بھول کر اپنی پڑھائی میں مگن ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی رضی کا خیال آتا تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ جاتی لیکن ابھی وہ اپنے جذبوں کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی واضح بات نہیں آتی تھی۔ رضی اس کے چاچا کی بیٹی تھی۔ اس لیے کبھی کبھی سب کے ساتھ اسے بھی یاد کر لیتا تھا۔

پہلی بار اپنا آپ اس پر اس وقت کھلا تھا، جب چاچی کی وفات کی خبر سن کر وہ گاؤں پہنچا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی تھی۔

"سکندر بھائی، میری ماں۔"

اس کے لمس نے اس کے اندر ایک سنسنی سی دوڑا دی تھی لیکن پھر ہولے سے اسے خود سے علیحدہ کر کے وہ خود بھی رونے لگا تھا۔ پھر جب چاچی کو دفن کر کے آئے تھے اور وہ صحن میں بابا کے گلے سے لگی چیخ چیخ کر رو رہی تھی تو ایک دم اس کا دل کٹنے لگا۔ اس کا جی چاہنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لے۔ اس کی سوجی سوجی آنکھوں کو چوم لے۔ اس کے رخساروں پر بہنے والے آنسوؤں کو چن لے۔ مگر وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔

اس کے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے پھر اس سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"رضی، حوصلہ کر۔ اللہ کی یہی مرضی تھی۔"

مگر وہ تو اور زور زور سے رونے لگی تھی۔

تب چاچا سلطان نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"ارے تو روئے گی تو میں کیا کروں گا۔ چل چپ کر میری دھی۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر اوپر چھت پر چلا گیا اور ٹہلنے لگا تھا۔ اس کے اندر بڑی بے چینی اور اضطراب سا

تھا اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہے۔ جتنے دن وہ گاؤں میں رہا، مضطرب سا رہا۔ اس کے اندر گھمن گھیریاں سی بنی تھیں اور وہ چکرا رہا تھا۔

اِدھر سے اُدھر لٹو کی طرح۔ کوئی سرا اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اسے یوں لگتا، جیسے وہ کوئی چھوٹا سا پتھر ہو جسے بہتے پانی میں کسی نے زور سے پھینک دیا ہو اور وہ پانی کے بھنور میں پھنسا چکرا رہا ہو۔ بچپن میں گاؤں سے باہر والے جوہڑ کے باہر بیٹھ کر وہ زور سے کوئی پتھر یا کسی برتن کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا پانی میں پھینکتے تھے تو بھنور سا بنتا تھا اور گول گول دائرے بن کر ہٹ جاتے اور پتھر نیچے تہہ میں غائب ہو جاتا۔

چاچی کے مرنے کا دکھ اپنی جگہ۔

مگر یہ کچھ اور تھا۔

کوئی انوکھا احساس تھا، کوئی دلربا سا خیال۔

جو چٹکی بھی لیتا تھا اور گھبراہٹ بھی پیدا کرتا تھا۔

وہ بے خودی میں رضی کے پاس پہنچ جاتا، گھنٹوں اس کے پاس بیٹھا رہتا، باتیں کرتا رہتا۔

چاچی کی، اس کی۔

اسے تسلیاں دیتا، اپنی پڑھائی کا بتاتا۔ اپنے دوستوں کے متعلق بتاتا۔

لیکن جب رات کو اپنے بستر پر آ کر لیٹتا تو اسے لگتا، جیسے جو کچھ اسے کہنا تھا، وہ تو اس نے کہا ہی نہیں تھا۔

مگر کیا بات؟

یہ خود اسے سمجھ نہیں آتی تھی، اسے کیا کہنا ہے۔

جذبات کا ایک سمندر اس کے اندر ابل رہا تھا لیکن جذبات کے سمندر میں جب تک لفظوں کی قندیلیں نہ جلیں تب تک دل کو سکون نہیں ملتا۔

اور لفظ پتا نہیں کہاں کھو گئے تھے اور پھر وہ کون سے لفظ تھے جو اسے کہنا تھے۔

بھا نثار نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کیا۔

"کیا بات ہے سکندر، تو بڑا چپ چپ ہے۔"

"کچھ نہیں بھا، بس یونہی چاچی کا سوچتا رہتا ہوں۔"

"چاچی نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ جانے والوں کو تو جانا ہی ہوتا ہے۔ تیری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے بچے۔ تو اب جا۔"

بھا نثار کو جب اس پر پیار آتا تھا تو وہ اسے بچے، پتر اور بیٹا کہہ کر بلاتے تھے۔

"جی۔" اور وہ پھر اٹھ کر رضی کے پاس پہنچ جاتا۔

پھر وہی ڈھیروں باتیں۔

اور اصل بات کہیں اندر ہی گھسن گھیریاں کھاتی رہ جاتی۔

وہ رضی سے اصل بات نہ کر سکا اور اسے واپس آنا پڑا۔ کیونکہ اس کے دسمبر میں ٹیسٹ قریب تھے اور لاہور سے صبح صادق کا خط آیا تھا کہ دسمبر ٹیسٹ کی ڈیٹ شیٹ مل گئی ہے اور اب اسے واپس جانا چاہیے۔ سو وہ یونہی پریشان سا واپس آ گیا۔

ان دنوں وہ سیکنڈ ایر میں تھا۔ لاہور آ کر بھی اس کی وہی کیفیت رہی۔ بیٹھے بیٹھے کھو سا جاتا۔ دل میں گدگدی سی ہونے لگتی۔

ہونٹ ذرا سے کھل کر بند ہو جاتے اور اندر جیسے طوفان سا آ جاتا۔ ہلچل سی مچ جاتی...... اور پھر گہرا اندھیرا' جیسے سب کچھ کہیں گم ہو گیا ہو۔

"کیا بات ہے یار۔ کیا چکر ہے؟" ایک روز محسن وقار نے اسے پکڑ لیا۔

"کچھ نہیں۔"

"ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں میری جان۔ سچ سچ بتا دے' گاؤں میں کسی الھڑ مٹیار کے پاس دل چھوڑ آیا ہے یا یہاں کہیں پھنسا بیٹھا ہے۔"

"نہیں...... نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ گھبرا گیا۔ بھلا جو بات اسے خود بھی پتا نہیں تھی' وہ اسے کیسے بتا دیتا۔

"نہیں یار کوئی بات تو ضرور ہے۔" صبح صادق نے بھی محسن وقار کی تائید کی "جب سے تو گاؤں سے آیا ہے' بڑا بدلا بدلا لگ رہا ہے۔ کھویا کھویا' گم گم سا۔ دوستوں سے کیا پردا یار' کیسی ہے وہ۔"

ٹھن ٹھن چاندی کے روپے کانوں میں بجنے لگے اور آنکھوں کے سامنے جیسے گلاب چٹکنے لگے...... اور پھول کھلنے لگے۔

"ہم تو یاروں کے یار ہیں سکندر۔ ہم سے چھپائے گا کیا...... دل آ گیا ہے تو شرمانے اور گھبرانے کی کیا بات ہے۔ دل ہی تو ہے نا کسی پری وش کو دیکھ کر قابو سے باہر ہو ہی جاتا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھ لو۔ ہر حسین چہرے کو دیکھ کر دل پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"میرا دل تمہارے دل کی طرح بے قابو نہیں ہے کہ ہر ایک کے قدموں میں گر پڑے۔"

"شکر ہے تم منہ سے کچھ پھوٹے تو سہی۔ ہر ایک کے نہ سہی کسی ایک کے قدموں میں تو ضرور گر پڑا ہے......" وہ بھی ایک کائیاں تھا۔

اور یوں بھی اس فیلڈ میں اس کے تجربے کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بقول صبح صادق کے گاؤں میں دو اور لاہور میں تین اور گاؤں سے قریبی شہر میں' جہاں سے اس نے میٹرک کیا تھا اس کی کئی دوستیں موجود تھیں اور اسے ہر ایک پر دل و جان سے فدا ہونے کا دعویٰ تھا۔

"اتنی کم عمری میں۔" سکندر کو حیرت ہوتی تھی۔

"اس میدان میں اپنے وسیع تر تجربے کی بنا پر ہم تمہیں مفت مشوروں سے نواز سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تم منہ سے کچھ پھوٹو بھی۔ اگر اپنے کالج کی لڑکی ہے تو پیغام رسانی کا فرض یہ بندۂ ناچیز ادا کرنے کو تیار ہے۔

حاضر ہوں دل و جان سے
گرچہ کیڑا ہوں میں ذرا سا

اس نے کورنش بجا لاتے ہوئے شعر پڑھا۔

وقت بے وقت غلط صحیح شعر پڑھنے کا بھی اسے شوق تھا۔ چنانچہ حمزہ کبھی کبھی اسے چڑانے کے لیے دیسی کھیرا عرف نکما شاعر کہہ کر بھی بلاتا تھا لیکن وہ بھی چکنی مٹی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا۔

"ارشاد۔ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ کوئی بات ہو تو بتاؤں۔" وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اب وہ انہیں کیا بتاتا۔ اسے تو خود پتا نہیں تھا کہ اصل بات کیا ہے۔ یہ کیسی بے خودی سی ہے۔ جو بات وہ نہیں جانتا تھا' وہ بات محسن وقار نے جان لی تھی۔

"کیا واقعی...... کیا واقعی اس کا دل اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔" اس نے پریشان ہو کر سوچا۔

اور اپنے پیچھے اسے محسن وقار اور صبح صادق کا قہقہہ سنائی دیا۔

اگرچہ وہ کلاس فیلوز تھے لیکن عمر میں اس سے بڑے تھے اور کچھ ان کے تجربات بھی اس سے زیادہ تھے۔

رات جب وہ سونے کے لیے لیٹا تو صبح صادق اور محسن وقار کی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

اور ٹھن ٹھن چاندی کے روپے بجنے لگے۔

سیاہ چمکیلے بالوں کے ہالے میں چھپا چہرہ لبوں پر مسکان لیے۔

"رضی۔" اس نے سرگوشی کی اور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہے یار؟" صبح صادق نے ساتھ والے بیڈ سے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ پھر گھبرا کر لیٹ گیا۔

"یار' کیوں تھکاتا ہے اپنے دماغ کو۔" محسن وقار نے تکیہ اپنی آنکھوں پر سے اٹھایا "صبح جا کر اس سے دل کی بات کہہ دے۔ مت بوجھ ڈال اپنے اوپر اتنا۔ کہہ دے جا کر وہ تجھے اچھی لگتی ہے۔ پیار ہو گیا

ہے تجھے اس سے۔" اس نے پھر تکیہ آنکھوں پر رکھ لیا۔

جگمگ، جگمگ۔ اس کے اندر چراغاں ہونے لگا۔

"یہی...... یہی بات تو وہ کہنا چاہتا تھا۔"

اس کے اندر لفظوں کی قندیلیں جل اٹھیں تو جذبات کے سمندر میں طوفان سا آ گیا۔

پیپر ختم ہوتے ہی وہ گاؤں جائے گا اور...... اور اس سے کہہ دے گا۔

"رضی تو مجھے اچھی لگتی ہے، بہت اچھی۔" بس اتنی سی بات تھی اور وہ اتنے دنوں سے پریشان ہو رہا تھا۔

اس نے مطمئن ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور تصور ہی تصور میں رضوانہ سے باتیں کرنے لگا۔

❁ ❁ ❁

"ان پڑھ ہونا، جہالت کی سب سے کمزور اور چھوٹی قسم ہے اور جہالت کو جہالت نہ سمجھنا، جہالت کی سب سے بڑی قسم ہے۔" پروفیسر عادل نے ارسلان ملک کے کندھے پر ہاتھ رکھا "تمہارے نزدیک خدا بخش جاہل ہے لیکن میرے نزدیک وہ جاہل نہیں کیونکہ جہالت کا تعلق دل کی کیفیات سے ہوتا ہے۔ اگر ایک ان پڑھ خدا سے ڈرتا ہے اور انسانیت کے خلاف کام کرنے کو جرم سمجھتا ہے تو جہالت کے دائرے میں نہیں آتا اور میرے خیال میں خدا بخش نے ایسا کوئی کام کبھی نہیں کیا۔"

"سوری سر۔" ارسلان شرمندہ ہو گیا "میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔"

"لیواٹ۔" پروفیسر عادل مسکرائے۔

لیکن ارسلان ملک بہت ندامت محسوس کر رہا تھا۔ دراصل کچھ دیر پہلے ہی ادبی نشست ختم ہوئی تھی۔ جس میں حافظ احسان اللہ نے اپنا افسانہ پڑھ کر سنایا تھا اور حسبِ توقع اس پر کافی تنقید ہوئی تھی۔ چند ایک نے اسے سراہا بھی تھا لیکن زیادہ تر لوگوں کا خیال تھا کہ ابھی حافظ صاحب کی لفظوں پر گرفت مضبوط نہیں ہے۔ لفظ ان کے ہاتھوں سے پھسل جاتے ہیں اور کہیں کا لفظ کہیں لگ جاتا ہے۔

مجتبیٰ حیدر کا خیال تھا کہ ابھی انہیں مزید مطالعہ کرنا چاہیے۔ تاہم پروفیسر فاروق اور عبیداللہ غنی نے پلاٹ کی بہت تعریف کی تھی۔ جب افسانہ پڑھا جا رہا تھا تو خدا بخش نے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے سگریٹوں کے ٹوٹے اٹھاتے ہوئے رائے دی۔

"اپنے حافظ صاحب کی کہانی میں "ماسی پٹھاں" کا کردار بہت کمزور ہے۔ حافظ صاحب نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔"

"کمال ہے۔" ارسلان کو حیرت ہوئی "یہ ایک جاہل شخص ہے اور......"

"تم اسے ان پڑھ کہہ سکتے ہو، جاہل نہیں۔" پروفیسر عادل نے اسے فوراً ٹوکا تھا اور اب ان کی بات سن کر وہ بے حد ندامت محسوس کر رہا تھا۔

پروفیسر عادل نے اسے غور سے دیکھا۔

"اگر غور کیا جائے تو جہالت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جہالت یہ بھی ہے کہ بنی نوع انسان کو ختم کرنے کے لیے مہلک ہتھیار ایجاد کیے جائیں۔ جہالت یہ بھی ہے کہ ہم جانتے بوجھتے ایک قاتل کو بچا لیں کیونکہ قانون احساس کی قوتوں سے محروم ہے، اس میں لوپ ہولز نکل آتے ہیں۔ وکیل جھوٹ کے سہارے نئے نئے نکتے پیدا کر کے مجرم کو صاف بچا لیتا ہے اور کبھی کسی معصوم بے گناہ کو پھانسی ہو جاتی ہے۔

جھوٹ بولنا بھی ایک جہالت ہے۔

ایک ڈاکٹر غلط آسرا دیتا ہے۔

وکیل جھوٹ بولنے کا اہتمام کرتا ہے۔

مولوی فرضی باتوں سے عوام کو تباہ کرتا ہے۔

فلسفی تاویلات گھڑ کر جھوٹ بولتا ہے...... تو یہ سب جاہل ہیں۔

ایک استاد اگر غلط پڑھا کر پوری نسل کو تباہ کرتا ہے تو جہالت ہے۔

ہر وہ کام جو تعمیری نہ ہو، تخریبی ہو اور ہم اسے جان بوجھ کر اپنائیں تو وہ جہالت کے مترادف ہے۔

جہالت یہ بھی ہے کہ ہم کسی کو جاہل سمجھیں۔"

ارسلان کا سر مزید جھک گیا۔

"طاقت کے آگے سر خم کرنا، سچائی اور صداقت کو قتل کرنا۔ جو کہنا اس پر عمل نہ کرنا، یہ سب جہالت ہے دوستو۔ جہالت علم کی نفی ہے اور علم صرف ڈگری لینے کا نام نہیں ہے۔"

پروفیسر عادل بول رہے تھے اور وہ تینوں نہایت انہماک سے سن رہے تھے۔ جب وہ بولتے تھے تو سحر سا طاری ہو جاتا تھا۔ شہریار ان کی گفتگو سے متاثر لگ رہا تھا۔

"خیر چھوڑو۔ میں نے تمہیں بور کر دیا۔"

"نہیں سر، بالکل نہیں۔ ہمیں آپ کی باتیں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" ارمغان نے فوراً جواب دیا

"ویسے سر، اس طرح تو ہم سب جاہل ہیں۔"

"ہاں، شاید۔" پروفیسر عادل نے سگریٹ سلگایا۔

"سر، آپ سگریٹ بہت پیتے ہیں۔ یہ صحت کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"آہاہا۔" پروفیسر عادل نے زوردار اونچا قہقہہ لگایا "یہ آپ نہیں، آپ کے اندر کا ڈاکٹر بول رہا ہے، شہریار میاں۔"

"غلط تو نہیں بول رہا۔" شہریار مسکرایا۔

"نہیں لیکن دوست، مجھے سگریٹ کچھ نہیں کہتا۔ سکون پہنچاتا ہے۔"

"مگر سر۔ آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ اس میں زہر ہے۔" شہریار نے بحث کی "نکوٹین......"

"میاں۔" پروفیسر عادل نے اس کی بات کاٹ دی "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ زہر زہر کو بھلا کیا نقصان پہنچائے گا۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"کچھ نہیں' یہ مسرور کہاں چلا گیا؟" انہوں نے بات پلٹ دی۔

"میرے خیال میں وہ باہر چلے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے سگریٹ لے آؤں۔" ارمغان نے بتایا۔

"اس کو سمجھاؤ میاں۔ ینگ آدمی ہے۔ اس کو بتاؤ' یہ سارے سگریٹ کے نقصانات۔"

"کیا وہ بھی سگریٹ پیتا ہے؟" شہریار نے پوچھا۔

"بے حد۔" ارسلان نے بتایا۔

"اور سناؤ میاں ارسلان' تمہاری شاعری کیسی جا رہی ہے۔"

"کچھ زیادہ نہیں لکھا سر۔ موڈ ہی نہیں ہوتا کچھ کہنے کا۔"

"اور جناب کی سیاست کیسی چل رہی ہے؟" وہ ارمغان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"گزارہ ہو رہا ہے۔ مگر سر وہ...... وہ جو ہے نا' مدبر علی۔ وہ میرے بڑا خلاف ہے۔ ہر وقت پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے کہ میں جاسوس ہوں کبھی کسی پارٹی کے ساتھ میرا نام لگا دیتا ہے اور کبھی کسی کے ساتھ۔"

"کہنے دو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" پروفیسر عادل نے سمجھایا۔

"سر' مجھے ڈر ہے کہ ہارنے کی صورت میں وہ ہنگامہ کر دے گا۔"

"تمہارے مقابلے میں کھڑا ہو رہا ہے۔"

"جی سر۔"

"اور کون کون ہیں؟"

"پہلے تو چار لڑکے کھڑے ہو رہے تھے۔ پھر دو تو خود ہی بیٹھ گئے۔ شاید مدبر علی کے خوف سے۔ اب میں اور مدبر علی رہ گئے ہیں۔ ابا نے تو بہت منع کیا ہے سر کہ مانی یونین کے الیکشن کے لیے نہ کھڑا ہو۔ کل بھی ایک لمبا چوڑا خط آیا ہے ان کا۔ بہت ڈرے ہوئے ہیں۔ یاد ہے ناں سر آپ کو۔ کالج میں بھی جھگڑا ہو گیا تھا اور مانی کا سر پھٹ گیا تھا۔"

"ہوں۔ یہ مدبر علی کون ہے؟"

"کسی وڈیرے کا بیٹا ہے۔ پجارو رکھی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی ایک دو باڈی گارڈ بھی ساتھ ہوتے ہیں۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے' بیٹھ جاؤ گے۔"

"نو سر۔ امپاسیبل۔ جہاں تک ممکن ہوا میں یونیورسٹی کو گندی سیاست سے پاک رکھنا چاہتا ہوں اور

مدبر علی جیسے لوگ اگر یونین میں آ گئے تو غنڈہ گردی بڑھ جائے گی۔ پہلے ہی کیا کم ہے۔"

"مگر جان کا خطرہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"موت کا ایک دن مقرر ہے۔ اگر مدبر علی کے ہاتھوں ہی مرنا ہے تو یوں ہی سہی۔"

"گڈ۔" پروفیسر عادل نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا "مانی' میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کسی بھی طرح کی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا۔"

"تھینک یو سر۔"

"تم کہو تو ایک دو باڈی گارڈز کا بندوبست تمہارے لیے بھی کر دوں۔"

"نو سر۔" وہ بے اختیار ہنس دیا "ہم متوسط طبقے کے لوگ موت سے اتنے خوف زدہ نہیں ہوتے ہیں اور پھر میرے بابا کہا کرتے تھے بیٹا! موت سے کیا بھاگنا۔ جہاں آنی ہے وہیں آئے گی۔ چاہے زمین کی تہوں میں چھپ جاؤ۔ اگر میرے مقدر میں مدبر علی کی گولی لکھی ہے تو وہ گولی میرے نام کی ہے اور اسے میرے سینے پر آنا ہے۔ کسی اور پر نہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہے۔ کنویسنگ کر رہے ہو یا ابھی شروع نہیں کی ہے؟"

"ایک دو روز میں کرنے والے ہیں۔ ابھی پوسٹر وغیرہ تیار ہو رہے ہیں۔"

"اچھا۔ گڈ لک۔" پروفیسر عادل کھڑے ہو گئے اور شہریار کی طرف ہاتھ بڑھایا "ینگ مین۔ کیا آئندہ بھی تم سے ملاقات کی توقع کی جا سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں سر۔ میں انشاءاللہ حاضر ہوتا رہوں گا اگرچہ مجھے ادب سے اتنی دلچسپی تو نہیں ہے۔ پھر بھی آج کی محفل میں لطف آیا۔ خاص طور پر آپ کی اور مجتبیٰ صاحب کی باتوں نے بہت مزا دیا۔" شہریار نے عقیدت سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے کچھ ضروری فون کرنے تھے' آپ لوگ بیٹھیں گے یا......؟"

"نہیں سر...... اب ہم جائیں گے۔" وہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مانی۔ تم مجھے اپنے متعلق باخبر رکھنا۔ تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے یار۔ اب اس مدبر علی کو دیکھنا پڑے گا۔"

"نہیں سر۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ الیکشن تو پہلے بھی ہوتے ہی رہے ہیں اور تھوڑی بہت تڑ تڑ تو ہو ہی جاتی ہے۔ کئی سالوں سے ہو رہا ہے ایسا ہی۔ ہارنے والی پارٹی تھوڑی بہت گڑبڑ ضرور کرتی ہے۔ پروفیسر نظامی بتا رہے تھے پچھلی بار بھی بڑا ہنگامہ ہوا تھا اور جمعیت کے دو لڑکے مارے بھی گئے تھے۔"

"ہاں شاید۔" پروفیسر عادل کچھ سوچ رہے تھے۔

"اچھا سر' خدا حافظ۔"

''خدا حافظ۔'' انہوں نے تینوں سے باری باری ہاتھ ملایا اور ڈرائنگ روم سے باہر آ گئے۔

''خدا بخش' گاؤں سے کسی کو آئے بہت دن نہیں ہو گئے۔''

''جی مالک' میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ادھر کئی دنوں سے امام بخش بھی نہیں آیا۔ ورنہ مہینے کے مہینے آ کر خیر خبر دے جاتا تھا۔''

''امام بخش تو اپنی بیوی کو پیارا ہو گیا ہے۔ خدا بخش' اب اس کی بات چھوڑ' کوئی اور بندوبست کر۔ میرا خیال ہے' یہ ذمے داری دینے پر ڈال دے۔''

''جی مالک' ایسا ہی کروں گا پر امام بخش ایسا ہے تو نہیں کہ بیوی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جائے۔ ضرور کوئی بات ہے کہیں بیمار شمار نہ پڑ گیا ہو۔''

''اب جو کچھ بھی ہے۔ یا تو خود جا کر پتا کر کے آؤ یا پھر......''

''خود کیسے جاؤں مالک۔ آپ کو پیچھے سے تکلیف ہو گی۔''

''مجھے کچھ نہیں ہوتا۔ تم بے فکر ہو کر گاؤں جاؤ اور امام بخش کی خبر بھی لے آؤ اور گاؤں کا حال چال بھی دیکھ آؤ...... منشی سے کچھ رقم بھی لیتے آنا۔''

''جو حکم مالک' مگر آپ بھی اگر ساتھ چلیں تو بہتر ہے۔''

''ہوں۔'' وہ سوچ میں پڑ گئے ''جانا تو ہے لیکن ابھی نہیں' پہلے تم ہو آؤ۔ مجھے کچھ کام ہے یہاں۔ میں اپنے بیڈ روم میں ہوں۔ ایک کپ اچھی سی چائے بنا کر دے جاؤ۔''

''اور ہاں۔'' وہ جاتے جاتے پلٹے ''یہ مسرور سگریٹ لینے گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا۔''

''وہ تو اسی وقت آ گئے تھے مالک اور اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے' سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''اچھا۔ اس سے بھی پوچھ لینا۔ کیا خبر وہ بھی چائے پینا چاہے۔ اچھا ایسا کرو۔ میری چائے بھی اسی کے کمرے میں لے آنا۔ میں وہاں ہی چائے پیوں گا۔''

مسرور بیڈ پر اوندھا لیٹا سسکیاں لے رہا تھا۔ پروفیسر عادل لحہ بھر کو دروازے پر ہی رک گئے۔

''مسرور کیا ہوا خیریت ہے؟'' انہوں نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

مسرور نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور جلدی سے آنکھیں صاف کیں ''کچھ نہیں بس ایسے ہی سر میں درد ہو رہا تھا۔''

''میرے خیال میں تم اتنے چھوٹے بچے نہیں ہو کہ سر درد سے رونے لگو۔''

مسرور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''تم اچھے بھلے باہر سگریٹ لینے گئے تھے۔ اتنی دیر میں کیا ہو گیا؟'' مسرور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

''کم آن یار۔ آئی ایم ناٹ اون یور ٹیچر بٹ فرینڈ ٹو۔''

انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ [illegible] ''کم آن۔''

''سر۔'' مسرور کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی ''ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی دل پر چوٹ [illegible] جاتی ہے۔ یوں ہی بلاوجہ پھوڑے پر ذرا سی انگلی بھی لگ جائے تو تکلیف ہوتی ہے نا۔ ایسے ہی میری [illegible]ح پر بھی پھوڑے سے بنے ہوئے ہیں۔ ذرا سا ہاتھ ٹچ ہو جاتا ہے تو اذیت سے مرنے لگتا ہوں۔''

''کچھ بتانا پسند کرو گے؟'' پروفیسر عادل کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''سر آئی ایم سوری۔ میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔'' مسرور شرمندہ سا ہو گیا ''میں نے آپ کو بتایا [illegible]، نا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں باہر گیا تو میں نے اس شخص کو دیکھا جسے میرا باپ ہونے کا دعویٰ [illegible]۔ وہ شخص جو میری پیدائش کا سبب بنا۔ جس کا نام میرے نام کے ساتھ لگا ہے۔ مگر جس نے اپنے [illegible]ض کبھی ادا نہیں کیے۔''

''سر۔'' اس کے رخساروں پر سرخی سی دوڑنے لگی تھی ''میں بارہ تیرہ سال کا تھا' جب اس نے دوسری [illegible]ی کر لی حالانکہ میری ماں کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ خوبصورت تھی' پڑھی لکھی تھی۔ بہت اچھی بہو اور بہت [illegible] بیوی تھی۔''

پروفیسر عادل کی مٹھیاں غیر ارادی طور پر بند ہو گئیں۔ ہونٹ ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

''دوسری شادی کرنا اتنی معیوب بات نہ تھی لیکن اس نے میری ماں کو چھوڑ دیا۔ کچھ عرصے تک وہ کبھی [illegible]عار ملنے کے لیے آتا رہا۔ میں جب میٹرک میں تھا تو اس نے میری ماں کو طلاق دے دی۔ حالانکہ [illegible]ی ماں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی تھی۔ بہت بے ضرر سا وجود تھا اس کا۔ جس روز اس کی رجسٹری [illegible] [illegible]ی ماں چیخ چیخ کر روئی حالانکہ وہ بہت متحمل مزاج ہے اور سر اس کی چیخیں میرے اندر جمع ہو گئی ہیں۔ کبھ[illegible] [illegible] یہ چیخیں میرے اندر گونجنے لگتی ہیں۔ ماں کے وہ آنسو میرے اندر سیلاب لے آتے ہیں۔ میں پاگل [illegible] ہو جاتا ہوں سر۔ ابھی اس شخص کو یہاں ایک شاپنگ سینٹر کے اندر جاتے دیکھ کر میرے اندر وہی چیخیں [illegible]ہ ہو گئی تھیں۔ خون میرے وجود کی دیواروں سے ٹکرانے لگا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا' میں اس شخص کا گ[illegible] [illegible]وں...... مگر میں وہاں سے چلا آیا۔''

اس نے بے دردی سے اپنے بالوں کو اپنی مٹھیوں میں جکڑا' بیڈ کے کنارے پر زور سے مکا مارا اور پھ[illegible] [illegible] ہو گیا۔

''سوری' سوری سر۔ بہت سارے بچوں کے باپ دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی انوکھی بات [illegible] ہے۔ پتا نہیں میں...... شاید میں بہت حساس ہوں اس لیے......''

پروفیسر عادل خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے ہمیشہ مسکراتے لب ایک دوسرے کے ساتھ سختی سے بھنچے

ہوئے تھے اور آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ ایک دم سرخ ہوگئی تھیں۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری سر......'' مسرور بہت نادم اور شرمندہ لگ رہا تھا۔

بھلا یہ بھی کوئی بات تھی رونے والی۔ وہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں تھا۔ بیس اکیس سال کا میچورڈ لڑکا تھا لیکن پتا نہیں کیوں' کبھی کبھی اچھا بھلا میچورڈ انسان بھی بچہ بن جاتا ہے۔

شاید آدمی کے اندر جو دل ہوتا ہے' وہ کبھی بڑا اور میچورڈ نہیں ہوتا۔ ہمیشہ بچہ بنا رہتا ہے۔

بس یہ تو آدمی خود اسے جھوٹے مصنوعی بڑے پن کے لبادے میں لپیٹے رکھتا ہے۔ مگر کبھی کبھی وہ یہ لبادہ اتار دیتا ہے۔ پھر سے ننھا بچہ بن جاتا ہے۔

چاند کو دیکھ کر مٹھی میں بند کرنے کی ضد کرنے والا بچہ۔

اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو پونچھا اور پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح ساکت بیٹھے تھے اور ان کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔

''سر۔'' مسرور نے گھبرا کر ان کا ہاتھ چھوا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''سوری سر۔ میں نے......''

''نہیں۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''رونا کوئی بری بات نہیں۔ انسان ہی روتے ہیں' پتھر نہیں روتے اور مجھے انسانوں کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ مجھے پتھروں سے نفرت ہے۔ ٹیک اٹ ایزی اینڈ آئی ایم ہیپی دیٹ یو آر ہیومن بی انگ۔''

''دراصل سر' میری حساسیت مجھے تکلیف دیتی ہے۔ بہت سمجھاتا ہوں اپنے آپ کو۔ بہت نارمل رکھنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی لگامیں ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہیں۔''

''حساس ہونا جرم نہیں ہے۔ بے حس ہونا جرم ہے۔ تم اپنی حساسیت پر شرمندہ مت ہو۔ ہاں اگر کبھی بے حس ہوگئے تو پھر ندامت کی بات ہوگی۔'' وہ کھڑے ہوگئے۔

''خدا بخش چائے لا رہا ہے۔ چائے پیو اور ریلیکس ہو جاؤ۔ زندگی نام ہی مختلف حادثات کا ہے۔ ہر دوسرے بندے کی روح پھوڑے کی طرح دکھتی رہتی ہے۔ بس ذرا سا ٹچ کرو تو اذیت...... ناقابل بیان اذیت۔'' انہوں نے یوں دانت سختی سے ایک دوسرے پر جماتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کرلیں جیسے کسی شدید اذیت سے دوچار ہوں۔ مسرور سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لمحہ بھر بعد ہی وہ نارمل ہوگئے۔ پہلے ان کا ارادہ تھا کہ وہ مسرور کے ساتھ ہی چائے پئیں گے لیکن اب ان کا ارادہ بدل گیا تھا۔ ان کے اندر جیسے آگ سی دہکنے لگی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ الاؤ کی تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ انہوں نے اپنی پیشانی کو زور سے دبایا۔

بخش سے کہنا' وہ میری چائے میرے بیڈ روم میں دے جائے۔'' وہ جانے کے لیے پلٹے۔ تب

ہوا۔

''مالک' وہ......''

وہ الجھے الجھے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مالکن آئی ہیں جی۔ مالکن آگئی ہیں۔'' خدا بخش خوش ہو رہا تھا۔

''کیا' کہاں ہیں؟'' انہوں نے حیرت سے کہا اور خدا بخش کا جواب سنے بغیر تیزی سے باہر نکل آئے۔

❁ ❁ ❁

زینب عثمان احمد پھر شدید ڈیپریشن کا شکار تھیں اور اس کا اندازہ مریم کو گھر میں داخل ہوتے ہی ہوگیا تھا۔ تیمور ٹی وی لاؤنج میں اپنے ٹیڈی بیر کو دونوں بازوؤں میں بھینچے نیچے کارپٹ پر ہی سو رہا تھا۔ زینب تیمور سے خاصی محبت کرتی تھیں اور وہ اس کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھتی تھیں اور اگر ان کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو وہ یقیناً اس وقت اپنی نرسری میں ہوتا۔ اس نے شولڈر بیگ صوفے پر پھینکا اور جھک کر تیمور کی پیشانی کو چوما اور پھر اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا تاکہ اسے اس کے بستر پر لٹا سکے۔ وہ تیمور کو اٹھائے مڑی تو اس نے عثمان احمد کو بیڈ روم سے باہر آتے دیکھا۔

''تو گویا ماما ڈیپریشن کا شکار ہو کر بیڈ سنبھال چکی ہیں۔''

عثمان احمد نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ان کی نظروں میں عجیب بے بس سا غصہ تھا ''مومو' کیوں تنگ کرتی ہو اپنی ماما کو جبکہ تمہیں پتا بھی ہے' وہ کتنی جلدی ڈپریس ہو جاتی ہیں۔''

''میں...... میں تنگ کرتی ہوں ماما کو! پاپا پلیز' غلط بات مت کیا کریں۔'' اس نے سوئے ہوئے تیمور کا سر اپنے کندھے پر رکھا ''تنگ تو ماما کرتی ہیں مجھے۔''

تیمور نیند میں بڑبڑایا تو اس کی نیند خراب ہوجانے کے خیال سے اس نے ہولے سے اسے تھپکا اور ایک نظر عثمان احمد پر ڈالتی ہوئی تیمور کی نرسری کی طرف بڑھ گئی۔ تیمور کو اس کے بیڈ پر لٹا کر وہ وہیں تھکی تھکی سی اس کے بیڈ پر ہی نیم دراز ہوگئی۔

گھر آتے ہی طبیعت پر پھر وہی اضمحلال طاری ہونے لگا تھا۔ عجیب سی تھکن تھی جو سارے وجود کو جکڑے ہوئے تھی...... نامعلوم سی اداسیاں تھیں جو تہ در تہ کہرے کی مانند اس کے دل پر جمی تھیں۔

تو کیا اب زندگی یوں ہی گزرے گی۔ ایسی ہی تھکی تھکی اور اداس۔

کیا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور کیا ماما کبھی تبدیل نہیں ہوں گی۔

کیا ان کی سوچ ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ اتنی ہی موربڈ۔ میرے اور ان کے درمیان جو اختلاف پیدا ہونے لگے ہیں' کیا کبھی ختم نہیں ہوں گے اور کیا ہمارے گھر کے ماحول میں یوں ہی' ابنارمیلٹی کا احساس رہے گا۔

پتا نہیں۔ یہ اس کی سوچ تھی یا واقعی اس کے گھر کا ماحول دوسرے گھروں سے مختلف تھا۔

وہ اپنے فرینڈز کے گھر جاتی تھی تو اسے ایسے بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ جیسا اپنے گھر میں ہوتا تھا۔ جیسے وہ کسی ایسے گھر میں گئی ہو جہاں کوئی حاضرات کا عمل پڑھ رہا ہو اور فضا بوجھل ہو گئی ہو۔

کہیں کوئی کمی، کوئی فرق تھا تو ضرور۔

اور اب اس بوجھل پن میں یوں شور پھیلے گا جیسے روحیں حاضر ہو گئی ہوں اور مل کر شور و غوغا کر رہی ہوں۔ ماما جتنے دن ڈپریس رہیں گی ان کے ...... احباب ان کے گرد گھیرا ڈالے رکھیں گے۔ جس جس کو چلے گا، بھاگتا آئے گا۔ ماما کے کمرے سے وقفے وقفے سے قہقہوں کی آوازیں آئیں گی۔

اونچے بے ہنگم قہقہے۔

نقرئی قہقہے۔

دبی دبی ہنسی۔

مردانہ اور زنانہ ملی جلی آوازیں۔

گھر، گھر نہیں ریسٹورنٹ لگے گا۔

شریف اور صفیہ کی شامت آجائے گی۔

بار بار ٹرالی سجے گی اور شریف بھاگ بھاگ کر تھک جائے گا۔ کبھی کسی مہمان کی فرمائش اور کبھی کسی کی فرمائش پوری کرتے کرتے اس کا سانس اکھڑ جائے گا اور شرجیل مرزا تو جیسے ماما کی پٹی سے لگ کر ہی بیٹھ جائے گا اور بے چارے عثمان احمد تو اپنی اسٹڈی سے ماما کے بیڈروم کے کوئی سات سو چکر لگائیں گے۔

''زینی! جان کیسی ہو۔''

''ڈاکٹر ہادی کو فون کروں۔''

''جوس بھجواؤں۔''

بے چارے عثمان احمد، زینب عثمان احمد کی بیماری کے دنوں میں بیڈروم سے بے دخل کر دیے جاتے اسٹڈی میں ڈیرہ جما لیتے اور پتا نہیں یہ ماما کا ڈپریشن کس قسم کا ہوتا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ چائے اور سگریٹ پیتے ہوئے خوب اونچے اونچے قہقہے لگاتیں۔

اپنی سہیلیوں، میڈم نرگس اور مسز آفندی کے ساتھ فلیش کھیلتیں اور شرجیل مرزا سے گپ شپ لگاتیں۔ کئی بار اس کا جی چاہا تھا کہ وہ ماما سے کہے۔

'آپ ڈپریس ہیں...... آپ کو سکون اور تنہائی چاہیے...... اس شور شرابے سے تو آپ کی طبیعت اور بوجھ پڑے گا...... لیکن وہ ماما سے یہ سب نہ کہہ پاتی تھی۔ البتہ ایک بار اس نے پاپا سے کہہ دیا تھا۔

''پاپا، جب ماما بیمار ہوں تو ان کے دوستوں کو مت انفارم کیا کریں۔ انہیں سکون چاہیے ہوتا ہے نہ کہ......

''نہیں موموگڑیا تمہاری ماما کے دوست آتے ہیں تو ان کا دل بہل جاتا ہے۔ سکون محسوس کرتی ہیں وہ

پاپا بھی تو ماما کے دماغ سے سوچتے تھے۔ روبوٹ جس میں ماما جو فیڈ کرتی تھیں وہی کچھ ان کی زبان پر ہوتا تھا۔

''آپی، آپ آ گئی ہیں؟'' عاشی نے نرسری میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں۔'' مریم اٹھ بیٹھی ''آجاؤ گڑیا۔ کھانا وانا کھا لیا تم نے؟''

''جی آپی، آپ نے کھا لیا۔''

''نہیں چندا۔ میں نے کینٹین میں سموسے کھا لیے تھے، اب جی نہیں چاہ رہا تھا۔''

''آپی!'' عاشی کمرے کے وسط میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی ''آپ کو پتا ہے، ماما کی طبیعت بہت خراب ہے۔''

''ہاں، پتا ہے۔ ڈونٹ وری۔ معمولی ڈپریشن ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' مریم نے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

دبلی پتلی بے انتہا خوبصورت عاشی سے ماما ہمیشہ خفا ہی رہتی تھیں کیونکہ وہ ان کی خواہش کے مطابق مری کانونٹ سے سینئر کیمبرج نہیں کر سکی تھی بلکہ لاہور واپس آ گئی تھی۔

''عاشو۔ پریشان نہیں ہوتے گڑیا۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔ ماما پہلے بھی تو یوں ہی ڈپریس ہو جاتی ہیں۔''

''جی۔'' وہ یوں ہی کھڑی اسے دیکھتی رہی ''آپی اگر میں واپس مری چلی جاؤں تو ماما مجھ سے خوش ہو جائیں گی۔ وہ میری وجہ سے ڈپریس رہتی ہیں۔''

''فضول باتیں نہیں سوچتے اور ماما تم سے خفا نہیں ہیں۔ وقتی طور پر انہیں دکھ ہوا تھا اور انہیں ڈپریس کرنے کے لیے اور بہت سی باتیں ہیں۔'' مریم بیڈ سے اتر کر اس کے قریب چلی آئی۔

''نہیں، آپ کو نہیں معلوم، وہ مجھ سے اب پہلے جتنا پیار نہیں کرتیں لیکن آپی، میرا تو کوئی قصور نہیں ہے نا۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم کیوں وہاں جاتے ہی مجھے ایک دم ہی وامٹنگ شروع ہو جاتی تھی اور ٹمپریچر رہنے لگتا تھا۔ پھر میں نے تو ماما پاپا کسی سے بھی نہیں کہا تھا کہ مجھے واپس لے آئیں۔ پاپا خود ہی تو لائے ہیں مجھے۔''

''پاگل ہو بالکل۔ ماما تم سے بہت پیار کرتی ہیں اور ہم سب بھی۔ میں، پاپا اور مور...... تم اب بڑی ہو گئی ہو نا۔ مور سب سے چھوٹا ہے اس لیے ماما اس پر زیادہ توجہ دیتی ہیں اور بس...... اتنی سی بات۔'' مریم نے اسے گلے سے لگا کر پیار کیا۔

''شاباش، اب جا کر سو جاؤ۔ تھوڑا آرام کر لو پھر تمہارے ٹیوٹر آ جائیں گے۔''

''آپ سچ کہہ رہی ہیں نا۔ ماما مجھ سے اب بھی پیار کرتی ہیں۔'' وہ جاتے جاتے مڑی۔

''ہاں بالکل سچ۔'' مریم مسکرائی تو اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

مریم نے مڑ کر تیمور کو دیکھا، جو گہری نیند سو رہا تھا اور عاشی کے پیچھے ہی باہر آ گئی۔ باہر ابھی تپش تھی۔ ٹی

وی لاؤنج تپ رہا تھا لیکن وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔ پتا نہیں کیوں اپنے کمرے میں جانے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ جیسے اندر جائے گی تو دم گھٹنے لگے گا۔ مڑ کر اس نے ماما کے کمرے کی طرف دیکھا اور سوچا ایک نظر انہیں جا کر دیکھ آئے......لیکن کیا خبر وہ آرام کر رہی ہوں اور پھر یہ بھی ممکن ہے' اسے دیکھ کر ان کی طبیعت مزید خراب ہو جائے۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔

پتا نہیں کب اور کیوں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا حالانکہ جب وہ چھوٹی سی تھی تو ماما اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کرتی تھیں ہمہ وقت اسے ساتھ رکھتی تھیں حالانکہ عثمان احمد کئی بار اسے منع بھی کرتے تھے۔

''اسے گھر چھوڑ جاؤ زینی۔ اب کہاں اسے لیے لیے پھرو گی۔''

لیکن اگر وہ ساتھ چلنے کی ضد کرتی تھی تو پھر وہ عثمان احمد کی بات بالکل نہیں سنتی تھیں۔

''دیکھو عثمان' مومو کے متعلق تم مجھے کچھ نہ کہا کرو پلیز۔''

اور جب عاشی پیدا ہوئی تھی' تب بھی وہ اس کا خاص دھیان رکھتی تھیں۔ شریف اور صفیہ کو خاص تاکید تھی کہ موموکی پسند کا خیال رکھا جائے اور وہ بھی کتنے نخرے کرتی تھی۔ کوئی چیز پسند نہ آتی تو وہ ٹیبل پر سے اٹھ کھڑی ہوتی اور زینب عثمان احمد بے چین ہو جاتیں۔

''کیا ہو گیا میری جان' کیوں نہیں کھا رہی ہو۔''

اور پھر صفو اور شریف کی شامت آ جاتی کہ تم نے موموکی پسند کا کھانا کیوں نہیں بنایا۔

''زینی تم موموکے ساتھ اچھا نہیں کر رہی ہو۔ بگاڑ دو گی اسے تم۔'' عثمان احمد انہیں سمجھاتے تو وہ ادھر بگڑ جاتیں لیکن پھر ایک دم کیا ہو گیا تھا۔ اتنی محبت کرنے والی' اتنی چاہنے والی ماما ایک دم بدل گئی تھیں حالانکہ وہ کوئی بہت بڑی تو نہیں ہو گئی تھی۔ نو دس سال کی ہی تو تھی لیکن زینب عثمان احمد نے اس کی پروا کرنا چھوڑ دی تھی۔

وہ پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔

زینب عثمان احمد نے خود کو بہت مصروف کر لیا تھا۔ کلب' پارٹیاں' ڈنر' بوفے۔ بس عثمان احمد تھے جو کبھی کبھی کمپنی دے دیتے تھے اور پھر جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی' اس کے اور زینب عثمان احمد کے درمیان خلیج بڑھتی چلی گئی۔ پتا نہیں کیوں؟

''کیا وہ خطاوار تھی؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبایا۔ تب ہی باہر مین گیٹ پر گھنٹی بجی۔ شاید ماما کا کوئی ملنے والا آ گیا ہے۔ باہر گیٹ کھلنے اور گاڑی اندر آنے کی آواز آئی۔ اور پھر کچھ دیر بعد ہی اندرونی بڑے دروازے پر بیل ہوئی۔ یہ دروازہ ٹی وی لاؤنج میں کھلتا تھا۔ اس نے کچن کی طرف دیکھا۔ شاید صفو اندر ہو لیکن وہ شاید اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی۔ کچن کی بیک سائیڈ پر اس کا کوارٹر تھا۔ وہ عموماً کام ختم کر کے پچھلے دروازے سے ہی اپنے کوارٹر میں چلی جاتی تھی۔ بیل ڈور دوبارہ ہوئی۔ وہ بے دلی سے اٹھی اور دروازہ کھولا۔ سامنے ان کے فیملی ڈاکٹر ہادی کھڑے تھے۔

''السلام علیکم انکل۔'' اس نے سلام کیا۔ تو انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''مسز عثمان کیسی ہیں اب؟''

''شاید سو رہی ہیں۔ آپ آئیں پلیز۔'' وہ ایک طرف ہو گئی۔

عثمان احمد اپنی اسٹڈی سے نکل آئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان کے اندر کوئی کمپیوٹر فٹ ہو۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے انہیں خبر ہو جاتی ہے کہ باہر کون آیا ہے۔

''السلام علیکم ڈاکٹر ہادی۔ آپ نے کچھ دیر نہیں کر دی۔''

''سوری عثمان صاحب۔ ایک زخمی آ گیا تھا۔ نوجوان لڑکا ہے' بری طرح کچلا گیا ہے۔ اس کی بائیک ٹرک سے ٹکرا گئی' بری طرح اس کی ٹانگیں کچلی گئی ہیں۔ بچ تو جائے گا لیکن معذور ہو جائے گا۔ والدین کا اکلوتا بیٹا ہے یار......ابھی تک اس کے والد کو نہیں بتایا گیا کہ اس کی ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی۔''

''اوہ......ویری سیڈ۔'' عثمان احمد نے ان کے ہاتھ سے بیگ لے لیا۔

''پتا نہیں' ہمارے ملک میں اتنے حادثے کیوں ہوتے ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے' روڈ ایکسیڈنٹ جتنے اس ملک میں ہوتے ہیں' اتنے کہیں اور نہیں ہوتے ہوں گے۔''

''شاید ایسا ہی ہو۔'' ڈاکٹر ہادی نے ان کی تائید کی۔

ڈاکٹر ہادی بھی عجیب انسان تھے۔ اپنے مریضوں اور کلینک کے سوا انہیں کسی بات کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ ان کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سیاست میں کیا تغیر و تبدل ہو رہے ہیں۔ سیاست دان کیا داؤ پیچ کھیل رہے ہیں' انہیں کسی بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ جب جنرل ضیاء الحق نے حکومت سنبھالی تھی' اس روز بھی وہ ماما کو دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ عثمان احمد نے بتایا۔

''ملک میں فوجی حکومت آ گئی ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے ملک کی باگ دوڑ سنبھال لی ہے۔''

''اچھا۔ میرے کلینک میں ایک مریضہ داخل ہوئی ہے۔ عجیب کیس ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔ سوچ رہا ہوں اس کا کیس ڈاکٹر عرفان ملک کو ریفر کر دوں۔''

''ملک میں انقلاب آ گیا ہے اور تم مریضوں میں الجھے ہوئے ہو۔''

ان دنوں عثمان احمد کو سیاست سے بہت دلچسپی تھی۔ یوں بھی وہ جاگیرداروں کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جن کے گھر کے دو چار افراد ہمیشہ سیاست میں رہے تھے۔ یہ تو زینب سے شادی کر کے وہ سب خاندان سے کٹ سے گئے تھے مگر تب ان دنوں ان کے اندر کچھ خاندانی خو بو تھی۔

''ملک میں انقلاب تو آتا ہی رہتا ہے۔ کبھی ایوب خان کا مارشل لا آ جاتا ہے اور کبھی یحییٰ خان کا' کبھی

عوامی حکومت آجاتی ہے اور کبھی پھر مارشل لا...... یہ آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔ اب میں اپنے مریضوں کو بھول کر ادھر کیوں دھیان دوں۔ سیاست دان جانیں اور ان کا کام۔ مجھے اپنے مریضوں سے زیادہ کسی کی فکر نہیں ہے۔"

عثمان احمد ڈاکٹر ہادی کے ہمراہ زینب احمد کے کمرے میں چلے گئے تھے اور وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں کھڑی رہ گئی۔ ڈاکٹر ہادی زیادہ دیر کے نہیں۔ ابھی وہ کھڑی ہی تھی کہ وہ باہر نکل آئے۔ عثمان احمد ان کے ساتھ تھے۔ ان کے اندر اتنی حلیمی اور انکساری تھی کہ مریم کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ کوئی جاگیردار قسم کی چیز ہوں گے۔ شاید ماما نے شوآف کے لیے سب کو بتا رکھا ہے کہ پاپا کی بے شمار زمینیں ہیں۔ یوں بھی ماما کو عادت ہے فضول شوآف کی۔ کئی بار اس نے ماما کو بڑی فراخ دلی سے جھوٹ بولتے دیکھا تھا۔ ابھی پچھلی گرمیوں میں وہ سوات گئیں تو بڑی فراخ دلی سے جھوٹ بولا کہ یورپ گئی ہوئی تھیں۔ یقیناً عثمان احمد کے متعلق بھی انہوں نے اپنے حلقہ احباب میں جو کچھ مشہور کر رکھا تھا' جھوٹ ہی ہوگا۔ اپنے ہوش میں تو اس نے کبھی عثمان احمد کو کسی جاگیر پر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی وہ لوگ کبھی کہیں گئے تھے اور نہ ہی گاؤں سے یا زمینوں سے کبھی کوئی آیا تھا...... نہ کوئی ددھیالی رشتے دار آج تک اس نے دیکھے تھے اور پھر عثمان احمد صرف ماما کے سامنے ہی انکساری نہیں کرتے تھے بلکہ دوست احباب کے سامنے بھی اتنے ہی منکسر المزاج دکھائی دیتے تھے حالانکہ اس نے تو جاگیرداروں زمینداروں کے متعلق سن رکھا تھا کہ وہ بڑے کرخت ہوتے ہیں اور پھر اکثر ٹی وی ڈراموں میں بھی اس نے دیکھا تھا۔

عثمان احمد ڈاکٹر ہادی کو ان کی گاڑی تک چھوڑنے باہر چلے گئے تو وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی زینب عثمان احمد کے بیڈروم میں آئی۔ وہ تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے ماما......؟"

زینب عثمان احمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر آنکھیں موند لیں۔

"ماما" وہ ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پلیز' چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈیپریس نہ ہوا کریں۔"

"یہ...... یہ چھوٹی بات تھی مومو۔ تم نے شجی کا ہاتھ جھٹک دیا' اس کے ساتھ بدتمیزی کی۔ یہ چھوٹی بات تھی۔"

"اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے۔ وہ کوئی حاکم نہیں ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"مومو"

عثمان احمد ڈاکٹر ہادی کو چھوڑ کر واپس آگئے تھے۔

"تم جاؤ اپنے کمرے میں۔ اپنی ماما کو ریسٹ کرنے دو۔"

"عثمان' یہ میری بیٹی ہے لیکن مجھ سے ضد کرتی ہے۔ بحث کرتی ہے۔ میری بات نہیں مانتی۔ مجھے تنگ کرتی ہے' جلاتی ہے۔"

وہ رونے لگیں۔ مریم خاموشی سے اٹھ کر باہر آگئی۔ آتے آتے اس نے سنا۔ عثمان احمد پوچھ رہے تھے۔

"ہنی' تھوڑا ایپل جوس لوگی......؟ لے لو نا پلیز"

وہ باہر آ کر پھر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی لگایا۔ مختلف چینل بدلے لیکن کہیں کوئی اچھا پروگرام نہیں تھا۔ انڈین چینل پر کوئی انگلش مووی آرہی تھی۔ وہ بے دھیانی سے دیکھنے لگی۔ تب ہی عثمان احمد باہر آگئے۔

"مومو بیٹا ٹی وی کی آواز آہستہ کردو۔ تمہاری ماما ڈسٹرب ہوں گی۔"

اس نے مڑ کر عثمان احمد کو دیکھا اور ٹی وی بند کر دیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں پھر وہیں ٹیک لگائے لگائے جانے کب سوگئی۔ رات بھی ٹھیک طرح سے نہیں سوئی تھی اور پھر اس سے پچھلی رات بھی بے چینی سی تھی۔ جانے کتنی دیر تک وہ سوتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو ٹی وی لاؤنج کی لائٹ جل رہی تھی اور ماما کے کمرے سے قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔

"تو ماما کی فرینڈز کو بھی ان کی بیماری کی خبر ہوگئی ہے اور اب وہ ان کی مزاج پرسی کے لیے آگئی ہیں......" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ عجیب سی تھکن تھی اور اضمحلال تھا۔ اس نے سوچا' وہ باتھ لے لے۔ شاید یہ تھکن اور اضمحلال کم ہو جائے۔

وہ کھڑی ہوگئی۔

"مومو...... ڈارلنگ۔"

میڈم نرگس ماما کے بیڈروم سے جھانک رہی تھیں۔

"ذرا صفو کو بھیجنا جانی اور شریف سے کہنا کہ میرے لیے 555 کا پیکٹ لے آئے۔"

سلک کی ملٹی کلر ساڑھی میں تیز میک اپ کے ساتھ وہ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ لگ رہی تھیں۔

تیز سرخ لپ اسٹک سے لتھڑے ہونٹ۔

"کاش! یہ میڈم نرگس کبھی سرخ لپ اسٹک کی بجائے کسی اور کلر کی لپ اسٹک استعمال کرلیا کریں۔"

وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ جہاں صفو اور شریف حسبِ معمول بے حد مصروف تھے۔ صفو پکوڑے تل رہی تھی اور شریف چائے بنانے میں لگا ہوا تھا۔ اس نے میڈم نرگس کا پیغام دیا۔

"پکوڑے کھانے کو دل چاہ رہا ہے ان کا۔"

صفو نے بتایا۔

"لیکن بیسن ختم ہو چکا تھا۔ ابھی شریف لے کر آیا ہے۔ بنالوں تو جاتی ہوں۔"

"شریف' تم جاؤ سگریٹ لے آؤ۔"

"جی بہتر۔ میں نے چائے دم کر دی۔ ہے صفو۔"

"اچھا اچھا تم جاؤ۔ سگریٹ لے آؤ۔ میں چائے بنالوں گی۔"

صفو نے پکوڑے نکال کر پلیٹ میں رکھے۔

مریم کو بھوک لگ رہی تھی' وہ وہیں کھڑے کھڑے چائے بنانے لگی۔ چائے بنا کر اس نے ایک کیک پیس اور دو تین پکوڑے پلیٹ میں رکھے۔ تب ہی میڈم کی آواز آئی۔

تیز چیختی ہوئی آواز۔

"الو کی پٹھی' اتنی دیر ہو گئی ہے' ابھی تک تمہارے پکوڑے نہیں بنے۔"

وہ کچن کے دروازے پہ کھڑی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ جوں ہی زبان سے کچھ کہیں تو فوراً پورا ہو جائے اور اگر ذرا دیر ہو جاتی تو بڑی فراخ دلی سے گالیاں دیتی تھیں۔ لگتا تھا جیسے انہوں گالیوں میں ماسٹرز کر رکھا ہو...... ان کے فین اور ان کے چاہنے والے اگر جان لیں کہ ان کی پسندیدہ گلوکارہ جو عوام کے سامنے بہت نزاکتوں سے' بہت اداؤں سے بات کرتی ہیں۔ جو شہر کے پوش علاقے میں رہتی ہیں۔ جن کا گھر اپنے علاقے کا سب سے بڑا اور خوبصورت گھر ہے۔ جن کے بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور جنہوں نے اپنی ایجوکیشن یورپ میں مکمل کی ہے اور غیر ملکی یونیورسٹیوں میں پڑھا ہے۔

وہ میڈم نرگس گھر میں نچلے طبقے کی خواتین سے بھی زیادہ گندے لہجے میں بات کرتی ہیں اور جن کے ہر جملے کے شروع میں ایک گالی ہوتی ہے۔

"دراصل آنٹی' وہ بیسن نہیں تھا گھر میں اس لیے دیر ہو گئی ہے اور میں نے شریف کو سگریٹ لینے بھیج دیا ہے۔"

"اوہ میری جان' تم یہاں کچن میں کیا کر رہی ہو؟" میڈم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں صفو کو بلانے آئی تھی' چائے پینے کو جی چاہ گیا۔"

وہ پلیٹ اور کپ ہاتھ میں اٹھائے باہر آ گئی۔

"جانو' یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے۔"

میڈم نرگس بھی اس کے ساتھ ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی تھیں۔

"کتنی پیلی ہو رہی ہو تم۔ زینی سے کہتی ہوں' تمہارا خیال رکھا کرے۔ اتنی خوبصورت بیٹی کو مٹی میں رول رکھا ہے۔"

"کچھ نہیں آنٹی میں تو اچھی ہوں۔ کالج سے تھکی ہوئی آئی تھی نا اس لیے۔ ابھی چائے پی کر باتھ لوں گی تو فریش ہو جاؤں گی۔"

"جانو' اپنا خیال رکھا کرو خود۔ اس عمر میں تو لڑکیاں چمکتی ہیں۔ لش لش کرتی ہیں۔ تم اتنی بجھی بجھی رہتی

ہو۔ ڈارلنگ زندگی انجوائے کرو۔"

انہوں نے اس کے رخساروں پر بوسہ دیا اور مڑ کر صفو کو پکوڑے جلدی لانے کا کہہ کر زینب کے بیڈ روم میں چلی گئیں۔ اس نے بے زاری سے کپ میز پر رکھا اور اپنے رخساروں کو صاف کیا۔ پتا نہیں کیوں اسے میڈم نرگس سے گھن آتی تھی۔ کراہت ہوتی تھی ان کے وجود سے۔ وہ جب بھی ملتی تھیں' یوں ہی چٹاخ پٹاخ بوسے دیتی تھیں اور کتنی ہی دیر تک وہ رگڑ رگڑ کر رخسار صاف کرتی رہتی تھی حالانکہ میڈم ہر وقت خوشبوؤں میں بسی رہتی تھیں۔ اتنے خوبصورت کپڑے پہنتی تھیں کہ عاشی اور نینا تو انہیں بہت اشتیاق سے دیکھتی تھیں۔ ان کے کپڑوں پر بحث کرتی رہتی تھیں اور ان سے باتیں کر کے' ان کا پیار وصول کر کے بہت خوش ہوتی تھیں۔

میڈم مشہور گلوکارہ تھیں۔

عوام نے انہیں ملکہ موسیقی کا خطاب دے رکھا تھا۔

اب تو کچھ عرصے سے انہوں نے گانا چھوڑ دیا تھا۔

اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن ان کا کہنا تھا کہ اب نئے لوگوں کو موقع ملنا چاہیے۔ انہوں نے اپنے ایک اخباری انٹرویو ہی میں کہا تھا کہ ہم لوگوں کا فرض ہے کہ نئے آنے والوں کے لیے راستے خالی کر دیں...... میں مزید دس سال بھی گا سکتی ہوں۔ اتنے ہی سر اور خوبصورتی کے ساتھ' لیکن میں نے نئے لوگوں کے لیے جگہ خالی کر دی ہے۔ جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ انہیں گلے کا کینسر ہو گیا تھا اور امریکا میں دو ایک آپریشن کروانے کے بعد انہوں نے گانے کو خیر آباد کہا ہے چنانچہ وہ خود ایسے لوگوں کو ہزار ہا گالیوں سے نوازتی تھیں۔

کہتے ہیں ان کا تعلق ریڈ ایریا سے تھا۔

انہوں نے تین شادیاں کی تھیں۔

پہلی شادی ایک فلم پروڈیوسر سے کی تھی' جنہوں نے ان کی آواز کو روشناس کرایا تھا اور انہیں ریڈ ایریا سے باہر لائے تھے۔ اس شخص سے ان کے صرف دو بیٹے تھے۔

دوسری شادی انہوں نے ایک جاگیردار سے کی تھی جس سے ان کی صرف ایک بیٹی تھی اور اب تیسری شادی' انہوں نے ایک ابھرتے ہوئے گلوکار سے کی تھی جو ان کے بیٹے کا دوست تھا۔

سید گھرانے کا یہ چشم و چراغ جو...... گلوکاری کے شوق میں میڈم نرگس کے گھر تک پہنچا تھا اور پھر میڈم کا طلب گار بن بیٹھا۔

سید امتیاز علی شاہ۔

ابھی حال ہی میں اس کی پہلی کیسٹ مارکیٹ میں آئی تھی اور خوب بک رہی تھی۔

یہ تین شادیاں تو وہ تھیں جو منظرِ عام پر آئی تھیں اور بقول ریمی کے نہ جانے کتنی شادیاں ایسی ہوں گی
منظرِ عام پر نہیں آسکیں۔ اس تیسری شادی سے بھی ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا۔
سات اور آٹھ سال کے بہت ہی پیارے بچے تھے۔

"صفو۔ صفو۔" میڈم کی تیز چیختی آواز آئی۔

کون کہہ سکتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ مقبول سنگر رہی ہوں گی۔ اس نے خود ان کے گانے سنے تھے۔
ت خوبصورت آواز تھی' روح میں اترتی ہوئی سی لیکن اب تو ان کی آواز پھٹ سی گئی تھی اور شاید یہ سچ ہی ہو
کہ ان کے گلے کا کوئی خطرناک آپریشن ہوا تھا۔ جب وہ تیز بولتی تھیں تو یوں لگتا تھا کہ جیسے سیٹیاں بج رہی
ں۔ اب وہ اپنی بیٹی کو گانا سکھا رہی تھیں لیکن ابھی تک اس نے ٹی وی' فلم یا ریڈیوں کے لیے نہیں گایا
ا...... لیکن نجی محفلوں میں اس کی آواز سننے والوں کا کہنا تھا کہ
لوگ میڈم کی آواز کو بھول جائیں گے۔
اتنا ہی سوز اور رس تھا اس کی آواز میں۔

صفو ٹرالی دھکیلتی باہر آرہی تھی۔

خالی کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"جلدی کرو بھئی صفو۔ اگر میڈم کا پارہ چڑھ گیا۔ تو وہ یہ ٹرالی تم پر ہی الٹ دیں گی۔"

"جی جی۔" صفو بھی مسکرا دی "ان کا غصہ ایسا ہی ہے جی۔ اس روز شریف پر پانی کا گلاس الٹ دیا تھا۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں جانے سے پہلے تیمور کے کمرے میں جھانکا۔ تیمور اور نینا
ٹر سے پڑھ رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" ٹیوٹر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام' پلیز آپ بیٹھیں۔ میں یوں ہی بچوں کو دیکھنے چلی آئی تھی۔ مور کیسا ہے پڑھائی میں؟"

"بہت تیز۔"

اور وہ سرہلاتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

باتھ لے کر جب وہ باہر آئی تو بچے ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ نینا اور تیمور گیم میں الجھے ہوئے تھے' جبکہ
شی کوئی میگزین کھولے بیٹھی تھی۔

"اندر بہت گھٹن ہے۔"

وہ تینوں کو لے کر باہر لان میں آگئی۔ شام گہری ہوگئی تھی۔ چوکیدار کرسی بچھائے گیٹ کے پاس بیٹھا تھا۔
تیمور اور نینا کھیلنے چلے گئے۔ عاشی اور وہ انہیں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے اور ہنستے کودتے دیکھنے
یں۔ کچھ دیر بعد نینا عاشی کو بھی کھینچ کر لے گئی۔

"آئیں نا آپی' ہمارے ساتھ کھیلیں۔"

تیمور اپنی ٹرائیسکل دوڑانے لگا۔ عاشی اور نینا بیڈمنٹن کھیلنے لگیں۔ شیر خان نے باہر کی بتیاں جلا دی
تھیں وہ کھلے بال پشت پر بکھرائے انہماک سے عاشی اور نینا کو کھیلتے دیکھ رہی تھی کہ اندر سے آتے شرجیل
مرزا نے اسے دیکھا۔ مدھم روشنی میں پشت پر...... بال بکھرائے عاشی کو دیکھتی وہ شرجیل کو بہت خوبصورت
لگی۔ وہ پورچ کی طرف جانے کے بجائے ہولے ہولے چلتا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

"ہیلو مس احمد۔"

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور شرجیل مرزا کو دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"اچھی ہوں۔"

"اچھی تو خیر آپ ہیں ہی۔" وہ مسکرایا۔

اس کا جی چاہا کہ وہ اسے کوئی سخت سا جواب دے لیکن ماما کے خیال سے وہ چپ کر گئی۔

یہ ضرور ان سے میری شکایت کر دے گا اور پھر خوامخواہ ٹینشن بڑھے گی۔

"مس احمد' کیا واقعی آپ کو احساس نہیں ہے کہ آپ کتنی حسین ہیں اور آپ کا حسن کسی کے دل پر
بجلیاں گراتا ہے اور۔"

"شٹ اپ۔" وہ ساری احتیاطیں بھول گئی۔

"میں اس طرح کی گفتگو سننے کی عادی نہیں ہوں مسٹر شرجیل۔ ایسی باتیں آپ ماما سے کیا کریں۔"

"آہا۔" وہ ہنسا۔

"ماما...... تمہاری ماما۔"

"آپ غالباً گھر واپس جا رہے تھے اور آپ کی گاڑی ادھر کھڑی ہے۔ آپ کو راستہ معلوم نہ ہو تو میں
شیر خان کو آواز دوں۔"

اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

شرجیل مرزا کے مسکراتے ہونٹ بھنچ گئے۔

"راستہ تو آپ کو معلوم نہیں مس احمد اور میں بھٹکے ہوؤں کو اپنے راستے پر لانا بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا پورچ کی طرف بڑھ گیا اور نڈھال سی ہو کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹیک لیا۔

❀❀❀

سکندر کو آگہی کیا ملی تھی' اضطراب اور بڑھ گیا تھا لیکن اب کے اضطراب کی نوعیت مختلف تھی۔ اب
اسے امتحانات ختم ہونے کا انتظار تھا۔ بابا کا حکم تھا کہ وہ اب امتحان سے پہلے گاؤں نہ آئے اور جانے کب

پیپرز ختم ہوں' اور کب وہ گاؤں جائے اور رضوانہ کو بتائے کہ وہ اُسے اچھی لگتی ہے۔ وہ اسے سوچتا رہا اور لاہور میں اتنے دن اس نے اس کے بغیر کیسے گزارے ہیں اور یہ کہ اس نے اسے کیسے اور کس طرح یاد کیا ہے۔ اس کے پاس تو اتنے لفظ ہی نہ تھے۔ وہ تو بچپن سے ہی بہت کم گو تھا۔ اسے تو صحیح طرح سے اپنی خواہشات کا اظہار کرنا بھی نہیں آتا تھا۔ یہ تو بھا اور بابا تھے جو اس کی ضرورتوں کو خود ہی جان لیتے تھے۔ اس کی کاپیاں ختم ہو جاتیں تو وہ سوچتا ہی رہ جاتا کہ بابا کو کیسے بتائے کہ اس کی کاپیاں ختم ہو گئی ہیں۔

بابا خود ہی پوچھ لیتے ''سکندرے کوئی کاپی کتاب تو نہیں چاہیے۔''

جوتے پھٹ جاتے تو وہ یوں ہی گھسیٹتا پھرتا۔ اسے خود پروا تک نہ ہوتی۔ بھابو کی یا بھا کی نظر پڑتی تو وہ اسے ٹوکتے۔

''سکندر پتر' تیرے جوتے پھٹ چکے ہیں۔ تو نے بتایا ہی نہیں۔''

''بس یوں ہی' بتانا تو تھا۔''

''یاراں کچھ منہ سے خود بھی بولا کر۔''

پر اس کے پاس تو چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے بھی لفظ نہیں ہوتے تھے۔ اسکول میں انعام ملتا تو اس کے اندر جوش سا بھر جاتا تھا اور وہ پتا نہیں کیا کیا سوچتا ہوا گھر آتا تھا لیکن گھر آتے ہی سارے الفاظ گم ہو جاتے تھے...... اور وہ خاموشی سے انعام میں جیتا ہوا کپ یا کتاب کارنس پر رکھ دیتا۔ بابا کی نظر پڑتی تو پورے گھر میں ان کی آواز گونجتی۔

''ارے انعام جیتا ہے میرے سکندر نے۔''

ماں جی بھی ہاتھ پونچھتی باورچی خانے سے باہر آجاتی تھیں۔ اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی چومتیں۔

''کس چیز میں انعام جیتا ہے تو نے۔''

''پڑھائی میں۔''

''کھیلوں میں؟''

بابا پوچھتے رہتے اور وہ صرف ہوں ہاں میں جواب دیتا۔

اور اب اتنی بڑی بات کہنے کے لیے تو بہت سے الفاظ چاہیے تھے نا۔ وہ جب پڑھ پڑھ کر تھک جاتا تو دل ہی دل میں لفظ جوڑنے لگتا۔

''یار' ایسا کرنا اس کے لیے کوئی تحفہ لے جانا۔'' محسن وقار اپنے تجربات کی بنا پر اسے مشورے دیتا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' وہ سوچتا۔

''لیکن کیا؟ کیا لے کر جاؤں۔''

''چوڑیاں۔'' صبح صادق کہتا۔

''نہیں یار چوڑیاں نہیں' کوئی اچھا سا پرفیوم' قیمتی سا۔'' محسن وقار کے خیالات ذرا بلند تھے۔

''یوں بھی خوشبو سے بڑھ کر کوئی اور تحفہ نہیں ہو سکتا۔''

''یہ تو ہے یار' لیکن یہ بھی تو سوچو' وہ ایک دیہاتی لڑکی ہے۔ اس کے لیے چوڑیاں ٹھیک رہیں گی۔''

صبح صادق کو محسن وقار کی باتوں سے اتفاق نہیں تھا۔

''ایسا کرنا یار' تم اس کے لیے چوڑیاں اور ایک اچھا سا سوٹ پیس لے جانا۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ' تم اس لڑکی کے لیے سنجیدہ ہو یا اپنے محسن بھائی کی طرح یوں ہی دل لگی کر رہے ہو۔''

اس کا رنگ ایک دم سرخ ہو گیا اور آنکھوں سے غصہ جھلکنے لگا۔ وہ جو ہمیشہ لفظوں کی کمی کا شکار رہتا تھا' ایک دم تیز تیز بولنے لگا۔

''فضول باتیں مت کرو۔ وہ میرے چاچا کی بیٹی ہے' سگے چاچا کی۔ بس وہ مجھے اچھی لگی ہے اور مستقبل میں' میں اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں اور میں کوئی فلرٹ نہیں کر رہا ہوں' محسن وقار کی طرح۔ نہ میں تم لوگوں جیسا ہوں' لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے والا۔''

''سوری یار۔'' صبح صادق شرمندہ ہو گیا...... ''ہم سمجھ رہے تھے کہ تم......''

''غلط سمجھ رہے تھے تم......'' وہ ابھی تک غصے میں تھا۔

''پلیز' اب غصہ تھوک دو......'' صبح صادق نے اسے منا لیا۔

''اور میں...... میں بھی لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے والا نہیں ہوں۔ اپنی اس انیس سال اور پانچ ماہ کی زندگی میں ایک بار بھی کسی لڑکی کے پیچھے نہیں بھاگا' بلکہ لڑکیاں خود میرے پیچھے بھاگتی ہیں۔''

''دراصل یہ جو تیری شکل ہے نا' بقول تمہارے اس فاسٹ فرینڈ کے دیسی کھیرے جیسی ہے اور وہ بے چاری لڑکیاں دیسی کھیروں کے لیے ترسی ہوئی ہوں گی۔''

صبح صادق نے چھیڑا لیکن اس نے صبح صادق کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور بدستور سکندر کی طرف متوجہ رہا۔

''یقین نہ آئے تو اس صبح صادق کے وقت پیدا ہونے والے کریلے سے پوچھ لو۔''

(صبح صادق چونکہ صبح صادق کے وقت پیدا ہوا تھا اس لیے اس کے دادا نے اس کا نام صبح صادق رکھ دیا تھا)

سکندر کا موڈ قدرے بہتر ہو گیا تھا اور وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا۔

''ابھی چھٹیوں میں کیا ہوا تھا' بتاؤ نا اسے۔''

محسن وقار نے صبح صادق کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا تھا؟''

صبح صادق جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

''تمہارا سر ہوا تھا۔ یاد نہیں ہے۔ وہ لڑکی نیلی سوزوکی والی۔ تم بھی اس روز میرے ساتھ تھے۔ ہمارے گاڑی پیٹرول پمپ کے پاس رکی تھی تو کیسے اچک اچک کر دیکھ رہی تھی۔''

''ہاں بعض بچے چڑیا گھر جائیں تو ایسے ہی اچک اچک کر پنجروں میں دیکھتے ہیں۔''

''بکے جاؤ۔'' وقار محسن سکندر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اور پتا ہے سکندر ملک، چند دن بعد میں نے اس لڑکی کو اپنے گاؤں میں دیکھا، اپنے ماموں کے گھر کے سامنے۔ وہ میری کزن کی دوست تھی اور پھر پتا نہیں کیسے...... کیسے اسے پتا چل گیا اور اس نے کس طرح میری کزن سے میرا فون نمبر لے لیا اور پھر جتنے دن میں وہاں رہا، وہ مسلسل مجھے فون کرتی رہی۔''

''تو ٹھہرا امیر کبیر، جدی پشتی زمین دار کا پتر۔ لڑکیاں تو تیری طرف ایسے لپکتی ہیں جیسے مکھیاں شیرے پر لپکتی ہیں اور پھر وہیں چپک کر رہ جاتی ہیں۔ اہمیت تیری نہیں میری جان، تیرے ماں باپ کی دولت کی ہے۔''

صبح صادق اس کی اہمیت ماننے کے لیے کسی طور تیار نہ تھا۔

''تو اس سارے قصے کا مقصد یہ ہے سکندر یار کہ میں لڑکیوں کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ اس وقت میں ذرا مال تک جا رہا ہوں۔ آنکھیں سینکنے بلکہ دل، جگر، روح، سب کچھ سینکنے کا موقع ملے گا۔ چہ غا شرغا بھی چلے گا۔ تم لوگ چلنا چاہو تو بندہ حاضر ہے۔''

''چل اٹھ ملک۔ چوہدری کے پتر کی دوستی کا فائدہ اٹھائیں۔'' صبح صادق زبردستی اسے بھی ساتھ لے گیا۔

❁❁❁

آخری پیپر دے کر وہ کالج سے ہی انارکلی چلا گیا تھا اور پھر ایک گھنٹا بانو بازار اور انارکلی کا چکر لگا کر اس نے رضوانہ کے لیے سبز چوڑیاں اور سبز سوٹ خریدا تھا۔ پھر بھی وہ متذبذب تھا۔ پتا نہیں، رضی کو یہ چوڑیاں اور سوٹ پسند بھی آئے گا یا نہیں۔ خیر پسند نہ آیا تو اس سے اس کی پسند پوچھ لوں گا اور چوڑیاں بھی اگر چھوٹی ہوئیں تو نئی خرید دوں گا، اگلی بار آؤں گا تب۔

رضی کے لیے کچھ خریدنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

کتنا خوش کن اور خوبصورت احساس ہے، اس شخص کے لیے کچھ خریدنا جو تمہیں محبوب ہو، بہت پیارا۔ اسے بھی انہونی سی خوشی ہو رہی تھی۔ جیسے وہ بڑا معتبر ہو اور اگر کبھی رضی میرے ساتھ ہوتی اور ہم دونوں مل کر شاپنگ کرتے۔

میں رضی کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کرتا۔

اس نے اپنے اردگرد شاپنگ کرتے ہوئے کئی جوڑوں کو دیکھا اور سوچا۔

''کسی دن میں اور رضی بھی یوں ہی ان کپلز کی طرح شاپنگ کریں گے۔ ایک دوسرے سے مشورے

کے ایک دوسرے کی پسند پوچھ کر۔''

ہاسٹل آ کر اس نے چوڑیاں اور سوٹ جلدی سے اٹیچی میں چھپا دیا۔

صبح صادق باتھ روم میں تھا اور محسن وقار ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

''اے ملک، کہاں غائب تھے؟''

''کہیں نہیں باہر گیا تھا۔''

''اور ہاں صندوق میں کیا چھپا رہے تھے؟''

''کچھ نہیں کپڑے نکالنے لگا تھا۔ باتھ لینے کے لیے۔ پھر خیال آیا، باتھ روم میں تو صبح صادق ہے۔ تین گھنٹے سے پہلے برآمد نہیں ہو گا۔''

''ہاں یار جب سے پیدا ہوا ہے، نہا نہا کر اپنی کالک اتارنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن پھر بھی کالک اسی طرح ہے۔''

محسن وقار نے صبح صادق کے رنگ پر چوٹ کی۔

باتھ روم سے صبح صادق کے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔

''عاشقاں تو سونڑا مکھڑا چھپا نڑا لئی

سجناں نے بوہے اگے چک تان لئی...... چک تان لئی

اورے گھر نمی بتی بل دی۔''

''اب بتی بجھا کر باہر آ جا، تیری کالک اس طرح نہانے سے نہیں اترے گی۔''

محسن وقار نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دی۔

''من کا کلونس اتار پیارے۔ چہرے کی سیاہی خود ہی ڈھل جائے گی۔''

وہ واپس آ کر سکندر کے پاس بیٹھ گیا۔

''سکندر یار، تیرے پیپر تو بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ تیرا تو میڈیکل کالج میں ایڈمیشن پکا۔''

''کیوں کیا تمہارے پیپر اچھے نہیں ہوئے؟''

سکندر کو حیرت ہوئی کیونکہ محسن وقار ہمیشہ ان دونوں سے زیادہ نمبر لیتا تھا۔

''ہاں یار ایک پیپر کچھ خراب ہو گیا ہے فزکس کا۔''

''تیرے پیو کا پیسہ کس دن کام آئے گا میری جان۔''

صبح صادق تولیے سے سر پونچھتا ہوا باتھ روم سے باہر نکل آیا۔

''ہر جگہ پیسہ کام نہیں آتا یار۔''

''رہنے دے یار، پیسہ ہو تو سب کام یوں ہو جاتا ہے چٹکی بجانے میں۔''

"مگر یار۔ میرا تو ایک جواب ہی غلط ہو گیا ہے۔ کیا پیسے سے وہ غلط ٹھیک ہو جائے گا؟"

"تیری معلومات صرف حسیناؤں تک محدود ہیں۔ میری جان، کون سا کام ہے جو یہاں نہیں ہو سکتا۔ بس پیسہ چاہیے۔ لاسٹ ایئر میرے ماموں کے بیٹے کے کچھ پیپرز کچھ اچھے نہیں ہوئے تھے۔ وہ شیر کا بچہ ایسا پیپروں کے پیچھے بھاگا کہ اب میڈیکل کالج میں ہے۔"

"واقعی!" محسن وقار کو حیرت ہوئی۔

(ان دنوں بوٹی مافیا کا اتنا زور نہیں تھا)

"تو بھی بےفکرہ، اپنے چوہدری باپ کے کان میں یہ بات ڈال دے۔ پھر دیکھنا، تیرا باپ تو بلدیہ کا چیئرمین بھی ہے۔ انشاءاللہ تو بھی ہمارے ساتھ ہی ہوگا کالج میں۔"

"تمہارے ساتھ۔ کیا تمہیں اتنا یقین ہے اپنی کامیابی کا۔"

"بالکل۔ ہم ہر کام یقین سے کرتے ہیں چوہدری صاحب۔ یقین کرنے والوں کے بیڑے پار۔"

"کیوں سکندر تمہیں بھی یقین ہے کہ تم اتنے نمبر حاصل کر لو گے کہ میڈیکل میں جا سکو۔"

محسن نے سکندر سے پوچھا تو سکندر سوچ میں پڑ گیا۔

"پتا نہیں یار۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ شاید میں اتنا پر یقین نہیں ہوں۔"

اس نے چوڑیاں بھی خرید لی تھیں اور سوٹ بھی لے لیا تھا لیکن اب اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں رضی کو اس کی یہ جسارت بری نہ لگ جائے۔ کہیں وہ چاچا سے نہ کہہ دے اور وہ اسے غلط لڑکا نہ سمجھ لیں۔

"یقین پختہ ہو تو منزلیں خود ہی سر ہو جاتی ہیں۔"

صبح صادق نے سکندر کے سر پر ہولے سے چپت لگائی۔

"تو بھی یقین پختہ رکھ میری جان۔"

"تو یہ فلسفی کب سے ہو گیا ہے؟" محسن ہنسا۔

"ابھی ابھی بنا ہوں۔"

صبح صادق آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔

"یہ اتنے سج دھج کس لیے رہے ہو۔ کسی سے ملنے جانا ہے؟"

محسن وقار صبح صادق کو تیار ہوتے دیکھ رہا تھا۔

"ہم نے کس سے ملنا ہے بھئی۔ تمہارے سامنے ہماری دال کب گلتی ہے۔ بھائی تمہارے ساتھ جو رہتا ہوں تو لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ تم نے مجھے نظر کے ٹیکے کے طور پر ساتھ رکھا ہوا ہے۔"

"تو نظر کے ٹیکے صاحب، یہ بناؤ سنگھار کس خوشی میں؟"

"صبح ہم چلے جائیں گے۔ پھر جانے کب آئیں۔ آئیں یا نہ آئیں۔ آج گھومیں گے، انارکلی

جائیں گے، لبرٹی کا چکر لگائیں گے۔ مال کو اپنے قدموں سے روندیں گے اور پھر چوہدری صاحب سے چرغا کھائیں گے، کوک پئیں گے اور واپس آ کر سو جائیں گے پھر صبح سویرے اٹھ کر اپنے اپنے گاؤں سدھاریں گے۔ ایک نامعلوم مدت کے لیے اور کون جانے پھر ملیں گے بھی یا نہیں۔ کس کو کہاں داخلہ ملے اور کوئی کہاں چلا جائے۔ سو یار، تم لوگ بھی جلدی تیار ہو جاؤ۔ آج خوب انجوائے کریں گے۔"

"ہم رابطہ رکھیں گے ایک دوسرے سے۔"

محسن وقار اداس ہو گیا۔

"سکندر یار، ہمارے خطوط کے جواب ضرور دینا۔ کبھی لاہور آؤ تو فون کر لینا۔ ہمارے گاؤں میں تو فون کی سہولت بھی ہے۔"

"تم لوگ بھی کبھی ہمارے گاؤں میں آنا" سکندر نے دعوت دی۔

"اگرچہ ہمارا گاؤں تمہارے گاؤں کی طرح ترقی یافتہ نہیں ہے۔ وہاں تو ابھی بجلی بھی نہیں ہے۔"

"ہمارے گاؤں میں بھی کبھی بجلی نہیں ہوتی تھی لیکن ہمارا گاؤں شہر سے ملحق ہے۔ صرف پندرہ منٹ کے راستے پر۔ شہر پھیلا تو گاؤں شہر کے زیادہ قریب ہو گیا اور ہر طرح کی سہولت وہاں ہو گئی۔ ورنہ پہلے تو سڑک بھی کچی تھی۔"

"اسٹیشن سے آگے ہمارے گاؤں تک بھی کچا راستہ ہے۔ اسٹیشن سے تانگے مل جاتے ہیں۔ یار تم ضرور آنا۔ خط لکھ دینا مجھے، میں اسٹیشن تک آ جاؤں گا لینے۔"

سکندر بھی اداس ہو رہا تھا۔ محسن وقار اور صبح صادق دونوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ پہلے دن جب وہ بھا نثار کے ساتھ اس کمرے میں آیا تھا تو بہت خوف زدہ تھا۔ جانے کیسے لوگ ہوں گے جن کے ساتھ اس نے اس کمرے میں دو سال تک رہنا تھا۔ بھا نثار نے تو اسے بہت ڈرایا تھا۔ خوف زدہ کیا تھا۔

"بہت جلدی کسی پر اعتبار مت کرنا۔ اپنی پڑھائی پر زیادہ دھیان دینا تمہیں ڈاکٹر بننا ہے اور یہ صرف تمہاری ہی نہیں ہم سب کی خواہش ہے۔ ہمارے گاؤں کو ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے سکندر۔"

وہ اندر سے سہما سہما بیٹھا تھا کہ وہ دونوں آ گئے۔ محسن وقار اور صبح صادق۔ ہنستے مسکراتے بہت مطمئن اور پراعتماد۔ دونوں کا تعلق ایک ہی گاؤں سے تھا۔ شاید اسی لیے وہ بہت پراعتماد لگ رہے تھے۔ تعارف کے بعد وہ فوراً ہی بےتکلف ہو گئے تھے لیکن اسے ان کے ساتھ گھلنے ملنے میں بہت وقت لگا تھا۔

"یار، یہ دو سال کا عرصہ بہت جلدی نہیں گزر گیا۔"

صبح صادق آئینے پر نظر ڈال کر ان کے قریب آ بیٹھا۔

"ہاں شاید لیکن بہت اچھا وقت گزرا اور خدا کا شکر ہے کہ ہم جس مقصد کے لیے آئے تھے، اسے حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

سکندر نے شکر ادا کیا۔

”ہاں یہ تو ہے۔ گھومنا پھرنا، شوخیاں شرارتیں اپنی جگہ۔ پڑھائی اپنی جگہ۔“

محسن وقار نے اس کی تائید کی۔

”میرے والدین کو بڑا ڈر تھا کہ میں لاہور جا کر پکا پکا بگڑ جاؤں گا۔ اسی لیے تو ان کا خیال تھا کہ میں اپنے شہر سے ہی ایف ایس سی کروں لیکن میں نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا، جہاں اپنا یار جائے گا وہاں ہم۔ چلو اب تم دونوں اٹھو۔ اس نے تو ابھی اپنی چہیتیوں کو خدا حافظ کہنا ہے۔ اس آدھے جاگیردار نے۔“

”کہہ دیا ہے یار۔“ محسن نے بتایا۔

”اس بیلا نے تو رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں۔“

”ویسے یار یہ لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں۔ کتنی آسانی سے بے وقوف بن جاتی ہیں۔“

”کبھی کبھی بے وقوف بنا بھی دیتی ہیں۔“

”ہاں لیکن کبھی کبھی، زیادہ بے وقوف تو خود ہی بنتی ہیں۔“

”ویسے ایک بات ہے، یہ آج کل کی لڑکیاں کچھ زیادہ ہی ماڈ ہو گئی ہیں۔“

محسن وقار اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ ماڈ لڑکیاں دیکھنے اور وقت گزارنے کے لیے ہوتی ہیں، گھر بسانے کے لیے نہیں۔“

اور سکندر کے سامنے رضوانہ آ گئی۔ نازک سی چھوئی موئی، شرماتی ہوئی، بھاگ کر کام کرتی، چاچی کا سر دباتی، چاچا کے حقے کے لیے تھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹین کے پترے پر آگ رکھ کر لاتی ہوئی، ”گھر تو رضی جیسی لڑکیاں ہی بسا سکتی ہیں۔“

پھر وہ تینوں باہر نکل گئے۔ اس رات انہوں نے بہت انجوائے کیا، خوب گھومے۔ نو سے بارہ کا فلم کا شو دیکھ کر جب وہ واپس آئے تو بہت تھک چکے تھے لیکن پھر بھی کسی کا سونے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ صبح صادق اپنے بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

”آج کوئی نہیں سوئے گا۔“

تینوں کا سامان پیک کیا ہوا کمرے کے وسط میں پڑا تھا اور کمرہ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی ریلوے اسٹیشن کا ویٹنگ روم ہو۔ محسن وقار نے اپنا بستر بھی ہولڈال میں بند کر دیا تھا اور اب ننگی چارپائی پر سو رہا تھا۔ سکندر نے اپنی چارپائی سے چادر اٹھا کر اس کی طرف پھینکی۔

”یار یہ بچھا لو۔“

صبح صادق اور سکندر نے اپنے بستر نہیں باندھے تھے۔

بھی میں یوں ہی کبھی کبھی کھردری چارپائی پر سو جایا کرتا تھا۔ مجھے اچھا لگتا تھا، نیلے آسمان تلے تاروں کو تکتے ہوئے کھردری چارپائی پر سونا۔ روح میں تازگی سی آ جاتی تھی۔ تمہیں پتا ہے میں اپنے چاچا کے گھر صرف اس لیے نہیں رہا کہ وہاں میرا دم گھٹتا ہے..... فوم کے گدے آگ لگا دیتے ہیں بدن میں۔ سوچتا ہوں، ان نرم ملائم گدوں پر سونے والوں کا جسم سڑ نہیں جاتا کیا؟ اور یار، یہ بات جب میں نے اپنے ابا کو بتائی تھی ......تو وہ دیر تک ہنستے رہے تھے اور پھر کہا تھا۔

”یار تو سچ کہتا ہے۔ مجھے بھی تیرے چاچا کے گھر نیند نہیں آتی اور تیری ماں کا بھی دم گھٹتا ہے۔ ہم تو پرانے وقتوں کے لوگ ہیں۔ پر تو تو نئے زمانے کا ہے، تجھے کیوں پسند نہیں ہے، ان گدوں پر سونا۔ تیری ماں تو کہتی ہے یار۔ ان فوم کے گدوں پر بند کمروں میں سونے والوں کی روحیں سڑ جاتی ہیں۔ بساند آنے لگتی ہے ان کی روحوں سے۔ اب دیکھ لے تیرا چاچا بھی اپنی مٹی کی خوشبو کو بھول گیا ہے۔ انہی گلیوں میں، اسی مٹی میں رل کر پلا ہے وہ اور اب گاؤں آئے تو دو دن رہنا محال ہو جاتا ہے اس کے لیے۔“

”یار، تیرا باپ بھی تیری طرح وڈا چوہدری نہیں لگتا۔ چوہدریوں والی کوئی خو بو ہی نہیں ہے اس میں۔ سب سے انکساری سے ملتا ہے۔ گاؤں والوں کے مرن جین میں شریک ہوتا ہے۔ یار اپنے باپ سے کہہ کوئی چوہدریوں والا رعب شوب پیدا کرے۔ کوئی آداب سکھا دے اسے چوہدریوں والے.....“ صبح صادق نے اسے مشورہ دیا۔

”تو یہ مشورہ خود ہی دے دینا جا کر۔“ محسن وقار نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تیرا باپ بھی کیا ایسا ہی چوہدری ہے، اپنے محسن وقار کے ابا کی طرح۔ سیدھا سا مسلمان۔ نہ آگے نہ پیچھے بندوق بردار نہ کرائے کے غنڈے۔“

صبح صادق نے خاموش بیٹھے سکندر سے پوچھا۔

”ہاں، میرے ابا تو اس کے ابا سے بھی گئے گزرے ہیں۔ سیدھے سادھے منکسر المزاج۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر عمل کرنے والے کہ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دیں۔ یوں بھی ہم چھوٹے موٹے چوہدری ہیں۔ تھوڑی سی زمین ہے، خوشحالی ہے بس۔ وہ حویلیوں والے چوہدری یا وڈیرے نہیں ہیں۔ تم لوگ گاؤں آنا، بابا سے ملنا۔ بہت محبت کرنے والے، چاہنے والے ہیں میرے بابا۔ وہ تمہیں بھی اپنی محبتوں کے سائے تلے لے لیں گے۔ اپنی محبتوں کی بارش میں بھگو دیں گے تمہیں اور میری ماں جی۔ ان کی تخلیق ہی محبتوں کی مٹی سے ہوئی ہے۔ تم ضرور آنا یار۔“

”انشاء اللہ ہم ضرور آئیں گے۔“

محسن وقار نے متاثر ہو کر کہا اور اٹھ کر اپنے بیگ سے کارڈ نکالے۔ پھر وہ کارڈز کھیلتے رہے۔ ہنستے رہے اور گزرے ہوئے دو سالوں کا ایک ایک لمحہ یاد کرتے رہے اور جب وہ سونے کے لیے لیٹے تو دور کسی مسجد

میں صبح کی اذان ہو رہی تھی۔

❀❀❀

''ماں جی خیریت ہے نا' آپ اچانک کیسے آ گئیں۔'' پروفیسر عادل گھبرائے ہوئے سے کمرے میں داخل ہوئے۔

''خیریت ہی ہے پتر۔ بس تمہارے لیے دل بہت پریشان تھا۔ دیکھنا چاہتی تھی تمہیں۔''

''آپ نے کیوں تکلیف کی ماں جی۔ مجھے بلا لیا ہوتا۔ میں آ جاتا۔ یوں بھی مجھے آنا تو تھا ہی۔''

پروفیسر عادل نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے ہونٹوں اور پھر آنکھوں سے لگایا۔

ماں جی نے دونوں ہاتھوں میں ان کا چہرہ تھام کر ان کی پیشانی چومی۔

''تم کہاں ہوتے ہو عادل۔ انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں تھک جاتی ہیں۔ تین تین ماہ گزر جاتے ہیں' تم حویلی نہیں آتے۔ اب بھی چار ماہ ہو گئے تھے تمہیں حویلی آئے۔ پتا نہیں یہاں تم نے کیا کیا بکھیڑے ڈال رکھے ہیں۔''

''کوئی بکھیڑا نہیں ماں جی' بس زندگی گزارنے کے بہانے ہیں اور کیا۔''

''پتا نہیں عادل پتر تو زندگی سے اتنا خفا کیوں ہے۔''

''نہیں ماں جی' کہاں خفا ہوں۔'' وہ ہنسے ''وہم ہے آپ کا۔''

''کئی دنوں سے بہت دل چاہ رہا تھا تمہیں دیکھنے کا۔ ایسے جیسے تمہیں نہ دیکھا' تمہیں نہ ملی تو دل پھٹ جائے گا۔''

''آپ نے مجھے فون کر دیا ہوتا تو میں حاضر ہو جاتا۔'' انہوں نے ماں جی کے ہاتھ پھر اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''میں نے سوچا تیرے کاموں کا حرج ہوگا اس لیے خود ہی مل آتی ہوں۔''

''نہیں ماں جی' کوئی بھی کام آپ کے حکم سے افضل نہیں ہے۔ میں آپ کی ایک پکار پر دنیا کا ہر کام چھوڑ سکتا ہوں۔ خواہ وہ میرے لیے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ آپ کو سفر میں تکلیف ہوئی ہوگی۔''

''نہ۔ کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ منشی تھا ساتھ۔ پھر سہراں تھی اور پھر سفر بھی کتنا ہے۔''

''خیر ماں جی' سفر تو بہت ہے۔ چھ گھنٹے کم تو نہیں ہوتے۔ میں خود تھک جاتا ہوں۔ میں بہت ندامت محسوس کر رہا ہوں ماں جی۔ آپ ایک فون ہی کروا دیتیں۔''

''تم کہاں آتے ہو عادل۔ جب بھی تم سے فون پر آنے کو کہا تم نے ٹال دیا۔''

پروفیسر عادل نے نگاہیں جھکا لیں۔

''مگر آپ نے مجھ سے یہ تو نہیں کہا کہ آپ مجھے مس کر رہی ہیں۔''

''میں تو تمہیں ہر پل مس کرتی ہوں پتر لیکن تم پتا نہیں کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔ کیا رکھا ہے اس نوکری میں۔ تمہیں کیا ضرورت ہے اس کی۔ اپنے علاقے کو بناؤ۔ زمینوں کا کام دیکھو اور پھر علاقے میں تمہاری کتنی ضرورت ہے' تم کیا جانو۔''

''ماں جی' وہاں چاچا عبدالرحمٰن ہیں۔ بھائی سلطان اور مہران ہے۔ میری وہاں کیا ضرورت ہے۔ میرا اور طرح کا مزاج ہے۔ آپ جانتی ہیں' میں یہ زمین جائدادوں اور ان کے چکروں میں اپنا آپ نہیں گنوانا چاہتا۔''

''پر پھر بھی پتر' اپنی زمینوں کی کبھی کبھار تو خیر خبر لے لیا کرو۔ پر تم تو بالکل ہی الگ ہو گئے ہو۔''

''منشی بابا ہیں اتنے دیانت دار' دادا ان پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ یاد ہے کئی بار انہوں نے کہا تھا' منشی فضل داد جب تک ہے' ہمیں اپنی زمینوں کی فکر نہیں ہے۔''

''پر پتر' فضل داد بھی کب تک ہے۔ بوڑھا ہو گیا ہے۔ ہمت جواب دے رہی ہے اس کی۔''

''چاچا بھی تو ہیں نا ماں جی' ان کے ہوتے ہوئے آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ انہوں نے خود مجھے کہا تھا کہ میں اپنے علاقے اور زمینوں کی طرف سے بے فکر ہو جاؤں۔ وہ اور سلطان ہیں' سب دیکھ بھال کرنے کے لیے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پتر۔ پر ایک بار تو حساب دیکھ لے سارا۔ زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ ایک بار اپنے چاچا سے بھی پوچھ لے' دیکھ لے تیری زمین کہاں کہاں ہے۔ کیا کچھ ہے' تمہارے دادا نے مرنے سے پہلے ملتان والے مربعے بھی تیرے نام کر دیے تھے۔ تو ایک بار تو وہاں جا کر دیکھ آ۔''

''ٹھیک ہے ماں جی' چلا جاؤں گا۔ آپ کھانا کھا کر آرام کریں۔ اتنے لمبے سفر سے آئی ہیں۔''

''کھانا تو ہم نے راستے میں کھا لیا تھا۔ چائے پیوں گی۔ اس کے میں نے بخشو بابا سے کہہ دیا ہے اور تم بیٹھو ادھر میرے پاس بہت باتیں کرنا ہیں تم سے بہت اداس ہو رہی تھی تمہارے لیے۔''

''کیا بات ہے ماں جی' آپ کچھ پریشان ہیں۔''

''نہیں' ایسی کوئی خاص پریشان بھی نہیں ہوں لیکن۔''

''لیکن کیا ماں جی؟'' عادل نے بے چینی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں پتر۔ بس ایسے ہی وہم ہے شاید میرا۔''

''کیسا وہم ماں جی؟''

''ایسے ہی وہم ستاتے رہتے ہیں' پتا نہیں کیوں۔ کچھ دنوں سے مجھے یوں لگ رہا ہے' جیسے کوئی میری نگرانی کر رہا ہو۔ کئی بار ایسا لگا' جیسے کوئی میرے پیچھے چل رہا ہو۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔''

"حویلی کے ملازم ہی ہوں گے ماں جی۔ ان کے علاوہ کون ہوسکتا ہے کس کی جرأت ہے جو حویلی میں آئے۔"

"ہاں جرأت تو نہیں لیکن اس روز میں گودام میں گئی تو ایسے لگا جیسے کوئی میرے پیچھے اتر رہا ہو۔ مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔ سنہراں آگے تھی میرے۔"

"گودام......" عادل کو حیرت ہوئی "آپ وہاں کیا کرنے گئی تھیں؟"

"منشی چاچا ضد کر رہا تھا کہ میں خود چل کر ایک بار گودام میں دیکھ لوں کہ گندم بیج سے کہیں بہت زیادہ پڑی ہوئی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ایک دو ٹرک نکال دیں لیکن تمہارے چاچا کا خیال تھا کہ گودام میں جو اناج ہے' وہ بس بیج کے لیے ہے یا سال بھر کے لیے۔ منشی کا خیال تھا کہ پچھلے سال بھی گندم ضرورت سے زیادہ رکھ لی گئی تھی۔ بعد میں تمہارے چاچا نے بتایا تھا کہ اسے گھن لگ گیا ہے اور یوں ہی اونے پونے فروخت کر دی گئی۔ یوں بھی پرانی اور گھن لگی ہوئی گندم کا آٹا بے کار رہتا ہے۔ نہ روٹی کا مزا نہ ذائقہ۔ ادھر پیڑا ہاتھ میں لو ادھر روٹی لٹک جاتی ہے۔ نرا چھان کا چھان۔ میں نے بھی سوچا' ضرورت سے زیادہ رکھ کر کیا کرنی ہے۔ ماشاءاللہ خوب اناج ہوتا ہے۔ فکر کاہے کی۔ چلی گئی دیکھنے۔"

"پھر......؟" عادل نے نظریں اٹھائیں۔

"واقعی گندم زیادہ تھی بہت زیادہ۔ اوپر سے نیچے تک گودام بھرا تھا۔ کئی ٹرک نکل سکتے تھے۔ میں نے عبدالرحمٰن بھائی سے کہا' بے شک سودا کر دیں۔ گوجرانوالہ کے حاجی صاحب کئی دفعہ پوچھ چکے تھے کہ ہم نے انہیں گندم دینی کم کیوں کر دی ہے۔ ان کی فلور مل کے لیے تمہارے دادا کے زمانے میں گندم ہمارے ہاں سے ہی جاتی تھی۔ اب جبکہ گندم پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہو رہی ہے۔"

"پھر چاچا نے کیا کہا؟"

"کہہ رہے تھے کہ وہ گودام میں نہیں گئے تھے۔ یوں بھی گندم کی خرید و فروخت سلطان کے ذمے ہی ہے اور سلطان کا تو تمہیں پتا ہی ہے' کتنا لاپروا ہے۔ یوں ہی کہہ دیا ہوگا۔ کام سے بھاگتا ہے۔"

"ہوں۔ منشی بابا سے کہیں نا' وہ خود دھیان رکھا کریں۔"

"ہاں' وہ بے چارہ تو بہت دھیان رکھتا ہے۔ اسی کے کہنے پر تو میں گودام میں گئی تھی۔"

"مگر ماں جی' یہ آپ کا وہم ہی ہے۔ اگر گودام کی سیڑھیوں پر کوئی آپ کے پیچھے ہوتا تو نظر آتا۔ اتنی جلدی کہاں غائب ہونا تھا اسے۔"

"ہاں' شاید وہم ہی ہو لیکن ایک بار عجیب بات ہوئی۔ میں نہا کر نکلی تو کیلے کے چھلکے پر سے پاؤں پھسل گیا۔ سنہراں پیچھے تھی' اس نے تھام لیا۔"

"کیلے کا چھلکا......!" عادل کو حیرت ہوئی۔

"گھر میں کوئی بچہ نہیں۔ مٹی کا ذرہ تک تو حویلی میں نظر نہیں آتا پھر کیلے کا چھلکا کہاں سے آ گیا۔"

"ہاں یہی تو حیرت ہے۔ سارا دن تو اپنی نوکرانیاں کام میں جتی رہتی ہیں۔"

"آپ نے پوچھا نہیں کہ چھلکا کہاں سے آیا؟"

"ایک ایک سے پوچھا سنہراں نے۔"

"کامل تو نہیں آیا تھا باہر۔"

"کہاں' پتر وہ کہاں آتا ہے باہر۔ پھر دو دن پہلے ہی تو بے چارہ پلنگ سے گر پڑا تھا۔ ماتھے پر چوٹ لگی۔ ٹانکے لگے تھے۔"

"مگر ماں جی کارپٹ پر گرنے سے سر پر چوٹ کیسے لگی؟"

"پلنگ کا پایہ لگا تھا شاید۔"

پروفیسر عادل کچھ الجھ سے گئے۔

"وہ پلنگ سے گرا کیسے۔ وہ کوئی بچہ تو ہے نہیں کہ گر جائے پھر کرم داد کہاں تھا؟"

"کرم داد کو تیرے چاچا نے کچھ دیر کے لیے باہر مردانے میں بلایا تھا۔ کوئی ضروری بات پوچھنی تھی۔ وہ واپس آیا تو گرا پڑا تھا اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔"

"اب کیسا ہے ماں جی وہ؟"

"زخم تو خشک ہو گیا ہے پتر۔ پر ویسے اس کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اب تو مجھے بھی کبھی کبھی نہیں پہچانتا۔ حالانکہ پہلے کرم داد کے ہاتھ سے نہیں کھاتا تھا تو میرے ہاتھ سے کھا لیتا تھا مگر اب موڈ نہ ہو تو مجھ سے بھی نہیں کھاتا۔ بیٹھے بیٹھے چیخنے لگتا ہے۔ تیرا چاچا کہہ رہا تھا کہ لاہور میں معذوروں کے بڑے ادارے ہیں' جہاں اس طرح کے ابنارمل بچے رکھے جاتے ہیں۔ وہاں ان کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ اب تو کبھی کبھی کرم داد سے بھی نہیں سنبھالا جاتا۔ دروازہ بند رکھنا پڑتا ہے۔ تیرا چاچا تو کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ اسے کچھ دنوں کے لیے کسی ادارے میں چھوڑ آتا ہوں لیکن میں نے منع کر دیا۔ ناراض ہو رہا تھا' کہہ رہا تھا بھرجائی ضد نہ کرو' کامل کے لیے یہی بہتر ہے۔ عادل بھی ادھر نہیں ہوتا۔"

"مگر ماں جی میرے ادھر ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنے ملازم ہیں حویلی میں اور کرم داد تو کامل کے لیے ہی مخصوص ہے اور پھر تین ماہ پہلے تو کامل کی حالت ایسی نہیں تھی۔"

"ہاں لیکن اب تو بہت جلدی جلدی دورے پڑنے لگے ہیں اور جب اسے دورہ پڑتا ہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا۔ اس کی اذیت ناک چیخیں میں نہیں سن سکتی عادل۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا ماں جی' ریلیکس ہو جائیں۔ میں دیکھوں گا کوئی ادارہ جہاں کچھ عرصے کے لیے اس کا علاج ہو سکے تاکہ اس کی حالت قدرے بہتر ہو جائے۔"

"وہاں شاید کامی کی وجہ سے ہی میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ بس بغیر اطلاع کے ہی چلی آئی۔"

"ٹھیک ہے ماں جی' اچھا کیا آپ نے۔"

پروفیسر عادل اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ خدا بخش چائے لے آیا تھا۔

"سنہراں' تم چائے بناؤ اور خدا بخش' تم ماں جی کے لیے گیسٹ روم کھول دو۔"

"گیسٹ روم مت کھلواؤ عادل۔ ہم رات تک نہیں ٹھہریں گے۔"

"اتنا لمبا سفر کر کے پھر آپ واپس جائیں گی۔ نہیں' میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ کچھ دن یہاں رہیں آپ میرے پاس۔ وہاں...... ایک ہی جیسے ماحول میں صبح سے شام کرنا۔ تھکا دیا ہے اس لگی بندھی زندگی نے آپ کو۔"

"پر میں وہاں کسی کو بتا کر نہیں آئی۔ تیرے چاچا کو بھی نہیں پتا اور گھر میں کرم داد اور مہروز سے کہہ دیا تھا کہ کسی کو پتا نہ چلے کہ میں گئی ہوں۔"

"ٹھیک ہے' منشی بابا کو واپس بھیج دیتے ہیں اور آپ میرے ساتھ دو تین روز بعد چلی جانا۔ میں ایک دو نیوروسرجن ہیں ان سے بات کروں گا' کامی کے متعلق کوئی ادارہ بھی دیکھوں گا' جہاں کچھ عرصے کے لیے کامی کو رکھا جا سکے۔"

"میری عدم موجودگی میں کوئی کامی کو نقصان نہ پہنچا دے۔"

"کیوں ماں جی' اس معصوم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟"

"اس نے کسی کا کچھ بگاڑا تو نہیں ہے لیکن اس کے نام بھی زمین جائداد تو ہے نا۔ تیرے دادا کو منع بھی کیا تھا کہ اس معصوم کے نام جائداد کرنے کا فائدہ۔ پر کہتے تھے' خدانخواستہ کوئی نہ رہا تو اس جائداد کے لیے ہی سہی کوئی اس کی دیکھ بھال تو کرے گا۔ جان اٹکی ہوئی تھی ان کی اس میں۔"

"ہاں ماں جی۔ دادا کامی کو بہت چاہتے تھے۔ وہ بھی انہیں بہت مس کرتا ہوگا۔"

"بہت بہت زیادہ۔ کہیں سے ان کی چھڑی اور ٹوپی اس کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ ہر وقت اٹھائے رکھتا ہے...... رات کو سوتا ہے تو چھڑی پاس رکھ کر کہتا ہے کہ 'دادا ہے۔' کبھی کبھی تو ٹوپی اور چھڑی کو سینے سے بھینچ کر ایسے بلک بلک کر روتا ہے کہ کرم داد بھی رو پڑتا ہے' دیکھا نہیں جاتا۔"

"محبتوں کی اپنی پہچان ہوتی ہے ماں جی۔ کامی ہوش وحواس سے بے گانہ ہے لیکن محبتوں کو پہچانتا ہے۔"

"ہاں' کبھی میرے کمرے میں آتا ہے تو تمہاری تصویر پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ "بھائی" اور پھر تصویر کو چومتا ہے۔"

پروفیسر عادل کی آنکھوں میں بھائی کے خیال سے آنسو آ گئے۔ ان کا یہ چھوٹا بھائی دماغی طور پر پیدائشی معذور تھا۔ چھ سات سال کی عمر تک تو وہ اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ بولتا بھی نہیں تھا۔ پھر مشہور نیوروسرجن

ڈاکٹر جمعہ نے اس کے دماغ کے دو تین آپریشن کیے تو اس قابل ہوا کہ اٹھنے بیٹھنے لگا اور ایک ایک لفظ بولنے لگا۔ پورا جملہ تو نہیں لیکن کوئی کوئی لفظ بولتا تھا۔ جیسے ماں' دادا' بھائی' کرم داد وغیرہ۔ جن دنوں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر گئے ہوئے تھے تو دادا نے اسے کسی ادارے میں داخل کروایا تھا جہاں اس نے اپنا کام خود کرنا سیکھ لیا تھا۔ باتھ روم چلا جاتا تھا۔ اپنے کپڑے خود بدل لیتا۔ کھانا کھاتے ہوئے بب باندھ لیتا۔ اپنی کنگھی کرتا تھا۔ عادل نے واپس آ کر اسے دیکھا تھا تو انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔ جب وہ گاؤں جاتے تو ان کے ہاتھ پکڑ کر ان کے ہاتھوں پر پیار کرتا۔ حلق سے خوشی بھری آوازیں نکالتا۔ ان کے ساتھ چمٹ کر بیٹھ جاتا۔

"میں بھی کس قدر خود غرض ہو جاتا ہوں۔ اپنے آپ میں گم ہو کر ماں جی اور کامی کو بھول جاتا ہوں۔" انہوں نے سوچا اور ماں جی کی طرف دیکھا۔

"ماں جی' میں اب انشاء اللہ ہر ہفتے چکر لگایا کروں گا۔ دراصل ان دنوں کچھ زیادہ مصروف ہو گیا تھا۔"

"نہ...... نہ پتر۔ ہر ہفتے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں' مجھے وہم سا ہو گیا ہے کہ کوئی' ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ تو اپنا دھیان رکھا کر۔ زیادہ گاؤں آنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ یہاں کوئی باڈی گارڈ رکھ لو تم۔ علاقے سے ہی کسی کو بھیج دوں گی۔"

"ماں جی' زندگی کا ایک لمحہ بھی نہ گھٹایا جا سکتا ہے اور نہ بڑھایا جا سکتا ہے۔ چاہے لاکھ باڈی گارڈز ہوں۔ آپ کو یوں ہی وہم سا ہو گیا ہے۔ ہمارا بھلا کون دشمن ہے۔ جہاں تک کیلے کے چھلکے کی بات ہے تو کوئی بھی پھینک سکتا ہے۔ کوڑے دان خالی کرتے وقت گر گیا ہوگا اور پھر کیلے کے چھلکے سے کوئی مرتا تو نہیں ہے۔"

"دشمن سجن تو خیر سب کے ہی ہوتے ہیں۔" ماں جی نے چائے کا خالی کپ رکھا۔

"تم بھول گئے ہو۔ پچھلے سال جو نہر کے پیچھے والی زمین پر چاہ مراد کے چوہدری اللہ دیار سے کھٹ پٹ ہو گئی تھی اور اس نے دھمکی دی تھی۔"

"اوہ ماں جی۔ چوہدری اللہ یار بہت اچھا آدمی ہے۔ میں خود گیا تھا اس کے پاس اور اس کی بات غلط ہرگز نہ تھی۔ زمین کا وہ ٹکڑا اسی کا تھا۔ میں نے اسی وقت وہ ٹکڑا اس کے حوالے کر دیا تھا۔ دستخط وغیرہ کر کے رجسٹری بھی ہو گئی تھی۔ جب بھی ملتا ہے جھک کر ملتا ہے۔"

"ہاں' وہ تو ٹھیک ہے لیکن بھائی عبدالرحمٰن ہی کہہ رہے تھے کہ اس کے تیور صحیح نہیں لگتے۔ عادل کی کمزوری نے اسے شیر کر دیا ہے۔ دراصل عادل نے زمین کا وہ ٹکڑا اس کے حوالے کر کے اس کے حوصلے بڑھا دیے ہیں۔ اب وہ نہر والی ساری زمین کا دعوے دار بننا چاہتا ہے۔"

"ارے نہیں' ماں جی۔" عادل ہنس پڑے "پتا نہیں کون چاچا جی کو الٹی سیدھی باتیں بتاتا رہتا ہے۔ یقیناً سلطان ہی ہوگا۔ وہ تھرل پیدا کر کے خوش ہوتا ہے۔ میں نے ان سے کہا بھی تھا کہ وہ سلطان کو

ادھر میرے پاس بھیج دیں۔ وہ یقیناً وہاں رہ کر نہیں سدھر سکتا ہے۔''

''تیرے چاچا کی شہ ہے اسے۔ اللہ نے زمین دی لیکن یہ نہیں کہا کہ اس پر اکڑ کر چلو لیکن سلطان' کیا کہوں بیٹا۔ بڑی اکڑ ہے اس میں۔ منشی بتا رہا تھا کہ ذرا سی بات پر غریب مزارعوں کو دھنک کر رکھ دیتا ہے۔''

''لیکن یہ تو غلط بات ہے ماں جی۔'' عادل کو افسوس ہوا۔

''غلط تو ہے بیٹا لیکن عبدالرحمٰن بھائی بھی تو اسے روکتے ٹوکتے نہیں۔''

''میں اب جاؤں گا تو اسے سمجھاؤں گا بلکہ اسے ساتھ ہی لے آؤں گا۔ میرے پاس رہے گا۔ اہل علم وہنر کی صحبت ہوگی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ میں بھی کہوں گی عبدالرحمٰن بھائی سے کہ وہ سلطان کو تیرے ساتھ ہی بھیج دیں۔''

''اور مہران کیسا ہے ماں جی۔ پچھلی بار گیا تھا' تب بھی ملاقات نہ ہوئی۔''

''وہ اور مزاج کا ہے بالکل تمہارے دادا کی طرح خاموش اور اپنے آپ میں مگن۔''

''ہاں' مہران کا مزاج بہت مختلف ہے۔ باقی لوگ کیسے ہیں۔ چاچی' بی آپا اور حریم۔''

''سب اچھے ہیں۔'' ماں جی نے بغور ان کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔

''میرا خیال ہے' آپ کو آرام کرنا چاہیے۔ بہت ضروری ہے آپ کے لیے آرام۔'' وہ کھڑے ہو گئے۔

''میری بات مان پتر۔ تو مجھے آج رات جانے ہی دے۔ تجھے دیکھ لیا ہے تو سکون مل گیا ہے۔ دل پر جو ایک گھبراہٹ سی تھی وہ دور ہو گئی ہے۔''

واقعی کامل ان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھا اور کبھی کبھی تو وہ خود اپنے آپ کو اس کی حالت کا ذمے دار سمجھتی تھیں۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں انہوں نے کہ وہ اس دنیا میں نہ آئے۔ کتنے جتن کیے تھے لیکن جس روح نے دنیا میں آنا تھا وہ آ کر رہی۔ وہ جب پیدا ہوا تو صرف ساڑھے تین پونڈ کا تھا۔ ان کے سسر نے اس کے لیے چوبیس گھنٹے کے واسطے نرس رکھ لی تھی اور پھر جب وہ ذرا بڑا ہوا اور وہ اسے گود میں لیتیں تو انہیں خیال آتا کہ وہ عام بچوں سے مختلف ہے۔ عادل تو بچپن میں ایسا نہیں تھا۔ کئی بار انہوں نے سوچا تھا۔ یہ تو ہنستا بھی نہیں۔ منہ کھول کر زبان باہر نکالے رکھتا ہے۔ تب انہوں نے اپنے سسر سے بات کی۔ لاہور' کراچی کے بڑے اسپیشلسٹ کو دکھایا گیا۔ سب نے کہا کہ بچہ نارمل نہیں ہے۔

''تو پھر ٹھیک ہے ماں جی۔ آج رات آپ رک جائیں۔ میں رات کو سفر کرنے کے حق میں ہرگز نہیں ہوں۔ صبح انشاء اللہ میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔ حویلی میں فون کر دیتا ہوں۔ چلیں اب اٹھیں اور آرام کریں۔ رات کو باتیں کریں گے......''

انہوں نے ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھایا۔

''آیئے۔ میں آپ کو کمرے میں چھوڑ آؤں۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' ماں جی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور وہ ان کا ہاتھ تھامے انہیں ساتھ لیے باہر نکل آئے۔

❁ ❁ ❁

زینب عثمان احمد کی بیماری اس دفعہ کچھ طول ہی پکڑ گئی تھی۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا' انہیں بیڈ ریسٹ لیتے ہوئے اور گھر' گھر نہیں تفریح گاہ بنا ہوا تھا۔ مریم بے زار تھی۔ گھر میں دل لگتا نہ کالج میں۔ گھر آ کر پڑھنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس ہفتے ہونے والے دونوں ٹیسٹوں میں وہ بری طرح فیل ہو گئی تھی۔ مس مہرین نے اسے اچھا خاصا ڈانٹ دیا تھا مگر وہ کیا کرتی۔ کتاب کھول کر سامنے رکھتی تو ماما کے کمرے سے آنے والی آوازیں اسے ڈسٹرب کرنے لگتیں۔ اس کا کمرا بھی تو ماما کے بیڈروم کے ساتھ تھا۔ زینب عثمان کے دوست احباب مسلسل ان کی مزاج پرسی کے لیے آ رہے تھے۔ ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ شرجیل مرزا باقاعدگی سے آتا تھا اور میڈم نرگس نے تو ادھر ہی ڈیرے ڈال رکھے تھے اور جب میڈم نرگس اور زینب عثمان اکیلی ہوتیں تو وی سی آر لگا لیتیں اور پھر وی سی آر کے ساتھ میڈم نرگس کے بلند وبانگ قہقہے۔ مریم کا جی چاہتا' وہ گھر سے کہیں چلی جائے۔ ان کی تیز سیٹیاں بجاتی آواز سارے گھر میں گونجتی رہتی تھی۔ دن بھر لوگ ان سے ملنے آتے رہتے تھے۔ جانے ان کا حلقہ احباب کتنا وسیع تھا اور جانے لوگوں کے ان سے کیا ضروری کام اٹکے ہوئے تھے کہ وہ چند دن صبر نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا پتا پوچھتے ہوئے عثمان احمد کے گھر تک پہنچ جاتے تھے اور پھر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر میڈم نرگس ان سے اونچی آواز میں تبادلہ خیال کرتیں تو مریم کے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ ایک صاحب کو بھگتا کر کمرے میں گئی تھیں اور وہاں جاتے ہی اونچی آواز میں وی سی آر لگا دیا تھا۔ کوئی انڈین فلم لگی ہوئی تھی۔ مریم اپنے کمرے میں تھی۔ عاشی اور نینا ٹیوٹر سے پڑھ رہی تھیں۔ تیمور کو ہلکا سا فلو ہو رہا تھا لہٰذا مریم نے اسے پڑھنے نہیں بھیجا تھا اور وہ اس کے گھٹنے پر سر رکھے لیٹا اس سے باتیں کر رہا تھا۔

''پتا نہیں' یہ آنٹی نرگس اتنی اونچی آواز میں وی سی آر کیوں لگاتی ہیں۔ کہیں گلے کے ساتھ ان کے کان بھی تو متاثر نہیں ہو گئے ہیں۔'' اس نے بیزاری سے سوچا۔

''مومو۔'' تیمور نے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

''کیا بات ہے چندا!''

''ماما کب اچھی ہوں گی؟''

''تم دعا کرو تو جلدی سے اچھی ہو جائیں گی۔''

"میں تو ہر روز دعا کرتا ہوں مگر ماما اچھی ہوتی ہی نہیں ہیں۔"

"چلو' تمہیں ماما کے پاس لے چلوں۔"

"نہیں' میں ادھر آپ کے پاس ہی رہوں گا۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ ماما جلدی سے اچھی ہوجائیں تو آنٹی اپنے گھر چلی جائیں۔"

"کیوں کیا تمہیں آنٹی اچھی نہیں لگتیں۔ تم سے تو اتنا پیار کرتی ہیں۔"

"ہاں' پیار تو کرتی ہیں لیکن شور بہت کرتی ہیں۔ کل آپ کالج گئی تھیں تو انہوں نے شریف بھائی کو بہت ڈانٹا تھا۔"

"کیوں ڈانٹا تھا......؟"

"انہوں نے ماما کے لیے اسے ایپل جوس بنانے کو کہا تھا نا تو اس نے دیر کردی تھی۔ آپ ڈاکٹر انکل سے کہیں نا ماما کو جلدی اچھا کردیں۔"

"اچھا کہہ دوں گی۔"

"ابھی ہمارے سر چلے جائیں گے نا تو آپ انکل کو فون کر کے کہہ دیں گی؟"

"نہیں' فون کی کیا ضرورت ہے' ابھی شام کو وہ ماما کو دیکھنے آئیں گے تو کہہ دوں گی۔"

"مگر انکل تو نہیں آتے ماما کو دیکھنے' وہ تو کوئی اور ڈاکٹر آتے ہیں۔"

"اچھا شاید انکل بزی ہوں گے۔"

"لیکن یہ نئے ڈاکٹر روز آتے ہیں' انکل ڈاکٹر تو صرف ایک ہی دن آئے تھے بس۔ ہم سر سے پڑھ رہے ہوتے ہیں نا تو یہ نئے والے ڈاکٹر ہمارے پاس سے گزر کر جاتے ہیں' بہت اچھے ہیں۔"

"اچھا' تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ اچھے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"بس پتا چل گیا نا۔ وہ ہمیں دیکھ کر مسکراتے ہیں اور انہوں نے مجھ سے تھوڑی دوستی بھی کرلی ہے۔"

"اچھا۔"

وہ یوں ہی بے مقصد تیمور سے باتیں کیے جارہی تھی۔ صبح پھر فزکس کا ٹیسٹ تھا لیکن اس کا پڑھنے کا قطعی کوئی موڈ نہیں ہورہا تھا۔ اس نے چاہا کہ کتاب اٹھا کر دیکھ لے' خوانخواہ پھر میڈم نسرین کی ڈانٹ سننا پڑے گی۔ ایک تو وہ ڈانٹتی بھی اس بری طرح تھیں کہ مرجانے کو جی چاہتا تھا۔ آخر انسان کے کچھ پرابلمز ہوتے ہیں' کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ کبھی آدمی تیاری نہیں بھی کرسکتا لیکن وہ کسی کی وضاحت سنیں بھی تب نا' ڈانٹتے ہوئے ذرا جو انہیں خیال آتا ہو کہ یہ وہی لڑکی ہے جو ہمیشہ کلاس میں فرسٹ آتی ہے۔

"مومو!" تیمور نے اسے ٹیبل پر پڑی کتابوں کی طرف دیکھتے ہوئے پا کر کہا "آپ کو پڑھنا ہے' میں آپ کو تنگ کررہا ہوں۔"

"ارے نہیں میری جان۔" مریم نے بے اختیار جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"تم مجھے بالکل تنگ نہیں کررہے ہو بلکہ مجھے تم سے باتیں کرنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تم میرے اتنے پیارے پیارے منے منے سے بھائی ہو۔"

"پھر آپ اپنی کتابوں کی طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ بلا کا ذہین تھا۔

"میری جان!" مریم نے پھر اس کی پیشانی چوم لی۔

"میں یوں ہی بے دھیانی میں دیکھ رہی تھی۔"

"مومو۔" تیمور غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا "آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں چندا!" مریم نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"نہیں' آپ بیمار ہیں۔"

"ارے کہاں' اتنی موٹی تازی تو ہوں۔"

"ہاں ماما بھی تو موٹی تازی ہیں لیکن بیمار ہیں۔ آپ بھی ایسے ہی بیمار ہیں' ماما کی طرح۔"

"مور......مور۔" مریم کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"مت کیا کرو اتنی بڑی بڑی باتیں' نظر لگ جائے گی۔"

"مومو!" وہ اپنی چمکیلی آنکھوں میں سنجیدگی لیے اسے دیکھ رہا تھا "آپ بھی ڈاکٹر انکل سے دوا لے لیں۔"

"مگر میں بیمار نہیں ہوں۔"

"آپ بیمار ہیں۔ میں ڈاکٹر انکل سے کہوں گا' وہ آپ کو بھی دوا دے دیں۔"

"مور۔" مریم کی پلکیں یک دم بھیگ گئیں۔ تیمور' یہ چھ سال کا بچہ محسوس کررہا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے' بیمار ہے۔ ماما کی طرح ڈپریس ہے لیکن ماما اور پاپا کو کچھ نظر نہیں آتا۔ ماما تو اپنے احباب میں مست رہتی ہیں۔ وہ تو اپنی ایکٹی وٹیز میں کھوئی رہتی ہیں لیکن پاپا...... پاپا کیوں نہیں دیکھتے۔

کیوں نہیں پوچھتے اس سے کہ اسے کیا ہوا ہے۔

وہ کیوں اتنی اپ سیٹ ہے۔

اس کے اور ماما کے درمیان اتنے فاصلے کیوں ہیں۔

خود اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ سب کیا ہے۔

کیا شکوے بھرے ہیں اس کے اندر۔

کیا الجھنیں ہیں۔

اور پاپا اس کی ہیلپ نہیں کرتے تھے۔

ماما کی ایکٹی وٹیز تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھیں۔ ان کی دوستیاں ان کے ریلیشنز سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا۔

ہاں شرجیل مرزا۔ یہ شرجیل مرزا پہلے اتنا دخیل نہیں تھا ان کی زندگی میں۔

شاید وہ شرجیل مرزا کی وجہ سے اتنی ڈیپریس ہے۔

خاص طور پر اس لیے بھی کہ ماما اسے بہت اہمیت دیتی ہیں کہ وہ بھی اسے اہمیت دے۔

پتا نہیں ماما ایسا کیوں چاہتی ہیں۔

ان کے دل میں کیا ہے۔

وہ خود بھی شرجیل مرزا کو بہت اہمیت دیتی ہیں اور خود شرجیل مرزا اپنی حرکات وگفتگو سے سو جان سے ان پر فدا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی باتوں سے تو اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ اگر ماما مسز عثمان نہ ہوتیں اور اتنے بچوں کی ماں نہ ہوتیں تو وہ اب تک انہیں پروپوز کر چکا ہوتا۔ پھر اس کی طرف اس کا التفات اور ماما کی ضد کہ وہ اسے توجہ دے مریم کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

شاید اس کے ڈیپریس ہونے کی ایک وجہ ماما کا رویہ بھی تھا۔ پہلے ان کا رویہ اتنا عجیب نہیں تھا۔

پتا نہیں وہ کیوں چاہتی تھیں کہ وہ شرجیل مرزا کو وقت دے اس کے ساتھ ہنسے بولے وہ باہر جانے کو کہے تو اس کے ساتھ باہر چلی جائے۔ حالانکہ وہ عمر میں پاپا سے ذرا ہی چھوٹا ہوگا۔ وہ جتنا شرجیل مرزا سے دور ہوتی اسے پیچھے ہٹاتی ماما کا رویہ اتنا ہی جارحانہ ہو جاتا تھا۔ اس روز بھی وہ تین دنوں بعد ماما کے کمرے میں آئی تھی۔ میڈم نرگس کچھ دیر پہلے ہی سید امتیاز علی شاہ کے ساتھ باہر گئی تھیں اور گھر میں جیسے سکون آ گیا تھا۔ وہ اس روز کے بعد سے ماما کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔ پتا نہیں ماما کی طبیعت کیسی ہے۔ وہ بے اختیار ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اسکائی کلر کی نائٹی پہنے وہ نیم دراز تھیں اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

"اب کیسی ہیں ماما آپ؟" اس نے ان کے قریب جاتے ہوئے غور سے انہیں دیکھا تو اسے ان کا رنگ بہت زرد زرد لگا۔ اس کا دل ایک دم گداز ہو گیا "کیسی بیٹی ہوں میں، میری ماں بیمار ہے اور میں آج تین دن بعد ان کا حال دریافت کرنے آئی ہوں مگر میں بھی کیا کروں، ماما کے پاس بھی تو ہر وقت تیمارداروں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔"

"ماما!" بے اختیار اس نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ زینب عثمان احمد نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ ان کے چہرے اور ان کی آنکھوں میں ایک نرم نرم سا تاثر تھا۔

"بیٹھ جاؤ مومو۔"

وہ ان کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ مسکرائیں۔

"کیسی ہو جانو!"

"بالکل ٹھیک۔"

"کالج جا رہی ہو؟"

"جی۔" اس نے سر ہلایا۔

"اپنا خیال رکھا کرو۔ نرگس کہہ رہی تھی کہ تم اپنا خیال بالکل نہیں رکھتی ہو۔ بہت لاپروا ہو۔"

"آپ بھی اپنا خیال رکھا کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہ ہوا کریں۔" اسے ماما کا اتنی نرمی اور محبت سے بات کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جیسے ماما اس سے کبھی ناراض نہیں ہوئی تھیں۔ جیسے وہ ایک بہت شفیق اور محبت کرنے والی ماں تھیں بالکل امی اور روشی کی طرح۔ کاش زندگی ہمیشہ ایسے ہی گزرے، ماما کبھی اس سے خفا نہ ہوں۔

کبھی ان کے درمیان فاصلے نہ ہوں۔

اس کا جی چاہا وہ ان سے لاڈ کرے

"ماما پلیز اٹھ جائیں۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھا دیا۔

"میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں، آپ چینج کر لیں۔"

"نہیں جانو رہنے دو۔ ایسے ہی سستی ہو رہی ہے۔ شام کو چینج کروں گی۔"

"ماما آپ بستر سے نکلیں گی تو خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔ چلیں، کپڑے چینج کریں، باہر لان میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے نکال دو۔" وہ مسکرائیں۔

"ایک تو یہ جو آپ کے احباب ہیں نا الٹا آپ کی بیماری بڑھا دیتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے سر پر سوار رہتے ہیں۔ آرام تو بالکل کرنے ہی نہیں دیتے۔ آپ ان کو منع کر دیا کریں نا، وقت بے وقت آپ کو ڈسٹرب نہ کیا کریں۔" وہ وارڈ روب سے کپڑے نکالتے ہوئے بولتی چلی جا رہی تھی اور زینب عثمان احمد اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔ بات کرتے کرتے ایک دو بار اس نے مڑ کر انہیں دیکھا اور اسے ماما کو اس طرح اپنی طرف اتنی محبت سے دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا "کاش زندگی ہمیشہ ایسے ہی گزرے۔ محبت کے اسی احساس کے ساتھ۔"

"ماما، یہ گرین کلر کا سوٹ نکال دوں۔ آپ پر بہت اچھا لگے گا۔" وہ سوٹ ہاتھ میں لے کر مڑی تو دروازے میں شرجیل مرزا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی "ارے شجی تم، آؤ نا بیٹھو آ کر۔"

زینب عثمان ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ مریم نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا جو ایک دم کھل اٹھا تھا۔

"آؤ آ جاؤ۔ تم کل کیوں نہیں آئے تھے۔ بہت بے چین رہی میں۔"

"کچھ مصروفیات تھیں۔" وہ کن انکھیوں سے مریم کو دیکھتا ہوا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا "تم کیسی ہو زینی، مجھے

تمہاری بہت فکر رہی۔ یار' بہت پھنسا ہوا تھا' تمہیں فون بھی نہ کر سکا۔"

"کچھ بہتر ہوں۔"

ان کے رخسار گل رنگ ہو رہے تھے۔ مریم حیرت سے ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"زینی' اب تمہیں ٹھیک ہو جانا چاہیے۔ یار بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ تمہاری وجہ سے کام رکا ہوا ہے۔ تمہیں خود اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر کسی کو تمہاری پروا نہیں ہے تو اپنی پروا خود کرو۔"

اس نے آنکھ کے کونے سے مریم کو دیکھا جسے شرجیل مرزا کی یہ بے تکلفی زہر لگ رہی تھی۔

پاپا کے سامنے تو کیسے مسز احمد کہتا ہے اور اب کیسی بے تکلفی سے زینی زینی کہہ کر بلا رہا ہے۔ کیا حق ہے اسے ماما کو زینی کہہ کر بلانے کا' یہ حق تو صرف پاپا کا تھا اور ماما کو دیکھو اسے منع ہی نہیں کرتیں کہ تمیز سے بلائے اور ماما تو اس کی ہر غلط' صحیح بات پر کچھ نہیں کہتی ہیں۔ غصے سے اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

"ماما' میں جاؤں کپڑے استری کروا کے بھجوا دیتی ہوں۔"

"ارے نہیں مس احمد' بیٹھیے نا۔ بڑے دنوں بعد آپ کو دیکھا ہے' کیسی ہیں آپ۔ آپ کی ماما اتنی بیمار تھیں اور آپ کبھی نظر ہی نہیں آئیں۔ اچھی بیٹیاں تو ماؤں کی تیمار داریاں کرتی ہیں۔"

اس کا جی چاہا کہ وہ کہہ دے کہ آپ جیسے تیمارداروں کی موجودگی میں ماما کو کسی اور تیماردار کی ضرورت نہیں ہے لیکن وہ اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

"ہاں مومو' بیٹھ جاؤ۔" ماما نے خوش ہو کر تائید کی "میرا ابھی موڈ نہیں ہو رہا چینج کرنے کا۔ تم بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں ماما' وہ مجھے تیمور کو ہوم ورک بھی کروانا ہے۔ آج اس کا ٹیوٹر چھٹی پر ہے۔" اس نے بات بنائی۔

"زینی' یہ تمہاری بیٹی مجھ سے بھاگتی کیوں ہے۔ کیا میں اسے کاٹتا ہوں۔" وہ مسلسل ماما کی طرف دیکھ رہا تھا۔ باریک نائٹی سے ان کا خوبصورت جسم جھلک رہا تھا اور شرجیل مرزا کی نگاہیں ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ارے نہیں شجی' وہم ہے تمہارا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ مومو ذرا کم گو ہے اور لوگوں سے گھبراتی ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"غلیظ۔" مریم نے اسے مسلسل ماما کی طرف دیکھتے پا کر زیر لب کہا۔

"جی کیا کہا۔" وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف گھوم گیا۔

"آپ نہ ہی پوچھیں تو بہتر ہے ورنہ......" اس نے دانت پیستے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ورنہ کیا؟"

وہ زور سے ہنسا "جو دل چاہے با آواز کہہ سکتی ہیں برا نہیں مانوں گا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ

کتنے شیریں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوئے

"بہت شریر ہو شجی!"

زینب عثمان بلاوجہ ہنس دیں۔ مریم کو ان کا اس طرح ہنسنا بہت برا لگا۔ اسے ایک دم ماما پر غصہ آ گیا۔

"کیسی ہیں ماما۔ کیسی فطرت ہے ان کی۔ ایک مرد ایک اجنبی مرد ان کی بیٹی کے لیے غلیظ شعر پڑھ رہا ہے اور وہ کہہ رہی ہیں۔ شریر۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ماما کا ڈریس صوفے پر پھینکا اور جانے کے لیے قدم بڑھایا۔

"مومو۔" ماما نے اسے روکا "بیٹھ جاؤ۔"

"ماما۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"شجی کو کمپنی دو۔"

"پلیز۔" اس نے ملتجی نظروں سے ماما کی طرف دیکھا لیکن ان کا چہرہ ایک دم سخت ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی نرمی اور گداز بالکل غائب تھا۔ شرجیل مرزا نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ یوں ہی کھڑی تھی۔

"تمہاری ماما کا ڈیپریشن بڑھ جائے گا۔"

شرجیل مرزا کی آنکھوں میں خبیث سی چمک تھی۔ وہ بے بسی سے کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں' بعض اوقات ڈیپریشن خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ موت کی حدوں تک لے جا سکتا ہے۔"

بظاہر وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا لیکن مریم اس کے اندر کی خباثت کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے مڑ کر زینب عثمان کی طرف دیکھا تو اسے ان کا رنگ پھر سے زرد زرد سا لگا اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی لگنے لگیں۔ وہ یوں لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں جیسے کوئی ان کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"زینی' یہ تمہاری بیٹی کی شکل اس سے نہیں ملتی۔ وہ جو نئی ماڈل ہے نتاشا۔" اب اس کی نظریں براہ راست اس کا ایکسرے کر رہی تھیں اور مریم کو یہ نظریں گویا اپنے وجود میں گھستی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس کی آنکھیں نوچ لیتی۔

وہ انتہائی ڈھٹائی سے اس کے لب و رخسار پر تبصرہ کر رہا تھا اور ماما نہ صرف سن رہی تھیں بلکہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا ساتھ بھی دے رہی تھیں۔

"نہیں' نہیں' اپنی مومو کے ہونٹ تو بہت خوبصورت ہیں اور نتاشا کے ہونٹ تو بہت باریک ہیں اور مومو کی آنکھیں بھی تو بہت خوبصورت ہیں' بس نتاشا کا رنگ ذرا زیادہ فیئر ہے لیکن مومو کا تو کمپلیکشن غضب کا ہے۔"

"ہوں واقعی۔" شرجیل مرزا کی نگاہیں اندر تک اتری جا رہی تھیں۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

وہ شرجیل مرزا کی غلیظ نگاہوں سے بچنا چاہتی تھی۔

''افوہ' کہیں سے کوئی آجائے۔'' اس نے بے آواز دعا کی اور تب ہی عثمان احمد ناک کر کے اندر آگئے۔

''آہا' یہاں تو بڑے لوگ اکٹھے ہیں۔ ہیلو۔'' انہوں نے شرجیل مرزا سے ہاتھ ملایا اور پھر زینب کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''[illegible]

''پہلے سے بہت بہتر فیل کر رہی ہوں۔''

''تھینک گاڈ۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔ شرجیل مرزا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ماما نے گھورا۔

''مس احمد' آپ کی ماما نے آپ سے کچھ کہا تھا۔''

''جی معلوم ہے مجھے۔''

''تو پھر بڑوں کا کچھ لحاظ و احترام کیا جاتا ہے۔''

''جی اور یہ بات آپ کو بھی جان لینی چاہیے کہ بڑوں کا کچھ لحاظ و احترام کیا جاتا ہے اور میرے خیال میں ماما آپ سے عمر میں چھ سات سال تو بڑی ہوں گی ہی اور شاید اسی احترام کا نتیجہ ہے کہ آپ ماما کو مسز احمد کہنے کے بجائے ''زینی تم'' کہہ کر بلا رہے تھے۔'' اس نے اپنا غصہ نکالا۔ شرجیل مرزا کا رنگ ذرا کی ذرا بدلا تو اس نے گردن اکڑا اکڑا اسے دیکھا اور پھر پاپا کی طرف۔ اس کا خیال تھا کہ پاپا یقیناً اسے اس کی بدتمیزی پر برا بھلا کہیں گے لیکن پاپا بے نیازی سے سائیڈ ٹیبل پر پڑی پلیٹ میں سے انگور کے دانے توڑ توڑ کر منہ میں ڈال رہے تھے۔ شرجیل مرزا نے تمسخر سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ''تمہارے پاپا......''

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل آئی تھی اور بہت دیر تک تکیے پر سر رکھ کر روتی رہی۔

اسے ماما کے اس پل دو پل بدلتے رویے کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ پاپا سے پوچھے۔ ان سے بات کرے اور ماما کے اس رویے کا سبب پوچھے۔ اپنی الجھن انہیں بتائے۔ اسے ماما اور شرجیل مرزا کی بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔ ماما اس کی کمپنی میں ملازم ہیں' وہ ماما سے عمر میں چھوٹا تھا اور زیادہ بے تکلف تھا۔ دوسری طرف ماما چاہتی تھیں کہ وہ بھی شرجیل مرزا سے بے تکلف ہوجائے۔ ایک بار ایمی نے کہا تھا کہ مجھے لگتا ہے' تمہاری ماما شرجیل مرزا کو داماد بنانا چاہتی ہیں۔

اس روز ایمی اس کے گھر آئی ہوئی تھی اور ماما نے بطور خاص ایمی کا تعارف شرجیل مرزا سے کرایا تھا اور پھر اس کے آگے پیچھے ہو رہی تھیں اور بار بار مریم کو اس کی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

''موموا شجی کو چائے دو۔''

''یہ کبابوں کی پلیٹ شجی کو دو۔'' وغیرہ وغیرہ۔

''ہونہ ہو' دال میں کچھ کالا ہے۔''

ایمی اسے کالج میں بھی چھیڑ رہی تھی لیکن ایمی کی بات اسے کچھ ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اسے تو یوں لگتا تھا' جیسے ماما خود شرجیل مرزا میں انٹرسٹڈ ہوں اور اتنی زیادہ کہ اس کی ہر بات ماننا فرض سمجھتی ہوں لیکن وہ یہ باتیں ایمی سے ڈسکس نہیں کر سکتی تھی۔ ایمی کیا کسی سے بھی نہیں۔ ایک پاپا تھے جن سے بات کی جا سکتی تھی لیکن وہ جب بھی پاپا کے پاس اس غرض سے گئی اور اس نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے بات بدل دی۔ وہ لب کھولتی تو وہ نگاہیں چرا لیتے جیسے وہ جانتے ہوں کہ وہ ان سے کیا پوچھنا چاہتی ہے' کیا کہنا چاہتی ہے اور وہ اس سے یہ بات نہ کرنا چاہتے ہوں۔ ماما کے اشاروں پر چلنے والے پاپا بھی کبھی کبھی کتنے بے حس لگتے تھے۔

بالکل روبوٹ۔

لیکن ماما کے معاملے میں وہ روبوٹ نہیں تھے۔ ماما کی ذرا سی بیماری پر پریشان ہوجاتے اور مریم کا انہیں احساس تک نہ تھا' وہ کتنی اپ سیٹ ہے' پریشان ہے۔

اور اس وقت اسے ان کی رفاقت کی کتنی ضرورت ہے۔ عاشی اور نینا بچیاں تھیں۔ وہ اپنی پریشانیاں انہیں منتقل نہیں کر سکتی تھیں۔ عاشی اگرچہ عمر کے اعتبار سے اتنی چھوٹی نہیں تھی لیکن اس کی سوچ بالکل بچوں جیسی تھی۔ اندر سے وہ بہت ننھی بچی تھی جب کہ اس عمر کی لڑکیاں کافی تیز ہوتی ہیں۔ مگر وہ......وہ کس سے اپنا بوجھ بانٹتی۔ اس کی نگاہیں بار بار پاپا کی طرف ہی اٹھتی تھیں مگر پاپا نگاہیں چرا لیتے تھے۔

''مومو' آپ کیا سوچنے لگی ہو۔ میں ڈاکٹر انکل سے کہوں گا کہ وہ آپ کو بھی دوا دے دیں۔''

''نہیں' میری زندگی! میں بالکل اچھی ہوں' بالکل بھی بیمار نہیں ہوں۔''

''لیکن مجھے آپ بیمار لگتی ہیں۔''

''کیوں بھلا' آپ کو میں کیوں بیمار لگتی ہوں۔ دیکھ لو مجھے کوئی ٹمپریچر ہے؟''

''مجھے پتا ہے کہ آپ کو ٹمپریچر نہیں ہے لیکن آپ اب پہلے کی طرح جو کھیلتی نہیں ہو میرے ساتھ۔ ہنستی بھی نہیں ہو اور مجھے کہانیاں بھی نہیں سناتی ہو۔ پتا ہے' عاشی بجی بھی کہہ رہی تھیں (وہ عاشی کو باجی کے بجائے بجی کہتا تھا) کہ مومو بیمار ہے۔''

''پتا ہے' میں بیمار نہیں ہوں۔ وہ میرے ٹیسٹ ہو رہے تھے نا' اب ٹیسٹ ختم ہوجائیں گے تو پھر تمہیں ڈھیر ساری کہانیاں سناؤں گی اور پھر تم نے کبھی کہا ہی نہیں کہ مجھے کہانی سناؤ۔''

''آپ کا موڈ جو صحیح نہیں ہوتا تھا۔''

وہ مسکرائی۔

''کیوں خراب ہوتا ہے آپ کا موڈ۔''

"وہ جو ہماری میڈم ہیں نا' فیل ہونے پر کان پکڑوا کر کھڑا کروا دیتی ہیں بینچ پر۔"

"مرغا بنا دیتی ہیں۔"

تیمور جو اس کے گھٹنوں پر سر رکھے لیٹا تھا دلچسپی سے اٹھ بیٹھا۔

"نہیں خیر' مرغا تو نہیں بناتیں لیکن ڈانٹتی بہت ہیں۔"

"ہمارے جو پی ٹی سر ہیں نا' وہ بڑے لڑکوں کو ہماری کلاس روم کے سامنے مرغا بنا دیتے ہیں۔ وہ بے چارے بڑا شرماتے ہیں اور ہمیں بڑا مزا آتا ہے۔"

اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ تیمور کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں لیکن ان کا رنگ بہت سفید تھا۔ چھوٹی سی ناک اور دانت بہت خوب صورت تھے۔ بہت پیارا اور گبلو سا لگتا تھا۔

"اور ہمارے ایک اور سر ہیں' وہ تو دھڑا دھڑ ڈنڈے مارتے ہیں ہاتھوں پر۔"

"اچھا۔"

"ہوں۔" اس نے کہا پھر ایک دم اچھلتے ہوئے بولا "ارے' کارٹون پروگرام کا وقت ہو گیا ہے۔"

"چلو آؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چل کر دیکھتی ہوں۔ تمہارے پسندیدہ کارٹون پروگرام کو۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹی وی لاؤنج میں لے آئی۔ ابھی اس نے ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ زینب عثمان کے بیڈ روم سے میڈم نرگس کے زور زور سے چیخنے کی آواز آئی پھر زور سے دروازہ کھلا اور وہ کسی شخص کے ساتھ زور زور سے بولتی ہوئی باہر نکلیں۔

"ارے' وہ سمجھتا کیا ہے۔ اپنے آپ کو گدھا......"

ان کی آواز پورے لاؤنج میں گونج رہی تھی "میں چاہوں تو کھڑے کھڑے اس کا ہوٹل خرید لوں۔ پوچھو جا کر اس...... سے کتنے میں دے گا' اپنا ہوٹل۔ جتنی رقم مانگتا ہے' اس سے دس بیس ہزار زیادہ دے کر اس سے ہوٹل خرید لو۔"

وہ بڑی روانی سے گالیاں بھی دیتی جا رہی تھیں۔ خدا جانے کس کی شامت آئی تھی۔ مریم برا سا منہ بنا کر بیٹھ گئی۔ غالباً اس شخص نے انہیں کوئی اطلاع دی تھی۔ وہ اس شخص کو تقریباً دھکے دیتی ہوئی داخلی دروازے تک لے گئی تھیں۔ بے چارہ غریب شخص میڈم میڈم کر رہا تھا لیکن انہوں نے اسے باہر نکال دیا۔

"اب دوبارہ یہ شکل اٹھا کر میرے پاس نہ آنا۔ ہوٹل کے کاغذات لانا یا ہال کی بکنگ کروا کے آنا اور اسی دن کی جس دن کی شاہ نے کہی ہے۔"

جب وہ پلٹیں تو مریم نے انہیں سلام کیا۔

"خیریت ہے آنٹی؟"

"خیریت کہاں۔ وہ الو کا پٹھا کہہ رہا تھا کہ ہال کی بکنگ نہیں ہو سکتی۔ شاہ شو کرنا چاہتا ہے وہاں اور

ہوٹل کے منیجر نے بکنگ سے انکار کر دیا کہ اس روز اور اس سے اگلے دو تین روز کے لیے ہال بک ہو چکا ہے۔ جانے یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔ انہیں میڈم نرگس کا علم نہیں ہے۔ میں اس جیسے دس ہوٹل خرید سکتی ہوں اور اگر......"

"آنٹی اگر ہوٹل کا مالک ہوٹل نہ بیچنا چاہے تو۔" تیمور کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"تو خاک میں ملا دوں گی اس کا ہوٹل۔ اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔" وہ روانی سے بولتے بولتے رک کر تیمور کو دیکھنے لگیں "یہ۔ یہ تم نے کیا کہا بونے! بہت شریر اور چالاک ہو گئے ہو تم۔" وہ اس کے رخسار کو تھپتھپا کر جھپاک سے زینب عثمان کے کمرے میں گھس گئیں۔

"اوہ خدایا!" مریم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا "کیا چیز ہیں یہ میڈم نرگس بھی' پتا نہیں ماما انہیں کس طرح برداشت کرتی ہیں۔"

تیمور بڑے انہماک سے ٹی وی دیکھ رہا تھا اور خود ہی ہولے ہولے ہنس رہا تھا۔

"یہ آپوں آپ کیوں ہنسا جا رہا ہے۔"

"آپ دیکھیں نا ادھر مکی ماؤز کو۔"

"تم بھی تو مکی ماؤز ہو۔" مریم نے اسے گدگدایا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ تیمور سے باتیں کرتی رہے۔ یوں ہی بے معنی' بے مقصد۔ ہنسے اور اسے ہنسائے تاکہ ذہن کے سارے جالے صاف ہو جائیں۔

"سنو مو' تم پروگرام دیکھ لو تو پھر واک کرنے چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ بجی اور نینا کو بھی ساتھ لے لیں گے۔"

مریم نے سر ہلایا اور ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ابھی پروگرام ختم نہیں ہوا تھا کہ ماما کے کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی کمرے سے باہر آیا۔ آنے والا ٹی وی لاؤنج میں آ کر لمحہ بھر کو رکا۔ مریم نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ماما کا کوئی دوست ہو گا۔

"ہائے ڈاکٹر۔" تیمور صوفے سے نیچے کودا۔

"ہائے بوائے۔" ایک خوشگوار سی آواز سن کر مریم نے سر اٹھایا۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت پرسنیلٹی کا مالک شخص کھڑا تھا۔

"السلام علیکم۔" مریم غیر ارادی طور پر کھڑی ہو گئی۔

"وعلیکم السلام۔" ڈاکٹر نے سوالیہ نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا۔

"مومو!" تیمور مسکرایا "مائی سسٹر۔"

"اوہ' آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

''جی میں نے بھی آپ کو نہیں دیکھا۔'' مریم بھی اب سنبھل چکی تھی ''پہلے ہمیشہ انکل ہادی خود آتے تھے۔ آپ غالباً ان کے ہاسپٹل میں......''

''جی' میں ان کا بھتیجا ہوں ڈاکٹر معید!'' اس نے مریم کی بات کاٹ دی ''اور ایک ماہ پیشتر انگلینڈ سے آیا ہوں۔''

لہجے سے پتا چل رہا تھا کہ اس شخص نے اپنی زندگی باہر ہی گزاری ہے۔

''انکل کہاں ہیں؟''

''انکل ایک سیمنار میں شرکت کرنے مری گئے ہیں۔''

''اچھا' تب ہی آپ آرہے ہیں۔''

''وہ مجھے تاکید کر گئے تھے اور پھر عثمان صاحب بھی ہر روز یاددہانی کرا دیتے ہیں کہ بے شک میں کھانا کھانا بھول جاؤں لیکن مسز احمد کو چیک کرنا نہ بھولوں۔''

''ماما کب ٹھیک ہوں گی؟'' تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''انشاء اللہ بہت جلد۔''

''مومو کو بھی کوئی دوا دے دیں۔''

''مومو!'' مریم نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا۔

''کیوں خیریت! انہیں کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں ڈاکٹر' پلیز اس کی بات پر دھیان نہ دیں۔ ویسے ہی کہہ رہا ہے۔''

''میں ویسے نہیں کہہ رہا۔ مومو بہت دنوں سے بیمار ہیں۔ یہ کسی کو بتاتی نہیں ہیں۔''

''ٹمپریچر رہتا ہے؟'' ڈاکٹر معید نے براہ راست اس سے پوچھا۔

''نہیں بالکل نہیں۔'' وہ نروس ہوگئی ''بس یوں ہی آج کل ذرا تھک جاتی ہوں تو مور نے سمجھا' بیمار ہوں۔''

''کیا کرتی ہیں جو تھک جاتی ہیں؟'' اب وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں' بس پڑھتی ہوں۔''

''صرف پڑھنے سے تھک جاتی ہیں۔ لائیں نبض دکھائیں ادھر۔'' اس نے ہاتھ آگے کیا۔ مریم بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ تب ہی ماما کے کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور میڈم نرگس تیزی سے باہر نکلیں اور پھر ڈاکٹر معید کو دیکھ کر زور سے چیخیں۔

''تھینک گاڈ ڈاکٹر معید! تم ابھی یہاں ہی ہو۔ میں تمہارے پیچھے کسی کو دوڑانے لگی تھی۔ جلدی چلو' زینی کی طبیعت اچانک بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔'' وہ بازو سے پکڑ کر ڈاکٹر معید کو کھینچنے لگیں۔

''مگر ابھی تو بھلی چنگی تھیں۔'' ڈاکٹر معید نے میڈم سے اپنے بازو چھڑا لیے اور ان کے ساتھ زینب عثمان کے بیڈروم میں چلے گئے۔ مریم اور تیمور وہیں کھڑے تھے۔

''کیا ہوا ہے ماما کو؟'' تیمور نے مریم سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔''

''وہ مرنے تو نہیں لگیں۔''

''خدانہ کرے۔'' مریم نے تیمور کا بازو پکڑا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ سامنے ہی بیڈ پر ماما بیٹھی تھیں اور زار و زار رو رہی تھیں۔ ڈاکٹر معید ان کا بازو ہلا رہے تھے۔

''کیا ہوا۔ کیا ہوا مسز احمد' پلیز کیا ہوگیا ہے آپ کو۔ بی ایزی ریلیکس ہوجائیں۔ پلیز۔''

چند لمحوں بعد زینب عثمان نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر ڈاکٹر معید کی طرف دیکھا اور اپنے بے حد خوبصورت ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے' ڈوب رہا ہے۔ پلیز ڈاکٹر کچھ کریں۔ سخت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

''آپ بالکل ٹھیک ہیں' مسز احمد۔ سب کچھ نارمل ہے۔ نبض بالکل ٹھیک ہے۔ بلڈ پریشر نارمل ہے۔ بس اب آپ بستر چھوڑ دیں اور میڈم پلیز' آپ نے ان کی تیمارداری کر کے انہیں مزید بیمار کر دیا ہے۔ انہیں معمول کے مطابق کام کرنے دیں۔''

''ڈاکٹر' میں نے انہیں بیمار نہیں کیا تم نے کیا ہے۔'' وہ بائیں آنکھ کا کونا دبا کر مسکرائیں۔

''میں نے۔'' ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا ''میں نے کیسے میڈم!''

''بھئی' تم صحیح طرح سے ان کا علاج جو نہیں کر رہے ہو۔''

''میڈم' علاج تو صحیح ہو رہا ہے۔ مسز احمد خود ہی ٹھیک ہونے کے موڈ میں نہیں ہیں۔''

''لو جانی' یہ سیب کھالو۔'' میڈم نے سیب کاٹ کر زینب عثمان احمد کی طرف بڑھایا ''اس سے دل کو تقویت ملے گی۔''

''میں کل آؤں تو آپ مجھے فریش ملیں گی مسز احمد!'' ڈاکٹر معید نے مضبوطی سے کہا اور تیمور کا ہاتھ تھامے خاموش کھڑی مریم کی طرف دیکھا ''پلیز' ریلیکسن کی ایک ٹیبلٹ ان کو دے دیں۔ وہاں سائیڈ ٹیبل پر پڑی ہوں گی اور کچھ دیر ان کے کمرے میں سکون ہو۔ کوئی شور نہ ہو۔''

لمحہ بھر کو اس کی نگاہیں مریم کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ بہت بے ریا سی' سادہ سی نظریں تھیں اس کی۔ زینب عثمان احمد نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''ڈاکٹر پلیز۔''

''جی۔'' وہ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ڈاکٹر پلیز۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ سیاہ لیس کی شرٹ کے اندر سے ان کا گورا بدن جھانک

رہا تھا۔

ڈاکٹر معید نے نظریں جھکا لیں ''ماما کتنی خوب صورت اور دلکش ہیں۔'' مریم نے سوچا۔

''پلیز ڈاکٹر کچھ کرو' نہیں تو میں مر جاؤں گی۔''

''کچھ نہیں ہوگا مسز احمد۔'' ڈاکٹر معید نے انہیں تسلی دی اور ان کا اٹھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور ہولے سے سہلایا ''ریلیکس پلیز۔''

مریم ریلیکسن لے کر پلٹی تو ڈاکٹر معید نے ماما کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ماما کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور چہرے پر ہلکی سی سرخی۔ اس نے میڈم نرگس کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے والے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ دھرے بیٹھی تھیں اور زور زور سے پاؤں ہلا رہی تھیں اور آنکھیں مٹکا رہی تھیں۔ اس عمر میں بھی ان کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور اس وقت مریم کو یہ چمک اور بھی زیادہ محسوس ہوئی۔ اس نے پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ زینب عثمان کی طرف بڑھائے۔

''ماما پلیز۔''

ڈاکٹر معید نے ایک دم ان کا ہاتھ چھوڑ دیا ''یہ لے لیں مسز احمد' ابھی پرسکون ہو جائیں گی۔''

''جی۔'' زینب عثمان احمد نے کسی معصوم بچے کی طرح اس کے ہاتھ سے پانی اور ٹیبلٹ لے لی۔

''بائے داوے' آپ کو پریشانی کیا ہے مسز احمد اگر آپ شیئر کرنا چاہیں تو۔''

مسز احمد کی نظریں قریب کھڑی مریم کی طرف اٹھیں اور ڈاکٹر معید نے بھی ان کی نظروں کے تعاقب میں مریم کی طرف دیکھا۔ اس کے رخسار ایک دم تپ گئے۔

''مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔''

زینب عثمان احمد کی نظریں مریم کے چہرے سے ہٹ کر ڈاکٹر معید کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

''مجھے خود سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ڈیپریشن کا سبب کیا ہے۔''

''کوئی نہ کوئی ریزن تو ہے نا مسز احمد!''

''نہیں کوئی خاص وجہ نہیں ہوتی' ڈاکٹر ہادی جانتے ہیں سب۔ بہت عرصے سے ایسا ہو جاتا ہے' جب موموچھ سال کی تھی تب سے۔''

''جب تک وجہ نہ تلاش کی جائے' علاج کیسے کیا جا سکتا ہے۔''

''پھر' پھر میں کیا کروں' مجھے خود نہیں پتا۔'' وہ پھر رونے لگیں۔

''پلیز۔ پلیز مسز احمد! اب مت روئیے اور سکون سے سو جائیے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں نہیں ڈاکٹر پلیز' ابھی مت جاؤ۔ رک جاؤ پلیز' نہیں تو میرا دل بند ہو جائے گا۔'' زینب عثمان نے ڈاکٹر معید کا ہاتھ تھام لیا۔

''مگر مسز احمد' وہاں کلینک میں مریض میرے منتظر ہوں گے اور آپ کو پتا ہے' انکل کتنے پکے ہیں اپنے مریضوں کے متعلق۔ یہ میرے راؤنڈ کا ٹائم ہے۔''

''نہیں پلیز مت جاؤ۔'' وہ پھر رونے لگیں۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ پلیز روئیں نہیں۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔''

اس نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر لٹا دیا اور کمبل ان پر ڈال دیا ''اب اچھے بچوں کی طرح آنکھیں بند کر کے سو جائیں۔ میں اور میڈم ادھر ہیں۔''

مریم جو خاموش کھڑی تھی' باہر جانے کے لیے مڑی تو میڈم نرگس نے جو بدستور ٹانگیں ہلا رہی تھیں اور آنکھیں چمکا رہی تھیں اسے روکا۔

''جانو' تم کہاں جا رہی ہو؟ کبھی اپنی ماما کو اور ہمیں بھی کمپنی دے دیا کرو۔''

ان کی بے حد چمکیلی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور چہرہ ایسے بچے کی طرح لگ رہا تھا جو دل ہی دل میں کوئی بات سوچ کر محظوظ ہو رہا ہو۔

''وہ آنٹی' دراصل میں نے تیمور سے پرامس کیا تھا کہ ابھی ہم واک کے لیے چلیں گے۔''

''چلی جانا کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھو۔''

''جی اچھا۔'' اس نے بے بسی سے میڈم نرگس کو دیکھا اور بیٹھ گئی۔ تیمور کو بھی اس نے پاس بٹھا لیا۔ وہ خاموشی سے زینب عثمان کو دیکھ رہا تھا۔

''مور ڈارلنگ' ادھر پاس آؤ میرے۔'' زینب عثمان نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

وہ اٹھ کر ان کے بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''جانی اپنی ماما کو کس کرو۔''

اس نے جھک کر اپنے ہونٹ ان کی پیشانی پر رکھ دیے۔

''ناراض ہو اپنی ماما سے؟''

''نو۔ آئی لو یو ماما۔''

''تو پھر میرے چاند! آپ میرے پاس کیوں نہیں آتے تھے؟''

''ماما' بجی کہتی تھی' آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ بے حد سنجیدہ اور مدبر لگ رہا تھا۔

''بیٹا اپنی ماما کے پاس بیٹھو' ان سے باتیں کرو' ان کا دل بہلاؤ' اپنی پیاری پیاری باتوں سے۔'' ڈاکٹر معید تیمور کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''جی اچھا۔'' وہ ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھا ''ماما آپ کا سر دباؤں؟''

''نہیں میری جان اتنے چھوٹے چھوٹے سے تو تمہارے ہاتھ ہیں۔''

''مگر آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے ناں۔ میں دبا دیتا ہوں۔''

''بہت کیوٹ بچہ ہے۔'' ڈاکٹر معید نے مڑ کر مریم کی طرف دیکھا جو بہت الجھی الجھی سی بیٹھی تھی۔

''جی۔'' اس نے چونک کر ڈاکٹر معید کی طرف دیکھا۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟''

''مومو۔'' زینب عثمان نے تیمور کے ہاتھ کو پیشانی سے ہٹا کر چومتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تم جاؤ دیکھو نینا اور عاشی کیا کر رہی ہیں' یہ ان کی پڑھائی کا وقت ہے۔ ان کا ٹیوٹر پتا نہیں آیا ہے یا نہیں۔ ایک تو یہ ٹیوٹر بھی روز ہی غائب ہو جاتے ہیں۔''

''نہیں جانو' تم اپنی ماما کے پاس بیٹھو ان کی طبیعت اپ سیٹ ہے اور زینی تم بے فکر رہو ٹیوٹر پڑھا رہا ہے انہیں۔ کافی دیر پہلے آیا تھا اور اب تو جانے والا ہی ہوگا۔'' میڈم نے مریم کو ہاتھ بڑھا کر اٹھتے اٹھتے بٹھا دیا۔

''یہ انکل عثمان کہیں نظر نہیں آ رہے' کل بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔'' ڈاکٹر معید بوریت محسوس کر رہا تھا۔

''اپنی اسٹڈی میں ہوں گے۔'' زینب عثمان نے بتایا۔

''اوہ' میں سمجھی کہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ حد ہوگئی بے پروائی کی اتنی تمہاری طبیعت خراب ہے اور یہ عثمان بھائی اسٹڈی میں گھسے بیٹھے ہیں۔ دیکھتی ہوں میں انہیں۔'' میڈم نرگس ایک دم کھڑی ہوگئیں۔

''آنٹی' میں پاپا کو بتاتی ہوں۔'' مریم باہر جانا چاہتی تھی' یکایک اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

''نہیں نہیں میں خود دیکھتی ہوں عثمان کو' کس قدر لاپرواہ ہوگئے ہیں وہ۔'' وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اس عمر میں بھی اتنی پھرتیلی تھیں وہ۔ مریم حیرت سے انہیں جاتے دیکھتی رہی۔ چند لمحوں بعد عثمان احمد گھبرائے ہوئے سے اندر داخل ہوئے۔

''کیا ہوا۔ کیا ہوا' زینی ڈیئر۔ صبح تو تم بہت بہتر تھیں۔''

زینب عثمان نے آنکھیں موند لیں۔

''مومو۔'' اچانک ان کی نظر مریم پر پڑی' ''تم نے کچھ کہا پھر ڈسٹرب کر دیا اپنی ماما کو۔ مت آیا کرو اپنی ماما کے کمرے میں۔ کیوں اپنی ماما کی زندگی کے پیچھے پڑی ہو۔ کیوں مارنا چاہتی ہو اسے۔ اسے کچھ ہوا تو میں بھی ساتھ ہی مر جاؤں گا اور تم......''

''پاپا! مومو نے ماما کو کچھ نہیں کہا۔ ماما تو خود ہی......'' تیمور نے ان کی بات کاٹتے ہوئے احتجاج کیا۔

ڈاکٹر معید کی حیران نظریں مریم پر آ کر ٹھہر گئیں۔ احساسِ توہین سے اس کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔

''موو' مت بولو بیچ میں۔'' بات ٹوکنے پر عثمان احمد نے الجھ کر تیمور کو دیکھا اور پھر مریم کی طرف متوجہ ہوگئے ''کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں مومو مت الجھا کرو اپنی ماما سے۔ کھو دو گی ایک دن اسے۔''

مریم نے سب کی طرف دیکھا' ایک دم اٹھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

❀❀❀

سکندر نے رضوانہ سے اپنے جذبوں کا اظہار کیا کیا تھا اسے یوں لگتا تھا جیسے کائنات میں رنگ ہی رنگ بکھر گئے ہوں۔ جیسے ہر شے خوش ہو۔ چاند' سورج' ستارے' پھول' کھیت سب اتنے خوبصورت اسے کبھی نہیں لگے تھے جتنے اب لگنے لگے تھے۔

کیا دنیا پہلے بھی اتنی ہی خوبصورت تھی۔

وہ حیران ہو کر سوچتا۔

کھیتوں سے باہر کھڑے ہو کر وہ دور تک پھیلے سرسوں کے پھولوں کو دیکھتا۔ یہ پیلا رنگ کتنا خوبصورت لگتا ہے اسے۔

حیرت ہے کہ اس نے آج تک ان خوب صورتیوں کو محسوس کیوں نہیں کیا تھا۔

لاہور سے رنگ پور تک کا سفر اس نے رضوانہ سے متعلق ہی سوچتے ہوئے گزارا تھا۔ پتا نہیں اب وہ کیسی ہوگئی ہوگی۔ شاید زیادہ بڑی اور سمجھ دار ہوگئی ہو حالانکہ چند ماہ پہلے ہی تو اس نے اسے دیکھا تھا لیکن اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بڑی مدت بعد گاؤں جا رہا ہو۔ جیسے وہ ایک طویل عرصے بعد اسے دیکھے گا۔ وہ اس سے کہے گا کہ وہ اسے بہت یاد کرتا رہا ہے اور یہ کہ وہ بہت اچھی ہے۔ ستر ہزار باتیں اس نے سوچ ڈالی تھیں کہ یوں کہے گا' یوں کہے گا اور وقت گزرنے کا اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ جب وہ قصبے کے ریلوے اسٹیشن پر اترا تو چونک پڑا۔

''ارے اتنی جلدی شہر آ گیا۔''

حالانکہ یہی سفر پہلے کتنا لمبا ہو جاتا تھا۔ کٹتا ہی نہیں تھا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھتا رہتا تھا۔ پہلو بدلتا رہتا تھا۔ اسے لاہور بہت دور لگتا تھا اور گھر آ کر وہ ضرور ماں جی سے کہتا۔ بہت لمبا سفر ہے ماں جی لیکن آج تو اسے ذرا سی بھی تھکان نہیں محسوس ہو رہی تھی اور وہ جب تانگے میں بیٹھا تھا تب بھی اسی کے متعلق سوچ رہا تھا اور اپنے دھیان میں اتنا مگن تھا کہ اس نے اوپر چھت پر کھڑی ماں جی کی طرف دیکھا تک نہیں' حالانکہ پہلے ہمیشہ تانگے سے اتر کر وہ اوپر اپنے گھر کی چھت کی طرف دیکھتا تھا اور پھر ماں جی کو منڈیر کے پاس دیکھ کر ہاتھ ہلاتا تھا اور پھر ماں جی اسے دیکھ کر مسکراتی تھیں اور پھر وہاں سے ہٹ جاتی تھیں کہ نیچے آ کر بیٹے کا استقبال کریں اور آج جب ماں جی نے آواز دی' تب وہ چونکا اور اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ماں جی منڈیر پر جھکی ہوئی تھیں۔

"پتر تو آ گیا ہے۔ بیمار تو نہیں ہے؟" انہوں نے چھت پر سے ہی آواز لگائی تھی۔

"نہ ماں جی۔" اس نے اوپر دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور کچھ دیر بعد ہی اس کے گھر کے گیٹ پر پہنچنے سے پہلے ہی ماں جی کنڈی کھول کر باہر گلی میں آ چکی تھیں۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے کاکے!" کبھی کبھی لاڈ میں آ کر وہ اسے یونہی کہتی تھی۔

"ہاں ماں جی! بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کو یہ وہم کیوں ہو رہا ہے؟"

"پتر میں نے تمہیں دو آوازیں دیں لیکن تم اپنے دھیان میں ہی مست تھے۔ میں نے سمجھا' کہیں طبیعت نہ خراب ہو۔"

"نہیں ماں جی وہ بس ایسے ہی اپنے پیپرز کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اب کے بہت دنوں بعد آیا ہے تو؟"

"ہاں' بابا نے کہا تھا نا کہ پیپر ہونے سے پہلے نہ آنا۔ وقت ضائع ہوگا۔"

"تیرے پیپرز کیسے ہوئے ہیں؟"

"بہت اچھے۔"

"اب تو ڈاکٹر بن جائے گا؟"

"نہیں ماں جی' ابھی تو اس کالج میں داخلہ لوں گا جہاں میں ڈاکٹری پڑھوں گا اور پھر ڈاکٹر بنوں گا۔"

اپنا بیگ برآمدے میں ہی پھینک کر وہ باورچی خانے میں آ گیا جہاں بھابو اس کے لیے گرم گرم پھلکے بنانے لگیں اور ساتھ ہی ساتھ اس سے ادھر ادھر کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ وہ ہوں ہاں کرتا رہا۔

"سکندر' کیا ابھی لاہور میں ہی ہے؟" بھابی نے چنگیر میں پھلکا رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نہ۔ نہ نہیں تو۔" وہ چونک پڑا۔

"سنا ہے' جو بندہ شہر جاتا ہے' اس کا پھر گاؤں آنے کو دل نہیں چاہتا۔ وہاں بڑی رونقیں ہوتی ہیں۔"

"نہیں تو۔ میں تو ایک ایک دن گن گن کر گزارتا ہوں۔ چاچا کیسے ہیں اور رضو۔ وہ......" بات کرتے کرتے وہ جھجک سا گیا' جیسے بھابو اس کے من کا چور پا لیں گی۔

"اچھا ہے اور رضو بھی ٹھیک ہے۔ چاچا صبح کام پر جاتے ہوئے اسے ادھر ہی چھوڑ جاتا ہے اور پھر شام کو لے جاتا ہے۔ دن بھر اکیلی کیسے رہے۔"

"ہاں' چاچا اچھا کرتا ہے۔" اس نے باہر نظر دوڑائی اور سوچا اگر وہ ادھر تھی تو پھر اب کہاں ہے۔ میری آواز سن کر باہر کیوں نہیں نکلی۔ شاید اندر کسی کمرے میں سوشور ہی ہو۔

"تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے چاچا اسے لے کر گیا ہے۔"

اوہ' اسے افسوس ہوا اگر قصبے میں کرم دین نے سواریوں کے انتظار میں دیر نہ کی ہوتی تو وہ رضوانہ کو

دیکھ سکتا تھا۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ رضوانہ اس کے گھر ہے تو وہ سواریوں کا انتظار نہ کرتا اور سالم تانگہ لے لیتا۔ اس نے جلدی جلدی تین چار لقمے لیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے' تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا سکندر!" بھابو کو حیرت ہوئی "قیمہ آلو تو تمہیں بہت پسند ہے۔"

"وہ دراصل راستے میں کچھ کھا لیا تھا' اب بھوک نہیں ہے۔"

"اچھا بیٹھ نا' کہاں چلا۔ چائے بناتی ہوں۔"

"نہیں بھابو' چائے کو بھی جی نہیں ہے۔ میں ذرا چاچا سے مل آؤں' بابا کو بھی دیکھتا ہوں' کیا خبر وہ چاچا کی طرف ہی گئے ہوں۔"

"نہیں' بابا تو کہہ کر گئے تھے کہ وہ ذرا چوہدری اشرف کی طرف جا رہے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں ذرا چاچا کو دیکھ آؤں۔"

"صبح چلے جانا اب آئے ہو تو رہو گے ہی ناں۔"

"ہاں' وہ تو ہے لیکن بس دل اداس ہو رہا ہے۔ پتا نہیں کیوں' وہ چاچی کے بعد اب ہی آیا ہوں ناں۔"

وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ رضوانہ اپنے گھر کے صحن میں ہی کھڑی مرغیوں کو دانہ ڈال رہی تھی۔

"رضوانہ!"

"ارے سکندر!" وہ خوشی سے چیخی "کب آئے ہو؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔"

اس کی پرشوق نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ کاجل بھری آنکھیں' گلابی صحت مند چہرہ' پیاری سی ناک میں دمکتی ہوئی لونگ وہ کتنی بے تحاشا خوبصورت تھی۔ اسے اپنی طرف یوں مسلسل دیکھتا پا کر رضوانہ کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

"تم ٹھیک تو رہی ہو نا۔"

"ہاں' ٹھیک ہوں۔"

"چاچا کیسے ہیں؟"

"ابا بھی ٹھیک ہیں۔ آج کچھ طبیعت گری گری سی لگتی ہے ان کی' کچھ ہلکا سا بخار ہو رہا ہے' اندر لیٹے ہیں۔"

"رضو! کون ہے؟" اندر سے چاچا کی آواز آئی۔

"ابا! سکندر آیا ہے۔"

"ارے پتر' اندر ہی آ جا۔ آج کچھ تھکن سی ہو گئی تھی' اندر لیٹا ہوں۔"

وہ رضوانہ کو ایک نظر دیکھتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ چاچا اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"چاچا کیسے ہو؟" وہ جھکا تو چاچا نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

"ٹھیک ہوں۔ تو سنا' تیرے پرچے ہو گئے؟"

"جی چاچا ہو گئے۔"

"پاس ہو جائے گا ناں۔"

"جی چاچا اور سنائیں کیسی گزر رہی ہے؟"

"کیا سناؤں پتر' گزر رہی ہے بھلی چنگی۔ مرد عورت کا بھی عجیب رشتہ ہوتا ہے۔ گھر میں ہوتی ہے تو بعض اوقات مرد کو دکھائی نہیں دیتی۔ چلی جاتی ہے تو ہر طرف وہی دکھائی دینے لگتی ہے۔ لگتا ہے' جیسے ابھی یہاں تھی اور ابھی وہاں۔ جیسے ہر طرف وہ ہی وہ ہو۔ تیری چاچی کے بغیر گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ جیسے صرف ایک اس کے جانے سے گھر خالی خالی ہو گیا ہے۔ رضوانہ ہوتی تو گھر میں گھسنے کو بھی جی نہ چاہتا۔"

"چاچا' آپ ہمارے گھر آ جائیں ناں تو سب مل جل کر رہ لیں گے۔"

"جھلا۔ کبھی اپنا گھر بھی کسی نے چھوڑا ہے۔ آدمی گھر سے ہی تو معتبر ہوتا ہے۔ اپنا گھر چھوڑ کر تو آدمی بے وقعت ہو جاتا ہے۔ تنکے سے بھی ہلکا۔ گھر آدمی کی بہت بڑی ٹیک ہوتے ہیں یار۔ تیری چاچی اللہ جنت نصیب کرے' کہتی تھی آدمی کے پاس اپنا گھر نہ ہوتا تو گلیوں کے ککھ سے بھی ہولا ہو جاتا ہے۔ تیری چاچی پڑھی لکھی نہیں تھی پر باتیں بڑی پڑھے لکھوں جیسی کرتی تھی یار۔"

"چاچا' آپ کو چاچی بہت یاد آتی ہے؟"

"ہاں یار' یاد تو بڑی آتی ہے۔ جب تھی تو مجھے دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ اب نہیں ہے تو چاروں طرف وہی دکھائی دیتی ہے۔ دراصل مرد جو ہوتا ہے ناں پتر' وہ جب عورت کو بیوی بنا کر گھر لا ڈالتا ہے ناں تو اسے خود سے دیکھتا ہی نہیں۔ عورت کو خود دکھنا پڑتا ہے اور جو تیری چاچی تھی ناں' اسے یہ فن آتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس نظر ہی نہیں آتی تھی۔ نہ بری نہ بھلی۔ دس سناتا تھا تو سن لیتی تھی۔ زندگی بھر کوئی فرمائش نہیں کی جنتی نے اور وہ اپنا آپ جتاتی نہیں تھی تو میں بھی نہیں دیکھتا تھا اسے۔" انہوں نے قمیص کی آستین سے آنکھیں پونچھیں۔

"چاچا!" سکندر نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا "چاچی تھیں ہی بہت اچھی۔"

"ہاں یار' میں نے ہی اس کی قدر نہیں کی۔" چاچا دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولا "ارے' میں بھی کن باتوں پڑ گیا ہوں۔ تجھ سے چائے پانی کا تو پوچھا ہی نہیں۔ تیری چاچی کو ہی ان باتوں کا خیال رہتا تھا۔ رضو تو ابھی بچی ہے۔" بات ختم کر کے انہوں نے رضوانہ کو آواز دی "رضو' رضو پتر! چائے بنا لے سکندر کے لیے۔"

"بنا رہی ہوں ابا!" رضوانہ نے کمرے میں جھانک کر بتایا اور پھر واپس چلی گئی۔

"نہیں۔ نہیں چاچا' مجھے چائے نہیں پینا۔ میرا جی بالکل نہیں چاہ رہا' ابھی کھانا کھا کر آیا ہوں۔ مجھے

چائے کی بالکل عادت نہیں ہے۔"

"ارے' شہر میں تو لوگ بہت چائے پیتے ہیں۔"

"مگر مجھے چائے زیادہ پسند نہیں ہے۔ میں منع کر دیتا ہوں رضو کو۔" وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔ رضی باورچی خانے میں پیڑی پر بیٹھی تھی۔ باورچی خانے کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اس نے آہستہ سے اسے بلایا۔

"رضی!"

"ارے' تم باہر کیوں آ گئے ہو سکندر! میں چائے بنا کر لا رہی ہوں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"رضی' چائے مت بناؤ۔ میں تو صرف تمہیں دیکھنے چلا آیا ہوں۔ بابا گھر پر نہیں تھے۔ آ کر انتظار کر رہے ہوں گے۔ میرا دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو' تمہیں دیکھنے کو۔"

رضوانہ نے مڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"پہلے تو تمہارا اس طرح کبھی مجھ سے ملنے کو جی نہیں چاہا۔ تم دو دو تین تین دن آتے ہی نہیں تھے ادھر۔"

"ہاں مگر پتا ہے رضی' اس بار میں نے تمہیں بہت یاد کیا ہے۔ رات کو جب بستر پر لیٹتا ہوں تو تمہاری شکل آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی۔ میں جب گیا تھا ناں تو تم رو رہی تھیں۔ تمہارے آنسو میرے دل پر گر رہے تھے۔ میرا جانے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں یہاں رہنا چاہتا تھا تاکہ تمہارا دکھ بٹا سکوں لیکن مجھے جانا تھا۔ میرا پڑھائی کا جو نقصان ہو رہا تھا۔ بابا اور چاچا نے کہا تھا' میں اب چلا جاؤں مگر میں نے وہاں تمہیں بہت یاد کیا۔ کیا تم نے بھی کبھی مجھے یاد کیا رضی؟"

"ہاں' میں تو سب کو ہی یاد کرتی ہوں سکندر' تمہیں بھی اور بھا نثار کو بھی۔ میرا کوئی بھائی بھی تو نہیں ہے۔ تم لوگ ہی تو ہمارا سب کچھ ہو۔ اماں بھی جب زندہ تھیں تو ہر وقت تمہاری اور بھا نثار کی باتیں کرتی رہتی تھیں' ابا بھی تمہیں بہت یاد کرتا ہے۔"

"رضی۔ رضی' میں تم سے شادی کروں گا۔ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

اس نے ایک دم کہہ دیا اور رضوانہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ایکا ایکی ہی اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے اور چہرے پر رنگ ہی رنگ بکھر گئے۔

"کرو گی ناں مجھ سے شادی؟"

اس نے پرشوق نظروں سے اس کے چہرے پر کھلتے رنگوں کو دیکھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔

"رضی۔ رضی' ادھر دیکھو ناں پلیز بتاؤ ناں۔" اس نے اصرار کیا لیکن رضی نے گھٹنوں سے سر نہیں اٹھایا "اچھا ٹھیک ہے' تم نہیں کرو گی تو پھر میں بھابو سے کہوں گا کہ وہ میری شادی منتوں سے کروا دے۔ ٹھیک ہے ناں۔"

"نہیں۔ نہیں۔" اس نے ایک دم گھبرا کر سر اٹھایا "میں کروں گی۔ میں کروں گی۔"

"کیا کروں گی؟" سکندر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"شادی۔" اس نے کہہ کر فوراً دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا تو وہ بے اختیار ہنس دیا۔ اسے یوں لگا جیسے چاروں طرف پھول ہی پھول کھل اٹھے ہوں اور وہ جو پچھلے کئی مہینوں سے اپنے دل پر بوجھ لیے پھر رہا تھا وہ بوجھ یک دم اتر گیا ہو۔

"اچھا ٹھیک ہے پھر میں تم سے ہی شادی کروں گا۔ منوں سے نہیں۔" اس کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی تھی "ویسے منوں بھی بری نہیں تھی، ہے ناں۔"

"نہیں، وہ بالکل بھی نہیں اچھی۔" اس نے ایک دم چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے "اتنا تو کالا رنگ ہے اس کا اور پھر اتنی لڑاکا بھی ہے۔"

"اچھا پھر تم ہی ٹھیک ہو۔"

"تم شہر جا کر بہت شرارتی ہو گئے ہو۔"

"پتا ہے رضی!" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا "اس سے پہلے میں نے کبھی تمہارے متعلق نہیں سوچا تھا لیکن اب جب میں نے سوچا تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں تم سے ہی شادی کروں گا اور تمہارے سوا کسی اور سے نہیں، چاہے آسمان سے حور اتر آئے۔"

اس کی آنکھیں یک دم برسنے لگی۔

"ارے!" وہ ایک دم نیچے بیٹھ گیا "روتی کیوں ہے جھلی۔ میں، کیا میں نے کوئی بری بات کہہ دی ہے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر کیوں رو رہی ہے؟"

"بس ایسے ہی دل بھر آیا ہے۔"

"دیکھ تو نہ رویا کر۔ میں تیرے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ تیرے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ پتا ہے، تیرے آنسوؤں نے ہی تو مجھے کتنے دن سونے نہیں دیا۔ بہت بے چین رکھا مجھے۔ اسی لیے تو میں تجھ سے شادی کروں گا کہ تجھے کبھی رونے نہ دوں۔ میں تجھے ہمیشہ خوش رکھوں گا رضی۔ ہمیشہ۔"

رضوانہ آنسو پونچھ کر مسکرا دی۔

"ہوں، بس ایسے ہی مسکراتی رہا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔"

وہ شرما گئی۔

"سنو، میں تمہارے لیے شہر سے چوڑیاں اور ایک سوٹ لایا ہوں۔ پتا نہیں تجھے پسند بھی آئیں گی یا نہیں۔"

"تم لائے ہو تو کیوں نہ پسند آئیں گی۔ اصل بات تو یہ ہوتی ہے کہ اسے کون لایا ہے۔"

"ارے واہ، تو چاچی کی طرح بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہے رضی۔ میں صبح تمہیں دوں گا۔ تم آؤ گی نا

گھر تو۔ ابھی تو میں بس ایسے ہی اٹھ کر آ گیا تھا۔ بابا سے بھی نہیں ملا۔ اب چاچا سے مل کر گھر جاؤں گا۔"

"اچھا!" رضی نے سر ہلا دیا اور وہ اندر چاچا کے پاس چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

اس روز جب وہ گھر واپس آیا تو بے حد خوش تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے پوری کائنات اس کی خوشی میں شریک ہو۔ اس کا دل چاہتا تھا، وہ رضوانہ کو دیکھتا رہے، اس سے باتیں کرتا رہے، اسے بتائے کہ اس نے اسے کتنا سوچا۔ کتنا مضطرب اور بے چین رہا لیکن یہ سب کہنے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں ہوتے تھے۔ وہ رضوانہ کو دیکھتا تھا، اسے سراہتا تھا لیکن اس سے کچھ کہنے کے لیے جتنے الفاظ اس نے اکٹھے کر رکھے ہوتے تھے وہ سب گم ہو جاتے تھے "رضوانہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اتنا ہی کہہ پاتا اور صرف اتنا کہنے سے ہی اس کے چہرے پر جو رنگ بکھر جاتے تھے، وہ دیکھنے والے ہوتے اور اگر وہ سب کچھ اسے بتائے جو سوچتا ہے تو پتا نہیں...... پتا نہیں اس کے چہرے پر کیسے رنگ اتریں۔

پتا نہیں، وہ کتنی خوب صورت لگنے لگے۔

وہ سوٹ اور چوڑیاں لے کر بہت خوش ہوئی تھی۔

کتنی معصوم اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں اس کی۔

اس نے چوڑیاں اور سوٹ بھابو، ماں جی، چاچا، بابا۔ سب کو دکھایا تھا اور وہ دل ہی دل میں سوچتا رہا تھا کہ یہ سب لوگ کیا کہیں گے کہ میں رضوانہ کے لیے سوٹ کیوں لایا ہوں لیکن کسی نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ بھابو نے کہا بھی تو صرف اتنا کہ تم نے اچھا کیا سکندر۔ رضو کو بہت خوشی ہوئی ہے۔ چاچی کے بعد وہ بہت اداس رہتی ہے۔

وہ صبح ہی ادھر آ جاتی تھی اور پھر اسے ادھر ادھر بھابو اور ماں جی کے ساتھ گھومتے پھرتے اور کام کرتے دیکھتا رہتا تھا۔ بظاہر برآمدے میں کرسی بچھائے کتاب سامنے رکھے وہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہتا لیکن اس کی نگاہیں رضوانہ کا تعاقب کرتی رہتی تھیں۔ جس دن چاچا گھر ہوتا اور رضوانہ ادھر نہ آتی تو وہ گھنٹوں چھت پر کھڑا رہتا کہ شاید وہ آتے جاتے اسے کہیں نظر آ جائے۔ وہ سوچتا تھا کہ اب کے لاہور میں وہ اسے زیادہ یاد آئے گی۔

پہلے اور طرح کی بے چینی تھی۔

اب اور طرح کا اضطراب ہوگا۔

وہ سوچتا۔

رضوانہ دنیا کی ساری لڑکیوں سے مختلف ہے۔

ان تمام لڑکیوں سے مختلف جن کو اس نے دیکھ رکھا تھا۔

محسن وقار کی جن لڑکیوں سے دوستی تھی۔
صبح صادق کی طرف جن لڑکیوں کے فون آتے تھے۔
رضوانہ ان سب سے الگ اور مختلف تھی۔
کوئی بھی رضوانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔
کتنی معصوم تھی۔
کتنا دلکش تھا اس کا حسن۔

ان ہی دنوں جب وہ رضوانہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا' صبح صادق اور محسن وقار اس کے گاؤں آ گئے۔

''یار بہت بور ہو رہے تھے۔'' صبح صادق نے بیگ برآمدے میں پھینکتے ہوئے کہا ''اور تو ہمیں دیکھ کر زیادہ حیران نہ ہو۔ ہم ایسے ہی بادشاہ لوگ ہیں۔ یوں ہی نوازتے ہیں۔ سوچا اس بار اپنے یار سکندر کو اپنی مہمان نوازی سے نوازتے ہیں۔ جتنے دن دل چاہے ہماری میزبانی کرو۔''

''نہیں میں حیران بالکل بھی نہیں ہوں۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے' تمہارا آنا۔ بہت خوشی ہوئی ہے۔ ہم سب تمہارے آنے سے بہت خوش ہیں۔ جتنے دن جی چاہے جی بھر کر رہو۔'' سکندر نے اسے گلے لگا لیا۔

''دراصل محسن کو اپنی فرینڈز بہت یاد آ رہی تھیں۔ بے چارا بہت اداس تھا۔ اپنی فرینڈز کو فون نمبر تو دے آیا تھا' لیکن یار' خرابی یہ ہوئی کہ فون کا سیٹ اس کے ابا کے کمرے میں ہے اور بے چاریاں جب بھی فون کرتی ہیں' ایک زوردار ''ہالو'' سن کر رکھ دیتی ہیں۔ ادھر محسن وقار کے دل پر سانپ لوٹ جاتے تھے۔ میں نے سوچا' چلو اپنے یار کا دل بہلا لائیں۔ اپنا سکندر بھی خوش ہو جائے گا۔''

''بہت اچھا کیا' بہت اچھا کیا تم نے یار۔'' سکندر ان کے آنے سے بہت خوش تھا۔

رات کو جب وہ تینوں سونے کے لیے لیٹے تو صبح صادق نے پوچھا ''یار تو نے اپنے دل کی بات کہہ دی؟'' سکندر مسکرایا۔

''یار' وہ تیرے چاچا کی بیٹی ہے۔ تجھے اس سے شادی کرنا ہے تو پھر یار' ابھی تمہیں اس سے کچھ نہیں کہنا چاہیے۔'' محسن وقار سنجیدہ تھا۔

''کیوں یار؟'' صبح صادق کو حیرت ہوئی ''اس میں کیا حرج ہے۔ کیا چاچا کی بیٹی کو پسند کرنا جرم ہے۔''

''نہیں یار' یہ بات نہیں ہے۔ یہ لڑکیاں بڑی بے وقوف ہوتی ہیں۔ لمحوں میں محل کھڑے کر لیتی ہیں۔ مرد تو پتھر ہوتا ہے اور لڑکیاں کانچ ہوتی ہیں۔ کرچی کرچی ہو جاتی ہیں۔''

''یہ' یہ اپنے یار محسن کو کیا ہو گیا ہے بھائی سکندر۔'' صبح صادق ہنسا ''یہ کیسی باتیں کر رہا ہے۔''

''یار سکندر۔'' محسن سکندر کی طرف متوجہ ہو گیا ''دیکھو یار اسے کوئی خواب مت دکھانا۔ پتا نہیں' آج

سے آٹھ یا سات سال بعد بھی تم اس کے لیے ایسا سوچ بھی سکو گے یا نہیں۔ مرے چاچا کی طرح نہ کرنا یار۔ کنیز پھپھو میرے ابا کی کزن تھیں اور چاچا کی منگیتر۔ سنا ہے چاچا نے کم عمری میں اس کی خاطر چاچا غلام علی کا سر پھاڑ دیا تھا۔ چاچا غلام علی بھی ابا کے کزن تھے۔ چاچا اور کنیز پھپھو کی انڈراسٹینڈنگ کا سب کو ہی پتا تھا اور پھر وہ چاچا کی منگیتر بھی تھی لیکن چاچا جب بڑے افسر بن گئے تو انہیں کنیز پھپھو زہر لگنے لگیں۔ ان کا خیال تھا کہ پھپھو کنیز اس فاسٹ زندگی میں ان کا ساتھ نہیں دے سکیں گی اور پھر پتا ہے' پھپھو کنیز نے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے صحن میں جو کنواں تھا' اس کی منڈیر ٹوٹی ہوئی تھی اور رات کے اندھیرے میں ان کا پاؤں پھسل گیا تھا لیکن میرے ابا جی کہتے ہیں کہ کنیز چاچا کی بے وفائی کو برداشت نہیں کر سکی تھی اور اس نے خود ہی کنویں میں چھلانگ لگائی تھی۔ یہ لڑکیاں بڑی معصوم ہوتی ہیں یار اگر تمہیں چاچا کی بیٹی سے شادی کرنا بھی ہے تو جب وقت آئے تو کر لینا ابھی اسے کچھ مت کہنا۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی مستقبل میں بڑا نام کماؤ گے' بڑے ڈاکٹر بنو گے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اپنی کزن ان فٹ لگنے لگے۔''

''میں ایسا نہیں ہوں محسن یار' مجھے اپنی نیچر کا پتا ہے۔ مجھے مصنوعی چیزیں متاثر نہیں کرتیں' میں دیہاتی آدمی ہوں۔ مجھے خالص چیزیں پسند ہیں اور یہ الٹرا ماڈرن لڑکیاں تمہاری جیسی وہ مجھے اٹریکٹ نہیں کر سکتیں۔ میں اندر سے بہت مختلف ہوں۔ میں کتنا بڑا آدمی بھی بن گیا۔ رضی کا مقام میرے دل میں بہت اونچا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں رضی کے علاوہ کسی اور کا تصور کروں۔'' سکندر نے اسے اطمینان دلایا۔

''پتا ہے سکندر یار' میں بہت چھوٹا سا تھا' جب پھپھو کنیز نے کنویں میں چھلانگ لگائی تھی لیکن میرے دل پر ان کی موت کا بہت اثر رہا۔ وہ مجھے کبھی کبھی جب چاچا گھر آتا تو پاس بلا کر چاچا کی باتیں پوچھتی تھیں۔ مجھے کہتی تھیں' تیرا چاچا کیسا لگ رہا ہے۔ خوش تھا' کیسے کپڑے پہنے تھے۔ تیری چاچی کیسی تھی۔ بس اسی کی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں...... اور پھر جب میں بتاتا کہ چاچا آج بہت خوش تھا' ہنس رہا تھا تو پھر وہ رو پڑتی تھیں۔ آنسو لڑیوں کی طرح ان کی آنکھوں سے بہتے تھے۔ یار پتا نہیں کیوں' آج تیری کزن کو دیکھ کر مجھے اپنی پھپھو کنیز یاد آ گئیں۔''

''چل چھوڑ یار' ہر بندہ تو تیرے چاچا جیسا نہیں ہوتا۔'' صبح صادق نے اسے ٹوک دیا ''ہاں' ایک بات بتا تو جو اتنی لڑکیوں سے چکر چلائے ہوئے ہے۔ تو کیا وہ معصوم اور نازک نہیں ہوتیں۔ کیا ان کا دل نہیں ٹوٹتا۔''

''نہیں یار' ہم کوئی محبت کا کھیل تھوڑا ہی کھیلتے ہیں۔ بس انجوائے منٹ' گپ شپ۔ ان لڑکیوں کو بھی پتا ہے کہ یہ بس ایسے ہی ہے۔ یار اگر ان ہی لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کے ساتھ میں سنجیدہ ہو جاؤں' اسے اپنی محبتوں کا یقین دلاؤں تو وہ لڑکی مجھ سے محبت کرنے لگے گی۔ اتنی شدید محبت جتنی پھپھو کنیز نے چاچا سے کی تھی۔ یہ لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ان کے دل ان کو بتا دیتے ہیں کہ یہ محبت ہے یا فلرٹ اور اس

کے بعد میں بے وفائی کر جاؤں تو اس کا دل بھی ایسے ہی ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح کرچی کرچی ہو جائے گا۔ جیسے پھپھو کنیز کا ہوا تھا۔ محبت یقین کا نام ہے اور یہ یقین ٹوٹ جائے تو بندہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔''

''یار' یہ محسن آج کچھ زیادہ ہی فلسفہ نہیں بول رہا۔'' صبح صادق نے سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ جو نہ جانے کیا سوچ رہا تھا' ایک دم چونک پڑا۔

''ہاں یار' کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ بندہ فلسفہ بولنے لگتا ہے۔''

''کیا اپنا محسن سچ مچ دل تو نہیں لگا بیٹھا؟''

''نہیں۔'' محسن ہنسا ''ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ بس وہ پھپھو کنیز یاد آ گئی تھیں۔ تو ذرا اداسی اتر آئی تھی دل میں۔ چل ذرا کارڈز نکال لا' تھوڑا کھیلتے ہیں۔''

صبح صادق اس کے بیگ سے کارڈز نکالنے چلا گیا اور سکندر سوچنے لگا ''کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی کسی سے اتنی شدید محبت کرتا ہو' جتنی میں رضوانہ سے کرنے لگا ہوں اور پھر بے وفائی کر جائے ناممکن۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ محسن کے چاچا نے کنیز سے محبت کی ہی نہیں ہو گی۔''

اس نے مطمئن ہو کر سوچا اور صبح صادق کے ہاتھ سے کارڈز لے کر پتے پھینٹنے لگا۔

❁❁❁

پروفیسر عادل گاؤں گئے تو ایک دو دن کے لیے تھے لیکن وہاں الجھ کر ہی رہ گئے تھے۔ وہ جتنی جلدی واپس جانا چاہتے تھے' اتنی ہی دیر ہو رہی تھی۔ انہیں مسرور کی بہت فکر تھی۔ آتے ہوئے وہ خدا بخش کو اس کا خیال رکھنے کو کہہ آئے تھے۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کافی تیز بخار تھا اور انہوں نے اسے منع کیا تھا کہ وہ اس حالت میں گاؤں نہ جائے۔ میں آ جاؤں گا تو تمہیں کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔ انہیں سچ مچ اس کی بہت فکر تھی ہفتے ڈیڑھ ہفتے بعد اسے پھر ٹمپریچر ہو جاتا تھا۔ کتنی دفعہ وہ اسے کہہ چکے تھے کہ وہ کسی اسپیشلسٹ کو دکھائے لیکن وہ دھیان ہی نہیں دیتا تھا۔ ایک گھریلو حالات نے اسے بہت اپ سیٹ کر کے رکھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں اسے گھنٹوں پریشان رکھتی تھیں۔

''یار مرد ہو' مردوں کی طرح سوچا کرو۔'' انہوں نے کتنی بار اسے سمجھایا تھا ''یہ کیا لڑکیوں کی طرح کڑھتے رہتے ہو۔ دنیا میں ایسے حادثات ہوتے ہیں اور آدمی برداشت کرتا ہے۔ اپنی تعلیم اور اپنے شوق کی طرف توجہ دو۔''

پتا نہیں کیوں' انہیں اس لڑکے سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا۔ بہت محبت محسوس کرتے تھے وہ اس کے لیے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ کچھ بن جائے اور یہاں آ کر وہ بری طرح پھنس گئے تھے۔ کامل کی طبیعت کافی خراب تھی اور وہ جو ماں جی نے انہیں بتایا تھا کہ اسے دورے پڑتے ہیں تو اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تو واقعی اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس بار وہ آئے تو وہ ان سے خفا تھا۔ پہلے جب وہ حویلی آتے

تھے تو وہ ان سے لپٹ جاتا تھا' ان کے ہاتھوں پر پیار کرتا تھا۔ بھائی بھائی کہہ کر تالیاں بجاتا اور خوشی کا اظہار کرتا لیکن اب کہ جب وہ ہاتھ وغیرہ لے کر اس کے کمرے میں گئے تو وہ اپنے بیڈ پر لیٹا سامنے دیوار کو گھور رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''کامی بیٹا کیسے ہو۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں اور کروٹ بدل لی۔ وہ اداس سے ہو کر باہر آ گئے اور کرم داد سے پوچھا۔

''کرم داد' یہ کامی نے کیا اب چپ سادھ لی ہے۔ کیا اس کی طبیعت اس وقت خراب ہے؟''

''نہیں اس وقت تو وہ ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے بہت خوش تھا لیکن آپ سے ناراضی کا اظہار کر رہا ہے۔ اتنے دنوں بعد جو آپ آئے ہیں۔''

''اوہ۔'' انہیں حیرت ہوئی کہ وہ ایسا سینس رکھتا ہے۔ وہ پلٹ کر اس کے کمرے میں چلے آئے اور پھر اس کو اپنے مضبوط بازوؤں میں لے کر اسے خوب پیار کیا۔ تب کہیں جا کر اس کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ وہ بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھ کر اس کی لایعنی اور بے معنی باتیں سنتے رہے تھے۔ کبھی وہ ان کی گھڑی پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرتا اور منہ سے آوازیں نکالتا کہ یہ اچھی ہے۔ کبھی کپڑوں پر ہاتھ پھیرتا۔ وہ اس کے پاس جتنی دیر تک بیٹھے' اندر ہی اندر ان کا دل گداز ہوتا رہا۔ آنسو ان کے اندر گرتے رہے' یہ ان کا بھائی تھا۔

انہیں بہت پیارا تھا۔

وہ چھوٹے سے تھے' تب سے وہ اس کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے لیکن کتنے بے بس تھے' کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کوئی خوشی اسے نہیں دے سکتے تھے۔

کتنا بڑا المیہ ہوتا ہے یہ بھی۔

ان سب کے لیے جن کو یہ سب دیکھنا پڑتا ہے۔

وہ کامل کے کمرے سے آئے تو بہت اداس اور افسردہ سے تھے۔ باہر کہیں جانے کے بجائے وہ ماں جی کے کمرے میں ہی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔

''کیا ہوا عادل پتر؟'' ماں جی انہیں یوں لیٹتے دیکھ کر پریشان ہو گئیں ''طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟''

''ہاں' ماں جی' بس کامی کا سوچ رہا تھا۔ جب بھی اسے دیکھتا ہوں نا تو دل میں کچھ ہونے لگتا ہے۔''

''میرا کلیجہ بھی ہر وقت کٹتا رہتا ہے' اسے دیکھ دیکھ کر۔ سوچتی ہوں' میں اس کی مجرم ہوں۔ یہ میری سزا ہے۔ اس کی نہیں' وہ تو نا سمجھ ہے۔ اسے تو کچھ خبر نہیں ہے۔ سزا تو ہمارے لیے ہے نا عادل پتر۔ میں چاہتی تھی کہ وہ دنیا میں نہ آئے لیکن وہ آ گیا کسی طرح۔'' وہ رونے لگیں تو عادل اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''اچھا ماں جی' حوصلہ کریں۔ پلیز' یہ قدرت کے امتحان ہیں اور اللہ میاں اپنے بندوں کا امتحان لیتا

ہے۔خدا سے دعا کیا کریں ماں جی کہ وہ آپ کو حوصلہ دے' ہمت دے۔"

"اللہ کا شکر ہے پتر۔ میں تو ہر وقت خدا سے ڈرتی رہتی ہوں۔شکر ادا کرتی رہتی ہوں اس کا۔تم ہونا میرا سہارا میرا آسرا' اللہ تمہیں زندگی دے۔"

"ماں جی' میں انشاء اللہ واپس جاتے ہی ڈاکٹروں سے مشورہ کروں گا اور کامل کو لے جاؤں گا۔اسے اپنے پاس رکھوں گا۔آپ اسے دیکھ کر پریشان ہوتی ہیں ناں۔آپ بھی ریلیکس ہو جائیں گی۔"

"نہیں پتر' تو کہاں رکھے گا اسے پھر مجھے اس کے بغیر چین کہاں آئے گا۔"

"مگر آپ ہی تو کہہ رہی تھیں کہ اسے کسی ادارے میں......"

"میں نے نہیں کہا تھا تیرا۔ چاچا کہہ رہا تھا۔" ماں جی نے اس کی بات کاٹ دی"میں نے تو صرف علاج کے لیے اسے لے جانے کو کہا تھا۔آج کل اس کو زیادہ دورے پڑنے لگے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ماں جی' جیسے آپ کہیں گی۔"

ایک دم ہی ان کے اندر تھکن سی اتر آئی تھی۔وہ آنکھیں موند کر پھر لیٹ گئے اور ابھی انہوں نے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ کامل کی چیخیں سن کر ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے باہر نکل آئے۔

"کیا ہوا' کیا ہوا کرم داد؟"

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں ہوا جی' بس وہ دورہ پڑ گیا ہے اسے۔"

ماں جی بھی ان کے پیچھے ہی آ گئی تھیں۔

"پتر تم جاؤ اندر کرم داد سنبھال لے گا اسے۔سفر کر کے آئے ہو تھکے ہوئے ہو۔جب دورہ پڑتا ہے تو یہ اسی بری طرح چیختا ہے۔روتا ہے۔کسی کے قابو میں نہیں آتا۔کرم داد ہی سنبھالتا ہے اسے۔"

انہوں نے اس سے پہلے اسے یوں چیختے چلاتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔وہ ابھی چھوٹا سا تھا کہ دادا نے اسے ایجوکیشن کے لیے باہر بھجوا دیا تھا۔باہر سے آ کر وہ زیادہ عرصے حویلی میں نہیں رہے تھے اور جتنا عرصہ رہے تھے انہوں نے کامل کو دورے پڑتے نہیں دیکھے تھے۔دادا ابا کے ساتھ ساتھ چلتا' ان کے ہاتھ پکڑ کر پیار کرتا ہوا' ہنستا ہوا کھیلتا ہوا ہی انہوں نے دیکھا تھا۔اتنی اذیت میں انہوں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔کتنی ہی دیر تک وہ اسے اپنے بازوؤں میں بھینچے بیٹھے رہے۔یہاں تک کہ وہ نڈھال ہو کر ان کے بازوؤں میں ہی سو گیا۔

"ماں جی' پہلے تو کامی کو یہ دورے نہیں پڑے تھے۔میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"ہاں بیٹا بس یہی کوئی چار چھ ماہ سے پڑنے لگے ہیں۔"

"تو آپ نے کسی ڈاکٹر کو دکھایا۔ مجھے فون کرتیں' میں کسی ڈاکٹر کو ساتھ لے آتا۔"

"پتر' تمہارے چاچا شہر سے ایک ڈاکٹر لائے تھے۔انہوں نے بتایا تھا کہ دماغی امراض کا ماہر ڈاکٹر ہے۔"

"پھر ڈاکٹر نے کیا کہا؟"

"یہی کہ اس طرح کے بچوں کو بعض اوقات دورے پڑنے لگتے ہیں' کسی بھی عمر میں اور پھر شدت اختیار کر جاتے ہیں۔"

"حیرت ہے ماں جی' آپ نے مجھے تو اطلاع کرنا تھی۔میں لاہور میں بھی کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر لیتا۔"

"تمہارے چاچا نے ہی منع کر دیا تھا کہ خواہ مخواہ تمہیں پریشان کرنے کا فائدہ۔"

"کمال ہے ماں جی' میں آپ کی یا کامی کی کسی بات سے پریشان نہیں ہوتا۔آپ دونوں ہی تو سب کچھ ہو میرے لیے۔آپ نہیں ہوں گی تو میں نہیں ہوں گا۔پلیز ماں جی مجھ سے اپنی پریشانیاں اپنی تکلیفیں نہ چھپایا کریں۔میری زندگی آپ دونوں کے کام آ جائے تو کچھ نہیں ہے ماں جی۔پلیز ماں جی!" ان کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا اچھا' ٹھیک ہے پتر!" انہوں نے جھک کر پروفیسر عادل کی پیشانی پر بوسہ دیا"چلو اٹھو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔اب یہ تین چار گھنٹے سوتا رہے گا۔"

پروفیسر عادل نے آہستگی سے کامل کا سر تکیے پر رکھا۔اسے کمبل اوڑھایا اور اس کی پیشانی پر پیار کر کے اپنے کمرے میں آ گئے۔اس رات انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ کامل کو ساتھ لے جائیں گے۔اسے علاج کی ضرورت تھی۔بہتر ٹریٹمنٹ سے اس کی تکلیف کم کی جا سکتی تھی۔

لیکن صبح اور ہی بکھیڑے ہو گئے تھے۔لوگوں کو جیسے ہی پتا چلا کہ وہ آئے ہوئے ہیں' وہ نہ جانے کیا کیا مسائل لے کر ان کے پاس آنے لگے تھے اور ان کے مسائل حل کرتے کرتے دو دن گزر گئے تھے اور وہ سخت جھنجلائے ہوئے تھے۔اس روز بھی ماں جی کے پاس آ کر بیٹھے ہی تھے کہ منشی نے آ کر کہا کہ اللہ دتا ملنے آیا ہے' اس کا بیٹا بھی ہے ساتھ۔

"منشی چاچا' آخر میاں چاچا ہیں' سلطان ہیں' یہ لوگ اپنے مسائل ان کے پاس لے کر کیوں نہیں جاتے۔میں یہاں صرف ایک دو دن کے لیے آیا ہوں اور وہ ایک دو دن میں ماں جی اور کامل کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹا' یہ لوگ تمہارے اپنے ہیں' اوکھے ہو کر تمہارے پاس ہی آئیں گے۔" ماں جی نے سمجھایا "جاؤ جا کر ان کے مسائل سنو اور حتیٰ الامکان حل کرنے کی کوشش کرو۔"

"مگر وہ چاچا تو ہیں نا یہاں۔" وہ کاہلی سے آرام کرسی پر آنکھیں موندے بیٹھے رہے۔

"بیٹا' بھائی صاحب تو اب دلچسپی کم ہی لیتے ہیں۔سب کچھ انہوں نے سلطان کے حوالے کر رکھا ہے اور سلطان کا تمہیں پتا ہے ناں۔اس کا مزاج اور طرح کا ہے۔بے چارے غریب مزارع ڈرتے ہیں اس سے۔چلو اٹھو' سن لو بات جا کر۔جو بندہ آس لے کر آتا ہے اسے مایوس نہیں کرنا چاہیے۔"

وہ بے دلی سے اٹھ کر باہر مردانے میں آئے۔

راجہ اللہ دتا انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی پگڑی ان کے پاؤں پر رکھ دی۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' انہوں نے جھک کر پگڑی اٹھالی ''بیٹھیں پلیز' آپ اور بتائیں کیا مسئلہ ہے؟''

''ہم جی آپ کے پردادا کے زمانے سے آپ کی زمینوں پر کام کر رہے ہیں اور اب جی وہ چوہدری صاحب نے ہمیں کہا ہے کہ ہم پنڈ چھوڑ کر چلے جائیں۔ وہ جی ہم کہاں جائیں۔ ہمارے باپ دادا کی ہڈیاں اسی زمین میں ہیں۔''

''لیکن کیوں؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا ''آخر چاچا جی نے ایسا کیوں کہا؟''

''وہ جی ملک صاحب نے نہیں چوہدری سلطان صاحب نے کہا ہے جی۔'' اللہ دتا کا بیٹا احسان اللہ ایک دم بیچ میں بول پڑا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ہاں لیکن سلطان نے کیوں کہا ہے' تم لوگوں کو گاؤں چھوڑنے کو۔''

''وہ جی دراصل بات یہ ہے جی کہ......'' احسان اللہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اللہ دتا نے اسے ٹوک دیا۔

''نہ جی' ہمیں کچھ نہیں پتا۔ بس جی' وہ پرسوں چوہدری صاحب نے ہمیں بلایا ہے اور کہا کہ کل سے ہم زمینوں پر کام نہ کریں اور ایک دو دن میں پنڈ بھی چھوڑ دیں۔''

پروفیسر عادل نے محسوس کیا تھا کہ اللہ دتا وجہ نہیں بتانا چاہتا' شاید وہ سلطان سے خوف زدہ ہے۔

''ٹھیک ہے' آپ لوگوں کو گاؤں چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ زمینوں پر بدستور کام کرتے رہیں۔ میں چاچا جی سے بات کر لوں گا۔''

وہ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے تو وہ پریشان ہو کر اندر آ گئے۔

''ماں جی' لوگ سلطان سے بہت خفا ہیں' بہت شکایتیں ہیں سلطان کی' آپ چاچا جی سے بات کریں نا۔''

''بیٹا تم خود بات کر لو اور پھر جب سے تم آئے ہو' گھر پر ہی ہو۔ چاچا سے مل بھی آؤ اور بات بھی کر لینا' ہاں ابھی کون آیا تھا۔''

''اللہ دتا تھا۔''

''کیا کہتا تھا' اللہ بخشے تمہارے دادا اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کوئی رقم وغیرہ کی تو ضرورت نہیں' جوان بیٹیاں ہیں' شادی وادی کے سلسلے میں تو مدد لینے نہیں آیا تھا۔''

''نہیں ماں جی۔''

پروفیسر عادل نے تفصیل بتائی اور ماں جی سے اجازت لے کر اسی وقت چاچا جی سے ملنے چلے آئے۔

❁ ❁ ❁

''آؤ آؤ پتر سنا تھا تم آئے ہو لیکن بس کچھ بکھیڑوں میں پڑا ہوا تھا' آ ہی نہیں سکا۔'' ملک عبدالرحمن نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تو وہ شرمندہ سے ہو گئے۔ اصولاً انہیں ملنے آنا چاہیے تھا۔

''چاچا جی' بس وہ میں بھی کامل کی وجہ سے پریشان تھا' گھر سے نہ نکل سکا۔ اسے میرے آتے ہی دورہ پڑ گیا تھا۔ بہت بری حالت ہو گئی تھی۔''

''ہاں پتر' اس کی حالت اب خراب ہی ہے۔ میں ڈاکٹر لایا تھا شہر سے' وہ کہتا تھا کہ ایسے بچوں کو اس عمر میں اس طرح کے دورے اچانک پڑنے لگتے ہیں پھر شدت اختیار کر جاتے ہیں' ایسے بچوں کی اوسط عمر بس یہی بیس اکیس سال ہوتی ہے۔ میں نے بھابی سے بات ہی نہیں کی کہ خوانخواہ پریشان ہوں گی۔''

''اچھا کیا آپ نے ورنہ ماں جی پریشان ہو جاتیں۔''

ان کے اپنے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں' کامل کو ساتھ لاہور لے جاؤں گا۔''

''بیٹا کہاں خوار ہو گے' ابا جان نے کہاں کہاں اسے نہیں دکھایا۔ کس ڈاکٹر کے پاس لے کر نہیں گئے۔ اس مرض کا کوئی علاج ہے۔''

''مگر چاچا جی تکلیف اور اذیت بہتر علاج سے کچھ کم تو کی جا سکتی ہے ناں۔''

''ہاں' کوشش کر دیکھو۔''

''یہ سلطان کہاں ہے؟''

''بیٹا شہر سے کچھ دوست آئے ہوئے تھے' ان کو ساتھ لے کر شکار کے لیے گیا ہے۔''

''چاچا جی' اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں۔''

''ہاں ہاں کہو' اپنی اولاد کی بات کا بھی کوئی برا مناتا ہے۔''

''چاچا جی' لوگ سلطان کی بہت شکایتیں کرتے ہیں۔''

''کیا شکایتیں کرتے ہیں پتر' جوان خون ہے' ذرا جلدی ابال آ جاتا ہے۔ میں سمجھا دوں گا اسے۔'' انہوں نے بے پروائی سے کہا۔

''وہ اس نے اللہ دتا کو منع کر دیا ہے زمینوں پر کام کرنے سے۔ کچھ پتا ہے آپ کو' کیوں؟''

''نہیں۔ مجھے تو نہیں معلوم۔ اللہ دتا تو بہت پرانا بندہ ہے۔ بڑا نمک خوار ہے حویلی کا۔''

''جی ماں جی بھی یہی کہہ رہی تھیں۔ دادا ان کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن سلطان شاہ نے اسے گاؤں چھوڑنے کو کہا ہے۔ بے چارے کہاں جائیں گے بنے بنائے گھر چھوڑ کر۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ انہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ وہ بدستور زمینوں پر کام کرتے رہیں۔''

''ٹھیک کیا تم نے پتر' میں سلطان کو سمجھا دوں گا۔''

چاچا جی' آپ اس سے ضرور کہیے گا کہ وہ ذرا نرم رویہ رکھے۔ بے چارے غریب مزارع انسان ہی ہوتے ہیں۔"

"پتر' تجھے نہیں پتا' انہیں ذرا کھینچ کر رکھنا پڑتا ہے۔ نہیں تو سر پر ہی چڑھ جائیں لیکن سلطان ذرا تیزی دکھاتا ہے۔ جلدی غصہ آجاتا ہے اسے اور اپنی ماں کی طرح غصے میں اسے پھر کچھ نہیں سوجھتا۔" وہ زور سے ہنسے تو عادل بھی مسکرا دیے۔

"اچھا چاچا جی' میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے "سلطان سے کہیے گا کہ حویلی آئے۔ بہت عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پچھلی بار بھی آیا تھا تو گھر پر نہیں تھا۔"

"ہاں ہاں' اسے بھیجوں گا حویلی اور تم کیا اپنی چاچی سے نہیں ملو گے؟ باہر باہر سے ہی جا رہے ہو۔ اندر چلو' میں بھی ابھی آتا ہوں۔ وہ نور خاں گیا ہے ملک سرفراز کو بلانے۔ ایک کام تھا اسے نبٹا کر آتا ہوں۔"

ان کا موڈ نہیں تھا اندر جانے کا۔ وہ حریم کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اس کی خاموش نگاہوں سے الجھن ہوتی تھی۔ وہ جب بھی آتے تھے' عجیب نظروں سے وہ انہیں دیکھتی تھی۔ اس کی نگاہیں سوال کرتی تھیں۔

التجا کرتی تھیں۔

ہزاروں سوال' ہزاروں التجائیں لپٹی ہوتی تھیں' اس کی خاموش نظروں میں لیکن اب اس طرح باہر مردانے سے ہو کر چلے جانا بھی مناسب نہیں تھا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے بے دلی سے اندر چلے آئے اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہے تھے کہ حریم سے ملاقات نہ ہو لیکن اندر قدم دھرتے ہی ان کی پہلی نظر حریم پر پڑی۔ وہ بال کھولے پیڑھی پر بیٹھی تھی اور شاید کوئی ملازمہ اس کے سر میں تیل لگا رہی تھی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام!" ان کی آواز سن کر وہ ایک دم کھڑی ہو گئی اور قریب پڑا دوپٹا اٹھا کر سر پر لے لیا "آپ کب آئے؟"

"دو تین دن ہو گئے ہیں' چاچی کہاں ہیں؟"

"ان کے سر میں درد تھا' سو رہی ہیں۔ میں جگاتی ہوں۔"

"نہیں نہیں' جگائیے نہیں' میں پھر مل لوں گا کسی دن۔" وہ جانے کے لیے پلٹے اور انہیں لگا جیسے حریم کی ملتجی نظریں ان کے قدموں سے لپٹ گئی ہوں۔

وہی کچھ کہتی ہوئی نظریں۔

سوال کرتی۔

التجا کرتی۔

جن سے وہ گھبراتے تھے۔

ان کا اٹھا ہوا قدم رک گیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔

حریم کی نظریں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر اس کے لب ہلے۔

"بیٹھ جائیں ناں' اب ایسی بھی کیا جلدی ہے' اماں جاگ جاتی ہیں۔ آپ چائے تو پئیں۔"

اس نے ملازمہ کو اشارہ کیا' وہ باہر چلی گئی۔

وہ بے بس سے ہو کر بیٹھ گئے۔ کئی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ ان کی نظروں کو خود پر مرکوز محسوس کر کے اندر ہی اندر الجھتے رہے اور پھر ایک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے حریم' آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں نے آپ کا کوئی نقصان کیا ہے یا جیسے آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہیں۔ آج پوچھ لیں' کیا پوچھنا ہے اور یہ بھی بتا دیں کہ کیا نقصان کیا ہے میں نے آپ کا؟"

"جی۔" حریم گھبرا گئی "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نے بھلا میرا کیا نقصان کرنا ہے اور مجھے بھلا آپ سے کیا پوچھنا ہے۔"

"حریم' یہ تو مجھے بھی نہیں پتا اسی لیے تو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ پر میں جب بھی آتا ہوں' مجھے لگتا ہے' جیسے تمہاری نظریں مجھ سے کوئی سوال کر رہی ہیں۔"

"نہیں' آپ کا وہم ہے۔ شاید......"

اب کے اس نے اعتماد سے کہا۔

"اچھا شاید ایسا ہی ہو لیکن حریم اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے' کچھ پوچھنا چاہتی ہو تو بلا جھجک پوچھ لو' کوئی گلہ ہے۔ مجھ سے تو وہ بھی بتا دو۔ میں کوشش کروں گا کہ میں تم کو مطمئن کر سکوں۔"

حریم کی نظریں جھک گئیں۔ اس نے پروفیسر عادل کی بات کا جواب نہیں دیا۔

یہ دادا جان کی خواہش تھی کہ عادل اور حریم کی شادی ہو جائے لیکن انہوں نے اس کا فیصلہ عادل پر چھوڑ دیا تھا کہ اگر عادل کی مرضی ہو تو ورنہ زبردستی نہ کی جائے۔ وہ حویلی میں ایک اور مظلوم کا اضافہ نہیں کرنا چاہتے اور عادل نے ان سے معذرت کر لی تھی۔

"دادا جان' میں فی الحال اپنے آپ کو اس ذمے داری کا اہل نہیں پاتا۔ حریم خوش شکل ہے۔ تھوڑی بہت پڑھی لکھی ہے۔ بظاہر اسے رد کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ چاچا عبدالرحمٰن کی بیٹی ہے لیکن دادا جان' اسے دیکھ کر کبھی بھی میرے دل میں اس کی رفاقت کی خواہش پیدا نہیں ہوئی۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے لا کر حویلی میں قید کروں اور اپنے وجود کی سچی ہمراہی کی کوئی خوشی اسے نہ دے سکوں۔"

اور دادا جان نے اس کے بعد اصرار نہ کیا اور عبدالرحمٰن سے کہہ دیا کہ وہ کسی اچھے خاندانی لڑکے کے ساتھ حریم کی شادی کر دیں کیونکہ عادل اور مزاج کا ہے۔ شہر میں رہتا ہے۔ پتا نہیں اس کی پسند ناپسند کیا ہے۔ کل کو حریم دکھی نہ ہو۔ سو بات ختم ہو گئی تھی لیکن چاچا عبدالرحمٰن نے ابھی تک حریم کا رشتہ طے نہیں کیا تھا اور پروفیسر عادل کو حریم کی نظریں سوال کرتی دکھائی دیتی تھیں۔ عجیب سی ٹینشن ہوتی تھی انہیں۔ کئی بار انہوں نے خلوص دل سے سوچا تھا کہ وہ حریم کو اپنا لیں۔ وہ ان کے چچا کی بیٹی ہے۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی بھی نہیں اور پھر دادا جان کی بھی اور شاید ماں جی کی بھی یہی خواہش ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دادا جان اور ماں جی دونوں میں سے کوئی بھی انہیں مجبور نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن باوجود کوشش کے وہ اپنے آپ کو اس کے لیے تیار نہ کر سکے۔ انہیں یوں لگتا تھا جیسے کہیں کوئی ہے' ان کا منتظر جس کی محبتوں کی لذت سے انہیں آشنا ہونا ہے۔ جیسے ایک گہرا جذبہ۔

پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر ڈالنے والا جذبہ۔

ان کے خون میں گردش کر رہا ہے۔

ابل رہا ہے۔

اور ایک دن اس جذبے کو باہر آنے کا راستہ مل جانا ہے۔

اور اگر انہوں نے خود کو پابند کر ڈالا تو وہ شاید یہ جذبہ پنپ نہ سکے' شاید انہیں خود اپنے ہاتھوں اس جذبے کا گلا گھونٹنا پڑے۔ اس لیے وہ حریم سے گھبراتے تھے۔

انہیں لگتا تھا جیسے انہیں بہت کڑی منزلیں سر کرنی ہیں۔

ایک بہت شدید جذبے کی کہانی رقم کرنی ہے۔

وہ محبتوں کے وجود کے منکر بھی نہیں تھے۔ انہیں لگتا تھا جیسے سچا جذبہ دنیا میں کہیں نہیں ہے اور وہ محبت کرنے کے لیے بے چین بھی تھے۔

ایک اضطراب تھا۔

ایک بے قراری سی تھی جو انہیں کہیں ٹھہرنے' کہیں رکنے نہیں دیتی تھی۔ حریم تو خیر ان کے چچا کی لڑکی تھی' ان کی زندگی میں اور بھی کئی لڑکیاں آئی تھیں۔ ان کی شخصیت کے سحر میں جکڑی ان کے آس پاس گردش کرتی رہی تھیں جیسے زمین سورج کے گرد اور چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے لیکن پتا نہیں کیوں انہیں کسی کی آنکھوں میں سچے جذبے کی وہ کرن نظر نہیں آئی تھی جس کے وہ متلاشی تھے۔ انہیں لگتا تھا جیسے یہ سب لڑکیاں کسی غرض کے تار سے بندھی ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ ان کے خون میں گردش کرتے اس جنونی جذبے نے انہیں ان کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا۔ جانے وہ کون تھا۔

اور کہاں تھا۔

لیکن دل کہتا تھا کہ کوئی ہے' یہیں اسی دنیا میں۔

اور کہیں نہ کہیں ملے گا۔

اور اسی موہوم انتظار میں وہ حریم سے دامن بچا رہے تھے۔

حریم نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔

''حریم۔'' انہوں نے بے حد آہستگی سے اسے دیکھا ''تم بہت اچھی ہو۔ تم کسی بھی شخص کی زندگی کا حسن بن سکتی ہو۔ اس کی زندگی میں رنگ بھر سکتی ہو۔ تم میں وہ سب کچھ ہے جو کسی بھی بہت اچھی لڑکی میں ہو سکتا ہے اور جس پر کوئی بھی مرد فخر کر سکتا ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں...... میں نے تمہیں رد نہیں کیا۔ تم اتنی خفگی سے مجھے مت دیکھا کرو حریم۔ میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔ جو میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ میں تمہیں دکھی نہیں کرنا چاہتا۔ میری رفاقت تمہیں کچھ نہیں دے گی۔ اگر میں نے انجانے میں تمہیں ہرٹ کیا ہے' دکھ پہنچایا ہے تو مجھے معاف کر دینا پلیز۔''

حریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''مجھے تو آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے اور نہ ہی آپ نے مجھے کوئی دکھ دیا ہے۔ میں تو۔ میں......'' اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سر جھکا لیا۔ آنکھوں میں ٹکے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ آئے۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

''رو نہیں پلیز' میرا مقصد تمہیں دکھ پہنچانا ہرگز نہیں تھا۔''

لیکن وہ روئے چلی جا رہی تھی اور پروفیسر عادل بے بسی سے اسے روتا دیکھ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

مریم سر جھکائے اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ آج اسے دیر ہو گئی تھی۔ مس مہرین نے اسے آفٹر ٹائم انہیں پریکٹیکل کروانے تھے۔ مس مہرین کئی دنوں سے چھٹی پر تھیں اس لیے آج انہوں نے آفٹر ٹائم روک لیا تھا۔ روشی نے اسے کہا تھا کہ وہ اسے ڈراپ کر دے گی لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

''نہیں میں وین میں چلی جاؤں گی۔''

''آج کل چاچا اسلم لینے نہیں آ رہے خیریت ہے؟''

''ہاں...... وہ دراصل اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں اور پاپا بزی ہوتے ہیں اس وقت۔''

''مگر موموتم کیسے...... کیسے جاتی ہو گی' وین یا بس میں۔ مشکل نہیں لگتا۔''

''اچھا لگتا ہے۔ زندگی کے تجربات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نئے نئے چہرے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ یوں بھی' ہمیں خود کو ہر طرح کی زندگی گزارنے کا عادی بنانا چاہیے۔ کون جانے کب حالات آدمی کو کس اسٹیج پر لے جائیں اور پھر یہ لوگ جو ویگنوں اور بسوں میں سفر کرتے ہیں' ہماری تمہاری طرح کے لوگ ہوتے

ہیں ناں۔''

''افوہ۔'' روشی ہنسی ''اتنے ذرا سے سفر میں کیا تجربات ہو جاتے ہیں بھلا فلاسفر صاحبہ۔''

''زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

روشی اسے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی اور اب وہ پچھتا رہی تھی کہ اس نے روشی کی آفر قبول کیوں نہیں کر لی تھی۔ کتنی ہی دیر ہو گئی تھی اسے یہاں کھڑے ہوئے۔ ایک دو بسیں آئی بھی تھیں لیکن ٹھہرے بغیر ہی گزر گئی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سب لوگ اسے ہی دیکھ رہے ہوں۔ اسی کی طرف اور دل ہی دل میں ہنس رہے ہوں۔ اس نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی دائیں طرف دو خواتین تھیلوں سے لدی پھندی کھڑی تھیں اور ایک شاپر سے مسلسل گنڈیریاں نکال کر چوس رہی تھیں۔

''پتا نہیں یہاں کے لوگوں کو کب شعور آئے گا۔''

وہ ذرا سا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ دور دور تک کسی بس یا ویگن کا نام و نشان نہیں تھا۔ لگتا تھا' جیسے آج سارے شہر کی بسیں اور ویگنیں ہڑتال پر ہوں۔ یہاں اسٹاپ پر کھڑے ہو کر اس طرح بس کا انتظار کرنا کس قدر مضحکہ خیز لگ رہا تھا اور یہ اس کی اپنی غلطی تھی۔ بھلا کیا ضرورت تھی اسے اسلم چاچا کو منع کرنے کی اور بھلا احتجاج کرنے کا یہ کیسا طریقہ ہے۔ کھانا وہ وہاں سے کھاتی ہے۔ رہتی اسی گھر میں ہے اور بس گاڑی استعمال نہیں کر رہی۔

''شاید میں بہت بے وقوف ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''شاید مجھے پتا نہیں ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''دو نمبر ہے...... دو نمبر ہے۔'' ایک دم اس کے اردگرد شور مچ گیا۔ دونوں خواتین اسے تقریباً دھکیلتی ہوئی سڑک کی طرف بھاگیں۔ ایک خاتون نے تو اس کا پاؤں اچھا خاصا کچل ڈالا۔ بس رکے بغیر چلی گئی۔ خواتین پھر واپس آ کر اطمینان سے گنڈیریاں چوسنے لگی تھیں۔ وہ گنڈیریاں چوستے ہوئے یوں اطمینان سے باتیں کر رہی تھیں جیسے اپنے اپنے مکان کی چھت پر کھڑی ہوں اور انہیں گھر جانے کی کوئی بے تابی نہ ہو۔

مریم نے ان کی باتیں سننے کی کوشش کی۔

''تم نے اچھا کیا آپا جو لڑ جھگڑ کر الگ ہو گئیں۔ سسرال والوں کے ساتھ رہنا تو نرا عذاب ہے۔ صبح سے شام ہو جاتی ہے اور کام ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔ کبھی نند کی سہیلیاں آ جاتی ہیں' کبھی دیوروں کے دوست آ دھمکتے ہیں۔ آرام کا تو وقت ہی نہیں ملتا۔ آج بھی تم نہ آتیں تو کہاں نکل سکتی تھیں۔ گرمیاں گزر جاتی ہیں تو گرمیوں کے کپڑے خریدے جاتے ہیں۔ ساری سردیاں ''ٹھر ٹھر'' کرتے ہیں اور گرمیوں میں سردیوں کی خریداری کی جاتی ہے۔''

مریم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ تب ہی گنڈیری کا ایک چھلکا اس کے کندھے پر آ کر گرا۔ وہ غیر اختیاری طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''ایک تو مجھے گندگی سے سخت چڑ ہے۔'' خاتون کہہ رہی تھیں ''صبح سے شام ہو جاتی ہے گھر کی صفائی کرتے۔ ایک ایک کونا چمکا کر رکھتی ہوں۔''

مریم نے اپنے آس پاس گنڈیریوں کے چھلکوں کو دیکھا۔

''گھروں کو صاف رکھنے والے گلیوں اور بازاروں میں کتنی بے دردی سے گندگی پھیلاتے ہیں۔''

''پڑھتی ہو......؟'' خاتون نے اچانک اس کی طرف رخ موڑ لیا۔

''جی......'' مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اتنی دیر سے چھٹی ہوتی ہے کیا۔''

''جی......جی......'' مریم گھبرا گئی۔

خاتون اس کا جواب سنے بغیر اپنے ساز و سامان کے ساتھ سڑک کی طرف لپکی۔

''اوہ۔ وین آ گئی۔'' مریم نے بھی ایک قدم آگے بڑھایا لیکن پھر وہیں رک گئی۔ دونوں خواتین مع اپنے ساز و سامان کے وین پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھیں اور وین چلی گئی تھی۔

اسٹاپ پر دو ادھیڑ عمر مرد' دو پندرہ' سولہ سال کے لڑکے اور ایک خاتون جو ابھی ابھی آئی تھیں رہ گئے تھے۔ لمحہ بھر کو اس نے سوچا کہ وہ رکشا کر لے مگر پھر ایک نامعلوم سے خوف نے اس کے وجود کو اپنے ہالے میں لے لیا۔ وہ کبھی اکیلی اس طرح رکشے میں نہیں بیٹھی تھی...... پتا نہیں کیسا آدمی ہو اور ماما کہتی تھیں' اس کے اندر سارے متوسط طبقے والے خوف ہیں۔ اگر اس کی جگہ یہاں میڈم نرگس کی بیٹی ہوتی لالہ تو کب کی رکشا کر کے گھر پہنچ چکی ہوتی۔

لالہ بڑی بولڈ لڑکی تھی اور اسے لالہ کی بولڈنیس بہت پسند تھی۔

پہلی بار لالہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع اسے میڈم نرگس کے بیٹے کی شادی پر ملا تھا۔ ماما کی وجہ سے وہ مجبوراً مہندی کے فنکشن میں گئی تھی لیکن پھر لالہ سے بات کر کے اس کی بوریت ختم ہو گئی تھی۔ لالہ بہت مزے کی باتیں کرتی تھی اور اسے بہت اچھی لگی تھی۔ میڈم نرگس سے بالکل مختلف۔

''کب سے کھڑی ہو؟'' نئی آنے والی خاتون نے پوچھا۔

موٹے موٹے شیشوں والی عینک لگائے تھکی تھکی سی خاتون یقیناً کہیں جاب کرتی تھی۔

مریم نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''کافی دیر ہو گئی ہے' بس ایک وین آئی ہے اور سب دوڑ کر چڑھ گئے۔ اس سے پہلے دو بسیں آئی تھیں۔ ٹھہرے بغیر ہی چلی گئیں۔''

''اس روٹ پر یہاں سے اس وقت بس یا وین ملنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں تو عموماً پچھلے اسٹاپ پر جاتی ہوں۔ آج ویسے ہی ادھر آ گئی تھی۔ یہاں کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ وہاں ہی چلیں۔''

''جی۔'' مریم اس کے ساتھ چل پڑی۔

''روز یہاں سے ہی بیٹھتی ہو؟''

''نہیں تو وہ دراصل آج ڈرائیور لینے نہیں آیا تھا۔''

''اچھا...... تمہارے ڈیڈی کیا کرتے ہیں؟''

خاتون کافی باتونی تھیں اور ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مسلسل سوال کر رہی تھیں۔

''کون سے کالج میں پڑھتی ہو؟'' انہوں نے ایک جگہ رکتے ہوئے سوال کیا۔

''جی وہ......''

تب ہی ایک گاڑی ان کے پاس آ کر رکی اور اندر سے ڈاکٹر معید نے سر نکالا۔

''مس احمد...... یہاں کہاں؟''

''وہ ذرا اگلے اسٹاپ تک جا رہے ہیں۔''

''اوہ آیئے' میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔''

''نہیں...... نو تھینکس' پلیز۔ آپ جائیں' ابھی وین مل جائے گی۔''

''کم آن مس احمد۔ میں آپ ہی کی طرف جا رہا تھا۔''

''کیوں خیریت۔ ماما تو ٹھیک ہیں ناں؟'' وہ پریشان ہو گئی ''صبح تو ماما ٹھیک ٹھاک تھیں۔''

''ہاں خیریت ہے' بہت دن ہو گئے تھے' سوچا آپ کی ماما کی خیریت دریافت کر لی جائے۔ کہیں پھر تو ڈیپریشن نہیں ہو گیا۔ آیئے۔'' اس نے مڑ کر ورکنگ وومین کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تمسخر تھا۔

''ہاں ہاں جاؤ بی بی۔'' اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر خاتون نے کہا۔

''وہ دراصل یہ ڈاکٹر معید ہیں۔ ہماری فیملی ڈاکٹر ہیں نا...... ڈاکٹر عاصم ہادی۔ 'عاصم اسپتال' نام تو سنا ہو گا نا...... ان کے بھتیجے ہیں...... میری ماما بیمار تھیں نا' ان کو دیکھنے آتے ہیں...... وہ انکل ہادی نہیں تھے یہاں اس لیے۔''

اس کی آنکھوں میں جھانکتے تمسخر کو شاید مریم نے بھانپ لیا تھا۔ اس لیے گھبرا کر تعارف کروا دیا۔

خاتون نے سر ہلایا لیکن اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور تمسخر بدستور موجود تھا۔ جیسے اسے اس کی بات کا یقین نہ ہو۔

''کم آن مس احمد۔'' ڈاکٹر معید نے آواز دی۔ تو ایک نظر خاتون پر ڈال کر وہ جلدی سے دروازہ کھول کی بیٹھ گئی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر معید نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔

''فائن۔''

''آر یو شیور؟'' ڈاکٹر معید مسکرائے۔

''یس۔''

''مگر مجھے تو آپ بیمار لگ رہی ہیں۔''

''نہیں بالکل بھی نہیں' بس ذرا تھکاوٹ ہو گئی تھی۔'' اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

اس روز کے بعد سے ڈاکٹر معید سے سامنا نہیں ہوا تھا حالانکہ ڈاکٹر معید تقریباً روز ہی وزٹ کرتے تھے۔ انکل ہادی کے آنے کے بعد بھی وہی آتے رہے تھے لیکن وہ تو کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی۔ اس روز کس قدر شرمندگی ہوئی تھی اسے۔ پتا نہیں کیا سوچا ہو گا ڈاکٹر معید نے اس کے متعلق کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ جو اپنی ماما کی بیماری کا باعث بنی ہوئی ہے۔

جانے کیا حرکت کی ہے اس نے۔ ڈاکٹر معید نے سوچا تو ہو گا۔

اور نہ جانے کیا کیا اندازے لگائے ہوں گے۔

پاپا بھی تو بعض اوقات حد کرتے ہیں۔ کم از کم وہ اتنا تو سوچ لیتے کہ ڈاکٹر معید ایک اجنبی آدمی ہیں۔

لیکن پاپا شاید ماما سے متعلق بہت حساس تھے۔ ان کی ذرا سی بیماری پر پریشان ہو جاتے تھے۔

خدا کا شکر تھا کہ ماما اب ٹھیک تھیں اور وہ دو تین دن سے اپنے آفس بھی جا رہی تھیں۔

شکر ہے' گھر میں سکون ہو گیا تھا۔

''مس احمد۔'' ڈاکٹر معید نے آئینے میں اسے دیکھا۔

''جی......'' وہ چونکی۔

''آپ سے ایک ذاتی سا سوال کر سکتا ہوں؟''

''جی۔''

''کیا مسز عثمان آپ کی اسٹیپ مدر ہیں؟''

''نہیں۔'' مریم کو حیرت ہوئی ''وہ میری اپنی ماما ہیں' سگی۔''

''سوری۔ آپ کو شاید برا لگا۔''

''نہیں بلکہ حیرت ہوئی کہ آپ نے یہ کیوں پوچھا ہے؟''

''وہ دراصل......'' ڈاکٹر معید خاموش ہو گئے اور وہ اندر ہی اندر شرمندہ سی ہو گئی۔

یقیناً اس روز پاپا کی بات سے ڈاکٹر معید نے یہ اندازہ لگایا ہو گا۔ شرمندگی سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے بہ مشکل اپنے آنسوؤں کو باہر نکلنے سے روکا۔ یہ آنسو ہمیشہ بے وقت ہی آتے تھے۔ جب

ان کی ضرورت ہوتی تھی تو آنکھیں خشک صحرا بن جاتی تھیں اور جب ضرورت نہیں ہوتی تھی تو دریا امڈ پڑتے تھے۔ اس روز اس کا کتنا دل چاہا تھا کہ وہ پاپا سے لڑے جھگڑے' گلے شکوے کرے اور انہیں بتائے کہ ان کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہے اور ماما کے ساتھ ساتھ وہ بھی اسے اگنور کر رہے ہیں۔ بری طرح سے وہ چیخیں مار مار کر روئے لیکن جب وہ پاپا کی اسٹڈی میں گئی تو ایک آنسو بھی اس کی آنکھ میں نہ آسکا بلکہ آنسوؤں کے ساتھ وہ الفاظ بھی بغاوت کر گئے۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے پاپا کی باتیں سنتی رہی اور پاپا اسے سمجھاتے رہے کہ وہ گھر کی بڑی بیٹی ہے اور اسے اپنی ماما کا خیال رکھنا چاہیے' نہ کہ ماما کو تنگ کرنا چاہیے۔

وہ پاپا کو بتانا چاہتی تھی کہ اس نے ماما کو کبھی تنگ نہیں کیا اور یہ کہ وہ ماما سے بہت محبت کرتی ہے لیکن کچھ باتیں جن پر وہ ماما سے کمپرومائز نہیں کر سکتی۔

شاید اس کے اندر بقول ماما کے کسی متوسط طبقے کی لڑکی کی روح سما گئی ہے لیکن وہ کچھ بھی نہ بتا سکی۔ کچھ بھی تو نہ کہہ سکی تھی اور چپ چاپ سر جھکائے اپنے کمرے میں آگئی تھی اور اپنے کمرے میں آتے ہی جیسے آنکھوں سے دریا ابل پڑے تھے اور کیا تھا' یہ آنسو اگر پاپا کے سامنے آجاتے۔ پاپا کو بھی پتا چلتا کہ وہ بھی ہرٹ ہوتی ہے اور اب...... اب جبکہ وہ رونا نہیں چاہتی تھی تو آنسو امڈ کر آرہے تھے۔

''مس احمد' اینی پرابلم؟''

''نو...... نو سر۔'' اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ڈاکٹر معید نے ڈرائیو کرتے کرتے ایک نظر مڑ کر اسے دیکھا۔

''مس احمد۔''

''جی۔''

''کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟''

''نہیں سر' مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل اچھی ہوں۔''

''ایز یو وش مسز احمد۔''

باقی راستہ خاموشی سے کٹا۔ ڈاکٹر معید کبھی کبھی اسے نظر اٹھا کر...... دیکھ لیتے تھے لیکن وہ نظریں جھکائے اپنی فائل پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ گیٹ کھلا تھا۔ معید گاڑی سیدھی اندر لے گئے۔

ماما فیروزی سلک ساڑھی میں سجی سنوری پورچ میں کھڑی تھیں۔ ڈاکٹر معید کی گاڑی سے اسے اترتے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

''ہیلو مسز عثمان کیسی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر معید نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا لیکن وہ مریم کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر معید نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔

''میں ادھر ہی آرہا تھا' راستے میں مس احمد نظر آگئیں' اسٹاپ پر۔ میں نے کہا چلیے میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔''

''اوہ ہاں تھینک یو ڈاکٹر معید۔ یہ آپ نے اچھا کیا۔ دراصل مو موضدی بہت ہے۔ آج کل اسے یہ

نیا شوق چرایا ہے بس اور ویگن میں سفر کرنے کا۔ شاید اس کی فرینڈز ہوتی ہیں اس کے ساتھ' انہی کے کہنے پر ایسا کر رہی ہے۔''

مریم نے ان کی پوری بات نہیں سنی تھی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔

''آپ شاید کہیں جا رہی تھیں۔'' ڈاکٹر معید نے ان کے سراپے پر نظر ڈالی۔

''اوہ نہیں۔ میں تو نرگس کو خدا حافظ کہنے آئی تھی۔ آئیں بیٹھیں۔''

''آپ کی خیریت ہی پوچھنا تھی۔ آپ ماشاء اللہ بہت فریش لگ رہی ہیں۔ میں چلتا ہوں اب۔''

''ارے نہیں ڈاکٹر معید' آیئے...... اب آئے ہیں تو بیٹھیے۔ چائے پی کر جایئے گا۔''

''عثمان صاحب کیسے ہیں؟'' ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈاکٹر معید نے پوچھا۔

''ہمیشہ کی طرح۔'' مسز عثمان اس کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

''گھر پر ہی ہیں کیا؟''

''ہاں گھر پر ہی ہیں۔ انہیں کہاں جانا ہے۔''

''کیوں' کیا ان کی کوئی سوشل ایکٹی ویٹیز نہیں ہیں کیا؟''

''ہاں' ہیں تو لیکن کم...... دراصل جب سے انہوں نے بزنس ختم کیا ہے تو تقریباً فارغ ہی رہتے ہیں۔ میں نے تو کہا بھی ہے کہ کوئی نیا بزنس شروع کر دیں۔ ایسے فارغ بیٹھے بیٹھے تو زنگ لگنے لگتا ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ بزنس کی انہیں کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ زمینوں سے اتنا آجاتا ہے کہ گزر ہو رہی ہے۔ بزنس تو خوامخواہ کا رسک ہی ہے۔''

''زندگی میں رسک تو لینے ہی پڑتے ہیں مسز عثمان۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔'' انہوں نے کہا اور ڈاکٹر معید کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئیں اور وہیں سے صفو کو آواز دی کہ وہ چائے بنائے۔ مریم نے ڈاکٹر معید کو ماما کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور عاشی کے کمرے میں چلی گئی۔ عاشی نینا کو ہوم ورک کروا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔

''بجو آج آپ نے دیر کر دی۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا۔''

''کیوں؟'' وہ مسکرائی ''بھلا اس میں ڈرنے کی کیا بات تھی۔ دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ کبھی پہلے بھی ہو جاتی تھی۔''

''مگر پہلے تو چاچا اسلم جاتے تھے نا لینے۔ بجو آپ گاڑی پر کیوں نہیں آتی ہیں۔''

''ویسے ہی عاشو جان۔'' وہ فائل اور کتاب نینا کے بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہیں اس کے بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔

''مور کہاں ہے؟''

''سو رہا ہے۔'' عاشی نے بتایا اور غور سے مریم کو دیکھا۔

''بجو آپ خفا ہیں ماما سے اور پاپا سے؟''

اس کا دل چاہا' وہ کہہ دے' ہاں وہ سب سے خفا ہے۔ ماما سے اور پاپا سے۔ ساری دنیا سے' لیکن وہ مسکرائی۔

''عاشی ڈیر...... میں تو کسی سے بھی خفا نہیں ہوں۔''

''ماما کہہ رہی تھیں۔''

''کیا؟'' اس نے چونک کر اس کی بات کاٹی ''کیا کہہ رہی تھیں ماما؟''

''میں نے ماما سے کہا تھا کہ دیر ہو گئی ہے آج شاید بجو کو۔ وین نہیں ملی چاچا کو بھیج دیتے ہیں لیکن ماما نے کہا کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کھانے دو اسے کچھ دن دھکے۔ آپ ماما سے خفا ہیں ناں۔''

''نہیں گڑیا۔'' اس نے ہولے سے گڑیا کا ہاتھ تھپتھپایا ''میں ماما سے خفا نہیں ہوں' وہ مجھ سے خفا ہیں لیکن ڈونٹ وری' میں ان سے سوری کر لوں گی۔ ذرا ان کا غصہ اتر جائے نا پھر۔''

''رئیلی بجو۔''

''ہوں رئیلی۔'' وہ مسکرائی۔

عاشی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''عاشی آئی لو ماما۔''

''میں جانتی ہوں۔''

''ہماری ماما تو بہت پیاری ہیں۔''

نینا نے ہوم ورک کرتے کرتے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا' میری ساری فرینڈز کہتی ہیں' نینا کی ماما بہت پیاری ہیں......''

''اچھا......'' مریم نے اس کے رخسار پر پیار کیا ''اور کیا کہتی ہیں تمہاری فرینڈز؟''

''وہ کہتی ہیں تمہاری بجو بھی خوبصورت ہیں مگر عاشی زیادہ خوبصورت ہے۔''

عاشی کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔

''وہ تو ہے۔'' مریم نے محبت میں عاشی کے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''ہاں' وہ تو ڈاکٹر معید بھی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ تمہاری عاشی آپی بہت پیاری ہیں۔''

عاشی مزید سرخ پڑ گئی۔

''بھئی جو پیارا ہو گا اسے پیارا ہی کہا جائے گا نا۔ ہماری نینا بھی تو بہت پیاری ہے۔''

مریم ہلکے پھلکے موڈ میں دونوں سے باتیں کرتی رہی۔ ماما کی بیماری اور خود اپنی ہی الجھنوں میں الجھ کر وہ

ان تینوں کو وقت نہیں دے پا رہی تھی اور اسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ وہ تینوں اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہیں' خصوصاً مور اور آج مس مہرین نے کلاس میں کہا تھا کہ انسان کو صرف اپنے لیے ہی تو نہیں جینا ہوتا ہے اس کے ارد گرد بھی بہت سے لوگ ہوتے ہیں اور اسے ان کے لیے بھی جینا ہوتا ہے۔ وہ انسان ہی کیا جو صرف اپنے لیے سوچے اور اپنے لیے جیے۔

مس مہرین کی باتیں اسے ہمیشہ اٹریکٹ کرتی تھیں اور وہ ان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش بھی کرتی تھی۔ اس نے کالج میں ہی سوچ لیا تھا کہ وہ آج تینوں سے خوب باتیں کرے گی۔ ان سے کلاس فیلوز کا' کلاس ٹیچرز کا پوچھے گی پھر وہ ان کے ساتھ کھیلے گی۔

''تو اور کیا۔''

نینا نے اپنی کاپی بند کی اور اسے بیگ میں رکھتے ہوئے عاشی کی طرف مسکرا کے دیکھا۔

''انکل شجی بھی تو کہتے ہیں' عاشی بہت پیاری ہے۔'' وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''کب...... کب کہا انہوں نے تم سے یہ؟''

''اس روز نہیں کہا تھا انہوں نے' جب میں اور عاشی لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کیوں آپی کہا تھا نا انہوں نے۔''

''ہاں' شاید کہا ہو۔'' عاشی کو کچھ یاد نہیں تھا۔

''اور وہ تو کہتے ہیں کہ ماما بھی بہت پیاری ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے لیکن یہ جو تمہارے شجی انکل ہیں نا' ان سے زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔''

شجی کے ذکر پر وہ خواہ مخواہ چڑ جاتی تھی۔ تب سے جب پہلی بار ماما نے اسے کہا تھا کہ وہ شجی کا خیال رکھا کرے۔

''وہ آخر کیوں خیال رکھے اور کس طرح؟''

تب اسے ماما کی بات بالکل سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ شرجیل مرزا کا احترام کرتی تھی۔ ان کے دوسرے دوستوں کی طرح۔ اگر کبھی اتفاقیہ نظر پڑ جاتی تھی تو سلیقے سے سلام کرتی۔ حال چال دریافت کرتے تو جواب دیتی۔ وہ ماما کے باس تھے' اس سے زیادہ ان سے متعلق وہ کچھ نہیں جانتی تھی لیکن اس روز وہ ٹی وی لاؤنج میں عاشی کے ساتھ اسکریبل کھیل رہی تھی کہ وہ اچانک آ گئے تھے۔

''ہیلو گرلز۔''

وہ دونوں کھڑی ہو گئی تھیں۔

''آپ بیٹھیں پلیز۔'' اس نے اخلاق نبھایا۔

''ماما تو آنٹی نرگس کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہیں۔ آپ پلیز ان کا انتظار کریں گے یا......؟''

''تھوڑا انتظار کر لیتا ہوں۔''

اسے وہیں صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر عاشی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ لمحہ بھر کو وہیں کھڑی رہی اور پھر مڑ کر کچن میں صفو کو چائے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد ماما آگئی تھیں اور ٹی وی روم سے ماما اور شرجیل کے قہقہوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

''چلو اچھا ہوا' ماما آگئیں ورنہ نہ جانے بے چارے کو کب تک انتظار کرنا پڑتا۔''

وہ کیمسٹری کی بک نکال کر پڑھنے لگی تھی کہ ماما شرجیل کے ساتھ ایک دم اس کے کمرے میں آگئیں وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوگئی۔

''کیا ہو رہا تھا موموٗ؟''

''پڑھ رہی تھی۔'' اس نے کتاب بند کر دی تھی اور سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''موموٗ تم نے آج بہت بدتمیزی کی۔''

''جی.....'' اس کی آنکھوں میں ایک دم حیرت اتر آئی۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ گھر آئے مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔''

''میں نے صفو کو چائے کا کہہ دیا تھا۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''لیکن غیروں کی طرح ہمیں اکیلا چھوڑ کر خود یہاں آگئیں۔'' شرجیل مرزا نے شکایت کی۔

تو وہ.....وہ کیا کرتی' شرجیل مرزا ماما کے دوست تھے۔ اس نے سوچا۔

''موموٗ تم اب بچی نہیں ہو۔''

ماما اسے سمجھا کر چلی گئی تھیں اور تب سے ہی وہ شرجیل مرزا سے چڑنے لگی تھی۔ جتنا ماما اسے زیادہ اس کا خیال رکھنے کو کہتیں' وہ اتنا ہی زیادہ چڑتی تھی۔

''کیوں تجی انکل برے آدمی ہیں۔'' نینا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔

''نہیں چندا' ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ چھوٹوں کو بڑوں سے زیادہ فری نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے غور سے عاشی کی طرف دیکھا۔

معصوم سی عاشی تیرہ سال کی ہی تو تھی اور شرجیل مرزا ایک غلیظ انسان۔

افوہ۔ اسے خود ہی اپنی سوچ پر ندامت سی ہوئی.....میں یہ کیا الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگتی ہوں۔ بھلا شرجیل مرزا نے کسی غلط خیال سے تھوڑا ہی اس کی تعریف کی ہوگی۔ وہ تو ہے ایسی پیاری سی۔ دیکھ کر بے اختیار پیار آتا ہے۔ اس کی عمر کی تو اس کی اپنی بچیاں ہوتیں اگر اس نے شادی کرلی ہوتی.....اور پتا نہیں اس نے شادی کیوں نہیں کی تھی۔ ورنہ ایسے شخص کے گرد تو بقول آنٹی نرگس کے لڑکیاں اس طرح چکراتی ہیں جیسے مکھیاں شیرے پر۔

آنٹی نرگس کی بات یاد کر کے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ یہ آنٹی نرگس بھی بس عجیب عجیب

مثالیں دیتی ہیں۔ تب ہی صفو نے اندر جھانکا۔

''موموبی بی' آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔''

''کیا ڈاکٹر معید چلے گئے؟''

''ہاں جی۔ بیگم صاحبہ اپنے بیڈروم میں ہیں۔''

''اچھا۔'' وہ بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی حالانکہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے سو جائے۔

''پتا نہیں ماما نے کیوں بلایا ہے۔ کہیں ڈاکٹر معید نے تو میری کوئی شکایت نہیں کر دی لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ میرا رویہ ان کے ساتھ نارمل تھا' گستاخانہ تو بالکل نہیں تھا۔ پھر وہ ایک اچھے آدمی ہیں۔ یقیناً انہوں نے ماما سے کچھ نہیں کہا ہوگا۔ ماما نے کسی اور ہی وجہ سے بلایا ہے۔''

زینب عثمان احمد آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ماما آپ نے مجھے بلایا ہے؟'' اس نے ان کے بیڈروم میں آکر پوچھا۔

''ہاں بیٹھ جاؤ۔''

پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اس کی بات کا جواب دے کر وہ پھر آئینے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ لپ اسٹک کا ایک اور ٹچ دیا.....بھوؤں کو اچکا کر دیکھا۔ بالوں میں برش پھیرا اور پھر اس کی طرف مڑیں۔

''یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے تم نے موموٗ۔ آخر تم کیا ظاہر کرنا چاہتی ہو دوسروں پر؟''

''ماما میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ ماما کی بات نہیں سمجھ سکی تھی۔

''تم بڑی ہوگئی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اپنی من مانی کرو۔''

''مگر ماما میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''تمہیں نہیں پتا' تم نے کیا کیا ہے۔ یہ جو تم گھنٹا گھنٹا بھر اسٹاپ پر کھڑی رہتی ہو تو اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا باور کرانا چاہتی ہو تم لوگوں کو کہ تم ہماری بیٹی نہیں ہو' لے پالک ہو۔ کیا سوچتا ہوگا معید اپنے دل میں کہ ہم اپنی بیٹی کی طرف سے اتنے بے پروا ہیں کہ گھر میں دو دو گاڑیاں ہیں اور وہ ویگنوں اور بسوں کے دھکے کھا کر آتی ہے۔''

''ماما۔''

''کچھ نہیں سننا چاہتی۔'' انہوں نے اس کی بات کاٹ دی' ''کل سے تم اسلم کے ساتھ جاؤ گی اور وہی تمہیں لینے بھی جائے گا۔ تمہیں کسی کی عزت بے عزتی کا خیال ہی کچھ نہیں ہے۔''

وہ پھر آئینے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ وہ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی۔ پتا نہیں کیوں' اسے ماما کا اس طرح ڈانٹنا برا نہیں لگا تھا بلکہ اچھا لگا تھا' جیسے ماما سچ مچ ماں ہوں۔ عینی اور میرا کی ماؤں کی طرح۔

''چلو ماما کو احساس تو ہوا۔''

ایک عجیب طمانیت کے احساس کے ساتھ وہ بیڈ روم سے باہر نکلی تو باہر ٹی وی لاؤنج میں شرجیل مرزا' شریف سے کوئی بات کر رہا تھا۔

اسے دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔

شرجیل مرزا کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔

''آہا۔ بڑے دنوں بعد نظر آئیں۔ نصیب دشمناں مزاج تو اچھے تھے۔''

وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر عاشی کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

''شریف جی' خیر تو ہے یہ آج کل ڈاکٹر معید بڑے چکر لگا رہے ہیں۔'' اس نے اونچی آواز میں کہا تا کہ وہ بھی سن لے۔

''نہیں جی۔ بڑے دنوں بعد آئے ہیں آج۔'' شریف نے وضاحت کی'' وہ اپنے ڈاکٹر صاحب ذرا مصروف تھے اس لیے۔''

''اچھا۔'' اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

مریم نے غصے سے دروازہ بند کیا۔

''عاشو' میں تمہارے بیڈ پر سونے لگی ہوں اور دیکھو' ٹیوٹر آ جائے تو تم مور کو جگا لینا۔'' اس نے عاشی سے جو نینا کی کاپیاں کھولے دیکھ رہی تھی' کہا۔

عاشی نے سر ہلایا۔

''پتا ہے بجو' نینا کی ڈرائنگ بہت اچھی ہے۔ اسے آرٹ کالج میں بھیجیں گے۔ ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔''

مریم نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

❀ ❀ ❀

سکندر' صبح صادق اور محسن وقار تینوں دوست نہ صرف یہ کہ ایف ایس سی میں اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے تھے بلکہ تینوں کو علامہ اقبال میڈیکل کالج میں داخلہ بھی مل گیا تھا اور چند دنوں بعد سکندر کو لاہور جانا تھا۔ بھا نثار بھی اس کے ساتھ جا رہے تھے لیکن اب کی بار سکندر کو لاہور جانا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ کاش' یہ چند دن پھیل کر اتنے طویل ہو جائیں کہ صدیوں پر محیط ہو جائیں۔ پہلے بھی تو وہ لاہور جاتا تھا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کا دل ہی نہ چاہے جانے کو۔ وہ اداس تو ہوتا تھا لیکن ایسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اب کے تو یوں لگ رہا تھا' جیسے دل کو کسی نے مٹھی میں بند کر رکھا ہو...... اب کے تو شاید بہت دنوں بعد آؤں۔ ایک ماہ بعد یا دو ماہ بعد اور وہ اتنے سارے دن رضوانہ کو دیکھے بغیر' اس سے باتیں کیے بغیر کیسے کٹیں گے۔

وہ لاہور رزلٹ لینے اور داخلے کے سلسلے میں ایک دو دن کے لیے گیا تھا تو کتنی بے چینی رہی تھی اور پھر جب وہ محسن وقار اور صبح صادق کے ساتھ ان کے گاؤں گیا تھا تو کتنی مشکل سے وقت کٹا تھا وہاں۔ اس کا جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن محسن وقار اور صبح صادق اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

''کیا قنوطیت ہے یار۔ یہ چند ماہ ہی تو ہیں ہمارے پاس پھر تو چار پانچ سال پڑھائی سے فرصت ہی نہیں ملے گی۔ اب ذرا گھوم پھر لیں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمیں میڈیکل کالج میں داخلہ مل جائے گا؟''

''ہاں امید تو ہے۔''

صبح صادق کو یقین تھا اور اس نے سکندر کی ایک نہیں سنی تھی اور وہ اسے زبردستی لے گئے تھے۔ ان کا گاؤں شہر سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا بلکہ وہ شہر کا ہی ایک حصہ لگتا تھا اور وہاں ساری سہولتیں موجود تھیں۔

صبح صادق نے اسے خوب سیر کروائی تھی۔ وہ اسے تترال پکنک پوائنٹس پر لیے لیے پھرے۔ کلسر کیار' کھیوڑہ' ڈھوک ٹالیاں سارے پہاڑی علاقے کس قدر خوبصورت تھے۔ وہ ان پہاڑوں کی خوبصورتی میں کھو سا گیا تھا۔ سحر سا طاری ہو گیا تھا اس پر۔ اس کا دل چاہتا تھا' وہ ان جگہوں کو بار بار دیکھے اور ان کی خوبصورتی کو محسوس کرے۔ یہ خوبصورتیاں اسے بہت متاثر کر رہی تھیں لیکن وہ رضوانہ کے لیے بہت اداس ہو گیا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کاش وہ بھی اس کے ساتھ ہوتی اور پھر وہ دونوں ان خوبصورتیوں کو ایک ساتھ محسوس کرتے۔ سرمئی پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک بار رضوانہ کے ساتھ بھی یہاں آئے گا۔

وہ بابا سے پندرہ دن کا کہہ کر آیا تھا لیکن چھٹے دن ہی تیار ہو گیا۔

''کمال ہے یار' ہم تو شکار کا پروگرام بنائے بیٹھے ہیں۔ دراصل ہمیں چاچا کا انتظار تھا۔ کمال کا نشانہ ہے ان کا۔ تیتر بہت ہیں ادھر ہمارے علاقے میں۔'' محسن وقار کے ایک کزن نے اسے روکا۔

''نہیں۔ مجھے تو شکار کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''میرے ابا کہتے ہیں' تیتر کا گوشت سب سے لذیذ ہوتا ہے۔'' صبح صادق نے اسے اکسایا ''اور تیتر پکے ہوئے ہوں' محسن کی اماں کے ہاتھ کے تو پھر کتنا مزہ ہوتا ہے ان میں۔ زندگی بھر یاد رکھو گے یار۔''

''مجھے کوئی اتنا شوق نہیں ہے تیتروں وغیرہ کا۔''

اس نے تو واپسی کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

''اچھا پھر ایسا کرتے ہیں' صبح مچھلی کے شکار کے لیے ڈیم پر چلتے ہیں۔ رک جاؤ تم۔'' محسن نے روکا۔

''نہیں یار۔ میں اب جاؤں گا ہی۔''

''دراصل یہ جو اپنا سکندر ہے نا' اسے اپنی کزن کی یاد ستا رہی ہے۔ ورنہ کچھ لحاظ ہمارا ہی کر لیتا۔''
صبح صادق تو ہمیشہ کا منہ پھٹ تھا۔ اس نے محسن وقار کے کزنوں کے سامنے ہی کہہ دیا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

''نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں' دل ہی نہیں لگا یہاں میرا۔''

''دل نہ لگنے کی کوئی وجہ تو ہوگی ناں میرے بھائی۔ جبکہ ہمارا یہ چھوٹا سا گاؤں بقول میرے ابا کے' منی انگلینڈ ہے۔''

صبح صادق زیر لب مسکرایا۔

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے گھورا۔

''کوئی وجہ نہیں' بس یونہی جب آیا تھا تو بابا کی طبیعت کچھ ناساز تھی اس لیے ذرا پریشانی ہے۔'' اس نے بات بنائی۔

''لیکن بابا نے تو تمہیں ہنسی خوشی ہمارے ساتھ آنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا بیٹے جتنے دن چاہے رہو۔'' صبح صادق بھی اسے تنگ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''یار! ایک دن رک جاؤ نا' بے چارے صبح صادق کا پروگرام خراب ہو رہا ہے۔ بے چارا اپنے ہاتھ سے مچھلیاں پکڑ کر تمہاری دعوت کرنا چاہتا ہے۔'' محسن وقار نے بھی صبح صادق کو چھیڑا اور اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکا نہیں۔ محسن کے بابا نے بھی کہا کہ زیادہ نہیں تو ایک دو دن اور رک جائے لیکن یکا یک اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ دل چاہتا تھا' اڑ کر رضوانہ کے پاس پہنچے۔ یوں لگتا تھا جیسے رضوانہ کو دیکھے صدیاں بیت گئی ہوں۔ وہ صبح ہوتے ہی روانہ ہو گیا تھا اور مغرب کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو سب سے پہلے بس رضوانہ ہی اسے ملی۔ وہ صحن میں کھڑی مرغیوں کو دانا ڈال رہی تھی۔ سارا رستہ وہ دعا کرتا آیا تھا کہ خدا کرے اسے سب سے پہلے بس رضوانہ ہی ملے اور اسے رضوانہ ہی ملی تھی۔ کبھی کبھی دعائیں کیسے مستجاب ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی دعائیں مانگتے صدیاں بیت جاتی ہیں اور در مقبولیت وا نہیں ہوتا۔

''رضی۔'' اس نے آہستگی سے پکارا تو اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

''ارے تم سکندر..... تم اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ تم تو پندرہ دنوں کے لیے گئے تھے۔ کیا دوستوں نے اچھا سلوک نہیں کیا؟''

اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

''نہیں تو۔'' اس کی شرارت سمجھے بغیر اس نے وضاحت کی۔

''میرے دوست تو بہت اچھے ہیں۔ وہ تو بہت روک رہے تھے بلکہ وہی نہیں ان کے گھر والے حتیٰ کہ ان کے کزن بھی۔''

''اوں ہوں' اب بات نہ بناؤ۔ مجھے پتا ہے تمہارے دوستوں نے کہا ہوگا کہ یہ مہمان تو بلائے جان ہی بن جائے گا۔ نکالو اسے اپنے گاؤں سے۔''

چھن چھن چاندی کے سکے بجنے لگے تو وہ بھی اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دیا۔

''رضی کیا تمہیں پتا نہیں کہ میں اتنی جلدی کیوں واپس آ گیا ہوں؟''

''بتایا تو ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔

''ادھر میری طرف دیکھ کر بتاؤ نا ' کیوں آ گیا ہوں۔''

اور رضوانہ کی آنکھوں میں جگنو اتر آئے۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کی پلکیں جھک گئیں۔ رخساروں پر گلابیاں دوڑنے لگیں۔

''رضی' تم وہاں مجھے یاد آتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا' جیسے تم سے جدا ہوئے' تم سے باتیں کیے ہوئے' تمہیں دیکھے ہوئے مدتیں گزر گئی ہوں۔ ایک ایک پل گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ کیا تم نے بھی مجھے یاد کیا تھا؟ سچ بتانا۔''

''ہاں کچھ کچھ۔'' اس نے سر ہلایا۔

''بس کچھ کچھ۔'' سکندر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے پلکیں اٹھائیں' سکندر کو دیکھا۔

''نہیں...... بہت زیادہ...... یہی سننا چاہتے تھے نا؟''

وہ کھل کھل کر کے ہنس دی اور تیزی سے باورچی خانے میں گھس گئی۔ وہ مسکراتا ہوا برآمدے میں آیا اور بیگ زمین پر رکھ کر کمرے سے باہر آتی ہوئی ماں جی سے لپٹ گیا۔ بھابو' ماں جی' بابا سب ہی اسے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ تو پندرہ دن کے لیے گیا تھا اور چھٹے روز ہی واپس آ گیا تھا۔

''بس بابا آپ سب لوگوں کے لیے اداس ہو گیا تھا۔''

''تمہارے دوستوں کے گھر والے تو سب اچھے تھے نا۔'' ماں جی کو تشویش ہوئی۔

''جی ماں جی' محسن کے بابا تو بالکل بابا جیسے ہی ہیں۔ بہت محبت کرنے والے اور اس کے بھائی جان بھی بہت اچھے تھے۔ بہت عزت کی سب نے وہاں۔ آنے ہی نہیں دے رہے تھے۔ محسن تو اچھا خاصا ناراض بھی ہو گیا تھا کہ ہم تو اتنے دن تیرے گاؤں رہے اور تو ایک ہفتہ بھی نہیں رک رہا۔''

''تو پتر رہ جانا تھا' ایک دو دن اور۔''

''بس ماں جی دل گھبرا گیا تھا۔''

سب سے مل کر وہ اپنے کمرے میں آیا تو اسے خود اپنے جذبوں پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ وہ تو اپنے آپ میں اپنی دنیا میں مگن رہنے والا انسان تھا' پھر یہ کیسی کایا پلٹ گئی تھی کہ ہر وقت' ہر لمحہ وہ رضوانہ کو سوچتا رہتا تھا۔ شاید جب آدمی کے اندر یہ جذبہ نیا نیا سر اٹھاتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے اسی طرح بے چینی اور اضطراب دل کو جکڑے رکھتا ہے۔ یوں ہی جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا اور دل ہر لمحہ آنکھوں کے

سامنے اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ پتا نہیں رضوانہ کا دل بھی ایسا ہی چاہتا ہے یا صرف میرا دل ہی اتنا پاگل ہے۔

اس روز بستر پر لیٹا وہ بہت دیر تک سوچتا رہا تھا کہ وہ رضوانہ سے پوچھے گا تو سہی کہ کیا اس کا دل بھی چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی نظروں کے سامنے رہے۔

کیا وہ بھی یہاں اسی طرح بے چین اور مضطرب رہی تھی۔ جس طرح وہ وہاں محسن کے گاؤں میں مضطرب رہا تھا لیکن پھر بہت سارے دن اس کی رضوانہ سے بات ہی نہ ہوئی۔ چاچا کی طبیعت خراب تھی اور رضوانہ گھر پر ہی رہی تھی...... وہ ایک دوبار چاچا کی طبیعت کا پتا کرنے گیا تھا تو وہ چاچا کے پاس بیٹھی ان کا سر دبا رہی تھی۔ بس وہ ایک نظر اسے دیکھ کر اور چاچا سے باتیں کر کے واپس آ گیا تھا اور پھر کئی دنوں بعد جب چاچا دوبارہ کام پر جانے لگا تھا تو وہ اس کے گھر آئی تھی۔ وہ چھت پر کرسی ڈالے یونہی دھوپ سینک رہا تھا کہ وہ کپڑے پھیلانے اوپر آئی۔

"تم یہاں بیٹھے ہو سکندر۔ میں نے سمجھا کہ تم کہیں باہر گئے ہو۔"

"ارے رضی، تم کب آئیں۔ چاچا کیسے ہیں؟"

"ابا اب ٹھیک ہیں اور کام پر گئے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھے چھوڑنے آئے تھے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے بھابو نے کہا شاید باہر گیا ہے۔"

"ہاں بس یوں ہی اداس ہو رہا تھا۔ اوپر آ گیا۔"

"تم کیوں اداس ہو رہے تھے سکندر؟"

"رضی انجان کیوں بنتی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تمہارے لیے اداس ہو رہا تھا۔ میں تمہیں سوچتا ہوں، تمہارے حوالے سے خواب دیکھتا ہوں۔ اتنے دنوں سے تم ادھر نہیں آئی تھیں تو اداس ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کچھ دیر بعد تمہیں دیکھنے جاؤں گا۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ منڈیر کے ساتھ ٹیک لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"رضی۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بڑے جذب سے پوچھا "کیا تم نے کبھی سوچا ہے رضی۔ کبھی میرے حوالے سے خواب دیکھے ہیں، کبھی میرے لیے اداس ہوئی ہو۔ تمہارا دل چاہا ہے کہ میں ہمیشہ تمہارے سامنے رہوں۔ ہم زندگی کا سفر اکٹھا طے کریں۔ یا یہ صرف تنہا میرا خواب ہے۔"

"ایسا کیسے ممکن ہے سکندر کہ تم مجھے سوچو اور میں تمہیں نہ سوچوں۔ تم میرے حوالے سے خواب دیکھو اور میں نہ دیکھوں۔ تم میرے لیے اداس ہو اور میں نہ ہوں۔" رضوانہ واقعی ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

وہ حیران رہ گیا۔ وہ رضوانہ سے ایسی بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شرما کر سر جھکا لے گی یا اثبات میں سر ہلا کر نیچے بھاگ جائے گی اور وہ خود ہی اس کے انداز سے مطلب اخذ کرتا رہے گا۔

"لڑکیاں تو لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ تصوراتی ہوتی ہیں۔ وہ زیادہ تیزی سے خواب بنتی اور محل

کھڑے کر لیتی ہیں اور لڑکیوں کو اپنے خواب لڑکوں سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہوتے ہیں۔ وہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے خواب بنتی رہتی ہیں۔ تم انہیں ادھیڑ مت دینا۔"

"رضو...... رضی...... یہ تو اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہے۔ اتنی چھوٹی سی تو، تو ہے۔ کہاں سے سیکھ لیں تو نے یہ باتیں۔"

"اتنی چھوٹی سی بھی نہیں ہوں۔ تم سے صرف دو سال چھوٹی ہوں اور یہ باتیں کسی سے سیکھی نہیں جاتیں۔ یہ باتیں تو اندر سے خود بخود پھوٹتی ہیں اور لڑکیاں تو گڑیاں کھیلنے کی عمر سے ہی خواب بننا شروع کر دیتی ہیں۔"

اس روز رضوانہ نے سکندر کو بہت حیران کیا تھا۔ بعد میں بھی کئی دن تک وہ اس کی باتیں سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہا تھا۔ اسے خود تو اس طرح کی باتیں کرنا بالکل نہ آتا تھا۔ کپڑے پھیلا کر وہ بھابو کو بتا کر وہ اس کے پاس چھت پر ہی بیٹھ گئی تھی اور انہوں نے کتنی باتیں کی تھیں۔ اس نے رضوانہ کو کنیز پھپھو کے بارے میں بتایا تھا۔

"پتا ہے رضی، محسن مجھے اپنی پھپھو کی قبر پر [illegible] تھا۔ ہم نے فاتحہ پڑھی اور میں نے سوچا تھا وہاں کھڑے کھڑے کہ پتا نہیں کنیز پھپھو کے دل میں کیا، کیا خیال آیا ہوگا۔ پتا نہیں کہاں کس مقام پر وہ کس طرح ہرٹ ہوئی ہوں گی۔ شاید انہوں نے اپنی توہین محسوس کی ہوگی یا شاید انہوں نے سوچا ہو کہ وہ اب اس ناقدری کے بعد جی نہ پائیں گی یا پھر نارسائی کا کرب انہیں زندگی سے دور لے گیا ہو۔ کوئی بہت ہی شدید تکلیف آدمی کو اتنا بہادر بناتی ہے کہ وہ اپنی زندگی سے کھیلے۔ اپنے ہاتھوں عذاب مول لے لے۔ کیا ملا پھپھو کنیز کو، نہ دنیا میں کچھ پا سکیں اور نہ آخرت کا سامان کر سکیں۔"

"بے وفائی سے بڑا دکھ اور کوئی نہیں ہوتا سکندر اور نارسائی کا کرب جینے کے عذاب سے بڑا کرب ہے۔ تم بھی کہیں محسن کے چاچا کی طرح نہ کرنا...... بڑے ڈاکٹر بن کر مجھے بھول نہ جانا۔ میں بھی کنیز پھپھو کی طرح مر جاؤں گی۔"

"نہیں، ایسی باتیں مت کرو رضی، میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں لیکن تم وعدہ کرو رضی، میری زندگی کی قسم کھاؤ کہ تم کبھی ایسی حرکت نہیں کرو گی۔ فرض کرو، میں بے وفائی کر جاؤں پھر بھی نہیں۔"

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"پلیز رضی، میری قسم کھاؤ۔"

اور تب اس نے قسم کھائی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تم بھی وعدہ کرو سکندر کہ تم بھی شہر میں رہ کر ڈاکٹر بن کر بدلو گے نہیں۔"

"وعدہ...... کبھی نہیں بدلوں گا۔ تم ہمیشہ مجھے اتنی ہی عزیز رہو گی جتنی آج ہو۔"

اس روز رضوانہ سے اس طرح اتنی زیادہ باتیں کرنا اسے کتنا اچھا لگا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بھی وہ آپوں آپ مسکراتا رہا تھا۔

بھلا وہ کبھی زندگی میں رضوانہ کو بھول سکتا ہے۔ رضوانہ جو اتنی اچھی اتنی پیاری ہے اور جو اتنی پیاری باتیں کرتی ہے۔ پتا نہیں اسے اتنی باتیں کرنا کیسے آگیا ہے۔ محسن کے چاچا اگر کنیز پھپھو کو بھول گئے تھے تو یقیناً کنیز پھپھو رضوانہ جتنی اچھی نہیں ہوگی یا پھر محسن کے چاچا ہی بے وفا ہوں گے لیکن میں تو ایسا نہیں ہوں...... اور میرے لیے تو ابھی لاہور جانا ہی مشکل ہو رہا ہے۔ شاید ایک ماہ یا شاید دو ماہ بعد چکر لگاؤں لیکن یہ ایک دو ماہ کی دوری بھی عذاب لگ رہی ہے۔ پھر بھلا عمر بھر کے لیے اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

لاہور جانے سے دو تین دن پہلے تو وہ بڑا مضطرب سا رہا تھا۔ سب نے اس کی اداسی کو محسوس کیا۔

"کیا بات ہے یار بڑا چپ چپ لگ رہا ہے۔" بھا نثار نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے یار اداس ہو رہے ہو۔"

"ہوں شاید۔" اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی "جانے کو جی نہیں چاہ رہا ایسے ہی دل گھبرا رہا ہے۔"

"تم کوئی پہلی بار تو نہیں جا رہے ہو بھائی۔ پہلے بھی تو دو سال رہ کر آئے ہو۔"

"جی۔"

"کہیں میڈیکل میں جانے سے تو نہیں گھبرا رہے ہو۔ ایسا ہے پتر تو بی ایس سی کر لو۔ کوئی زبردستی تو نہیں ہے۔ اب دیکھو بابا مجھے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے لیکن میرا دل نہیں لگا میڈیکل میں۔ سو میں زرعی یونیورسٹی ... میں چلا گیا۔ بس بابا کی خواہش تھی کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک ڈاکٹر بن جاتا لیکن پتر دل پر بوجھ مت ڈالو۔ میں بابا سے بات کر لیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

"میں تو خود ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں میری اپنی خواہش ہے بچپن سے۔ دراصل اتنے دن فارغ جو رہا ہوں اس لیے پڑھائی کے تصور سے دل گھبرا رہا ہے۔ وہاں جا کر دو ایک روز میں سیٹ ہو جاؤں گا۔"

"بس دل لگا کر پڑھنا یار وہاں کی رنگینیوں میں الجھ مت جانا۔ ویسے تیرے دوست اچھے ہیں۔ تیری ہی طرح پڑھاکو سے۔ اچھا دوست بھی بہت بڑی نعمت ہوتا ہے۔ اچھے دوست مل جائیں تو زندگی بہت سہل ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے بھائی محسن اور صبیح صادق دونوں ہی بہت مخلص اور محبت کرنے والے ہیں۔ محسن اچھی فطرت اور بڑے دل کا مالک ہے۔"

اس روز وہ بھا نثار کے ساتھ کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ دونوں بھائی دیر تک ٹہلتے رہے اور باتیں کرتے

رہے اس روز بھا نثار نے اسے بہت ساری باتیں سمجھائیں اور ان کی ہر بات اس کے دل میں اترتی رہی۔ وہ کتنے شفیق اور کتنے مہربان لگتے تھے۔ بالکل بابا کی طرح شفیق اور دوستوں کی طرح مہربان۔ وہ گھر میں سب سے بڑے تھے۔ پھر عنبر تھی اور پھر وہ...... عنبر کا سسرال قریب ہی کے گاؤں میں تھا۔

"افوہ۔ جب سے وہ آیا تھا صرف ایک بار ذرا سی دیر کے لیے ان سے ملنے گیا تھا۔ عنبر نے کتنی التجا کی تھی کہ وہ کبھی کبھی ملنے آ جایا کرے۔ دل بہت گھبراتا ہے سن... گ بہت یاد آتے ہو۔ بابا بے جی بھاجی اور سب۔"

"آپ یہاں خوش تو ہو نا عنبر آپو۔ سب لوگ اچھے ہیں نا؟"

"ہاں سب اچھے ہیں۔ پر تم سب یاد آتے ہو۔"

اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ چکر لگاتا رہے گا لیکن کیسا نا کارہ ہو کر رہ گیا تھا وہ۔ رضوانہ گھر میں ہوتی تو وہ اسے دیکھتا رہتا۔ نہ ہوتی تو اسے سوچتا رہتا۔

"عنبر سے ملنے گیا تھا؟" بھا نثار نے چلتے چلتے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر ایسا کرتے ہیں صبح اس سے مل کر نکلیں گے گھر سے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تم نے سامان وغیرہ تو پیک کر لیا تھا نا؟"

"جی۔"

"صبح عنبر کی طرف جانا ہے تو ایسا کر چاچا سے ابھی مل لے۔"

اس کے دل میں پھول کھل اٹھے۔

"جی بہتر۔"

کتنا دل چاہ رہا تھا کہ جانے سے پہلے ایک بار پھر اسے دیکھ لے حالانکہ صبح وہ اسے خدا حافظ کہہ چکا تھا۔

"یہ کیسے عجیب و غریب جذبے ہیں۔"

چاچا سے باتیں کرتے ہوئے رضوانہ کو ادھر ادھر آتے جاتے دیکھتے ہوئے وہ سوچتا رہا۔ چاچا نثار اس سے اس کی پڑھائی کے بارے میں پوچھتے رہے۔

"تیری پڑھائی کب ختم ہوگی یار گھر میں بہو آ گئی۔ بچے بھی آ جائیں گے اور تو پڑھتا ہی رہے گا۔"

"بس چاچا ایک سال ہی رہ گیا ہے۔"

"تم نے کب جانا ہے؟"

"دونوں صبح اکٹھے ہی جا رہے ہیں۔ اسے لاہور چھوڑ کر میں فیصل آباد چلا جاؤں گا۔" اور جب وہ جا

رہے تھے تو اس نے دیکھا تھا، رضوانہ کواڑ کی اوٹ میں کھڑی تھی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کا اپنا دل بھی بھر آیا تھا لیکن وہ جلدی سے باہر نکل آیا اور پھر لاہور جا کر بھی کئی دن تک رضوانہ کی آنسو بھری آنکھیں اس کے تصور میں آتی رہیں۔ صبح صادق اور محسن اسے اداس دیکھ کر چھیڑتے رہے۔

"یار تو نہیں بن سکتا ڈاکٹر۔" میڈم شیرازی کی ڈانٹ کھا کر وہ اداس سا لان میں بیٹھا تھا کہ صبح صادق نے آ کر فیصلہ سنایا۔

"کیوں؟" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اس لیے کہ تو خود مریض ہے۔ ایک مریض بے چارا ڈاکٹر کیسے بن سکتا ہے۔"

"نہیں، میں تو بالکل صحت مند ہوں یار۔"

"نہیں یار تو بالکل صحت مند نہیں ہے۔" صبح صادق بھی اس کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گیا "اب دیکھ نا ... میڈم شیرازی لیکچر دے رہی تھیں اور تو پہنچا ہوا تھا رنگ پور اپنی کزن کے حضور۔ یہ حال رہا تو بن چکا ڈاکٹر۔ پہلے اپنے عارضے کا علاج کر دل کو سنبھال۔ اتنی چھوٹی عمر میں کیا روگ لگا کر بیٹھ گیا ہے۔"

"میڈم شیرازی بھی تو حد ہی کرتی ہیں یار۔ اب میرا دھیان نہیں تھا۔ میں نے نہیں سنا کہ وہ مجھ سے کچھ کہہ رہی ہیں اور انہوں نے انسلٹ کر کے رکھ دی۔"

"یار، وہ تو بہت سخت ہیں۔ تمہیں پتا نہیں، وہ سینئر لڑکے کیا کہہ رہے تھے۔ بہت با اصول ہیں اور نالائقی اور بدتمیزی تو بالکل ہی برداشت نہیں کرتیں۔ میں تو بہت ڈرتا ہوں یار ان سے۔ اتنا تو میں ڈاکٹر اصغر سے بھی نہیں ڈرتا جتنا میڈم شیرازی سے ڈرتا ہوں حالانکہ ڈاکٹر اصغر کا غصہ بھی بہت ہے۔"

"ہاں یار میڈم سے ڈر تو مجھے بھی بہت لگتا ہے اور میں بہت دھیان سے ان کا لیکچر سنتا ہوں، بس آج یونہی بے دھیان ہو گیا تھا۔"

"اتنا بے دھیان مت ہوا کر میری جان۔ ادھر دیکھ، اپنے یار محسن کو کیسے دل ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے۔ بے چاری بیلا اسے دیکھ لے تو کہیں اسی وقت ہارٹ اٹیک ہو جائے اسے۔" صبح صادق نے محسن وقار کی طرف اشارہ کیا جو کچھ فاصلے پر کھڑا کسی سینئر لڑکی کے ساتھ گپ لگا رہا تھا۔

"اب دیکھو نا کتنے مزے میں رہتا ہے جب کوئی اچھا لگا مٹھی کھول کر اسے دل پیش کر دیا اور جب دل بھرا واپس لے لیا۔ اب تمہاری طرح تو نہیں ہے نا کہ ایک کو دے کر خود خالی خالی ہو جاؤ اور میڈم کی ڈانٹ کھاؤ۔"

"یار، صبح صادق تم بہت بولتے ہو۔" سکندر نے بیزاری سے کہا۔

"بولنا اچھا ہوتا ہے، تم بھی بولا کرو اور ہاں سنو خیریت تو ہے نا... کل تیرے گھر سے خط آیا تھا۔ سب ٹھیک ہیں نا...؟" صبح صادق ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں، سب ٹھیک ہیں۔ بس ذرا بے جی کو پھر کھانسی ہو گئی ہے۔ ذرا سا موسم بدلتا ہے تو ان کو کھانسی

وغیرہ کی تکلیف ہو جاتی ہے۔"

"بے جی کون۔"

"یار، ماں جی اور کون...... وہ عنبر آپا انہیں بچپن سے بے جی ہی کہتی تھیں تو بس ہم بھی کبھی بے جی کہہ دیتے ہیں۔"

"اچھا، اچھا تو تم ماں جی کو یہاں کیوں نہیں لا کر کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتے۔"

"دکھایا تھا۔ ابھی چھ سات ماہ پہلے ہی انہیں ساتھ لائے تھے۔ اسپیشلسٹ کو دکھایا تھا۔"

"خط لکھو تو میرا اسلام لکھ دینا۔"

سکندر نے سر ہلایا۔

"ہیلو، تم دونوں یہاں بیٹھے کیا سازش کر رہے ہو۔" محسن وقار اپنی ساتھی لڑکی سے باتیں کرتا ہوا ان کے قریب ہی آ گیا تھا۔

"ہم دونوں یہ سوچ رہے تھے کہ تمہارے سابقہ کارناموں کی ایک رپورٹ تیار کر کے یہاں کالج کے اندر لگا دی جائے تا کہ یہاں کے مکین تم سے خبردار رہیں۔" صبح صادق نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا۔

محسن وقار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے گھورا اور اپنی ساتھی لڑکی کی طرف دیکھا۔

"نیلی، ان سے ملو۔ یہ میرے دوست ہیں صبح صادق اور سکندر۔ ہم تینوں نے ایف ایس سی اکٹھے کیا۔ دو سال تک ایک ہی کمرے میں رہے اور اب بھی ایک ہی ہاسٹل میں ہیں۔"

وہ مسکرائی "بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"یقیناً ہمیں بھی ہو گی لیکن پہلے باقاعدہ تعارف ہو جائے۔" صبح صادق بولنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

"یہ نیلوفر ہیں، تھرڈ ایئر کی طالبہ ہیں۔" محسن نے تعارف کرایا۔

"ٹھیک ہے اب ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ مزاج گرامی کیسے ہیں؟"

نیلوفر کھلکھلا کر ہنس دی "بہت جولی ہیں آپ۔"

"اللہ کی دین ہے۔" صبح صادق نے انکساری سے کہا۔

"آپ بہت خاموش ہیں سکندر صاحب۔" وہ سکندر کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں، نہیں تو......" وہ چونکا۔

"میں آپ کی اور صبح صادق کی گفتگو سن رہا تھا۔"

"دراصل آج یہ غم کی کیفیت میں ہیں۔ میڈم نے ذرا ان کے کان کھینچے ہیں۔"

صبح صادق کو بغیر سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی۔ سکندر نے شرمندگی محسوس کی۔

''کون میڈم...... میڈم انصاری؟''

''نہیں میڈم شیرازی۔'' صبح صادق نے وضاحت کی۔

''ہاں شروع شروع میں ممی ذرا اسٹوڈنٹ کو خوب ڈراتی ہیں۔''

''مم...... ممی۔'' صبح صادق نے ایکٹنگ کی۔

''ہاں' یہ میڈم شیرازی کی بیٹی ہیں۔'' محسن نے بتایا۔

''یار تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' صبح صادق ایک دم کھڑے ہو کر کورنش بجالایا ''محترمہ اگر کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو انجان سمجھ کر اگنور کر دیجیے گا۔''

''یہ مکھن کس لیے؟'' وہ مسکرائی۔

''آپ خود عقل مند ہیں خاتون۔ مستقبل میں کبھی آپ کی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''سوری بھائی' ممی بہت اصول پرست ہیں لہٰذا مستقبل کے لیے آپ کو خود اپنی ذات پر بھروسا کرنا پڑے گا۔''

''ہائے۔'' صبح صادق کراہا۔

''خیریت......؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں' ایک تو آپ نے بھائی کہہ دیا۔ دوسرا مستقبل میں کسی قسم کی مدد کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ میرا تو دل ہی توڑ دیا آپ نے۔''

وہ پھر ہنس پڑی۔

''آپ سے ملاقات بہت دلچسپ رہی۔ انشاء اللہ پھر ہوتی رہے گی۔ اب مجھے ذرا دیر ہو رہی ہے۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی...... خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

محسن دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''اب واپس آجاؤ یار گئی وہ۔'' صبح صادق نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

''بہت اچھی نیچر کی ہے یار۔''

محسن وقار سکندر کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''یار تو اس سے کہاں ٹکرا گیا۔''

''میں نہیں ٹکرایا۔ یار تجھے پتا ہے کہ لڑکیاں خود مجھ سے ٹکراتی ہیں۔''

''ہاں' یار پتا تو ہے لیکن اب کی بار صحیح لڑکی سے ٹکرایا ہے۔ سنا ہے' میڈم بڑی سخت مارکنگ کرتی ہیں اور ایک نمبر بھی نہیں بڑھاتیں' چاہے سپلی ہی کیوں نہ لگ جائے۔ دوستی بنائے رکھنا یار اس سے کام آئے گی۔''

''تو نے سنا نہیں' وہ کیا کہہ رہی تھی کہ ممی بہت اصول پرست ہیں۔ لہٰذا تو منہ میں پانی مت بھر۔''

''ارے۔'' صبح صادق نے اس کی بات کاٹ دی ''وہ دیکھو سامنے تمہارے بھائی سکندر ہیں نا۔''

''ہاں؟'' سکندر ایک دم کھڑا ہو گیا ''وہ تو بھا جی ہی ہیں۔ خدا خیر کرے' ابھی دو دن پہلے ہی تو مل کر گئے ہیں۔''

محسن اور صادق تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ سکندر وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

''سکندر۔'' نثار' محسن اور صادق کے ساتھ اس کے قریب آئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا'

''سکندر' چاچا......''

''کیا...... کیا ہوا چاچا کو......؟'' سکندر کے حلق سے بہ مشکل آواز نکلی۔

''چاچا قتل ہو گئے ہیں۔''

''نہیں......'' وہ بے اختیار ان کے گلے لگ گیا اور وہ ہولے ہولے اسے تھپکنے لگے۔

❁ ❁ ❁

مرے زخم پوچھتے ہیں
مرے دوست کیوں خفا ہیں
کئی دن سے کوئی خنجر
کوئی نیزہ کوئی نشتر

مسرور آنکھیں موندے سر پیچھے جھومتا ہوا قدرے بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔

نہ ہوا مرا مقدر
کوئی تازہ جرم میرا
کوئی بھول کوئی غفلت

''بہت خوب' شاعری ہو رہی ہے کیا؟''

پروفیسر عادل نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ نہیں سر۔'' مسرور چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو' بیٹھو یار۔'' عادل نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا ''کیا پڑھ رہے تھے' سناؤ ذرا۔ بہت اچھی تھی' کس کی ہے؟''

''پتا نہیں سر' چند دن پہلے پڑھی تھی' ذہن میں رہ گئی۔''

''ہاں' اچھی شاعری خود بخود ذہن میں ثبت ہو جاتی ہے۔'' وہ بیٹھ گئے اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ہاں کیا تھا؟''

مرے زخم پوچھتے ہیں
مرے دوست کیوں خفا ہیں
کوئی نا قبول لہجہ
کہ زباں کی کوئی لکنت
نہ کوئی سنانے آیا
نہ ہوئی کوئی ملامت نہ لگی کوئی عدالت

''بہت خوب۔ یار کبھی کبھی یہ لفظ بہت متاثر کرتے ہیں' جیسے اندر سے نکلے ہوں۔''

''جی سر کبھی تو لگتا ہے' جیسے کہنے والے نے ہمارے دل کی بات کہہ دی ہو۔ جیسے الفاظ اس کے قلم سے نہیں ہمارے دل کی بھٹی میں تپ کے نکلے ہوں۔''

''ہاں تم سناؤ' میرے جانے کے بعد کچھ کام کیا۔''

''نو سر' میں گاؤں چلا گیا تھا اور آپ کے آنے سے ایک دن پہلے ہی آیا ہوں۔ آپ نے بہت دن لگا دیے وہاں۔''

''بس کیا کہوں۔ پھنس گیا تھا۔ مجھے تمہاری وہاں بڑی فکر رہی۔ ٹمپریچر تھا تمہیں جب گیا تھا۔ لیکن بس کامل کی وجہ سے بڑی پریشانی رہی۔ پھر وہاں کچھ اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ گیا تھا۔''

''سر' ٹمپریچر تو دوسرے دن ہی کم ہو گیا تھا لیکن گھبراہٹ سی تھی۔ اس لیے گاؤں چلا گیا تھا۔ پھر امی سے ملے بھی بہت دن ہو گئے تھے۔''

''ہاں اچھا کیا تم نے گاؤں ہو آئے۔ اب سکون سے کام کر سکو گے۔''

''جی سر' بس آج کام شروع کر ہی دوں گا۔ آپ گئے تھے کامل کی طرف۔''

''ہاں گیا تھا۔ وہ سو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ صبح سے پرسکون ہے۔''

''پچھلے دنوں تو بہت پریشان کیا اس نے۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میں نے اسے نظرانداز کیا ہوا تھا۔''

''تو سر' ڈاکٹر نے کیا کہا ہے کہ کس وجہ سے اس کو دورے پڑ رہے ہیں۔''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا' مسرور میاں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کسی بھی عمر میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ابنارمل تو وہ پیدائشی ہے لیکن اس طرح دورے نہیں پڑتے تھے۔ ایک مشہور نیورو سرجن سے بات کی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ اگر یہاں اس کی حالت بہتر نہیں ہوتی تو اسے کراچی لے جاؤں۔''

''ٹھیک ہے سر لیکن پہلے آپ کچھ دن دیکھ لیں۔ چند دن بعد ہی پتا چل سکے گا کہ دوا سے کچھ فرق پڑ رہا ہے یا نہیں۔''

''ہاں' چند دن تو دیکھیں گے ہی۔ خدا بخش...... خدا بخش۔'' انہوں نے مسرور کی بات کا جواب دے

کر اسے آواز دی۔

''تمہاری چائے کب آئے گی؟''

''آ گئی سر۔'' وہ ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آ گیا۔

''مسرور میاں' تم بھی چائے پیو گے۔ میں کہتا ہوں' دودھ پی لو۔ بخار نے نچوڑ دیا ہے تمہیں۔''

''نہیں نہیں چاچا' میرے لیے چائے ہی بنا دو۔ بہت طلب ہو رہی ہے۔''

''تمہاری مرضی میاں۔''

خدا بخش چائے بنانے لگا۔

''تم رات کو سونے سے پہلے مسرور کو دودھ دے دیا کرو۔'' پروفیسر عادل نے تاکید کی۔

''نخرے کرتے ہیں' کبھی پی لیتے ہیں' کبھی گلاس یوں ہی سرہانے دھرا رہتا ہے۔''

''بھئی مسرور' تم خدا بخش کو تنگ نہ کیا کرو۔''

مسرور مسکرایا۔

''اور ہاں' وہ اپنے مجتبیٰ صاحب نے کئی چکر لگائے آپ کے بعد۔'' انہیں چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے خدا بخش نے بتایا۔

''اچھا......'' پروفیسر عادل ہنسے ''انہیں اپنی بحث مکمل کرنے کی بے چینی ہو گی۔''

''صبح فون بھی آیا تھا۔ میں نے بتا دیا تھا کہ صاحب آ گئے ہیں لیکن فی الحال مصروف ہیں۔''

''اچھا یار خدا بخش' یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مصروف ہوں۔ وہ آ جاتے تو گپ شپ ہو جاتی۔''

''ارے جناب' اس کے کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ بندہ خود ہی حاضر ہو گیا ہے بلکہ اکیلا نہیں آیا' ساتھ میں اپنے حافظ صاحب بھی ہیں۔''

مجتبیٰ حیدر نے اندر قدم رکھا۔ ان کے پیچھے حافظ احسان اللہ بھی تھے۔

''مگر شریفوں کے گھر آنے کا یہ کوئی طریقہ ہے کہ نہ دستک نہ بیل اور سیدھے دندناتے ہوئے اندر گھسے چلے آ رہے ہیں۔''

پروفیسر عادل نے کھڑے ہو کر ان سے ہاتھ ملایا۔

''ہاں بشرطیکہ گھر شریفوں کا ہو۔'' مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا۔

''آپ کو میری شرافت پر شک کب سے ہونے لگا۔''

پروفیسر عادل نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''جب سے تم نے ان جیسوں سے دوستی کی۔'' مجتبیٰ حیدر نے حافظ احسان اللہ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا......!'' حافظ صاحب نے آنکھیں پھاڑیں۔

''یعنی آپ کو ان کی شرافت پر بھی شک ہے۔ کچھ ان کی داڑھی کا ہی خیال کر لیں۔'' پروفیسر عادل مسکرائے۔

''ان کی داڑھی ہی کا خیال ہے ورنہ......'' مجتبیٰ حیدر مسرور کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

''ورنہ کیا......؟'' عادل نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ورنہ اس سے بڑی بات بھی کی جا سکتی تھی۔ آج کل اپنے حافظ صاحب کو حقیقت نگاری کا شوق چرایا ہے اور انہوں نے منٹو کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یار ان کی داڑھی کو مت دیکھو۔''

''سر' حقیقت نگاری کیا ہے؟'' مسرور نے پروفیسر سے پوچھا۔

''لفظ حقیقت مختلف ادوار میں مختلف مفاہیم کا حامل رہا ہے۔ افلاطون کے نزدیک حقیقت کا تعلق اشیاء سے نہیں اشیا کے عین سے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عالم وجود کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ محض عالم خیال یا اعیان کا عکس ہے۔''

پروفیسر عادل نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ جب کوئی موضوع انہیں اپنی دلچسپی کا مل جاتا تو وہ ایک دم الرٹ ہو جاتے تھے اور پھر اس پر بے تکان بولتے تھے۔

''افلاطون کے نزدیک وہ اشیا جن میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں' حقیقت نہیں ہو سکتیں۔ حقیقت وہی ہے جو عین آئیڈیل ہے۔ عہد وسطیٰ میں بھی یہی تصور تھا کہ اصل حقیقت تو ذات خداوندی ہے۔ عالم وجود ذات کا عکس یا سایہ ہے۔ پھر مختلف ادوار میں یہ نظریات تبدیل ہوتے رہتے ہیں...... جدید انگریزی یعنی امپریکل فلاسو میں یہ کہا گیا ہے کہ حقیقت ٹھوس اشیا میں موجود ہے۔ سترھویں صدی میں ''بیکن'' نے کہا کہ انجیل مقدس خدا کا قول ہے اور فطرت خدا کا فعل ہے۔ اس طرح فطرت کو انہوں نے حقیقت کا درجہ دیا۔''

''یار پروفیسر' یہ کیا فلاسفی شروع کر دی ہے۔ ہمارے سر کے اوپر سے گزر رہا ہے سب کچھ۔'' مجتبیٰ حیدر نے انہیں ٹوکا ''تم اصل موضوع سے ہٹ گئے ہو یار۔''

''میں اصل موضوع سے ہٹا نہیں ہوں یار۔ اسی طرف آ رہا ہوں کہ حقیقت نگاری کیا ہے۔ واقعہ نگاری کیا ہے اور جسے ہم حقیقت نگاری کہتے ہیں' کیا واقعی وہ حقیقت نگاری ہے۔''

''چھوڑو میاں' کن چکروں میں پڑ گئے ہو...... مسرور میاں' حقیقت نگاری ہی جاننا چاہتے ہو تو اپنے حافظ صاحب کی کہانیاں پڑھ لو۔ خود ہی پتا چل جائے گا کہ حقیقت نگاری کیا ہے۔ ان پندرہ دنوں میں انہوں نے سات کہانیاں لکھ ڈالی ہیں۔''

''سر' حافظ صاحب کی کہانیاں تو کسی بھی وقت پڑھی جا سکتی ہیں لیکن پروفیسر صاحب جو بتانے جا رہے تھے وہ شاید پھر پتا نہ چل سکے۔''

''ارے چھوڑو یار' اسے خوامخواہ اوکھی اوکھی باتیں کرنے کا شوق ہے۔''

''نہیں سر' ان کے سمجھانے کا انداز اتنا خوبصورت ہے کہ ہر بات دل میں اتر جاتی ہے یوں لگتا ہے' جیسے سب کچھ واضح ہو گیا ہو' آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔''

''بتاؤ میاں اسے' ہم آنکھیں اور کان بند کر لیتے ہیں۔'' مجتبیٰ حیدر عادل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ہاں ہاں' کہو کیا کہہ رہے تھے۔''

''رہنے دیجیے پھر کبھی سہی۔''

''یار اتنی مشکل سے تو زمین تیار کی ہے۔ تمہاری مشکل سننے کے لیے اور تم اینٹھ رہے ہو۔''

''ہم بھی یہاں ہیں تم بھی...... پھر کبھی سہی۔ اس وقت تو حافظ صاحب سے باتیں کرتے ہیں' کیوں حافظ صاحب۔'' پروفیسر عادل حافظ احسان اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جی...... جی۔'' حافظ احسان اللہ کھل اٹھے ''میں نے کچھ کہانیاں لکھی تھیں۔ آپ دیکھ لیتے تو دل کو اطمینان ہو جاتا۔''

''میں......'' پروفیسر عادل ہنسے ''نہ میں نقاد ہوں نہ ادیب۔ یہ اپنے مجتبیٰ صاحب جو ہیں اٹھارہ ناولوں کے مصنف۔''

''مگر عادل صاحب۔ میری کہانیاں......'' حافظ احسان اللہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن مجتبیٰ حیدر نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی اور قہقہہ لگاتے ہوئے حافظ صاحب کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''ان کے خیال میں ان کی کہانیاں سمجھنے کے لیے بندے کا بہت زیادہ ایجوکیٹڈ ہونا ضروری ہے جبکہ میں ٹھہرا ایک کم پڑھا لکھا آدمی۔''

مسرور کو ان کی باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوئی تو وہ اٹھ کر باہر چلا آیا حالانکہ مجتبیٰ حیدر کی شخصیت میں بھی کوئی ایسی بات تھی جو اپیل کرتی تھی۔

خوش مزاج'
ہنس مکھ اور بے تکلف انسان'
کشادہ پیشانی'
بڑی بڑی آنکھیں'
ستواں ناک۔
شخصیت میں بھی ایک خاص کشش تھی۔

ان کی صحبت میں بیٹھ کر بندہ کبھی بور نہیں ہو سکتا تھا۔ کھلے دل اور کھرے آدمی تھے۔ جو کچھ منہ میں آتا تھا' کہہ دیتے تھے۔ خود اپنی ذات پر تنقید کرتے اور مزہ لیتے تھے۔ مگر اس وقت مسرور کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ سو وہ باہر آ کر کچھ دیر خدا بخش کے ساتھ باورچی خانے میں کھڑا اسے چائے بناتے اور چائے کا سامان

ٹرالی میں رکھتے دیکھتا رہا۔

''کیوں' بیٹا تم کیوں اٹھ آئے؟'' خدا بخش نے پوچھا۔

''یوں ہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔''

''خوش رہا کرو بیٹا اور اہل علم کی صحبت سے فائدہ اٹھایا کرو۔ کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہوتا ہے۔ اپنے مجتبیٰ صاحب اور حافظ صاحب بھی علمی گفتگو کرتے ہیں۔ جو پلے پڑ جائے۔''

خدا بخش چائے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا چلا گیا تو مسرور نے سوچا' 'پروفیسر عادل صحیح کہتے ہیں کہ خدا بخش ان پڑھ ضرور ہے مگر جاہل نہیں۔'' مسرور سگریٹ سلگا کر ٹیرس پر کھڑا ہو گیا۔

''امی کافی کمزور لگ رہی تھیں۔'' اس نے ریلنگ پر جھکتے ہوئے سوچا' 'اور کتنی اکیلی ہو گئی ہیں وہ میرے یہاں آنے سے اور میں پتا نہیں' وہ سب کچھ ان کے لیے کر بھی پاؤں گا یا نہیں۔ شاید میں نے بھی انجانے میں انہیں دکھ دیا ہے۔ وہ مجھے ڈاکٹر یا انجینئر بنانا چاہتی تھیں اور میں کیا بن رہا ہوں۔ پتا نہیں اس ملک میں ایک آرٹسٹ کا کیا مقام ہے۔ کیا وہ اپنے آرٹ سے اتنا پیسا کما سکتا ہے کہ اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزار سکے۔ پتا نہیں میں اپنی ماں کے خوابوں کو پورا بھی کر سکوں گا یا نہیں اور میری ماں نے کتنے دکھ سہے ہیں۔''

ٹھکرا دینے کا'

رد کر دینے کا دکھ۔

اور وہ بھی بغیر کسی وجہ کے۔ یہ دکھ کتنا بڑا اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ ماں کے چہرے پر لکھا ہے۔

کاش' میں ماں کے چہرے پر کندہ اس دکھ کی اذیت کو کم کر سکنے کا ہنر جانتا ہوتا۔

مسرور نے ایک گہری سانس لی اور وہیں ٹیرس پر پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور بیتے دنوں کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

ماں کے آنسو

اپنے فائدے

اور اپنے نقصان

کہاں کہاں۔

کس کس مقام پر چوٹ لگی تھی۔

کہاں کہاں اپنا آپ بے مایہ اور بے وقعت لگتا تھا۔ کب کب دل چاہا کہ چپکے سے دنیا ہی چھوڑ جائیں۔

''ارے یار' تم یہاں بیٹھے ہو۔'' پروفیسر عادل مجتبیٰ حیدر اور حافظ صاحب کو گیٹ تک چھوڑ کر واپس پلٹے تو اسے ٹیرس پر بیٹھے دیکھ کر ادھر ہی آ گئے' 'میں سمجھا کہ تم کہیں باہر چلے گئے ہو۔''

''مجتبیٰ صاحب جلدی چلے گئے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں خیر' ایسی جلدی بھی نہیں تھی' کافی دلچسپ گفتگو رہی۔''

پروفیسر عادل نے بغور اسے دیکھا۔

''تم کہاں تھے مسرور......؟''

''کہیں نہیں یہیں تو تھا۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''اتنا مت سوچا کرو...... جو گزر گیا' وہ تمہارا ماضی تھا اسے تم بدلنے پر قادر نہیں ہو...... جو گزر رہا ہے' وہ حال ہے اور یہ تمہارا ہے' تم اسے چاہو تو بدل سکتے ہو اپنی قوت ارادی سے۔''

''مگر سر' ایک چیز ہوتی ہے تقدیر اور مقدر...... انسان اسے بدلنے پر قادر نہیں ہے......''

''ٹھیک...... لیکن یہ ایک لمبی بحث ہے پھر کبھی تم سے اس موضوع پر بات کروں گا...... اس وقت تو مجھے ہاسپٹل جانا ہے' کامل کو دیکھنے تم چلو گے ساتھ؟''

''جی سر۔''

''رائٹ تو تم گاڑی نکالو میں ماں جی کو فون کر کے آتا ہوں۔ وہ پریشان ہوں گی کامل کے لیے۔ کل بھی بات نہیں ہو سکی تھی۔''

''ماں جی کو بھی آپ ساتھ ہی لے آتے۔'' مسرور نے کہا۔

''نہیں' ماں جی کا آنا بہت مشکل ہے' وہاں بڑے بکھیڑے ہیں' کبھی فرصت ملے گی تو بتاؤں گا۔''

''لیکن ماں جی وہ اکیلی ہوتی ہیں تو زیادہ پریشان ہوتی ہیں۔ میرا مطلب ہے اپنا تو کوئی نہیں ہے' جتنے دن کامل اسپتال میں تھا تو......''

''ارے نہیں' آج کل ماں جی اکیلی نہیں ہیں۔ بی آپا ان کے پاس ہیں' وہ ہوں تو مجھے ماں جی کی بالکل فکر نہیں ہوتی۔ جیسے وہ نہیں' میں خود ہوں ان کے پاس۔''

مسرور کو بتا کر وہ فون کرنے گئے تو ماں جی نے انہیں بتایا کہ بی آپا ان دنوں بھائی عبدالرحمٰن کے گھر ہیں کیونکہ حریم کی طبیعت خراب تھی اسے کچھ ٹمپریچر ہو گیا تھا......

ماں جی کو فون کر کے وہ باہر آئے تو غیر ارادی طور پر حریم کے متعلق سوچ رہے تھے۔ ڈرائیو کرتے ہوئے بھی ان کے ذہن میں حریم کا وہ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ آ رہا تھا۔ اس روز وہ چوہدری عبدالرحمٰن کے گھر سے اٹھے تو ان کا دل بہت بھاری ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے دل پر کوئی بوجھ آ گرا ہو۔ وہ حریم کے آنسوؤں سے اور اس کے اس طرح خاموش ہونے سے بہت ڈسٹرب ہو گئے تھے۔

''پتا نہیں' یہ لڑکیاں ایسی کیوں ہوتی ہیں۔ اتنی نازک دل خود ہی آپوں آپ ذرا سی بات پر محل کھڑے کر لیتی ہیں اور جب یہ محل گرتے ہیں تو پھر روتی ہیں' آنسو بہاتی ہیں۔''

حریم کا چہرہ بار بار ان کے تصور میں آ رہا تھا۔ کیا کمی تھی پھر پتا نہیں کیوں ان کا دل نہیں مانتا تھا۔ شادی

کہیں نہ کہیں تو کرنی تھی پھر حریم سے کیوں نہ سہی۔ اس کے آنسوؤں کا مداوا تو...... ہو جائے گا۔ حالانکہ حریم نے ان سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی وہ ندامت محسوس کر رہے تھے۔ وہ ایک لڑکی کے آنسو پونچھ لینے پر قادر تھے لیکن اس سے اجتناب کر رہے تھے جو ان کی شخصیت کے منافی تھا۔ انہوں نے سوچا کہ وہ ماں جی سے کہہ دیں گے کہ ٹھیک ہے انہیں حریم کی رفاقت سے انکار نہیں۔ ضروری تو نہیں کہ وہ ایک خواب جو ابھی دھند کے پیچھے چھپا ہے کبھی اس دھند سے نکل کر آنکھوں میں آئے اور پھر اس خواب کی تعبیر بھی پا لی جائے۔

ضروری تو نہیں کہ وہ ایک ساتھی ......ان کے تصورات جیسا ساتھی اس دنیا میں کہیں موجود ہی ہو......اور پھر زندگی یہ تو نہیں جو انسان اپنے لیے' صرف اپنے لیے گزارتا ہے۔ اس زندگی پر دوسروں کا بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے جتنا کہ ہمارا بلکہ ہماری زندگیاں تو ہم سے زیادہ دوسرے گزارتے ہیں۔ شاید دوسروں کے حقوق خود ہمارے اپنے حقوق سے زیادہ ہوتے ہیں۔

وہ بھاری دل کے ساتھ گھر آئے تھے لیکن بی آپا کو دیکھ کر سب کچھ بھول گئے۔

"ارے بی آپا آپ۔" وہ ایک دم خوش ہو گئے تھے "آپ کب آئیں بہت جی چاہ رہا تھا آپ سے ملنے اور آپ کو دیکھنے کو۔" ان کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے آنکھوں سے لگایا اور پیار کیا۔

"تب ہی تو مہینوں بعد آتے ہو۔ ماں جی بتا رہی تھیں کہ اب بھی وہ نہ جاتیں تو نہ جانے کب تک نہ آتے۔"

"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں تھی' بس کچھ مصروفیت رہی لیکن آپ کہاں تھیں۔ اس سے پہلے دو بار میں آیا تو آپ نہیں تھیں۔"

"بھائی مراد علی کے پاس چلی گئی تھی لیکن سچ تو یہ ہے کہ دل نہیں لگا میرا وہاں حالانکہ بھائی مراد علی اور بچے بہت خیال رکھتے تھے۔"

"کیسے تھے بھائی صاحب؟"

"اچھے تھے۔"

"انہوں نے تو گاؤں ایسا چھوڑا کہ پھر مڑ کر آئے ہی نہیں۔" عادل ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"ہاں' کہتے تھے' ماں باپ کی زندگی میں نہیں آیا تو اب آ کر کیا کروں گا۔ انہوں نے جس گھر سے نکالا تھا' اب اس گھر میں کیا جانا۔"

"بھائی مراد علی بھی اپنے ارادوں میں بہت پختہ ہیں' بہت جی چاہتا ہے انہیں دیکھنے کو......انہیں میں نے بہت بچپن میں دیکھا تھا۔"

"تم فارغ ہو تو کبھی میرے ساتھ چلنا......بچوں نے بہت تاکید کی تھی کہ پھر آؤں......سچ تو یہ ہے کہ بچوں سے جدا ہوتے ہوئے مجھے بھی بہت دکھ ہوا...... بھابی نے بہت اچھی تربیت کی ہے ان کی۔ بہت

سلجھے ہوئے اور سمجھ دار بچے ہیں......"

"ہاں ضرور چلوں گا۔"

پروفیسر عادل کو بہت اشتیاق تھا' ان سے ملنے کا۔ بی آپا اور مراد علی ان کے والد کے چچا زاد بھائی کی اولاد تھے۔ مراد علی نے اپنی پسند سے شادی کر لی تھی جس پر ان کے والد نے انہیں اپنی جائداد سے عاق کر دیا تھا۔ وہ مڑ کر واپس نہیں آئے تھے۔ بی آپا کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

وجہ وہی خاندان میں جوڑ کا رشتہ نہ ہونا۔ بی آپا کے مزاج میں بہت نرماہٹ اور شفقت تھی۔ وہ بچپن میں اکثر ان کی طرف چلے جاتے تھے اور ان سے اپنے دکھ سکھ کہتے تھے۔

کئی بار ان کی گود میں سر رکھ کر روئے بھی تھے اور بی آپا نے ان کے آنسو پونچھے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر روئی تھیں۔

انہیں بی آپا سے بے حد محبت تھی اور بی آپا بھی ان پر جان چھڑکتی تھیں۔ گھر بھی ساتھ ساتھ تھے بلکہ حویلی کے اندر سے بھی راستہ جاتا تھا۔ ان کا جب دل چاہتا تھا' وہ ان کے پاس چلے جاتے تھے اور گھنٹوں ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ پھر انہیں اپنے اسکول کی باتیں......دوستوں کی باتیں بتاتے۔ اپنے مستقبل کے پلان ان سے ڈسکس کرتے اور وہ بھی بڑے دھیان سے ان کی باتیں سنتی تھیں۔

وہ گھر میں اکیلے تھے......

بابا تھے جن کے پاس ہر وقت کوئی نہ کوئی آتا رہتا تھا۔ ماں جی تھیں جو سارا وقت اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی رہتی تھیں یا روتی رہتی تھیں۔

کامل تھا ننھا سا......

جو نہ ہنستا تھا' نہ کھیلتا تھا......

سو وہ اپنے دل کی باتیں آپا سے کیا کرتے تھے۔

بی آپا بھی اکیلی تھیں۔

مراد علی کو عاق کر دیا گیا تھا۔

اور گھر میں ماں باپ تھے جن کے ساتھ دوستی نہیں کی جا سکتی تھی ہاں' بہت بچپن میں ہی دونوں کے درمیان دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا تھا حالانکہ بی آپا ان سے عمر میں بیس سال بڑی ہوں گی اور یہ دوستی کا رشتہ ابھی بھی قائم تھا۔ اب بھی وہ اپنے اندر کے دکھ بی آپا کو بتا دیتے تھے۔

والدین کے مرنے کے بعد بابا انہیں گھر ہی لے آئے تھے اور بی آپا کے آنے سے انہیں لگتا تھا جیسے گھر میں زندگی آ گئی ہے اور اب اتنے سارے دنوں کے بعد بی آپا کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے تھے کہ وقتی طور پر سب کچھ بھول گئے تھے اور ان کا ہاتھ ہاتھ میں پکڑے بیٹھے اشتیاق سے ان کی باتیں سن رہے تھے اور بی

آپا انہیں مراد علی اور ان کے بیوی بچوں کے متعلق بتا رہی تھیں۔

''ارے عادل' تم کب شادی کر رہے ہو......'' باتیں کرتے کرتے انہیں اچانک خیال آیا' ''بابا کی کتنی خواہش تھی کہ وہ زندگی میں ہی تمہاری شادی کر دیتے لیکن ان کی قسمت کسی پوتے پوتی کی شادی ان کی زندگی میں نہ ہو سکی۔ تم سب سے بڑے تھے اور تم ولایت جا کر بیٹھ گئے۔''

''بابا جان نے خود بھیجا تھا مجھے میں کب جانا چاہ رہا تھا۔ آپ کو پتا نہیں کہ میں ماں جی اور آپ کو اکیلا چھوڑ کر جانے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ مگر مجھے بابا جان نے زبردستی بھیج دیا۔''

''خیر وہ تو ضروری تھا' تمہارے مستقبل کے لیے لیکن اب شادی کا پروگرام بناؤ بھیا...... عمر گزری جا رہی ہے۔''

''خیر ایسی بھی نہیں گزری۔'' وہ ہنس پڑے تھے۔

''کوئی لڑکی پسند کر لی ہے تو بتا دو۔ ماں جی تک بات پہنچانا میرے ذمے۔''

''ماں جی کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو گئے۔

''مسئلہ تو میرا اپنا ہے بی آپا' میرا دل خود میرے لیے مسئلہ بن گیا ہے۔''

''مگر عادل شادی میں اب تمہیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' انہوں نے سمجھایا۔

تب ہی اندر سے کامل کے چیخنے کی آواز آئی تو وہ بی آپا کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے کامل کے کمرے کی طرف لپکے۔ اسے دورہ پڑ گیا تھا اور وہ زور زور سے چیخیں مارتے ہوئے سر پٹخ رہا تھا۔

پھر کامل کی پریشانی میں تو وہ سب کچھ بھول گئے تھے۔

بی آپا کا اصرار' حریم کے آنسو' اپنا خیال۔

سب ان کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ عارضی طور پر تو قصبے سے ڈاکٹر آ کر کامل کو سکون کے انجکشن لگا گیا تھا۔ لیکن نیند کے انجکشن اس کا مستقل حل تو نہ تھے۔ اس لیے وہ کامل اور کرم داد کو ساتھ ہی لے آئے تھے اور کامل کو یہاں اسپتال میں داخل کرا دیا تھا۔ یہ نجی اسپتال تھا اس لیے اچھی دیکھ بھال ہو رہی تھی۔ کرم داد بھی اس کے پاس تھا۔

گاڑی اسپتال کے قریب پارکنگ ایریا میں پارک کر کے وہ نیچے اترے اور مسرور کو اترنے کا اشارہ کیا

''نجی اسپتال میں کارکردگی نسبتاً تسلی بخش ہوتی ہے۔'' مسرور کے ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''لیکن سر یہاں کے چارجز بھی تو اتنے زیادہ ہیں کہ عام بندہ پے نہیں کر سکتا۔ اسے تو بہر حال انہی اسپتالوں کا رخ کرنا پڑتا ہے جہاں ایک ایک ہفتہ مریض کا حال نہیں پوچھا جاتا۔'' وہ مسرور کی بات کا جواب دینا چاہ رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر سلطان پر پڑی جو کامل کے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑا اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر ان پر نظر پڑتے ہی ان کی طرف لپکا۔

''کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔''

''تم کیسے آ گئے یہاں اچانک؟'' عادل نے اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''ابا جان نے کہا تھا کہ کامل کا حال دریافت کر آؤں۔''

''بہت اچھا کیا یار تم نے...... اب آئے ہو تو میں کچھ دن تمہیں جانے نہیں دوں گا۔'' پروفیسر عادل خوشی سے بولے اور مسرور سے اس کا تعارف کروایا۔

''یہ میرا چچازاد بھائی ہے۔ نام تو اس کا عمران ہے لیکن خود کو سلطان کہلوانا پسند کرتا ہے۔''

مسرور نے اس سے ہاتھ ملایا۔

اور پروفیسر عادل دونوں کو ساتھ لے کر کامل کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

❁❁❁

''مومو۔ مومو۔'' زینب عثمان احمد اسے پکارتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں آ گئیں جہاں وہ تیمور کے ساتھ لڈو کھیل رہی تھی۔

''میرا چھکا آ گیا مومو۔'' تیمور زور سے اچھلا۔

''جسٹ آ منٹ ڈارلنگ!'' انہوں نے تیمور کے گال کو انگلیوں سے تھپتھپایا۔

''جی ماما۔'' مریم ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''جانو میں ذرا ڈاکٹر معید کی طرف جا رہی ہوں۔ اگر مجی کا فون آئے تو بتا دینا۔''

''خیریت! آپ کی طبیعت تو اچھی ہے نا.....'' مریم پریشان ہو گئی۔

''ہاں خیریت ہے ڈیئر! وہ قاسم صاحب ہیں نا..' معید کے ڈیڈی' پچھلے دنوں لندن میں ان کا...... ایکسیڈینٹ ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا ذرا خیریت معلوم کر لیں۔ عاصم ہادی ملے تھے پرسوں مجھے' انہوں نے بتایا تھا۔''

''اوہ اچھا ٹھیک ہے۔'' مریم مطمئن ہو گئی۔

''انکل ہادی ملیں تو انہیں کہیے گا تیمور آپ کو یاد کر رہا تھا۔''

''اور ڈاکٹر معید۔''

''میں ان کو تو یاد نہیں کر رہا۔''

''کیوں بھئی' ڈاکٹر معید نے کیا قصور کیا ہے؟'' انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''اس لیے کہ انکل ہادی نے مجھ سے ایک پرامس کر رکھا ہے اور انہیں یاد کرنے کا مطلب ہے کہ میں انہیں ان کا پرامس یاد دلا رہا ہوں۔ جب کہ ڈاکٹر معید نے مجھ سے کوئی پرامس نہیں کر رکھا۔''

''ناٹی بوائے۔'' زینب عثمان نے اس کے رخسار پر چٹکی لی اور شریف کو بلا کر کچھ ہدایات دینے لگیں۔

مریم سر اٹھا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ موف کلر کی نفیس کام والی ساڑی' نفاست سے کیا ہوا میک اپ' صراحی دار گردن میں موف کلر کے اسٹون والا نازک سالاکٹ وہ بے تحاشا خوبصورت لگ رہی تھیں۔

''میری ماما کتنی خوبصورت ہیں اور کتنی دلکش۔'' بہت بار کی سوچی ہوئی بات اس نے ایک بار پھر سوچی۔

"MOMO! IT IS YOUR TURN" (مومو اب تمہاری باری ہے)

''اوہ یس۔'' اس نے چونک کر تیمور کی طرف دیکھا اور اپنی ٹرم لی۔

مسز عثمان شریف کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ ان دنوں وہ بہت خوش اور مطمئن لگ رہی تھیں۔ عثمان احمد بھی اسٹڈی سے اپنے بیڈروم میں منتقل ہو گئے تھے اور وہ نہ صرف عثمان احمد کا خیال رکھ رہی تھیں بلکہ ان سب پر بھی توجہ دے رہی تھیں۔

آتے جاتے مریم سے گپ بھی لگ جاتی تھی۔ عاشی اور نینا سے بھی ان کے اسکول کا حال احوال پوچھتی تھیں۔ تیمور کو بھی ایک دو بار ساتھ باہر لے گئی تھیں۔ سب ہی خوش تھے اور مریم بھی بہت پرسکون اور مطمئن تھی۔ ایک ماما کے رویے سے جیسے سارے گھر کی فضا بدل سی جاتی تھی۔ جیسے یہ گھر گھر نہ تھا کوئی جادو نگری تھا۔ ماما ہنستیں تو جیسے پورے گھر میں ہنسی کی لہر دوڑ جاتی تھیں۔

وہ خوش ہوتیں تو جیسے پورے گھر سے ہنسی کے فوارے پھوٹ پڑتے تھے۔ وہ اداس ہوتیں تو سارے گھر کے درودیوار سے اداسی ٹپکنے لگتی تھی۔ اتنی خاموشی اور سکوت چھا جاتا تھا کہ مریم کو گھر کے درودیوار سے خوف آنے لگتا تھا اور اب مسز عثمان احمد پرسکون اور خوش تھیں تو مریم کو یوں لگ رہا تھا جیسے پورے گھر میں ہنسی کی ککاریاں بکھری ہوئی ہوں۔

اس کا دل چاہتا تھا' وہ خود بھی ہنسے' خوش ہو۔

ماما سے۔

پاپا سے لاڈ کرے۔

فرمائش کرے۔

عاشی' نینا اور تیمور کے ساتھ خوب کھیلے اور رات کو کھانے کے بعد سب مل کر گپیں لگائیں اور وہ بالکل دوستوں کی طرح ماما پاپا کے ساتھ اپنی اور اپنی سہیلیوں کی باتیں کرے۔ ان کو بتائے کہ اسے اس طرح رہنا بہت اچھا لگتا ہے اور جب کبھی ماما موڈ میں ہوں تو وہ ان سے پوچھے۔

ان کی ٹینشن اور پریشانی کی وجہ۔

اور پھر وہ سب مل کر ماما کا مسئلہ حل کر دیں۔

اسے ماما کا سختی سے روکنا کتنا اچھا لگتا تھا۔

اس نے ایک بار بھی ضد نہیں کی تھی اور اگلی صبح سے ہی چاچا اسلم کے ساتھ کالج جانے لگی تھی۔ عاشی'

نینا اور مور تینوں بہت خوش ہوئے تھے۔ خاص طور پر تیمور۔

''مومو اب آپ ماما سے ناراض نہ ہونا۔''

اسے اپنے ساتھ جاتا دیکھ کر تیمور نے سنجیدگی سے کہا تھا تو وہ ہنس دی تھی۔

''میں پہلے بھی ماما سے ناراض نہیں تھی مور۔''

''لیکن آپ ہمارے ساتھ تو نہیں جاتی تھیں اور پھر کتنی تکلیف ہوتی تھی' آپ کو اتنی اتنی دیر تک بس اسٹاپ پر کھڑا رہنا پڑتا تھا۔''

''ہاں۔'' عاشی نے بھی تائید کی تھی۔

''ماما آپ پر غصہ ہوں بھی تو اب آپ ایسا نہ [illegible] گھر کی بات گھر میں ہی رہنی چاہیے ناں۔ آپ کی فرینڈز کیا کہتی ہوں گی۔''

''اوہ گڑیا!'' مریم شرمندہ ہو گئی۔

وہ اس سے اتنی چھوٹی تھی اور اسے سمجھا رہی تھی۔

واقعی اس سے غلطی ہوئی تھی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن شاید وہ کچھ جذباتی تھی۔ کچھ کیا بلکہ زیادہ ہی جذباتی تھی اور مس مہرین کہتی تھیں کہ زندگی کے مسائل کو بہتر طریقے سے حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اتنا جذباتی نہ ہو اور پتا نہیں کیوں وہ اتنا جذباتی تھی کہ سمجھوتا کر ہی نہیں پاتی تھی۔

''مومو' آپ کیا سوچنے لگی ہو' دھیان سے کھیلو نا۔۔ مزا نہیں آ رہا۔'' تیمور نے اسے سوچتے دیکھ کر کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کچھ بھی نہیں' بس ایسے ہی سوچ رہی تھی' اب گھر میں کتنا سکون ہے۔''

''ہاں وہ آنٹی نرگس جو نہیں آ رہی ہیں آج کل۔''

''ہائے واوئے' یہ آنٹی نرگس آج کل کہاں ہیں؟ کیوں نہیں آ رہی ہیں؟'' مریم پوری طرح تیمور کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''ماما کہہ رہی تھیں کہ آنٹی نرگس کراچی گئی ہوئی ہیں' اپنے بیٹے کے پاس۔''

''اچھا' اچھا۔ تب ہی۔'' مریم نے اپنی گوٹ اگلے خانے میں رکھی۔

اچانک گیٹ کی بیل ہوئی۔ تیمور کھیل چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''سر آ گئے ہیں۔ میں عاشی بجی اور نینا کو بلا لاؤں۔''

''یہ دونوں ابھی تک سو رہی ہیں کیا؟''

''نہیں تو عاشی بجی تو پڑھ رہی تھیں اور [illegible] ہوم ورک کر رہی تھی۔ تب ہی تو میں آپ کو بلا کر لایا تھا۔ میرے ساتھ کوئی کھیل نہیں رہا تھا۔'' تیمور نے تایا اور عاشی اور نینا کو بلانے چلا گیا۔

مریم نے گوٹیں سمیٹیں اور آنکھیں موند کر صوفے کی پشت سے سر ٹیک لیا۔ اندرونی دروازے کی بیل ہو رہی تھی اور شریف دروازہ کھولنے جا چکا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر مریم نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"شریف' ایک کپ چائے بنا دو۔"

"ایک نہیں دو کپ۔" چہکتی ہوئی آواز آئی تو وہ چونک کر آنکھیں کھولتے ہوئے ایک دم سیدھی ہو گئی۔ سامنے شرجیل مرزا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ مریم کی پیشانی شکن آلود ہو گئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو نارمل کر لیا۔

"ماما گھر پر نہیں ہیں۔"

"میرے خیال میں پہلے سلام دعا کی جاتی ہے۔"

"السلام علیکم۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"وعلیکم السلام۔" شرجیل مرزا کی نگاہیں مسلسل اس کے چہرے پر جمی تھیں "ہاں اب کہیں کیا کہہ رہی تھیں؟"

"ماما گھر پر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ کا فون آئے تو آپ کو بتا دوں کہ وہ ڈاکٹر معید کی طرف گئی ہیں۔"

"اوہ!" اس نے ہونٹ سکیڑے "ڈاکٹر معید کی طرف۔ کیا وہ پھر کچھ بیمار ہیں؟"

"نہیں۔ نہیں۔" مریم نے جلدی سے کہا "وہ اچھی ہیں۔"

"خیر اچھی تو وہ بہت ہیں۔" شرجیل مرزا مسکرایا "آج آپ کچھ بدلی بدلی لگ رہی ہیں۔"

مریم اس کی بات کا جواب دیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماما ابھی کچھ دیر پہلے گئی ہیں۔ ظاہر ہے دیر سے لوٹیں گی اور پاپا بھی کسی کام سے باہر گئے ہیں۔"

"مگر آپ تو گھر پر ہیں نا۔"

مریم نے وہاں سے جانے کے لیے قدم اٹھایا۔

"ارے ارے کہاں چلیں۔ بیٹھیں' گپ شپ لگائیں۔" شرجیل مرزا نے اس کے بازو کو پکڑ کر روکا۔

مریم کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور شریف کو آواز دی۔

"شریف۔"

"شریف کو کیوں بلا رہی ہیں' میں آپ کو کھا جاؤں گا۔ بیٹھ جائیں' آج میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے اس گریز کی وجہ کیا ہے۔"

مریم نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مڑ کر بیٹھ گئی۔

شریف نے کچن سے جھانک کر پوچھا "جی مریم بی بی۔"

"چائے جلدی لاؤ' شرجیل صاحب کو جانا ہے۔"

"اچھا جی۔"

شرجیل مرزا دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتی تھی کہ شرجیل مرزا ماما سے اس کی شکایت کرے اور وہ ایک بار پھر ڈیپریس ہو جائیں۔ اسے ماما کی بیماری سے کس قدر تکلیف ہوتی تھی۔ کتنی اذیت محسوس کرتی تھی وہ۔ اپنا آپ بہت برا لگتا ہے کہ ہر بار وہ ان کی بیماری کا باعث بن جاتی تھی۔ دل چاہتا تھا' اپنی زندگی ختم کر لے۔ سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے لیکن حرام موت سے اسے ڈر لگتا تھا۔ وہ حرام موت نہیں مرنا چاہتی تھی۔ یہ کیا بندہ مرنے کے بعد بھی عذاب سہتا رہے۔ سو وہ دل پر جبر کیے بیٹھی تھی اور اس کے چہرے کے رنگ لمحہ لمحہ بدل رہے تھے۔

"جی کہیے میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس نے چونک کر شرجیل مرزا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ کے گریز کی وجہ جاننے کا خواہش مند ہوں۔"

"جی۔"

"کوئی ایسا مشکل سوال تو نہیں ہے' سادہ سی بات پوچھی ہے کہ آپ مجھ سے بھاگتی کیوں ہیں۔ میں جتنا قریب آنا چاہتا ہوں' آپ اتنا ہی دور بھاگتی ہیں لیکن کب تک بھاگیں گی۔"

مریم کی برداشت اب ختم ہوتی جا رہی تھی۔ ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے کاٹ رہی تھی۔

"مجھے اس طرح کی کسی فضول بات کا جواب نہیں دینا۔ آپ کا تعلق اور دوستی صرف ماما سے ہے اور وہ انہی تک محدود رکھیں۔"

"یہ تو آپ کا خیال ہے نا۔"

"یہ صرف میرا خیال نہیں ہے بلکہ حقیقت بھی یہی ہے۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ میں یہاں صرف آپ کے لیے آتا ہوں۔"

"شٹ اپ۔" مریم کے ہاتھ سے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں۔ وہ یکدم کھڑی ہوگئی "آپ پلیز یہاں سے جا سکتے ہیں۔ ماما کو آپ کی آمد کی اطلاع دے دی جائے گی۔"

"چلا جاؤں گا' ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ چند لمحوں کا ساتھ آپ کو گوارا نہیں اور اگر زندگی بھر کا ساتھ ہو گیا تو کیا کریں گی پھر۔"

"دماغ صحیح ہے آپ کا' اپنی عمر دیکھیں اور میری۔ بیٹیوں جتنی ہوں آپ کی۔" مریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کو کیا جواب دے۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور اطلاعاً عرض ہے کہ میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ شادی نہیں کی ابھی تک بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میں شادی کے چکروں میں پڑنا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن آپ کو دیکھ کر ارادہ بدل گیا۔ سوچا' گھر بسا لیں اور آپ کی ماما کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''آپ چلے جائیں یہاں سے پلیز۔'' مریم کو کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔

''بہت مشکل ہو جائے گی بی بی۔ اپنے آپ کو سمجھا لیں۔''

''میں تم جیسے غلیظ آدمی سے شادی کرنے کے بجائے زہر کھا لوں گی۔''

''اوہ!'' اس نے آنکھیں پھاڑیں ''ضرورت پڑے تو مجھے کہیے گا۔ لا دوں گا۔''

وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اور سامنے سے آتی ہوئی عاشی کی طرف دیکھا۔

''مسز احمد مجھے داماد بنانے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ آپ زہر کھا لیں گی تو.....'' اس کی نگاہیں عاشی کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

مریم نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور غصے سے اس کا پورا وجود کانپنے لگا۔

''اپنی غلیظ نظریں اس معصوم کے چہرے سے ہٹا لو'' اس نے دبی دبی آواز میں کہا۔

''ہٹا لیں گے صاحب بشرطیکہ آپ......''

''آپی۔'' عاشی کتابیں اٹھائے اس کے قریب آ گئی ''السلام علیکم انکل جی۔'' عاشی نے شرجیل مرزا کو سلام کیا اور مریم کی طرف دیکھا ''تیمور کہہ رہا تھا' سر آ گئے ہیں لیکن سر تو نہیں ہیں۔''

''ہاں' یہ شرجیل صاحب آئے تھے' میں سمجھی کہ سر آ گئے ہیں۔ تم چلو کمرے میں وہ آنے والے ہی ہوں گے۔'' مریم نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

''اور یہ ماما کہاں گئی ہیں؟''

''ڈاکٹر معید کی طرف گئی ہیں۔''

''کیوں؟'' عاشی بھی پریشان ہو گئی ''ماما ٹھیک تو تھیں نا؟''

''ہاں ٹھیک تھیں۔'' مریم نے جلدی سے کہا ''تم چلو اندر میں بھی آتی ہوں۔''

وہ چاہ رہی تھی کہ عاشی جلد از جلد اس کی غلیظ نظروں کے سامنے سے ہٹ جائے۔ کیسی ایکسرے کرتی ہوئی سی نظریں تھیں شرجیل مرزا کی۔ اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہوئی۔ شرجیل مرزا اس کی کیفیت کو سمجھ کر ہولے سے مسکرایا۔

''ہاں تو عاشی بی بی' آپ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

''فائن انکل۔'' عاشی اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''دل لگ گیا ہے یہاں؟''

''جی انکل' بہت اچھی دوست مل گئی ہیں اور ٹیچرز بھی بہت اچھی ہیں۔'' عاشی نے خوش ہو کر کہا۔

''مری والا اسکول یاد نہیں آتا؟''

وہ جان بوجھ کر سوال کر رہا تھا۔

''آتا ہے' بہت یاد آتا ہے' خاص طور پر سسٹر مرینا اور مدر جوائس بہت یاد آتی ہیں۔ جب بھی بیمار پڑ جاتی تھی تو مدر جوائس بہت پیار کرتی تھیں اور بہت خیال کرتی تھیں میرا اور سسٹر مرینا کی آواز بہت پیاری تھی۔ وہ بہت خوبصورت گاتی بھی تھیں اور جب پڑھاتی تھیں' تب بھی ان کی آواز دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔'' عاشی خوش ہو کر بتا رہی تھی اور مریم پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

''عاشی دیکھو' یہ مور اور نینا کہاں رہ گئے ہیں۔ تمہارے ٹیوٹر آنے والے ہوں گے' جا کر بیٹھو۔''

''آپی' وہ نینا نے کارٹون فلم لگائی ہوئی تھی تو وہ دونوں دیکھ رہے تھے۔ نینا نے کہا تھا۔ ختم ہونے والی ہے' ایک منٹ میں آ رہے ہیں۔''

''ہاں تو عاشی جی آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ وہاں جا کر پڑھیں۔''

مریم نے غصیلی نظروں سے شرجیل مرزا کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں کوستے ہوئے سوچنے لگی

''کس قدر ذلیل انسان ہے یہ۔''

''نہیں' اب تو نہیں چاہتا۔ شروع شروع میں دل چاہتا تھا لیکن اب نہیں۔ یہاں سب جو ہیں۔ آپی' ماما' مور اور نینا۔ ان سب کے بغیر وہاں اچھا نہیں لگے گا۔ یہاں اب بالکل ٹھیک ہے۔''

شریف ٹرالی دھکیلتا ہوا آیا تو مریم نے غصے سے کہا ''اتنی دیر لگا دی تم نے' چائے گلنے کے لیے رکھی ہوئی تھی!''

''جی مریم بی بی۔'' شریف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ مریم نے کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی

''وہ جی میں......''

''اچھا اچھا' ٹھیک ہے۔ چائے بناؤ اور شرجیل صاحب!'' اس نے شرجیل کی طرف دیکھا ''چائے پیجیے' شریف آپ کو کمپنی دیتا ہے۔ شاید ماما اس اثنا میں آ جائیں۔'' اور عاشی کا ہاتھ پکڑ کر وہ ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

شرجیل مرزا لمحہ بھر اسے باہر جاتے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر شریف کی طرف متوجہ ہو گیا ''یار' جلدی سے چائے کا ایک کپ دو' مجھے دیر ہو رہی ہے۔ بہت ضروری کام سے جانا تھا۔''

''سر' یہ نمکو اور بسکٹ تو لیں۔'' شریف نے دانت نکالے۔

''نہیں یار' شریف' جلدی ہے۔''

''بیٹھیں گے نہیں آپ' بیگم صاحب آتی ہی ہوں گی۔''

شریف کو جب شرجیل مرزا یار کہہ کر بلاتا تو وہ بہت خوش ہوتا تھا اور اس کے جانے کے بعد بھی۔ سو آج وہ بہت خوش ہو رہا تھا اور اصرار کر رہا تھا کہ وہ رک جائے۔

نہیں یار‘ اب چلوں گا۔ اپنی بیگم صاحب کو بتا دینا کہ میں آیا تھا۔‘‘ شرجیل مرزا چائے پینے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

’’اپنے شجی صاحب تو چلے گئے جی۔‘‘ اس نے شرجیل مرزا کے جانے کے بعد مریم کو اطلاع دینا ضروری سمجھا ’’میں نے تو بہت روکا لیکن وہ رکے ہی نہیں۔‘‘

’’اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔‘‘ مریم نے جو عاشی کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی‘ بیزاری سے کہا۔

’’وہ جی ٹیوٹر بھی آ گیا ہے۔‘‘ شریف نے جاتے جاتے بتایا۔ عاشی کتابیں اٹھائے اٹھائے باہر چلی گئی تو بہت دیر سے رکے ہوئے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

’’تو...... تو یہ بات تھی۔ امی صحیح کہتی تھی کہ ماما شرجیل مرزا کے متعلق۔‘‘

’’اف۔ او۔ نہیں‘ ہرگز نہیں‘ کبھی نہیں‘ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔‘‘

’’بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ ماما کو خدا جانے اس میں کیا نظر آتا ہے۔‘‘

’’صرف دولت ہے نا...... اور پھر...... پھر وہ تو ماما کو پسند کرتا تھا۔ ایک دن ماما خود آنٹی نرگس کو بتا رہی تھیں کہ شجی ان سے کہتا ہے کہ اگر وہ مسز عثمان نہ ہوتیں تو وہ انہیں پروپوز کر دیتا۔‘‘

اور ماما اور آنٹی نرگس کتنا ہنس رہی تھیں۔

اور پھر وہ پاپا سے عمر میں ذرا سا ہی تو چھوٹا ہے۔

پھر وہ۔ وہ ایسا کیوں سوچتی ہیں۔

انہوں نے شرجیل مرزا سے اس طرح کی بات کیوں کی ہے۔

یقیناً پاپا کو اس بات کا علم نہیں ہو گا۔

یہ صرف ماما کی اپنی رائے‘ اپنی خواہش ہو گی۔

اور ماما تو یونہی الٹی سیدھی باتیں سوچتی ہیں۔

اور الٹی سیدھی خواہشیں رکھتی ہیں۔

اس نے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی اِدھر سے اُدھر۔ عجیب سا اضطراب تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی۔

ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔ ابھی تو...... اور ماما نے ابھی سے یہ کیا سوچنا شروع کر دیا ہے۔

اور اس سے...... اس شرجیل مرزا سے بھی کہہ دیا ہے تب ہی تو وہ اتنا شوخ اور بولڈ ہو کر بات کرتا ہے۔

اور تب ہی تو اس کی اتنی جرأت ہوتی ہے۔

خدا جانے ماما نے اس سے کیا کہہ دیا ہو گا۔

کیسے کیسے وعدے کیے ہیں۔

لیکن وہ ماما کی یہ بات ہرگز نہیں مان سکتی۔

کبھی نہیں‘ زہر لگتا ہے اسے یہ شخص۔

نفرت ہے اسے اس سے۔

آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔

تب ہی باہر سے پاپا کی آواز آئی تو وہ بے اختیار بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

’’پاپا!‘‘ اس نے ایک دم ان کے ہاتھ تھام لیے ’’پاپا!‘‘

’’کیا ہوا۔ کیا ہوا مومو‘ خیریت تو ہے؟‘‘ عثمان احمد نے اس کے روئے روئے چہرے کو دیکھا۔

’’پاپا وہ......‘‘ اور لفظ آنسوؤں میں بھیگ کر گم ہو گئے۔ وہ بے اختیار ان سے لپٹ کر زور زور سے رونے لگی۔ اونچا اونچا۔

عثمان احمد نے بے اختیار اپنے بازو اس کے گرد لپیٹ لیے۔

’’بیٹا کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا‘ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے؟‘‘

مگر وہ روئے چلی گئی۔ تب ہی مسز آفندی سے باتیں کرتی ہوئی زینب عثمان احمد اندر داخل ہوئیں اور وہیں ٹھٹک کر رک گئیں۔

❁❁❁

سکندر جب سے گاؤں سے واپس آیا تھا‘ چپ چپ سا تھا۔ نہ اس کا دل پڑھنے میں لگتا اور نہ ہی صبح صادق اور محسن وقار کی باتیں اس کا دل بہلا سکتی تھیں۔ چاچا کی اچانک موت کا سانحہ ہی کچھ کم نہ تھا کہ عنبر آپا چاچا کی وفات کے صرف اٹھارہ دن بعد بیٹے کی پیدائش پر زندگی ہار بیٹھیں۔ ابھی تو چاچا کی موت کا دکھ ہی کم نہیں ہوا تھا کہ عنبر آپو چلی گئیں۔

بالکل اچانک چاچا کی وفات پر وہ آئی تھیں تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں لیکن پھر صرف اٹھارہ دن بعد...... اچانک ہی ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ ان سب کی کتنی خواہش تھی کہ وہ عنبر آپو کو شہر لے جائیں لیکن سسرال والے نہیں مان رہے تھے۔

’’سکندر‘ مجھے بچا لو۔ میرے بھائی‘ مجھے بچا لو۔ مجھے شہر لے چلو۔‘‘ اس نے سکندر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اس کے اندر زندہ رہنے کی کتنی خواہش تھی۔

کتنی تمنا تھی۔ بھا نثار نے اس کے شوہر سے کہا ’’عنبر کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور گاؤں میں تو کوئی

ڈاکٹر بھی نہیں ہے۔ اگر تم اجازت دو تو ہم اسے شہر لے جائیں۔''

''نہ پتر۔'' عنبر کی ساس نے ہنس کر کہا ''بچی ہے۔ پہلی بار ہے تو گھبرا رہی ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے' اللہ خیر کرے گا۔ اپنی ماسی حلیمہ کا بڑا تجربہ ہے۔ اپنے سارے بچے اسی کے ہاتھوں میں ہوئے ہیں۔''

لیکن ہوا کیا' عنبر آپا مر گئیں۔

انہوں نے آنکھیں کھول کر اس معصوم فرشتے کو دیکھا تک نہیں جس کے لیے اتنی اذیت اٹھائی تھی۔

سکندر کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔

عنبر آپا کی وہ التجا بھری نظریں اسے بھولتی ہی نہیں تھیں۔

شاید انہیں پہلے ہی ادراک ہو گیا تھا۔

شاید وہ بہت زیادہ تکلیف میں تھیں۔

''اگر وہ انہیں شہر لے جاتے تو وہ بچ جاتیں۔'' اس نے کوئی چوتھی دفعہ بابا سے یہ بات کہی تھی اور ہر بار بابا نے اپنے آنسو پیتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

''بیٹا' اس کی قسمت میں اسی طرح لکھا تھا' پتر وہ اتنی ہی زندگی لے کر آئی تھی' اگر زندگی ہوتی تو یہاں ہی کوئی سبب بن جاتا۔ وہ رب جب بلاوا بھیجے تو آدمی کو جانا تو ہوتا ہے نا پتر۔''

لیکن پتا نہیں کیوں' وہ بابا کی طرح راضی وشاکر کیوں نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ جا کر عنبر آپا کے شوہر سے لڑے' ان کی ساس سے کہے کہ صرف ان کی بے جا ضد کی وجہ سے عنبر آپا مری ہیں۔

صرف ان کی وجہ سے۔

لیکن وہ دل ہی دل میں کڑھ کر رہ جاتا تھا۔ بابا اسے سمجھاتے۔

''پاگل ہو گیا ہے پتر' ایسی باتیں مت کر۔ زندگی کا ایک لمحہ بھی گھٹایا یا بڑھایا نہیں جا سکتا۔ ہونی تو ہو کر ہی رہتی ہے پتر۔'' اور وہ بہت دل گرفتہ اور دل شکستہ ہو کر واپس آ گیا تھا۔

لیکن یہاں آ کر بھی اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔

صبح صادق اور محسن وقار اسے بہت زیادہ کمپنی دے رہے تھے۔ اس وقت بھی دونوں اس کے پاس بیٹھے تھے۔

''یار سکندر! اپنے آپ کو سنبھال اور سنجیدگی سے پڑھائی شروع کر دے۔ میڈم کا تجھے پتا ہے۔ ایک نمبر بھی کم ہوا تو سپلی لگ جائے گی۔ وہ کسی کی نہیں سنتی ہیں۔''

''ہاں یار۔''

صبح صادق نے بھی محسن کی تائید کی ''اس کی دوستی بھی کسی کام نہیں آئے گی یار' میڈم کی بیٹی بھی اصولوں کے معاملے میں میڈم سے کم نہیں ہیں بلکہ دو ہاتھ آگے ہی ہیں۔''

''ہاں یار بڑی چیز ہے وہ بھی۔'' محسن نے بتایا۔

''کل کہہ رہی تھی تم اگر میرے قریب آئے ہو کہ ماما سے تمہاری سفارش کروں گی تو سوری' تمہیں مایوسی ہو گی۔''

''اچھا تو تم بات بھی کر چکے ہو۔'' صبح صادق اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''نہیں یار' یونہی بات کی تھی کہ تیاری صحیح نہیں ہو رہی ہے۔''

''اور اس نے پر گن لیے؟''

''ہاں' بڑی تیز ہے۔''

''تو پھر بچ کر رہنا' کہیں مارے ہی نہ جاؤ۔''

''مارا ہی تو گیا ہوں یار۔''

''کیا!'' صبح صادق اپنی جگہ سے اچھلا۔

''ہاں یار۔''

محسن نے بے بسی سے کہا' ''ایسا لگتا ہے کہ اب قدم یہاں ہی ٹھہر جائیں گے۔''

''ابھی تو زندگی پڑی ہے میری جان۔ کہاں کہاں ٹھہرو گے؟''

''نہیں یار۔ لگتا ہے' یہاں ہی ٹھہر گیا ہوں۔''

''اللہ بھلی کرے گا۔ لڑکی بہرحال بری نہیں ہے۔'' صبح صادق نے دعا دی اور خاموش بیٹھے سکندر کی طرف دیکھا۔

''یار' تم نے ابھی تک بتایا ہی نہیں کہ چاچا کا قتل کیسے ہوا۔ کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔''

''چاچا تو بہت مسکین آدمی تھے یار۔ انہوں نے کسی سے کیا جھگڑا کرنا تھا۔ وہ تو بیچ بچاؤ کراتے ہوئے ارباز خان کے آدمیوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ تم تو ان سے مل چکے ہو' کس قدر محبت کرنے والے آدمی تھے۔''

''ہاں یار' مجھے ان کی باتیں اکثر یاد آتی ہیں۔'' محسن نے افسردگی سے کہا۔

''کچھ لوگ دنیا میں صرف محبت کرنے کے لیے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ چاچا بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ لیکن جب سے چاچی مری تھیں۔ ان کے اندر زندگی کی امنگ جیسے ختم ہو گئی تھی۔

گری گری باتیں کرتے تھے۔

ٹوٹی ہوئی سی۔

چاچی کو بہت یاد کرتے تھے۔

مجھے کہتے تھے' میں نے تیری چاچی پر کبھی توجہ نہیں دی۔

عورت کا حق ہوتا ہے کہ مرد اسے سراہے' اس کی تعریف کرے۔
اسے محبت کی نظر سے دیکھے۔
اس کی تھکاوٹوں کو بانٹے۔
اس کی تعریف کا ایک بول عورت کی ساری تھکاوٹیں ختم کر دیتا ہے لیکن اگر مرد اسے نہ سراہے تو وہ اندر سے مرجھا جاتی ہے۔ پیلی پڑ جاتی ہے۔ باہر سے ہنستی بولتی اور زندگی کے سارے کام کرتی ہے لیکن اندر سے تھک جاتی ہے۔
میں نے بھی تیری چاچی کو نہیں سراہا تھا۔
اس لیے وہ اندر سے مرجھا گئی تھی۔
پیلی ہو گئی تھی۔"
سکندر نے گاؤں سے آنے کے بعد پہلی بار چاچا کے متعلق اتنی باتیں کی تھیں۔
"تیرے چاچا بڑے پتے کی باتیں کرتے تھے یار۔" محسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ تیری کزن کا کیا حال ہے؟ وہ تو بہت تنہا ہو گئی ہو گی۔"
"ہاں۔ بابا اسے گھر ہی لے آئے ہیں۔ میں تو صحیح طرح سے اسے تسلی بھی نہیں دے سکا۔ عنبر آپا کا دکھ اچانک ہی آن پڑا۔"
"یار ڈاکٹر لوگ جو گاؤں میں نہیں جاتے تو بڑی زیادتی کرتے ہیں۔ آخر ان کو بھی تو ڈاکٹرز کی ضرورت ہوتی ہے نا میرا کزن ہے۔ ہاؤس جاب کے فوراً بعد اسے جاب مل گئی۔ گورنمنٹ کی جاب تھی۔ شیخوپورہ سے بہت آگے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا وہاں لیکن ہفتے میں دو دن جاتا تھا۔ سیٹل کر رکھا تھا اس نے اور پھر وہاں جو نرسیں اور ڈسپنسر وغیرہ تھے' انہوں نے اپنی اجارہ داری بنا رکھی تھی وہ خود پسند نہیں کرتے تھے کہ وہاں کوئی ڈاکٹر رہے۔" صبح صادق نے تفصیل سے بتایا "حالانکہ میرا کزن جب ابتدا میں گیا تو وہ خاصا مخلص تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ دو سال تک گاؤں میں جاب کرے گا لیکن انہوں نے تو وہاں اسے ٹکنے ہی نہ دیا۔ میں ایک دو بار گیا تھا وہاں اس کے ساتھ۔ اس ڈسپنسر اور نرس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ وہاں نہ آیا کرے۔"
"ڈاکٹر صاحب' آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ روز کی خواری۔ اول تو یہاں کوئی مریض آتا ہی نہیں ہے۔ کوئی آیا بھی تو دیکھ لیں گے۔"
"ہاں یار' ہمارے ہاں یہ بڑی خرابی ہے۔ کوئی مخلص ہو بھی تو رکاوٹیں کھڑی کرنے والے اتنے ہوتے ہیں کہ بندہ ہمت ہار جاتا ہے۔ چاہے کتنا بھی آئیڈلسٹک کیوں نہ ہو۔ میرے چچا بھی بڑے آئیڈلسٹک ہوتے تھے۔ کنیز پھپھو سے انہوں نے جو بے وفائی کی' وہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن انہیں پاکستان سے بہت

محبت تھی۔ بڑی باتیں کرتے تھے۔ کرپشن کے خلاف' رشوت کے خلاف لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ سیدھے راستے پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لوگ رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ یار' تم چلو ناں کسی دن میرے ساتھ چچا سے ملواؤں گا۔ بہت خوش مزاج آدمی ہیں۔ تم سے مل کر خوش ہوں گے۔ میں بھی کیسا بے وقوف ہوں' تین سال سے زیادہ ہونے والے ہیں ہمیں اکٹھا رہتے ہوئے اور میں تمہیں ایک بار بھی چچا کے گھر لے کر نہیں گیا۔"
"ہاں خیر' تمہاری بے وقوفی پر تو ہمیں بھی کوئی شک نہیں۔ کیوں سکندر یار۔" صبح صادق نے شرارت سے محسن کی طرف دیکھتے ہوئے سکندر سے پوچھا۔
"ہاں۔" سکندر نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا کہہ رہے تھے تم؟"
"تم کہاں کھو گئے تھے؟"
"میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد اپنے گاؤں میں ہی پریکٹس کروں گا۔ تمہیں پتا ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک بھی ڈاکٹر نہیں ہے۔ بس ایک حکیم ہے۔ کافی سیانا ہے لیکن یار ڈاکٹر کی ضرورت تو ہوتی ہے نا۔"
"وش یو گڈ لک مائی فرینڈ۔" محسن نے اس کا کندھا تھپکا "لیکن سب ڈاکٹروں کی طرح ڈاکٹر بن کر اپنا عہد بھول نہ جانا۔"
"نہیں انشاء اللہ ایسا نہیں ہو گا۔ بابا کی تو ہمیشہ سے ہی یہی خواہش تھی۔ بھا نثار بھی چاہتے تھے کہ میں گاؤں میں ہی کلینک بناؤں بلکہ انہوں نے تو وہ جگہ بھی سوچ رکھی ہے جہاں میرا کلینک بننا ہے اور میں نے عنبر آپا کے مرنے کے بعد خود سے یہ عہد کیا تھا کہ میں گاؤں میں ہی رہوں گا۔"
"اور جناب ہم بھی عہد کرتے ہیں کہ کبھی کبھار تمہارے کلینک میں آیا کریں گے اور تمہارے ساتھ تمہارے گاؤں کے مریضوں کا مفت علاج کیا کریں گے۔" محسن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
"تم کیا اپنے گاؤں میں کلینک بناؤ گے؟" سکندر نے پوچھا۔
"نہیں یار' میرے گاؤں والوں کو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم نے دیکھا تو تھا کہ ہمارا گاؤں شہر کا ہی ایک حصہ ہے۔ پندرہ منٹ کا تو راستہ ہے بلکہ لوگ پیدل بھی شہر جاتے ہیں۔ میں تو یہیں لاہور میں ہی جاب کروں گا۔ بڑے اسپتالوں میں تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ بہت مریض آتے ہیں۔ وہاں کیا مکھیاں ماروں گا۔ ٹھہراؤ آ جائے گا۔ کوئی اضافہ نہیں ہو گا علم اور تجربے میں صرف کتابی علم بے کار ہے۔ یہاں سیکھنے کا موقع ملے گا۔ سو ہم تو یہیں رہیں گے۔ لاہور میں۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو یار لیکن میرے گاؤں کو میری ضرورت ہے۔" سکندر نے یقین سے کہا "مجھے تو بہر صورت گاؤں جانا ہے۔"

''ٹھیک ہے یار' ہم اپنے تجربے سے تمہیں مستفید کرتے رہیں گے۔'' صبح صادق خوش دلی سے بولا ''اب اٹھو یار' جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج رات کا کھانا ہم محسن کے چچا کے ہاں کھائیں گے۔''

''واہ میں نے تو ایسی کوئی دعوت نہیں دی۔'' محسن نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ابھی تو تم اپنی بے وقوفی کا اعتراف کر رہے تھے۔ عقل مند بن جاؤ' میں اپنے یار کو بے وقوف نہیں دیکھ سکتا۔ بہت دن ہو گئے' گھر کا کھانا نہیں کھایا۔ اس میڈیکل کی پڑھائی نے تو مت ہی مار دی ہے۔ سوچا تھا ایف ایس سی تک ہی محنت کرنا پڑے گی۔ آگے تو عیش ہی عیش ہوں گے۔ بھاگ بھاگ کر گاؤں آیا کریں گے لیکن پتا چلا' وہ کیا محنت تھی۔ چار کتابیں رٹ لیں۔ پڑھائی تو اب کرنا ہے۔''

''یار' تم بہت پیٹو ہو۔''

محسن ہنس دیا ''میں پتا کرتا ہوں' چچا ابھی گھر پر بھی ہیں یا نہیں بلکہ ان کو اطلاع بھی کر دیتا ہوں کہ میرے دوست ساتھ ہیں' میری چچی ان چیزوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں۔''

''کیا انہیں ہمارا جانا برا لگے گا؟''

''ارے نہیں یار' وہ تو بہت سوشل ہیں' خوش ہوں گی لیکن ذرا ایٹی کیٹس وغیرہ کا بہت دھیان رکھتی ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں فون کر کے آتا ہوں۔''

''محسن' رہنے دو پلیز پھر کسی دن چلے جائیں گے۔'' سکندر کا جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن صبح صادق اور محسن نے اسے زبردستی تیار کر ہی لیا۔

''ذرا چینج ہو جائے گا' تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔'' صبح صادق نے اسے زبردستی باتھ روم کی طرف دھکیل دیا۔

❁❁❁

نیو گارڈن ٹاؤن میں محسن کے چچا کا بہت خوبصورت اور شاندار گھر تھا۔ وسیع ڈرائنگ روم میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے صبح صادق نے سرگوشی کی۔

''یار' تمہارے چچا کا ذوق بہت اعلیٰ ہے یا چچی کا؟''

''چچا کا...... یہ گھر اور اس گھر کی سجاوٹ میں چچا کا ذوق کام کر رہا ہے۔ چچی کی دلچسپی اتنی ہی ہے کہ انہوں نے گھر بننے کے بعد ایک اچھے انٹیریئر ڈیکوریٹر کو بلوا لیا۔ یہ جو پینٹنگ دیکھ رہے ہو نا یہ چچا نے خود بنائی ہے حالانکہ ان کا شعبہ ان کے ذوق کے لطیف سے میل نہیں کھاتا۔ اس قدر خشک کام اور اس پر یہ ذوق۔'' محسن نے تفصیل سے بتایا۔

''چچا بہت اچھی شاعری بھی لکھتے ہیں۔ میں نے ان کی ایک دو نظمیں پڑھی ہیں بلکہ سنی ہیں۔ دل کو چھوتی ہیں۔''

''کمال ہے!'' صادق کو پھر حیرت ہوئی۔

''پھر تمہارے چچا نے کنیز پھپھو سے بے وفائی کیوں کی۔ سنا ہے' ایسے لوگ تو۔ میرا مطلب ہے' یہ ذوق رکھنے والے لوگ بڑے حساس ہوتے ہیں اور اپنے وعدوں پر جان دیتے ہیں۔ نازک احساس ہوتے ہیں ان کے' اس لیے دوسروں کے احساسات کی نزاکتوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔''

''ہاں' تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا جن کے متعلق ہم پر یقین ہوتے ہیں' وہ ہمیں بیچ منجدھار میں چھوڑ دیتے ہیں اور جن کے لیے ہمیں گمان بھی نہیں ہوتا' وہ ہمارے لیے جان سے گزر جاتے ہیں۔ کبھی کبھی آدمی کہیں پھنس جاتا ہے۔ الجھ جاتا ہے' اب کبھی کبھی میں بھی سوچتا ہوں' شاید چچا بھی کہیں الجھ ہی گئے تھے۔ ورنہ وہ ایسے تو نہیں ہیں۔''

سکندر خاموشی سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہا تھا۔

بہت نفاست سے ہر چیز اپنے مقام پر مناسب لگ رہی تھی۔ بڑے لوگوں کے ڈرائنگ رومز کی طرح کسی چیز کی افراط نہ تھی۔

ڈیکوریشن پیسز بہت قیمتی اور نفیس تھے۔

شیشے کی دیوار سے باہر رات کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

شاخوں کے سروں پر لہلہاتے گلاب۔

اور پانی اچھالتا فوارہ۔

سب بہت دلکش لگ رہے تھے۔

واقعی کسی باذوق نے ہی اسے ڈیزائن کیا تھا۔

ابھی وہ ڈرائنگ روم کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ محسن کے چچا آ گئے اور محسن کے چچا سے مل کر ان سے باتیں کر کے انہیں بہت لطف آیا۔ وہ بہت دلچسپ شخصیت کے مالک تھے اور ان کا مطالعہ بے حساب تھا۔ ہر موضوع پر بے تکان بولتے تھے۔ سکندر ان سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ صبح صادق کے اصرار پر انہوں نے اپنی دو تین نظمیں بھی سنائی تھیں۔ بہت خوبصورتی تھی ان نظموں میں۔

بڑا گداز لہجہ تھا۔

کچھ کھو دینے کا احساس۔

کسی اندرونی دکھ کی جھلک ان تینوں نظموں میں مل رہی تھی۔ خاص طور پر ان کی نظم "MY SWEET MAID" اسے بہت اچھی لگی تھی اور اس نے دل ہی دل میں کئی بار اس کی لائنوں کو دہرایا تھا۔

محسن کے چچا انہیں بالکل اجنبی نہیں لگے۔ جیسے وہ انہیں برسوں سے جانتے ہوں۔ انہوں نے اپنی گفتگو اور اپنے رویے سے انہیں ایک لمحے کے لیے بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ پہلی بار ان سے

ملے ہیں اور نہ ہی یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ ان سے عمر میں بڑے ہیں۔ بالکل دوستوں کی طرح بی ہیو کر رہے تھے۔

ان کے لہجے میں ان کے عہدے کا غرور نہیں جھلکتا تھا۔

''میں نے کتنی بار محسن سے کہا ہے کہ یار کبھی اپنے دوستوں کو لاؤ۔ کبھی ویک اینڈ پر آجایا کرو۔ چینج آجاتا ہے۔ ہاسٹل میں رہ کر بندہ ترسا ہوتا ہے گھریلو فضا کو۔ اوب جاتا ہے ایک ہی سے کھانے کو کھا کھا کر۔''

''ہاں جی۔'' صبح صادق اپنی عادت کے مطابق فوراً ہی بے تکلف ہو گیا تھا' ''یہ محسن کا بچہ ہے ہی پورا بے وقوف۔ خود نہیں آتا تھا تو کم از کم ہمیں ہی بھیج دیا کرتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بھئی میں ترس جاتا ہوں گھریلو فضا کو۔ یہ آئے نہ آئے میرا تو آنا پکا۔ میں تو ہر ویک اینڈ پر آجایا کروں گا۔''

''ضرور کیوں نہیں۔'' انہوں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''مجھے تو دکھ ہو رہا ہے کہ اتنا عرصہ آپ سے ملاقات کیوں نہ ہوئی۔ اس محسن کے بچے نے اتنے سوئٹ چچا کو ہم سے چھپا کر رکھا ہوا تھا اور آپ سے کبھی گاؤں میں بھی ملاقات نہ ہو سکی۔''

''گاؤں میں۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے محسن کی طرف دیکھا۔

''جی۔'' محسن کے بجائے صبح صادق نے ہی جواب دیا ''ہم ایک ہی گاؤں کے ہیں' میں ملک فضل داد کا بیٹا ہوں۔''

''اچھا اچھا' فضل داد تو میرا جماعتی تھا۔ کیسا ہے وہ اب۔ کیا کر رہا ہے؟''

''ابا آڑھت کا کام کرتے ہیں۔''

''ہاں' میٹرک کے بعد اس نے چھوڑ دیا تھا۔ بڑا جولی ہوتا تھا۔ بڑے لطیفے یاد ہوتے تھے اسے۔''

''یہ بھی پورا بھانڈ ہے۔'' محسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یار' کچھ نہ کچھ تو ورثے میں ملنا ہی تھا۔''

''بھئی بہت خوشی ہوئی ہے تم لوگوں سے مل کر۔'' محسن کے چچا نے ایک بار پھر کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں ایک ضروری فون کرنا تھا جس کے لیے انہوں نے معذرت چاہی ''تم لوگ گپ لگاؤ' چائے پیو اور میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔ محسن یار' اپنے دوستوں کو بور مت ہونے دینا۔''

''نہیں چچا' آپ بے فکر رہیں۔ یہ بالکل بور نہیں ہوں گے۔''

''یار' تمہارے چچا بالکل ارسٹوکریٹ نہیں لگتے۔'' ان کے باہر جاتے ہی صبح صادق نے تبصرہ کیا۔

''تم یہ تبصرہ ہاسٹل جانے تک محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔'' محسن نے اسے گھُرکا۔

''نہیں یار' میرے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہی ہے۔ تم نے تو اپنے چچا کا جو نقشہ کھینچا تھا' اس سے میرے ذہن میں جو خاکہ بنا تھا' وہ اس کی شخصیت سے بالکل مختلف تھا۔''

''تمہاری اپنی سمجھ کا فتور ہے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''یار یہ ارسٹوکریٹ تو کلف لگے کپڑوں کی طرح اکڑے ہوئے ہوتے ہیں جب کہ تمہارے چچا کے لباس سے تو اپنے گاؤں کی مٹی کی خوشبو آرہی تھی۔ یہ خوشبو ان کے پورے وجود سے پھوٹ رہی تھی۔''

''چچا بھی کبھی کبھی کلف لگے کپڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ چچا کو سمجھنا بہت مشکل ہے لیکن اس کے دوہ ایک خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں۔ تمہیں بہرحال ان سے مل کر کبھی مایوسی نہیں ہو گی۔''

محسن نے صبح صادق کی بات کا جواب دیا اور سکندر کی طرف متوجہ ہو گیا جو ایک بار پھر ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا تھا۔

کھانے پر گھر کے دوسرے افراد سے بھی ملاقات ہوئی۔ محسن کے چچا کے دو بیٹے تھے۔ تیرہ اور بارہ سال کے' ایک بیٹی تھی سات آٹھ سال کی۔ تینوں بچے بہت پیارے اور سلجھے ہوئے تھے۔ سکندر نے دل ہی دل میں انہیں سراہا۔

بچوں کی تربیت میں ماں کا بہت ہاتھ ہوتا ہے۔

اور یقیناً ان بچوں کی تربیت میں محسن کی چچی کا بہت ہاتھ تھا۔

اگر ان کی جگہ کنیز پھپھو ہوتیں تو شاید بچے اتنے ویل مینرڈ نہ ہوتے۔

سکندر نے محسن کی چچی کی طرف دیکھا جو ملازم کو آواز دے رہی تھیں۔

''بھئی ڈولی کہاں ہے؟ اس کو بلاؤ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئیں ''یہ ڈولی بھی بہت لاپرواہ ہے۔ میری بھانجی ہے'' انہوں نے تعارف کروایا ''اس کے والدین امریکا میں ہیں۔ ایجوکیشن کے لیے میرے پاس آئی ہوئی ہے۔ کم آن ڈولی جان!'' انہوں نے سیڑھیوں سے اترتی ڈولی کو آواز دی۔

سکندر کی نگاہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف اٹھ گئی۔

حسن کیا ہوتا ہے۔

خوبصورتی کسے کہتے ہیں۔

دلکشی اور کشش کیا ہے۔

اس سب کا جواب ڈولی کے وجود میں موجود تھا۔

بے حد سفید رنگت۔

یوں جیسے دودھ میں گلابیاں گھول دی ہوں۔ لمبی صراحی دار گردن اور باریک سی گولڈن چین۔

دلکش ہونٹ۔

لانبی چمکدار روشن آنکھیں۔

دوسرے لمحے سکندر نے نگاہیں جھکا لیں۔

"یہ سکندر اور صبح صادق ہیں' اپنے محسن کے دوست اس کے ساتھ ہی میڈیکل کالج میں پڑھتے ہیں۔" چچی نے تعارف کروایا۔

ڈولی نے ایک ادا سے سر کو جھکایا اور کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔ چچی کھانے کے دوران مسلسل باتیں کرتی رہیں۔ سکندر اور صبح صادق سے باری باری ان کے خاندان' ان کے بہن بھائیوں کے متعلق پوچھتی رہیں۔ البتہ چچا خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ بقول صبح صادق کے کلف لگ چکا تھا۔ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ یہ وہی کچھ دیر پہلے والے چچا ہیں جو انہیں اپنی نظمیں سنا رہے تھے۔ کرپشن پر' سیاست پر' محبت پر' ہر موضوع پر بات کر رہے تھے۔

"حیات۔" انہوں نے ملازم کو پکارا تو ان کے لہجے کی کرختگی پر سکندر کو بے حد حیرت ہوئی۔ اتنی نرمی سے بات کرنے والے شخص کے لہجے میں اتنی کرختگی بھی ہو سکتی ہے۔

ڈولی کھانے کے دوران مسلسل چہکتی رہی۔

اس کی بات چیت میں' اس کے اٹھنے بیٹھنے میں' ہر بات میں ایک خاص ادا تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

❀❀❀

کھانے کے بعد چچا اپنے بیڈ روم میں چلے گئے تھے لیکن چچی اور ڈولی کافی دیر تک بیٹھیں ان سے گپ لگاتی رہی تھیں۔ ڈولی اگرچہ تھرڈ ائیر کی طالبہ تھی لیکن اس میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ کسی بھی بات کو پورے یقین سے رد کر دیتی تھی۔

محسن اس کی اس بات سے بہت چڑ جاتا تھا۔

"ڈولی میں اسی لیے تم سے کوئی بحث نہیں کرتا کہ تم کوئی بات تسلیم نہیں کرتی ہو۔"

محسن نے اس کے مسلسل اس بات پر ڈٹے رہنے پر کہ ویسٹ لینڈ ورڈز ورتھ کی ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ کی نہیں' چڑ کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"لٹریچر کی طالب علم میں ہوں یا تم؟"

وہ مسلسل اسے چڑا رہی تھی۔

"لٹریچر کی طالب علم ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم نے لٹریچر پڑھ بھی رکھا ہے۔"

صبح صادق اور سکندر دلچسپی سے دونوں کی بحث سن رہے تھے۔ محسن کو لٹریچر سے بہت دلچسپی تھی۔ اگرچہ وہ میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا لیکن جب بھی اسے موقع ملتا' وہ کچھ نہ کچھ مطالعہ کرتا رہتا۔ خصوصاً انگلش لٹریچر سے اسے خصوصی لگاؤ تھا۔

"سکندر؟" ڈولی نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کیا "ذرا بتاؤ تو "ویسٹ لینڈ" کس کی ہے؟"

"ایلیٹ کی۔" سکندر کو بھی محسن کی وجہ سے لٹریچر سے لگاؤ ہو گیا تھا۔

"اچھا آپ کہتے ہیں تو مان لیتی ہوں۔"

"بہت دیر ہو گئی ہے یار' اب چلنا چاہیے۔" صبح صادق بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

پھر وہ چچی سے اجازت لے کر آ گئے۔

"زہر لگتی ہے یہ لڑکی مجھے۔ غلط باتوں پر اڑ جاتی ہے اور کسی صورت اسے تسلیم نہیں کرتی۔" راستے میں محسن نے کہا۔

"یار' یہ بھی ایک ادا ہوتی ہے۔ کمال ہے' اتنی لڑکیوں سے دوستی ہے تمہاری اور تم ابھی تک ان کی اداؤں سے ناواقف ہو۔"

"ادا وادا کچھ نہیں' معلومات ہی صفر ہیں اس کی۔ سارا دن تو وڈیو لگا کر بیٹھی رہتی ہے۔ فلموں کے متعلق پوچھ لو تو سب پتا ہو گا لیکن شو ایسے کرتی ہے جیسے دنیا کے ہر علم کی استاد ہو۔"

"ویسے ایک بات ہے یار! ہے بہت خوبصورت۔ تمہاری میڈم کی بیٹی سے زیادہ خوبصورت ہے۔ سوچ لے۔"

"خدا نہ کرے کہ میں کبھی چچی کے خاندان کی کسی لڑکی کو اپنی شریک زندگی بناؤں۔"

"وائے؟"

سکندر نے پوچھا "تمہاری چچی تو بہت اچھی ہیں۔ بہت ایجوکیٹڈ اور خوش اخلاق ہیں۔"

"ہاں یار' یہ تو ہے۔ بس ویسے ہی۔" محسن نے بات بدل دی۔

"مجھے ایسی تیز طرار لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ پتا نہیں کیوں مصنوعی لگتی ہیں اور پھر ابھی سے کیا سوچنا' ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ پہلے ایم بی بی ایس کی کٹھن منزل تو طے کر لیں۔"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ کبھی کبھی تو میں کتابوں کے انبار دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔" صبح صادق نے کہا "جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں چلا جاؤں اور مزے کی نیند سوؤں۔ اس پڑھائی نے تو نیند یر' حرام کر دی ہیں۔"

صبح صادق کی بات پر محسن نے اس کا کندھا تھپکا۔

"اس وقت رات کے بارہ بج رہے ہیں میری جان' اس وقت نیند کے تصور کے علاوہ کوئی اور تصور خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ چاہے وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی کا ہی کیوں نہ ہو۔ میری آنکھیں خود نیند سے بھری جا رہی ہیں۔ پچھلی کئی راتوں سے ہم دو بجے سو رہے ہیں۔ لہٰذا اگلے دس منٹ میں ہم ہاسٹل پہنچ جائیں گے اور ہاسٹل پہنچتے ہی اپنے بستر پر دھڑام سے گر جائیں گے اور خبردار اے صبح صادق کے وقت

جلوہ افروز ہونے والے تو نے سونے سے پہلے موسیقی سننے کی کوشش کی تو تیرا وہ ۱۹۵۰ء کا ٹیپ ریکارڈر کھڑکی سے باہر ہوگا۔"

محسن نے گاڑی ہاسٹل کے قریب پارکنگ میں کھڑی کرتے ہوئے دھمکی دی اور گاڑی لاک کر کے وہ تینوں جھومتے جھامتے ڈاکٹرز ہاسٹل کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

❀❀❀

"مانی۔ یار تم ادھر ہو میں سمجھ رہا تھا۔ گاؤں چلے گئے ہو۔" پروفیسر عادل نے مسرور کے کمرے میں سلطان کو بیٹھے دیکھ کر کہا۔ مسرور جو سلطان کے پاس ہی بیٹھا تھا' ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو یار۔ یہ فارملیٹیز رہنے دیا کرو۔ کتنی بار تمہیں بتایا ہے کہ تم میرے اپنے بھائی جیسے ہو۔"

"تھینک یو سر!" مسرور کے ہونٹوں پر ایک ممنونیت بھری مسکراہٹ آ گئی۔ انہوں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بٹھا دیا اور خود بھی سامنے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"ہاں تو مانی یار۔" وہ پھر سلطان کی طرف متوجہ ہو گئے "تم اپنے کمرے میں نظر نہیں آئے تو میں سمجھا کہ بھاگ گئے ہو۔"

"آپ کی اجازت کے بغیر کیسے جا سکتا تھا عادل بھائی۔"

"ابھی کچھ دن رہو میرے پاس۔ یار مجھے تو اپنوں کے پاس رہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تم یہاں ہو تو بڑی مضبوطی اور اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جیسے میں اکیلا نہیں ہوں۔"

"میرا خود بھی جانے کو دل نہیں چاہتا۔ مسرور بھائی سے بات کر کے مزا آیا۔ مدت بعد اتنے دن آپ کے ساتھ رہا ہوں تو بہت اچھا لگ رہا ہے لیکن وہاں گاؤں میں بھی بابا جان اکیلے ہوں گے۔ ہزار مسائل ہوتے ہیں زمینوں کے۔ میں تو صرف کامی کو دیکھنے آیا تھا۔"

"ہاں یاد آیا یار مانی' وہ میں نے چاچا جی سے تو بات کی تھی۔ چوہدری اللہ دتا ہیں نا ' ان لوگوں کو زمین سے بے دخل مت کرنا۔ دادا کے زمانے سے ہیں۔ پرانے نمک خوار ہیں۔"

"عادل بھائی' آپ تو شہر آ کر بیٹھ گئے ہیں۔" سلطان کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں "آپ کو کیا خبر زمینوں کے کیا مسائل ہوتے ہیں اور کس کس طرح ان سے نمٹنا پڑتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی لیکن چھوٹی موٹی باتوں کو نظرانداز کر دیا کرو۔ آج کل ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں' پسینے کی جگہ خون بہانے والے۔"

"وہ اس کا بیٹا دراصل سر چڑھ رہا تھا۔ پڑھ لکھ گیا ہے نا کچھ بہرحال بابا جان نے اسے بلا کر سمجھا دیا ہے۔"

"نرم رویہ رکھا کرو یار۔ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔" انہوں نے پھر سمجھایا تو سلطان نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے بھائی صاحب لیکن پتا نہیں کیوں مجھے غصہ آ جاتا ہے۔ آپ لگایا کریں نا کبھی کبھار چکر

کبھی آ کر دیکھیں۔"

"تم سنبھالو اپنی زمینیں' مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے اپنے حال میں مست رہنے دو۔"

"تو مجھے اجازت ہے' میں آج شام کسی بھی وقت گاؤں کے لیے نکل جاؤں۔"

"ٹھیک ہے' چلے جانا اور دیکھو اگر ماں جی کامی کو دیکھنے آنا چاہیں تو منشی چاچا سے کہنا یا پھر تم مجھے فون کر دینا۔ میں خود ماں جی کو آ کر لے جاؤں گا۔"

"اب کیا ہے وہ' آپ ہاسپٹل گئے تھے؟" مسرور نے پوچھا "ہاں میں کالج سے سیدھا ہاسپٹل ہی گیا تھا۔ کافی امپروو کر رہا ہے۔ چھ سات دفعہ ماں جی کو بلایا اور میرے پیچھے سے اچک اچک کر دیکھتا رہا کہ ماں جی پیچھے آ رہی ہیں کہ نہیں۔ بڑے دنوں بعد اس نے میرے ہاتھوں پر پیار کیا اور بھائی کہا۔" پروفیسر عادل کی آواز بھیگ گئی "میں نے بڑی زیادتی کی' اس کی خیر خبر نہ رکھ کر۔ اس کا علاج پہلے ہی ہو جاتا تو وہ اتنی تکلیف نہ اٹھاتا۔ نہ جانے وہ ڈاکٹر کیسا تھا جو کہتا تھا کوئی علاج نہیں ہے۔"

"چھوٹے شہروں میں تو ایسے ہی ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ نہ تو تجربہ ہوتا ہے اور نہ اتنی سمجھ بوجھ۔ جانے کیسے ڈگری لے لیتے ہیں۔" سلطان نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلے جانا یار۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" پروفیسر عادل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا "اور کبھی کبھی آتے رہا کرو میرے پاس بہت خوش ہوا ہوں میں۔"

"جی بھائی صاحب' میں آتا رہا کروں گا۔ اب مسرور سے میری دوستی ہو گئی ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے' چلو میرے لیے نہ سہی مسرور کے لیے تو آؤ گے۔" پروفیسر عادل مسکرائے "ویسے اس دوستی کا ہو جانا حیران کن ہے میرے لیے۔ تمہارے اور اس کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔"

"کبھی کبھی کوئی ایک قدر مشترک بھی دوستی کا باعث بن جاتی ہے۔" سلطان نے کہا۔

"واہ بڑی پتے کی بات کی ہے تم نے۔" پروفیسر عادل نے بے اختیار سراہا۔

تب ہی خدا بخش نے آ کر فون کی اطلاع دی۔

"کس کا ہے بھائی؟" پروفیسر عادل نے سستی سے پوچھا۔

"مجتبیٰ صاحب ہیں۔"

"اچھا" وہ اٹھ کھڑے ہوئے "میں ابھی فون سن کر آتا ہوں' تم جانا نہیں میرے آنے تک اور خدا بخش اچھی سی چائے پلا دو۔"

"یار' کبھی آؤ ڈیرے پر تمہیں اپنے گاؤں کی سیر کرائیں گے۔" سلطان نے خاموش بیٹھے مسرور کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں کوشش کروں گا۔" مسرور چونکا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے۔ تمہارے اندر کوئی ایسی بات ہے کہ تم مجھے بہت اچھے لگے ہو۔ خود بخود دل چاہا

کہ تمہیں اپنا دوست کہوں۔ تمہاری بے تکلفی اچھی لگی۔ تمہارے بات کرنے کا انداز اچھا لگا۔ تم اچھے لگے۔ وہاں گاؤں میں میرے دوست ہیں لیکن وہ سب پیسے کے یار ہیں۔ میں رات کو دن کہوں تو وہ دن کہتے ہیں۔ تم نے پہلی بار میری کسی بات سے اختلاف کیا تو شاید تمہاری یہی بات مجھے اچھی لگی۔ شاید کسی خاص لمحے کی بات ہوتی ہے۔ ممکن ہے' وہاں گاؤں میں کوئی ایسی بات کرتا۔ میری بات کو رد کرتا تو مجھے غصہ آجاتا۔ میرے دوست بنو گے؟ شاید میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ نہ ہی عادل بھائی جیسا ہوں لیکن دوستوں کے ساتھ دوستیاں نبھانا جانتا ہوں۔"

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو مسرور نے اسے تھام لیا۔

"میرے خیال میں دوستی کے لیے صرف ایک دوسرے کے لیے دل میں خلوص کا ہونا ہی ایک مضبوط بنیاد ہو سکتی ہے۔"

"میں آتا رہوں گا اب صرف تمہارے لیے۔" سلطان نے اس کے ہاتھ کو گرم جوشی سے دبایا "تمہیں حیرت ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔" مسرور نے اعتراف کیا۔

سلطان کو پہلی نظر دیکھ کر اس نے جو رائے قائم کی تھی' وہ اس وقت سے بالکل مختلف لگ رہا تھا۔ اس روز اسپتال میں وہ اسے ایک مغرور جاگیردار لگا تھا جو اپنے سوا سب کو کمتر سمجھتا ہے۔ شاید وہ بائے نیچر ایسا ہی ہو۔ بہرحال اس کے دوستی کے لیے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اس نے اتنے ہی خلوص سے تھام لیا تھا۔

پروفیسر عادل فون کر کے واپس آئے تو مسرور نے پوچھا۔

"کیا مجتبیٰ صاحب آ رہے ہیں سر؟"

"نہیں یار' وہ سب اس وقت تو نہیں آ رہے شاید شام کو چکر لگے۔ دراصل اس وقت انہوں نے کامی کے لیے فون کیا تھا۔ میں نے انہیں کسی ادارے کا پتا کرنے کے لیے کہا تھا۔ جہاں کامی کو کچھ عرصہ رکھا جاتا۔ میں اس کے دوروں کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ ماں جی کے لیے بہت تکلیف دہ تھا' وہ سب دیکھنا اور برداشت کرنا۔ میرا خیال تھا کہ اگر یہ دورے اسی طرح اتنی شدت سے پڑتے رہتے ہیں تو کامی کو کسی ادارے میں کچھ عرصے کے لیے داخل کروا دیتے ہیں۔ اسپتال میں کب تک رکھا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا بنا؟" سلطان نے پوچھا "بابا جان کا بھی یہی خیال تھا کیونکہ ماں جی بہت اپ سیٹ رہنے لگی تھیں۔"

"ہاں چچا کے کہنے پر ہی مجھے خیال آیا تھا۔" پروفیسر عادل مسرور کے بیڈ پر بیٹھ گئے "لیکن اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ میں نے ایک دو ادارے دیکھے ہیں۔ بہت برا حال ہے وہاں کا۔ بہت ہی خراب سلوک کیا جاتا ہے ان بچوں کے ساتھ۔ جب کسی نے آنا ہوتا ہے تو بچوں کو تیار کر دیا جاتا ہے ورنہ عام

حالات میں تو صحیح خوراک بھی نہیں دی جاتی۔ بہت دکھ ہوا یہ دیکھ کر کہ مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ کپڑے گندے ہیں۔ مائی گاڈ! مخیر حضرات اتنا کچھ دیتے ہیں ان اداورں کو۔ میں جن اداروں میں گیا ہوں' وہاں کامی کی عمر کا کوئی نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ سال تک کی عمر کے بچے تھے۔"

"آپ نے اچھا فیصلہ کیا۔ کامی کو گھر ہی رہنا چاہیے۔ ماں جی کے لیے بہت مشکل ہوگا۔"

مسرور نے تائید کی۔

"ممکن ہے' کچھ اچھے ادارے بھی ہوں لیکن یہاں بہرحال مجھے کوئی ایسا ادارہ نہیں ملا۔ مجتبیٰ صاحب نے ابھی جس ادارے کا ذکر کیا ہے' ممکن ہے وہ کچھ بہتر ہو لیکن میں فی الحال اب اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"

"عادل بھائی اب چلوں پھر بہت دیر ہو جائے گی۔" سلطان کھڑا ہو گیا۔

"چائے نہیں پیو گے؟"

"میں چائے کا اتنا شائق نہیں ہوں۔ بس کبھی کبھار چکھ لیتا ہوں۔"

"اچھا سب کو وہاں سلام کہنا۔ ماں جی کو تسلی دینا اور وہاں جا کر فون کر دینا مجھے فکر رہے گی۔"

پروفیسر عادل گلے ملنے کے بعد اس کے ساتھ ہی باہر چلے وہ مسرور سے گلے مل کر مڑا۔

"عادل بھائی' آپ بیٹھیں۔"

"نہیں چلو گاڑی تک تمہیں چھوڑ آؤں۔"

سلطان کے ساتھ گاؤں سے ڈرائیور کے علاوہ بھی ایک باڈی گارڈ ٹائپ بندہ تھا۔ پتا نہیں کیوں' پروفیسر عادل کو وہ اچھا نہیں لگا تھا۔

"بہت وفادار شخص ہے۔" اس نے عادل سے تعارف کروایا تھا "آپ چاہیں تو اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ ہر قسم کے اسلحے کا ماہر ہے۔"

"نہیں یار۔"

پروفیسر عادل ہنس دیے تھے "میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"

"مگر بابا جان کا بھی یہی خیال ہے کہ آپ کے پاس ایک باڈی گارڈ ضرور ہونا چاہیے۔"

"ہمارا کون دشمن ہے بھائی۔"

"کوئی دشمن نہ ہو لیکن ذرا باڈی گارڈ سے رعب ہوتا ہے۔ لوگوں کو پتا چلتا ہے کہ ہم کون ہیں۔"

"مائی ڈیئر! میرے خیال میں دوسروں کو یہ بتانا کہ ہم کون ہیں' اتنا ضروری نہیں جتنا کہ خود یہ جاننا کہ ہم کون ہیں اور میرے خیال میں' میں سمجھتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔"

"آپ کی فلسفی باتیں مجھے سمجھ میں نہیں آسکتی۔" سلطان نے بات ختم کر دی تھی۔

ڈرائیور نے انہیں دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور ادب سے ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے

قریب ہی سلطان کا باڈی گارڈ کھڑا تھا جس نے انہیں دیکھ کر سلام کیا۔ پروفیسر عادل نے اس کے سلام کا جواب دیا اور سلطان سے ہاتھ ملایا۔

''اللہ حافظ۔ فون ضرور کر دینا۔''

''جی ضرور۔''

اسے خدا حافظ کہہ کر وہ واپس آئے تو خدا بخش چائے بنا رہا تھا اور مسرور آنکھیں موندے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''مسرور' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

پروفیسر عادل اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''ہاں۔'' وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔

''کیا سوچ رہے تھے؟''

''یوں ہی سلطان صاحب کے متعلق سوچ رہا تھا۔''

''تم نے دیکھا یار' جب مانی پہلے دن آیا تھا تو اس کے مزاج میں رعونت سی تھی۔ غرور جھلکتا تھا اس کے لہجے سے' بڑائی کی بو آتی تھی لیکن یہاں چھ سات دن رہا تو خود بہ خود ارد گرد کے ماحول کا اثر قبول کیا۔ وہ فطرتاً اچھا انسان ہے۔ چچا جان اور چچی کے لاڈ نے اسے کچھ بگاڑ دیا ہے۔ اس پر اس کے دوست وغیرہ سب فضول ہیں۔ میں ملا تھا ان سے۔ وہی اسے الٹے سیدھے مشورے دیتے رہتے ہیں اور یہ اس کا باڈی گارڈ دیکھا تھا' شکل سے ہی قاتل لگتا ہے۔ پتا نہیں' کیسے کیسے لوگ اس نے اپنے گرد اکٹھے کیے ہوئے ہیں۔ بہر حال مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اس نے تمہیں پسند کیا ہے دوستی کے لیے۔ اسی بہانے کبھی کبھار یہاں آئے گا تو اہلِ علم کی صحبت ملے گی تو کچھ تبدیلیاں ضرور ہوں گی اس کے اندر۔''

انہوں نے بات مکمل کر کے خدا بخش سے چائے کا کپ لیا ''ہاں تم بتاؤ اب کچھ پریشان لگ رہے ہو۔ کامل کی وجہ سے اور پھر مانی کے آ جانے سے میں بہت مصروف رہا۔ تمہیں وقت ہی نہیں دے پایا۔ خوش رہا کرو مسرور۔ گھر میں سب خیریت ہے' امی ٹھیک ہیں تمہاری؟''

''امی کا خط آیا تھا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ کچھ سانس کی تکلیف ہے۔''

''تمہیں پہلے بھی میں نے کہا تھا کہ امی کو یہاں لے آؤ۔ یہاں کسی اسپیشلسٹ کو دکھاتے ہیں۔ وہاں گاؤں میں بھلا ٹھیک سے علاج کہاں ہوتا ہوگا۔ ایسا کرو مسرور' تم صبح گاڑی لے جاؤ اور اپنی امی کو لے آؤ یہاں۔''

''جی سر۔'' مسرور نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا ''میں خود یہی سوچ رہا تھا۔''

''سوچو مت میاں۔ صبح میں مرید علی سے کہہ دوں گا۔ تم گاڑی لے جانا۔''

''تھینک یو سر' میں وین سے چلا جاؤں گا۔''

''نہیں نہیں' امی کو تکلیف ہو گی۔ وہ بیمار ہیں۔ مرید علی کے ساتھ تم گاڑی لے کر جاؤ گے۔''

''اور آپ کو یہاں گاڑی کی ضرورت نہیں ہو گی۔''

''یار' میں ایک دو دن ٹیکسی رکشے سے کام چلا لوں گا لیکن تم اپنی امی کے لیے گاڑی لے جاؤ' بس بات ختم اور ہاں کچھ نیا کام کیا ہے تم نے تو دکھاؤ۔''

''بس وہی لینڈ اسکیپ ہی کمپلیٹ کیا تھا۔ موڈ ہی نہیں بنا۔''

''موڈ بنایا کرو میاں۔ میں تمہارے اندر بہت ٹیلنٹ دیکھتا ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم ایک دن بڑے مصور بنو گے۔''

''پتا نہیں سر' بہت سے ٹیلنٹ یونہی مٹی میں مل جاتے ہیں۔ کبھی معاشی مسائل اور کبھی غم جاناں' کبھی کوئی دکھ' کبھی کوئی مسئلہ۔ پتا نہیں کیسے کیسے ٹیلنٹ اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔''

''لیکن میں تمہارے ٹیلنٹ کو مرنے نہیں دوں گا مسرور۔''

''ایک مسرور کو بچا لینے سے کیا فرق پڑتا ہے سر۔''

''فرق پڑے یا نہ پڑے' میں اس بات کا قائل ہوں کہ جن زمینوں تک تمہاری رسائی ہے' ان سے کانٹے ضرور چنو اور تم بھی میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا مسرور۔ تم جہاں کہیں بھی ہو' جن زمینوں تک تمہاری رسائی ہو' ان کے کانٹے ضرور چننا۔''

''جی سر' میں کوشش کروں گا۔''

''ہاں اب دکھاؤ وہ لینڈ اسکیپ۔''

مسرور اٹھا ہی تھا کہ خدا بخش نے جو ٹرالی لیے باہر جا رہا تھا' مڑ کر بتایا۔

''اپنے ڈاکٹر شہریار اور ارسلان وغیرہ آ رہے ہیں۔''

''بڑے دنوں بعد آئے یہ سب۔ خدا بخش انہیں اندر ہی بھیج دو۔ بہت سلجھے ہوئے لڑکے ہیں۔ مجھے ایسے بچوں سے مل کر ان کے ساتھ باتیں کر کے بہت خوشی ہوتی ہے۔'' پروفیسر عادل خوش ہو گئے تھے۔

خدا بخش کے باہر نکلتے ہی تینوں اندر داخل ہو گئے تھے۔

''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام۔ یار' یہ اسٹوڈنٹ یونین پر پابندی کیا لگی تم لوگوں نے آنا ہی چھوڑ دیا۔''

''نہیں سر' کچھ مصروفیت تھی اس لیے نہ آ سکے۔''

''ہوں۔'' پروفیسر عادل نے سر ہلایا اور شہریار کی طرف متوجہ ہو گئے ''آپ کیسے ہیں ڈاکٹر صاحب!''

''تھینک یو سر فائن۔ ہاں سر' آپ آمنہ صفی کو جانتے ہیں؟''

"کون۔ کالم نگار؟"

"جی سر ہی۔"

"ہاں ایک دفعہ شاید ملاقات ہوئی تھی ایک فنکشن میں۔ کیوں، تم کیوں پوچھ رہے ہو۔ وہ تو شاید اسلام آباد میں ہوتی ہیں۔"

"سر، وہ ہمارے اسپتال میں داخل ہیں۔ ان دنوں لاہور آئی تھیں۔ بیمار پڑ گئیں۔"

"کیا ہوا ان کو؟"

"کوئی ایسی خطرناک بات تو نہیں، معمولی سا برونکائٹس ہے۔ آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ میں کل شام ان کے روم میں تھا جب ارسلان آیا تو اس نے پوچھا پروفیسر عادل کی طرف چل رہے ہو تو پوچھنے لگیں کہ کون پروفیسر عادل۔ ارسلان نے بتایا تو کہنے لگیں، مجھے ان کا پتا دے دو یا فون نمبر، میں بھی ملنا چاہتی ہوں ان سے۔" شہریار نے تفصیل بتائی۔

"اچھا مگر مجھ سے وہ کیوں ملنا چاہ رہی ہیں۔"

پروفیسر عادل نے پرسوچ انداز میں شہریار کو دیکھا۔

"خیر تم نے بتا دیا تھا نمبر وغیرہ۔"

"جی سر، بتا دیا تھا۔"

"ہاں میاں ارسلان، کچھ نئی چیز لکھی ہو تو سناؤ۔ بہت بوریت محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہاں سر ایک دو نظمیں لکھی ہیں۔" ارسلان نے بتایا۔

"تو سناؤ نا میاں۔"

"نظم ہے۔ یہ سبھی نصیب کے کھیل ہیں۔" ارسلان نے بتایا اور سنانے لگا۔

کسی ہاتھ میں تو گلاب ہوں
کوئی ہاتھ خالی ہوں اس طرح
سبھی زخم زخم ہو انگلیاں

"واہ!" ان کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ بہت اچھی چیزیں لکھنے لگے ہو۔ سناؤ خاموش مت ہو۔ تمہارے لفظ دل کو چھو رہے ہیں۔" انہوں نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے آنکھیں موند کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور پورے دھیان سے ارسلان کو سننے لگے۔

❁ ❁ ❁

"پاپا...... پاپا!" مریم کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"ریلیکس...... ریلیکس بیٹا!" عثمان احمد نے اس کے کندھے تھپتھپائے۔

"وہ...... وہ پاپا شرجیل مرزا......" وہ پھر او نچا او نچا رونے لگی۔

"کیا...... کیا ہوا......؟ شجی نے کوئی بدتمیزی کی؟" عثمان احمد چونکے۔ ان کی پیشانی پر لکیریں سی پڑ گئی تھیں اور لہجے سے بے چینی جھلکنے لگی تھی۔

"مسز عثمان احمد......!" مسز آفندی نے زینب عثمان کے کندھے پر رکھا "مجھے اجازت دیں، یوں بھی مجھے ذرا نرگس کے ہاں جانا تھا۔"

زینب عثمان نے سر ہلایا، گویا انہیں مسز آفندی کے جانے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ مسز آفندی نے ایک نظر عثمان احمد پر ڈالی جو بے چینی سے پوچھ رہے تھے۔

"مومو! بتاؤ کیا ہوا؟"

"اچھا مسز عثمان! خدا حافظ۔" وہ وہاں سے واپس مڑ گئیں اور زینب عثمان چند قدم آگے بڑھ آئیں۔

"وہ ماما...... ماما، میری اس سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔" مریم نے سر اٹھا کر عثمان احمد کو دیکھا

"پاپا...... وہ...... مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

اور تب ہی اس کی نگاہ ساکت کھڑی زینب عثمان احمد پر پڑی تو وہ ایک دم خاموش ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ عثمان احمد نے بھی مڑ کر دیکھا۔

"زینی تم کب آئی ہو؟"

"ابھی آئی ہوں اور یہ کیا تماشا ہو رہا ہے مومو!" ان کے لہجے میں غصہ تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھ آئیں "یہ رونا دھونا کس سلسلے میں ہے؟"

وہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ان کی نگاہیں عثمان احمد پر تھیں۔

"ماما...... پلیز......!" مریم نے انہیں اپنی طرف متوجہ نہ پا کر آہستگی سے کہا لیکن زینب عثمان احمد بدستور عثمان احمد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں، بتاؤ...... یہ کیا سلسلہ ہے۔ یہ مومو نے کیا تماشا کھڑا کر رکھا ہے؟"

"شاید شجی نے مریم سے کچھ کہا ہے، میں تو گھر پر نہیں تھا۔ ابھی آیا ہی تھا کہ مومو رونے لگی۔ شاید کوئی شادی کی بات کی ہے اس نے مومو سے۔" عثمان احمد نے وضاحت کرتے ہوئے ماتھے کا پسینا پونچھا۔

"پتا نہیں پاپا، ماما سے اتنے خوف زدہ کیوں رہتے ہیں؟" مریم نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے سوچا جو ابھی تک رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

"مومو!" زینب عثمان احمد نے اب اس کی طرف رخ کیا "یہ کیا تماشا ہے؟"

"ماما!" مریم نے ایک دم ان کے قریب نیچے بیٹھتے ہوئے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیے "ماما!" آنسو ایک بار پھر اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے "ماما میں شجی سے شادی نہیں کروں گی۔ مجھے ابھی

پڑھنا ہے پھر...... پھر ماما' وہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"مومو...... پہلے یہ رونا دھونا ختم کرو اور سکون سے بتاؤ کہ شجی نے تم سے کیا کہا ہے؟"

"وہ...... وہ کہہ رہے تھے کہ آپ نے ان سے کہا ہے کہ آپ میری شادی ان سے کریں گی۔" مریم نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ آج نہ جانے آنسو کہاں سے امڈے چلے آ رہے تھے کہ باوجود کوشش کے نہیں رک رہے تھے۔

"نان سینس......" وہ زیر لب بولیں "کوئی ایسی بات میں نے شجی سے نہیں کی۔ تم جاؤ منہ ہاتھ دھو کر ریلیکس ہو جاؤ...... اور اپنی پڑھائی کی طرف دھیان دو۔ میں فی الحال تمہاری شادی وادی نہیں کر رہی ہوں۔"

"ریئلی ماما......!" مریم نے بے یقینی سے انہیں دیکھا اور پھر کوئی جواب نہ پا کر ان کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی "تھینک یو!" اس نے آہستگی سے کہا اور مڑ کر عثمان احمد کی طرف دیکھا جو ابھی تک کھڑے تھے اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد عثمان احمد نے زینب عثمان کی طرف دیکھا جو کچھ الجھی الجھی سی بیٹھی تھیں' وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

"زینی! یہ کیا چکر ہے بھئی' مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ شجی کو یہ بات مومو سے نہیں کہنی چاہیے تھی۔ بچی ہے' پریشان ہو گئی ہے۔"

"ہاں...... مومو سے ...... نہیں کہنا چاہیے تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مومو نے میرے بجائے تم سے کیوں شکایت کی اور پھر......"

"زینی' میری جان! فضول باتوں سے اپنا ذہن نہ تھکاؤ۔ باپ ہوں میں اس کا۔"

"لیکن میں اس کی ماں ہوں مگر وہ ہمیشہ میرے بجائے تم سے اپنے مسائل ڈسکس کرتی ہے۔"

"وہ تم سے خوفزدہ رہتی ہے اور پھر بیٹیاں قدرتی طور پر باپ سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ نینا اور عاشی بھی تو مجھ سے زیادہ قریب ہیں جبکہ مور تم سے زیادہ قریب ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن اس میں اتنا رونے اور چلانے کی کیا بات تھی۔ میں سمجھی' خدا جانے کیا ہو گیا ہے۔ یہ مومو مجھے نفسیاتی مریض لگنے لگی ہے۔ ایک تو اس کے تعلقات سارے متوسط طبقے کے پینڈو قسم کی لڑکیوں سے ہیں۔ جو نہ جانے اسے کیا کیا سبق پڑھاتی رہتی ہیں......"

"مگر جان' یہاں اس کی فرینڈز کا کیا ذکر' بات تو شجی کی ہے۔ اگر وہ شجی کو پسند نہیں کرتی تو ٹھیک ہے۔ یوں بھی ابھی وہ پڑھ رہی ہے۔ مت الجھاؤ اسے زینی ڈارلنگ۔ وہ الجھتی ہے تو باقی سب بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔ عاشی' نینا حتیٰ کہ مور بھی۔"

"ہاں میں دیکھ رہی ہوں' وہ سب اس سے بہت زیادہ اٹیچڈ ہو گئے ہیں...... اور مجھے اتنی شدید انوالومنٹ پسند نہیں ہے۔ اس طرح بچے ساری زندگی دوسروں کے محتاج رہتے ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں

کہ کم از کم مور کو تو ہاسٹل بھجوا دینا چاہیے۔"

"یہ تو بعد کا مسئلہ ہے۔ فی الحال تو تم شجی کو منع کر دو بلکہ صاف صاف کہہ دو کہ تم مومو کی شادی اس سے نہیں کر سکتیں۔"

"میں نے شجی سے مومو کے متعلق کوئی کمٹ منٹ نہیں کی ہے۔ یوں ہی ایک بار باتوں باتوں میں' میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ مجھے مومو کے لیے موزوں لگتا ہے۔"

"خیر یہ تمہاری رائے ہے ورنہ میرے خیال میں وہ مومو کے لیے ہرگز موزوں نہیں ہے۔ عمروں میں بھی دیکھو' کتنا فرق ہے۔"

"خیر عمروں کا فرق تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ شجی بہت بہترین انسان ہے۔ اسمارٹ ہے' بے تحاشا دولت مند ہے۔ میں بہتر سمجھتی ہوں کہ مومو کے لیے وہ کتنا موزوں ہے لیکن فی الحال میرا مومو کی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ شجی بھی بس......"

"دیکھو زینی' بعض اوقات تم مومو کے ساتھ زیادتی کر جاتی ہو۔ حیرت ہے کہ تم اپنی ہی بچی کی نیچر کو نہیں سمجھتیں۔ زینی وہ اور مزاج کی ہے۔ شجی اس کے لیے کسی صورت موزوں نہیں ہے۔ میں خود شجی سے کہہ دوں گا کہ......"

"نہیں نہیں' تمہیں شجی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرا باس ہے۔ مجھے بہرحال اس کے احساسات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مومو کو پسند کرنے لگا ہے۔"

"تم اپنے مفادات کو مومو پر ترجیح دے رہی ہو زینی!" عثمان احمد نے حیرت سے کہا "چھوڑ دو یہ جاب...... اور پھر تمہیں جاب کی ضرورت بھی کیا ہے...... سب کچھ تو ہے...... ابھی کل ہی منشی آیا ہے اور گندم کی فروخت سے جو رقم ملی ہے' وہ چاچا جی نے بھجوادی ہے۔ میں نے ایک لاکھ تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیے ہیں۔ تم مومو کے ساتھ مت کروایسا۔"

"عثمان...... تم...... تم بھی مومو کو مجھ پر ترجیح دے رہے ہو۔ مومو کے لیے تم مجھ سے بحث کر رہے ہو۔"

"نہیں میری جان' میں تم پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ مومو کو بھی نہیں اور تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں...... میں نے تمہاری خاطر بہت کچھ قربان کیا ہے اور تم اس بات کو جانتی ہو...... پھر کیوں ایسا کہتی ہو' مت کہا کروایسا۔"

"کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لیے قربانی دو؟"

"نہیں تم نے تو نہیں کہا تھا لیکن میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ تم جانتی ہو زینی کہ جب میں نے یونیورسٹی میں پہلی بار تمہیں دیکھا تھا تو تم مجھے بہت اچھی لگی تھیں اور میں نے سوچا تھا کہ......"

"یہ کہانی میں بہت دفعہ سن چکی ہوں۔" زینب عثمان احمد نے انہیں ٹوک دیا۔

اور عثمان احمد نے انہیں غور سے دیکھا۔

یہ زینب احمد تھی۔

جو کبھی زینب سجاد ہوا کرتی تھی۔

اور جسے پہلی بار یونیورسٹی میں دیکھ کر ان کا دل یکبارگی سے بڑے زور سے دھڑکا تھا اور نگاہیں اس کے چہرے پر سے ہٹنا بھول گئی تھیں۔ وہ انہیں بے تحاشا خوب صورت لگی تھی۔

بے حد سفید رنگت' دلکش براؤن آنکھیں' گلابی ہونٹ۔

اپنے بالوں کو بار بار ایک ادا سے پیچھے جھٹکتی ہوئی سر غیاث خان سے تیز تیز باتیں کرتی ہوئی وہ انہیں بہت اچھی لگی تھی۔ اتنی اچھی کہ ان کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور ان کی اس نگاہوں کی چوری کو ان کے بے حد عزیز دوست ابرار حسن نے پکڑ لیا تھا۔

''عثمان احمد خیریت ہے......؟'' اس نے ان کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

''ہاں......'' وہ چونکے تھے ''یہ...... یہ لڑکی کون ہے۔ اس سے پہلے تو میں نے نہیں دیکھا۔''

''یہ لڑکی یہاں یونیورسٹی میں پڑھتی ہے میرے بھائی' غالباً سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ میں ہے اور کافی اونچی چیز ہے۔ سنا ہے' اس کے والدین امریکا میں ہوتے ہیں اور یہ یہاں تعلیمی سلسلے میں آئی ہے۔'' ابرار حسن نے اس کے متعلق تفصیل سے بتایا

اگر وہ اونچی چیز تھی تو معمولی تو وہ بھی نہ تھے۔ ان کے والدین بڑے جاگیردار تھے۔ بہت پیسہ تھا ان کے پاس اور بے حساب زمینیں تھیں پھر وہ بڑے لاڈلے تھے۔ آج تک انہوں نے اپنی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کروائی تھی اور انہیں یقین تھا کہ اگر انہوں نے زینب سجاد کو اپنانا چاہا تو ان کے والد کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس روز سینما ہال سے نکل کر انہوں نے غیر ارادی طور پر اسے اِدھر اُدھر دیکھا تھا پھر وہ انہیں سیاہ ہنڈا اکارڈ میں بیٹھی نظر آ گئی تھی اور پھر اس کے بعد کئی بار انہوں نے اسے دیکھا تھا۔

یونیورسٹی میں آتے جاتے۔

کبھی کسی فنکشن میں۔

کبھی یونہی پارکنگ میں' کبھی کیفے ٹیریا میں۔

اور جب کبھی بہت سارے دن وہ انہیں دکھائی نہ دیتی تو وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ میں چلے جاتے اور اسے دیکھ کر جیسے انہیں سکون سا حاصل ہو جاتا تھا اور ایک روز جب وہ بہت دنوں سے یونیورسٹی نہیں آئی تو ڈیپارٹمنٹ کے چکر لگاتے لگاتے تھک گئے تھے تو انہوں نے نہر کے کنارے ابرار حسن کے ساتھ ٹہلتے ٹہلتے سوچا۔

''زینب بنت سجاد ان کی خواہش بن چکی تھی۔''

''شاید یہی محبت ہے کہ وہ اس کے لیے بے قرار اور مضطرب ہیں اور انہوں نے پہلی بار اپنے اردگرد کے ماحول پر غور کیا تھا۔ سائڈ پر فاطمہ رباب اور عباس علی ہاتھوں میں ہاتھ دیے ٹہل رہے تھے اور ایک طرف پتھروں پر حسین اور منزہ خان بیٹھے کسی بات پر زور زور سے ہنس رہے تھے۔

''کیا ہی اچھا ہو کہ کسی دن میں اور زینب سجاد یونہی ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو دیوانوں کی طرح تکیں اور زینب سجاد اپنے خوب صورت بالوں والے سر کو جھٹک کر ادا سے مسکرائے اور اس کی دلکش آنکھوں میں کوندنے والے ستارے اور اس کی صبیح رخساروں میں پڑنے والے ڈمپل میں قریب سے دیکھوں۔''

''کیا سوچنے لگے ہو عثمان!'' ابرار حسن نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑے ''کیا بات ہے یار' کون یاد آ رہا ہے؟''

''یار' میں زینب سجاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''ڈائریکٹ شادی!'' ابرار شرارت سے ہنسا ''کوئی ڈیٹ شیٹ' کوئی محبت شحبت' کوئی ملنا ملانا۔''

''کچھ نہیں' ڈائرکٹ شادی!'' انہوں نے حتمی انداز میں کہا تھا ''میں کل ہی جا کر بابا سے بات کرتا ہوں۔''

''مگر میرے دوست' پہلے اس سے بھی تو پوچھ لو وہ کیا کہتی ہے یا پھر چپکے چپکے کمٹ منٹ ہو چکی ہے۔''

''نہیں' میری تو کبھی اس سے بات نہیں ہوئی۔''

''تو پھر......'' ابرار ہنسا ''تمہیں کیا خبر وہ کہیں انگیجڈ ہو' نکاح شدہ ہو' کسی اور کو پسند کرتی ہو۔''

اور انہیں ابرار کی بات صحیح لگی تھی۔

''ٹھیک ہے پہلے میں اس سے بات کر لوں پھر بابا سے بات کروں گا۔'' انہوں نے کہا۔

''ویسے ایک بات ہے۔'' ابرار حسن نے کان کھجایا ''سنا ہے وہ اپنے کسی ڈاکٹر کزن میں انٹرسٹڈ ہے۔''

''تمہیں...... تمہیں یہ ساری باتیں کہاں سے پتا چلتی ہیں ابرار!'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''بس چل جاتا ہے یار' لیکن تم اس سے بات کر لینا۔ کیا پتا خبر غلط ہی ہو۔''

لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی تھی' انہوں نے اس کے ڈاکٹر کزن کو اس کے ساتھ یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ اس روز وہ زینب سجاد کے ساتھ ہی یونیورسٹی آیا تھا۔ بڑی بڑی کھوئی کھوئی آنکھوں والا اسمارٹ سا لڑکا۔ شاید وہ اپنی فرینڈز سے ملوانے اسے ساتھ لائی تھی۔

ابرار کے جانے کے بعد انہوں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا' وہ ردا اور نیلی وغیرہ کو بتا رہی تھی۔

''میرا فیانسی ہے۔''

اور انہیں ذرا سی دیر میں یوں لگا تھا' جیسے ان کے اردگرد ساری روشنیاں بجھ سی گئی ہوں۔ سورج بھی انہیں میلا میلا لگا اور وہ کوئی کلاس اٹینڈ کیے بغیر ہی ہاسٹل واپس آ گئے تھے...... اور وہ بہت

دیر تک یونہی چپ چاپ آنکھیں موندے لیٹے رہے تھے۔

اور اس بے تحاشا خوب صورت لڑکی کو کبھی خبر بھی نہ ہوگی کہ کسی نے اسے بڑی شدتوں سے اور بڑے خلوص سے سوچا تھا اور اسے اپنانے کے خواب دیکھے تھے۔

بعض محبتیں کیسے چپ چاپ دلوں میں جنم لیتی ہیں اور وہیں مر جاتی ہیں۔ انہیں اظہار کے پیرائے کبھی نہیں ملتے۔

وہ دنوں، ہفتوں، مہینوں اداس اور کھوئے کھوئے سے رہے تھے۔ اب بھی اِدھر اُدھر جاتے ہوئے اگر اتفاق سے وہ نظر آ جاتی تو ان کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹنا بھول جاتی تھیں۔

ہاں انہوں نے اس کے ڈیپارٹمنٹ میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ ابرار حسن ان کی توجہ کسی لڑکی کی طرف دلاتا تو وہ سرسری سی نظر ڈال کر نگاہیں ہٹا لیتے۔ اس کے بعد کوئی لڑکی ان کی نظروں میں جچی ہی نہیں تھی اور جب تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ گھر واپس آئے اور بابا نے انہیں کہا کہ وہ زیتون بانو سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔

زیتون بانو ان کے تایا کی بیٹی تھی۔

سادہ سی زیتون بانو جو اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد ان ہی کی حویلی میں رہتی تھی۔ جسے انہوں نے بہت کم بات کرتے سنا تھا۔

اور جس کے متعلق انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ان کے سامنے زینب سجاد آئی تھی۔

اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے سر جھٹک کر بابا کی طرف دیکھا تھا۔

"بابا، جو آپ کی مرضی ہو کریں۔" وہ نہیں تو کوئی بھی ہو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

ٹیلی فون کی بیل نے انہیں چونکایا۔

انہوں نے ایک بار پھر زینب عثمان کو دیکھا۔

وہ آج بھی اتنی ہی خوب صورت تھی۔ جتنی یونیورسٹی کے زمانے میں لگا کرتی تھی۔

چار بچوں کی ماں بن کر بھی اس کے چہرے کی چاندنی ماند نہیں پڑی تھی۔

شریف نے آ کر فون اٹینڈ کیا۔

"شرجیل صاحب ہیں جی، پوچھ رہے ہیں بیگم صاحبہ آ گئی ہیں؟"

زینب نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

"بیگم صاحبہ تو نہیں ہیں جی، صاحب ہیں ان سے بات کریں گے؟"

شاید دوسری طرف سے شرجیل مرزا نے انکار کیا تھا اور کچھ کہا تھا۔ شریف سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"جی اچھا جی...... بہتر جی۔"

زینب عثمان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی وہ کہہ رہے تھے کہ جب آپ آئیں تو انہیں فون کر لیں۔ وہ جی کسی اشتہار کے سلسلے میں بات کرنا ہے انہیں آپ سے۔"

"زینی ڈیئر!" عثمان احمد ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے "فجی کا فون آئے تو تم اس سے بات کر لینا۔ اسے مومو سے اس طرح کی بات نہیں کرنا چاہیے بلکہ تم اسے صاف بتا دینا کہ مومو کے لیے وہ مناسب نہیں ہے۔"

"تم...... تمہیں اس کی اتنی فکر کیوں ہے عثمان!" زینب عثمان کا موڈ ابھی تک خراب تھا "میں...... میں جو ہوں، اس کی ماں اس کی فکر کرنے والی۔ میں اس کا برا بھلا زیادہ بہتر طریقے سے سمجھتی ہوں اور فجی سے اگر وہ اخلاق سے بات کر لے تو اس کا کیا بگڑتا ہے۔ اسے ایٹی کیٹس آنے چاہئیں۔ مجھے یقین ہے، اس نے فجی سے بدتمیزی کی ہوگی۔"

"وہ بچی ہے زینی، اس کے ساتھ بچوں جیسا سلوک کرو۔"

"عثمان احمد!" ان کی آنکھیں پھیل سی گئیں "تم...... تم اس کی اتنی سائیڈ کیوں لے رہے ہو۔ کیوں ترجیح دے رہے ہو؟"

"میں نے اسے تم پر ترجیح نہیں دی ہے زینی۔ سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔"

"نہیں...... تم اسے مجھ پر ترجیح دیتے ہو ہمیشہ ہی......" وہ زور زور سے چیخنے لگیں۔

"زینی...... پلیز!" عثمان احمد نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ان کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"تم...... تم نے اسے مجھ پر ترجیح دی۔" وہ مسلسل ایک ہی بات کی تکرار کر رہی تھیں اور آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

چاروں بچے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے اور ایک طرف کھڑے سہمے سہمے سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ مریم نے اپنی سوجی ہوئی آنکھوں کو جو مسلسل رونے سے بوجھل ہو رہی تھیں، ہتھیلیوں سے ہلکا سا دبایا اور پھر زینب عثمان اور عثمان احمد کی طرف دیکھا۔ زینب عثمان کی آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔ اگرچہ ان کی آواز اب...... دھیمی ہو گئی تھی لیکن وہ اپنی بات دہرا رہی تھیں اور عثمان احمد بار بار ان کا ہاتھ پکڑ رہے تھے۔

"پلیز زینی! زینی سمجھنے کی کوشش کرو ایسا نہیں ہے ایسا بالکل نہیں ہے۔"

مریم نے ان کی بات سمجھنے کی کوشش کی اور پھر جیسے ایک دم اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"کون...... کون، کس کو پاپا نے ماما پر ترجیح دی ہے؟"

اور پھر...... پھر جیسے میڈم نرگس اور بیگم آفندی کی سرگوشیاں اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگیں۔

''عثمان احمد اپنی سیکریٹری کو پسند کرتے ہیں۔''

''دیکھ لینا' ایک دن وہ زینب عثمان کو چھوڑ دیں گے۔''

بہت پہلے کی کہی گئی باتیں مریم کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

تیمور سے ہاتھ چھڑا کر (جسے کچھ دیر پہلے تیمور نے سہم کر پکڑ لیا تھا) وہ ایک دم دو تین قدم آگے بڑھی اور پھر عثمان احمد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''کون...... کون ہے' وہ پاپا جسے آپ ماما پر ترجیح دیتے ہیں؟'' اچانک عثمان احمد نے زینب کا ہاتھ چھوڑ کر مریم کو دیکھا جو بڑی خود اعتمادی سے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آواز دھیمی لیکن مضبوط تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے کی مریم سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ ایک سہمی ہوئی ڈری ہوئی خوف زدہ بچی جیسی لگ رہی تھی۔

روتے ہوئے ان کے سینے سے لگی وہ انہیں بہت چھوٹی' بہت معصوم لگ رہی تھی' جیسے کبھی کبھی بچپن میں جب کبھی زینب کسی پارٹی یا پھر فنکشن میں چلی جاتی تھی اور وہ آفس سے آتے تو وہ پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھی ان کی راہ تکا کرتی تھی اور انہیں دیکھتے ہی ان سے لپٹ کر رونے لگتی تھی اور زینب کی شکایت کرتی تھی کہ وہ اسے ساتھ لے کر نہیں گئیں اور وہ اسے گود میں اٹھائے بہلاتے ہوئے اس کی نرسری میں لے آتے تھے۔

''ٹھیک ہے موموٗ جب تمہاری ماما آئیں گی تو ہم ان کے کان کھینچیں گے۔''

لیکن یہ مریم جو ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی کتنی پُراعتماد لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی آواز دھیمی رکھی ہوئی تھی تاکہ عاشی وغیرہ تک نہ جائے لیکن اس کا لہجہ بہت مضبوط اور پُراعتماد تھا۔

''پاپا' کون ہے وہ...... ؟ کیا وہ ماما سے زیادہ خوب صورت ہے؟''

عثمان احمد نے زینب عثمان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ایک بے اختیار مسکراہٹ ان کے لبوں پر آ گئی۔ مریم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ شاید اس نے ان کو اس طرح مسکراتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک نظر زینب عثمان پر ڈالی اور پھر مریم کی طرف دیکھا۔

''کوئی نہیں...... کوئی نہیں بیٹا۔ تمہاری ماما کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کو پتا ہی ہے' جب ان کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو جو بھی بات یہ فرض کر لیں' اس پر جم جاتی ہیں۔''

''تم مجھے پاگل سمجھتے ہو۔'' زینب عثمان نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''نہیں...... زینی ہرگز نہیں۔''

مریم کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''جاؤ بیٹا۔ آپ اپنے کمرے میں اور بچوں کو بھی لے جاؤ۔''

''مگر پاپا' ماما اتنا رو کیوں رہی ہیں۔ آپ نے ان سے کیا کہا ہے۔ پاپا پلیز!'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب سی گئی۔

وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے ماں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بہت مضبوطی سے کھڑی تھی' اب پھر پہلے والی مریم بن گئی تھی۔

''پاپا پلیز' کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ماما کو تکلیف ہو...... ماما بہت اچھی ہیں' بہت خوب صورت ہیں' ان جیسا کوئی نہیں ہے' کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے' ماما سے زیادہ خوب صورت ہرگز نہیں ہوگی۔'' ایک بار پھر اس کے لہجے میں مضبوطی آ گئی تھی' ''اور آپ جو ہمیشہ مجھ سے کہتے رہتے ہیں کہ ماما میری وجہ سے بیمار ہوتی ہیں تو وہ غلط تھا' ماما آپ کی وجہ سے بیمار ہوتی ہیں اور اگر ماما یہاں نہ رہیں تو ہم سب بھی یہاں نہیں رہیں گے۔ میں' عاشی' نینا اور مور۔''

اس نے مڑ کر کچھ فاصلے پر کھڑے تینوں بہن بھائیوں کی طرف دیکھا اور پھر ایک دم واپس مڑ گئی اور اسے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر وہ تینوں بھی مڑ مڑ کر عثمان احمد کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے چلے گئے۔

''دیکھا...... دیکھا تم نے زینی!'' عثمان احمد کے لہجے میں عجیب سی خوشی تھی ''تم...... یونہی بلاوجہ اس سے خفا رہتی ہو۔ اسے کتنا خیال ہے تمہارا' کتنی محبت کرتی ہے وہ تم سے کہ اپنی تکلیف بھول کر تمہارے لیے مجھ سے لڑنے آ گئی ہے۔''

زینب عثمان احمد نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود اس کی جرأت پر حیران تھیں۔ وہ تو اسے بہت دبو اور ڈری سہمی لڑکی سمجھتی تھیں۔ ان کے خیال میں اس کے اندر متوسط طبقے کے سارے خوف سما گئے تھے۔ کہاں تو وہ ممی تک سے بات نہیں کر سکتی تھی اور کہاں اب عثمان احمد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی اور ان کا احتساب کر رہی تھی۔ مریم کی جرأت سے وہ اپنا رونا دھونا بھول گئی تھیں اور وہ جو کچھ دیر پہلے بے حد ٹینس ہو رہی تھیں' اس وقت نارمل تھیں لیکن سر میں ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں...... جب بھی ان پر اس طرح کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو ان کا سر درد سے پھٹنے لگتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک تو ڈاکٹرز ان کے درد کو میگرین کہتے رہے اور اس کی وجہ ٹینشن بتاتے رہے حالانکہ میگرین کی کوئی ریزن نہیں دی جا سکتی' کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ ٹینشن بھی اور کوئی دوسری وجہ بھی۔

بعد میں ڈاکٹر ہادی نے اسے نفسیاتی دورہ قرار دیا۔ جب بھی کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف ہوتی تھی' وہ اس طرح کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی تھیں اور یہ شدید درد پہلی بار انہیں اس وقت ہوا تھا' جب مجتبیٰ حیدر نے نیو جرسی میں اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔

''سوری زینب ڈیئر! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔''

تو ایک دم ان کے سر میں روشنیاں سی کوندنے لگی تھیں اور ان کی کنپٹیوں میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں......اور یہ لہریں اتنی شدید تھیں کہ کچھ دیر کے لیے جیسے ان کی آنکھوں کے آگے دھندسی چھا گئی تھی۔

شاید مجتبیٰ حیدر کا یہ انکار ان کی توقع کے خلاف تھا۔

خوب صورت رومانی کہانیاں لکھنے والا مجتبیٰ حیدر ان کی طرف پیٹھ کیے کھڑکی سے باہر جانے کیا دیکھ رہا تھا اور ان کے سر میں جیسے کوئی میخیں ٹھونک رہا تھا اور اذیت سے آنکھوں کی روشنیاں بجھتی جا رہی تھیں۔

''زینی! چلو ڈیئر' اپنے بیڈروم میں کچھ دیر آرام کرلو۔'' عثمان احمد نے بے حد نرمی سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ بڑی خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مریم کے ردعمل سے انہیں بڑا سکون ملا تھا' جیسے ایک اطمینان سا ان کے اندر اتر آیا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور پاورفل ہیں اور جیسے نرگس صحیح کہتی تھی کہ بچے بہت مضبوط زنجیریں ہوتی ہیں۔ عثمان احمد کو اِدھر اُدھر ملنے نہیں دیں گے۔ اگر تم نے خود نہ چاہا تو۔''

''وہ چار بچوں کی ماں تھیں اور عثمان احمد کی جرأت تھی کہ وہ ان چار بچوں کی موجودگی میں انہیں چھوڑنے کا تصور بھی کرے' جبکہ وہ خود یونیورسٹی کے زمانے سے ان کا شیدائی ہے۔''

انہوں نے نخوت سے سر اٹھاتے ہوئے سوچا۔

انہیں اپنی خوبصورتیوں اور عثمان احمد کی کمزوریوں کا احساس تھا۔

''جان' کیا سوچ رہی ہو اگر طبیعت زیادہ خراب محسوس ہو رہی ہے تو ڈاکٹر ہادی کو فون کروں۔''

''نہیں......'' انہوں نے مڑ کر عثمان احمد کی طرف دیکھا ''میں کوئی ہلکا سا ٹرانکولائزر لے کر سو جاؤں گی۔''

''بہتر ہے لیکن اگر تم ان ایزی فیل کرو تو بتانا' میں ڈاکٹر ہادی کو فون کر دوں گا۔''

وہ عثمان احمد کی بات کا جواب دیے بغیر آگے بڑھیں۔ عثمان احمد ان کے پیچھے' ان کی لمبی صراحی دار گردن میں لپٹی ہوئی چین کو دیکھ رہے تھے۔

مریم نے اپنے دروازے سے جھانک کر پاپا کو سر جھکائے غلاموں کی طرح ماما کے پیچھے جاتے دیکھا اور زینب عثمان کو شہزادیوں کی طرح گردن اونچی کیے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے پایا تو مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ گویا ماما پاپا میں صلح ہو گئی ہے اور پاپا نے پھر وہی روبوٹ والا چوغا پہن لیا ہے۔ اس نے سوچا' شاید ماما کو پاپا کا یہی انداز پسند ہے۔ ذرا وہ اپنا چولا بدلتے ہیں کہ ماما ڈسٹرب ہو جاتی ہیں حالانکہ اسے پاپا کا یہ اسٹائل قطعی ناپسند تھا لیکن ماما کی خوشی کی خاطر اس نے کندھے اچکائے اور ٹیبل سے کتاب اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

❁❁❁

صبح صادق نے شیو بناتے بناتے سکندر کی طرف دیکھا جو اپنے بستر پر بیٹھا آنکھیں بند کیے آگے پیچھے

جھول رہا تھا۔

''کیا آج کالج نہیں جانا ہے؟''

''جانا ہے یار' آنکھ ہی نہیں کھل رہی تھی۔ رات ٹھیک سے نیند ہی نہیں آئی۔''

''کیوں خیریت' نیند کیوں نہیں آ رہی تھی......؟''

''پتا نہیں یار!''

''ڈولی تو ڈسٹرب نہیں کر رہی تھی؟''

''نہیں یار' یہ ڈولیاں وولیاں مجھے ڈسٹرب نہیں کر سکتیں۔''

''ویسے یار' ہے بہت خوب صورت!''

''ہاں۔'' سکندر نے آنکھیں ملیں۔

''اور اسے اپنی خوب صورتی کا احساس بھی ہے بہت شدت سے۔ تم نے محسوس کیا تھا؟'' صبح صادق نے تولیے سے چہرہ پونچھا۔

''پتا نہیں یار' میں نے اتنا دھیان نہیں دیا تھا اس پر۔''

''یار محبتوں کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ بندہ اِدھر اُدھر دیکھے بھی نہیں۔ اب اپنے یار محسن کو دیکھو نا' جب بھی موقع ملتا ہے' آنکھیں سینکنے سے باز نہیں آتا۔ اس وقت محترم کہاں ہیں؟''

''گیلری میں کھڑے ہیں۔''

''کیوں' کیا صبح صبح اٹھ کر کسی کا دیدار کرنا ہوتا ہے؟''

''پتا نہیں یار!'' سکندر بیزار سا بیٹھا تھا۔

''ابے یار' زندگی پیدا کر اپنے اندر۔ یہ کیا ہر وقت اداس گکڑ بنا رہتا ہے۔''

''نیند آ رہی ہے میرے بھائی' میں آج کالج نہیں جاؤں گا۔''

''میری جان! آج میڈم شیرازی کے تین پیریڈز ہیں۔''

''کیا......کیا ہوا میڈم شیرازی کو؟'' محسن نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا اور میں میڈم کا ذکر کر رہا ہوں' ان کی دختر نیک اختر کا نہیں۔ آپ کو اتنا الرٹ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''اچھا میں نہیں ہوتا الرٹ۔ تم بکتے رہو جو بک رہے تھے۔''

''نہیں میں ارشاد فرما رہا تھا کہ میڈم کے آج تین پیریڈز ہیں۔''

''اچھا تو کیا ہوا' میں بھی نہیں جا رہا آج کالج!'' محسن وقار بھی چپل اتار کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''تم یہاں پڑھنے آئے ہو آرام کرنے نہیں۔''

"ایک دن آرام کرنے دے یار' ایک تو' تو ہر وقت اماں جان بنا رہتا ہے۔" محسن نے چادر کھینچ کر اپنے اوپر کی اور آرام سے لیٹ گیا۔

"اگر میں اماں جان نہ بنوں تو تم تو بے لگام ہی ہو جاؤ۔" صبح صادق نے اس پر سے چادر کھینچ لی۔

"اور رات چچا جان کے گھر دیر کس نے کروائی تھی' تم نے۔ چٹ ہی گئے تھے ڈائننگ ٹیبل سے۔"

"ویسے ایک بات ہے یار' تمہارے چچا بہت لکی ہیں۔" صبح صادق سنجیدہ ہو گیا "کتنی مکمل لائف ہے ان کی۔ ڈیسنٹ سے بچے' ایجوکیٹڈ بیوی۔ بہترین جاب۔ بندہ اتنا لکی ہو تو پھر دنیا میں ہی اس کے لیے جنت ہے۔"

"یہ صبح صادق تو بس رات سے تمہارے چچا کے ہی قصیدے پڑھ رہا ہے۔ ایسا کرو یار' چچا سے کہہ کر ان کے سرونٹ کوارٹر میں کوئی جگہ وغیرہ اس کے لیے پیدا کرو۔" سکندر نے سر جھٹک کر نیند کو بھگایا۔

"اسے اور جو کوئی نہیں ملتا قصیدے پڑھنے کے لیے۔ لڑکیاں تو اس کی شکل دیکھ کر ہی بھاگ جاتی ہیں۔"

"خیر اب ایسی بھی بری شکل نہیں ہے۔" صبح صادق نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا "کیوں یار سکندر' ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

"اور ایسی اچھی بھی نہیں ہے کہ کوئی گھاس ڈالے۔" محسن اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"گھاس کھانے کے لیے تم جو ہو اور یہ صبح صبح غالباً گھاس کھانے کے لیے ہی چوہدری صاحب گیلری میں براجمان تھے۔"

"ہائے یار' کیا بتاؤں...... وہاں سامنے گرلز ہاسٹل کے ایک فلیٹ کی کھڑکی سے وہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ لمبے لمبے بالوں میں برش کرتی ہوئی اِدھر سے اُدھر چلتی ہوئی' بالکل ریکھا کی کاپی لگتی ہے۔ پتا نہیں' کس ایئر میں ہے۔"

"دور سے دیکھا تو ایک دوشیزہ چلی آ رہی تھی......"

"قریب جا کر دیکھا تو بھینس......"

"بس بس' اپنی یہ خوب صورت شاعری اپنے تک ہی محدود رکھو۔ صبح صبح منہ کا مزہ خراب کر دیا۔" سکندر نے برا سا منہ بنایا۔

"اور اب بتاؤ' ناشتے کا کیا پروگرام ہے؟ اپنے مارکو پولو کے ہاتھ کا چاہیے یا پھر......"

"ناشتا باہر ہو گا۔" محسن نے ہاتھ اٹھا کر اعلان کیا۔

"تو پھر تشریف لے بھی چلیں ورنہ فرسٹ پیریڈ رہ جائے گا۔"

"تم دونوں جاؤ یار' میں نہیں جاؤں گا' ناشتا کرنے کا موڈ نہیں ہو رہا بلکہ میں تو سونے لگا ہوں۔" سکندر نے صبح صادق کی طرف دیکھا۔

"کم آن یار' کیا تنوطیت ہے۔"

"تنوطیت نہیں یار' بس یونہی تھکن ہو رہی ہے۔" سکندر پھر بستر میں گھس گیا۔

"اب ٹھیک ہو جا' نہیں تو مار کھائے گا مجھ سے۔" صبح صادق نے ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی اٹھایا۔

"ٹھیک تو ہوں یار۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنسا۔

"تو پھر یہ راتوں کو نیند نہ آنا' دن بھر اداس رہنا' پڑھائی میں دلچسپی نہ لینا۔ یہ سب صحیح نہیں ہے دوست! زندگی میں ایسے حادثات آتے رہتے ہیں اور انسان کو انہیں قبول کرنا پڑتا ہے۔" صبح صادق سنجیدہ ہو گیا۔

"بس یونہی کبھی کبھی عنبر آپا کا خیال آ جاتا ہے۔ ہماری ایک ہی بہن تھی صبح صادق اور بہت چاہتی تھی ہمیں۔ بہت پیار کرتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رہتا تھا اسے۔ جب گھر میں ہوتی تھیں تو میری کتابیں سنبھال کر رکھنا' ہمارے کپڑے استری کرنا۔ مجھے یاد ہے' استری میں کوئلے ڈال کر وہ برآمدے میں کمبل بچھا کر ہمارے کپڑے استری کیا کرتی تھی۔ بھا نثار شہر سے آتے تو ان کے لیے بھی کبھی چائے لا رہی ہے۔ کبھی انہیں چلغوزے چھیل کر دے رہی ہے' کبھی مونگ پھلی' کبھی بابا کی ٹانگیں دبا رہی ہے اور کبھی بے بے کی۔ یار' یہ بہنیں بھی بڑی پیاری ہوتی ہیں' بہت محبت کرنے والی۔ جب میں آخری بار ان سے ملا تھا تو کتنی ہی دیر تک میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیٹھی رہی تھی اور جب میں آ رہا تھا تو انہوں نے میری پیشانی کو چوما تھا اور میرے ہاتھوں پر کتنے ہی بوسے دیے تھے۔ شاید انہیں اندر سے ادراک ہو گیا تھا کہ اب وہ نہیں بچے گی۔ کل سے مجھے ان کے بچے کا خیال آ رہا ہے۔ اللہ میاں کی ذات بھی کتنی بے نیاز ہوتی ہے' ماں کے بغیر بچہ کیسے پلے گا؟"

"پل جائے گا...... پل جائے گا وہ' تیری عنبر آپا واپس نہیں آئیں گی۔ دنیا کا کاروبار تو چلتا ہی رہتا ہے۔" محسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"چلو اب اٹھو۔" صبح صادق نے چہرے پر بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی "اور کل سے میں تمہیں بالکل فریش دیکھنا چاہتا ہوں۔ زندگی اس طرح تو بہت مشکل ہو جائے گی تمہارے لیے۔"

"میں سوچ رہا ہوں' اس ویک اینڈ پر گاؤں چلا جاؤں۔" سکندر نے اٹھ کر جوتے پہنتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلے جانا' اچھی بات ہے۔ سب سے مل لو گے تو طبیعت بہل جائے گی۔" صبح صادق نے تائید کی۔

ناشتا کر کے وہ واپس آیا تو پھر بستر میں گھس گیا اور کچھ دیر تک یونہی آنکھیں موندے لیٹا رہا۔

"پتا نہیں رضوانہ کیسی ہو گی۔"

بہت اداس رہتی ہو گی۔ چاچا اور چاچی تو بہت یاد آتے ہوں گے اسے۔ کاش' میں اس کے قریب ہوتا' اسے تسلی دے سکتا' اس کے آنسو پونچھ سکتا۔ کوئی غم بانٹنے والا ہو تو دکھ قابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔

بھابو اس کا خیال تو بہت رکھتی ہو گی۔ بھابو ہیں بھی تو بہت اچھی۔ بہت چاہنے والی' بہت محبت کرنے

والی۔ میں اب کے گاؤں جاؤں گا تو بھابو سے کہوں گا کہ وہ رضی کا پہلے سے زیادہ خیال رکھا کریں۔

رضوانہ' رضی' ردا۔

میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش۔

میں اسے اتنی خوشیاں دوں گا اتنی خوشیاں دوں گا کہ وہ یہ سارے دکھ بھول جائے گی۔

یہ اکیلے پن کا دکھ۔

یہ چاچا اور چاچی کے بے وقت چلے جانے کا دکھ۔

پھر اس کی آنکھیں رونا بھول جائیں گی۔

وہ ہنسیں گی' ہنستی آنکھیں کتنی اچھی لگتی ہیں' اور اس کے تصور میں لمحہ بھر کے لیے ڈولی کی آنکھیں آ گئیں۔

ہنستی ہوئی شوخ' شریر آنکھیں'

براؤن براؤن سی۔

اور رضوانہ کی آنکھیں ایک دم سیاہ تھیں۔

بھونرا سی۔

وہ غیر ارادی طور پر ڈولی اور رضوانہ کا موازنہ کرنے لگا۔

بھلا ڈولی اور رضوانہ کا کیا مقابلہ!

یہ صبح صادق بھی بس پاگل ہے۔ میں نے تو دھیان سے اسے دیکھا بھی نہیں تھا کہ وہ کیسی ہے اور پھر کتنا آکورڈ لگتا ہے وہاں اس کی طرف دیکھنا۔ محسن کی چچی کیا سوچتیں؟

اور یہ صبح صادق نے بھلا اتنی تفصیل سے کیسے دیکھ لیا تھا اسے اس کے سارے نقوش ازبر ہو گئے تھے۔

ناک ایسی ہے' ہونٹ ایسے ہیں...... بات ایسے کر رہی تھی' ہنس ایسے رہی تھی۔

یہ صبح صادق کی نظر بھی خاصی تیز ہو گئی ہے۔ محسن کی صحبت کا کچھ تو اثر ہونا ہی تھا نا آخر۔

وہ آپ ہی آپ مسکرایا اور آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن باوجود کوشش کے نیند نہیں آ رہی تھی حالانکہ سر بوجھل اور آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے سوچا کہ وہ ہاتھ لے کر ایک چکر اردو بازار کا ہی لگا لے۔ ایک دو ضروری کتابیں لینی تھیں۔ نیند تو آنے سے رہی اور پھر وہ ہاتھ لے کر ہاسٹل سے باہر نکل آیا...... اور جب اردو بازار میں "احمد یہ بک ڈپو" پر اپنی مطلوبہ کتاب لے رہا تھا تو کسی نے قریب سے پکارا۔

"ہیلو سکندر صاحب! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ چونک کر مڑا۔

وہ شاید نہیں بلکہ یقیناً ڈولی ہی تھی اور اس کے ساتھ چھوٹے قد کی سانولی سی ایک لڑکی تھی جو غالباً اس

کی دوست تھی۔ ڈولی نے سیاہ جینز اور ریڈ شرٹ پہن رکھی تھی اور ریڈ ہی اسکارف گلے میں ڈالا ہوا تھا۔

"آپ......" سکندر نے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈولی...... میں ڈولی ہوں' آپ نے پہچانا نہیں......؟" وہ مسکرائی "رات ہی تو ملاقات ہوئی تھی۔"

"پہچان لیا۔ آپ یہاں کیسے......؟"

"جیسے آپ۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"میں تو ایک ضروری کتاب خریدنے آیا تھا۔" سکندر نے سادگی سے کہا۔

"اور میں کچھ برتھ ڈے کارڈز لینے آئی تھی۔ میری ماما کی برتھ ڈے ہے' انہیں بھیجنا تھا اور یہ میری فرینڈ ہے پنکی۔"

سکندر نے سر کو ذرا سا خم کیا اور پھر ڈولی کی طرف دیکھا۔

"آپ نے کارڈز خرید لیے؟"

"ہاں اور آپ کتاب لے چکے ہیں؟"

"نہیں' بس لینے ہی لگا تھا۔" سکندر نے کتاب کی قیمت ادا کی۔

"آپ کیسے آئے ہیں' میرا مطلب ہے گاڑی ہے آپ کے پاس؟"

"نہیں رکشے سے آیا تھا۔"

"تو آیئے' میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔ کہاں جائیں گے آپ؟"

"مجھے ہاسٹل ہی جانا ہے لیکن آپ کو تکلیف ہوگی۔ شکریہ میں چلا جاؤں گا۔"

"ارے نہیں' تکلیف کیسی' میں تو بالکل فارغ ہوں اور اسی بہانے آپ کا ہاسٹل بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"یہ ڈاکٹرز ہاسٹل ہے ادھر گلبرگ کی طرف۔ محسن کی وجہ سے ہمیں یہاں فلیٹ مل گیا ہے۔ ورنہ جونیئرز کو کہاں ملتا ہے۔ آپ کو ناحق تکلیف ہوگی میں چلا جاتا ہوں۔" سکندر ہچکچا رہا تھا۔

"اوہ' آپ تو بہت تکلف کر رہے ہیں سکندر صاحب۔ اگر آپ کی جگہ وہ ہوتے' آپ کے دوست کیا نام تھا ان کا......؟"

"صبح صادق!"

"ہاں صبح صادق تو وہ بالکل تکلف نہ کرتے۔"

سکندر خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔

"پنکی! یہ سکندر صاحب ہیں' محسن کے دوست۔ محسن کو تو تم جانتی ہی ہو' میرا کزن ہے۔ اس سے رات ہی ملاقات ہوئی ہے۔ یہ محسن کے ساتھ آنٹی کی طرف آئے تھے۔" وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پنکی سے اس کا تعارف بھی کروا رہی تھی۔

پنکی نے دو ایک بار ستائشی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر پوچھا "یہ بھی میڈیکل میں ہیں؟"

"ہاں۔"

"اُفوہ' مجھے تو بہت مشکل لگتی ہے' میڈیکل کی پڑھائی۔ آپ کو مشکل نہیں لگتی سکندر صاحب!" پنکی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرلیا جائے تو کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔"

"ہاں' یہ تو صحیح ہے۔ میرے ڈیڈی بھی یہی کہتے ہیں کہ پختہ ارادے کے سامنے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے اور میں بھی جب کوئی ارادہ کرلیتی ہوں تو وہ کام چاہے کتنا بھی مشکل ہو' کر ہی لیتی ہوں۔"

ڈولی نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مڑ کر سکندر کی طرف دیکھا۔

"آیئے نا' آپ وہاں ہی کیوں کھڑے ہوگئے ہیں۔"

سکندر نے ایک بار پھر انکار کرنا چاہا "ڈولی پلیز!"

"کمال کرتے ہیں آپ' پلیز تشریف لائیں۔" اس نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے اشارہ کیا "اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو میں پہلے پنکی کو ڈراپ کردوں' اسے آج جلدی گھر جانا تھا۔" اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے مڑ کر اس سے پوچھا۔

"بے شک مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"کتنی بااعتماد لڑکی ہے یہ۔" سکندر نے حیرت سے سوچا "رات سرسری سی ملاقات ہوئی ہے اور اس وقت اچانک مل جانے پر وہ کتنی بے تکلفی سے اسے مل رہی ہے حالانکہ رات تو وہ اسے کچھ کچھ مغرور سی لگی تھی۔ مگر اس وقت وہ بہت بے تکلف لگ رہی تھی۔ دراصل اس طبقے کی لڑکیوں کو ایٹی کیٹس نبھانے آتے ہیں اور ان میں کوئی جھجک بھی نہیں ہوتی۔"

کتنی بے پروائی سے وہ ڈرائیو کرتے ہوئے کبھی کبھی مڑ کر اس سے کوئی بات کرلیتی تھی اور اسے اپنی بے تحاشا خوبصورتی کا کوئی احساس بھی نہیں تھا۔ جب وہ اپنی دلکش براؤن آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھتی تو جیسے نگاہیں لمحہ بھر کو اس کی نظروں میں اٹک سی جاتی تھی۔ سکندر گھبرا کر نگاہیں جھکا لیتا تھا۔ صبح صادق نے شاید صحیح کہا تھا کہ ڈولی بے تحاشا خوب صورت لڑکی ہے۔

پنکی کو اس کے گھر کے سامنے ڈراپ کرکے ڈولی نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی کرلی۔

"سکندر صاحب! پلیز یہاں کی کافی اور چپس بہت مشہور ہیں اور مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔ میں چپس بھی کھاؤں گی اور کافی بھی پیوں گی اور آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا...... پلیز!"

"مگر......" سکندر نے انکار کرنا چاہا۔

"اگر مگر کچھ نہیں سکندر صاحب' پلیز آئیں۔ زیادہ دیر نہیں ہوگی۔ پھر ہاسٹل جا کر آپ نے کیا کرنا ہے'

محسن وغیرہ تو ابھی کالج سے نہ لوٹے ہوں گے۔"

"آپ آج کالج نہیں گئیں کیا......؟" سکندر نے پوچھا۔

"گئی تھی...... پنکی کو گھر جانا تھا' مجھے کارڈ لینے تھے سو پہلے دو پیریڈز اٹینڈ کرکے آگئے۔" ڈولی نے بتایا اور اندر داخل ہوتے ہوئے کونے والی میز کی طرف اشارہ کیا' میں اکثر یہاں آتی ہوں اور ہمیشہ اسی ٹیبل پہ بیٹھتی ہوں۔ مجھے یہاں کی کافی بہت پسند ہے۔"

سکندر نے چاروں طرف دیکھا۔ چند ایک میزوں پر لوگ بیٹھے چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ کئی نظریں ان کی طرف اٹھیں۔ ہال میں ڈولی کے سوا اور کوئی لڑکی نہیں تھی اور لوگوں کی نظریں اس کی طرف تھیں۔

"شروع شروع میں جب میں امریکا سے آئی تو مجھے بہت الجھن ہوتی تھی' جب لوگ مجھے اس طرح سر اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگتے تھے لیکن اب میں عادی ہوگئی ہوں۔" ڈولی نے بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"دراصل یہاں ابھی پاکستان میں لڑکیاں اس طرح کافی شاپس پر اکیلے نہیں جاتیں۔" سکندر نے کہا اور اس کا دل چاہا' وہ کہہ دے کہ جب لڑکی تم جیسی خوبصورت بھی ہو...... لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"ارے ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وہ ہنسی۔

ہنسنے میں اس کے رخساروں پر ڈمپل پڑے تو اسے رضوانہ کا خیال آگیا۔ اس کے دائیں رخسار پر بھی یوں ہی گڑھا پڑ جاتا تھا...... اور اس کا دل چاہتا تھا کہ رضوانہ بار بار ہنسے اور بار بار اس کے رخساروں پر وہ اس بھنور کو ڈوبتے ابھرتے دیکھے۔ تب رضوانہ بہت دلکش لگتی تھی۔

"تمہارا شہر کون سا ہے سکندر!" کافی اور چپس کا آڈر دے کر اس نے سکندر سے پوچھا۔ وہ یکدم ہی آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔

"میرا تعلق ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔"

"رئیلی!" اس نے خوشی سے پوچھا "مجھے یہاں کے گاؤں دیکھنے کا بہت شوق ہے سکندر۔ کسی دن ہمیں اپنے گاؤں لے چلیے نا ــ میں نے تو محسن سے بھی کہا تھا...... کہ اب کے چھٹیوں میں انکل کے ساتھ اس کے گاؤں ضرور آؤں گی۔"

"گاؤں دور سے ہی اچھے لگتے ہیں۔ وہاں کی زندگی بہت ٹف ہوتی ہے اور پھر ہمارے گاؤں میں تو ابھی بجلی بھی نہیں ہے۔ ہاں' محسن کے گاؤں میں سب سہولتیں ہیں۔"

"مجھے گاؤں' گاؤں کا ماحول بہت متاثر کرتا ہے۔ میں نے دو چار فلمیں دیکھی تھیں۔

کنویں پر پانی بھرنے والی لڑکیاں'

کچے مٹی کے بنے ہوئے مکانات یا جھونپڑیاں'

کھیتوں میں جانے والے کسان اور ان کے بیل'

سرسوں کے کھیت'

یہ سب کچھ بہت ہی حسین اور دلکش لگتا ہے۔

سچ میں سوچتی ہوں' کتنا اچھا ہوتا اگر میں کسی گاؤں میں رہتی۔''

سکندر نے اس کے نازک ہاتھوں اور ناخنوں پر نفاست سے لگی ہوئی کیوٹکس کو دیکھا اور ہولے سے مسکرایا۔ میڈیکل کالج میں آنے کے بعد اس میں خاصی خود اعتمادی آگئی تھی۔

''فلموں اور کہانیوں میں دکھائے جانے والے گاؤں اور اصل گاؤں میں بہت فرق ہوتا ہے ڈولی جی! گاؤں میں دکھائی جانے والی یہ خوبصورتیاں صرف کتابی اور افسانوی ہوتی ہیں۔ اصل رنگ بہت مختلف ہوتا ہے۔ آپ چند دن سے زیادہ وہاں نہیں رہ پائیں گی۔ جب پینے کے لیے پانی خود لانا پڑے گا۔

جب لکڑیوں کے دھویں سے آنکھیں جلیں گی'

جب کچی گلیوں میں چلتے ہوئے پاؤں پھسلیں گے'

اور جب مریض کے لیے ڈاکٹر نہیں ملے گا'

تو خود ہی کہیں گی کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے؟ وہاں تو وہی لوگ رہ سکتے ہیں جو برسوں سے رہتے آرہے ہوں۔ شہری لوگوں کا تو وہاں دم گھٹنے لگے گا اور آپ جیسی نازک اندام لڑکی تو دو دن بھی نہ رہ سکے۔ آپ کا تو تیل کی بو سے ہی دم الٹنے لگے۔ جب رات کو لالٹین جلتی ہے تو مٹی کے تیل کی بو سارے گھر میں پھیل جاتی ہے۔''

''افوہ' آپ تو گاؤں کا بے حد بھیانک نقشہ پیش کر رہے ہیں۔''

''میں صرف اور صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں۔''

''کہیں یہ سب تفصیل صرف اس لیے تو نہیں بتائی جا رہی ہے کہ تم نہیں چاہتے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے گاؤں آؤں......؟''

''ارے نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ڈولی جی۔ ہم دیہاتی بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس محبتیں بہت ہوتی ہیں...... سچی اور کھری محبتیں۔ ہم بہت چاہنے والے لوگ ہیں۔''

''آزمالیں گے کبھی۔'' ڈولی کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی تھی۔

''بے شک۔'' سکندر نے یقین سے کہا' ''کبھی آپ آئیں ضرور۔ میرے بابا' بے جی اور بھابو سب بہت ہی چاہنے والے ہیں سب آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ ان کے دل محبتوں سے مالا مال ہیں۔''

''اور تمہارا دل سکندر......؟''

''میرا دل......'' سکندر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے دلکش لبوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ تھی' ''ظاہر ہے' میرا دل بھی محبتوں سے لبریز ہے۔ میرے والدین نے مجھے کسی

سے نفرت کرنا نہیں سکھایا۔''

''رات میں سمجھ رہی تھی کہ آپ کو بولنا نہیں آتا لیکن اب پتا چلا کہ فرسٹ امپریشن لاسٹ نہیں ہوتا۔''

''ہاں' شاید ایسا ہی ہوتا ہے...... لیکن آپ کا فرسٹ امپریشن بھی کچھ غلط نہیں تھا۔ میں کم گو ہی ہوں لیکن یہاں آپ نے بات ہی کچھ ایسی کی کہ بولنا پڑا۔''

''ہمارے ساتھ ملنا رہا تو آپ کو بولنا بھی آجائے گا۔'' وہ ہنسی اور سکندر نے سوچا۔

''اس کی ہنسی بھی رضوانہ سے کتنی ملتی جلتی ہے حالانکہ اس میں اور رضوانہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''یا پھر ممکن ہے' ساری لڑکیاں ایک ہی جیسا ہنستی ہوں' کھل کھل کر کے جیسے بھٹی میں مکئی کے دانے بھنتے ہیں۔''

''کیا سوچنے لگے ہو؟''

''کچھ نہیں......'' اس نے بیرے کو اشارے سے بلایا۔ سکندر نے جیب سے پیسے نکالے۔

''نہیں' یہ دعوت میری طرف سے تھی۔''

''لیکن ہم گاؤں والے عورت سے پیسہ خرچ کروانا پسند نہیں کرتے۔''

''ٹھیک ہے جناب' لیکن آج کا بل تو میں ہی ادا کروں گی۔ دل چاہے تو پھر کسی دن تم مجھے دعوت دے کر حساب برابر کر لینا۔'' اس نے سکندر کی ایک نہ سنی...... مجبوراً سکندر کو خاموش ہو جانا پڑا اور جب وہ اسے ڈراپ کر کے ہاتھ ہلاتی چلی گئی تو وہ کتنی دیر تک اپنے ہاسٹل کے گیٹ پر کھڑا سوچتا رہا کہ یہ ڈولی کیسی عجیب وغریب لڑکی ہے۔

''کس قدر جلدی بے تکلف ہو گئی ہے۔''

''اور جب میں صبح صادق اور محسن کو بتاؤں گا تو وہ کس قدر حیران ہوں گے۔ محسن تو شاید نہ ہو لیکن صبح صادق ضرور حیران ہو گا۔''

''کمال لڑکی ہے بھئی۔''

''بہت ہی بولڈ...... کم از کم اس نے پہلے تو اس طرح کی کوئی لڑکی نہیں دیکھی تھی اور یہ جو محسن کی جن لڑکیوں کے ساتھ دوستی ہوتی ہے' وہ شاید ایسی ہی ہوتی ہوں گی' اتنی ہی بولڈ اور فرینک۔''

''تم یہاں کھڑے ہو یار' کہاں چلے گئے تھے؟'' صبح صادق نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

''تم لوگ آگئے کالج سے' میں ذرا اردو بازار تک چلا گیا تھا۔''

''ہاں یار' تیرے بغیر میرا تو دل ہی نہیں لگا اور محسن کی نیلوفر صاحبہ بھی چھٹی پر تھیں' سو میڈم شیرازی کو بھگتا کر ہم آگئے تو جناب ندارد تھے اور بابا آپ کا انتظار کر رہے تھے۔''

"بابا...... میرے بابا!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں یار' تمہارے بابا!"

"خیریت ہے نا؟"

"ہاں ہاں' خیریت ہے۔" صبح صادق نے اسے تسلی دی' "بابا کہہ رہے تھے کہ وہ کسی کام سے لاہور آئے تھے تو انہوں نے سوچا کہ تم سے بھی ملتے چلیں۔"

"اچھا!"

وہ کچھ کچھ حیران سا صبح صادق کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ بابا بہت کم لاہور آتے تھے۔ اگر کوئی کام ہوتا بھی تو بھا نثار ہی کر لیتے تھے۔ بابا کے گلے سے لگتے ہی خود بخود اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بابا نے ہولے سے اس کے کندھے تھپتھپائے۔

"حوصلہ پتر...... خدا سے ہمارا جھگڑا نہیں ہوتا۔ جو چیز اس کی ہے' وہ جب چاہے اسے واپس لے لے۔"

آنسو پونچھ کر وہ ان کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔ صبح صادق اسے کمرے میں ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا اور محسن بھی کہیں نہیں تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بابا کی طرف توجہ ہو گیا۔

"جی بابا' آپ اچانک کیسے آ گئے۔ کیا کام تھا؟ مجھ سے یا بھا نثار سے کہہ دیا ہوتا' ہم کر لیتے۔ خوامخواہ سفر کی تکلیف اٹھائی۔"

"نہیں بیٹا' مجھے خود ہی آنا تھا۔ یہاں تیرا چاچا ہوتا ہے۔ تو نہیں جانتا' میرا یار ہے وہ۔ بڑے دنوں سے بلا رہا تھا اور خود میرے دل میں بھی بڑے دنوں سے "کھچ" پڑ رہی تھی۔ سوچا مل لوں گا' کئی سال ہو گئے ملے ہوئے۔ ہر آتے جاتے کے ساتھ پیغام بھیجتا تھا کہ ایک بار آ کر میرے پاس رہ۔"

"پھر ملے آپ اس سے؟"

"ہاں کل ملا تھا میں' ایسے پیار سے ملا' پتا ہی نہیں چلا کہ برسوں بعد ملے ہیں۔ تو سنا کیسی پڑھائی چل رہی ہے تیری؟"

"میں تو ٹھیک ہوں اور پڑھائی بھی اچھی ہو رہی ہے۔ عنبر آپا کا بیٹا کیسا ہے؟"

"تیری بھابو اسے گھر لے آئی ہے۔ وہاں کوئی سنبھالنے والا تو تھا نہیں۔ بوڑھی دادی سے تو سنبھلتا نہیں تھا۔ تیرے بہنوئی نے خود ہی کہا کہ بچے کو لے جائیں۔"

"یہ اچھا ہو گیا بابا۔ ہماری عنبر آپا کی نشانی ہے۔ بھابو اسے بہت پیار سے پالیں گی اور پھر بے جی بھی تو ہیں نا؟"

"ہاں' رضوانہ تو ہر وقت اسے اٹھائے پھرتی ہے۔"

اس کا دل یکدم زور سے دھڑکا۔ جب سے وہ آیا تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بابا سے اس کے متعلق

پوچھے لیکن پھر جھجک سی آ جاتی تھی لیکن بابا نے ذکر کیا تو بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"کیسی ہے وہ؟"

"ٹھیک ہے' شہری کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ تیری بھابو نے عنبر کے بیٹے کا نام شہریار رکھا ہے۔"

"اچھا' بہت خوبصورت نام ہے۔"

"بیٹا' مجھے تم سے بھی ایک بات پوچھنا تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دوست محمد سے تو ملنے کا ایک بہانہ تھا ورنہ برسوں سے وہ بلا رہا ہے' میرا آنا ہی نہیں ہوتا۔"

"جی بابا' حکم کیجیے' اگر کوئی ایسی ویسی بات تھی تو میں خود حاضر ہو جاتا۔"

"نہیں پتر' میرا دل تھا' میں یہاں آ کر تم سے بات کرلوں۔ وہاں تمہیں بلاتا' تیری پڑھائی کا بھی حرج ہوتا اور پھر میں چاہتا تھا کہ یہاں کھل کر تم سے بات کروں۔"

"جی بابا!"

"بیٹا' رضوانہ تمہیں کیسی لگتی ہے؟"

"جی......!" بابا کی بات ایک لمحے کے لیے اسے سمجھ ہی نہیں آئی۔

"بیٹا' میری خواہش ہے کہ تمہارا بیاہ رضوانہ سے ہو۔ اگرچہ میں نے سوچا تھا کہ تیری پڑھائی ختم ہو جائے گی تو پھر ہی تم سے بات کروں گا لیکن اب تیرے چاچا کے مرنے کے بعد رضوانہ کو ہمارے گھر ہی رہنا ہے۔ اکیلی لڑکی تنہا تو نہیں رہ سکتی نا' تو میں سوچتا ہوں کہ وہ ایک مضبوط حیثیت کے ساتھ میرے گھر میں رہے...... میری خواہش ہے کہ تمہارا نکاح رضوانہ سے ہو جائے' رخصتی تمہارے ڈاکٹر بننے کے بعد......"

اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ خواہشیں اس طرح بھی پوری ہوتی ہیں۔ وہ سوچتا تھا کہ اپنی بھابو کو راز دار بنائے گا' انہیں اپنے دل کی بات بتائے گا اور پھر......

"بیٹا!" بابا نے اسے خاموش دیکھ کر افسردگی سے کہا' "تمہارے اوپر کوئی جبر نہیں ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ رضوانہ زندگی کے سفر میں تمہارے ساتھی کی حیثیت سے مناسب نہیں ہے تو کوئی بات نہیں ہے۔ رضوانہ کے لیے اس کے ماموں بہت کہہ رہے تھے اس لیے میں جلدی بھی کر رہا ہوں کیونکہ پہلا حق ہمارا ہے...... اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے ننھیال والوں کو پتا چل جائے کہ...... ورنہ ایسی جلدی بھی نہیں تھی...... بہرحال...... وہ نجیب اچھا لڑکا ہے' دس جماعتیں پاس ہے۔"

"بابا...... بابا!" اس نے سر اٹھا کر بابا کی طرف دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے' "بابا! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"پتر ایک بار پھر سوچ لے۔"

بابا' پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن اولاد کے ساتھ' بیوی کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ پڑھے لکھے لوگوں جیسا

ہی رہا تھا۔ اسے اپنے بابا پر بہت فخر محسوس ہوا۔ وہ چاہتے تو زبردستی بھی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کی مرضی اور رائے کو اولیت دی تھی۔ اس نے ان کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

''آپ کی خوشی میری خوشی ہے بابا!''

''خوش رہ پتر!'' انہوں نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے اور کھڑے ہو گئے ''تو پھر ٹھیک ہے تو ایسا کر اس جمعرات کو گھر آ جا' جمعے کو اللہ کا نام لے کر تیرا اور رضوانہ کا نکاح کر دیتے ہیں۔''

''جی بہتر!''

''اور اب میں چلوں' میں چاہتا ہوں کہ رات تک گھر پہنچ جاؤں۔ بہت دیر ہو گئی تو آگے سے تانگا وغیرہ نہیں ملے گا۔''

''ارے بابا' آپ کہاں چلے؟'' صبح صادق نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''بس پتر اب جاؤں گا۔''

''نہیں بابا' محسن کھانا لینے گیا ہے۔''

''مگر دیر ہو جائے گی پتر!''

''دیر نہیں ہوتی بابا' ہم خود آپ کو اسٹاپ پر پہنچائیں گے۔ محسن آنے ہی والا ہوگا۔'' صبح صادق نے انہیں پکڑ کر بٹھا دیا۔

''اچھا' تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے مگر بیٹا' ذرا جلدی فارغ کر دو ورنہ مجھے بہت دیر ہو جائے گی۔''

''بابا' دیر ہو گئی تو رات ادھر ہی رہ جایئے گا۔''

''دوست محمد نے اتنی منتیں کیں' میں نہیں رکا۔ یار گھر سے باہر مجھے نیند ہی نہیں آتی۔'' انہوں نے بے تکلفی سے کہا اور پھر سکندر کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور صبح صادق کو اس کے نکاح کا بتایا۔

''ارے سچ......!'' صبح صادق نے خوش ہو کر کہا اور بے اختیار اٹھ کر بھنگڑا ڈالنے لگا۔ ''میرا یار بنے گا دولھا!''

وہ پورے کمرے میں تھرک رہا تھا اور بابا اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

❁❁❁

مسرور نے کالج سے آ کر فائل ٹیبل پر رکھی ہی تھی کہ خدا بخش نے آ کر بتایا کہ چھوٹی حویلی سے فون آیا ہے جی۔

''اچھا خیریت تو ہے نا؟''

''ہاں جی' خیریت ہی ہے۔''

''کیا سر ابھی نہیں آئے؟''

''وہ تو جی کب سے آئے ہوئے ہیں۔ فون تو آپ کے لیے ہے۔ چھوٹے ملک صاحب کا جی!''

''کون' سلطان صاحب کا......؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں جی' آپ کو بلا رہے ہیں۔''

اور مسرور کچھ حیران سا...... باہر آ گیا اور کوریڈور میں رکھے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔

''خیریت' چوہدری سلطان! کیسے یاد کیا؟''

''سلطان دوسروں کے لیے ہوں' تمہارے لیے صرف عمران ہوں۔ جو دل چاہے بلا لو عمران کہو یا عادل بھائی کی طرح مانی کہہ لو...... تمہیں اجازت ہے یار!''

''اس ذرہ نوازی کے لیے کیا کہوں؟''

''کچھ بھی نہیں' میرے دوست۔ چوہدری سلطان کو کبھی کبھی کوئی بندہ پسند آتا ہے اور تم مجھے بے حد اچھے لگے ہو۔ تو بڑی کڑوی باتیں کرتا ہے لیکن تیری باتیں دل کو بھاتی ہیں...... میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں' عادل بھائی اور تیری طرح...... پر یاری نبھانا جانتا ہوں۔''

مسرور کو سلطان کے فون کی بالکل توقع نہیں تھی۔ اس نے اس کی باتوں کو اہمیت نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا اور جیسا کہ اس کی باتوں سے بھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک قدرے مغرور اور خودسر سا لڑکا ہے' جسے اپنی زمینوں اور دولت پر ناز ہے۔ بقول پروفیسر عادل' قدرے بگڑا ہوا سا۔

''کبھی چکر لگاؤ نا گاؤں کا۔'' اس نے مسرور کو دعوت دی۔

''انشاء اللہ' لیکن فی الحال تو بہت مصروف ہوں۔ ہمارے کالج میں ایگزیبیشن (نمائش) ہو رہی ہے اس کے لیے کام کرنا ہے۔''

''لگتا ہے' ہمیں ہی آنا پڑے گا تم سے ملنے کے لیے۔'' سلطان ہنسا ''کامل کیسا ہے اب۔ عادل بھائی اسے گھر لے آئے ہیں یا نہیں؟''

''نہیں' ابھی تو نہیں لائے' شاید ایک دو روز میں لے آئیں۔''

''اس نے کیا ٹھیک ہونا ہے بھئی...... عادل بھائی بھی خوامخواہ پیسہ ضائع کر رہے ہیں' اس کے علاج پر۔''

''اب اسے تکلیف میں مبتلا بھی تو نہیں دیکھا جا سکتا نا...... بہرحال وہ انسان ہے۔''

''اچھا خیر...... عادل بھائی کو میرا سلام کہہ دینا۔''

مسرور ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا تو پروفیسر عادل کمرے سے باہر نکلے۔

''کس کا فون تھا میاں؟''

''سلطان صاحب کا۔''

''مانی کا...... خیریت تھی؟''

''جی سر' بس یونہی مجھ سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا۔''

''کمال ہے یار' وہ تم سے کیسے متاثر ہو گیا حالانکہ اس کے اور تمہارے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''پتا نہیں سر' مجھے خود حیرت ہے۔''

''چلو اچھا ہے...... تمہاری دوستی شاید کبھی اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔'' بات کرتے کرتے انہوں نے خدا بخش کو آواز دی ''خدا بخش! کھانا لگاؤ۔''

اور پھر وہ مسرور کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ڈائننگ ہال میں آگئے اور کھانے کے دوران ہونے والی نمائش کی باتیں ہوتی رہیں۔

''میرا دل چاہ رہا تھا کہ تم کچھ نمایاں کام کرو۔ نظروں میں آؤ کسی کی۔''

''جی سر' کوشش تو کر رہا ہوں۔''

''نہیں یار' تم محنت نہیں کر رہے ہو۔ تمہارے کام میں یکسوئی نہیں رہی۔ تمہارا دھیان بٹا رہتا ہے۔ بھول جاؤ سب کچھ اور پوری یکسوئی سے کام کرو۔''

''جی سر!'' مسرور کی اپنی خواہش بھی تھی کہ وہ پروفیسر عادل کی امیدوں پر پورا اتر سکے۔ وہ ابھی کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آمنہ صفی بھی آگئیں۔

مسرور اور پروفیسر عادل کھڑے ہو گئے۔

''میں شاید غلط وقت پر آگئی ہوں' آپ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔''

''نہیں ہم کھانا کھا چکے تھے۔ آپ بتایئے' آپ کے لیے کیا منگوایا جائے؟'' پروفیسر عادل نے شائستگی سے کہا۔

''نہیں' شکریہ عادل صاحب' میں کھانا کھا کر آئی ہوں۔ آپ بہت دیر سے کھانا کھاتے ہیں۔''

''بس کبھی کبھار دیر ہو جاتی ہے۔'' انہوں نے کہا پھر خدا بخش کو آواز دے کر برتن سمیٹنے کا حکم دیتے ہوئے بولے ''چائے ڈرائنگ روم میں لے آنا...... آیئے پلیز......!'' پھر انہوں نے مسرور کی طرف دیکھا ''یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں مسرور...... اور مسرور یہ آمنہ صفی ہیں' ان کا نام یقیناً تمہارے لیے اجنبی نہیں ہوگا۔''

''جی!'' مسرور نے آمنہ صفی کو سلام کیا اور اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''آپ نے مجھے پہچان لیا عادل صاحب!'' آمنہ صفی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی تصویر اکثر و بیشتر اخبارات میں دیکھتا رہتا ہوں اور پھر آپ کے متعلق ڈاکٹر شہریار سے علم ہو چکا تھا کہ آپ ملنا چاہ رہی ہیں مجھ سے...... خیریت...... کوئی کام تھا آپ کو مجھ سے؟''

''نہیں!'' آمنہ صفی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا ''آپ کو شاید یاد ہوگا کہ ایک بار اسلام آباد میں ایک نجی محفل میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ سے ادھوری سی گفتگو ہوئی تھی...... تشنگی سی رہی تھی' دل چاہتا تھا کہ کبھی آپ سے دوبارہ ملاقات ہو اور دیر تک گفتگو ہو۔''

''نہیں' مجھے بالکل یاد نہیں۔'' انہیں شرمندگی سی ہوئی ''لیکن میں آپ کے کالم پڑھتا رہتا ہوں۔ بہت بولڈ تحریر ہے آپ کی۔ آپ کی شاعری کے بالکل برعکس۔ آپ کی شاعری میں ایک ڈری' سہمی اور خوف زدہ لڑکی نظر آتی ہے۔ جو بہت نازک احساسات رکھتی ہے۔ کانچ جیسا دل ہے جس کا۔''

''شاید وہ اصل آمنہ صفی ہے...... یا شاید یہ اصل آمنہ صفی ہے جو بہت بولڈ کالم لکھتی ہے۔ میں خود بھی آج تک نہیں جان سکی۔''

پروفیسر عادل نے پہلی بار نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

بوائے کٹ بال'

بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے تھے'

پیاری سی ناک'

گندمی رنگ۔

میک اپ سے بے نیاز چہرے کے ساتھ وہ اچھی خاصی دلکش لگ رہی تھی۔ کریم کلر کا کھدر کا سوٹ اور اسی کا اسکارف نما دوپٹا گلے میں ڈالے اپنے آپ سے بے نیاز' یہ آمنہ صفی جوان کے سامنے کچھ کھوئی کھوئی سی بیٹھی تھی۔ اس آمنہ صفی سے قطعی مختلف لگ رہی تھی جس کا تصور اس کے کالموں سے ابھرتا تھا۔

منہ پھٹ اور بے لحاظ۔

لگی لپٹی کے بغیر بات کہہ دینے والی آمنہ صفی جیسے اپنے آپ سے محو گفتگو تھی۔

''شاعری شاید اپنے پرسنل محسوسات کا نام ہے۔ شاید دل کی زبان!''

''بجا ارشاد فرمایا' لاہور کیسے آنا ہوا تھا اور طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟''

پروفیسر عادل نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''لاہور میں میرا گھر ہے۔ میں یہاں ہی پیدا ہوئی ہوں' پلی بڑھی ہوں' ایجوکیشن حاصل کی ہے۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا یہاں آئے ہوئے۔ بہت جی چاہ رہا تھا۔ یہاں آئی تو بیمار پڑ گئی...... دراصل......'' اس نے قہقہہ لگایا' اونچا قہقہہ۔

''دراصل اپنے گھر اور اماں کو دیکھ کر آرام کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ایک دم سے جیسے تھکن اتر آئی تھی جسم و جاں میں...... سوچا......''

اس نے پھر قہقہہ لگایا پہلے سے زیادہ بلند۔

''کچھ دن عیش کر لیں' کالم تو ساری زندگی ہی لکھنے ہیں...... اور کام بھی عمر بھر کرنا ہی ہے۔''

پروفیسر عادل گہری نظر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی تھی' اس لڑکی کے ساتھ۔ بظاہر بہت بولڈ نظر آنے والی یہ لڑکی انہیں اپنے اندر سے بہت ٹوٹی اور بکھری ہوئی لگی۔ شہریار کچھ بتاتو رہا تھا' اس کی بیماری کے متعلق لیکن اس وقت انہیں یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کیا بتایا تھا۔ خود بخود ہی آمنہ صفی کے لیے ان کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوگیا...... انہیں لگا' جیسے اس لڑکی کو ان کی ضرورت ہو۔

ان کی مدد کی۔

لیکن کس طرح کی مدد؟

یہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

تب ہی آمنہ صفی نے سر اٹھایا۔

”کیا سوچ رہے ہیں عادل صاحب!“

”ہاں!“ وہ چونکے ”سوچ رہا تھا' آپ نے جس پہلی ملاقات کا ذکر کیا تھا' وہ کہاں ہوئی تھی؟“

”پروفیسر ظہور الحسن کے ہاں!“

”اچھا!“ انہیں اچانک یاد آ گیا۔ تین چار سال پہلے ظہور الحسن کی ویڈنگ اینیورسری میں ظہور نے انہیں ایک دبلی پتلی لڑکی سے متعارف کروایا تھا۔

”یہ آمنہ صفی ہیں' ایک ابھرتی ہوئی شاعرہ۔ ان کی پہلی کتاب حال ہی میں آئی ہے اور ینگ جنریشن نے اسے بہت پسند کیا ہے۔“

تب انہوں نے سرسری نظر سے اسے دیکھا تھا۔ دراصل اس وقت وہ یورپ میں تھیٹر کی تاریخ پر ملک شیر دل سے بات چیت کر رہے تھے۔ سر کو ہلکا سا خم کر کے وہ پھر سے شیر دل کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

”اس کے بعد پھر آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔“ آمنہ صفی نے انہیں خاموش دیکھ کر کہا۔

”ہاں' آپ کے آرٹ کے متعلق مضامین مختلف میگزین میں پڑھتی رہی۔ انگلش لٹریچر سے متعلق آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔“

”یونہی بس تھوڑی بہت اسٹڈی کرتا رہتا ہوں۔“ انہوں نے انکسار سے کام لیا۔

تب ہی خدا بخش چائے لے آیا اور ساتھ ہی اس نے مجتبیٰ حیدر کے فون کے متعلق بتایا تو وہ معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”مس آمنہ' چند منٹ پلیز!“

مجتبیٰ حیدر نے انہیں ایک ادبی محفل میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

”تم تیار رہو' میں ابھی پندرہ منٹ تک تمہیں پک کر لیتا ہوں۔“

”مگر اس وقت ممکن نہیں۔“

”یار بڑے خوب صورت چہرے ملیں گے دیکھنے کو۔ کیا خبر تمہارے عشق کو بھی کوئی پیکرِ محسوس مل جائے۔“

اگرچہ عمر میں مجتبیٰ حیدر ان سے بہت بڑے تھے لیکن آپس میں بے تکلفی تھی۔

”شاید وہ پیکرِ محسوس اس دنیا میں کہیں نہیں ہے۔“ پروفیسر عادل ہولے سے ہنسے ”پرابلم یہ ہے مجتبیٰ حیدر صاحب' کہ اس وقت ایک مہمان خاتون موجود ہیں۔“

”آہاہا...... خاتون!“ مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا ”کیا اسمِ مبارک پوچھا جا سکتا ہے؟“

”آمنہ صفی!“

”آمنہ صفی؟“ مجتبیٰ حیدر نے دہرایا ”ہمیں بھی بہت اشتیاق ہے ان سے ملنے کا۔ پچھلے دنوں ان کے کالموں نے خاصی دھوم مچا رکھی تھی۔ آج کل تو غائب ہیں۔ بہت دنوں سے ان کا کوئی کالم نظر نہیں آ رہا۔ بائی دی وے' تمہارے پاس کیسے پہنچ گئیں؟“

”جس طرح آپ پہنچے تھے ایک دن۔“

”بہت خوب!“ مجتبیٰ حیدر ہنسا ”بہرحال آمنہ صفی سے ملنے کے لیے اس ادبی تقریب کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ سو میں پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔“

”آمنہ صفی تمہارے ناولوں کی ہیروئنوں سے بالکل مختلف ہیں۔“ پروفیسر عادل نے جتایا۔

”کوئی بات نہیں' میں پھر بھی آ رہا ہوں۔“

پروفیسر عادل' مجتبیٰ حیدر کو خدا حافظ کہہ کر واپس آئے تو خدا بخش قالین پر بڑے آرام سے بیٹھا ہوا آمنہ صفی سے باتیں کر رہا تھا اور آمنہ صفی بڑے انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”خدا بخش' ابھی مجتبیٰ صاحب آئیں گے' انہیں ادھر ہی بھیج دینا۔“ پروفیسر عادل نے بیٹھتے ہوئے خدا بخش کی طرف دیکھا۔

”جی بہتر' آپ کے لیے چائے بناؤں؟“

”ہاں بنا دو۔“

”جی مس آمنہ!“ چائے کا کپ لے کر وہ آمنہ صفی کی طرف متوجہ ہو گئے ”تو ہم کیا بات کر رہے تھے؟“

”پروفیسر ظہور الحسن کے ہاں کی پارٹی میں ہونے والی ملاقات کا ذکر ہو رہا تھا اور کیا آپ یقین کریں گے عادل صاحب کہ میں اس روز آپ کی ادھوری رہ جانے والی گفتگو سننے آئی ہوں۔“

”کمال ہے!“ پروفیسر عادل نے حیرت سے اسے دیکھا ”اتنے سالوں بعد آپ کو اس ادھوری گفتگو کو سننے کا خیال کیسے آ گیا۔“

”دراصل......“ آمنہ صفی نے وضاحت کی ”کئی بار خیال آیا تھا۔ بہت مدلل گفتگو تھی آپ کی۔ کئی دفعہ سوچا تھا کہ کبھی آپ سے ملاقات ہو تو اس موضوع پر آپ سے بات کی جائے' آپ کو سنا جائے۔ اتنی کم

عمری میں اتنی نالج لیکن پھر آپ سے کبھی ملاقات ہی نہ ہوئی۔ اب لاہور آئی تو ڈاکٹر شہر یار نے آپ کا ذکر کیا تو بے اختیار آپ سے ملنے کو جی چاہا۔"

آمنہ صفی نے بات مکمل ہی کی تھی کہ مجتبیٰ حیدر السلام علیکم کہتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"یہ آمنہ صفی ہیں......اور یہ مجتبیٰ حیدر ہیں ناول نگار۔" پروفیسر عادل نے تعارف کروایا "پچیس سال سے رومانوی ناول لکھ رہے ہیں اور ابھی تک ان کا موضوع پرانا نہیں ہوا......وہی ایک لڑکا اور ایک لڑکی......ان کے ناولوں میں روپ بدل بدل کر آتے ہیں۔"

"عادل میاں' تم چاہے جو بھی کہتے رہو' یہ لڑکا اور لڑکی میرے ناولوں میں روپ بدل بدل کر آئندہ بھی آتے رہیں گے اس لیے کہ محبت کا موضوع کبھی پرانا نہیں ہوتا۔"

آمنہ صفی نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"اپنے اسکول اور کالج کے ابتدائی دور میں' میں نے آپ کے ناول پڑھے......بڑی خوب صورت دنیا ہوتی ہے آپ کے ناولوں میں۔ بہت اٹریکٹو دنیا' ٹین ایج میں تو وہ ناول پڑھتے ہوئے خود کو ناول کا ایک کردار ہی سمجھنے لگتا ہے آدمی۔ ویسے مجتبیٰ صاحب' یہ اتنی خوب صورت دنیا جو آپ کے ناولوں میں ہوتی ہے' حقیقت میں بھی کبھی ایسی دنیا آپ نے دیکھی؟"

"کہانیاں حقیقتوں سے ہی جنم لیتی ہیں مس آمنہ!" مجتبیٰ حیدر نے بیٹھتے ہوئے گول مول سا جواب دیا۔

"کیا اتنی سچی' اتنی شدید محبتیں ہوتی ہیں دنیا میں......آپ کا ایک ناول پڑھا تھا میں نے "خواب اور تعبیریں" اس میں جتنی شدید محبت آپ کا ہیرو کرتا ہے......اور آپ کی ہیروئن کرتی ہے۔ کیا اتنی شدید محبت ہو سکتی ہے......کیا محبتوں میں اتنی قربانیاں دی جا سکتی ہیں' جیسی قربانیاں آپ کا ہیرو دیتا ہے؟"

"ہاں بالکل!"

"مس آمنہ' ان کے سارے ناول خوابوں پر ہی مبنی ہیں۔" پروفیسر عادل نے چوٹ کی۔

"نہیں' خوابوں پر مبنی نہیں ہیں' ان میں پچاس فیصد حقیقتیں ہیں۔"

"یعنی جو آپ نے لکھا' وہ آپ نے مشاہدہ کیا؟"

"کچھ مشاہدہ' کچھ میرا تجربہ۔"

"یعنی وہ آپ کی محبتیں ہیں؟" آمنہ صفی نے قہقہہ لگایا۔

"میری بھی ہو سکتی ہیں۔" مجتبیٰ حیدر سنجیدہ نظر آرہے تھے "میں نے عارفہ سے محبت کی۔ یہ بڑا طوفانی قسم کا عشق تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر عارفہ مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔ تب میں اسٹوڈنٹ تھا۔ میرا کوئی فیوچر نہ تھا۔ میرے پاس رہنے کو ڈھنگ کا مکان بھی نہ تھا۔ عارفہ کے والدین اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں کیسے دیتے بھلا۔ سو عارفہ کی شادی ہوگئی......کچھ عرصہ میں درد دل لیے پھرا پھر ہولے ہولے سنبھل

گیا......اب سنبل میری بیوی ہے۔ میری محبت ہے' ہماری شادی محبت کی شادی ہے۔ میں اس سے بے حد محبت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں نے عارفہ سے محبت نہیں کی تھی یا پھر اب میں سنبل سے محبت نہیں کرتا۔ جب میں عارفہ سے محبت کر رہا تھا تو اپنی پوری شدت کے ساتھ کر رہا تھا اور اب میں سنبل سے محبت کرتا ہوں تو اتنی ہی شدتوں کے ساتھ......ایک دفعہ عارفہ مجھے ملی تھی' اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ' بہت خوش اور بہت مطمئن......حالانکہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی......یہ نہیں کہ نہیں کی تھی اور اب اسے اپنے شوہر سے بھی محبت ہے۔"

"مجتبیٰ صاحب' یہ آپ کن الجھاوؤں میں ڈال رہے ہیں؟" پروفیسر عادل نے انہیں ٹوکا۔

"تیری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آسکتیں عادل ملک!" مجتبیٰ حیدر نے ایک نظر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا اور پھر آمنہ صفی کی طرف متوجہ ہوگئے "ہاں تو مس آمنہ میں کیا کہہ رہا تھا......کہ محبت جب ہوتی ہے تو محبت ہوتی ہے' فرق آتا ہے حالات میں' تبدیلیاں حالات میں ہوتی ہیں۔ آج اگر آپ کسی سے انتہائی شدت سے محبت کر رہے ہیں تو دس سال بعد ممکن ہے کہ آپ کہیں کہ کیا حماقت تھی......دس سال بعد وہ محبت آپ کو فضول لگے گی۔ یہ حالات کی تبدیلی ہے' محبت کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ محبت تو جب تھی تو تھی۔"

"بہت بور کر رہے ہیں آپ مجتبیٰ!" پروفیسر عادل نے سگریٹ سلگایا۔

"ایک طرف تم محبتوں کے متلاشی ہو اور دوسری طرف ان کے ذکر سے گریزاں۔ یار' تم ان محبتوں کی نفی نہیں کر سکتے۔"

"مگر میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ آپ اور آمنہ بات کر رہے تھے۔ میں تو خود کو اس سے خارج از بحث سمجھ رہا ہوں۔"

"محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا پھر کیسے پتا چلتا ہے کہ یہ محبت سچ ہے' کھری ہے' جھوٹ نہیں ہے؟" آمنہ صفی نے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

"بس ایک ادراک ہوتا ہے جو اندر سے اٹھتا ہے کہ ہاں' یہ سچ ہے۔"

"یہ ادراک اور یہ آگہی کیا کبھی جھوٹ ہو سکتی ہے؟"

"نہیں آگہی جھوٹ نہیں ہوتی' ادراک سچ ہوتا ہے۔" مجتبیٰ حیدر نے پروفیسر عادل کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا "ہر آدمی کی اپنی حد ہوتی ہے۔ ممکن ہے' میری انتہا وہ ہو جو دوسروں کی ابتدا ہو۔ میں نے اپنی انتہا تک پہنچ کر محبت کی ہو......اور......"

"وہ جی......" خدا بخش حواس باختہ سا اندر داخل ہوا "اسپتال سے فون آیا ہے۔ کامل میاں کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔"

پروفیسر عادل ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ آمنہ صفی نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میرا بھائی ہے۔" وہ بتا کر تیزی سے باہر نکلے۔ آمنہ صفی اور مجتبیٰ حیدر بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر آ گئے۔

❁❁❁❁

ڈاکٹر معید آج بڑے دنوں بعد گھر آئے تھے۔ عاشی، مریم اور نینا تینوں لان میں بچھی کرسیوں پر بیٹھی گپ لگا رہی تھیں۔ ڈاکٹر معید سیدھے ان ہی کی طرف آئے۔

"ماما گھر پر نہیں ہیں۔" مریم نے بے پروائی سے بتایا۔

"آپ سب لوگ تو ہیں نا۔" وہ مسکرائے "اور آج تو میں صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

"جی تشریف رکھیے۔" مریم بہت مہذب ہو رہی تھی۔

"تھینک یو۔" انہوں نے بیٹھتے ہوئے وضاحت کی...... "دراصل میں آج بہت ہوم سک فیل کر رہا تھا۔ انکل بھی گھر پر نہیں تھے۔ ایک دم دل گھبرایا تو سوچا کیوں نا۔ آپ لوگوں سے ملا جائے۔"

"کیا آپ کے والدین یہاں نہیں ہوتے؟" عاشی نے پوچھا۔

ڈاکٹر معید نے جو مریم سے مخاطب تھے چونک کر اسے دیکھا...... "میری ماما تو میرے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ ڈیڈی انگلینڈ میں ہیں۔"

"آپ کے ڈیڈی کیا کرتے ہیں؟" عاشی کی طبیعت میں تجسس بہت تھا اور وہ ہر شخص کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

"میرے ڈیڈی سرجن ہیں۔" ڈاکٹر معید اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

"آپ کے ڈیڈی سرجن، آپ کے انکل سرجن اور خود آپ بھی ڈاکٹر...... اور کیا اب اپنے بچوں کو بھی ڈاکٹر بنائیں گے۔" نینا نے چیونگم منہ میں ڈالتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"گڑیا۔" ڈاکٹر معید ہنسے "ابھی تو بچے ہیں ہی نہیں۔ جب ہو جائیں گے تو پھر سوچیں گے کہ انہیں کیا بننا چاہیے......"

"کیا آپ کی شادی نہیں ہوئی ابھی تک......؟" عاشی نے حیرت سے پوچھا۔

"بدقسمتی سے......" وہ مسکرائے۔

"کیوں، آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔ آپ تو اتنے اچھے ہیں۔" عاشی کو بغیر سوچے سمجھے بولنے کی عادت تھی۔

ڈاکٹر معید کی نظریں مریم کے چہرے پر سے ہوتی ہوئی عاشی کے چہرے پر آ ٹکیں "بہت سارے اچھے لوگوں کی بھی شادی نہیں ہوتی۔"

"لیکن آپ تو ڈاکٹر ہیں نا۔" عاشی نے پھر بیوقوفوں کی طرح کہا تو ڈاکٹر معید نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے لڑکیوں کو کریز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر، آرمی افسر، انجینئر وغیرہ ان کے آئیڈیل ہوتے ہیں۔"

"اور آپ کا آئیڈیل کیا ہے۔" ڈاکٹر معید کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"میرا آئیڈیل۔" عاشی نے حیرانی سے کہا "میں نے تو ابھی تک کوئی آئیڈیل نہیں بنایا اور پھر ہماری ٹیچر کہتی ہیں، آئیڈیل کبھی نہیں ملا کرتے اس لیے نہیں بنانا چاہیے۔"

"آپ کی ٹیچر ٹھیک کہتی ہیں۔ اس دنیا میں بہت کم لوگوں کو آئیڈیل ملا کرتے ہیں۔"

"اچھا تو کیا آپ کو بھی اپنا آئیڈیل نہیں ملا۔ اسی لیے آپ نے شادی نہیں کی؟"

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہ تھی۔ میں بھی کبھی آئیڈیل وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑا۔"

مریم کو ان کی گفتگو سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس نے ڈاکٹر معید کو مخاطب کیا۔

"آپ ہوم سک فیل کر رہے ہیں تو پھر گھر...... آئی مین انگلینڈ کیوں نہیں چلے جاتے۔"

"جانا تو چاہ رہا تھا لیکن......" ڈاکٹر معید کی نظروں نے مریم کا جائزہ لیا "نہ جانے کی دو وجوہات ہیں ایک تو جس مقصد کے لیے ڈیڈی نے بھیجا تھا وہ پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ دوسرے انکل ہادی کی تنہائی جانے سے روکتی ہے۔ وہ منع تو نہیں کرتے لیکن میں جب بھی جانے کا نام لیتا ہوں، اداس ہو جاتے ہیں۔"

"انکل ہادی نے بھی تو شادی نہیں کی۔" عاشی نے کہا۔

"ہاں، ان کو اپنے پروفیشن سے بہت محبت تھی۔ آج بھی کہتے ہیں کہ ان کی شادی اپنے پروفیشن سے ہو چکی ہے...... اور یہ ہمارے ننھے دوست کہاں ہیں......؟"

"مور ڈیڈی کے ساتھ باہر گیا ہے......" نینا نے بتایا "اور ڈیڈی مجھے ساتھ لے کر نہیں گئے۔"

"تو ہم کسی دن اپنی گڑیا کو ساتھ لے جائیں گے۔"

"سچ......" نینا خوش ہو گئی...... "میرے سب دوستوں کے ڈیڈی ممی ان کو باہر لے کر جاتے ہیں۔ پنکی کے ممی ڈیڈی تو ہر ویک اینڈ پر انہیں گھمانے لے جاتے ہیں اور ہماری ماما...... یا تو بیمار رہتی ہیں یا پھر آنٹی نرگس کے ساتھ اکیلی گھومنے چلی جاتی ہیں اور پاپا اپنی اسٹڈی میں گھسے رہتے ہیں اور باہر جاتے ہیں تو ہمیں لے کر ہی نہیں جاتے......"

"نینا......" مریم نے اسے گھورا "بری بات۔ اس طرح ماما پاپا کے متعلق بات نہیں کرتے۔"

"تو وہ کیوں نہیں ہمیں لے کر جاتے۔" اس نے منہ بنایا اور پیکٹ میں سے ایک چیونگم نکال کر ڈاکٹر معید کی طرف بڑھائی۔

"تھینک یو گڑیا۔" انہوں نے چیونگم لے لی "ہم اس ویک اینڈ پر تمہیں باہر لے کر جائیں گے...... کہاں جائیں گی آپ؟"

"چھانگا مانگا...... میں نے ابھی تک چھانگا مانگا بھی نہیں دیکھا۔" اس نے خوشی سے بتایا۔

"تو یہ طے ہوا۔ میں نے بھی ابھی تک چھانگا مانگا نہیں دیکھا اور اگلے ویک اینڈ پر ہم سب چھانگا مانگا جائیں گے۔"

"ڈاکٹر معید......"

مریم نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے روک دیا۔

"مس احمد پلیز...... بچوں کو اپنی خواہشات کا اظہار کرنے دینا چاہیے...... نہیں تو یہ ننھی ننھی خواہشیں جب اندر جمع ہوتی رہتی ہیں تو ان کے بوجھ سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ معمولی سی خواہشیں ان کا پورا کرنا تو ہمارے اختیار میں ہوتا ہے نا۔"

"لیکن وہ ماما اور پاپا......"

"ان سے میں خود بات کرلوں گا بلکہ ہم سب جائیں گے۔ ان کو بھی ساتھ لے کر چلیں گے اور اب آپ جائیں۔ ہمارے لیے اچھی سی چائے بنوا کر لائیں۔"

"اور ساتھ میں پکوڑے اور کباب بھی۔" نینا کو پکوڑے اور کباب بہت پسند تھے۔

"آنٹی نرگس۔" عاشی نے اسے چھیڑا۔

میڈم نرگس کو چٹ پٹی چیزیں بہت پسند تھیں۔ جب بھی وہ آتیں پکوڑوں اور کبابوں کی فرمائش ضرور کرتیں۔ دراصل ساری زندگی تو گلے کی حفاظت کے خیال سے انہوں نے چٹ پٹی چیزیں کھانے سے پرہیز کیا تھا اور اب ساری کسر نکال رہی تھیں...... بانو بازار سے چاٹ کھانے جاتیں یا کرش سے لڈو پیڑے کھا کر آتیں تو ضرور بتاتیں اور زینب عثمان کو حیرت ہوتی۔

"ہائے نرگس' تم نے وہاں کھڑے ہو کر لڈو پیڑے کھائے۔ لوگ اکٹھے نہیں ہو گئے تھے کیا......"

"بھاڑ میں جائیں لوگ۔" وہ ایک شاندار گالی سے انجانے لوگوں کو نوازتیں "اب کیا ان کے خوف سے اپنی خواہشیں بھی پوری نہ کریں۔ زینی ڈیر' کتنا دل چاہتا ہے کہ کسی دن بانو بازار میں کھڑے ہو کر چاٹ کھائیں اور منہ اور آنکھوں سے پانی بہے۔ لیکن لوگ۔ ہمارے ملک کے یہ لوگ...... شاپنگ کرنے کے لیے بھی بعض اوقات برقع اوڑھ کر نکلنا پڑتا ہے۔"

"یہ دراصل ان کی محبت ہے۔"

"بھاڑ میں جائے ان کی محبت۔"

"دیکھیں' آپ انہیں منع کریں بجی کو۔ مجھے چھیڑتی ہیں۔" نینا نے شکایت لگائی تو ڈاکٹر معید جو مریم کے جانے کے بعد نہ جانے کیا سوچنے لگے تھے' چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"میں کوئی آنٹی نرگس ہوں اور میری آواز کوئی ان جیسی ہے۔"

"ارے نہیں' ہماری گڑیا تو بہت اچھی ہے اور اس کی آواز تو بہت پیاری ہے۔ بھلا کوئی میڈم جیسی ہے۔"

عاشی چہرہ نیچے کر کے ہنسنے لگی۔

اور معید کو ہنستی ہوئی وہ بے حد دلکش لگی اور یہ حقیقت ہے کہ عثمان احمد اور مسز عثمان کے سارے بچے ہی بہت دلکش اور بہت سلجھے ہوئے تھے حالانکہ مسز عثمان شاید اپنی بیماری کی وجہ سے انہیں زیادہ توجہ نہیں دے پاتیں......

"ڈاکٹر معید۔" نینا نے انہیں مخاطب کیا۔

"نینا۔" عاشی نے اسے ٹوکا...... "ایسے نہیں بلاتے۔"

"پھر کیسے بلاؤں۔"

"معید بھائی کہہ لیں۔ میرے کوئی چھوٹے بہن بھائی نہیں ہیں نا......"

"ٹھیک ہے......" نینا نے سر ہلایا۔

"تو معید بھائی' ویک اینڈ کا پروگرام پکا ہے نا۔"

"ایک دم پکا......" انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا اور نینا نے اپنا ننھا سا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ماما منع تو نہیں کریں گی۔" نینا کو خوف تھا۔

"منع کریں گی تو ہم منا لیں گے......" ڈاکٹر معید نے اسے تسلی دی اور سوچا۔

"یہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں اگر بچپن میں پوری نہ ہوں تو زندگی بھر بہت تنگ کرتی ہیں۔ وہ خود جب چھوٹے سے تھے تو ان کا بھی کتنا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی ڈیڈی اور ممی کے ساتھ کبھی پکنک پر یا کبھی سیر کرنے جایا کریں...... اور کبھی آئس کریم کھانے لیکن امی بیمار رہتی تھیں اور ڈیڈی کے پاس کبھی وقت ہی نہیں ہوتا تھا اور اب بھی جب کبھی بچپن کی ناآسودہ خواہشوں کا خیال آتا تھا' دل کو جیسے کوئی مٹھی میں لے لیتا تھا۔

"آپ اندر چل کر چائے پئیں گے یا یہاں ہی؟" شریف نے آکر پوچھا تو وہ چونکے۔

"یہاں ہی لے آؤ یار۔ یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔ اندر تو اس وقت گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔"

مریم ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

"معید بھائی' معید بھائی' میں آپ کو اپنی ڈرائنگ بک دکھاؤں۔" نینا نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں ضرور......"

وہ بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی تو وہ عاشی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"پڑھائی کے علاوہ آپ کے کیا شوق ہیں......؟"

"کچھ نہیں۔" عاشی نے بتایا "بس ایسے ہی ٹی وی وغیرہ دیکھ لیتی ہوں لیکن جب میں مری میں تھی تو سسٹر مرینا مجھے گانا سکھایا کرتی تھیں۔"

"اچھا' پہلے آپ مری میں پڑھتی تھیں۔ میں نے بھی ابتدائی تعلیم مری میں حاصل کی ہے اور پھر پاپا انگلینڈ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ مجھے مری کا اسکول اور مدر اور سسٹرا بھی تک یاد ہیں۔"

ڈاکٹر معید کو اپنے بچپن کی باتیں اس سے کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ عاشی بھی خوش ہو کر اپنے اسکول کے متعلق اسے بتانے لگی۔

''پتا ہے' وہ کشمیر پوائنٹ پر نیچے اتر کر جائیں تو کونے میں چھوٹی سی دکان پر ایک بابا سا بیٹھا ہوتا ہے۔ سفید داڑھی والا۔ مختلف ڈیزائن کی ٹوکریاں بیچتا ہے۔ ساتھ ساتھ بناتا جاتا ہے۔ میں جب بھی کشمیر پوائنٹ پر جاتی تھی نا' تو اس سے ضرور کوئی چیز خریدتی تھی۔ وہ ہم سب بچوں سے بہت پیار کرتا تھا۔ گل شیر خان......''

''ارے گل شیر خان۔'' ڈاکٹر معید نے خوشی سے کہا' ''وہی نا جس کا ایک بیٹا ٹرک کے نیچے آگیا تھا اور جسے وہ مری کانونٹ میں پڑھا رہا تھا۔''

''ہاں' ہاں وہی......'' عاشی نے بھی خوشی سے جواب دیا' ''وہ ہم سے اکثر اپنے بیٹے کی باتیں کرتا رہتا تھا۔''

''اور ہم سے بھی...... لیکن تب اس کے بال سفید نہیں تھے۔ کوئی کوئی سفید بال تھا زیادہ کالے تھے۔''

''کمال ہے۔'' عاشی کو حیرت ہو رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں ایک دم روشنی سی اتر آئی تھی اور وہ ہاتھ ہلا ہلا کر بہت جوش سے ڈاکٹر معید کو مری کی مختلف جگہوں کے متعلق بتا رہی تھی اور ڈاکٹر معید بہت دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ گاہے گاہے وہ اس کے چہرے پر بھی نظر ڈال لیتے تھے۔

تب ہی زینب عثمان احمد کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی اور وہ گاڑی سے اتر کر سیدھی لان میں آگئیں۔

ڈاکٹر معید کی ان کی طرف سے پیٹھ تھی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔

''السلام علیکم مسز عثمان۔''

''وعلیکم السلام ڈاکٹر معید' آپ کب آئے؟''

ان کی نظریں عاشی کے چہرے پر تھیں جس کے رخساروں پر سرخی تھی اور آنکھوں میں انوکھی سی چمک...... یہ عاشی...... انہوں نے پھر غور سے اسے دیکھا اور پھر ڈاکٹر معید کو۔

''میں کچھ ہی دیر قبل آیا تھا۔ بچوں سے ملنے۔ خاص طور پر تیمور سے۔ بہت مزے کی باتیں کرتا ہے۔''

''لیکن تیمور۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے عاشی کی طرف دیکھا۔

''وہ پاپا کے ساتھ گیا ہے۔ اسے کچھ شاپنگ کرنا تھی۔'' عاشی نے بتایا۔

''اور یہ موموا ور نینا کہاں ہیں؟'' انہوں نے ڈاکٹر معید کو بالکل نظر انداز کیا ہوا تھا۔

''مومو چائے کا کہنے گئی ہے اور نینا اپنی ڈرائنگ بک لینے۔''

عاشی کو اس طرح دیکھنے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ عجیب کھوجتی ہوئی نظریں تھیں ان کی۔ تب ہی نینا اندر سے ڈرائنگ بک اٹھائے بھاگتی ہوئی آئی اور ڈرائنگ بک ڈاکٹر معید کے ہاتھوں میں دے دی اور پھر زینب عثمان کی طرف دیکھا۔

''ماما' ماما...... ہم معید بھائی کے ساتھ پکنک پر جائیں گے چھانگا مانگا۔''

''اچھا۔'' انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپائے ''ضرور جانا۔''

اور ڈاکٹر معید کی طرف دیکھا...... ''بیٹھیے نا ڈاکٹر پلیز۔''

''تھینک یو۔'' ڈاکٹر معید ڈرائنگ بک ہاتھ میں لیے بیٹھ گئے۔

''اور یہ ہم سے چوری چوری پکنک کا کیا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔''

''چوری چوری نہیں مسز عثمان۔'' انہوں نے نینا کی طرف دیکھا ''یہ ہماری گڑیا کی خواہش ہے اور ہم نے کہا ٹھیک ہے' اس ویک اینڈ پر چلیں گے اور آپ سب کو ہم نے شامل کرنا ہی تھا۔ آپ' عثمان صاحب سب ساتھ چلیں گے۔ بچوں کی یہی تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہوتی ہیں۔''

''ہاں ضرور چلیں گے' اتنی بزی لائف گزری ہے نا۔ ان باتوں کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا۔''

''آپ نے مسز عثمان' میرے آنے کا مائنڈ تو نہیں کیا۔ میں گھریلو زندگی کو ترسا ہوا ہوں۔ آپ کے بچے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ بہت سلجھے ہوئے اور پیارے بچے ہیں۔'' ڈاکٹر معید سنجیدہ ہو گئے۔

''نہیں' بالکل نہیں معید ڈیئر۔'' مسز عثمان نے بے تکلفی سے کہا...... ''میں خود تمہیں بہت مس کر رہی تھی۔ سوچا تھا کہ بیماری پر ہی تم سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ سو جب کسی دن بہت دل چاہا تم سے ملنے کا تو بیمار بن جائیں گے۔''

''ارے نہیں مسز عثمان' بیمار ہرگز نہیں ہوئیے گا۔ جب آپ حکم دیں گی' حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ کی بیماری سے خوف آتا ہے۔''

''پتا نہیں' یہ کیا بیماری ہے۔ میں تو خود تنگ آجاتی ہوں۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے' خودکشی کر لوں......'' وہ افسردہ لگنے لگیں۔

''ارے نہیں مسز عثمان...... سچ تو یہ ہے کہ بیماری وغیرہ کچھ نہیں ہے آپ کو۔ معمولی ڈپریشن ہوتا ہے۔ آپ معمولی معمولی باتیں اپنے اوپر طاری مت کیا کریں۔ زندگی میں تو بڑے بڑے المیے ہو جاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے آپ کی زندگی میں کہیں کوئی کمی نہیں ہے۔ اسٹیٹس ہے' پیارے پیارے بچے ہیں۔ محبت کرنے والے' چاہنے والے شوہر ہیں۔'' انہوں نے خلوص سے کہا۔

''شاید......'' زینب عثمان نے آہستگی سے کہا۔

''شاید نہیں' یقیناً مسز عثمان۔ یہ شاید ہی تو گڑبڑ کرتا ہے۔'' ڈاکٹر معید کا لہجہ ناصحانہ تھا ''اس بات کا یقین رکھیں کہ آپ خوش قسمت خواتین میں سے ایک ہیں۔''

عاشی بور ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈاکٹر معید نے بات کرتے کرتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ متناسب قد' دلکش نقوش۔ وہ بہت حد تک زینب عثمان سے مشابہ تھی۔ ان کی آنکھوں میں واضح ستائش تھی۔

"آپ جا رہی ہیں عاشی؟"

اس نے سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر معید کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

"آپ کے نزدیک خوش قسمتی کیا ہے ڈاکٹر معید؟" مسز عثمان نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ چونکے۔

"نوازنے والے نے آپ کو جی بھر کے نوازا ہے مسز عثمان' پھر بھی آپ پوچھ رہی ہیں کہ خوش قسمتی کیا ہے۔"

"بعض اوقات لوگوں کی نظر میں جو بہت خوش قسمت ہوتا ہے' وہ حقیقت میں خوش قسمت نہیں ہوتا۔" زینب عثمان نے گہری سانس لی "خوش قسمتی صرف پرآسائش گھر' بچوں' دولت اور اسٹیٹس پر ہی تو مبنی نہیں ہے۔ خوش قسمتی کا تعلق دل کی خوشی سے بھی ہوتا ہے۔"

"اور کیا آپ اس خوشی سے محروم ہیں؟" ڈاکٹر معید نے گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیا۔

سلیقے سے کیا ہوا میک اپ۔

سانچے میں ڈھلا ہوا جسم۔

وائٹ ساڑھی میں تو اور بھی دلکش لگ رہا تھا۔

اور یہ حقیقت تھی کہ ان پر ہر رنگ سوٹ کرتا تھا اور یہ وائٹ رنگ تو جیسے ان کے حسن میں اضافے کے لیے تخلیق ہوا تھا۔

"چلیے۔" انہوں نے نظریں جھکا لیں "آج بتا ہی دیں کہ آپ کا دل کیا چاہتا ہے۔ اس طرح آپ کو ٹریٹ کرنے میں آسانی رہے گی۔"

"میرا دل......" زینب عثمان نے آنکھیں زور سے بھینچ کر کھولیں تو ان میں نمی سی تھی "پتا نہیں' میرا دل کیا چاہتا ہے معید۔ یہ تو میں خود بھی نہیں جانتی لیکن یہ بہت ناآسودہ ہے۔ بہت نامطمئن ہے تمہیں کیا خبر معید کہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت تو وہ عورت ہے جو ایک کچے گھر میں رہتی ہے لیکن جس کا دل آسودہ ہے۔" ان کی پلکیں بھیگ گئیں۔ ڈاکٹر معید نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

یہ اتنے بڑے گھروں میں رہنے والوں کے دل بھی اتنے ناآسودہ ہوتے ہیں اور اتنے نامطمئن اور یہ مسز عثمان کا دل بھلا کیوں ناآسودہ ہے۔ ان کی سوالیہ نظریں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں کہ دروازہ کھلا اور مریم موبائل لیے ہوئے باہر آئی۔

"ماما آپ کی کال ہے۔"

"ہیلو۔" آنکھیں پونچھتے ہوئے انہوں نے کال اٹینڈ کی۔ مریم نے کسی قدر حیرت سے ان کی بھیگی ہوئی پلکوں کو دیکھا اور معید سے سرگوشی کی۔

"کیا ماما کی طبیعت پھر خراب ہو رہی ہے؟"

"نہیں تو۔" ڈاکٹر معید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرائے۔

"پھر یہ ماما۔" اس نے زینب عثمان کی طرف اشارہ کیا۔

"ڈونٹ وری۔" ان کے لہجے میں شفقت تھی لیکن وہ پریشان ہو کر ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"نرگس کا فون ہے۔ لالہ کو اسپتال میں داخل کروایا ہے۔"

"کیا ہوا لالہ کو......" مریم کو اس سے بہت لگاؤ تھا۔

"اپنڈکس ہے' اچانک درد اٹھا ہے۔ آپریٹ ہی ہوگا۔"

"اوہ......" مریم کے لبوں سے بے اختیار نکلا اور اس نے ڈاکٹر معید کی طرف دیکھا "کیا خطرناک ہوتا ہے؟"

"خطرناک تو معمولی سرجری بھی ہو سکتی ہے لیکن پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بہت عام ہے اب تو یہ...... زندگی ہو تو کوئی خوف نہیں ہوتا۔"

"مومو...... یہ شریف کیا کر رہا ہے' جا کر دیکھو کب سے ڈاکٹر معید آئے ہوئے ہیں اور......"

"وہ چائے لا رہا ہے۔" مریم نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور زینب عثمان سے پوچھا "ماما آپ اسپتال جائیں گی نا؟"

"ہوں۔"

"تو پھر مجھے بھی لے چلیے گا۔"

"لے جاؤں گی۔"

انہوں نے شریف کی طرف دیکھا جو قریب آ کر چائے ٹیبل پر لگا رہا تھا۔

"چائے بناؤ اور معید' یہ کباب لو...... شریف بہت مزے کے بناتا ہے۔" انہوں نے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"تھینک یو مسز عثمان......" معید نے کباب اٹھا کر پلیٹ میں رکھا۔

مریم چند لمحے یوں ہی کھڑی رہی اور پھر پوچھا۔

"ماما آپ کب جائیں گی اسپتال؟"

"رات میں عثمان آ جائیں تو پھر......"

"مجھے ضرور ساتھ لے کر جائیے گا۔" اس نے جاتے جاتے تاکید کی اور زینب عثمان سر ہلا کر ڈاکٹر معید کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

❀❀❀

لالہ کے چہرے پر زردی سی کھنڈی ہوئی تھی اور مریم اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔

"لالہ بہت تکلیف ہو رہی ہے؟"

"ارے نہیں' بالکل اچھی ہوں۔" وہ مسکرائی "اور پتا ہے مجھے بہت اچھا لگا ہے کہ تم آئی ہو مجھے دیکھنے۔ موموتم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔"

"اور مجھے بھی۔" مریم نے اس کا ہاتھ دبایا۔

میڈم نرگس اور زینب عثمان باہر کوریڈور میں کھڑی زور زور سے باتیں کر رہی تھیں۔ میڈم نرگس کے قہقہوں کی آواز اندر تک آ رہی تھی۔

"اور تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں۔" لالہ نے سرگوشی کی۔

"کیا.....؟"

"مجھے اپنڈکس وغیرہ کا کوئی درد نہیں ہوا تھا۔"

"پھر یہ آپریشن....."

"یہ....." وہ ہنسی "میں دراصل امتحان نہیں دینا چاہتی تھی اور کل میرا پہلا پیپر تھا۔"

"اور تم نے امتحان نہ دینے کے لیے آپریشن کروالیا۔" مریم کو حیرت ہوئی۔

"ہاں۔"

"اتنی تکلیف برداشت کی اور ڈاکٹرز نے کیسے کہہ دیا کہ یہ اپنڈکس ہے' جب کہ نہیں تھا۔"

"درد ڈاکٹرز کو تھوڑا ہی نظر آتا ہے موموجی.....اور پتا ہے' آج کل تو لوگ ویسے ہی اپنڈکس کو آپریٹ کروالیتے ہیں کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

"اور ڈاکٹر کو پتا ہی نہ چلا کہ انہوں نے بلاوجہ ہی آپریٹ کر دیا۔"

"چل گیا تھا۔" اس نے منہ بنایا "یہ ڈاکٹر شہریار بہت تیز ہیں۔ میں نے بھی انہیں ساری بات بتادی' سچ سچ اور وعدہ لے لیا کہ ممی سے نہیں کہیں گے۔"

"لالہ مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"یار کرلو نا یقین....."

"مگر تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا.....تمہیں پتا ہے' میں پرسوں رات بھی آئی تھی' ماما کے ساتھ تمہیں دیکھنے اور تمہاری حالت اتنی خراب ہو رہی تھی کہ میں گھر جا کر بہت روئی۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو.....؟"

"تو جو ہوتا دیکھا جاتا۔" اس نے بے پروائی سے کہا "اور پتا ہے ایک بار ممی کو کراچی جانا تھا ایک کنسرٹ میں شرکت کرنے.....اور میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ جائیں۔ بس میں نے ممی کی نیند کی گولیاں چرا کر کھالیں۔ زیادہ نہیں کھائی تھیں۔ اپنے حساب سے اتنی ہی کھائی تھیں کہ مر مرا نہ جاؤں۔"

مریم حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی کہ ڈاکٹر شہریار نرس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مریم لالہ کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ شہریار نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر اس پر ڈالی اور پھر نظریں جیسے اس کے چہرے سے ہٹنا ہی بھول گئیں۔ میک اپ سے بے نیاز.....گندمی رنگت والی لڑکی میں بلا کی کشش تھی۔

آنکھیں جو کاجل کی مرہون منت نہ ہوئی تھیں.....بے حد لمبی اور سیاہ تھیں۔

اور اس پر پلکوں کے گھنے جنگل۔

ہونٹوں کی بناوٹ بے انتہا خوبصورت۔

لمبی صراحی دار گردن۔

مریم ان کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کر کے بلش ہوگئی۔ تو شہریار کو یوں لگا' جیسے سنہری رنگ میں کسی نے گلابی رنگ گھول دیا ہو یا سورج ان گلابیوں کے پیچھے ڈوب رہا ہو۔

"السلام علیکم ڈاکٹر شہریار۔" لالہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکے۔

"ہاؤ آر یو ناٹی گرل....."

"فائن۔" وہ مسکرائی "آپ کیسے ہیں.....؟"

"ہم بھی فائن ہیں۔ میڈم کو پتا چلا آپ کی حماقت کا۔"

"ارے نہیں۔" وہ کھل کر ہنسی "ممی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا میری حماقتوں کا حال سننے کا۔"

"اور آپ مزید حماقتیں کرتی رہیں گی۔" ڈاکٹر شہریار نے میز پر سے اس کی فائل اٹھائی۔

تب ہی زینب عثمان کے ہاتھ پر مردوں کی طرح ہاتھ مارتے ہوئے میڈم نرگس اندر داخل ہوگئیں اور ڈاکٹر شہریار سے بحث کرنے لگیں۔

"یہ کیسا اسپتال ہے۔ وقت پر نرس ہی نہیں ملتی۔ کوئی اٹینڈینٹ نہیں ملتا۔ افوہ لالی کو صبح سے وامٹنگ ہو رہی تھی اور کوئی مل ہی نہیں رہا تھا۔ یہ تو خیال کرنا چاہیے کہ لالی کس کی بیٹی ہے' میڈم نرگس کی جو چاہے تو یہاں کھڑے کھڑے پورا اسپتال خرید لے۔"

وہ تیز تیز بول رہی تھیں۔ ڈاکٹر شہریار نے فائل میں کچھ لکھا اور فائل بند کر کے میڈم نرگس کی طرف دیکھا "ڈاکٹرز کے لیے سب مریض ایک جیسے ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔ اگر انہیں کسی نے اٹینڈ نہیں کیا تو یہ شکایت ڈاکٹر رافع تک پہنچا دوں گا۔" انہوں نے تحمل سے جواب دیا اور لالہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"آپ نے وامٹنگ کا نہیں بتایا۔ آج نہیں ہونی چاہیے تھیں۔" انہوں نے فائل کھول کر پھر کچھ لکھا اور ساتھ کھڑی نرس کو ہدایت دینے لگے۔

"لوگ پرائیوٹ اسپتال میں اس لیے آتے ہیں کہ زیادہ کیئر ہوگی۔ اتنا پیسہ خرچ کرتے ہیں لیکن اب تو یہاں بھی وہی حال ہوگیا ہے۔ کوئی خبر لینے والا ہی نہیں۔" میڈم نرگس پھر بول رہی تھیں۔

"ڈاکٹر رافع اس معاملے میں بہت سخت ہیں۔ آپ کو اس سلسلے میں جو بھی شکایات ہیں ان سے کرنی چاہئیں اور لالہ بی بی......" میڈم نرگس کی بات کا جواب دے کر انہوں نے اسے مخاطب کیا "جو ٹیبلیٹ وغیرہ آپ کو دی جائیں گی انہیں پھینکنا نہیں۔"

"وہ ایک ٹیبلیٹ پلیز......" لالہ نے برا سامنہ بنایا۔

"سب کھانی ہیں۔" شہریار نے سختی سے کہا "ورنہ کئی دن بستر پر پڑی رہیں گی۔"

"یہاں بڑا مزا آرہا ہے۔"

اس نے آہستہ سے کہا لیکن شہریار نے سن لیا۔ تنبیہی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد زینب عثمان نے مریم کی طرف دیکھا۔

"تم چلو گی مومو یا ابھی بیٹھو گی؟"

"نہیں ماما، اب چلتے ہیں، مجھے جا کر ابھی ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنا ہے۔"

"او کے لالہ۔" اس نے لالہ کے رخساروں کو چوما "تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ پھر تمہارے گھر آؤں گی اور باتیں کریں گے ڈھیر ساری......"

"تو کیا اب پھر یہاں دیکھنے نہیں آؤ گی؟" اس نے پوچھا۔

"اچھا آؤں گی لیکن کل نہیں پرسوں۔"

"پرامس۔"

"پرامس۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا آنٹی خدا حافظ۔"

"خدا حافظ جانو۔" میڈم نرگس نے اس کے رخساروں کو چوم لیا۔

"تمہاری بیٹی روز بروز خوبصورت ہوتی جا رہی ہے زینی۔"

"ہوں۔" زینب عثمان نے اسے کسی قدر فخر سے دیکھا۔

"اچھا نرگس، میں انشاءاللہ کل آؤں گی۔"

"ضرور آنا۔"

انہوں نے سر ہلا کر مریم کی طرف دیکھا "کم آن مومو" اور پھر یک دم جاتے جاتے پلٹیں۔

"تو نرگس، پھر تم رومی اور فارو کو مری بھیج رہی ہونا۔"

"ہاں امتیاز لے کر گیا ہوا ہے انہیں ایڈمیشن دلوانے۔"

(رومی اور فارو دونوں میڈم نرگس کے بیٹی اور بیٹا تھے جو امتیاز علی شاہ کی اولاد تھے۔)

"ہائے ممی، آپ فارحہ کو بھی مری بھیج رہی ہیں اور رومی کو بھی۔"

"ہاں، یہ تو امتیاز کی ضد تھی ورنہ بہت پہلے بھیج دیتی۔"

"اس معاملے میں عثمان نے بھی مجھے بہت مایوس کیا تھا۔" زینب عثمان نے افسوس کا اظہار کیا "اب کہو عاشی اچھا خاصا وہاں پڑھ رہی تھی۔ ذرا سی بیمار ہوئی تو لے آئے لیکن میں نے وہاں بات کر لی ہے...... اور نیکسٹ منتھ تینوں کو وہاں بھیج رہی ہوں...... عاشی نینا اور مور تینوں کو...... نیو ایڈمیشن ہو رہے ہیں نا...... کلاسز آئندہ ماہ سے اسٹارٹ ہوں گی۔"

"عاشی، نینا، مور تینوں کو۔" مریم کا دروازے پر رکھا ہاتھ وہیں ساکت ہوگیا۔ "تینوں چلے جائیں گے تو میں اکیلی کیا کروں گی۔" اس نے بے وقوفوں کی طرح سوچا اور مسز عثمان کی طرف دیکھا۔ جو "سینٹ انتھونی" کی مدر جوائس کی تعریفیں کرتے ہوئے بتا رہی تھیں کہ میرے ان سے بہت پرانے تعلقات ہیں۔

"دراصل وہ میری مما کی دوست ہیں۔ میرے اصرار پر وہ مان گئیں کہ عاشی کو بھی لے لیں گے۔ چند ماہ جو اس نے یہاں گزارے ہیں وہ ضائع ہو جائیں گے۔ اب نئی کلاس کے ساتھ اسٹارٹ کرے گی۔"

اور میڈم نرگس ان کے اس فیصلے کو زور وشور سے سراہ رہی تھیں۔ جب کہ نم آنکھوں کے ساتھ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ دھرے مریم حیرت سے سوچ رہی تھی کہ آخر کار ماما نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کر لیا اور اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیوں؟

❁❁❁

بعض خواہشیں کیسے اچانک پوری ہو جاتی ہیں۔ سکندر اپنے بیڈ پر لیٹا سوچ رہا تھا۔ ایک دن اچانک رضوانہ کو دیکھ کر اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ رضوانہ کو اپنی زندگی کا رفیق بنائے اور شاید کوئی شنوائی کا لمحہ تھا۔ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی کہ رضوانہ کے نام کے ساتھ اس کا نام شامل ہوگیا تھا۔ عجیب سی خوشی تھی جو اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔

اور رضوانہ۔

وہ بھی خوش ہوگی یقیناً۔ ہاں چاچا اور چاچی کو یاد کر کے ضرور روئی ہوگی۔ بھابو نے بتایا تو تھا۔ خود اسے بھی چاچا کا خیال آیا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ وہ رضوانہ کو اتنی خوشیاں دے گا کہ وہ اس دکھ کو...... چاچا اور چاچی کے دکھ کو بھول جائے گی۔

وہ نکاح کے دوسرے دن ہی واپس آ گیا تھا اور رضوانہ اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ جانے کہاں چھپ گئی تھی۔ کتنا دل چاہ رہا تھا اس کا کہ وہ ایک نظر اسے دیکھ لے کہ اس نئے بندھن نے اس کے چہرے کو کون سے نئے رنگ عطا کیے ہیں۔

آنکھوں میں کیسے جگنو بھر گئے ہوں گے۔
کیا پہلے کی طرح ہی بات کرے گی۔
یا بات کرتے ہوئے شرمائے گی' جھجکے گی۔
اور رخساروں پر گلاب کھل اٹھیں گے۔
وہ کتنی بے تحاشا خوبصورت ہے۔
شاید ڈولی سے بھی زیادہ۔
لیکن نہیں' ڈولی کی اپنی خوبصورتی ہے۔
ایسا حسن جس میں خود آگاہی ہے۔
شعلوں کی سی لپک ہے۔
تیز آنچ محسوس ہوتی ہے اس کی قربت میں۔
اور رضوانہ کی خوبصورتی میں بے نیازی ہے۔
معصومیت ہے۔
چاندنی کی سی ٹھنڈک ہے۔
جو ہولے ہولے اترتی ہے اور پورے وجود پر چھا جاتی ہے۔
اس کا حسن جلاتا نہیں۔ مرہم رکھتا ہے۔
لیکن بھلا ڈولی اور رضوانہ کا کیا موازنہ۔
اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی۔

"ڈولی کا مجھ سے کیا رشتہ کیا تعلق' صرف دو بار ہی تو اس سے ملا ہوں...... اور رضوانہ تو میری زندگی کا حصہ ہے...... اسے میری زندگی کا حصہ بننا ہے۔"

محسن اور صبح صادق بھی اس کے نکاح پر بہت خوش تھے۔

"یار تو بہت خوش قسمت ہے۔ نہ ظالم سماج ٹکرایا۔ نہ ماں باپ نے رکاوٹیں ڈالیں۔ تو نے جسے چاہا اسے پالیا۔ ایسے خوش قسمت تو کوئی کوئی ہی ہوتے ہیں۔"

اور اسے خود اپنی خوش قسمتی پر رشک آ رہا تھا۔

اس کے واپس آنے پر سب نے خوب ہلا گلا مچایا تھا۔ اس سے زبردستی ٹریٹ لی تھی۔ محسن دوسرے دوستوں کے علاوہ نیلوفر کو بھی بلایا تھا اور نیلوفر نے بھی خلوص سے اسے مبارک باد دی تھی۔ سب کے جانے کے بعد جب صرف نیلوفر' صبح صادق اور محسن رہ گئے تو محسن نے کہا۔

"سچ سکندر' مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ چچا نے یہ اچھا کیا کہ تمہارے رشتے کو منظور کر دیا۔ پتا نہیں کیوں' مجھے' کبھی کبھی خوف آتا ہے جیسے کہیں تو بھی...... چچا کی طرح...... خیر اب تو تمہارا بندھن بہت مضبوط ہو گیا ہے۔ ٹوٹنے کا امکان نہیں۔"

"کوئی بندھن بھی اتنا مضبوط نہیں ہوتا جو نہ ٹوٹ سکے۔" نیلوفر نے سنجیدگی سے کہا۔

"خواہ وہ نکاح کا بندھن ہی کیوں نہ ہو؟" محسن نے پوچھا۔

"ہاں خواہ وہ نکاح کا بندھن ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مرد اسے توڑنے پر آ جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور اگر وہ نہ توڑنا چاہے تو ایک معمولی وعدے پر بھی قائم ہو جانے والے بندھن کو بھی نہ توڑے۔" نیلوفر نے اپنی بات کو دہرایا......

"نیلی صحیح کہہ رہی ہے۔" صبح صادق نے اس کی تائید کی "لیکن خوشی کے موقع پر اچھی باتیں ہونی چاہیں۔"

اور موضوع بدل گیا۔

صبح صادق اسے چھیڑنے لگا۔

"یار' کیا چپ چپاتے بغیر ہنگامے کے محبت مل جائے۔ ایسی محبت مل جانے کا کیا مزا جب تک ظالم سماج نہ آڑے آئے۔ والد محترم بڑک نہ ماریں اوئے' ایسی شادی نہیں ہو سکدی۔" (یہ شادی نہیں ہو سکتی)

❀ ❀ ❀

صبح صادق اور محسن کالج سے آ کر نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ سکندر نے اٹھ کر کولر سے پانی پیا۔ ایک دم ہی گرمی پڑنے لگی تھی۔ شیشوں سے آتی دھوپ آنکھوں کو اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر پردے آگے کر دیے اور سوچا تھوڑی دیر سو لے پھر اٹھ کر تھوڑی سی اسٹڈی کر لے گا لیکن ابھی اس نے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ اس کے فلیٹ کی بیل ہونے لگی۔

شاید محسن اور صبح صادق واپس آ گئے ہیں۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور سامنے ڈولی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کیوں کیا میری آمد بہت غیر متوقع ہے؟" اس نے اپنی دلکش آنکھیں سکندر کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"اوہ' ہاں۔" وہ چونکا اور ایک طرف ہٹتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"آپ تو ہمیں بھول ہی گئے۔ ہم نے سوچا ہم ہی چکر لگا آتے ہیں۔" ڈولی نے اندر آ کر تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں' بتا کر نہیں گئے۔" سکندر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں یہاں سے گزر رہی تھی۔ سوچا تم لوگوں سے ملتی جاؤں۔ آنٹی بھی کہہ رہی تھیں، بہت دنوں سے محسن نہیں آیا۔" وہ محسن کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

سکندر کے لیے اس کی آمد قطعی غیر متوقع اور حیران کن تھی۔ یہ تیسرا سال تھا اور اس سے پہلے تو وہ کبھی آئی نہ تھی۔

ڈارک براؤن بے حد خوبصورت لباس۔ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے جسم پر بہت جچ رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا آگے کو جھکی۔ اپنی بے حد دلکش آنکھیں بار بار اس کی طرف اٹھاتی اور پھر جھکا لیتی۔ پلکوں کا بار بار اٹھنا اور گرنا...... سکندر کنفیوز ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ڈولی سے کیا بات کرے۔ کاش، محسن اور صبح صادق اس وقت یہاں ہوتے تو اتنی مشکل پیش نہ آتی۔

"خیریت ہے تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔" وہ مسکرا اٹھی۔

"ہاں نہیں تو۔" سکندر نے اس کی طرف دیکھا "یوں ہی کچھ تھکن سی ہے۔ دراصل میں سونے جا رہا تھا۔"

"اوہ پھر تو میں نے یہاں آ کر آپ کو ڈسٹرب کیا۔"

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے، مجھے نیند آتی ہی نہیں......"

وہ محسن کی عزیز تھی اور سکندر نہیں چاہتا تھا کہ اس کی دل آزاری ہو۔

"آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے چائے منگواتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں چائے کی ضرورت نہیں۔ آپ کہاں تکلیف کریں گے۔"

"اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔ وہ سامنے ہوٹل ہے۔ بچہ دے جائے گا۔"

"نہیں سکندر، بیٹھ جاؤ...... کچھ دیر بات کرتے ہیں پھر میں چلوں گی۔ مجھے اپنی فرینڈ کی طرف جانا تھا۔ اس روز تم سے بات کرنا بہت اچھا لگا تھا......"

"جی......" وہ مسکرا کے رہ گیا۔

ڈولی ایک دم ہی اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ اس روز راستے میں اتفاقیہ ملاقات کے بعد وہ گاؤں چلا گیا تھا...... اور آج پھر ڈولی یہاں موجود تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ آج کی آمد اتفاقیہ نہ ہو۔ جیسے ڈولی صرف اور صرف اس سے ملنے آئی ہو۔ اس کی گفتگو، بات چیت۔

اس کے دیکھنے کا انداز۔

یہ سب اسے پزل کر رہے تھے اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا جب محسن اور صبح صادق آ گئے۔ ان دونوں کو بھی اسے وہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

"دیر از سم تھنگ رانگ ان دا باٹم۔ دال میں کچھ کالا ہے۔" اس کے جانے کے بعد صبح صادق نے تبصرہ کیا۔

"ارے نہیں۔" محسن ہنس پڑا "ڈولی لاابالی سی لڑکی ہے۔ جب جس وقت اس کے ذہن میں جو بات آتی ہے، کر گزرتی ہے۔ وہ حقیقتاً یہاں سے گزر رہی ہوگی۔ سوچا ہوگا، گپ لگائے گی۔ یار اس نے بہت سارے سال امریکا میں گزارے ہیں۔ وہ ان باتوں کو نہیں سوچتی کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔"

"مجھے تو لگتا ہے یار، اس کا دل یہاں کہیں اٹک گیا ہے۔ اپنا یار سکندر ہے بھی تو شہزادوں کی طرح۔"

صبح صادق کو شک تھا۔

"وہ بڑی میٹریلسٹک لڑکی ہے۔ اگر اس نے کہیں دل اٹکایا تو بہت سوچ سمجھ کر اٹکائے گی۔ پہلے مالی پوزیشن دیکھے گی۔ اسٹیٹس کا جائزہ لے گی اور......"

محسن کو صبح صادق کی بات سے اتفاق نہ تھا۔ لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ صبح صادق کا خیال صحیح اور محسن کی رائے غلط تھی۔ ڈولی اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ سکندر پر مہربان ہو گئی تھی اور سکندر اس سے دامن بچانا چاہ رہا تھا لیکن اس کی مہربانیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور سکندر غیر محسوس طریقے پر اسیر ہو رہا تھا اور اسے خود کچھ خبر نہ تھی کہ انجانی زنجیریں اسے جکڑ رہی ہیں۔ دوران تعلیم ڈولی سے بارہا اس کی ملاقات ہوئی۔ اور ہر بار اس کا دل ہی دل میں اس کی خوبصورتیوں کو سراہا۔

کتنا مکمل حسن تھا اس کا۔

ہر لحاظ سے۔

سب کچھ تھا اس کے پاس۔

دولت، اسٹیٹس، حسن۔

پھر بھی وہ سکندر پر مہربان تھی۔

کیا تھا سکندر، ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا سادا سا لڑکا۔

سکندر دل ہی دل میں اس کی محبتوں پر ممنون ہوتا رہتا تھا۔

بارہا وہ محسن کے ساتھ اس کے چچا کے گھر گیا تھا۔

اور وہ اس کی چچی سے بھی بہت متاثر تھا۔

کتنا مکمل گھر تھا ان کا۔

اور کتنی مکمل عورت تھیں محسن کی چچی۔

یقیناً محسن کے چچا ایک خوش قسمت انسان تھے۔

وہ ڈولی کی خوبصورتیوں کو سراہتا رہتا تھا۔

اس کی محبتوں کا ممنون تھا۔

لیکن اس نے ڈولی کے ساتھ زندگی گزارنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔

زندگی کا سفر تو اس نے رضوانہ کی ہمراہی میں ہی طے کرنا تھا۔

رضوانہ کے ساتھ وہ کومیٹڈ تھا۔

رضوانہ اس کی اولین پسند تھی۔

اس کی محبت تھی۔

ڈولی اس کی محبت نہیں تھی۔

ہاں' وہ اسے پسند ضرور کرنے لگا تھا۔

محسن نے ڈولی کی اس میں بڑھتی ہوئی دلچسپی دیکھ کر بارہا اسے کہا تھا۔

"سکندر یار' بھول نہ جانا کہ گاؤں میں بھی کوئی تمہارا انتظر ہے۔"

"ارے نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

وہ گاؤں جاتا تھا تو اسے ڈولی کا خیال نہیں آتا تھا۔ رضوانہ اس کے سامنے ہوتی تو وہ اسے دیکھتا رہتا۔ سنتا رہتا اور محسوس کرتا رہتا۔ رضوانہ سے بات کر کے اسے جو خوشی محسوس ہوتی تھی' وہ ڈولی کی رفاقت میں نہیں ہوتی تھی۔ سو اس کے ذہن کے دور دراز گوشے میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کبھی وہ ڈولی کو رفیق حیات بنانے کا سوچے گا اور یہ لمحے کبھی اس کی زندگی میں آئیں گے کہ وہ دوراہے پر کھڑا ہوگا اور اسے رضوانہ یا ڈولی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اس لیے جب ڈولی نے ایک دوپہر ڈاکٹرز ہاسٹل کے فلیٹ میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"سکندر' یو نو آئی لو یو...... اور میرے پاپا ایک سال سے مجھے امریکا بلوا رہے ہیں لیکن مجھے تمہارا انتظار تھا۔ اب جب کہ تم ہاؤس جاب کر چکے ہو۔ تو میں چاہتی ہوں کہ تم آنٹی سے میرے لیے بات کرو۔ شادی کے بعد میرے ساتھ ہی امریکا چلنا۔ وہاں سے اسپشلائزیشن کر لینا۔"

وہ لمحہ بھر کو حیران سا رہ گیا تھا۔ اس لمحے کے متعلق اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ لمحہ بھی اس کی زندگی میں آئے گا۔ حالانکہ صبح صادق نے کئی بار اسے اس لمحے سے ڈرایا تھا اور جب یہ لمحہ اس کی زندگی میں آ گیا تھا تو اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس لمحے کے جال سے باہر نکلے۔ ڈولی سے ہزاروں باتیں ہوتی تھیں لیکن کبھی اس کی گھریلو زندگی زیر بحث نہیں آئی تھی اور نہ ہی آج تک اس نے ڈولی کو رضوانہ کے بارے میں بتایا تھا۔ دراصل اسے کبھی موقع ہی نہ ملا تھا۔ زیادہ تر ڈولی ہی بولتی تھی۔ وہ تو صرف اسے سنتا تھا۔

اسے باتیں کرنے کا ڈھنگ آتا تھا۔

وہ باتیں کرتی تو وہ ایک طرح سے مسحور سا ہو جاتا تھا۔

اس کے پاس کرنے کے لیے بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ اپنی سہیلیوں کی' اپنے ماما پاپا کی' امریکا کی۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے سکندر...... کیا میں...... تمہاری رفاقت کے قابل نہیں ہوں؟" وہ کھڑکی کے

پاس سے ہٹ کر اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

اس کے لباس سے اٹھنے والی خوشبو'

اس کا خوبصورت لباس۔

اور بے تحاشا حسن۔

سکندر نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"ایسا نہیں ہے ڈولی۔ تمہاری رفاقت تو کسی بھی شخص کے لیے باعثِ فخر ہو سکتی ہے۔ بہت خوش نصیب ہوگا وہ شخص جس کی رفیق زندگی تم بنو گی۔ میں ہی شاید تمہاری رفاقت کے قابل نہیں ہوں۔"

"کیوں؟" ڈولی نے بحث کی "کیا کمی ہے تم میں......؟ اسمارٹ ہو' ڈاکٹر بن چکے ہو' تمہارا مستقبل روشن ہے۔ پھر...... میں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہارے علاوہ کسی دوسرے شخص کا تصور نہیں کر سکتی اور میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"یہ کیا ہو گیا تھا۔"

سکندر نے بے بسی سے ہاتھوں کو مسلا۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

اس نے ڈولی کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں بے تحاشا محبتیں لیے اسے تک رہی تھی۔

اور یہ سراسر اس کی غلطی تھی کہ اس نے ڈولی کو پہلے دن ہی کیوں منع نہ کیا۔ اس کی آنکھیں تو ہمیشہ سے ہی اپنے جذبوں کا اظہار بڑی بے باکی سے کرتی تھیں اور وہ اگر وہ ڈولی کی مہربانیوں کو محض دوستی اور فرینڈ شپ سمجھ رہا تھا تو یہ اس کی حماقت تھی۔

"دراصل...... دراصل میرا نکاح ہو چکا ہے......" اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔ ڈولی ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں......" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی...... "نہیں۔" اس نے بے یقینی سے کہا...... "تم جھوٹ بول رہے ہو......"

"یہ سچ ہے ڈولی......" سکندر شرمندہ سا تھا۔

"لیکن تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا سکندر......" اس کی آواز گر سی گئی۔

"پہلے تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں اور شاید کبھی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ میں خود سے تمہیں بتاتا۔ آئی ایم سوری ڈولی۔"

ڈولی کی آنکھیں نم تھیں اور چہرے پر شکستگی تھی۔

"کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے......؟"

''وہ...... پتانہیں............'' وہ الجھ سا گیا'' ڈولی تم نے مجھے الجھا دیا ہے......''

''میں نے تمہیں الجھا دیا ہے اور تم نے...... تم نے کچھ نہیں کیا...... تم نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے...... تم نے میری انسلٹ کی ہے...... میرے جذبوں کی توہین کی ہے...... میرے دل کو توڑا ہے۔ تم نے مجھے میری نظروں میں گرا دیا ہے......''

''نہیں پلیز۔ ایسا مت کہو ڈولی۔ ایسا نہیں ہے۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا...... مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ تم اس طرح سوچتی ہو اور تمہارے ذہن میں......''

''جھوٹ بولتے ہو تم...... غلط کہتے ہو۔'' وہ اسے جھنجوڑنے لگی...... ''تم اتنے نادان نہیں ہو کہ میری محبتوں کو نہیں جان سکتے۔ کوئی لڑکی کسی سے کیوں ملتی ہے۔ کیوں بات کرتی ہے۔ اس کے تو چہرے کے رنگ بتاتے ہیں کہ......''

''ہاں شاید ایسا ہو۔'' سکندر نے ایک گہری سانس لی...... ''لیکن مجھے اپنے اوپر اعتماد نہیں تھا کہ میں بھلا کیا ہوں...... ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا معمولی سا لڑکا...... مجھ میں کیا ہے کہ تم جیسی خوبصورت لڑکی میرے ساتھ رفاقت کی خواہش مند ہو۔ میں اسے صرف تمہاری دوستی سمجھتا تھا۔ یقین کرو ڈولی میرے ذہن میں یہ نہیں تھا۔ نہیں تو ابتدا ہی میں تمہیں بتا دیتا کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔''

''محبت تو یہ سب نہیں دیکھتی نا سکندر۔ میں تو تم سے محبت کرنے لگی تھی۔ اس پہلے روز سے ہی جب تم آنٹی کے گھر میں سر جھکائے کھانے کی میز پر بیٹھے تھے اور پھر ہر گزرتے دن اور ملاقات کے بعد یہ محبت بڑھتی رہی...... کیا یہ ضروری تھا کہ میں زبان سے تمہیں کہتی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تمہیں چاہتی ہوں اور تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی ہوں۔''

''ڈولی......'' سکندر نے اس کے ہاتھ تھام لیے...... ''انجانے میں میری ذات سے تمہیں جو دکھ پہنچا ہے' اس کے لیے ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔ نہ معاف کر سکو تو جو سزا چاہو دے لو۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔''

''میں...... میں کیا سزا دوں گی تمہیں۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی...... ''مجھے تو خود ساری زندگی اس محبت کی سزا بھگتنی ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی اور سکندر کو کسی بہت بڑے زیاں کا احساس ہونے لگا۔

جیسے اس کا کوئی بہت بڑا نقصان ہو گیا ہو۔

بہت بڑا زیاں اور لحہ بہ لحہ یہ احساس زیاں بڑھتا جا رہا تھا

❀❀❀

''یار وہ تم اور تمہارا عشق۔''

مجتبیٰ حیدر نے بے تکلفی سے پروفیسر عادل کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا اور سوالیہ نظروں سے انہیں

دیکھا۔ ان کی عادت تھی کہ وہ جب بھی پروفیسر عادل سے ملتے' ان سے یہ سوال ضرور کرتے تھے۔

''کہیں وہ چہرہ دیکھا؟''

''جانے اس کے حسن تصور کی حقیقت کیا ہے
جانے ان خوابوں کی قسمت میں سحر ہے کہ نہیں
جانے وہ کون ہے میں نے اسے سمجھا کیا ہے
جانے اس کو بھی مرے دل کی خبر ہے کہ نہیں''

پروفیسر عادل نے بڑے جذب سے حمایت علی شاعر کی کسی نظم کے شعر پڑھے۔

''کسی نادیدہ ہستی کے عشق نے شاعر بنا دیا ہے تمہیں۔ چلو اسی کے طفیل شاعر ہو گئے ہو۔'' انہوں نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

''ہمیشہ سے ہوں۔''

پروفیسر عادل نے صوفے کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے پاؤں پھیلائے۔

''ہر آدمی کے اندر ایک شاعر چھپا ہوتا ہے مجتبیٰ حیدر۔ نازک احساسات اور سجیلے لفظوں والا شاعر۔ کچھ لوگ ان نازک احساسات کو لفظوں کا روپ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو شاعر کہلوانے لگتے ہیں اور کچھ میرے جیسے نکلے ہوتے ہیں جو ساری زندگی' لفظوں کی تلاش میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں اور کوئی لفظ ہاتھ نہیں آتا...... اگر کبھی یہ لفظ میری گرفت میں آ گئے مجتبیٰ حیدر' تو آپ دیکھنا کیا تخلیق ہوتا ہے۔ مسرور کی طرح میرے اندر بھی کبھی کبھی طوفان اٹھتا ہے۔ بڑے جوار بھاٹے آتے ہیں اور میرا دل چاہتا ہے کہ ان احساسات کو زبان دے دوں اور زندگی کے کسی موڑ پر جب وہ اچانک میرے سامنے آئے تو اسے بتاؤں کہ میں نے اس سے ملنے سے پہلے ہی اس کے ہجر کے دکھ اوڑھے ہیں۔

اسے دیکھنے سے پہلے ہی اسے چاہا ہے۔

اسے چھونے سے پہلے ہی اس کے وجود کی نزاکتوں کو محسوس کیا ہے۔

اس کی خوشبو نے میرے دل کی بستی کو مہکا رکھا ہے۔''

پروفیسر عادل بڑی بے تکلفی سے مجتبیٰ حیدر سے اپنی کیفیات بیان کر جاتے تھے۔

''یار کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ ہستی...... ایسی کسی ہستی کا وجود ہے۔''

مجتبیٰ حیدر لحہ بھر کے لیے سنجیدہ ہو گئے۔

انہیں کبھی پروفیسر عادل پر حیرت ہوتی تھی۔

اتنا ایجوکیٹڈ آدمی۔

اتنا علم رکھنے والا۔

دلائل اور حوالوں سے بات کرنے والا شخص کبھی کتنا آئیڈیلسٹک ہو جاتا تھا۔ خوابوں کی باتیں کرنے والا۔ خواب دیکھنے والا ایک شاعر آدمی بن جاتا تھا۔ جس نے ان دیکھے عشق کے انتظار میں عمر بتا دی ہو۔

''ہاں مجتبیٰ حیدر۔'' پروفیسر عادل کے لہجے میں مکمل طمانیت اور یقین تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ ہستی یہاں' اسی دنیا میں کہیں موجود ہے۔ وہ جب کبھی اچانک میرے سامنے آئے گی تو میں رک جاؤں گا' ٹھہر جاؤں گا۔ اگر اس ہستی کا وجود نہ ہوتا تو میرے دل میں ایسا خیال آتا ہی کیوں۔ لندن کی ایک کہر آلود شام میں جب میں اور میرا دوست چارلس ٹم ہلسن کے سیاہ فام مجسمے کے سامنے سے گزر رہے تھے...... تو اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''عادل تمہارے ملک میں ارینج شادیاں ہوتی ہیں اور تم لوگ ایک ان دیکھی لڑکی سے شادی کر کے تمام عمر بہت خوشی اور سکون سے گزار دیتے ہو۔ چاہے وہ سوچ اور فکر میں تم سے کتنی بھی مختلف کیوں نہ ہو اور چاہے وہ تمہارے معیار حسن پر ذرا بھی پوری نہ اترتی ہو۔ یہ سب کتنا پین ایبل ہوتا ہوگا تمہارے لیے اور کیا تم بھی...... عادل کیا تم بھی ایسی ارینج میرج کرو گے اور خوش رہو گے؟'' اور اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا کہ نہیں' چارلس ٹم۔ میرے ساتھ شاید ایسا نہ ہو اور وہیں اچانک مجھے ادراک ہوا تھا کہ کہیں کوئی ہے...... کسی جگہ پر جو میرا منتظر ہے۔ اور وہیں چارلس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے اس عشق نے میرے اندر انگڑائی لی تھی۔ جس کا میں آج بھی منتظر ہوں۔ وہ ہستی کہیں ہے مجتبیٰ حیدر۔''

انہوں نے بات کرتے کرتے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا پھر بولے۔

''ہاں' یہ خوف کبھی کبھی میرے دل کو مٹھی میں لے کر بھینچتا ہے کہ شاید یہ لمحہ میری زندگی میں اس وقت آئے جب پتوار ٹوٹ چکے ہوں اور کشتی ڈوبنے کو ہو۔ یا پھر یہ لمحہ اس وقت آئے جب میں تھک ہار کر راستے ہی میں بیٹھ چکا ہوں اور اس تک پہنچنے کے سارے راستے میں نے خود ہی مسدود کر دیے ہوں۔''

مجتبیٰ حیدر کی نظریں انہیں ٹٹول رہی تھیں ''تم ہارنے والے یا تھکنے والے آدمی تو نہیں ہو۔ پروفیسر عادل۔''

''ہاں' شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں مجتبیٰ حیدر۔'' ان کے لہجے میں ایک دم تھکن اتر آئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ان کی آواز میں جو سرخوشی اور جوش تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔

''میں تھکنے والا نہیں ہوں مجتبیٰ حیدر۔ میں آخری سانس تک انتظار کر سکتا ہوں لیکن کبھی کبھی کچھ شکستیں ہم دوسروں کی خاطر بھی تو قبول کرتے ہیں۔ ہم اکیلے نہیں ہوتے مجتبیٰ حیدر۔ بہت سے لوگوں کی خواہشیں اور آرزوئیں' خوشیاں اور دکھ ہمارے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم ان دوسروں کے لیے ہار جاتے ہیں حالانکہ ہمارے اندر موت تک کے راستوں پر چلنے کے لیے حوصلہ ہوتا ہے۔''

''میری دعا ہے کہ یہ ہستی زندگی کے راستوں ہی میں تمہیں مل جائے۔'' مجتبیٰ حیدر نے خلوصِ دل سے دعا کی اور پھر ہنسے ''ایک کہانی میرے قلم کے نیچے آنے کو بے تاب ہو رہی ہے۔

محبت کی ایک انوکھی داستان۔

ان دیکھے عشق کی لازوال کہانی۔

دیکھنا پروفیسر عادل' میں یہ کہانی ضرور لکھوں گا۔ لفظ ابھی سے میرے اندر بننے سنورنے لگے ہیں اور تم دیکھنا پروفیسر' میری اس کہانی کو کتنی پذیرائی ملے گی۔''

''ایسے عشق اور لوگوں نے بھی کیے ہوں گے۔ چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش ہر آدمی کے اندر ہوتی ہے۔ ایسے عشق کا انتظار ہر ایک کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس عشق کی کہانی آپ رقم کرو گے اور ان کی کہانیاں کسی نے رقم نہیں کی ہوں گی۔ سچ کہو کہ کیا کبھی تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی تھی کہ تم بھی کسی کو چاہو۔ کسی سے عشق کرو اور کوئی تمہیں چاہے۔''

''ایسی ویسی۔'' مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا...... ''ہمارا مزاج تو لڑکپن سے ہی عاشقانہ تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ ہم نے تو پیدا ہوتے ہی عاشق ہونے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ میری ماں مجھے بتاتی ہے کہ میں بچپن سے ہی حسن پرست تھا اور......''

''اور ابھی تک ہیں......'' آمنہ صفی نے اندر آتے ہوئے بات اچک لی۔

''آہا ہا آمنہ صفی۔'' مجتبیٰ حیدر نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ پروفیسر عادل نے اٹھ کر ان کی پذیرائی کی۔

''آیئے آیئے مس آمنہ۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ اسلام آباد چلی گئی ہیں۔''

''موڈ ہی نہیں بن رہا ہے جانے کا...... میری اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اور پھر......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا ''چلیے اسی بہانے ان سے بھی ملاقات ہو گئی۔'' وہ بیٹھتے ہوئے پروفیسر عادل کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''اور آپ کیسے ہیں پروفیسر عادل؟''

''ایک دم فائن۔'' انہوں نے خوش دلی سے جواب دیا۔ کامل کے گاؤں جانے کے بعد سے وہ بہت ریلیکس ہو گئے تھے۔ وہ یہاں تھا تو ٹینشن سی رہتی تھی اور اطمینان کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بہتر تھا۔ اس کے دورے کم ہو گئے تھے اور صحت بھی بہتر ہو رہی تھی۔ جاتے ہوئے وہ بار بار ان کے ہاتھ چومتا اور بھائی کہہ کر لپٹ جاتا تھا۔ کئی اداروں کا بذات خود جائزہ لینے کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ کامل کا گھر پر رہنا ہی بہتر ہے۔ جتنی بہتر نگہداشت اس کی گھر پر ہو رہی تھی' اتنی یہاں نہیں ہو سکتی تھی۔

پھر انہوں نے سوچا تھا کہ اب وہ خود دس پندرہ دن بعد حویلی کا چکر ضرور لگائیں گے اور ماں جی سے بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ آتے رہیں گے اور انہیں گھبرانا نہیں چاہیے۔

''آپ نے آج کل لکھنا چھوڑ رکھا ہے آمنہ صفی۔ آپ کے کالم نظر نہیں آ رہے۔'' مجتبیٰ حیدر آمنہ صفی سے پوچھ رہے تھے۔ پروفیسر عادل بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آج کل آرام ہو رہا ہے۔"

آمنہ صفی نے ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔ پروفیسر عادل اسے پیکٹ سے سگریٹ نکالتے اور پھر سلگاتے ہوئے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ صحیح نہیں ہے مس آمنہ۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔

"کیا..... سگریٹ پینا۔" آمنہ صفی نے ایک کش لگا کر دھواں چھوڑا وضاحت کی...... "کبھی کبھی پی لیتی ہوں۔"

"کیوں؟" پروفیسر عادل کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"آپ کیوں پیتے ہیں؟"

"میں......" پروفیسر عادل سٹپٹا گئے...... "یونہی۔"

"اور میں بھی یونہی۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"لیکن سگریٹ پیتے ہوئے عورت کی نسوانیت مجروح ہوتی ہے۔"

"عورت کی نسوانیت مجروح کرنے کو اس معاشرے میں اور بھی بہت کچھ ہے پروفیسر عادل۔" آمنہ صفی نے سگریٹ بجھا کر ایش ٹرے میں ڈال دیا "بہر حال اگر آپ کو اس سے کوفت ہوتی ہے تو لیجیے نہیں پیتی......"

پروفیسر عادل گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور آمنہ صفی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس روز اگرچہ آمنہ صفی بہت دیر تک بیٹھی تھیں اور بہت دیر تک گفتگو ہوئی تھی۔ وہ اس کی ذہانت اور اس کی اسٹڈی سے بہت متاثر ہوئے تھے...... بہت مطالعہ تھا اس کا......

انہوں نے اس کی ذہانت کا کھلے دل سے اعتراف کیا تھا۔

"عورت کی ذہانت بعض اوقات خود اس کے لیے عذاب بن جاتی ہے پروفیسر عادل۔" آمنہ صفی کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی چبھن تھی...... "اس کے لیے بھی اور اس سے متعلق لوگوں کے لیے بھی۔ کم ذہین عورتیں شاید زیادہ مطمئن اور پرسکون زندگی گزارتی ہیں۔"

"آپ کو زندگی سے کیا گلے ہیں مس آمنہ۔" پروفیسر عادل نے خوش دلی سے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں پروفیسر مجھے زندگی سے گلے ہیں یا زندگی کو مجھ سے۔" وہ ہنس دی تھی اور پروفیسر عادل نے سوچا تھا کہ آمنہ صفی کی زندگی میں کہیں نہ کہیں کوئی حادثہ ہوا ہے اور اس حادثے کے اثرات ابھی بھی اس کے لہجے اور اس کے لفظوں میں بولتے ہیں۔ شاید یہ حادثہ اتنا پرانا نہیں ہے۔ تازہ چوٹ کا کرب جھلکتا تھا اس کی گفتگو سے جتنی اس کی آمد ان کے لیے حیران کن تھی، اتنی ہی اس کی گفتگو بھی۔ جس میں ایک طویل مسافت کی تھکن تھی۔ ایک بولڈ اور بے باک شاعرہ اور کالم نگار کا جو خاکہ ان کے ذہن نے ترتیب دیا تھا

اور جو کچھ وہ آمنہ صفی کے متعلق سنتے آئے تھے، وہ اس سے بالکل مختلف تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہیں عادل صاحب؟"

وہ جو بے دھیانی میں مسلسل آمنہ صفی کو دیکھے جا رہے تھے، یک دم چونک کر بولے "کچھ نہیں۔"

"ہر ایک چہرے میں اس کے چہرے کو کھوجتا تھا
ہر ایک صورت میں اس کی صورت دکھائی دیتی تھی۔"

مجتبیٰ حیدر نے لہک کر شعر پڑھا تو پروفیسر عادل نے تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔ آمنہ صفی کی آنکھوں میں شرارت کوندی۔

"وہ صورت اور چہرہ کس کا ہے عادل صاحب؟"

"ابھی وہ چہرہ پردۂ افکار میں ہے۔" مجتبیٰ حیدر نے شریر نظروں سے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔ جن کے چہرے پر اس وقت ایک نرم تاثر تھا۔ وہ گمبھیر سنجیدگی جو ان کا خاصہ تھی، اس وقت کہیں نہیں تھی۔

"کیا۔" آمنہ صفی نے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

"پردہ ہٹادو اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب"

"مجتبیٰ آپ بعض اوقات فضول بولتے ہیں۔"

پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آکر معدوم ہو گئی۔ آمنہ صفی ذرا سے ہونٹ کھولے دلچسپی سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ سلطان اندر داخل ہوا۔

"ارے مائی تم......" پروفیسر عادل ایک دم کھڑے ہو گئے "گھر میں تو سب خیریت ہے نا۔ کامل اور ماں جی۔"

سلطان تو ان کے اصرار کے باوجود لاہور نہیں آتا تھا۔ سو اسی ماہ میں اس کی دوبارہ آمد ان کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔ وہ پریشان ہو گئے تھے۔

"سب ٹھیک ہے عادل بھائی۔ میں تو یونہی اپنے کام سے آیا تھا۔ آپ سے اور مسرور سے ملنے چلا آیا......"

"اوہ تھینک گاڈ۔" انہوں نے بڑی دیر سے روکی ہوئی سانس کو آزاد کیا اور مڑ کر آمنہ صفی کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا کزن ہے سلطان ملک اور یہ مشہور کالم نگار آمنہ صفی۔"

سلطان نے آمنہ صفی کی طرف دیکھ کر سر کو ہلکا سا خم کیا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکا سا کوندا لپکا تھا اور اس نے ایک ہی نظر میں آمنہ صفی کا سر تا پا جائزہ لے لیا تھا اور دل ہی دل میں اسے سراہا تھا۔ آمنہ صفی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"پروفیسر عادل، آپ کا کزن اسمارٹ آدمی ہے۔"

سلطان کی آنکھوں میں پھر چمک لہرائی اور بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔

''خوش قسمت ہو میاں۔'' مجتبیٰ حیدر چہکے ''ہم اتنی دیر سے اسی انتظار میں بیٹھے ہیں کہ شاید آمنہ صفی ہماری طرف بھی دیکھ لیں لیکن افسوس۔''

''سیکڑوں حسیناؤں سے اپنے لیے تعریفی کلمات سننے کے بعد بھی آپ کا جی نہیں بھرا۔'' آمنہ صفی نے قہقہہ لگایا۔

''آپ کی خودنوشت کی کچھ اقساط کسی ماہنامے میں پڑھی تھیں جس میں آپ نے لکھا تھا کہ آپ کو سیکڑوں خطوط ہر مہینے موصول ہوتے ہیں' صنف نازک کی طرف سے جو آپ کی تعریفوں سے بھرے ہوتے ہیں......''

''ویسے مجتبیٰ' آپس کی بات ہے' اس میں صداقت کتنی ہے......'' پروفیسر عادل آج بہت ہلکے پھلکے موڈ میں تھے اور اپنے مزاج کے برخلاف شوخ لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''سوفی صد صداقت۔'' مجتبیٰ حیدر نے زور دے کر کہا'' چاہو تو خود آ کر اپنی آنکھوں سے ان خطوط کا مطالعہ کر لو۔''

''کیا اب اس عمر میں بھی ایسے خطوط آتے ہیں؟''

''بالکل آجاتے ہیں۔ جب تک یہ کائنات موجود ہے اور مرد اور عورت کے درمیان کشش کا رشتہ ہے۔ یہ سب تو چلتا رہے گا......ہم نہیں ہوں گے کوئی اور ہو گا ہماری جگہ اور محبتوں کے معاملے میں صنف نازک ہمیشہ حماقتیں کرتی رہی ہیں۔ مس آمنہ یقین کریں کہ کئی دفعہ ایسے خطوط آئے ہیں' میری طرف کہ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ لڑکیاں کیسے تصورات میں محل بنا لیتی ہیں......اور خواب بن لیتی ہیں......بہت تصوراتی ہیں یہ لڑکیاں۔''

''محبت کے معاملے میں صنف نازک کی حماقتوں کے ذمے دار بھی تم مرد ہی ہوتے ہو۔''

''شاید......'' مجتبیٰ حیدر کچھ سنجیدہ ہو گئے'' میں نے اکثر سوچا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ شاید گھٹے ہوئے ماحول میں رہنے والی لڑکیاں یوں تصورات میں پناہ لے کر اس ماحول سے فرار حاصل کرتی ہیں۔''

''مجتبیٰ حیدر صاحب۔'' آمنہ صفی کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی'' آپ اپنے افسانوں میں محبتوں کی جو دنیا تخلیق کرتے ہیں' اس کی ذمے دار یہ دنیا بھی ہے۔......اور وہ خوبصورت لفظ......وہ شدید محبتیں جونہی آپ کے ناولوں میں دکھائی دیتی ہیں' وہ غیر ارادی طور پر اس کی تمنا کرنے لگتی ہیں۔ جو خطوط آپ کو ملتے تھے یا ملتے ہیں' ان لڑکیوں کے ہوتے ہوں گے جو بقول آپ کے گھٹے ہوئے ماحول سے تعلق رکھتی ہیں اور کچی عمروں کی ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اتنے خوبصورت الفاظ تخلیق کرنے والا خود بھی اتنا ہی خوبصورت ہو گا اور ان کی محبتوں کو اتنی ہی پذیرائی دے گا جتنا اس کا ہیرو دیتا ہے......لیکن آج کل......یہ

خوشی کی بات ہے کہ ہماری نسل خود آگاہ ہے اور وہ خوابوں کی دنیا میں کم رہتی ہے اور افسانہ یا کہانی کو افسانہ یا کہانی ہی سمجھا جاتا ہے۔''

''ہاں۔'' مجتبیٰ حیدر نے آمنہ صفی سے اتفاق کیا'' لیکن اس کے باوجود محبت کا وجود ہر دور اور زمانے میں رہا ہے اور رہے گا اور محبتوں کے معاملے میں مرد اور عورت یکساں بے وقوف بنتے رہیں گے۔ کہیں پر مرد اور کہیں پر عورت۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمیشہ عورت ہی بے وقوف بنتی ہیں۔''

سلطان جو ابھی تک کھڑا یہ ادیبانہ گفتگو سن رہا تھا' اس نے مجتبیٰ حیدر کے بات ختم کرتے ہی پروفیسر عادل سے پوچھا۔

''یہ مسرور کدھر ہے؟''

''اپنے کمرے میں ہو گا......اور تم نے کھانا وغیرہ کھانا ہو گا۔ خدا بخش سے کہو کھانا لگا دے تمہارے لیے اور ادھر چائے بھجوا دو۔'' پروفیسر عادل کو خیال آیا کہ وہ گاؤں سے آیا ہے اور انہوں نے ابھی تک اس سے کھانے وغیرہ کے لیے نہیں پوچھا۔

''کھانا تو میں کھا کر آیا ہوں۔ دراصل کچھ دوست بھی ہیں ساتھ۔ ہوٹل میں کھانا کھایا تھا۔ ہاں' چائے میں آپ کا ساتھ ہی دوں گا۔ فی الحال مسرور سے مل لوں۔''

اس نے ایک نظر آمنہ صفی پر ڈالی اور باہر نکل آیا۔

''ارے آپ سلطان صاحب۔''

''مانی میرے دوست' صرف مانی۔'' سلطان نے اسے گلے لگاتے ہوئے تنبیہ کی۔

پتا نہیں' مسرور میں اسے کیا نظر آ گیا تھا ورنہ وہ تو بہت اکھڑا ہوا اور مغرور سا تھا۔

''کیسے آنا ہوا؟'' مسرور نے پوچھا۔

''سچ پوچھو تو ادھر تم سے ملنے آیا ہوں اور لاہور کے چکر تو پہلے بھی لگتے ہی رہے ہیں۔ مہینے میں ایک آدھ۔'' اس نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا'' بس یہ تھا کہ باہر باہر سے چلا جاتا تھا۔ عادل بھائی سے ملاقات نہیں ہو پاتی تھی۔''

مسرور نے غور سے اسے دیکھا۔

خوش مطمئن اور پرسکون سا۔ اپنے کسی بھی عمل پر ندامت نہیں بلکہ فخر کا احساس لیے۔ دولت ہو۔ فراغت ہو اور زندگی میں کوئی غم نہ ہو تو یہ انداز آ ہی جاتے ہیں لیکن پروفیسر عادل کتنے مختلف ہیں' اپنے ماحول اور اپنے اس کزن سے۔

نرم و صاف دل۔

ستھرا ذہن۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی جاگیردار کی اولاد ہیں اور خود بہت بڑی جاگیر کے مالک ہیں اور ایک یہ جس کے ایک ایک انداز سے اس کا پس منظر پتا چل رہا تھا۔

ہر ماہ لاہور آنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

مسرور سمجھ رہا تھا۔

"یار مسرور! تم اتنے کم گو اور خاموش طبع کیوں ہو۔" سلطان نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا "چلو میرے ساتھ، میں تمہیں لینے ہی آیا ہوں۔ میرے دوست میرے منتظر ہوں گے۔ آج تم بھی میرے ساتھ انجوائے کرو اور زندگی کے حسن کو قریب سے دیکھو۔"

"میں۔" مسرور ہولے سے ہنسا اور اس نے سوچا۔

عمران ملک آپ کی اور میری زندگی کے رنگ بالکل مختلف ہیں۔ میرے سامنے میری ماں کے خواب ہیں۔ جنہیں میں نے پورا کرنا ہے۔ اس کی صعوبتیں ہیں، اس کے درد اور اس کے آنسو ہیں۔ جنہیں میں نے چننا ہے۔ میں اتنی فراغتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا عمران ملک۔

"ہاں تم۔" سلطان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"چلو گے نا۔"

"نہیں، عمران ملک۔ آپ کی محفلوں میں بھلا میرا کیا کام۔"

"عمران نہیں صرف مانی اور "تم" تمہاری زبان سے یہ سننا بہت اچھا لگے گا مجھے۔"

اس نے خلوص سے اس کا ہاتھ دبایا "اگر تم نہیں چاہتے تو مت چلو۔ ہم ہی کچھ دیر تمہارے پاس بیٹھ جاتے ہیں لیکن دوست، کبھی کسی دن مجھے اپنے متعلق بتاؤ۔ اتنے اداس اور خفا کیوں لگتے ہو۔"

مسرور صرف سلطان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کہیں جا رہے تھے؟"

"نہیں، اس وقت مجھے ٹیرس پر بیٹھنا اور اوپر نیلے آسمان پر چمکیلی بدلیوں کو اور پرندوں کو واپس اپنے آشیانوں کی طرف جاتے دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم سب بھی سفر میں ہوں اور آخر دن ہم سب نے بھی اپنے آشیانوں کی طرف واپس لوٹنا ہے۔"

"تم بہت خوبصورت باتیں کرتے ہو مسرور۔" سلطان نے مسکرا کر اسے دیکھا "چلو وہیں ٹیرس پر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

اور پھر خدا بخش کو چائے کا کہہ کر وہ دونوں ٹیرس پر آ گئے۔

❀❀❀

عینی اور روشی چپس کھاتی ہوئی لائبریری میں داخل ہوئیں۔ مریم ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکائے

دھوپ، بارش اور سائے

اخبار دیکھ رہی تھی۔

"ارے تم یہاں ہو مومو۔" عینی ٹیبل پر اپنا بیگ پھینک کر سامنے بیٹھ گئی "ہم نے تو سمجھا تھا کہ تم گھر چلی گئی ہو گی۔ میرا کہہ رہی تھی، وہ تمہیں بھی ڈراپ کر دے گی۔"

"ہاں، میرا نے کہا تو تھا مگر میرا موڈ نہیں تھا۔" مریم نے اخبار سے نظریں ہٹا لیں۔

گھر جا کر بھی کیا کرتی۔ عاشی، نینا اور مور کے جانے سے گھر کتنا ویران لگنے لگا تھا۔ کیسی خاموشی ہو گئی تھی حالانکہ زینب عثمان احمد ان کے جانے کے بعد دو پارٹیاں اور ڈنر ارینج کر چکی تھیں۔ پھر بھی مریم کو بہت سناٹا لگتا تھا گھر میں۔

"پھر پیریڈ اٹینڈ کیوں نہیں کیا؟" عینی بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"میڈم مہرین تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ روشی نے کہا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، گھر چلی گئی ہے۔"

"کہا نا موڈ نہیں تھا اور تم اس وقت یہاں کیوں آ گئی ہو۔ کلاس نہیں ہو رہی کیا؟"

"ہاں کلاس نہیں ہو رہی اور باہر بہت گرمی ہے۔ ہم نے سوچا اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ لو تم یہ چپس کھاؤ" عینی نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"نو تھینک یو عینی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"اینی پرابلم؟" روشی نے اس کے سامنے پڑا ہوا اخبار اپنی طرف کھسکا لیا۔

"نتھنگ۔" وہ مسکرائی "عاشی وغیرہ سیٹ ہو گئے ہیں۔"

عینی نے اسے غور سے دیکھا...... "ہاں شاید۔"

وہ تو سیٹ ہو گئے ہوں گے لیکن وہ جو سیٹ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تینوں جاتے ہوئے کتنے افسردہ تھے اور مور بڑا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"موموٗ اداس نہیں ہونا۔"

"اچھا۔" وہ افسردگی سے ہنس دی تھی۔

"ماما آپ موموکو بھی وہاں مری میں ہمارے ساتھ کیوں نہیں بھیج دیتیں۔" اس نے زینب عثمان سے سفارش کی تھی اور زینب عثمان احمد نے اسے جھڑک دیا تھا۔

"اب موموہر جگہ تو تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی نا......"

"کیا ان کے لیے وہاں کوئی کالج نہیں ہے؟" وہ مسلسل سوال کر رہا تھا اور انہیں الجھن ہو رہی تھی۔

عثمان احمد نے کافی مخالفت کی تھی لیکن حسب معمول جلد ہی سرینڈر کر دیا تھا۔ ان میں زینب عثمان احمد کی کسی بھی بات کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں تھی حالانکہ انہوں نے دبے دبے لفظوں میں عاشی کی طبیعت کی خرابی کا ذکر بھی کر دیا تھا۔

''زینی' عاشی کومری کی آب وہوا سوٹ نہیں کرتی۔''

''میرے خیال میں اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے ڈاکٹر ہادی سے تفصیلی بات کی ہے' اس سلسلے میں دوا بھی انہوں نے تجویز کر دی ہیں جو کچھ عرصہ عاشی کو استعمال کرنی ہیں۔''

''مور ہمیں بہت مس کرے گا۔''

''ہم ہر ویک اینڈ پر جایا کریں گے انہیں دیکھنے۔'' ان کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

''دیکھو عثمان ان کی شخصیت کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ انہیں باہر بھیج دیا جائے۔ تم نے دیکھا نہیں' وہ مومو پر کتنا انحصار کرنے لگے ہیں۔ کتنا زیادہ اٹیچڈ ہو گئے ہیں اس سے۔ میں نہیں چاہتی کہ سب مومو کی کاپی ہوں۔''

اور مریم جو ماما کی طرف جا رہی تھی' وہیں دروازے پر رک گئی تھی۔

''کیا میری وجہ سے ماما ان تینوں کو مری بھیج رہی ہیں'' اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔

''کیا میری شخصیت میں کوئی خامی ہے...... کیا میں غلط ہوں کہیں پر......'' ایک عجیب احساس کمتری نے اسے آگھیرا۔

''لیکن ان تینوں کو مری بھیجنے کے بجائے ماما نے مجھے ہی کیوں نہ کسی اور شہر کے کسی کالج کے ہاسٹل میں بھیج دیا۔''

''لیکن پھر عاشی...... میرا مطلب ہے عاشی کو......'' عثمان احمد منمنا رہے تھے۔

''اُفوہ عاشی کو بھیجنا تو بہت ضروری تھا۔''

انہوں نے جھنجلا کر بات ختم کر دی تھی اور مریم وہاں سے ہی پلٹ آئی تھی۔ حالانکہ وہ ان سے نینا اور مور کے سامان کی پیکنگ کے لیے پوچھنے جا رہی تھی۔

''پتا نہیں ماما مجھ سے کیا چاہتی ہیں کہ میں کیسی بنوں۔'' وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اب ماما اس سے خوش ہیں۔ اس روز بھی وہ اسپتال میں میڈم نرگس سے کہہ رہی تھیں کہ مومو اب سوشل ہوتی جا رہی ہے...... اب اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

''ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔'' روشی نے اس کے سامنے چپس کا پیکٹ لہرایا تو وہ چونک کر اس طرف متوجہ ہو گئی......

''مومو' چند دن ہوئے میں نے تمہاری ماما کو ''رافع اسپتال'' میں دیکھا تھا۔ میڈم نرگس بھی ان کے ساتھ تھیں۔ مجھے تم سے پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔ کون اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔'' عینی کو اچانک یاد آیا۔

''تمہارے پاپا تو ٹھیک ہیں نا......؟''

''ہاں' وہ دراصل لالہ...... میڈم نرگس کی بیٹی لالہ وہ ایڈمٹ تھی وہاں۔''

''لالہ...... اچھا اچھا' آج کل میڈم کے لالہ کے متعلق بڑے بیانات چھپ رہے ہیں اخباروں میں۔'' روشی نے بتایا۔

''مثلاً کیا؟'' مریم چوکنی ہو گئی۔

''تم اخبار نہیں پڑھتی ہو؟'' عینی نے پوچھا۔

''بہت کم۔'' مریم نے روشی کی طرف دیکھا ''تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''یہ کہ لالہ موسیقی کی دنیا میں انقلاب پیدا کرے گی اور یہ کہ اس کی آواز لوگوں کو حیران کر دے گی وغیرہ وغیرہ...... جس پر اس کے جاگیردار باپ نے میڈم سے کہا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو ٹی وی اور فلم کے لیے گانے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ بس اسی بات پر دونوں کی ٹھن گئی ہے۔ میڈم نے فوراً ہی پریس کانفرنس بلا لی...... اور خوب خوب سنائیں اپنے سابقہ شوہر کو کہ وہ صرف اس کی نہیں' میڈم نرگس کی بھی بیٹی ہے...... جو ایک معروف گلوکارہ ہیں...... اور سر اور آواز لالہ کو ورثے میں ملے ہیں...... اور یہ کہ وہ انہیں ضائع نہیں ہونے دیں گی وغیرہ وغیرہ۔''

''لالہ تو بہت پریشان ہو گی اس صورت حال سے۔'' مریم نے سوچا ''وہ تو یوں بھی جذباتی سی لڑکی ہے۔ الٹی سیدھی حماقتیں کرتی رہتی ہے......'' اور پھر اسے فون بھی نہ کر سکی تھی۔ حالانکہ اسپتال میں اس نے لالہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے گھر آئے گی۔ مگر پھر عاشی' نینا اور مور کے جانے کا سن کر اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔ رات پارٹی میں تو اس سے سرسری سی ملاقات رہی تھی اور وہ خوش لگ رہی تھی۔

''آخر لالہ کی اپنی مرضی بھی تو کوئی ہو گی نا؟'' عینی نے پوچھا۔

''ارے وہ تو اتنی چھوٹی سی ہے ابھی میٹرک میں تو ہے اور اپنی ماما سے بہت محبت کرتی ہے اور ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی رہتی ہے۔'' مریم نے بتایا۔

''میڈم کی ایک ہی بیٹی ہے کیا؟'' روشی کو فلمی ستاروں اور گلوکاروں کے بارے میں جاننے کا کریز تھا۔

''نہیں دو ہیں۔ ایک چھوٹی سی ہے سات آٹھ سال کی۔ دونوں بہت پیاری ہیں۔''

''میڈم بھی تو کافی خوبصورت رہی ہوں گی۔'' عینی نے تبصرہ کیا ''اور ابھی بھی ہیں لیکن پتا نہیں کیوں' مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ حالانکہ ان کے گیت مجھے بہت پسند ہیں اور ارسل بھائی کے پاس تو ان کے سارے گانوں کا ریکارڈ ہے۔''

''اپنی اپنی پسند ہوتی ہے نا۔'' روشی نے چپس کا پیکٹ خالی کر کے عینی کے پیکٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''چیٹو' یہ میرا ہے۔'' اس نے پیکٹ اپنی طرف کھسکایا۔

''ایک ہی بات ہے' تم کھاؤ یا میں۔'' روشی نے مسکرا کر پیکٹ اٹھا لیا۔

''بائے داوے تم وہاں رافع اسپتال میں کیا کر رہی تھیں؟''

"تم جانتی تو ہو شیری بھائی وہیں جاب کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ ہی گاؤں سے آئی تھی۔ شیری بھائی کو کسی مریض کو ضروری دیکھنا تھا۔ انہوں نے کہا' پہلے میں ذرا اپنے مریض کو دیکھ لوں پھر تمہیں ہاسٹل چھوڑ آتا ہوں۔"

"گاؤں میں سب ٹھیک تھے نا؟" مریم نے پوچھا۔

"ہاں' سب ٹھیک تھے۔ امی اور ابا جی سب ٹھیک تھے۔ امی بہت اکیلی ہو گئی ہیں۔ میرے آنے سے ان کا جی نہیں چاہ رہا تھا' مجھے بھیجنے کو۔ مگر پھر شیری بھائی نے کہا کہ میری پڑھائی کا حرج ہو گا۔"

"اور اگر شیری بھائی۔ نہ کہتے تو تجھے وہیں بیٹھ جانا تھا۔" روشی نے یقین سے کہا۔

"ہاں۔" عینی ہنسی "سچی میرا جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا' اگلے ہفتے ہی آؤں گی۔"

"اور مسز ارمان نے تیرا جنازہ نکال دینا تھا۔"

"ارے......" وہ ایک دم کھڑی ہو گئی "مسز امان کا پیریڈ شروع ہو گیا ہے۔"

"اوہ......" روشی نے بھی بیگ اٹھا کر کندھے پر لٹکایا "وہ تو ہم سے بھی پہلے ہی پہنچ چکی ہوں گی۔"

"تم نہیں چلو گی مومو؟" عینی نے اسے یوں ہی بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔"

مریم دونوں کے اصرار کے باوجود نہیں گئی۔ ایک تو تھکن سے جسم نڈھال ہو رہا تھا۔ دوسرے گزری رات کی باتیں ذہن کو الجھا رہی تھیں۔ اسے آج کالج نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس نے اخبار اپنی طرف کھسکاتے ہوئے سوچا۔

لیکن گھر رہ کر بھی وہ کیا کرتی۔

گھر میں تو طبیعت اور بھی بوجھل ہو جاتی تھی۔

تیمور' عاشی اور نینا کے کمرے کتنے اداس' اداس اور خاموش لگتے تھے اور تیمور کتنا یاد آ رہا تھا اسے۔ اس کی باتیں' اس کی شرارتیں' اس کا ہنسنا۔ رات میڈم نرگس کے ہاں پارٹی میں بھی ان کے بیٹے کو دیکھ کر تیمور یاد آتا رہا تھا۔ وہ بالکل تیمور کی طرح سر کو ذرا سا جھٹک کر اور دائیں ہاتھ کو اوپر اٹھا کر مٹھی بند کر کے بات کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی سید امتیاز علی شاہ کے ساتھ مری سے آیا تھا اور بڑے جوش سے لالہ سے باتیں کر رہا تھا۔

میڈم نرگس نے لالہ کی صحت یابی کی خوشی میں پارٹی دی تھی۔ لالہ نے بطور خاص اسے فون کر کے کہا تھا کہ وہ ضرور آئے حالانکہ اس کا جانے کا بالکل موڈ نہیں ہو رہا تھا اور ماما نے بھی اسے جانے کے لیے نہیں کہا لیکن لالہ ضد کر رہی تھی۔

"یار تم آؤ نا۔ تمہیں ایک فنٹاسٹک خبر سناؤں گی۔"

"لیکن لالہ' وہ ماما نے تو مجھے ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔"

"تو میں آنٹی سے کہتی ہوں کہ وہ تمہیں ضرور ساتھ لائیں۔"

"ہاں اگر ماما نے کہا تو آ جاؤں گی۔ ویسے بھی تو اب گھر میں بہت دل گھبراتا ہے۔ عاشی اور نینا جو نہیں ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں آنٹی سے بات کرتی ہوں۔"

اور لالہ نے فون بند کر دیا۔

شام کو جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو ماما اپنے بیڈ روم سے باہر آ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر جیسے انہیں یاد آیا......

"موموٗ آج نرگس کے ہاں ڈنر پارٹی ہے۔ لالہ کی صحت یابی کی خوشی میں۔ لالہ ضد کر رہی تھی کہ تمہیں بھی ساتھ لاؤں۔ تم چلو گی......؟"

"جی ماما۔"

زینب عثمان احمد کے چہرے پر ہلکا سا تحیر نظر آیا اور انہوں نے مڑ کر عثمان احمد کی طرف دیکھا۔ جو ان کے پیچھے ہی بیڈ روم سے باہر آئے تھے۔

"موموں میں چینج آ رہا ہے۔"

"وقت کے ساتھ ہر آدمی میں چینج آتا ہے زینی اور موموں میں تو ابھی اور بھی تبدیلیاں آئیں گی۔"

عثمان احمد ہمیشہ کی طرح سنجیدہ لگ رہے تھے۔ مریم کو ان کا یہ انداز اچھا لگتا تھا لیکن جب اس سنجیدگی میں مسکینیت آ جاتی اور عثمان احمد سے "یس مین" بن جاتے اور زینب عثمان احمد کی ہر غلط صحیح بات پر ایگری کرتے جاتے تو پھر مریم کو بے حد الجھن ہوتی تھی...... اس کا جی چاہتا تھا' پاپا ایسے کبھی نہ بنا کریں۔

"مجھے تو ڈر تھا کہ اپنے باپ کی طرح کمپلیکسز کا ہی شکار رہے گی ساری زندگی۔"

عثمان احمد نے یک دم سر اٹھا کر زینب عثمان کی طرف دیکھا۔

"زینی......"

زینب عثمان نے ہولے سے سر جھٹکا۔ مریم کی نگاہیں عثمان احمد کے چہرے پر تھیں۔

"آخر پاپا کو کیا کمپلیکس ہو سکتا ہے۔ اتنے وجیہہ و شکیل تو ہیں۔ اتنی زبردست پرسنالٹی ہے۔ شاید پاپا کا فیملی بیک گراؤنڈ ممی کے فیملی بیک گراؤنڈ سے کمزور ہے......" برسوں پرانا شک پھر اس کے ذہن میں کلبلایا...... کہ پاپا کا تعلق شاید کسی غریب یا متوسط فیملی سے ہے اور ماما نے یونہی انہیں جاگیر دار مشہور کر رکھا ہے۔ اسے ایک دم پاپا پر ترس آنے لگا۔

"بے چارے پاپا اس وقت کتنی بے بسی سے ماما کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے تھے پھر بند کر لیے تھے اور ماما بھی تو ان کا ذرا لحاظ نہیں کرتیں۔ اب کیا تھا اگر وہ یہ بات

نہ کہتیں......اور پھر میں...... مجھے کوئی کمپلیکس کہاں ہے۔"

"پاپا کا تعلق اگر کسی غریب گھرانے سے ہے تو بھی وہ میرے پاپا ہیں۔ مجھے پاپا کے حوالے سے تو کوئی کمپلیکس نہیں ہے۔"

اس کا جی چاہا کہ وہ کہہ دے۔

"آپ کی فرسٹریشن'

آپ کی دوستیاں'

آپ کے رویے'

یہ سب میرا کمپلیکس ہیں۔"

"ٹھیک ہے مومو بیٹا آپ تیار ہو جانا۔ ہم آپ کو لے جائیں گے۔" عثمان احمد نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

"جی پاپا' کب تک جانا ہے؟"

"آٹھ بجے کے بعد ہی جائیں گے' فی الحال تو تمہاری ماں پارلر جا رہی ہیں۔"

"تم بھی حد کرتی ہو کبھی کبھی زینی۔"

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے سنا' پاپا دبی زبان سے کہہ رہے تھے۔

"پلیز عثمان۔ میں اس وقت تمہارا لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

زینب عثمان کی بیزاری سی آواز سن کر اس نے ایک بار پھر مڑ کر انہیں دیکھا تھا اور پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بہت دیر تک وہ وارڈ روب کھولے کھڑی رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ایسا ڈریس منتخب کرے کہ ماما کو پھر پاپا پر طنز کرنے کا موقع نہ ملے۔ عاشی ہوتی تو ضرور اس کی مدد کرتی۔ اس کی چوائس بہت اچھی تھی اور مریم کو تو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جو سامنے آتا پہن لیتی تھی اور زینب عثمان اس پر بڑی جز بز ہوتی تھیں۔

"آخر میں ہر ماہ اتنی شاپنگ کس لیے کرتی ہوں۔"

"اتنے مہنگے بوتیک سے تم لوگوں کے کپڑے خریدتی ہوں۔"

"ہمیشہ امپورٹیڈ جوتے لیتی ہوں اور جب بھی کوئی فنکشن ہوتا ہے' مومو یونہی گھر میں پہنا ہوا ڈریس پہن کر آ جاتی ہے۔ مجھے جلانے کے لیے......"

وہ ہر فنکشن کے بعد عثمان احمد سے ضرور گلہ کیا کرتی تھیں۔ اس پر بھی ناراض ہوتی تھیں۔

"اس عمر میں ان باتوں کا اتنا خیال نہیں ہوتا زینی۔" شروع شروع میں پاپا دبے لفظوں میں اسے ڈیفنڈ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

"میں جب اس عمر میں تھی تو مجھے ان سب باتوں کا خیال رہتا تھا۔"

"تم تم تھیں زینی اور یہ...... اس کا اپنا مزاج ہے' اپنی سوچ ہے۔"

"تم اسے ڈیفنڈ نہ کیا کرو عثمان۔ یہ میری بیٹی ہے اس کی سوچ اور مزاج میرے جیسا ہونا چاہیے۔" وہ چڑ جاتی تھیں۔

اور اب تو پاپا نے اسے اس طرح ڈیفنڈ کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

بہت سارے کپڑے ریجکٹ کرنے کے بعد اس نے نیٹ کا بلیک ڈریس جو زینی عثمان احمد عید پر اس کے لیے لائی تھیں' منتخب کیا۔ شرٹ کے گلے اور بازوؤں پر نفاست سے کام کیا ہوا تھا۔

رات کے فنکشن کے لیے یہ لباس ٹھیک رہے گا......

اور جب تیار ہو کر وہ باہر آئی تو زینب عثمان جو لاؤنج میں کھڑی شریف اور صفو کو کچھ ہدایات دے رہی تھیں' لمحہ بھر کے لیے ان کی نظریں مریم پر ٹھہر سی گئیں۔ ان کی نظروں میں ستائش سی اتر آئی اور بے اختیار ان کے ہونٹوں سے نکلا...... "گڈ...... بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

مریم شرما گئی۔ ماما نے کبھی اس کی اس طرح تعریف نہیں کی تھی۔ زینب عثمان نے مڑ کر عثمان احمد کی طرف دیکھا۔ جو مریم کی طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر فون کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ جس کی بیل ہو رہی تھی اور زینب عثمان تو حسب معمول بہت دل کش لگ رہی تھیں۔ مریم نے دل ہی دل میں انہیں سراہا تھا اور میڈم نرگس کے گھر میں بھی سب لوگ کھلے دل سے زینب عثمان احمد کی تعریف کر رہے تھے۔

ڈنر کا انتظام باہر لان میں تھا۔ ٹیبل لگے ہوئے تھے اور خوب سجے ہوئے تھے۔ ایک طرف کوئلے دہک رہے تھے۔ باربی کیو کا انتظام تھا۔ سارے میں کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ لالہ نے دور سے ہی دیکھ کر اسے ہاتھ ہلایا تھا اور سیدھی اس کی طرف آئی تھی۔

"سچ' موموتم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے مریم کے رخسار کو چوم لیا تھا۔

لالہ خود بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

بڑے سے گھیر دار فراک میں وہ کوئی مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔

"اور تم بھی۔"

میڈم نرگس نے بے شمار لوگوں کو بلا رکھا تھا۔ ڈاکٹر رافع کے اسپتال کے کئی ڈاکٹرز وہاں موجود تھے۔ مریم نے ڈاکٹر شہریار کو ایک کونے میں بیٹھے ڈاکٹر معید سے باتیں کرتے دیکھا تو چونک اٹھی۔

"تو ڈاکٹر معید بھی ہیں۔"

اور عین اسی لمحے ڈاکٹر شہریار کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھی تھیں۔ وہ ذرا سا چونکا...... "وہ لڑکی۔ یہ لڑکی وہی تو نہیں جو دو بار اسپتال میں نظر آئی تھی لالہ کے کمرے میں۔"

اور پھر سارا وقت اس کی نظریں مریم کو اپنے حصار میں لیے رہی تھیں۔ مریم نے بھی کئی بار اس کی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ بیگم آفندی بھی اسے دیکھ کر لحہ بھر کو حیران ہوئی تھیں۔

"اللہ۔ زینی' یہ مومو ہے۔ کتنی مختلف لگ رہی ہے آج اور بہت پیاری نکل آئی ہے یہ تو۔"

زینب عثمان احمد کے چہرے پر تفاخر تھا۔

"مسز آفندی آپ تو جانتی ہیں' اس نے خود اپنے آپ کو رلا رکھا تھا۔"

اور نہ جانے کہاں سے نکل کر شرجیل مرزا زینب عثمان کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا...... خباثت سے اس کا سر سے لے کر پاؤں تک جائزہ لیتا ہوا...... اور اس کے ساتھ ایک ینگ سا لڑکا بھی تھا جس نے فوراً ہی مسز عثمان سے کہا تھا۔

"یہ آپ کی بیٹی ہیں مسز عثمان......؟"

"ہاں۔" مسز عثمان نے مڑ کر اسے دیکھا...... "ارے شجی' تم کب آئے ہو۔ نظر ہی نہیں آئے۔"

"بندہ تو بڑی دیر سے آپ کی نظر کرم کا منتظر تھا۔ آپ کو ہی فرصت نہیں مل رہی تھی......" وہ شرارت سے سرخم کرتے ہوئے جھکا۔

"خود ہی کہیں چھپے بیٹھے تھے۔ میں نے تو آتے ہی نرگس سے تمہارا پوچھا تھا......" انہوں نے ایک ادا سے کہا۔

"مسز عثمان' میں تو بڑی دیر سے سوچ رہا ہوں کہ آپ کی بیٹی کو اگر اس مہندی والے ایڈ کے لیے آپ کے ساتھ لیا جائے تو......"

ینگ لڑکا منمنایا تو مریم نے اسے غصے سے دیکھا۔

"میں تو بڑے دنوں سے انہیں کہہ رہا ہوں کہ مس احمد کو ماڈلنگ کی طرف لائیں' تہلکہ مچ جائے گا۔ اتنا فریش اور دلکش چہرہ عرصے بعد متعارف ہوگا' یہ مانتی ہی نہیں کہ ابھی پڑھ رہی ہے...... اب تم کہہ کر دیکھ لو۔"

"مجھے ماڈلنگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔" مریم نے گھور کر شرجیل مرزا اور اس کے ساتھی کو دیکھا تھا اور لالہ کو ڈھونڈنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

شرجیل مرزا نے جانے خود کیا کہا تھا کہ زینب عثمان اور اس کے مشترکہ قہقہے نے اسے چونکا دیا۔

ایک نظر مڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے وہ ایک کونے میں کولڈ ڈرنکس لیتی لالہ کی طرف بڑھ گئی۔

"لالہ' تم مجھے کہاں چھوڑ آئی تھیں میں بور ہونے لگی تھی۔"

"اتنی رنگ برنگی محفل میں بھی بوریت۔" لالہ نے اپنی آنکھیں مٹکائیں۔

"تمہیں پتا ہے میں صرف تمہارے لیے آئی ہوں لالہ۔"

لالہ نے ٹیبل سے کوک کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا "تمہارا فیورٹ۔"

مریم نے گلاس لے لیا۔

"دراصل ممی نے مجھے ادھر کچھ مہمانوں کو ریسیو کرنے بھیج دیا تھا۔" اس نے تفصیل بتائی "اور پھر میں ذرا ڈاکٹر شہریار وغیرہ کو ہیلو ہائے کرنے چلی گئی تھی۔ وہ بہت نفیس آدمی ہیں اور تم کچھ دیر یہاں بیٹھو۔ میں ایک خاص بندے کو فون کرنے جا رہی ہوں۔ وہ ابھی تک نہیں پہنچا۔"

"کون؟" مریم نے پوچھا۔

"ہے ایک۔" وہ مسکرائی "آ جائے تو تمہاری ملاقات کرواتی ہوں۔"

اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ مریم ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔ لالہ کی ایک دوست بھی وہاں تھی۔ جو اس سے اس کے متعلق پوچھنے لگی کہ وہ کون ہے۔ کس کی بیٹی ہے' وغیرہ وغیرہ۔ مریم بے دلی سے اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی کہ ڈاکٹر معید اس کی طرف چلے آئے۔

"کیا حال ہے مس احمد؟"

مریم کو ان کا آنا بہت غنیمت لگا کیونکہ وہ اس لڑکی کے تفتیشی سوالوں سے خاصی بیزار ہو رہی تھی۔

"اچھی ہوں۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"عاشی' نینا اور تیمور وغیرہ نہیں آئے۔ انہیں نہیں لائیں؟"

"وہ...... وہ تو مری چلے گئے ہیں۔ ایڈمیشن دلوا دیا ہے ماما نے ان کو۔" وہ اداس سی ہو گئی۔

"کمال ہے' مسز عثمان نے تو ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ کل بھی ملی تھیں اور میں سوچ ہی رہا تھا کہ آج کل میں چکر لگاؤں گا۔ نینا سے پرامس کیا تھا' چھانگا مانگا جانے کا۔"

"ہاں' اس نے کہا تھا کہ جب آپ آئیں تو آپ سے کہہ دوں کہ وہ جب چھٹیوں پر گھر آئے گی تو آپ کے ساتھ چھانگا مانگا جائے گی۔"

"ضرور......" وہ مسکرائے۔ پتا نہیں کیوں' مریم کو لگا جیسے وہ بھی ان کے جانے کا سن کر اداس ہو گئے ہوں۔

"ہیلو معید' ابھی شجی نے بتایا کہ تم آئے ہوئے ہو۔" زینب عثمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ مڑے۔

"آپ کا حکم تھا...... کیسے نہ آتا۔"

"تھینک یو معید۔" ان کی آنکھوں میں ایک دم چمک سی اتر آئی تھی۔

"یہ بچے مری چلے گئے اور آپ نے ذکر تک نہ کیا۔ مجھے پتا ہوتا تو ان کے جانے سے پہلے اپنا وعدہ نبھا جاتا...... انکل کچھ دنوں کے لیے کراچی چلے گئے تھے۔ آپ کو پتا تو ہے' کتنی مصروفیت ہو گئی تھی۔ جا ہی نہ سکا۔ بچے کیا سوچتے ہوں گے۔"

"بس اچانک ہی پروگرام بن گیا۔ ایڈمیشن ہو رہے تھے۔ میں نے سوچا یہاں لاڈ میں بگڑ رہے

ہیں۔" انہوں نے تیکھی نظروں سے مریم کو دیکھا اور پھر معید کی طرف۔

"کم آن معید۔ وہاں بیگم آفندی اور دوسرے لوگ تمہیں پوچھ رہے ہیں۔"

زینب عثمان احمد معید کو لے کر چلی گئیں تو مریم نے پورے ہال میں نظر دوڑائی۔ عثمان احمد امتیاز شاہ کے پاس بیٹھے سر جھکائے ان کی باتیں سن رہے تھے اور بیگم عثمان احمد بے تکلفی سے ڈاکٹر معید کا ہاتھ تھامے اِدھر اُدھر انہیں متعارف کراتی پھر رہی تھیں...... لالہ مڑ کر آئی ہی نہیں تھی اور مریم پچھتا رہی تھی کہ وہ کیوں آئی ہے۔ ہال میں سگریٹوں کا دھواں تھا۔ اونچے اونچے قہقہے تھے۔ نقرئی ہنسی تھی اور کبھی کبھی میڈم نرگس کی وہ سیٹیاں بجاتی تیز آواز ہال میں گونجنے لگتی تھی۔ کچھ دیر بعد جب انہوں نے تیز آواز میں سب کو کھانے کے لیے باہر چلنے کو کہا تو مریم سب کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تب ہی لالہ نے پیچھے سے آ کر اسے بلایا اور پھر اس کا ہاتھ کھینچتی ہوئی باہر لے آئی۔

"کیا بات ہے لالہ؟" مریم نے اپنا ہاتھ اس سے چھڑایا۔

"تم یہاں کھڑی رہو۔ تمہیں ایک خاص بندے سے ملوانا ہے۔"

لان میں ہلکی روشنیاں تھیں۔ کہیں کہیں درختوں پر رنگین بلب جل اور بجھ رہے تھے۔ لوگ میزوں کے گرد کھڑے اپنی اپنی پلیٹوں میں کچھ نہ کچھ ڈال رہے تھے۔ کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ تھا۔ لالہ اسے وہاں کھڑا کر کے چلی گئی تھی۔ مریم اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ اپنی پلیٹ میں گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا رکھے شرجیل مرزا اس کے قریب آیا۔

"کس کا انتظار ہو رہا ہے مس احمد؟"

"آپ کا۔" اس کی آواز سن کر مریم نے جل کر کہا۔

"زہے نصیب۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں سر خم کیا "پھر تو آج یہاں چراغاں ہونا چاہیے۔"

"آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"اتنی دیر سے تو انتظار کر رہا تھا کہ کہیں اکیلی نظر آئیں۔ اب کیسے جا سکتا ہوں۔" اس نے پلیٹ سے گوشت کا ٹکڑا اٹھا کر دانتوں سے توڑا۔

مریم کو وہ غاروں کے زمانے کا کوئی جنگلی لگا۔ اس نے منہ موڑ لیا۔

"دور دور سے دیکھ کر سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ آج تو آپ غضب ڈھا رہی ہیں مس مریم احمد دل چاہ رہا ہے......"

"آپ مہذب گفتگو نہیں کر سکتے تو پلیز یہاں سے تشریف لے جائیں۔"

"آپ کی کمپنی چھوڑ کر جانے کو کس کافر کا دل چاہے گا۔" وہ مسلسل اسے زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"میں نے کتنی بار آپ سے کہا ہے کہ آپ کی فرینڈ شپ ماما سے ہے۔ ان کی ہی کمپنی تلاش کریں۔"

"ان کی کمپنی......" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈی سانس لیتا ہوا بولا "آج کل تو ان کی کمپنی کے لیے بھی ترس گئے ہیں۔ سامنے ڈاکٹر معید جیسا ینگ بندہ ہو تو ہمیں کون لفٹ کراتا ہے۔"

"شٹ اپ۔" مریم کے رخسار تپ اٹھے اور آواز غصے سے کپکپا گئی۔

وہ زور سے ہنسا۔

"جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ تمہیں پتا ہے، تمہاری ماما نے عاشی کو کیوں مری بھیجا ہے۔ ڈاکٹر معید کو اس سے بچانے کے لیے۔"

مریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہے۔ غصے کی شدت سے اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ یہاں سے چلی ہی جائے تو بہتر ہے۔ اس نے قدم آگے بڑھایا۔

"آپ کی ماما سائیکی کیس ہیں مس احمد۔"

شرجیل مرزا نے اسے جاتے جاتے آواز دی لیکن وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر آگے بڑھی۔ سامنے ہی پھولی سانسوں کے ساتھ لالہ آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک سوبر سا لڑکا تھا۔

"سوری موموٗ مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ اعزاز مل ہی نہیں رہا تھا۔ اعزاز، یہ میری دوست ہیں مومو۔ اگرچہ تھوڑی بڑی ہیں لیکن اچھی دوست ہیں۔" اس نے مڑ کر مریم کا تعارف کروایا...... "اور یہ اعزاز ہیں......سید امتیاز شاہ کے چھوٹے بھائی......"

"سید امتیاز شاہ......" مریم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یس۔" وہ مسکرائی "سید امتیاز شاہ ممی کے ہسبینڈ......"

"تم......تم انہیں ڈیڈی یا پاپا نہیں کہتی ہو۔"

"نہیں، بالکل نہیں۔ ڈیڈی اور پاپا ان کے ساتھ سوٹ ہی نہیں کرتا۔" اس نے اطمینان سے کہا "بلکہ جب بھائی لوگ انہیں ڈیڈی کہہ کر بلاتے ہیں تو مجھے ہنسی آتی ہے۔" وہ ہنسی۔

تب ہی قریب سے شرجیل مرزا نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر گرم جوشی سے اعزاز شاہ کی طرف ہاتھ بڑھایا...... "آہا اعزاز میاں، آپ یہاں۔"

اور اعزاز شاہ ان سے معذرت کرتا ہوا شرجیل مرزا کے ساتھ سامنے والی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

"کیسا ہے؟"

"کون؟" مریم چونکی۔ اس کا ذہن شرجیل مرزا کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔

"اعزاز......"

"پتا نہیں۔ میں نے دھیان سے نہیں دیکھا اور پھر صرف دیکھ کر کسی کے متعلق کیسے اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

''مجھے اچھا لگتا ہے۔'' ملگجی روشنی میں لالہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں ''میں شاید اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

''تم اتنی چھوٹی سی تو ہو۔'' مریم کو حیرت ہوئی۔

''نہیں' خیر اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔'' اس نے اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔

''مگر وہ تمہارے ڈیڈی کا بھائی ہے۔''

''وہ میرے ڈیڈی نہیں ہیں مومو۔ ماما کے ہسبینڈ ہیں۔ میرے ڈیڈی تو ارباب سومرو ہیں اور یہ جو اعزاز ہے نا' پتا ہے' یہ بھی مجھے لائیک کرتا ہے۔''

لالہ اعزاز کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی لیکن مریم کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ لالہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ادھر لے آئی جہاں سالم بکرے سیخوں پر لٹکے ہوئے تھے۔

''موموتم لونا کچھ۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے پلیٹ لے کر آتی ہوں۔''

مریم نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ زینب عثمان' معید کے پاس کھڑی کسی بات پر زوزور سے ہنس رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں پلیٹ تھی اور وہ کھانے کے بجائے ڈاکٹر معید کی طرف متوجہ تھیں اور عثمان احمد حسب معمول ان سے بے نیاز کسی صاحب سے باتوں میں مشغول تھے...... مریم کو لگا جیسے وہ ان سے بے نیاز نہ ہوں لیکن بے نیاز ہونا ظاہر کر رہے ہوں۔

''تو کیا شرجیل مرزا صحیح کہہ رہا تھا۔'' اس نے پھر ماما کی طرف دیکھا' وہ تو سمجھ رہی تھی کہ ماما نے اس کی وجہ سے عاشی کو بھی بھیجا ہے۔ اس روز انہوں نے پاپا پر تو یہی ظاہر کیا تھا لیکن یہ شرجیل مرزا...... بھلا عاشی اور ڈاکٹر معید......

''یار تم ابھی تک یہیں بیٹھی اخبار چاٹ رہی ہو۔'' عینی اور روشی پیریڈ لے کر واپس آ گئی تھیں۔

اس نے چونک کر انہیں دیکھا...... اخبار یونہی کھلا پڑا تھا۔ اس نے تو ایک لفظ نہیں پڑھا تھا۔

''دوستوں سے کبھی کبھی شیئر کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا مومو۔'' عینی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے خلوص سے کہا۔

''کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ افسردگی سے مسکرائی ''رات کی پارٹی سے تھکن ہو گئی تھی۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''تو پھر گھر چلی جاؤ نا۔ یوں بھی ایک پیریڈ ہی تو رہ گیا ہے۔'' روشی نے مشورہ دیا۔

''میرا خیال ہے' تمہاری گاڑی آ گئی ہے۔'' عینی نے بتایا ''میں گیٹ پر گئی تھی۔ آج ارسل نے آنا تھا انہیں دیکھنے۔ تو تمہارا ڈرائیور نظر آیا تھا۔''

''ہاں' میں نے اسے جلدی آنے کو کہا تھا۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''اچھا بھئی' خدا حافظ۔''

''خدا حافظ......''

دونوں نے ایک ساتھ کہا اور وہ اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی لائبریری سے باہر نکل آئی۔

❁ ❁ ❁

سکندر ایک دوراہے پر آ کھڑا ہوا تھا اور اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ایک طرف اس کے وعدے تھے جو اس نے اپنے آپ سے' بھا نثار سے' اور بابا سے کیے تھے اور دوسری طرف وہ حقائق تھے جن کا احساس ڈولی نے اسے دلایا تھا۔

اس روز ڈولی کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک شرمندہ شرمندہ سا بیٹھا رہا تھا اور ایک جرم کا سا احساس اسے ہوتا رہا تھا۔

اسے ڈولی کو بتا دینا چاہیے تھا کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے۔ آخر وہ اتنا نادان تو نہیں تھا کہ وہ ڈولی کے التفات کو نہ سمجھ سکا تھا۔ جب کوئی لڑکی اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ کسی پر مہربان ہوتی ہے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ کیا وہ اتنا انجان تھا کہ اس کا مطلب نہ جانتا ہو۔

شاید اس کی مردانہ انا کو ڈولی کی یہ مہربانیاں اور التفات سکون پہنچاتے تھے۔ تبھی تو......

اگرچہ اس روز اس نے ڈولی سے بار بار معذرت کی تھی۔ اپنی مجبوریاں بتائی تھیں۔ اس کی خوبصورتیوں کو سراہا تھا۔ یہ اعتراف کیا تھا کہ اس کی رفاقت کسی بھی شخص کی زندگی کے لیے باعث فخر ہو سکتی ہے اور یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ وہ اس کی رفاقت سے محروم رہے گا۔ لیکن جیسے دل کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے اس نے ڈولی کا دل دکھا کر بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ وہ کتنی شاکڈ ہوئی تھی۔ کس طرح اس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

وہ اسے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی۔ دوبارہ کبھی نہ ملنے کے لیے۔

لیکن وہ بے چین سا تھا۔ اس نے سوچا تھا۔ ایک بار پھر...... ایک بار پھر وہ ڈولی سے معذرت کر لے۔ کہیں ڈولی کی آہ اس کی آئندہ زندگی پر نہ پڑ جائے۔ تب وہ صبح صادق اور محسن کو بتائے بغیر اس کے چچا کے گھر چلا گیا تھا۔

اتفاق سے اس وقت ڈولی گھر میں اکیلی تھی۔

محسن کے چچا اور چچی کہیں گئے ہوئے تھے۔ ملازم نے اسے بتایا کہ صرف ڈولی بی بی اور بچے گھر پر ہیں۔

''اچھا تو ڈولی بی بی کو بتا دیجیے کہ سکندر آیا ہے۔''

ڈولی ہمیشہ کی طرح خوش دلی سے ملی۔ کسی دکھ یا کسی ناراضگی کی پرچھائیں اس کے چہرے پر نہ تھی۔

''سوری ڈولی...... میں نے انجانے میں تمہارا دل دکھایا ہے۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ میں بہت اپ سیٹ ہوں۔''

"شاید غلطی میری بھی تھی۔ میں جذباتی ہوگئی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہم دونوں...... فارگیٹ اٹ......"

اس نے خوش دلی سے کہا۔

"تو تم مجھ سے خفا نہیں ہو نا ڈولی۔" سکندر کے دل کو جیسے سکون سا مل گیا تھا۔

"نہیں...... سکندر، ہم اچھے دوست ہیں۔ کیا ہم ہمیشہ اچھے دوست نہیں رہ سکتے۔"

"کیوں نہیں۔"

"ہر محبت کا انجام شادی تو نہیں ہوتا۔" ڈولی مسکرائی "اور پھر یہ تو یک طرفہ محبت تھی۔ تم پہلے سے ہی انوالو تھے، قصور تمہارا بھی نہیں تھا۔ اچھا بتاؤ وہ کیسی ہے تمہاری کزن؟"

اس نے ملازم کو چائے لانے کے لیے کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اچھی ہے...... بہت پیاری ہے۔"

"ایجوکیشن کیا ہے اس کی......؟"

"میٹرک کیا ہے اس نے۔"

"کبھی ملواؤ نا اس سے۔ ہم بھی تو دیکھیں جس کو اس درجہ چاہتے ہو تم، اس میں میری سی کوئی بات بھی ہے۔"

ڈولی کے لہجے میں کچھ ایسی بات تھی کہ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ...... وہ ہے اور تم، تم ہو۔ تم دونوں کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔"

اور یوں ڈولی سے رشتہ استوار ہوگیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی عظمت کا قائل ہوگیا تھا۔ کتنا بڑا ظرف ہے اس کا اور کوئی لڑکی ہوتی تو اسے کبھی منہ ہی نہ لگاتی لیکن وہ اسے مخلصانہ مشورہ دیتی تھی۔ اس کے گاؤں جا کر پریکٹس کرنے کا سن کر اسے بے حد حیرت ہوئی تھی۔

"پاگل ہوگئے ہو سکندر۔ وہاں گاؤں میں کیا ہوگا۔ تمہاری تو ساری صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے گا۔ سارا دن کلینک پر بیٹھ کر مکھیاں مارو گے یا پھر زکام، بخار اور خسرہ کی دوائیاں دیتے رہو گے۔ یہ دوائیاں تو ایک حکیم بھی بہ آسانی دے سکتا ہے۔"

"لیکن ڈولی یہ میرا اپنے بابا اور اپنے آپ سے عہد تھا کہ میں ڈاکٹر بننے کے بعد گاؤں میں ہی پریکٹس کروں گا...... وہاں ہی کلینک بناؤں گا۔"

"دیکھو سکندر، میں تمہاری دوست ہوں۔ تمہارے ساتھ مخلص ہوں۔ خالی خولی ایم بی بی ایس کی ڈگری لینے سے تو کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک تجربہ نہ ہو۔ کسی بڑے شہر کے بڑے اسپتال میں کام کرو گے تو تمہیں تجربہ حاصل ہوگا۔ نئے نئے مریض آتے ہیں۔ کم از کم دو سال تو تمہیں یہ کام کرنا چاہیے اور پھر تمہارا رجحان سرجری کی طرف ہے...... وہاں گاؤں میں کیا سیکھو گے؟"

ڈولی کی باتیں اسے صحیح لگی تھیں۔ لیکن وہ جو عنبر کی وفات پر اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا اور محسن اور صبح صادق سے کہا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو، وہ اپنے گاؤں میں ہی رہے گا پھر بابا کے بھی دو خطوط آ چکے تھے کہ اس کی ہاؤس جاب کب کی مکمل ہو چکی ہے تو وہ گاؤں کیوں نہیں آ رہا...... اور وہ دوراہے پر کھڑا تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کرے۔

"بہرحال۔" اس نے بیگ بند کرتے ہوئے سوچا۔

فی الحال تو گاؤں جایا جائے، بہت دن ہوگئے تھے، اسے گاؤں گئے ہوئے۔ سب کے لیے دل اداس ہو رہا تھا۔ رضوانہ بھی اداس ہوگی۔ اتنے بہت دنوں بعد گھر جاتا تھا تو رضوانہ شا کی نظروں سے اسے دیکھتی تھی۔ کہتی تو کچھ نہ تھی مگر اس کی آنکھیں شکوہ کرتی تھیں۔

"خیر اس بار زیادہ دن رہوں گا۔ سارے شکوے دور ہو جائیں گے۔" وہ مسکرایا۔

تب ہی صبح صادق جھلایا ہوا سا اندر داخل ہوا اور دھم سے بیڈ پر گر گیا۔

"خیریت ہے۔ کیا اسپتال پسند نہیں آیا؟" اس نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"اسپتال کیا چھوٹا سا کلینک ہے اور وہاں کے مالک ڈاکٹر صاحب کے جو نخرے تھے توبہ! اتنے بجے آنا ہوگا۔ یہ کرنا ہوگا۔ وہ کرنا ہوگا اور تنخواہ ہوگی تین ہزار۔ میں نے تو انکار کر دیا۔ یار ہم نے تو وقت ہی ضائع کیا ہے۔ کیا عزت ہے اس ملک میں ڈاکٹر کی۔ ہاؤس جاب کر رہے تھے تو پندرہ سول رہے تھے۔ جس سے دو وقت کی روٹی بھی پوری نہیں ہوتی۔ اس سے اچھا تو میرا کزن رہا جو ایک پرائمری اسکول میں ماسٹر ہے اور ہم سے اچھی تنخواہ پا رہا ہے۔"

صبح صادق کا موڈ بہت خراب تھا وہ کسی پرائیوٹ کلینک میں جاب کرنے کے لیے گیا تھا۔

"پھر......؟" سکندر نے پوچھا۔

"گورنمنٹ جاب کا ہی انتظار کروں گا۔ اپلائی تو کر دیا ہے۔ فی الحال تو میں بھی تمہارے ساتھ گاؤں جا رہا ہوں۔ محسن بھی وہاں ہی ہے، انجوائے کریں گے گھومیں گے۔ پھریں گے۔"

"محسن ہم سب سے اچھا رہے گا۔ باہر سے اسپیشلائز کر کے آئے گا تو ظاہر ہے، قدر ہوگی اس کی۔" سکندر نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں یار، یہ تو ہے۔ محسن کوشش تو کر رہا ہے کہ ان ہی دو تین ماہ میں چلا جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے سکندر۔ گاؤں میں ہی سیٹل ہو گے یا پھر......؟"

"پتا نہیں، ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پایا، اپلائی تو میں نے بھی کر دیا ہے۔"

"مگر سکندر، تم نے تو بہت پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔" صبح صادق کو کچھ حیرت ہوئی۔

"فیصلہ تو کر لیا تھا لیکن صبح صادق، میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ایک دو سال میں یہاں کسی اسپتال میں کام

کر لیتا تو کچھ تجربہ ہوتا۔ ابھی تو صرف کتابی علم ہے۔ ہاؤس جاب کے دوران جو کچھ سیکھا ہے وہ بہت کم ہے۔''

''پھر اپنا پروگرام ضرور بتانا۔'' صبح صادق جوتے اتار کر لیٹ گیا...... ''میں تو اب لگا ہوں سونے۔ صبح ہی گاؤں جاؤں گا۔ تمہارا کیا پروگرام ہے' ابھی جاؤ گے؟''

''ہاں' میں اب نکلنے ہی لگا تھا......''

''واپسی کا کیا پروگرام ہے......؟''

''ہفتے ڈیڑھ ہفتے تک لوٹ آؤں گا۔ اور تم......''

''میں اپنی کال کا انتظار کروں گا اور اتنے دن اماں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں کھاؤں گا اور اپنے گاؤں کی گلیوں میں گھوموں پھروں گا۔ تم اپنے واپس آنے کی اطلاع ضرور دینا۔''

صبح صادق نے آنکھیں موند لیں اور آنکھیں موندے موندے ہی ہاتھ بڑھا دیا۔ سکندر نے اس سے ہاتھ ملایا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔

ماں جی اور بابا جی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ بھا نثار' بھابو اور رضوانہ بھی بہت خوش تھی...... اسے دیکھتے ہی رضوانہ کی آنکھوں میں جیسے قندیلیں جل اٹھی تھیں۔ وہ زیادہ تر بھابو کے ساتھ کچن میں مصروف رہتی یا پھر شیری کو گود میں اٹھائے رکھتی۔ وہ برآمدے میں کرسی بچھائے اسے اِدھر اُدھر چلتے پھرتے اور کام کرتے دیکھتا رہتا اور دل ہی دل میں ڈولی اور اس کا موازنہ کرتا رہتا۔

کبھی ڈولی کا پلڑا آسمان پر جا لگتا اور کبھی رضوانہ کا۔

دونوں میں سے کون زیادہ خوبصورت تھا' یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

ڈولی کے حسن میں شعلوں کی سی لپک تھی تو رضوانہ کے حسن میں چاندنی کی سی ٹھنڈک۔

اور پھر رضوانہ جیت جاتی۔ وہ اس کی اولین محبت تھی۔ اس کی منکوحہ تھی۔ اس کے دل میں شگوفے سے پھوٹنے لگتے تھے۔ اس کی نظریں اس کے تعاقب میں رہتیں۔ رضوانہ کبھی کبھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیتی...... شرمیلی سی مسکراہٹ...... اور اس کے رخسار پر سرخی سی دوڑ جاتی۔ ایسے میں وہ اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ اسے بلاتا۔ اس سے بات بھی کر لیتا۔ پتا نہیں کیوں' اب وہ اس سے بات کرتے ہوئے جھجکنے لگی تھی۔ شاید وہ بہت دنوں بعد آتا تھا اس لیے...... اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے۔

اور اس کی وہ دلکش آواز

اس کی وہ مترنم ہنسی

وہ محسوس کرے اور اس کے دل پر کہیں اگر ڈولی کا کوئی ہلکا سا نقش ہے بھی تو یہ دلکش آواز' یہ خوبصورت ہنسی اس نقش کو مٹا ڈالے لیکن جب وہ اس سے بات کر رہا ہوتا تو پتا نہیں کہاں سے ڈولی کی باتیں آ کر اسے ڈسٹرب کرنے لگتیں......

اس کی گفتگو'

اس کا انداز'

اس کی ادائیں'

وہ جھنجلا سا جاتا۔

''کیا بات ہے سکندر؟'' ایک روز رضوانہ نے نگاہیں جھکائے جھکائے پوچھ لیا ''تم کچھ پریشان ہو۔''

''نہیں تو۔'' اسے حیرانی ہوئی کہ رضوانہ کو کیسے پتا چلا کہ وہ کچھ اپ سیٹ ہے۔

''نہیں۔ شاید تمہارا گاؤں میں دل نہیں لگ رہا۔''

اس نے رضوانہ کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور اس کی گود سے شہریار کو لے کر اوپر اچھالنے لگا تھا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ رضوانہ کی موجودگی کے باوجود وہ اوب گیا تھا۔ گاؤں کی عورتیں اکثر اپنے بچوں کو لے کر آ جاتیں۔ کسی کو نزلہ' کسی کو بخار' کسی کو اسہال کی شکایت ہوتی تھی۔

اسے ڈولی کی باتیں سچ لگنے لگی تھیں ''تو کیا وہ ساری زندگی نزلہ' بخار اور اسہال کی دوائیں دیتا رہے گا اور کلینک میں بیٹھ کر مکھیاں مارتا رہے گا۔ جو اس کے اندر اتنا ٹیلنٹ ہے...... آگے بڑھنے کا جذبہ ہے...... کیا سب ایک نقطے پر ٹھہر جائے گا۔ کیسی جامد لائف ہوگی اور پھر اس میں اور حکیم صابر خان میں کیا فرق رہ جائے گا۔ وہ بھی تو نزلہ' بخار اور اسہال کے لیے ہی ڈاکٹری دوائیں دیتا ہے۔ کسی کو ڈسپرین دے دی' کسی کو نمکول دے دیا۔''

اس روز جب بھا نثار بابا کے آگے حقہ رکھ کر اس کے کمرے میں آئے تو وہ سنجیدگی سے واپس جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈولی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اسے لاہور میں ہی جاب کرنا ہے تو وہ انکل سے کہہ کر اس کے لیے بہت جلد جاب کا بندوبست کروا دے گی۔

''ہاں یار۔'' وہ اس کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئے۔

''اب تو کافی آرام کر لیا ہے۔ کیا ارادے ہیں؟ کل سے اپنی دکانداری شروع کر دو۔ ملک فتح خان آج بھی پوچھ رہے تھے کہ سکندر کب سے کلینک پر بیٹھے گا اور مریضوں کو دیکھنا شروع کرے گا۔ فی الحال میں نے اسے بیٹھک دینے کو کہا ہے۔ بعد میں ذرا فصل ہو جائے تو ادھر پیچھے والی زمین پر تیرا کلینک بھی بن جائے گا۔ نقشہ وغیرہ تو بنوا لیا ہے۔''

''بھا جی' دراصل وہ' میں سوچ رہا تھا کہ ابھی ایک دو سال کسی بڑے اسپتال میں نوکری کر لوں۔''

بھا نثار نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میرا ارادہ ہے کے ساتھ پڑھ بھی لوں۔ پارٹ ون کی تیاری کروں گا۔ یہاں رہ کر تو تیاری نہیں ہو سکتی۔ وہاں دوستوں کے ساتھ مل کر اور پھر سر بھی ہیں مدد کے لیے۔'' وہ کچھ دیر رکا اور بھا نثار کے چہرے

کی طرف دیکھا۔ جس پر کچھ پہلے والی چمک نہیں تھی۔

"پر یہاں سب خوش تھے تیرے آنے سے۔ گاؤں والے بھی اور بابا بھی۔ بابا نے تو سب سے کہہ رکھا ہے کہ اب کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تم لوگوں کے لیے تو اپنے پتر کو ڈاکٹری پڑھائی ہے۔"

"پر بھاجی" اس نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی "یہ خالی خولی ایم بی بی ایس کی ڈگری تو بے فائدہ ہے۔ جب تک......" اس نے وہ ساری باتیں چوہدری نثار کے سامنے دہرا دی تھیں جو ڈولی نے وقتاً فوقتاً اس سے کہی تھیں۔

"ٹھیک ہے یار' جیسی تیری مرضی۔"

بھا نثار نے بات ختم کر دی تھی لیکن ان کے چہرے پر افسردگی چھا گئی تھی۔ جیسے اس کا فیصلہ انہیں بھی پسند نہ آیا ہو۔ بابا بھی اس فیصلے پر خوش نہ تھے۔

"میں نے تو سوچا تھا پتر' چند ماہ تک تیری شادی کر دوں گا۔" انہوں نے اسے بیگ بند کرتے دیکھ کر کہا۔

"شادی بھی ہوتی رہے گی بابا' ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ فی الحال تو مجھے اور پڑھنا ہے۔ کم از کم دو سال تک میں شادی نہیں کروں گا۔"

"مجھے اپنے چاچا کی روح کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔"

"ارے نہیں بابا' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"رضوانہ بہت اچھی لڑکی ہے پتر بہت نازک دل ہے۔"

"میری طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں بابا۔" اس نے ان کے ہاتھ چوم لیے "یہ میرا آپ سے وعدہ ہے رضوانہ کو میں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

"جیتے رہو۔ خوش رہو۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

بیگ بند کر کے جب وہ بھابو کو ڈھونڈتا ہوا کچن کی طرف آیا تو رضوانہ کچن سے باہر آ رہی تھی۔

"رضی۔ میں لاہور جا رہا ہوں۔"

"جی۔" رضوانہ کی آنکھیں یک دم آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"رضی' اتنی اداس مت رہا کرو۔ تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔"

"تمہارا لاہور جانا کیا ضروری ہے سکندر۔"

"ہاں' ضروری ہے نا رضی...... میں کچھ اور پڑھنا چاہتا ہوں۔ کچھ اور حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھاجی کہتے تھے کہ اب آپ یہاں ہی رہیں گے۔"

"یہاں میری صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے گا رضی۔ میں ایک دفعہ سیٹل ہو جاؤں پھر تم سب کو ساتھ

لے جاؤں گا۔"

اس نے سر ہلایا۔

"ادھر اوپر دیکھو رضی۔"

رضوانہ نے بہ مشکل بھیگی ہوئی پلکیں اوپر اٹھائیں۔

وہ تڑپ اٹھا۔

"رضی پلیز مت رو۔ تمہارے یہ آنسو مجھے بے چین رکھیں گے۔"

"مجھے خوف آتا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے سکندر کہیں تم مجھے بھول نہ جاؤ۔"

"میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ میں نے تو تمہیں خدا اور رسولؐ کو گواہ بنا کر اپنی زندگی میں شامل کیا ہے۔ تم میری زندگی کا حصہ ہو۔ میں تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔ تم میری پہلی محبت ہو اور ہم نے اکٹھے زندگی گزارنی ہے۔"

"مجھے ایسا لگتا ہے' جیسے آپ مجھے یاد نہیں کرتے۔ جیسے آپ کی آنکھوں کو کوئی اور بھا گیا ہے۔ اب آپ کی نظریں میری طرف اٹھتی ہیں تو ان میں وہ اشتیاق نہیں ہوتا۔ وہ محبت مجھے محسوس نہیں ہوتی جو پہلے ہوتی تھی۔"

"تم پاگل ہو رضی...... وقت کے ساتھ ساتھ آدمی میچورڈ ہو جاتا ہے۔ جب آدمی ٹین ایجر ہوتا ہے تو اسے اپنے جذبوں پر اختیار نہیں ہوتا۔ اس کی آنکھیں اور اس کا پورا وجود اس کے جذبوں کا اظہار کرتا ہے۔ تمہیں کیا خبر رضوانہ۔" وہ ایک دم جذباتی ہو گیا...... "میں تمہیں کتنا یاد کرتا ہوں۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا' جب میں نے تمہیں نہ سوچا ہو۔ جب ہم ایک ہوں گے تو میں تمہیں ان سارے بے قرار دنوں اور راتوں کی باتیں بتاؤں گا۔ اچھا چلو اب مسکرا دو۔ ورنہ تمہارے آنسو مجھے ہفتوں بے چین رکھیں گے۔"

اور رضوانہ روتے روتے مسکرا دی تھی اور وہ سب کو تسلیاں دے کر لاہور واپس آ گیا تھا۔ ڈولی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

"یہ تم نے اچھا کیا سکندر' گاؤں میں اپنی زندگی ضائع کرنے کے بجائے یہاں آ گئے ہو۔"

اور پھر ڈولی نے ہی جاب دلوانے میں اس کی مدد کی تھی۔

صبح صادق گاؤں میں تھا۔ اسے جاب نہیں ملی تھی۔ محسن باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس کی تیاریاں تقریباً مکمل تھیں۔ بس وہ چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے نیلوفر کو پابند کر دے اور اس مقصد کے لیے گاؤں سے اس کے والد اور والدہ آئے ہوئے تھے۔ اس نے فون پر سکندر کو بتایا تو سکندر ان سے ملنے کے لیے اس کے چچا کے گھر آیا۔

"یار' تم نے یہاں جاب کر لی۔ تمہیں تو گاؤں جانا تھا۔" محسن کو حیرت تھی۔

"دراصل مجھے پارٹ ون کی تیاری کرنی ہے جو گاؤں میں رہ کر ممکن نہ تھی۔ جانا تو بہرحال مجھے گاؤں ہی ہے۔ بس کچھ لیٹ ہو جاؤں گا۔" اس نے وضاحت کی۔

"بیٹا' تم بھی باہر کیوں نہیں چلے جاتے محسن کے ساتھ۔" محسن کے والد نے مشورہ دیا تو وہ اداس ہو گیا۔ وہ تو خود باہر جانا چاہتا تھا...... لیکن یہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ بابا اس کو باہر بھیجنا افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔

"انکل صحیح کہہ رہے ہیں سکندر۔ تمہیں باہر ضرور جانا چاہیے۔"

ڈولی نے بھی اس کی تائید کی تھی۔ اس وقت تو وہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ اس کے لیے فی الحال باہر جانا مشکل ہے لیکن ایک دن ڈولی جب اس کے اسپتال آئی تو اس نے تفصیل سے اسے بتایا کہ اس کے لیے باہر جا کر تعلیم حاصل کرنا کیوں مشکل ہے۔

"ایک دفعہ تم وہاں چلے جاؤ تو پھر وہاں تم کوئی جاب کر کے اپنے تعلیمی اخراجات پورے کر سکتے ہو۔ پاپا کچھ دنوں میں آنے والے ہیں' میں ان سے بات کروں گی۔"

"نہیں پلیز ڈولی' تم اپنے پاپا سے کچھ مت کہنا۔ میں اتنے احسانات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں نے انجانے میں تمہیں دکھ پہنچایا ہے۔ میں تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکتا اور تم......"

"پلیز سکندر' میں تمہیں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں کہ ہم اچھے دوست ہیں اور کیا دوست دوستوں کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ بھول جاؤ اس بات کو جو میں نے تم سے کہی تھی۔"

"کیسے بھول جاؤں' بہت گلٹی فیل کرتا ہوں ڈولی۔"

"[illegible]"

ڈولی نے اسے مزید اس موضوع پر بات کرنے سے روک دیا تھا اور اس کے منع کرنے کے باوجود اس نے اپنے پاپا سے بات کر لی تھی۔ اس کے والد نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ واپس جا کر امریکا جاتے ہی وہ اسے وہاں بلانے کی کوشش کریں گے اور جاتے ہوئے وہ اس کے کاغذات وغیرہ لے گئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ محض ڈولی کے کہنے پر اس سے کاغذات وغیرہ لے لیے ہیں۔ وہاں جا کر وہ بھول جائیں گے لیکن وہ بھولے نہیں تھے اور ایک دن انہوں نے اسے وہاں بلوانے کے سب انتظامات کر لیے۔ ڈولی بہت خوش تھی۔

"اب تمہارا فیوچر بہت برائٹ ہو گا سکندر۔ جب تم وہاں سے اسپیشلائز کر کے آؤ گے تو پھر دیکھنا' اس ملک میں تمہاری کتنی قدر ہو گی۔"

"ڈولی......" وفورِ جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی "میں تمہارے اس خلوص اور محبت کا قرض کبھی نہیں چکا سکتا۔"

"دوستوں کے درمیان کوئی قرض نہیں ہوتا۔" ڈولی نے مسکرا کر اسے دیکھا "اور پھر یہ تو میری اپنی

خواہش تھی کہ تم ہائر ایجوکیشن کے لیے باہر جاؤ۔ دو ماہ تک میں بھی آ جاؤں گی۔ پاپا تمہاری رہائش کا بندوبست کر دیں گے۔ گھبرانا نہیں اور پھر محسن بھی تو وہاں ہو گا نا۔"

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ڈولی کا شکریہ ادا کرے اور وہ کس طرح اس کے احسانات کا بار [illegible]ے...... وہ کتنی مخلص تھی...... کتنی بے غرض اور بے لوث دوستی تھی اس کی۔

کاش' وہ رضوانہ سے محبت نہ کرتا ہوتا۔

کاش' اس کا نکاح رضوانہ سے نہ ہو چکا ہوتا تو وہ ڈولی کو اپنا رفیقِ سفر بنا لیتا۔ ڈولی ہر لحاظ سے ایک مکمل لڑکی تھی۔

خوبصورت' ایجوکیٹڈ' مخلص اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس سے محبت کرتی تھی لیکن وہ اس کی محبتوں کا جواب محبتوں سے نہیں دے سکتا تھا کہ اس کے پاؤں میں تو بہت مضبوط زنجیریں تھیں۔

رضوانہ صرف اس کی منکوحہ تو نہیں تھی۔

اس کی چاہت بھی تھی۔

اس کے دل کی بستی میں کھلنے والا اولین محبت کا شگوفہ اسی کے نام سے کھلا تھا اور اس کی خوشبو مست کیے رکھتی تھی۔ ڈولی سے ملنے کے باوجود بھی اس کے دل میں خیال نہیں آیا تھا کہ وہ کبھی رضوانہ سے بے وفائی کرے گا۔ تب ہی تو جب بابا اور بے جی نے اسے مجبور کیا تھا کہ اگر وہ باہر جا رہا ہے تو رضوانہ کو بھی اپنے ساتھ لے جائے' تو وہ چڑ گیا تھا۔

"آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے بابا۔"

"تجھ پر اعتبار ہے بیٹا۔ زمانے پر نہیں ہے۔"

"بابا' میں پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا اور پھر ایک سال تک جاب کر کے جتنے پیسے میں نے جمع کیے ہیں' وہ میرا ایک طرف کا کرایہ بھی نہیں بنتا۔ یہ تو ایک دوست نے میرے جانے کا سارا انتظام کیا ہے۔ میں رضوانہ کو بھلا کیسے لے جا سکتا ہوں۔ اس کا جانا ایسا بھی آسان نہیں ہے۔"

"تو کیا جانا ایسا ضروری ہے پتر' تو بھی نہ جا۔" بے جی نے اسے سمجھایا "کیوں خوامخواہ دوست کا احسان لیتا ہے اور پتر تو تو اپنی ضروریات ہم سے بھی نہیں کہتا تھا دوست کے سامنے ہاتھ کیسے پھیلایا؟"

"بے جی......" اس نے تڑپ کر انہیں دیکھا "میں نے اپنے دوست کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا بلکہ اس نے خود سارا انتظام کیا ہے۔ بے جی' وہ بہت مخلص دوست ہے میرا۔"

بھا نثار نے بھی اسے سمجھایا تھا کہ وہ نہ جائے۔

"آپ بھی بھا جی...... آپ تو اس کی اہمیت سمجھتے ہیں' آپ بھی ایسا کہہ رہے ہیں'" اسے حیرت ہوئی۔

"میں بے جی اور بابا کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ وہ تیری اتنی طویل جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔ تو

لاہور میں ہوتا ہے۔ مہینے بعد گھر کا چکر بھی لگا تا ہے پھر بھی بے جی بے قرار رہتی ہیں۔ عنبر کی بے وقت موت نے ان کا دل کمزور کر دیا ہے۔ ماں باپ کو جب جوان اولاد کی جدائی سہنی پڑتی ہے تو ان کے دلوں کو دیمک ہولے ہولے چاٹنے لگتی ہے۔ ڈھے جاتے ہیں وہ اندر سے۔ تم نے کبھی محسوس کیا سکندر' نہ ماں جی کی آواز میں وہ رعب رہا ہے اور نہ بابا کے لہجے میں وہ کھنک رہی ہے۔ تم نہ جاؤ سکندر۔"

لیکن اسے تو بہر حال جانا ہی تھا۔ سب انتظام ہو چکے تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھاشار کی باتیں سن کر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ نہ جائے لیکن پھر ڈولی کو شرمسار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے پاپا سے کیا کہتی کہ جس شخص کے لیے انہوں نے اتنی کوشش کی' وہ ارادے کا اتنا کمزور ہے کہ ماں باپ کے آنسو دیکھ کر ارادے توڑ بیٹھا۔ نہیں پہلے بھی اس نے ایک بار ڈولی کو ہرٹ کیا تھا۔ اب وہ اسے ہرٹ نہیں کر سکتا تھا۔ سو سب کو تسلیاں دے کر' بہلا کر وہ امریکا جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

❁ ❁ ❁

"تو ساری بات یہ ہے دوستو کہ حقیقت نگار جتنا بھی باکمال ہوگا' اتنا ہی اس کا نقطہ نظر غیر شخصی ہوگا......" پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی اور ان کی نگاہیں ارسلان' ارمغان اور مسرور پر تھیں۔

"سر کیا فطرت نگاری اور حقیقت نگاری الگ الگ ہیں؟" ارسلان جو بہت دھیان سے ان کی باتیں سن رہا تھا' اس نے ان کی بات ختم کر دینے کے بعد پوچھا۔

"فطرت نگاری' حقیقت نگاری کی وہ قسم ہے جو زندگی کے ان پہلوؤں کا اجاگر کرتی ہے جن کو روایتی رومانیت نے فراموش کر دیا تھا۔ گستاف فلابیئر' گونکور برادران' زولا اور موپاسان ادبی فطرت نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ موپاسان نے مختصر افسانے پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ زولا کے خیالات میں ناول ایک سائنسی تجربے کے مماثل ہے۔ اس کے خیال میں جب یہ طے کر لیا کہ کردار کیسا ہے تو پھر وہ فلاں فلاں کام کرے گا۔ یہ نظریہ ناقص ہے۔ زولا نے بھی اس کی پابندی نہیں کی۔ اس کے کردار عام طور پر قابل نفرت ہیں۔" انہوں نے جھک کر ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑی...... "انسانی زندگی اور سائنسی تجربات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ انسان کا عمل تو پیچ در پیچ ہوتا ہے۔" مسرور نے رائے دی۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔" انہوں نے باقی ماندہ سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر نیا سگریٹ جلایا۔ تم نے فلابیئر کے ناول "مادام باوری" کو پڑھا ہے؟"

"سر' ہمارا مطالعہ بہت معمولی سا ہے' بہت کم پڑھا ہے۔" ارسلان نے شرمندگی سے کہا۔

"سلامبو تاریخی ناول ہے۔ اس میں قرطاجنہ کی زندگی بیان کی ہے اس نے اور "مادام باوری" کی عشقیہ زندگی کی مکمل تصویر کشی کی ہے۔" بات ختم کر کے انہوں نے ارسلان اور ارمغان کو مخاطب کیا "تم

چاہو تو میری لائبریری سے استفادہ کر سکتے ہو۔ میرے پاس بہت اچھا انتخاب ہے۔ ایسی کتابیں ہیں جو پاکستان میں کہیں نہیں ملیں گی۔"

"شکریہ سر۔" ارسلان نے عقیدت سے انہیں دیکھا۔ وہ ان کی ذات اور شخصیت سے بے حد متاثر تھا۔

"سر مجتبیٰ صاحب نہیں آئے؟" ارمغان نے انہیں خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"انہیں آنا تو تھا' پتا نہیں کیوں نہیں آئے۔"

تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے مسرور کی طرف دیکھا۔ مسرور نے اٹھ کر فون اٹینڈ کیا۔

"سر مجتبیٰ صاحب ہیں۔ نہ آسکنے پر معذرت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک زبردست خبر ہے ان کے پاس آپ کے لیے۔" مسرور نے ریسیور ہاتھ میں پکڑے پکڑے انہیں بتایا۔

"اچھا۔" وہ بے دلی سے اٹھے اور ریسیور اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"کیا خبر ہے مجتبیٰ صاحب؟"

"اوہ نہیں۔" مجتبیٰ صاحب کی بات سن کر انہیں واقعی حیرت ہوئی تھی

"تمہارا مطلب ہے' میرے گھر سے نکلتے ہوئے۔ آر یو شیور...... مگر کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ تمہیں کہاں سے خبر ملی؟" پروفیسر عادل کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"خیریت ہے سر؟" وہ فون کر کے پلٹے تو ارسلان نے پوچھا۔

"آمنہ صفی کو کل رات کسی نے اغوا کر لیا۔" انہوں نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بتایا "اور تشویش کی بات یہ ہے کہ وہ کل رات اس وقت اغوا ہوئیں' جب میرے گھر سے باہر نکل کر سڑک پر ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھیں۔"

"شاید کوئی خاندانی دشمنی۔" ارمغان نے رائے ظاہر کی۔

"کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ کچھ پریشان پریشان تو لگتی تھیں۔ جب سے وہ یہاں آرہی تھیں۔"

"آپ کب سے انہیں جانتے ہیں؟"

"چند ہی دن ہوئے ہیں۔ غالباً تیسری بار وہ کل رات مجتبیٰ کے ساتھ آئی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ ایک دو روز میں اسلام آباد چلی جائیں گی۔ مجتبیٰ تو بہت دیر سے گیا تھا۔ وہ مغرب کے کچھ دیر بعد ہی اٹھ گئی تھیں۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔

مسرور گہری سوچ میں تھا۔ اس روز ٹیرس پر وہ سلطان کے ساتھ بیٹھا تھا' جب آمنہ صفی کو گیٹ تک چھوڑنے کو پروفیسر عادل آئے تھے اور آمنہ صفی کی طرف دیکھ کر سلطان مسکرایا تھا۔

"بہت زبردست عورت ہے یار۔ تم نے غور کیا۔"

"نہیں۔" مسرور کو اس طرح کسی بھی عورت کو موضوع بنانا پسند نہ تھا۔

"بہت بے باک اور بولڈ سی ہے۔ ایسی عورتیں مجھے بہت اپیل کرتی ہیں۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی عورتیں...... مکمل عورت ہے یہ۔"

مسرور خاموش ہی رہا۔

"ڈریس اگرچہ بہت ڈھیلا ڈھالا اور بے ڈھنگا سا پہنا ہوا ہے لیکن پتا چل رہا ہے کہ اس بے ڈھنگے ڈریس کے اندر ایک زبردست جسم ہے۔" سلطان مسلسل تبصرہ کرتا رہا تھا اور مسرور بیزاری کے باوجود اسے منع بھی نہیں کر سکا تھا۔

"اس طرح کی عورتیں بہت جلد پگھل جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ وقت گزارنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی' اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی رفاقت سے خوش کرتی ہیں۔"

"لیکن ضروری تو نہیں کہ آمنہ صفی بھی ایسی ہی ہو۔ بعض اوقات آدمی کے اندازے غلط بھی ہو جاتے ہیں......" مسرور کو سلطان کے اندازِ گفتگو سے سخت کوفت ہو رہی تھی۔ اس کے نزدیک ہر عورت قابلِ احترام تھی۔

"میں نے بہت عورتوں کو جانچا اور پرکھا ہے مسرور میاں۔ تم کیا جانو تمہارے اس دوست پر عورتیں کس طرح فدا ہوتی ہیں کس طرح شہد کی مکھیوں کی طرح لپکتی ہیں میری طرف۔ میں سلطان یونہی تو نہیں کہلاتا۔" بہت غرور اور تفاخر تھا اس کے لہجے میں اور وہ چند لمحے پہلے کے سلطان سے بہت مختلف لگ رہا تھا۔

"اور دیکھ لینا...... یہ آمنہ صفی بھی زیر ہو جائے گی خود ہی۔ پھر میں تمہیں بھی بتاؤں گا کہ میرا اندازہ غلط تھا یا صحیح۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی...... "میں اگر آج اس وقت باہر ہوتا اور اسے آفر کرتا اپنے ساتھ جانے کی تو وہ میرے ساتھ چل پڑتی۔ خیر چھوڑو۔ میں ابھی کچھ دن یہاں ہوں تم بھی ساتھ چلو نا...... عیش کروائیں گے تمہیں بھی...... آج تمہارا جی نہیں چاہ رہا تو پھر سہی۔"

مسرور حیران تھا کہ اس کی اور سلطان کی دوستی کیسے نبھے گی۔ وہ دونوں مزاج کے اعتبار سے دو مختلف انسان تھے اور سلطان تھا کہ اسے دوست بنانے پر تلا ہوا تھا...... اور پھر کل شام کو بھی تو وہ آیا تھا۔ کچھ خاموش اور چپ چپ سا تھا۔ مسرور نے فوراً ہی اس کی خاموشی کو محسوس کر لیا تھا۔

"کیا بات ہے مانی' اتنے چپ چپ سے کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں تھکن ہے۔ رات بالکل نہیں سویا۔ یوں بھی یہاں آ کر راتیں سونے کے لیے تھوڑی ہوتی ہیں۔" وہ ہاتھ کا تکیہ بنا کر اس کے بیڈ پر ہی لیٹ گیا تھا۔

"یہ آمنہ صفی اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے بھلا۔" وہ لیٹے لیٹے ایک دم ہی اٹھ بیٹھا۔

"کیوں خیریت؟" مسرور کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی "کیا آمنہ صفی کے متعلق تمہارا اندازہ غلط ہو گیا؟"

"ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے ایک غراہٹ سی نکلی۔

"یہ پڑھی لکھی لڑکیاں اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتی ہیں۔ کچھ اونچی چیز حالانکہ ملک سلطان کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ ایک چیونٹی سے بھی کم تر۔ جب دل چاہے پاؤں سے مسل دوں۔"

"تمہیں آمنہ صفی کہاں مل گئی......؟" مسرور نے پوچھا تھا۔

"میں چار دن سے مسلسل اس کے اخبار کے دفتر کے باہر اس کا انتظار کرتا رہا ہوں...... اسے ساتھ چلنے کی آفر کی...... لیکن اس نے انکار کر دیا۔"

"تمہیں اگر وہ اتنی ہی اچھی لگی ہے تو اس سے شادی کر لو۔"

"شادی......" اس نے بلند بانگ قہقہہ لگایا "سلطان ملک اپنے پاؤں میں زنجیریں نہیں ڈالتا اور یوں اخباروں کے دفتروں میں خوار ہونے والی اور گلی گلی پھرنے والی عورتیں جن پر ہر مرد کی نظر پڑتی ہے۔ گھر میں بٹھانے کے لیے نہیں ہوتی ہیں۔ سلطان ملک جس عورت سے شادی کرے گا' اسے غیر مرد کی نظر نے چھوا تک نہیں ہو گا۔ مجھے اخلاقیات پڑھا رہی تھی آمنہ صفی...... اخلاقیات تو میں پڑھاؤں گا اسے۔ ایک دفعہ ہاتھ آ جائے۔ اب تو وہ دو دن سے دفتر بھی نہیں جا رہی۔ یار تمہیں پتا ہے' اس کا گھر کہاں ہے؟"

"نہیں۔" مسرور سنجیدہ ہو گیا "تم دفتر سے پوچھ لیتے۔"

"وہ وہاں مستقل کام نہیں کرتی صرف چند دنوں کے لیے آئی تھی۔ ساری معلومات حاصل کر چکا ہوں۔" وہ پھر لیٹ گیا اور چند لمحوں بعد پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر۔ توہین کی تھی اس نے میری۔ کہہ رہی تھی' تم مرد ہر عورت کو ایک نظر سے مت دیکھا کرو۔ اگر کسی عورت نے تمہیں مسکرا کر دیکھ لیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ دل و جان سے تم پر فدا ہو گئی ہے' مسرور۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تم میری مدد کرو معمولی سی۔ عادل بھائی کو یقیناً اس کے گھر کا پتا ہو گا۔ میں اسے ایک بار بتانا چاہتا ہوں کہ مرد' مرد ہوتا ہے اور عورت' عورت ہوتی ہے۔ کوئی بھی مرد کسی عورت کے ہاتھوں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے سر اسے زیادہ نہیں جانتے۔ وہ غالباً مستقل اسلام آباد میں رہتی ہیں اور یہاں صرف دو بار ہی آئی ہیں' پروفیسر صاحب سے ملنے۔ اس سے پہلے وہ یہاں کبھی نہیں آئی تھیں۔ یوں بھی مانی......" مسرور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے اسے سمجھایا "کسی عورت کو زیر کرنا

مردانگی تو نہیں ہے۔ جبر اور زبردستی کہیں بھی جائز نہیں ہوتی۔ اگر آمنہ صفی تمہاری سوچ سے مختلف ہے تو میرے خیال میں یہ کوئی ایسا قصور نہیں ہے جس کی تم اسے کوئی سزا دو۔''

''لیکن ملک سلطان کو ایک بار جو چیز پسند آ جائے وہ اسے حاصل کر کے ہی رہتا ہے۔''

''چیزوں اور انسانوں میں بہت فرق ہوتا ہے مانی۔ آمنہ صفی کوئی چیز نہیں ہے...... ایک جیتی جاگتی انسان ہے جو اپنی سوچ اور فکر رکھتی ہے۔ اس کی بولڈنیس اس کی بیک ہے۔ اس کی کمزوری نہیں ہے۔ تمہارا اندازہ اس کے متعلق غلط تھا۔ وہ اس طرح کی عورت نہیں ہے' جیسا تم نے اسے جانا تھا۔ وہ ایک کھری اور سچی عورت ہے۔ تم نے اس کے کالم نہیں پڑھے ورنہ یہ اندازہ نہ لگاتے۔''

سلطان نے پھر بحث نہیں کی تھی لیکن وہ جتنی دیر بھی وہاں رہا' بہت بے چین اور مضطرب رہا تھا۔ پروفیسر عادل جو کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ ان کے آنے کے بعد بھی وہ ان کے کمرے میں ہی رہا۔ کبھی مٹھیاں بھینچ لیتا' کبھی کھول لیتا اور کبھی پیشانی پر لکیریں پڑ جاتیں۔

''وہ عورت میرے لیے چیلنج بن چکی ہے یار۔''

''ریلیکس مانی۔ بھول جاؤ اسے۔'' مسرور نے اسے سمجھایا تھا ''اور چلو آؤ سر کے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔''

''رہنے دو۔ میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ تمہیں نہیں معلوم میرا دماغ کھول رہا ہے اور میں تمہارے پاس اس لیے آیا تھا کہ تمہاری باتوں سے ذرا ذہن کی گرمی گھٹے گی۔ تم چلو نا یار میرے ساتھ۔ ادھر گلبرگ میں میرے ایک یار کا بنگلا ہے۔ میں ہوٹل سے ادھر ہی منتقل ہو گیا ہوں۔ دس پندرہ دن ادھر ہی رہوں گا۔ ایک بڑی زبردست شے ہے۔ کراچی سے آئی ہے۔ کیا جسم ہے' کیا خوبصورتی ہے اس میں۔ رنگت سانولی ہے پر بڑی چیز ہے یار......'' وہ ایک دم موج میں آ گیا تھا۔

''بات یہ ہے مانی کہ مجھے ایسی باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ میرے نزدیک عورت بہت محترم ہے۔ وہ کوئی کھلونا نہیں ہے اور نہ ہی وہ مرد کے بہلاوے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ میرے نزدیک عورت صرف ماں' بہن' بیوی اور بیٹی ہے۔''

''کس صدی میں رہتے ہو میرے دوست۔ تمہاری اداؤں نے تو مجھے تمہارا اسیر کر دیا ہے...... خیر ویسے تم کسی دن آنا۔ چکر لگانا۔ مجھے اب روز روز آنا اچھا نہیں لگتا یار۔ عادل بھائی کہیں گے' اتنے دن سے یہاں ہے۔ تو ادھر آ اُدھر بہت ریزرو رہنا پڑتا ہے۔''

اس کا موڈ کافی حد تک بہتر ہو گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ ہی باتیں کرتا ہوا باہر آ گیا تھا۔ سامنے راہداری میں مجتبیٰ حیدر آمنہ صفی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ آمنہ صفی نے ایک تیز نظر سلطان پر ڈالی تھی اور پھر اسے اگنور کر کے مسرور سے مخاطب ہو گئی تھی۔

''عادل صاحب کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں ہوں گے۔ آپ پلیز ڈرائنگ روم میں آئیں۔ میں انہیں اطلاع کرتا ہوں۔''

اور جب وہ پروفیسر عادل کو اطلاع دے کر آیا تو سلطان جا چکا تھا۔ خدا بخش نے بتایا تھا کہ انہیں اچانک کوئی ضروری کام یاد آ گیا تھا سو وہ چلے گئے اور اب پتا نہیں' اس وقت کیوں بار بار اس کے ذہن میں آ رہا تھا کہ آمنہ صفی کے اغوا میں ضرور سلطان کا ہاتھ ہو گا۔

''شام کے اخبار میں خبر لگی ہے کہ پروفیسر عادل کے گھر کے باہر والی سڑک پر ایک گاڑی سے دو کلاشنکوف بردار نکلے اور انہوں نے آمنہ صفی کو زبردستی گاڑی میں ڈال لیا۔ گاڑی کا نمبر وغیرہ کوئی نوٹ نہیں کر سکا۔'' پروفیسر عادل ارسلان وغیرہ کو تفصیل بتا رہے تھے جو انہیں مجتبیٰ حیدر سے پتا چلی تھی۔ مسرور نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''سر وہ......''

''ہاں کیا......؟'' اسے خیال آیا کہ اسے اس طرح سلطان کا نام نہیں لینا چاہیے اور یہ دوستی کا تقاضا بھی نہیں تھا۔ اسے بہر حال پہلے سلطان سے بات کرنی چاہیے۔

''کچھ نہیں سر' وہ میں پوچھ رہا تھا کہ پولیس آپ کو تنگ تو نہیں کرے گی۔''

''پولیس...... ضرور تنگ کرے گی۔ آخر ہمارے ملک کی پولیس کو تو بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔'' پروفیسر عادل نے خوش دلی سے کہا ''بہر حال ایسی پریشانی کی بات بھی نہیں ہے' اپنے بھی کچھ جاننے والے ہیں اس محکمے میں...... لیکن آمنہ صفی...... میں اس کے لیے پریشان ہوں۔''

''اچھا سر' اب ہم چلتے ہیں۔'' ارسلان اور ارمغان اٹھ کھڑے ہوئے ''پھر کبھی آپ سے اس موضوع پر گفتگو رہے گی۔ یقین کریں' آپ کا کہا ہوا ایک ایک لفظ ذہن میں اتر جاتا ہے اور ہم مہینوں اس کی چاشنی سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔''

ارسلان نے اپنے جذبوں کا اظہار کیا تو پروفیسر عادل مسکرا دیے۔

''مجھے بھی ذہین لوگوں سے مل کر اور ان کی کمپنی سے بہت خوشی ہوتی ہے۔ ان سے باتیں کر کے انجوائے کرتا ہوں۔ آتے رہا کرو۔ اس وقت تو واقعی کسی ثقیل گفتگو کا موڈ نہیں رہا۔ آمنہ صفی کا خیال آ رہا ہے۔ عورت کتنی بھی بولڈ کیوں نہ ہو جب گھر کی چار دیواری سے نکل آتی ہے تو محفوظ نہیں رہ سکتی۔ بھیڑیوں کا معاشرہ ہے یہ......'' وہ بھی کھڑے ہو گئے۔

''پتا نہیں اس کے گھر والوں پر کیا گزر رہی ہو گی۔'' مسرور نے سوچا ''نہ جانے اس کی فیملی میں کون کون ہے۔ بھائی بہنیں' ماں باپ۔ کیسی گردنیں جھک گئی ہوں گی ان کی۔ عزیز رشتے دار کیا کیا کہانیاں گھڑ رہے ہوں گے۔'' مسرور بھی سوچتا ہوا ارمغان کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔

"کہیں جا رہے ہو کیا......؟" پروفیسر عادل نے پوچھا۔

"جی سر! ابھی آ جاؤں گا۔ ذرا ایک دوست کی طرف جانا ہے۔"

"میں بھی ذرا مجتبیٰ کی طرف جاؤں گا۔ ایک دم سے دل پر بوجھ آن پڑا ہے۔ ناانصافی' ظلم اور زیادتی کہیں بھی ہو طبیعت میں گرانی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اگر میں دیر سے آؤں تو کھانے پر انتظار مت کرنا۔ شاید میں مجتبیٰ کے ساتھ آمنہ صفی کے گھر جاؤں۔"

پروفیسر عادل اسے بتا کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو وہ خدا بخش کو اپنے جانے کا بتا کر باہر آ گیا۔

❀❀❀

سلطان لمحہ بھر مسرور کو دیکھ کر حیران رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اٹھ کر اس نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

"تم نے تو حیران کر دیا یار۔" مسرور نے ادھر ادھر دیکھا۔

کارپٹ پر گاؤ تکیے لگے تھے۔ سامنے ایک طرف کچھ سازندے بیٹھے تھے اور ایک نوعمری درمیانی شکل وصورت کی لڑکی درمیان میں بیٹھی پاؤں میں گھنگرو باندھ رہی تھی۔ ایک خرانٹ شکل کی عورت بھی سامنے ہی بھڑکیلے سے کپڑے پہنے بیٹھی تھی۔

"بیٹھ جاؤ یار۔" سلطان نے اسے الگ کرتے ہوئے اس کی گھبراہٹ محسوس کی۔ "آج تک عادل بھائی کی محفلوں کو دیکھا دماغ کو خشک کرنے والی محفلیں۔ آج ہماری محفل بھی دیکھو۔ میرے یار آغا نے آج میرے لیے یہ محفل سجائی ہے......" اس نے قریب ہی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے شخص کی طرف اشارہ کیا "یہ میرے دوست ہیں آغا صاحب۔ بڑے دل کے آدمی ہیں۔ یہ کوٹھی خاص طور سے انہوں نے اسی لیے رکھی ہے اور یہ میرا یار ہے مسرور...... مصور آدمی ہے۔ ایسی محفلوں سے ناآشنا ہے۔"

آغا صاحب نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھایا۔ مسرور نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ سلطان سے دگنی عمر کا شخص رہا ہوگا۔ کثرت شراب نوشی سے آنکھوں کے پپوٹے لٹکے ہوئے تھے "یہ سلطان کے دوستوں میں بھی کس کس عمر کے لوگ شامل ہیں۔"

"تارا بیگم آج ہمارے یار کو خوش کر دو...... ایسا ناچو کہ پہلے کبھی ایسا رقص تم نے نہ کیا ہو۔"

لڑکی نے بڑی ادا سے مسرور کی طرف دیکھا۔

"یار! اس کے جسم میں بڑا لوچ ہے۔ دیکھنا کیسا رقص کرتی ہے۔"

"مانی' میں یہاں رقص دیکھنے نہیں آیا۔" مسرور کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی "تمہیں پتا ہے مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو تم سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آمنہ صفی کہاں ہے؟"

"آمنہ صفی......!" سلطان نے بھویں اچکائیں "اپنے گھر میں ہوگی۔ میں اب کوئی اس کی جاسوسی پر

تو مامور نہیں ہوں......"

"مانی......" مسرور کی نگاہیں اس کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں "وہ کل رات جب عادل صاحب کے گھر سے باہر نکلی تو اغوا ہو گئی۔"

"اوہ......" اس نے ہونٹوں سے سیٹی بجائی "ایسی لڑکیوں کا جو اس طرح "تڑی" دکھاتی ہیں' یہی انجام ہوتا ہے۔"

"کیا تم نے اسے اغوا کروایا ہے؟"

"میں نے یار' کمال کرتے ہو۔ میں یہاں لاہور میں اسے کیسے اغوا کروا سکتا ہوں۔ اپنا علاقہ ہوتا تو ممکن بھی تھا...... یہاں اپنے بندے کہاں۔"

مسرور نے آغا کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ان کی گفتگو سے بالکل بے نیاز شغل مے نوشی میں مشغول تھا "کیا یہ شخص جو سلطان کے لیے ایسی محفلیں سجا سکتا ہے' ایک لڑکی اغوا نہیں کروا سکتا۔" اس نے سوچا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم انجوائے کرو میں چلتا ہوں۔ میں خواہ مخواہ مخل ہوا۔"

"ہرگز نہیں۔ تم مخل نہیں ہوئے ہو اور اس طرح مشکوک ذہن کے ساتھ مت جاؤ۔" سلطان بھی اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

"مجھے اس پر غصہ ضرور تھا اور میں اسے سبق بھی سکھانا چاہتا تھا لیکن پھر تمہارے سمجھانے پر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔" وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا گیٹ تک آ گیا تھا۔

"یار اب آئے ہو تو کچھ دیر بیٹھ کر تارا کا رقص دیکھتے اور پھر رات کو تمہیں اس سے ملواتے۔ کراچی والی پٹاخہ ہے۔" وہ زور سے ہنسا۔

"مانی......" مسرور نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں "اگر وہ تمہارے پاس ہے تو اسے رہا کر دو...... یہ انتہائی ظلم ہے مانی کہ تم ایک لڑکی کو اس جرم کی پاداش میں اغوا کرا لو کہ اس نے تمہاری خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنا آپ تمہارے حوالے نہیں کیا۔ میں اپنے دوست سے ایسے ظلم کی توقع نہیں رکھتا۔"

"بے فکر رہو یار۔ تمہارے دوست نے ایسا کوئی ظلم نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے' تم کہہ رہے ہو تو تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں لیکن پتا نہیں کیوں' ذہن و دل تمہاری طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔"

"تم اس کے لیے اتنے پریشان کیوں ہو؟" سلطان نے سوال کیا "اور کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

"وہ عمر میں مجھ سے کافی بڑی ہے اور میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں کہ میں اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا اور میں پریشان تو تمہارے لیے ہوں کہ تم نے اگر جذباتی ہو کر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے تو بھی

زیادہ وقت نہیں گزرا...... مجھے ڈر ہے کہ شاید میں خود کو اس شخص کی دوستی کے قابل نہ سمجھوں جو اغوا جیسے جرم میں ملوث ہو چکا ہو۔" مسرور نے بات ختم کر کے اسے خدا حافظ کہا اور گیٹ سے باہر نکل آیا۔ سلطان لمحہ بھر کے لیے وہیں کھڑا بند گیٹ کو دیکھتا رہا۔ پھر واپس پلٹ آیا۔

اندر ہال میں گھنگروؤں کی آواز آرہی تھی لیکن وہ اندر جانے کے بجائے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا...... اور بڑے ہال سے گزر کر ایک بیڈروم کے سامنے ذرا سا رکا اور پھر پاکٹ سے چابی نکال کر اس کا لاک کھولا۔ سامنے بیڈ پر آمنہ صفی گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی اور بیڈ کی سائیڈ پر کھانے کی ٹرے پڑی تھی۔ شاید اس نے رات کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔

"اچھا تو یہ تم ہو۔"

سلطان عجیب انداز میں مسکرایا۔

"کیا حیرت ہوئی؟"

"کچھ زیادہ نہیں لیکن کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟"

"مقصد تو کچھ خاص نہیں۔ بس تم دل کو بھا گئی ہو۔" اس نے کان کھجایا اور دروازے سے ہٹ کر کمرے کے وسط میں آکھڑا ہوا۔ آمنہ صفی بیڈ کے ساتھ کھڑی تھی۔

"یقین تو نہیں آتا کہ تم پروفیسر عادل جیسے شریف آدمی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔"

"کمال ہے جی' اتنا پڑھ لکھ کر بھی تم کو معلوم نہیں کہ ولی کے گھر شیطان اور شیطان کے گھر ولی پیدا ہو جاتا ہے۔"

"پلیز' مجھے گھر جانے دو۔ میری ماں بہت پریشان ہو رہی ہوگی۔" آمنہ صفی نے نرم لہجے میں درخواست کی' "پتا نہیں ان پر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ تو پہلے ہی مجھ سے خفا رہتی ہیں۔"

"سلطان ملک نے کبھی کسی کے منہ سے نہ نہیں سنی۔ اس کے تو ایک اشارے پر لڑکیاں اپنے دل اس کے قدموں میں ڈال دیتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" آمنہ صفی کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی "ڈال دیتی ہوں گی مگر میں اس ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ دیکھو میں تو عمر میں بھی تم سے کافی بڑی ہوں۔"

"آہاہا۔" سلطان قہقہہ لگا کر ایک دم آگے بڑھا "تمہیں اپنی کشش کا پتا ہی نہیں ہے آمنہ صفی۔ میری نظروں سے ذرا خود کو دیکھو۔ مجھے تو ہمیشہ تمہاری ہی عمر کی لڑکیاں اٹریکٹ کرتی ہیں۔"

آمنہ صفی بہت بولڈ ہونے کے باوجود بلش ہو گئی۔

سلطان نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"پلیز......" آمنہ صفی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جنہیں اس نے بہ مشکل روکا "میری ماں رو رو کر

مر جائے گی۔"

"بھلے مر جائے۔ سلطان ملک ہاتھ آئے شکار کو اتنی آسانی سے نہیں جانے دیتا...... تمہیں گھر بھیج دوں...... اپنی توہین کا بدلہ لیے بغیر۔"

"میں نے تمہاری توہین نہیں کی تھی پلیز' سمپلی تمہیں یہ بتایا تھا کہ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔"

"چلو تمہاری بات مان بھی لیں تو......" اس نے اس کی تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اٹھایا...... "یوں دریا کے کنارے سے پیاسا لوٹ آنا عقلمندی تو نہیں ہے اور سلطان ملک اتنا بیوقوف بھی نہیں۔ لیکن......" وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"تم جا سکتی ہو۔ ایک دوست کی دوستی کی خاطر آج زندگی میں پہلی بار سلطان ملک ہاتھ آئے شکار کو چھوڑ رہا ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا آمنہ صفی۔ تمہارے لب پر کبھی میرا نام نہیں آنا چاہیے...... اگر ایسا ہوا تو تمہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں' تمہارے خاندان کے ایک ایک فرد کے ٹکڑے کر کے سڑک پر پھینکوا دوں گا۔" اس کی آواز میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔ آمنہ صفی نے جھرجھری سی لی۔

"تم جا سکتی ہو......"

اور وہ ایک نظر اس پر ڈالتا ہوا کھلے دروازے سے باہر نکل گیا اور جھجکتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑی۔

❁❁❁

ٹی وی لاؤنج والے کمرے میں فون کی بیل وقفے وقفے سے ہو رہی تھی۔ شریف اور صفیہ شاید اپنے کوارٹر میں تھے۔ مریم نے کتاب پر سے نظریں اٹھائیں اور تھوڑی دیر انتظار کیا کہ شاید کوئی فون اٹھالے لیکن بیل بند ہو کر پھر ہونے لگی تھی۔ اس نے کتاب الٹ کر بیڈ پر رکھی اور باہر آگئی لیکن بیل پھر بند ہو گئی تھی۔ ٹی وی لاؤنج کے وسط میں کھڑے کھڑے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا "کس قدر خاموشی اور سناٹا ہے۔"

"جیسے اس گھر میں انسان بستے ہی نہ ہوں۔ ماما اور پاپا شاید اپنے بیڈروم میں ہیں۔"

ہنگامے بھی اچھے نہیں لگتے تھے اور اب یہ سناٹا اور بھی برا لگتا ہے۔ ماما کے فرینڈز بھی بہت دنوں سے نہیں آئے تھے۔ پتا نہیں ماما بہت مصروف ہو گئی ہیں یا ان کے فرینڈز کے پاس وقت نہیں رہا اور انہوں نے بہت دنوں سے کوئی فنکشن بھی ارینج نہیں کیا تھا۔ اسے ماما کی ان فنکشن اور پارٹیوں سے الجھن ہوتی تھی۔ وہ چاہتی تھی' گھر میں خاموشی اور سکون ہو اور اب جبکہ کئی دن سے گھر میں سکون تھا تو اس کا دل چاہتا تھا کہ کوئی ہنگامہ ہو۔ ماما کے فرینڈز ہی آ جائیں تاکہ یہ سکوت تو ٹوٹے۔

عجیب بےزاری اور بےدلی کی سی کیفیت تھی۔

کوئی چیز مطمئن اور خوش نہیں کرتی تھی اور نہ ہی پڑھائی میں دل لگتا تھا۔ وہ واپس اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑی تو بیل پھر ہونے لگی۔

"ہیلو......!" اس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف تیمور تھا۔

"مور......مور! کیسے ہو تم؟" وہ ایک دم ایکسائیٹڈ ہو گئی۔

"آپ کیسی ہو موموُ میں تو بالکل اچھا ہوں۔ آج ہم شاپنگ کے لیے آئے تھے میرا دل چاہا' آپ سے بات کرلوں۔ ماما اور پاپا سے بات ہوتی ہے' آپ کیوں نہیں بات کرتیں؟"

"مجھے تو خبر ہی نہیں مور' ماما اور پاپا کب تم سے بات کرتے ہیں۔ میں تو خود تمہارے لیے بہت اداس ہوں۔ پاپا نے پرامس کیا تھا کہ ویک اینڈ پر وہ مجھے تم سے ملوانے لے چلیں گے۔"

"ریئلی۔" (REALY) تیمور ایک دم خوش ہو گیا" ماما بھی آئیں گی؟"

"ہاں۔"

"نینا اور بجی بہت خوش ہوں گی میں جا کر بتاؤں گا۔"

"اچھا کیسی ہیں دونوں؟"

"ایک دم ٹھیک ہیں۔"

"عاشی کو وامٹنگ تو نہیں ہوتی؟"

"نہیں......وہ کہہ رہی تھی اب کچھ نہیں ہوتا۔ اب وہ بڑی ہو گئی ہیں۔"

"اچھا!" وہ بلاوجہ ہنس دی۔

"ماما اور پاپا کہاں ہیں؟"

"اپنے بیڈروم میں ہوں گے۔ تم ہولڈ کرو میں ماما کو بتاتی ہوں۔ دراصل ان کے بیڈروم والا فون خراب ہے۔"

ریسیور نیچے رکھ کر وہ زینب عثمان کے بیڈروم میں چلی آئی۔

"ماما!......ماما!" اس نے دروازے سے اندر جاتے ہی پکارا" مور کا فون ہے۔"

"مومو!" انہوں نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"جی" مریم نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔ وہ براؤن کمبل کندھے تک لیے لیٹی تھیں اور ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جیسے ابھی نیند سے جاگی ہوں۔

"سوری (SORRY) ماما' مجھے پتا نہیں تھا' آپ سو رہی ہیں۔" وہ نادم تھی۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنی ایکسائیٹڈ مت ہوا کرو۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی" اور مور کو میرا پیار کہہ دو۔ اس وقت میری طبیعت اچھی نہیں ہے' کبھی پھر میں خود ہی فون کرلوں گی۔"

"جی!" اس کے اندر جو ایک دم خوشی کے چراغ سے جل اٹھے تھے' بجھ سے گئے۔ وہ سر جھکائے

واپس آ گئی۔

"مور! وہ......ماما سو رہی ہیں' ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں پیار کہہ رہی ہیں۔ وہ تم سے پھر خود ہی بات کریں گی۔"

"تھینک یو!" وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"میں نے تو صرف آپ سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا۔"

"سب کو میرا پیار کہنا......اور تم سب اپنا اپنا خیال رکھنا۔"

"جی اور موموُ آپ بھی اپنا خیال رکھا کریں۔" وہ بڑا مدبر لگ رہا تھا۔ وہ ہنس دی۔

تیمور اپنی عمر کے حساب سے بہت بڑی باتیں کرتا تھا۔

تیمور کو خدا حافظ کہہ کر وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ اب پڑھنے کا بالکل موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ تیمور' نینا اور عاشی' تینوں اسے بے تحاشا یاد آ رہے تھے۔

اور عاشی کتنی بے تحاشا خوبصورت ہے' بالکل ماما جیسی۔

اور یہ ڈاکٹر معید......یعنی ڈاکٹر معید!

اس کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ گئی۔

اور ڈاکٹر معید بھی اچھے ہیں۔

اس روز زینب عثمان اور عثمان احمد دونوں گھر پر نہیں تھے۔ وہ اندر کی گھٹن سے گھبرا کر باہر لان میں نکل آئی تھی۔ پتا نہیں کیوں' شام ہوتے ہی اسے اندر کے کمروں میں گھٹن سی کیوں ہونے لگتی تھی۔ اے سی کی خنکی بری لگتی تھی۔ عجیب سی اداسی دل کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی۔

"پتا نہیں شامیں اتنی اداس کیوں ہوتی ہیں؟"

اور پتا نہیں یہ شامیں سچ مچ اداس ہوتی ہیں یا صرف اسے ہی لگتی ہیں؟

گلاب کے بڑے بڑے سرخ پھولوں کو جھک کر سونگھتے ہوئے اس نے سوچا تھا اور ایک خوبصورت گلاب توڑنے لگی تھی کہ ڈاکٹر معید گاڑی سے اتر کر سیدھے اس کی طرف چلے آئے۔

"مس احمد' کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں گلاب دیکھ رہی تھی۔" اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

چہرے کے تاثرات سے یہ شخص بے حد کھرا' سچا اور مخلص لگتا تھا اور اس کی بے ریا آنکھیں بتاتی تھیں کہ کردار کا بہت مضبوط ہے۔

"اور یہ تم کب سے چہرہ شناس ہو گئیں مریم احمد!" اس نے اپنے آپ کو سرزنش کی۔

میڈم نرگس کے ہاں اس نے میڈم کو مسز آفندی سے کہتے سنا تھا کہ زینب عثمان آج کل معید میں

انٹرسٹیڈ ہیں اور یہ کہ مسز زینب عثمان جوان مردوں کی کمپنی کو انجوائے کرتی ہیں۔

''اور ینگ مرد؟'' مسز آفندی نے اپنی نچی ہوئی بھویں اچکائی تھیں۔

''اور ینگ مرد زینب عثمان کی کمپنی کو انجوائے کرتے ہیں۔''

میڈم نرگس کی آنکھوں میں عیارانہ چمک تھی اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ میڈم نرگس کی آنکھیں جو اس وقت لومڑی کی طرح لگ رہی تھیں' ان کے چہرے سے نوچ کر پھینک دے اور پھر کیسا لگے ان کا چہرہ بغیر آنکھوں کے' کوئی (MONSTER) عفریت۔

اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ کیوں لالہ کہ کہنے پر پارٹی میں آئی تھی۔

''یار' یہ مجھے زینی کی سمجھ نہیں آتی' ابھی کل تک تو شرجیل کے قصیدے پڑھ رہی تھی اور آج معید کے۔''

''وہ سائیکی کیس ہے۔''

میڈم نرگس کا اونچا قہقہہ اسے بہت برا لگا تھا لیکن اس نے خود بھی تو دیکھا تھا کہ مسز عثمان سارا وقت ڈاکٹر معید سے چپکی رہی تھیں اور وہ شرجیل مرزا بھی ایسی ہی بات کر رہا تھا۔ اس کا سارا خون جیسے رخساروں پر آ کر اکٹھا ہو گیا تھا۔ اس نے بے حد ناگواری سے ڈاکٹر معید کو دیکھا تھا۔

''ماما گھر پر نہیں ہیں۔''

وہ مڑ کر گلاب کی پتیوں کو اپنی انگلیوں سے چھیڑنے لگی۔

''یہ بات مجھے گیٹ پر معلوم ہو چکی ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر پرخلوص مسکراہٹ تھی۔

''دراصل میں چند دنوں تک انگلینڈ واپس جا رہا ہوں اس لیے ملنے آیا تھا۔''

''کب جا رہے ہیں؟''

اس نے یونہی اخلاقاً پوچھ لیا تھا ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے بات کیے بغیر اندر چلی جائے۔ اس کے سر میں میڈم نرگس کا قہقہہ اور مسز آفندی کی باتیں جیسے پتھر مار رہی تھیں۔

''ابھی سیٹ کنفرم نہیں ہوئی تاہم تین چار دن تک جانا ہے۔ مس احمد!'' ڈاکٹر معید کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''آپ سے ایک بات کہنا تھی۔''

''اب یہ شخص پتا نہیں اس سے کیا کہنے والا ہے؟'' وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''جی کہیے۔''

''میں ابھی جانا نہیں چاہ رہا تھا بلکہ میں سوچ رہا تھا' ڈیڈی کو یہاں ہی بلوا لوں۔ یہاں انکل بھی اکیلے ہیں ...اور پھر اپنا وطن تو اپنا ہی ہوتا ہے' باہر زندگیاں گزار لی جائیں لیکن کبھی نہ کبھی کوئی ایسا لمحہ ضرور آتا ہے کہ جب دل چاہتا ہے کہ اپنے وطن میں اپنے لوگوں کے درمیان رہیں...... میں صرف تھوڑے عرصے

کے لیے آیا تھا لیکن اب جانے کو جی نہیں چاہتا مگر ڈیڈی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ مجھے مسلسل بلا رہے ہیں' سو مجھے جانا پڑ رہا ہے مگر مجھے پھر واپس آنا ہے' ڈیڈی کے ساتھ...... لیکن نہ جانے اس میں کتنا عرصہ لگ جائے۔ ڈیڈی کو پاکستان رہنے کے لیے رضامند کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے' سو جانے سے پہلے آپ کو اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میری امین بنیں گی' مس احمد؟''

مریم نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ڈاکٹر معید کیا کہنا چاہ رہے ہیں اور کس بات کا امین بنانا چاہتے ہیں اُسے؟

''پتا نہیں آپ کو میری بات اچھی لگے یا نہ لگے' پتا نہیں آپ میرے متعلق کیا سوچیں...... اور پتا نہیں مجھے آپ سے یہ بات کہنی بھی چاہیے یا نہیں...... لیکن جانے کیوں مسز احمد کی نسبت آپ مجھے زیادہ معتبر لگی ہیں' یہ بات کہنے کے لیے......''

ڈاکٹر معید اضطراب سے اپنی انگلیاں مڑوڑ رہے تھے جیسے خود انہیں سمجھ نہ آ رہی ہو کہ وہ اپنی بات کس طرح کریں۔

مریم کی سوالیہ نظریں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''کبھی کبھی......'' انہوں نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا'' آدمی بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے اور کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں رہتا...... دراصل یہ دل کے معاملے ہوتے ہیں' یہاں آدمی بے بس ہوتا ہے۔ بالکل بے بس اور میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں بھی کبھی دل کے معاملے میں اتنا بے اختیار ہو جاؤں گا۔''

انہوں نے ذرا سا رک کر مریم کو دیکھا' جو کچھ سمجھنے اور نہ سمجھنے کی کیفیت میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

''تو کیا......'' اس کا دل سینے کے اندر زور سے دھڑکا۔

''کیا ڈاکٹر معید کے دل کے معاملے کا تعلق اس کی ماما سے ہے؟ اور مسز آفندی اور میڈم نرگس کی گفتگو......!''

اس کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا اور پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلملانے لگے۔ وہ اتنی معتبر کہاں تھی...... ابھی تو وہ بی ایس سی کی اسٹوڈنٹ تھی اور پورے بیس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی...... اور یہ ڈاکٹر معید کتنا بڑا بوجھ اسے منتقل کرنے والے تھے۔ نہیں' وہ ان کی بات نہیں سنے گی۔ اس کا دل اس راز کا بوجھ نہیں سہار سکے گا۔

وہ تو غم کی شدت سے دھڑکنا بند ہو جائے گا۔

''کیا ڈاکٹر معید ماما سے......؟''

''اور پھر ہمارا کیا ہو گا...... میں' عاشی' مور...... نینا اور پاپا!''

اس نے احمقوں کی طرح سوچا اور اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرزنے لگے۔

"یہ سب صحیح نہیں ہے ڈاکٹر معید!......اور جو راز آپ بتانے والے ہیں‘ اُسے نہ کہنا ہی بہتر ہے۔"
اس نے کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹ ذرا سا کھل کر رہ گئے۔
ڈاکٹر معید اس کی حالت سے بے نیاز‘ ایک سرشاری کیفیت میں پھر بولنے لگے تھے۔
"میں تو بالکل مختلف مزاج کا آدمی رہا ہوں۔ دل کو میں نے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ نہ اس کی بات کبھی سنی‘ نہ دل نے ہی کہیں ٹھہرنے یا رکنے کی ضد کی۔ مجھے تو خود خبر نہ تھی کہ میں دل کے ہاتھوں یوں بے خبری میں مارا جاؤں گا۔"
مریم جیسے سانس روکے سفید ہوتی رنگت کے ساتھ‘ اپنی پوری قوتیں جمع کیے ان کی بات سن رہی تھی۔
"مجھے قطعی معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک ننھی سی‘ معصوم سی لڑکی میرے دل میں اتنی شان سے براجمان ہو جائے گی کہ مجھے خود خبر تک نہ ہوگی۔ مس احمد‘ میں عاشی کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
"عاشی......؟" مریم نے بہت دیر کا روکا ہوا سانس خارج کیا اور اس کی رنگت کا گلابی پن ہولے ہولے واپس آنے لگا۔
"کل شام جب انکل ہادی نے مجھ سے میری شادی کی بات کی تو اچانک مجھے ادراک ہوا کہ وہ ایک پیاری سی معصوم سی لڑکی جس سے ایک شام باتیں کر کے مجھے یوں لگا تھا جیسے ہمارے پاس بہت سی باتیں مشترک ہیں کرنے کو......اور جس سے پھر بات کرنے کو دل چاہا‘ بار بار چاہا۔ وہ لڑکی میرے دل کے اندر ہی کہیں چھپ کر بیٹھ گئی ہے۔ جب انکل نے میری پسند پوچھی تو بار بار اس کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آنے لگا۔
اس کا بات کرنے کا وہ معصوم سا انداز‘
اس کی وہ دلکش سی مسکراہٹ‘
اور اس کی وہ بے اختیار باتیں۔
انکل ہادی کے کہنے پر میں نے بہت ایمانداری سے آپ کے متعلق سوچنا چاہا۔"
"میرے متعلق......؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔
"ہاں انکل ہادی کو آپ بہت پسند ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی لڑکیوں کے متعلق بتایا لیکن ان کا ووٹ آپ کی طرف تھا۔
آپ بہت پیاری ہیں مس احمد!
بہت اچھی! شاید عاشی سے زیادہ سمجھ دار اور ذہین......لیکن دل نے یہیں ٹھہر جانے کی خواہش کی ہے۔ مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا کہ کیوں؟"
"دل نے ایسا کیوں چاہا ہے؟"

"مگر وہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے‘ صرف سولہ سال کی؟"
مریم کو بے حد حیرت تھی۔
"میں انتظار کر سکتا ہوں۔ چار‘ پانچ‘ چھ سال۔ اس لیے تو میں نے آپ کو اپنا امین بنایا ہے۔ میں چاہتا ہوں‘ اس گھر میں کوئی ایک فرد ایسا ہو جو میرے جذبوں کو جانتا ہو۔ عاشی سے ابھی اس طرح کی بات میں نہیں کرنا چاہتا۔"
ڈاکٹر معید اور عاشی‘
یعنی عاشی اور ڈاکٹر معید!
اس نے پلکیں جھپک جھپک کر سوچا اور اسے دونوں ایک دوسرے کے لیے بہت موزوں لگے۔
"لیکن ماما......" اس نے احمقوں کی طرح پوچھا۔
"ماما کیا؟" ڈاکٹر معید کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر آ ٹکیں "کیا آپ کی ماما نے عاشی کے لیے کچھ اور سوچ رکھا ہے؟"
"نہیں......نہیں تو۔" اس نے بات بنائی "میں پوچھ رہی تھی‘ آپ نے ماما سے بات کی......؟"
"نہیں فی الحال ان سے بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ہاں‘ میں انکل کو اپنی پسند سے آگاہ کر دوں گا اور وہ مناسب موقع دیکھ کر عثمان صاحب سے بات کر لیں گے......لیکن فی الحال نہیں۔"
وہ مسکرائے اور مریم کو اچانک خیال آیا کہ وہ اتنی دیر سے کھڑے ہیں۔
"آپ پلیز بیٹھیے نا......اندر چلیں گے یا یہیں بیٹھیں گے؟"
"اس وقت تو یہیں بیٹھنا اچھا لگے گا۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر لان چیئر پر بیٹھ گئے "آپ کو میری بات بری تو نہیں لگی؟"
"کیا بری لگنی چاہیے تھی؟"
مریم کو عاشی کے حوالے سے وہ یکدم ہی اپنے اپنے سے لگنے لگے تھے اور اس کے لہجے میں خود بخود شوخی در آئی تھی۔
"میرے خیال میں تو نہیں......دل کے معاملے میں آدمی بے بس ہوتا ہے۔"
"تو مجھے بھی بری نہیں لگی۔ ہاں حیرت ضرور ہوئی۔"
وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ یہ ہنسی جیسے اندر سے کہیں خود بخود پھوٹ پڑی تھی۔ کتنی ہلکی پھلکی ہو گئی تھی وہ۔ جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اس کے دل سے اتر گیا ہو۔
اور وہ مسز آفندی اور میڈم نرگس!
دراصل ماما سے جیلس ہوتی ہیں۔

ماما کی خوبصورتی سے' ان کی مقبولیت

اور ان کی شخصیت کے سحر سے۔

اس لیے الٹی سیدھی باتیں کر کے اپنے دل کو تسکین پہنچاتی ہیں۔

اور ماما کو خبر بھی نہیں کہ ان کی یہ فاسٹ فرینڈز ان کی کتنی بڑی دشمن ہیں اور اگر ان کو پتا چل جائے کہ وہ ان کے متعلق ایسی چیپ باتیں کرتی ہیں تو وہ شاید کبھی بھی ان سے بات نہ کریں۔

اس روز کافی دیر تک وہ بڑے خوش گوار موڈ کے ساتھ ڈاکٹر معید سے باتیں کرتی رہی تھی۔

اور اس نے ان سے بہت سارے ذاتی سوالات کیے تھے۔

ان کی پسند ناپسند

ان کی سوچ اور فکر

ان کی دوستیاں اور وابستگیاں۔

اور ڈاکٹر معید نے بھی پورے خلوص اور ایمانداری کے ساتھ اس کے ہر سوال کا جواب دیا تھا اور اسے ہر لحاظ سے ڈاکٹر معید اچھے لگنے لگے تھے۔

ان کی سوچ بلند تھی۔

اور خیالات اعلیٰ تھے۔

ان کے دل میں محبت اور قربانی کا جذبہ ہر ایک کے لیے یکساں تھا اور اس نے ایک بار پھر بے حد خوش ہو کر سوچا کہ عاشی اور ڈاکٹر معید ایک دوسرے کے لیے بہت موزوں ہیں۔

اور یہ بات میں لالہ کو ضرور بتاؤں گی۔

اور لالہ نے بھی تو مجھے اعزاز کے متعلق بتایا ہے۔

اور لالہ اور اعزاز کی عمروں میں بھی اتنا ہی فرق ہے جتنا عاشی اور ڈاکٹر معید کی عمروں میں۔

❀ ❀ ❀

اس نے سوچا کہ اٹھ کر لالہ کو فون کرے۔

اور پچھلے کئی دنوں سے وہ لالہ کو فون کرنے کا سوچ رہی تھی اور لالہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ اب کبھی اسے فون نہیں کرے گی۔ وہ خود تو اسے نہیں کرتی اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ خود اسے فون کرے گی لیکن دن گزر گئے تھے۔ پتا نہیں وہ اتنی سست کیوں تھی؟

کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ہفتوں سوچتی رہتی تھی اور جب حوصلہ کرتی تو اس کی اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی تھی۔

پتا نہیں' اس کے اندر حوصلے کی اتنی کمی کیوں تھی؟

اور اگر زندگی میں اسے تنہا کچھ کرنا پڑا تو وہ کیا کرے گی اور اب یہاں دو گھنٹے سے وہ ٹی وی لاؤنج میں یونہی بے کار بیٹھی تھی۔ اتنی دیر میں تو وہ ایک چیپٹر ختم کر لیتی۔

وہ اٹھی تا کہ لالہ کو فون کر کے اپنے کمرے میں چلی جائے کہ ماما کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور ماما خوشبوؤں میں بسی ہوئی باہر نکلیں۔

ہلکے فیروزی رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ بہت کم عمر اور دلکش لگ رہی تھیں۔

"مومو ڈیئر' میں ذرا ڈاکٹر معید کو سی آف کرنے جا رہی ہوں۔ تمہارے پاپا پوچھیں تو بتا دینا۔"

"جی۔" مریم نے ان جائزہ لیا۔

وہ بہت فریش لگ رہی تھیں۔

سوٹ کی ہم رنگ جیولری' ہلکا ہلکا سلیقے سے کیا ہوا میک اپ' مدھم خوشبو۔

اس نے دل ہی دل میں انہیں سراہا۔

"میڈم نرگس اور مسز آفندی پوری حاسد ہیں۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

مسز آفندی کا بے ڈول سراپا۔ اور میڈم نرگس کی بڑھتی عمر جو اب پلاسٹک سرجری کے باوجود چہرے سے جھانکنے لگی تھی۔

"او کے جانو!" زینب عثمان نے کارنر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔ تب ہی اسٹڈی کا دروازہ کھلا اور عثمان احمد باہر آئے۔

ان کی رنگت بے حد پھیکی پھیکی لگ رہی تھی اور آنکھیں تھکی تھکی سی تھیں۔

"کہیں جا رہی ہو؟" انہوں نے اسٹڈی کے دروازے پر جیسے سہارے کے لیے ہاتھ رکھا۔

"ہوں......" زینب عثمان نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

مریم کی نگاہیں بھی عثمان احمد کی طرف اٹھیں اور اسے لگا' جیسے ان کا رنگ بے حد زرد ہو رہا ہو۔

"پاپا' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

عثمان احمد کی نظریں زینب عثمان کے چہرے سے ہٹ کر اس کے چہرے پر آ ٹکیں۔ وہ تشویش سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نہیں۔" مریم کو ان کی بات پر یقین نہ آیا۔

"آپ کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی۔" اس نے دروازے پر رکھے ان کے ہاتھ کو چھوا اور مڑ کر زینب عثمان کی طرف دیکھا جو خود بھی ادھر ہی دیکھ رہی تھیں "ماما' پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

انہوں نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ مسکراتے ہونٹ بھینچ گئے اور وہ عثمان احمد سے مخاطب ہوئیں۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔

"مومو! ڈاکٹر ہادی کو فون کر دو کہ وہ کلینک سے اٹھتے ہوئے تمہارے پاپا کو دیکھ جائیں۔"

"زینی! اس وقت تمہارا جانا بہت ضروری ہے کیا؟" ان کے لہجے میں التجا سی تھی۔

"میں ڈاکٹر معید کو سی آف کرنے جا رہی ہوں۔ میں نے پرامس کیا تھا کہ میں ائرپورٹ پر آؤں گی۔ یہ چار دن نئے کمرشل کی شوٹنگ میں اتنی بزی رہی کہ ملنے بھی نہیں جا سکی۔"

"اچھا۔" انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ لیکن جلدی آجانا۔"

"آخر تم یہ تین دن سے اسٹڈی میں گھسے کیا کر رہے ہو۔ ساری رات جاگو گے تو ظاہر ہے تھکن تو ہوگی۔ آرام اس عمر میں بہت ضروری ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر سکون سے سو جاؤ' طبیعت پرسکون ہو جائے گی۔ احتیاطاً ڈاکٹر ہادی کو بھی فون کر دینا۔"

پھر وہ مریم کی طرف متوجہ ہو گئیں "اور مومو! یہ تم ہر وقت ٹی وی لاؤنج میں نظر آتی ہو' اپنا وقت ضائع نہ کیا کرو۔ تمہیں اپنی پوزیشن برقرار رکھنی ہے۔"

مریم خاموش ہی رہی۔ انہوں نے بات مکمل کر کے بے چینی سے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"فلائٹ میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا ہے۔ او کے! ڈیئر......"

"او۔ کے!" عثمان احمد نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی پشت سے ٹیک لیا۔

مریم کو ماما کا اس وقت پاپا کو اس طرح چھوڑ کر جانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک پاپا تھے' ماما کو ذرا سر درد بھی ہوتا تو بے چین ہو جاتے تھے' اپنا کھانا پینا بھول جاتے تھے اور ماما......!

کاش! پاپا اپنا حق جتا کر انہیں زبردستی روک لیتے اور جانے نہ دیتے۔

اس نے عثمان احمد کی طرف دیکھا اور اسے لگا' جیسے ان کے جسم سے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ایک دم سفید ہو رہا تھا ان کا رنگ۔

"پاپا!"

نیچے کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھ اس نے ان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"بیٹا! آپ جاؤ' پڑھائی کرو۔"

"نہیں پاپا! میں ادھر آپ کے پاس ہی رہوں گی۔ آپ کو کیا ہو رہا ہے؟ کہیں تکلیف ہے کیا؟"

اس نے اپنے ہاتھوں سے ان کی پیشانی پر چمکتے ہوئے پسینے کے قطروں کو صاف کیا۔

"پتا نہیں بیٹا! آگے پیچھے' یہاں وہاں' ہر جگہ درد ہی درد ہے۔"

"پاپا میں انکل ہادی کو فون کروں؟"

"ہوں!" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ تیزی سے اٹھ کر ان کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

پتا نہیں وہ بھی ہوں گے یا ڈاکٹر معید کو سی آف کرنے گئے ہوں گے لیکن کوئی نہ کوئی ڈاکٹر تو ہوگا ہی نا۔ اتفاق سے ڈاکٹر ہادی مل گئے تھے۔

"انکل......" اس کی آواز بھرا گئی۔

"خیریت بیٹا' ماما تو ٹھیک ہیں؟"

"جی......وہ پاپا......" وہ رونے لگی "پاپا کے بہت شدید درد ہو رہا ہے اور اتنا پسینا آرہا ہے......"

"اگر وہ قریب ہیں تو ان کو فون دو۔"

ڈاکٹر ہادی نے کہا تو اس نے کارڈلیس اٹھا کر پاپا کو دیا پھر جانے پاپا نے کیا بتایا تھا اور ڈاکٹر ہادی کو کیا سمجھ آئی تھی کہ انہوں نے کہا کہ وہ فوراً آرہے ہیں۔

فون رکھ کر وہ پھر عثمان احمد کے قریب آکر کھڑی ہو گئی اور بے چینی سے ان کے ہاتھ ہاتھوں میں لے لیے۔ آنسو آہستگی سے اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

عثمان احمد نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا' مسکرائے۔ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر تھپتھپایا۔

"ڈونٹ وری بیٹا' ٹھیک ہو جاؤں گا ابھی۔"

"پاپا......پاپا!" اس کی ہچکیاں بندھ گئیں "پھر ڈاکٹر ہادی اتنے پریشان کیوں ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ ایمبولینس لے کر آرہے ہیں؟"

"وہ ڈاکٹر ہیں نا بیٹا' تمام امکانات پر ان کی نظر ہوتی ہے۔"

انہوں نے پھر آنکھیں موند لیں۔ پسینا پانی کی طرح ان کی پیشانی پر بہہ رہا تھا اور ہونٹ بھی سفید ہو رہے تھے۔ ان کا ہاتھ چھوڑ کر مریم باورچی خانے کے دروازے سے باہر نکل کر صفیہ اور شریف کو آوازیں دینے لگی اور انہیں بلا کر جب وہ واپس آئی تو باہر گیٹ پر بیل ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر ہادی نے صرف پندرہ منٹ لگائے تھے۔ شکر ہے' ان کا اسپتال نزدیک تھا۔ اندرونی گیٹ کی گھنٹی بجنے سے پہلے ہی دوڑ کر اس نے گیٹ کھول دیا تھا۔

"ہیلو گڑیا۔" ڈاکٹر ہادی نے ہمیشہ کی طرح خوش مزاجی سے کہا "عثمان صاحب کدھر ہیں؟"

"ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر لیٹے ہیں۔"

"اور مسز عثمان!" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"وہ ڈاکٹر معید کو سی آف کرنے گئی ہیں۔"

''اوہ ہاں' مجھے بھی جانا تھا لیکن میں نے معید سے معذرت کرلی۔ عین وقت پر ایک سرجری کا کیس آگیا تھا اور اس سے فارغ ہوا ہی تھا کہ تمہارا فون آگیا۔''

مریم سے بات کرکے انہوں نے عثمان احمد کی طرف دیکھا جو صوفے پر اوندھے لیٹے تھے۔

''یہ کیا کرلیا عثمان صاحب!'' اپنے مخصوص انداز میں..... بات کرتے ہوئے انہوں نے عثمان صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھا لیکن وہ درد کی شدت سے بے ہوش ہو چکے تھے۔

ڈاکٹر ہادی نے انہیں جلدی سے سیدھا کیا اور چیک کرنے لگے۔

''میرا خدشہ صحیح تھا۔ ہارٹ اٹیک ہوا ہے' تاہم صحیح صورت حال تو مکمل چیک اپ کے بعد ہی معلوم ہوگی۔ انہیں فوری طور پر اسپتال لے جا رہا ہوں...... بلکہ انہیں اسپتال کے بجائے ڈاکٹر رافع کے اسپتال لے جاؤں گا۔ ڈاکٹر رافع خود بھی ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں اور وہاں اور بھی ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں۔''

مریم بری طرح رونے لگی۔

''حوصلہ کرو بیٹا!'' ڈاکٹر ہادی نے مڑکر اسے تسلی دی اور پھر عثمان احمد کی طرف متوجہ ہوگئے۔

❁ ❁ ❁

زندگی میں بعض باتیں کتنی اچانک اور غیر متوقع ہوتی ہیں جن کے متعلق آدمی نے پہلے کبھی نہیں سوچا ہوتا کہ یوں ہوجائے گا اور نہ ہی کوئی پلان یا منصوبہ بنایا ہوتا ہے اور بہت ساری باتیں جن کے متعلق وہ سالوں سوچتا ہے' پلان بناتا ہے' غور کرتا ہے' وہ باتیں نہیں ہو پاتیں۔ اب جیسے کہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی دن یہاں امریکا میں پڑھنے کی غرض سے آئے گا۔

ایک چھوٹے سے گاؤں کے چھوٹے سے زمیندار کا بیٹا' جس کے ماں باپ نے اس کے لیے بس اتنا ہی سوچا تھا کہ وہ ڈاکٹر بن جائے گا اور گاؤں کے لوگوں کا علاج کرے گا اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لائق ہوجائے گا اور خود اس کی اپنی خواہشیں بھی بڑی محدود سی تھیں۔

ایک چھوٹا سا صاف ستھرا گھر۔

رضوانہ...... وہ اور اس کے بچے۔

ایک مکمل پرسکون زندگی۔

پھر جانے کہاں سے یہ خواہشوں کا سیل بے پناہ اس کے اندر امڈ آیا تھا کہ اس کو کوئی بھی نہ روک سکا۔

نہ بے جی اور بابا کی التجا۔

نہ رضوانہ کے آنسو۔

نہ بھابو اور بھا نثار کا سمجھانا۔

کبھی کبھی کتنی مضبوط زنجیریں بھی کتنی کمزور ہو جایا کرتی ہیں۔ محض ایک خواہش کتنی زور آور ہوگئی تھی کہ

سارے رشتوں کی زنجیریں اس خواہش کی شدت کے سامنے کمزور پڑگئی تھیں۔ حالانکہ وہ کبھی سوچا کرتا تھا کہ یہ زنجیریں اتنی مضبوط ہیں کہ وہ کہیں بھی ہوان کو نہیں کاٹ سکتا...... لیکن شاید کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو پتا ہی نہیں چلتا اور یہ زنجیریں آپوں آپ ڈھیلی ہو جاتی ہیں۔

یوں جیسے مزید کچھ پکڑنے کی خواہش میں پہلے سے موجود چیز مٹھی سے پھسل کر گر جائے۔

سکندر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کھڑکی سے پردہ ہٹایا اور نیچے جھانک کر دیکھا' نیچے سڑک پر گاڑیاں کھلونوں کی طرح لگ رہی تھیں۔

یہاں اس ملک میں زندگی کتنی تیز بھاگتی ہوئی سی لگتی ہے...... اسے یہاں آئے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا تھا لیکن لگتا تھا' جیسے ابھی ابھی آیا ہو۔

اور جیسے رضوانہ ابھی بھی ارسلان' ارمغان کے ''پنگوڑوں'' پر ہاتھ رکھے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی ہو۔

اور کیا تھا اگر وہ امریکا نہ آتا۔ کم از کم وہ سب لوگ رضوانہ' بابا' بے جی اور بھا نثار سب خوش اور مطمئن تو ہوتے۔

اس نے پینٹ کی پاکٹ میں موجود بھا نثار کے خط کو ہاتھ سے تھپتھپا کر محسوس کیا۔ بھا نثار نے لکھا تھا۔

''بابا اور بے جی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ جلد لوٹنا' کہیں اپنے خوابوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے یہ نہ بھول جانا کہ یہاں اس گاؤں میں بہت سی آنکھیں تمہاری منتظر ہیں۔''

اس نے تو کوئی خواب کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کم از کم امریکا آنے کا خواب تو کبھی نہیں۔

لیکن بعض خواب خود بخود کیسے جھولی میں آگرتے ہیں۔ جنہیں ہم نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ کبھی نہ سوچا ہو۔

اور یہ خواب تو ڈولی نے اس کی جھولی میں ڈالا تھا۔

اور نہ صرف اس کی آنکھوں کو خواب دیا تھا بلکہ اس کی تعبیر بھی مہیا کردی تھی۔ SHE IS REALY GREAT (شی از ریئلی گریٹ) اس نے دل ہی دل میں اسے سراہا اور قدرے جھکتے ہوئے پھر نیچے جھانکا۔

نیچے زندگی رواں دواں تھی۔

کھلونوں جیسی گاڑیاں اور بونوں جیسے لوگ۔ جیسے گلیور بونوں کی دنیا میں آنکلا ہو۔

آدمی اگر بلندیوں پر کھڑا ہو تو اسے نیچے کھڑے ہوئے لوگ کتنے بونے لگتے ہیں اور کیا یہ ممکن ہے کہ کبھی میں اتنی بلندیوں پر چلا جاؤں کہ مجھے سب بونے لگنے لگیں گے۔

وہ جو میرے اپنے ہیں۔

اور جنہیں پیچھے میں چھوڑ آیا ہوں۔

نہیں۔IMPOSSIBLE (ناممکن) ایسا کبھی ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔

خود جب وہ آ رہا تھا تو اس کا دل کتنا اداس تھا۔

یوں جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اس کے دل پر آ گرا ہو۔

وہ کتنی ہی دیر تک بے جی کی گود میں سر رکھے' آنکھیں موندے لیٹا رہا تھا اور بند آنکھوں میں آنسو مچلتے رہے تھے اور بے جی ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی تھیں اور کبھی کوئی آنسو بغاوت کر کے اس کے چہرے پر آ گرتا تو وہ چونک کر آنکھیں کھول دیتا۔

"بے جی! پلیز مت روئیں' چند سالوں کی تو بات ہے پھر میں آ جاؤں گا۔"

"ایک گھڑی کا بھی بھروسا نہیں پتر' چند سال تو بہت طویل ہوتے ہیں۔" وہ جلدی سے آنسو صاف کر لیتی تھیں۔

"ماں جی!" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ اس طرح کی باتیں کریں گی تو...... میں پھر نہیں جاتا۔"

اور بابا نے حقے کی نَے منہ سے نکالتے ہوئے بے جی کو سرزنش کی۔

"اب ایسی باتیں کر کے اس کا دل میلا نہ کر۔ جب سامان بندھ جاتا ہے تو پھر کیا روکنا...... اور یوں بھی اپنے آنسوؤں کی زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈال کر اسے روک بھی لیا تو یہ خوش نہیں رہ سکے گا' بھاگوان!

اور پھر وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے "تیری ماں کا تو بس چلے تو آج ساری رات اپنے پاس بٹھائے رکھے۔ نہ خود سوئے گی اور نہ تجھے سونے دے گی۔ چل اٹھ' جا کر آرام کر۔ صبح سویرے نکلنا ہو گا تجھے۔"

"جی بابا!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خود اسے بے حد تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ کل شام ہی تو وہ سیٹ کنفرم کرا کے لاہور سے آیا تھا اور پھر یہاں صبح سے بہت مصروف تھا۔

"اپنی سب چیزیں تو رکھ لیں نا تو نے؟" بے جی کو فکر ہوئی۔

"جی!"

اس نے بابا اور بے جی پر نظر ڈالی۔

دونوں بہت تھکے تھکے اور پژمردہ لگ رہے تھے۔

"آپ بھی پلیز آرام کریں۔"

"کر لیں گے' ہم بھی آرام......" بابا نے حقہ ایک طرف کر کے پائنتی کی طرف پڑا کھیس اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا۔

"بس پتر' ایک بات کا دھیان رکھنا' مجھے تیرے چاچا کی روح کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔"

"بابا! انشاء اللہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ کیا آپ کو مجھ پر اپنے بیٹے پر اعتبار نہیں ہے۔"

"ہے...... تجھ پر تو اعتبار ہے پتر! لیکن حالات پر اعتبار نہیں ہے۔ بعض اوقات آدمی حالات کے گرداب میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ چاہنے کے باوجود اس گرداب سے نکل ہی نہیں پاتا اور سارے اعتبار کھو دیتا ہے۔ بیٹا' کوشش کرنا کہ حالات کے گرداب تجھے بے اعتبار نہ کر دیں۔"

"جی بابا!"

اور انہیں خدا حافظ کہہ کر جب وہ ان کے کمرے سے نکلا تو رضوانہ برآمدے میں ارسلان اور ارمغان کے پالنے کے پاس کھڑی تھی اور اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اس کے قریب رک گیا۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو رضی!"

رضوانہ نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔

"یہ چیچو میچو کدھر گئے؟"

"بھابو لے گئی ہیں کمرے میں' سو گئے تھے۔" رضوانہ نے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔

سکندر کی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

لانبی سیاہ پلکیں بھیگی بھیگی تھیں۔

رخساروں سے خون جیسے چھلک جانے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

وہ نگاہیں جھکائے بے دردی سے اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ کئی بار اس نے ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لیے۔ جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو اور کہہ نہ پا رہی ہو۔

کئی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ سکندر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا جی چاہا' وہ اسے بانہوں میں لے لے۔ اس کی بھیگی پلکوں پر اٹکے آنسوؤں کو اپنے ہونٹوں سے چن لے اور اس کے صبیح رخساروں پر اٹکے ہوئے موتی اپنی انگلیوں کی پوروں میں سمیٹ لے اور پھر اس کے کان میں سرگوشی کرے۔

"رضی! میں تمہارا ہوں' ہمیشہ تمہارا رہوں گا' پگلی' کیوں رو رہی ہو' کیوں خوف زدہ ہو؟"

مگر اس نے اسے کچھ نہیں کہا۔ ذرا فاصلے پر کھڑا وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ جیسے اس کی تصویر اپنے اندر اتار رہا ہو۔ یہاں تک کے پلکوں پر اٹکے ہوئے موتی اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے اسی کے دوپٹے کے پلو سے اس کے آنسو پونچھے۔

"ایسا مت کرو رضی' ورنہ میرے لیے مشکل ہو جائے گا' میں نہیں جا پاؤں گا۔"

"تو نہ جاؤ نا!" اس نے نگاہوں کی زبان سے کہا۔

"مجھے جانا ہے...... مجھے جانا ہے رضی' لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں۔" اس نے نرمی سے اسے سمجھایا "پھر

پلٹ کر مجھے یہیں تو آنا ہے۔"

اب آنسو تواتر سے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"مت رو رضی!" اس نے دل گرفتگی سے کہا "کیا تمہیں میرا یقین نہیں ہے۔ اپنی محبتوں پر اعتبار نہیں ہے...... پھر میرا اور تمہارا بندھن تو بہت مضبوط ہے‘ کبھی نہ ٹوٹنے والا۔ اتنی مضبوط زنجیروں میں بکڑ کر بھی خوف زدہ ہو‘ ڈر رہی ہو۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"کوئی بندھن بھی اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ ٹوٹ نہ سکے۔" رضوانہ نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا "آدمی اگر توڑنا چاہے تو مضبوط سے مضبوط بندھن بھی ٹوٹ جاتا ہے۔"

"ہاں۔ لیکن کیا تم سمجھتی ہو کہ میں کبھی یہ بندھن توڑنا چاہوں گا؟ پگلی صرف موت ہی اس بندھن کو توڑ سکتی ہے...... تم جانتی ہو نا کہ میں صرف بابا اور بے جی کی خواہش پر نہیں باندھا گیا بلکہ یہ میری اولین خواہش بھی تھی۔"

"لیکن سکندر‘ وہ دیس جس میں تم جا رہے ہو‘ سنا ہے وہاں بہت حسن ہے...... اور وہاں جا کر ہمارے پاکستانی کسی مارگریٹ‘ کسی الزبتھ کی زلفوں کے اسیر ہو جاتے ہیں۔"

"اوہ......" سکندر ہنس دیا "اس لیے رو رہی ہو۔ میں سمجھا مجھ سے جدا ہونے کا غم منایا جا رہا ہے۔"

رضوانہ کی پلکیں پھر گیلی ہونے لگیں تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"کوئی نیلی‘ پیلی‘ گوری‘ مارگریٹ‘ الزبتھ تمہاری جگہ نہیں لے سکتی...... میرا یقین رکھنا رضی! کبھی بے یقین مت ہونا۔"

اس کی آنکھوں میں نیند بھری تھی اور سر چکرا رہا تھا لیکن پھر بھی وہ بہت دیر تک وہاں ہی برآمدے میں کھڑا اس سے باتیں کرتا رہا۔ اسے سمجھاتا رہا اور بہت سے وعدے‘ بہت سی تسلیاں اس کی جھولی میں ڈال کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"کیا دیکھا جا رہا ہے یار؟"

محسن بال پونچھتے ہوئے واش روم سے باہر نکلا تو اس نے چونک کر محسن کو دیکھا۔

"کچھ نہیں یار‘ یونہی بے سبب نیچے دیکھ رہا تھا۔ یہاں تمہارے فلیٹ کی اس کھڑکی سے نیچے سڑک پر چلنے والے لوگ کیسے بونے لگتے ہیں۔"

"وہ پرانا والا قنوطیت کا دورہ تو نہیں پڑا۔" محسن نے تولیہ صوفے پر پھینکا اور خود راکنگ چیئر پر بیٹھ کر جھولنے لگا۔

"نہیں یار!" وہ کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر بیڈ پر آ بیٹھا "اب تو ایڈجسٹ ہو ہی گیا ہوں۔"

"ہونا ہی پڑتا ہے میری جان!" محسن نے ٹیبل سے اخبار اٹھایا اور دیکھنے لگا۔

وہ پاکستان سے سیدھا محسن کے پاس ہی آیا تھا۔ جو اس سے چند ماہ پہلے یہاں پہنچ چکا تھا۔

اور پھر محسن کی وجہ سے اسے زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہی رہنے لگا تھا۔ چھٹیوں میں جو جاب بھی ملتی‘ کر لیتا۔ اس طرح کچھ رقم جمع ہو جاتی تھی اور پڑھائی کے دوران بھی کئی بار بے بی سٹنگ کے لیے چلا جاتا تھا۔ ڈولی بھی اس کے آنے کے تین ماہ بعد آ گئی تھی اور ڈولی کے آنے سے اسے بہت تقویت ملی تھی۔ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھتی تھی۔ اس کے مما پپا بھی سکندر کو بہت اہمیت دیتے تھے بلکہ مما نے تو ایک بار بڑی دل گرفتگی سے کہا بھی تھا۔

"ڈولی تمہیں بہت لائیک (LIKE) کرتی ہے اور ہمیں بھی تم بہت پسند ہو...... لیکن کاش!"

اور وہ نادم سا ہو گیا تھا۔

کیا حق تھا‘ اسے ایک لڑکی کے اتنا قریب آنے کا کہ وہ اس کے حوالے سے خواب دیکھنے لگے اور اگر ڈولی نے اس کے لیے اس طرح کی کوئی بات سوچی تھی تو اس میں اس کا بھی قصور تھا۔ کاش...... کاش! کبھی زندگی میں وہ ڈولی کے اس دکھ کا کفارہ ادا کر سکتا جو انجانے میں اس نے اسے دیا تھا۔

ڈولی نے تو پھر کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن وہ اس کی عنایتوں‘ اس کے خلوص اور اس کی محبتوں پر اندر ہی اندر شرمندہ ہوتا رہتا تھا۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے سکندر‘ چھٹیوں میں کہیں جانا ہے یا ادھر ہی رہنا ہے۔" محسن نے اخبار سے نظریں اٹھائیں۔

"میرا...... ڈولی کا خیال ہے کہ ان چھٹیوں میں کہیں باہر آؤٹنگ کے لیے جایا جائے...... فرانس کا پروگرام بنا رہی ہے لیکن میں شاید افورڈ نہ کر سکوں۔ بہرحال ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔"

"یار سکندر!" محسن نے اخبار گول گول لپیٹ کر دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ ڈولی تمہاری زندگی میں کچھ زیادہ دخیل نہیں ہوتی جا رہی ہے؟"

"کس طرح؟" سکندر نے بھویں اچکائیں۔

"ہر طرح...... تمہارے سارے فیصلے وہ کرنے لگی ہے۔ تمہیں خود اپنے اوپر اختیار نہیں رہا۔ تمہیں کس شعبے میں اسپیشلائز کرنا ہے۔ ڈولی کی جو مرضی۔ تمہیں محسن وقار کے ساتھ رہنا ہے۔ جیسا ڈولی نے کہا۔ تمہیں فلاں اسٹور پر جاب کرنا ہے۔ ڈولی سے پوچھوں گا۔ تمہیں چھٹیاں کہاں گزارنی ہیں۔ جہاں ڈولی کہے گی۔ یار یہ سب کیا ہے؟"

محسن بے حد سنجیدہ تھا۔

"کچھ بھی نہیں یار!" سکندر مسکرایا۔

"SHE IS ONLY MY FRIEND."

"ARE YOU SURE?"

محسن نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''یس آف کورس۔''

''یار دیکھنا' کہیں ہماری بھابی کو دکھ نہ دے جانا۔ جب میں تمہیں ڈولی کی طرف اتنا ملتفت دیکھتا ہوں تو مجھے پتا نہیں کیوں پھوپو کنیز اور چاچا کا خیال آجاتا ہے۔ پھوپو کنیز کا وہ خاموش رہنا میرے تصور سے کبھی نہیں نکلتا......''

''ارے نہیں' ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے محسن کو تسلی دی ''ڈولی کو میں نے رضوانہ کے متعلق سب کچھ بتا رکھا ہے۔ شی از وری گریٹ یار!''

''پتا نہیں' مجھے تو ہمیشہ وہ سطحی سی لڑکی لگی۔ شروع شروع میں جب وہ آئی تھی چاچا کے گھر اور میں وہاں جاتا تھا تو وہ مجھ پر بھی بڑی مہربان تھی مگر میں نے توجہ نہیں دی اور چاچا کے گھر ہی جانا چھوڑ دیا تھا۔''

''لیکن محسن' تمہاری تو اکثر لڑکیوں سے فرینڈ شپ تھی اور تم خوش ہوتے تھے اس طرح کی فرینڈ شپ سے پھر تم نے اتنی خوبصورت لڑکی کی دوستی کو کیوں ٹھکرا دیا؟''

سکندر کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا جسے محسن نے محسوس نہیں کیا اور سادگی سے بولا۔

''ہاں۔ اگر وہ چچی کی رشتے دار نہ ہوتی تو اس سے دوستی کی جا سکتی تھی لیکن یار' میں نہیں چاہتا تھا کہ بعد میں کوئی مسئلہ بنے۔ یہ لڑکیاں بعض اوقات سیریس ہو جاتی ہیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسا کوئی مسئلہ ہو تو بعد میں چچا کے لیے زندگی کو عذاب بنا دیا جائے...... چچی تو یوں بھی خوش نہیں رہتی ہیں' چچا بے چارے انہیں خوش اور مطمئن رکھنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کرتے۔''

''ارے نہیں۔'' سکندر کو حیرت ہوئی ''تمہاری چچی کی تو بہت امپریسو شخصیت ہے اور وہ ایک مکمل عورت ہیں۔ بہترین بیوی اور بہترین ماں۔''

''بعض اوقات ظاہر میں جو کچھ نظر آتا ہے' اصل اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے میرے دوست۔ میری چچی کو کہیں سے پتا چل گیا تھا۔ شاید خاندان کی کسی خاتون نے ہی انہیں بتایا ہوگا' کنیز پھوپو کے متعلق کہ ماضی میں کبھی چچا نے ان سے محبت کی تھی حالانکہ چچا نے ہی انہیں رد بھی کر دیا تھا مگر چچی نے آج تک اس بات کے لیے انہیں معاف نہیں کیا...... یار' تمہیں نہیں معلوم میری چچی بہت عجیب ہیں۔''

مگر پتا نہیں کیوں سکندر کو محسن کی بات کا یقین نہیں آیا۔ یقیناً محسن کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ وہ تو اتنی نفیس خاتون ہیں۔

''یہ میں بھی کیا باتیں لے بیٹھا۔'' محسن کو خود ہی اس طرح چچی اور چچا کے متعلق باتیں کرنا عجیب سا لگا۔

''تم بتاؤ' چائے کا موڈ ہے تو بنائی جائے۔''

''نہیں یار' اس وقت بالکل موڈ نہیں ہو رہا۔ تم اپنا پروگرام بتاؤ۔ چھٹیاں کیسے گزارو گے؟''

''یار' ابا جی تو کہہ رہے تھے کہ پاکستان آجاؤں لیکن ایک ڈیڑھ ماہ کے لیے کیا جاؤں۔ خوامخواہ آنے جانے کا خرچ۔ بہرحال ابھی کچھ بھی ڈیسائڈ نہیں کیا۔''

''یار' نہیں کہیں آؤٹنگ کا پروگرام بنا لیں گے۔ وہ جارج نے بھی تو انوائیٹ کیا ہے۔ کچھ دن اس کی طرف رہیں گے اور پھر کہیں اور نکل جائیں گے۔'' سکندر نے رائے دی۔

''ہاں' ایسا ہو تو سکتا ہے لیکن مجھے امید نہیں کہ تم میرا ساتھ دے سکو گے۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ سکندر ملک صاحب کہ مجھے یقین ہے کہ مس ڈولی آپ کو اپنے ساتھ گھسیٹ لے جائیں گی اور آپ انکار نہیں کر سکیں گے اور ہم رہ جائیں گے اکیلے۔ ایسے موقعوں پر صبح صادق بہت یاد آتا ہے یار......''

''ایسا نہیں ہوگا' میں فرانس جانا افورڈ نہیں کر سکتا۔'' سکندر نے حتمی بات کی۔

''تم کوئی پروگرام بناؤ۔ عاشر وغیرہ سے بھی پوچھ لینا۔''

لیکن ہوا یوں کہ اس کا سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا اور ڈولی اسے زبردستی ساتھ لے گئی۔

''کمال ہے' میں کب سے تمہاری چھٹیوں کا انتظار کر رہی تھی......ڈیڈی تو اتنے بزی ہیں......میں نے سوچ رکھا تھا کہ ممی' میں اور تم...... اکٹھے جائیں گے پیرس۔''

''مگر ڈولی میں......''

اس نے انکار کرنا چاہا تھا لیکن ڈولی نے اس کی ایک نہ سنی اور محسن کی بات سچ ہوگئی۔ وہ محسن سے معذرت کر کے ڈولی کی فیملی کے ساتھ فرانس میں چھٹیاں گزارنے چلا گیا۔

❁❁❁

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم فی الحال پاکستان نہیں جا رہے ہو۔''

محسن بہت حیران حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں یار!'' سکندر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ویکلی میگزین ایک طرف رکھ دیا ''بہت اچھی جاب مل رہی ہے مجھے۔ میں کچھ دن یہاں رہنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن یار' وہ تمہارے آدرش...... وہ جو تم کہا کرتے تھے کہ تم گاؤں میں وہاں کے لوگوں کی خدمت کرو گے۔ عنبر آپا کی وفات کے بعد تم نے عہد کیا تھا کہ تم......''

''میرا عہد اب بھی قائم ہے۔ میں اپنا کلینک گاؤں میں ہی بناؤں گا۔'' اس نے محسن کی بات کاٹ دی ''لیکن اس کے لیے کچھ رقم تو ہو میرے پاس۔ میں چاہتا ہوں' ایک دو سال جاب کروں۔ اتنا پیسہ

تو ہو جائے نا' میرے پاس کہ اچھا سا کلینک بنا سکوں۔ جہاں ساری سہولتیں میسر ہوں.....اگر میں یوں ہی جا کر ایک کمرے میں بیٹھ جاؤں تو پھر میرے اور حکیم فضل دین کی دکان میں کیا فرق رہ جائے گا؟''

محسن کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

یہ وہی سکندر تھا جو ضروری بات بھی بہت مختصر کرتا تھا۔ اب خوب بولنے لگا تھا۔ شاید ڈولی کی صحبت کا اعجاز تھا۔

''کیا یہ فیصلہ تم نے ڈولی کے کہنے پر کیا ہے؟''

محسن کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ سکندر نے نگاہیں چرا لیں۔

''نہیں میرا اپنا فیصلہ بھی یہی ہے۔''

''سکندر' ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ دوست' کہیں تم اور ڈولی.....''

''یہ بات تم پہلے بھی کئی بار پوچھ چکے ہو اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم صرف دوست ہیں۔

"WE ARE ONLY FRIENDS"

''سکندر'' محسن کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر تھیں ''ڈولی کے جال سے نکل آؤ دوست کہ تم نے ایک معصوم لڑکی کو اپنے وعدوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ خدا اور رسولؐ کو گواہ بنا کر تم نے اسے پابند بنا کر رکھا ہے۔''

''میں کسی کے جال میں نہیں ہوں محسن!'' اس کا لہجہ کمزور تھا ''اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہاں کوئی میرا منتظر ہے۔''

''اگر میری بات مانو تو میرے ساتھ چلے چلو۔ بابا اور ماں جی بھا نثار سب سے مل آؤ.....پھر لوٹ آنا رضوانہ بھابھی کو ساتھ لے کر۔''

سکندر خاموش ہی رہا۔

وہ کیسے جا سکتا تھا۔ اس نے ڈولی سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ مزید چند سال یہیں جاب کرے گا۔ ڈولی نے ہمیشہ اس کے لیے اچھا سوچا تھا اور اب بھی اس کا مشورہ بالکل صحیح تھا۔ اتنے سال دیارِ غیر میں رہنے کے بعد بھی کیا وہ خالی ہاتھ چلا جاتا.....اور پھر وہاں گاؤں میں کتنا کما لیتا؟ یہاں اتنا عرصہ امریکا میں رہنے کے بعد زندگی سے متعلق اس کا نظریہ کچھ بدل گیا تھا۔ وہ سیدھا سادہ سا گاؤں کی کھلی فضاؤں میں رہنے والا سکندر شاید اب وہاں خوش نہ رہ پاتا۔ وہ جن سہولتوں کا عادی ہو چکا تھا' ان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور اب اسے بہت مشکل لگنے لگا تھا۔ گاؤں کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں اور گندگی کے ڈھیر کے تصور سے ہی گھبرا جاتا.....اور پھر ڈولی کا قائل کرنے والا انداز۔

''میں تمہیں اپنے لیے تو نہیں کہہ رہی ہوں سکندر! تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔ یہ بہت اچھی جاب ہے۔ صرف دو سال میں تمہارے پاس اتنا پیسہ اکٹھا ہو جائے گا کہ تم وہاں ایک کلینک بنا سکو۔ اچھی اور بہترین زندگی گزار سکو گے۔ جن سے محبت کی جاتی ہے سکندر ان کے لیے ہمیشہ اچھا سوچا جاتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم ایک مکمل اور کامیاب زندگی گزارو اور اس کے لیے بہت ضروری ہے۔ آئیڈیلسٹک ہونا بری بات نہیں ہے سکندر! میں تمہارے خیالات کی قدر کرتی ہوں لیکن یہ خیالات صرف سوچنے کی حد تک اچھے لگتے ہیں' عملی زندگی میں آدمی جلد ہی ان سے اوب جاتا ہے۔''

وہ چپ چاپ سر جھکائے اس کی باتیں سن رہا تھا اور دل ہی دل میں ایک ایک بات کی تائید کر رہا تھا۔ ڈولی کبھی کوئی غلط بات نہیں کرتی تھی۔ وہ زندگی کے بارے میں اس سے زیادہ بہتر جانتی تھی۔ اس کی رائے بہت ٹھوس ہوتی تھی لیکن وہ سب لوگ جو اس کے منتظر تھے۔ ماں جی کیسے لمحہ لمحہ گن کر گزار رہی تھیں اور وہ رضوانہ بھی۔ وہ وقت رخصت اس کی بھیگی پلکیں' ملتجی نظریں۔ شاید ماں جی اب بھی چھت پر چڑھ کر اس کا انتظار کرتی ہوں۔ جھانک جھانک کر نیچے دیکھتی ہوں۔ میں یونہی جاؤں گا بغیر اطلاع کے.....تو ماں جی مجھے دیکھ کر کتنا حیران ہوں گی' کس قدر خوش ہوں گی۔

''سکندر!'' ڈولی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ''رک جاؤ پلیز.....آخر کو تو تمہیں جانا ہی ہے۔ دو سال اور رک جاؤ۔ پہلے تو تم اتنے مصروف رہے ہو۔ ان سالوں میں بہت کم وقت ہم نے اکٹھے ساتھ گزارا ہے۔ میں بچھڑنے سے پہلے بہت سارا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ دو سال تو پلک جھپکنے میں ہی گزر جائیں گے سکندر۔ میں پھر تمہیں نہیں روکوں گی۔''

سکندر کو یوں لگا تھا' جیسے وہ یکا یک دوراہے پر آ کھڑا ہوا ہے۔ ڈولی اپنی بے تحاشا خوبصورتیوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو لیے اسے تک رہی تھی.....کیا تھا وہ' ایک چھوٹے سے گاؤں کے معمولی زمیندار کا معمولی سا لڑکا۔

جسے اس اتنی بے تحاشا خوبصورت لڑکی نے اتنا چاہا تھا۔

اس کے لیے اتنا کچھ کیا تھا۔

اس اجنبی ملک میں کہیں بھی کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔

جس کے پاس سب کچھ تھا۔

دولت' حسن' اسٹیٹس۔

پھر بھی.....پھر بھی وہ اسے چاہتی تھی۔

اس کی رفاقت کی متمنی تھی۔

کتنی بے غرض' کتنی بے لوث چاہت تھی اس کی۔ کتنا کھرا پیار تھا۔

کاش' اے کاش! اس کا نکاح رضوانہ کے ساتھ نہ ہو' چکا ہوتا...... جب بابا نے اس کی مرضی پوچھی تھی تو اس نے انکار کر دیا ہوتا۔ کہہ دیا ہوتا کہ ابھی نہیں...... تو پھر آج بڑے سکون سے اس کا ہاتھ تھام لیتا۔ اسے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کر لیتا۔ اتنے سالوں میں پہلی بار اس کے اندر پچھتاوا جاگ اٹھا۔

پہلی بار اسے رضوانہ کے ساتھ اپنی چاہت پر ندامت ہوئی۔

دراصل وہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ نادان اور ناسمجھ۔ رضوانہ خوب صورت تھی۔ اس کے چاچا کی بیٹی تھی اور شاید اس عمر میں جو لڑکی قریب ہوتی ہے وہی اچھی لگنے لگتی ہے۔ شاید رضوانہ بھی اسے اسی لیے اچھی لگنے لگی تھی کہ وہ اس کی رسائی میں تھی۔

''رک جاؤ نا پلیز!'' ڈولی کی بے تحاشا خوبصورت آنکھوں میں ایسی التجا تھی کہ وہ اندر تک پگھلتا چلا گیا۔ جیسے کوئی بھی فیصلہ اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ ماں جی یا رضوانہ سب کے چہرے پس منظر میں چلے گئے تھے۔ سامنے صرف ڈولی تھی' اس کی بھیگی پلکیں تھیں۔

اس کا بے تحاشا حسن تھا۔

ملتجی نظریں تھیں۔

اس کی محبتیں تھیں۔ کیا ہے اگر میں اس کی محبت کا بھرم رکھ لوں۔

میں اسے عمر بھر رفاقت نہیں دے سکتا کہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ اتنی بھاری زنجیریں کہ انہیں توڑنے کے لیے مجھے بہت سارے دلوں پر پاؤں رکھنا پڑے گا جو میں نہیں کر سکتا۔

سو اگر کچھ عرصہ ہم اس ملک میں ایک دوسرے کو رفاقت دے لیں تو کیا ہے؟ جہاں اتنے سال گزر گئے' وہاں دو سال اور بھی گزر جائیں گے۔ ٹھیک ہی تو کہتی ہے ڈولی۔ آخر کو تو مجھے واپس ہی جانا ہے۔

''ٹھیک ہے ڈولی' نہیں جاؤں گا۔ اب مسکرا دو۔ روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگ رہی ہو۔''

''پھر کیا خیال ہے سکندر!'' اسے خاموش دیکھ کر محسن نے پھر پوچھا ''چلے چلو۔ میں کچھ دن ٹھہر جاتا ہوں۔''

''نہیں یار' ایک ہی بار آؤں گا۔ تم بابا اور ماں جی کو سمجھا دینا۔''

''لیکن سکندر......'' محسن نے کچھ کہنا چاہا لیکن سکندر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''پلیز محسن' کچھ مت کہو۔ میں اب فیصلہ کر چکا ہوں۔ تم ماں جی کو حوصلہ دینا اور سنو' اگر موقع ملے تو رضوانہ سے بھی کہہ دینا کہ میں لوٹ آؤں گا۔''

''سکندر' کوشش کرنا کہ جلدی آ سکو۔ بعض انتظار بہت تھکا دینے والے ہوتے ہیں اور لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ پتا نہیں کیوں' مجھے ڈر لگتا ہے کہ تم ڈولی کے اسیر ہو کر یہاں ہی نہ رہ جاؤ۔''

''پاگل ہو تم۔'' سکندر ہنس دیا ''ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''نہیں یار' تمہیں نہیں معلوم اس خاندان کی عورتوں میں حسن کے علاوہ بھی کوئی طاقت ہے' ایسی جو

اسیر کر لیتی' جیسے چچی نے چچا کو اسیر بنا لیا۔''

پتا نہیں کیوں' وہ اپنی چچی سے اتنا خفا رہتا تھا۔ شاید اسے کنیز پھپھو سے بہت پیار تھا...... ورنہ چچی بہت پیاری اور محبت کرنے والی عورت تھیں' بالکل ڈولی کی طرح۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' محسن اٹھ کھڑا ہوا ''چلو مجھے کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ یار' ہمارا خاندان ماشاء اللہ اتنا بڑا ہے کہ اپنی طرف سے سب کے لیے کچھ نہ کچھ خرید چکا ہوں پھر یاد آتا ہے' ارے نہیں' فلاں کے لیے تو کچھ گفٹ لیا ہی نہیں...... اور میرے ابا جی کا حکم ہے کہ سب کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آؤں۔ کسی کو بھول نہ جاؤں۔ اور پتا ہے اگر کسی کو بھول گیا تو کیا پتا' ابا جی حکم دیں کہ ابھی ٹکٹ کٹاؤ اور واپس جاؤ اور میرے مامے کے پتر کے لیے کچھ گفٹ لے کر آؤ۔'' وہ ہنس دیا۔

اور پھر محسن کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے رضوانہ' بھابو' ماں جی' بھا نثار' چیچو میچو اور شہریار کے لیے کچھ نہ کچھ خریدتے ہوئے کئی بار اس کا جی چاہا کہ وہ محسن کی بات مان لے اور محسن کے ساتھ چلا جائے اور چند ماہ رہ کر پھر لوٹ آئے لیکن ڈولی...... اس نے کہا تھا۔

''سکندر' تم ایک بار چلے گئے تو پھر لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ وہاں سب تمہارے اپنے ہیں...... وہ تمہیں نہیں آنے دیں گے۔''

''اور یہاں تم ہو ڈولی' تمہاری کشش' تمہاری محبت مجھے واپس لائے گی۔ وہاں ماں جی اور بابا میرے لیے بہت اداس ہیں۔ میں ان سب سے مل کر واپس آ جاؤں گا۔ میرا وعدہ ہے پھر تمہاری خواہش کے مطابق دو سال جاب کروں گا اور ہم ہر روز ملا کریں گے۔ اپنی جاب کے بعد جتنا وقت باقی بچے گا' سب تمہارے سنگ گزار دوں گا۔''

لیکن ڈولی روتی رہی اور وہ کمزور پڑتا گیا تھا۔

اور اب بھی محسن کے ساتھ سب کے لیے شاپنگ کرتے ہوئے کئی بار اس نے سوچا اور پھر اپنی سوچ کو خود ہی رد کر دیا...... ''نہیں ایک بار ہی جاؤں گا۔ ہمیشہ کے لیے اور پھر بابا اور ماں جی سب کو منا لوں گا۔''

اور محسن وقار چلا گیا۔ اسے جلد آنے کی تاکید کر کے اور چند دن اداس رہ کر وہ نئی جاب میں بزی ہو گیا۔

❁❁❁

''اگر COMPLIMENTRY COLOURS کو سرخ اور سبز' کینوس کے بڑے حصے پر لگایا جائے تو وہ رنگ کینوس کی سطح کو گہرا تر بنا سکتے ہیں اور اگر ان امدادی رنگوں کو کم مقدار میں کینوس کے چھوٹے حصوں پر استعمال کیا جائے تو اعتدال اور ٹون پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں......''

پروفیسر عادل نے جو مسرور کے پیچھے کھڑے اسے کینوس پر برش چلاتے دیکھ رہے تھے' کہا تو مسرور

چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''جی سر!'' اس نے برش ایک طرف رکھا۔

''مسرور مجھے خوشی ہے کہ تم پھر ایک بار اپنے کام کی طرف توجہ دینے لگے ہو۔'' وہ مسکرائے اور پیچھے پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔

''سر' میری خواہش ہے کہ میں ایک ہی موضوع پر سیریز پینٹنگ بناؤں۔''

''اچھی بات ہے۔ مونے نے ایک موضوع کی سیریز پینٹنگ بنائیں۔ اس میں اس نے واٹرلو پل لندن کے سولہ پہلو پیش کیے۔ کلیسائے روما کے چھبیس مناظر نقش کیے۔ ناقدین نے مونے پر الزام لگایا کہ اس نے تلون آشنا ماحولیاتی اثرات دکھانے کی خاطر فارم یا پیکروں کو تجربے کی حد تک برباد کر دیا لیکن یہ مونے کی تصویروں کا کمال تھا کہ اس نے روشنی کو ایک مکمل فارم جانا۔''

مسرور بہت توجہ سے ان کی بات سن رہا تھا کہ حسب معمول انہوں نے اپنی بات کو وہیں چھوڑ کر موضوع بدل دیا اور پوچھا ''تمہارے ذہن میں کوئی موضوع ہے ایسا جس پر تم یہ سیریز بنانا چاہ رہے ہو؟''

''کوئی خاص نہیں سر' ایک دو خیال ہیں ذہن میں۔''

''گڈ!'' انہوں نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی ''پھر کسی دن ہم اس پر ڈسکس کریں گے...... اور مجھے امید ہے کہ کوئی بہت پاورفل موضوع ہوگا تمہارے ذہن میں' جب ہی تو یہ خیال آیا ہے تمہیں۔''

''پتا نہیں سر' اب پاورفل ہے یا بس یونہی۔''

''خیر' اس وقت تو میں ذرا آمنہ صفی کی طرف جا رہا تھا۔ سوچا' تمہیں بتاتا جاؤں لیکن پھر تمہیں کام کرتے دیکھ کر رک گیا۔ مجتبیٰ بتا رہے تھے' بہت اپ سیٹ ہے وہ۔''

''جی سر' کسی بھی عورت کے لیے یہ بہت بڑا حادثہ ہے' چاہے وہ ورکنگ ویمن ہو چاہے گھریلو۔'' مسرور نے تائید کی۔

''مگر یار' سمجھ میں نہیں آتا کہ کن لوگوں نے اسے اغوا کیا اور کیوں...... اور پھر میرے گھر کے سامنے ہی سے کیوں؟'' انہوں نے نئی سگریٹ سلگائی اور پر خیال انداز میں مسرور کی طرف دیکھنے لگے۔

''وہ ایک کالم نگار ہیں۔ کیا خبر کوئی ایسا ویسا کالم لکھ دیا ہو' کسی بڑے آدمی کے خلاف۔ کوئی ایم این اے' کوئی وڈیرا خفا ہو گیا ہو ان سے اور اس طرح انہیں اغوا کر لیا ہو۔''

''اور پھر چھوڑ بھی دیا......'' پروفیسر عادل کی نظریں مسرور پر ہی تھیں۔

''جی شاید ڈرا دھمکا کر' تنبیہ کر کے۔''

''اب ایسی بھی دھاندلی نہیں ہے مسرور۔'' ان کے ہونٹوں سے ہلکا سا تبسم ابھرا ''کہ ایک صحافی

خاتون کو محض اس لیے اغوا کر لیا جائے کہ اس کے کسی کالم نے کسی وزیر یا بڑے آدمی کو خفا کر دیا ہوگا۔''

''سر' آپ نے زندگی کا ایک بہت سارا حصہ ملک سے باہر گزارا ہے اس لیے آپ بہت کچھ نہیں جانتے۔ یہاں کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ آپ کو اس کی خبر نہیں ہے۔ معمولی باتوں پر لوگوں کے گھر جلانا' اغوا کرنا' قتل کر دینا یہ تو بہت عام سی باتیں ہیں۔''

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو مسرور! لیکن پتا نہیں کیوں' میرا دل ہمیشہ مثبت باتیں سوچتا ہے اور منفی پر مشکل سے ہی یقین کرتا ہے پھر کیا خیال ہے' تم چلو گے آمنہ کی طرف؟''

''میں سر!'' مسرور نے اپنی طرف اشارہ کیا ''مگر معلوم نہیں سر' وہ ملنا بھی پسند کریں گی یا نہیں اور پھر ہمارا جانا مناسب بھی ہے یا نہیں۔ خاص طور پر اس طرح کے حادثات کے بعد تو آدمی بہت حساس ہو جاتا ہے اور پھر آس پاس رہنے والے ہر آنے جانے والے پر نظر رکھتے ہیں۔ میرا مطلب ہے' متوسط طبقے میں تو ایسا ہی ہوتا ہے اور پھر آمنہ صفی بھی جہاں رہتی ہیں' وہاں انہی جیسے متوسط طبقے کے لوگ رہتے ہوں گے۔ اس حادثے کے بعد تو اور بھی متجسس اور کھوجی ہو جاتے ہیں لوگ......''

''ٹھیک کہتے ہو شاید تم۔'' پروفیسر عادل مسکرائے ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اچھا بولنے لگے ہو۔''

''نو سر' کچھ باتیں ایسی ہیں کہ جنہیں آپ نہیں سمجھ سکتے کیونکہ آپ کا تعلق جس طبقے سے ہے' وہاں ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ آپ جس علاقے میں رہتے ہیں' وہاں ساتھ والے گھر میں کوئی مر جائے تو خبر نہیں ہوتی' جبکہ ہمارے طبقے میں تو ذرا سا خلاف معمول کچھ ہو جائے تو کھڑکیاں کھل جاتی ہیں' لوگ چونک چونک کر دیکھنے لگتے ہیں۔''

''صحیح ہے۔ بس یونہی مجتبیٰ سے اس کی حالت کا سن کر میرا جی چاہ رہا تھا کہ اسے سمجھاؤں' تسلی دوں۔ اسے بتاؤں کہ زندگی بعض اوقات انسان سے بڑے بڑے امتحان بھی لیتی ہے۔ شاید یہ بھی اس کے لیے کوئی آزمائش تھی۔ میں پتا نہیں کیوں' گلٹی فیل کر رہا تھا کہ میرے گھر سے نکلتے ہوئے یہ حادثہ پیش آیا' سو...... حالانکہ یہ حادثہ کہیں بھی ہو سکتا تھا لیکن اتفاق۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہے گا۔ بہرحال وہ ایک بولڈ لڑکی ہے جلد سنبھل جائے گی۔''

''جی سر' یہ محض اتفاق تھا۔ شاید وہ لوگ بہت پہلے سے ہی کہیں ان کا تعاقب کر رہے تھے اور باہر منتظر تھے ان کے۔ ادھر کا علاقہ یوں بھی سنسان ہی ہے۔'' مسرور نے خیال ظاہر کیا۔

''ہوں۔'' انہوں نے آنکھیں موندتے ہوئے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا لیکن پھر ایک دم کچھ یاد کرتے ہوئے سیدھے ہو بیٹھے۔

''ارے مسرور' یہ مانی نے کوئی فون وغیرہ تو نہیں کیا تھا۔ ایک تو اس لڑکے کے نہ آنے کا پتا چلتا ہے اور نہ جانے کا۔ اس روز کے بعد پھر مڑ کر آیا ہی نہیں تو میں سمجھا کہ حویلی واپس چلا گیا ہوگا مگر مجتبیٰ نے بتایا کہ

اس نے کل رات مال پر اسے دیکھا تھا۔ کتنا جی چاہتا ہے میرا کہ وہ یہاں لاہور آئے تو میرے پاس ٹھہرا کرے..... بڑی تقویت ہوتی ہے، بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے بھی کوئی اپنے ہیں۔"

"سر، دراصل ان کی اپنی دلچسپیاں اور اپنی دوستیاں ہیں۔" مسرور کی آنکھوں کے سامنے اس کمرے کا منظر آ گیا جہاں اس نے سلطان کو دیکھا تھا۔

"ہاں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے، جیسے مانی کا حلقہ احباب بہت مختلف ہے۔ اس کے طور طریقے، اس کے انداز..... اس کی دلچسپیاں قابل فخر نہیں ہیں۔ یار، تم سمجھایا کرو اسے، تم سے بہت متاثر ہے وہ۔ خیال رکھا کرو اس کا۔ یہاں آئے تو ضد کر کے روک لیا کرو، اپنے پاس۔"

"جی سر!"

تب ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ مسرور نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ یہ سیٹ چند دن قبل ہی انہوں نے مسرور کے کمرے میں رکھوایا تھا۔

"دیکھا، تم کہہ رہے تھے، ضرورت نہیں ہے۔ اب کام آ گیا نا، اٹھ کر باہر جانا پڑتا۔" مسرور نے ہلکا سا سر خم کیا اور ماؤتھ پیس میں "ہیلو" کہا۔

دوسری طرف سلطان تھا "کیسے ہو یار! ابھی تک ناراض ہو۔ اب تو تمہاری آمنہ صفی مل گئی ہے نا اور اس نے اخبار میں بیان بھی دیا ہے کہ کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

"سوری یار میں نے تم پر شک کیا۔" مسرور شرمندہ ہو گیا "دراصل....."

"کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے میری جان، دوست کہا ہے تمہیں، چاہو تو گردن کاٹ کر رکھ دو، اف نہیں کروں گا۔ ویسے تم نے اخبار میں پڑھا؟"

"نہیں۔" مسرور اور بھی شرمندہ ہو گیا تھا اس کی محبت پر۔

"اصل میں وہ لوگ کسی اور اغوا کرنا چاہتے تھے۔ غلطی سے آمنہ کو کر لیا۔"

"ان کی غلطی نے ایک لڑکی کی زندگی کو کتنا پرخار بنا دیا ہوگا، یہ شاید اغوا کرنے والوں کو کبھی احساس نہ ہو۔" مسرور کے لہجے میں افسردگی در آئی۔

"ارے، کچھ نہیں ہوتا۔ یہ جو آمنہ صفی جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں نا، آزاد بولڈ، گھومنے پھرنے والی۔ یہ ایسی معمولی باتوں کی پروا نہیں کرتیں۔ تم سناؤ کب آؤ گے میرے گاؤں؟"

"نمائش کے بعد انشاء اللہ آؤں گا۔ سر بھی کہہ رہے تھے کہ ان کے ساتھ چلوں، تم کب جا رہے ہو؟"

"ابھی بس نکلنے والا تھا۔"

"پروفیسر صاحب سے ملنے نہیں آؤ گے؟"

"نہیں، اس وقت جلدی ہے۔"

"پاس بیٹھے ہیں، بات کر لو۔"

اس نے ریسیور پروفیسر عادل کی طرف بڑھا دیا۔ بات کر کے انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا کہہ رہے تھے تم، کس بات کا شک کیا تم نے مانی پر؟"

"سر!" مسرور شرمندہ ہو گیا۔

"کیا سوچیں گے سر کہ میں نے ان کے بھائی پر آمنہ صفی کے اغوا کا شک کیا۔"

اس نے نظریں جھکائے جھکائے ساری بات پروفیسر عادل کو بتا دی۔

بے چینی سے دھویں کے مرغولے چھوڑتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مسرور نے دو تین بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ کچھ دیر وہ یونہی الجھے الجھے سے بیٹھے رہے پھر ایک دم کھڑے ہو گئے۔

"چلو اٹھو یار، ذرا لمبی ڈرائیو پر چلتے ہیں، دل گھبرا رہا ہے۔"

مسرور اٹھ کھڑا ہوا اور ہولے ہولے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اس سے بی آپا، کامی اور ماں جی کی باتیں کرنے لگے۔

"بی آپا بہت یاد کر رہی تھیں کل فون پر۔ میری بات ہوئی تھی ان سے۔ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔ بی آپا سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی۔"

"مگر سر، میں چاہ رہا تھا کہ پہلے کام ختم کر لوں تو پھر۔"

"ریلیکس ہو جاؤ گے۔ گاؤں کی فضاؤں میں شاید کچھ انسپائریشن بھی ہو۔"

"جی، بہتر!"

"پتا ہے، ماں جی بھی بہت محبت کرنے والی ہیں۔ جب بھی فون کرتا ہوں، تمہارا ضرور پوچھتی ہیں۔"

"سر!" مسرور نے جھجکتے ہوئے پوچھا "آپ نے اپنے والد صاحب کا کبھی ذکر نہیں کیا، وہ....."

"میرے والد.....!" پروفیسر عادل نے یکدم مسرور کی طرف دیکھا۔ اسٹیئرنگ پر ان کی گرفت سخت ہو گئی "میرے والد.....؟" انہوں نے پھر دہرایا اور اچانک ہی ان کی نظر فٹ پاتھ پر جاتی آمنہ صفی پر پڑ گئی۔

"آمنہ صفی!" ان کے لبوں سے نکلا اور مسرور نے بھی چونک کر باہر دیکھا۔

وہ آمنہ صفی ہی تھی۔ سر جھکائے گرد و پیش سے بے نیاز ہولے ہولے چلتی ہوئی۔ پروفیسر عادل نے گاڑی بالکل اس کے قریب جا کر کھڑی کی اور کھڑکی میں سے جھانکا۔

"مس آمنہ، آیئے آپ کو ڈراپ کر دوں۔"

"آمنہ صفی نے چونک کر انہیں دیکھا۔ لمحہ بھر کچھ سوچا اور پھر آہستگی سے سر ہلا دیا۔ مسرور نے اگلی

نشست اس کے لیے خالی کر دی۔ آمنہ نے ایک نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ شاید اس نے شکریہ کہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں وحشت تھی اور آنکھوں کے گرد موجود حلقے پہلے سے گہرے ہو گئے تھے۔

''اس وقت کہاں سے آ رہی ہیں اور کہاں جائیں گی؟'' پروفیسر عادل نے گیئر لگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''اخبار کے دفتر گئی تھی' مزید چھٹی کے لیے درخواست دینے اور اب گھر جا رہی ہوں۔''

''کیسی ہیں آپ؟'' پروفیسر عادل نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

''اچھی ہوں۔'' وہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''مس آمنہ......''

''پلیز!'' آمنہ صفی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ جیسے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا کہنے جا رہے ہیں ''اس حادثے کے متعلق کچھ مت کہیے گا۔ سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔ کاش! کاش میں اس روز آپ کے گھر نہ آتی' پروفیسر عادل خان۔ مجھے آپ کے گھر آنا بہت مہنگا پڑا...... بہت مہنگا۔''

''خاتون' میں خود بہت شرمندہ ہوں۔'' پروفیسر عادل نے شائستگی سے کہا۔

''کیا آپ کی شرمندگی اس داغ کو دھو سکتی ہے جو میرے وجود کو لگ گیا ہے۔ میں آمنہ صفی' جو مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی تھی' کیا اب کسی سے نظریں ملا سکوں گی۔ میں جس کا قلم کسی سے خوف نہیں کھاتا تھا' کیا اب اتنی روانی سے لکھ سکوں گی؟'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''پروفیسر عادل' میرے جیسے متوسط طبقے کی لڑکی' جس پر پہلے ہی بغاوت کا الزام لگ چکا ہو اور جس کا منگیتر اسے یہ کہہ کر ٹھکرا چکا ہو کہ کام کرنے والی لڑکی کی شرافت مشکوک ہوتی ہے' اس حادثے کے بعد اس کی معاشرے میں کیا پوزیشن ہو سکتی ہے؟''

''مس آمنہ' زندگی میں بعض اوقات ایسے حادثات اچانک رونما ہوتے ہیں اور میں مانتا ہوں کہ یہ حادثات بہت دور تک اپنا اثر چھوڑتے ہیں پھر بھی کہوں گا پلیز...... بی بریو BE BRAVE لوگ آہستہ آہستہ بھول جائیں گے سب کچھ۔''

''لوگ بھول جائیں گے سب کچھ...... لیکن میں...... کیا میں بھول جاؤں گی۔'' آمنہ صفی کے چہرے کی وحشت بڑھ گئی تھی۔

''کیا میں بھول جاؤں گی کہ میں نے ایک اچھے انسان سے ملنے کے شوق میں' اس سے کچھ حاصل کرنے کے شوق میں کیا کر لیا اپنے ساتھ۔ کاش' کاش میں آپ کے گھر نہ آتی عادل خان۔''

گاڑی شفاف سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ پروفیسر عادل نے کسی قدر الجھ کر آمنہ صفی کی طرف دیکھا۔ آخر

اس میں ان کا کیا قصور تھا' یہ حادثہ تو کہیں بھی ہو سکتا تھا۔

''اگرچہ یہ محض اتفاق تھا کہ میرے گھر سے جاتے ہوئے یہ حادثہ آپ کے ساتھ ہوا...... پھر بھی مس آمنہ' بی لیو می میں دل میں اس پر شرمندہ ہوں۔''

''ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔

''مس آمنہ!'' اس کی اس طنزیہ مسکراہٹ نے پروفیسر عادل کو اور بھی الجھا دیا ''پلیز مس آمنہ' میں آپ کی بات سمجھ نہیں رہا ہوں۔ آپ کھل کر بات کریں۔''

''کچھ نہیں۔ سوری عادل خان' میں شاید اپنے آپ میں نہیں ہوں۔'' آمنہ صفی باہر دیکھنے لگی۔

''آمنہ صفی' میں اس ناکردہ جرم کا کفارہ کس طرح ادا کر سکتا ہوں۔''

ان کے لہجے میں گداز تھا۔ آمنہ صفی کے لیے ہمدردی تھی' دکھ تھا۔ وہ سچ مچ اس اونچے اونچے قہقہے لگانے والی لڑکی کے لیے دل گرفتہ ہو رہے تھے جو پہلے والی آمنہ صفی سے قطعی مختلف لگ رہی تھی۔

''کفارہ؟'' آمنہ صفی نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا ''کیا آپ واقعی کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں؟''

''کوشش تو کر سکتا ہوں خاتون!'' وہ نرمی سے مسکرائے۔

''تو آپ مجھ سے شادی کر لیں۔''

اسٹیئرنگ پر رکھے ان کے ہاتھ لحظہ بھر کو کانپ گئے۔ انہیں لگا' جیسے کسی نے ان کے کانوں کے قریب دھماکا کر دیا ہو۔ انہوں نے بے حد حیران ہو کر آمنہ صفی کی طرف دیکھا۔

یہ بھلا کیسے ممکن ہے...... اور یہ آمنہ صفی کیا کہہ رہی ہے۔ کہیں ان کے کانوں نے غلط تو نہیں سنا۔ انہوں نے تصدیق کے لیے آمنہ صفی کی طرف دیکھا جو بات کر کے بے نیازی سی ونڈ اسکرین پر جانے کیا دیکھ رہی تھیں۔

اور یہ کفارہ...... اور اس سارے حادثے میں وہ بھلا کہاں فٹ ہوتے ہیں...... اور اس میں ان کی غلطی کیا ہے؟

انہوں نے بے حد الجھ کر پیچھے دیکھا۔ جیسے وہ مسرور سے مدد چاہتے ہوں اور جیسے مسرور انہیں اس الجھن سے باہر نکال لے گا لیکن مسرور آنکھیں بند کیے' ان دونوں کی گفتگو سے انجان جانے کس سوچ میں غرق تھا۔ وہ مایوس ہو کر پھر سامنے دیکھنے لگے۔ آمنہ صفی اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ غیر ارادی طور پر ہی ایکسیلیٹر پر ان کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا۔ آمنہ صفی نے چونک کر انہیں دیکھا۔ پیشانی پر بے شمار شکنیں لیے' ہونٹ بھینچے وہ گہری سوچ میں تھے۔

یہ آمنہ صفی نے کیوں کہا؟

کیوں اتنی بڑی بات کر دی؟

کیوں ڈال دیا انہیں اتنے بڑے امتحان میں۔

اور کیا وہ اس امتحان میں سرخ رو ہوسکیں گے؟

اور...... اس امتحان کا کوئی جواز تو ہوگا' کوئی وجہ تو ہوگی آمنہ صفی کے پاس...... ورنہ میں' جو آج سے چند دن پہلے تک آمنہ صفی کو ٹھیک طرح سے جانتا تک نہ تھا بس نام سن رکھا تھا صرف' وہ مجھے کیوں ڈالتیں اس امتحان میں۔ کوئی ریزن ضرور ہوگا اور اگر وہ ریزن اتنا مضبوط ہوا کہ وہ......

ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔

یہ آمنہ صفی...... جس نے بڑی بے باکی سے اپنی خواہش بیان کر دی اور...... اور وہ حریم عبدالرحمٰن۔

ان کی چچا کی بیٹی جو کچھ نہیں کہتی تھی۔

لیکن جس کی آنکھیں بولتی تھیں۔

جو کوئی شکوہ نہیں کرتی تھی لیکن اس کا پورا وجود شکوہ لگتا تھا۔

سرتاپا شکایت۔

وہ دلکش سی حریم جس کے لیے بڑی آپا اور ماں جی کے کہنے کے باوجود وہ اپنے دل کے دروازے وا نہیں کر پا رہے تھے حالانکہ کتنی بار انہوں نے پورے خلوص سے اس کے لیے سوچا تھا لیکن ہر بار ان کا دل ان کے لیے رکاوٹ بن جاتا۔

مچلنے لگتا۔

ضد کرنے لگتا۔

پتا نہیں' کیا چاہتا تھا وہ؟

کہاں قیام کرنا تھا اسے۔

اور کہاں ٹھہرنا تھا؟

کون سی آس تھی جو انہیں اب تک کوئی بندھن باندھنے سے روکے ہوئی تھی۔

تو کیا اس ساری جدوجہد' ساری تگ و دو اور انتظار کا حاصل یہ تھا۔

ایک ناکردہ جرم کی سزا۔

ایک ان چاہا امتحان۔

ایک دم ہی جیسے صدیوں کی تھکن ان کی رگوں میں اتر آئی۔ انہیں لگا' جیسے وہ اب تک جس ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے کی طلب میں بھاگ رہے تھے' وہ تو ایک سراب تھا۔ ان کا حلق پیاس سے خشک ہونے لگا۔ انہوں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر ایک گہرا لمبا سانس لیا اور ایک دم بریک لگائے۔

''آمنہ صفی!'' انہوں نے اپنی سلگتی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں' ''آپ نے یہ جس امتحان

میں مجھے ڈال دیا ہے' میرے انتخاب کی کوئی وجہ تو ہوگی آپ کے پاس' کوئی جواز......'' ان کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا اور بکھرا بکھرا سا تھا' جیسے کوئی اپنی ساری پونجی ہار بیٹھا تھا۔

آمنہ صفی خاموش بیٹھی جیسے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

''آمنہ صفی۔ میں ایک COMMITED شخص ہوں اور......'' انہوں نے جیسے اندر کے کسی دکھ سے گھبرا کر بات نامکمل چھوڑ کر سر سیٹ کی پشت سے ٹیک لیا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر بے چینی سے ملنے لگے۔

آمنہ نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی اور اپنا بایاں ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھا۔

''بے شمار لوگوں کا کہنا ہے کہ پروفیسر عادل از اے گریٹ مین۔ لیکن عادل' بڑا مشہور ہونے میں اور سچ مچ بڑا ہونے میں بہت فرق ہے۔''

پروفیسر عادل چونک کر سیدھے ہوگئے۔ اس نے دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔

''آمنہ صفی!'' پروفیسر عادل کے لب کھلے اور بند ہوگئے۔ وہ اسے بلانا چاہتے تھے' اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ ابھی ابھی کیا کہہ گئی ہے۔

اس نے ان کو خود ہی اس امتحان کے لیے منتخب کیا تھا اور پھر خود ہی انہیں پرچہ حل کرنے کا موقع دیے بغیر نتائج سنا کر جا رہی تھی۔ کیسی عجیب عورت ہے یہ آمنہ صفی۔ لمحوں میں ان کے اندر بھونچال اٹھا کر خود اطمینان سے چل دی۔

''سر یہ آمنہ صفی راستے میں ہی اتر گئیں؟'' مسرور نے جو آمنہ صفی کے اترنے سے اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آ گیا تھا' پوچھا لیکن پروفیسر عادل نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔

❀ ❀ ❀

رافع اسپتال کے گیٹ پر کھڑی مریم کو دیکھ کر ڈاکٹر شہریار رک گئے۔ وہ کچھ پریشان سی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

''آپ یہاں! خیریت ہے نا مس مریم۔ کہیں آپ کی سہیلی نے پھر کوئی حماقت تو نہیں کر دی۔''

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اس کی پرشوق نظریں مریم کے چہرے پر تھیں۔

''ہاں۔ نہیں تو وہ میرے پاپا......'' مریم نے چونک کر شہریار کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا آپ کے پاپا کو؟'' شہریار سنجیدہ ہوگیا۔

''وہ...... ان کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو آ گئے جنہیں ضبط کرنے کی کوشش میں وہ بار بار پلکیں جھپک رہی تھی' ''وہ آئی سی یو میں ہیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''کون ہے آپ کے ساتھ۔''

''انکل ہادی لائے ہیں انہیں' ڈاکٹر عاصم ہادی۔ عاصم کلینک والے۔''

''اچھا اچھا۔ لیکن آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ اندر ہاسپتال میں آ کر بیٹھیں۔''

''وہ...... وہ دراصل میں ماما کو دیکھنے آئی تھی۔ وہ گھر پر نہیں تھیں۔ بعد میں...... ان کے جانے کے بعد پاپا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔''

''آپ پلیز اندر چلیں' یہاں کھڑا ہونا اچھا نہیں لگ رہا۔ کم آن' آپ کی ماما آجائیں گی' ڈونٹ وری۔ پاپا ٹھیک ہو جائیں گے انشاء اللہ......'' شہریار نے اسے تسلی دی اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے' اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ کوریڈور میں ہی اسے ڈاکٹر ہادی مل گئے۔

''پاپا کیسے ہیں؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا۔

''ٹریٹمنٹ دیا جا رہا ہے' تم کہاں چلی گئی تھیں؟''

''باہر گئی تھی۔ ماما کو دیکھنے۔ صفیہ اور شریف سے میں نے کہہ دیا تھا کہ وہ ماما کو بتا دیں۔ یہاں کا۔''

''سر' السلام علیکم۔'' شہریار جو ایک طرف خاموش کھڑا تھا' اب نے ڈاکٹر ہادی کو سلام کیا تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ارے شہریار بیٹا' کیسے ہو؟''

''فائن سر!''

''تم یہاں کیسے' تمہیں تو ہائر ایجوکیشن کے لیے باہر نہیں جانا تھا کیا......؟''

''ہاں' لیکن بابا کی مرضی نہیں تھی اور بابا کو ناخوش نہیں کر سکتا' سو یہاں جوائن کر لیا۔''

''یہ ڈاکٹر شہریار ہیں' میرے اچھے اسٹوڈنٹ رہے ہیں۔'' انہوں نے تعارف کرایا ''اور یہ مریم ہے میرے بہت عزیز دوست کی بیٹی ہے۔''

''ان سے تعارف ہے پہلے سے۔''

''ارے کیسے؟'' ڈاکٹر ہادی کو حیرت ہوئی۔

''محض اتفاق......!'' وہ مسکرایا اور اس نے کن انکھیوں سے مریم کی طرف دیکھا جو اس کی طرف سے بے نیاز سی کھڑی پریشانی کے عالم میں نچلے ہونٹ کا کونا چبائے جا رہی تھی۔

''چند دن قبل یہاں میڈم نرگس کی بیٹی ایڈمٹ تھیں جو غالباً ان کی سہیلی ہیں۔''

''ہوں......'' ڈاکٹر ہادی نے سر ہلایا اور مریم کی طرف دیکھا ''بیٹی' تم بالکل پریشان نہیں ہونا۔ تمہارے پاپا کو معمولی سا اٹیک ہوا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم ادھر بیٹھ جاؤ' میں ذرا دیکھتا ہوں۔''

مریم پیچھے ہٹ کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔

شہریار نے ڈاکٹر ہادی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے غیر ارادی طور پر مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا۔

یہ لڑکی

پچھلے کئی دنوں سے وہ اس کے متعلق ارادی اور غیر ارادی طور پر سوچے چلا جا رہا تھا۔

کتنی معصومیت ہے اس کے چہرے پر اور کتنی دلکشی اور جاذبیت ہے۔ عجیب طرح کی کشش ہے۔ دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے۔

جب پہلی بار اس نے اسے لالہ کے کمرے میں دیکھا تھا۔ تو دل ہی دل میں سراہا تھا۔ معصومیت اور دلکشی کا ایسا امتزاج بہت کم لڑکیوں کے چہرے پر ہوتا ہے۔

اور پھر اس کی آنکھیں۔

کتنی بے تحاشا خوب صورت تھیں۔

ایک دم سیاہ چمکتی ہوئی سی۔

اور پلکیں اتنی گھنی' اتنی لمبی' پہلی نظر غیر ارادی تھی۔

دوسری بار اس نے ارادتاً اسے دیکھا تھا اور لمحہ بھر دیکھتا رہا تھا اور پھر گھر جا کر بھی یہ چہرہ کتنی ہی دیر تک اس کے تصور میں رہا۔

اور جب کچھ دنوں تک اس کا خیال اس کے ذہن سے نکل گیا تو اس نے اسے میڈم نرگس کی پارٹی میں دیکھا اور وہ اسے وہاں موجود تمام لڑکیوں سے زیادہ خوبصورت لگی اور وہیں لمحہ بھر کے لیے اسے خیال آیا تھا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر یہ...... یہ لڑکی زندگی کے سفر میں اس کی ہم سفر بن جائے۔

اور پھر خود ہی اپنے اس خیال پر اسے ہنسی آ گئی تھی۔

کمال ہے شہریار خان!

ایک لڑکی جسے صرف دو بار دیکھا ہے تم نے' اس کی ہم سفری کے خواب دیکھنے لگے ہو۔

پتا نہیں کون ہے؟

کیا خبر انگیجڈ ہو۔

کیا خبر کہیں انٹرسٹڈ ہو اور پتا نہیں پھر کبھی اسے دیکھوں بھی یا نہیں۔

اپنی اس امیچور سوچ پر اسے بڑی حیرت ہوئی تھی۔

اور آج پھر وہ اس کے سامنے تھی اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھے' اس سے بات کرے۔ وہ اتنی پریشان ہے' اسے تسلی دے لیکن ڈاکٹر ہادی کی وجہ سے وہ رکا رہا...... اس کی کتنی ہی کلاس فیلوز تھیں۔

جو خوب صورت بھی تھیں' ذہین بھی۔

لیکن اس سے پہلے کبھی اس نے کسی کے متعلق اس طرح نہیں سوچا تھا۔

کیا یہ کوئی اور جذبہ ہے؟

پہلی ہی نظر میں کسی کو پسند کر لینے کا جذبہ۔

آئی سی یو کی طرف مڑتے ہوئے اس نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا لیکن مریم کے قریب کوئی اور خاتون آکر بیٹھ گئی تھیں لہٰذا وہ اسے نظر نہ آسکی تو وہ ڈاکٹر ہادی کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے معید کے جانے کا بتا رہے تھے۔

مریم سر جھکائے پریشان سی بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھ لیتی تھی۔ ماما ابھی تک نہ آئی تھیں۔ شاید وہ ڈاکٹر معید کو سی آف کر کے کہیں اور چلی گئی ہوں گی۔

میڈم نرگس یا مسز آفندی کی طرف۔

یا پھر...... یا پھر کہیں اور

مجھے چاہیے تھا' آنٹی نرگس کو فون کر دیتی۔

ماما نہ آتیں تو وہ خود آجاتیں۔

یہ خوبی تو تھی ان میں۔ سنتے ہی بھاگی چلی آتیں۔ مسز آفندی کے میاں بیمار ہوئے تھے تو مسز آفندی ایران میں تھیں۔ اسپتال میں باقاعدہ ڈیوٹی دی تھی انہوں نے۔ پاپا آئی سی یو میں ہیں اور پتا نہیں...... پتا نہیں......

اس نے بے اختیار اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو بہ مشکل روکا۔

عاشی' نینا اور مور مری میں ہیں۔

اور وہ تینوں بھی اس کی طرح پاپا کو کتنا چاہتے ہیں۔

اور کتنا پریشان ہوں گے وہ' جب انہیں پتا چلے گا کہ پاپا اتنے بیمار ہیں۔

اس نے پھر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور اس کی نظر اچانک ماما پر پڑی۔ وہ ادھر ہی آرہی تھیں۔

''ماما!'' وہ ایک دم کھڑی ہو گئی اور ان کے قریب آتے ہی ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

''مومو!'' انہوں نے آہستگی سے اسے الگ کرتے ہوئے گھورا' ''یہ کیا حماقت ہے' لوگ کیا کہیں گے؟''

''ماما...... وہ...... وہ پاپا......''

''کہاں ہیں؟'' انہوں نے بدستور سخت لہجے میں پوچھا۔

''آئی سی یو میں' ہارٹ اٹیک ہے۔''

''ہوں۔'' انہوں نے ایک قدم آگے بڑھایا اور پھر سامنے سے ڈاکٹر ہادی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہیں رک گئیں' جنہوں نے انہیں دیکھ لیا تھا اور دور سے ہی ہاتھ کا اشارہ کر کے جیسے تسلی دی تھی۔ مریم

کے آنسو ابھی تک بہہ رہے تھے اور وہ ہلکے ہلکے سسکیاں لے رہی تھی۔

''مومو' صاف کرو اپنا چہرہ۔ مجھے تمہاری یہ جذباتیت بالکل پسند نہیں ہے۔ کیا کبھی کوئی بیمار نہیں ہوتا۔ ٹھیک ہو جائیں گے' تمہارے پاپا۔''

''ماما!'' مریم نے ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

ماما ذرا بھی پریشان نہیں لگ رہی تھیں اور پاپا...... ماما کی ذرا سی بیماری پر کتنے پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ بار بار ڈاکٹر ہادی کو فون کرتے۔ ان کے آرام کی خاطر اسٹڈی میں چلے جاتے لیکن تھوڑی دیر بعد جا کر انہیں دیکھا کرتے۔ یوں لگتا تھا' جیسے وہ رات بھر سوتے ہی نہ ہوں۔

''کیا ماما کو پاپا سے محبت نہیں ہے ذرا بھی؟''

اس نے بے تکے پن سے سوچا۔

''اوہ مسز عثمان' شکر ہے آپ آگئیں۔'' ڈاکٹر ہادی ان کے قریب آگئے' ''مومو بہت پریشان ہو رہی تھی۔''

''عثمان کو کیا ہوا؟ میں تو اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی۔''

''جھوٹ!'' مریم نے دل ہی دل میں سوچا' پاپا کی طبیعت تو اس وقت بھی خراب ہو رہی تھی بلکہ انہوں نے روکا بھی تھا لیکن ماما کتنی صفائی سے جھوٹ بول رہی ہیں۔ اس وقت اسے ماما بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

''شاید اچانک درد ہوا لیکن تھینک گاڈ کہ وہ خطرے سے باہر ہیں۔ کچھ دیر تک انہیں روم میں لے آتے ہیں۔ ہارٹ اٹیک میں بیڈ ریسٹ اور احتیاط بہت ضروری ہے۔ فی الحال تو کچھ دن اسپتال میں ہی رہیں گے۔''

''میں انہیں دیکھ سکتی ہوں؟''

''بالکل...... بلکہ ابھی انہیں کمرے میں لا رہے ہیں۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ڈاکٹر رافع بہت اچھے ڈاکٹر ہیں۔ میں ڈاکٹر رافع کی وجہ سے تو عثمان صاحب کو ادھر لایا ہوں ورنہ اپنے اسپتال میں مجھے زیادہ سہولت تھی۔''

''جی ڈاکٹر ہادی۔ جیسا آپ نے بہتر سمجھا۔'' زینب عثمان سنجیدہ نظر آرہی تھیں۔

''اچھا' اب چلتا ہوں مسز عثمان۔ ڈاکٹر شہریار یہاں ہیں۔ انہیں میں نے سمجھا دیا ہے۔ کوئی پرابلم ہو تو ان سے کہیے گا۔ میں چکر لگاتا رہوں گا۔ غالباً روم نمبر ۱۱ میں انہیں منتقل کیا جائے گا۔ آپ شہریار سے کنفرم کر لیجیے گا۔''

مسز عثمان نے سر ہلا دیا۔

''اور مریم بیٹی' اپنے پاپا کا خیال رکھنا۔''

وہ مسکرائے۔

"بہت چھوٹا دل ہے ہماری بیٹی کا مسز عثمان۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں پھر گیلی ہونے لگیں۔

"میرے پاپا ٹھیک تو ہو جائیں گے؟" اس نے بھیگی آواز میں پوچھا۔

"انشاء اللہ۔ تم دعا کرنا تو جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

وہ مسز عثمان سے اجازت لے کر چلے گئے تو مریم نے کہا۔

"ماما، عاشی، نینا اور مور کو فون کر کے بتا دیں نا پاپا کا۔"

"کیوں؟" انہوں نے تیوری چڑھائی۔ "انہیں بھلا ڈسٹرب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم سچ مچ بہت احمق لڑکی ہو مومو۔" اسے تنبیہ کر کے اور اسے وہیں کھڑا رہنے کا کہہ کر وہ آئی سی یو کی طرف چلی گئیں اور مریم ایک بار پھر کوریڈور میں اکیلی رہ گئی۔

❁❁❁

"پاپا پلیز یہ تھوڑا سا سوپ لے لیں۔" مریم نے آہستگی سے ان کا ہاتھ چھوا تو انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور مسکرائے۔ تکیے سے ٹیک لگائے وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر نقاہت تھی۔ اگرچہ انہیں آج اسپتال میں داخل ہوئے ایک ہفتہ ہونے کو تھا لیکن پھر بھی ابھی تک وہ بہت بہتر محسوس نہیں کر رہے تھے۔ زمین پر پاؤں رکھتے تو ٹانگیں کانپتی تھیں۔

"یہ اتنی کمزوری کیوں ہے ڈاکٹر؟" انہوں نے دو تین بار ڈاکٹر رافع سے پوچھا تھا۔

"ہو جاتی ہے ویکنس، عثمان صاحب پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" انہوں نے تسلی دی تھی۔

"پاپا۔" مریم نے بھی مسکرا کر انہیں دیکھا "میں نے آج خود آپ کے لیے سوپ بنایا ہے۔ بہت اچھا ہے آپ چکھ کر تو دیکھیں۔"

"ہماری بیٹی نے بنایا ہے تو ہم ضرور پئیں گے۔" انہوں نے سوپ اس کے ہاتھوں سے لے لیا...... "آج کالج گئی تھیں بیٹی؟"

"جی پاپا۔" وہ ان کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "جانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن ماما کے ڈر سے چلی گئی۔ میری فرینڈز بھی آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ عینی کہہ رہی تھی کہ وہ آپ کو دیکھنے آئے گی ادھر۔ اس کے بھائی بھی ادھر ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر شہریار...... مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ ڈاکٹر شہریار اس کے بھائی ہیں۔" "تو میں نے آج اسے بتایا کہ پاپا رافع اسپتال میں ہیں تو تب اس نے بتایا۔"

"اچھا تو ڈاکٹر شہریار تمہاری فرینڈ کے بھائی ہیں۔" عثمان احمد نے اس کی باتوں کو دلچسپی سے سنا اور سوپ کا سپ لیا۔

"جی پاپا۔ کیا وہ راؤنڈ پر آئے تھے؟"

"ہوں۔ صبح تو چکر لگا گئے تھے۔ اب شاید وہ آئیں یا کوئی اور۔"

"وہ آئیں تو میں ان کو عینی کے متعلق بتاؤں گی۔"

"ضرور بتانا بھئی۔ شاید وہ اپنی وزٹ فیس چھوڑ دیں۔" عثمان احمد مسکرائے۔

"نہیں پاپا۔ میں اس لیے تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

عثمان احمد نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"موموبیٹا، کالج باقاعدگی سے جایا کرو۔ اب چھٹی نہیں کرنا۔ میں تو اب بالکل اچھا ہوں۔"

"لیکن پاپا، آپ گھر کب آئیں گے۔"

"ایک دو روز میں انشاء اللہ۔"

سوپ کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتے رہے۔ وہ محبت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اور یہ موموکتنی لونگ اور کتنی کیئرنگ ہے۔ کتنا خیال رکھا ہے اس نے میرا زینی سے بھی زیادہ۔ اپنی ماں سے بہت مختلف، حساس اور سمجھ دار۔ پتا نہیں نینا اور عاشی بھی ایسی ہی ہوں گی یا پھر اپنی ماں جیسی۔ ان چند دنوں میں انہیں احساس ہوا تھا کہ شاید وہ موموسے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ نینا، عاشی اور مور سے بھی زیادہ۔

اور وہ جو کبھی کبھی اس سے خفا ہوتے تھے تو اس کی وجہ غالباً زینب تھی۔

اس کی ناراضگیاں اور خفگی تھی۔

اس کے ڈر اور خوف تھے کہ وہ اپنی اولاد تک سے دور ہو گئے تھے۔ خاص طور پر مریم سے۔

حالانکہ جب مریم پیدا ہوئی تھی تو وہ کتنے خوش ہوئے تھے۔ کیسی گڑیا سی لگتی تھی انہیں۔ خود وہ دو بھائی تھے۔ ان کی کوئی بہن نہیں تھی۔ کتنی خواہش تھی ان کی کہ ان کی کوئی بہن ہوتی۔

ان کی والدہ کی بھی بڑی خواہش تھی لیکن خدا نے انہیں بہن نہیں دی تھی اور اب مریم آئی تھی تو وہ بہت خوش تھے۔ بے حد۔ زینب کو حیرت ہوتی تھی، جب وہ اسے گود میں اٹھاتے تھے۔ پیار کرتے۔

"عثمان تم بہت پیار کرتے ہو مریم سے۔"

"ہاں۔ اپنی بیٹی سے کون پیار نہیں کرتا۔"

لیکن پھر زینی کی بیماری نے انہیں مریم سے دور کر دیا تھا اور وہ بھی زینب کی طرح سمجھنے لگے تھے کہ مریم ہی زینب کی بیماری کا سبب ہے حالانکہ مریم تو اتنی پیاری، اتنی بے ضرر تھی اور کتنا چاہتی تھی وہ زینی کو اور انہیں۔

"پاپا۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" مریم نے ان کے ہاتھ سے سوپ کا خالی پیالہ لے کر میز پر رکھا۔

"کچھ نہیں بیٹا۔ تمہاری ماما نہیں آئیں تمہارے ساتھ؟"

''آئی تھیں لیکن وہ باہر کوریڈور میں ایک صاحب مل گئے تھے' ان سے بات کرنے لگی تھیں۔''

''اچھا.....'' انہوں نے آنکھیں موندتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگالی۔

کتنا بے تحاشا چاہا تھا انہوں نے زینب کو۔ کتنی محبتیں دی تھیں اسے اور زینب شاید..... اسے محبتیں کرنا آتا ہی نہیں تھا۔ نہ محبتیں کرنا' نہ محبتوں کا رسپونس دینا۔ جو اس نے چاہا انہوں نے وہی کیا۔ اپنی شخصیت تک مسخ ہو کر رہ گئی تھی ان کی اور زینب عثمان..... زینب عثمان کے دل میں کیا تھا..... کون جانے.........

جب برسوں پہلے یونیورسٹی میں انہیں پتا چلا تھا کہ وہ انگیجڈ ہے تو کتنے بہت سارے دن انہوں نے ہاسٹل کے کمرے میں خاموش لیٹ کر گزار دیے تھے' جیسے ایک دم زندگی کا مقصد ختم ہو گیا ہو اور جیسے جینا اب بے معنی ہو۔ انہیں لگتا تھا جیسے ان کے گرد سارے رنگ مر گئے ہوں۔

اور ساری روشنیاں بجھ گئی ہوں۔

نہ محبتوں کا اظہار کیا تھا نہ دل کھول کر اس کے سامنے رکھا تھا کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ابرار حسن زبردستی انہیں ہاسٹل سے باہر لائے تھے۔

''یہ قنوطیت ہے بھائی۔ زندگی میں ایسے واقعات تو ہوتے رہتے ہیں اور پھر کون سا تم اس کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بس وہ تمہیں اچھی ہی تو لگی تھی اور خوبصورت چہرے کسے اچھے نہیں لگتے۔ یار' یہاں اپنی یونیورسٹی میں ایک سے ایک قاتل ادا موجود ہے۔ تم ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو سہی۔''

لیکن پھر کوئی چہرہ عثمان احمد کی نظر میں جچا ہی نہیں۔

کوئی لڑکی انہیں زینب سجاد کے ہم پلہ دکھائی نہیں دی۔

کسی لڑکی نے در دل پر دستک نہ دی۔

حتیٰ کہ انہوں نے اباجان کے کہنے پر زیتون بانو کو زندگی کا ساتھی بنا لیا لیکن کبھی غور سے انہیں دیکھا ہی نہیں..... نہ ان کی خدمتیں' نہ ان کی محبتیں۔

کوئی بھی چیز دل کے اندر بجھ جانے والے چراغوں کو روشن نہ کر سکی۔ حالانکہ وہ غور سے دیکھتے تو زیتون بانو بھی خوبصورتی میں زینب سجاد سے کچھ کم نہ تھیں۔

ہاں ان کے پاس وہ انداز نہیں تھے۔

وہ ادائیں نہیں تھیں۔

وہ خود آگہی نہیں تھی۔

جو حسن کو جلا بخشتی ہے۔

حسن خود آگاہ نہ ہو تو مٹی میں رلے ہوئے ہیرے کی طرح ہوتا ہے۔ جس پر کم ہی نگاہ ٹھہرتی ہے۔

زیتون بانو کے حسن میں بھی آگاہی نہ تھی۔

وہ تو عثمان احمد کے سامنے نظریں جھکائے رکھتی تھیں۔

وہ گھر آتے تو بچھ بچھ جاتیں۔

پڑھ رہے ہوتے تو یوں دبے پاؤں چلتیں جیسے ان کی چاپ بھی عثمان احمد کو ڈسٹرب کر دے گی۔

ہر وقت ان کے آرام کے لیے کوشاں رہتیں۔

لیکن عثمان کے خالی دل میں یوں ہی سناٹے رہتے۔

زیتون بانو کا کوئی رنگ بھی ان کی آنکھوں میں نہ کھبتا۔

باباجان حیران ہو کر سوچتے تھے کہ انہوں نے تو عثمان احمد کی خاموشی اور اداسی کا علاج ڈھونڈا تھا لیکن عثمان احمد پہلے سے زیادہ خاموش اور چپ چپ رہنے لگے تھے۔

''کیا بات ہے پتر اتنے چپ کیوں رہنے لگے ہو؟'' ایک روز انہوں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں بابا' بس بوریت ہو گئی ہے۔ کچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''الیکشن ہونے والے ہیں۔ اس بار تم کھڑے ہو جاؤ۔'' انہوں نے مشورہ دیا۔

''نہیں باباجان' مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو کچھ اور کرنا چاہتا ہوں..... کوئی مثبت کام۔''

''تو ایسا کرو' کوئی انڈسٹری وغیرہ لگالو۔''

''جی باباجان' میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' عثمان احمد خوش ہو گئے۔

''مصروفیت ہو جائے گی تو......''

شاید اس طرح زینب سجاد کا خیال دل سے نکل جائے..... شاید یہ دل میں منجمد ہو جانے والی اداسیاں ختم ہو جائیں اور شاید وہ رنگ جو پھیکے پڑ گئے ہیں ایک بار پھر نکھر جائیں اور باباجان کے ایک دوست سے جو خود بھی ایک بہت بڑے صنعت کار تھے' مشورہ کر کے وہ اس سلسلے میں مصروف ہو گئے اور ان ہی دنوں وہ ایک بیٹے کے باپ بھی بن گئے۔ اور بیٹے کو گود میں لے کر لمحہ بھر کے لیے انہیں یوں لگا تھا کہ دل میں ایک برف سی جمی تھی اس میں حرارت سی پیدا ہوئی ہو۔ ان دنوں زیادہ تر لاہور یا بھمبھر میں رہتے تھے۔ حویلی بہت کم جا پاتے تھے۔ باباجان کے دوست کے مشورے سے انہوں نے بھمبھر ٹیکسٹائل مل کے لیے زمین وغیرہ خرید لی تھی اور اس سلسلے میں بہت مصروف ہو گئے تھے۔ لون وغیرہ کے لیے اسلام آباد کے چکر بھی لگا رہے تھے لیکن جب بھی فرصت ملتی' بیٹے کا خیال دل میں چٹکی لیتا تو وقت نکال کر وہ حویلی ضرور آ جاتے۔ اسے گود میں لے کر پیار کرتے تو جیسے دل میں جمی اداسیاں پگھلنے لگتی تھیں۔

بھمبھر میں تعمیر کا کام شروع ہوا تو وہ مشینری خریدنے کے سلسلے میں پہلے جاپان اور پھر امریکا چلے گئے اور وہاں ہی ایک روز جب وہ ایک دوست سے ملنے نیوجرسی گئے تو انہوں نے زینب کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے اسی ڈاکٹر کزن کے ساتھ ایک اسٹور سے نکل رہی تھی۔ وہ وہیں ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ پہلے سے زیادہ

خوبصورت اور دلکش ہوگئی تھی۔ وہ وہیں ایک طرف کھڑے اسے دیکھتے رہے تھے اور وہ نہ جانے کس بات پر بے تحاشا ہنستی ہوئی ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو انہیں ایسا لگا جیسے ان کے دل میں لمحہ بھر کے لیے جو زندگی سی ابھری تھی پھر مرگئی ہو۔ خالی خالی دل لیے وہ وہاں سے واپس آگئے۔

لیکن انہیں یقین ہوگیا کہ زینب سجاد کبھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی اور یہ کہ شاید وہ زندگی میں کبھی اس کے بغیر خوش نہیں ہو پائیں گے اور شاید کبھی زندگی میں زیتون بانو کو وہ جگہ نہیں دے سکیں گے جو زینب سجاد کو انہوں نے دی تھی۔

حالانکہ زیتون بانو ان کے بیٹے کی ماں تھیں اور بیٹا خود بخود ہی انہیں عزیز ہوگیا تھا۔ بہت پیارا لگتا تھا وہ انہیں۔ حویلی میں آتے تو زیادہ وقت اس کے ساتھ ہی گزارتے لیکن بیٹے کی محبت بھی انہیں زیتون بانو کی طرف مائل نہ کرسکی تھی۔ وہ ہر سال نہ جانے کس توقع میں امریکا جاتے لیکن پھر کبھی زینب سجاد انہیں نظر نہ آئیں۔

زیتون بانو کو کبھی محسوس نہیں ہوسکا کہ عثمان احمد کے دل میں کوئی اور ہے۔ وہ ان کی خاموشی اور سنجیدگی کو ان کی عادت سمجھتی تھی لیکن ٹھیک سات سال بعد امریکا میں مجتبیٰ حیدر کے فلیٹ میں وہ انہیں مل گئی۔

بالکل ویسے ہی فریش اور دلکش۔

جیسے درمیان میں اتنے بہت سارے سال بیتے ہی نہ تھے۔

جیسے وہ ابھی ابھی یونیورسٹی سے نکل کر آئی تھی۔

''زینب سجاد کیسی ہیں آپ؟'' بے اختیار وہ ایک قدم آگے بڑھ آئے تھے اور ان کی آنکھوں میں روشنیاں سی کوندنے لگی تھیں۔

''آپ......'' زینب سجاد نے انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا ''عثمان احمد ہیں نا؟''

''آپ نے پہچان لیا زینب۔'' انہیں بے حد حیرت ہوئی تھی۔

''ہاں۔ میری یادداشت بہت اچھی ہے۔'' وہ مسکرائی تھی اور اس کی مسکراہٹ نے اس کے پورے چہرے کو روشن کردیا تھا۔

''آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔'' مجتبیٰ حیدر نے پوچھا۔

''ہم یونیورسٹی فیلو تھے۔'' زینب عثمان نے بتایا۔

''چلو' میں تعارف کی زحمت سے بچ گیا۔'' مجتبیٰ حیدر نے یوں ہاتھ جھاڑے' جیسے تعارف کرانا ایک بہت مشکل مرحلہ تھا۔ جس سے وہ بچ گئے ہوں۔

مجتبیٰ حیدر ایک نوجوان کہانی کار تھے جو اپنی بے حد رومینٹک کہانیوں کی وجہ سے نوجوان نسل میں بے حد مقبول ہورہے تھے اور چار سال قبل لاہور میں ابرار حسن نے عثمان احمد سے ان کا تعارف کرایا تھا۔ آج کل وہ وائس آف امریکا میں ملازم تھے اور عثمان احمد جب بھی امریکا آتے ان سے ضرور ملتے۔ مجتبیٰ حیدر

کے مزاج کی شوخیاں۔

ان کی برجستہ گفتگو۔

ان کا خلوص اور محبتیں عثمان احمد کو ان کے پاس لے آتے تھے۔ بڑا سحر تھا ان کی شخصیت میں۔

ان کی موجودگی میں کوئی بور نہیں ہوتا تھا۔

زندگی سے بھرپور گفتگو کرتے تھے۔ زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی تھی۔

''تعارف کی ضرورت تو ابھی بھی ہے مجتبیٰ اس لیے کہ ہم تقریباً دس سال کے بعد مل رہے ہیں اور یونیورسٹی میں صرف دیکھا تھا۔ تعارف نہیں ہوا تھا باقاعدہ' بس نام کی حد تک واقفیت تھی۔''

زینب سجاد کی نظریں عثمان احمد کے چہرے پر تھیں اور عثمان احمد کو یوں لگ رہا تھا جیسے کائنات کی گردش تھم گئی ہو۔

''میں نے سات سال قبل بھی آپ کو دیکھا تھا نیوجرسی میں۔'' عثمان احمد جیسے خواب کی سی کیفیت میں تھے ''آپ اسٹور سے نکل رہی تھیں اور آپ کے ساتھ شاید آپ کے وہ ڈاکٹر کزن تھے جو ایک دوبار یونیورسٹی بھی آئے تھے۔''

''اوہ تو آپ نے ہمیں پکارا بھی نہیں۔''

''میں نے سوچا' شاید آپ مجھے نہ پہچان سکیں۔''

''اور دیکھیں' میں نے آپ کو دس سال بعد بھی پہچان لیا۔'' زینب پھر ہنسی۔

اور وہ اس کی ہنسی میں گم سے ہوگئے

''تو جناب تعارف یہ ہے۔'' مجتبیٰ حیدر نے کھنکار کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا ''یہ عثمان احمد ہیں' جاگیردار ہیں اور ہر جاگیردار کی طرح ایک ٹیکسٹائل مل کے مالک بھی ہیں اور یہ مسز زینب ملک ہیں' جتنی خوبصورت ہیں' اتنی خوبصورت باتیں بھی کرتی ہیں۔ میاں ڈاکٹر ہیں اور یہ آج کل ماڈلنگ کررہی ہیں۔''

''ماڈلنگ؟'' عثمان احمد کو حیرت ہوئی تھی۔

''حسن ہو' دلکشی ہو' خوبصورتی ہو تو......''

''مجتبیٰ۔''...... زینب عثمان نے ایک دلکش مسکراہٹ اس کی طرف پھینکی...... ''کہانیاں لکھنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ بندہ ہر وقت کہانیاں ہی بولتا رہے۔''

''کہانیاں بھی تو آپ جیسی حسین خواتین ہی تخلیق کرواتی ہیں۔ آپ یقین کریں گی مسز ملک کہ جب آپ سے ملاقات ہوتی ہے تو ایک نئی کہانی تخلیق کے مراحل سے گزرنے لگتی ہے۔ نہ جانے اب تک کتنی کہانیاں تخلیق کرچکا ہوں' صرف آپ سے مل کر۔''

''جھوٹ کم بولا کرو مجتبیٰ۔'' اس نے تنبیہہ کی۔

''جھوٹ کہاں......'' مجتبیٰ حیدر نے کانوں کو ہاتھ لگائے ''ہزار پہلو ہیں آپ کے حسن دل نواز کے۔ کبھی ہونٹوں کی ہنسی' کبھی آنکھوں کی چمک' کبھی گالوں کے گلال' کبھی زلفوں کی سیاہی کسی کہانی کی تخلیق کا باعث بن جاتی ہے لیکن پھر بھی جیسے کئی پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔ کیوں عثمان' صحیح کہہ رہا ہوں نا؟''

اور عثمان احمد چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ وہ کیا کہتے۔ انہیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں لٹے تھے۔

ہونٹوں کی ہنسی نے انہیں زنجیر کیا تھا یا آنکھوں کے سمندر لے ڈوبے تھے۔

ہونٹوں کی دل آویزی نے سحر طاری کیا تھا یا رخساروں پر کھلتی شفق اور سانچے میں ڈھلے جسم نے اسیر کیا تھا۔

وہ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ دس سال سے وہ اس زینب ملک کے اسیر ہیں' اور انہوں نے خدا جانتا ہے زندگی میں کبھی اس اسیری سے رہائی کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی کوئی انہیں اس اسیری سے آزاد کرا سکا ہے۔

نہ زیتون بانو کی خدمت گزاریاں اور محبتیں۔

نہ ننھے بیٹے کی پیاری پیاری باتیں۔

اور نہ بے تحاشا مصروفیات۔

''خیر تم ابھی کیا کہہ سکتے ہو۔ رنگ تو ہولے ہولے کھلیں گے۔'' مجتبیٰ حیدر نے خود ہی جواب دے دیا تھا۔

اور اس ملاقات کے بعد بھی وہ کتنی بار مجتبیٰ حیدر کے فلیٹ میں زینب ملک سے ملے اور ہر بار انہیں بڑی شدت سے احساس زیاں ہوا۔ جیسے ان کا کوئی بہت بڑا نقصان ہو گیا ہو۔

زینب عثمان ہر بار ہی ان سے اچھی طرح ملیں۔

اور اگر...... ہر ملاقات پر انہوں نے سوچا دس برس پہلے وہ زینب عثمان کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتے تو...... تو شاید......

زینب عثمان کا ہر انداز دلربا تھا اور مجتبیٰ حیدر نے اسے بتایا تھا کہ ''زینب کا اپنے شوہر کے ساتھ اختلاف ہے۔ وہ اچھا سرجن تو ہے لیکن شاید ایک اچھا شوہر نہیں اور پچھلے ایک سال سے یہ اختلافات شدت اختیار کر گئے ہیں۔ نوبت طلاق تک پہنچ چکی ہے لیکن......''

''لیکن شاید بچے۔'' عثمان احمد نے خیال ظاہر کیا ''شاید بچوں کی وجہ سے وہ کمپرومائز کر لیتے ہوں گے۔''

''نہیں۔ بچے تو ہیں ہی نہیں۔ دراصل ملک صاحب شریف آدمی ہیں' سو نبھ رہی ہے اور زینب بھی نباہ رہی ہیں۔ اگر زینب طلاق لے لیں تو کوئی بھی شخص ان سے شادی کر لے گا۔''

اور عثمان احمد نے گہری نظروں سے مجتبیٰ حیدر کو دیکھا کہ کیا مجتبیٰ حیدر ایسا چاہتے ہیں کیونکہ مجتبیٰ بھی اپنی

ذاتی زندگی میں بھی بہت رومینٹک مشہور تھے۔ ابھی تک بیچلر تھے۔ اس لیے لڑکیاں ان کے ارد گرد موجود ہی رہتی تھیں اور وہ کسی کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ خوبصورت لفظوں اور خوبصورت باتوں سے سب کو مالا مال کرتے رہتے تھے۔

''کیا آپ بھی مجتبیٰ......؟''

''ارے نہیں' ہرگز نہیں۔'' مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا تھا ''میں ایک شادی شدہ عورت سے شادی نہیں کروں گا۔ چاہے وہ عورت زینب ملک جیسی خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔ شادی کے متعلق نقطہ نظر بالکل الگ ہے میرا۔''

''محبت۔ شدید اور گہری محبت

اور پھر اس کے بعد شادی۔

چھوٹی موٹی محبتیں تو میں نے بہت کی ہیں لیکن ابھی تک اتنی شدید اور گہری محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی کہ شادی کروں۔''

اور اس رات عثمان احمد بہت رات تک جاگتے رہے تھے اور سوچتے رہے تھے کہ اگر زینب عثمان اپنے شوہر سے علیحدگی لے لیں تو کیا وہ...... وہ اس سے شادی کر سکتے ہیں...... تو انہیں لگا جیسے یہ ایک بہت مشکل کام ہے......

زیتون بانو

بابا جان

اور پھر ان کا بیٹا......

بہت ساری رکاوٹیں تھیں۔

بابا جان کبھی نہیں مانیں گے۔

زیتون بانو بھی اجازت نہیں دیں گی۔

انہیں لگا جیسے وہ منزل پر آ کر بھی پیاسے ہی رہیں گے۔ جیسے اب کچھ بھی اختیار میں نہیں رہا تھا۔

انہیں بابا جان کے غصے سے خوف آتا تھا۔

وہ خاندان کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

صرف زیتون بانو تو نہیں تھیں۔

ان کا بیٹا تھا۔

بابا جان تھے' ماں تھیں۔

اتنی شدید محبت کرنے کے باوجود وہ زینب ملک کی ہمراہی کا خواب نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ ان کے

لیے شاید ہمیشہ ہی دور آسمان پر چمکتا ستارہ رہیں گی۔ ان کی دسترس اور رسائی سے دور......

اور جیسے ہار کر انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں اور بند آنکھوں کے اندر آنسو مچلنے لگے تھے اور نارسائی کا کرب دل کو چھیلنے لگا تھا اور انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اب کبھی مجتبیٰ حیدر کے فلیٹ نہیں جائیں گے تاکہ نہ وہ انہیں دیکھیں اور نہ دل کا درد سوا ہو......

اور پورے ایک ماہ وہ درد چھپائے اِدھر اُدھر گھومتے رہے اور ایک ماہ بعد جب وہ پاکستان واپس آ رہے تھے تو ملنے کی غرض سے مجتبیٰ کی طرف گئے اور مجتبیٰ حیدر کے اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اترتی ہوئی زینب ملک کی بے تحاشا سرخ آنکھیں اور بھیگی پلکیں دیکھ کر وہ مجتبیٰ حیدر کی طرف جانے کے بجائے اس کا ہاتھ تھام کر اسے ایک قریبی ریسٹورنٹ میں لے گئے تھے اور پھر خوشبو میں بسے ٹشوز سے بار بار ناک صاف کرتے اور آنکھیں پونچھتے ہوئے زینب ملک نے بتایا کہ انہوں نے اپنے شوہر سے علیحدگی حاصل کر لی ہے۔

اور اس کی بھیگی پلکیں جیسے ان کے دل میں ترازو ہو گئیں اور آنسوؤں نے ان کا تن من بھگو دیا۔

"زینی......" ساری احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر اور سارے خوف بھلا کر انہوں نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا اور وہ پوری آنکھیں کھولے حیرت سے ان کی بے تابیوں کے قصے سنتی رہی اور جب وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل رہے تھے تو یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ عدت کے بعد وہ اس سے شادی کر لیں گے۔

انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔

نہ اپنا بیٹا۔

نہ زیتون بانو۔

نہ بابا جان کا خوف۔

خیال تھا تو صرف زینب ملک کے آنسوؤں کا۔

تصور میں تھیں تو صرف وہ بھیگی پلکیں۔

وہ دلکش لب۔

وہ گلابی رخسار۔

"پاپا...... پاپا کیا ہوا ہے آپ کو' آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" انہیں اتنی دیر سے آنکھیں موندے خاموشی سے تکیے سے ٹیک لگائے ایک ہی انداز میں بیٹھے دیکھ کر مریم گھبرا گئی۔

"ہاں...... ہوں۔" انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں "بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یونہی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔"

"سوری پاپا۔" وہ شرمندہ ہو گئی "میں نے آپ کو جگا دیا۔ جبکہ ڈاکٹر شہریار کہتے ہیں کہ جب آپ سو رہے ہوں تو آپ کو بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ آئی ایم رئیلی ویری سوری پاپا۔"

"پاگل۔ میں تو ابھی سو کر ہی اٹھا تھا' جانے کیوں آنکھ لگ گئی اور ہماری بیٹی کیا کہہ رہی تھی کہ ڈاکٹر شہریار آپ کے دوست عینی کے بھائی ہیں۔" انہوں نے اس کے احساس شرمندگی کو کم کرنے کے لیے خوش دلی سے کہا۔

"جی پاپا۔" اس کے لہجے میں خوشی تھی۔

تب ہی ماما کسی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی اندر آئیں۔ مریم نے مڑ کر دیکھا۔ یہ غالباً وہی شخص تھا جو کوریڈور میں ملا تھا اور ماما اس سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

"ارے عثمان احمد' یہ کیا کر لیا بھئی۔ اس عمر میں دل کی بیماری سوٹ نہیں کرتی' کیا خیال ہے۔"

"مجتبیٰ حیدر تم۔" عثمان احمد کی آنکھوں میں حیرت تھی "کہاں تھے تم اتنے عرصے سے بغیر اطلاع کے غائب ہو گئے تھے۔"

عثمان احمد نے ہاتھ آگے بڑھایا اور بہت خلوص اور گرم جوشی سے مجتبیٰ حیدر کے ہاتھ کو دبا دیا۔

"ہم آوارہ گرد ہیں۔ جہاں گردش لے گئی۔" مجتبیٰ حیدر ان کے بیڈ کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ "تم سناؤ یہ روگ کب سے لگا لیا ہے؟"

"کچھ روگ پیدائشی ہوتے ہیں مجتبیٰ۔ بس آدمی کو خبر نہیں ہوتی' اچانک پتا چلتا ہے۔"

"یعنی......" مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا۔ اونچا گونجتا ہوا قہقہہ اور مریم جو مجتبیٰ حیدر کے آنے پر کھڑی ہو گئی تھی' چونک کر مجتبیٰ حیدر کو دیکھنے لگی۔

اونچے قہقہے لگانے والے مجتبیٰ انکل۔

ویسا ہی اونچا قہقہہ۔

وہی ہنستی آنکھیں۔

"مسز احمد' آپ اپنی بیٹی سے جیلس [illegible] اور میں ایک کہانی لکھوں گا۔ اچھوتا آئیڈیا۔"

"ماں بیٹی کے حسن سے خائف اور جیلس۔"

اور شاید یہی وہ شخص تھا جس نے اس کے اور ماما کے درمیان فاصلے پیدا کیے تھے اور مریم کے دماغ میں جیسے روشنیوں کے جھماکے سے ہونے لگے تھے اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر مجتبیٰ حیدر کو دیکھنے لگی۔

❀ ❀ ❀

سکندر کو یوں لگا' جیسے وہ یکا یک دوراہے پر آ کھڑا ہوا ہو اور یہ وہ لمحہ تھا جس سے وہ پچھلے دو سالوں سے خوف کھاتا آ رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں اسے یقین سا تھا کہ یہ لمحہ ضرور اس کی زندگی میں آئے گا اور جب یہ لمحہ آئے گا تو پھر وہ...... پتا نہیں کیا فیصلہ کرے گا۔

اور پتا نہیں اس کا فیصلہ صحیح ہو گا یا غلط۔

دونوں ہاتھ میز پر دھرے ڈولی اسے دیکھ رہی تھی۔

اس نے مضطرب ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ ہال میں تاریکی تھی لیکن ڈانسنگ فلور پر روشنی کے زرد دائرے میں ایک اطالوی کیبرے ڈانسر تھرک رہی تھی۔

"تو یہ لمحہ بلآخر اس کی زندگی میں آ ہی گیا۔" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

ان بیتے دو سالوں میں ڈولی نے اسے بے تحاشا چاہا تھا۔ بے حد محبت دی تھی۔ اسے لگتا تھا' جیسے وہ سارے کا سارا اس کی محبتوں میں بھیگ گیا ہو اور جیسے وہ اب کبھی اس سے جدا ہو کر نہیں رہ سکے گا۔ کئی بار اس کا جی چاہا کہ وہ ڈولی سے کہے کہ...... آؤ ڈولی' ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں اور عمر کے آخری حصے تک اکٹھے رہیں...... لیکن پھر جیسے بابا اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے۔

"سنو سکندر پتر' مجھے اپنے چاچا کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔"

اور وہ ایک بندھن جو وہ باندھ چکا تھا۔

اس کی بندشیں جیسے گوشت میں اترنے لگتیں اور وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتا۔

"تم کچھ کہتے کیوں نہیں ہو سکندر' کہو جو کہنا چاہتے ہو۔"

"کیا کہوں۔" اس کی آواز میں تھکن اتر آتی۔

"میں نے کئی بار محسوس کیا ہے' جیسے تم کچھ کہتے کہتے رک جاتے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان ایسی اجنبیت بھی نہیں ہے۔"

"کچھ کہنے کا فائدہ بھی تو نہیں۔" اس کی آنکھوں میں جیسے خواب جلنے لگتے اور آواز بھیگ جاتی۔

"تم مجھے دوست نہیں سمجھتے سکندر۔"

"تم سے زیادہ میرا کوئی دوست ہے ہی نہیں ڈولی۔ مجھے تو لگتا ہے' جیسے میرے سارے رشتے بھی ٹوٹ کر تم سے ہی شروع ہو کر تم تک ہی ختم ہو جاتے ہوں۔ تم ہو تو سب ہیں۔ تم نہیں ہو گی تو کوئی نہیں ہوگا۔ پتا نہیں ڈولی تم نے کیا سحر کر دیا ہے مجھے مہینے گزر جاتے ہیں' گھر خط نہیں لکھ پاتا۔"

"تو پھر اپنا مسئلہ اپنی الجھن مجھ سے شیئر کیوں نہیں کرتے۔"

"ڈولی...... اس الجھن کا کوئی حل نہیں ہے۔ سو تمہیں بھی کیوں پریشان کروں۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو سکندر کہ مجھے تمہاری الجھن کا علم نہیں ہے۔ مجھے سب خبر ہے۔"

"تو پھر پوچھتی کیوں ہو؟"

"تمہاری زبان سے سننا چاہتی ہوں سکندر۔"

اور وہ کچھ نہ کہہ پاتا۔ وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں تھا ہی نہیں۔ کیا کہتا وہ اس سے۔ اپنی بے تابیوں' اپنی محبتوں کا اظہار کرتا اور پھر معذرت کر لیتا کہ اسے واپس جانا ہے۔ کوئی اس کا منتظر ہے...... اسے کوئی وعدہ نبھانا ہے اور بابا کو چاچا کی روح کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دینا۔ ان دو سالوں میں کتنے ہی خط آئے تھے بھانثار کے......

"سکندر لوٹ آؤ۔

اتنا پیسا اکٹھا کر کے کیا کرو گے۔

ماں جی اور بابا سب اداس ہیں تمہارے لیے۔

تم تو بڑے قناعت پسند تھے یار۔"

بھانثار اسے لکھتے۔

"تمہیں تو اپنے جوتے' کپڑوں کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ پھر اتنا لالچ کہاں سے آ گیا تمہارے اندر۔"

اس کے اندر تو لالچ اب بھی نہیں تھا لیکن وہ بھانثار کو کیا لکھتا کہ وہ تو ڈولی نے اسیر کر رکھا ہے...... اپنے وعدے کی زنجیر میں باندھ لیا ہے۔

اور شاید اندر سے وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس سے جدا ہو۔ جب ہی تو چپ چاپ وعدہ کر لیا ہے اور اب اسے نباہ رہا ہے۔

"بھا جی' بس پلک جھپکتے میں گزر جائیں گے دو سال۔" وہ انہیں تسلی دیتا۔

اور اب جب دو سال گزر گئے تھے اور اس کے پاس اچھا خاصا بینک بیلنس تھا تو ڈولی پھر اس کے لیے آزمائش بن گئی تھی۔

"سکندر' رہ لو گے میرے بغیر مجھ سے جدا ہو کر؟"

یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ ڈولی کے بغیر زندگی کا رنگ کیا ہوگا اور یہ وہ سوال تھا جو وہ پچھلے کئی دنوں سے اپنے آپ سے کر رہا تھا اور اس کے پاس اس کا کوئی واضح جواب نہیں تھا۔

"سکندر' تم بے شک اقرار نہ کرو لیکن میں جانتی ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ چاہتے ہو مجھے اور تم رضوانہ کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکو گے۔ کبھی نہیں۔"

"ہاں شاید۔" اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں......

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو ڈولی۔ لیکن شاید میری قسمت میں ایسا ہی لکھا ہے یوں ہی۔ کچھ لوگ ہمارا مقدر نہیں ہوتے اور وہ لوگ جو ہمارا مقدر ہوتے ہیں' ان کے ہمراہی میں ہم خوش نہیں رہ پاتے۔"

"سکندر' یہ زندگی تمہاری ہے۔ اسے دوسروں کی خواہشات پر قربان نہ کرو...... اس زندگی پر تمہارا حق ہے...... میں اپنے لیے نہیں کہہ رہی ہوں سکندر۔ میں نے تو اسی روز جب تم نے کہا تھا کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے' اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ تم میرے لیے نہیں ہو۔ ہمارے راستے الگ ہیں۔ لیکن تم...... تم خوش نہیں رہ سکو گے' میں جانتی ہوں۔ پلیز' اپنے لیے سوچو۔ مجھے الگ کر کے صرف اپنی ذات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرو۔"

اور اسے اس گرداب میں چھوڑ کر وہ چلی گئی تھی اور دو دن گزرنے کے باوجود وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا اور اب اس کے سامنے اپنی مومی انگلیوں والے بے حد خوبصورت ہاتھ میز پر دھرے وہ بڑے یقین سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں اعتماد تھا' بھروسا تھا اور ایک ایسا یقین کے سکندر ڈول گیا۔

کیا وہ اس اعتماد کو' اس اعتبار کو کرچی کرچی کر سکتا ہے!

کیا ان پر یقین آنکھوں میں مایوسی دیکھ سکتا ہے۔

''نہیں۔''

اور وہاں جو سب مایوس ہو جائیں گے۔ وہ رضوانہ اس کے خدشے' خوف۔

کتنا ڈر رہی تھی وہ۔

کتنی خوف زدہ تھی۔

وہ اس کے نوخیز دل میں محبت کا اولین پھول کھلانے والی رضوانہ......

''ڈولی۔'' اس نے گھبرا کر ڈولی کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''باہر چلو میرا دل گھبرا رہا ہے۔ یہاں بہت گھٹن ہے۔''

اور باہر کھلی فضا میں ڈولی کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر جلتی بجھتی روشنیوں کو تکتے ہوئے اسے لگا۔ جیسے وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہے۔

اتنی حسین عورت کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہے تو جیسے اور کوئی چاہ نہیں رہی۔ پاس سے گزرتے ہوئے ایک لڑکی نے ان کی طرف دیکھا اور اپنی ساتھی لڑکی سے کہا ''ہاؤ بیوٹی فل کپل۔''

اور سکندر کے دل میں بڑی شدت سے خواہش پیدا ہوئی کہ...... کاش! اے کاش' یہ ہاتھ ہمیشہ میرے ہاتھ میں رہے اور اس خواہش سے مغلوب ہو کر اس نے ڈولی کے ہاتھ کو ہلکا سا دباتے ہوئے تھوڑا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''ڈولی۔ آئی وانٹ ٹو میری یو۔''

ڈولی چلتے چلتے رک گئی اور اس کا چہرہ اندرونی خوشی سے دمک اٹھا۔ آنکھوں میں جگنو اتر آئے۔

''آئی کانٹ لیو وِد آؤٹ یو......''

''می ٹو سکندر' می ٹو۔''

ڈولی کی آواز بھیگ گئی۔

''اینڈ آئی لو یو...... پیپل آسک می ہاؤ ہاؤ......'' وہ گنگنانے لگا۔

زندگی کا ایک بڑا اور اہم فیصلہ خود بخود ہو گیا تھا۔ وہ فیصلہ جو پچھلے دو سالوں سے وہ کر نہیں پا رہا تھا اور جس سے خوف زدہ تھا۔ اب ہو گیا تھا تو جیسے اس کے ذہن سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ اس وقت نہ

اسے رضوانہ کا خیال آیا تھا' نہ بابا کا۔ دونوں بے حد خوش' ہاتھوں میں ہاتھ دیے آواز ملا کر گنگنا رہے تھے۔

''ہاؤ آئی لیو وِد آؤٹ یو

اینڈ آئی سے دیٹ آئی ڈونٹ نو

ہاؤ آئی لیو وِد آؤٹ یو

آئی لو یو سو

آئی لو یو سو''

ہاں' یہ زندگی میری اپنی ہے اور اس پر میرا اپنا حق ہے۔ سو اسے میں دوسروں کی خواہشات پر کیوں قربان کروں۔

بہت مطمئن بے حد پرسکون سا وہ ڈولی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔

❁ ❁ ❁

رضوانہ کو طلاق نامہ بھیجتے ہوئے لمحے بھر کو اس کے ہاتھ کانپے۔

دلکش اور معصوم سی رضوانہ۔

جس نے پہلے پہل اس کے دل پر دستک دی تھی۔

جب اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ جذبہ جو اس کے دل میں پیدا ہوا ہے' وہ کیا ہے لیکن اب۔ اب وہ اپنے اس دل کا کیا کرتا جس نے اب صرف ڈولی کا ساتھ چاہا تھا۔

اس کی ہی رفاقت کی خواہش کی تھی۔

رضوانہ کی محبت تو بہت دور کہیں ماضی کا حصہ بن گئی تھی۔

میں شاید رضوانہ کے ساتھ خوش نہ رہ سکتا۔

اس نے خود ہی فیصلہ کیا۔

وقت نے مجھ میں اور رضوانہ میں بہت سارے فاصلے پیدا کر دیے ہیں اور شاید محسن ٹھیک ہی کہتا تھا کہ مجھے رضوانہ سے کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا...... کیا خبر وقت میری سوچ بدل دے۔

اور وقت نے میری سوچ بدل دی۔

اب میں میچور ہوں۔

اور میں اپنے متعلق پہلے کے مقابلے میں زیادہ بہتر سوچ سکتا ہوں کہ میرے لیے کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب!

اور میرا فیصلہ بالکل صحیح ہے۔

اس کی نگاہوں کے سامنے محسن کے چچا کا گھر آ گیا۔ شائستہ اطوار۔ بیوی مہذب اور سلجھے ہوئے

بچے۔کتنا پرسکون گھر تھا اور اگر وہ کنیز پھپھو سے شادی کر لیتے تو شاید اتنا پرسکون گھر نہ ہوتا۔بچے ایسے نہ ہوتے

اس نے اپنے آپ کو اطمینان دلایا۔

بابا کو ماں جی کو بہت دکھ ہوگا۔

بھابو اور بھا نثار بھی شاید خفا ہوں۔

اور رضوانہ..........

کیا خبر رضوانہ بھی کنیز پھپھو کی طرح اپنی زندگی ختم کر لے۔

تو کیا اسے طلاق نہ دوں۔

لیکن نہیں' یہ تو ظلم ہوگا کہ ساری زندگی انتظار کی سولی پر لٹکتی رہے۔

نہیں......میں ایسا نہیں کر سکتا۔

مجھے حق ہے کہ میں اسے ساری زندگی کے لیے پابند رکھوں۔شاید بابا اس کی شادی کر دیں۔کہیں کسی اچھے آدمی سے اور کچھ عرصے بعد وہ مجھے بھول جائے۔

اسے یاد بھی نہ رہے کہ کبھی سکندر ملک نے اس سے محبت کے عہد و پیمان باندھے تھے۔

لیکن......لیکن اگر اس نے......

نہیں وہ ایسا نہیں کرے گی۔اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں بے وفائی کر بھی جاؤں تو وہ کنیز پھپھو کی طرح نہیں کرے گی......

اور اپنے آپ کو بہت بہلاوے اور بہت سی تسلیاں دے کر اس نے خط ارسال کر دیا تھا۔

بہت سی معذرتیں تھیں۔

بہت سی مجبوریوں کی کہانیاں سنائی تھیں۔

اور رضوانہ کی کسی اچھی جگہ کسی اچھے لڑکے سے شادی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور پھر بہت سارے دن وہ منتظر رہا تھا کہ شاید بھا نثار یا بابا اس سے ناراضگی کا اظہار کریں۔

وہ اسے ڈانٹیں' برا بھلا کہیں۔

لیکن اسے پاکستان سے کوئی خط نہیں ملا۔

شاید وہ سب بہت زیادہ خفا ہو گئے تھے۔

اس نے سوچا کہ جب ان کا غصہ کم ہوگا تو وہ اسے خط لکھیں گے۔پھر وہ ایک بار پھر ان سے معافی مانگ لے گا اور ڈولی کو لے کر پاکستان جائے گا اور ماں جی اور بابا بھا نثار اور بھابو سب اسے ان دونوں کو سامنے پا کر ساری ناراضگی بھول جائیں گے......ماں جی کا دل تو محبتوں سے گندھا ہوا ہے......چاہتوں کا سمندر ہے وہ ڈولی سے بھی اتنی ہی محبت کریں گی جتنی بھابو سے کرتی ہیں اور پھر۔ہم گاؤں میں رہیں

گے اور بابا کی خوشی کے لیے وہاں ایک خوبصورت اسپتال بنواؤں گا اور بابا میری ساری غلطیاں معاف کر دیں گے اور میں رضوانہ سے بھی معافی مانگ لوں گا......اور اگر اس نے اب تک شادی نہ کی ہو تو اسے اپنی قسم دے کر کسی بہت اچھے لڑکے سے خود اس کی شادی کرا دوں گا۔محسن سے کہوں گا۔صبح صادق اور محسن سے کہوں گا کہ وہ کوئی بہت اچھا سا لڑکا بتائیں اور وہ ضرور میری مدد کریں گے بلکہ محسن تو مجھ سے لڑے گا۔برا بھلا کہے گا۔خفا ہوگا۔اسے تو رضوانہ سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے۔

وہ سوچتا رہا لیکن ان...سوچوں کو عملی شکل نہ دے سکا۔

لاشعوری طور پر وہ مہینوں پاکستان سے کسی خط کا منتظر رہا اور خود شرمندگی نے اسے دوبارہ خط ہی نہ لکھنے دیا۔

پھر وہ واشنگٹن آ گئے۔

زندگی ایک دم بہت مصروف ہو گئی تھی اور ڈولی کی قربت اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھی۔بہت دفعہ اس نے سوچا کہ دوبارہ خط لکھے۔بابا جان سے' ماں جی سے سب سے ایک بار پھر معذرت کرے لیکن شدید خواہش کے باوجود وہ خط نہ لکھ سکا۔زندگی نے کچھ ایسے ہی جکڑ لیا تھا اسے۔

اسے لگتا تھا جیسے وہ دنیا کا خوش قسمت ترین مرد ہے جسے ڈولی جیسی حسین بیوی کی رفاقت ملی ہے۔

وہ جو ذرا سا ملال کا رنگ کبھی کبھی اس کے دل پر آ جاتا تھا کہ اس نے رضوانہ سے زیادتی کی ہے۔وہ بھی ہولے ہولے ختم ہو گیا۔

کبھی واپس جانے' پلٹ کر دیکھنے کا خیال ہی نہ آیا اسے اور مزید تین برس بیت گئے اور ان تین برسوں میں اس نے بہت کمایا' بہت محنت کی۔اپنا آپ بھی جیسے بھول گیا تھا۔اسے آگے بڑھنا تھا۔اپنے آپ کو ڈولی کے قابل بنانا تھا۔ثابت کرنا تھا کہ ڈولی نے اگر اس سے محبتیں کی تھیں تو وہ تھا ہی محبت کے قابل۔اس کی زندگی اتنی مصروف ہو گئی تھی کہ اسے اپنے اردگرد آس پاس دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی۔

اس روز وہ اپنے ایک دوست سے ملنے ہارورڈ یونیورسٹی گیا تھا۔ڈاکٹر جان کچھ عرصہ اس کے مریض رہے تھے۔وہ ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے اور اسپتال کے قیام کے دوران ان سے بہت...دوستی ہو گئی تھی اور ان کے بے حد اصرار پر وہ اس اتوار کو ان سے ملنے چلا گیا تھا اور وہاں اچانک ہی اس کی ملاقات صبح صادق سے ہو گئی تھی۔وہ بھی وہاں کسی سے ملنے آیا تھا۔

''صبح صادق۔'' وہ کتنی ہی دیر تک آنکھیں مل مل کر اسے دیکھتا رہا......''یہ تم ہی ہو نا۔'' اسے گلے لگاتے ہوئے جیسے اس کے اندر کچھ پگھلنے لگا۔

''بے وفا۔'' صبح صادق اس سے بہت خفا' بہت ناراض ہوا۔بہت سارے گلے شکوے کیے۔

وہ چپ چاپ سنتا رہا۔کتنے سالوں بعد آج اسے سب یاد آ رہے تھے۔

''پتا نہیں سب اس سے خفا ہوں گے۔''

''لیکن میرے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا صبح صادق۔'' اس نے وضاحت کی ''ڈولی نے میرے لیے اتنا کچھ کیا تھا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ میں کیسے اس کی اتنی شدید محبتوں سے اپنا دامن بچا سکتا تھا۔''

''محبت تو تم سے رضوانہ بھی کرتی تھی سکندر۔'' صبح صادق کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

''ہاں لیکن میں شاید اس کے ساتھ اتنی مکمل' اتنی مطمئن اتنی پرسکون زندگی نہ گزار سکتا۔ میں بہت آگے نکل آیا تھا۔ اپنے گھر اور گاؤں کے ماحول سے بالکل مختلف ماحول میں رچ بس گیا تھا اور رضوانہ شاید اس ماحول میں میرے ساتھ نہ چل پاتی۔''

صبح صادق نے تاسف سے اسے دیکھا ''خوش ہو بہت؟''

اور پتا نہیں کیوں سکندر کو لگا' جیسے اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے ''کیا وہ بہت خوش ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا لیکن شاید اس کے پاس یہ جاننے کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ بہت خوش ہے یا کم۔

''بچے کتنے ہیں؟''

''بچے......'' اس نے سوالیہ نظروں سے صبح صادق کو دیکھا ''کوئی نہیں۔''

صبح صادق کو حیرت ہوئی ''پھر تمہاری زندگی مکمل کیسے ہوئی؟''

ہاں زندگی کی تکمیل کے لیے بچوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس نے تو سوچا ہی نہیں تھا اور نہ ہی کبھی دھیان دیا تھا اور ڈولی نے تو کبھی اس سے بچوں کے متعلق کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔

''زندگی تو مکمل ہے بھئی۔'' وہ ہنسا لیکن اسے اپنی ہنسی خود ہی اجنبی اور کھوکھلی سی لگی ''میرے پاس وہ سب ہے جس کی تمنا کوئی بھی شخص کر سکتا ہے۔ رہے بچے تو...... بچے بھی ہو جائیں گے۔ کون سی عمر بیت گئی ہے۔''

صبح صادق سے تو اس نے کہہ دیا تھا لیکن خود جیسے اس کے دل میں ایک ننھی سی خواہش ہمکنے لگی تھی......

اسے پچھو میچو یاد آ رہے تھے۔

شیری یاد آ رہا تھا۔

جسے وہ گود میں اٹھاتا تھا تو وہ اپنے ننھے منے ہاتھوں سے اس کی ناک پکڑ لیتا تھا۔

صبح صادق کسی سیمینار میں شرکت کے لیے آیا تھا اور اس کے بے حد اصرار کے باوجود بھی اس کے گھر نہیں گیا تھا کیونکہ اسے ایک روز بعد واپس جانا تھا۔

''ڈولی تمہیں دیکھ کر' تم سے مل کر بہت خوش ہوگی۔''

''اسے میری طرف سے آداب کہنا اور یار' کبھی پاکستان تو آؤ۔ کیا پاکستان سے بالکل ہی ناتا

توڑ لیا ہے۔''

''ہاں آؤں گا۔ میرا خود دل چاہ رہا ہے۔''

اس نے وعدہ کیا اور صبح صادق کو خدا حافظ کہہ کر گھر آ گیا اور اس روز پہلی بار اپنے شاندار اپارٹمنٹ میں اسے بے حد سناٹے کا احساس ہوا۔ لاشعور میں ہمکنے والی خواہش شعور میں آ کر اودھم مچانے لگی۔

ڈولی کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔

اس کی دوستیاں اور رفاقتیں بہت گہری تھیں۔ وہ یہیں پلی بڑھی تھی اور ابتدائی تعلیم بھی اس نے یہیں سے حاصل کی تھی۔ سو وہ کبھی اس کے معمولات پر معترض نہ ہوا تھا لیکن پتا نہیں آج صبح صادق سے ملنے کا اثر تھا یا پرانے دنوں کی یاد تھی کہ اسے ڈولی کا گھر پر نہ ہونا بہت کھل رہا تھا...... غیر ارادی طور پر مدتوں بعد اس نے رضوانہ کو سوچا اور دونوں کا موازنہ کرنے لگا۔

اور اگر آج ڈولی کی جگہ رضوانہ اس کی شریک حیات ہوتی تو...... تو شاید وہ اس کی منتظر ہوتی...... اس کے آنے پر مسکرا کر اس کا استقبال کرتی' اس کے لیے کھانا لگاتی' چائے بناتی۔

اور اگر اسے یوں چپ چاپ لیٹے ہوئے دیکھتی تو پریشان ہو کر بار بار اس کا حال پوچھتی۔

''تو کیا وہ پچھتا رہا ہے؟'' اس نے حیران ہو کر سوچا اور اپنے اندر جھانکا لیکن دور تک کوئی پچھتاوا اور ملال نہیں تھا بلکہ یہاں سے وہاں تک ایک جذبۂ ممنونیت تھا جیسے ڈولی نے اس سے محبت کر کے...... اسے اپنا کر اس پر احسان کیا ہو......

وہ بہت دیر تک یونہی آنکھیں موندے پڑا رہا اور سوچتا رہا اور جب ڈولی آئی تو وہ سو رہا تھا...... اسے حیرت ہوئی۔

''ارے تم آ گئے سکندر......'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔ وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اپنا ہاتھ اوپر کیا۔

''شرارت نہیں۔'' وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

بلیک جینز ریڈ شرٹ پر بلیک اسکارف لیے وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں میں ہلکے سرخ ڈورے تھے۔

''میرا خیال تھا کہ تم تین دن رکو گے۔''

''ارادہ تو تھا لیکن پھر موڈ نہیں رہا۔ ڈولی' میں یہ چھٹیاں تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں...... پتا ہے تمہیں' بہت عرصہ ہو گیا ہے ہمیں ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر باتیں کیے ہوئے۔ آج اچانک مجھے احساس ہوا کہ جیسے ہم ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہوں۔''

''وہم ہے تمہارا۔'' وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی ''یہاں کی زندگی دراصل بہت مصروف ہے

ناں اس لیے۔"

"ڈولی......" وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا "چلو ہم کہیں ویک اینڈ گزارنے جاتے ہیں۔ باہر۔ انجوائے کریں گے، باتیں کریں گے۔ بہت اداس ہو رہا ہوں تمہارے لیے۔ ایسا لگتا ہے جیسے مدتوں سے تم سے نہیں ملا ہوں۔"

"یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے سکندر؟" ڈولی ہنس دی "کوئی انڈین مووی تو نہیں دیکھ لی۔"

"نہیں۔" وہ بھی ہنس دیا "زندگی کی مصروفیات تو یونہی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی کچھ وقت اپنے ساتھ بھی تو گزار لینا چاہیے نا۔ چلو یار پروگرام بناؤ، کہاں چلیں۔"

"مگر۔" وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی...... "مگر سکندر! میں نہیں جا سکتی ان دنوں۔ پھر بعد میں کبھی پروگرام بنا لیں گے......"

"مگر کیوں؟"

"وہ میری شوٹنگ ہے۔"

"شوٹنگ، کیسی شوٹنگ ہے۔" اسے حیرت ہوئی۔

"دراصل پاپا کے دوست ہیں ہمدانی صاحب۔ ان کی اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی ہے، وہاں پاکستان میں۔ وہ آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں اور یہاں ہی وہ ایک ایڈ تیار کر رہے ہیں۔ وہ جس ماڈل کو لینا چاہ رہے تھے، وہ نہیں مل سکی تو انہوں نے مجھے آفر کر دی اور مجھے کسی زمانے میں بہت شوق تھا ماڈلنگ کا سو میں نے آفر قبول کر لی تھی۔ آج اسی سلسلے میں گئی ہوئی تھی، فائنل بات کرنے۔"

"لیکن تم نے پہلے تو ذکر نہیں کیا۔" سکندر نے تاسف سے اسے دیکھا "اور مجھے تمہارا ماڈلنگ کرنا بالکل پسند نہیں ہے۔"

"کمال کرتے ہو سکندر۔" اس نے اپنی پلکیں اوپر اٹھائیں "اس میں بھلا کیا برائی ہے اور تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا اور پھر تم نے کون سا مجھے منع کرنا تھا۔"

اس نے محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی شرٹ کے بٹن سے کھیلنے لگی اور سکندر نے اس کے ہاتھ ..... پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرایا۔ وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ ٹی وی پر اس کا ایڈ آئے اور لوگ اسے دیکھیں۔ وہ شاید اندر سے دقیانوسی ہے۔

لیکن وہ یہ سب نہ کہہ سکا بلکہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کے نیچے دبائے وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکراتا رہا۔

"خیریت ہے سکندر؟" ڈولی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی اور اس نے ہولے سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

"ڈولی ہماری شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"تین سال۔"

"تو ڈولی کبھی تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی کسی بچے کی۔"

"نہیں۔" ڈولی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

سکندر کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی لیکن اس نے اپنی حیرت چھپا لی۔

"لیکن مجھے ڈولی بچے کی خواہش ہے۔"

"لیکن میں ابھی اس جھنجٹ میں پڑنا نہیں چاہتی۔ ابھی تو میں......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اٹھ کھڑی ہوئی "میں ذرا کپڑے چینج کر لوں۔"

"ڈولی، آج صبح صادق ملا تھا۔ بچوں کا پوچھ رہا تھا کہ کتنے بچے ہیں......اور مجھے اچانک احساس ہوا کہ......"

"اوہ، یہ صبح صادق کہاں سے مل گیا تمہیں؟" ڈولی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"وہاں ہی یونیورسٹی میں ملا تھا۔ تمہیں آداب کہہ رہا تھا۔"

"مجھے پسند نہیں ہے، ایسے لوگوں سے میل جول رکھنا۔ اب تم روز روز اس کی طرف نہ بھاگتے رہنا۔"

"وہ تو جا رہا ہے واپس لیکن تمہیں کیوں پسند نہیں ہے، اس سے میل جول رکھنا۔" سکندر کو ڈولی کی بات پر افسوس ہوا۔

"مجھے پسند نہیں ہے کہ تم اپنے ماضی کے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے فرسودہ ماضی کو یاد کرو۔"

وہ کھٹ کھٹ کرکے باہر چلی گئی اور وہ عجیب سی کیفیت میں بیڈ پر بیٹھا رہا۔

ڈولی کو اس کا ماضی پسند نہیں۔

وہ نہیں چاہتی کہ وہ کبھی ماضی کو یاد کرے۔

لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ کبھی آدمی ماضی سے جان چھڑا سکتا ہے۔ ماضی تو آدمی کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس کی جڑ ہوتی ہے ماضی میں۔

بھلا وہ بابا کو، ماں جی کو، بھا نثار اور بھابو کو اپنی زندگی سے کاٹ کر الگ کر سکتا ہے۔ بھلے وہ اتنے سالوں سے ان سے نہیں ملا لیکن اس کا ان سے رشتہ تو نہیں ٹوٹا نا۔

ڈولی کی بات سے اسے بے حد دکھ ہوا تھا لیکن اس نے ڈولی سے کچھ کہا نہیں۔ ڈولی نے بھی اپنی بات کو پھر دہرایا نہیں لیکن سکندر کے دل میں بچے کی جو خواہش پیدا ہوئی تھی، وہ ختم نہیں ہوئی بلکہ شدت اختیار کرتی گئی اور اکثر و بیشتر وہ ڈولی سے اس خواہش کا اظہار کرنے لگا تھا اور ڈولی اس بات سے چڑتی تھی۔

"تم کیسی عورت ہو ڈولی۔ تمہیں بچے کی خواہش نہیں ہے۔" سکندر کو حیرت ہوتی تھی۔

"ہاں، نہیں ہے مجھے خواہش۔ ایسی ہی عورت ہوں میں۔ کیوں کی تھی مجھ جیسی عورت سے شادی۔ کر لی ہوتی اپنی اسی دیہاتی منگیتر سے شادی۔"

اور سکندر حیران تھا کہ ڈولی کو یکا یک کیا ہو گیا ہے۔ وہ ایسی تو نہیں تھی۔ بات بات پر الجھنے لگی تھی۔ اگر اسے بچوں کی خواہش نہیں تھی تو وہ آرام سے اپنا موقف سمجھا سکتی تھی لیکن بات صرف بچوں کی نہیں تھی۔

اس کے دل میں یکا یک ہی شہرت کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا ایڈ آن ائیر ہوتے ہی کئی کمپنیوں نے اسے آفر دی تھی کہ وہ ان کے لیے بھی کام کرے' جبکہ ہمدانی صاحب پاکستان سے بار بار فون کر رہے تھے کہ وہ پاکستان آئے اور نذر برادرز کی کسی پروڈکٹ کے لیے ماڈلنگ کرے۔ سکندر نے شدید مخالفت کی۔

''ڈولی' مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔'' ایک روز بڑے دنوں بعد جب ڈولی بہت خوش گوار موڈ میں تھی' اس نے کہا۔

''کیا؟''

''یہی کہ تم مزید کسی ایڈ کے لیے کام کرو۔''

''لیکن میں نے انکل ہمدانی سے پرامس کر لیا ہے کہ میں ''نذر برادرز'' کی پروڈکٹس کے لیے ماڈلنگ کروں گی۔''

''ڈولی فار گاڈ سیک......''

سکندر کا لہجہ نرم تھا لیکن ڈولی کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئیں۔

''سکندر' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تم اس میں انٹرفیر مت کرو۔''

''تمہارا ذاتی معاملہ میرا بھی ذاتی معاملہ ہے۔ میں اور تم الگ نہیں ہیں۔'' سکندر کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

''میں اور تم اگر الگ نہیں ہیں تو پھر تم میرے مفادات کو سمجھتے کیوں نہیں ہو۔''

''تمہارے مفادات......'' سکندر کی نظریں لمحہ بھر کے لیے اس کی طرف اٹھیں اور پھر اسے خاموش دیکھ کر اس نے خود ہی بات مکمل کی' ''اس میں بھلا کیا مفاد ہے تمہارا؟''

''بہت پیسہ ہے۔''

''لیکن پیسے کی کوئی کمی تو نہیں ہے تمہارے پاس...... ہمارے پاس بہت کچھ ہے ڈولی۔'' اس کے لہجے میں ناصحانہ رنگ آ گیا' ''اور پھر تم اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہو۔ پاپا اور ماما کا بھی سب کچھ تو تمہارے ساتھ ہی ہے۔ صرف پیسے کے لیے مت کرو وہ سب کچھ جو مجھے پسند نہیں ہے۔''

''مجھے تمہاری پسند سے کیا مطلب ہے سکندر۔ میں نے ہمیشہ وہی کیا ہے جو مجھے پسند ہے۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور رخسار تپ گئے' ''اور اب بھی میں وہی کروں گی جو مجھے پسند ہے۔ میں نے انکل ہمدانی کی آفر قبول کر لی ہے۔ کتنا گلیمر ہے' کتنی شہرت ہے اور میں بہت جلد پاکستان جا رہی ہوں۔'' وہ ایک دم غصے میں اٹھ کر چلی گئی تھی۔

اور سکندر حیران سا سوچتا رہ گیا تھا کہ یہ ایک دم اچانک ڈولی اتنی بدلی بدلی اتنی مختلف کیوں لگنے لگی ہے۔ پتا نہیں' کس بات کا غصہ اور ناراضی ہے اسے...... شاید اس سے ہی کہیں کوئی کوتاہی ہو گئی ہے۔ وہ اس سے ناراض اور خفا ہے اس لیے اس طرح بی ہیو کر رہی ہے۔

شاید وہ بہت مصروف ہو گیا ہے...... اس نے اپنا تجزیہ کیا پیسہ کمانے کے شوق میں مشین بن گیا ہے۔ اس نے بیتے سالوں پر ایک نظر ڈالی...... ان سارے سالوں میں وہ کتنا کم وقت ایک دوسرے کے ساتھ رہے تھے۔ بس رات کے چند گھنٹے تھکن سے نڈھال۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ۔ وہ تو ٹھیک طرح سے اسے دیکھ بھی نہیں پاتا تھا...... مجھے ڈولی کو وقت دینا چاہیے تھا۔

عورت کو مرد کی رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

صرف پیسہ اور دولت اسے مطمئن نہیں کرتا۔

مرد کی مکمل اور بھرپور رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے اسے۔

پل پل کا ساتھ مانگتی ہے عورت۔

مکمل توجہ چاہتی ہے......

وہ ڈولی کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے خود کو ہی مجرم ٹھہرا رہا تھا۔

'شاید ساری غلطی میری ہی ہے۔'

'میں نے اسے تنہا کر دیا تھا...... تب ہی تو وہ اتنی ناراض ہے اور خفا ہے۔ بات بات پر الجھتی ہے۔'

وہ خود ہی نادم ہو رہا تھا۔

ٹھیک ہے میں اسے منا لوں گا...... اس نے سوچا اور ہولے ہولے اپنے ورکنگ آور کم کر لیے لیکن ڈولی گھر پر ملتی ہی نہیں تھی۔

وہ گھر پر ہوتا تو ڈولی کو کہیں نہ کہیں جانا ہوتا تھا۔ وہ شدید خواہش کے باوجود اس فاصلے کو کم نہیں کر پا رہا تھا۔ جو اس کے اور ڈولی کے درمیان اچانک ہی پیدا ہو گیا تھا۔

جیسے اچانک زلزلہ آ جائے یا طوفان۔

بالکل بے خبری میں۔

اسے تو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب اور کیسے اس کے اور ڈولی کے درمیان اتنے فاصلے پیدا ہو گئے تھے اور ڈولی کو اس سے اتنی شکایتیں ہو گئی تھیں۔

وہ اس فاصلے کو ختم کرنا اور ان شکایتوں کو دور کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی دن وہ ڈولی سے پوچھے کہ وہ کیوں اتنی خفا ہے اور اسے کیوں اس سے اتنی شکایتیں ہیں لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور ڈولی اسے بتائے بغیر' اس سے پوچھے بغیر ہی پاکستان چلی گئی۔

وہ ایک سیمینار میں شرکت کرنے فرانس گیا ہوا تھا۔ جہاں اُسے عورتوں میں تیزی سے پھیلتے ہوئے بریسٹ کینسر کے متعلق مقالہ پڑھنا تھا۔

یہ اس کی کئی سالوں کی تحقیق کا نچوڑ تھا۔ اسے بہت سراہا گیا تھا اور وہ بہت خوش واپس آیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ڈولی کے ساتھ اب کچھ دنوں کے لیے پاکستان جائے گا۔

بابا اور ماں جی کتنے بھی خفا ہوں وہ انہیں منالے گا۔

رضوانہ سے معافی مانگ لے گا۔

لیکن ڈولی تو اس کے آنے سے پہلے ہی جا چکی تھی۔

"نہیں۔" اسے یقین ہی نہ آیا کیا ایسا ممکن تھا کہ وہ اسے بتائے بغیر اس سے پوچھے بغیر پاکستان چلی جائے۔

بہر حال وہ اس کی بیوی تھی۔

ماما اور پاپا نے بھی اس کی سائیڈ لی۔

"ماڈلنگ اس کا شوق ہے اور تمہیں اس کے شوق کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کوئی بچی نہیں ہے کہ بھٹک جائے گی۔ اپنا برا بھلا سمجھتی ہے۔"

"مگر ایک شادی شدہ عورت کو اپنے شوہر کی مرضی کا پابند ہونا چاہیے۔" اس نے دبا دبا سا احتجاج کیا۔

"وہ بہت لاڈلی ہے۔ بچپن سے ہی ہم.... نے اس کی ہر ضد پوری کی ہے۔ کچھ دن کا شوق ہے پورا ہو جائے گا۔" پاپا نے نرمی سے کہا

"تمہارے معاملے میں بھی ہم نے اس کی ضد ہی پوری کی تھی ورنہ تم ہمیں اس کے لیے ہرگز پسند نہ تھے۔" ماما نے پہلی بار انکشاف کیا۔ پاپا نے تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"خیر اس کی ضد اتنی غلط بھی نہیں تھی۔ ہمیں سکندر سے بھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" انہوں نے اس کا کندھا تھپکا "ریلیکس ہو جاؤ اور گھر جا کر آرام کرو۔ میں رات بات کروں گا پاکستان۔ سمجھاؤں گا میں اسے کہ تمہاری مرضی کا بھی اسے خیال رکھنا چاہیے۔"

وہ اپنے اپارٹمنٹ میں چلا آیا لیکن بہت سارے دن بہت اداس اور دل گرفتہ رہا۔ ڈولی تھی تو اپارٹمنٹ کتنا بھرا بھرا اور بارونق لگتا تھا۔ اب جیسے ہر طرف ویرانی تھی۔ در و دیوار کاٹ کھانے کو دوڑ رہے تھے۔ چند دن بعد گھبرا کر اس نے فون کیا۔

"ڈولی بہت اداس ہوں' تمہارے بغیر' کب آ رہی ہو؟"

"جلد ہی۔" وہ بہت خوش تھی "یہاں سب نے مجھے اپریشیٹ کیا ہے اور پتا ہے' یہاں ایک ڈرامے میں بھی کام کرنے کی مجھے آفر ہوئی ہے۔"

"ڈولی پلیز اتنا آگے مت جاؤ کہ پلٹ ہی نہ سکو۔" وہ کانپ گیا۔

"ڈونٹ وری سکندر۔" وہ بہت خوش گوار موڈ میں تھی "یہاں اخبارات کے سنڈے ایڈیشن میری تعریفوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ میرا پہلا ہی ایڈ بہت کامیاب رہا ہے۔ سب میرے حسن' میری خوبصورتی کی تعریف کر رہے ہیں سکندر۔"

"کیا تمہیں میرے علاوہ بھی کسی کی تعریفوں کی ضرورت تھی ڈولی؟"

سکندر نے دل گرفتگی سے.... سوچا اور اسے جلد آنے اور ڈرامے میں کام نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

لیکن اس کا قیام طویل ہوتا گیا۔

اس نے ڈرامے میں کام کرنے کی آفر قبول کر لی تھی۔ اس دوران وہ امریکا واپس بھی آئی...... لیکن اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔ سکندر نے ایک بار پھر خود کو مصروف کر لیا تھا۔

ڈرامے کی تمام اقساط کی ریکارڈنگ کے بعد وہ واپس آئی تو پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت اور دل کش لگ رہی تھی۔ سکندر سارے اختلافات بھلا کر پوری شدتوں سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"ڈولی آؤ' ہم تمام اختلافات بھلا کر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں...... ایک مکمل پرسکون زندگی۔"

"ہمارا گھر' جس میں ہماری محبتوں کی حرارت ہو' اور بچوں کے وجود کی روشنی اور خوشبو ہو۔"

ڈولی خاموش ہی رہی تھی۔

لیکن کہیں کچھ بڑی گڑبڑ ہو گئی تھی۔

وہ فاصلے جو اچانک پیدا ہوئے تھے' ختم ہونے کے بجائے بڑھ رہے تھے اور ہر گزرتا دن جیسے ان فاصلوں کو اور بڑھا رہا تھا۔

ڈولی ایک دم بیگانی اور اجنبی لگنے لگی تھی۔

اور سکندر کو اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

وہ گھبرا گھبرا کر اپنا تجزیہ کرتا۔

اپنے طرز عمل کو پرکھتا۔

لیکن کہیں کوئی کجی نظر نہ آتی تھی۔

پھر وہ ڈولی کی طرف دیکھتا۔

ان دنوں وہ یہاں ہی تھی اور اس نے کوئی نیا ایڈ بھی نہیں لیا تھا اور نہ ہی پاکستان جانے کی بات کی تھی پھر کیا تھا جو اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

بظاہر تو سب کچھ ٹھیک تھا۔

پھر غلط کیا تھا۔

اور جو کچھ غلط تھا' اس کی طرف اس کی توجہ صبح صادق نے ہی دلائی تھی۔ وہ انگلینڈ میں سیٹل ہو گیا تھا اور اپنی وائف اور دو بچوں کے ساتھ امریکا اپنے برادر اِن لا کے پاس چھٹیاں گزارنے آیا ہوا تھا اور بطور خاص اس سے ملنے آیا تھا۔ ڈولی گھر پر نہیں تھی۔

''سکندر! اگر تم برا نہ مناؤ تو ایک بات کہوں۔'' وہ جاتے جاتے رک گیا تھا۔

''ہاں ہاں کہو......''

''عرفان میری بیوی کا بھائی ... وائس آف امریکا میں کام کرتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ ان دنوں...... پلیز مائنڈ نہ کرنا......'' اس نے بات کرتے ہوئے پھر کہا جیسے اسے خوف ہو کہ سکندر برا مان جائے گا۔

''نہیں پلیز تم کہو۔ تمہاری بات کا میں برا نہیں منا سکتا۔''

''ان دنوں ڈولی بھابی وہاں...... آئی مین وہاں ہی کام کرتا ہے' ایک نوجوان اسٹوری رائٹر ہے۔ اس کے ساتھ بہت دوستی ہے بھابی کی بلکہ عرفان کہہ رہا تھا کہ شاید...... شاید وہ دونوں عنقریب شادی کر لیں۔''

''نہیں۔'' سکندر کو یقین نہیں آیا ''دوستی کی حد تک تو ٹھیک ہو سکتا ہے لیکن باقی بات غلط ہے۔ یار تمہیں تو پتا ہے کہ ڈولی کی طبیعت کیسی ہے۔ وہ مختلف ماحول کی پروردہ ہے اور لوگ یونہی کہانیاں بنا لیتے ہیں اس کی نیچر ہے۔ ہر ایک سے خوش دلی سے ملتی ہے......'' اس نے صبح صادق سے زیادہ جیسے اپنے آپ کو تسلی دی۔

صبح صادق نے ایک گہری سانس لے کر سکندر کی طرف دیکھا۔

''چند ماہ پہلے میں پاکستان گیا تھا۔ وہاں بھی صحافتی حلقوں میں دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جا رہا تھا...... دراصل بھابی نے جس ڈرامے میں کام کیا تھا' اس کا رائٹر یہی تھا۔ دو ماہ ہی ہوئے ہیں غالباً اسے یہاں آئے ہوئے۔ عرفان بتا تو رہا تھا۔''

''یہ صحافی برادری یونہی پروں کے کبوتر بناتے ہیں۔'' سکندر نے قہقہہ لگایا۔

لیکن اپنے قہقہے کے کھوکھلے پن کا اسے خود شدت سے احساس ہوا اور اس نے صبح صادق کے چہرے سے نگاہیں ہٹا لیں اور سوچا۔

''تو ڈولی کے پاکستان نہ جانے اور مزید کسی ایڈ کے لیے ماڈلنگ نہ کرنے کی وجہ کیا یہ رائٹر ہے۔ کیا اسی لیے اس نے ہمدانی صاحب کو انکار کر دیا تھا کہ فی الحال وہ کام کرنا نہیں چاہ رہی تھی اور وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید اس کا شوق ختم ہو گیا ہے اور......''

''سکندر' بھابی کو بہت آگے بڑھنے سے روک لو۔'' صبح صادق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''ایسا نہ ہو کہ تمہارے پاس صرف پچھتاوے رہ جائیں۔''

وہ اسے سمجھا کر چلا گیا تھا لیکن نہیں جانتا تھا کہ بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنا آسان نہیں ہوتا۔

''تم نے بالکل صحیح سنا ہے سکندر۔'' ڈولی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے اعتماد سے کہا ''وہ میرا دوست ہے اور بہت نفیس انسان ہے۔''

سکندر کو اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا سا محسوس ہوا۔ وہ کتنی ہی دیر تک ساکت بیٹھا رہا۔ بڑی دیر بعد اس کے ساکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی۔

''کیا تم دونوں شادی کرنا چاہتے ہو؟'' عجیب ٹوٹی ہوئی سی آواز تھی اس کی۔

''ہاں شاید۔ لیکن ابھی ہم نے اس سلسلے میں بات نہیں کی۔'' وہ بڑے اطمینان سے نیل پالش ریموو کرتی رہی۔ جیسے یہ ایک روزمرہ کی ایک بالکل عام سی بات ہو۔ سکندر کو اس کے اس حد درجہ اطمینان پر حیرت ہوئی اور وہ چپ چاپ اسے نیل پالش ریموو کرتے دیکھتا رہا۔ بے یقین سا جیسے ابھی وہ کہے گی۔

''کمال کرتے ہو سکندر۔ کسی کے ساتھ بات کر لینے یا مل لینے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم اس سے شادی کرنے لگے ہیں۔ ہو نا پینڈو' تنگ دل اور تنگ نظر۔'' اور پھر وہ ہنس کر اسے اپنی بانہوں میں لے لے گا۔

''ہاں' میں ہوں تنگ نظر' تنگ دل' تمہاری محبت نے بنا دیا ہے مجھے تنگ نظر۔ میں نہیں برداشت کر سکتا کہ کوئی تمہارا نام کسی اور کے ساتھ لے۔ اس معاملے میں پینڈو ہی ہوں۔''

لیکن وہ اطمینان سے نیل پالش ریموو کرتی رہی۔ دونوں کے درمیان ایک طویل خاموشی کا وقفہ حائل ہو گیا۔

اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے بڑی دیر بعد سر اٹھا کر سکندر کی طرف دیکھا۔

''اب جبکہ ہمارے درمیان یہ بات چھڑ ہی گئی ہے سکندر ملک تو پلیز مجھے طلاق دے دو......''

''کیا......! ڈولی تمہیں خبر ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' وہ ایک دم چیخ پڑا۔ زمین آسمان جیسے سکندر کی نظروں کے سامنے گھوم گئے تھے۔

''ہاں۔'' اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا ''جلد یا بدیر یہ بات تو ہونی ہی تھی۔ اچھا ہے آج ہو ہی گئی......''

''ڈولی۔'' اس کی آواز ڈوب سی گئی ''یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟''

''کیوں ممکن نہیں ہے۔'' ڈولی نے بھنویں اچکائیں ''سب کچھ ممکن ہے۔ تمہارا نکاح تمہاری کزن سے ہو چکا تھا اور تم نے کہا تھا کہ ہماری شادی ناممکن ہے لیکن تم نے دیکھا کہ وہ ممکن ہو گئی اور اسی طرح ہماری علیحدگی بھی ناممکن نہیں ہے۔''

سکندر کو یوں لگا تھا جیسے اس پر آسمانوں کا بوجھ آ پڑا ہو۔ اس کے پورے جسم میں درد کی لہریں سی اٹھنے لگی تھیں۔ وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا۔

''تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟''

''کوئی شکایت نہیں۔''

''پھر؟''

''پھر یہ کہ میں تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔''

ماما پاپا نے سمجھایا۔

اس نے اسے اپنی محبت کا واسطہ دیا۔

''کون سی محبت؟'' وہ تمسخر سے ہنسی ''وہ محبت تو اسی دن رخصت ہوگئی تھی جس دن ڈاکٹر ہاسٹل کے فلیٹ میں تم نے کہا تھا کہ تم اپنی منکوحہ سے محبت کرتے ہو۔''

''پھر...... پھر تم نے مجھ سے شادی کیوں کی...... یہاں تک کیوں لائیں۔ کیوں مہربان رہیں مجھ پر......؟'' سکندر اندر سے ٹوٹ رہا تھا لیکن پھر بھی اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ڈولی سچ کہہ رہی ہے۔ یقیناً کوئی اور وجہ ہے۔

''محبت رخصت ہوگئی تھی سکندر ملک لیکن ضد بیدار ہوگئی تھی۔ تم نے میری توہین کی تھی۔ میرے حسن کی میری خوبصورتی کی اور اس جذبے کی جو تمہارے لیے میرے دل میں پیدا ہوا تھا...... میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا سکندر ملک کہ تمہیں جھکاؤں گی...... تمہیں حاصل کر کے رہوں گی...... ایک کمزور دیہاتی' کم پڑھی لکھی لڑکی کو تم مجھ پر ترجیح دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ تمہاری محبت ہے' تم اسے چاہتے ہو۔''

''نہیں' میں نے تمہاری توہین نہیں کی تھی ڈولی۔'' سکندر کے لہجے میں تھکن اتر آئی ''میں نے ہمیشہ تمہاری خوبصورتی اور حسن کو سراہا ہے۔ تمہارا پلڑا ہمیشہ ہی بھاری رہا ڈولی...... ہاں رضوانہ میری زندگی میں تم سے پہلے آئی تھی۔ ساری بات یہ تھی۔ اگر تم پہلے آگئی ہوتیں تو......''

''ہوں۔'' وہ پھر وہی تمسخرانہ ہنسی ہنسی ''تم سے میں نے کبھی بھی محبت نہیں کی تھی سکندر ملک۔ تم ایک خوبصورت مرد تھے۔ میرے دل نے تمہیں سراہا تھا اور تمہیں پانے کی خواہش کی تھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی بہت ہی خوبصورت شے کو دیکھ کر اسے پانے کی خواہش کی جائے حالانکہ تم میرے اسٹیٹس کے نہیں تھے لیکن میں نے سوچا تھا کہ میری زندگی میں شامل ہو کر تمہارا اسٹیٹس خودبخود بدل جائے گا...... لیکن وہ ایک ننھی سی کونپل جو شاید کبھی محبت بن جاتی' اسی روز اپنی موت آپ مرگئی تھی اور اس کی جگہ ضد نے جنم لیا تھا اور اس بات کی مجھے خود خبر نہ تھی کہ یہ ضد ہے' محبت نہیں۔''

''سکندر ملک۔'' اس نے ساکت بیٹھے سکندر کو دیکھا ''تم میرے لیے ہمیشہ چیلنج رہے۔ ایک ایسا علاقہ جسے مجھے ہر تدبیر سے فتح کرنا تھا...... اور میں نے تمہیں فتح کرلیا۔ تم میرا مفتوحہ علاقہ تھے۔ میری محبت ہرگز نہیں اور مفتوحہ علاقے ہماری محبت ہرگز نہیں ہونے چاہییں' انہیں فتح کرنا کتنی بھی بڑی خواہش

کیوں نہ رہی ہو۔''

وہ حیران سا اس کی عجیب وغریب باتیں سنتا رہا۔

''اور محبت تو میں نے اب کی ہے۔'' اس کی آنکھیں لو دینے لگیں ''اور سکندر مجھ سے بھی اب محبت کی گئی ہے...... آزاد اور سچی محبت...... تمہاری محبت میں غلامی کی بو تھی سکندر ملک۔''

''تم میرا مفتوحہ علاقہ تھے۔

اور تمہاری محبت بھی ایک غلام کی محبت تھی۔

ایک قیدی کی مجبور محبت۔''

''نہیں ڈولی میں نے تم سے سچ مچ محبت کی ہے۔ میں رضوانہ کو بھول چکا تھا۔ وہ لڑکپن کی بات تھی۔ میچور ہونے کے بعد تم میرے سامنے تھیں' اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ...... اور میں نے تمہارے ساتھ کبھی بھی بے ایمانی بددیانتی نہیں کی۔ اگر کوئی بات مجھے تمہارے پاس آنے سے روکتی تھیں تو وہ محض مجبوریاں تھیں۔ نکاح کی وہ زنجیر تھی جسے توڑنے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا لیکن میں نے تمہاری خاطر اسے توڑ دیا۔''

''تم نے نہیں سکندر ملک۔ یہ تمہارا کمال نہیں تھا اور نہ ہی تم میں اتنا حوصلہ تھا۔'' وہ بڑے اعتماد سے بات کررہی تھی...... ''یہ میرا کمال تھا اور میری بہترین حکمت عملی تھی کہ یہ زنجیر ٹوٹی اور میں نے تمہیں فتح کرلیا۔''

''چلو تم نے ہی سہی۔'' سکندر ہر صورت میں اس رشتے کو بچانا چاہتا تھا ''لیکن اب کیوں دست بردار ہورہی ہو؟''

''اس لیے کہ مجھے اس غلامانہ محبت کی ضرورت نہیں ہے۔''

''سوچ لو ڈولی۔'' وہ تھک سا گیا تھا ''اچھی طرح سوچ لو۔ بعد میں کہیں پچھتاؤ نہیں۔''

لیکن ڈولی فیصلہ کرچکی تھی اور سکندر کو بالآخر اس کے فیصلے کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور ڈولی نے خود کو آخر اس بندھن سے آزاد کرلیا جسے اس نے اپنی مرضی اور خواہش سے باندھا تھا۔

❀ ❀ ❀

''سر۔''

''ہوں۔''

پروفیسر عادل نے جو سامنے اخبار پھیلائے بڑی دیر سے یونہی ساکت بیٹھے تھے' چونک کر مسرور کی طرف دیکھا۔ جو بالکل ان کے مقابل بیٹھا انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''سر آپ کچھ پریشان ہیں؟'

''ہاں۔ نہیں تو۔'' اخبار رول کر کے تھوڑی کے نیچے ٹکا کر مسکرا کر انہوں نے اسے دیکھا۔

''نہیں سر' کوئی بات ہے جو آپ کو اپ سیٹ کیے ہوئے ہے۔''

''وہم ہے تمہارا۔''

اب وہ اسے کیا بتاتے کہ آمنہ صفی نے اچانک ہی انہیں الجھا دیا ہے اور ایک نادیدہ بوجھ جیسے ان کے دل پر آگرا ہے اور وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہے ہیں۔ کیسی خواہش کر بیٹھی تھی یہ آمنہ صفی اور پھر ان کی معذرت سنے بغیر' کوئی جواز دیے بغیر خود ہی اپنی خواہش سے دستبردار ہو کر چلی گئی تھی۔ لیکن ان کے لیے سوچوں کا ایسا دروازہ کھل گیا تھا کہ وہ الجھتے ہی جا رہے تھے اور کوئی سرا ان کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

''میں اسے وہم نہیں سمجھتا۔'' مسرور کی نظریں مستقل ان کے چہرے پر تھیں۔

''یار' جب کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو آدمی یونہی بے کار سوچوں میں الجھا رہتا ہے۔ میرے پاس جیسے آج کل کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ عجیب بورنگ سے دن ہیں۔ ڈل اور بے کار۔ بہت سارے دنوں سے کوئی ادھر آیا بھی نہیں۔ نہ مجتبیٰ صاحب نہ ارسلان وغیرہ۔''

''ارسلان وغیرہ تو اپنے امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں۔ فائنل ایر ہے۔ آپ حویلی گئے ہوئے تھے تو آئے تھے ایک دن ارمغان اور شہریار۔''

''ہاں کیسے تھے۔''

''ٹھیک ٹھاک تھے۔ ارمغان کو اپنے تھیس کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت تھی۔ کہہ رہا تھا پھر آؤں گا۔''

''اچھا' بہت اچھے لڑکے ہیں۔ سمجھ دار اور سلجھے ہوئے۔''

پروفیسر عادل نے خوبصورتی کے ساتھ موضوع بدل دیا تھا۔ مسرور نے بھی مزید اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ حالانکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہر وقت الجھے الجھے سے رہتے ہیں۔ جیسے اندر سے کوئی بات انہیں ڈسٹرب کر رہی ہو۔ وہ حویلی جانے سے پہلے ہی ڈسٹرب دکھائی دیتے تھے ورنہ سمجھتا کہ شاید وہاں کوئی بات ہو گئی ہے اور خلاف معمول وہ وہاں رہے بھی بہت تھے۔

''سر' اس بار آپ بہت دن حویلی ٹھہرے۔ ماں جی تو بہت خوش ہوئی ہوں گی۔''

''ہاں یار......'' انہوں نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا ''کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ شہر کے ہنگاموں سے دور وہاں ہی ڈیرا ڈال لوں۔ آنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔''

''آپ کچھ دن اور ٹھہر جاتے۔''

''نہیں مسرور میاں۔ بہت دن رہ لیا تھا۔ یہاں لڑکوں کا ہرج ہو رہا تھا۔ وہ افتخار نے نیا کام شروع کیا تھا' اسے گائیڈنس کی ضرورت تھی۔''

''افتخار کا کام بہت اچھا ہے۔ سر حفیظ بھی اس کی تعریف کر رہے تھے۔''

''ہوں۔ اس لڑکے میں بہت ٹیلنٹ ہے۔'' پروفیسر عادل نے آنکھیں موند لیں۔ مسرور نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا سر' میں ذرا کچھ کام کر لوں۔''

''ہاں شام کو کہیں باہر چلیں گے اور ذرا خدا بخش سے کہہ جانا گرم چائے کا ایک کپ مجھے اور دے دے......'' انہوں نے آنکھیں موندے موندے ہی کہا اور سوچا۔

''تو کیا میں بہت ڈسٹرب ہوں...... اتنا کہ مسرور نے بھی محسوس کر لیا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ میں گم رہنے والا لڑکا ہے اور وہاں بی آپا بھی تو کہہ رہی تھیں کہ وہ پریشان لگ رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے کتنی تردید کی تھی۔ لیکن بی آپا کو یقین نہیں آیا تھا۔''

''نہیں عادل' تم کم از کم مجھے نہیں جھٹلا سکتے۔ میں بچپن سے تمہیں جانتی ہوں۔''

اس روز شام کو جب وہ کامل کے کمرے میں بیٹھے یونہی سوئے ہوئے کامل کو دیکھ رہے تھے تو بی آپا بھی وہیں آ گئی تھیں۔

''تم یہاں ہو۔ میں سمجھی شاید چچا جان کی طرف چلے گئے ہو۔''

''ہاں' میں ذرا کامل کو دیکھنے آیا تھا مگر یہ سو رہا تھا تو ادھر ہی بیٹھ گیا۔''

''تم مجھے پریشان لگتے ہو۔''

''نہیں تو......'' وہ مسکرائے ''آپ کا وہم ہے۔''

''خیر وہم تو نہیں۔'' انہوں نے اصرار کیا ''تم مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ تم مجھے بتلانا نہ چاہو۔'' وہ ان کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھیں ''عادل تم جب سے آئے ہو' چچا جان کے گھر نہیں گئے۔ تمہیں وہاں جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں' جاؤں گا۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا ''ماں جی بھی کہہ رہی تھیں۔ ویسے چاچا جی ٹھیک تو ہیں نا؟''

''عادل......'' بی آپا نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا ''پچھلی بار بھی تم آئے تو میں تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی لیکن پھر کامی کی بیماری کی وجہ سے بات نہ ہو سکی۔''

''جی۔'' وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ بی آپا ان سے کیا بات کرنا چاہ رہی ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب موجود نہیں ہے۔

''تم نے حریم کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

''میں......'' انہوں نے اضطراب سے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائیں ''میں نے بہت پہلے دادا جان کو بتا دیا تھا ان کے متعلق۔''

''ہاں لیکن تم نے اپنی پسند کے متعلق بھی تو کچھ نہیں بتایا۔ ماں جی کی بڑی خواہش ہے کہ اب تمہاری

شادی کردی جائے۔"

بات مکمل کر کے انہوں نے جواب طلب نظروں سے انہیں دیکھا لیکن وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔ اب وہ بھلا انہیں کیا بتاتے۔ کیا کہتے کہ ان کی کوئی پسند ہے بھی یا نہیں۔

"آخر حریم میں کیا کمی ہے عادل؟"

"کوئی کمی نہیں آپا۔" وہ نادم ہو گئے تھے۔ اس بات سے وہ ہمیشہ نادم ہو جاتے تھے کہ وہ ایک اچھی بھلی لڑکی کو بلا جواز رد کیے جا رہے ہیں۔

"پھر......؟" بی آپا کی سوالیہ نظریں ان پر جمی تھیں۔

"بی آپا میں کیا کہوں۔" وہ پریشان ہو گئے تھے۔

ایک وہ آمنہ صفی تھی جو انہیں الجھا گئی تھی' وہ گھبرا کر حویلی آئے تھے تو یہاں بی آپا نے پھر حریم کا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

"جانتے ہو عادل' خاندان میں اِدھر اُدھر دور پار کہیں بھی کوئی حریم کا جوڑ نہیں ہے۔ چچا اور چاچی بہت پریشان ہیں اس کے لیے اور کئی بار چاچی نے مجھ سے تمہارے لیے کہا ہے۔ عادل' تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنا ہی ہے......تو پھر حریم سے کرلو۔ بہت سہارا ہو جائے گا تمہیں بھی۔ بہت اکیلے اور تنہا ہو......کامی ہے تو سہی لیکن......جانتے ہونا۔ مانی اور مہران بازو بن جائیں گے تمہارے......اکیلے نہیں رہو گے۔ مضبوط سہارے ہوں گے تمہارے۔"

"کیا یہ اب میرے لیے مضبوط سہارے نہیں ہیں۔ کیا اب یہ میرے بازو نہیں ہیں؟"

"لیکن میری جان۔" بی آپا کی آنکھوں میں ان کے لیے بے حد شفقت اور محبت تھی "حریم سے شادی کرنے کے بعد بات اور ہو جائے گی۔ ابھی تو ان کے دلوں میں تھوڑی بہت خفگی ہے' ظاہر کریں یا نہ کریں......اور پھر تم تو بڑے دل کے' بڑے ظرف والے ہو عادل۔ اپنے لیے نہ سہی ان کے لیے۔ سب کی خوشی کے لیے حریم سے شادی کرلو۔ مجھے تم سے توقع ہے کہ تم ہم سب کو مایوس نہیں کرو گے۔"

انہوں نے بڑی ہی بے بسی سے انہیں دیکھا۔ ایک دم ہی بہت ساری تھکن ان کی رگوں میں اتر آئی۔ پتا نہیں کیوں' سب ہی ان سے توقعات رکھے ہوئے تھے۔ بڑا ہونا بھی کتنا بڑا عذاب ہوتا ہے۔ ایک وہ آمنہ صفی تھی جو اُن پر انگارے پھینک گئی۔ رہ رہ کر اس کے لفظ ان کے کانوں میں گونجتے تھے۔

"بڑا مشہور ہونے اور بڑا اہل ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے عادل خان۔"

اس کی تمسخر اڑاتی آنکھیں جیسے ان کے سامنے آگئیں اور ان کا جی چاہا وہ بی آپا سے چیخ چیخ کر کہہ دیں کہ نہیں ہیں وہ بڑے دل اور بڑے ظرف والے۔

بہت چھوٹا دل ہے ان کا۔

بہت تنگ سا۔

اور وہ کسی کا مان نہیں رکھ سکتے۔ نہ آمنہ صفی کا جسے وہ بہت زیادہ جانتے بھی نہیں ہیں اور نہ بی آپا کا۔

نہ حریم کا۔

اس حریم کا جو شاید انہیں چاہتی ہے۔

جس کا چہرہ اور جس کی نم آنکھوں نے ہمیشہ خاموش گواہی دی کہ وہ ان کے متعلق سوچتی ہے......اس کی آنکھیں ان کے حوالے سے خواب دیکھتی ہیں۔

"بی آپا۔" انہوں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر دہرایا "میں سوچوں گا۔"

ان کے اندر کی تھکن ان کے لہجے میں در آئی تھی۔ ابھی تو انہیں آمنہ صفی سے بھی ملنا تھا اور اس سے پوچھنا تھا کہ اس نے وہ سب کیوں کہا تھا اور وہ اس سارے معاملے میں کہاں فٹ ہوتے ہیں۔

"لیکن سوچنے میں دیر نہ کرنا۔" وہ مسکرائیں "جو بھی فیصلہ کرو جلدی کرنا۔"

انہوں نے سر ہلا دیا۔

تب ہی ماں جی کھوجتی ہوئی کامل کے کمرے میں آگئیں۔

"ارے تم دونوں' بہن بھائی یہاں ہو اور میں سمجھ رہی تھی کہ شاید عادل آرام کر رہا ہے۔"

"نہیں ماں جی۔ میں تو ذرا کامل کے پاس آیا تھا کہ اس سے باتیں کروں گا لیکن یہ بہت گہری نیند سو رہا ہے۔"

"ہاں' دوائی لینے کے بعد یہ یونہی گہری نیند سو جاتا ہے۔" وہ کامل کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئیں اور آہستگی سے اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو پیچھے کیا۔

کشادہ پیشانی'

بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں'

اونچی اٹھی ہوئی ناک'

وہ اپنے دادا سے بہت مشابہ تھا۔

ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اور شاید کامل کی اس حالت کی ذمے دار میں بھی ہوں۔ پتا نہیں کیوں کبھی کبھی انہیں لگتا تھا' جیسے وہ اگر وہ سب کچھ نہ کرتیں تو کامل ایک نارمل بچہ ہوتا۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں انہوں نے کہ وہ اس دنیا میں نہ آئے۔ کتنا علاج کیا تھا۔ کیسی الٹی سیدھی دوائیں کھائی تھیں۔

خود ان کی جان کے لالے پڑ گئے تھے لیکن آنے والی روح کو وہ دنیا میں آنے سے نہ روک سکی تھیں......اور یہ کتنا بڑا المیہ تھا......کتنی بڑی آزمائش تھی ان کے لیے۔

یہ جیتا جاگتا دکھ اس دکھ سے بھی بڑا تھا شاید۔ جوان کے خاوند نے شہر میں اپنی پسند سے شادی کر کے انہیں پہنچایا تھا۔ کئی دن تک انہیں یقین ہی نہ آیا تھا۔ ان پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ بدصورت نہیں تھیں۔ ان پڑھ نہیں تھیں اور پھر صاحب جائداد تھیں۔ آدھے نور پور کی مالک تھیں وہ۔ چچا نے ماں باپ کے مرنے کے بعد پرورش کی تھی اور پھر بیٹے سے بیاہ دیا تھا اور شادی کے صرف تین سال بعد منشی .... انہیں بتا رہا تھا۔

"کہ ملک صاحب نے شادی کر لی ہے۔"

عادل سال بھر سے اوپر ہو گیا تھا۔

اتنا فریب' اتنا دھوکا۔

اس سے ذکر تک نہیں کیا۔

چچا کو پتا چلا تو وہ اسی وقت .... شہر روانہ ہو گئے تھے۔ پتا نہیں' باپ بیٹے میں کیا باتیں ہوئیں لیکن انہوں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اب حویلی نہ آئے۔ منشی اس کے حصے کی رقم اسے پہنچاتا رہے گا۔

"مرد دو' دو شادیاں کر لیتے ہیں لیکن وہ بتاتا تو سہی کہ ان کی بھتیجی میں کیا کمی ہے۔"

"بیٹی تم چاہو تو طلاق لے کر دوسری شادی کر لو۔" انہوں نے سمجھایا تھا۔

لیکن انہیں طلاق پسند نہیں تھی۔ بیٹا تھا ان کا عادل۔ زندگی اس کے سہارے گزر جائے گی۔ سر پر باپ سے بڑھ کر چاہنے والے چچا کا سائبان تھا لیکن ان دنوں ان کی ذہنی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ چاہتی تھیں' کوئی اور روح دنیا میں نہ آئے۔

انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے رخساروں پر ڈھلک آئے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"ماں جی۔" عادل نے اٹھ کر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے "کبھی کبھی خدا اپنے بندوں کو یوں بھی آزماتا رہتا ہے۔"

"میرے لیے تو ایک ہی آزمائش بہت تھی بیٹے۔" ان کے لہجے میں کسی نادیدہ درد کی چبھن تھی۔

انہوں نے ان کے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگائے۔

"ماں جی' زیادہ نہ سوچا کریں' بعض فیصلے اوپر آسمانوں پر ہوتے ہیں اور آدمی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔"

"ہاں اپنے آپ کو یہی کہہ کر تسلی دی جا سکتی ہے۔ میں نے کب گلہ کیا ہے۔ ہاں کامی کا دکھ کبھی کبھی دل میں برچھیاں مارتا ہے بس۔"

پروفیسر عادل نے اپنے ہاتھوں میں تھامے ان کے ہاتھوں کو محبت سے دبایا اور مسکرائے پھر مڑ کر آپا کی طرف دیکھا۔

"ہاں ماں جی۔" بی آپا نے بھی ان کی تصدیق کی "جو گزر گیا ہے سو گزر گیا ہے' اسے بھول جائیں اور اب تو بس عادل کا سوچا کریں۔ آپ کی ساری خوشیاں تو اسی سے وابستہ ہیں۔"

"ہاں اب تو جی یہی چاہتا ہے کہ یہ جلدی سے شادی کر لے اور اس کے بچوں کی خوشی دیکھ لوں مگر پتا نہیں' اس نے اپنے دل میں کیا سوچ رکھا ہے۔" ان کی آواز میں افسردگی در آئی۔

عادل نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ ان کے ہونٹ بھینچ گئے اور دل پر ایک بوجھ سا آ گرا۔

"کاش' وہ اپنے دل کو رضامند کر سکتے' ان سب کی خوشی کے لیے۔"

اور پھر جتنے دن وہ یہاں رہے' بی آپا اور ماں جی سے نظریں چراتے رہے کہ کہیں بی آپا پھر ان سے اپنا جواب نہ مانگیں۔ وہ چاچا عبدالرحمٰن کے گھر بھی کھڑے کھڑے گئے تھے اور باہر سے چاچا سے مل کر آ گئے تھے۔ سلطان باہر ڈیرے پر تھا۔ اس کے کچھ دوست وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ سو ان کی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

اور اب یہاں آ کر بھی گھٹن کم نہیں ہو رہی تھی۔ پتا نہیں کیسا احساس تھا جو دل کو بھینچے جاتا تھا۔ آمنہ صفی بھی تو نہیں ملی تھی کہ ایک بار وہ کھل کر اس سے بات کر لیتے تو شاید دل پر دھرا بوجھ کم ہو جاتا لیکن پتا نہیں کہاں تھی وہ۔ شاید اسلام آباد چلی گئی تھی۔ مجتبیٰ صاحب سے بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاید انہیں ہی کچھ علم ہوتا اس کے متعلق۔ وہ ایک بار اس سے کلیئر کر کے پھر حریم کے متعلق سوچنا چاہتے تھے کہ آیا وہ بی آپا اور ماں جی کی بات مان سکتے ہیں یا نہیں۔ کیا وہ اپنے آپ کو اس قربانی کے لیے تیار کر سکتے ہیں' کیا وہ حریم کو اپنانے کے بعد اسے وہ خوشیاں دے سکتے ہیں جن کی وہ حق دار ہے؟

"چائے لے لیں عادل میاں۔" خدا بخش نے چائے لا کر ٹیبل پر رکھی۔

"ہاں۔" وہ چونکے۔

"پہلے بھی پڑے پڑے ٹھنڈی ہو گئی۔ خدا جانے کیا سوچتے رہتے ہیں۔" خدا بخش نے بڑبڑاتے ہوئے پہلے رکھی ہوئی چائے کی پیالی اٹھا لی۔

انہوں نے سر اٹھا کر خدا بخش کو دیکھا اور یکایک کھڑے ہو گئے۔

"ایسا کرو خدا بخش یہ چائے تم پی لو میرے حصے کی۔ اور میں ذرا جا رہا ہوں مجتبیٰ صاحب کی طرف۔ مسرور کو بتا دینا۔"

"میں پی لوں....." خدا بخش نے سر ہلایا "مجھے شوق نہیں جی' اپنا اندر جلانے کا۔"

وہ مسکرائے اور گاڑی کی چابی اٹھا کر یونہی سلیپر پہنے ہوئے پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

"جوتے تو پہن لیتے کم از کم۔ اب پتا نہیں کیسے کیسے ادیب لوگ آئے ہوں گے۔ کیا سوچیں گے وہ۔" خدا بخش بڑبڑاتا ہوا ٹیبل سے پیالیاں اٹھانے لگا۔

❀❀❀

مجتبیٰ حیدر کے ہاں محفل جمی تھی۔

حافظ احسان اللہ' تقی صاحب' ارسلان' ارمغان سب موجود تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ فضا میں سگریٹوں کا دھواں تھا۔

''آہا' عادل خاناں۔'' مجتبیٰ حیدر نے اٹھ کر ان کا سواگت کیا۔ کبھی وہ موڈ میں ہوتے تو انہیں یونہی کہہ کر بلاتے تھے ''آج غریب خانے کو کیسی رونق بخشی۔''

پروفیسر عادل نے کمرے میں موجود لوگوں کی طرف دیکھا اور مسکرائے ''بس یونہی بہت دن ہو گئے تھے آپ سے ملے۔''

مجتبیٰ حیدر نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا...... سیاہ بیڈ روم سلیپر پہنے۔ پیشانی پر بکھرے بال۔ گہرے رنگ کا شلوار سوٹ جس کی شکنیں بتا رہی تھیں کہ رات ہی کا پہنا ہوا ہے حالانکہ پروفیسر عادل بہت خوش لباس آدمی تھے اور گھر سے باہر نکلتے وقت نک سک سے درست ہو کر نکلتے تھے۔

''خیریت ہے عادل خان؟'' مجتبیٰ حیدر نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

''ہاں' بالکل خیریت۔'' وہ مسکرائے ''بس یونہی بیٹھے بیٹھے جی چاہا کہ آپ سے ملا جائے لیکن مجھے خیال نہیں تھا کہ یہاں اتنے لوگ ہوں گے۔''

''بس کبھی کبھی چھٹی کے دن محفل ہو جاتی ہے۔'' انہوں نے پروفیسر عادل کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''حالانکہ چھٹی کے دن گیارہ بجے لوگ سو کر اٹھتے ہیں' جبکہ گیارہ بجے ہم یہاں موجود تھے۔'' حافظ احسان اللہ نے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''کیسے ہیں آپ حافظ صاحب' بڑے دنوں بعد ملاقات ہوئی۔'' ان کے قریب بیٹھتے ہوئے پروفیسر عادل نے پوچھا اور پھر باری باری سب کی خیریت دریافت کرتے ہوئے ان کی نگاہ کونے میں کرسی پر بیٹھی آمنہ صفی پر پڑی تو لحہ بھر کو وہ ارسلان کو کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

مجتبیٰ کے یہاں فرشی نشست تھی۔ گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں فلور کشن بھی تھے۔ قیمتی کارپٹ بھی تھا اور جب کبھی وہ سب مجتبیٰ حیدر کے ہاں اکٹھے ہوتے تھے تو یونہی کارپٹ پر بیٹھا کرتے تھے۔ سو ان کی نظر پہلے کونے میں کرسی پر بیٹھی آمنہ صفی پر نہیں پڑی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ مجتبیٰ حیدر کی طرف آئے بھی اسی لیے تھے کہ وہ ان سے آمنہ کے متعلق پوچھیں۔ کرسی کے ہتھے پر کہنی رکھے اور ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

ان سے نظر ملتے ہی سر کو ہلکا سا جھکا کر وہ مسکرائی۔

آنکھوں میں کاجل لگائے۔

ڈھلے ڈھلے چہرے کے ساتھ وہ اس دن کی آمنہ صفی سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر

آج وہ وحشت نہیں برس رہی تھی۔ شاید وہ اپنے آپ کو اس تکلیف دہ صورت حال سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلے اطمینان نے پروفیسر عادل کو پرسکون سا کر دیا۔ اطمینان سے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ جب آمنہ صفی جانے کے لیے اٹھے گی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ جائیں گے اور اس سے درخواست کریں گے کہ وہ کچھ دیر اس سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ الجھنیں سلجھانا چاہتے ہیں اور یہ کہ اگر اس سارے معاملے میں ان کا کوئی ذرا سا بھی قصور ہے تو وہ اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔

''ہاں تو مجتبیٰ' آپ کیا کہہ رہے تھے' عادل کے آنے سے پہلے۔'' حافظ احسان اللہ نے اپنی داڑھی کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''میں کہہ رہا تھا کہ مرد نہ عورت کی ذہانت سے متاثر ہوتا ہے نہ خوبصورتی سے بلکہ وہ عورت کے عورت پن سے متاثر ہوتا ہے۔''

''اور یہ عورت پن......؟'' حافظ احسان اللہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ عورت پن مرد کی اپنی نظروں میں ہوتا ہے۔''

مجتبیٰ حیدر کو بات کرنے کے لیے کوئی پسندیدہ موضوع مل جاتا تو وہ بے تکان اور بہت خوش ہو کر بولتے تھے ''کوئی اسے سیکسوئل یعنی جنسی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اور کوئی چہرے کی خوبصورتی میں' کسی کو جسم میں نظر آتا ہے تو کسی کو چال میں اور کوئی آواز کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ 99.9 فی صد مرد اندر سے ایک سے ہوئے ہیں۔''

''لیکن وہ میری کہانی کا ہیرو۔'' حافظ احسان اللہ منمنائے۔

''ایکسپشنل کیسز آر دیر۔''

مجتبیٰ حیدر نے ان کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ مارا تو وہ ذرا سے دور کھسک گئے اور مجتبیٰ حیدر مسکرا کر تقی اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے جو کونے میں بیٹھی آمنہ صفی کو گاہے گاہے نظر اٹھا کر دیکھ لیتے تھے۔

''شریف سے شریف مرد بھی جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو سامنے آ جانے والی عورت کو کانی آنکھ سے ضرور دیکھتا ہے۔''

تقی اللہ گھبرا کر کارپٹ کو گھورنے لگے تو بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے مجتبیٰ حیدر نے سگریٹ سلگایا۔

''مجتبیٰ صاحب۔'' آمنہ صفی کے لہجے میں.... اول روز والی کھنک تھی۔.. اور وہ اپنی کرسی پر تھوڑا سا آگے کو جھکی ان کی طرف دیکھ رہی تھی ''دراصل مرد ازل سے بے وفا ہے۔ وہ بہت جلد اپنی بیوی سے اکتا جاتا ہے اور باہر توجہ ڈھونڈتا ہے اور فریب دیتا ہے۔''

''بجافرمایا آپ نے آمنہ۔'' حافظ احسان نے فوراً تائید کی۔

مجتبیٰ حیدر لمحہ بھر آنکھیں نیچے کیے مسکراتے رہے پھر سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی اور آمنہ کی طرف دیکھا۔

''اسی طرح عورتیں بے وفا ہوتی ہیں۔''

''مگر ان کی بے وفائی کی وجہ ہوتی ہے وہ مجبور ہوتی ہیں۔'' آمنہ نے جواب دیا۔

''مرد بھی اتنا ہی مجبور ہوتا ہے جتنا کہ عورت ہوتی ہے لیکن عورت سمجھتی ہے کہ مرد نے محبت نہیں کی' وہ بے وفا ہے۔ حالانکہ مرد سمجھوتا کرتا ہے۔ مرد جتنا سمجھوتا کرتا ہے۔ عورت اس کا آدھا بھی سمجھوتا نہیں کرتی......مرد اگر سمجھوتا نہ کرے تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ معاشرہ تباہ ہو جائے۔''

سب بہت دھیان سے مجتبیٰ حیدر کی گفتگو سن رہے تھے۔

''عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔''

سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر مجتبیٰ حیدر کے لہجے میں ایک خاص رنگ آ گیا تھا اور جب یہ رنگ ان کے لہجے سے جھلکتا تھا تو وہ بڑے پتے کی بات کہتے تھے ''اگر روک ٹوک نہ ہو تو ۹۹ فی صد عورتیں بگڑ جائیں جبکہ ۶۰ فی صد مرد بگڑیں گے۔''

''لیکن مجتبیٰ صاحب۔'' آمنہ صفی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب چلی آئیں ''میں کئی ایسی لڑکیوں کو جانتی ہوں جن کی روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں تھا لیکن وہ نہیں بگڑیں۔''

''میں نے کہا نا آمنہ صفی کہ ایکسیپشنل آر دیر......لیکن یہ آپ کھڑی کیوں ہو گئیں؟''

''دراصل مجھے ایک ضروری کام سے جانا تھا۔ یہاں تو آپ سے مصطفیٰ صاحب کا نمبر لینے آئی تھی۔ اتنی اچھی محفل دیکھ کر رک گئی تھی' اب اجازت دیں۔''

''ارے نہیں' کچھ دیر تو بیٹھیں۔'' تقی صاحب نے بے اختیار کہا ''آپ کی موجودگی سے رونق تھی یہاں۔''

''شکریہ تقی صاحب' پھر کبھی سہی۔'' آمنہ نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ پروفیسر عادل بھی کھڑے ہو گئے۔

''اچھا مجتبیٰ صاحب' میں بھی اب چلوں گا۔ یوں ہی مسرور کو بتائے بغیر چلا آیا تھا۔'' وہ تیزی سے آمنہ صفی کے پیچھے لپکے کہ نہ جانے پھر کب ملاقات ہو۔

''سنیے مس آمنہ صفی' مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔''

آمنہ صفی نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ تب ہی مجتبیٰ حیدر نے پیچھے سے پروفیسر عادل کو آواز دی۔ جو ان کے پیچھے ہی باہر نکلے تھے۔

''یار عادل خاناں' یہ کیا ایک دم آئے' ایک دم اٹھ کر چل دیے۔ میں سوچ رہا تھا کہ سب کے جانے

کے بعد ابھی تم سے پوچھتا ہوں کہ خیریت تھی نا۔ کچھ پریشان لگ رہے تھے۔''

''بالکل خیریت ہے۔'' پروفیسر عادل نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرائے۔

''آر یو شور؟'' مجتبیٰ حیدر نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یس۔'' پروفیسر عادل نے ان سے ہاتھ ملایا ''خدا حافظ پھر ملیں گے بلکہ آیئے گا آپ۔''

''ضرور۔'' مجتبیٰ حیدر نے خوش دلی سے کہا اور واپس جاتے جاتے جیسے کچھ یاد کر کے ایک دم پلٹ پڑے ''ارے ہاں' وہ تمہارے والد ملے تھے یار۔ بہت عرصے بعد۔''

اور پروفیسر عادل کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور وہ ایک جھٹکے سے مڑ کر مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھنے لگے۔

❁ ❁ ❁

''تم بالکل ویسی ہی ہو زینی ذرا بھی تو نہیں بدلی ہو۔'' مجتبیٰ حیدر نے گہری نظروں سے زینب عثمان کو دیکھا ''ویسی ہی فریش اور دلکش۔ ماہ و سال کی گردش نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔''

زینب عثمان نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ کسی تکلیف دہ یاد نے ان کے اندر چٹکی سی لی لیکن وہ مسکرائیں ''تم بھی تو ویسے ہی ہو۔ کچھ زیادہ نہیں بدلے۔''

''ارے نہیں یار' ہم تو بوڑھے ہو گئے۔'' مجتبیٰ حیدر نے اپنا سر ذرا سا جھکاتے ہوئے کہیں کہیں سے جھانکتے سفید بالوں کی طرف اشارہ کیا اور پھر سر اٹھا کر زینب کو دیکھتے ہوئے ان کے لبوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی۔

''اور تم......خدا کی قسم' آج بھی کسی کے دل کو اپنے ہاتھوں میں لے لینے کی طاقت رکھتی ہو۔ اس روز تمہیں اتنے سالوں بعد اسپتال میں دیکھ کر دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ عثمان بہت لکی ہے۔ اس کی خوش قسمتی پر رشک آیا۔ ایک ہماری بیگم ہیں کہ اٹھارہ سال پہلے کے حسن کی کوئی نشانی بھی باقی نہیں رہی۔''

''مجتبیٰ پلیز۔'' ان کی آنکھوں میں کوندے سے لپکے ''اب تم مجھے نہیں بنا سکتے۔''

''بنایا تو تمہیں میں نے پہلے بھی نہیں تھا' جب تم میرے سامنے ہوتی تھیں۔ میرے اردگرد تمہارے وجود کی روشنیوں سے رنگ ہی رنگ بکھر جاتے تھے۔''

''جب ہی تو...... جب ہی تو..........'' زینب عثمان کے ہونٹ بل کھا کر رہ گئے اور اندر ہی اندر کہیں وجود میں زہر گھلنے لگا اور انہیں برسوں پہلے کی وہ شام یاد آ گئی' جب مجتبیٰ حیدر کی مقناطیسی آنکھوں میں ایک دم حیرت اتر آئی تھی۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے...... بھلا یہ کیسے ممکن ہے مسز ملک۔'' اس نے اپنی بات کو دہرایا تھا۔

''بٹ ناؤ آئی ایم ناٹ مسز ملک۔''

''اوہ' یس آئی نو۔''

وہ ایک دم کچھ مضطرب سے نظر آنے لگے تھے اور پھر ایک دم کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے انہوں نے وہ بات کہہ دی تھی۔ جو آج بھی کبھی کبھی زینب عثمان احمد کو بے کل کر دیتی تھی اور یہی بے کلی تھی جو کبھی کبھی انہیں ڈیپریس کر دیتی تھی۔ بلاوجہ ہی۔

مجتبیٰ حیدر

مقناطیسی آنکھوں

اور پرکشش شخصیت کا حامل مجتبیٰ حیدر

جسے باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔

جو سراہنا جانتا تھا۔

جو جانتا تھا' کب کس وقت کہاں کون سی بات کرنی ہے۔

اور جب پہلی بار وہ اس سے ملی تھیں تو اس نے بے حد بے باکی سے ان کے حسن کو سراہا تھا۔ ان کی تعریف میں نہ جانے کہاں کہاں سے تشبیہات ڈھونڈ لایا تھا اور زینب عثمان احمد کو جو تب زینب ملک تھیں' اس نوجوان کہانی نگار کی بے باکی بری نہیں لگی تھی بلکہ اپنے اندر وہ کچھ مغرور سی ہو گئی تھیں۔

وہ اس قابل تھیں کہ انہیں چاہا جاتا۔

ان کی تعریف کی جاتی۔

اور ان دنوں تو انہیں بے تحاشا سراہا جا رہا تھا اور وہ ایک ماڈل کی حیثیت سے اپنی پہچان کروا رہی تھیں۔ ٹی وی سے انہیں آفر بھی ہو چکی تھی اور پھر جتنے دن بھی وہ پاکستان میں رہیں' کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی محفل میں ان سے ملاقات مجتبیٰ حیدر سے ضرور ہوتی اور پھر ہر بار وہ یوں لپک کر ان کی طرف آیا' جیسے صدیوں سے ان کا منتظر ہو اور ہر بار اس نے بڑے دکھ سے کہا۔

''کاش' آپ مجھے بہت پہلے ملی ہوتیں۔''

گہری گہری نظروں سے تکتے ہوئے جیسے وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں سمونے کی کوشش کرتے ہوئے کہے جاتا۔

''کوئی بھی کہانی لکھتے ہوئے میں سوچا کرتا تھا کہ ایک مکمل حسن کیا ہوتا ہے اور اس حسن کو میں لفظوں کا پیراہن کیسے پہناؤں گا اور اب آپ میرے سامنے ہیں تو مجھے کچھ مشکل نہیں رہا۔ آپ کا حسن مکمل ہے مسز ملک۔''

''مجتبیٰ' تم کہانیاں لکھتے لکھتے کہانیاں بولنے بھی لگے ہو۔'' وہ اٹھلاتیں۔

''آپ کے سامنے تو لفظ خود بخود اندر سے پھوٹتے ہیں اور یہ لفظ آپ کی خوبصورتی کے سامنے بہت کمزور لگتے ہیں۔ کاش' میں اس سے بھی زیادہ خوبصورت لفظوں میں آپ کے حسن کو خراج تحسین پیش

کر سکتا۔ اپنی کم مائیگی کا احساس بڑھ جاتا ہے اور آپ میرے خلوص پر شبہ کر رہی ہیں۔''

وہ مسکرا دیتیں۔

یہ تعریفیں ان کا حق تھیں۔

''مسز ملک' میں تو اس شخص سے حسد کرنے لگا ہوں جس کی دسترس میں یہ خوبصورتیاں ہیں۔''

اور انہیں لگتا جیسے واقعی دنیا میں ان جیسا کوئی نہیں ہے اور اسی احساس تفاخر کے ساتھ جب وہ واپس امریکا آئیں تو انہیں بہت شدت سے اپنی جلدی بازی کا احساس ہوا۔

شاید انہوں نے انتخاب میں غلطی کی تھی۔

زندگی کا ساتھی تو مجتبیٰ حیدر جیسا ہونا چاہیے تھا۔

زندہ دل اور ہر لحظہ سراہنے والا۔

ہر قدم پر پھول بچھانے والا۔

نہ کہ سکندر ملک جیسا مٹی کا مادھو۔

جسے نہ بات کرنے کا ڈھنگ آتا تھا نہ سراہنے کا فن۔ ہر لحظہ بس شکر گزاری کے جذبے سے بھیگا رہتا کہ اس نے اسے سرفراز کیا تھا' اپنی محبتوں سے نواز کر۔

''اور کیا واقعی انہوں نے اس سے محبت کی تھی۔''

پاکستان سے واپس آ کر کئی بار انہوں نے اپنے دل کو ٹٹولا تھا لیکن وہاں سناٹے ہی سناٹے تھے...... وہ اس کی پرکشش شخصیت سے متاثر ضرور ہوئی تھیں اور انہوں نے اس کی رفاقت کی خواہش بھی کی تھی لیکن شاید محبت کبھی نہیں کی تھی۔

وہ جو اس نے ان کی بے تحاشا خوبصورتیوں کو نظر انداز کیا تھا' اس سے ان کی انا پر کاری ضرب لگی تھی۔ انہیں اس دیہاتی لڑکی سے نفرت سی محسوس ہوئی تھی جس کی وجہ سے سکندر ملک نے انہیں ٹھکرانے کی جرأت کی تھی۔ خود بخود ہی وہ انجان لڑکی ان کے مدمقابل آ کھڑی ہوئی تھی اور انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اس انجانی ان دیکھی لڑکی کو ہرانے میں صرف کر دی تھیں اور بالآخر فتح یاب ہوئی تھیں اور بہت سارے دن وہ اس فتح کی خوشی میں سرشار رہی تھیں۔ پھر اچانک ہی انہیں اپنی زندگی ڈل لگنے لگی تھی اور ایسے ماحول میں ماڈلنگ کی آفر سکندر کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے قبول کر لی تھی۔

خدا نے انہیں بے تحاشا حسن سے نوازا تھا تو پھر کیوں نہ وہ اس کا خراج وصول کرتیں۔

پاکستان سے آ کر بھی وہ کئی دن تک مجتبیٰ حیدر کی باتیں یاد کر کے تڑپ اٹھتی تھیں اور ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ جاتی۔

مجتبیٰ حیدر کے لفظوں میں جو حدت تھی۔

جملوں میں جو گرم جوشی تھی۔

سکندر ملک کے پاس نہیں تھی' سو اختلافات بڑھتے جا رہے تھے اور مجتبیٰ حیدر کی امریکا آمد نے اس اختلاف کو مزید ہوا دی۔ وہ سمجھتی تھیں' مجتبیٰ حیدر ان کی محبتوں میں پور پور ڈوب چکا ہے اور مجتبیٰ نے سیکڑوں بار اس کا اظہار بھی کیا تھا۔

مجتبیٰ حیدر جیسا گرم جوش ہم سفر ہو تو زندگی کا لطف دوبالا ہو جائے۔

وہ زندگی کے ایک ایک لمحے سے خوشیاں کشید کرنے کا قائل تھا اور خود ان کی بھی یہی رائے تھی کہ زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ جائے۔

انہیں یقین تھا کہ اس کے حسن کو سراہنے والا' ان کے حوالے سے کئی کہانیاں تخلیق کرنے والا مجتبیٰ حیدر سکندر ملک سے ان کی علیحدگی کا سن کر خوشی سے اچھل پڑے گا لیکن اس کی سحر انگیز آنکھوں میں حیرتیں اتر آئیں۔

"کیا اختلافات اتنے شدید ہو گئے تھے ڈولی کہ تم نے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔" (مسز ملک والا تکلف بہت دن پہلے ختم ہو چکا تھا اور اب وہ انہیں کبھی ان کے نک نیم سے پکارتا۔ کبھی ان کے نام سے۔۔۔ جو زینب سے زینی ہو چکا تھا۔)

"کیا سمجھوتے کی کوئی صورت نہ تھی؟"

"نہیں۔" وہ اس کے بالکل قریب کھڑی تھیں "مجتبیٰ کیا تم جانتے نہیں کہ میں نے یہ اتنا بڑا قدم کس لیے اٹھایا ہے؟"

"اوہ نہیں۔" وہ اس کے قریب سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا تھا "میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا ڈولی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا "شادی کے لیے میں اپنا الگ نظریہ رکھتا ہوں۔ میں تمہارا مداح ہوں زینی۔ تم واقعی پوجے جانے کے قابل ہو۔ لیکن سوری' میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں دوست سمجھتا ہوں۔ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔"

ان کی آنکھوں میں نیلے پیلے دائرے سے بننے لگے تھے۔ اس لیے نہیں کہ وہ مجتبیٰ حیدر کے عشق میں مبتلا ہو گئی تھیں اور اب مجتبیٰ حیدر کے بغیر وہ جی نہ پاتیں۔ بلکہ اپنی ذات کی تذلیل کے احساس نے ان کے اندر جیسے آگ سی بھر دی تھی۔ اور کنپٹیوں پر جیسے کوئی ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

اور درد۔

شدید اور گہرا درد

ان کے سر اور کنپٹیوں سے یوں اٹھ رہا تھا جیسے کوئی رگوں کو ہاتھ میں لے کر بل دے رہا ہو۔

"کہاں گم ہو گئیں خاتون؟" مجتبیٰ حیدر نے قدرے جھکتے ہوئے شوخی سے پوچھا تو وہ چونکیں اور تیکھی نظروں سے مجتبیٰ حیدر کو دیکھا۔

"میں تمہارے کسی ناول کا کردار نہیں ہوں۔ ایک معزز شخص کی بیوی اور چار بچوں کی ماں ہوں۔"

"اس کے باوجود آج بھی کسی کے ہوش و خرد پر بجلی گرا سکتی ہو۔"

"مجتبیٰ۔" انہوں نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا "تم آج بھی اتنے ہی بے باک اور شوخ ہو لیکن اب میں بچی نہیں ہوں۔"

"بچی تو تم تب بھی نہیں تھیں زینی۔" مجتبیٰ نے قہقہہ لگایا۔

ان کے دل میں جیسے کسی نے سوئی چبھوئی۔ لحہ بھر ان کے چہرے کا رنگ بدلا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئیں۔ مجتبیٰ کو تو احساس تک نہیں ہوا تھا کہ ان کے دل پر کیا گزری ہے۔ بلکہ عثمان احمد سے شادی کا سن کر اس نے بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا۔ عثمان احمد سے شادی کے کئی برسوں بعد جب وہ ٹی وی کے ایک پلے میں کام کر رہی تھیں اور ہر طرف ان کا چرچا تھا۔ مجتبیٰ حیدر انہیں اچانک ٹی وی اسٹیشن پر مل گیا تھا۔

"آہا ہا مسز ملک کیسی ہیں آپ' بہت برسوں بعد دیکھا۔"

"مسز ملک نہیں زینب عثمان احمد۔" انہوں نے تصحیح کی تھی۔

"یعنی عثمان احمد۔" مجتبیٰ حیدر نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یس' میں نے عثمان سے شادی کر لی تھی۔"

"بہت خوب' بہت نائس آدمی ہے۔ آج کل کہاں ہے وہ؟"

"یہاں ہی لاہور میں۔"

انہوں نے بہت چاہا تھا کہ وہ ان سے رکھائی سے پیش آئیں لیکن یہ ممکن ہی نہ ہو سکا تھا۔ مجتبیٰ ایک بے تکلف آدمی تھے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ انہوں نے کبھی زینب عثمان احمد کو ہرٹ کیا تھا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے گھر آتے اور زینب عثمان سے گھنٹوں گپ لگاتے۔ ان کے اچھے دوستوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ زینب عثمان بھی بظاہر اس بات کو بھول چکی تھیں لیکن کبھی کبھی ان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی تھی۔ وہ کتنی بے تحاشا خوبصورت تھیں۔ پھر بھی۔۔۔۔۔ پھر بھی پہلے سکندر ملک نے۔

اور پھر مجتبیٰ حیدر نے۔

ایسے میں کبھی کبھی وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو جاتی تھیں اور عثمان احمد کی شامت آ جاتی تھی۔ حالانکہ عثمان احمد نے انہیں بے تحاشا محبتیں دی تھیں۔

ان کی ہر جائز ناجائز بات پر سر جھکایا تھا۔

محبتیں تو سکندر ملک نے بھی ان سے کی تھیں۔

لیکن پتا نہیں کیوں سکندر ملک ہمیشہ انہیں اپنا کوئی مفتوحہ علاقہ لگتا تھا جسے انہوں نے اپنی ذہانت اور چالوں سے جیتا ہو۔

''خیریت ہے زینی' یہ تم بار بار کہاں کھو جاتی ہو؟'' مجتبیٰ سنجیدہ ہو گئے ''عثمان کی وجہ سے پریشان ہو؟''

''ہاں ...... نہیں تو۔'' وہ چونکیں ''وہ کافی بہتر ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے' پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ریسٹ لازمی ہے۔''

''تو ریسٹ ہو رہا ہے۔'' مجتبیٰ حیدر کی نظریں ان کے چہرے پر تھیں۔

''ہوں ...... تم بتاؤ تم اچانک غائب ہو گئے اور پھر اتنے عرصے بعد اب خبر لی۔''

''میں امریکا چلا گیا تھا۔ ابھی تقریباً ایک سال قبل ہی واپس آیا ہوں۔ تمہارے پرانے گھر کی طرف ایک چکر لگایا تھا لیکن تم لوگ وہ جگہ چھوڑ چکے تھے۔''

''ہاں' ہم لوگوں نے ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی فروخت کر دی تھی۔ تم آج کل کہاں رہ رہے ہو؟''

''وہاں ہی ماڈل ٹاؤن میں۔ ہم ٹھہرے غریب کہانی نگار۔''

''تمہارے جیسے دو چار غریب اور ہو جائیں۔'' زینب عثمان مسکرائیں ''شاہ خرچ آدمی ہو۔ جتنا کمایا ہے اتنا خرچ بھی کر دیا ہے ...... آج کل کیا مصروفیات ہیں؟''

''آج کل ......'' اس نے لمحہ بھر سوچا ''آج کل ٹی وی کے لیے ایک پلے لکھ رہا ہوں ...... لانگ پلے ...... ارے تم ...... تم کیوں نہیں کام کرتیں میرے اس پلے میں۔ تمہارے اوپر بہت سوٹ کرے گا وہ کردار ...... کمال ہے مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا۔''

''لیکن میں نے بہت عرصے سے ٹی وی کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔''

''ماڈلنگ کر رہی ہو تو اس میں کیا حرج ہے اور پھر وہ کردار ...... تم پر ہی سوٹ کرے گا۔''

''کیا ہیروئن بناؤ گے اس عمر میں؟''

''ہیروئن کی بڑی بہن کا کردار ہے۔ لیکن تم ہیروئن بھی بن سکتی ہو۔ وقت تمہیں چھوئے بغیر گزر گیا ہے۔ مجھے تو آج بھی ایسا لگتا ہے' جیسے تم بالکل ویسے ہی ہو جیسا میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ پوری محفل تمہارے وجود سے سجی ہوئی تھی۔''

''مجتبیٰ۔'' انہوں نے تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا ''تم پھر بنانے لگے مجھے۔''

''ہرگز نہیں ......'' مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا۔

اونچا زوردار قہقہہ۔

❀ ❀ ❀

''اف ...... او۔'' مریم نے کتاب بند کر کے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کنپٹیوں کو دبایا۔

کوئی ایک لفظ بھی تو ذہن میں نہیں بیٹھ رہا۔ پاپا کی بیماری کی وجہ سے وہ کئی دن کالج نہیں گئی تھی اور بہت کچھ پڑھنے کو باقی تھا اور مس مہرین تو خوامخواہ ہی خفا ہو جاتی ہیں اور جب سے عثمان احمد گھر آئے

تھے' ان کے بلکہ ان سے زیادہ ماما کے دوستوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ ایک آ رہا تھا ایک جا رہا تھا اور یہ انکل مجتبیٰ تو ہر دوسرے تیسرے دن چلے آتے تھے اور اگر نہ آتے تو پاپا خود فون کر کے بلا لیتے تھے اور اب پتا نہیں کیوں' ماما ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی تھیں۔ وقفے وقفے سے مجتبیٰ حیدر کے اونچے زوردار قہقہے مریم کو ڈسٹرب کر رہے تھے۔

اور یہ انکل مجتبیٰ۔

''پتا نہیں آج بھی کہانیاں لکھتے ہیں یا نہیں ...... اور پتا نہیں' وہ کہانی انہوں نے لکھی بھی تھی یا نہیں۔''

اس کا جی چاہا' وہ ان سے پوچھے کہ انہوں نے وہ کہانی لکھی تھی اور ...... اور یہ کہ کیا واقعی ماما اس سے جیلس ہوتی ہیں۔

اور بھلا کوئی ماں بھی اپنی بیٹی سے جیلس ہوتی ہے۔

اور پتا نہیں یہ انکل مجتبیٰ ایسا کیوں کہتے تھے۔

اور پھر وہ ماما جیسی خوبصورت بھی نہیں۔

وہ غیر ارادی طور پر اٹھ کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔ زینب عثمان سے باتیں کرتے کرتے مجتبیٰ حیدر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''السلام علیکم انکل۔''

مجتبیٰ حیدر نے سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر زینب عثمان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ......''

''موموذرا دیکھو تمہارے پاپا اگر جاگ رہے ہوں تو انہیں مجتبیٰ صاحب کا بتا دو۔'' زینب عثمان نے ذرا سی گردن موڑ کر مریم کی طرف دیکھا۔ جو ان کے پیچھے کھڑی تھی۔

عثمان احمد جاگ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے اور وہ انہیں مجتبیٰ حیدر کا بتا کر باہر لان میں آ گئی۔

خدا کا شکر ہے کہ پاپا ٹھیک ہو کر گھر آ گئے ہیں۔ اس نے بیٹھتے ہوئے سوچا۔

اگر پاپا کو کچھ ہو جاتا تو ...... اس نے جھرجھری سی لی۔

اسے یوں لگتا تھا' جیسے پاپا کو کچھ ہو گیا تو وہ اکیلی رہ جائے گی۔

بالکل تنہا اور اکیلی۔

عاشی' نینا اور تیمور مری میں تھے۔

اور ماما ...... ماما پاس ہوتے ہوئے بھی بہت دور لگتی تھیں۔ کبھی کبھی تو بالکل اجنبی لگنے لگتی تھیں۔

اجنبی اور غیر۔

وہ پاپا کے عاجزانہ اور مسکین انداز سے چڑتی تھی' الجھتی تھی لیکن وہ ان سے شدید محبت کرتی تھی۔ اس کا

اندازہ اسے اب ہوا۔ جتنے دن وہ اسپتال میں رہے' وہ کالج نہیں گئی تھی۔ سارا وقت اسپتال میں رہتی تھی حالانکہ ماما نے کتنی بار اسے ڈانٹا تھا۔ چڑتی تھیں کہ وہ کالج کیوں مس کر رہی ہے لیکن اسے تو لگتا تھا کہ وہ کالج جائے گی تو پیچھے سے پاپا کو کچھ ہو جائے گا۔

"یہ موموتو دیوانی ہوگئی ہے۔" ماما نے مس آفندی سے شکایت کی تھی "چوبیس گھنٹے کے لیے نرس موجود ہے لیکن...... ذرا احساس نہیں کہ کتنا حرج ہو رہا ہے اس کا۔"

"ماما پلیز' مجھے رہنے دیں پاپا کے پاس' میں اپنی کمی پوری کرلوں گی۔ بس پاپا اچھے ہو جائیں ایک بار۔"

اور پاپا نے بھی ان دنوں کتنی باتیں کی تھیں اس سے اور اس نے بھی اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا...... ساری شکایتیں' سارے گلے شکوے۔

"پاگل ہو تم۔" انہوں نے اسے سمجھایا تھا "میں اور تمہاری ماما ہم دونوں تم سے بہت پیار کرتے ہیں اور کبھی کبھی زینی جو تم پر غصہ ہوتی ہے تو وہ اپ سیٹ ہوتی ہے تب۔ تمہیں تو پتا ہے کہ اپنی بیماری کی وجہ سے کبھی کبھی ٹینس ہو جاتی ہیں۔"

"وہ تو بیمار ہوتی ہیں لیکن پاپا آپ بھی تو بدل جاتے ہیں۔ آپ نے بھی تو کبھی مجھ سے نہیں پوچھا کہ موموٴ تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ تم اپنی کزنیں کے باوجود ویگنوں پر کیوں جاتی ہو؟"

اس نے پرانی بات یاد دلائی تو وہ مسکرا دیے۔ ہولے سے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔

"بیٹا' ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا' میں رہوں یا نہ رہوں۔ تم مجھے نینا' عاشی اور تیمور سے زیادہ عزیز اور زیادہ پیاری ہو۔"

اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے "آئی نو پاپا......"

اور وہیں اسپتال میں ہی کتنی بے تکلفی سے اس نے پاپا کو بتا دیا تھا کہ اسے ان کا وہ لیس مین والا رویہ بالکل اچھا نہیں لگتا۔ پاپا کو بس پاپا ہونا چاہیے جو ماما کو کسی غلط بات پر ڈانٹ بھی سکیں اور باز پرس بھی کر سکیں۔

اور عثمان احمد کھل کھلا کر ہنس پڑے تھے۔

"تمہاری ماما جب بیمار ہوتی ہیں نا تو وہ چاہتی ہیں کہ ان کی ہر بات پر ایگری کیا جائے۔" پاپا اسے دیر تک سمجھاتے رہے تھے۔"

اور جیسے اس کے سارے گنجل کھل گئے تھے اور وہ بہت ہلکی پھلکی ہوگئی تھی کہ نہ جانے یہ انکل مجتبیٰ کہاں سے آ ٹپکے تھے کہ ایک برسوں پرانی بات کی یاد نے اسے بھی ڈسٹرب کر دیا تھا۔

تب ہی دروازہ کھلا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ مجتبیٰ حیدر باہر آ رہے تھے۔ وہ ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔ ماما انہیں وہیں سے خدا حافظ کہہ کر پلٹ گئیں۔ وہ کیاریاں پھلانگ کر مین گیٹ کے قریب آ گئی۔

دھوپ' بارش اور سائے

"انکل مجتبیٰ۔" اس نے انہیں پکارا تو اپنی گاڑی کی طرف جاتے جاتے مجتبیٰ حیدر نے پلٹ کر دیکھا۔

"انکل مجتبیٰ۔" وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی "آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔"

"ضرور۔" وہ شفقت سے مسکرائے "جب میں یہاں سے گیا تھا تو تم اتنی سی تھیں۔" انہوں نے ہاتھ ...ا کیا "اور اب اتنی بڑی ہوگئی ہو۔"

"اور جب میں اتنی سی تھی۔" مریم بے حد سنجیدہ تھی "تو آپ نے کہا تھا موموٴ تمہاری ماما تم سے جیلس ہوتی ہیں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ یہ آپ نے کیوں کہا تھا؟"

مجتبیٰ حیدر کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں ابھر آئیں۔ انہیں بالکل یاد نہیں تھا کہ انہوں نے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

"اور کیا آپ نے ایسی کوئی کہانی لکھی جس میں ایک ماں اپنی بیٹی سے جیلس ہوتی ہے۔"

مریم کی سوالیہ نظریں ان کے چہرے پر جمی تھیں لیکن پھر انہیں کچھ یاد نہیں تھا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں بیٹا۔ میں نے ایسی کوئی کہانی کبھی نہیں لکھی اور یہ کہ میں نے آپ سے کبھی ایسی کوئی بات کہی تھی؟"

"آپ نے کہا تھا انکل۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑے یقین سے کہہ رہی تھی۔

"شاید کہا ہو۔" مجتبیٰ حیدر نے اپنی نگاہیں جھکا لیں "لیکن بیٹا میں تو یوں ہی اول فول بکتا رہتا ہوں بعض اوقات یوں ہی بغیر سوچے سمجھے بول دیتا ہوں۔ شاید ایسی کوئی بات مذاق میں کہہ دی ہو میں نے۔"

"اور آپ کی مذاق میں کہی ہوئی بات نے مجھے برسوں الجھائے رکھا۔ میں آج بھی خوف زدہ اور سہمی ہوئی ہوں کہ جانے کب ماما مجھ سے......" وہ ایک دم پلٹ گئی۔

"آئی ایم سوری۔ آئی ایم ریئلی ویری سوری۔" انہوں نے معذرت کی۔ وہ دل ہی دل میں ندامت محسوس کر رہے تھے۔

اس نے مڑ کر انہیں دیکھا اور کیاری پھلانگ کر واپس لان میں چلی آئی۔ وہ لمحہ بھر نادم سے وہاں ہی کھڑے رہے۔ بعض اوقات آدمی کو پتا ہی نہیں چلتا کہ اس کی یوں ہی کہی ہوئی کوئی بات کسی دل کو کتنی تکلیف دیتی ہے اور اس لڑکی نے جو جب ذرا سی تھی' اس بات کو یاد رکھا ہوا ہے جو شاید یوں ہی انہوں نے مذاق میں کہہ دی ہوگی۔

وہ نادم سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے اور مریم کو یوں لگا جیسے ایک کانٹا سا جو اس کے دل میں چبھا تھا نکل گیا ہو اور وہ جو ایک خوف کا' ڈر کا' حصار سا اس کے گرد کھنچا ہوا تھا' وہ اس حصار سے باہر نکل آئی ہو۔

اس کے ہونٹوں پر خود بخود ہی مسکراہٹ آ گئی۔

اسے لگا' جیسے وہ آج سے ایک مختلف لڑکی ہے۔ ایک دم ہی اس کی کایا پلٹ گئی ہو۔ اب کوئی خو
کوئی ڈر نہیں ہے اور پھر اب تو پاپا نے بھی اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی ہر بات' ہر خوف' ہر ڈر' ہر سوچ ان
ڈسکس کر سکتی ہے۔

اس نے سوچا۔

کسی دن وہ پاپا کو ڈاکٹر معید کے متعلق بھی بتا دے گی۔

ڈاکٹر معید اور عاشی۔

ہے ناں عجیب بات۔

اور عاشی کو پتا بھی نہیں کہ...... ڈاکٹر معید بہت اچھے ہیں۔ مسز آفندی اور ڈاکٹر نرگس فضول بولتی ہیں۔

اور جب عاشی کو کبھی پتا چلے گا کہ ڈاکٹر معید نے اسے آج نہیں بلکہ بہت پہلے پسند کیا تھا تو وہ کس قد
حیران ہو گی......

اور......اور......

اس نے لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کر کے کھول دیں۔

وہ ڈاکٹر شہریار...... عینی کے بھائی کس قدر مہربان ہیں۔ بالکل ڈاکٹر معید کی طرح اور ڈاکٹروں کو ایسا
ہی ہونا چاہیے۔ مہربان اور شفیق۔

اور ڈاکٹر شہریار۔

کبھی کبھی کس طرح دیکھتے تھے' گہری گہری نظروں سے۔

''بی بی' آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔'' شریف نے باہر آ کر کہا تو وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

❁❁❁

مریم' تیمور اور نینا کا ہاتھ تھامے ہنستی مسکراتی گھر میں آئی تو ڈرائنگ روم سے قہقہوں کی آوازیں
آ رہی تھیں......

''شاید ماما آ گئی ہیں۔'' وہ وہیں کوریڈور میں رک گئی۔

تیمور نے ہولے سے اس کا ہاتھ ہلایا ''مومومیں ماما کے پاس جاؤں؟'' اس کی آنکھیں چمک رہی
تھیں اور اس کے ہونٹ کھل گئے تھے۔

''ہوں۔'' اس نے تیمور کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''میں بھی۔'' نینا نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم کی طرف بھاگ گئے۔

ماما کو پتا بھی تھا کہ نینا' مور اور عاشی آنے والے ہیں پھر بھی وہ چلی گئی تھیں۔ تیمور اور نینا کا کیسا ذرا سا
منہ نکل آیا تھا جب گھر آ کر انہیں ماما نظر نہیں آئی تھیں۔ نینا تو باقاعدہ رونے لگی تھی اور عثمان احمد نے بہت

پیار سے اسے سمجھایا تھا کہ ماما کو بہت ضروری کام سے جانا تھا اس لیے وہ چلی گئیں اور یہ کہ وہ جلد ہی واپس
آ جائیں گی......انہوں نے نینا اور تیمور کو بہلا لیا تھا۔

دراصل زینب عثمان نے مجتبیٰ حیدر کے لانگ پلے میں کام کرنا منظور کر لیا تھا اور اس ڈرامے کی آؤٹ
ڈور شوٹنگ سوات میں ہونا تھی سو جب بچے گھر پر آئے تو وہ گھر پر نہیں تھیں۔ تیمور اور نینا تو انہیں بہت یاد
کرتے تھے۔ مریم انہیں بہلائے رکھتی تھی۔ وہ ان دنوں بہت پر اعتماد ہو گئی تھی۔

جیسے وہ یک دم بہت بہادر ہو گئی ہو۔

اور بہت محفوظ۔

عثمان احمد نے اسے یہ اعتماد اور یقین دیا تھا۔

اور مجتبیٰ حیدر کی آمد نے اس کے خوف اور ڈر ختم کر دیے تھے۔ اب وہ ماما کے دوستوں کی آمد پر برا
نہیں مناتی تھی۔ جب سے انہوں نے ڈرامے میں کام کرنے کی ہامی بھری تھی' ایک بار پھر ان کے گھر میں
محفلیں جمنے لگی تھیں۔

مجتبیٰ حیدر

شرجیل مرزا

میڈم نرگس

آنٹی آفندی

اور دوسرے بہت سے لوگ جنہیں وہ اچھی طرح جانتی بھی نہیں تھی' ان میں سے کئی لوگ زینب عثمان
کے ساتھ اس پلے میں کام کر رہے تھے۔

اس نے بہت حد تک گھر کے ماحول سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ پاپا کے سمجھانے پر وہ شرجیل مرزا کی بات تحمل
سے سن لیتی۔ مجتبیٰ حیدر کا احترام کرتی۔ ماما بھی اب اس سے خوش تھیں اور انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا
کہ اچھے نمبروں سے بی ایس سی کرنے کے بعد وہ اسے گاڑی گفٹ کریں گی۔ ان بیتے دنوں میں اس نے
ڈرائیونگ سیکھ لی تھی اور کبھی کبھار پاپا کی گاڑی لے کر ڈرائیو کے لیے چلی جاتی تھی۔ آج بھی وہ تینوں کو
لے کر باہر گئی تھی۔ عاشی کو اس کی دوست کے گھر ڈراپ کر کے اس نے نینا اور تیمور کو آئسکریم کھلائی تھی'
شاپنگ کروائی تھی۔ وہ بہت دیر تک یوں ہی گھومتے رہے تھے۔

اندر ڈرائنگ روم میں ایک شور اٹھا تو وہ چونکی۔ سب نہ جانے کس بات پر ہنس رہے تھے اور مجتبیٰ حیدر کا
قہقہہ سب سے بلند تھا۔

''اور یہ انکل مجتبیٰ کتنا اونچا قہقہہ لگاتے ہیں۔''

ہر عمر کا مرد چاہے وہ کتنا بھی شریف کیوں نہ ہو' عورت کو کانی آنکھ سے ضرور دیکھتا ہے۔

مجتبیٰ حیدر کی آواز بھی ان کے قہقہے کی طرح بلند تھی۔

جو مرد کمزور ہوتا ہے گھر میں' بیوی سے دبتا ہے' بیوی کے پیچھے دم ہلاتا پھرتا ہے۔ جسے عرف عام میں جورو کا غلام کہتے ہیں' وہ باہر بڑا کھل کر کھیلتے ہیں۔ وہ دراصل بے وفا مرد ہوتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ گھر میں بھی باہر بھی۔

''کیا پاپا بھی۔'' مریم کے تصور میں عثمان احمد آئے۔ ماما کے پیچھے پیچھے غلاموں کی طرح ہر بات پر لیس کہتے ہوئے۔ مگر نہیں انکل مجتبیٰ کی تو عادت ہے' یوں ہی بات کر دیتے ہیں' بنیر کسی دلیل اور ثبوت کے۔

''مومو' آپ ابھی تک یہیں کھڑی ہیں۔'' تیمور زینب عثمان سے مل کر واپس آگیا تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا تو وہ چونکی۔

''ماما سے مل لیے؟''

''وہ مصروف تھیں۔'' تیمور نے منہ بنایا ''انہوں نے مجھے کس کیا اور کوئی بات ہی نہیں کی۔''

''ہاں' مہمان جو آئے ہوئے ہیں۔'' وہ اسے بہلاتی ہوئی کمرے میں لے آئی۔ نینا بھی آگئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ ان سے باتیں کرتی رہی پھر انہیں ٹی وی گیم میں مصروف کر کے باہر آ گئی۔ ڈرائنگ روم سے اب بھی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید ابھی تک سب موجود تھے۔ اس نے کچن میں جھانکا۔ صفو اور شریف کچن میں نہیں تھے۔ شاید دونوں ہی ڈرائنگ روم میں تھے۔ چائے وغیرہ سرو کر رہے ہوں گے۔ سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ لحہ بھر کے لیے اس نے سوچا' خود ہی چائے بنا لے لیکن پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

اسٹڈی کا دروازہ نیم وا تھا۔

''کیا پاپا اسٹڈی میں ہیں؟'' اس نے سوچا۔

''اور یہ آج کل پاپا مہمانوں کو کم ہی اٹینڈ کرتے ہیں حالانکہ آج تو انکل مجتبیٰ بھی ہیں اور انکل مجتبیٰ کی کمپنی کو تو پاپا بہت انجوائے کرتے ہیں اور پھر ماما پورے ایک ہفتے بعد آئی ہیں۔ پاپا کو تو وہیں ہونا چاہیے تھا۔ کہیں ان کی طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی۔'' پتا نہیں کیوں اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں پاپا پہلے کی طرح اچانک بیمار نہ ہو جائیں۔ ڈاکٹر رافع نے کتنی تاکید کی تھی انہیں احتیاط کی اور وہ ذرا احتیاط نہیں کرتے تھے۔

پریشان ہو کر اس نے دروازے کو دھکیلا۔ سامنے ہی عثمان احمد کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے جانے کیا سوچ رہے تھے اور ان کی گود میں کوئی کتاب دھری تھی۔

''شاید پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوں گے۔''

''پاپا......'' مریم نے اندر قدم رکھتے ہوئے آہستگی سے انہیں آواز دی تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

دھوپ' بارش اور سائے

''تم لوگ آ گئے؟''

''جی پاپا۔ مور اور نینا اپنے کمرے میں ہیں اور عاشی اپنی دوست کے گھر۔ میں نے چاچا اسلم سے کہہ دیا ہے۔ وہ دو گھنٹے تک اسے جا کر لے آئے گا۔'' وہ آگے بڑھ کر قریب ہی قالین پر بیٹھ گئی اور ان گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا پاپا؟''

''بالکل فائن۔'' وہ مسکرائے۔

''تو پھر آپ ادھر اکیلے کیوں بیٹھے ہیں ادھر سب کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھے؟''

''دراصل وہ کسی نئی ڈراما سیریز پر بحث کر رہے تھے۔ میں بور ہو رہا تھا' سو ادھر چلا آیا۔ یوں بھی میں بہت دلچسپ کتاب پڑھ رہا تھا۔''

''پاپا آپ ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں۔ تھکتے نہیں ہیں؟''

''نہیں۔ وقت اچھا گزر جاتا ہے۔''

''پاپا ایک بات پوچھوں؟'' مریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''ضرور۔'' انہوں نے شفیق لہجے میں کہا۔

''پاپا کیا ماما کا ڈرامے میں کام کرنا اچھا لگتا ہے آپ کو؟''

انہوں نے لحہ بھر سوچا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا ''نہیں۔''

''تو پھر آپ نے انہیں منع کیوں نہیں کیا کہ وہ کام نہ کریں۔''

''انہیں جو پسند ہے بیٹا۔''

''لیکن انہیں آپ کی پسند کا خیال رکھنا چاہیے۔''

اس کے لہجے میں زور تھا۔ عثمان احمد نے غور سے اسے دیکھا۔

اعتماد کی روشنی اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

ان کی ذرا سی توجہ نے اسے کتنا بدل کر رکھ دیا تھا اور زینی نے خوامخواہ اسے اگنور کر رکھا تھا۔

پتا نہیں کیوں واہموں میں پڑی رہتی ہے۔

جانے کیا خوف ستاتے رہتے ہیں اسے۔ اپنی ہی بیٹی سے خفا رہتی ہے۔

''پپا۔ میں مما سے کہوں کہ آپ کو پسند نہیں ہے ان کا ٹی وی ڈراموں کے لیے کام کرنا۔''

''نہیں بیٹا اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اچھا......'' لحہ بھر کو اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر نارمل ہو گئی۔

''پپا یہ انکل مجتبیٰ کیسے آدمی ہیں؟''

''بہت نفیس' بہت اچھے۔''

''مگر پپا وہ تو بہت عجیب باتیں کرتے ہیں۔ بالکل انوکھی باتیں۔''

''ادیب آدمی ہے۔ باتوں میں بھی کہانیاں بولتا ہے۔''

''مگر پاپا' یہ تو صحیح بات نہیں ہے۔ لوگ ان کی باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہوں گے اور پتا ہے پاپا......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس نے مجتبیٰ حیدر کی باتوں کو ذہن سے جھٹکا اور غور سے انہیں دیکھا۔

کتنی زبردست پرسنیلیٹی ہے پاپا کی۔

اتنے اسمارٹ اور وجیہہ لگتے ہیں اب بھی پھر بھی ماما کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں' پتا نہیں کیوں اور وہ مجتبیٰ انکل کہہ رہے تھے کہ ایسے مرد......

اف یہ باتیں تو ذہن سے ہی چپک گئی ہیں۔ اس نے شعوری کوشش سے ان باتوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''پاپا' میں اپنے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں آپ پئیں گے؟''

''اپنی بیٹی کے ہاتھ کی ضرور پیوں گا۔''

وہ بڑے مان کے ساتھ مسکراتی ہوئی باہر آئی۔ شرجیل مرزا ایک دم سامنے آ گیا۔ اس نے کترا کر گزرنا چاہا تو اس نے راستہ روک لیا۔

''تم مجھ سے اتنا کتراتی کیوں ہو مریم؟''

''اس لیے کہ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔''

لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے کا رنگ بدلا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ہنسنے لگا۔

''لیکن ہم تو تم سے محبت کرتے ہیں۔''

''شٹ اپ۔'' بے اختیار ہی اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ شرجیل کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت نظر آئی پھر ان میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔

''تم......''

ابھی لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ زینب عثمان ڈرائنگ روم سے باہر آئیں۔

''ارے فجی' تم ابھی یہاں ہی ہو۔'' بہت محبت بھرا لہجہ تھا ان کا۔ مریم سلگ کر رہ گئی۔

''ماما' اس گھٹیا آدمی کو یہاں آنے سے منع کر دیں۔''

''مومو۔'' وہ غصے سے چیخیں ''سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔''

''سوچ سمجھ کر ہی کہہ رہی ہوں۔''

اس کے حلق میں ڈھیر سارے آنسو اکھٹے ہو گئے تو وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور بستر پر لیٹ کر رونے لگی۔

''تم نے اس سے کیا کہا تھا فجی؟'' ماما کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

''کچھ نہیں زینی۔ تمہاری یہ لڑکی تو پاگل ہے۔''

''گھٹیا' کمینہ' دوغلا۔'' روتے روتے وہ سر اٹھا کر... بڑبڑائی اور پھر رونے لگی۔

بہت دیر بعد عثمان احمد نے اندر آ کر ہولے سے اسے آواز دی۔

''مومو۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی ''مومو' میں تو سمجھ رہا تھا' اب تم بہت سمجھ دار ہو گئی ہو لیکن......'' وہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔ اس کے بہتے آنسو یک دم رک گئے ''تم نے شرجیل کو تھپڑ مارا۔''

''پاپا' وہ۔''

''نہیں مومو۔ تمہارا یہ رویہ قابل برداشت نہیں ہے۔ گھر آئے مہمانوں سے یہ سلوک کیا جاتا ہے؟''

ماما نے جانے کیا کیا شکایتیں لگائی تھیں کہ وہ اتنے غصے میں تھے۔

''تو کیا اس کی خوشی اتنی ہی عارضی اور مختصر تھی' صرف چند دنوں کے لیے۔''

''اور کیا پاپا اب پھر اس سے ناراض ہو جائیں گے۔''

''اور پھر وہ معتوب ٹھہرا دی جائے گی اور ماما اس سے بات کرنا چھوڑ دیں گی۔''

'یا اللہ اس کی خوشیاں اتنی مختصر کیوں ہوتی ہیں۔'

اس کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

''تم نے......تم نے اس سے پوچھا عثمان اس نے فجی کو تھپڑ کیوں مارا تھا؟'' زینب عثمان غالباً شرجیل کو رخصت کر کے آئی تھیں۔

''یہ......یہ نارمل نہیں ہے عثمان۔ تم خوامخواہ اس کی سائیڈ لیتے ہو۔''

''مومو' میں آئندہ تمہاری شکایت نہ سنوں۔'' انہوں نے مڑ کر زینب عثمان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''آپ میری بھی تو بات سنیں پاپا۔'' اسے غصہ آ گیا تھا ''وہ گھٹیا آدمی مجھ سے فلرٹ کر رہا تھا۔''

عثمان احمد کی نظریں جھک گئیں۔

''لیکن مومو وہ تمہاری ماما کا......''

انہوں نے پھر مڑ کر زینب عثمان کی طرف دیکھا جو دروازے پر ایک ہاتھ دھرے انتہائی غصے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

مریم نے ان کی جھکی ہوئی نظروں کو دیکھا اور پھر ان کے پیچھے کھڑی ماما کو۔

''میں اسے پھر بھی تھپڑ مار سکتی ہوں اگر اس نے میرے ساتھ بدتمیزی کی اور ماما اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں شرجیل مرزا کی عزت کروں تو اسے سمجھا دیں کہ وہ اپنی حدود میں رہا کرے۔''

عثمان احمد نے اس کے تپتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گئے۔ زینب عثمان نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''مومو' مجھ سے تمہاری یہ بدتمیزی برداشت نہیں ہو سکتی۔ اگر آئندہ تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو میں تمہیں......''

''زینی کم آن' ریلیکس ڈیئر' بچی ہے۔'' عثمان احمد واپس پلٹ آئے تھے۔

''یہ سب تمہاری شہ ہے عثمان۔'' وہ ان کی طرف مڑیں ''تم نے آج کل اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ ورنہ اس کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ یہ شرجیل مرزا پر ہاتھ اٹھاتی۔''

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پاپا ماما کا بازو تھامے مضمحل مضمحل سے باہر جا رہے تھے اور وہ مسلسل ان سے الجھ رہی تھیں۔

اس کا دل پاپا کے لیے دکھا اور اسے افسوس ہوا کہ کیوں اسے اتنا غصہ آ گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں' وہ ایسی باتیں برداشت نہ کر پاتی تھی۔ کیا تھا اگر وہ شرجیل مرزا کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر واپس پاپا کی اسٹڈی میں چلی جاتی۔

جانے اسے کب عقل آئے گی۔ کب سمجھے گی وہ مصلحتیں اور وقت کے تقاضے۔

اور شکر ہے کہ سب لوگ جا چکے تھے۔ ورنہ..........

ورنہ وہ میڈم نرگس کیسے تمسخر سے دیکھتی تھیں ایسے موقعوں پر جب ماما پاپا سے الجھتی تھیں۔

''پلیز زینی۔'' باہر سے پاپا کی نرم آواز آئی ''جانی حوصلہ کیا کرو۔ برداشت پیدا کرو اپنے اندر۔''

''میں فجی سے کیسے نظریں ملاؤں گی۔ باس ہے وہ میرا۔''

''میں خود معذرت کر لوں گا اس سے۔ تم شوٹنگ سے تھکی ہوئی آئی ہو۔ ریسٹ کرو۔''

اور پھر زینب عثمان کی سسکیوں کی آوازیں۔

اور اب پھر وہی ڈراما دہرایا جائے گا۔

ماما کا شدید سر درد۔

ڈیپریشن۔

صبح شام ڈاکٹر ہادی کی آمد۔

میڈم نرگس کا مستقل قیام اور..........

''افوہ توبہ......'' اس کے اپنے سر میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا

اور ہولے ہولے دبانے لگی۔

❀ ❀ ❀

ڈولی نے علیحدگی حاصل کر لی تھی۔

ممی ڈیڈی نے سمجھایا۔

دوست احباب نے صلح کی کوشش کی لیکن بے سود۔

تمام ضروری کارروائیوں سے فارغ ہو کر وہ اپنے اپارٹمنٹ میں آیا تو اس کا دل گھبرانے لگا۔ ڈولی جا چکی تھی لیکن سکندر کو لگا' جیسے وہ اپنے وجود کا کوئی حصہ وہاں ہی چھوڑ گئی ہے۔

بیڈروم میں'

سٹنگ میں'

لاؤنج میں ہر جگہ اسے اس کے ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

لاؤنج کے صوفے پر اس کا کوئی بیکار پرس پڑا تھا۔

بیڈروم میں جوتے تھے جنہیں وہ چھوڑ گئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ یوں ہی بے دھیانی میں بیڈروم کے وسط میں کھڑا رہا اور پھر لاؤنج میں آ کر صوفے پر گر سا گیا۔

'' تو اس سارے قصے کا انجام یہ ہوا......''

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ڈولی کو یکایک اس سے اتنی شدید شکایتیں کیوں پیدا ہو گئی تھیں۔ اگر کچھ تھا بھی تو کوئی سمجھوتا کیا جا سکتا تھا۔ اس نے تو ڈولی کی ہر بات مان لی تھی۔ حتیٰ کہ بچوں کی خواہش بھی ختم کر دی تھی۔

پھر بھی وہ دونوں ایک چھت تلے نہ رہ سکے تھے۔

اور ڈولی چلی گئی تھی۔

جس طرح وہ خود اس کی زندگی میں اپنی مرضی اور خواہش سے شامل ہوئی تھی' اسی طرح اپنی مرضی سے چلی گئی تھی۔

آج بڑے دنوں بعد اسے رضوانہ کا خیال آیا۔

محسن وقار یاد آیا۔

اس کی معصوم باتیں یاد آئیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ رضوانہ بہت سادہ دل اور معصوم ہے۔ بالکل کنیز پھپو کی طرح۔ اس کا دل نہ دکھانا۔

شاید میں نے اس کا دل دکھایا تھا۔

اور خدا نے مجھے سزا دی ہے۔

وہ روئی تو بہت ہوگی۔

اور شاید اب بھی راتوں کو روتی ہو چھپ چھپ کے۔

کیا پتا بابا نے اس کی شادی کر دی ہو۔

اور وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ بہت خوش ہو اور اس نے کبھی مجھے یاد ہی نہ کیا ہو۔

اور بابا' ماں جی۔

بھابو' بھا نثار۔

پتا نہیں سب کیسے ہوں گے۔ اسے یاد کرتے ہوں گے یا نہیں۔

بابا تو اس سے بہت خفا ہوں گے۔

اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انہیں چاچا کی روح کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دے گا لیکن پھر......

کیا وہ اب بابا کا سامنا کر سکے گا۔

نہیں' کبھی نہیں۔

وہ کبھی بھی بابا کے سامنے نہیں جا سکے گا۔

اس نے بابا کا مان توڑ دیا تھا۔

رضوانہ کے یقین کو کرچی کرچی کیا تھا۔

اسے اتنے مضبوط بندھن میں باندھ کر بھلا دیا تھا اور کتنی آسانی سے اس بندھن کو توڑ دیا تھا۔

وہ رات گئے تک یوں ہی صوفے پر آنکھیں موندے لیٹا رہا۔

اور پھر کتنے ہی دن گزر گئے وہ اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نہیں نکلا۔ جاب پر نہیں گیا اور اپنے آپ سے الجھتا رہا۔ خود کو سمیٹتا رہا۔

اس کے اندر بے تحاشا ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ ڈولی نے اس طرح علیحدگی حاصل کر کے خود اسے اس کی نظروں میں گرا دیا تھا۔ اپنی توہین کا بدلہ لیا تھا اس سے۔

یہ احساس اسے کچوکے لگاتا رہتا۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ اڑتا ہوا اپنے گاؤں پہنچ جائے۔ ماں جی اور بابا کے قدموں میں سر رکھ کر معافی مانگ لے۔ یقیناً وہ اسے معاف کر دیں گے۔

لیکن پھر خود ہی اپنے خیال کی نفی کر دیتا۔

''نہیں نہیں وہ نہیں جائے گا۔ وہ ماں جی کا سامنا نہیں کر سکتا...... وہ رضوانہ سے نظریں نہیں ملا سکتا۔''

اسے بہت سارے دن سنبھلنے میں لگ گئے لیکن ہولے ہولے سنبھل گیا اور زندگی کی دلچسپیوں میں خود کو گم کر کے ڈولی کے دیے ہوئے زخم بھلانے کی کوششیں کرنے لگا۔ اکثر رات گئے تک کسی پب میں بیٹھا

غم غلط کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ بہت ساری لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں لیکن وہ کہیں کسی کے پاس نہیں رکا۔

مارتھا' جینی' غزالہ' رافعہ اور وہ ہندو لڑکی ربی۔ وہ تو مذہب تک چھوڑنے پر تیار ہوگئی تھی۔ ربی جو اس کی مریضہ تھی اسے فٹس پڑتے تھے۔ اسے اپنے والدین سے بہت شکایتیں تھیں۔ بہت خفا رہتی تھی وہ سب سے۔

''ڈاکٹر مجھ سے شادی کر لو۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی۔''

اسے لگا جیسے ربی...... ربی نہیں' ڈولی ہے۔ وہ وہاں سے جاب چھوڑ کر انگلینڈ آ گیا۔

وہ کسی ایک جگہ ٹھہرا نہیں۔ کبھی انگلینڈ' کبھی ہالینڈ' کبھی فرانس' کبھی جرمنی۔ جانے کس سے بھاگ رہا تھا وہ۔ کس سے فرار حاصل کر رہا تھا وہ۔ اسے خود سمجھ نہیں آتی تھی۔

اور مسلسل بیس سال بھاگتے بھاگتے وہ تھک گیا۔

آخر اپنے آپ سے بھاگ کر آدمی کہاں جا سکتا ہے۔

وہ بے دم ہو کر گرا تو اسے اپنے سب پھر بہت یاد آئے۔ بھولا تو وہ انہیں کبھی بھی نہیں تھا۔ ہاں بھلانے کی کوشش ضرور کرتا رہا تھا لیکن بھلا نہیں پایا تھا۔

اس رات ڈاکٹر حامد خاں کے گھر سے کھانا کھاتے ہوئے وہ بے طرح اداس تھا۔ اس پر ڈاکٹر حامد کا فیصلہ اسے اور اداس کر گیا۔

''ہم لوگ بہت جلد واپس پاکستان جا رہے ہیں۔'' مسز حامد نے بتایا۔

''کیوں؟'' اسے حیرت ہوئی۔ پاکستان میں تو ان کا کوئی نہ تھا۔ پھر......

''یار' میں نے سوچا ہے' آخر عمر اپنے وطن ہی میں گزارنا چاہیے۔ مرنے کے بعد اپنے وطن کی مٹی تو نصیب ہو۔'' ڈاکٹر حامد نے وضاحت کی۔

ڈاکٹر حامد اس کے کولیگ تھے۔ یہاں ہالینڈ کے اس اسپتال میں اسے جاب کیے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور اس تھوڑے سے عرصے میں ہی ڈاکٹر حامد اور ان کی فیملی کے ساتھ وہ بہت گھل مل گیا تھا اور اکثر ویک اینڈ ان کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ ان کے بچوں میں اس کا دل خوب لگتا تھا۔

اس رات اپنے گھر آ کر وہ بہت دیر تک ڈاکٹر حامد کی بات پر غور کرتا رہا۔

''ہاں' موت کے بعد تو اپنے وطن کی مٹی ہی نصیب ہونی چاہیے۔'' اس نے سوچا اور وطن جانے کا فیصلہ کر لیا۔

❀❀❀

دور کہیں کسی مکان کی چھت پر مرغا بولا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ کہیں کہیں اکا دکا ستارے چمک رہے تھے۔

شاید صبح ہونے والی ہے۔ اس نے کروٹ بدل کر چوہدری نثار کی طرف دیکھا۔ وہ بھی جاگ رہے تھے۔

''بھا' آپ جاگ رہے ہیں؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''لیٹا رہ سکندر۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں بھا جی' نیند نہیں آ رہی اور اب تو ویسے بھی صبح ہونے والی ہے۔''

دور کہیں پھر مرغا بولا۔

بھا نثار اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''تم رات بھر سوئے نہیں سکندر۔''

''جی پتا نہیں کیوں نیند نہیں آ رہی تھی حالانکہ مدتوں بعد یہ خنک ہوا محسوس کی ہے میں نے۔ جی چاہ رہا تھا' ان ہواؤں کو اپنی مٹھیوں میں بند کر لوں۔ لپٹ جاؤں ان کے ساتھ۔'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

چوہدری نثار نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے ہاتھ کو ہولے سے تھپکا۔

''بھا جی......'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا...... ''رضوانہ کیسی ہے...... خوش ہے نا اپنے گھر میں؟''

ملگجے سے اندھیرے میں چوہدری نثار کچھ دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتے رہے پھر آہستگی سے کہا۔

''ہاں' ایک بیٹا ہے اس کا۔ لاہور میں پڑھتا ہے۔ بہت سلجھا ہوا اور سمجھدار لڑکا ہے۔''

''اور اس کا شوہر کیا کرتا ہے۔ کہاں شادی ہوئی تھی اس کی۔ اپنے عزیزوں میں؟'' اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے پوچھا۔

''نہیں غیروں میں۔ یہ ساتھ والے پنڈ کے چوہدری ابصار ہیں ناں۔ ان کے بیٹے سے۔ پڑھا لکھا تھا۔ شہر میں رہتا تھا۔ بہت دیکھ بھال کے بعد شادی کی تھی' بابا نے اس کی۔ بہت شرمندہ تھے وہ اس سے لیکن۔''

''لیکن کیا؟'' اس نے تڑپ کر بھا نثار کی طرف دیکھا۔

''بس اس کے حق میں اچھا نہیں نکلا اس کا شوہر۔''

''اوہ......'' اس نے لب بھینچ لیے۔ دل میں جیسے خنجر سا آ لگا...... ''گناہ گار تو وہ تھا' اسے کس قصور کی سزا ملی تھی۔''

اس نے سوچا' ''لیکن شاید بعض اوقات کسی ایک کے گناہوں کی سزا بہت دور تک چلی جاتی ہے۔''

''رضوانہ نہیں مانتی تھی شادی کے لیے۔ بابا نے اپنی قسم دے دی۔ پگڑی اتار کر اس کے پاؤں پر رکھ دی اور وہ خاموش ہو گئی۔'' بھا نثار نے بتایا۔

وہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا رہا۔

''چل نیچے چلتے ہیں۔ تیری بھابو بھی جاگ رہی ہو گی۔ کہاں نیند آئی ہو گی اسے۔ بہت یاد کرتی تھی تجھے۔ ماں جی اور بابا کے بعد تو اس نے عادت ہی بنا لی تھی کہ ہر شام چراغ شاہ کے مزار پر دیا جلاتی۔ مسجد

میں تیل ڈالتی اور تیری سلامتی کی دعا مانگتی تھی۔''

''اور وہ ان سب ان کی محبتوں سے دور رہا اتنا عرصہ۔'' وہ نادم سا اٹھ کھڑا ہوا۔

بھابو بھی جاگ رہی تھیں۔ وہ تھکا تھکا سا صحن میں بچھے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ بھا نثار بھی اس کے پاس بیٹھ گئے۔

''تو سوئی نہیں صالحہ۔''

''نیند نہیں آئی۔ بس بابا اور ماں جی کا سوچتی رہی۔ وہ ہوتے تو آج کتنے خوش ہوتے۔'' انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھیں۔

''کاش اس نے آنے میں اتنی دیر نہ کی ہوتی۔ پتا نہیں' ماں جی اور بابا نے کس کس طرح اسے یاد کیا ہو گا......'' آنسو اس کی آنکھوں میں مچلنے لگے لیکن وہ ضبط کیے بیٹھا رہا۔

''ذرا سورج نکل آئے تو لاہور فون کرتا ہوں۔ سب بہت خوش ہوں گے تیرے آنے کا سن کر۔ میں انہیں تیری باتیں بتایا کرتا تھا اور عینی تو بہت سوال کرتی تھی تیرے متعلق۔''

''فون...... کیا فون کی سہولت ہے یہاں؟''

''ہاں یار' ابھی گھروں میں نہیں ہے لیکن پوسٹ آفس میں ہے۔''

''سکندر' تو کچھ دن رہے گا ناں اب۔'' بھابو نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''پتا نہیں......''

اس نے تو ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ وہاں سے چلا تھا تو سوچا تھا اس نے کہ سب سے مل کر واپس آ جائے گا...... لیکن اب آئے ہوئے اسے ایک رات ہی ہوئی تھی اور اسے لگ رہا تھا جیسے اس مٹی نے اسے جکڑ لیا ہو۔ جیسے اس کے پاؤں میں زنجیریں پڑ گئی ہوں اور جیسے وہ ان خنک ہواؤں اور خوشبودار فضاؤں کو چھوڑ کر واپس کبھی نہ جا سکے گا۔

''سکندر......'' اسے خاموش دیکھ کر صالحہ نے پھر پوچھا ''تیرے بیوی بچے کیسے ہیں' انہیں بھی ساتھ لے آتا۔ وہ بھی تیرا گاؤں' تیرا ملک دیکھ لیتے۔''

''بیوی بچے تو نہیں ہے بھابو۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔

''کیا......!'' انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا ''کیا تم نے شادی نہیں کی سکندر مگر تم نے تو لکھا تھا کہ......''

''شادی کی تھی بھابو لیکن زیادہ عرصہ نبھ نہیں سکی۔''

''اور بچے......'' بھابو کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''بچے تھے ہی نہیں۔''

''بچے ہوتے تو شاید......'' وہ آپ ہی آپ بولیں اور پھر بات نامکمل چھوڑ دی۔

"شاید پھر بھی نہیں۔" اس نے سوچا "اگر اس نے کوئی فیصلہ کرلیا تھا تو دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے روک نہیں سکتی تھی۔ بچے بھی نہیں۔"

"تم نے پھر شادی نہیں کی سکندر؟"

"جی ہی نہیں چاہا بھابو۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"وطن ہی لوٹ آتے۔" انہوں نے گلہ کیا۔

شاید......

"بس شرمندہ تھا' بھابو سب سے بابا سے' ماں جی سے۔ اور......اور رضوانہ سے۔"

"ماں جی اور بابا کا دل تو سمندر تھا سکندر۔ تجھے بہت یاد کرتے تھے۔ ذرا بھی ناراض نہیں تھے۔ پر تم نے کوئی رابطہ بھی تو نہیں رکھا تھا نا۔"

"بس بھابو......"

"کیا گزری ہوئی باتوں کو لے کر بیٹھ گئی ہے بھاگوان...... جو گزر گیا' سو گزر گیا...... نصیب سے کون لڑسکا ہے۔ پر یار سکندر' تجھے شادی کر لینی چاہیے تھی...... دنیا میں اچھے لوگ بھی تو ہوتے ہیں۔"

"بس بھاجی۔"

دور مسجد میں اذان کی آواز آئی تو چوہدری نثار اٹھ کھڑے ہوئے "میں تو چلتا ہوں مسجد پھر وہاں سے نماز پڑھ کر فون کرنے چلا جاؤں گا۔ سکندر تو غسل وغیرہ کرلے۔ رات بھر کا جاگا اور تھکا ہوا ہے۔ چائے پی کر سو جا۔ جو گزر گیا' اب اسے کیا سوچنا......" انہوں نے اس کے کندھے تھپکے اور صالحہ کی طرف دیکھا "نماز پڑھ کر جلدی سے چائے بنا دینا سکندر کو۔ میں فون کر کے آجاتا ہوں۔"

"شیری تو تیری طرح ڈاکٹر بنا ہے۔" چوہدری نثار کے جانے کے بعد بھابو نے بتایا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا' وہ بھابو سے رضوانہ کے متعلق پوچھے۔

"کیا وہ اسے یاد کرتی تھی۔"

"کیا روتی تھی وہ......"

مگر اس کی ہمت نہ ہوئی...... "کیا کہیں گی بھابو کہ اب......"

اور وہ بولتی رہیں۔

شیری کے متعلق' ارسل اور مونی کے متعلق۔

اور عینی کے متعلق باتیں کرتی رہیں۔

ماں جی اور بابا کی بے قراریوں کی داستان سناتی رہیں۔

لیکن رضوانہ کے متعلق انہوں نے ایک لفظ تک نہ کہا اور وہ چاہنے کے باوجود ان سے کچھ نہ پوچھ سکا

اور سر جھکائے ان کی باتیں سنتا رہا۔

❀ ❀ ❀

عینی' ارسلان' ارمغان' شہریار سب اسے گھیرے بیٹھے تھے۔

"سکندر چاچو' میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔" عینی نے منہ پھلایا۔

"ارے وہ کیوں بیٹا۔" سکندر نے قریب بیٹھی عینی کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیے۔

"اتنے عرصے تک ہمیں آپ نے یاد ہی نہیں کیا۔"

"تم تو وجود میں ہی نہیں آئی تھیں تب' جب چاچو یہاں سے گئے تھے۔ تمہیں بھلا وہ کیوں یاد کرتے۔" ارسلان نے اسے چڑایا۔

"جیسے تم تو پورے پہاڑ تھے تب۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"پہاڑ تو نہیں تھے لیکن پوچھ لو چاچو سے وہ ہمیں بہت یاد کرتے تھے۔ کیوں چاچو......؟"

"ہوں۔" سکندر نے سر ہلایا۔ اس کے سامنے پنگوڑوں میں لیٹے' ہاتھ پاؤں مارتے ارسلان اور ارمغان آگئے تھے "بہت یاد کرتا تھا سب کو۔" سکندر نے گہری سانس لی۔

"چاچو' آپ کو پتا تھا کہ میں بھی ہوں۔"

"دیکھا چاچو آپ نے' کس قدر پاگل ہے یہ۔"

"چلو میری بیٹی کو تنگ نہ کرو۔" سکندر نے اسے پیار سے دیکھا۔

"تو اور کیا چاچو' یہ مجھے خوامخواہ میں تنگ کرتے ہیں۔"

"دیکھ لینا......" عینی نے اس کی طرف دیکھا "میں تمہاری شادی کسی نک چڑھی لڑکی سے کرادوں گی۔"

"جیسے میں تو تمہاری پسند کی ہوئی لڑکی سے ہی شادی کروں گا۔ میں تو خود ڈھونڈ لوں گا لڑکی۔"

"اور مجھے ضرورت بھی نہیں ہے تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈنے کی میں تو اپنے شیری بھائی کے لیے ڈھونڈوں گی لڑکی بلکہ میں نے تو ڈھونڈ بھی لی ہے۔" اس نے شہریار کی طرف دیکھا۔

"ارے کیا واقعی...... شیری بھائی آپ اس کی پسند پر بالکل اعتبار نہیں کرنا۔ ضرور کوئی اپنی جیسی لڑکی تلاش کی ہوگی اور اس کی نظر تو ویسے بھی کمزور ہے۔ شکل وصورت کی بھنگن ہوگی۔"

"جی نہیں' وہ بہت خوبصورت ہے۔ کیوں شیری بھائی' خوبصورت ہے نا؟"

"کون......؟" شہریار چونکا۔

"آپ کہاں تھے بھائی؟" ارمغان نے اس کا کندھا ہلایا "عینی نے آپ کے لیے دلہن تلاش کرلی ہے اور اس کے اعزاز میں یہ جملہ بولا جارہا ہے۔"

شہریار نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"شیری بھائی وہ...... وہ میری دوست نہیں ہے مریم جس کے پپا آپ کے اسپتال میں تھے...... خوبصورت ہے نا وہ...... میری سب فرینڈز سے زیادہ پیاری ہے وہ اور پھر اس کی نیچر بھی اتنی اچھی ہے......"

"مریم......"

شہریار کے دل میں کہیں گھنٹیاں سی بجیں اور ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

"مریم" اس نے زیرلب دہرایا۔

"بتائیں نا...... ہے نا خوبصورت۔" عینی نے ضد کی۔

"ہاں۔" شہریار نے سر ہلا دیا "بہت سی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں پھر......؟"

"مگر وہ سب لڑکیاں مریم تو نہیں ہوتیں نا...... میں نے مریم کو آپ کے لیے پسند کرلیا ہے۔ بس امی......"

وہ صالحہ کی طرف مڑی جو ایک طرف بیٹھی انہیں سکندر کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

"امی اس بار میں آپ کو ساتھ لے جاؤں گی اور مریم سے ملواؤں گی۔ سچ امی وہ آپ کو بھی اچھی لگے گی۔"

"میرے اچھے لگنے کا کیا ہے پتر۔ تیرے بھائی کو بھی اچھی لگے تب نا۔ زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔"

"ان کو اچھی لگی ہے۔ آپ دیکھ نہیں رہیں' کتنے خوش ہو رہے ہیں۔ کیوں شیری بھائی؟" وہ پھر اس کی طرف دیکھنے لگی اور پھر ہونٹوں پر آنے والی بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے شہریار یک دم سکندر کی طرف مڑ گئے جو بہت دلچسپی سے عینی اور ارسلان کی نوک جھونک سن رہے تھے اور ان ننھی خوشیوں اور محبتوں سے اتنے عرصے تک محروم رکھا تھا اس نے اپنے آپ کو۔

خودساختہ جلاوطنی۔

خود اپنے لیے تجویز کردہ سزا بھگت رہا تھا۔

بہت سزا بھگت لی تھی اس نے۔

ان سب سے دور رہ کر بہت اذیتیں اٹھائی تھیں اس نے۔

بہت کرب سہا تھا اس نے۔

اپنی ناقدری کا احساس۔

رد کیے جانے کا دکھ۔

اپنوں سے جدائی کی اذیت۔

بابا کا مان نہ رکھنے کا غم۔

اور...... اور رضوانہ سے بے وفائی کا رنج۔

کتنے درد سہے تھے اس نے۔

مگر اب نہیں......

اب وہ واپس نہیں جائے گا۔

اب اس میں تنہا جینے کا حوصلہ نہیں رہا۔

ان سب اپنوں میں آکر وہ ہمت ہار بیٹھا تھا۔

اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ یہاں ہی رہے گا...... اور برسوں پرانا خواب جسے بابا نے دیکھا تھا اسے پورا کرے گا۔

گاؤں میں کلینک بنانے کا خواب۔

اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی گاؤں میں ڈاکٹر نایاب تھے۔ ایک چھوٹی سی ڈسپنسری تو بن گئی تھی۔ ایک ہیلتھ سینٹر بھی بن گیا تھا لیکن وہاں ڈاکٹر شاذ و نادر ہی ملتا تھا۔

"سکندر ماموں' آپ نے کیا سوچا ہے۔ واپس جائیں گے یا پاکستان میں ہی سیٹل ہوں گے؟" شہریار نے پوچھا۔

"اب واپس نہیں جاؤں گا۔" سکندر نے یقین سے کہا "یہاں گاؤں میں ہی کلینک بناؤں گا۔"

"سکندر' تیرا دل لگ جائے گا یہاں؟" صالحہ نے پوچھا۔ ان کی آواز بھیگ رہی تھی۔

"ہاں بھابو...... بہت سزا دے لی خود کو۔ اب آپ سب کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

"ظاہر ہے' اس میں تو وقت لگے گا۔ تب تک کے لیے آپ ہمارے اسپتال میں آجائیں۔ سرجن منیر چھٹی پر گئے ہیں۔ ڈاکٹر رافع کو ایک اچھے سرجن کی تلاش ہے۔"

"سوچوں گا بھئی...... فی الحال تو اپنی بھابو اور بھاجی کی محبتوں اور شفقتوں کے مزے اٹھالوں۔" وہ خوش دلی سے بولے اور محبت سے شہریار کی طرف دیکھا۔

انہیں شہریار بہت اچھا لگا تھا۔ سوبر اور سنجیدہ سا۔ عنبر آپو کا بیٹا اور عنبر آپو کتنا پیار کرتی تھیں اس سے۔ وہ آخری ملاقات اس کے تصور میں آگئی۔

وہ عنبر آپو کی ملتجی بھیگی آنکھیں اور اس یاد سے بے قرار ہو کر اس نے شہریار کو ایک دم اپنے ساتھ بھینچ لیا اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"سکندر چاچو' یہ فاؤل ہے۔" ارسل نے احتجاج کیا' "ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں لیکن جب سے آئے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ شیری پر زیادہ فریفتہ ہیں۔ ہم یہ ناانصافی برداشت نہیں کرسکتے...... احتجاج زبردست احتجاج۔"

"اسے دیکھتا ہوں تو عنبر آپا یاد آجاتی ہیں۔" سکندر نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔ بھابو کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔ ذرا سی دیر کے لیے فضا افسردہ ہوگئی لیکن کچھ دیر بعد ارسلان نے کوئی لطیفہ سنا کر

سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

ارسلان' ارمغان اور عینی کے ایگزام شروع ہونے والے تھے۔ اس لیے وہ جلدی واپس چلے گئے تھے۔ لیکن شہریار ہفتہ بھر رہا اور جانے سے پہلے فیصلہ کر گیا کہ سب...... بھابو' بھا نثار اور سکندر...... وہ سب کچھ دن آ کر لاہور رہیں گے اس کے پاس...... اسے اسپتال کی طرف سے گھر ملا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ سب وہاں اکٹھے رہیں لیکن بھابو اور بھا نثار گاؤں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔

''چلیں ہفتہ بھر کے لیے سہی۔'' اس نے اصرار کیا تو وہ مان گئے اور وہ بہت خوش خوش واپس لاہور چلا گیا۔

❀❀❀

''آمنہ صفی' کیا آپ بتائیں گی کہ آپ نے مجھے...... مجھے ہی کیوں منتخب کیا اس اعزاز کے لیے۔ جس کے قابل میں ہرگز نہیں تھا۔''

پروفیسر عادل اس کے مقابل بیٹھے تھے اور اضطراب سے بار بار سگریٹ جلاتے' ایک کش لیتے اور پھر پھینک دیتے۔

''سوری عادل خان' میں شرمندہ ہوں بہت۔ اس وقت میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔'' آمنہ صفی نے نگاہیں جھکا لیں۔

''لیکن میرے اندر بہت سی الجھنیں ہیں۔ بہت سے تجسل پڑ گئے ہیں۔ بہت پریشان رہا ہوں' بہت سوچا ہے میں نے کہ اگر آپ کے ساتھ یہ سانحہ میرے گھر سے نکلتے ہوئے پیش آیا ہے تو اس میں کس حد تک میں قصوروار ہوں۔''

''نہیں بالکل بھی نہیں۔ آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے کہا نا اس وقت مجھے ہوش ہی نہیں تھا۔ اس حادثے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میں خود اپنی نظروں میں غیر معتبر ہو گئی تھی۔ آپ کے سامنے آتے ہوئے تو نہ جانے کیوں میں نے سوچا کہ اس طرح شاید میں معتبر ہو جاؤں۔ آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس سے بھی یہی کہتی۔ میں...... میں شرمندہ ہوں عادل خان۔ میری وجہ سے آپ پریشان رہے۔'' اس کی نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

انہوں نے گہری نظروں سے پھر اسے دیکھا۔ لمحہ بھر دیکھتے رہے پھر نیا سگریٹ سلگایا۔

''شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہوں کہ آمنہ صفی لیکن میرے دل نے اس دلیل کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ نہیں آمنہ صفی' اتنی بڑی بات آپ بغیر کسی وجہ سے نہیں کہہ سکتی تھیں۔ پس پردہ کوئی اور ہی بات ہے۔''

''مثلاً......'' آمنہ صفی نے بھنویں اچکائیں پھر ذرا سا مسکرائی۔

''مثلاً یہ کہ مجھے آپ سے عشق ہو گیا تھا۔''

''نہیں۔'' عادل خان سنجیدہ تھے ''میں نہیں سمجھتا کہ ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے۔''

''تو پھر عادل خان' میری بات پر یقین کریں' میرے جیسی متوسط گھرانے کی لڑکی کے ساتھ اگر ایسا سانحہ ہو جاتا ہے تو اس کے ہوش کھو جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ میں اگر صحیح سلامت آپ کے سامنے ہوں تو یہ میری دل پاور ہے ورنہ......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

پروفیسر عادل نے آمنہ صفی کی طرف دیکھا جو بہت مضمحل لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں نامعلوم سی اداسی تھی۔

''آمنہ صفی......'' ان کے لہجے میں ہمدردی کا گداز تھا ''میرے ساتھ دو مسئلے ہیں اگر کبھی میں ان کے حصار سے نکل سکا تو میرا آپ سے وعدہ ہے کہ اس وقت تک اگر آپ کو کسی کی رفاقت میسر نہ آئی تو میں......''

''پلیز......'' آمنہ صفی نے بے اختیار اپنا ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بات کرنے سے روکا ''میری بات کو اہمیت نہ دیں عادل خان...... وہ ایک بات تھی گزر گئی' پلیز بھول جائیں اس کو۔''

''میرا دل کہتا ہے' آمنہ صفی کہ کہیں نہ کہیں میری ذات کا کوئی حصہ اس سارے معاملے میں انوالو ضرور ہے۔ ورنہ آپ جیسی لڑکی مجھ سے وہ سب کچھ نہ کہتی جو آپ نے مجھ سے اس روز کہا تھا۔ آپ کچھ بتانا نہیں چاہتیں اور خود مجھے اس الجھاؤ کا کوئی سرا نہیں مل رہا۔ لیکن جس روز میں نے کہیں بھی خود کو اس جرم کا شریک پایا تو میرا وعدہ ہے کہ میں اسی روز آپ سے شادی کر لوں گا۔ اپنے مسائل کے باوجود۔''

بات ختم کر کے انہوں نے بیرے کو بلا کر بل لانے کے لیے کہا۔ مجتبیٰ حیدر کے گھر سے وہ آمنہ صفی کے ساتھ یہاں آئے تھے تاکہ کچھ دیر بیٹھ کر وہ ان سے بات کر سکیں لیکن کچھ حاصل نہیں ہوا وہ الجھن جو کئی روز سے انہیں مضطرب کیے ہوئے تھی' اس طرح تھی۔

''بہرحال دیکھا جائے گا۔ وقت اور حالات خود بخود سب کچھ ایکسپوز کر دیں گے۔'' انہوں نے کندھے اچکائے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

آمنہ صفی کو ڈراپ کر کے جب وہ گھر آئے تو اسی طرح الجھے ہوئے تھے لیکن ان کی الجھن کی نوعیت مختلف تھی۔ اب وہ مجتبیٰ حیدر کے متعلق سوچ رہے تھے۔

''تمہارے والد بیمار ہیں۔'' مجتبیٰ حیدر نے انہیں بتایا تھا۔

اس وقت آمنہ صفی کے سامنے انہوں نے مجتبیٰ سے کچھ نہیں پوچھا تھا لیکن ان کا جی چاہ رہا تھا کہ ان سے تفصیل پوچھیں۔ بہت سال پہلے جب وہ نئے نئے لاہور آئے تھے تو انہوں نے مجتبیٰ حیدر سے اپنا تعارف کروایا تھا۔

''ارے تم وہاں کے رہنے والے ہو۔ تمہارے والد کیا کرتے ہیں۔ کیا نام ہے؟'' تب نہ جانے کیوں انہوں نے مجتبیٰ حیدر کو تفصیل سے سب کچھ بتا دیا تھا۔

اور مجتبیٰ حیدر کو حیرت ہوئی تھی۔

''ارے کمال ہے' تمہارے والد کو تو میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ اکثر ان کے گھر جاتا تھا۔

لیکن پھر امریکا چلا گیا اور پھر وہاں سے آ کر میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ بہت نفیس اور پیارا آدمی ہے وہ۔"

اور آج اتنے سالوں بعد وہ انہیں بتا رہے تھے کہ تمہارے والد بیمار ہیں۔

"میرے والد۔" انہوں نے لمحہ بھر کے لیے انہیں تصور میں لانا چاہا لیکن پتا نہیں کوئی شبیہہ نہ بن سکی۔

حالانکہ دادا کے کمرے میں آج بھی ان کی تصویر لگی ہوئی تھی اور جب دادا نے حویلی میں آنے سے منع کیا تھا تب وہ اتنے چھوٹے بھی نہیں تھے' سات آٹھ سال کے تھے اور انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ جب وہ حویلی آتے تو اسے بہت پیار کرتے تھے۔ اس کے لیے طرح طرح کے کھلونے لاتے تھے اور اسے اپنے پاس بٹھا کر اس سے ڈھیروں باتیں کرتے تھے۔ اسے کہانیاں سناتے تھے...... اور

جب دادا نے انہیں ہمیشہ کے لیے حویلی میں آنے سے منع کر دیا تھا تو وہ بہت روئے تھے۔ جب وہ جا رہے تھے تو انہوں نے جھک کر اسے پیار کیا تھا۔ بہت دیر تک اپنے بازوؤں میں بھینچے رہے تھے اور پھر یوں ہی بازوؤں میں لیے لیے سر اٹھا کر دادا کی طرف دیکھا۔

"میں کبھی کبھی اسے دیکھنے کے لیے آ سکتا ہوں؟"

"نہیں......" دادا کا لہجہ کیسا پتھر ہو گیا تھا" اس حویلی سے تمہارے تمام رشتے ختم ہو گئے ہیں۔"

"میرا جرم اتنا بڑا نہیں ہے ابا جان...... دوسری شادی گناہ نہیں ہے۔"

"ہاں۔ لیکن اس کے باوجود......"

"یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گا۔"

"خدا تمہیں اور بیٹے دے گا۔"

اور بابا اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر حویلی میں چلے گئے تھے اور انہیں خود بخود ادراک ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی سانحہ ہو گیا ہے۔ سو وہ بہت دیر تک بستر پر گر کر روتے رہے تھے۔

اور پھر ہفتوں مہینوں انہوں نے ان کا انتظار کیا تھا۔

اور ماں جی سے' دادا سے ان کے متعلق پوچھا تھا۔

دن میں کئی بار وہ اپنا سوال دہراتے۔

"ابو اب گھر کیوں نہیں آتے؟"

"وہ کب آئیں گے؟"

"اتنی دیر اس مرتبہ کیوں لگا دی انہوں نے؟"

اور پھر رفتہ رفتہ انہوں نے سوال کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جیسے انہیں پتا چل گیا کہ اب ابو کبھی نہیں آئیں گے۔ انہوں نے کہیں اور گھر لے لیا ہے۔

بے چینی سے انہوں نے انگلیاں چٹخائیں۔ سامنے رکھے ٹیلی فون کو دیکھا۔ ریسیور اٹھایا پھر رکھ دیا ہو' پھر اٹھایا اور ڈائل پر انگلیاں رکھے کتنے ہی لمحے انہوں نے یونہی گزار دیے۔ پھر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے انہوں نے نمبر ملائے۔

"ارے عادل خیریت؟" مجتبیٰ حیدر نے ان کی آواز سن کر پوچھا۔

"مجتبیٰ آپ اس وقت کیا کہہ رہے تھے؟"

"کب؟" مجتبیٰ سمجھ نہ سکے۔

"میرے والد کے متعلق۔"

"اوہ ہاں یار' چند دن ہوئے میں ایک دوست کی مزاج پرسی کے لیے اسپتال گیا تھا' وہاں اچانک تمہارے والد مل گئے۔ ہارٹ کی تکلیف تھی انہیں۔ بہت عرصے بعد ملاقات ہوئی۔ میں کل بھی گیا تھا انہیں دیکھنے۔ اب بہتر ہیں۔ شاید ایک دو روز میں گھر چلے جائیں۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے۔ تھینک یو مجتبیٰ۔"

"عادل یار' ایک بات کہوں اگر مائنڈ نہ کرو تو اپنے والد کو دیکھنے اسپتال چلے جاؤ۔ مل لو ان سے۔ پتا ہے تمہیں یاد کر رہے تھے بہت...... مجھ سے تمہارے بچپن کی باتیں کرتے رہے جب میں نے بتایا کہ میں انہیں جانتا ہوں تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا انہیں۔ بار بار تمہارے متعلق پوچھتے رہے۔ تمہاری شکل وصورت' تمہاری عادات ومزاج۔"

مجتبیٰ حیدر نے تفصیل سے بتایا۔

"اگر تم انہیں معاف کر سکو عادل خان تو مل لینا ان سے۔ روم نمبر آٹھ ہے اور پرائیوٹ اسپتال ہے۔ رافع اسپتال۔"

انہوں نے مجتبیٰ حیدر کی اس تفصیلی بات پر تبصرہ کیے بغیر خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ تھوڑی دیر یوں ہی آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آگے پیچھے جھولتے رہے۔

"کیا حرج ہے اگر میں انہیں دیکھ آؤں۔"

"ایک نظر۔"

"بغیر ملے بغیر اپنا تعارف کروائے۔"

"یوں ہی دروازے میں سے ایک جھلک۔"

"پتا نہیں' وہ دیکھنے میں کیسے ہوں گے۔"

"دادا کی طرح۔"

"یا چاچا جیسے یا پھر میرے جیسے۔"

یک دم وہ اٹھے' ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور رافع اسپتال کی طرف چل پڑے۔

وہ کوریڈور میں اِدھر اُدھر کمروں کے نمبر دیکھتے ہوئے جا رہے تھے کہ اچانک ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کی نظریں اچانک ہی اس پر پڑی تھیں اور پھر ہٹنا بھول گئی تھیں۔ سفید لباس میں ملبوس وہ ایک طرف کھڑی شاید کسی نرس سے باتیں کر رہی تھی۔ نرس سے بات کر کے اس کی نظریں لمحہ بھر کے لیے ان پر پڑیں۔

ہلکے ہلکے کاجل سے سجی بھرپور سحر کن آنکھیں مقناطیس ہی تو تھیں کہ ان کی نظریں اس کے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔ جیسے یکایک وہ انسان سے لوہے کے ٹکڑے میں بدل گئے تھے اور یوں اس طرح اس اجنبی لڑکی کو دیکھنے کی حرکت ان سے غیر اختیاری طور پر سرزد ہو رہی تھی۔

لڑکی کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں سی پڑ گئیں۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ لیا تو وہ چونکے اور بے اختیار چند قدم آگے بڑھ کر اسے آواز دی۔

"سنیے پلیز۔"

"جی۔" لانبی پلکیں اوپر اٹھیں۔

"وہ...... وہ روم نمبر آٹھ کہاں ہے۔"

"جی روم نمبر آٹھ اوپر ہے۔"

"اوہ۔ تھینک یو۔" نگاہیں اس کے چہرے پر ہی تھیں۔

اس کی آواز' اس کا لہجہ' اس کی آنکھیں' اس کا سارا وجود جیسے مقناطیس تھا اور وہ لوہے کے ایک معمولی ٹکڑے تھے۔

لڑکی کی آنکھوں میں حیرت اور ناگواری کے رنگ ایک ساتھ نظر آئے اور وہ تیزی سے مڑ کر نرس کے پیچھے چل دی۔

اور وہ عجیب سی خود فراموشی کے عالم میں وہاں ہی کھڑے رہ گئے۔

"یہ لڑکی کون تھی۔"

"اور ایک جھلک دکھا کر کہاں غائب ہو گئی۔"

وہ تیزی سے ادھر ہی لپکے' جدھر وہ گئی تھی لیکن کوریڈور خالی پڑا تھا۔ شاید وہ کسی کمرے میں گئی تھی...... دونوں طرف کمرے تھے...... اور پتا نہیں وہ کس کمرے میں گئی تھی۔

اور...... اور کیا یہ وہی لڑکی تھی جس کا انہیں انتظار تھا؟ انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا۔

اور انہیں لگا' جیسے ان کے اندر یہاں وہاں ہر جگہ چراغاں ہو گیا ہو۔

انہیں کسی انجانی ہستی کا انتظار تو تھا لیکن یہ...... یہ وہ ہرگز نہیں جانتے تھے کہ یوں ہو گا۔

اس طرح صرف ایک نظر۔

ایک نظر انہیں بے خود کر دے گی۔

کون تھی وہ اور پتا نہیں وہ اسے دوبارہ دیکھ بھی سکیں گے یا نہیں اور ان کے اندر ملال کے بادل چھا گئے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا' وہ کمرہ نمبر ۸ کے سامنے کھڑے تھے۔

"کمرہ نمبر آٹھ۔" انہوں نے زیر لب پڑھا۔ ایک قدم آگے بڑھایا اور لمحہ بھر یوں ہی کھڑے رہے۔ پھر ایک دم واپس مڑ آئے۔ اضطرابی انداز سے انگلیوں کو مسلتے وہ کچھ دیر تک اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے رہے۔ اس وقت ان کی حالت اس مسافر کی طرح ہو رہی تھی جو کنوئیں کے پاس سے پیاسا لوٹ آیا ہو۔

"کیا تھا اگر ایک نظر میں انہیں دیکھ لیتا۔"

وہ ایک شخص جس کی ذات میرے وجود کی تخلیق کا سبب بنی۔

لیکن...... انہوں نے ہونٹ بھینچ لیے۔

ان کے تصور میں ماں جی کا چہرہ آ گیا۔

ماں جی شاید اس پسند نہ کریں۔

ان کی انا کو ٹھیس پہنچے۔

لیکن ماں جی کو کیسے پتا چلے گا...... پھر میں نے کون سا ان سے بات کرنی ہے۔ صرف دیکھوں گا بس۔

انہوں نے سگریٹ سلگایا۔ دو تین لمبے لمبے کش لیے اور پھر زمین پر پھینک کر جوتے کی ایڑی سے مسل کر اسپتال کی طرف بڑھ گئے اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر سیدھے روم نمبر ۸ کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور چند لمحے یوں ہی کھڑے رہے۔ پھر آہستگی سے دروازے پر ہاتھ رکھا لیکن یک دم یوں اٹھا لیا جیسے آگ کو چھو لیا ہو۔

"نہیں۔" مسرور ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"سر میری ماں کی چیخیں میرے اندر اکٹھا ہو گئی ہیں سر...... وہ شخص جو میرا باپ ہے' اس نے میری ماں پر ظلم کیا۔ حالانکہ وہ بے قصور تھی......"

"نہیں۔" وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گئے۔ میرے باپ نے میری ماں کو طلاق نہیں دی تھی لیکن ظلم تو اس نے بھی کیا ہے اور میں ایک ظالم کے لیے اتنا مضطرب ہو رہا ہوں اور اتنا بے چین۔

وہاں سے ہٹ کر بہت دیر تک وہ اِدھر اُدھر اسپتال کے برآمدوں میں چکراتے پھرے۔

"کسے ڈھونڈ رہے ہیں وہ؟" انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا۔

وہ جو ذرا سی ایک جھلک دکھا کر کہیں غائب ہو گئی تھی۔

اور کیا واقعی یہ وہی ہستی ہے جس کے وہ برسوں سے منتظر رہے تھے۔

کیسی معصومیت تھی اس کے چہرے پر۔

کیسی قاتل آنکھیں تھیں۔

کیسی دلربا رنگت تھی۔

کیسے دلکش ہونٹ تھے۔

کیسا دل نشین سراپا تھا۔

"یہ وہی تھی۔" ان کے دل نے تائید کی۔

"ہاں یہ وہی ہے......" انہوں نے زیر لب دہرایا...... لیکن کیا انہوں نے اسے پا کر گنوا دیا ہے۔

نہیں اگر انہوں نے اسے گنوانا ہوتا تو وہ ملتی ہی نہیں۔

ان کے اندر یقین کا دیا جل اٹھا۔

ہاں وہ انہیں پھر ملے گی۔

یہیں کہیں اِدھر اُدھر۔

اندر کے یقین نے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی اور واپسی کے لیے مڑے اور کوریڈور کی طرف سے آتے شہر یار نے انہیں دیکھا۔

"سر آپ یہاں، خیریت......؟" وہ تیزی سے ان کے قریب آیا۔

"ہاں خیریت، یوں ہی ایک دوست کو دیکھنے آیا تھا لیکن شاید وہ یہاں سے چلے گئے ہیں۔"

"کیا نام تھا ان کا اور کیا ہوا تھا؟" شہر یار نے پوچھا۔

"ہارٹ ٹربل تھا انہیں۔"

تب ہی پاس سے گزرتے ہوئے کسی پیشنٹ کے اٹینڈینٹ نے شہر یار کو اپنی طرف متوجہ کیا تو انہوں نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ وہ نام بتانے کی زحمت سے بچ گئے ہیں۔

"آیئے سر بیٹھیے، ایک کپ چائے۔" اسے مطمئن کر کے شہر یار پھر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"نہیں شہر یار، پھر کسی دن چائے کے لیے آجاؤں گا اب اجازت اور تم لوگوں نے بہت دنوں سے چکر نہیں لگایا۔"

"آئیں گے سر۔ ارسل اور مونی تو ان دنوں پڑھائی میں بری طرح مصروف ہیں۔ امتحان بھی تو سر پر ہیں۔" شہر یار نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے بتایا "میں البتہ کسی دن حاضر ہو جاؤں گا۔"

"میں انتظار کروں گا۔"

"مجتبیٰ صاحب کیسے ہیں اور اپنے حافظ صاحب کی افسانہ نگاری کس منزل میں ہے؟" ان سے مصافحہ کرتے ہوئے شہر یار نے پوچھا۔

تب ہی ڈاکٹرز ڈیوٹی روم کی طرف سے تیز تیز چلتی ہوئی وہ ان کے قریب آگئی۔ پروفیسر عادل کی

نظروں نے پھر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"ڈاکٹر پلیز آپ کو پاپا بلا رہے ہیں۔" پروفیسر عادل کی طرف دیکھے بغیر اس نے شہر یار کو مخاطب کیا۔

"اینی پرابلم؟"

"پتا نہیں، پلیز آپ آجائیں۔"

"آرہا ہوں۔ آپ چلیں۔"

اور وہ اسی طرح تیز تیز چلتی ہوئی واپس مڑ گئی۔ پروفیسر عادل چونکے اور ان کے اندر جلتا یقین کا دیا ایک دم تیز لو دینے لگا۔

جیسے انہیں یقین ہو کہ اب وہ اسے گنوائیں گے نہیں۔ شہر یار اسے جانتا ہے تو وہ اسے پا ہی لیں گے۔

بہت مطمئن، بہت پر سکون ہو کر وہ شہر یار کو خدا حافظ کہہ کر واپس آگئے اور بہت دیر تک یوں ہی بے مقصد اِدھر اُدھر ڈرائیو کرنے کے بعد جب گھر واپس آئے تو مسرور پریشان ہو رہا تھا۔

"سر آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"یوں ہی ذرا مجتبیٰ کی طرف چلا گیا تھا۔ تم کھانا لگواؤ۔"

اور کھانا کھاتے ہوئے انہوں نے مسرور کی طرف دیکھا۔

"مسرور اگر کبھی تمہارے والد تمہیں...... میرا مطلب ہے تم سے ملنا چاہیں تو تم ملو گے ان سے یا پھر تمہیں پتا چلے کہ وہ بیمار ہیں تو تم انہیں دیکھنا چاہو گے؟"

"نہیں، ہرگز نہیں......" مسرور نے پورے یقین سے کہا اور ان کی طرف دیکھا۔

"کیا کسی نے آپ کو ان کی بیماری کی اطلاع دی ہے؟"

"نہیں یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ مسرور، کبھی کبھی آدمی دل کے ہاتھوں بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ کہیں کسی مقام پر وہ کسی سے زیادتی بھی کر جاتا ہے۔ شاید وہ اس کے لیے اتنا قصوروار نہیں ہوتا۔ جو دل ہے ناں، یہ تو پل پل نئے احساسات کو جنم دینے والا آلہ ہے...... کیا خبر تمہارے والد کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہوا ہو۔"

مسرور سے زیادہ جیسے وہ اپنے آپ کو دلیل دے رہے تھے۔

"جی سر...... لیکن میرا باپ ایک ظالم شخص تھا...... اس نے میری ماں کو طلاق دے دی تھی۔" مسرور کے لہجے میں تلخی در آئی تھی "وہ چاہتا تھا تو ایسا نہ کرتا۔"

لیکن ان کے والد نے تو ایسا کچھ نہ کیا تھا۔ بلکہ طویل عرصے تک وہ خط لکھ لکھ کر دادا سے معافیاں مانگتے رہے تھے۔ دادا کی وفات کے بعد انہوں نے ان کی سیف میں ان کے خط دیکھے تھے لیکن پتا نہیں کیوں، انہوں نے کبھی بھی انہیں تلاش کرنے یا کھوجنے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی حالانکہ ان خطوط میں اپنے لیے ان کے بے قراری اور تڑپ کو بھی محسوس کیا تھا اور جب بھی وہ حویلی جاتے ان خطوط کو نکال کر ضرور

پڑھتے......اور کبھی کبھی اپنی اس بچکانہ حرکت پر انہیں حیرت بھی ہوتی تھی لیکن وہ خود ہی دلیل دے کر خود کو مطمئن کر لیتے۔

شاید اس طرح ان کے اندر کی اس تشنگی کو جو دادا کے بے انتہا پیار کے باوجود اندر کہیں موجود تھی' تھوڑی دیر کے لیے سکون مل جاتا تھا۔

''سر۔'' مسرور نے انہیں مخاطب کیا تو وہ چونکے ''کیا میرے والد آپ کو ملے ہیں؟''

''نہیں۔'' وہ مسکرائے ''بس یونہی ایک خیال آ گیا تھا۔ آرام سے کھانا کھاؤ۔''

اور مسرور غور سے انہیں دیکھ کر پلیٹ پر جھک گیا۔

کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ دل کے خلفشار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بیک وقت وہ کئی متضاد کیفیتوں کی زد میں تھے۔

کبھی انہیں آمنہ صفی کا خیال آتا۔

کبھی اپنے والد کا تصور۔

اور کبھی وہ اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگتے جس کے نام سے بھی وہ واقف نہیں تھے لیکن جسے دیکھ کر دل نے گواہی دی تھی کہ ان کی تلاش ختم ہو گئی ہے۔

''سر' حافظ صاحب کا فون ہے۔'' مسرور نے اندر جھانکتے ہوئے بتایا۔

''یار' تم ہی اٹینڈ کر لو۔'' انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں کہا ''میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

ایک دم ہی بہت ساری تھکن ان کے وجود میں اتر آئی تھی۔ یوں جیسے صدیوں چلتے چلتے منزل کا نشان نظر آئے تو آدمی تھک کر ستانے کو بیٹھ جائے۔

یا کسی خوبصورت حادثے کا مضمحل خیال ذہن و دل اور روح و جسم کو بیک وقت تھکا دے۔

مسرور کے جانے کے بعد انہوں نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔

❀❀❀

اس کے رخسار دہک رہے تھے۔ آنکھیں خون اگل رہی تھیں۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن رہ رہ کر اس کے کانوں میں الوینا کی طنزیہ ہنسی گونجنے لگتی۔

''مومو تم اخبار پڑھتی ہو نا۔''

آج جب لائبریری میں بیٹھی فزکس کے ضروری نوٹس بنا رہی تھی تو الوینا نے اس کے قریب آ کر کہا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ الوینا سے اس کی کبھی نہیں بنی تھی۔ شروع ہی سے وہ مریم سے جیلس تھی اور وہ اسے تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ حالانکہ تمام کلاس فیلوز کے ساتھ مریم کے

تعلقات بہت اچھے تھے۔ اپنی نرم مزاجی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے سب میں ہی یکساں مقبول تھی۔

''بہت کم۔'' مختصر سا جواب دے کر وہ نوٹس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''مگر آج کل تمہیں ضرور پڑھنا چاہیے۔''

''کیوں......؟'' اس نے پھر ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھائیں۔

''تمہاری ماما اور غضنفر ملک کے متعلق بڑی دلچسپ خبریں آ رہی ہیں۔'' وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر لمحہ بھر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور بڑے تمسخر سے ہنسی...... ''ویری انٹرسٹنگ۔''

مریم کا رنگ ایک دم سرخ ہوا اور پھر زرد ہونے لگا۔ وہ یوں ہی طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے باہر نکل گئی اور مریم کتنی دیر تک یوں ہی میز پر کہنیاں ٹیکے ساکت بیٹھی رہی۔

مجتبیٰ حیدر کے لانگ پلے کے بعد زینب عثمان احمد نے مجتبیٰ حیدر کی سیریز میں کام کرنا شروع کر دیا تھا اور اس سیریز میں غضنفر ملک ایک نیا اداکار ان کے مقابل ہیرو تھا۔ زینب عثمان احمد نے اس تیرہ اقساط پر مشتمل ڈرامے میں ایک بیوہ عورت کا کردار ادا کیا تھا اور غضنفر ملک اس کا ینگ کرایہ دار تھا جو اس بیوہ عورت کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ڈراما خاصا کامیاب رہا تھا۔ زینب عثمان اور غضنفر ملک کی پرفارمنس کو بہت سراہا گیا اور دو ایک اخباروں نے تب بھی دبے دبے لفظوں میں زینب عثمان اور غضنفر ملک کے اکثر ساتھ دیکھے جانے کے متعلق لکھا تھا اور تب بھی الوینا نے ہی اس کا دھیان اس کی طرف دلوایا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ وہ ماما سے بات کرے گی' پوچھے گی اور ان سے کہے گی کہ وہ ان اخبار والوں کے متعلق کارروائی کریں جو الٹی سیدھی باتیں چھاپ دیتے ہیں۔ تب پاپا نے اسے سمجھایا تھا۔

''جو آدمی شوبز سے متعلق ہوتے ہیں' ان کے بارے میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں' ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے......''

لیکن وہ کیسے پروا نہ کرتی۔ الوینا فری پیریڈز میں اسے جان بوجھ کر سنانے کے لیے شوبز کے متعلق لوگوں کے اسکینڈل اپنی گروپ کی لڑکیوں سے اونچی آواز میں ڈسکس کرتی۔

''شوبز کے لوگ بہت برے ہوتے ہیں۔'' وہ اکثر تبصرہ کرتی تھی ''بہت گند ہے یہاں۔''

اور اس کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو جاتیں اور آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگتی تھیں۔

''عینی' کیا واقعی شوبز سے متعلق سب لوگ برے ہوتے ہیں؟'' اس نے کئی بار عینی سے پوچھا تھا۔

''نہیں مریم۔ اچھے برے لوگ تو سب جگہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح شوبز میں بھی ہے۔ کچھ اچھے کچھ برے۔ بلکہ میرے بابا کہتے ہیں' اچھے لوگ دنیا میں زیادہ ہوتے ہیں' برے کم۔'' عینی نے اسے تسلی دی تھی ''اور تم الوینا کی باتوں پر غصہ نہ کیا کرو۔ دراصل وہ جلتی ہے تم سے۔''

ایمی کو بھی الوینا سے چڑ تھی۔

لیکن عینی اور امی کی باتوں سے وہ مطمئن نہیں ہو پائی تھی حالانکہ عثمان احمد نے بھی اس سے یہی بات کہی تھی۔ مگر اب وہ ہر بات پر غور کرنے لگی تھی اور اپنے گھر آنے والے ہر فرد کے متعلق عثمان احمد سے پوچھتی اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرتی۔ جب سے انہوں نے مجتبیٰ حیدر کے ڈراموں میں کام کرنا شروع کیا تھا ان کا حلقۂ احباب بڑھ گیا تھا اور اب گھر میں ان کے ساتھ کام کرنے والے لوگ بھی آنے لگے تھے۔ اکثر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر ان کے ڈرامے کی قسط دیکھی جاتی تھی اور اس پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ عثمان احمد بہت کم ان محفلوں میں شریک...... ہوتے تھے۔ زیادہ تر وہ اسٹڈی میں رہتے تھے۔ وہ بھی زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی تھی لیکن پھر بھی ماما نے تقریباً سب ہی سے اسے متعارف کروایا تھا۔ جب تیرہ اقساط کے اختتام پر ان کے یہاں ڈنر پارٹی تھی تو اسے بھی اس میں شامل ہونا پڑا تھا۔ اس رات لالہ بھی میڈم نرگس کے ساتھ آئی تھی اور وہ بہت دیر تک اس سے اعزاز کی باتیں کرتی رہی تھی......

"اعزاز کو میرا گلوکارہ بننا پسند نہیں تھا۔ اس لیے میں نے ریاض کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ورنہ مجھے ڈیڈی یا ممی کسی کی پروا نہیں ہے۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔"

مریم کے استفسار پر اس نے بتایا تھا۔

"ممی اور ڈیڈی یونہی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ مجھ سے کسی نے پوچھا ہی نہیں۔"

"دراصل۔" اس نے مریم کے کان میں سرگوشی کی "ممی اور ڈیڈی دونوں اس طرح خبروں میں رہتے ہیں ڈیڈی بے چارے ممی کو طلاق دینے کے بعد باوجود جاگیردار ہونے کے پس منظر میں چلے گئے تھے۔ اسی بہانے اخبار میں ان کا ذکر ہونے لگا ہے۔ میری کسی کو پروا نہیں ہے۔"

اور وہ بہت دیر تک لالہ کے خوبصورت چہرے اور چمکتی آنکھوں کو دیکھتی رہی تھی' وہ ہمیشہ ہی لالہ سے مل کر متاثر ہوتی تھی۔ اس میں سچ کہنے کا حوصلہ تھا اور وہ کبھی بھی سچ کہتے ہوئے ڈرتی نہیں تھی۔

اس ڈنر پارٹی میں اس نے ہر شخص کو بہت گہری اور باریک بین نظروں سے دیکھا تھا حتیٰ کہ شرجیل مرزا سے بھی کچھ دیر بات کی تھی اور اس نے غضنفر ملک کو بھی خوش کیا تھا۔ جس نے ماما کے ساتھ مرکزی کردار ادا کیا تھا اور بہت سی چیزیں اپنے اصلی رنگوں کے ساتھ واضح ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھیں اور یہ سارے رنگ اب اس کی نظروں کے سامنے جھلملا رہے تھے۔ الگ الگ اور واضح واضح۔ بعض رنگ اپنی اصلی شکل میں کتنے بھدے اور کریہہ لگتے ہیں۔

اس نے اپنے سامنے آ جانے والے کالج بیگ کو ٹھوکر ماری جو کالج سے آتے ہی اس نے کمرے کے عین وسط میں پھینک دیا تھا اور سوچا کیا ہی اچھا ہو کہ وہ ان سارے رنگوں کو پہلے کی طرح گڈمڈ کر دے' ملا دے اور سب اپنی شناخت کھو دیں۔ اسے کچھ پتا نہ چلے' کچھ خبر نہ ہو کہ کون سا رنگ کیا ہے اور کون سا کیا۔ ان رنگوں نے واضح ہو کر اسے اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ میڈم نرگس جان بوجھ کر ماما

کو غضنفر ملک کی طرف متوجہ کرتی تھیں اور غضنفر ملک سے جانے چپکے چپکے کیا سرگوشیاں کرتی تھیں کہ وہ مسکرا کر ماما کو دیکھتا تھا۔

اور میڈم نرگس' بائیں آنکھ کا کونا دبا کر جب مسز آفندی کے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر زور سے قہقہہ لگاتیں تو اس کے وجود میں آگ سی لگ جاتی تھی۔

اور یہ سب صحیح نہیں تھا۔

کم از کم اس کی نظر میں۔

اور مسز آفندی میڈم نرگس کے پاس سے اٹھ کر عثمان احمد سے ہولے ہولے کچھ کہتیں تو وہ مضطرب سے ہو جاتے۔

وہ دونوں اسے خونی بلائیں لگتیں۔

جو ماما اور پاپا کو ایک دوسرے سے دور کر رہی تھیں اور خود اس سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

اور شرجیل مرزا جو بھوکی نظروں سے سب کو دیکھتا تھا۔

"آخر یہ شخص شادی کیوں نہیں کر لیتا۔"

اس نے چڑ کر لالہ سے کہا تھا۔

"اس لیے مائی فرینڈ کہ پھر اس کی شخصیت کا چارم ختم ہو جائے گا۔"

لالہ کو خود اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر چڑ ہو رہی تھی۔

وہ کئی دن تک ڈسٹرب رہی تھی اور اب ذرا سنبھلی تھی کہ الوینا نے......

اس نے سر اٹھا کر سامنے بیٹھی فرسٹ ایئر کی اس لڑکی کی طرف دیکھا جو میز پر اخبار پھیلائے بڑے دھیان سے فلمی صفحہ پڑھ رہی تھی۔

"پلیز ایک منٹ کے لیے اخبار دیں گی۔"

لڑکی نے خاموشی سے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

زینب عثمان اور غضنفر ملک کی تصاویر ساتھ ساتھ تھیں۔

"مجتبیٰ حیدر کے ڈرامے سے شہرت پانے والے غضنفر ملک' زینب عثمان کے ساتھ فلم میں بھی کام کریں گے۔ زینب عثمان اس فلم کی ہیروئن ہوں گی اور غضنفر ملک ہیرو۔"

"ماما اس عمر میں ہیروئن بنیں گی...... اور ان سے آدھی عمر کا غضنفر ملک......"

"نہیں یہ غلط ہے۔ یہ اخبار والے یونہی بے پر کی اڑاتے ہیں۔ ماما فلم میں کام نہیں کر سکتیں۔"

اس نے اخبار کو ہاتھوں سے پرے دھکیل دیا تھا اور بظاہر خود کو مطمئن کر کے پھر سے نوٹس بنانے لگی تھی۔

مگر گھر آتے ہی صفو نے اسے اطلاع دی تھی۔

''بیگم صاحبہ اب فلم میں بھی کام کریں گی۔''

''نہیں۔'' اسے یقین نہیں آیا۔ ''کیا پاپا نے انہیں منع نہیں کیا۔'' اس کی آواز خود کلامی کی طرح مدھم تھی۔

''پتا نہیں جی...... آج بہت لوگ آئے تھے۔ بہت ہنگامہ رہا۔ بیگم صاحبہ تو بہت خوش تھیں پھر وہ سب چلے گئے۔''

''اور ماما۔''

''وہ بھی۔'' صفو نے بتایا۔

''کھانا لگاؤں جی؟''

''نہیں۔ پاپا کہاں ہیں؟''

''اسٹڈی میں۔''

اور وہ کالج بیگ یونہی شولڈر پر لٹکائے عثمان احمد کے پاس چلی آئی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر جھکے کچھ لکھ رہے تھے۔

''پاپا......'' اس نے قریب جا کر آہستگی سے کہا تو انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت تھکے تھکے اور نڈھال لگ رہے تھے۔

''پاپا آپ کیا لکھ رہے ہیں؟''

''کچھ ضروری باتیں نوٹ کر رہا تھا۔'' انھوں نے فائل بند کر دی۔ ''تمہیں کچھ کام تھا کیا؟''

''پاپا کیا ماما اب فلم میں بھی کام کریں گی؟''

''ہاں۔'' انھوں نے گہری سانس لی۔

''آپ نے ان کو منع نہیں کیا؟''

''تمہاری ماما کو سپر اسٹار بننے کا شوق چرایا ہے۔''

''اب پاپا...... اب جب کہ میں ہوں' عاشی ہے' نینا اور تیمور ہے اور مجھے یہ پسند نہیں ہے پاپا۔ آپ کو پتا ہے' اخبار الٹی سیدھی باتیں لکھتے رہتے ہیں اور میں...... میں آج ماما سے بات کروں گی انہیں منع کروں گی۔''

ایک دم ہی اس کے اندر بلا کی خود اعتمادی در آئی تھی۔

''اتنا تنگ نظر نہیں بنتے بیٹا۔'' عثمان احمد نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''یہ تنگ نظری نہیں ہے پاپا' خیال اور سوچ کی بات ہے۔''

''ہاں بیٹا لیکن تمہاری ماں کسی کے روکے سے رک نہیں سکتیں۔ وہ جو کرنا چاہتی ہیں کریں گی ہر صورت...... جاؤ کھانا کھاؤ۔ ریلیکس ہو جاؤ۔ خوامخواہ اپنے ذہن کو مت تھکایا کرو۔''

اور وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی لیکن بہت مضطرب تھی اور اِدھر اُدھر ٹہل کر اس اضطراب کو کم کرنے کی

کوشش کر رہی تھی مگر وہ ٹہلتے ٹہلتے رکی۔ الوینا کی طنزیہ ہنسی اس کے کانوں میں گونجی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو ڈھانپتے ہوئے وہ کارپٹ پر بیٹھ گئی اور کچھ دیر تک یونہی کان ڈھانپے اور آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

''اور میں کس بات سے خوف زدہ ہوں۔'' اس نے کانوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

''اور ماما پہلے بھی...... میری پیدائش سے پہلے بھی تو ٹی وی ڈراموں کے لیے کام کرتی تھیں پھر اب اگر وہ کام کر رہی ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

''اور اب میری ماما بہت مضبوط ہیں۔ شوبز کی دنیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ جب وہ ینگ تھیں' خوبصورت تھیں' تب بھی تو...... اور اب تو وہ چار بچوں کی ماں ہیں۔''

''اور پاپا صحیح کہتے ہیں۔ مجھے تنگ نظر نہیں بننا چاہیے۔''

''اور اگر ماما سے بات کروں گی تو انہیں خوامخواہ غصہ آ جائے گا اور پھر...... ڈیپریس ہو جائیں گی۔''

''مجھے ماما کا خیال رکھنا چاہیے...... اور اب کتنا عرصہ ہو گیا ہے ماما کو میگرین نہیں ہوا اور نہ ہی وہ اس طرح ڈیپریس ہوئی ہیں۔''

اور الوینا کی تو عادت ہے الٹی سیدھی ہانکنے کی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ماما ہم سب کو چھوڑ کر غضنفر ملک...... وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں یونہی فضول سوچتی رہوں گی۔ کیوں نہ لالہ سے بات کروں۔

اس نے کمرے سے باہر آ کر لالہ کا نمبر ملایا لیکن وہ گھر پر نہیں تھی۔ ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ مڑی ہی تھی کہ بیل ہونے لگی۔

دوسری طرف ڈاکٹر معید تھے۔

''ارے آپ۔'' وہ خوش ہو گئی۔ ''کیسے ہیں آپ؟''

''فائن۔''

وہ بڑی خوش دلی سے بات کرتی رہی۔ ''پاکستان کب آ رہے ہیں؟''

''بہت جلد۔ ہمیشہ کے لیے۔''

انہوں نے خوش خبری سنائی اور فون بند کر دیا اور وہ واپس کمرے میں آنے کی بجائے وہاں ہی لاؤنج میں بیٹھ کر ماما انتظار کرنے لگی۔

❀ ❀ ❀

''مومو۔ مومو کی بچی' تم کہاں کھو گئی تھیں۔ تمہیں کیا خبر میں تمہارے لیے کتنا پریشان تھی۔'' عینی نے اسے گیٹ پر ہی جا لیا ''اور کیا تم بیمار تھیں کس قدر زرد ہو رہی ہو۔ مجھے پتا تھا' تم بیمار ہو گی مگر

مجھے تمہارا گھر بھی تو معلوم نہیں تھا ورنہ ارسل یا مونی کسی کو ساتھ لے کر تمہارے گھر ضرور آتی اور اگر وہ نہ آتے تو بابا کو لے آتی۔'' وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

''مگر تمہارے بابا تو گاؤں میں رہتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مریم نے کہا۔

''ہاں یار' تمہیں بتایا تو تھا میں نے کہ شیری اور ارسل بھائی کے بے حد اصرار پر سب لوگ ادھر ہی شفٹ ہو گئے ہیں۔ بس کبھی کبھار گاؤں جاتے ہیں اور تمہیں ایک خوش خبری بھی سنائی تھی میں۔ نے کہ میرے چاچو ایک طویل عرصے بعد وطن واپس آئے ہیں۔ بہت بڑے سرجن ہیں۔ فی الحال وہ شیری بھائی کے ساتھ ہی ''رافع اسپتال'' میں کام کر رہے ہیں لیکن ان کا ارادہ گاؤں میں کلینک بنوانے کا ہے بلکہ وہ اس سلسلے میں مصروف بھی ہیں اور دراصل بابا اور ماں جی نے سکندر چاچو کی وجہ سے ہی تو یہاں رہنا منظور کیا ہے۔ دراصل وہ اتنے عرصے بعد آئے ہیں نا تو ان سے جدا رہنا اب بابا کو بہت مشکل لگتا ہے۔'' عینی نے تفصیل بتائی ''اور پتا ہے' میں نے تو سوچ لیا تھا کہ آج شیری بھائی سے بات کروں گی۔ تمہارے پاپا ان کے اسپتال میں داخل رہے ہیں۔ انہیں یقیناً تمہارا پتا معلوم ہوگا۔''

''تھینک یو عینی۔ میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں۔''

''کوئی ضرورت نہیں شکریہ ادا کرنے کی۔ محبتوں کے شکریے ادا نہیں کیے جاتے۔ تم یہ بتاؤ تمہیں ہوا کیا تھا؟''

''مجھے......'' اس نے عینی کی طرف دیکھا۔

کتنی مطمئن' کتنی پر سکون ہے یہ لڑکی۔ ماں باپ کی محبتوں سے سرشار' بھائیوں کے پیار سے آشنا...... کیا یہ میرا دکھ سمجھ سکے گی اور میرے کرب کی شدت کو پا سکے گی۔

''تم کچھ پریشان ہو مومو۔ گھر میں تو سب خیریت ہے نا۔ تمہاری ماما' پاپا سب ٹھیک ہیں نا۔ عاشی' نینا' تیمور وغیرہ۔''

''ہاں وہ تو ٹھیک ہیں لیکن میں شاید ٹھیک نہیں ہوں۔''

''ہاں' وہ تو نظر آ رہا ہے۔ لیکن تمہیں ہوا کیا ہے۔ کوئی گھریلو مسئلہ ہے؟''

''ہاں عینی۔'' اس نے گہرا سانس لیا ''پتا نہیں' تم سمجھ پاؤ گی یا نہیں لیکن میرے اندر بہت گرد ہے' بہت اندھیرے ہیں' بہت جالے ہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔''

''مومو۔'' اس نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا ''تم کہو' میں سمجھنے کی کوشش کروں گی اور اگر نہ بھی سمجھ سکی تو اتنا یقین رکھو کہ تمہارے درد کو محسوس ضرور کروں گی۔''

''تو پھر چلو لائبریری میں چل کر بیٹھتے ہیں۔'' اور وہ دونوں کلاس میں جانے کی بجائے لائبریری میں آ گئیں۔

اس روز وہ بہت دیر تک ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ماما کا انتظار کرتی رہی تھی اور وقت گزاری کے لیے پرانے اخبار اٹھا کر دیکھتی رہی تھی۔ ایک ہفت روزہ نے تو ماما اور غضنفر کے متعلق بہت سی فضول باتیں لکھی تھیں۔

تو کیا پاپا نے یہ سب کچھ پڑھ رکھا ہے' پھر بھی خاموش ہیں' کیسے مرد ہیں وہ...... اگر وہ پاپا کی جگہ ہوتی تو غضنفر ملک کو گھر آنے سے روک دیتی اور ماما پر پابندی لگا دیتی کہ وہ کسی ڈرامے یا فلم میں کام نہ کریں۔ مگر پاپا......

اس کا جی چاہا تھا' وہ اٹھ کر پاپا کے پاس جائے اور انہیں یہ اخبارات اور میگزین دکھائے۔ لوگ کیا کہتے ہوں گے' پاپا کے ملنے جلنے والے اور...... اور میڈم نرگس تبھی اتنا ہنستی ہیں اور مسز آفندی پاپا سے سرگوشیاں کرتی ہیں لیکن وہ اخبار گھٹنوں تلے دبائے بیٹھی رہی۔ ماما بہت دیر سے آئی تھیں لیکن وہ ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی۔

''ماما مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''جانو' اس وقت میں بہت تھکی ہوئی ہوں' صبح بات کر لینا اور سنو تم نے اور تمہارے پاپا نے کھانا کھا لیا تھا؟''

''صاحب نے تو صرف دودھ لیا تھا اور مریم بی بی نے نہ دوپہر کو کھایا نہ اب۔'' صفو جانے کب ٹی وی لاؤنج میں آ گئی تھی۔

''اینی پرابلم؟''

''لیس ماما......'' اس نے ان کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

فریش اور تر و تازہ۔ وہ کہیں سے بھی چار بچوں کی ماں نہیں لگتی تھیں اور اگر اخبار ان کے اور غضنفر ملک کے متعلق لکھ رہے تھے تو......

''ماما پلیز۔'' اس نے ایک دم ان کے ہاتھ تھام لیے ''ماما پلیز' آپ فلم میں کام مت کریں۔''

''افوہ...... کیا حماقت ہے مومو۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے ''میں فلم سائن کر چکی ہوں۔''

''آپ اور غضنفر ملک اس میں ہیرو اور ہیروئن آ رہے ہیں۔''

''ہاں۔'' ان کی آنکھیں چمکنے لگیں اور رخساروں پر رنگ سے جھلملا اٹھے ''مومو تم دیکھنا تمہاری ماما کو اس فلم کے بعد کتنی شہرت ملتی ہے۔ کتنا نام ہوگا۔''

''کیا کریں گی اتنی شہرت کا ماما۔'' اس کی آواز گر سی گئی ''ماما پلیز آپ انکار کر دیں۔'' اس نے پھر التجا کی۔

''مومو' میں تھکی ہوئی ہوں بہت۔ تم فضول باتیں مت کرو۔''

''آپ...... آپ جانتی ہیں' یہ اخبار والے کیا لکھتے ہیں۔'' اس نے نیچے سے جھک کر اخبار اٹھایا۔

''فضول بکتے ہیں یہ۔'' ان کا لہجہ میڈم نرگس کی طرح ہو گیا تھا ''چلو جاؤ آرام کرو اور زیادہ مت سوچا کرو۔''

''زینی۔'' عثمان احمد جانے کب اپنے بیڈروم سے باہر آ گئے تھے اور ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے

"کیا حرج ہے اگر تم مومو کی بات مان لو تو......"

زینب عثمان احمد نے کسی قدر غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

"عثمان پلیز' تم مومو کی حمایت مت کرو۔ یہ تو بے وقوف ہے۔ تم تو......"

"لیکن زینی......" وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے قریب آ گئے...... "میں بھی سمجھتا ہوں کہ تمہیں مومو کی بات مان لینی چاہیے۔ ٹی وی ڈرامے کی حد تک تو گوارا تھا لیکن یہ فلم میڈیا......"

"عثمان......" وہ ایک دم کھڑی ہو گئیں۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں "تم جانتے ہو شرجیل نے اس فلم پر بہت پیسہ لگایا ہے' میں ایگریمنٹ سائن کر چکی ہوں۔"

تو شرجیل مرزا یہ فلم بنا رہے ہیں۔ مریم نے عثمان احمد کی طرف دیکھا جنھوں نے سہارے کے لیے دیوار پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"تم جانتی ہو زینی' اخبارات......"

"اخبارات' اخبارات۔" انہوں نے غصے سے کشن اٹھا کر زمین پر پھینکا "بکواس کرتے ہیں سب اخبارات۔" وہ غصے سے کشن اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگیں۔ ان کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ مریم سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔

"تم۔" انہوں نے مریم کی طرف دیکھا...... "تم ہمیشہ سے میری دشمن ہو۔ جاہل' دقیانوسی روح ہے تمہارے اندر' اپنے باپ کے خاندان پر گئی ہو۔"

اس نے گھبرا کر عثمان احمد کی طرف دیکھا۔ جو لب بھینچے یونہی دیوار پر ہاتھ ٹیکے کھڑے تھے۔

"مومو' تم اندر جاؤ اپنے کمرے میں۔" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر انہوں نے کہا اور پھر زینب عثمان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ریلیکس زینی۔ تم اتنی جلدی حواس کھو بیٹھتی ہو تحمل سے سنو......غور کرو اور پھر......"

"تم......تم اب مجھے مشورہ دو گے۔ مجھے سمجھاؤ گے عثمان حالانکہ تم نے کہا تھا کہ تم میری کسی سرگرمی کسی بات پر اعتراض نہیں کرو گے۔ یاد کرو وہ شام جب میں......"

"مجھے سب یاد ہے زینی۔" انہوں نے دیوار سے ہاتھ ہٹا لیا "لیکن ہمیں اب اپنے بچوں کی خواہشات اور مرضی کا بھی کچھ خیال رکھنا ہے۔ اگر مومو کو یہ پسند نہیں ہے تو......"

"بچوں کی نہیں' صرف مومو کی۔" ان کی تیز آواز کمرے میں بھی آ رہی تھی "تم ہمیشہ مومو کی غلط حمایت کرتے ہو عثمان اور میں دیکھ رہی ہوں آج کل تم نے اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے اور......"

"پلیز زینی......بیٹی ہے وہ میری اگر میں اس کی حمایت کرتا ہوں تو......"

"اور پتا ہے۔" مریم نے ساری بات بتا کر عینی کی طرف دیکھا۔ ماما اس رات بہت دیر تک بولتی رہیں

اور پاپا بھی......میں نے پہلی بار پاپا کو اونچی آواز میں بولتے سنا......اور پھر صبح ماما بیمار ہو گئیں۔ وہ ہی پرانا سر درد اور ڈیپریشن پاپا تو ان کی پٹی سے ہی لگ کر بیٹھ گئے حالانکہ وہ خود اتنے کمزور ہیں۔ شکر ہے' آنٹی نرگس باہر گئی ہوئی ہیں ورنہ وہ تو پھر ادھر ہی ڈیرہ ڈال دیتیں۔"

"ساری بات یہ ہے مومو کہ تم بہت حساس ہو۔" اس کی ساری بات سننے کے بعد عینی نے کہا "ورنہ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ تمہاری ماما کا تعلق شوبز سے ہے۔ تو ظاہر ہے' شوبزنس سے متعلق لوگ ان سے ملیں گے جلیں گے بھی اور یہ اخبارات تو بس بے پر کی اڑاتے ہیں۔ آخر انہیں اپنے اخبارات بھی تو فروخت کرنے ہوتے ہیں۔"

"لیکن کیا تھا عینی اگر ماما میری اور پاپا کی بات مان لیتیں۔ میں کتنا خوش ہوتی اور مجھے ماما پر کتنا فخر ہوتا۔ آخر مائیں اپنی اولاد کے لیے قربانیاں بھی دیتی ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مومو لیکن تمہاری ماما ذرا مختلف ہیں تو تمہیں ہی حالات سے سمجھوتا کر لینا چاہیے نا......" عینی نے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا "تمہاری ماما اب جس مقام پر ہیں اور اس سیریل سے جو انہیں شہرت ملی ہے نا ان کا واپس پلٹنا مشکل ہے اور تم اتنی حساس مت بنو مومو۔"

"مجھے......مجھے دراصل ڈر لگتا ہے' خوف محسوس ہوتا ہے عینی' جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی بہت بڑا حادثہ کہیں کوئی بڑا المیہ جنم نہ لے لے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"پاگل مت بنو۔ کچھ نہیں ہونے والا۔ یہ سب تمہارے اندر کے خوف ہیں۔"

"ماما کی بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں......ان کا رویہ' ان کی باتیں' ان کے ری ایکشن......کیا میری ماما سچ مچ کوئی نفسیاتی کیس ہیں۔ پتا ہے عینی' ایک بار شرجیل مرزا نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری ماما دراصل نفسیاتی کیس ہیں۔"

"فضول۔" عینی نے اپنے بازو اس کے گرد لپیٹ دیے۔ "وہ شرجیل مرزا جو شخص بھی ہے' فضول بولتا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ دراصل تمہاری ماما بھی تمہاری طرح ضرورت سے زیادہ حساس ہیں اور پھر شاید ان کے اندر حاکمیت بہت ہے۔ شاید ہمیشہ ان کی بات مانی گئی ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں انہیں اولیت دی گئی ہے اور تم جب ان کی بات کی مخالفت کرتی ہو تو انہیں غصہ آ جاتا ہے اور بس۔"

"تم......تمہیں تو ماہر نفسیات ہونا چاہیے۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

"تھینک گاڈ تم مسکرائیں تو......" عینی نے اپنے بازو ہٹا لیے "اور جانتی ہو مس مہرین کا پیریڈ کب کا گزر بھی گیا اور انہوں نے ہمیں دیکھا بھی تھا ادھر آتے ہوئے۔ اب کل وہ ہماری کلاس لیں گی۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

"اوہ......" مریم کو افسوس ہوا کہ مس مہرین کا پیریڈ مس ہو گیا ہے۔ یوں بھی وہ آج پورے ایک ہفتے بعد آئی تھیں۔

"خیر کوئی بات نہیں۔" عینی نے بے پروائی سے کہا "تم آج میرے ساتھ گھر چلو۔"

"تمہارے گھر؟"

"ہاں اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ کیا تم میرے گھر نہیں آسکتیں۔"

"ہاں آسکتی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم آج چھٹی کے بعد میرے ساتھ میرے گھر چلو گی۔ مجھے یقین ہے میرے بابا اور ماں جی سے مل کر تم ہلکی پھلکی ہو جاؤ گی۔ میرے بابا منٹوں میں تمہارے ذہن کے جالے صاف کر دیں گے۔ میں شاید تمہیں بہتر تسلی نہیں دے سکتی لیکن میرے بابا کو یہ ہنر آتا ہے اور میری ماں جی...... تم دیکھنا وہ تم سے کتنی محبت سے پیش آتی ہیں۔"

"لیکن عینی۔" اس نے تشویش سے اسے دیکھا "کیا تمہاری ماں جی اور بابا اس بات کو پسند کریں گے کہ تمہاری دوستی ایک فلم ایکٹریس کی بیٹی سے ہو۔"

"ہاں۔" عینی نے یقین سے کہا "میرے بابا اور ماں جی ایسے نہیں ہیں۔ وہ مجھ سے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو مجھے پسند نہ ہو اور ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم میری دوست ہو۔"

"لیکن پھر بھی۔" اس نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا "تم انہیں مت بتانا کہ میں زینب عثمان احمد کی بیٹی ہوں جو......"

"لیوات مومو۔ تم خوامخواہ واہموں میں مت پڑا کرو اور چلو اب اٹھو۔ آخری دو پیریڈ تو اٹینڈ کر لیں۔" عینی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دونوں لائبریری سے باہر نکل آئیں۔

❀❀❀

مریم کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ بظاہر اس نے خود کو ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ اس نے اس بات پر کڑھنا چھوڑ دیا تھا کہ ماما کب گھر آتی ہیں اور کب جاتی ہیں۔ گھر میں کون آتا ہے اور کتنی دیر بیٹھتا ہے اور پاپا ایسے کیوں ہیں۔

ماما کی طرف سے اتنے بے نیاز اور لاپروا۔

ان کی ہر صحیح غلط بات پر "یس" کہنے والے۔

اخبارات کیا کہتے ہیں۔

انہیں تو اپنا پیٹ بھرنا ہے۔

اس نے خود کو سمجھا لیا تھا۔

کبھی شرجیل مرزا اور ماما کا اسکینڈل چھاپ دیتے

اور کبھی ماما اور غضنفر ملک۔

جانے کیا ملتا ہے یہ سب فضول باتیں کر کے ان کو۔

"جو جس طرح ہے اسے اسی طرح چلنے دو بیٹا تم اسے سنوار نہیں سکتیں۔" عینی کے بابا نے اسے سمجھایا تھا۔

عینی نے سچ ہی کہا تھا۔ اس کے بابا کی باتوں میں ایک سحر تھا ایک عجیب سی مقناطیسیت تھی۔ دل خود بخود ان کی باتوں پر یقین کرتا چلا جاتا تھا اور عینی کی ماں جی...... سچ مچ ان کا وجود تو محبتوں سے گندھا ہوا تھا۔

کتنا پیار کیا تھا انہوں نے اس سے

کتنی مقدس سی خوشبو آ رہی تھی ان کے وجود سے

ماما کی خوشبو۔

اور ماما کے وجود سے یہ خوشبو کبھی نہیں آئی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا وہ ان کے سینے سے لگی اس خوشبو کو اپنے اندر اتارتی رہے وہ کتنی شفقت اور محبت سے سب گھر والوں کا حال پوچھ رہی تھیں جیسے سب کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔

"اور مائیں تو ایسی ہوتی ہیں۔" اس نے انہیں دیکھ کر سوچا تھا۔

انہیں ہر ایک کی فکر تھی ارسل کی مونی کی اور شہریار کی اور اسے بھی انہوں نے کتنے پیار سے سمجھایا تھا۔

"بیٹا تم میرے لیے عینی کی طرح ہی ہو۔ پریشان نہ ہوا کرو۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو اور جب دل چاہے آجایا کرو۔"

اور عینی کے گھر سے وہ کافی مطمئن ہو کر آئی تھی اور اس نے اپنے آپ کو پڑھائی میں مگن کر لیا تھا۔ یوں بھی فائنل امتحان نزدیک تھا۔ کالج سے آکر وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ کبھی کبھی تھک جاتی تو عثمان احمد کی اسٹڈی میں چلی جاتی ان کے لیے کافی بناتی اور انہیں مطالعہ کرتے دیکھتی رہتی تھی یا پھر یونہی ادھر ادھر بے مقصد گھر کا چکر لگاتی ماما زیادہ تر گھر سے باہر رہتیں۔ جب گھر پر ہوتیں تو کوئی نہ کوئی موجود ہوتا۔

شرجیل مرزا غضنفر ملک اور مجتبیٰ حیدر۔

کبھی کبھار وہ سب بہت دیر تک بیٹھتے اور وہ متضاد کیفیتوں کا شکار ہو جاتی۔ اس کا جی چاہتا وہ ان سب کو دھکے دے کر گھر سے نکال دے۔ یہ سب جن کی اتھلی نظریں مما کے چہرے کا طواف کرتی تھیں۔ وہ مٹھیاں بھینچ بھینچ کر اپنے غصے کو کم کرنے کی کوشش کرتی۔

اور عینی کے بابا نے کہا تھا۔

"وہ ابھی بہت کم عمر ہے اور اسے اپنے ذہن پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ بس صرف اور صرف اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دینی چاہیے لیکن وہ کیا کرے جب بوجھ خود بخود ہی اس کے ذہن پر آ گرتا تھا۔ وہ کتابیں کھول کر بیٹھ جاتی تھی۔ لفظ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ریل کے ڈبوں کی طرح بھاگتے رہتے۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا پڑھ رہی ہے۔ ایسے میں اسے عثمان احمد پر بھی غصہ آتا جو ماما سے بالکل ہی بے نیاز ہو گئے تھے۔

لوگ تو اپنی ذرا ذرا سی چیز کی اتنی حفاظت کرتے ہیں اور پاپا نے اپنے قیمتی خزانے کو کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ کیا خبر کب کس کا دل بدنیت ہو جائے۔ کیا پتا......

وہ کانپ جاتی۔

اور فلمی رسالوں اور میگزین کے صفحے اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے۔

وہ کورس کی کتابیں سامنے رکھے بڑی بڑی باتیں سوچتی رہتی۔

وہ سوچتی کسی دن پاپا سے کہے گی انھیں بتائے گی کہ جب چیزیں سامنے ہوں تو نیت خراب ہوتے دیر نہیں لگتی اور انہیں چاہیے کہ وہ ماما کو کبھی اکیلا نہ چھوڑیں۔ ان کے ساتھ ساتھ رہا کریں۔ بے شک ''لیس مین'' بن کر ہی سہی۔ آخر ماما ایک کمزور عورت ہیں نا۔ اگر وہ پلٹ نہیں سکتیں تو پاپا کو چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ ساتھ ہی رہیں انہیں کبھی تنہا نہ چھوڑیں۔

اور یہی بات جب اس نے عینی کے بابا کے سامنے کہی تو وہ ہنس دیے۔

''کبھی کبھی چیزیں محفوظ پناہ گاہوں اور بند دروازوں سے بھی چوری ہو جاتی ہیں پتر۔''

''ہاں مگر یہ تو آپ مانیں گے نا کہ غیر محفوظ چیزوں کو زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔''

''ہوں۔'' بابا نے محبت سے اس کا سر تھپتھپایا ''ہم کسی دن تمہارے پاپا سے ملنے آئیں گے اور انہیں تمہارے خدشے اور خوف ضرور بتائیں گے۔''

اور وہ مسکرا دی تھی۔

عینی کے گھر آکر اسے بہت سکون ملتا تھا اور وہ اکثر جب دل گھبراتا تھا' عینی کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی تھی۔ آج بھی وہ عینی کے گھر جانے کے ارادے سے کمرے سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا ماما کہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں اور عثمان احمد ان کے قریب کھڑے ہوئے ہولے ہولے کچھ کہہ رہے تھے تھری پیس سوٹ میں وہ اس وقت بہت شاندار لگ رہے تھے۔

''اور درحقیقت ماما اور پاپا کا کپل بہت شاندار ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں انھیں بہت سراہا۔

زینب عثمان نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر عثمان احمد کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''کبھی کبھی تم بالکل احمقانہ باتیں کرتے ہو عثمان۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں نہ جاؤں جب کہ میں اس اسٹوری کا مرکزی کردار ہوں۔''

''آخر اس کی شوٹنگ پاکستان میں بھی ہو سکتی ہے۔ تم شجی سے کہو کہ اس کی شوٹنگ پاکستان میں ہی کر لیں اتنے اتنے خوبصورت مقام ہیں یہاں۔''

زینب عثمان نے اس طرح عثمان احمد کی طرف دیکھا جیسے انہوں نے بالکل بچوں جیسی بات کہہ دی ہو۔

''او کے عثمان' مجھے اس وقت جلدی ہے اور تمہاری طبیعت بھی شاید ٹھیک نہیں ہے جو سیدھی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جب فلم کی شوٹنگ انگلینڈ میں ہونا ہے تو میں یہاں کیسے رہ جاؤں۔ یہاں جتنی شوٹنگ ہونا تھی ہو چکی۔''

''ہاں' شاید میری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔'' عثمان احمد نے وہیں سٹنگ روم میں بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ جسے مریم نے نہیں سنا۔ وہ زینب عثمان کے جانے کے بعد ان کے قریب چلی آئی۔

''کیا بات ہے پاپا۔ کیا ماما باہر جا رہی ہیں؟''

''ہاں۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پاپا ایسا کریں' آپ بھی ان کے ساتھ چلے جائیں۔'' اس نے فوراً مشورہ دیا۔

''میں......مگر کیوں؟''

''ماما کی حفاظت کے لیے۔'' اس نے جھٹ سے کہا۔

''کیا اسے میری حفاظت کی ضرورت ہے؟'' ان کا انداز سوالیہ تھا۔

''ہاں......'' اس نے پورے یقین سے کہا ''بہر حال وہ ایک کمزور عورت ہیں۔ پھر آپ ساتھ ہوں گے تو کوئی صحافی ان کا اسکینڈل نہیں بنائے گا۔''

اب وہ بے تکلفی سے ان سے ہر بات ڈسکس کر لیتی تھی۔

''پاگل ہو تم۔ میرا جانا ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں بھلا۔''

''تم ہو یہاں' عاشی' نینا اور تیمور ہیں۔''

''یہاں میرے پاس صفو اور شریف ہوں گے اور عاشی وغیرہ ہاسٹل میں ہیں۔ جب چھٹیاں ہوں گی تو میں خود انہیں اسلم چاچا کے ساتھ جا کر لے آیا کروں گی۔ آپ ہماری فکر نہ کریں پلیز......اگر کوئی پرابلم ہو گیا تو عینی ہے' میری دوست اس کے بابا ہیں' ماں جی ہیں۔ وہ سب اچھے اور محبت کرنے والے ہیں......ہمدرد اور مخلص۔''

''تم نے انہیں کبھی ملوایا ہی نہیں بیٹا' کسی دن بلاؤ انہیں گھر۔'' انہوں نے بات پلٹی لیکن وہ انہیں قائل کرتی رہی کہ ان کا زینب عثمان کے ساتھ جانا بے حد ضروری ہے۔

''اسی بہانے آپ کی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔'' آخر میں اس نے کہا ''ہر وقت گھر میں رہتے ہیں۔''

''اچھا' سوچوں گا۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیا آپ کہیں جا رہے ہیں؟''

''ہاں' ایک ضروری کام سے جارہا ہوں۔''

''تو پھر پلیز' مجھے عینی کے گھر چھوڑ دیجیے گا اور اس طرح عینی کے بابا سے بھی آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔''

''عینی کے بابا سے تو پھر کبھی مل لوں گا' کیونکہ میں پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں۔ مجتبیٰ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ البتہ تم آجاؤ' تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔'' انہوں نے شریف کو آواز دی۔

''اگر مجتبیٰ صاحب کا فون آئے تو اسے بتا دینا کہ میں اسی طرف جانے کے لیے گھر سے نکلا ہوں۔''

''جی بہتر سر۔'' شریف نے سر ہلایا اور وہ مریم کے ساتھ باہر نکل آئے۔

❁❁❁

''بھابی' یہ نقشہ دیکھیں۔'' سکندر نے ایک نقشہ میز پر پھیلایا ''یہ ارسل نے اپنے دوست کے بھائی سے جو آرکیٹیکٹ ہے' بنوایا ہے۔''

''مگر سکندر' یہ ڈبل اسٹوری بلڈنگ ہے۔ اس پر تو بہت خرچ آئے گا۔''

''ہاں' پیسے کی فکر آپ نہ کریں بھابی' بس یہ بتائیں نقشہ کیسا ہے؟''

''اچھا ہے لیکن سکندر......''

''لیکن کیا؟'' سکندر نے سر اٹھا کر چوہدری نثار کی طرف دیکھا۔

''تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے نا۔ تمہارا دل لگ جائے گا' گاؤں میں۔''

''دل کا کیا ہے بھابی۔ جہاں لگائیں لگ جاتا ہے اور پھر وہ تو میرا اپنا گاؤں ہے۔ میں تو ان ہواؤں کی خوشبو کو ترس گیا تھا۔ میں نے بابا سے عہد کیا تھا کہ میں گاؤں میں ہی پریکٹس کروں گا۔ میں اس عہد کو نبھانا چاہتا ہوں۔''

''عہد تو تم نے اور بھی بہت سے کیے تھے سکندر۔'' بھابو نے اندر آتے ہوئے جانے کیوں شکوہ کیا تو چوہدری نثار نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

''گزری باتوں کا اب کیا ذکر صالحہ۔''

''ماضی بھی تو ہماری ذات کا ایک حصہ ہوتا ہے بھابی۔'' سکندر نے شرمندگی سے کہا ''بھابو کو کہنے دیں جو کہنا ہے۔ میں ہمہ وقت ان ندامتوں اور شرمندگیوں میں غرق رہتا ہوں بھابو کہ بہت سے عہد میں نہیں نبھا سکا بہت سے دل میں نے توڑے...... خاص کر......''

اس کا لہجہ اتنا دھیما ہو گیا تھا کہ چوہدری نثار اور بھابو نہ سن سکیں کہ سکندر نے کیا کہا ہے۔

''سکندر' میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں تھا۔'' صالحہ شرمندہ ہو گئیں ''میری زبان سے یونہی نکل گیا تھا۔''

''مگر بھابو آپ نے ٹھیک کہا تھا اور میں نے آپ کی بات کا بالکل برا نہیں منایا۔'' اس نے نقشہ لپیٹا اور کھڑا ہو گیا۔

''یہ شہریار اسپتال چلا گیا؟''

''نہیں۔ آج تو اس کی نائٹ ہے۔ سو رہا ہے شاید۔''

''کیوں کوئی کام تھا اس سے؟'' بھابو نے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں' ذرا ایک مریض کے متعلق بات کرنی تھی۔''

''بابا۔'' عینی نے اندر جھانکا ''دیکھیں تو کون آیا ہے۔''

''ارے' ہماری بیٹی آئی ہے۔'' چوہدری نثار نے عینی کے پیچھے کھڑی مریم کو دیکھا ''آؤ آؤ بیٹا۔ میں تو تمہارے لیے بہت اداس ہو گیا تھا۔''

وہ عینی کے ساتھ اندر آ گئی۔

''سکندر پتر' یہ مریم ہے۔ میری دوسری بیٹی۔''

مریم نے سر اٹھا کر سکندر ملک کی طرف دیکھا اور آہستگی سے اسے سلام کیا۔

''جیتی رہو۔'' سکندر کے ہونٹوں پر شفیق سی مسکراہٹ تھی۔

''یہ میرے چاچو ہیں۔ وہی جن کے متعلق میں نے تمہیں بتایا تھا۔'' عینی نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو اس نے ایک بار پھر سکندر ملک کی طرف دیکھا۔

عینی نے صحیح کہا تھا' سکندر ملک کی شخصیت میں بڑا وقار تھا۔ کنپٹیوں سے کہیں کہیں سفید بال جھانک رہے تھے اور حقیقت میں وہ بہت شاندار لگ رہے تھے۔

''اچھا بھابی' میں ذرا شیری کی طرف جا رہا ہوں۔ دیکھوں' جاگا ہے یا نہیں۔''

''آؤ بیٹی' ادھر میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔'' صالحہ نے اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی۔ مریم ان کے پاس آئی تو انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ عینی چوہدری نثار سے جڑ کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر مریم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بہت دنوں بعد آئی ہو۔ میں نے آج ہی عینی سے کہا تھا کہ واپسی پر تمہیں ساتھ لے کر آئے لیکن تم آج کالج نہیں گئی تھیں بیٹا۔''

''دراصل میں آج کل زیادہ تر گھر پر ہی پڑھتی ہوں۔ دو چار روز تک تو ہم فارغ ہو ہی جائیں گے۔''

''پتا ہے بابا اس نے پوزیشن لینی ہے' بہت محنت کر رہی ہے۔'' عینی نے بتایا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' چوہدری نثار بہت خوش ہوئے ''ہماری بیٹی انشاء اللہ پوزیشن لے گی لیکن تم بتاؤ تمہارے کیا ارادے ہیں؟'' انہوں نے ہولے سے عینی کا کان کھینچا۔

''بابا۔'' وہ ذرا سا پیچھے ہٹ گئی ''کان تو نہ کھینچیں۔''

''کیوں کیا لمبا ہو گیا ہے۔'' وہ ہنسے۔

"ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"تو چلو' دوسرا بھی لمبا کر دیتا ہوں لیکن تم میرے سوال کا جواب کیوں گول کر گئی ہو۔ میں نے تمہارے ارادے پوچھے تھے۔"

"بابا ارادے تو میرے اچھے ہیں اور میں محنت بھی کر رہی ہوں لیکن مومو بہت لائق اور ذہین ہے۔ میں اس جیسی ذہین نہیں ہوں۔"

"مگر اب کے میری پڑھائی تسلی بخش نہیں ہو رہی ہے۔" مریم نے سنجیدگی سے کہا "بس کامیاب ہو جاؤں گی' یہی غنیمت ہے۔"

"نہیں بھئی' یہ غلط بات ہے۔ ہماری بیٹی نے ہر حالت میں پوزیشن لینی ہے۔"

"مگر بابا' مجھ سے پڑھا نہیں جاتا اور اب......"

"کیوں اب کیا ہوا ہے۔ تم سے کہا ہے میں نے کہ زیادہ نہ سوچا کرو۔ اپنے ماں باپ پر اعتماد کرو۔"

صالحہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم لوگ باتیں کرو' میں چائے لے آؤں۔ شیری سو کر اٹھا ہو گا تو اسے چائے.... کی طلب ہو رہی ہو گی۔"

"سنو بھئی' میری بیٹی کے لیے وہ شامی کباب بھی گرم کر لینا جو دن کو بنائے تھے۔" انہوں نے صالحہ بیگم کو آواز دے کر کہا تو انہوں نے مڑ کر چوہدری نثار کو دیکھا۔

"ہاں' آپ نہ کہتے تو مجھے بھلا کہاں یاد تھا کہ آج شامی کباب بھی بنے تھے۔" انہوں نے قہقہہ لگایا۔

"بھئی عینی تمہاری ماں کا بھی جواب نہیں۔" مریم کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"تو مریم بیٹا تم کیا کہہ رہی تھیں۔ کیا ہوا ہے اب؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"بابا' ماما جس فلم میں کام کر رہی ہیں۔ اس کی شوٹنگ ملک سے باہر ہونی ہے۔ سنگاپور' انگلینڈ اور جانے کہاں کہاں اور ظاہر ہے ماما کو بھی جانا ہے۔"

"ہاں ظاہر ہے۔ جب وہ اس فلم میں کام کر رہی ہیں تو پھر جانا تو پڑے گا ہی۔" انہوں نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

بابا سے دل کی ہر بات کر کے اسے بڑا سکون ملتا تھا۔ اگرچہ اس نے عینی کو منع کیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کو اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کے متعلق نہ بتائے لیکن اس دن وہ اتنی ڈیپریس تھی کہ اس نے خود ہی ان سے سب کچھ کہہ دیا۔

اپنے واہمے۔

اپنے خوف اور ڈر۔

اپنی کمزوریاں اور الجھنیں۔

ماما کی بیزاری۔

ان کے شوق اور ان کی دوستیاں۔

پاپا کا رویہ۔

اور بابا نے بڑی محبت اور شفقت سے اسے سمجھایا تھا اور اس کے ذہن کے جالے صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن بابا' میں چاہتی ہوں پاپا بھی ان کے ساتھ جائیں۔"

"تو پاپا کیا کہتے ہیں؟"

"وہ جانا نہیں چاہتے۔"

"ظاہر ہے پھر تم یہاں اکیلی ہو جاؤ گی۔"

"لیکن میں نے انہیں کہا ہے کہ میں اکیلی رہ لوں گی۔ میں بچی تو نہیں ہوں۔ بابا' آپ ہمارے گھر آئیں۔ پاپا کو سمجھائیں وہ آپ کی بات مان جائیں گے۔"

"لیکن تم کیوں چاہتی ہو بیٹا کہ تمہارے پاپا ساتھ جائیں؟"

"بابا' میں۔" اس کی آواز بھیگ گئی۔

اب وہ انہیں کیسے بتاتی کہ اسے کیا ڈر ہے' کیا خوف ہے۔ کون سے وہم اسے ستا رہے ہیں۔ اسے شرجیل مرزا سے خوف آتا ہے۔ جس کی آنکھوں کا کینہ اسے صاف نظر آتا تھا۔ کہیں وہ اس سے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے ماما کو اس سے جدا نہ کر دے۔

یا پھر وہ غضنفر ملک' جو ماما سے آدھی عمر کا ہے لیکن......

آخر میڈم نرگس نے بھی لالہ کے ڈیڈی سے طلاق لے کر اپنے سے آدھی عمر کے امتیاز شاہ سے شادی کر لی تھی اور ماما کی جتنی بھی فرینڈز تھیں ان میں دو تین کو چھوڑ کر سب نے ہی دو دو شادیاں کی تھیں۔

اور آنٹی نرگس کی تو یہ تیسری شادی تھی۔

اور ماما نے ایسا کرنا چاہا تو کون روک سکے گا انہیں۔

اور پھر ہم......

ہم سب کیا کریں گے۔

میں' عاشی' نینا' مور۔

اور......اور پاپا

وہ تو مر ہی جائیں گے۔

کتنا چاہتے ہیں وہ ماما کو۔

پچھلے چند ماہ سے وہ فارغ اوقات میں ٹی وی میگزین اور فلمی رسالے بڑی باقاعدگی سے پڑھنے لگی تھی حالانکہ یہ رسالے اور میگزین پہلے بھی اس کے گھر آتے تھے لیکن اسے ان سے قطعی کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اب یکا یک ہی اس کے دل میں شوبز سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کے بارے میں جان لینے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں' وہ سب کی نجی زندگیوں کے بارے میں جان لینا چاہتی تھی۔ شاید وہ لاشعوری طور پر اپنے گھر کا اور ان کے گھروں کا موازنہ کرنا چاہتی تھی۔

اور اس نے غور کیا تھا کہ چالیس فیصد شادیوں کا انجام علیحدگی تھا اور پتا نہیں کیوں' اچانک ہی یہ خوف اس کے دل میں دھرنا دے کر بیٹھ گیا تھا کہ اگر ماما اکیلی گئیں تو کچھ ہو جائے گا۔

کوئی بہت بڑا المیہ۔

شاید ان کا گھر بھی ٹوٹ جائے......اور......

نامعلوم سے آنسو اس کے اندر گرنے لگے چوہدری نثار جو بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھے اور اس کے سر کو ہولے سے تھپتھپایا۔

"کچھ بھی نہیں ہوگا' بے وقوف لڑکی تم جو کچھ سوچ رہی ہو نا' ایسا کچھ بھی نہیں۔" وہ اپنے مخصوص پر اثر انداز میں سمجھانے لگے تو اس نے پلکوں تک آجانے والے آنسوؤں کو اپنی انگلی کے پوروں سے پونچھا۔

تب ہی شہریار اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر ٹھٹکا اور واپس مڑا ہی تھا کہ بابا نے اسے آواز دی۔

"شیری پتر کس لیے آئے تھے؟"

"بابا' وہ......" اس نے کن انکھیوں سے مریم کی طرف دیکھا۔ جس کی گلابی آنکھیں اس کے رونے کا پتا دے رہی تھیں۔

"چاچو کہہ رہے تھے کہ آپ کو بتادوں کہ وہ ارسل کے ساتھ کسی ٹھیکے دار سے بات کرنے جا رہے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے اور پتر' تم مریم سے ملے ہو' ہماری بیٹی سے۔"

"جی بابا' اسپتال میں ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے بتایا تھا کہ وہ عینی کی دوست ہیں۔"

"اچھا ہاں' اس کے پاپا بیمار تھے نا' عینی نے بتایا تو تھا۔" چوہدری نثار نے سر ہلایا۔

وہ ایک نظر اس پر ڈال کر باہر نکل گیا۔ بابا پھر اسے سمجھانے لگے۔ تب ہی صالحہ نے آواز دی۔

"عینی بیٹا' اپنی سہیلی اور بابا سے کہو کہ باہر آجائیں۔ باہر موسم اچھا ہو رہا ہے۔ میں نے سکندر کو بھی روک لیا ہے۔ چائے پی کر جائے گا وہ۔"

اور بابا اسے ساتھ لے کر باہر آگئے۔

چائے پر ارسلان اور ارمغان بھی تھے وہ دونوں عینی کو مسلسل چھیڑ رہے تھے۔

سکندر اور چوہدری نثار ان کی نوک جھونک پر مسکرا رہے تھے۔ چائے پی کر سکندر' ارسلان اور ارمغان چلے گئے۔ شہریار اور بابا بھی اٹھ گئے تھے۔ وہ وہیں ہی عینی سے بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ عینی اسے چاچو کے متعلق بتاتی رہی۔

"اور پتا ہے' چاچو کی کوئی اولاد نہیں۔ ان کی بیوی نے ان سے طلاق لے لی تھی۔"

"اور پھر تمہارے چاچو نے شادی نہیں کی؟"

"نہیں......یہ بھی اچھا ہے کہ چاچو کے بچے نہیں تھے ورنہ ٹوٹے ہوئے گھروں کے بچے تو پرابلم چائلڈ بن جاتے ہیں......"

"ہاں' لالہ ہے نا آنٹی نرگس کی بیٹی' وہ بھی یوں ہی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی رہتی ہے حالانکہ بظاہر وہ بڑی خوش رہتی ہے لیکن کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے اسے بھی اندر سے آنٹی کی اس کے ڈیڈی سے علیحدگی اور امتیاز شاہ سے شادی نے ڈسٹرب کیا ہوا ہے۔" وہ عینی کو لالہ کے متعلق بتانے لگی۔

عینی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی کہ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"ارے' اتنا اندھیرا ہو گیا ہے۔ اب مجھے گھر چلنا چاہیے۔"

"کیا اسلم چاچا تمہیں لینے نہیں آئے گے؟"

"نہیں۔ وہ ممی کے ساتھ گئے ہیں۔ میں پاپا کے ساتھ آئی تھی اور ان سے مجھے یہ کہنا یاد ہی نہ رہا کہ وہ واپسی پر مجھے پک کر لیں۔"

"تو کیا اکیلی جاؤ گی؟"

"ہاں کیا حرج ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اور بابا تمہیں چھوڑ آتے ہیں۔"

"لیکن۔"

"لیکن کیا۔ میں بابا سے کہتی ہوں۔ بابا کبھی بھی تمہیں اس وقت اکیلے جانے نہ دیں گے۔" وہ مڑی تو اسے بابا کے کمرے سے شہریار باہر آتا دکھائی دیا۔

"شیری بھائی آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں اسپتال جانا ہے' کیوں؟"

"مریم کو بھی چھوڑ دیجیے گا۔"

"ضرور۔ میں ذرا ماں جی کو خدا حافظ کہہ دوں۔"

"مگر......" مریم نے کچھ کہنا چاہا تو شہریار نے اسے ٹوک دیا۔

"کیوں' آپ کو خوف آتا ہے مجھ سے؟"

''نہیں تو۔''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مریم نے نظریں جھکا لیں۔ عینی نے اس کی جھجک محسوس کی۔

''چلیں آپ رہنے دیں شیری بھائی بابا اور میں چھوڑ آئیں گے۔''

''کیوں کیا میں قابل اعتبار نہیں؟'' شہریار نے قریب آتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

''نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' مریم نے سٹپٹا کر اسے دیکھا اور پھر عینی کو آواز دی۔

''عینی تم بابا سے مت کہو' میں شہریار صاحب کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''تھینک یو۔ میں ماں جی کو بتا کر ابھی آیا۔''

شہریار نے ذرا سا سر کو خم کیا اور کچن کی طرف چلا گیا۔

''مس مریم احمد۔'' گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے اس نے اگلی نشست پر بیٹھی مریم کی طرف دیکھا ''ایک بات پوچھوں کہ جب آپ بابا کہ پاس بیٹھی تھیں تو رو کیوں رہی تھیں؟''

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس لیے کہ ممکن ہے کہ میں آپ کو کوئی بہتر مشورہ دے سکوں' بابا سے بہتر۔''

''شکریہ ڈاکٹر شہریار۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ بقول بابا میں کچھ وہمی سی لڑکی ہوں۔ میرے وہم اور میرے خوف مجھے ڈراتے رہتے ہیں اور وہی وہم مجھے رلاتے بھی ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے پر خیال نظروں سے اسے دیکھا ''میرا خیال ہے' جس طبقے سے آپ تعلق رکھتی ہیں' آپ کو کوئی پریشانی یا وہم نہیں ستانا چاہیے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے طبقے میں کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔''

''ہوتی ہوگی مگر خود ساختہ...... آپ کی اس سہیلی لالہ کی طرح۔'' اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے شہریار نے اس کی طرف دیکھا......

''شاید ہمارے طبقے کے مسائل آپ کے طبقے سے زیادہ ہوتے ہیں۔ فرق صرف مسائل کی نوعیت کا ہے۔'' وہ سنجیدہ تھی۔

''آپ برا مان گئیں۔ سوری۔'' شہریار نے فوراً سوری کر لیا تو وہ مسکرا دی۔

''نہیں' میں نے برا نہیں منایا۔ آپ اپنی رائے کا اظہار آزادی سے کر سکتے ہیں۔''

''نہیں بھئی' میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ آپ ناراض ہو گئیں تو وہ عینی کی بچی میری جان عذاب کر دے گی اور بابا سے الگ ڈانٹ پڑ جائے گی۔ سنا ہے آپ نے ہمارے گھر کے ہر فرد پر قبضہ جما لیا ہے۔ خاص کر بابا اور ماں جی کے دل پر۔''

''ہاں مگر سوائے آپ کے۔'' بلا ارادہ اس کی زبان سے نکل گیا۔

''ہماری طرف سے بھی اجازت ہے اگر آپ چاہیں تو۔'' شہریار اپنی نیچر کے برعکس پتا نہیں کیوں شوخ ہو رہا تھا۔

اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے مریم نے چہرہ جھکا لیا۔

''آپ کھل کر ہنس سکتی ہیں۔ میری طرف سے کوئی پابندی نہیں کہ اگر آنسو آنکھوں کی صفائی کرتے تو ہنسی دل کو صاف کرتی ہے۔''

''اچھا۔'' وہ سچ مچ ہنس دی۔

''ہائے داوے' یہ آپ کی اور عینی کی دوستی کیسے ہوئی۔ اس کی زبان تو مسلسل چلتی رہتی ہے۔ جب کہ آپ خاصی کم گو لگتی ہیں۔''

''دوستی کے لیے ضروری نہیں کہ دو افراد بالکل ایک جیسے ہوں۔ ایک قدر مشترک بھی دوستی کا سبب بن سکتی ہے۔''

''مثلاً۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا ''آپ دونوں میں کیا قدر مشترک ہے؟''

''شاید خلوص اور محبت۔'' مریم نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''خلوص اور محبت۔'' اس نے سر ہلایا ''شاید خلوص و محبت اسی کا نام ہے کہ وہ چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے آپ کی تعریف میں صرف کر دیتی ہے اور میں تو اس بات پر ایمان لے آیا تھا کہ ارسطو کے بعد بس آپ ہی ایک ذہین خاتون پیدا ہوئی ہیں اور عزیزہ ایمن نثار آپ کی شاگرد خاص۔''

''چلیے جناب' اب غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی۔''

''نہیں خیر جو دھاک دل پر بیٹھ چکی ہے' وہ اس طرح اتنی جلدی کیسے ختم ہو سکتی ہے۔'' شہریار نے بے پروائی سے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے رکھے دوسرے ہاتھ سے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

مریم نے حیران ہو کر اسے دیکھا کہ شہریار اسپتال کے شہریار سے کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ اسپتال میں تو وہ انتہائی سنجیدہ لگتا تھا جب کہ......

اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ ہولے سے کھنکارا تو مریم نے چونک کر نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

''مس مریم۔'' شہریار یکا یک سنجیدہ ہو گیا ''آپ کو کیا پریشانی ہے۔ میں جانتا ہوں' بابا نے یقیناً آپ کو اچھا مشورہ دیا ہو گا لیکن اگر آپ مناسب سمجھیں تو......''

مریم نے پھر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے لہجے میں بابا کے لہجے کی خوشبو تھی اور اس کی باتوں میں بابا کی باتوں کا رنگ تھا۔ مریم نے اس کے لیے بھی اپنے دل میں وہی اپنائیت محسوس کی جو عینی کے بابا

اور ماں جی کے لیے اس کے دل میں تھی۔

''کوئی خاص بات نہیں شہریار صاحب۔ میں نے کہا نا کہ میں ایک وہمی سی لڑکی ہوں اور بے شمار وہم مجھے ستاتے رہتے ہیں۔''

''مثلاً......'' شہریار نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مثلاً یہ کہ کہیں آسمان نہ گر پڑے' کہیں گاڑی کا حادثہ نہ ہو جائے اور کہیں چاند اور سورج ٹکرا نہ جائیں......'' وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کر مسکرائی۔

''ہاں' یہ واقعی تشویش ناک بات ہے کہ آخر اتنے سالوں سے ایک ہی آسمان پر رہنے کے باوجود چاند اور سورج ایک دوسرے سے ٹکرا کیوں نہیں جاتے۔'' شہریار نے سر ہلایا۔

''ارے ارے ادھر......ادھر لیفٹ سائڈ پر موڑ لیجیے۔'' اس نے شہریار کو بتایا ''یہ ادھر بس ادھر روک دیجیے۔ تھینک یو۔'' اس نے نیچے اترتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

''اور ہاں۔'' شہریار نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا ''ایک بات تو آپ کو بتانا ہی بھول گیا تھا۔ کچھ دن پہلے عینی نے ایک بات کہی تھی' مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔''

''کیا؟ کیا کہا تھا عینی نے؟'' اس نے پوچھا لیکن وہ زن سے گاڑی نکال لے گیا۔

کچھ دیر تو وہ یونہی خالی الذہن سی کھڑی رہی پھر آگے بڑھ کر اس نے بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

❁ ❁ ❁

تیرے چہرے کے سادہ سے اچھوتے نقوش
تیری زلفیں' تیری آنکھیں' تیرے عارض' تیرے ہونٹ
کیسی انجانی سی معصوم خطا کرتے ہیں
خلوت بزم ہو یا جلوت تنہائی ہو
تیرا پیکر مری آنکھوں میں ابھر آتا ہے
کوئی ساعت ہو' کوئی فکر ہو کوئی ماحول
مجھ کو ہر سمت ترا حسن نظر آتا ہے

پروفیسر عادل آنکھیں موندے گنگنا رہے تھے۔

آج کتنے دن ہو گئے تھے' وہ چہرہ نگاہوں سے ہٹتا ہی نہ تھا۔

بعض لمحے کیسے انوکھے' کیسے قاتل ہوتے ہیں کہ قریب سے گزریں تو زندگی کا عنوان بن جاتے ہیں اور وہ لمحہ جب ان کی نگاہوں نے اس کے صبیح چہرے کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ وہ ایک لمحہ اس روز سے جیسے انہیں اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

انہیں کسی کا انتظار تو تھا لیکن یقین نہیں تھا کہ اتنی جلدی ان کا انتظار ختم ہو جائے گا بلکہ اب تو انہیں بے یقینی سی ہونے لگی تھی۔ کئی بار راتوں کی تنہائی میں وہ اپنے آپ سے الجھتے رہے تھے۔

اپنی حماقت پر انہوں نے خود کو برا بھلا کہا تھا۔

کہ ایک انجانی ہستی کے انتظار میں جیتے جاگتے وجود کو نظر انداز کرنا۔

یم کے آنسو کبھی کبھی راتوں کو انہیں بے چین سے کر دیتے لیکن دل میں کہیں گھنٹیاں نہیں بجتی تھیں۔ کہیں کوئی ارتعاش نہیں ہوتا تھا اور مجتبیٰ حیدر کہتا تھا کہ کبھی کوئی ایسی ہستی نگاہوں کے سامنے آتی ہے تو دل میں خود بخود گھنٹیاں سی بج اٹھتی ہیں۔

اور وہ دلکش' دل ربا لڑکی۔

انہیں لگا' جیسے ان کا دل پہلو سے نکل کر بدن کے ہر حصے میں دھکڑ پکڑ کر رہا ہو۔ پاؤں کے تلووں میں' کلائیوں کے درمیان' انگلیوں کی پوروں میں' کنپٹیوں کے پاس ان کے دل کی دھکا دھک جاگ رہی تھی۔

''یہ کیا حماقت ہے ٹین ایجر کی طرح۔''

وہ آنکھیں کھول کر سیدھے ہو بیٹھے۔

وہ لڑکی نہ جانے کون تھی کہاں ہو گی اور اس نے تو شاید ایک لمحہ بھی میرے متعلق نہ سوچا ہو گا اور مجھے آج اتنے دن ہو گئے اسے سوچتے ہوئے۔ وہ چہرہ نگاہوں کے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں۔

اور جب میں مجتبیٰ حیدر کو بتاؤں گا تو وہ کس قدر حیران ہوں گے۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

میرا خیال ہے' مجھے شہریار سے اس کے متعلق ضرور پوچھنا چاہیے۔ ممکن ہے زیادہ دن گزر جانے پر شہریار کو یاد ہی نہ رہے کہ وہ کون لڑکی تھی لیکن شہریار کیا سوچے گا بھلا وہ کیوں پوچھ رہے ہیں اس کے متعلق۔ کیا کہوں گا میں...... کہہ دوں گا شاید پہلے بھی کہیں ملا ہوں یاد نہیں آ رہا۔

یا پھر......نہیں کچھ اور...... کچھ اور کہوں گا۔

مگر مجھے شہریار سے پوچھنا چاہیے...... کہیں میں اسے کھو نہ دوں۔

وہ بے حد مضطرب اور بے چین تھے۔

کئی بار انہوں نے شہریار کے اسپتال کا نمبر ملایا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔ کئی بار سگریٹ جلایا اور پھر یونہی ایش ٹرے میں ڈال دیا۔

شاید بقول اقبال یہ دیدار کے بعد کا اضطراب تھا۔

بے چینی بڑھ گئی تھی۔

انہوں نے مضطرب ہو کر پھر نمبر ملایا۔ تب ہی مسرور نے ہلکا سا دروازہ ناک کرتے ہوئے اندر جھانکا۔

''سر......''

"اوہ' آجاؤ مسرور۔" انہوں نے ریسیور پھر کریڈل پر ڈال دیا۔

"سر' وہ میں ذرا ارسل وغیرہ کی طرف جا رہا تھا۔ آپ کو بتانے آیا تھا۔ شاید رات میں وہاں ہی ٹھہر جاؤں۔"

"اوہ یار۔ وہ لوگ اب گاؤں سے یہاں ہی منتقل ہو گئے ہیں۔ شاید شہریار نے اس روز بتایا تو تھا۔" پروفیسر عادل کو یاد آیا۔

"جی اور اب ماموں چاہ رہے تھے کہ میں ان ہی کے ساتھ رہوں...... لیکن......"

"لیکن تم نے کیا سوچا ہے؟" انہوں نے اس کی بات کاٹ دی "یار میں تو تمہارا عادی ہو گیا ہوں۔ تمہارے جانے سے بہت تنہائی ہو جائے گی اور پھر یہاں تم زیادہ بہتر طریقے سے کام نہیں کر رہے ہو کیا؟"

"جی سر۔ میرا ارادہ نہیں ہے جانے کا۔ حالانکہ ماموں بہت اصرار کر رہے ہیں۔"

"سگے ماموں ہیں تمہارے۔"

"نہیں سر۔ ارسل کے والد میری والدہ کے فرسٹ کزن ہیں۔ میرے نانا نانی کی وفات کے بعد والدہ انہی کے ہاں رہیں تھیں بلکہ ارسل کے دادا جان نے ہی ان کی شادی کی۔ ارسل کے والد یعنی ماموں جان سگی بہنوں کی طرح ہی خیال رکھتے ہیں میری امی کا بلکہ وہ تو چاہتے تھے کہ ہم لوگ ان کے ساتھ ہی رہیں لیکن امی کو گوارا نہیں ہو رہا تھا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر یہ طے ہے نا کہ تم مستقل میرے پاس ہی رہو گے؟" وہ مسکرائے۔

"جی سر۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اجازت طلب کی۔

"تو اب جاؤں؟"

"ہاں...... لیکن نہیں ٹھہرو' میں بھی چل رہا ہوں۔ ذرا مجتبیٰ کی طرف جاؤں گا۔ بہت دن ہو گئے ملے ہوئے' تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک نظر اپنے کپڑوں پر ڈالی اور پھر یوں ہی سلیپر پہنے مسرور کے ساتھ باہر آ گئے۔

مسرور کو شہریار وغیرہ کے گیٹ کے قریب ڈراپ کر کے جوں ہی انہوں نے گاڑی ریورس کی اچانک ان کی نظر گیٹ کی طرف اٹھ گئی۔

وہ گیٹ سے باہر آ رہی تھی اور اس کے ساتھ کوئی اور لڑکی بھی تھی۔ دونوں کسی بات پر بے تحاشا ہنس رہی تھیں۔ پھر وہ مسرور کے پاس رک کر اس سے بات کرنے لگیں۔

"تو...... تو کیا وہ شہریار اور ارسل وغیرہ کی کوئی عزیز ہے۔" گویا انہوں نے اسے کھویا نہیں تھا۔

ان کا دل چاہا وہ اسے یونہی دیکھتے رہیں لیکن وہ دونوں مسرور کے ساتھ پھر واپس مڑ گئی تھیں۔

ایک ساتھ ان کے اندر بہت سے چراغ جل اٹھے۔

انہیں لگا' جیسے اسے پانا آسان ہو گیا ہے۔

یہ دل بھی کتنا عجیب ہوتا ہے' لمحوں میں امیدوں کے تانے بانے بننے لگتا ہے...... وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے لیکن پھر بھی انہیں یقین سا ہونے لگا۔ جیسے اس کی تخلیق انہی کے لیے ہوئی ہے۔ جیسے انہوں نے زندگی کا باقی ماندہ سفر اسی کی ہمراہی میں طے کرنا ہے اب۔

جیسے راستے بالکل صاف' سیدھے اور سپاٹ ہوں اور وہ ان پر چلتے ہوئے سیدھے اس تک پہنچ جائیں گے۔

"کیا وہ اتنے ہی امید پرست ہیں؟" انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا اور مسکرا دیے۔

"شاید۔ جب اس کا وجود ہے اور اس اتنی بھری دنیا میں اچانک میرے سامنے آ گئی ہے شاید اس لیے کہ اسے مجھ سے ملنا ہے اور مسرور سے اس کے متعلق پوچھ کر میں ماں جی کو ساتھ لے آؤں گا۔"

نہیں ماں جی کو نہیں پہلے بی آپا کو بتاؤں گا۔

کہ بالآخر میں نے اسے پا لیا ہے۔

اور کیا خبر وہ ویسی نہ ہو جیسے ان کے تصور نے اسے تراشا ہوا تھا۔

شاید وہ اپنی گفتگو اپنے رویوں اور اپنے مزاج میں بالکل مختلف ہو۔

لمحہ بھر کے لیے ان کے ذہن میں خیال آیا لیکن پھر خود ہی انہوں نے اس خیال کو رد کر دیا۔

نہیں اگر وہ ایسی نہ ہوتی تو دل کے تار یوں نہ بجتے۔ وہ یوں یکا یک انسان سے لوہے کے ٹکڑے میں نہ بدل جاتے۔ جب سے وہ "رافع اسپتال" میں اسے دیکھ کر آئے تھے' کالج بھی نہیں گئے تھے اور نہ ہی گھر سے باہر نکلے تھے۔ ذہن و دل کی عجیب سی کیفیت تھی۔ کبھی تو یوں لگتا جیسے ان کے اندر یہاں وہاں ہر جگہ چراغاں ہو گیا ہو اور کبھی ایک دم ساری روشنیاں بجھ جاتیں اور رگوں میں کوئی گہرا درد ہلکورے لینے لگتا۔

پتا نہیں' پتا نہیں' وہ اسے دوبارہ دیکھ سکیں گے یا نہیں۔

اور کتنی حماقت ہوئی تھی ان سے۔

انہیں اسی وقت شہریار سے اس کے متعلق پوچھ لینا چاہیے تھا۔ کیا خبر شہریار کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کون ہے' کس کی بیٹی ہے...... وہ کسی عام سے پیشنٹ کے ساتھ آئی ہو۔ یا یونہی کسی کی مزاج پرسی کو چلی آئی ہو۔

کتنے سارے خدشات تھے جو انہیں مضطرب کیے ہوئے تھے۔

اور اب انہوں نے اسے دوبارہ دیکھ لیا تھا تو جیسے یقین سا ہو گیا تھا کہ قدرت خود انہیں اس کی طرف لے جا رہی ہے۔

عجیب بے خودی کے عالم میں وہ مجتبیٰ کے گھر پہنچے۔ وہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ مجتبیٰ حیدر تھے' آمنہ صفی تھیں' حافظ احسان تھے اور تصدق احمد تھے...... سب ہی نے خوشی کا اظہار کیا۔

"میں بہت دنوں سے آپ کے متعلق سوچ رہی تھی۔" آمنہ صفی نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"یقیناً کوئی اہم بات ہو گی۔" انہوں نے آمنہ صفی کی طرف دیکھا۔ اس نے آج آنکھوں میں کاجل

لگا رکھا تھا اور ہونٹوں پر ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ جیسے اندر کے پھیکے پن اور بے رنگی کو باہر کے رنگوں سے چھپانے کی کوشش کی ہو لیکن باوجود کوشش کے اندر کی ویرانیاں آنکھوں سے جھانک رہی تھیں۔

''نہیں خیر کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی۔'' اس نے بے پروائی سے تصدق احمد کے ہاتھ سے جلتا ہوا سگریٹ لے لیا۔

''یہ تصدق تھیٹر کرنے جا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں ہمارے ہاں جو کچھ ڈرامے یا تھیٹر کے نام پر اسٹیج پر پیش کیا جا رہا ہے وہ محض ہلڑ بازی' گھٹیا اور چیپ مذاق ہے۔ صرف ہاہا ہو اور المیہ یہ ہے کہ ایجوکیٹڈ لوگ بھی ان ڈراموں کو دیکھنے جاتے ہیں ہم اپنے سامعین کے ذوق کو خود برباد کر رہے ہیں۔''

''ہوں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' پروفیسر عادل نے مجتبیٰ حیدر کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگائی۔ ''تصدق نے تھیٹر کی بات کی تو مجھے آپ کی وہ ظہور الحسن صاحب کے ہاں والی گفتگو یاد آ گئی تو میں سوچ رہی تھی کہ آپ سے اس سلسلے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا اگر ہم کوشش کریں تو کیا ہم عوام کو اچھے ڈرامے دکھا سکتے ہیں۔''

''کیوں نہیں۔ ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' پروفیسر عادل نے راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

''تصدق کا کیا خیال ہے؟'' انہوں نے تصدق کی طرف دیکھا۔

''میں واقعی کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن نہیں جانتا کہ کچھ کر بھی پاؤں گا یا نہیں۔'' اس کے لہجے میں مایوسی اور تھکن تھی۔ جیسے اس کی امیدوں کی ساری کشتیاں مایوسیوں کے ساحل پر آ کر ٹھہر گئی ہوں۔

''ارے یار ینگ آدمی ہو اور لہجے میں اتنی مایوسی۔'' پروفیسر عادل نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

''عادل صاحب' کیا آپ نہیں جانتے کہ مراعات یافتہ طبقے اور خود کو فن کے اجارہ دار سمجھنے والوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔''

''جانتا ہوں دوست لیکن بی بریو۔ کسی بھی نئی شے کو قبول کرنے میں وقت لگتا ہے۔''

''ہاں لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے کسی نے میرے عمر بھر کے اثاثے کو چوراہے پر رکھ کر آگ لگا دی ہو اور میں اس اثاثے کو بچا بھی نہ پایا ہوں۔''

پروفیسر عادل کو لگا جیسے اس کی آنکھوں میں اس کے اپنے خوابوں کے مدفن بن گئے ہوں۔

''تصدق صاحب' آپ کسی دن میرے پاس آئیں۔ ہم اس موضوع پر بات کریں گے۔ میں نے آپ کے کام پر نقادوں کی تنقید پڑھی ہے لیکن وہ اتنی مایوس کن بھی نہیں ہے۔ آپ کو اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ فی الحال تو تھیٹر کی بات کریں۔''

''ہاں' ہم تھیٹر کرنا چاہ رہے ہیں اور آمنہ کا خیال ہے کہانی مجتبیٰ صاحب سے لکھوائی جائے' جو بہت مختلف ہو۔''

''مجتبیٰ صاحب ٹی وی والوں کو چھوڑیں گے تو آپ کے لیے کچھ کریں گے۔ ہم کوشش کر دیکھتے ہیں......'' حافظ احسان منمنائے۔

''ضرور۔ کیوں نہیں' حافظ صاحب۔ آپ کوشش کریں'' مجتبیٰ نے انہیں حوصلہ دیا اور مسکرا کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

''تو پھر یہ طے ہو گیا کہ یہ کہانی حافظ صاحب لکھیں گے۔'' پروفیسر عادل بھی مسکرائے۔

''کوشش کرتا ہوں۔'' حافظ احسان نے انکساری ظاہر کی۔

''آمنہ' آپ اسلام آباد کب جا رہی ہیں؟'' پروفیسر عادل نے اچانک پوچھ لیا تو آمنہ جو حافظ احسان کی طرف دیکھ رہی تھی' ایک دم چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''نہیں' فی الحال میں نہیں جا رہی بلکہ شاید نہ ہی جاؤں اب۔''

''کیوں؟'' انہیں حیرت ہوئی۔

''دراصل میری اماں کا خیال ہے کہ اب جب میرے بھائی ٹھیک ٹھاک پیسہ گھر بھجوا رہے ہیں تو مجھے نوکری کی ضرورت نہیں۔''

''چلیں' جاب تو آپ نہ کریں لیکن کیا آپ کالم وغیرہ بھی لکھنا چھوڑ دیں گی؟''

''شاید......'' اس نے گول مول سا جواب دیا ''ساری زندگی اماں کی نافرمانی کی' ان کا دل دکھایا۔ اب سوچا ہے ان کو خوش کر دوں۔ ان کو میرا لکھنا لکھانا پسند نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ میری بدنصیبی میں میرے لکھنے لکھانے کا بہت ہاتھ ہے۔ دراصل۔'' وہ ہولے سے ہنسی ''جب میرا پہلا مجموعہ کلام منظر عام پر آیا تھا تو میں نے بڑے شوق سے اسے اپنے منگیتر کو گفٹ کیا تھا۔ جواب میں اس نے منگنی توڑ دی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ محبتوں کے جذبوں کا اظہار بغیر تجربے کے نہیں ہو سکتا اور میں نہ جانے...... حالانکہ......'' وہ زور سے ہنسی ''حالاں کہ اس وقت تک میں نے اپنے اس خالہ زاد کے علاوہ جو میرا منگیتر بھی تھا' کسی دوسرے مرد کو دھیان سے دیکھا بھی نہیں تھا۔''

اور پروفیسر عادل کے دل میں کہیں چبھن سی ہوئی جیسے کوئی ننھا سا کانٹا اندر کہیں دل میں پیوست ہو گیا ہو۔

''اور یہ کیسا المیہ ہے۔'' انہوں نے سوچا۔

''بعض لوگ غلط جگہ اور غلط ماحول میں پیدا ہو جاتے ہیں اور وہاں ساری زندگی مس فٹ رہتے ہیں' آمنہ صفی کی طرح۔''

''اور شاید آمنہ صفی کبھی اپنے ماحول کے ساتھ کمپرومائز نہ کر سکے اور یہ اس کے ماحول اور شخصیت کا تضاد ساری زندگی اسے توڑتا پھوڑتا رہے...... لیکن وہ بہت ساری دوسری لڑکیوں کی طرح بہت بولڈ

ہونے کے باوجود اپنے ماحول سے بغاوت نہ کر سکے۔"

"کاش وہ اس لڑکی کی کوئی مدد کر سکتے......" انہوں نے افسردگی سے سوچا۔

آمنہ صفی نے انہیں سوچوں میں گم دیکھا اور تصدق احمد کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"دی ان کمفرٹیبل تھیٹر۔ کی اصطلاح میں نے کہیں پڑھی تھی۔ اس کا کیا مطلب ہے' عادل خان کس طرح تھیٹر۔" تصدق احمد سے بات کرتے کرتے اچانک آمنہ صفی نے پوچھا تو وہ چونکے۔

"یہ امریکن اسٹیج پر ایک نیا ننھا منا تھیٹر دی ان کمفرٹیبل تھیٹر' کے نام سے سامنے آیا تھا اور یہ لکڑی کے بنچوں پر گھٹے ہوئے ماحول میں کھیلا جاتا تھا۔ اور......"

"عادل یار تمہاری کال ہے۔" مجتبیٰ نے جو کسی کام سے باہر نکلے تھے' اندر آتے ہوئے کہا تو پریشان ہو کر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت ہی ہو گی' خدا بخش ہے کہہ رہا تھا' سب ٹھیک ہے۔ تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"اچھا۔" وہ اٹھ کر لاونج میں آ گئے۔

"کیا بات ہے' خدا بخش خیریت ہے نا سب' حویلی میں تو سب ٹھیک ہیں نا؟"

"جی ہاں جی۔ وہ حویلی سے فون آیا تھا مالکن کا جی۔"

"کامل تو ٹھیک ہے نا؟" انہوں نے مضطرب ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔

"جی جی' وہ کہہ رہی تھیں' سب ٹھیک ہے پریشانی کی کوئی بات نہیں لیکن انہوں نے آپ کو فوراً حویلی میں بلایا ہے۔ میں نے بتایا تھا آپ مجتبیٰ صاحب کی طرف گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ انہیں جا کر کہو کہ وہ ابھی حویلی کے لیے روانہ ہو جائیں۔"

"خدا بخش تم نے اچھی طرح تصدیق تو کر لی تھی نا۔ سب ٹھیک ہیں نا۔ کامل' ماں جی' بی آپا' سب۔"

"جی پوچھ لیا تھا لیکن انہوں نے بہت تاکید کی تھی کہ آپ فوراً آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔" انہوں نے ریسیور رکھ دیا لیکن وہ الجھ سے گئے تھے۔

"آخر ایسی کیا بات ہے۔ ماں جی نے تو یوں ایمرجنسی میں انہیں کبھی نہیں بلایا تھا۔ یقیناً کوئی اہم بات ہو گی۔ کہیں مانی نے کوئی بکھیڑا نہ کر دیا ہو۔ ایک تو برداشت نہیں ہے اس میں بالکل......اور پھر وہ نہر والی زمین کا بھی اسے دکھ ہے اور کئی دفعہ وہ اس کا اظہار بھی کر چکا ہے کہ خوامخواہ وہ زمین انہوں نے اللہ یار کو دے دی۔ یقیناً اسی نے کوئی جھگڑا کر لیا ہو گا۔"

مجتبیٰ کو بتا کر اور آمنہ صفی اور تصدق سے معذرت کر کے وہ باہر آئے تو مجتبیٰ بھی ان کے ساتھ تھے۔

"حویلی میں سب خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں لیکن پتا نہیں کیوں' ماں جی نے حویلی بلوایا ہے۔"

"کہیں آپ کو زنجیر کرنے کا ارادہ تو نہیں عادل میاں۔ یہ ماں باپ جذباتی بلیک میلنگ کرتے ہیں' اسی طرح ایمرجنسی میں بلا کر......میری والدہ نے بھی ایک بار یونہی مجھے تار دے کر بلایا تھا۔ میں ان دنوں کراچی میں تھا۔ آیا تو پتا چلا کہ والدہ صاحبہ آخری خواہش کے طور پر اپنی بھتیجی کو میرے سر منڈھنا چاہتی ہیں۔ مگر ہم بھی ایک کائیاں تھے' گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا تھا اور پھر ان دنوں تو ہمیں سنبل کے سوا کہیں کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ سو ہم بلیک میل نہیں ہوئے......" مجتبیٰ نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔

"ممکن ہے' ایسا ہی ہو۔" انہوں نے کہا۔

"پھر کیا کرو گے میاں۔ ہتھیار ڈال دو گے اور بعد میں کہیں وہ مل گئی تو......وہ تمہاری تصوراتی شہزادی......"

انہوں نے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا اور ان کا جی چاہا' وہ انہیں بتا دیں کہ انہوں نے اسے دیکھا ہے اور انہیں یقین ہے وہ وہی ہے جس کا انہیں انتظار تھا۔ جس سے وہ محبت کرنا چاہتے تھے۔ جس کے لیے ان کے دل میں بے انتہا شدتیں تھیں......لیکن نہیں......پھر سہی' پھر کبھی وہ مجتبیٰ کو اس کے متعلق بتائیں گے۔

"اب مجھے چلنا چاہیے۔ نکلتے نکلتے دیر ہو جائے گی۔"

"وش یو گڈ لک۔" مجتبیٰ نے ان کا کندھا تھپکا۔

"تھینک یو۔"

"ارے ہاں' ایک خاص بات تو رہ گئی۔ حالانکہ اس بات کے لیے دو بار میں نے تمہاری طرف فون کیا لیکن تم گھر پر نہیں ملے۔"

"کیا؟" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے رک گئے۔

"یار وہ تمہارے والد تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"کیوں؟" انہوں نے بھنویں اچکائیں اور سوچا "یہ آخر اتنے سالوں بعد انہیں مجھ سے ملنے کا خیال کیسے آ گیا۔"

"شاید وہ کچھ بیمار ہیں اس لیے۔ وہ دو تین بار مجھ سے کہہ چکے ہیں۔ ملنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ ایسا ہے کہ کسی دن میرے ساتھ چلے چلو یا اگر کہو تو میں انہیں ادھر بلوا لوں۔"

"دیکھیں گے۔ حویلی سے واپس آ کر بتاؤں گا کہ......" انہوں نے بات نامکمل چھوڑ دی اور مجتبیٰ سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

❁ ❁ ❁

عینی اور مریم آخر پیپر دے کر ہال سے باہر آئیں تو عینی نے اسے اپنا وعدہ یاد دلایا۔

''یاد ہے مریم' تم نے وعدہ کیا تھا کہ امتحان کے بعد ساتھ چلوگی۔''

''ہاں لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بابا اور اماں بھی تمہیں بہت یاد کررہے تھے بلکہ اماں نے تو خاص طور پر مجھے کہا تھا کہ تمہیں ضرور لے کر آؤں۔''

''میں خود بھی بابا اور اماں کے لیے اداس ہو رہی ہوں۔ بابا کی باتوں سے مجھے بہت تقویت ملتی ہے' وہ تمہارے چاچو اتنے اچھے' اتنی محبت کرنے والے ہیں۔ میں تو خود جانا چاہتی تھی اور پیپرز ختم ہونے کا انتظار کررہی تھی لیکن آج عاشی وغیرہ آرہے ہیں۔ ماما بھی نہیں ہیں اور اگر میں بھی گھر پر نہ ہوئی تو وہ اداس ہو جائیں گے۔ چاچا اسلم انہیں لینے گئے ہوئے ہیں......اور پتا ہے' میں خود ان تینوں کے لیے اداس ہو رہی ہوں۔ رات سے ہی ان کا انتظار کرنے لگی تھی۔ پڑھا بھی نہیں جارہا تھا۔''

''اچھا ٹھیک ہے' تم ان سب کو ساتھ لے کر آنا۔''

''ہاں ایک دو روز تک آؤں گی۔''

''مومی' اب تو کالج بھی فی الحال نہیں آنا ہوگا۔ یہاں تو روز ملاقات ہو جاتی تھی۔ خیر......تم کبھی کبھی آیا کرنا' اچھا۔''

''صرف میں' کیا تم نہیں آؤ گی؟''

''ہاں' میں بھی آیا کروں گی۔''

''عاشی وغیرہ ایک ہفتے رہ کر واپس مری چلے جائیں گے تو میں بہت بور ہوں گی۔ عینی' ماما بھی تو نہیں ہیں حالانکہ ماما کی اپنی مصروفیات ہیں لیکن ان کے وجود سے کیسے گھر بھرا بھرا لگتا تھا۔ صرف ایک فرد کے جانے سے کتنی ویرانی ہو جاتی ہے عینی۔ شریف' صفو اور جیناں بھی انہیں یاد کررہے تھے......اور پتا ہے پاپا تو بہت ہی اداس ہیں۔ بالکل چپ چپ اور خاموش۔ جانے کیا سوچتے رہتے ہیں۔''

''تمہاری ماما یاد آتی ہوں گی۔'' عینی ہنسی ''وہ ہیں بھی تو اتنی خوب صورت۔ سچی تم ان کی بیٹی نہیں' چھوٹی بہن لگتی ہو۔ ارے ہاں' چاچا اسلم تو مری گیا ہوا ہے پھر تمہیں کون لینے آئے گا؟''

''صبح پاپا ہی چھوڑ کر گئے تھے وہی لینے آئیں گے۔ تاہم میں نے انہیں بارہ بجے کا ٹائم دیا تھا لیکن پیپر مختصر تھا اس لیے جلدی ہو گیا۔''

''ابھی تو آدھا گھنٹا ہے۔ چلو چل کر کینٹین میں بیٹھتے ہیں۔ مجھے بہت بھوک بھی لگی ہے۔''

''سچی پیپر کی ٹینشن میں ڈھنگ سے ناشتا تو کیا ہی نہیں جاتا' دو گھونٹ چائے بھی حلق میں پھنس جاتی ہے۔''

''ہوں مجھ سے بھی کچھ کھایا پیا نہیں جاتا حالانکہ آج کل بابا سر پر سوار ہو کر ناشتا کرواتے ہیں۔ رات کو بھی زبردستی دودھ پینے کو کہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے خشکی ہو جاتی ہے' دماغ میں پڑھ پڑھ کر۔ صفو کو کہہ

رکھا ہے انہوں نے کہ سونے سے پہلے ضرور دودھ کا گلاس میرے کمرے میں رکھ دیا کرے۔'' مریم نے عینی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بتایا ''پتا ہے عینی......'' اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے پر رنگ سے کھل رہے تھے ''باشعور ہونے کے بعد مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ باپ کی محبت کیا ہوتی ہے۔ جب پہلی بار میں تمہارے بابا اور اماں سے ملی تھی نا تو مجھے اپنی تہی دامنی کا احساس بڑی شدت سے ہوا تھا۔ میں نے سوچا تھا تم سب بھائی بہن کتنے لکی ہو۔ کاش ہم سب بہن بھائی بھی تمہاری طرح ہوتے۔ شاید وہ لمحہ شنید تھا۔ کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی ہے کہ پاپا ہمیں' ہم سب کو اتنا چاہتے تھے پھر مجھے احساس کیوں نہیں ہوتا تھا۔''

''دراصل مومو۔'' عینی نے اس کے سامنے سموسوں کی پلیٹ رکھتے ہوئے کہا ''دراصل تم بہت حساس ہو اس لیے ذرا ذرا سی بات کو محسوس کرتی ہو۔ شاید تمہارے طبقے میں والدین محبتوں کا اظہار اس طرح نہیں کرتے جس طرح ہمارے طبقے کے والدین کرتے ہیں۔ اولاد تو سب کو ہی پیاری ہوتی ہے۔ تم لوگوں کا اپنا زندگی بسر کرنے کا طریقہ ہے' اس میں شاید اس طرح کی محبتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ شاید بچوں کو والدین کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملتا۔ اپنی دلچسپیاں ہوتی ہیں۔ اب تمہیں اپنے پاپا کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے تو تمہیں پتا چلا ہے کہ پاپا بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں۔ جتنی میرے پاپا مجھ سے کرتے ہیں۔ تمہیں اپنی ماما کے ساتھ رہنے کا موقع ملے تو تمہیں پتا چلے گا کہ وہ بھی تمہیں اتنی شدت سے چاہتی ہیں۔''

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو عینی لیکن صرف یہ بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی میرے ذہن میں الجھن سی ہوتی ہے' مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری ماما سگی ماما نہیں ہیں' جس طرح دوسری شادی کے بعد مرد اپنی پہلی اولاد سے محبتوں کا اظہار بیوی کے سامنے کرتے ہوئے ڈرتا ہے' پاپا بھی اس طرح ڈرتے تھے۔ ماما کی زیادتی کو وہ محسوس کرتے تھے لیکن زبان سے نہیں کہتے تھے۔ اب ماما نہیں ہیں تو وہ ایک ماں کی طرح ہی میری فکر کرتے ہیں۔''

''پاگل ہو تم۔ لو یہ سموسہ لو۔'' عینی نے سموسہ اس کی طرف بڑھایا ''یونہی الٹی سیدھی باتیں سوچتی رہتی ہو۔''

''نہیں عینی' میری تو ذرا بھی ماما سے شکل نہیں ملتی حالانکہ عاشی اور نینا ان سے ملتی جلتی ہیں۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں۔ بعض بچے بالکل ایسے ہوتے ہیں جو نہ ماں پر جاتے ہیں نہ باپ پر......میں کوئی اپنی اماں یا بابا سے ملتی ہوں' ذرا بھی نہیں۔''

''ایک اور بات بھی مجھے پریشان کرتی تھی عینی۔''

''وہ کیا؟'' عینی مسکرائی ''اب کوئی نئی فلاسفی ظہور پذیر ہونے لگی ہے۔''

''اگر میں ماما کی سگی بیٹی ہوں تو مجتبیٰ انکل نے یہ کیوں کہا تھا کہ ماما مجھ سے جیلس ہیں۔''

''یہ کون ذات شریف ہیں۔'' عینی نے پوچھا۔

''یہ ایک ادیب ہیں۔ پاپا کے دوست ہیں۔''

''تو تم نے ان سے نہیں پوچھا؟''

''پوچھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یاد بھی نہیں۔ ممکن ہے یونہی کبھی کہہ دیا ہو۔''

''یہ جو ادیب لوگ ہوتے ہیں' بعض اوقات یونہی الجھی ہوئی باتیں کر کے تجسس پھیلاتے ہیں۔ انہیں شوق ہوتا ہے ایسی باتیں کرنے کا۔ چلو اب اٹھو۔ باہر چل کر دیکھیں۔ شیری بھائی مجھے لینے آئے ہوں گے۔ آج وہ اسپتال نہیں گئے تھے۔''

''مگر ابھی بارہ تو نہیں بجے۔'' مریم نے ٹشو پیپر نکال کر ہاتھ صاف کیے۔

''ارے اماں کا تمہیں نہیں پتا۔ انہوں نے تو دس بجے سے ہی شیری بھائی کو کہنا شروع کر دیا ہوگا کہ اٹھو جاؤ' عینی کو لے آؤ اور بے چارے شیری بھائی گیارہ بجے سے کھڑے ہوں گے باہر دیکھ لینا۔ اماں کی ایسی ہی بے چین روح ہے۔''

''ماں کو ایسا ہی ہونا چاہیے عینی۔'' مریم نے زیر لب کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

شہریار اپنی سوزوکی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''آپ کب آئے شیری بھائی؟'' عینی نے پوچھا۔

''بہت دیر ہوگئی۔'' اس نے عینی کی بات کا جواب دیتے ہوئے پرشوق نظروں سے مریم کو دیکھا۔

''کیسی ہیں آپ؟''

مریم کے دل کی دھڑکنیں ذرا سی دیر کو بے ترتیب ہوئیں پھر نارمل ہوگئیں۔

''اچھی ہوں۔''

''وہ تو خیر آپ ہیں۔'' اس نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کہا۔

''آپ نے کچھ کہا شیری بھائی؟'' عینی نے شہریار کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔'' اس نے نگاہیں مریم کے چہرے سے ہٹالیں۔

''ایسا کیوں نہ کریں' ہم تمہیں ڈراپ کر دیں؟'' عینی نے پوچھا۔

''نہیں پاپا آتے ہی ہوں گے۔'' تب ہی سامنے سے شریف آتا دکھائی دیا۔

''صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی انہوں نے مجھے بھیجا ہے آپ کو لینے۔ میں ٹیکسی لے آؤں۔'' شریف نے قریب آتے ہوئے کہا۔

''نہیں' نہیں ٹیکسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' شہریار فوراً بولا ''ہم انہیں ڈراپ کر دیں گے۔ آیئے پلیز۔'' مریم نے لحہ بھر اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے عینی کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔

''تم بھی آجاؤ میاں۔'' شہریار نے بے تکلفی سے فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب جی' آپ مریم بی بی کو گھر چھوڑ دیں گے تو میں ذرا ادھر اپنے ایک دوست سے ملوں گا وہ یہاں قریب ہی رہتا ہے جی' جلدی آجاؤں گا۔''

''جیسے تیری مرضی یار۔'' شہریار نے مڑ کر مریم کی طرف دیکھا اور گاڑی ریورس کرنے لگا۔

سر جھکائے مریم گو عینی سے ہولے ہولے باتیں کر رہی تھی لیکن اس نے محسوس کیا کہ گاہے گاہے شہریار اسے دیکھتا ہے اور جب وہ نگاہیں اٹھاتی' وہ سامنے سڑک کی طرف دیکھنے لگتا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

شہریار کی اپنی ذات میں دلچسپی اس نے محسوس کر لی تھی۔ وہ جتنی بار بھی عینی کے گھر گئی تھی۔ شہریار کے متعلق اچھا تاثر لے کر آئی تھی۔ اسپتال میں بھی اس نے شہریار کو مریضوں کے ساتھ بہت اخلاق اور ہمدردی سے پیش آتے دیکھا تھا اور لالہ تو اس کی بے حد تعریف کرتی تھی۔

''سچی بات تو یہ ہے موموکہ اگر میرا دل اعزاز میں نہ اٹکا ہوتا تو پھر یقیناً یہ ڈاکٹر شہریار بے دریغ میرے دل میں گھس آتا' مگر مصیبت یہ ہے کہ یہ اعزاز......''

''یہ تمہیں اعزاز سے کیسے محبت ہوگئی تھی لالہ؟''

''محبت کیسے ہو جاتی ہے موموئیہ کیسے بتایا جا سکتا ہے۔'' لالہ اس کی بے وقوفی پر ہنسی تھی ''محبت تو بس ہو جاتی ہے۔ دراصل......'' کچھ دیر سوچنے کے بعد لالہ نے بتایا ''ان دنوں ممی لندن گئی ہوئی تھیں اور اعزاز ہمارے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ امتیاز شاہ سے ملنے آیا تھا۔ تمہیں پتا ہے' اعزاز کا تعلق گاؤں سے ہے اور میری ممی امتیاز کے عزیزوں کو پسند نہیں کرتیں۔ وہ اچانک ہی بیمار ہو گیا تھا ورنہ وہ ٹھہرتا نہ تھا' امتیاز شاہ سے مل کر چلا جاتا تھا۔ مجبوراً اسے ٹھہرنا پڑا تھا اور میں ایک دن بور ہو کر اس کے کمرے میں چلی گئی اور بہت دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ وہ بہت حیران ہوا۔ دراصل ممی نے کئی بار اس کی انسلٹ کر دی تھی اور میں بھی ممی کی بیٹی تھی نا لیکن یار' میں تھوڑا سا ممی سے مختلف ہوں۔ وہ جتنے دن ہمارے گھر رہا......میں نے اس سے بہت باتیں کیں۔ پھر وہ چلا گیا تو مجھے لگا جیسے میرا کچھ کھو گیا ہے۔ خالی خالی ہو گیا ہے' سارا وجود شاید مجھے اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں اس لیے محبت ہو گئی۔'' لالہ نے پوری تفصیل بتائی ''کیا تمہیں...... کبھی ایسا لگا کسی کے جانے سے تمہارا کچھ کھو گیا ہے؟''

''ہاں۔'' مریم نے بتایا ''عاشی' نینا اور مور کے جانے سے مجھے یوں ہی لگتا ہے' جیسے کچھ کھو گیا ہو۔'' اور لالہ دیر تک ہنستی رہی تھی۔

''موموتم معصوم ہو۔ اس لیے مجھے اچھی لگتی ہو۔''

''کیا اعزاز بھی تم سے محبت کرتا ہے۔''

''پتا نہیں' میں نے کبھی پوچھا نہیں۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

اور وہ حیران سی لالہ کو دیکھتی رہ گئی۔ لالہ کی باتیں اسے ہمیشہ ہی حیران کرتی تھیں۔

''لیجیے جناب' آپ کی منزل آ گئی۔'' شہریار نے گاڑی اس کے گیٹ کے سامنے لے جا کر ہارن بجایا۔

''عینی تم چلو نا اور آپ بھی۔'' اس نے شہریار کی طرف دیکھا'' آپ لوگ کھانا کھا کر جائیے گا پلیز!''

''نہیں مومو' پلیز اس وقت نہیں۔ سموسے کھا لیے تھے نا اور مجھے زور کی نیند آ رہی ہے۔ ہم اندر نہیں جائیں گے۔ میں تو گھر جا کر تین چار گھنٹے سوؤں گی اور دیکھو تم عاشی وغیرہ کو لے کر ضرور آنا۔''

''اچھا۔'' وہ ان کا شکریہ ادا کر کے اندر چلی آئی۔

عثمان احمد سیٹنگ روم میں تھے اور میڈم نرگس اونچی آواز میں ان سے باتیں کر رہی تھی۔

''ارے' میں دیکھ لوں گی اس سومرو کو' بڑا آیا لالہ کا باپ بن کر۔''

''السلام وعلیکم آنٹی۔''

انہوں نے سر کی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر عثمان احمد کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''خیر گولی مارو سومرو کو۔ ہوگا تو وہ ہی جو لالہ چاہے گی۔ تم بتاؤ' زینی کا کوئی فون آیا؟''

اپنے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھے مریم نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''ہاں۔'' زینی کے ذکر سے جیسے عثمان احمد کے چہرے پر رونق سی آ گئی ''تقریباً روز ہی بات ہوتی ہے...... بہت انجوائے کر رہی ہے لیکن تھک گئی ہے' کہہ رہی تھی' یہ پہلی اور آخری فلم ہے۔ ٹی وی پر کام کرنے کے مقابلے میں فلم میں کام کرنا زیادہ تھکا دینے والا کام ہے۔''

مریم کو انجانی سی خوشی ہوئی ''اچھا ہے۔ ماما فلم میں کام کرنے سے بور ہو گئی ہیں۔'' اس نے سوچا ''مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا ان کا فلم میں کام کرنا۔ ماما آئیں گی تو میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزاروں گی۔ یوں بھی رزلٹ تک فارغ ہوں۔ عینی بھی کہتی ہے نا کہ جب میں ماما کے ساتھ وقت گزاروں گی تو مجھے پتا چلے گا' وہ مجھے کتنی محبت کرتی ہیں۔''

''عثمان بھائی آپ بھی چلے جاتے زینی کے ساتھ آؤٹنگ ہو جاتی'' میڈم نرگس نے مریم والی بات کی۔

''ایک تو ڈاکٹر نے مجھے فضائی سفر سے منع کر رکھا ہے۔ دوسرا یہاں بچوں کے ساتھ کسی بھی وقت مسئلہ ہو سکتا ہے۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کا یہاں رہنا ضروری تھا۔''

''اوہ ہاں' مریم تو اب کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرتی۔'' وہ زور سے ہنسیں' جیسے ریل کا انجن پٹڑی پر چل رہا ہو۔ (ماضی کی ملکہ موسیقی کی ہنسی کتنی خوف ناک ہوتی تھی) یا پھر جیسے سڑک پر بجری کوٹی جا رہی ہو ''اس بچی نے بھی زینی کو بڑا پریشان رکھا۔''

''نہیں میڈم' ایسی کوئی بات نہیں۔ مریم بہت سلجھی ہوئی طبیعت کی ہے۔'' عثمان احمد نے وضاحت کی ''دراصل زینی میں خود برداشت نہیں ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے غصہ آ جاتا ہے۔ ورنہ بچے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''یہ میڈم بھی بس۔'' مریم نے مڑ کر غصے سے انہیں دیکھا اور تیزی سے اندر چلی گئی۔

''مریم بہت خوب صورت ہے نا۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' عثمان احمد کو حیرت ہوئی۔

''کچھ نہیں' کچھ نہیں عثمان بھائی۔'' میڈم نرگس نے ٹرالی میں سے کبابوں کی پلیٹ اٹھالی ''یہ صفو کباب بہت مزے کے بناتی ہے۔'' انہوں نے پلیٹ میں سے کباب اٹھا کر چکھا۔

عثمان احمد الجھے الجھے سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''دراصل عثمان بھائی' زینی کچھ کچھ سائیکی ہے۔ آپ کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔''

''اور کیسے خیال رکھا جاتا ہے۔'' عثمان احمد نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا ''مجھے اس کا فلم میں کام کرنا پسند نہیں لیکن میں نے اسے منع نہیں کیا۔''

''ہاں' ہاں' خیر وہ تو ہے۔ آپ عثمان بھائی' واقعی ایک مثالی شوہر ہیں لیکن......'' انہوں نے باقی ماندہ کباب ایک ہی بار منہ میں ٹھونس لیا۔

''لیکن کیا؟'' عثمان بہت الجھ گئے تھے ''پلیز کھل کر بات کریں۔''

لمحہ بھر چپ کر کے انہوں نے بات بڑھائی۔

''زینی سے جب میری شادی ہوئی وہ تب بھی اسی طرح ڈیپریس ہو جاتی تھی بلکہ شادی سے پہلے بھی کتنی ہی مرتبہ اسے یہ ڈیپریشن کے دورے پڑے اور وہاں بھی کئی ڈاکٹروں سے مشورہ کیا تھا ہم نے۔''

''اس روز۔''

ان کے ذہن میں وہ شام آ گئی تھی' جب مجتبیٰ حیدر کے فلیٹ کی سیڑھیوں پر وہ انہیں ملی تھی اور انہوں نے بغیر سوچے سمجھے' بغیر کسی بات پر غور کیے اسے شادی کے لیے پرپوز کر دیا تھا اور جب وہ اس کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ تک اسے چھوڑنے گئے تھے تو وہ شدید دردسر میں مبتلا تھیں اور پھر جس روز انہیں پتا چلا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ اس روز دوسری بار انہوں نے اسے ڈیپرس دیکھا تھا۔ بے تحاشا روتے ہوئے اس نے اپنے بیڈروم کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینک دی تھی۔ وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے۔

''پلیز زینی ریلیکس...... بچے کی آمد تو خوشی کا باعث ہوتی ہے۔''

زیتون بانو سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود جب انہیں پتا چلا تھا کہ وہ باپ بننے والے ہیں تو رگ وپے میں عجیب سی ان دیکھی مسرت کی لہریں سرائیت کر گئی تھیں۔ کتنے سارے دن ان کے اندر سنسنی سی ہوتی رہی تھی اور گھر میں بھی بابا جان اماں جی کتنی خوش تھیں اور بے دھیانی میں وہ زیتون بانو کا دھیان رکھنے لگے تھے۔ اسے خود ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ زینی کا ہاتھ تھامے اسے خاموش

دھوپ' بارش اور سائے

کرواتے ہوئے انہیں اپنا بیٹا بے تحاشا یاد آیا تھا اور لمحہ بھر کے لیے انہوں نے سوچا تھا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں؟

"یہ انہوں نے کیا یاد کر دیا ہے۔"

"کیسا وعدہ کر لیا ہے۔"

"کیا وہ ایک بیٹے کی موجودگی میں یہ وعدہ نبھا پائیں گے اور کیا بابا جان اور زیتون بانو اسے زینی کو قبول کر سکیں گے یا نہیں؟"

"اور اگر ایسا ہوا تو۔"

"کیا وہ اپنے بیٹے' بابا جان اور ماں جی کے بغیر رہ سکیں گے۔" اور انہیں لگا تھا جیسے یہ ممکن نہیں ہے۔

اپنے بیٹے کی پیاری پیاری باتیں ان کے کانوں میں گونجنے لگیں تو انہوں نے گھبرا کر زینی کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔

مگر وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

رو رو کر اس کی خوب صورت آنکھیں اور بھی قاتل ہو رہی تھیں۔

بھیگے رخساروں سے جیسے خون چھلک رہا تھا۔

اور دلکش ہونٹ

رخساروں پر سے ڈھلکتا آنسو کا ایک قطرہ اوپر والے ہونٹ کے دائیں کنارے پر اٹکا ہوا تھا...... بے اختیار ان کا جی چاہا اپنے ہونٹوں سے آنسو کے اس قطرے کو چن لیں۔

انہوں نے گھبرا کے آنکھیں جھکا لی تھیں۔

"عثمان' عثمان پلیز کچھ کرو۔ میں اس شخص کے بچے کی ماں ہرگز نہیں بنوں گی۔ ہرگز نہیں' آئی ہیٹ ہم' پلیز...... پلیز عثمان۔" اس کی ملتجی نظریں۔

اس کے آنسوؤں میں بھیگے ہوئے رخسار......

اس...... اس زینب سجاد کو وہ عرصے سے چاہتے چلے آ رہے تھے...... پھر

اپنا بیٹا' بابا جان' ماں جی سب کے سب ذہن سے اوجھل ہوتے گئے۔ انہوں نے بے قرار ہو کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"زینی' میں ہوں نا...... میں ہوں نا' تمہارے ساتھ ہر قدم پر' ہر لمحہ' ہر مشکل میں پلیز ریلیکس......"

"عثمان بھائی۔" میڈم نرگس نے کبابوں کی پلیٹ واپس ٹرالی میں رکھی...... "کیا سوچنے لگے آپ؟"

"کچھ نہیں۔" وہ چونک پڑے۔ میڈم نرگس کی آواز انہیں اپنی سماعت پر بہت گراں گزری اور پھر کبھی جوانی میں راہ چلتے ہوئے میڈم کے گانے کی آواز سن کر وہ رک جاتے تھے۔ وہ ہولے

سے مسکرا دیے اور انہوں نے بہت دھیان سے انہیں دیکھا۔

"میڈم مجھے آپ کے پرانے گیت آج بھی یاد ہیں۔ بہت پسند تھے مجھے۔"

"اچھا۔" وہ کھل کھلا کر ہنسیں۔

وہی بھیانک سی ہنسی۔

سڑک پر بجری کوٹنے کی آواز۔

"آپ نے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔"

"یونہی خیال نہیں آیا ہوگا۔" عثمان احمد نے شریف کو آواز دی۔

"چائے بناؤ آ کر۔"

چائے کی پیالی شریف کے ہاتھ سے لیتے ہوئے میڈم نرگس نے پوچھا۔

"زینی کی واپسی کب تک ہے؟"

"معلوم نہیں۔ ابھی تو اسے انگلینڈ بھی جانا ہے۔" عثمان احمد نے شریف کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا "جاؤ جا کر دیکھو مریم بی بی کیا کر رہی ہیں۔ اگر وہ کچھ کھانا چاہیں تو لے جاؤ۔ کھانے میں تو ابھی کچھ دیر ہے۔"

"یہ ڈاکٹر معید بھی تو انگلینڈ میں ہیں نا؟" میڈم نرگس کی آنکھوں میں ایک دم لومڑی کی آنکھوں ایسی چمک آ گئی تھی۔

"ہاں' وہ لوگ بہت عرصے سے وہاں ہی سیٹل ہیں۔ یہاں تو وہ صرف ڈاکٹر ہادی سے ملنے آئے تھے۔ مگر پھر یہاں ہی سیٹل ہونے کا سوچ رہے ہیں۔ فی الحال تو اپنے والد کی بیماری کی وجہ سے واپس چلے گئے تھے۔" عثمان احمد نے تفصیل بتائی۔

"مگر زینی نے تو نہیں بتایا کہ وہ یہاں سیٹل ہونے کا سوچ رہے ہیں۔" میڈم نرگس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کر اپنی گول گول آنکھیں گھمائیں۔

"شاید زینی کو پتا نہ ہو' مجھ سے تو ڈاکٹر ہادی نے ذکر کیا تھا۔"

"زینی کو نہ پتا ہو۔" ان کے حلق سے سڑک پر بجری کوٹنے کی آوازیں آنے لگیں' "کمال کرتے ہیں آپ بھی عثمان بھائی۔" انہوں نے جیسے بہ مشکل اپنی ہنسی روکی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ ٹرالی میں رکھتے ہوئے کھڑی ہو گئیں "اب میں چلتی ہوں عثمان بھائی امتیاز نے ریکارڈنگ کے لیے جانا ہے۔ میں نے کہا تھا جلدی آ جاؤں گی ذرا عثمان بھائی کو دیکھ آؤ...... زینی شکایت کرے گی آ کر پیچھے سے عثمان خبر ہی نہ لی۔"

انہوں نے نہایت نزاکت سے دو انگلیوں سے پکڑ کر ساڑھی کا پلو درست کیا۔

"شکریہ میڈم۔" عثمان احمد انہیں سی آف کرنے کے لیے کھڑے ہوئے لیکن ذہنی طور پر وہ ابھی تک میڈم کے جملے میں پھنسے ہوئے تھے۔

''بیٹھیے عثمان بھائی آپ۔'' میڈم نرگس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا لیکن وہ ان کے ساتھ باہر پورچ تک آئے۔

''میں تو کہتی ہوں عثمان بھائی آپ بھی انگلینڈ چلے جائیں بلکہ بچوں کو بھی وہیں لے جائیں......ان کی بھی آؤ ٹنگ ہو جائے گی۔'' میڈم نرگس نے گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے مشورہ دیا تو وہ سر ہلا کر رہ گئے۔

''کمال کرتے ہیں۔ آپ بھی عثمان بھائی' زینی کو پتا نہ ہو......''

''کیا۔ کیا مطلب تھا میڈم کا اس سے۔'' انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا اور پھر ہولے سے سر جھٹکا...... ''عجیب شے ہیں میڈم بھی اور ان کا ذہن جانے کہاں کہاں سے کیا کیا کرید کر لے آتا ہے۔''

وہ اپنی اسٹڈی میں جاتے جاتے وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی تھوڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''شریف۔'' انہوں نے آواز دی۔

''جی صاحب۔''

''پانی پلاؤ اور پنکھا تیز کر دو۔''

پانی پینے کے بعد بھی گھبراہٹ اسی طرح تھی۔ پیشانی پر سے پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ انہیں لگا جیسے دل کی دھڑکنیں نارمل نہ ہوں۔ درد تو نہیں تھا مگر کچھ گڑبڑ تھی۔

وہ اٹھے تاکہ بیڈروم میں آرام کر سکیں۔ مگر ٹانگیں کانپ رہی تھی وہ پھر بیٹھ گئے۔

''شریف۔'' انہوں نے بے بسی سے پاس کھڑے شریف کی طرف دیکھا ''مجھے سہارا دے کر کمرے میں لے چلو اور مریم بی بی سے کہو ڈاکٹر کو ہادی کو فون کر دیں۔'' انہوں نے صوفے کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے ...... آنکھیں بند کر لیں اور شریف وہاں ہی کھڑا زور زور سے صفو اور جیناں کو آوازیں دینے لگا۔

❁❁❁

''بھائی جی اگر آپ ملک گلریز سے بات کریں۔ زمین کے لیے تو کیا وہ زمین فروخت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟'' سکندر نے ٹیبل پر نقشہ پھیلا کر اس پر کچھ نشان لگاتے ہوئے چوہدری نثار سے پوچھا۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ گلریز کچھ ٹیڑھا آدمی ہے۔ یوں بھی ہم دیہاتی لوگ زمین بیچنا پسند نہیں کرتے پھر بھی میں چلوں گا تمہارے ساتھ۔ بات کروں گا گلریز سے۔''

''یوں بھی وہ زمین بنجر ہے' قابل کاشت تو ہے نہیں۔ اگر مجھے مل جائے تو میں اسپتال اپنی مرضی کے مطابق بنوا سکوں گا۔ دراصل میری خواہش تھی کہ جگہ تھوڑی سی زیادہ ہو تو رہائشی کمرے زیادہ بن سکیں گے۔ اردگرد کے دیہات سے آنے والوں کے لیے آسانی ہو جائے گی۔''

''کیا تمہیں یقین ہے سکندر کہ یہ اسپتال کامیاب رہے گا؟'' چوہدری نثار نے سکندر کی طرف دیکھا۔

''کامیابی یا ناکامی میرا مسئلہ نہیں ہے بھاجی۔ مجھے تو ایک عہد پورا کرنا ہے...... ایک عہد میں نہیں نباہ

سکا ایک عہد میں نبھانا چاہتا ہوں۔ ناکامی سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ میں وہاں خاطر خواہ پیسہ نہ کما سکوں گا تو مجھے اس کی خواہش نہیں ہے......زندہ رہنے کو روٹی ملتی رہے تو بہت ہے۔ میں نے بہت کما لیا اب اس کی ضرورت نہیں مجھے۔ اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ وہاں مریض نہیں آئیں گے تو میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ کیا دیہاتوں میں لوگ بیمار نہیں ہوتے۔ کیا انہیں ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہوتی؟''

''ٹھیک ہے پتر۔'' چوہدری نثار کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی ''صبح چلتے ہیں گاؤں' دیکھو گلریز کیا کہتا ہے۔''

''تو کیا سکندر گاؤں جا رہا ہے اور آپ بھی؟'' صالحہ نے کمرے میں آتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بھابو' میں اور بھاجی جا رہے ہیں۔ بھاجی تو ایک دو روز میں آ جائیں گے میں کچھ دن رکوں گا۔ تقریباً ایک ہفتہ۔ دراصل میں چاہتا ہوں' اپنی نگرانی میں کام شروع کراؤں۔ یوں تو ٹھیکیدار ارسل کا جاننے والا اور قابل اعتبار آدمی ہے۔ اس نے بہت تسلی دی ہے کہ آپ مطمئن ہو جائیں۔ تاہم فی الحال تو ہفتہ بھر رہوں گا' بعد میں کبھی کبھار چکر لگایا کروں گا۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ بہت دل چاہ رہا ہے گاؤں جانے کو۔'' وہ ان کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں...... ''وہاں تمہیں کھانے پینے کی تکلیف ہو گی۔''

''میرے کھانے پینے کی فکر آپ نہ کریں بھابو...... اتنے سال اکیلا رہا ہوں۔ اپنا پیٹ بھرنے کی حد تک کوکنگ کر لیتا ہوں۔''

''سکندر ایک بات پوچھوں۔ تم نے ڈولی سے علیحدگی کے بعد پھر شادی کیوں نہیں کی؟''

''بس بھابو' جی ہی نہیں چاہا۔''

''تم کہو تو اب کسی خاتون کو دیکھوں...... یہ ادھر پڑوس میں ایک لیکچرار رہتی ہے۔ شادی شدہ نہیں ہے۔ عمر زیادہ ہے مگر پھر بھی اس کی والدہ چاہتی ہیں کہ اپنی زندگی میں اس کی شادی کر دیں۔ چاہے......''

''نہیں بھابو' نہیں......'' سکندر نے ان کی بات کاٹ دی...... ''اب تو عمر گزر گئی' اب کیا گھر بسانا یا شادی کرنا۔''

''خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے یار۔'' چوہدری نثار اس کی طرف دیکھ کر ہنسے...... ''ٹھیک ٹھاک اسمارٹ لگ رہے ہو۔ تمہاری بھابو صحیح کہتی ہیں۔ زندگی یوں کیسے گزرے گی تنہا۔ تم اجازت دو تو تمہاری بھابو کوشش کریں کچھ۔''

''تنہائی کا مشکل وقت تو گزر گیا بھاجی۔'' سکندر کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ آ گئی...... ''بہت مشکل وقت گزارا ہے' میں نے بھاجی' کبھی کبھی تو گھنٹوں روتا رہتا تھا اکیلا...... اب تو آپ سب ہیں۔ اب کہاں تنہا ہوں میں۔''

سکندر......" بھابو کی آواز بھرا گئی...... "تو تم آ کیوں نہ گئے۔ اتنا انتظار کیوں کروایا۔ کیا تمہیں ہم سب پر اعتبار نہیں تھا۔ کیا تم سمجھتے تھے کہ ہم تمہیں قبول نہیں کریں گے؟"

"نہیں ایسا نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں گے۔ بس ندامت تھی، شرمندگی تھی جو مجھے آنے نہیں دیتی تھی۔ ہمت نہیں پڑتی تھی، آپ سب کا سامنا کرنے کی۔ خصوصاً بابا سے بہت شرمندہ تھا میں۔"

"اور بابا تم سے بالکل بھی خفا نہ تھے۔ ہاں انہیں دکھ ضرور ہوا تھا۔" بھابو نے بتایا۔

"یہ کیا فضول باتیں لے بیٹھی ہو تم۔ جو گزر گیا سو گزر گیا۔ کوئی اچھی بات کرو، مثلاً بیاہ وغیرہ کی، کیا کہہ رہی تھی تم وہ لیکچرار......" چوہدری نثار نے بات نامکمل چھوڑ کر سکندر کی طرف دیکھا۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا۔ اس لیکچرار سے بات کی جائے؟"

"نہیں بھاجی پلیز...... میں اپنی زندگی وقف کر چکا ہوں...... اپنے مریضوں کے لیے......"

"تم گاؤں جاؤ گے کیا جاب چھوڑ دی ہے تم نے؟" صالحہ نے پوچھا۔

"نہیں بھابو! ابھی نہیں...... ابھی تو وقت لگے گا۔ اسپتال بننے میں...... اور فی الحال میرے علاوہ ڈاکٹر رافع کے پاس اور کوئی سرجن نہیں۔"

"تم گاؤں سیٹل ہو گئے تو ہم بھی گاؤں چل کر رہیں گے۔ شیری کی شادی کر دوں گی اس کی دلہن آ جائے گی تو یہاں مسئلہ نہیں رہے گا۔" صالحہ نے چوہدری نثار کی طرف دیکھا "کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک تو ہے لیکن بچے کہاں مانیں گے۔"

"مان لیں گے۔ ہم لوگ آتے رہا کریں گے اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے شیری کی شادی کرنی ہے۔"

"مگر کس سے کریں گی شیری کی شادی؟" سکندر نے پوچھا۔

"ہے ایک لڑکی میری نظر میں۔ عینی کی دوست ہے۔ بہت اچھی، بہت پیاری۔ اس روز گھر پر آئی مگر تم لوگ گھر پر نہیں تھے۔ ورنہ تم سے ملواتی۔"

"صالحہ......" چوہدری نثار ایک دم سنجیدہ ہو گئے...... "کیا تم سمجھتی ہو کہ مریم کے والدین اس کا رشتہ ہمیں دے دیں گے۔"

"کیوں نہیں دیں گے بھلا۔ شیری خوب صورت ہے۔ ڈاکٹر ہے ایک اچھے اسپتال میں جاب کر رہا ہے۔"

"لیکن ہاں......" چوہدری نثار نے آہستگی سے کہا۔ جیسے خود سے بات کی ہو۔

"لیکن کیا۔" بھابو نے انہیں ٹوک دیا "مریم کیا آپ کو پسند نہیں شہریار کے لیے۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے صالحہ۔ وہ بچی مجھے بہت عزیز ہے۔ بالکل عینی جیسی لگتی ہے مجھے وہ اور ان چند مہینوں میں تو اس نے بہت جگہ بنا لی ہے میرے دل میں۔ دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے...... مگر پتا نہیں کیوں مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ...... اس کے والدین کے نزدیک شہریار اس کے لیے مناسب نہ ہو...... ان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے...... حالانکہ خود میری شدید خواہش ہے کہ وہ ہمارے شہریار کی دلہن بنے۔"

"آپ ایک بار اس کے والد سے بات کر کے تو دیکھیں۔"

"اچھا گاؤں سے واپس آ کر ملوں گا ان سے۔"

"لیکن شہریار......" سکندر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا...... "آپ نے شہریار سے بھی پوچھا؟"

"میرا خیال ہے، وہ بھی مریم کو پسند کرتا ہے۔ تاہم اس طرح کی کوئی بات کرنے سے پہلے اس سے پوچھ لیں گے۔ بہرحال بچوں کی رائے ضروری ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم فکر مت کرو۔"

"یہ ارسل وغیرہ کہاں ہیں؟ جب سے آیا ہوں نظر نہیں آ رہے؟" سکندر نے پوچھا۔

"منا اور ارسل دونوں شاید مسرور کی طرف گئے ہیں۔" بھابو نے بتایا۔

"لیکن مسرور تو رضوانہ کو لینے گیا ہوا تھا" چوہدری نثار نے کہا۔

"ہاں لیکن منا بتا رہا تھا کہ اس کی فون پر بات ہوئی ہے مسرور سے، وہ واپس آ گیا ہے اور رضوانہ اس کے ساتھ نہیں آئی۔"

"کیوں؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے بھابو کی طرف دیکھا۔

"رضوانہ کچھ بیمار رہتی ہے۔ مسرور بتا رہا تھا۔ ہمارا بھی بہت دنوں سے جانا نہیں ہوا اور وہ اللہ کی بندی تو ایسی ہے کہ گھر سے نکلتی ہی نہیں۔"

سکندر کے دل میں درد سا اٹھا۔ رضوانہ کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آ گیا...... ہنس مکھ اور فریش چہرے والی رضوانہ...... کتنا ظلم کر بیٹھا تھا وہ اس پر...... کتنی دفعہ اس کا جی چاہا تھا کہ وہ بھابو سے پوچھے اس کے متعلق۔ چوہدری نثار نے بتایا تو تھا کہ اس کا خاوند کچھ اچھا آدمی نہیں ہے لیکن وہ تفصیل جاننا چاہتا تھا۔ مسرور سے مل کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ ارسل اور منے کے مقابلے میں بہت سنجیدہ اور کم گو ہے۔ اس کی آنکھوں میں کسی انجانے سے دکھ کی پرچھائیاں تھیں اور چہرے پر ملال کے بادل لمحے لمحے بعد چھا جاتے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر تک گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا اور اسے لگا تھا جیسے وہ یہاں ان سب کے درمیان خود کو اجنبی محسوس کر رہا ہو، حالانکہ سب اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے اور بھابو تو بار بار اصرار کر رہی تھیں کہ اب وہ یہاں ہی آ کر رہے، ان کے ساتھ اور وہ ہر بار شائستگی سے انکار کر دیتا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ زندگی کی دھوپ میں اسے کوئی گھنا سایہ نہیں مل سکا۔ تو کیا اس کا باپ...... وہ بھابو سے پوچھنا چاہتا تھا کہ رضوانہ کا شوہر کیا کرتا ہے...... بھا نثار نے اس کے متعلق یہ کیوں کہا تھا کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے

لیکن پھر اس کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ جانے بھابی کیا سوچیں گی کہ اب وہ کیوں اس کے متعلق اتنا متجسس ہے...... اب کیا واسطہ ہے اس کا اس سے۔

''میں نے مسرور سے کہا بھی تھا کہ وہ رضی کو لیتا آئے۔ یہاں شیری ہے' کسی اسپیشلسٹ کو دکھا لے خوامخواہ اپنی بیماری کو طول دے رہی ہے۔ گاؤں سے آ کر میں خود جاؤں گا اسے لینے......''

چوہدری نثار نے صالحہ کی طرف دیکھا تو سکندر چونکا۔

''اسے کیا ہوا ہے بھابو؟'' اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''معلوم نہیں۔'' صالحہ نے اس کی جھکی ہوئی نظروں کو تاسف سے دیکھا ''بس بیمار رہتی ہے۔ کبھی بخار' کبھی جسم میں درد اور کبھی سانس میں تکلیف ہو جاتی ہے اسے ماں جی کی طرح۔ ماں جی کی خدمت بھی تو بہت کی اس نے آخری دنوں میں۔ ان کی پٹی سے ہی لگ کر بیٹھ گئی تھی۔''

''بعض نقصان ناقابل تلافی ہوتے ہیں......'' سکندر نے دل گرفتگی سے سوچا...... ''کتنا بڑا نقصان کیا تھا اس نے اپنا...... ناقابل تلافی نقصان...... آج اگر رضوانہ......''

''دراصل۔'' بھابو نے ایک نظر اسے دیکھا۔ شاید انہوں نے اس کے دل میں اٹھنے والے سوال پڑھ لیے تھے۔

''بابا نے اس کا رشتہ اس کے ننھیالی رشتے داروں میں کیا تھا لیکن اس کا میاں اچھا آدمی نہیں لگا۔ اکھڑ اور بدمزاج تو ہمیشہ سے تھا۔ شروع ہی سے رضوانہ کے ساتھ اس کا رویہ صحیح نہیں تھا۔ پھر اس نے شادی کر لی اور رضوانہ کو چھوڑ دیا۔'' صالحہ کی آواز بھیگ گئی...... ''بعض لوگ بڑے بدنصیب ہوتے ہیں سکندر۔ اپنی رضوانہ بھی شاید ایسے ہی لوگوں میں شامل ہے۔''

دکھ اس کے اندر اتر کر جیسے اس کے دل کو کاٹنے لگا۔

''غلطی تو میری تھی قصوروار تو میں تھا۔ رضوانہ کو کس جرم کی سزا ملی؟'' اس نے آہستگی سے کہا' یوں جیسے اپنے آپ سے مخاطب ہو لیکن چوہدری نثار نے اس کی بات سن لی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے بولے۔

''کبھی کبھی سزائیں بے قصور لوگوں کا بھی مقدر بن جایا کرتی ہیں اور مقدر سے کسی کی جنگ نہیں ہے۔ قدرت اپنے بھید خود بہتر جانتی ہے......'' انہوں نے مڑ کر صالحہ کی طرف دیکھا۔

''اور تم بھی بے وقت کیا ذکر لے بیٹھی ہو۔ اس وقت گاؤں جانے کی بات ہو رہی تھی۔ کیا واقعی تم ہمارے ساتھ گاؤں جانا چاہتی ہو......'' انہوں نے بڑی خوب صورتی سے بات بدل دی۔

''ہاں تو آپ مذاق سمجھ رہے تھے۔'' صالحہ نے بھویں اچکائیں۔

''تو کیا آپ سنجیدہ تھیں۔'' چوہدری نثار نے سکندر کے کندھے سے ہاتھ اٹھا لیے۔

''جی میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ عینی بھی فارغ ہے۔ ارسل اور منا بھی۔ عینی کا رزلٹ آ گیا تو اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لینا ہے...... پھر تو پھنس ہی جاؤں گی۔''

''تو گویا ارادہ طویل قیام کا ہے؟''

''...'' انہوں نے قطعی انداز میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں ''میں ذرا عینی کو بتا دوں۔ وہ اپنی تیاری کر لے۔''

''اچھا تو پھر ٹھیک ہے بھابو آپ لوگ تیاری کریں' میں ذرا اسپتال جاؤں گا۔ ڈاکٹر رافع کو بھی بتانا ہے اور دیکھنا ہے کہ کوئی آپریشن وغیرہ تو نہیں ہے۔''

''یہ شیری بھی ابھی تک اسپتال سے نہیں آیا۔'' وہ جاتے جاتے پلٹیں۔

''اس کا فون آیا تھا' کہہ رہا تھا آج رات وہاں ہی رہوں گا۔''

''کیوں' ابھی اسی ہفتے تو رات کی ڈیوٹی دی ہے اس نے...... پھر آج۔'' وہ قدرے خفگی سے بولیں۔

''یہ ڈاکٹر رافع کو بھی بس شیری ہی ملا ہے' رات کی ڈیوٹیاں بھگتانے کے لیے۔'' چوہدری نثار مسکرائے۔

''بھئی' وہ کہہ رہا تھا کہ کسی دوست ڈاکٹر کی نائٹ تھی' اسے ایمرجنسی میں چھٹی لینی پڑی ہے تو اس کی جگہ وہ نائٹ دے گا......''

وہ بڑبڑاتی ہوئیں باہر گئیں تو انہوں نے سکندر کی طرف دیکھا۔

''یار' یہ تیری بھابو تو بس......''

سکندر بھی مسکرا دیا۔

''اچھا بھا جی' میں بھی چلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا......

''اللہ حافظ۔''

''یار تم شیری کو بتا دینا گاؤں جانے کا...... کیا خبر وہ بھی پروگرام بنا لے اور اگر اس کا ارادہ نہ بھی ہو تو اسے بتا ضرور دینا۔ بعض اوقات وہ نائٹ دے کر تھکا ہوا ہو تو وہیں سو جاتا ہے اور تمہاری بھابو کے قدم نہیں اٹھیں گے اس کے بغیر......'' انہوں نے خدا حافظ کہنے کے بعد دوبارہ کہا۔

''جی ضرور۔'' سکندر نے مڑ کر انہیں دیکھا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔

❁ ❁ ❁
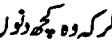
سکندر ڈاکٹر رافع سے مل کر اور انہیں بتا کر کہ وہ کچھ دنوں کے لیے گاؤں جا رہا ہے۔ باہر نکلا تو اسے کوریڈور میں ایک طرف شہریار کھڑا کسی سے باتیں کرتا نظر آیا۔

''شیری......'' اس کے قریب جاتے ہوئے انہوں نے آواز دی۔

شہریار نے مڑ کر انہیں دیکھا......

''سکندر ماموں' آپ اس وقت یہاں...... غالباً آج اس وقت تو کوئی آپریشن نہیں ہے۔''

"ہاں، میں ذرا ڈاکٹر رافع سے ملنے آیا تھا۔ دراصل ہم لوگوں نے گاؤں جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ بھابو کہہ رہی تھیں کہ تمہیں بھی چھٹی مل سکے تو تم بھی ساتھ چلو۔"

"میں.....لیکن میں....."

اس نے اس لڑکی کی طرف دیکھا جس سے لمحہ بھر پہلے باتیں کر رہا تھا۔ لڑکی کی نگاہیں بھی اچانک اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"میں ڈاکٹر رافع سے بات کروں، تمہاری چھٹی کے لیے.....؟" سکندر نے پوچھا۔

شہریار کی نگاہیں اس لڑکی پر تھیں اور اس کی آنکھوں میں التجا تھی، درخواست تھی کہ وہ نہ جائے۔

"نہیں۔ چھٹی کی بات نہیں ہے۔ میں دراصل خود بھی ابھی گاؤں نہیں جانا چاہتا..... پھر کبھی سہی..... سب لوگ کب تک واپس آجائیں گے.....؟"

"دو ہفتے تک اور بھابو کہہ رہی تھیں کہ ساتھ نہ چلنا ہو تو ملنے ضرور آنا صبح..... دس گیارہ بجے تک ہم نکل جائیں گے۔ تم ڈیوٹی آف ہوتے ہی آجانا۔"

"جی آجاؤں گا....." وہ لڑکی کی طرف مڑا۔

"مریم یہ میرے ماموں ہیں سکندر ملک۔ سرجن ہیں، حال ہی میں باہر سے آئے ہیں اور ماموں جان، یہ مریم ہے، عینی کی دوست، ان کے پاپا یہاں ایڈمٹ ہیں۔ انہیں دل کی تکلیف ہے....."

"اچھا تو یہ ہے مریم جس کا بھابو ذکر کر رہی تھیں۔" سکندر نے اب کی بار غور سے مریم کو دیکھا اور انہیں وہ اچھی لگی۔ پہلی نظر میں ہی انہیں اس سے اپنائیت محسوس ہوئی۔ شاید شہریار کے تعلق سے۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"پریشان نہ ہو بیٹی۔ انشاء اللہ تمہارے پاپا ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"انشاء اللہ" اس نے زیر لب دہرایا اور شہریار کی طرف دیکھا۔

"آپ پلیز ڈاکٹر رافع سے پوچھ کر صحیح حالت بتائیں۔ ماما بھی نہیں ہیں..... پتا نہیں کیسے انفارم کروں انہیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں مریم، میں ہوں نا یہاں آپ کے پاس اور میں ابھی ڈاکٹر رافع سے بات کرتا ہوں۔ ڈاکٹر ہادی کے ساتھ ان کی تفصیلی بات ہوئی ہے۔ کوئی ایسی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ بس دو تین دن یہاں ریسٹ کریں گے اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں نا.....؟" مریم نے بے یقینی سے شہریار کی طرف دیکھا۔ تو وہ مسکرا دیا اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

سکندر نے جاتے جاتے پھر تلقین کی اور ساتھ کھڑے شہریار اور مریم کو سراہا۔

دونوں ساتھ ساتھ کھڑے بہت اچھے لگ رہے تھے اور شہریار کی آنکھوں میں اس نے مریم کے لیے پسندیدگی دیکھی اور دل ہی دل میں سوچا کہ وہ بھابو سے کہے گا کہ مریم اسے بھی پسند آئی ہے اور یہ کہ بھابی جی سے وہ کہیں کہ شہریار کے رشتے کی بات وہ مریم کے والدین سے کریں۔

گھر میں رونق ہو جائے گی۔ کیسی بور، بے رونق اور بے رنگ زندگی ہے۔ شہریار کی شادی ہوگی، ہنگامہ ہوگا شور شرابا۔ کچھ تو جمود ٹوٹے گا، اس نے سوچا، وہ بھابو سے کہے گا کہ اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔ یوں بھی شہریار اب برسر روزگار ہے۔ اس کی عمر ہے شادی کی۔

"وش یو گڈ لک۔" وہ شہریار کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اسپتال کے گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

"مریم، تم نے دیکھا میرے ماموں جان کتنے اسمارٹ ہیں اور کیسی زبردست پرسنلٹی ہے۔"

"ہاں....."

مریم پریشان تھی اس نے زیادہ دھیان سے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ اس کا خیال پاپا کی طرف لگا ہوا تھا۔ ان کی طبیعت فوراً ہی خراب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر ہادی فوراً ہی انہیں رافع اسپتال لے آئے تھے..... وہ ساتھ ہی آئی تھی۔ شریف بھی ساتھ تھا۔ اگرچہ پاپا کو آئی سی یو میں نہیں لے جایا گیا تھا۔ تاہم ان کا رنگ خطرناک حد تک زرد ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر رافع نے فوری ٹریٹمنٹ کے بعد انہیں کمرے میں منتقل کر دیا تھا اور اب وہ نڈھال ہو کر سو رہے تھے اور ان کے کمرے میں ڈسٹربنس سے منع کیا گیا تھا اور سختی سے کہا تھا کہ اندر لوگوں کا ہجوم نہ ہو۔ اسی لیے تو اس نے آنٹی نرگس کو بھی فون نہیں کیا تھا، حالانکہ اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کوئی ہو اس کے پاس اس وقت۔ چاہے وہ آنٹی نرگس اور بیگم آفندی ہی کیوں نہ ہوں..... ماما کی کمی اسے آج بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ پچھلی بار ماما کے آنے سے کتنی تقویت ملی تھی اسے۔ انہوں نے اسے رونے پر ڈانٹا بھی تھا لیکن اسے لگا تھا جیسے ماما آ گئی ہیں تو اب وہ اکیلی نہیں ہے اور یہ کہ اب پاپا کو کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر ہادی اسے دوبارہ جلد آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے، وہ کچھ دیر پاپا کے سامنے صوفے پر بیٹھی خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تھی۔ ان کی سانس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پاپا کا رنگ اتنا زرد ہو رہا تھا کہ وہ گھبرا کر باہر نکل آئی۔ جہاں شریف بینچ پر بیٹھا تھا۔ وہ بے مقصد ہی شریف سے باتیں کرنے لگی تھی اور گاہے گاہے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر جھانک لیتی۔ پاپا اسی طرح سوئے ہوئے تھے۔ سامنے والی بینچ پر بہت سی عورتیں اور مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید وہ سب کسی مریض کی عیادت کو آئے تھے۔ ان میں سے ایک عورت اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"کون بیمار ہے تمہارا؟"

"میرے پاپا ہیں۔"

"کیا ہوا ہے انہیں؟"

"ہارٹ کی تکلیف ہے۔" اس نے بتایا اور دروازہ کھول کر دیکھا اور پھر بند کر دیا۔

"تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں اس وقت کوئی نہیں ہے۔ میری ماما انگلینڈ میں ہیں۔"

"اوہ۔"

عورت کو شاید اس کی تنہائی پر افسوس ہوا تھا یا ماما جو اتنی دور تھیں اور یہاں اس کا شوہر بیمار پڑا تھا۔ وہ کچھ دیر تو یونہی تاسف سے اسے دیکھتی رہی' پھر خود ہی بتانے لگی۔

"کمرے میں جانے نہیں دیتے سو ادھر بیٹھے ہیں۔ کیسے بچی کو چھوڑ کر چلے جائیں...... میری بھانجی بیمار ہے۔ اسے بھی ہارٹ کی تکلیف ہے۔ وہ سامنے میری بہن ہے اس کے ساتھ جو دو خواتین بیٹھی ہیں' وہ اس کی پھوپھیاں اور وہ دونوں لڑکے اس کی پھوپیوں کے بیٹے ہیں اور یہ ادھر اس کے ماموں ہیں......" وہ مختلف رشتے گنوا رہی تھی۔

مریم خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور اسے خاموش پا کر وہ واپس بینچ پر جا کر بیٹھ گئی اور جیب سے تسبیح نکال کر پڑھنے لگی۔

"ایک یہ عورت ہے' جس کے اتنے عزیز رشتے دار ہیں۔ دعا کرنے والے اور ایک پاپا ہیں اکیلے کوئی نہیں ان کا عزیز' جو دعا کرے۔ صرف میں ہوں یہاں اور بس۔"

ایک دم اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا' "کتنے اکیلے ہیں ہم...... بالکل تنہا......"

ننھیال میں صرف ایک نانا ہیں وہ بھی امریکا میں اور ددھیال میں پتا نہیں کوئی ہے بھی یا نہیں پاپا نے کبھی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ماما نے' نہ ہی کوئی وہاں سے آیا۔

"کوئی تو ہوگا پاپا کا۔ ماں' بہن' بھائی۔"

"کوئی رشتے دار۔"

"پاپا اچھے ہو جائیں تو میں ضرور پوچھوں گی پاپا سے...... اور اگر وہ کسی وجہ سے پاپا سے ناراض ہیں تو پاپا سے کہوں گی کہ انہیں منالیں۔ کتنی ضرورت ہوتی ہے ایسے لمحوں میں رشتے داروں کی۔"

"اس کی کوئی پھپھو' کوئی چچا ہوتے اس کے ساتھ یہاں تو کتنی ڈھارس رہتی کتنا آسرا ہوتا اسے۔ اگرچہ انکل ہادی ہیں پھر بھی......"

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں...... تب ہی شہریار آ گیا۔

"مریم آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ انکل تو ٹھیک ہیں نا......؟"

"جی' پاپا تو سو رہے ہیں...... میں یونہی باہر آ گئی تھی......" وہ شہریار کے ساتھ چلتی ہوئی وہاں سے ایک

ء نہ ب ت آنی' پلیز آپ مجھے بتائیں پاپا ٹھیک ہو جائیں گے؟"

"مریم' آپ اتنی کم حوصلہ کیوں ہیں۔ دعا کریں انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ معمولی سی تکلیف ہے۔ ہارٹ بیٹنگ بالکل نارمل ہے۔ بس معمولی سا بی پی ہائی ہو گیا تھا۔ جس سے گھبراہٹ ہو گئی تھی۔"

اس نے تسلی دی تو اس کا ڈوبا ڈوبا دل تیرنے لگا۔ شہریار کی موجودگی سے اسے بڑی تسلی ہوئی تھی۔

"مریم......" شہریار نے اس کی طرف دیکھا...... "آپ پلیز' بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں یہاں ہی ہوں رات کو بھی یہاں ہی رہوں گا۔ مجھے غیر مت سمجھیں اور دعا کریں بس۔"

"جی......"

اس اپنائیت پر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں...... یہ سب لوگ کتنے اچھے' کتنے محبت کرنے والے تھے۔ عینی' بابا اور شہریار...... ان سب کے لیے اس کے دل میں خود بخود ہی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ بابا تو اسے بالکل اپنے دوست لگتے تھے اور شہریار...... اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ شہریار اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کی نگاہوں میں وارفتگی سی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں......" وہ چونکی...... "انکل چلے گئے......؟"

"ہاں......"

شہریار کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"چلو کمرے میں بیٹھو اور بالکل بھی پریشان نہ ہو۔ اگر زیادہ دل گھبرا رہا ہو تو عینی یا بابا کو بلا لوں۔"

"نہیں' نہیں پلیز انہیں تکلیف نہ دیں۔ یوں بھی انہیں گاؤں جانا ہے صبح......"

"ہوں تو پھر۔" وہ مسکرایا' "اپنی اس دھما کا دوست کو بلا لیں۔ کیا نام ہے اس کا وہ میڈم نرگس کی بیٹی......"

"لالہ......" وہ بھی مسکرا دی' "آج نہیں صبح بلا لوں گی۔ اس وقت پاپا کو سکون کی ضرورت ہے اور آنٹی آ کر بہت شور مچائیں گی۔ پتا تو ہے نا آپ کو ان کا۔ خوامخواہ پاپا ڈسٹرب ہوں گے۔ ڈاکٹر رافع کہہ رہے تھے کہ ان کے کمرے میں بالکل شور نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے...... آپ کمرے میں جائیں میں ادھر ہی ہوں۔ کوئی بھی بات ہو شریف کو بھیج کر مجھے بلوا لیں۔ میں خود بھی چکر لگاتا رہوں گا......"

"شکریہ۔" مریم کی آنکھوں میں نمی تیر گئی اور وہ ایک دم پلٹ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی شہریار وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

یہ لڑکی کیسے اس کے حواسوں پر چھاتی جا رہی تھی لگتا ہے۔ جیسے میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔

اچھی تو وہ پہلے ہی لگی تھی اور اس نے اپنے دل میں اس کے لیے پہلے دن سے ہی ایک جذبہ سا' ایک لگاؤ سا محسوس کیا تھا لیکن جب سے عینی نے کہا تھا کہ وہ مریم کو اس کے لیے پسند کر چکی ہے۔ تب سے وہ اسے اپنی اپنی سی لگنے لگی تھی اور رات جب وہ بستر پر لیٹتا تو اس کا تصور اس کے ساتھ ہوتا۔

کبھی روتی آنکھوں کے ساتھ

کبھی مسکراتی ہوئی

گاڑی میں شوخی سے اس کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی۔

اس روز کے بعد پھر اس طرح اکیلے میں کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن جب کبھی وہ گھر آتی عینی یا بابا سے ملنے تو وہ اگر گھر پر ہوتا تو اس کی نظریں اسے ضرور کھوجتی تھیں۔ وہ بہانے بہانے بابا کے کمرے میں جاتا جہاں وہ عینی کے ساتھ بیٹھی مزے سے باتیں کر رہی ہوتی تھی۔ عینی سے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کے دوران وہ سر جھکائے مسکراتی رہتی اور کبھی کبھار سر اٹھا کر اسے دیکھ بھی لیتی تھی اور اس کی کسی بات کا جواب بھی دے دیتی تھی۔

ارسلان اور ارمغان بھی اس سے کافی بے تکلف تھے اور ارسلان نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا...... "شیری بھائی' مریم سے اچھی کوئی لڑکی آپ کو اس روئے زمین پر نہیں مل سکتی لہٰذا فوراً اس کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کروا لیجیے۔"

ارمغان نے بھی اکسایا تھا کہ وہ ڈائریکٹ بابا سے بات کرے۔ شاید بابا اور اماں نے عینی کی بات کو اہمیت نہ دی ہو لیکن وہ چاہتا تھا کہ بابا یا اماں سے بات کرنے سے پہلے وہ مریم سے بات کر لے۔ کیا خبر وہ کہیں انٹرسٹڈ ہو۔ کیا پتا اس کی سوچ کیا ہو۔

وہ اتنے امیر والدین کی بیٹی ہے۔ ان کے اسٹیٹس میں فرق ہے۔ کیا خبر وہ اس جیسے ایک متوسط طبقے کے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا نہ سوچتی ہو...... کیا خبر اس کا اپنا کوئی آئیڈیل ہو...... جب سے اس نے مریم سے بات کرنے کا سوچا تھا' تب سے کوئی موقع ہی نہیں ملا تھا...... اور آج وہ اسپتال میں ملی تھی تو اس کے پاپا بیمار تھے۔

"ڈاکٹر شہریار' ڈاکٹر رافع کہہ رہے ہیں کہ آپ کمرہ نمبر ۹ کے مریض کو ذرا چیک کر لیں۔ اسے ڈی ہائیڈریشن کی شکایت ہے۔" ایک نرس نے کہا تو وہ کمرہ نمبر ۹ کی طرف چل پڑا۔

❁❁❁

پروفیسر عادل بڑی دیر سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ان کی پیشانی پر لکیریں تھیں اور ان کی انگلیوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔ چلتے چلتے جب سگریٹ انگلیوں کو جلانے لگتا تو وہ اسے ایش ٹرے میں پھینک کر نیا سگریٹ جلا لیتے...... ٹہلتے ٹہلتے وہ رکے۔ انگلیوں میں دبے سگریٹ کو دیکھا جو پوروں کو جلانے لگا تھا۔

اسے ایش ٹرے میں پھینکا' نیا سلگایا اور جیسے بے حد تھک کر نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گئے اور آہستگی سے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"کاش! میں اسے ایک بار پھر دیکھ سکتا' بہت نزدیک سے...... وہ دوبارہ کہیں نظر نہیں آئی۔ جیسے کوئی میٹھا نرم جھونکا سا گزر جائے۔

جیسے آنکھوں کا کوئی سندر سپنا۔ جو نیند ٹوٹنے کے بعد گم ہو جائے۔

مگر وہ کوئی سپنا تو نہیں تھی اور نہ ہی ہوا کا کوئی جھونکا تھی بلکہ ایک جیتا جاگتا وجود رکھتی تھی اور یہیں کہیں اسی شہر میں تھی۔

پھر پتا نہیں کیوں' دکھائی نہیں دیتی تھی۔

کتنی ہی بار وہ رافع اسپتال گئے تھے اور یونہی بے مقصد شہریار سے گپ شپ لگا کر آ گئے تھے۔

کتنی ہی بار وہ ارسلان وغیرہ کے گھر کی طرف گاڑی لے کر گئے تھے کہ شاید وہ کہیں گھر سے باہر نکلتی یا اندر جاتی دکھائی دے جائے لیکن وہ پھر کہیں نظر ہی نہ آئی۔

کبھی کبھی تو انہیں اپنی اس ٹین ایجر والی حرکتوں پر بڑی ندامت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اندر ہی اندر شرمندہ سے ہو جاتے تھے...... کوئی جان لے تو کیا سوچے...... مسرور کو ہی پتا چل جائے تو کیا کہے گا کہ میں ایک لڑکی کی خاطر یوں خوار ہو رہا ہوں' لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل جاتے اور دیر تک سڑکوں پر مارے مارے پھرتے۔ کئی بار ان کا جی چاہا' وہ شہریار سے اس کے متعلق پوچھیں...... ارسلان یا ارمغان سے پتا کریں کہ وہ ایک بے حد دلکش چہرے والی معصوم سی لڑکی جو ایک شام ان کے گھر کے گیٹ سے باہر آتی دکھائی دی تھی وہ کون ہے؟

لیکن پھر ہمت نہ ہوتی۔

کیا سوچیں گے وہ کہ میں بھلا کیوں پوچھ رہا ہوں اس کے متعلق......

میرا بت ان کی نظروں میں چکنا چور ہو جائے گا۔

اف وہ کہاں ڈھونڈیں اسے۔

شہریار اور ارمغان وغیرہ کے گھر سے آتے دیکھ کر انہیں بڑا اطمینان ہوا تھا' جیسے وہ ان کی دسترس میں ہے اور جیسے وہ اب اسے کھو نہیں سکتے۔

لیکن جوں جوں وہ سوچتے انہیں لگتا جیسے اس کا پتا ٹھکانا معلوم ہوتے ہوئے بھی وہ اسے کھو چکے ہیں۔

وہ جب سے حویلی سے واپس آئے تھے' کتنے ہی چکر ارسلان کے گھر والی سڑک اور رافع اسپتال کے لگا چکے تھے......

ایک بار

سرف ایک بار وہ اس سے ملنا چاہتے تھے۔

اس سے پوچھنا چاہتے تھے۔

کہ کیا وہ زندگی کا سفر ان کی ہمراہی میں طے کرنا پسند کرے گی۔

وہ اسے بتانا چاہتے تھے۔

کہ انہوں نے برسوں اسے سوچا ہے' اس کا ہیولا تراشا ہے۔ اسے نہ جانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ عہد و پیمان باندھے ہیں۔

بظاہر یہ ایک افسانوی سی بات لگتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے وہ اسے بتانا چاہتے تھے کہ محض اس کی وجہ سے اس کی خاطر وہ کتنے سارے لوگوں کا دل دکھا رہے تھے' حالانکہ یہ ان کی سرشت میں نہیں تھا......

انہوں نے کبھی کسی کا برا نہیں سوچا تھا اور کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تھا لیکن انجانے میں وہ سب کا دل دکھا رہے تھے...... یہ کیسی خواہش' کیسی تمنا تھی...... کہ وہ ایک اجنبی لڑکی کے لیے......

جس کا خاکہ ان کے تصور نے تراشا تھا۔

اور جو ایک ہوا کے جھونکے کی طرح اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو گئی تھی۔

صرف اس کی خاطر وہ سب کو خفا کر کے چلے آئے تھے۔

حتیٰ کے انہیں سمجھنے والی...... ان کی دوست...... ان کی مخلص آپا بھی ان سے خفا ہو گئی تھیں۔

حویلی سے اچانک بلاوا انہیں پریشان کر گیا تھا' اگرچہ مسرور نے انہیں بے حد تسلی دی تھی کہ وہاں سب خیریت ہے۔ کوئی پریشانی والی بات نہیں پھر بھی اماں جی نے انہیں بلایا ہے۔ فوراً...... تو وہ بے حد الجھے الجھے سے اسی وقت حویلی روانہ ہو گئے تھے۔

حویلی پہنچتے ہی وہ سیدھے ماں جی کے کمرے میں گئے۔ وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ جتنی دیر وہ نماز پڑھتی رہیں۔ وہ مضطرب سے اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے۔

''ماں جی خیریت تو ہے نا'' وہ نماز پڑھ چکیں تو انہوں نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

''ہاں بیٹا' خیریت ہی ہے۔ تم آرام سے نہا دھو کر کپڑے بدل لو سفر سے آئے ہو۔''

''کامل تو ٹھیک ہے نا......؟''

''ہاں' ٹھیک ہے وہ تو۔''

''پھر......'' وہ بہت بے چین ہو رہے تھے۔

''تمہیں ملنے کو' دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''مگر آپ نے اس طرح تو کبھی نہیں بلایا ماں جی۔'' وہ بیٹھ گئے ''آپ پلیز' مجھے بتائیں ماں جی' کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا...... مانی نے تو کوئی مسئلہ نہیں کھڑا کر دیا؟''

''نہیں پتر' ایسی کوئی بات نہیں' دراصل......'' انہوں نے عادل کی طرف دیکھا جو اضطرابی انداز میں انگلیاں چٹخا رہے تھے...... ''میرا تو خیال تھا کہ تم نہا دھو کر تھوڑا آرام کر لیتے تو بات کرتی۔''

''نہیں ماں جی آپ بات کریں' مجھے ایسے چین نہیں آ رہا۔''

''دراصل بیٹا......'' انہوں نے بات پھر شروع کی ''حریم کا رشتہ آیا ہے......''

''اوہ۔'' انہوں نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر ٹانگیں لمبی کر کے سکون سے بیٹھ گئے ''یہ تو اچھی بات ہے۔ کون لوگ ہیں۔ لڑکا کیسا ہے...... چاچا کا کیا خیال ہے......؟''

''لڑکا کسی بھی طرح حریم کے جوڑ کا نہیں ہے' ان پڑھ اور اجڈ سا ہے' شکل و صورت بھی یونہی سی ہے......''

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی...... ''برادری کا ہے اور کافی جاگیر ہے۔ مربعے ہیں اپنے تمہارے چاچا رضامند ہیں۔''

''نہیں......'' وہ ٹانگیں سمیٹ کر یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے...... ''آپ نے چاچا کو سمجھایا نہیں؟''

''سمجھایا تھا۔'' انہوں نے پھر ایک گہری سانس لی...... ''لیکن عبدالرحمٰن بھائی تو غصے میں آ گئے' کہنے لگے...... کیا ساری عمر بٹھائے رکھوں۔ پہلے ہی عزیز رشتے دار باتیں کر رہے ہیں کہ دولت کے لالچ میں بیٹی کی شادی نہیں کر رہا۔''

''پھر بھی انہیں سمجھاتیں ماں جی' حریم ابھی بوڑھی نہیں ہوئی۔ کسی اچھے رشتے کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ پھر کیا ضروری ہے کہ ذات برادری ایک ہی ہو۔ لڑکا اچھا ہو تو......''

''میں انہیں کیا سمجھاتی' تمہاری چاچی نے تو ایک ہی بات کر کے میرا منہ بند کر دیا کہ حریم سے اتنی ہمدردی ہے تو اسے اپنی بہو بنا کر لے جاؤ۔ ورنہ کچھ نہ کہو...... میں تو چپ کی چپ رہ گئی۔ عادل بیٹا میں نے تمہیں اس لیے فوراً بلوایا ہے کہ اس سے پہلے کہ تمہارے چاچا سید نگر والوں کو ہاں کر دیں تم...... تم ایک بار پھر سوچ لو' حریم تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔ تمہارے دادا کے کہنے پر ہی بھائی عبدالرحمٰن نے اسے میٹرک کروایا۔ پھر وہ اپنے شوق سے کتابیں لے لے کر پڑھتی رہی۔ مہران بھی اسے پڑھاتا رہا ہے۔ ابھی مہران کے ساتھ اس نے بھی پرائیوٹ پڑھ کر بی اے کا امتحان دیا ہے۔ کیا کمی ہے اس میں۔''

ماں کی بات سن کر وہ لحہ بھر کے لیے ششدر سے رہ گئے تھے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ ماں جی ان سے ایسی بات کہیں گی۔

''کمی تو کوئی نہیں ہے ماں جی۔'' انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''پھر مان کیوں نہیں جاتے بیٹا۔ مجھے تو بچپن ہی سے وہ بہت پیاری لگتی تھی۔ تمہارے دادا بھی اسے چاہتے تھے۔ یہ ذرا سا منہ نکل آیا ہے اس کا۔ مجھے دیکھتے ہی ایسے بلک بلک کر روئی ہے کہ کیا بتاؤں کلیجا منہ کو آ رہا تھا...... باپ بھائی سے کیا کہے' بے زبان لیکن سید نگر والوں کا لڑکا جاہل ہی نہیں' سنا ہے کردار کا بھی

اچھا نہیں ہے۔ بیٹا تمہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنا ہی ہے پھر حریم سے ہی کیوں نہیں کر لیتے ؟''

''ماں جی......'' انہوں نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا...... ''مجھے ایسی بات پر مجبور نہ کریں جو میرے اختیار میں نہ ہو......'' ایک دم ہی ان کے دل پر بہت بھاری بوجھ آ گرا تھا۔

انہوں نے سر صوفے کی پشت پر رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور...... وہ دلکش چہرے والی اجنبی لڑکی...... جسے دیکھ کر بقول مجتبیٰ حیدر کے ان کے اندر گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

اور کہیں ادراک ہوا تھا کہ یہی وہ لڑکی ہے جس کا وہ اتنے سالوں سے انتظار کر رہے تھے اور ابھی تو انہوں نے اس لڑکی کو قریب سے دیکھا تک نہ تھا۔ باتیں تک نہ کی تھیں اور...... اور ماں جی نے انہیں کس مشکل میں ڈال دیا تھا...... ''کیا وہ حریم سے شادی کر لیں......؟'' انہوں نے سوچا اور پھر خود ہی تردید کر دی۔

''نہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔''

اتنے طویل انتظار کے بعد تو دل کی کلی کھلی تھی۔

اندر ہلچل سی مچی تھی ''کیا عمر بھر کا انتظار رائیگاں چلا جائے گا...... کیا وہ منزل پر پہنچ کر بھی پیاسے رہیں گے...... نہیں منزل تو اب ان کے سامنے ہے۔''

جو پہلے دھند میں چھپی نظروں سے اوجھل تھی' اب بالکل واضح تھی۔

بس ذرا سی ہمت اور حوصلے کی ضرورت تھی۔

نہیں' وہ اسے یوں نہیں گنوائیں گے۔

اور حریم......

دل نے سرگوشی کی۔

کیا وہ سولی چڑھ جائے گی۔

وہ نازک سی بولتی آنکھوں والی حریم۔

جس کی خاموش التجاؤں سے وہ خوف زدہ سے رہتے تھے۔ کیا وہ تمام عمر کے لیے مصلوب ہو جائے گی...... نہیں' وہ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ وہ خود چچا سے بات کریں گے' انہیں سمجھائیں گے کہ وہ ایسا نہ کریں۔ وہ خود حریم کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈیں گے۔

اس خیال نے جیسے ان کے کھولتے ہوئے دماغ میں ٹھنڈک سی بھر دی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر ماں جی کی طرف دیکھا۔ جن کی نظریں ان کے چہرے پر تھیں۔

''ماں جی آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں خود چچا جان سے بات کروں گا......'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیا...... کیا بات کرو گے تم؟'' انہوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''میں سمجھاؤں گا چچا کو کہ وہ حریم کے ساتھ یہ ظلم نہ کریں۔''

''ہوں......'' انہوں نے اس طرح ان کی طرف دیکھا جیسے انہوں نے کوئی انتہائی بے وقوفانہ بات کہہ دی ہو...... ''اگر تمہارے چچا نے کہہ دیا کہ پھر تم حریم سے شادی کر لو تو پھر کیا جواب دو گے؟''

''ماں جی۔'' انہوں نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

شاید وہ انکار نہ کر سکیں۔ چچا کی بات رد کرنے کا شاید ان میں حوصلہ نہ ہو۔ ماں جی صحیح کہہ رہی تھیں۔

''تم اگر حریم سے شادی نہیں کر سکتے تو پھر چچا سے کچھ مت کہنا......'' ماں جی جائے نماز سے اٹھیں...... ''عادل بیٹا حریم بہت اچھی ہے...... بیٹا اس کے لیے سوچو......''

''جی ماں جی......'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''ابھی آرام کرو۔ ٹھنڈے دل سے اچھی طرح سوچو۔ سید پور والوں کو تمہارے چاچا نے سوچنے کو کہا ہے لیکن وہ فیصلہ کر چکا ہے اور اس فیصلے کو صرف تمہاری رضامندی بدل سکتی ہے۔''

''میں ذرا کامل سے مل لوں پھر کچھ دیر آرام کروں گا اور یہ بی آپا کہاں ہیں؟'' انہوں نے ماں جی کی بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

''وہ تو حریم کی طرف گئیں ہے۔''

''اچھا......'' وہ سر کو خفیف سا خم دے کر باہر نکل آئے۔

کامل اپنے بستر پر گود میں ٹرانزسٹر رکھے بیٹھا تھا۔ کبھی لگاتا کبھی بند کر دیتا' کبھی سنتا اور کبھی خود ہی تالیاں بجانے لگتا۔ وہ کچھ دیر کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ وہ کچھ کمزور لگ رہا تھا لیکن مطمئن اور خوش تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک چوکھٹ پر ہاتھ رکھے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ ایک درد سا دل میں اٹھ رہا تھا......

اگر کامی نارمل ہوتا۔

صحت مند ہوتا...... تو حریم اور کامی کی شادی ہو سکتی تھی۔ چچا حریم کا رشتہ باہر نہ دیتے' انسان بھی کتنا بے بس اور مجبور ہے۔

وہ کامل سے بے حد محبت کرتے تھے۔

لیکن وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

بچپن ہی سے وہ سوچتے تھے کہ کاش ان کے پاس جادو کی کوئی چھڑی ہوتی جسے گمانے سے کامی ایک دم صحت مند اور نارمل ہو جاتا اور جب بھی انہیں یہ خیال آتا تھا۔ وہ دادا کے کان.... کھانے لگتے تھے کہ جادو کیسے ہوتا ہے۔ کیوں ہوتا ہے اور کیا وہ جادو سیکھ سکتے ہیں؟

اور انہیں حریم سے ہمدردی تھی۔

لیکن وہ اس کے لیے کچھ کرنے سے قاصر تھے۔

کیا خبر ماں جی کو کسی نے غلط اطلاع دی ہو۔

انہوں نے اپنے آپ کو بہلایا۔

سید پور والوں کا بیٹا جس کا رشتہ حریم کے لیے آیا ہے' اچھا ہو...... تعلیم یافتہ نہ ہونے سے کوئی برا تو نہیں ہو جاتا نا۔

''بھائی......'' کامل کی نظر اچانک ہی ان پر پڑی تو وہ تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کرتا ہوا ایک دم ریڈیو بستر پر پھینک کر بستر سے اتر آیا۔

وہ چونک کر مسکرائے اور آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ وہ بھی ان سے لپٹ گیا۔

''بھائی...... بھائی......'' وہ بار بار دہراتے ہوئے ان کا ہاتھ چومنے لگا۔ تو وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے لپٹائے آ کر بستر پر بیٹھ گئے اور اس کا ہاتھ تھام کر ہولے ہولے اس سے باتیں کرنے لگے اور وہ سر ہلا ہلا کر مسکراتا رہا۔

''اچھا کامی اب میں جاؤں گا؟''

''نہیں......'' اس نے سختی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''میں تھکا ہوا ہوں نا...... ابھی میں نہاؤں گا' پھر سوؤں گا۔'' انہوں نے پیار سے اسے سمجھایا تو اس نے ہاتھ چھوڑ دیا لیکن منہ بسورنے لگا جیسے روٹھا ہوا ہو۔

''ابھی تو میں یہاں ہوں نا پھر دونوں بھائی باہر گھومنے جائیں گے ہے نا۔'' انہوں نے اس کے رخسار سہلائے۔

''ہوں......'' وہ پھر خوش ہو گیا اور خوشی سے آوازیں نکالنے لگا تو وہ باہر چلے آئے۔ برآمدے میں کرم داد مل گیا۔ وہ کامی کی طرف آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر انہیں خیال آیا کہ اس کی بیوی تو سید پور کی ہے' اسی سے پوچھ لیا جائے۔

''یہ سید پور کے چوہدری کیسے ہیں؟''

''اچھے ہیں جی...... غریبوں کا خیال کرنے والے۔ بڑے چوہدری صاحب تو اللہ بخشے بہت ہی سخت مزاج تھے لیکن ان کے بیٹے اچھے ہیں۔ تعلیم نے ان میں حلیمی پیدا کر دی ہے۔ بندے کی عزت کرتے ہیں۔''

''اچھا......'' انہیں لگا جیسے ان کے دل پر اچانک جو بوجھ آ پڑا تھا' وہ سرک رہا ہو۔

''لیکن......'' کچھ دیر ٹھہر کر کرم داد نے پھر بات شروع کی۔

''لیکن کیا......؟'' ان کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

''ملک شبیر سب سے چھوٹا اور لاڈلا بیٹا ہے چھوٹے چوہدری صاحب کا...... بے جا لاڈ پیار اور پیسے کی فراوانی نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ اس میں وہ ساری برائیاں ہیں جی۔ جو پیسے سے پیدا ہوتی ہیں۔ شراب پینا' ریس کھیلنا' اور گانے سننے جانا وغیرہ وہاں سید پور میں ڈیرے پر بھی گانے والیاں آتی رہتی ہیں۔''

پروفیسر عادل کو یوں لگا جیسے کوئی بھاری سِل دل پر آ گری ہو۔

''میں نے تو جی جیسے ہی پتا چلا کہ سید پور والے ملک شبیر کے رشتے کے لیے آئے ہیں تو میں نے بیگم صاحبہ سے سب کہہ دیا۔ لفظ لفظ...... ابھی تو ملک شبیر پورے بیس سال کا بھی نہیں ہے۔ شادی بھی تو اسی لیے کر رہے ہیں' ناک میں نکیل ڈالنے کے لیے......''

''تو وہ حریم سے عمر میں بھی چھوٹا ہے۔'' انہوں نے دل گرفتگی سے سوچا ''پھر آخر چچا ایسا کیوں کر رہے ہیں۔'' اپنے کمرے میں آ کر بھی وہ بہت دیر تک سوچتے رہے کہ وہ حریم کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ کوئی راستہ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ خود کو کسی صورت بھی اس کے لیے تیار نہیں کر پا رہے تھے۔ شاید وہ اس صورت حال میں ہار جاتے۔

اگر وہ انہیں دکھائی نہ دیتی۔

وہ جس کا انہیں برسوں سے انتظار تھا۔

ابھی تو انہوں نے اس سے بات تک نہیں کی تھی۔

قریب سے دیکھا تک نہ تھا۔

اور ماں جی چاہتی تھیں کہ وہ......

نہیں...... ان کا برسوں کا انتظار رائیگاں نہیں جا سکتا......

وہ ایسے کیسے حریم کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیں۔

وہ اپنے آپ سے لڑتے الجھتے ہوئے سو گئے۔

شام کو سو کر اٹھے تو وہ دل میں چچا سے بات کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

''میں ذرا بی آپا کی طرف جا رہا ہوں' انہیں لے آؤں۔'' ماں جی کو بتا کہ وہ چھوٹی حویلی آ گئے۔

چچا حویلی میں نہ تھے۔ البتہ مہران اور سلطان تھے۔ مہران کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔

''ارے مہران' تم کب آئے ہو؟ ماں جی نے تو بتایا نہیں۔ تقریباً سات آٹھ ماہ بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔''

''میں آج ہی آیا ہوں۔'' مہران بھی ان سے مل کر خوش ہوا...... ''اتفاق ہے کہ جب میں آتا ہوں آپ نہیں ہوتے اور آپ آتے ہیں تو میں نہیں ہوتا...... اب فارغ ہوں۔''

''اوہ ہاں' تمہارے پیپرز کیسے ہوئے؟'' وہ بیٹھ گئے۔

''بہت اچھے۔''

مہران شروع ہی سے ذہین تھا اور سلطان کے برعکس اس کا دھیان پڑھائی میں بہت لگتا تھا۔

"کل آخری پریکٹیکل تھا۔" اس نے بتایا۔

"اب آگے کیا سوچا ہے؟"

"میرا ارادہ فزکس میں ماسٹرز کرنے کا ہے۔"

"وش یو گڈ لک......" وہ مسکرائے "میرے پاس ہی رہنا۔ یہ مانی تو بس آتا ہے اور چلا جاتا ہے کبھی کبھی تو مجھ سے ملتا ہی نہیں۔" انہوں نے سلطان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ خفا خفا سا لگ رہا تھا "سلطان ہے مانی طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟"

"ہاں......" اس نے مختصراً کہا اور اٹھ کھڑا ہوا "اچھا عادل بھائی، مجھے اجازت دیں۔ مجھے ڈیرے پر جانا ہے۔ کچھ دوست آئے ہوئے تھے۔"

"اوہ ہاں مانی...... مجھے تم سے بات کرنا تھی۔"

انہیں یاد آیا کہ وہ کس مقصد کے لیے آئے تھے...... چچا گھر پر نہیں تھے اور مانی کو دیکھ کر انہیں خیال آیا کہ چچا کی نسبت مانی سے وہ زیادہ بہتر طریقے سے بات کر سکتے ہیں اور چچا مانی کی بات مانتے بھی بہت ہیں۔

"جی......" سلطان کا انداز روکھا روکھا سا تھا۔

"مانی، مجھے پتا چلا ہے کہ سید پور والوں نے حریم کے لیے رشتہ دیا ہے۔"

"آپ نے صحیح سنا ہے۔ عادل بھائی......" اس کا انداز بدستور روکھا تھا۔

"پھر کیا ارادہ ہے تم لوگوں کا......"

"ظاہر ہے، انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔"

"مگر میں نے سنا ہے کہ لڑکا اچھا نہیں ہے......"

"تو......" اس نے بھویں اچکائیں۔

پروفیسر عادل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"ظاہر ہے، پھر حریم کی زندگی تباہ نہیں کی جا سکتی...... چچا جان کو سمجھاؤ مانی کہ وہ انکار کر دیں۔"

"کیوں کیا کوئی متبادل رشتہ ہے آپ کے پاس......؟" اس کا لہجہ بہت چبھتا ہوا سا تھا۔

پروفیسر عادل نے نگاہیں جھکا لیں اور پھر سر اٹھا کر پاس کھڑے سلطان کی طرف دیکھا اور حتمی انداز میں بولے۔

"نہیں...... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حریم جیسی اچھی لڑکی کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی جائے جو ڈرنک تک کرتا ہو۔ عورتوں کے پاس جاتا ہو اور......"

"چھوڑیے عادل بھائی...... یہ کوئی برائی نہیں ہے۔ محض جوانی کا شغل ہے......" سلطان کے تنے ہوئے نقوش میں ہلکی سی نرمی آ گئی "اب ہر کوئی آپ کی طرح عابد و زاہد نہیں ہو سکتا۔"

"پھر بھی تم چچا جان کو سمجھاؤ۔ حریم بہت مختلف لڑکی ہے۔"

"اچھا......" اس نے ذرا سا جھکتے ہوئے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

"ابا جان فیصلہ کر چکے ہیں غالباً......" وہ سیدھا ہو گیا...... "میں چلتا ہوں اب۔"

پروفیسر عادل حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس کا آج کا رویہ اور انداز کچھ پسند نہیں آیا تھا۔ اس سے پہلے تو کبھی اس نے ان سے اس انداز میں باتیں نہیں کی تھیں...... اور پھر کیسا بھائی تھا وہ اسے اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ جس شخص سے اس کی بہن کی شادی ہو رہی ہے، وہ کس کردار کا ہے۔ انہیں بے حد دکھ ہوا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مانی ضرور چچا جان کو سمجھائے گا۔ انہوں نے پاس بیٹھے مہران کو دیکھا جو ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ وہ، میرا مطلب ہے، شبیر ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں، میں نے بھی سنا ہے۔"

"میں ابا جان سے بات کروں گا کہ ان لوگوں کو جواب دینے سے پہلے تحقیق کر لیں، اور اگر ایسی کوئی بات ہے تو حریم کوئی بوجھ نہیں ہے کہ اسے اتار کر پھینک دیا جائے۔"

"تھینک گاڈ" انہوں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ مانی نے نہیں تو کم از کم مہران نے ان کی بات سمجھ لی تھی۔

وہ کچھ دیر مہران کے پاس بیٹھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں ذرا بی آپا سے مل لوں پھر چلوں گا۔ چچا آ جائیں تو میرا اسلام کہنا۔"

"چلیں، میں بھی آپ کے ساتھ ہی اندر چلتا ہوں۔"

مہران بھی اٹھ کھڑا ہوا لیکن اسی وقت اس کا کوئی دوست آ گیا تو وہ مہران کو وہیں چھوڑ کر اندر چلے آئے۔ سب سے مل کر جب وہ واپس آ رہے تھے تو ایک کونے سے حریم نے آواز دی۔

"عادل بھائی......"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

حریم ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی...... اس کی خوب صورت آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"حریم کیسی ہو......؟"

اس کی نظریں اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو......؟" وہ اس کے قریب چلے آئے۔ وہ کچھ دیر ستون سے لپٹی بیل کے پتے توڑتی رہی۔

"کچھ کہنا ہے حریم......؟" انہوں نے پھر پوچھا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ بی آپا اندر بڑے کمرے میں چچی سے باتوں میں محو تھیں۔ وہ انہیں ساتھ لانا چاہتے تھے لیکن چچی نے انہیں روک لیا تھا کہ وہ کل آجائیں گی۔

حریم نے پلکیں اٹھائیں۔

"آپ......آپ مجھ سے شادی کرلیں پلیز۔"

"حریم......" وہ ششدر سے اسے دیکھتے رہ گئے......شاید وہ حریم سے اس بات کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

"ہاں' میں آپ کو بالکل تنگ نہیں کروں گی......آپ کی زندگی میں بالکل مخل نہیں ہوں گی۔ آپ کو اپنے وجود کا احساس بھی نہیں ہونے دوں گی لیکن پلیز......مجھے اس شخص سے' اس شبیر ملک سے بچالیں۔"

آنسو روانی سے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

وہ دکھ اور تاسف سے اسے دیکھتے رہے۔ کاش! کاش ان کا دل ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ......حریم کو۔

"روئیں نہیں حریم......میں نے بات کی ہے مانی سے' مہران سے' سب ٹھیک ہوجائے گا......"

انہوں نے اسے تسلی دی اور دل پر بہت بھاری بوجھ لیے وہاں سے چلے آئے......شاید حریم ان سے کچھ اور بھی چاہتی تھی۔ اس نے لب بھی کھولے تھے لیکن انہیں لگا تھا جیسے وہ کچھ دیر اور رکے تو ان کے حوصلے جواب دے جائیں گے......حریم کے آنسو انہیں بہالے جائیں گے سو وہ چلے آئے تھے۔

وہ چار دن حویلی میں رہے تھے۔ ماں جی نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی لیکن بی آپا نے گھنٹوں پاس بیٹھ کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ خود کو اس کے لیے تیار نہیں کرسکے تھے۔

"نہیں' یہ بہت مشکل ہے بی آپا۔ میں حریم کو خوش نہیں رکھ سکوں گا......" انہوں نے بے بسی محسوس کی۔

جاتے سمے پھر بی آپا نے تاکید کی۔

"پھر بھی سوچنا تو عادل......حریم سید پور والوں کی حویلی میں گھٹ کر مرجائے گی۔ میرے بھائی تم تو بہت گداز دل رکھتے ہو......حریم کے لیے تمہارے دل میں کوئی نرمی کیوں پیدا نہیں ہوتی......"

انہوں نے گلہ کیا۔

"اور میرا دل......میرا اپنا دل بی آپا میں اس کا کیا کروں......" ان کے لہجے میں عجیب سا درد گھل گیا تھا۔

"مگر کوئی ہو تو عادل......کسی کا وجود تو ہو......تم تو ہواؤں کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔"

"نہیں بی آپا......" ان کی آنکھیں چمک اٹھیں' "وہ ہے......وہ ہے بی آپا۔" ان کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی "میں نے اسے دیکھا ہے۔"

"کیا سچ مچ عادل؟" بی آپا کے لہجے میں اشتیاق تھا "کون ہے وہ' کہاں رہتی ہے' کس کی بیٹی ہے؟"

"پتا نہیں بی آپا......" ان کی آنکھوں کی چمک بجھ سی گئی اور آواز میں پھر وہی درد گھل گیا۔

"پتا نہیں بی آپا میں پھر کبھی اسے دیکھ پاؤں گا یا نہیں......لیکن پھر بھی میں کسی کے لیے......کسی بھی لڑکی کے لیے اپنا دل کشادہ نہیں پاتا۔"

انہوں نے نیچے رکھا ہوا بریف کیس اٹھایا اور بی آپا کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر واضح مایوسی تھی۔

"پھر بھی۔"

انہوں نے بریف کیس دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

"میں سوچوں گا حریم کے متعلق اگر......اگر چچا جان نے مانی اور مہران کی بات نہ سنی تو......آپ مجھے ان کے فیصلے سے ضرور مطلع کیجئے گا......" ان کا لہجہ شکستوں سے چور تھا۔ بی آپا تڑپ اٹھیں۔

"عادل......" انہوں نے بے اختیار ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے آنکھوں سے لگایا اور پھر چوم کر چھوڑ دیا......

"اگر وہ لڑکی تمہیں ملے تو تم مجھے اس سے ضرور ملوانا۔ میں خود عبدالرحمٰن چچا سے بات کروں گی۔ شبیر ملک کے متعلق......کوئی یوں بھی اپنی اولاد کو کنوئیں میں پھینکتا ہے۔"

انہوں نے ایک نظر بی آپا کو دیکھا اور انہیں خدا حافظ کہہ کر بوجھل دل لیے چلے آئے۔

ماں جی نے کچھ کہا تو نہیں تھا لیکن وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ کچھ خفا خفا تھیں۔

اور بی آپا بھی کتنی دل گرفتہ تھیں۔

شاید وہ بھی خفا ہوں......اتنے مجبور' اتنے بے بس تو وہ کبھی بھی نہیں ہوئے تھے کتنے سارے دن انہیں لاہور واپس آئے ہوگئے تھے لیکن ابھی تک وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے۔

نہ حریم کے حق میں اور نہ......وہ ہی پھر کہیں دکھائی دی تھی اور نہ حویلی سے کوئی فون آیا تھا......شاید سب بہت خفا ہوگئے تھے "پتا نہیں چچا جان نے سید پور والوں کو کیا جواب دیا ہوگا......کسی نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا تو وہ خود ہی پتا کرلیتے......" انہیں پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ ہاتھ میں پکڑے ادھ جلے سگریٹ کو انہوں نے ایش ٹرے میں پھینک کر فون اپنی طرف سرکایا۔ تب ہی بیل بج اٹھی۔ دوسری طرف بی آپا تھیں۔

"میں ابھی آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔ چچا جان نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

"مہران نے انہیں مجبور کردیا تھا کہ وہ سید پور والوں کو انکار کردیں......"

"تھینک گاڈ۔" ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا اور انہیں یوں لگا جیسے ان کے مضطرب دل کو قرار سا آگیا ہو۔

"عادل......" بی آپا کے لہجے میں ہمیشہ والی نرماہٹیں تھیں "سنو میرے بھائی اگر وہ لڑکی تمہیں نہ ملے

تو حریم کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں دیر نہ کرنا۔ ابھی تو مہران نے اپنی زندگی ختم کرنے کی دھمکی دے کر چچا جان کو مجبور کر دیا ہے لیکن پھر کبھی ......"

وہ لمحہ بھر کو چپ سے کر گئے اور پھر ماں جی اور کامل کا حال پوچھنے لگے۔

بی آپا سے بات کر کے انہوں نے فون رکھا تو انہیں یوں لگا جیسے اتنے دنوں سے ان کے دل پر جو بوجھ دھرا تھا وہ آپوں آپ سرک گیا ہو۔ وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم سمجھ رہے تھے۔

"اور کتنی تکلیف دہ بات ہوئی تھی اپنے پیاروں کی امیدوں پر پورا نہ اترنا' جب وہ آپ سے اتنی توقعات رکھتے ہوں اور آپ اپنی کسی مجبوری کے ہاتھوں ان کی توقعات کو مجروح کریں......" انہوں نے جیسے اپنے آپ سے سرگوشی کی اور میز پر سے گاڑی کی چابیاں اٹھا لیں۔

کتنے بہت سارے دن ہو گئے تھے وہ گھر سے باہر نہیں نکلے تھے۔ نہ مجتبیٰ صاحب کی طرف گئے تھے اور نہ ہی کوئی ادھر آیا تھا انہوں نے مسرور سے کہہ دیا تھا کہ کوئی فون کرے تو کہہ دو کہ حویلی گیا ہوا ہوں۔

وہ کسی سے بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔ دن بھر اپنے آپ سے ہی الجھتے لڑتے اور جھگڑتے رہتے تھے پھر بھی کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے۔

"تھینک گاڈ......" انہوں نے ایک بار پھر زیر لب کہا...... چچا جان نے سید پور والوں کو انکار کر دیا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر سکتے۔

مسرور اپنے کمرے میں ہی تھا اور اپنے کام میں مصروف۔ اسے باہر جانے کا بتا کر وہ مجتبیٰ حیدر کی طرف چلے آئے وہ ابھی کہیں باہر سے آئے تھے۔

"آہا' آپ تو عید کا چاند ہی ہو گئے عادل میاں۔"

"ہاں' میں ذرا حویلی چلا گیا تھا۔"

"خیریت تھی سب۔" وہ انہیں لیے ہوئے نشست گاہ میں آ گئے۔

"مجتبیٰ......" گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے مجتبیٰ کی نئی کتاب "محبتوں کے عذاب" کی ورق گردانی کرتے انہوں نے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا...... "میں نے...... بالآخر اسے پا لیا۔" ان کا لہجہ سرگوشی کا سا رنگ لیے ہوئے تھا۔

"کون' کسے پا لیا؟" مجتبیٰ حیدر کا انداز سوالیہ تھا۔

وہ بدستور اسی لہجے میں بولتے گئے "پتا نہیں' وہ کوئی خیال تھا یا سپنا۔"

"لیکن مجتبیٰ حیدر میں نے اسے دیکھا اور پھر اسے یوں گنوا دیا جیسے کوئی تھکا ہارا پیاسا مسافر کنوئیں کے پاس جا کر پیاسا لوٹ جائے۔"

"احمق۔" ان کی بات سمجھتے ہوئے مجتبیٰ حیدر نے بے تکلفی سے ان کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ "جب پا لیا تھا تو

منوانے کی کیا ضرورت تھی' اسیر کر لینا تھا اسے۔ حصار کھینچ دینا تھا اس کے اردگرد کہ وہ تمہارے دائرے سے باہر نہ نکل سکتی۔"

"مجتبیٰ......" انہوں نے کتاب بند کر کے نگاہیں مجتبیٰ حیدر کے چہرے پر جما دیں...... "وہ سامنے تھی مگر مجھے اتنی دور محسوس ہوئی' جیسے کوئی ستارا۔ جسے ہم چھو نہ سکتے ہوں' جو دور ہی دور سے ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور ہم صرف اسے دیکھ سکیں۔"

"عادل' تمہیں دیکھ کر بارہویں صدی کے کسی عاشق کا تصور آ رہا ہے۔ تم اس فاسٹ دور کی پیداوار ہو جہاں دیکھتے بعد میں ہیں اور چھو پہلے لیتے ہیں۔"

"اور یہ کتنی عجیب بات ہے مجتبیٰ کہ اس کا وجود ہے۔ ہے نا عجیب بات......" انہوں نے مجتبیٰ کو ساری تفصیل بتاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ اتنی زیادہ عجیب بھی نہیں......" مجتبیٰ مسکرائے "ہاں' تمہارا رویہ عجیب سا ہے۔ میں ہوتا نا تمہاری جگہ تو اب تک نہ صرف یہ کہ اس کا اتا پتا معلوم کر چکا ہوتا بلکہ دو چار ملاقاتیں بھی ظہور پذیر ہو چکی ہوتیں۔ بہر حال گھبراؤ نہیں میرے دوست' دنیا اتنی بڑی بھی نہیں کہ وہ تمہیں دوبارہ دکھائی نہ دے سکے۔ دنیا امید پر قائم ہے......اور ہاں......" مجتبیٰ حیدر کو یاد آیا...... "عادل ملک' وہ تمہارے والد پھر کچھ بیمار ہو کر اسپتال میں ایڈمٹ ہیں......کل رات انہوں نے فون کیا تھا اسپتال سے ہی اور تمہارے متعلق بے چینی سے پوچھ رہے تھے' بہت مضطرب ہیں وہ۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ جیسے ہی تم حویلی سے آؤ تو میں انہیں بتاؤں۔ وہ خود تمہارے پاس ملنے آئیں گے۔"

پروفیسر عادل نے اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ دیں۔

"عادل۔ کیا تم اپنے باپ کو معاف نہیں کر سکتے......یہ دل کے معاملات بہت نازک ہوتے ہیں......وہ بھی شاید کہیں ان نزاکتوں میں الجھ گئے تھے ورنہ......" مجتبیٰ حیدر نے بات ادھوری چھوڑ دی اور لمحہ بھر انہیں دیکھتے رہے "تم کہو تو میں انہیں اطلاع دے دوں کہ تم آ گئے ہو۔ وہ اپنی زندگی کے متعلق کچھ زیادہ پرامید نہیں ہیں......" مجتبیٰ نے آہستگی سے کہا۔

پروفیسر عادل کچھ دیر تو یونہی بیٹھے رہے اور پھر جیسے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آیئے......" انہوں نے جوتے پہنتے ہوئے ان کی طرف دیکھا "اگر آپ زیادہ تھکن محسوس نہ کر رہے ہوں تو اسپتال چلتے ہیں......"

"اوہ نو......نیور۔" مجتبیٰ حیدر خوش ہو گئے...... "بہت......بے حد خوش ہوں گے' تمہارے والد تمہیں دیکھ کر۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں عادل میاں۔" وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو' میں ذرا اندر بتا دوں کہ ضروری کام سے جا رہا ہوں ورنہ مجھ غریب کی جان پر نزلہ گرے گا کہ

آتے ہی دوبارہ کہاں رفو چکر ہو گئے تھے......" مجتبیٰ حیدر مسکراتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔

پروفیسر عادل نے ذرا سی دیر کو سوچا...... پتا نہیں ماں جی اس ساری صورت حال کو کیسے قبول کریں گی۔ حویلی میں وہ اتنے الجھے رہے تھے کہ ان سے بات کرنے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ حالانکہ وہ سوچ کر گئے تھے کہ وہ ماں جی سے اجازت مانگیں گے اور اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو نہیں جائیں گے...... مگر اب......

پتا نہیں کیوں' انہیں یوں لگا تھا جیسے ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو...... "وہ اپنی زندگی سے زیادہ پُرامید نہیں ہیں......"

مجتبیٰ حیدر کے الفاظ ان کے کانوں میں گونجے تو وہ سر کو جھٹک کر نشست گاہ سے باہر نکل آئے۔

❀❀❀

مریم بہت دیر سے ڈاکٹر شہریار کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ ڈاکٹرز ڈیوٹی روم میں صرف ڈاکٹر فاطمہ تھیں جو کسی سے فون پر مصروف تھیں۔ وہ چند لمحے وہاں رک کر باہر آ گئی اور او۔ پی۔ ڈی میں دیکھا وہاں مریضوں کا رش تھا۔ ڈاکٹر فتح وہاں بہت مصروف تھے لیکن شہریار وہاں بھی نہیں تھا۔

"پتا نہیں یہ ڈاکٹر شہریار اسے ڈیوٹی روم میں آنے کا کہہ کر خود کہاں چلے گئے۔" اس نے کوریڈور میں کھڑے کھڑے سوچا۔

عثمان احمد سو رہے تھے' ڈاکٹر شہریار نے اسے آفر کی تھی کہ اگر چائے پینے کا موڈ ہو تو ڈیوٹی روم میں آ جائے لیکن خود نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے حالانکہ انہوں نے اس کہا تھا کہ وہ راؤنڈ لے کر ڈیوٹی روم میں ہی آئیں گے۔ عثمان احمد کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس دوران شہریار مسلسل ہاسپٹل میں ہی رہا تھا اور ہر طرح ان کا خیال رکھا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر ہادی بھی صبح و شام چکر لگاتے تھے لیکن شہریار کی موجودگی سے اسے بڑی تقویت ملتی تھی اور نہایت اطمینان رہتا تھا۔ پتا نہیں کیوں شہریار ہاسپٹل میں نہ ہوتا تو اسے گھبراہٹ ہونے لگتی تھی۔ جیسے وہ نہ ہو تو پاپا کو کچھ ہو جائے گا اور وہ اکیلی کیا کرے گی۔ ماما کو ان کی بیماری کی اطلاع تو دے دی گئی تھی لیکن انہوں نے فی الحال آنے سے معذرت کر لی تھی۔

"شوٹنگ ختم ہوتے ہی آ جاؤں گی۔" انہوں نے پاپا کو فون پر بتایا تھا اور پاپا نے بھی آنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ کیا تھا' اگر پاپا انہیں واپس بلا لیتے۔ مسز آفندی اور میڈم نرگس باقاعدگی سے ہاسپٹل انہیں دیکھنے آتی تھیں۔ صرف پاپا کے کمرے میں نہیں بلکہ راؤنڈ تو ضرور پورے ہاسپٹل کا لگاتی تھیں اور بے لاگ تبصرہ بھی کرتی جاتی تھیں۔ شہریار سے اب ان کی خوب بنتی تھی حالانکہ لالہ کی بیماری کے دوران تو ان کی اچھی خاصی تلخی ہو گئی تھی شہریار سے۔ لیکن اب وہ برملا اس کی تعریف کرتیں۔

"شہریار اچھا لڑکا ہے۔" کئی بار انہوں نے مریم کے سامنے بھی اس کی تعریف کی تھی اور مریم خود بھی اس کی معترف تھی۔ سبھی مریض شہریار کو پسند کرتے تھے۔ وہ بہت ہمدرد اور خوش اخلاق تھا اور مریم کا تو وہ بہت ہی خیال رکھتا تھا۔ عثمان احمد بھی اسے پسند کرنے لگے تھے۔ ایک بار مریم نے شکریہ ادا کیا تو وہ مسکرایا۔

"اچھا۔" اس نے بھی مسکرا کر شہریار کو دیکھا تھا اور اسے بابا اور عینی سب کی محبتوں پر فخر سا محسوس ہوا تھا اور اگر بابا یہاں ہوتے۔ اس نے سوچا تو وہ بھی شہریار کی طرح پاپا کا خیال رکھتے اور خود اس کا بھی۔

عینی کا گھر اسے اپنے لیے ایک پناہ گاہ لگتا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ پاپا کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو وہ انہیں بلا لے گی لیکن وہ لوگ گاؤں جا چکے تھے مگر شہریار یہاں تھا جس سے اسے بڑی ڈھارس ملتی تھی اور بہت حد تک اس کی گھبراہٹ ختم ہو گئی تھی۔

"ارے مریم آپ یہاں کھڑی ہیں۔" ڈاکٹر شہریار نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔

"خیریت؟" اس کی سوالیہ نظریں مریم کے چہرے کی طرف اٹھیں۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ......"

"اوہ سوری!" شہریار نے اس کی بات کاٹ کر خفت سے کہا۔

"دراصل ایک مریض کی BIOPSY کروانی تھی' ادھر چلا گیا تھا۔ آئی ایم رئیلی ویری سوری مریم! آپ نے محسوس تو نہیں کیا؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" وہ مسکرائی "ظاہر ہے' مریض زیادہ اہم ہوتے ہیں۔"

"بہرحال میرا جانا اتنا بھی ضروری نہیں تھا ہے بس مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ آیئے' انکل تو سو رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔"

"تقریباً گھنٹا بھر سوئیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ریسٹ چاہیے انہیں۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شہریار نے کہا۔

ڈاکٹر فاطمہ باہر جا رہی تھیں۔ دونوں کو ساتھ آتے دیکھ کر مسکرائیں اور شہریار کے پاس سے گزرتے ہوئے آہستگی سے کچھ کہا۔ شہریار کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"آیئے نا ڈاکٹر فاطمہ' چائے میں ساتھ دیجئے۔"

"تھینک یو مجھے ذرا ایک کام ہے۔ گھر جا رہی ہوں پھر کسی دن تم دونوں کے ساتھ چائے پیوں گی۔ وش یو گڈ لک۔"

ان کی آنکھوں میں شریر سی چمک تھی "تھینک یو ڈاکٹر۔"

شہریار نے مریم کی طرف دیکھا جو کمرے کے وسط میں کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

''بیٹھیے نا' مریم۔''

''جی۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کیا سوچ رہی ہیں؟'' شہریار نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے چائے کا کہنے کے لیے بیل بجائی۔

''کچھ نہیں۔'' مریم نے ایک نظر اسے دیکھا اور میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا۔

''نہیں' آپ یکایک پریشان نظر آنے لگی ہیں۔''

''کچھ نہیں' بس یونہی پاپا کا خیال آ گیا تھا۔ پاپا کو کب تک گھر جانے کی اجازت مل جائے گی؟''

''کیا یہاں ان کی کیئر زیادہ اچھی نہیں ہو رہی؟''

''جی...... وہ تو ہے لیکن پھر بھی اسپتال تو اسپتال ہی ہوتا ہے۔''

''دراصل بات یہ ہے مریم کہ انکل کی طبیعت کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ ابھی کل بھی ڈاکٹر رافع ڈاکٹر ہادی سے کہہ رہے تھے کہ شام تک وہ عثمان صاحب کو گھر لے جائیں لیکن پھر سہ پہر کو عثمان صاحب کی طبیعت کچھ گڑ بڑ ہو گئی۔ بی پی بہت ہائی تھا۔ پھر ڈاکٹر رافع نے تجویز کیا کہ ابھی دو تین روز وہ ہاسپٹل میں ہی رہیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔''

''پاپا ٹھیک ہو جائیں گے؟'' وہ پہلے سے زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔

''انشاء اللہ۔'' شہریار کی مسکراہٹ نے اسے حوصلہ دیا ''ایک تو آپ یک دم پریشان ہو جاتی ہیں۔ مریم' یہ زندگی ہے۔ یہاں زندگی میں نہ جانے' کتنے اپ اور کتنے ڈاؤن ہوتے ہیں۔ ایسے نہیں گزارہ ہوتا۔ مریم اپنا دل مضبوط کرو۔ آپ کی ماما بھی یہاں نہیں ہوتیں اسی لیے تو انکل ہادی اس حق میں نہیں ہیں کہ عثمان صاحب کو گھر لے جایا جائے حالانکہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ معمولی سا بی پی کا پرابلم ہے چونکہ ہارٹ پیشنٹ ہیں تو ان کے لیے یہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور گھر میں خدانخواستہ ذرا سی ان کی طبیعت خراب ہوئی تو آپ کو ہو جانا ہے پریشان۔ اسی لیے انکل ہادی چاہ رہے ہیں کہ بی پی کنٹرول ہو جائے ایک بار تب ہی انہیں گھر بھیجا جائے۔'' شہریار نے پوری تفصیل بتائی ''لہٰذا آپ پریشان ہرگز نہ ہوں۔ انشاء اللہ آپ کے پاپا بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''انشاء اللہ۔'' مریم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی ''عینی اور بابا کب تک گاؤں سے آ جائیں گے؟'' اس نے اخبار واپس میز پر رکھ دیا اور شہریار کی طرف دیکھا۔

''جلد ہی۔'' شہریار کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں ''دراصل سکندر ماموں گاؤں میں ایک چھوٹا سا اسپتال بنوانا چاہ رہے ہیں۔ برسوں پرانی خواہش تھی ان کی یہ۔ اسی سلسلے میں وہ گاؤں گئے تو سب ہی تیار ہو گئے۔ ارسل' منے اور عینی سمیت۔''

''سکندر ماموں کون؟'' مریم نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ڈاکٹر سکندر' میرے ماموں۔'' اس کے سوال پر شہریار کو حیرت ہوئی کیونکہ مریم سکندر سے مل چکی تھی۔ اور اس کو یاد آیا کہ اس روز بھی شہریار نے ماموں کہہ کر ان کا تعارف کروایا تھا لیکن اس نے دھیان نہیں دیا تھا۔

''لیکن عینی تو انہیں چاچو کہتی ہے۔''

''ہاں' وہ عینی کے چاچو ہی ہیں مگر میرے ماموں ہیں۔''

''کیا؟'' مریم کو حیرت ہوئی۔ اس نے تو آج تک شہریار کو عینی کا سگا بھائی ہی سمجھا تھا۔ ارسل اور ارمغان کی طرح۔ پھر وہ تینوں کی طرح ہی بابا کو بابا اور صالحہ کو ماں جی کہہ کر بلاتا تھا۔

''مریم۔'' شہریار کی آنکھوں میں جیسے بادل چھا گئے ''میری والدہ میری پیدائش پر وفات پا گئی تھیں۔ موت نے انہیں اتنی مہلت بھی نہیں دی تھی کہ وہ ایک بار آنکھیں کھول کر مجھے دیکھ سکیں۔ بابا اور ماں جی مجھے لے آئے تھے۔ انہوں نے مجھے ارسل' عینی اور ارمغان کی طرح جانا۔ ماں جی تو مجھے اپنا بڑا بیٹا کہتی ہیں۔ میری پیدائش کے دو ماہ بعد ماں جی کے ہاں مردہ بچی پیدا ہوئی تھی۔ یوں دو ماہ کی عمر میں انہوں نے مجھے دودھ پلایا تھا۔ اس طرح یہ رشتہ اور بھی مستحکم ہو گیا۔''

''اور آپ کے والد؟'' مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میرے والد حیات ہیں۔'' شہریار کے چہرے پر ملال کے رنگ بکھر گئے اور لہجے میں ہلکی سی لرزش آ گئی ''کبھی کبھار ملنے جاتا ہوں۔ ان کا جی چاہتا ہے تو وہ بھی آ جاتے ہیں لیکن بہت کم۔''

''اور آپ کے سوتیلے بہن بھائی تو ہوں گے؟'' مریم نے پوچھا۔

''یقیناً۔'' شہریار نے افسردگی سے کہا ''لیکن میں ان سے کبھی نہیں ملا حالانکہ کئی بار میرا جی چاہا کہ میں انہیں دیکھوں۔ سوتیلے ہی سہی ہیں تو میرے بہن بھائی۔ دو بہنیں اور ایک بھائی ہے لیکن جب بھی میں ابا سے ملنے گیا تو نہ میری سوتیلی والدہ میرے سامنے آئیں نہ انہیں آنے دیا۔''

''کمال ہے۔'' مریم کو حیرت ہوئی ''آپ نے اپنے والد سے کہا نہیں کہ آپ اپنے بہن بھائیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں ان سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ایک بار ذکر کیا تھا مگر انہوں نے ٹال دیا۔''

''اچھا۔'' مریم اداس ہو گئی ''کبھی آپ سوچتے تو ہوں گے کہ اگر آپ کی ماں زندہ ہوتیں اور آپ......''

''پلیز' مریم!'' شہریار نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''کوئی اور بات کرو۔ یہاں اس دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو ہم سے زیادہ اکیلے اور تنہا ہیں۔ بابا اور ماں جی کی بے تحاشا محبتوں کے باوجود کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ بہت روؤں۔ کوئی انجانا سا دکھ دل کو بھینچتا ہے۔ شاید اپنی ان دیکھی ماں کا خیال آتا ہے یا پھر اپنے ابا کا خیال آتا ہے جو مجھے ہمیشہ بابا کا بیٹا سمجھتے ہیں اور ایک اجنبی مہمان کی طرح باہر

مردانے میں ٹھہراتے ہیں۔ کبھی گھر کے اندر لے کر نہیں گئے اور جب رو نہیں پاتا تو بہت گھٹن ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤں' کھلی فضاؤں میں لیکن یہ کیفیت وقتی ہوتی ہے مریم۔"

بات کرتے کرتے خاموش ہو کر وہ رحمت خان کو دیکھنے لگا جو چائے لایا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے چائے رکھنے کا اشارہ کیا اور اس کے جانے کے بعد پھر مریم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں بہت جلد خود کو سنبھال لیتا ہوں کہ شاید یہ ناشکری ہے۔ مجھے رضوانہ پھپو اور مسرور کا خیال آتا ہے۔ رضوانہ پھپو بہت اچھی اور خوب صورت تھیں پھر بھی نہ جانے کیوں ان کے شوہر نے انہیں طلاق دے دی اور دوسری شادی کر لی۔ مسرور میرا کزن بہت اکیلا ہے' بہت حساس ہے۔ بابا اور ماں جی اس سے بھی بہت پیار کرتے ہیں لیکن وہ...... رضوانہ پھپو کا کوئی سگا بہن' بھائی نہیں۔ ان کے اور مسرور کے ددھیال میں بھی کوئی نہیں۔ ایک پھپو ہیں شاید جو کہیں باہر ہوتی ہیں اور کبھی پاکستان آئیں بھی تو میرا خیال ہے مسرور وغیرہ کی طرف نہیں جاتیں مگر پیاری لڑکی تم اداس مت ہو۔ یہ سب تو چلتا ہے۔" اس نے چائے کا کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا "اوہ سوری میں نے آپ کو "تم" کہہ دیا۔ آپ کو برا تو نہیں لگا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" مریم نے چائے کا کپ تھام لیا "بلکہ اچھا لگا۔"

"تھینک یو' مریم!"

"آپ کی باتوں سے مجھے وہی خوشبو آتی ہے جو بابا کی باتوں میں آتی ہے۔ وہی لہجہ' وہی رنگ ہوتا ہے آپ کی باتوں میں۔"

"لہجے اور رنگ کی حد تک تو خیر ٹھیک ہے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت ناچنے لگی "لیکن فار گاڈ سیک' کہیں تم مجھے بابا ہی نہ سمجھنے لگنا۔ کسی دن خاتون' ڈاکٹر شہریار کے بجائے بابا کہہ کر مجھے بلا رہی ہوں۔"

"نہیں تو۔" وہ جھینپ گئی "میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ آپ بابا ہیں۔ آپ مجھ سے تھوڑے ہی بڑے ہوں گے۔"

"تو پھر آپ کا کیا مطلب تھا؟" شہریار کی آنکھوں میں بدستور شرارت تھی۔

"کچھ نہیں...... بس یہی کہ آپ سے باتیں کر کے اجنبیت نہیں محسوس ہوتی۔ اسی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے جو عینی' بابا اور ماں جی سے بات کر کے ہوتا تھا۔"

"تھینک یو تھینک یو مریم۔" وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا "بہت دنوں سے میرا جی چاہ رہا تھا' آپ سے ایک بات کہنے کو مگر پھر ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ برا نہ مان جائیں۔"

"نہیں' آپ کہیں۔ میں برا نہیں مانوں گی لیکن یہ آپ نے پھر آپ کہنا شروع کر دیا۔"

"مریم۔" اس نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور بہت گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ مریم کی نظریں جھک گئیں "سمجھ میں نہیں آتا بات کس طرح شروع کروں۔ میں تو ایک سیدھا سادہ دیہاتی ہوں

اور میرے دل میں بہت سارے خوف ہیں کہ جانے میری بات کو پذیرائی ملے گی یا بے وقعت ہو جائے گی۔ مریم' پلیز پرامس کریں کہ آپ میری بات سن کر خفا نہیں ہوں گی اور اگر میری بات آپ کو اچھی نہیں لگی تو بھی آپ میرے متعلق اپنی رائے تبدیل نہیں کریں گی۔"

"یہ تو آپ کی بات پر منحصر ہے ڈاکٹر شہریار۔ کیا خبر رائے تبدیل ہو جائے۔" مریم نے قدرے شوخی سے کہا۔

"تو پھر میں بات ہی نہیں کرتا۔" شہریار جو تھوڑا سا آگے کو جھکا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"نہیں...... نہیں' آپ بتائیں...... پلیز۔" مریم نے بے اختیار کہا تو شہریار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مریم' بہت دن قبل عینی نے مجھ سے ایک بات کہی تھی کہ شیری بھائی' میں نے آپ کے لیے ایک لڑکی پسند کر لی ہے اور جب میں نے اس لڑکی کو دیکھا تو یہ وہی لڑکی تھی جو پہلی ہی نظر میں میرے دل میں اتر چکی تھی اور میں اسے جھٹلا رہا تھا۔ پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ لڑکی میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ میں نے کئی بار راتوں کی تنہائیوں میں اسے سوچا۔ کئی بار دن کی روشنی میں گھنٹوں اس کے متعلق سوچتا رہا اور ہر بار مجھے لگا' جیسے وہ میری اولین تمنا بن چکی ہے۔ وہ تو جیسے میرے اندر چھپ کر بیٹھ گئی ہے۔ شاید ایک بار پہلے بھی میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مجھے عینی کی بات سے اتفاق ہے۔"

"واقعی صورت حال بڑی تشویش ناک ہے۔" مریم نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں کی حدت سے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

"ہاں مریم' صورت حال واقعی تشویش ناک ہے۔" شہریار کی آواز بھاری سی ہو گئی "تم نہیں پوچھو گی مریم کہ وہ لڑکی کون ہے؟"

"آپ خود ہی بتا دیں۔" مریم نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ اس کی نظروں کی تپش سے اس کے رخسار تپ اٹھے تھے۔

"وہ لڑکی۔" شہریار نے بات نامکمل چھوڑ دی۔

"ہاں' وہ لڑکی۔" مریم نے نظریں اٹھائیں تو شہریار گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مریم کی نظریں جھک گئیں۔

"وہ لڑکی تم ہو مریم۔" شہریار نے یوں گہری سانس لی' جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

اور مریم کا دل اس کے سینے کے اندر اتنی شدت سے دھڑکا جیسے ابھی باہر آ جائے گا۔

"خفا ہو گئی ہو مریم!" شہریار نے بے چینی سے پوچھا لیکن مریم نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی "پلیز مریم۔ کچھ تو کہو۔ شاید تمہیں میری یہ جرأت اچھی نہیں لگی۔ پتا نہیں کب' کیسے تم میرے دل میں اتر آئیں

مریم۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ نادم سا ہو رہا تھا "تمہیں اگر برا لگا ہے تو سوری۔"

"نہیں۔" مریم نے بہ مشکل کہا۔ دل کی دھڑکنیں ابھی تک بے ترتیب تھیں۔

"کیا...... کیا کہا تم نے مریم؟ تمہیں میری بات بری نہیں لگی۔ تم خفا تو نہیں ہو مجھ سے؟" شہریار بے اختیار تھوڑا سا آگے جھک کر پوچھنے لگا۔

مریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تھینک یو مریم! تھینک یو' مریم مجھے یقین نہیں آ رہا۔ پلیز' ایک بار ذرا میری طرف دیکھو۔ میری طرف دیکھ کر مجھے بتاؤ کہ تمہیں میری جسارت بری نہیں لگی۔"

"جی۔" مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر فوراً ہی اس کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں۔

شہریار کی نظریں وارفتگی سے اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس وقت وہ اسے دنیا کی ساری لڑکیوں سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی سرخ چہرے کے ساتھ پلکیں جھکائے شرمائی شرمائی بیٹھی رہے اور وہ اسے تکتا رہے۔

"مریم!" اس کی آواز بوجھل ہو کر سرگوشی میں ڈھل گئی "تم اس وقت بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ مریم! بہت دلکش' تمہیں خود اپنی خوب صورتیوں کا اندازہ نہیں ہے۔ مریم تمہاری سادگی اور معصومیت......"

"پلیز۔" مریم نے ہاتھ اوپر اٹھایا "کوئی اور بات کریں۔"

"کوئی اور بات مریم۔" شہریار مسکرایا "اس وقت اس لمحے تو کوئی اور بات' کوئی اور تصور ذہن میں نہیں ہے۔ کاش میں شاعر ہوتا ادیب ہوتا تو اس وقت...... مجھے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا مریم۔" بات کرتے کرتے اس نے اچانک کہا "مریم! کیا واقعی تمہیں عینی کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"آپ کے خیال میں مجھے اعتراض کرنا چاہیے تھا؟" مریم کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی۔

"تو ٹھیک ہے میں......"

"پلیز...... پلیز مریم! زندگی کی نوید دے کر موت کی خبر مت سنانا۔"

"اچھا۔" مریم بدستور شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں اب معمول پر تھیں اور اس کی نگاہیں شہریار کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں جو بہت مضطرب ہو کر پہلو بدل رہا تھا۔

"عینی کی تجویز کچھ ایسی بری بھی نہیں ہے۔ اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ۔" شہریار نے گہری اطمینان بھری سانس لی "تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔"

"آپ اتنے ڈرنے والے لگتے تو نہیں ہیں۔"

"دل کے معاملات میں آدمی بزدل ہو جاتا ہے۔ مریم ہزاروں وہم' ہزاروں خوف اس کے دل سے چمٹے رہتے ہیں۔ پتا ہے جب سے میں نے تمہارے متعلق سوچنا شروع کیا ہے' تب سے ہی بہت سے وہم

اور خوف دل سے چمٹ گئے تھے۔ رات کو جب میں بستر پر لیٹتا تو مایوسی مجھے گھیر لیتی۔ میں سوچتا' بھلا میں کہاں اور تم کہاں۔ آسمان اور زمین کا کیا جوڑ۔ میں اپنے آپ کو سمجھاتا کہ مجھے تمہارے متعلق نہیں سوچنا چاہیے لیکن تم ایسے دل میں آ بیٹھی تھیں مریم کہ نکلتی ہی نہیں تھیں۔ مجھے خود پر اور عینی پر غصہ آتا کہ اس نے کیوں تمہارا خیال میرے دل میں پیدا کیا بلکہ اس نے کیا خود تم نے ہی مجھے اسیر کر لیا تھا...... شاید پہلے ہی دن۔ تم میرے ساتھ خوش رہو گی نا مریم۔ بابا اور ماں جی گاؤں سے آ جائیں تو انہیں تمہارے پاپا کی طرف بھیجوں گا لیکن تم پلیز' تم ایک بار پھر سوچ لینا۔ اچھی طرح سوچ لینا۔ کہیں بعد میں تمہیں کوئی پچھتاوا نہ ہو۔ مریم میں جو کچھ ہوں' تمہارے سامنے ہوں۔ ہم سادے سے دیہاتی لوگ ہیں۔ وہ سب تمہیں بہت چاہیں گے۔ ماں جی کا خمیر تو محبتوں کی مٹی سے ہی اٹھایا گیا ہے۔"

ماں جی' بابا اور عینی یہ سب اسے بھی کتنے عزیز ہو گئے تھے۔ کیسی اپنائیت کا احساس ہوتا تھا اسے وہاں' ان سب کے درمیان۔ جیسے وہ اپنے گھر میں ہو اور کتنی ہی بار اس نے دل ہی دل میں تمنا کی تھی۔ کاش' ماما بھی ماں جی کی طرح ہوتیں۔

اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنے والی۔

اس کے لیے پریشان ہونے والی۔

ان کے پاس سے بھی ایسی ہی خوشبو آئے۔

ممتا کی' شفقت کی' محبت کی

بھلا اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو گی کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس گھر میں رہے۔

جہاں محبتیں تھیں۔

شفقتیں تھیں' پیار تھا۔

مریم نے دل ہی دل میں سوچا اور رخساروں پر پھیلتی شفق اور گہری ہو گئی۔ شہریار کی نگاہیں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔

"آئی لو یو مریم!" اس نے سرگوشی سی کی "آئی لو یو مریم!"

اس نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکا دیں اور مریم کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آ رہا۔ ایک بار' ایک بار پھر کہہ دو...... کہہ دو نا مریم کہ تمہیں عینی کی تجویز پر اتفاق ہے۔"

مریم کی نظریں اٹھیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تھینک یو مریم...... تھینک یو...... میں تمہیں بہت' بہت چاہوں گا مریم...... ہمیشہ...... میں تمہیں اتنی خوشیاں دوں گا کہ تمہارا دامن تنگ ہو جائے گا۔ تم مجھ سے کبھی بدگمان نہ ہونا' کبھی......"

''ہیلو۔'' لالہ نے اندر جھانکا ''اوہ تو یہاں چائے پی جا رہی ہے۔'' اس نے اندر قدم رکھا۔ چائے کی پیالیوں کی طرف اشارہ کیا اور شرارت سے مریم کو دیکھا۔

مریم جھینپ سی گئی۔

''تم کب آئی ہو؟''

''بس ابھی۔ ممی بھی ساتھ ہیں۔''

''لیکن یہ ملاقات کا ٹائم تو نہیں۔''

''نہ سہی۔ ممی کی مرضی' جب ان کا جی چاہا آ گئیں۔ میں بھی ساتھ ہو لی حالانکہ ممی کا موڈ بالکل نہیں تھا مجھے ساتھ لانے کا۔''

''کیوں؟'' مریم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آج کل ممی سے ''کٹی'' ہے۔''

لالہ نے آنکھیں بھینچیں اور پھر شہریار کی طرف دیکھ کر ہنس دی۔

''اچھا ڈاکٹر شہریار' ہم آپ کی مریم صاحبہ کو لے جا رہے ہیں۔''

شہریار مسکرا دیا۔

''سوچ سمجھ کر بولا کرو لالہ۔'' مریم نے باہر آ کر کہا۔

''کیوں' کیا غلط کہہ دیا بھئی۔ مجھے تو کوئی مذاق میں بھی کہہ دے کہ آپ کی لالہ' تو میں تو ہواؤں میں اڑتی پھروں۔ ایسا ڈیسنٹ آدمی ہے۔ یہ ڈاکٹر شہریار اور اگر درمیان میں اعزاز کا چکر نہ ہوتا تو میں ڈاکٹر شہریار......''

''لالہ کیسی باتیں کرتی ہو تم؟'' مریم نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر شہریار اچھا آدمی ہے۔'' لالہ نے رک کر غور سے اسے دیکھا ''اور میرا خیال ہے دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔''

''کچھ نہیں لالہ کچھ بھی تو نہیں۔'' مریم نے گھبرا کر کہا۔

''مجھ سے کچھ مت چھپاؤ جانی۔'' لالہ نے اسے گدگدی کی ''تمہارا انتخاب برا تو نہیں ہے۔''

''لالہ۔'' مریم نے دیوار سے ٹیک لگائی ''تمہیں پتا ہے نا شہریار عینی کے بھائی ہیں۔ عینی' عینی کے بابا اور ماں جی اور ان کے گھر کا ہر فرد مجھے بہت عزیز ہے۔ مجھے اس گھر میں تحفظ ملا۔ میرے اندر اتنے جالے تھے' اتنا دھواں تھا لالہ کہ کبھی کبھی تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اپنے اردگرد موجود سارے چہرے نقلی لگتے تھے۔ فریبی اور جھوٹے اور مجھے لگتا تھا جیسے ماما میری سگی ماں نہیں ہیں اور پاپا کبھی کبھی مجھے اتنے شرمندہ لگتے جیسے میں ان کے کسی گناہ کی یادگار ہوں۔ یہ بابا ماں جی اور عینی ہی تھے جنہوں نے میرے اندر کے جالے

صاف کیے۔ میری الجھنوں کو سمجھا......اور......''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے مومو کہ ڈاکٹر شہریار کی فیملی بھی تمہیں چاہتی ہے۔''

''بہت' بہت زیادہ۔ بابا تو مجھے اپنی دوسری بیٹی کہتے ہیں۔'' مریم کے لہجے میں ایک عجیب سی خوشی تھی۔

''ہاں لیکن ایک بات ہے مومو۔ تم اتنی حساس' اتنی نازک سی ہو۔ اپنے گھر' اپنی ماما اور اپنے ماحول سے بہت مختلف سوچ رکھنے والی......اور تمہاری ماما بائے نیچر بالکل میری ممی جیسی ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر کبھی ڈاکٹر شہریار نے تمہارا ساتھ چاہا تو تمہاری ممی انکار کر دیں گی۔''

اب لالہ کو کیا خبر کہ ڈاکٹر شہریار اس کے ساتھ کی خواہش کر بھی چکے ہیں اور وہ زندگی میں اگر کبھی کسی کے ساتھ اور کسی کے گھر خوش رہ سکتی ہے تو وہ ڈاکٹر شہریار اور اس کا گھر ہے۔

''اب دیکھو نا مومو! ممی نے خود تو امتیاز سے شادی کر لی اور مجھے اعزاز سے ملنے نہیں دیتیں۔'' وہ وہیں کوریڈور میں کھڑی ہو کر باتیں کرنے لگیں ''کہتی ہیں' گاؤں کا دیہاتی ہے۔ ایٹی کیٹس نہیں آتے۔ اسٹیٹس نہیں ہے۔ مجھ پر پابندیاں لگا دی ہیں۔

مائی فٹ! میں تو ممی سے ٹکر لے سکتی ہوں لیکن تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تم تو خود ٹوٹ جاؤ گی اور ڈاکٹر شہریار......وہ بھی تمہارے جیسا ہی لگتا ہے۔ 'ایں در گرفتہ است وخوب گرفتہ است' والا۔''

''کیا مطلب......؟'' مریم نے سوالیہ نظروں سے لالہ کو دیکھا۔

''ایک تو تم یہ سائنس پڑھنے والے انتہائی بدذوق ہوتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مسٹر شہریار بھی ایسے ہی لگتے ہیں کہ اگر تم سے محبت کرتے ہیں تو تمہارے علاوہ کہیں اور نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھیں گے......تم اسے نہ ملیں تو وہ بھی تمہاری طرح ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔''

''خدا نہ کرے۔'' مریم کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا۔

''یعنی دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔'' لالہ زور سے ہنسی۔

مریم سرخ پڑ گئی۔

''خیر' اس موضوع پر پھر بات ہو گی۔ چلو ممی کو ہول پڑ رہے ہوں گے کہ کہیں میں انہیں جل دے کر بھاگ تو نہیں گئی۔''

لالہ نے اس کا ہاتھ پکڑا ''تمہیں پتا ہے نا' آج کل ممی نے میرا گھر سے نکلنا بند کر رکھا ہے۔'' اس نے عجیب سا منہ بنایا ''میں آؤں گی کسی دن تمہاری طرف یا پھر فون پر تفصیل سے بتاؤں گی۔''

''لالہ۔'' مریم نے سہم کر اسے دیکھا ''کہیں جذبات میں کچھ غلط نہ کر بیٹھنا۔''

''مثلاً کیا؟'' لالہ نے بھویں اچکائیں۔

''جیسے پہلے کر لیتی تھیں۔''

''یعنی خودکشی۔'' وہ زور سے ہنسی ''پہلے تو ڈراما ہی ہوتا تھا خودکشی کا۔ اب جو کچھ بھی کروں گی' حقیقت ہوگی۔''

''لالہ پلیز' کچھ مت کرنا۔'' مریم نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''یار' یہ ممی ہیں نا' ان کو کچھ نہ کچھ سبق دینا ہی ہے۔'' باتیں کرتے کرتے وہ کمرے کے پاس پہنچ گئی تھیں ''آؤ۔'' مریم کا ہاتھ ابھی تک لالہ کے ہاتھ میں تھا۔

''السلام علیکم آنٹی!''

میڈم نرگس جو پلیٹ گود میں رکھے بڑی نزاکت سے ایک ایک دانہ انگور کا اٹھا کر منہ میں ڈال رہی تھیں۔ سر اٹھا کر یوں اسے دیکھا جیسے اچانک ان کے کمرے میں آنے کا پتا چلا ہو حالانکہ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو وہ دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''پاپا آپ جاگ گئے۔'' مریم آنٹی نرگس کو سلام کر کے ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''میڈم نے آ کر جگایا۔'' وہ مسکرائے۔

''ارے واہ عثمان بھائی! میں نے کہاں جگایا۔ آپ تو خود ہی آنکھیں کھولے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔'' میڈم چہکیں۔

''آنکھیں آہٹ پر ہی کھلی تھیں۔'' عثمان احمد کے ہونٹوں پر ابھی تک بڑی شگفتہ مسکراہٹ تھی اور وہ بہت فریش لگ رہے تھے۔ مریم کو بڑا اطمینان ہوا۔

''پاپا' آج تو آپ بالکل صحیح لگ رہے ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے بات کروں گی کہ ہمیں اب گھر جانے دیں۔''

''یہ میڈم کا کمال ہے بیٹا۔ سونے سے پہلے بہت سست ہو رہا تھا لیکن ان کی باتوں نے فریش کر دیا۔''

''عثمان بھائی' آپ بھی بنانے لگے۔'' میڈم نے ایک ادا سے انہیں دیکھا۔ گود میں رکھی پلیٹ سامنے پڑی چھوٹی سی ٹیبل پر رکھی اور تیکھی نظروں سے مریم کی طرف دیکھا ''اور موموتم کہاں تھیں۔ اچھی تیمار دار ہو۔ پاپا کو اکیلا چھوڑ کر خود گھومتی پھر رہی ہو۔''

''وہ آنٹی' پاپا سو رہے تھے۔ اس لیے۔'' وہ نادم سی ہوگئی۔

''مریض آدمی کا کیا پتا' کب کس وقت اس کی طبیعت خراب ہو جائے۔'' وہ بالکل زینی کے اسٹائل میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں اور مضطرب سی ہو کر انگلیاں مروڑنے لگی۔

''عاشی یا نینا ہوتیں تو وہ کبھی بھی اتنی غیر ذمے داری کا ثبوت نہ دیتیں' عثمان بھائی!'' وہ مریم سے نظریں ہٹا کر عثمان احمد کی طرف دیکھنے لگیں ''میں تو کہتی ہوں عاشی کو بلوا لیجیے۔ جب تک آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ زینی کا تو کچھ پتا نہیں کب آئے۔ شوٹنگ کے بعد بھی شاید وہ کچھ دن رہے۔''

''نہیں...... نہیں...... میڈم!'' عثمان احمد نے اپنا بازو مریم کے گرد رکھتے ہوئے اس کا دفاع کیا

''موموبہت پیاری اور اچھی بیٹی ہے اور جس طرح یہ میرا خیال رکھ رہی ہے۔ شاید کوئی بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔''

مریم کی آنکھیں نم ہو گئیں اور اندر ہی اندر اس نے اپنے آپ کو بڑا معتبر محسوس کیا۔ پاپا کی اس بات نے ساری زندگی کے گلے دھو دیے تھے

''خیر۔'' میڈم نرگس نے ایک اچٹتی سی نظر مریم پر ڈالی۔

''...کی مرضی' ورنہ میں تو اب بھی کہتی ہوں کہ عاشی کو بلوا لیں۔''

''نہیں میڈم' اسے ڈسٹرب نہیں کرنا اور موموتو میری سب سے پیاری اور اچھی بیٹی ہے۔ ہمدرد اور مخلص۔'' پاپا کی آنکھیں محبت سے چمک رہی تھیں۔

مریم نے بڑے فخر اور اطمینان سے ان کی طرف دیکھا اور ہولے ہولے سے کندھے اچکائے۔

میڈم کی تو عادت ہے' ماما کی طرح سوئیاں چبھونے کی اور مجھے میڈم کی باتوں کی قطعی پروا نہیں کرنا چاہیے۔

اس نے ایک طرف منہ پُھلائے بیٹھی لالہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر لالہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا جسے وہ سمجھ نہ سکی۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''یہ ہماری بیٹی آپ ہی آپ کیوں مسکرا رہی ہے۔'' عثمان احمد کے لہجے میں اس کے لیے بے پناہ محبتیں تھیں۔

''وہ پاپا لالہ کو دیکھیں نا کیسی ناراض اور روٹھی روٹھی سی بیٹھی ہے۔''

''کیوں لالہ بیٹا' ہم سے خفا ہو کوئی خطا ہو گئی ہے ہم سے۔'' عثمان احمد اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''نہیں انکل' آپ سے نہیں' میں ممی سے خفا ہوں۔'' لالہ کو لگی لپٹی رکھنے کی عادت نہ تھی۔

''ہاں مجھ سے خفا ہے۔ غلطی ہو گئی ہے نا' پال پوس کر بڑا جو کیا ہے۔'' میڈم پھٹ پڑیں۔

''ارے' ارے میڈم۔ لالہ بیٹی تو بہت اچھی ہے۔ آپ یونہی اس سے خفا نہ ہوں۔'' عثمان احمد نے لالہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے عثمان بھائی' اس نے تو مجھے تنگ کر رکھا ہے۔ ماں ہوں اس کی۔ اس کے بھلے کی بات ہی کروں گی۔''

''ممی' پلیز' اس بات کو یہاں ڈسکس نہ کریں۔'' لالہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا ''میں جانتی ہوں کہ میرا بھلا کس میں ہے اور کس میں نہیں اور مجھے وہی کرنا ہے جو میں خود اپنے لیے بہتر سمجھتی ہوں۔ آپ بس صرف اپنی فکر کیا کریں۔ میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔''

''دیکھا...... دیکھا' عثمان بھائی' یہ میری بیٹی ہے اور مجھے کہہ رہی ہے کہ میں اس کی فکر کرنا چھوڑ دوں۔ اسے روکوں نہ منع کروں اور یہ اس ''ٹٹ پونجیے'' سے شادی کر لے۔ ارے وہ اعزاز...... الو......'' میڈم

نے روانی سے اسے گالیاں دیں۔ عثمان احمد نے گھبرا کر پہلے مریم اور پھر لالہ کی طرف دیکھا۔ لالہ ایک دم سرخ ہو رہی تھی۔

"میڈم......میڈم پلیز۔" عثمان احمد نے انہیں روکا "ریلیکس...... پلیز میڈم......سکون سے بتائیے کیا بات ہے۔ لالہ بہت سمجھ دار بچی ہے۔"

انہوں نے غصے سے کہا "اس کمینے نے پھنسا لیا ہے اسے۔"

"ممی پلیز' گالیاں مت دیں اسے......اس نے نہیں پھنسایا مجھے۔"

"سب جانتی ہوں......سب جانتی ہوں عثمان بھائی۔ اس نے جان بوجھ کر میری بچی کو پھنسایا ہے۔ ایک بار کہا تھا اس نے کہ میں نے اس کا بھائی چھین لیا ہے۔ وہ مجھ سے میری بچی کو چھین کر انتقام لے رہا ہے۔"

"وہ اتنا گھٹیا نہیں ہے ممی' اور اگر گھٹیا ہے تو امتیاز شاہ سے زیادہ گھٹیا نہیں ہے آپ اس سے شادی کر سکتیں ہیں تو میں اس کے بھائی سے شادی کیوں نہیں کر سکتی۔" لالہ نے اپنا رخ میڈم کی طرف کر لیا۔ مریم سہمی سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"لالہ پلیز۔" اس نے آہستگی سے کہا لیکن لالہ نے سنا نہیں۔ وہ میڈم کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

"اور آپ پلیز' میرے معاملات میں دخل نہ دیں' نہیں تو میں ڈیڈی کے پاس چلی جاؤں گی۔"

"ڈیڈی......کون ڈیڈی۔" میڈم نرگس عجیب طرح سے ہنسی "وہ جاگیر دار......کیا سمجھتی ہو کہ وہ تمہاری شادی اعزاز سے کر دے گا......زنداں میں ڈال دے گا تمہیں۔ تمہاری سوتیلی بہنیں اور ماں دس دس گز کی چادریں اوڑھتی ہیں اور اسپتال بھی جانا پڑے تو دو دو کلاشنکوف بردار ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ڈیڈی کے پاس چلی جاؤں گی......یہ......یہ ڈیڈی کے پاس چلی جائے گی' عثمان بھائی۔" میڈم نرگس نے عثمان احمد کی طرف دیکھا "بغاوت کرے گی یہ مجھ سے۔ اس دو ٹکے کے چھوکرے کے لیے۔"

"وہ دو ٹکے کا چھوکرا نہیں ہے میڈم۔ آپ کے شوہر کا بھائی ہے اور وہ اتنا ہی معتبر اور معزز ہے' جتنا آپ کے شوہر ہیں۔"

لالہ ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔

"لالہ پلیز۔" مریم نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما "یہ کیا جھگڑا شروع کر دیا ہے تم نے۔ پلیز دیکھو پاپا تم لوگوں کے آنے سے کتنا ریلیکس ہو رہے تھے۔"

"سوری انکل!" لالہ نے مڑ کر عثمان احمد کی طرف دیکھا اور پھر میڈم نرگس سے کہا "میں گھر جا رہی ہوں۔"

"ہاں جاؤ۔ چلی جاؤ۔" میڈم نرگس نے ہاتھ ہلایا "بے شک باپ کے پاس چلی جاؤ۔ دیکھ لو وہاں جا کر بھی......یہ جو تم سمجھتی ہو نا کہ وہ تمہاری شادی اعزاز سے کر دے گا تو تمہاری یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے

گی۔ نہیں کرے گا۔ کبھی بھی نہیں کرے گا وہ تمہاری شادی اس سے۔"

"اچھا۔" لالہ ان کی طرف دیکھ کر تمسخر سے ہنسی اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "لیکن یہ آپ کا سر درد نہیں ہے۔"

"دیکھا......دیکھا آپ نے عثمان بھائی اسے۔" میڈم نے اسے جاتے دیکھا اور پھر بھیں بھیں کر کے رونے لگیں۔

"آنٹی پلیز۔" مریم بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

"دیکھ لوں گی......دیکھ لوں گی میں اسے بھی۔ اس نے ابھی میڈم نرگس کو نہیں دیکھا۔ چیل کوؤں کے آگے ڈال دوں گی اس کی لاش۔ ایسا غائب کرواؤں گی کہ پتا نشان تک نہیں ملے گا۔" وہ روتی ہوئی لالہ کے پیچھے ہی نکل گئیں۔

مریم چند لمحے کمرے کے وسط میں حیران سی کھڑی رہی پھر مڑ کر عثمان کی طرف دیکھا۔

"کیا......کیا آنٹی سچ مچ اعزاز کو مروا دیں گی؟"

"ارے نہیں۔" عثمان احمد ہنسے "یوں ہی غصے میں کہہ رہی ہیں۔ تم بیٹھو یہاں ادھر میرے پاس آ کر' مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔"

"جی۔" وہ ان کے بیڈ کے پاس اسٹول کھینچ کر بیٹھ گئی۔

مریم نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"پتا نہیں کیوں کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں رہا۔ دل جیسے کسی بھی لمحے ساتھ چھوڑ جائے گا۔"

"نہیں پاپا' پلیز' ایسی بات نہ کریں۔" مریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے "آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر شہریار کہہ رہے تھے معمولی سا بی پی پرابلم ہے اور بس۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ہاں شاید۔" عثمان احمد کے لہجے میں مایوسی تھی "لیکن بیٹا آنے والے لمحوں کی کس کو خبر ہے۔ کل کیا ہونا ہے کون جانتا ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بہت ضروری ہوتی ہیں۔"

"جی پاپا۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے لیکن دل جیسے سینے کے اندر تڑپ رہا تھا۔ یہ پاپا اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہیں اور کس لیے۔

نہیں......نہیں پاپا کو کچھ نہیں ہو گا۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔" اس نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی اور سر اٹھا کر عثمان احمد کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ ہولے سے مسکرائے۔

"ڈاکٹر ہادی کہہ رہے تھے کہ معید اور اس کے ڈیڈی کل شام کی فلائٹ سے آ رہے ہیں۔"

"اچھا۔" اسے خوشی ہوئی۔ یوں جیسے کوئی اپنا بہت مدت بعد آ رہا ہو۔ اب وہ معید بھائی سے بہت

باتیں کرے گی۔
عاشی کے حوالے سے انہیں تنگ کرے گی۔ کتنے چھپے رستم نکلے' یہ ڈاکٹر عبدالمعید بھی۔
اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آکر معدوم ہو گئی۔ اس نے پھر سر اٹھا کر عثمان احمد کی طرف دیکھا
اپنی بات کر کے وہ جانے کیا سوچنے لگے تھے۔
''آپ کیا سوچ رہے ہیں پاپا؟''
''ہاں۔'' وہ چونکے ''کچھ نہیں' بس یوں ہی سوچ رہا تھا کہ یہ بہت اچھا ہوا کہ معید آرہے ہیں۔''
کیا انکل ہادی نے ڈاکٹر معید اور عاشی کی بات پاپا سے کر دی ہے۔ مریم نے سوچا۔
''ڈاکٹر ہادی نے مجھ سے عاشی اور معید کے لیے بات کی تھی۔'' عثمان احمد نے جیسے اس کی سوچ پڑھ لی تھی ''لیکن میں نے تمہاری ممی سے بات نہیں کی تھی۔ معید بہت سمجھ دار اور محبت کرنے والا لڑکا ہے۔ ذمے دار اور شفیق۔'' انہوں نے پر خیال نظروں سے مریم کی طرف دیکھا۔
''جی پاپا۔'' وہ ایک دم خوش ہو گئی ''معید بھائی بہت اچھے ہیں......اور وہ۔''
''میری اور ہادی کی خواہش تو تھی کہ......'' انہوں نے جیسے اپنے آپ سے سرگوشی کی اور بات ادھوری چھوڑ کر مریم کی طرف دیکھا۔ ''یہ......یہ ڈاکٹر شہریار کے گھر والے کیسے لوگ ہیں۔''
''بہت......بہت اچھے۔ بابا اور ماں جی تو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بالکل عینی کی طرح سمجھتے ہیں مجھے۔'' اس نے خوش ہو کر بتایا۔
''کسی دن انہیں ملواؤ نا مجھ سے۔''
''جی پاپا۔ وہ ابھی تو گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ عینی کے چاچو وہاں گاؤں میں اسپتال بنوا رہے ہیں۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو ضرور آپ کی مزاج پرسی کے لیے آتے۔ آپ ان سے مل کر بہت خوش ہوتے پاپا۔''
''ہماری بیٹی ان سے مل کر خوش ہوتی ہے تو پھر ہم بھی یقیناً خوش ہوں گے۔ وہ جب بھی آئیں انہیں مجھ سے ضرور ملوانا۔''
''جی پاپا۔'' مریم نے سائیڈ ٹیبل سے سیب اٹھایا ''آپ کے لیے سیب کاٹوں۔''
''نہیں' اس وقت تو کچھ جی نہیں چاہ رہا۔''
''تو پھر آپ لیٹ جائیں نا۔ اتنی دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تھک جائیں گے۔'' اس نے سیب واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔
''نہیں میں بالکل بھی تھکن محسوس نہیں کر رہا اور مجھے تم سے کچھ باتیں بھی تو کرنا ہیں......پھر آرام کروں گا۔''
''باتیں پھر بھی ہو سکتی ہیں پاپا۔ آج آپ نے بہت باتیں کی ہیں اور ڈاکٹر رافع کہتے ہیں کہ آپ

زیادہ سے زیادہ آرام کرنا چاہیے۔''
''آرام ہی تو کر رہا ہوں بیٹا۔'' انہوں نے پیچھے رکھے ہوئے تکیے کو سیدھا کیا ''اگر کبھی میں نہ رہوں تو میرے بعد مریم بیٹا' اپنی بہنوں کا بہت خیال رکھنا۔ بہت محبت دینا انہیں۔ نینا اور مورا بھی چھوٹے ہیں۔ بہت کم سن ہیں۔ عاشی کے مزاج میں تھوڑی سی ضد ہے۔ تم پیار سے' محبت سے سمجھایا کرنا......تیمور بہت حساس ہے۔ بہت جلد ہرٹ ہو جاتا ہے۔ بہت جلد اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کا بہت خیال رکھنا۔''
مریم سر جھکائے بیٹھی تھی اور آنسو خود بخود ہی اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں کو بھگو رہے تھے۔
اچانک ہی اسے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا اور دل سینے کے اندر ہی کہیں ڈوب سا گیا تھا۔
''اور بیٹا!'' عثمان احمد نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی ''تم مجھ سے اور اپنی ممی سے اکثر بدگمان رہتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ ہم تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تمہاری ممی تمہیں بے حد چاہتی ہیں اور میں نے......میں نے کبھی تمہیں عاشی اور نینا سے کم نہیں چاہا بلکہ شاید ان دونوں سے زیادہ ہی پیاری ہو تم مجھے۔'' اور اس بات کا ادراک تو مریم کو بھی ہوا تھا کہ پاپا اسے کتنا اور کس قدر چاہتے ہیں۔ وہ یونہی ان سے بدگمان رہتی تھی۔
''خدا پاپا کو بہت......بہت لمبی زندگی دے۔'' اس نے بے آواز دعا مانگی ''اور اب میں پاپا سے کبھی بدگمان نہیں ہوں گی اور ممی سے بھی نہیں لڑوں گی۔ ممی اور پاپا جو کچھ کہیں گے ان کی بات مانوں گی۔ چاہے وہ بات مجھے پسند ہو نہ ہو پھر بھی۔'' اس نے دل ہی دل میں عہد کیا اور رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا۔ عثمان احمد سر جھکائے جانے کیا سوچ رہے تھے۔ وہ لمحہ بھر سر اٹھائے انہیں دیکھتی رہی اور پھر سر جھکا لیا اور دل ہی دل میں ان کی صحت و زندگی کی دعائیں کرنے لگی۔
عثمان احمد کی نگاہیں گاہے گاہے مریم کی طرف اٹھتیں۔
سر جھکائے آنسو پونچھتی۔
زیر لب دعا مانگتی۔
یہ مریم کتنی پیاری تھی۔ یہ تو وہ خود ہی جانتے تھے اور اس روز زینب کے اپارٹمنٹ سے نیچے اترتے ہوئے وہ عہد کر چکے تھے کہ زینی کے بچے کو وہ اپنے بچے کی طرح ہی سمجھیں گے اور اسے کبھی احساس نہیں ہونے دیں گے کہ وہ اس کے باپ نہیں ہیں۔
زینب ان کی بہت ممنون تھی۔
''یقین نہیں آتا کہ آپ جیسے لوگ بھی اس دنیا میں ہیں۔''
''یہ دنیا بڑی وسیع ہے زینی اور یہاں مجھ سے اچھے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ ہوں گے۔''
''لیکن کسی کی اولاد قبول کرنے کا ظرف تو ہر ایک میں نہیں ہوتا عثمان۔''

''جب آدمی کسی سے محبت کرتا ہے نا زینی تو اس سے وابستہ ہر شے ہی اسے پیاری ہوتی ہے ...اور یہ آنے والا بچہ تو تمہارے ہی وجود کا حصہ ہوگا پھر مجھے کیوں نہ پیارا ہوگا۔''

لیکن ان یقین دہانیوں کے باوجود وہ کبھی کبھی بدگمان ہو جاتیں اور شدید ڈپریشن کا شکار ہو کر سر درد میں مبتلا ہو جاتیں۔ ایسے میں انہوں نے کتنا خیال رکھا تھا زینی کا۔

''میں پیدا ہوتے ہی اس کا گلا گھونٹ دوں گی۔ نہیں ضرورت ہے مجھے اس کی۔'' وہ غصے میں ... روتے روتے بار بار کہتیں۔

پتا نہیں کیوں ان کے ذہن میں یہ بات ہر گزرتے دن کے ساتھ پختہ ہوتی جارہی تھی کہ جب یہ بچہ دنیا میں آئے گا تو عثمان احمد جو انہیں پروپوز کر چکے ہیں' اپنی بات سے منکر ہو جائیں گے۔

لیکن انہوں نے تو ہر طرح ان کا دھیان رکھا تھا۔ ان کے ساتھ اسپتال جاتے۔ ہر روز ان کے اپارٹمنٹ میں گھنٹوں بیٹھے انہیں تسلیاں اور دلاسے دیتے رہتے اور پھر جب وہ پیدا ہوئی تو ایک لمحے کے لیے بھی انہیں یہ محسوس نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔

گلابی سی سلولائیڈ کی گڑیا جیسی۔

بے اختیار ہی انہوں نے اسے چوم لیا تھا۔

''ارے ہماری بیٹی کتنی پیاری ہے۔ دیکھا تم نے زینی۔''

اور زینب چور نظروں سے انہیں پیار کرتا ہوا دیکھتی رہی تھیں۔

اور پھر اس کے بعد جب وہ نکاح کر کے زینب کے ساتھ پاکستان آگئے تھے۔ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ مریم ان کی بیٹی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ نینا اور عاشی کی پیدائش کے بعد بھی نہیں۔ انہوں نے کبھی تینوں میں فرق محسوس نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی کو معلوم تھا کہ مریم ان کی نہیں' سکندر ملک کی بیٹی ہے۔

''ہاں' ایک بار جب عاشی پیدا ہوئی تھی تو نہ جانے کیوں زینب عثمان احمد نے میڈم نرگس کو اور مجتبیٰ حیدر کو بتا دیا تھا کہ مریم' عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے اور کتنے ہی دن تک عثمان احمد اس بات پر زینب سے خفا رہے تھے۔

''آخر یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی' مجتبیٰ اور میڈم سے۔ کیا تمہیں میری محبتوں پر شک ہے زینی!'' وہ بہت دل گرفتہ سے ہو رہے تھے ''یہ تم نے اچھا نہیں کیا زینی۔''

کتنے ہی دن انہیں اس کا ملال رہا تھا لیکن نہ میڈم نرگس نے اور نہ ہی مجتبیٰ نے کبھی اس بات کو دہرایا' تو وہ بھی اس بات کو ہولے ہولے بھول گئے تھے۔ مگر نہ جانے کیا بات تھی' مریم جوں جوں..... بڑی ہو رہی تھی زینب عثمان ان کی شفقتوں اور محبتوں سے چڑنے لگی تھیں۔ مریم کی طرف ان کا ذرا سا التفات بھی ان

سے برداشت نہ ہوتا تھا اور وہ بلاوجہ ہی مریم سے الجھ پڑتی تھیں' نہ جانے کیا تھا' ان کے ذہن میں۔ شاید وہ مریم پر عثمان احمد کا کوئی حق نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں افسردہ ہوتے رہتے تھے اور غیر ارادی طور پر ہی اس سے دور ہوتے چلے گئے تھے۔ عجیب بات تھی' اتنے سالوں میں رفاقت کے باوجود وہ زینی کو نہیں سمجھ سکے تھے اور اس کی پل پل بدل جانے والی کیفیت سے ہراساں رہتے تھے۔

''پاپا!'' مریم نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھا ''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں' یونہی بس تمہاری ماما کے متعلق سوچ رہا تھا۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''کیا آپ انہیں مس کر رہے ہیں پاپا؟''

''ہوں......''

''تو پھر بلا لیں نا انہیں۔''

''آ جائیں گی' بس کچھ دنوں کی تو بات ہے۔''

''پاپا' آپ کسی روز میری بات بھی ماما سے کروا دیں نا۔ بہت اداس ہو رہی ہوں' ایسا لگتا ہے.... جیسے ماما کو یہاں سے گئے صدیاں بیت گئی ہوں۔'' اس نے لاڈ سے کہا۔

''اچھا گھر جا کر بات کرا دوں گا لیکن پہلے پرامس کرو کہ اتنی دور انہیں پریشان نہیں کرو گی۔ کوئی فضول بات نہیں ہوگی۔ تمہاری ماما نے تمہاری شکایت کی تھی مجھ سے کہ پچھلی بار تم نے انہیں بہت ڈسٹرب کیا تھا رو رو کر۔ بیٹا' پاپا کی صحت کی دعا مانگتے ہیں روتے تھوڑا ہی ہیں۔''

''جی پرامس پاپا! میں ماما سے آپ کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کروں گی کہ وہ پریشان ہو جائیں۔''

''اور دیکھو......'' انہیں اپنی ادھوری بات پھر یاد آ گئی ''کبھی زندگی میں اچانک تم پر کوئی مشکل وقت آ گیا اور ماما تمہارے پاس نہ ہوئیں تو حوصلے سے کام لینا اور......''

''پاپا پلیز!'' وہ ایک دم کھڑی ہو گئی ''بس اب کوئی بات نہیں ہوگی۔ آپ لیٹ جائیں اور آنکھیں بند کر لیں۔'' اس نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔

''مومو بیٹا!'' انہوں نے آہستگی سے اس کے ہاتھ کندھوں سے ہٹا دیے ''بیٹا کرنے دو مجھے باتیں۔ بہت کچھ کہنا ہے مجھے تم سے ...... بہت کچھ سمجھانا ہے تمہیں۔ پتا نہیں کیوں' مجھے خوف آتا ہے..... جیسے میں نہ رہا تو تم سب اکیلے رہ جاؤ گے۔ جیسے زینی تم سب کی حفاظت نہ کر سکیں گی۔ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے تو مریم بیٹے' آپ نے خیال رکھنا ہے اپنے بہن بھائیوں کا۔ آپ نے......''

عثمان احمد کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلنے لگی تو مریم کا جی چاہا' وہ زور زور سے چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دے اور پاپا کو منع کر دے کہ وہ ایسی باتیں نہ کریں نہیں تو اس کا دل پھٹ جائے گا۔ کیوں کر رہے ہیں وہ ایسی باتیں......؟ لیکن اس نے اپنے آنسوؤں کو بہ مشکل روکا اور عثمان احمد کے ہاتھ مضبوطی

سے تھام لیے۔

''آپ کو کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ اور میں آج آپ کی اور کوئی بات نہیں سنوں گی۔ آپ اسپتال سے فارغ ہو کر گھر آئیں گے تو پھر ہم ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ میں بھی فارغ ہوں۔ عاشی' نینا اور مورکی بھی چھٹیاں ہو جائیں گی...... پھر خوب سارا گھومیں گے اور بہت ساری باتیں کریں گے اور پھر پاپا' میں آپ سے آپ کے والدین کے' آپ کے بہن بھائیوں کے متعلق پوچھوں گی کہ وہ سب آپ سے کیوں خفا ہیں؟ کہاں ہیں وہ سب پاپا! آپ مجھے سب کے متعلق بتانا۔ اپنے بچپن کی' اپنے لڑکپن کی باتیں...... لیکن اس وقت آپ بہت تھک گئے ہیں۔ آپ آرام کریں۔ میں آپ کے لیے تھوڑا سا سوپ گرم کر کے لاتی ہوں۔''

''اچھا......!'' عثمان احمد کے اندر بھی جیسے ایک دم تھکن اتر آئی تھی۔ یہ مریم کیا کہہ رہی تھی [illegible]

ہاں عبدالرحمٰن تھا' چھوٹا بھائی۔ اور اس کے ساتھ ہی جانے لیا لیا اور لون لون یاد آ گیا تھا۔ بابا جان جن کے جنازے میں بھی وہ شرکت نہ کر سکے تھے۔ ان کی وفات کے چار دن بعد منشی انہیں بتا رہا تھا کہ وہ وفات پا گئے...... اور وہ کتنے بے چین ہوئے تھے' کس قدر تڑپ تڑپ کر روئے تھے۔

کتنی بڑی سزا دی تھی بابا جان نے انہیں اپنے آپ سے یوں الگ کر کے۔

اور جس کے لیے انہوں نے یہ سزا جھیلی تھی' اس نے کبھی مخلص دوست بن کر ان کے زخموں پر مرہم تک نہیں رکھا تھا۔

شاید وہ صرف لینا جانتی تھیں۔

اس روز وہ منشی سے ہی کتنا جھگڑے تھے ''بابا نے منع کر رکھا تھا تو تم ہی بتا جاتے' آخری بار چہرہ ہی دیکھ لیتا۔''

کیسی وفاداریاں تھیں یہ کہ بابا جان نہیں رہے تھے پھر بھی ان کے حکم کی تعمیل کی گئی تھی...... اور ایک زینب تھیں' ان کا دل لہولہو ہو رہا تھا اور میڈم نرگس کے ساتھ جیم خانہ چلی گئی تھیں۔ کتنی ضرورت تھی اس وقت انہیں زینب کی رفاقت اور تسلیوں کی۔

اور وہ کتنی ہی دیر تک بچوں کے کمرے میں بیٹھے خاموش آنسو پیتے رہے تھے۔ کتنی بار دل چاہا تھا کہ وہ انہیں گلے سے لگا کر روئیں اور انہیں بتائیں کہ بچو' تمہارے دادا جان اس دنیا سے چلے گئے۔

ان کے اندر کا کرب ان کے چہرے پر امڈ آیا۔

''پاپا!'' مریم بہت غور سے ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی اس نے ان کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا اور تکیہ درست کر کے رکھا ''بس اب آپ لیٹ جائیں میں ابھی آتی ہوں۔ سوپ گرم کر لاؤں...... پھر...... پھر میں آپ کو اپنے کالج کی باتیں بتاؤں گی' بہت مزے کی۔ ہماری ایک میڈم تو پو[...] ایک لطیفہ ہیں۔'' اس نے بچوں کی طرح انہیں بہلایا تو وہ مسکرا دیے۔

''کس قدر مختلف ہے یہ اپنی ماں سے۔'' انہوں نے سوچا اور تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹی! ایک بات یاد رکھنا میری۔ کبھی [illegible]''

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تو وہ بات [illegible] دیکھا۔ دستک دے کر مجتبیٰ حیدر اندر آ گئے تھے اور ان کے پیچھے کوئی اور بھی تھا۔ شاید پاپا کا کوئی جاننے والا[...] مریم' مجتبیٰ حیدر کو سلام کر کے بیڈ کے پاس سے ہٹ کر لمحہ بھر کو رکی اور پھر باہر نکل آئی۔

''السلام وعلیکم عثمان صاحب!'' مجتبیٰ حیدر ہاتھ بڑھائے اپنے مخصوص جوشیلے انداز میں کہتے ہوئے ا[...] کے بیڈ کی طرف بڑھے۔ عثمان تکیے سے سر اٹھائے' کہنیاں ٹیکے ان سے پیچھے دیکھ رہے تھے دھڑ...... دھڑ...... دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آ جائے گا۔ انہو[...] نے مجتبیٰ حیدر کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ ایک ہاتھ دل پر رکھتے ہوئے وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

دھک...... دھک...... دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا اور نگاہیں مجتبیٰ حیدر کے ساتھ آنے وا[...] کے چہرے پر دیوانہ وار نثار ہو رہی تھیں اور دل کی ہر دھڑکن ایک ہی نام الاپ ر[...] تھی...... عادل...... عادل...... عادل۔

انہیں مجتبیٰ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔

وہ بلاشبہ عادل ہی تھا۔

ان کا بیٹا۔

ان کا جگر گوشہ۔

جسے انہوں نے ہر لمحہ یاد کیا۔

بالکل وہی شربتی آنکھیں۔

بابا جان کی طرح ان میں ذرا سے غصے پر سرخ سرخ سے ڈورے تیرنے لگتے تھے۔

اور باقی کے سارے نقوش بھی خود ان کی جھلک لیے۔ ان ہی کی طرف دیکھتا ہوا خاموش کھڑا وہ عاد[...] ہی تو تھا۔ بابا جان اکثر کہا کرتے تھے ''آنکھوں کے علاوہ یہ سارے کا سارا عثمان پر گیا ہے۔ دیکھ لینا[...] بڑا ہو کر اس کی ہی کاپی ہوگا۔''

''عادل...... عادل' میرے بیٹے!'' وہ بے آواز پکار رہے تھے۔ ان کے لب ہولے ہولے کان[...] رہے تھے اور آنکھوں کے آگے دھند سی چھائی جا رہی تھی۔

''عثمان......! ریلیکس۔'' مجتبیٰ حیدر نے ان کی کیفیت محسوس کر کے آگے بڑھ کر ان کے کندھے[...]

ہاتھ رکھا۔

انہوں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا اور پھر یکدم بیڈ سے اتر کر دونوں ہاتھ پھیلائے' بے تابانہ کچھ فاصلے پر ساکت کھڑے پروفیسر عادل کی طرف بڑھے۔ ان کے ہونٹ لرز رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پروفیسر عادل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور ان کے اندر سے جیسے کوئی سیال مادہ پگھل پگھل کر باہر آنے لگا۔ لحہ بھر وہ لب بھینچے یونہی کھڑے ان کے پھیلے بازوؤں کو دیکھتے رہے پھر یکدم خود بھی بازو پھیلائے اسی بے تابی سے ان کی طرف بڑھے۔ مجتبیٰ حیدر ایک طرف کھڑے باپ بیٹے کا ملاپ دیکھ رہے تھے۔

عثمان احمد کے آنسو عادل کے کندھوں کو بھگو رہے تھے اور پروفیسر عادل ان کے سینے سے لگے جیسے برسوں کی پیاس بجھا رہے تھے۔

''یہ ان کا بیٹا تھا۔ اتنا توانا' اتنا مضبوط اور بھرپور جوان۔'' عثمان احمد نے انہیں بازوؤں میں بھینچے بھینچے سوچا۔ اور انہیں ایک دم اپنے وجود میں توانائی سی محسوس ہوئی۔ جیسے اس کی موجودگی میں ان کا کمزور دل سنبھل جائے گا' جیسے وہ ایک دم بہت توانا اور مضبوط ہو گئے تھے۔ انہوں نے اور زور سے اسے اپنے ساتھ بھینچا۔ پروفیسر عادل کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں اور ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی عثمان احمد کے سینے سے لگے ان کے وجود کی خوشبو اپنے اندر اتارتے رہیں...... لیکن یکایک انہیں محسوس ہوا جیسے عثمان احمد کے بازوؤں کی گرفت کمزور پڑ گئی ہو گھبرا کر دونوں بازوؤں سے انہیں تھامے ہوئے وہ پیچھے ہٹے تو عثمان احمد کا رنگ بے حد زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

بہت پریشان ہو کر انہوں نے مجتبیٰ حیدر کو آواز دی اور انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں لے کر بیڈ پر لٹا دیا اور مجتبیٰ حیدر کو وہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے وہ تیزی سے باہر کی طرف لپکے تاکہ کسی ڈاکٹر کو بلا سکیں۔

❀❀❀

بعض باتیں اتنی اچانک [illegible] ہوتی ہیں [illegible] سوچا [illegible] جاتا ہے کہ یہ کیا [illegible]؟

زینب ولا کے ڈائننگ ہال میں اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے پروفیسر عادل یہی سوچ رہے تھے کہ یہ اچانک کیا ہو گیا اور کیسے؟ اس روز وہ مجتبیٰ حیدر کے ساتھ آنے کو تو آ گئے تھے لیکن راستہ بھر انجانی کیفیتوں میں گھرے رہے تھے۔ کبھی ان کا دل جی چاہتا وہ مجتبیٰ حیدر سے معذرت کر کے رستے سے ہی پلٹ جائیں۔ زندگی تو یوں ہی تشنہ گزر گئی اب دریا کنارے پہنچ بھی گئے تو کیا صدیوں کی پیاس بجھ پائے گی یا تشنگی اور بھی بڑھ جائے گی؟ کبھی انہیں مسرور کا خیال آتا۔ اس کی باتیں یاد آتیں۔

اس کے رویے اور اس کی سوچ۔

تو وہ سوچتے مسرور کے والد کی طرح قصوروار تو ان کے والد بھی ہیں پھر ان کے [illegible]

[illegible]

شاید اس [illegible] عثمان احمد کی وہ محبتیں تھیں جو انہوں نے اسے دی تھیں اور جنہوں نے ان کے اندر عثمان احمد کے لیے ایک نرم گوشہ ہمیشہ رکھا۔ کبھی کبھی بے حد ڈسٹرب ہو جانے کے باوجود بھی وہ ان سے نفرت نہیں کر سکتے تھے۔

اور کبھی وہ سوچتے۔

بیٹے کی حیثیت سے نہ سہی' ایک انسان کی حیثیت سے بھی ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کی خواہش کا احترام کریں جو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہو۔

مجتبیٰ حیدر کے الفاظ ان کے اندر گونجنے لگتے اور دل کو جیسے کوئی دکھ بھرا احساس اپنی گرفت میں لے لیتا اور ہولے ہولے بھینچتا۔

اور اندر ہی اندر کٹتا ہوا احساس۔

راستے بھر مجتبیٰ حیدر نہ جانے کون کون سی کہانیاں سناتے رہے تھے۔ ان کے پلے تو ایک لفظ بھی نہیں پڑا تھا۔

شاید وہ اپنے سری لنکا میں دوران قیام ملنے والی کسی دوشیزہ کا قصہ سنا رہے تھے۔ مگر وہ تو مکمل طور پر اردگرد سے بے گانہ اپنے اندر کھوئے ہوئے تھے۔

''کہاں ہو یار؟'' انہیں غلط جگہ گاڑی پارک کرتے دیکھ مجتبیٰ حیدر نے ٹوکا تو وہ چونکے۔

انہیں اس کیفیت میں گاڑی ڈرائیو نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ تو غنیمت تھا کہ اس وقت ٹریفک کم تھا اور کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔

''کیا اس حسن دلآویز کے تصور میں تھے؟'' مجتبیٰ حیدر ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر ہنسے تو انہوں نے بے حد شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کیسے ادیب ہیں مجتبیٰ حیدر جوان کی اس وقت کی کیفیت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ادیب کا ہاتھ تو زندگی کی نبض پر ہوتا ہے اور وہ زندگی کی دھڑکنیں گنتا ہے اور مجتبیٰ حیدر ان کی کیفیت کا ادراک نہیں کر پا رہے ہیں اور اگر پاتے تو اس طرح راستے بھر بولتے نہ آتے۔''

وہ بنا ان کی بات کا جواب دیے خاموشی کے ساتھ ان کے ساتھ چل پڑے' دل کسی ضدی بچے کی طرح سینے کے اندر مچل رہا تھا۔ یوں جیسے وہ اپنے والد سے ملنے نہیں جا رہے ہیں بلکہ پہلی بار در محبوب پر حاضری دینے جا رہے ہوں۔ اپنے مچلتے دل کو سنبھالے وہ لحہ بھر وہیں رک گئے تھے جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے

بجلی سی کوندی تھی۔ بیڈ کے ساتھ کھڑی لڑکی پر انہیں اس کا گمان ہوا تھا...... مگر دوسرے ہی لمحے انہوں نے سر جھٹک کر بیڈ پر موجود شخص کی طرف نگاہیں اٹھائی تھیں اور پھر ان کی نگاہیں وہیں ٹھہری گئی تھیں اور وہ جو کوئی بھی تھی ان کے قریب سے گزر کر باہر چلی گئی تھی۔ شاید یہ ابھی کچھ دیر پہلے مجتبیٰ کی کہی گئی بات کا اثر ہے کہ انہیں اس لڑکی پر اس کا گمان ہوا جو اسپتال روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے تک ان کے تصور کی دنیا.... آباد کیے ہوئے تھی۔

اندر ہی اندر انہیں خیال سا گزر رہا تھا۔ وہ بیڈ سے کچھ فاصلے پر ساکت کھڑے عثمان احمد کو دیکھ رہے تھے جن کے لب کانپ رہے تھے اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

خود ان کے اندر جیسے آنسوؤں کا ریلا سا اُمڈ رہا تھا اور وہ بڑے ضبط سے اپنی جگہ مضبوطی سے قدم زمین پر جمائے کھڑے تھے۔

یہ وہ شخص تھا۔

جس نے انہیں اپنی شفقتوں سے محروم رکھا تھا۔

بابا جان اور ماں جی کی بے تحاشا محبتوں کے باوجود کبھی کبھی کیسی تشنگی وجود کو صحرا بنا دیتی تھی۔

جیسے وہ برسوں سے پیاسے لق ودق صحرا میں سفر کر رہے ہوں اور دور و نزدیک کہیں کوئی چشمہ نہ ہو جو عمر بھر کی تشنگی ختم کر دے۔

کہیں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

پھر بھی جیسے زندگی میں بہت کچھ کمی تھی۔

صرف ایک اس شخص کے نہ ہونے سے۔

کتنے خلا تھے......اور کتنی پیاس تھی ان کے اندر۔

شدید پیاس سے جیسے ان کا حلق خشک ہو گیا تھا اور ہونٹ تڑخنے لگے تھے۔ اندر چشمے ابل رہے تھے اور حلق میں کانٹے پڑے تھے۔ انہوں نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے عثمان احمد کی طرف دیکھا جو بازو پھیلائے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پھر جیسے ضبط کی طنابیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں اور اندر ابلتے چشمے باہر آنے کو بے تاب ہو گئے تھے۔

وہ بھی بازو پھیلائے والہانہ ان کی طرف بڑھے تھے۔

اس لمحے انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔

کوئی ناراضی، کوئی گلہ، کوئی خفگی۔

بس وہ ان کے سینے سے لگے صدیوں کی پیاس بجھا رہے تھے۔ کیسی شفیق خوشبو تھی جو انہیں اندر باہر

سے سیراب کر رہی تھی۔

پتا نہیں کتنی دیر اس کیفیت میں مزید گزر جاتی کہ انہیں احساس ہوا کہ عثمان احمد ہوش کھوتے جا رہے ہیں۔ انہیں بیڈ پر لٹا کر وہ بے چینی سے ڈیوٹی پر موجود کسی ڈاکٹر کی تلاش میں باہر بھاگے تھے۔

عثمان احمد کا کمزور دل اس خوشی کو جو بالکل اچانک ملی تھی، سہار نہیں پایا تھا۔

بہت دیر تک ان کی نبض نارمل نہیں ہوئی تھی اور دھڑکنیں معمول پر نہیں آئی تھیں اور وہ جوان کی پٹی سے یوں لگے بیٹھے تھے جیسے وہ آج اتنے برسوں بعد ان سے نہیں ملے بلکہ ہمیشہ سے ان کے ساتھ تھے۔

اور درمیان میں کوئی دوریاں نہیں تھیں۔

کبھی وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے۔

اور کبھی پیشانی پر ہاتھ رکھتے۔

کبھی بے چین ہو کر پائنتی کی طرف جاتے اور ان کے ٹھنڈے پاؤں اپنے گرم ہاتھوں میں لے کر گرم کرنے کی کوشش کرتے اور سرہانے کھڑے شہریار سے پوچھتے۔

"شہریار! یہ......یہ......خطرے کی تو کوئی بات نہیں ہے نا؟ یہ پاؤں اتنے ٹھنڈے کیوں ہو رہے ہیں؟"

شہریار جوان کے اس اضطراب پر اور بے چینی پر خود کچھ حیران سا تھا، انہیں تسلی دیتا۔

"نو سر، یہ اچانک بی پی لو ہو گیا تھا اس وجہ سے پاؤں ٹھنڈے ہو گئے ہیں لیکن اب بہتر ہو رہا ہے۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے......حالانکہ کل تک ان کا بی پی اچانک ہائی ہو جاتا تھا۔ ہم لوگ اس لیے انہیں گھر نہیں بھیج رہے تھے۔"

"یہ پروفیسر عادل ہیں۔" شہریار نے چپکے سے مریم کو بتایا "اور یہ بہت شفیق اور ہمدرد دل رکھتے ہیں۔ تم نے دیکھا، انکل کے لیے کتنے پریشان ہو رہے تھے۔"

عثمان احمد زرد چہرے کے ساتھ آنکھیں بند کیے پڑے تھے۔ انہیں ٹریٹ منٹ دے دی گئی تھی۔

شہریار ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے باوجود مریم کے خیال سے وہیں تھا۔

پروفیسر عادل جب ڈیوٹی روم سے ڈاکٹر رب نواز کو بلا کر لائے تھے تو وہ کوریڈور میں کھڑا مریم سے پوچھ رہا تھا کہ وہ باہر کیوں گھوم رہی ہے؟ اور مریم اسے مجتبیٰ حیدر اور ان کے ساتھ آنے والے اجنبی شخص کے متعلق بتا رہی تھی۔

"بس مجھے جھجک سی ہو رہی تھی۔ شاید وہ انکل یا پاپا کے کوئی جاننے والے ہیں لیکن میں انہیں نہیں جانتی۔"

ڈاکٹر رب نواز نے پاس سے گزرتے ہوئے بتایا تھا "عثمان صاحب کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

اور وہ دونوں ہی ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں آئے تھے۔

اور تب سے اب تک شہریار وہیں تھا۔ ڈاکٹر رب نواز کچھ دیر پہلے ہی مطمئن ہو کر چلے گئے تھے۔ مریم ایک طرف سہمی سی کھڑی تھی حالانکہ اس کا کتنا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پاپا کے پاس ان کے سامنے بیٹھ کر انہیں دیکھتی رہے لیکن وہاں تو پروفیسر عادل بیٹھے تھے۔ ان کی نبض پر ہاتھ رکھے جیسے وہ ڈاکٹر ہوں۔

''شہریار' تم بالکل مطمئن ہو نا؟'' انہوں نے نبض پر ہاتھ رکھے رکھے پھر پوچھا۔

''جی سر۔ کم از کم اس وقت کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ تمام سسٹم بالکل صحیح کام کر رہے ہیں۔ ابھی ڈاکٹر رب نواز نے بتایا تو ہے کہ ہارٹ بیٹنگ بالکل نارمل ہے۔''

انہوں نے ایک گہرا سانس لے کر مجتبیٰ کی طرف دیکھا جو قریب ہی بیٹھے تھے۔ دل بہت گداز ہو رہا تھا۔ ابھی تو انہوں نے جی بھر کر ان سے باتیں بھی نہیں کی تھیں۔

ابھی تو انہیں ان سے بہت سارے گلے کرنے تھے۔

گزرے ماہ و سال کا حساب لینا تھا۔

اپنے متعلق بتانا تھا۔

اپنے خسارے اور نقصان گنوانے تھے۔

کامل کا بتانا تھا۔

اور یہ کیا ہو گیا کہ عثمان احمد ہمت ہار بیٹھے تھے۔

مجتبیٰ حیدر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں تسلی دی جیسے وہ ان کی دلی کیفیت سمجھ رہے ہوں۔ ان کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی۔ مجتبیٰ حیدر سے اپنی کیفیت چھپانے کے لیے انہوں نے رخ پھیرا تو نگاہ مریم پر پڑی۔

''یہ۔'' وہ چونکے۔

تو وہ جو آنے پر انہیں اس کی موجودگی کا گمان ہوا تھا تو وہ غلط نہیں تھا...... وہ موجود تھی۔ یہاں...... اس جگہ...... کون ہے وہ؟ کیا رشتہ ہے اس کا عثمان احمد سے......؟ کیا کوئی ڈاکٹر شہریار کی کوئی عزیز......!

لمحہ بھر کے لیے ان کی نظروں نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لیا اور پھر فوراً ہی وہ عثمان احمد کی طرف متوجہ ہو گئے جنہوں نے آنکھیں کھول دی تھیں اور اب اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''نہیں...... نہیں پلیز' آپ لیٹے رہیں۔'' شہریار نے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا۔ ان کی نبض چیک کی۔ بلڈ پریشر دیکھا اور پروفیسر عادل کی طرف مڑے ''ایوری تھنگ از او کے۔''

پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی اطمینان بھری مسکراہٹ آ گئی اور وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے تھوڑا سا ان کی طرف جھکے۔

''اب اس وقت آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

عثمان احمد کی نظریں ان کے چہرے پر دیوانہ وار نثار ہو رہی تھیں اور آنکھوں کے کونوں میں آنسو اکھٹے ہو رہے تھے۔

انہوں نے انگلی کے پوروں سے آنسو پونچھے۔

مریم نے ایک قدم آگے بڑھایا تب ہی وارڈ بوائے نے اندر جھانکا۔

''آپ کا فون ہے' لندن سے کال ہے۔''

''ماما کا فون۔'' وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

فون کی اچانک بیل سے ڈسٹربنس ہوتی تھی۔ کتنی دیر تک عثمان احمد کے دل کی دھڑکنیں نارمل نہیں ہوتی تھیں چنانچہ آج صبح ہی فون ان کے کمرے سے اٹھالیا گیا تھا۔

''عادل...... عادل! تم یہاں ہو نا؟'' عثمان احمد نے ان کے ہاتھ تھام لیے ''تم یہیں رہنا میرے پاس۔ اب مجھے اکیلا مت کرنا۔ چھوڑ کر مت جانا۔''

''میں...... یہیں ہوں......'' انہوں نے تسلی دی۔

ڈاکٹر شہریار نے انہیں انجکشن لگایا۔

''ان کے لیے آرام اور سکون بے حد ضروری ہے۔ ابھی کچھ دیر تک یہ سو جائیں گے۔''

پروفیسر عادل نے سر ہلایا اور مڑ کر پیچھے دیکھا' مریم جا چکی تھی۔ تو کیا یہ ان کا تصور ہے جو بار بار انہیں اس کے سامنے لا کھڑا کر دیتا ہے اور یہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

وہ پھر عثمان احمد کی طرف متوجہ ہو گئے جن کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

عثمان احمد جلد ہی سو گئے تھے۔ وہ مجتبیٰ حیدر کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا جی چاہ رہا تھا وہ آج یہیں رک جائیں۔

عثمان احمد کے سامنے بیٹھے انہیں دیکھتے رہیں' محسوس کرتے رہیں۔ وہ کھڑے کھڑے انہیں دیکھ رہے تھے۔ مجتبیٰ حیدر نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔

''آیئے چلتے ہیں' اب آپ کا تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ہماری خبر گیری کے لیے بیگم تیار بیٹھی ہوں گی۔''

''اب یہ آرام سے سوتے رہیں گے۔'' شہریار نے انہیں تسلی دی۔

''آر یو شیور؟'' پروفیسر عادل نے شہریار کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تب ہی ایک نرس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

''ملاقات کا ٹائم ختم ہو گیا ہے۔ پلیز کمرہ خالی کر دیں۔ ڈاکٹر رافع راؤنڈ پر آ رہے ہیں۔'' وہ تیز تیز کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

پروفیسر عادل نے پھر ایک نظر عثمان احمد کے چہرے پر ڈالی اور مجتبیٰ حیدر کے ساتھ باہر نکل آئے۔

''عثمان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی مجھے۔ پتا نہیں کیوں، مجھے احساس ہو رہا ہے جیسے عثمان صرف تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے اور اب......'' مجتبیٰ حیدر نے واپسی پر تبصرہ کیا۔

انہوں نے لب کاٹتے ہوئے بڑی زخمی نظروں سے انہیں دیکھا اور سوچا۔

''مجتبیٰ حیدر کس قدر بے درد ہیں۔ ایک بیٹے سے اتنی مایوسی کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''او بیٹا بھی وہ جو سالوں بعد باپ سے ملا ہو اور کیا ضروری ہے کہ مجتبیٰ حیدر اس وقت اپنی رائے دیں۔''

ان کے دل کے اندر طوفان سے اٹھ رہے تھے۔ انہوں نے مجتبیٰ حیدر کے تبصرے کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔

مجتبیٰ حیدر کو ان کے گھر ڈراپ کر کے وہ گھر لوٹے تو مسرور نے انہیں سلطان کی آمد کا بتایا۔

''اچھا...... کہاں ہے وہ؟'' انہوں نے سرسری سا پوچھا۔

''کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔''

مسرور نے غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''میں کھانا نہیں کھاؤں گا' اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم کھا لینا۔''

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ پریشان سا ہو گیا۔

''ہاں......'' انہوں نے ذرا سی دیر رک کر اسے تسلی دی اور اپنے کمرے میں چلے آئے۔

اور یہ رات کتنی بے چین تھی۔

کوئی ان کے دل سے پوچھتا۔

ہزار ہا وہم ان کے دل سے چمٹے ہوئے تھے۔

مجتبیٰ حیدر کا تبصرہ لمحہ لمحہ جیسے ان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتا تھا۔

نہیں' یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

عثمان احمد کو کچھ نہیں ہو گیا۔

وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔

وہ خود صبح کسی اور ہارٹ اسپیشلسٹ سے بات کریں گے۔

کئی بار انہوں نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ وہ اسپتال فون کر کے ان کی کیفیت پوچھیں لیکن پھر پیچھے ہٹ گئے۔

''نہیں......!''

کئی بار ان کا جی چاہا کہ وہ حویلی فون کریں۔

بی آپا یا کسی سے بات کریں۔

انہیں بتائیں کہ وہ عثمان احمد سے ملے ہیں۔

اور عثمان احمد......!

کاش' کامل ہی کسی قابل ہوتا تو وہ اپنی کیفیات اس کے ساتھ شیئر کرتے۔

وہ اس وقت اپنے آپ کو ایک کم عمر لڑکے کی طرح محسوس کر رہے تھے۔

ساری رات وہ مضطرب رہے اور جاگتے رہے۔

کبھی لیٹ جاتے کبھی اٹھ جاتے اور کبھی سگریٹ سلگا کے کمرے میں ٹہلنے لگتے۔

رات بھر میں نہ جانے انہوں نے کتنے سگریٹ پھونک ڈالے تھے۔ صبح کی اذان ہوئی تو بے حد تھکے تھکے اور نڈھال سے وہ جائے نماز پر آ کھڑے ہوئے۔

سجدے میں گر کر عثمان احمد کی زندگی کی دعا مانگتے ہوئے۔ کل کے رکے ہوئے آنسو بے اختیار پلکوں کا بند توڑ کر باہر آ نکلے۔ رونے سے جیسے دل پر دھرا بوجھ کم ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو انہیں اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا لگا۔

باتھ لے کر وہ باہر نکلے تو طبیعت کا اضطراب بہت حد تک ختم ہو چکا تھا اور وہ خود کو خاصا پرسکون محسوس کر رہے تھے۔ خدا بخش حسبِ معمول اٹھ چکا تھا۔

اس نے انہیں تیار ہو کر باہر آتے دیکھا تو ان کی طرف لپکا۔

''آپ آج اتنی جلدی اٹھ گئے؟''

''ہاں۔'' انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا ''ایک کپ چائے بنا دو مجھے۔ کہیں جانا ہے۔''

''کہاں؟ حویلی میں تو سب خیریت ہے نا؟''

''سب خیریت ہے۔''

ان کا جی چاہا وہ خدا بخش کو عثمان احمد کا بتا دیں۔ وہ تو اکثر ان کا ذکر کرتا تھا اور انہیں یاد کرتا تھا لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ خاموش ہو گئے۔

''ناشتا بھی بنا لاؤں؟ رات بھی آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔''

''نہیں' بس چائے۔''

''اچھا جی!'' خدا بخش نے ایک نظر انہیں دیکھا اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا ''عجیب آدمی ہیں' اپنی صحت کی تو پروا ہی نہیں ہے......بس اب پتا نہیں' صبح صبح اٹھ کر بغیر ناشتے کے کہاں چلے ہیں......؟''

اس کی بڑبڑاہٹ پر ہلکی سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا لیکن اس وقت ان کا ناشتے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا' سو وہ چائے پی کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا خدا بخش اگر دیر ہو جائے تو فکر نہ کرنا۔ مسرور کو بتا دینا وہ پریشان ہو جاتا ہے۔"

خدا بخش نے سر ہلا دیا۔ گویا زبان سے کچھ نہ کہہ کر اس نے ان کے ناشتا نہ کر کے جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو لیکن اس وقت وہ خدا بخش کو منانے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھے سو وہ کی رنگ انگلیوں میں گھماتے خدا بخش کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئے۔

اسپتال کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے وہ اترے تو ہر طرف خاموشی تھی۔ انہیں اپنی اس جلد بازی پر ندامت سی ہوئی اور وہ اندر اسپتال میں جانے کے بجائے لان میں آ گئے۔ کچھ دیر تو وہ یونہی ٹہلتے رہے تا کہ کچھ چہل پہل شروع ہو تو وہ اندر جائیں۔ اکادکا لوگ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ پھر وہ تھک کر گھاس پر بیٹھ گئے۔ ان کا سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ انہوں نے گھٹنوں پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ وہ ساری رات جاگتے رہے تھے۔ آنکھیں بند کیں تو جانے کب نیند بند آنکھوں میں چلی آئی اور وہ یونہی گھٹنوں پر سر رکھے رکھے سو گئے اور پھر ان کی آنکھ بچوں کے شور سے کھلی۔ ایک دم ہڑبڑا کر انہوں نے گھٹنوں سے سر اٹھایا۔ دو پیارے پیارے بچے شور مچاتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور لان میں ہلکی ہلکی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے کلائی موڑ کر ٹائم دیکھا۔

اف...... وہ تو اچھی خاصی دیر سوتے رہے تھے۔

کپڑے جھاڑتے ہوئے وہ اٹھے اور تیز تیز قدموں سے اندر کی طرف بڑھے۔

کوریڈور میں ہی انہیں ڈاکٹر شہریار مل گئے۔

"شہریار!" بے اختیار انہوں نے اسے آواز دی "عثمان احمد کیسے ہیں؟"

"فائن!" شہریار نے انہیں سلام کرتے ہوئے بتایا "کچھ دیر پہلے ہی انہوں نے ناشتا کیا ہے اور اب اخبار دیکھ رہے ہیں۔"

"تھینک گاڈ!" ان کے رگ و پے میں سکون سا اتر گیا۔ وہ شہریار سے ان کی بیماری کی تفصیل پوچھتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے عثمان احمد کے کمرے کے دروازے تک پہنچے تو شہریار نے معذرت کی۔

"سر! اب اجازت دیں میں اس وقت راؤنڈ پر ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں عثمان صاحب سے مل کر ڈاکٹر رافع سے بھی ملنا چاہوں گا۔ عثمان صاحب کی صحیح کنڈیشن جاننا چاہتا ہوں۔"

"جی سر! ڈاکٹر رافع آ گئے تو میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔"

شہریار انہیں خدا حافظ کہہ کر چلا گیا تو لمحہ بھر کے لیے وہ جھجک کر کھڑے ہو گئے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر چلے گئے۔ عثمان احمد نے انہیں دیکھا تو اخبار پھینک کر کل کی سی بے تابی سے ہاتھ پھیلاتے ہوئے ان کی طرف بڑھے اور بے اختیار عادل نے آگے بڑھ کر انہیں تھام لیا اور انہیں

اپنے توانا بازوؤں میں لیے ان کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے پروفیسر عادل نے انہیں آہستگی سے بٹھا دیا اور مسکرائے۔

"آپ...... آپ اس وقت کیسے ہیں؟" یہ جملہ تھا جو ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

عثمان احمد نے کتنے سالوں بعد یہ آواز سنی تھی۔

بڑی ٹھہری' گمبھیر آواز۔

"کتنی خوبصورت آواز ہے ان کے بیٹے کی۔"

"میں...... میں بہت اچھا ہوں۔ تم آ گئے ہو' تمہیں دیکھ لیا ہے تو ایک دم توانا اور مضبوط ہو گیا ہوں۔"

ان کی آواز میں بہت سارے آنسوؤں کی نمی تھی۔ "میں تمہارا ممنون ہوں بیٹا کہ تم آ گئے۔ مجرم ہوں تمہارا' تمہاری ماں کا' بابا جان کا' میں نے سب کا بہت دل دکھایا ہے...... ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

بے اختیار پروفیسر عادل نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ذرا سا مسکرائے۔

"آپ کے لیے کوئی بھی' کسی بھی قسم کا جذباتی ہیجان بہتر نہیں ہے...... پھر...... پھر کبھی بات کریں گے۔ میں آتا رہوں گا اور ہم آپ سے خفا نہیں ہیں۔ یہ سب تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔ آدمی تو بے بس ہوتے ہیں۔" اپنے مخصوص ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں انہوں نے سمجھایا۔

"پھر کبھی......" عثمان احمد نے بڑی دل گرفتہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

جانے کیا تھا۔ ان کی نظروں اور اس ایک لفظ میں کہ پروفیسر عادل کا پورا وجود اندر تک کانپ گیا۔ غیر ارادی طور پر ان کے ہاتھوں پر ان کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی جیسے وہ اپنی گرم جوشی اور مضبوط گرفت سے انہیں تسلی دے رہے ہوں۔

"مجھے باتیں کرنے سے مت روکو عادل!" انہوں نے نم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا "میرے پاس وقت بہت کم ہے اور میں نے بہت باتیں کرنا ہیں تم سے...... کچھ اپنی سنانی ہے۔ کچھ تمہاری سننی ہے۔ بہت حساب کتاب ہے تمہارے مجھ پر۔ بیٹا مجھے مت روکو...... میں سمجھتا ہوں' تم نے مجھے معاف کر دیا ہے تب ہی یہاں آئے ہو۔ تو میرے دل کی بھی سن لو...... اتنے سالوں میں بہت کچھ جمع ہو گیا ہے۔ بیٹا پلیز! میں نے تنہا اپنی ذات پر بہت دکھ جھیلے ہیں۔ بہت کچھ پا کر بھی کچھ نہیں پایا۔ میرا دل بھرا ہوا ہے...... چھلکنے کو بے تاب......" ان کی ملتجی نظریں پروفیسر عادل کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے ٹھہر سی گئیں۔

اور پھر اس روز وہ بہت دیر تک عثمان احمد کے پاس بیٹھے رہے۔ خاموش سر جھکائے اور عثمان احمد نے کالج میں زینب سجاد سے ملنے سے لے کر اب تک کی ساری داستان لفظ بہ لفظ سنا دی تھی...... اور اب سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ جانتے تھے کہ ان کا بیٹا کشادہ دل اور سمندر ظرف ہے' معاف کر دے گا ان کی خطائیں۔

”میں تم سے اور تمہاری ماں سے بہت شرمندہ ہوں بیٹا! بہت نادم ہوں...... میں تمہارے حقوق ادا نہیں کرسکا ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا......“ انہوں نے یک دم اپنے ہاتھ جوڑ دیے تو بے اختیار پروفیسر عادل ان کے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے رو پڑے۔

”پلیز...... شرمندہ نہ کریں۔“

”اپنی ماں سے بھی میری سفارش کرنا بیٹا......! میں اسے کوئی خوشی نہ دے سکا۔ اس کے حقوق ادا نہیں کرسکا...... بڑا جرم کیا میں نے بیٹا' تم سب کا مجرم ہوں بیٹا! میں نے......“

”ابو......!“ ان کے ہاتھ بدستور ان کے ہاتھوں میں تھے۔

”ابو!“

یہ لفظ کتنا اجنبی لگا تھا خود انہیں۔

کتنے سالوں بعد اس لفظ نے ان کے لبوں کو چھوا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر تک گم صم سے بیٹھے اس لفظ کی حلاوت کو محسوس کرتے رہے۔

”عادل...... عادل بیٹا' پھر کہو...... پھر کہو میری جان! ایک بار پھر......“ عثمان احمد نے بے قراری سے ان کے ہاتھوں کو چوما۔

بہت پہلے جب عادل نے بولنا شروع کیا تھا تو جو پہلا لفظ ان کی زبان سے نکلا تھا' وہ ”ابو“ تھا اور اس روز بابا جان کتنا خوش ہوئے تھے۔

اور وہ خود بھی۔

جتنی بار عادل ”ابو“ کہتا وہ اپنے اندر انجانی سی خوشی اور مسرت کی لہریں اٹھتی محسوس کرتے تھے۔

”اب باقی باتیں کل ہوں گی۔“ پروفیسر عادل نے اپنی اندر کی کیفیتوں پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیے۔

مگر عثمان احمد ذرا بھی تھکے نہیں تھے۔ وہ ان کے منع کرنے کے باوجود انہیں بتاتے رہے۔ عاشی کے متعلق' نینا اور مور کے متعلق اور مریم کے متعلق۔

”زینی آج کل لندن میں ہے۔“ انہوں نے پروفیسر عادل کو بتایا۔

”عاشی' نینا اور مور مری میں ہیں...... اور مریم ادھر ہی تھی۔ میرے پاس۔ تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے میں نے اسے زبردستی گھر بھیجا ہے کہ تھوڑا آرام کر لے۔ کتنی راتوں سے جاگ رہی ہے...... اور پھر مجھے اپنے کچھ ضروری کاغذات بھی منگوانے تھے...... ابھی آتی ہوگی...... تو تم سے ملواؤں گا۔ کتنی حیران ہوگی تمہیں دیکھ کر وہ...... جب اسے پتا چلے گا کہ تم......“

اور پھر اچانک ہی کسی خیال سے ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر پروفیسر عادل کو دیکھنے لگے اور بہت دیر تک یونہی ان کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

”آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟“ پروفیسر عادل نے نرمی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں یونہی' ایک خیال آ گیا تھا۔“

”کیا......؟“

عثمان احمد نے لمحہ بھر سوچا' جیسے فیصلہ کر رہے ہوں کہ وہ دل سے اپنا خیال بیان کریں یا نہیں؟ پھر کچھ سوچتے ہوئے آہستگی سے بولے ”عادل' مومو! بہت اچھی' بہت پیاری' بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اپنی ماں سے بالکل مختلف' بہت کیئرنگ اور لوِنگ......“

عادل نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انہیں دیکھا۔

”ابھی ابھی تمہیں دیکھ کر خیال آیا تھا۔ بیٹا برا نہ منانا' میرا خیال پسند نہ آئے تو کوئی بات نہیں۔ بس یونہی' پتا نہیں کیوں...... میرے دل میں خیال آیا تھا کہ تم اور مومو...... مومو......“

”نہیں...... نہیں' بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔“ بے اختیار ان کے ہونٹوں سے نکلا تو ایک افسردہ سی مسکراہٹ عثمان احمد کے ہونٹوں پر آ گئی۔

”کچھ خیال نہیں کرنا بیٹا' یونہی ایک بات زبان پر آ گئی تھی۔“

”نہیں' کوئی بات نہیں۔“

انہوں نے نرمی سے کہا تھا لیکن ان کا ذہن الجھ سا گیا تھا...... پتا نہیں' کیوں لوگ ان سے امیدیں وابستہ کر لیتے تھے۔

ایک حریم تھی' جس کی روتی آنکھیں انہیں ڈسٹرب کرتی رہتی تھیں۔

پھر آمنہ صفی تھی' جس نے انہیں امتحان میں ڈالا تھا اور پھر خود ہی فیصلہ سنا کر چلی گئی تھی اور اب یہ عثمان احمد جانے کیا کہہ رہے تھے؟

مریم...... مومو...... زینب عثمان احمد کے پہلے شوہر کی بیٹی جس کی عثمان احمد نے بے حد تعریف کی تھی اور جسے ابھی تک انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔

اور پھر اگلے روز بھی وہ اسے نہ دیکھ پائے تھے کہ جس وقت وہ اسپتال گئے وہ وہاں موجود نہ تھی۔

اور عثمان احمد نے انہیں بتایا تھا کہ عاشی' نینا اور مور آج مری سے آنے والے ہیں۔ انہوں نے اسلم کو بھیج کر انہیں بلایا ہے تو وہ اس وقت گھر چلی گئی ہے۔

”بیٹا' دل بہت چاہ رہا تھا انہیں دیکھنے کو۔ یوں لگتا ہے جیسے انہیں دیکھے بغیر ہی چلا جاؤں گا......“ پروفیسر عادل اس روز آئے تو انہوں نے بتایا۔

”آپ کو کہیں نہیں جانا اور ابھی تو آپ نے کامل سے بھی ملنا ہے...... اور ماں جی سے بھی معافی مانگنی

ہے۔" پروفیسر عادل نے خوش دلی سے کہا۔

"ہاں...... کامل......" ان کا دل اپنے اس ان دیکھے بیٹے کے لیے مچل اٹھا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ [illegible] نے کبھی ان سے کامل کا ذکر نہیں کیا تھا...... شاید بابا جان نے منع کر دیا ہو۔

"تم کب جاؤ گے عادل اسے لینے؟" انہوں نے بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھا۔

پروفیسر عادل نے انہیں کامل کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔

"آپ کہیں تو کل ہی چلا جاؤں؟"

"نہیں...... نہیں عادل، تم مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ جانا۔ ایسا کرو تم خدا بخش کو بھیج دو۔ تم نے بتایا تھا ناکہ خدا بخش تمہارے پاس ہے...... اور ہو سکے تو اپنی ماں کو بھی لے آنا۔ میں اس سے معافی مانگ لوں تو شاید دل کو سکون مل جائے۔ تمہاری ماں مجھے معاف تو کر دے گی نا عادل! میں نے اسے بہت دکھ دیے ہیں۔"

اور اس رات انہوں نے بہت دیر تک حویلی میں بات کی۔ ماں جی خاموش، ایک لفظ کہے بغیر ان کی بات سنتی رہیں اور پھر بغیر کچھ کہے ریسیور رکھ دیا۔

"بی آپا!" تب انہوں نے بی آپا کی مدد چاہی۔

ڈاکٹر رافع کی تسلی کے باوجود پتا نہیں کیوں ان کا دل جیسے ڈوبا جا رہا تھا۔

"بی آپا!" ان سے بات کرتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی "آپ ماں جی سے ابو کی سفارش کر دیں۔"

اور پھر رات بارہ بجے کے بعد بی آپا نے انہیں خوشخبری سنائی تھی کہ وہ ماں جی، کامل اور چاچا عبدالرحمٰن کل صبح لاہور کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔

تب بے حد پرسکون ہو کر انہوں نے تکیے پر سر رکھا تھا جیسے عثمان احمد کے سامنے وہ سرخرو ہو گئے ہوں لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ فون کی بیل سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ بے اختیار ان کی نظریں وال کلاک کی طرف اٹھیں تین بج رہے تھے اور فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ سوئی سوئی کیفیت میں انہوں نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے شہریار کی آواز سن کر وہ یکدم الرٹ ہو گئے۔

"سر!" شہریار کی آواز بھرائی ہوئی تھی "عثمان صاحب کو اچانک اٹیک ہوا ہے۔"

آج صبح ہی تو انہوں نے شہریار کو یہ بتاتے ہوئے کہ عثمان احمد ان کے والد ہیں تاکید کی تھی کہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں انہیں فوراً مطلع کیا جائے۔ شہریار کی باقی بات سنے بغیر انہوں نے ریسیور نیچے پھینکا اور بجلی کی سی تیزی سے گاؤن اتارا اور باہر کی طرف بھاگے۔

"مسرور، خدا بخش......!" انہوں نے عجیب سی ٹوٹی ہوئی آواز میں انہیں پکارا "میں اسپتال جا رہا ہوں۔"

مسرور جوان کی آواز سن کر فوراً ہی کمرے سے باہر آیا تھا بغیر کوئی سوال و جواب کیے ان کے پیچھے لپکا۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے پورچ کی طرف بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے...... یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ مسرور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔ وہ تو آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی باہر نکال لے گئے تھے۔ چوکیدار متعجب سا گیٹ کھولے خدا بخش کی طرف دیکھ رہا تھا جو خود بھی حیران سا کھڑا تھا کہ اچانک کیا ہوا؟ کون بیمار ہے؟ شاید کامل۔ فون کی بیل تو اس نے بھی سنی تھی اور اتنی رات گئے فون کی بیل سن کر اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کا اشارہ کیا اور وہیں پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر سب کی خیریت کی دعائیں کرنے لگا۔

"یہ...... یہ کیا ہو گیا تھا؟"

"شہریار کی آواز میں اتنے آنسو کیوں تھے؟"

"ابھی تو انہوں نے عثمان احمد سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔"

کوئی گلے، کوئی شکوے نہیں کیے تھے۔ صرف ان کی باتیں سنی تھیں ان کے زخم دیکھے تھے۔ اپنے سینے کے زخم تو انہیں دکھائے ہی نہیں تھے۔ ابھی تو انہیں بہت کچھ کہنا تھا، بہت کچھ بتانا تھا۔ خدا نے اتنے برسوں بعد انہیں ملایا تھا تو اتنی مہلت کیوں نہیں دی تھی کہ وہ ساری باتیں جو وہ سوچتے تھے، وہ عدم تحفظ جو بابا جان کے ہوتے ہوئے بھی کبھی کبھی شدت سے انہیں محسوس ہوتا تھا، وہ سب انہیں بتا سکیں۔

اسپتال میں سب ہی اکٹھے تھے۔ ڈاکٹر ہادی، ڈاکٹر عبدالمعید، عاشی، نینا، مورا اور شہریار۔

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اندر آئے تھے شہریار انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف لپکا۔

"آئیے سر، پلیز! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ابھی چند لمحے پہلے ہم انہیں آئی سی یو سے لائے ہیں۔ ہارٹ اٹیک تھا۔ ایک دم ہی ہارٹ نے کام کرنا بند کر دیا تھا۔ دل کی مالش وغیرہ کی گئی۔ ابھی کچھ بہتر ہیں، آکسیجن کچھ دیر پہلے ہی ہٹائی ہے۔ اب ہارٹ صحیح کام کر رہا ہے۔ ڈاکٹر رافع بھی ابھی پہنچنے والے ہیں۔ انہیں کال کر دیا ہے۔ صحیح کیفیت تو وہی بتا سکتے ہیں۔"

وہ شہریار کی بات سنتے ہوئے بے تابی سے کمرے میں داخل ہوئے۔ عثمان احمد کی نظریں دروازے کی طرف ہی لگی تھیں اور ان کے بیڈ کے بالکل پاس ان کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیے مریم کھڑی تھی۔

اسے دیکھتے ہی عثمان احمد کے مضطرب چہرے پر سکون سا اتر آیا...... ان کے لب ہولے سے ہلے مگر آواز نہیں نکلی۔

مریم نے جھک کر پوچھا "پاپا آپ نے کیا کہا؟"

انہوں نے مریم کے پیچھے دیکھا اور آہستہ سے کہا "عادل!"

عادل تیزی سے ان کے سامنے جھکا۔

"ابو!"

"وہ......وہ نہیں آئے' کامل اور تمہاری ماں......؟" انہوں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ صبح چلیں گے لیکن میں ابھی مسرور سے کہتا ہوں کہ فون کر کے انہیں کہے کہ وہ ابھی چل پڑیں۔" پروفیسر عادل نے ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر تسلی دی۔

"ہاں' وقت بہت کم ہے۔ تمہاری ماں سے معافی مانگ لیتا......کامل کو دیکھ لیتا...... اور عبدالرحمٰن سے مل لیتا۔"

بڑی حسرت تھی ان کے لہجے میں۔ پروفیسر عادل تڑپ اٹھے۔

"آپ ملیں گے سب سے انشاء اللہ۔"

"پتا نہیں......تم اپنی ماں سے مجھے معافی دلوا دینا' میں اس کے حقوق ادا نہیں کر سکا۔"

"وہ کچھ دیر بعد آجائیں گی تو آپ خود ہی ان سے معافی مانگ لینا......یہ تو آپ دونوں کا معاملہ ہے نا......" انہوں نے لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی لیکن آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں اور لہجہ بھیگ گیا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے عثمان احمد نے مریم کی طرف دیکھا۔

"یہ مومو ہے۔"

پروفیسر عادل نے جو ان کے بیڈ کے پاس ہی دوزانو بیٹھے ہوئے تھے سر اٹھا کر ساتھ کھڑی مریم کی طرف دیکھا تو بے ساختہ ان کے لبوں سے نکلا۔

"یہ......یہ مریم ہے؟"

یہ تو وہی تھی......وہی۔ ان کے دل میں لمحہ بھر کے لیے گھنٹیاں سی بجنے لگیں ایک آشنا' مانوس سی خوشبو پورے وجود میں پھیل گئی......ان کا دل چاہا' وہ عثمان احمد کا ہاتھ پکڑ کر کہیں۔

"جو خیال اس روز آپ کے ذہن میں آیا تھا۔ مجھے دل و جان سے قبول ہے۔"

لیکن انہوں نے سر نیچے کر لیا۔

"یہ عادل ہے مومو! جاؤ......عاشی' نینا اور مور کو بلا لو۔ یہ تینوں کہاں چلے گئے ہیں......یہاں میرے پاس رہیں۔ وہ سب......"

مریم کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں لیکن عادل کے آنے سے اسے بڑی تقویت سی محسوس ہوئی۔

"یہ عادل ہے' ہمارا بھائی اتنا مضبوط توانا۔"

اسے لگا جیسے عادل اس کے بہت سارے بوجھ بانٹ لے گا اور جیسے وہ پاپا کو بھی بچا لے گا۔

پاپا نے ان دو دنوں میں عادل کا اتنا ذکر کیا تھا کہ اسے وہ بالکل اجنبی نہیں لگا۔ پاپا سے بہت ملتا جلتا'

بالکل پاپا کی طرح مہربان اور شفیق۔

وہ ایک نظر ان کے جھکے ہوئے سر پر ڈالتی عاشی' نینا اور مور کو بلانے باہر چلی گئی۔

عادل نے اٹھ کر ایک ساتھ تینوں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ وہ تینوں کس قدر سہمے سہمے لگ رہے تھے۔

عثمان احمد کی آنکھوں میں سکون سا اتر آیا۔

"ان کا دھیان رکھنا عادل! اور......" انہوں نے پاس کھڑی مریم کی طرف دیکھا "اور مریم کا بھی......"

انہوں نے مریم کا ہاتھ پکڑا اور عادل کی طرف دیکھا۔

عادل تیزی سے آگے بڑھا۔ مریم کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور پیشانی پر شدت کرب سے لکیریں سی کھنچ گئی تھیں۔ انہوں نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے مگر آواز حلق میں ہی کہیں اٹک گئی......اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

"پاپا......پاپا!" مریم اور عاشی کے لبوں سے ایک ساتھ چیخ نکلی تھی۔

لمحوں میں ہی انہیں پھر آئی سی یو میں پہنچا دیا گیا۔ اب کے بہت شدید اٹیک ہوا تھا۔ ڈاکٹرز کی ہر کوشش بیکار جا رہی تھی۔ تمام سسٹمز نے یکدم کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ صرف دل کی معمولی سی دھڑکن باقی تھی۔ ڈاکٹر شہریار نے پروفیسر عادل سے مشورہ کر کے وینٹی لیٹر لگا دیا تھا۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید ماں جی اور کامل کے آنے تک......مگر......عثمان احمد نے پھر آنکھیں نہیں کھولیں۔ ماں جی' کامل' بی آپا اور عبدالرحمٰن چاچا کے آنے کے بعد بھی نہیں۔ پروفیسر عادل نے کتنی ہی دیر تک ان کے سرہانے کھڑے ہو کر ہولے ہولے انہیں آوازیں دی تھیں۔

بتایا تھا کہ ماں جی اور کامل آگئے ہیں مگر ان کی پلکوں میں جنبش تک نہ ہوئی اور کوئی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچی۔

مصنوعی ذریعوں سے چلنے والا سانس بھی شام تک دم توڑ گیا......اور یوں زندگی کا ایک باب ختم ہو گیا۔ ایک کہانی انجام کو پہنچ گئی۔

وہ جو کبھی کبھی سوچا کرتے تھے کہ اگر کبھی عثمان احمد ان سے ملے تو وہ ان سے ماں جی کی تنہائیوں' کامل کی بے بسی اور اپنی ذات کی وہ کمی جو انہیں اپنے اندر محسوس ہوتی تھی اس کا حساب ضرور لیں گے۔ وہ عثمان احمد کی موت پر ماں جی کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بلک بلک کر روئے۔ چاچا عبدالرحمٰن کے گلے لگ گئے اور بے تحاشا روتے ہوئے انہوں نے کتنے ہی شکوے کر ڈالے تھے۔

"بابا جان نے انہیں گھر آنے سے منع کر دیا تھا مگر آپ نے بھی تو یہ بند دروازے نہ کھولے۔ بابا جان کے بعد بھی انہیں نہ بلایا؟ کیوں کیا چاچا آپ نے ایسا؟"

"بس پتر......" چاچا عبدالرحمٰن کے پاس بھی کہنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ کبھی خیال ہی نہ آیا کہ بابا جان

نہیں رہے تو بچھڑے بھائی کو جا کر گلے لگالیں اور حویلی کے دروازے ان کے لیے کھول دیں۔

آج حویلی کے دروازے ان کے لیے کھل گئے تھے۔

ماں جی نے اسپتال کے برآمدے میں کھڑے کھڑے چوڑیاں اتار کر بی آپا کو دے دی تھیں۔

عثمان احمد تو ان سے بہت پہلے بچھڑ گئے تھے لیکن بیوہ وہ آج ہوئی تھیں۔

عادل خالی خالی نظروں سے انہیں چوڑیاں اتارتے دیکھتے رہے تھے۔ یہ چوڑیاں بچپن سے وہ ان کے بازوؤں میں دیکھ رہے تھے۔

اور پھر بڑے گمبھیر لہجے میں انہوں عادل سے کہا تھا۔

''اپنے باپ کی میت حویلی لے چلو اور مانی کو اطلاع کر دو کہ اس کے تایا کی میت لے کر آ رہے ہیں۔''

انہوں نے مریم اور پھر عاشی کی طرف دیکھا تھا کہ شاید وہ کچھ اعتراض کریں لیکن انہیں تو کچھ ہوش نہ تھا۔ ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے وہ اردگرد سے بے نیاز روئے چلی جا رہی تھیں اور جسے اعتراض ہوسکتا تھا...... وہ اس وقت موجود نہ تھی۔ مریم نے دو دن قبل ہی تو انہیں عثمان احمد کے کہنے پر بتایا تھا کہ پاپا اب بہت بہتر ہیں...... اور جواب میں انہوں نے بتایا تھا کہ شوٹنگ ختم ہو چکی ہے اور کچھ لوگ اپنے طور پر تفریح کے لیے جا رہے ہیں، پندرہ سولہ دن تک واپسی ہوگی۔

''ممی!!! پاپا ابھی اسپتال میں ہی ہیں۔''

''ڈاکٹر ہیں نا وہاں؟''

انہوں نے اسے دلاسے دے کر فون بند کر دیا تھا اور اب وہ ٹریس نہیں ہو پا رہی تھیں پتا نہیں کہاں تھیں وہ؟ شریف نے فون کر کے جیسے ہی میڈم نرگس کو عثمان احمد کی وفات کا بتایا تھا' تب سے ہی وہ فون کے پاس بیٹھی تھیں لیکن زینب احمد کا کہیں پتا نہیں چل سکا تھا۔ اس کی فلم یونٹ کے لوگوں سے رابطہ تو ہو گیا تھا لیکن وہاں سے یہی بتایا گیا تھا کہ شوٹنگ ختم ہونے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے طور پر تفریح کے لیے نکل گئے ہیں سو زینب عثمان کو اطلاع نہ ہو سکی...... اور عثمان کی ڈیڈ باڈی پروفیسر عادل حویلی لے آئے تھے۔

حویلی میں ایک کہرام مچا تھا۔ سارا نور پور جیسے حویلی میں امڈ آیا تھا۔ اگرچہ عثمان احمد برسوں پہلے حویلی سے چلے گئے تھے لیکن لوگ یوں بلک بلک کر رو رہے تھے جیسے وہ کبھی یہاں سے گئے ہی نہیں تھے۔

تین چار دن تک تو عادل کو اِدھر اُدھر دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ اردگرد کے علاقوں سے لوگ مسلسل تعزیت کے لیے آ رہے تھے۔ خود ان کے دوست احباب' کولیگ' اسٹوڈنٹ بھی لاہور سے جوں جوں سنتے' ان کے پاس آ رہے تھے۔ مسرور سے معلوم ہونے کے بعد ان کے کئی کولیگ تو جنازے پر بھی پہنچ گئے تھے۔ اتنی شدید مصروفیت اور غم کا بوجھ! پھر بھی اندر باہر آتے جاتے وہ عاشی' نینا کے پاس ضرور رکتے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر انہیں دلاسا دیتے۔ تیمور کو ساتھ ساتھ لگائے پھرتے وہ انہیں اپنی ذمے داری سمجھ

رہے تھے' عثمان احمد نے کتنی بار انہیں سب کا دھیان رکھنے کو کہا تھا۔ کئی بار ان کا جی چاہا کہ وہ ان کے پاس آ کر بیٹھیں' ان سے عثمان احمد کی باتیں پوچھیں۔ انہیں حوصلہ دلائیں لیکن جب بھی وہ اس ارادے سے اٹھے کوئی نہ کوئی آ گیا۔

آج پانچویں دن بی آپا نے انہیں بلایا تھا۔

''عادل میاں جس طرح اچانک سب کو یہاں آنا پڑا تم جانتے ہو...... بچوں کے پاس کپڑے وغیرہ نہیں ہیں۔ تم اگر عاشی اور مریم کے ساتھ آج لاہور جا کر ان کا ضروری سامان لے آؤ تو......''

''ہاں واقعی!'' انہوں نے سوچا

''ان کی والدہ جب تک واپس نہیں آتیں' ظاہر ہے وہ یہیں رہیں گے۔ کم از کم چالیسویں تک تو...... اگر ان کی والدہ آ بھی گئیں تب بھی......'' بی آپا جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی تھیں۔

''پتا نہیں۔'' انہوں نے تو ابھی تک اس کے متعلق کچھ نہیں سوچا تھا اور معلوم نہیں وہ خاتون کس مزاج کی ہیں...... عثمان احمد کی باتوں سے تو انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ صرف اپنی ذات سے محبت کرنے والی خودغرض عورت ہے۔

خیر یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں۔ انہوں نے سوچا اور بی آپا سے عاشی اور مریم کو تیار ہونے کا کہہ کر وہ اپنے جانے کا ماں جی کو بتانے چلے گئے...... اور اب اس وقت وہ ''زینب ولا'' میں موجود تھے۔

عاشی اور مریم کو دیکھتے ہی سب ملازم اکٹھے ہو گئے تھے۔ مریم اور عاشی تو اس طرح چیخ چیخ کر روئیں کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

جیناں' صفو' شریف' چوکیدار' مالی سب ہی آنسو بہا رہے تھے۔

''پاپا...... پاپا......!''

مریم نے ان کی اسٹڈی کے دروازے پر سر ٹکراتے ہوئے اس طرح انہیں پکارا جیسے وہ اندر ہوں اور ابھی اس کی آواز سن کر باہر آ جائیں گے۔

''مریم! پلیز حوصلہ کریں۔'' عاشی کے گرد بازو لپیٹے اس کے سر کو چومتے ہوئے انہوں نے مریم کو دیکھا۔

''آپ بڑی ہیں آپ نے تو ان سب کو سنبھالنا ہے۔ آپ ہی حوصلہ ہار گئیں تو ان کا کیا بنے گا۔ انہیں کون دلاسا دے گا؟'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

''آپ کو کیا پتا......؟'' مریم نے روتے روتے سر اٹھایا ''پاپا نہیں رہے تو کیسا لگ رہا ہے' ہمیں جیسے ہم بالکل اکیلے ہو گئے ہیں' بالکل تنہا...... یہ گھر پاپا کے بغیر...... کیسے رہیں گے ہم یہاں...... پاپا...... پاپا...... آپ کیوں چھوڑ گئے ہمیں۔''

وہ پھر رونے لگی۔ پروفیسر عادل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اسے دلاسا دیں' کس طرح اس کا دکھ بانٹ لیں۔ خود ان کا دکھ بھی تو بہت بڑا تھا۔

لیکن اس وقت جس طرح وہ ایک ایک چیز سے لپٹ کر رو رہی تھی' انہیں اس کا دکھ اپنے سے بہت بڑا لگ رہا تھا۔ وہ جس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا عثمان احمد سے لیکن شاید وہ اس حقیقت سے بے خبر تھی۔ عثمان احمد نے بتایا تھا کہ انہوں نے کبھی مریم کو نہیں بتایا کہ وہ اس کے باپ نہیں ہیں۔ ہاں اب سوچ رہا ہوں اسے پتا ہونا چاہیے کہ......

"یہ پاپا کی اسٹڈی ہے۔" روتے روتے اس نے پھر عادل کی طرف دیکھا۔ عاشی ابھی تک ان کے ساتھ لگی کھڑی ہولے ہولے سسک رہی تھی۔ پھر اس نے اسٹڈی کا دروازہ کھول دیا۔

پروفیسر عادل اس کے پیچھے ہی عاشی کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ سامنے ہی عثمان احمد کی بڑی سی تصویر تھی اور چاروں طرف شیلفوں میں کتابیں لگی تھیں۔

"پاپا...... پاپا' کہاں چھپ گئے آپ......؟" ان کی مخصوص آرام کرسی کے ہتھے پر سر رکھے وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ پروفیسر عادل نے بڑی دیر بعد آگے بڑھ کر ہولے سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"ایسے کب تک گزارا ہوگا۔ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔ میں پھر بہت جلد آپ سب کو لے کر یہاں آؤں گا۔ آپ یہاں رہنا' جتنے دن بھی چاہے۔ پاپا کی ایک ایک چیز سے ملنا۔" ان کی اپنی آواز بھرا گئی تھی۔

مریم نے آہستگی سے آنسو پونچھے اور عاشی کو ساتھ لے کر اسٹڈی سے باہر چلی گئی۔

اور پھر جب تک وہ چیزیں سمیٹتیں وہ ادھر اُدھر پورے گھر میں گھومتے ہوئے عثمان احمد کی خوشبو محسوس کرتے رہے۔ شریف نے غالباً سب کو بتا دیا تھا کہ وہ عادل خان ہیں' عثمان احمد کے بیٹے۔

ان کی پہلی بیوی سے۔

سو سب ملازمین نے ان سے باری باری آ کر افسوس کیا تھا۔

اور شریف نے یہ سن کر کہ انہیں ابھی واپس جانا ہے' فوراً کھانا لگا دیا تھا۔

اور اب عاشی اور مریم کے انتظار میں وہ ڈائننگ ہال میں ادھر اُدھر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ بعض باتیں کتنی اچانک اور غیر متوقع ہوتی ہیں کہ برسوں یقین نہیں آتا کہ ایسا ہوا تھا۔

عثمان احمد کا ملنا' ڈھیروں باتیں اور پھر یوں اس طرح بچھڑ جانا۔

اگر انہیں چلے ہی جانا تھا تو پھر ملے کیوں تھے؟

اتنے برسوں کی تشنگی کیا بجھتی اور بڑھ گئی تھی۔

عاشی نے اندر جھانکا تو وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔

"بہت دیر ہو جائے گی گڑیا' مریم سے کہو آئے۔ شریف نے کھانا لگا دیا ہے۔"

"بھوک نہیں ہے ہمیں۔"

بھوک تو انہیں بھی نہیں تھی لیکن صبح وہ تینوں ہی صرف ایک ایک کپ چائے کا پی کر نکلے تھے اور اب شام کے پانچ بج رہے تھے۔ پھر چار پانچ گھنٹے کا سفر کرنا تھا۔

"نہیں گڑیا' اس طرح بھوکا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آؤ دو چار نوالے لے لو۔" وہ ان کے خیال سے ٹیبل پر بیٹھے تھے۔

مریم سر جھکائے عاشی کے ساتھ ہی اندر آئی۔ تینوں نے ہی شاید ایک دوسرے کے خیال سے کھانا شروع کیا لیکن دو تین نوالے لیتے ہی مریم ایک دم ٹیبل پر سر رکھ کر رونے لگی۔

"پاپا یہاں اس جگہ بیٹھا کرتے تھے۔" اس نے روتے روتے سر اٹھا کر عادل کی طرف دیکھا "جب میں بہت چھوٹی ہوتی تھی تو کبھی کبھی کھاتے ہوئے بہت ضد کرتی تھی تو وہ مجھے گود میں بٹھا لیتے اور اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر کھلایا کرتے تھے اور ماما کبھی کبھی بہت چڑتی تھیں کہ میں شاید اسی لیے ضد کرتی ہوں۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولتی چلی گئی۔

عاشی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ پھر کسی سے کچھ بھی نہ کھایا گیا اور پروفیسر عادل جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ دونوں بھی آہستہ آہستہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی اور آنسو پونچھتی ہوئی ان کے ساتھ چل پڑیں۔ شریف ان کا سامان اٹھائے ان کے پیچھے تھا۔

❀❀❀

"زندگی میں بعض اوقات کیسی اچانک تبدیلیاں آتی ہیں کہ لمحوں میں سب کچھ بدل جاتا ہے۔ یوں اچانک کہ یقین ہی نہیں آتا۔" مریم نے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے سوچا۔

ابھی چند لمحے پہلے ہی وہ بی آپا کے پاس سے آئی تھی اور بی آپا نے کہا تھا کہ شام کو وہ تیار رہے' چاچا عبدالرحمٰن کی طرف چلیں گے۔ حریم تمہیں یاد کر رہی تھی اور تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ بی آپا کتنے جتن کرتی تھیں کہ وہ اداس نہ ہو' روئے نہیں لیکن آنسو خود بخود ہی آنکھوں میں چلے آتے تھے۔ پاپا کو اس دنیا سے گئے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا لیکن اسے لگتا تھا جیسے ابھی ابھی یہ سانحہ ہوا ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی کل تو وہ زندہ تھے۔ ہاسپٹل میں اپنے بیڈ پر بیٹھے اس سے باتیں کر رہے تھے۔ کتنی چمک تھی ان کی آنکھوں میں۔ کتنی زندگی اور وہ کتنے خوش دکھائی دیتے تھے۔ اتنا خوش' اتنا مطمئن تو اس نے انہیں زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ خوش ہوتے تھے تب بھی ان کے چہرے پر چھائے ملال کے رنگ مدھم نہیں پڑتے تھے۔ کسی اندرونی درد کی جھلک ہمیشہ ان کے چہرے پر موجود رہتی تھی۔ شاید اپنوں سے

دور ہو جانے کا' بچھڑ جانے کا دکھ اندر ہی اندر انہیں کھائے جا رہا تھا اور پاپا کو اتنا خوش دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ اب شاید پاپا کو کچھ نہ ہو' وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کتنی ہی دیر تک وہ اس سے باتیں کرتے رہے تھے۔ اپنے شوق' اپنی دلچسپیاں' بچپن کی باتیں وہ سب بہت اشتیاق سے سنتی رہی تھی اور پھر صبح ہوتے ہی پاپا نے اسے گھر بھیج دیا تھا "رات بھر جاگی ہو' گھر جا کر باتھ لو اور سو جاؤ اور جب واپس آؤ تو میری اسٹڈی سے براؤن کلر کی فائل لے آنا اور جب تم واپس آؤ گی تو میں تمہیں اپنی زندگی کی ایک بڑی خوشی میں شریک کروں گا۔" اور وہ راستے بھر پاپا کی اس خوشی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

"شاید ماما واپس آ رہی ہیں اور پاپا اسے سرپرائز دیں گے۔"

اور گھر آ کر باتھ لینے کے بعد وہ سچ مچ سو گئی تھی حالانکہ اس کا خیال تھا کہ بس ذرا سی دیر لیٹے گی اور اٹھ جائے گی لیکن وہ رات بھر جاگتی رہی تھی حالانکہ پاپا سو گئے تھے پھر بھی اسے نیند نہیں آئی تھی۔ شہریار نے دو بار کمرے کا چکر لگایا تھا اور اسے سونے کی تاکید کی تھی اور پرامس لیا تھا کہ وہ بھی سو جائے گی لیکن اسے نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔ خوامخواہ ہی انکل مجتبیٰ اور ان کے ساتھ آنے والے اجنبی پر اسے غصہ آ رہا تھا۔ اتنی دیر پاپا سے باتیں کرتے رہے اور انہیں تھکا ڈالا اور ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ کم از کم مجتبیٰ انکل کو تو سوچنا چاہیے تھا کہ وہ اتنے بیمار ہیں اور انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پاپا صبح بالکل فریش تھے اور انہیں اخبار پڑھتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی اور پھر بہت دیر تک سوتی رہی تھی۔ صفو' جیناں کسی نے اسے اٹھایا ہی نہیں تھا۔ وہ سب سے الجھتی ہوئی اٹھتے ہی ہاسپٹل بھاگی تھی اور جب وہ پاپا کے پاس آئی تو ان کے چہرے پر اتنے رنگ تھے اور اتنی رونق تھی جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ فائل ان کے پاس رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"پاپا لگتا ہے' آپ کو کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔"

"ہاں' خزانہ ہی تو مل گیا ہے' مومو۔ میں بہت خوش ہوں۔ بہت بے حد۔ یوں لگتا ہے جیسے ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔ بہت برسوں سے جو بوجھ دل پر دھرا تھا' وہ اتر گیا ہے۔" عثمان احمد نے اپنے پاس ہی بیڈ پر بٹھا لیا تھا "مومو آج...... آج بہت برسوں بعد میں اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے سے ملا ہوں۔"

اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"مومو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کی آواز شدت جذبات سے کانپ رہی تھی پھر بہت دیر تک اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ اسے بابا جان' چاچا عبدالرحمٰن اور عادل کے متعلق بتاتے رہے اور وہ خاموشی سے پوری توجہ اور دھیان سے ان کی ایک ایک بات سنتی رہی۔

"وہ...... میرا مطلب ہے' عادل بھائی آپ سے خفا تو بہت ہوں گے۔"

"پتا نہیں' ہو گا تو ضرور مگر اس نے اظہار نہیں کیا۔ وہ بہت مدبر' بہت سمجھ دار اور خلیق ہے۔" مجتبیٰ نے ہمیشہ ہی اس کی بہت تعریف کی اور میرا کتنا جی چاہتا تھا اسے دیکھنے کو' اس سے ملنے کو۔"

"تو وہ شخص جو مجتبیٰ انکل کے ساتھ تھا' وہ عادل تھا۔ تب ہی تو وہ اسے کچھ شناسا لگا تھا۔ شاید پاپا کی شخصیت کی کوئی جھلک اس میں تھی۔ پتا نہیں بائے نیچر بھی وہ پاپا جیسا ہے یا۔"

"پاپا۔" اس نے سر اٹھا کر عثمان احمد کی طرف دیکھا۔ ان کی خوشی جیسے اس کے دل میں اتر آئی تھی "آپ کو بہت مبارک ہو۔"

"تم...... تمہیں بھی خوشی ہوئی بیٹا۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی بہت لیکن پاپا...... وہ ہم سے نفرت تو نہیں کریں گے۔"

"نہیں۔" انہوں نے بڑے یقین اور مان سے کہا "وہ بہت چاہنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ پتا ہے اس نے مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا' کوئی گلہ نہیں کیا' کوئی حساب نہیں مانگا' کسی زیادتی کا۔"

"پاپا' جب آپ اچھے ہو جائیں گے تو پھر ہم آپ کے گاؤں جائیں گے اور سب سے ملیں گے۔"

"ہاں ضرور' عادل ہے نا تو اب مجھے کوئی ڈر نہیں ہے۔ وہ میری سفارش کرے گا تو سب مان جائیں گے۔ میں نے سب کا بہت دل دکھایا ہے پھر تم سب سے ملنا' اپنے چچا سے اور اپنی دادی ماں سے وہ ...... وہ بہت اچھی ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔"

اور اس روز اس کے منع کرنے کے باوجود وہ رات گئے تک باتیں کرتے رہے تھے۔ اپنے بچپن کی' چاچا عبدالرحمٰن کی اور اپنی ماں جی اور بابا جان کی۔ عبدالرحمٰن بچپن سے ہی سخت مزاج تھا۔ پڑھائی سے بھی دلچسپی نہ تھی۔ بہت جلدی غصے میں آ جاتا تھا۔ بابا جان کو ہمیشہ عبدالرحمٰن سے خوف آتا تھا کہ کہیں وہ غصے میں کچھ کر نہ دے لیکن بابا مجھ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ بہت محبت تھی انہیں مجھ سے۔ بہت ناراض اور خفا تھے وہ مجھ سے۔ کتنا چاہا تھا میں نے کہ وہ میری اس غلطی کو معاف کر دیں لیکن وہ میری بات ہی نہیں سنتے تھے۔

اس نے انہیں زبردستی سونے کے لیے لٹایا تھا۔

"بس پاپا' باقی باتیں کل کر لیں گے۔ اب میں آپ کی ایک بات بھی نہیں سنوں گی۔"

اور اس رات وہ کتنی پرسکون ہو کر سوئی تھی۔ بہت پرامید کہ اب پاپا جلدی ٹھیک ہو جائیں گے لیکن جب اس نے کھڑکیوں کے پردے ہٹائے تو پاپا کا چہرہ اسے بہت زرد لگا۔ یوں جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔

"پاپا' آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" اس نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہاں' ٹھیک تو ہوں لیکن پتا نہیں کیوں دل کچھ بجھا بجھا سا ہے۔"

"دراصل جب کوئی بہت خوش ہوتا ہے تو کبھی کبھی دل ایسے ہی بجھ جاتا ہے۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"آپ بھی تو بہت خوش تھے نا رات۔"

دھوپ' بارش اور سائے

''شاید۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''آپ بہت دیر سے جاگ رہے ہیں کیا۔ میں آپ کے لیے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔''

''نہیں ابھی...... ابھی آنکھ کھلی ہے۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی اور دودھ نہیں پیوں گا ابھی۔ مریم بیٹا' مجھے تیمور' نینا اور عاشی بہت یاد آ رہے ہیں۔ میں نے شاید خواب میں تیمور کو دیکھا ہے تم اسلم کو بھیج کر انہیں [illegible] ہی بلوا لو۔''

''ٹھیک ہے پپا' میں ابھی اسلم چاچا کو کہہ دیتی ہوں۔ وہ لے آتے ہیں انہیں۔ آنٹی نرگس سے کہوں گی' وہ ان کی پرنسپل کو فون بھی کر دیتی ہیں۔''

''دیکھو اسلم کو سمجھا دینا' وہاں انہیں میری بیماری کا نہ بتائے۔ عاشی بہت نازک دل ہے۔ گھر آ جائیں' کھانا وانا کھا لیں تو تحمل سے بتانا۔''

اس روز اس کا گھر جانے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا لیکن عاشی' نینا اور تیمور کی وجہ سے اسے جانا پڑا۔ پاپا کی خواہش تھی کہ جب وہ آئیں تو وہ گھر پر ہو۔

''اور تم میری فکر نہ کرو۔'' پاپا نے اسے تسلی دی ''میں بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں اور ابھی عادل آ جائے گا۔''

اسے عادل کو دیکھنے کا بھی اشتیاق ہو رہا تھا۔ اس نے انکل مجتبیٰ کے ساتھ آنے والے اجنبی کو سرسری نظر سے دیکھا تھا اور اب...... اب وہ ایک رشتے کے حوالے سے اسے دیکھے گی۔ سوتیلا ہی سہی تھا تو اس کا بھائی ہی نا۔ پاپا کا بیٹا اور پاپا کتنے خوش تھے۔ اس سے مل کر لیکن جب وہ نینا' عاشی اور مور کے ساتھ اسپتال آئی تو عادل جا چکے تھے۔ عثمان احمد ان تینوں سے مل کر بہت مضمحل ہو گئے تھے۔ تیمور کو بہت دیر تک اپنے سینے سے لگائے وہ آنکھیں بند کیے رہے۔

''پاپا۔'' اس نے آہستہ سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا اور تیمور کو اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

''رہنے دو مومو۔ باپ کے سینے کی گرمی شاید یہ پھر کبھی محسوس نہ کر سکے۔''

''پاپا۔'' وہ روہانسی ہو گئی ''ایسی باتیں نہیں کریں پلیز اور ابھی تو آپ نے ہمارے ساتھ حویلی جانا ہے۔ ہم سب کو لے کر۔''

''موموِ۔'' عثمان احمد نے نظریں اٹھائیں۔

''جی پاپا۔'' وہ ان کی طرف جھکی۔

''بیٹا' تیمور ابھی بہت چھوٹا ہے۔'' ایک ہاتھ تیمور کے گرد حمائل کیے کیے انہوں نے مریم سے کہا ''تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے۔ سب کا دھیان رکھنا ہے تمہیں۔ عادل کے آنے سے مجھے اطمینان تو ہو گیا ہے کہ اگر کبھی زندگی میں یہ تینوں اکیلے رہ گئے تو عادل انہیں سمیٹ لے گا۔ پھر بھی مجھ سے وعدہ کرو بیٹا کہ تم ان کا بہت دھیان رکھو گی۔ بہت محبت اور پیار سے رہنا۔ تمہاری ماما کی اپنی دلچسپی اور اپنے شوق ہیں۔''

انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''پاپا۔'' مریم نے اپنے دونوں ہاتھ تیمور کے گرد رکھے ہوئے ان کے ہاتھ پر رکھ دیے ''آئی پرومس میں ان کا دھیان رکھوں گی۔ اپنی زندگی سے بڑھ کر انہیں چاہوں گی بلکہ چاہتی ہوں۔'' اس کی آواز [illegible] ''آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں گے ہمیشہ۔ ہم سب کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔''

عثمان احمد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔

''مریم بیٹا' مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔ پتا نہیں آج سے پہلے تم سے یہ بات نہ کر کے میں نے کوئی زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ یا...... لیکن ہر بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور......

تب ہی ڈاکٹر رافع آ گئے تھے اور وہ بات مکمل نہ کر سکے تھے اور چپکے چپکے جانے وہ ڈاکٹر رافع سے کیا کہتے رہے اور پھر اچانک ہی ڈاکٹر رافع سے بات کرتے کرتے ہی ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور پتا نہیں وہ کیا بات تھی جو پاپا کرنا چاہتے تھے۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھی لیکن کوئی اندازہ نہ کر پاتی تھی۔

پاپا کو اسی وقت آئی سی یو میں لے جایا گیا تھا اور پھر تقریباً چار گھنٹے بعد انہیں اپنے کمرے میں لایا گیا تھا۔ وہ ہوش میں تھے اور انہوں نے عادل کو بلوانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ شہریار فوراً ہی عادل کو فون کرنے چلے گئے تھے اور وہ ان کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر ان کے بیڈ کے پاس دوزانو بیٹھ گئی تھی۔ عاشی' نینا اور تیمور تینوں ہی اس کے پاس کھڑے تھے اور عاشی بار بار گلہ کر رہی تھی کہ پاپا اتنے بیمار تھے اور اس نے انہیں پہلے کیوں نہیں بلوایا۔

اور پھر عادل آ گئے تھے۔ بہت پریشان سے اور عادل کے آنے کے کچھ دیر بعد ہی پاپا کو پھر آئی۔سی۔یو میں لے جانا پڑ گیا اور پھر وہ رات کتنی طویل تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس رات کی سحر کبھی نہیں ہو گی۔ دعائیں مانگتے مانگتے اس کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ پتا نہیں کیوں' دل کے اندر یہ خوف سا بیٹھ گیا تھا کہ اب اس لمحے کے بعد وہ پاپا کو زندہ نہیں دیکھ پائے گی اور پھر جب وہ سب آئے' جن کا پاپا کو انتظار تھا اور جن سے ملنے کا اسے اشتیاق تھا تو ان سے اپنے رشتے کا علم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ بی آپا اور بڑی امی کے گلے لگ کر بہت روئی تھی۔ بی آپا نے اسے تسلی دی تھی۔

''دعا کرو۔''

اور وہ شہریار کی منت کر کے دوبارہ پاپا کے پاس گئی تھی اور ان کے سرہانے کھڑے ہو کر انہیں روتی آواز میں بتایا تھا ''پاپا' وہ سب آ گئے ہیں۔ ایک بار صرف ایک بار آنکھیں کھول کر انہیں دیکھ لیجیے۔ بڑی امی سے' چاچا جی سے معافی مانگ لیجیے۔''

لیکن اس کی آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی اور شہریار اسے باہر لے آئے تھے۔ باہر سب ہی تھے۔ ڈاکٹر عبدالمعید' انکل ہادی۔ شہریار وقفے وقفے سے ان کے پاس آتے' انہیں تسلی دینے کی کوشش کرتے

لیکن اندر ہی اندر کسی انہونی کا یقین اس کا دل کاٹ رہا تھا۔
"پاپا ٹھیک ہو جائیں گے نا۔" وہ پرامید نظروں سے شہریار کی طرف دیکھتی کہ شاید شہریار کوئی
کے اندر کے اس یقین کو نفی کر دے لیکن شہریار نظریں چرا جاتا۔
کیسی کرب ناک رات تھی۔ وہ ساری رات نینا کا سر گود میں رکھے عاشی کے گرد باز و حمائل کیے
اور دعائیں مانگتی رہی اور پھر صبح ہو گئی۔ شہریار تھکا تھکا سا سر جھکائے آئی۔سی۔یو سے باہر آیا
عادل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"وینٹی لیٹر ہٹا دیا گیا ہے۔" پھر اس نے سر اٹھا کر وضاحت کی "سارے فنکشنز نے یک دم کا
کرنا چھوڑ دیا تھا۔"
عادل لمحہ بھر ہونٹ بھینچے شہریار کو دیکھتے رہے اور پھر ایک دم عاشی' نینا اور تیمور کو اپنے بازوؤں میں
کر رو پڑے اور اسے تو جیسے کچھ ہوش ہی نہیں رہا تھا۔
گھر سے سب ہی آ گئے تھے۔ شریف' اسلم چاچا' صفو' جینا سب ملازم ان کے آس پاس کھڑے تھے
جب عادل نے سر جھکائے اس سے اجازت چاہی کہ وہ پاپا کو حویلی لے جانا چاہتے ہیں۔
وہ کیا کہتی اسے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑے تھے اور پاپا نے ان کو ہی سب کی ذمے داری سو
تھی جو بہتر سمجھتے کرتے اور تب ہی میڈم نرگس آ گئی تھیں۔ سیاہ ساڑی میں مکمل میک اپ کے ساتھ
سرخ لپ اسٹک میں لتھڑے ہوئے ہونٹ۔ اس نے بڑی حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔
وہ نزاکت سے ٹشو سے آنکھیں پونچھتی اسے اور عاشی کو بتا رہی تھیں کہ زینی سے رابطہ نہیں ہو سکا لیکن
وہ تو کچھ نہیں سن رہی تھی۔ اس کے سامنے تو بس پاپا تھے۔ ان کی بند آنکھیں اور خاموش لب تھے۔ وہ کبھی
ان کے ہاتھ چومتی' کبھی ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتی۔
میڈم نرگس اس کے کانوں کے پاس منہ رکھے خدا جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں' اسے کچھ سمجھ
نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ پاپا کو حویلی لے جانے سے منع کر رہی تھیں یا پتا نہیں کیا۔
اس نے ایک بار رخ پھیر کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اگر ماما یہاں ہوتیں تو شاید وہ بھی یوں
آنٹی نرگس کی طرح سیاہ ساڑی باندھ کر نک سک سے درست ہو کر دکھ کا اظہار کرتیں۔ جانے کیسے یہ خیال
لمحہ بھر کے لیے اس کے ذہن میں آیا اور دوسرے ہی لمحے وہ بیڈ کے کنارے پر سر رکھے رونے لگی تھی۔
اور پھر شہریار نے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا "مریم۔" اس نے سر اٹھا کر شہریار کو دیکھا۔
کے پیچھے عادل تھے' ڈاکٹر عبدالمعید تھے' وہ سب عثمان احمد کو لینے آئے تھے۔ وہ اٹھ کر ایک طرف ہو گئی۔
سب ہی حویلی آئے تھے۔ میڈم نرگس' انکل ہادی' معید' بیگم آفندی اور جانے کون کون۔

❁ ❁ ❁

یہ پاپا کا گھر تھا' اتنا بڑا محل نما۔ جب ایمبولینس حویلی کے گیٹ میں داخل ہوئی تو اس نے حیرت سے
دیکھا۔ یہاں سے وہاں تک لوگ ہی لوگ تھے۔ جانے کہاں کہاں سے امڈ پڑے تھے اور یوں رو رہے تھے
جیسے پاپا یہاں سے جانے کے بعد بھی ان کے دلوں میں رہے تھے۔ یہاں کتنی شان تھی پاپا کی اور وہاں گھر
میں... کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے تھے اور وہ ہمیشہ شک کا شکار رہتی تھی کہ وہ جو ماما اکثر بتایا کرتی
تھیں کہ عثمان احمد ایک بڑے جاگیردار ہیں۔ وہ سب جھوٹ ہے اور پاپا کا تعلق کسی نچلے متوسط طبقے سے
ہے۔ جب ہی وہ اتنے دبے دبے سے رہتے ہیں اور شاید میڈم نرگس کو بھی ماما کی باتوں کا یقین نہیں تھا
تب ہی تو وہ بالکل اس کے پیچھے بیٹھی بیگم آفندی سے تبصرہ کر رہی تھیں۔
"یہ عثمان بھائی تو سچ مچ بڑے جاگیردار نکلے۔ میں تو حیران ہو رہی ہوں اتنا بڑا گھر دیکھ کر۔"
"زینب ولا سے دس گنا بڑا ہو گا۔" مسز آفندی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔
"یہ عثمان احمد کا بیٹا اور پہلی بیوی بھی تو ہے لیکن زینی نے کبھی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ بڑی گھنی ہے۔
اب تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اسے علم نہ ہو۔"
"زینی کے بچے بھی تو عثمان احمد کی جائداد میں حصے دار ہوں گے۔"
"ہاں لیکن۔" میڈم نرگس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔
"چھوڑو لیکن ویکن زینی بڑی چیز ہے۔" بیگم آفندی ہولے سے ہنسیں "اکیلے ہضم نہیں کرنے دے
گی عثمان احمد کے بیٹے اور بیوی کو سب کچھ اور اس وقت یہاں زینی کی موجودگی کتنی ضروری تھی۔"
"ہاں لیکن وہ۔" میڈم کی دبی دبی ہنسی "دیکھنا آفندی بیگم' اب وہ شرجیل مرزا سے شادی کر لے گی۔"
"اف!" مریم کا جی چاہا کہ وہ انہیں وہاں سے اٹھا دے۔ اس کے بالکل پاس سفید دوپٹا اوڑھے
بڑی امی تھیں۔ سوبر اور مدبر سی۔ آنسو بڑی روانی اور آہستگی سے ان کے رخساروں پر پھسل رہے تھے اور
سرہانے کی طرف بی آپا تھیں اور جو روتے روتے کبھی شکوہ کرتیں۔
"عثمان چچا کیوں کیا آپ نے ایسا۔ بابا جان نے اپنے دروازے بند کر لیے تھے تو آپ ہی آ جاتے
ان کے بعد۔ سب آپ کو کھلے بازوؤں سے ملتے اور اب آئے ہیں تو آنکھیں ہی نہیں کھولتے۔"
اور خدا بخش تھا جو ان کی پائنتی بیٹھا تھا اور بار بار ان کے پاؤں چومتا اور خدا جانے کیا کیا کہتا تھا۔
یہ سب محبت کرنے والے' چاہنے والے لوگ تھے پھر کیوں چلے گئے تھے پاپا ان سب کو چھوڑ کر۔
وہ آنکھیں کھولتے تو ضرور ان سے پوچھتی لیکن انہوں نے تو آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ماما کا انتظار بھی
نہیں کیا تھا۔ جن کی مرضی کے بغیر وہ بچوں سے بھی بات نہیں کرتے تھے۔ اب اتنے لمبے سفر پر ان سے
پوچھے بنا' انہیں بتائے بغیر چلے گئے تھے اور اس وقت ماما کی یہاں موجودگی کتنی ضروری تھی۔ شاید میڈم
نرگس صحیح ہی کہتی تھیں۔

اس نے لمحہ بھر کے لیے سوچا تھا اور پھر مڑ کر پیچھے کھڑی عاشی کو گلے لگا لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد
عاشی یا نینا کو گلے لگا کر رونے لگتی تھی۔

وقت کیسے گزرا' اسے خبر ہی نہیں تھی۔

عثمان احمد کی تدفین کے بعد جب لوگ آئے تو وہ بیگم آفندی سے لپٹ کر چیخیں مار مار کر روئی۔
نے بڑھ کر اسے علیحدہ کیا۔

"حوصلہ کرو بے بی' صبر کرو۔" انکل ہادی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور تسلی دی "ہم پھر آئیں گے۔
تمہاری خبر لیتے رہیں گے۔"

پتا نہیں۔ وہ کیا کیا کہتے رہے تھے۔ اس کا ذہن کچھ بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔

"عاشی۔" اس نے قریب کھڑی عاشی کی طرف دیکھا "پاپا ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

پاس کھڑے عادل نے عاشی کے گرد اپنے بازو لپیٹ لیے "میں ہوں نا تمہارا بڑا بھائی۔" اور انگلی کے
پوروں سے اس کے آنسو پونچھے تھے اور ڈاکٹر ہادی کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں ڈاکٹر ہادی۔ ہم سب یہاں ان کا خیال رکھیں گے۔ ہمارا اپنا خون ہیں یہ۔ آپ
ان کے لیے پریشان نہ ہوں۔"

"ہاں میری بھی خواہش تھی کہ یہ زینی کے آنے تک یہاں ہی رہیں' آپ کے پاس۔"

اور پھر وہاں کامل آ گیا تھا اور عادل کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگا تھا۔

"بھائی سب روتے کیوں ہیں؟"

اور تب عادل نے عاشی کو اپنے ساتھ بٹھائے بٹھائے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"عاشی۔ یہ بھی تمہارا بھائی ہے۔ دیکھو اسے۔ جسے خبر تک نہیں کہ کون دنیا سے رخصت ہوا ہے۔ کیا
ناتا تھا اس کا اس کے ساتھ اور پھر اسے خبر بھی کیا ہو۔ اس نے تو کبھی اپنے باپ کو دیکھا ہی نہیں۔"

اور اس نے پہلی بار سر اٹھا کر عادل کو غور سے دیکھا تھا اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھی عادل سے لپٹ
کر خوب روئے۔ اتنا کہ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے لیکن دل کا بوجھ تو جیسے گزرے دنوں کے ساتھ بڑھتا ہی جا
رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کچھ آنسو اندر ہی کہیں ٹھہر گئے ہوں اور ان آنسوؤں کا بوجھ دل پر دھرا ہو اور جب
عاشی عادل کے ساتھ زینب وِلا آئیں تو گیٹ میں قدم رکھتے ہی اسے لگا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے
گا۔ پاپا جیسے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ماما کے پیچھے ہولے ہولے
چلتے دھیمے دھیمے انہیں سمجھاتے ہوئے۔

وہ بیمار ہو جاتیں تو کتنے پریشان ہو جاتے۔ ہولے ہولے سرگوشیوں میں باتیں کرتے۔ بار بار ڈاکٹر
ہادی کو فون کرتے اور اس آخری روز وہ لاؤنج میں میڈم نرگس سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھاگ کر لاؤنج

میں آئی تھی اور پھر صوفے کے کنارے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی اور جب ماما باہر گئی تھیں وہ کتنی باتیں کرتے
تھے اس سے آنے والے لمحوں کے لیے جیسے لاشعوری طور پر اسے تیار کر رہے تھے۔
اپنے کمرے میں اسٹڈی کرتے ہوئے' اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھتے ہوئے کوئی بات کرتے ہوئے۔
ان سب مناظر کے سحر سے نکلنا کتنا مشکل تھا ان کے لیے وہ ایک ایک چیز سے لپٹ لپٹ کر روئی'
جیسے ہر چیز سے ان کی مہک' ان کی خوشبو آ رہی تھی۔

"مریم' پلیز حوصلہ کریں۔" عادل نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور روتی ہوئی عاشی کو اپنے ساتھ لپٹا کر
اس کے بالوں کو چوما تھا۔

"بس اب رونا نہیں ہے۔"

اور مریم نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا کہ عادل کے دل میں شاید اس کے لیے کوئی بغض ہے کہ وہ
عاشی اور نینا کی طرح اس سے بات نہیں کرتے۔ ہمیشہ ایک فاصلے پر رہ کر بات کرتے ہیں۔ آتے ہوئے
اس نے بار بار سب کو تاکید کی تھی کہ جیسے ہی ماما کا فون آئے' انہیں حویلی کا نمبر دے دیں لیکن ماما نے
پورے بیس دن بعد فون کیا تھا۔ ان کی آواز سنتے ہی ضبط کی لگامیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں اور کتنی
ہی دیر تک وہ بات ہی نہیں کر سکی تھی۔

ماما کو وقت پر اطلاع نہ ملنے کا افسوس تھا لیکن مریم کو ان کا لہجہ بالکل سپاٹ لگا۔ اگرچہ انہیں میڈم نرگس
سے پوری تفصیل معلوم ہو چکی تھی پھر بھی انہوں نے مریم سے دو چار باتوں کی تصدیق کی تھی اور یہ جان کر
انہیں اطمینان ہوا تھا کہ عاشی' نینا اور تیمور مری جا چکے ہیں۔

"ہر ویک اینڈ پر عادل بھائی ان سے ملنے جاتے ہیں۔ کچھ دنوں تک موسم سرما کی چھٹیاں ہو جائیں
گی تو پھر وہ انہیں لے آئیں گے۔"

"یہاں حویلی میں تم لوگوں کو کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔"

"کیسا خطرہ؟" مریم کو حیرت ہوئی تھی۔

"بھئی یہی جاگیردار وغیرہ اکثر جائداد' زمین کی لالچ میں سگے بہن بھائیوں کو بھی مار دیتے ہیں پھر تم
لوگ تو سوتیلے ہو۔"

"مگر ماما' پاپا کا تو یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ سب کچھ تو عادل بھائی اور کامل کا ہے۔ دادا جان نے اپنی
زندگی میں ہی سب کچھ ان کے نام کر دیا تھا اور پاپا کے نام تو بس وہی سرگودھا والی زمین ہے جس کی آمدنی
پاپا کی زندگی میں ان کو ملتی تھی اور ان کے بعد بچوں کو ملے گی۔" بی آپا سے حاصل کردہ معلومات اس نے
انہیں منتقل کر دی تھیں۔

"خیر۔" انہوں نے بیزاری سے کہا "عاشی اور نینا کی چھٹیاں ہو جائیں گی تو تم لوگ لاہور چلے جانا

میں نرگس کو کہہ دوں گی وہ تمہاری خیر خبر لیتی رہے گی اور ڈاکٹر ہادی بھی دھیان رکھیں گے تمہارا۔"

"اور آپ...... آپ کب آئیں گی؟"

"میں اب عدت گزار کر ہی آؤں گی۔ تمہارے پاپا کی اچانک ڈیتھ کی خبر نے میرے اعصاب کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ آج کتنے دن بعد طبیعت سنبھلی ہے تو تمہیں فون کیا ہے۔"

"مگر ماما...... ہم...... ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔ ہم آپ کے لیے اداس ہو رہے ہیں۔ تیمور آپ کو بہت یاد کرتا ہے۔ بہت مس کر رہا ہے وہ...... عاشی اور نینا بھی۔"

مگر ماما نہیں آئیں تھیں۔

"کیسی ماں ہیں وہ!" بی آپا کو حیرت ہوئی تھی "اطلاع ملنے کے باوجود نہیں آئیں۔ تمہارے دکھ کا احساس ہی نہیں ہوا انہیں اور اپنے نقصان کا۔"

"نہیں' دراصل۔" وہ نگاہیں جھکائے وضاحت کرنے لگی تھی "وہ ذرا سی بات پر ڈیپریس ہو جاتی ہیں پھر ہفتوں مہینوں بستر سے اٹھ ہی نہیں پاتیں۔ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے اور یہ...... یہ تو اتنا بڑا حادثہ ہے کہ ان کے اعصاب بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ بہت ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے ان کے اندر۔"

"اور تمہارے ننھیال سے بھی تو کوئی نہیں آیا۔"

بی آپا کی فطرت میں تجسس نہیں تھا لیکن انہیں زینی کے روّیوں پر حیرت تھی۔

"وہ دراصل صرف نانا ہیں۔ نناکا تو انتقال ہو چکا ہے۔"

بی آپا سمجھ رہی تھیں کہ زینی اپنے والدین کے پاس گئی ہوئی ہے۔ مریم نے وضاحت کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ پتا نہیں' یہ لوگ ماما کا فلموں میں کام کرنا پسند نہیں کریں اور وہ ان کی محبتوں سے محروم ہو جائیں۔ اس نے عاشی اور نینا کو بھی منع کر دیا تھا۔

"مگر کیوں؟" عاشی نے بحث کی تھی "اس میں کیا برائی ہے؟"

"پتا نہیں کوئی برائی ہے یا نہیں لیکن دیہات میں لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے نا' اس لیے میں نہیں چاہتی کہ یہ لوگ ماما کو غلط سمجھیں۔"

عاشی نے پھر بحث نہیں کی تھی لیکن وہ کچھ الجھی الجھی سی لگنے لگی تھی۔

"بجو' بعض اوقات آپ کی باتیں مجھے سمجھ نہیں آتیں۔"

ماما تو نہیں آئی تھیں البتہ میڈم نرگس' بیگم آفندی دو بار آئی تھیں۔ انکل ہادی اور ڈاکٹر عبدالمعید بھی آئے تھے۔ انکل ہادی تو اکثر فون کر کے خیریت پوچھتے تھے۔ عینی' بابا جان اور صالحہ بھی آئی تھیں۔

وہ عینی اور صالحہ سے لپٹ کر بہت روئی تھی۔ بابا جان کتنی دیر تک اس کے سر پر ہاتھ رکھے اسے دلاسا دیتے رہے تھے۔

"ارے میں تو پروگرام ہی بنا تا رہ گیا تمہارے پاپا سے ملنے کا۔"

"ہاں' پاپا نے کہا تھا کہ جب وہ اچھے ہو جائیں گے تو آپ سے ملیں گے۔"

"تم لاہور کب آؤ گی موموِ؟" عینی نے جاتے جاتے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں' ماما آجائیں تو پھر ابھی بڑی امی اور بی آپا جانے نہیں دیتے۔"

"یہ بھی تو اس کا اپنا ہی گھر ہے۔" بڑی امی نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

"یہ سب لوگ بہت چاہنے والے ہیں۔" اس نے عینی کو بتایا تھا۔

"وہ تو خیر اندازہ ہو رہا ہے۔" کس طرح سب نے ان کی تواضع کی تھی۔ رکنے پر اصرار کیا تھا۔

"تم اپنوں میں ہو۔ مطمئن ہو تو دل کو سکون ملا ہے ورنہ میں نے سوچا تھا تمہیں کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر لے جاؤں گا۔" چوہدری نثار نے رخصت ہوتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا "لیکن جب دل گھبرائے فون کر دینا۔ میں خود آ کر اپنی بیٹی کو لے جاؤں گا۔"

سب لوگ کتنا خیال رکھنے والے تھے لیکن ایک ماما کے نہ ہونے سے یوں لگتا جیسے پاپا کے بعد وہ بالکل اکیلی ہو گئی ہے۔ تنہا اور ایک وہ تھی لالہ کی بچی جس نے مڑ کر اس کی خبر بھی نہ لی تھی۔ فون پر بھی افسوس نہیں کیا تھا۔

ایک روز اچانک ہی اسے لالہ کا خیال آ گیا اور اس روز بڑی امی سے اجازت لے کر اس نے لاہور فون کیا تھا۔

"چلی گئی ہے وہ اپنے باپ کے پاس۔" میڈم نرگس نے بتایا۔

"کیا' کب...... کب گئی وہ؟" وہ حیران رہ گئی تھی۔

"تمہارے پاپا کی ڈیتھ سے ایک روز پہلے آ جائے گی' نہیں ٹکے گی وہاں۔ حویلیوں میں قید رہ کر نہیں رہ سکتی وہ اور سنو موموِ۔" ان کی آواز میں سرگوشی ڈھل گئی "ادھر تو سب ٹھیک ہے نا۔"

"جی۔" ان کی بات نہ سمجھتے ہوئے بھی اس نے جی کر دیا۔

"اِدھر اُدھر کی ٹوہ رکھنا اور ہوشیار رہنا۔"

"کیا مطلب؟"

"ان جاگیرداروں کا کیا بھروسا۔ بڑے عیاش ہوتے ہیں۔"

اسے ان کی ذہنیت پر افسوس ہوا تھا۔ جانے کیا خناس بھرا تھا ان کے ذہن میں جانے کہاں کی کہاں ملاتی رہتی تھیں۔ لالہ کے اس طرح چلے جانے پر اسے دکھ ہوا تھا۔

کم از کم بتا کر تو جا سکتی تھی۔

فون تو کر سکتی تھی۔

کتنی اچھی لگتی تھی وہ اسے سچی اور کھری اور اب پتا نہیں، زندگی میں اس سے کبھی مل بھی پائے گی یا نہیں۔ پتا نہیں، وہ اپنے باپ کے پاس جا کر خوش ہے یا نہیں اور یہ میڈم نرگس اسے یاد تو آتی ہوں گی۔

اور وہ میڈم نرگس سے محبت بھی تو بہت کرتی تھی۔ ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کیسی کیسی اوٹ پٹانگ حرکتیں کیا کرتی تھی اور جب میڈم نرگس اس کے لیے پریشان ہوتیں تو جی ہی جی میں خوش ہوتی کہ میڈم اس سے محبت کرتی ہیں۔ بس ان کی سوشل ایکٹی وٹیز ہی کچھ ایسی ہیں کہ توجہ نہیں دے پاتیں اور وہ تو اسے بھی بڑے بوڑھوں کی طرح سمجھاتی تھی۔

''یار، یہ ہمارے طبقے کی مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ محبت کرتی ہیں اپنی اولاد سے لیکن ان کی محبت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔'' اور پھر اب کیسے اس نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔

میڈم کے بغیر کیسے رہ رہی ہو گی وہ۔

کیا صرف اعزاز کے لیے۔

اس کی محبت کی خاطر اس نے میڈم کا گھر چھوڑا اور کبھی اسے ایسا کوئی فیصلہ کرنا پڑتا تو وہ ممی کے بغیر رہ سکتی تھی......نہیں کبھی نہیں۔

اور لالہ بھی نہیں رہ سکے گی۔

اس نے خود ہی خود سوچ لیا تھا۔

میڈم صحیح کہتی ہیں۔

وہ واپس آ جائے گی۔

اور پتا نہیں، ماما کب آئیں گی۔

اس کا ذہن پھر زینی کی طرف چلا گیا۔

ابھی کچھ دنوں میں عاشی، نینا اور تیمور آ جائیں گے پھر وہ تیمور سے کیا کہے گی۔ ایک تو وہ اتنے سوال کرتا تھا کہ اسے سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ وہ اسے کس طرح مطمئن کرے اور پھر وہ کتنا اداس ہو گا یہ جان کر کہ ماما ابھی بھی نہیں آئی تھیں۔

اور پتا نہیں، وہاں ماما کی کیا مصروفیات ہیں اور کیا واقعی وہ بیمار ہیں؟

اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔

اور میڈم نرگس نے بتایا تھا کہ وہ امریکا چلی گئی ہیں اپنے ڈیڈی کے پاس اور وہاں سے سیدھی پاکستان آئیں گی لیکن کب......اتنے سارے دن ہو گئے تھے۔ کچھ دنوں بعد اس کا رزلٹ آنے والا تھا پھر اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن بھی لینا تھا کیونکہ وہ یہاں تو نہیں رہ سکتی تھی۔ بڑی امی اور بی آپا ابھی ان کو جانے ہی نہیں دے رہے تھے۔ پچھلے ویک اینڈ پر عاشی نے کتنی ضد کی کہ اب وہ لاہور ہی جائیں گے۔

''یہاں دل نہیں لگتا بجو۔ چھٹیوں میں اپنے گھر میں رہیں گے۔''

''اکیلے۔'' بی آپا کو حیرت ہوئی۔

''اکیلے کہاں، اتنے سارے لوگ تو ہیں وہاں۔ صفو، شریف چاچا اور اسلم مالی۔''

''لیکن اپنا تو کوئی نہیں ہے۔''

''زینی کے آنے تک تم لوگ یہاں ہی رہو گے۔'' بڑی امی نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

''چاہے ماما ایک سال نہ آئیں۔'' عاشی بڑبڑائی تھی لیکن مریم ان کی اس اپنائیت کے سامنے ہار سی گئی تھی حالانکہ اسے اپنا گھر، اپنا کمرہ سب ایک دم شدت سے یاد آ گئے تھے۔

''مومو میں ہوں نا آپ کا بھائی، پھر کیا ڈرنا۔'' تیمور نے سمجھایا، وہ اکیلے رہنے سے ڈر رہی ہے۔

''نہیں میری جان ڈر کیسا، تم ہو نا۔ ماما نے کہا تھا کہ ان کے آنے تک ہم یہاں ہی رہیں۔'' اس نے بے اختیار تیمور کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

''ماما نے کہا تھا؟'' عاشی نے حیرت سے پوچھا ''ان لوگوں کے پاس رہنے کو جن لوگوں کا ذکر بھی انہوں نے کبھی نہیں کیا تھا اور شاید جن کے متعلق وہ جانتی بھی نہ ہوں۔ یقیناً پاپا نے انہیں بتایا تک نہ ہوگا کہ ان کی ایک بیوی اور دو بیٹے بھی ہیں۔''

اس نے سر اٹھا کر عاشی کو دیکھا۔ اس ایک سال میں عاشی میں کتنی تیزی سے تبدیلی آئی تھی۔ خاموش طبع اور بات بات پر منہ بسورنے والی عاشی اب غور کرنے اور بولنے لگی تھی۔

''نہیں عاشی۔'' اس نے تحمل سے اسے سمجھایا ''پاپا نے ماما سے کبھی کچھ نہیں چھپایا تھا۔ ماما کو بڑی امی اور عادل بھائی کے متعلق علم تھا اور یہ سب کتنا چاہتے ہیں ہمیں اور کتنا خیال رکھتے ہیں ہمارا۔''

''ہاں، یہ تو ہے بجو۔ لیکن پتا نہیں کیوں میرا دل نہیں لگتا یہاں۔ خدا کرے ماما جلدی آ جائیں۔''

اور ماما تھیں کہ آ ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ جب بھی فون کرتی چند دنوں بعد آنے کا کہہ دیتی تھیں۔

بے حد تھک کر اس نے تکیے پر سر رکھا تھا کہ بی آپا نے اندر جھانکا۔

''تم تیار نہیں ہوئیں مریم؟''

''اوہ ہاں۔ بی آپا آ جایئے نا۔'' وہ اٹھ بیٹھی۔

''حریم کی طرف نہیں چلو گی۔''

''جاؤں گی کیوں نہیں اور مجھے کیا تیاری کرنی ہے۔ چلیں۔'' اس نے چادر اٹھا لی۔

''کپڑے تو تبدیل کر لو مریم، کل سے یہی پہنے ہوئے ہو۔''

''ٹھیک تو ہیں بی آپا۔''

''کوئی ٹھیک نہیں ہے گڑیا۔'' انہوں نے مسکرا کر اس کے رخسار پر تھپکی دی ''تم پانچ منٹ میں چینج

کر کے آ جاؤ میں اتنے میں ماں جی کو بتاتی ہوں۔"

"جی اچھا۔" مریم سر ہلا کر کپڑے نکالنے لگی۔

❀ ❀ ❀

پروفیسر عادل کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے دائیں ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ لیے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے سر کو ہولے ہولے دبا رہے تھے کہ مسرور نے قریب آ کر آہستگی سے انہیں آواز دی۔

"سر۔" مگر وہ یونہی بے دھیانی سے ہولے ہولے سر کو دباتے رہے۔

"سر پلیز۔" مسرور نے انہیں دوبارہ پکارا تو وہ چونک کر سیدھے ہو گئے۔ سگریٹ کی راکھ دائیں ہاتھ میں رکھی ہوئی چھوٹی ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے میں ڈالی اور مسرور کی طرف دیکھا۔

"تم کب آئے؟"

"بہت دیر سے آپ کو نوٹ کر رہا تھا لیکن آپ گرد و پیش سے بالکل بے خبر تھے۔"

"ہوں۔" وہ مسکرائے "خود سے بے خبری اور خود فراموشی میں بڑی عافیت ہوتی ہے مسرور۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ زندگی بے خبری اور خود فراموشی میں گزر جائے۔"

"مگر یہ تو ایک طرح کا فرار ہے سر۔" مسرور ان کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"شاید لیکن کبھی کبھی دل چاہتا ہے نا کہ آدمی دنیا کے سارے جھمیلوں کو بھول کر بس اپنے اندر کی دنیا میں قیام کر لے۔ وہیں جیئے وہیں مرے۔"

"سر ایک بات پوچھوں۔" مسرور نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" پروفیسر عادل نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"سر میں بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے اندر بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ کبھی مجھے یوں لگتا ہے' جیسے آپ بہت خوش ہوں۔ کبھی لگتا ہے بہت اداس ہوں اور کوئی گہرا درد آپ کے دل کو چھیل رہا ہو اور کبھی لگتا ہے جیسے کوئی بڑی گتھی ہے جسے سلجھانے میں آپ کے ذہن و دل کی ساری صلاحیتیں صرف ہو رہی ہیں اور گتھی سلجھ نہ پا رہی ہو۔"

"بہت غضب کا مشاہدہ ہے تمہارا مسرور۔" وہ کھل کر مسکرائے اور ہاتھ میں پکڑا ادھ جلا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر نیا سگریٹ سلگایا۔

"سر۔" مسرور سنجیدہ ہو گیا "آپ مجھے اپنا چھوٹا بھائی اور دوست کہتے ہیں۔ کیا آپ اپنی الجھن میرے ساتھ شیئر کریں گے۔ کیا خبر اس الجھی گتھی کا کوئی سرا میرے ہاتھ آ جائے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تم میرے چھوٹے بھائی بھی ہو اور دوست بھی لیکن فی الحال تو کوئی ایسی بات نہیں۔ ہاں اگر ابھی کوئی بات ہوئی' کوئی گتھی سلجھ نہ سکی تو تم سے ضرور شیئر کروں گا۔ پرومس اور

ہاں تمہارا کام تو تقریباً مکمل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے فائنل کے بعد فوراً ہی تمہارا کام سامنے آ جائے۔ تمہاری ایگزیبیشن کے سلسلے میں' میں نے مجتبیٰ اور تصدق سے بات کی تھی لیکن پھر والد صاحب کی اچانک ڈیتھ...... بہت سے کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ بہر حال اب تم امتحان سے فارغ ہو جاؤ تو پھر اطمینان سے کام کریں گے۔ میں نے تصدق احمد سے بھی کہا ہے کسی دن وہ تمہارا کام دیکھ لیں گے۔" انہوں نے یک دم ہی بات پلٹ دی۔ مسرور انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے مگر پھر سر جھکا لیا۔

"کچھ کہنا چاہتے ہو؟" پروفیسر عادل کی نگاہیں اس کی طرف ہی تھیں۔

"نہیں سر۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا خیال ہے' ایک کپ چائے نہ ہو جائے۔"

"جی میں کہتا ہوں خدا بخش سے۔" مسرور اٹھ کھڑا ہوا' تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔ مسرور نے ریسیور اٹھا کر انہیں دیا اور خود چائے کا کہنے چلا گیا۔

دوسری طرف مریم تھی۔

لمحہ بھر کے لیے وہ اس کی آواز کی نغمگی میں کھو سے گئے۔

"ہیلو۔" مریم نے پھر کہا تو وہ چونکے۔

"آپ مریم۔ خیریت؟"

"جی وہ میں نے آپ کو یاد دلانا تھا کہ کل سے عاشی وغیرہ کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ انہیں لینے جائیں گے لیکن اگر آپ مصروف ہوں تو میں اسلم چاچا سے کہہ دوں۔"

"نہیں۔ مجھے یاد ہے اور میں خود لے آؤں گا۔ میں نے مور سے وعدہ کیا تھا کہ خود لینے آؤں گا۔"

"مور آپ سے بہت مانوس ہو گیا ہے۔"

انہیں لگا جیسے مریم کی آواز بھیگ رہی ہو۔

"وہ بہت پیارا بچہ ہے۔ خود بخود دل میں جگہ بنا لینے والا۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"اچھا تھینک یو۔ ماما بھی شاید چند روز میں آ جائیں ان کا فون آیا تھا کہ وہ پہلے سے بہت بہتر Feel کر رہی ہیں اور جلد ہی آ جائیں گی۔"

پروفیسر عادل خاموش رہے۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں۔ زینب عثمان احمد کے آنے کی خبر سن کر جیسے ان کے اندر کچھ بجھ سا گیا تھا اور عجیب سی اداسی نے یک دم ہی ان کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر ریسیور تھامے بیٹھے رہے اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ کب مریم نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

مریم نے ان چند ماہ میں پہلی بار اس طرح انہیں فون کیا تھا۔ خود سے دو چار بار انہوں نے حویلی فون کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

''مریم۔'' انہوں نے زیرلب دہرایا ''کس قدر خوب صورتی اور پاکیزگی ہے اس نام میں اور خود وہ کتنی پاکیزہ اور معصوم لگتی ہے بالکل ایسی ہی جیسے ان کے تصور نے تراشا تھا۔ وہی لہجہ' وہی اندازِ گفتگو' ویسی ہی نرم و نازک احساسات رکھنے والی۔ وہ جب جب حویلی گئے اس کا نقش جو پہلے مدھم مدھم تھا گہرا ہوتا جارہا تھا۔

کامل کے ساتھ بیٹھ کر ہولے ہولے باتیں کرتی ہوئی۔ ماں جی اور بی آپا کے پاس بیٹھی احترام سے ان کی باتیں سنتی ہوئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں سب اس سے کتنا پیار کرنے لگے تھے اور کامل تو جیسے اس کا دیوانہ ہوگیا تھا اور اسے کامل کا اتنا خیال رکھتے دیکھ کر انہیں عجیب سی خوشی ہوتی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے اسے کھانا کھلاتی' اس سے کھیلتی' اسے کہانیاں سناتی ہوئی وہ انہیں بہت اپنی اپنی' بہت اچھی لگتی تھی اور ان کا جی چاہتا کہ کاش وہ ہمیشہ یونہی اس طرح اسی گھر میں رہے۔ حویلی میں ادھر ادھر گھومتی کامل سے کھیلتی۔

وہ آنکھیں موندے سوچے چلے جاتے۔ وہ جتنی بار بھی حویلی گئے تھے۔ مریم سے بہت کم بات ہو پاتی تھی۔ پہلے دن سے ہی ان کے درمیان جھجک سی در آئی تھی۔ انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ مریم سے کیا بات کریں۔ عاشی' نینا اور مور تینوں ہی اس سے بے تکلف ہوگئے تھے لیکن مریم سے بات کرتے ہوئے وہ جھجک جاتے تھے۔

وہ روتی تو اس کے آنسو ان کے دل پر گرتے۔ وہ مضطرب سے ہوجاتے' ان کا جی چاہتا کہ وہ اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے چن لیں' اسے تسلی دیں لیکن وہ کچھ کہہ نہ پاتے۔ کئی دفعہ انہیں محسوس ہوا جیسے وہ انہیں شاکی نظروں سے دیکھتی ہے۔ شاید وہ ابھی تک بے خبر ہے کہ عثمان احمد اس کے والد نہیں تھے۔ شاید ابو اسے بتا نہیں سکے اور اب میں...... میں اسے کس طرح بتاؤں کہ......

مسرور چائے کا کہہ کر واپس آیا تو انہوں نے چونک کر ہاتھ میں پکڑا ہوا ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور مسرور کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی کرسی کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

ابھی تک انہوں نے ماں جی اور بی آپا کو بھی نہیں بتایا تھا کہ مریم عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے۔ کون سا اس نے ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ کچھ دنوں بعد وہ چلی جائے گی اور پھر کیا خبر یہ جان کر کے وہ عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے سب لوگ اس سے اس طرح پیش نہ آئیں جس طرح اب آرہے ہیں۔

کئی دفعہ ان کا جی چاہا تھا کہ وہ بی آپا کو ہی اس راز میں شریک کرلیں اور انہیں عثمان احمد کی خواہش بتا کر چپکے سے کہہ دیں کہ یہی وہ لڑکی ہے جس کا انہیں برسوں سے انتظار تھا لیکن پھر انہوں نے خود کو روک لیا۔ نہیں ابھی نہیں۔ پہلے وہ مریم سے بات کرلیں لیکن مریم سے کیا بات کریں گے اور کس طرح۔

یہی وہ گتھی تھی جسے وہ سلجھا نہیں پارہے تھے۔

بے شمار طلبا کے مسائل چٹکیوں میں حل کرنے والے۔

فلسفہ و ادب پر گھنٹوں بولنے والے۔

اور ہر شعبہ زندگی کے متعلق بے تحاشا معلومات رکھنے والے پروفیسر عادل سے یہ چھوٹی سی گتھی نہیں سلجھ رہی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ عثمان احمد خود ہی اسے بتادیتے کہ وہ...... بلکہ انہیں بہت پہلے اسے بتا دینا چاہیے تھا۔ اب پتا نہیں' وہ کیسے اسے فیس کرے گی اور اگر اسے نہ بتایا جائے تو......تو......انہوں نے بے اختیار بائیں ہاتھ سے اپنے سر کو دبایا۔

یہ کس الجھن میں آکر پھنس گئے تھے وہ۔

اتنے طویل انتظار کے بعد وہ ملی بھی تو کہاں اور کس روپ میں۔ ان کے متعلق اس کی سوچ' اس کے خیالات کتنے مختلف ہوں گے۔ کتنے احترام سے بات کرتی ہے۔ کیا وہ کبھی اس سے وہ سب کچھ کہہ پائیں گے یا زندگی یونہی تشنہ کام رہے گی۔

''سر۔'' مسرور نے انہیں مسلسل سر دباتے دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

''ہوں۔'' انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

''سر آپ کے سر میں شاید درد ہے کوئی پین کلر لے آؤں۔''

''ہاں یار' اگر کوئی ٹیبلٹ ہے تمہارے پاس تو دے دو۔ نہیں تو خدا بخش سے پتا کرلیجیے اس کے پاس شاید ڈسپرین ہوتی ہے۔''

''جی سر۔'' مسرور اٹھ کھڑا ہوا ''میرے پاس ہیں میں ابھی لاتا ہوں لیکن سر پلیز آئی ریکوسٹ یو کہ آپ اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔ بہت سارے مسائل کا وقتی طور پر ہمیں کوئی حل دکھائی نہیں دیتا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ خود بخود بہت سارے مسائل حل ہوجاتے ہیں۔'' اس نے ان کی ہی ایک بار کی کہی ہوئی بات دہرائی تو وہ بے اختیار مسکرادیے۔

''بہتر سر۔ فی الحال تو ایک ٹیبلٹ مل جائے تو غنیمت ہے۔'' مسرور بھی مسکراتا ہوا چلا گیا۔

❁❁❁

چائے پینے کے بعد وہ بہت دیر تک مسرور سے اس کی تصاویر وغیرہ پر باتیں کرتے رہے لیکن اندر ہی اندر ان کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے پہلے ہی قدم پر وہ ہار گئے ہوں۔ تب وہ مسرور کو گھر چھوڑ کر مجتبیٰ حیدر کی طرف چلے آئے لیکن وہاں بھی اندر ہی اندر وہ الجھتے رہے۔

''کیا بات ہے عادل' خاناں؟'' مجتبیٰ حیدر نے اپنے مخصوص انداز میں ان کے کندھے پر ہاتھ مارا ''کچھ پریشان لگتے ہو۔ یار' یہ زندگی ہے اور موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ عثمان اتنی زندگی لے کر آئے تھے۔ بہت نفیس انسان تھے۔ کاش کچھ پہلے میں نے تم سے ان کا ذکر کردیا ہوتا تو بہت پہلے تمہاری ان سے ملاقات ہوچکی ہوتی۔ کچھ کوتاہی میری بھی ہے۔ میرا ذہن اصل میں اپنی کہانیوں کی ہیروئنوں میں الجھا

رہتا ہے اور جن میں سے نوے فیصد حقیقی ہوتی ہیں۔''

پروفیسر عادل بے اختیار مسکرا دیے۔

''مجتبیٰ آپ کا بھی جواب نہیں۔''

''چلو تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔ وہ تمہاری خوابوں کی ملکہ...... اس سے پھر ملاقات ہوئی یا نہیں۔''

''آج کل نیندیں ہی روٹھ گئی ہیں سو خوابوں کی ملکہ سے ملاقات بھی ممکن نہیں رہی۔'' پروفیسر عادل نے ٹالا۔

''ہماری ہی بلی اور ہم سے ہی میاؤں!'' مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا ''ادھر ذرا ہماری آنکھوں میں دیکھ کر بات کرو میاں۔''

تب ہی حافظ احسان اللہ کاغذوں کا پلندہ ہاتھ میں لیے کھنکارتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور پروفیسر عادل کو دیکھتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے ان کی طرف بڑھے ''آہا پروفیسر عادل آپ تو عید کا چاند ہی ہو گئے۔''

پروفیسر عادل نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے ہی ان کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''بس ان دنوں کچھ مصروف رہا۔ حویلی میں زیادہ رہا۔ آپ بھی نہیں آئے۔''

''نہیں خیر۔ ہم تو باقاعدہ حاضری دیتے رہے ہیں' پوچھ لیجیے گا' مسرور میاں سے اور ہاں عادل صاحب' ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا' آپ کے والد کا' اس روز مجتبیٰ صاحب نے بتایا۔ بہت افسوس ہوا وقت پر پتا چلتا تو جنازے میں شامل ہوتے۔ آپ نے بھی کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔ وہ کیا نام ہے' زینب عثمان احمد یعنی وہ آپ کی والدہ ہیں' کمال ہے۔''

پروفیسر عادل کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں پڑ گئیں لیکن وہ اپنی ناگواری کو چھپاتے ہوئے تحمل سے بولے ''وہ میرے والد کی دوسری بیوی ہیں میری والدہ نہیں ہیں۔'' اور پھر نگاہیں اٹھا کر کسی قدر شاکی نظروں سے مجتبیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ شرمندہ سے ہو گئے۔ انہیں قطعی گمان نہیں تھا کہ حافظ احسان اللہ اس قدر بے تکی بات کریں گے۔ انہوں نے تو یونہی پتا نہیں کس موڈ میں آ کر حافظ احسان اللہ سے ذکر کر دیا تھا اور......

''اچھا مجتبیٰ' میں چلتا ہوں۔'' پروفیسر عادل کھڑے ہو گئے۔

مجتبیٰ حیدر نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی کہ ابھی تصدق احمد بھی آنے والے ہیں۔ صبح ان کا فون آیا تھا اور آمنہ صفی بھی ساتھ ہوں گی وہی پاس تھیٹر کے سلسلے میں حافظ صاحب کے مسودے کو دیکھنا اور ڈسکس کرنا ہے لیکن ان کی طبیعت مکدر ہو چکی تھی سو وہ رکے نہیں اور مجتبیٰ حیدر سے معذرت کر کے چلے آئے۔

❀❀❀

''ماں جی' آپ نے بلوایا تھا؟'' پروفیسر عادل نے کھلے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر پوچھا اور کمرے میں چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ تیمور ان کی گود میں سر رکھے لیٹا شاید ان سے کوئی کہانی سن رہا تھا اور مریم قریب بیٹھی تھی۔

''ہاں' میں نے بلوایا تھا اور رک کیوں گئے آ جاؤ۔'' ماں جی نے تیمور کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو وہ دو قدم آگے بڑھ کر دروازے کے قریب ہی پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''عادل بھائی۔'' تیمور اٹھ کر ان کے پاس چلا گیا ''بڑی امی کو بہت اچھی کہانیاں آتی ہیں' آپ کو پتا ہے؟''

''نہیں' مجھے نہیں معلوم۔'' عادل نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''کیا بڑی امی نے آپ کو کبھی کوئی کہانی نہیں سنائی؟'' تیمور کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بے حد حیرت تھی۔

''اوں...... ہوں' کبھی نہیں۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا۔

''بڑی امی' آپ عادل بھائی کو کہانی کیوں نہیں سناتیں؟''

زیتون بانو کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''میری ماما کو تو بالکل کوئی کہانی نہیں آتی۔ ایک بھی نہیں آتی موموکو آتی ہیں لیکن ان کا موڈ خراب ہو تو یہ بھی ہمیں کہانی نہیں سناتی ہیں۔''

''بری بات مور بیٹا۔'' زیتون بانو نے تنبیہ کی ''باجی کہا کرو۔ نام لے کر بڑی بہنوں کو نہیں بلاتے۔''

''نہیں بڑی امی' مجھے ایسے ہی اچھا لگتا ہے۔ جب یہ موموکہہ کر بلاتا ہے تو مجھے لگتا ہے جیسے میرا یہ چھوٹا سا بھائی' میرا بہت اچھا دوست بھی ہو اور جیسے اگر کبھی میں تنہا ہوگئی تو یہ میرے ساتھ ہوگا۔'' مریم نے بے اختیار کہا تو زیتون بانو نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

''پاگل ہو تم بھی بیٹا۔ الٹی سیدھی باتیں نہ سوچا کرو اور خدا نہ کرے' تم کیوں تنہا ہو گی۔ تمہاری ماما کو خدا سلامت رکھے اور تمہارے' بہن بھائیوں کو۔''

''اور آپ کو بھی۔'' مریم نے لاڈ سے کہا اور ان کے قریب ہو گئی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

غفوران جو نیچے کارپیٹ پر بیٹھی کسی دوپٹے کو لیس لگا رہی تھی۔ اس نے ان کی طرف دیکھا۔

''ماشاء اللہ' بچیوں کے آنے سے کتنی رونق ہو گئی ہے گھر میں۔ حویلی بھری بھری لگنے لگی ہے۔''

''ہاں لیکن یہ رونق بھی کب تک رہے گی۔ چند دن تک یہ لوگ اپنے گھر چلی جائیں گی اور پھر۔'' زیتون بانو نے اداسی سے عادل کی طرف دیکھا۔ عادل نے نگاہیں جھکا لیں۔ وہ ان نظروں کا مفہوم سمجھتے تھے لیکن وہ ان کی اداسی ختم کرنے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں تھے۔ فی الحال تو کچھ بھی ان کے سامنے واضح

نہیں تھا۔ سب کچھ دھند میں چھپا تھا۔ دور تک گہری دھند تھی اور بس۔

''بڑی امی ہم آتے رہیں گے آپ سے ملنے اور میں تو پوری چھٹیاں آپ کے پاس گزارا کروں گی۔ آپ اتنی اچھی ہیں' اتنی شفیق۔ آپ مجھے بہت یاد آیا کریں گی۔ آپ نے ہم سب سے اتنی محبت کی تی حالانکہ آپ کو تو ہم سے نفرت ہونی چاہیے تھی...... ہم......''

''پھر وہی پاگلوں جیسی باتیں۔'' زیتون بانو نے اسے ٹوک دیا ''بیٹیاں تو بہت پیاری ہوتی ہیں اور تم تو ہی بہت پیاری اور وہ دونوں عاشی اور نینا۔ نینا تو چہکتی مینا ہے چلی جائے گی تو ویرانی ہو جائے گی ایک دم۔''

''یہ نینا اور عاشی کہاں ہیں بھلا اس وقت؟'' عادل نے تیمور سے پوچھا۔

''وہ دونوں بی آپا سے لڈو کھیل رہی ہیں اور نینا تو بہت چیٹنگ کرتی ہے' بی آپا کو تو پتا ہی نہیں چلتا۔'' تیمور نے بتایا۔

''آپ نینا سے کبھی نہیں کھیلنا۔ مومو سے کھیل لینا۔ یہ بالکل چیٹنگ نہیں کرتی۔''

''اچھا۔'' انہوں نے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا جو ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن جونہی نظریں ملیں اس نے فوراً ہی سر جھکا لیا اور اس کی دلکش پیشانی پر تکدر سا پھیل گیا۔ یکا یک ایک نادیدہ سا بوجھ جیسے ان کے دل پر آ گرا۔ یہ بیگانگی اور بیزاری کا برملا اظہار اپنے اعصاب پر حملہ آور ہونے والی ہر پریشانی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے زیتون بانو کی طرف دیکھا۔

''جی ماں جی' آپ نے کیوں بلوایا تھا؟''

''امام بخش کہہ رہا تھا کہ تم صبح واپس لاہور جا رہے ہو۔''

''جی ماں جی' بہت دن ہو گئے ہیں۔ تیمور نے ضد کی تھی ورنہ بہت کام تھا۔ مسرور کا فائنل ہونے والا ہے اور یوں بھی کالج میں بھی بہت مصروفیت ہے۔'' انہوں نے تفصیلاً بتایا۔

وہ عاشی' نینا اور تیمور کو لے کر آئے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں حویلی چھوڑ کر فوراً واپس لاہور چلے جائیں گے لیکن تیمور ضد کرنے لگا کہ وہ کچھ دن ان کے ساتھ رہیں اور حقیقت تو یہ تھی کہ خود ان کا دل مچل اٹھا تھا کہ وہ کچھ دن رک جائیں کہ وہ ان کے سامنے ہو گی۔

نگاہیں اسے دیکھیں گی' چھوئیں گی' محسوس کریں گی اور وہ رک گئے تھے۔

''تمہاری چاچی بیمار تھیں۔ تم ادھر گئے تھے۔''

''نہیں ماں جی۔'' وہ نادم سے ہو گئے۔

''بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں عادل لیکن ان کے نتائج بہت گہرے اور دوررس ہوتے ہیں۔ اب تم ان کی مزاج پرسی کیے بغیر ہی چلے جاتے تو وہ کتنا برا محسوس کرتیں۔ یوں ہی تو فاصلے پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں اور محبتیں کم ہوتی ہیں۔''

''جی ماں جی۔ میں چلا جاؤں گا۔''

''چلے نہیں جاؤ گے بلکہ ابھی ہو آؤ۔'' انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

''جی بہتر۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

چاچی کی مزاج پرسی کرنے یا چاچا عبدالرحمٰن سے ملنے میں انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا بس وہ حریم سے گھبراتے تھے۔

اس کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی ہوتی تھی۔ اس کی بھیگی بھیگی سی نظریں ان کے دل میں گڑسی جاتیں۔

کاش...... کاش وہ حریم کے لیے اپنے دل کے دروازے کھول سکتے اور مریم بھی حریم کی وجہ سے ہی شاید ان سے متنفر ہو گئی تھی۔

اس روز حریم! ادھر بی آپا کی طرف ہی آئی ہوئی تھی۔ وہ اور مریم خدا جانے ہولے ہولے سر جوڑے کیا باتیں کر رہی تھیں کہ وہ تیمور کو گاؤں کی سیر کروا کر لائے تو سیدھے بی آپا کی طرف ہی آ گئے تھے اور وہاں حریم کو بیٹھے دیکھ کر لمحہ بھر کو جھجک سے گئے۔

''السلام وعلیکم۔''

حریم نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''اچھی ہوں۔'' حریم نے نگاہیں جھکا لیں۔

''چاچا جی اور چاچی جی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔''

حریم نے یونہی نگاہیں جھکائے جھکائے جواب دیا تو انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''یہ بی آپا کدھر ہیں؟''

''کچن میں ہیں۔''

مریم ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں سے شوخی جھلک رہی تھی۔

''وہ ہمارے لیے کچھ بنانے گئی ہیں آپ بیٹھیے نا۔''

وہ کھڑی ہو گئی۔

''میں انہیں بلاتی ہوں۔''

اور پھر ایک دم شرارت سے انہیں اور حریم کو دیکھتی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ تیمور بھی ان کا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا تھا تا کہ نینا اور عاشی کو اپنی سیر کا احوال بتا سکے اور وہ کمرے میں حریم کے ساتھ اکیلے رہ گئے تھے۔

''یہ...... یہ مریم کیا سمجھ رہی ہے؟'' انہوں نے بوکھلا کر حریم کی طرف دیکھا۔

آپ...... آپ نے حریم! مریم سے کچھ کہا اپنے یا میرے متعلق۔"

"کیا......؟" حریم نے حیرت سے پوچھا "میرے اور آپ کے درمیان کیا ہے جو میں مریم سے کہتی۔"

"اوہ۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"سوری حریم...... سوری خدا جانے میں کیا کیا کہہ گیا۔" وہ یک دم باہر نکل گئے اور کوریڈور میں انہیں مریم مل گئی جو بی آپا کے طوطے کے پنجرے کے پاس کھڑی اس سے باتیں کر رہی تھی۔

"مریم۔" اس کے بالکل قریب جا کر انہوں نے آہستگی سے اسے آواز دی۔

"جی۔" مریم نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"آپ تو بی آپا کو بلانے گئی تھیں۔"

"دراصل۔" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب کر شرارت سے انہیں دیکھا اور اپنی مسکراہٹ چھپانے کو سر نیچے کر لیا اور اس لمحے وہ انہیں اتنی پیاری اور اتنی خوبصورت لگی کہ ان کا جی چاہا وہ یونہی چہرے پر تھوڑی تھوڑی شرارت سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کھڑی رہے اور وہ اسے دیکھتے رہیں اور یونہی پل بیت جائیں۔

"مٹھو نے مجھے بلا لیا تھا۔" اس نے انگلی پنجرے کے اندر ڈال کر طوطے کو چھیڑا اور جب طوطے نے اس کی انگلی پر کاٹنا چاہا تو اس نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کر کے عادل کی طرف دیکھا۔

"آپ بیٹھیے نا پلیز، اندر جا کر میں بی آپا کو بھیجتی ہوں۔"

"آپ کیوں اٹھ کر آ گئی ہیں مریم؟"

"میں...... یونہی آپا کو بلانے جا رہی ہوں۔"

"مریم! آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میں...... میں اور حریم۔"

مریم یکدم سنجیدہ ہو گئی "حریم بہت پیاری ہے۔ آپ کے ساتھ بہت سجے گی۔ آپ کیوں انکار کر رہے ہیں بھائی۔ کیا حریم سے اچھی بھی کوئی لڑکی ہو سکتی ہے۔ مجھے بی آپا نے بتایا ہے، آپ ان سے شادی پر رضا مند ہو جائیں نا پھر کتنا مزہ آئے گا۔"

"حریم ہماری بھابی بنیں گی اور......"

لیکن عادل اس کی بات سن نہیں رہے تھے، وہ کھوئے کھوئے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"حریم سے اچھی بھی کوئی لڑکی ہو سکتی ہے۔" انہوں نے سرگوشی کی اور پنجرے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا مریم کی طرف جھکے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی سی چھا گئی تھی اور یک دم وہ بے حد جذباتی ہو گئے تھے

"ہاں، حریم سے اچھی بھی کوئی لڑکی ہو سکتی ہے۔ مریم جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے دور دیسوں میں بسنے والی کوئی شہزادی......"

مریم ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی حیرت اور اتنی سراسیمگی تھی کہ وہ ایک دم سیدھے ہو گئے اور ان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ یہ...... یہ کیا ہو گیا تھا انہیں...... کیا کہنے والے تھے وہ بغیر سوچے سمجھے...... بغیر......

"سوری......" وہ یک دم مڑ گئے تھے اور مریم حیران سی طوطے کے پنجرے کے پاس کھڑی رہ گئی تھی اور اس کی وہ حیرت زدہ سراسیمہ نظریں جیسے ان کے دل میں کھب گئی تھیں۔ کئی راتوں تک وہ سو نہیں سکے تھے۔ کیسے...... کیسے وہ اس کی نظروں میں سرخ رو ہوں، کیسے اسے بتائیں کہ وہ غلط نہیں ہیں۔ کئی بار انہوں نے اس ارادے سے مریم سے بات کرنا چاہی۔ وہ چاہتے تھے کہ عثمان احمد سے ہونے والی ساری گفتگو اس کو بتا دیں لیکن اس کی نظروں میں اتنی سرد مہری ہوتی کہ وہ کچھ کہہ ہی نہ پاتے تھے۔ پہلے قدم پر ہی ٹھوکر لگی تھی۔ صفائی میں کہنے کے لئے سارے لفظ بے معنی ہو کر رہ گئے تھے۔

"کیا سوچتی ہو گی وہ کہ میں......"

"میں عادل عثمان خان' اس کا سوتیلا بھائی......"

افوہ...... وہ کیا کریں۔ کیسے اپنے اور اس کے رشتے کو واضح کریں۔

وہ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں بھینچتے اور دیوار پر مکے مارتے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں۔ تب بہت اپ سیٹ ہو کر انہوں نے آج رات بی آپا سے سب کچھ کہہ دیا تھا اور بی آپا حیران سی سن رہی تھیں۔

"تو مریم' عثمان چچا کی بیٹی نہیں ہے؟"

"جی بی آپا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مریم کو اس حقیقت سے باخبر کر دیں۔ میں نے کچھ اور بھی سوچ رکھا تھا بی آپا...... ابھی میں مریم سے یہ سب نہیں کہنا چاہتا تھا۔ وہ بہت حساس ہے۔ ابا جان نے بتایا تھا مجھے اس کے متعلق کہ وہ ان سے بہت پیار کرتی ہے۔ اس لئے یہ دھچکا اسے بہت اذیت دے گا۔ بہت...... پتا نہیں وہ کیسے اور کس طرح ری ایکٹ کرے لیکن بی آپا' یہ آپ کی ذمے داری ہے کہ آپ اسے کیسے اس حقیقت سے باخبر کریں گی۔ میں...... [illegible] نظروں میں ملامت اور سرد مہری برداشت نہیں کر سکتا۔ میں بہت اذیت میں ہوں۔"

"عادل کیا مریم ہی وہ لڑکی ہے جس کا ذکر تم نے مجھ سے کیا تھا۔"

"جی بی آپا لیکن تب مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ وہ لڑکی کون ہے۔"

اور بی آپا سے دل کی بات کہہ کر بہت حد تک ان کی بے چینی اور اضطراب کم ہو گیا تھا لیکن پھر بھی دل پر بوجھ سا دھرا تھا حالانکہ انہوں نے تیمور سے دو دن مزید رہنے کا وعدہ کر رکھا تھا مگر اپنی دلی کیفیات سے گھبرا کر انہوں نے صبح واپس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ جب تک سب کچھ مریم کے سامنے کلیئر نہیں ہو جاتا' وہ اس کا سامنا نہیں کریں گے۔

"سنو عادل بیٹا' اپنے چچا سے کہنا کہ وہ وقت نکال کر ایک بار فیصل آباد..... بھی ہو آئیں تو اچھا ہے۔ اس دفعہ وہاں سے فصل بہت کم آئی ہے۔"

"جی ماں جی۔" انہوں نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ابھی وہ حویلی کے بڑے گیٹ کی طرف بڑھے تھے کہ سامنے سے امام بخش آتا دکھائی دیا "وہ جی' لاہور سے مہمان آئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔"

"کون ہیں؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"وہ جی ایک تو وہی میڈم...... میڈم نرگس جو پہلے بھی آئی ہیں دوبارا اور ایک کوئی اور ہیں جی۔ وہ جی وہ جن کا ٹی وی پر ڈراما بھی آیا تھا۔"

"اچھا' انہیں ڈرائنگ روم میں کیوں بٹھایا۔ ادھر اندر ہی لے آؤ۔"

ڈرائنگ روم حویلی کے رہائشی حصوں سے کافی فاصلے پر تھا۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرنے لگے۔ ظاہر ہے' میڈم نرگس اور ان کے ساتھ جو کوئی بھی تھا' وہ مریم اور بچوں سے ملنے آیا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے انہیں اندر بلوا لیا تھا۔ وہ ٹی وی نہیں دیکھتے تھے۔ ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ٹی وی دیکھ سکیں لہٰذا وہ میڈم نرگس کے ساتھ آنے والی خاتون کو پہچان نہیں سکے۔

"خوش آمدید میڈم۔" انہوں نے مسکرا کر ان کا خیر مقدم کیا۔ میڈم نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور پھر ساتھ آنے والی خاتون کے کان میں سرگوشی کی جو سرگوشی ہرگز نہ تھی۔

"یہ...... یہی عادل ہے' عثمان احمد کا بیٹا۔"

خاتون نے جو سیاہ سوٹ پر سیاہ شال اوڑھے ہوئے تھیں۔ گہری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ مسز عثمان احمد ہیں۔" میڈم نے تعارف کرایا "اور یہ عادل ہے' عثمان کی فرسٹ وائف سے۔"

"اوہ......" وہ یک دم مودب ہو گئے۔

"آیئے پلیز' بچے اندر ہیں۔" اور پھر مڑ کر ماں جی کے کمرے کی طرف چل پڑے۔

"ماما" مریم انہیں دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئی اور آنسو روانی سے اس کی آنکھوں میں امڈ پڑے۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز بلند ہونے لگی تو زینب عثمان احمد نے اسے آہستگی سے الگ کیا اور ہلکے سے سرزنش کی۔

"تم ابھی بھی ایسی ہو احمق اور بے وقوف۔ میں سمجھ رہی تھی ان چند ماہ میں تمہیں عقل آ گئی ہوگی۔"

"ماما" آنسو اب بھی روانی سے اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے "پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ پاپا......"

"ریلیکس موموں۔" زینب عثمان احمد نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا "تم اب ایک میچور لڑکی ہو'

غم کو برداشت کرنے کا سلیقہ سیکھو۔ تمہیں پہلے بھی سمجھایا ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح واویلا نہیں کرتے ہیں۔"

"یہ چھوٹی سی بات ہے۔" مریم نے ایک دم سر اٹھا کر انہیں دیکھا "پاپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب ہم کبھی انہیں دیکھ نہیں سکیں گے۔ کبھی ان سے باتیں نہیں کر سکیں گے۔ وہ اب کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ چھوٹی بات ہے۔"

سوچتے ہوئے اس نے آنسو پینے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ بے اختیار آئے چلے جا رہے تھے۔ وہ غیر ارادی طور پر زیتون بانو کے پیچھے ہو گئی تا کہ زینب عثمان احمد کی نظر اس پر نہ پڑے۔ پروفیسر عادل دیوار سے ٹیک لگائے انہیں دیکھ رہے تھے۔ زینب عثمان احمد نے مریم سے نگاہ ہٹا کر زیتون بانو کی طرف دیکھا جو انہیں اپنی طرف پا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور ان سے گلے ملنے کے لیے ان کی طرف بڑھیں لیکن انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے انہوں نے بغیر کسی ناگواری کا اظہار کیے تھام لیا اور سامنے پڑے ہوئے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔

"تشریف رکھیے اور آپ بھی میڈم پلیز۔" وہ یک دم میڈم نرگس کی طرف مڑ گئیں۔

"شکریہ۔" میڈم نرگس زینب کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئیں۔

"باقی بچے کدھر ہیں؟" زینب نے مریم کو مخاطب کیا۔

"تیمور تو ابھی ایک منٹ پہلے ادھر ہی تھا۔ نہ جانے کہاں چلا گیا۔" مریم نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا "غفورن' جاؤ بی آپا کی طرف ہوں گے بچے' انہیں بلا لاؤ اور انہیں مہمانوں کی آمد کی اطلاع بھی کر دو۔"

"جی۔" غفورن نے دوپٹہ ایک طرف رکھا۔

"یہ بڑی امی ہیں ماما۔ عادل بھائی کی امی۔" مریم نے تعارف کروایا "اور بڑی امی' یہ ماما ہیں۔"

اس نے ذرا سا رخ موڑ کر بڑی امی کی طرف دیکھا۔ دونوں عثمان احمد کی بیوہ تھیں۔

بڑی امی کے چہرے کے ملال سے جلال سا ٹپکتا تھا۔

جب کہ ماما کے چہرے میں ایک مایوسی' ایک دکھ سا تھا۔ جیسے بڑی امی کو دیکھ کر انہیں شاک سا لگا ہو۔ شاید وہ توقع کر رہی ہوں گی کہ بڑی امی کوئی بدصورت سی خاتون ہوں گی' تب ہی تو پاپا نے ان سے شادی کی ہوگی۔

"اُفوہ......" اس نے خود کو سرزنش کی "یہ میں کیا فضول باتیں سوچنے لگتی ہوں۔ بابا نے کتنا سمجھایا تھا کہ خود ہی خود اندازے لگا کر کہانیاں نہ بنایا کرو اور اپنے آپ کو پریشان نہ کیا کرو۔ ضروری نہیں ہے کہ تمہارا ہر اندازہ صحیح ہو۔"

لیکن اسے ماما کی خاموشی کھل رہی تھی۔ آخر وہ بڑی امی سے بات کیوں نہیں کرتیں اور پھر اس نے دیکھا تھا' ان کی آنکھوں میں آنسو بھی نہیں آئے تھے حالانکہ بڑی امی کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ جب بھی پاپا کو یاد کر کے روتی تھی' بڑی امی کی پلکیں بھی بھیگ جاتی تھیں حالانکہ پاپا کے حوالے سے یاد کرنے کے لیے تھا ہی کیا ان کے پاس۔

چند روکھے پھیکے سال جن میں عثمان احمد کی رفاقت تو تھی' لیکن اس رفاقت میں گرم جوشی اور محبت کے رنگ نہیں تھے۔

''ماما۔'' اس نے اچھی طرح اپنا چہرہ صاف کر کے پکارا ''یہاں بڑی امی' بی آپا' عادل بھائی سب نے ہی ہمارا بہت خیال رکھا۔ سب بہت پیار کرتے ہیں ہم سے۔''

''اچھا۔'' ان کے لہجے میں طنز تھا ''یہ تم پہلے فون پر بھی بتا چکی ہو۔ بہر حال آپ کا بہت شکریہ۔'' وہ بڑی امی کی طرف متوجہ ہو گئیں ''حالانکہ بچوں کو یہاں لانے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ وہاں ہمارے پرانے ملازم تھے گھر میں۔ کوئی ڈر والی بات نہ تھی بلکہ میرے خیال میں بچے وہاں زیادہ ایزی فیل کرتے۔''

''یہ پاپا کی خواہش تھی کہ جب تک آپ نہ آئیں' ہم لوگ حویلی میں رہیں۔ انہوں نے عادل بھائی سے یہی کہا تھا۔'' مریم نے فوراً وضاحت کی' اسے ان کا انداز گفتگو پسند نہ آ رہا تھا۔

''تمہارے پاپا ہمیشہ سے ہی احمقانہ اور فضول باتیں کرتے رہے ہیں۔''

پروفیسر عادل کی پیشانی پر ناگوار لکیریں سی پڑ گئیں اور وہ ایک دم ہی باہر نکل گئے۔ انہیں زینب عثمان بالکل بھی پسند نہیں آئی تھیں اور عثمان احمد نے بالکل صحیح کہا تھا کہ مریم اپنی ماں سے بالکل مختلف ہے۔

''مریم۔'' اپنے کمرے میں آ کر اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے انہوں نے زیر لب دہرایا ''مریم......'' اور پتا نہیں آج کے بعد وہ اسے دوبارہ دیکھ سکیں گے بھی یا نہیں۔ زینب عثمان احمد کے رویے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ اب ان سے رابطہ رکھنا پسند نہ کریں۔ تو کیا یوں منزل ان کے قریب آ کر دور ہو جائے گی۔

اور وہ کس قدر بدگمان نظر آتی ہے ان سے اور وہ وضاحت بھی نہیں کر پائے۔

''بی آپا سے بھی تو رات ہی انہوں نے بات کی تھی اور ابھی تک وہ ادھر آئی نہیں تھیں۔ ان کی عادت تھی کہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے پرندوں کو خوراک دیتیں اور بہت دیر تک ان کے ساتھ مصروف رہتیں اور پھر ان سے فارغ ہو کر قرآن پڑھتی تھیں اور ابھی تو وہ اپنے پورشن میں ہی تھیں کہ زینب عثمان آ گئی تھیں۔

''اور کیا یہ ضروری تھا۔'' ٹہلتے ٹہلتے رک کر انہوں نے کھڑکی سے باہر جھانکا کہ وہ تصور جسے برسوں ان کے تخیل نے تراشا تھا۔ وہ ان کی سوتیلی ماں کی بیٹی ہوتی اور ایسا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ کہیں اور ملی ہوتی

کسی اور جگہ' کسی اور گھر میں' کسی اور روپ میں تو کتنی آسانی ہوتی تو وہ سب کچھ اس سے کہہ ڈالتے یا پھر وہ اپنی حقیقت سے باخبر ہوتی۔

کیسے سجل اور خوب صورت لفظ ان کے اندر بنتے اور سنورتے تھے کہ جب وہ ملی تو وہ یوں کہیں گے اس طرح اپنے جذبے اس کے نام کریں گے مگر ان کے اندر بننے والے لفظ تو اندر ہی مرجھا کر رہ گئے تھے۔ شاید وہ ہمیشہ نامراد ہی رہیں گے۔

دل نے جیسے فیصلہ سنا دیا تو بے چین ہو کر وہ کھڑکی پر جھک گئے۔ وہ جا رہی تھی تو وہاں رکے بھی نہیں تھے۔ اسے جی بھر کر دیکھ ہی لیتے۔

اس کی شبیہ کو اپنی آنکھوں میں چھپا لیتے۔

اور وہ اس قابل تھی کہ اسے چاہا جاتا۔

پوجا جاتا۔

کتنی ہمدرد' کتنی مہربان اور کتنی شائستہ تھی۔ ماں جی اور بی آپا کتنی تعریفیں کرتی تھیں اس کی اور ماں جی نے کتنی بار حسرت سے کہا تھا کہ کاش مریم کو انہوں نے جنم دیا ہوتا۔ وہ سچ مچ ان کی بیٹی ہوتی۔

ان کی اپنی۔

وہ ایک بار پھر اسے دیکھ لیں۔

دل بری طرح مچل رہا تھا اور اس میں حرج ہی کیا ہے۔

انہوں نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور ایک بار پھر ماں جی کے کمرے میں جانے کے خیال سے مڑے ہی تھے کہ تیمور نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر انہیں کھڑے دیکھ کر دوڑ کر ان سے لپٹ گیا۔

''بھائی۔''

''ہوں جان برادر۔'' انہوں نے اپنے بازو اس کے گرد لپیٹ لیے۔

''ہم جا رہے ہیں' ماما کے ساتھ۔''

''اتنی جلدی۔ آپ لوگ کچھ دیر رکیں گے نہیں؟'' انہوں نے حسرت سے کہا۔

''نہیں' وہ ماما کو جلدی جانا ہے اور بڑی امی آپ کو بلا رہی ہیں۔''

وہ تیمور کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئے۔ مریم انہیں کامل کے کمرے کی طرف جاتی دکھائی دی تو انہوں نے تیمور کی طرف دیکھا۔

''مور آپ چلیں میں آتا ہوں۔''

وہ کامل کے بیڈ کے پاس پہنچے تو مریم کارپیٹ پر بیٹھی تھی اور کامل ریڈیو گود میں رکھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کامی۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا ''کامی' میرے بھائی' ہم جا رہے ہیں۔''

''کہاں؟''

''لاہور۔''

''بھائی کی طرح؟'' اس نے پوچھا۔

مریم نے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

''نہ لو'' (رو۔)

کامل نے ریڈیو ایک طرف پھینک دیا اور ہونٹ لٹکا لیے پروفیسر عادل بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک دم آگے بڑھے ''کیا ہی اچھا ہوتا' آپ کامی کو اپنا عادی نہ بناتیں۔ آپ نے تو چلے ہی جانا تھا اور یہ معصوم بہت دن روئے گا۔ بہت اذیت اٹھائے گا۔''

اسے تو جانا ہی تھا' وہ جانتے تھے لیکن پتا نہیں کیوں شکوہ کر بیٹھے تھے۔

مریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر بیڈ کی پٹی پر سر رکھ کر رونے لگی۔

''بھائی گندے ہیں۔'' کامل نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا ''نہ لو'' (رو۔) اور پھر شاکی نظروں سے عادل کی طرف دیکھا۔ عادل نے نگاہیں جھکا لیں۔

''مریم' اس گھر سے اپنے دل میں کوئی شک یا کدورت لے کر مت جایئے گا۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر وہ نہیں ہوتیں جو نظر آتی ہیں۔'' وہ کہنا چاہتے تھے' اسے بتانا چاہتے تھے کہ اس روز جو کچھ وہ اس سے ایک بے انتہا جذباتی کیفیت میں کہہ بیٹھے تھے۔ وہ اس کی وجہ سے ان سے متنفر اور بدگمان نہ ہو لیکن لفظ اندر ہی اندر کہیں چکرا کر گم ہو گئے۔ انہوں نے ہونٹ کھولے اور پھر کچھ کہے بنا تیزی سے باہر نکل گئے۔

❁ ❁ ❁

عاشی' مریم' نینا اور تیمور' زینب عثمان کے ساتھ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ مریم کے دل کو جیسے کوئی مٹھی میں ہولے ہولے بھینچ رہا تھا۔ کتنا جی چاہ رہا تھا اس کا کہ وہ جانے سے پہلے ایک بار پاپا کی قبر پر جائے۔ انہیں خدا حافظ کہے لیکن ماما کے خیال سے اس نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا اور خود ماما نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ قبرستان جانا چاہتی ہیں حالانکہ انہیں جانا تو چاہیے تھا۔ انکل ہادی اور ڈاکٹر عبدالمعید جب بھی آئے' قبرستان گئے بلکہ وہ تو ہمیشہ پھول لے کر آتے تھے اور ماما......

وہ ایک ایک دن ماما کے انتظار میں گن گن کر گزار رہی تھی اور ماما آئی تھیں تو پہلے ہی دن اسے ان سے شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اسے ان کا رویہ اور ان کا انداز گفتگو بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ کتنی نخوت اور غرور سے بات کر رہی تھیں۔ جب کہ بڑی امی کے لب و لہجے میں حلیمی تھی' شفقت تھی حالانکہ قصوروار تو ماما تھیں۔

بڑی امی کی مجرم تو وہ تھیں لیکن ان کی گفتگو کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بڑی مجرم ہوں' عادل قصوروار ہو۔ جب کہ یہ سب لوگ کتنے اچھے اور محبت کرنے والے ہیں اور وہ ضرور بڑی امی سے ملنے آیا کرے گی چھٹیوں میں اور بی آپا سے اور پھر حریم سے۔ حریم سے باتیں کر کے کتنا مزہ آتا تھا۔ کتنی دوستی ہو گئی تھی' اس کی حریم سے۔

مانی سے تو وہ بہت کم ملی تھی البتہ مہران اسے اچھا لگا تھا' بالکل ارسلان اور ارمغان کی طرح شوخ اور کھلنڈرا سا اور عادل...... کیا وہ بھی کوئی عیاش قسم کے جاگیردار ہیں جیسا کہ میڈم نرگس نے اسے ڈرایا تھا۔ وہ ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ عجیب سی الجھن میں گھر کر رہ گئی تھی۔ اس روز کی گفتگو...... ادھوری اور نامکمل سی اس گفتگو نے اسے بری طرح الجھا دیا تھا اور وہ کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عادل نے عاشی اور نینا کے سر کو چومتے ہوئے انہیں اپنے قریب کر لیا ''اپنی دعاؤں میں اپنے بھائی کو یاد رکھنا اور کبھی ضرورت پڑے تو بلا جھجک بتانا۔ فون کر لینا۔''

''جی۔'' عاشی کی آنکھیں بھی نم تھیں اور پلکیں بھیگ رہی تھیں۔

''بھائی' آپ لاہور آیا کریں گے نا' ہمارے گھر۔'' نینا نے پوچھا۔

''جی...... شاید۔'' انہوں نے مڑ کر پیچھے آتی زینب عثمان کو دیکھا۔ بڑی امی' بی آپا اور عادل انہیں گیٹ تک رخصت کرنے آئے تھے۔

''یہ ہماری ریت نہیں ہے کہ مہمان یوں بغیر کھانا کھائے چلے جائیں لیکن آپ نے زیادتی کی ہے۔'' انہوں نے زینب عثمان کے قریب آنے پر شکوہ کیا تو پہلی بار زینب عثمان کے چہرے پر ہلکا سا نرم تاثر ابھرا۔

''بہت لمبا سفر ہے عادل خان۔ اگر ہم کھانے کے لیے رک جاتے تو بہت دیر ہو جاتی۔ چائے کے ساتھ اتنے لوازمات تھے کہ مزید کچھ کھانے کی حاجت نہیں رہی۔''

''چلیے پھر کبھی ہم آپ کو اپنی میزبانی کا شرف بخشیں گے۔'' میڈم نرگس نے قہقہہ لگایا۔

''ضرور' کیوں نہیں۔'' پروفیسر عادل نے مؤدب لہجے میں کہا ''اینی ٹائم...... ہر وقت ہمارے گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں میڈم۔ جب چاہیں' تشریف لائیں۔ جتنے دن جی چاہیں رہیں۔''

''اپنی بات یاد رکھیے گا۔'' اب کے وہ ہنسی تھیں۔ وہی ریل کی پٹریوں پر ریل کے انجن کی آواز والی ہنسی۔

اور یہ آنٹی نرگس بھی کتنے مختلف انداز میں ہنستی ہیں۔ کبھی سڑک پر روڑی کوٹنے کی آواز۔

کبھی سیٹیاں بجاتی ہنسی۔

اور کبھی ان کی ہنسی پر سسکیوں کا گمان ہوتا ہے۔

مریم نے سوچا۔

''ہم اپنی بات سے مکرا نہیں کرتے میڈم۔'' پروفیسر عادل بہت سنجیدہ لگ رہے تھے۔

اور کتنا فخر اور کتنا مان ہوا تھا اسے یہ جان کر کہ یہ انتہائی سوبر اور خلیق سا شخص اس کا بھائی ہے۔ اس کا

بڑا بھائی اور پاپا نے بھی کتنی تعریف کی تھی لیکن...... ''بظاہر اتنا سوبر نظر آنے والا مؤدب شخص اندر سے کتنا بد تہذیب ہے۔ پاپا' بڑی امی اور بی آپا سے بالکل مختلف۔ رشتوں کے احترام اور تقدس سے بے خبر اور خدا جانے اس روز وہ کیا کہنے والے تھے۔''

اخبار میں پڑھی کئی خبریں اس کی نظروں کے سامنے سے گزر گئیں اور اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور اس کے چہرے سے ناگواری جھلکنے لگی۔ وہ بی آپا اور بڑی امی سے مل کر عادل کی طرف دیکھے بغیر کمرے میں بیٹھ گئی اور اگر اس روز وہ اپنی بات ادھوری نہ چھوڑتے تو کم از کم ان کے متعلق جاننے میں اسے آسانی ہوتی اور پروفیسر عادل کے چہرے پر اس وقت جو کرب جھلک آیا تھا' وہ اس نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو خود بہت دکھی ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا' وہ عینی سے جا کر عادل بھائی کی باتیں کرے گی۔

اپنے بڑے بھائی کی۔

کتنا معتبر لگنے لگا تھا اسے اپنا آپ۔

جیسے ایک بڑے بھائی کے ہونے سے وہ بہت معزز اور معتبر ہو گئی ہو۔

''اور سب لوگ کتنی تعریف کرتے ہیں عادل کی' حریم اور بی آپا۔''

اور وہ خود بھی کتنے سوبر لگے تھے اسے مگر......

''کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔'' یکایک اسے ادراک ہوا۔

''شاید وہ پاپا اور ماما کی سگی بیٹی نہیں۔'' مدتوں پرانا ایک شک اس کے اندر کلبلایا۔ شاید پاپا اور ماما کی اولاد نہ ہو اور انہوں نے اسے گود لیا ہو اور عادل اس حقیقت سے باخبر ہوں اور پاپا بھی تو اسے کوئی بات بتانا چاہتے تھے اور انہوں نے اس سے کہا تھا کہ وہ تحمل سے سنے گی اور اس حقیقت کو برداشت کرے گی۔

شاید وہ اسے یہی حقیقت بتانا چاہتے تھے کہ وہ ان کی بیٹی نہیں ہے اور پھر ان کی کہی ہوئی باتیں اس کے ذہن کے پردے پر جاگ اٹھیں۔ کیوں کہا تھا انہوں نے کہ وہ ہمیشہ یہ یقین رکھے کہ وہ اسے عاشی اور نینا کی طرح چاہتے رہے ہیں۔

''اف...... او۔'' اس نے سر کو نشست کی پشت سے ٹیک لیا ''اس کی شکل بھی تو ماما اور پاپا سے نہیں ملتی اور پھر عاشی بھی تو اس سے بہت چھوٹی ہے۔ ماما نے یقیناً اسے گود لیا ہو گا۔''

گرم گرم آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

''کیا حماقت ہے مومو۔ اب یہ رونا دھونا بند بھی کرو۔'' زینب نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے سرزنش کی تو آنسو پونچھتے ہوئے وہ یکدم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور کے ساتھ میڈم نرگس بیٹھی تھی۔

''عاشی نینا اور مور؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے زینب کی طرف دیکھا۔

''دوسری گاڑی میں ہیں۔'' زینب بتا کر میڈم نرگس کی طرف متوجہ ہو گئیں اور پھر سارا ٹائم میڈم نرگس

منہ پیچھے کیے اونچی آواز میں زینب عثمان احمد سے باتیں کرتی رہیں اور قہقہے لگاتی رہیں۔

اور زینب عثمان احمد کے چہرے پر شگفتگی تھی' چمک تھی اور ذرا بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ چند ماہ پہلے بیوہ ہو چکی ہیں۔

مریم چپکے چپکے ان کا جائزہ لیتی رہی۔

''یار زینی' تمہارا رویہ ان لوگوں کے ساتھ کچھ صحیح نہیں تھا۔'' میڈم نرگس نے تبصرہ کیا ''بنا کر رکھو بھئی اتنی بڑی جائداد کے مالک ہیں۔ میں تو جب جب حویلی گئی سحر زدہ سی ہو گئی۔ سجاوٹ دیکھی تھی۔ فرنیچر دیکھا تھا۔ ویسے تمہارے بچوں کا بھی حصہ تو ہو گا اس اتنی وسیع جائداد میں۔ یار' میں نے تو نوکروں سے ٹوہ لی تھی۔ یہ سارا علاقہ انہی کا ہے۔ سندھ' فیصل آباد اور سرگودھا کی طرف بھی زمینیں ہیں۔''

''وہ بی آپا کہہ رہی تھیں کہ دادا جان نے اپنی زندگی میں ہی پاپا کے حصے کی زمین ان کے نام کر دی تھی اور پاپا کو پہلے ہی پتا چل گیا تھا کہ وہ اب نہیں بچیں گے۔ اس لیے تو انہوں نے وکیل کو بلوایا تھا اور وہ فائل میرے پاس ہے۔ عادل بھائی نے ان کی ڈیتھ کے بعد مجھے دی تھی۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے زینی کہ تمہارے بچوں کا اس باقی جائداد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ تم مقدمہ تو کر سکتی ہو۔''

''فضول میں' میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔'' زینب عثمان احمد نے برا سا منہ بنایا ''اور جتنی عثمان کے نام زمین ہے' وہ بھی بہت ہے۔''

''ویسے میرے دل میں ایک اور خیال آیا ہے کہ یہ عادل۔'' میڈم نرگس کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ معنی خیز نظروں سے مریم کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیں۔ زینب عثمان احمد نے بھی مریم کی طرف دیکھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

اسے خواہ مخواہ میڈم نرگس کی باتوں سے چڑ ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا جہاں کہیں بھی وہ لوگ رکے' وہ اتر کر دوسری گاڑی میں چلی جائے گی۔

❁❁❁

اور پھر جب وہ ریفرشمنٹ کے لیے رکے تو وہ سچ مچ اتر کر دوسری گاڑی میں چلی گئی۔ تیمور بہت خوش ہوا۔

''مومو' آپ ادھر کیوں بیٹھ گئی تھیں؟''

''مجھے کیا خبر تھی کہ تم لوگ ادھر نہیں بیٹھو گے۔''

''ماما نے کہا تھا۔'' تیمور نے منہ بنایا۔

''چلو اب تو آ گئی ہوں نا۔''

عاشی اور نینا خاموش سی تھیں۔ تیمور مسلسل بول رہا تھا۔

''عاشی کیا سوچ رہی ہو؟'' اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کچھ نہیں' عادل بھائی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ کتنے اچھے ہیں وہ اور کتنے شفیق۔ بالکل پاپا کی طرح۔ کاش' وہ سچ مچ ہمارے اپنے سگے بھائی ہوتے بجو تو کتنا اچھا ہوتا۔''

''ہاں' کاش ہمارا کوئی بڑا بھائی ہوتا۔'' مریم نے بھی سوچا اور ایک دم عاشی سے پوچھا ''سب کہتے ہیں کہ تم ماما سے بہت ملتی ہو اور نینا کی آنکھیں اور ہونٹ بھی بالکل ماما جیسے ہیں۔ کیا میں...... کیا میں بھی !! کی بیٹی لگتی ہوں۔ کچھ کچھ ان جیسی ہوں۔''

عاشی نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا ''کیوں نہیں' بہت ملتی ہیں آپ ماما سے۔ آپ کا فگر تو بالکل ماما جیسا ہے اور یہ جو آپ کے رخساروں میں ڈمپل پڑتے ہیں' یہ تو آپ نے ماما سے ہی چرائے ہیں...... یاد ہے نا' ایک دن پاپا نے ماما سے کہا تھا کہ مومو نے آپ کی سب سے بڑی خوب صورتی لے لی ہے۔''

ہاں...... ہاں۔'' اسے یاد آ گیا۔ وہ سب ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے اور اس روز ماما بہت خوش اور لائٹ موڈ میں تھیں اور عاشی کو ساتھ لے کر وہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں اور اسی وقت واپس آئی تھیں اور انہوں نے آتے ہی بتایا تھا۔

''عثمان' مجھے ایک پرانی کلاس فیلو مل گئی۔ کہہ رہی تھی کہ تمہاری بیٹی نے ساری تمہاری خوب صورتیاں چرا لی ہیں۔ دیکھ لینا' بڑی ہو کر یہ بالکل تمہارے جیسی لگے گی۔ عاشی ساری کی ساری مجھ پر گئی ہے اور مومو......''

''مومو نے تمہاری سب سے بڑی خوب صورتی لے لی ہے زینی۔ یہ تمہارے رخساروں پر پڑنے والے ڈمپل۔''

اسے ایک دم اطمینان سا ہوا۔ اندر ہی اندر وہ بہت پرسکون سی ہو گئی۔

''اور پاپا سچ کہتے تھے کہ میں بہت بے وقوف ہوں۔''

''اور میرا ذہن اندازے لگانے میں بہت زرخیز ہے۔''

وہ بہت مطمئن ہو کر تیمور سے باتیں کرنے لگی۔

❁ ❁ ❁

''مریم...... مریم فار گاڈ سیک مجھے وقت دو' ملو مجھ سے۔'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شہریار نے کہا۔

''ترس گیا ہوں تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے کو۔''

''مگر شہریار' میں اس طرح کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر آپ سے ملاقات نہیں کر سکتی۔''

''اور تم گھر بھی تو نہیں آتی ہو۔ سب تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں۔''

''اچھا آؤں گی کسی دن۔''

''بہت مصروف ہو گئی ہو؟'' شہریار نے گلہ کیا۔

''یونیورسٹی سے واپس جاتے جاتے اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ......''

''مجھے کچھ نہیں پتا۔'' شہریار بدستور روٹھا روٹھا سا لگ رہا تھا ''مجھے تم وقت دو۔ مجھے تم سے بہت ساری باتیں ڈسکس کرنا ہیں۔ کتنے ہی دن ہو گئے ہیں مومی' تم سے ڈھیر ساری باتیں کیے۔ پتا ہے آج ڈاکٹر فتح بھی چھٹی پر تھے پھر بھی میں ڈاکٹر فاطمہ سے کہہ کر بھاگ آیا ہوں کہ وہ میری جگہ وارڈ میں رہیں حالانکہ وہ بے چاری گھر جا رہی تھیں۔''

''تو یہاں ہی باتیں کر لیتے ہیں۔'' مریم نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اس وقت یونیورسٹی میں تھے اور مریم ابھی ابھی ڈاکٹر جلیس حیدر کی کلاس اٹینڈ کر کے باہر نکلی تھی کہ اسے دور سے شہریار آتا دکھائی دیا۔

''یہاں سے اتنے سارے اسٹوڈنٹ آ جا رہے ہیں' اچھا نہیں لگتا۔''

''تو ادھر کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔''

''مومی کی بچی' تم مجھے بہت تنگ کر رہی ہو۔ پتا ہے رات کو مجھے نیند نہیں آئی۔''

''مگر یہ تو بڑی تشویش ناک صورت حال ہے ڈاکٹر صاحب۔ کسی اچھے اور بہت [illegible] ڈاکٹر سے رجوع کریں۔'' مریم نے شرارت سے اسے دیکھا۔

''دیکھو تم مجھ سے پٹو گی آج۔ میں بہت ناراض ہوں۔ اتنے دن ہو گئے محترمہ نے مڑ کر خبر تک نہ لی۔'' ایک تنہا کونے میں بیٹھتے ہوئے شہریار نے مصنوعی ناراضگی کا اظہار کیا ''کہ کوئی ان کے بغیر اداس بھی ہو سکتا ہے۔''

''تو کیا آپ اداس ہو گئے تھے؟'' مریم بہت لائٹ موڈ میں تھی۔ اس نے اپنا شولڈر بیگ نیچے زمین پر رکھ کر اسے دیکھا۔

''ہاں اداس تھا' بہت بہت زیادہ۔ یوں لگتا تھا جیسے تمہیں دیکھے' تم سے بات کیے' تمہیں ملے صدیاں بیت گئی ہوں۔ پتا نہیں' تمہاری محبت نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔''

''کیا؟'' مریم نے سر سے لے کر پاؤں تک اس کا جائزہ لیا ''مجھے تو کسی تبدیلی کے کوئی آثار بظاہر نظر نہیں آ رہے۔ چہرے سے مونچھیں غائب ہوئی ہیں' نہ آنکھوں میں کاجل ہے نہ ہاتھوں میں چوڑیاں۔''

''مومو...... میں سنجیدہ ہوں۔'' شہریار نے اس کی بات سمجھتے ہوئے بے اختیار مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کی۔

''ہنس لیں۔ پابندی تو نہیں۔''

''میں سچ مچ سنجیدہ ہوں مریم۔ کبھی کبھی مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے کہ اگر کبھی تم مجھے نہ مل سکیں تو کیا ہو گا۔ کیسے...... کیسے جی پاؤں گا تمہارے بغیر۔''

''جیسے بہت سارے لوگ' بہت سارے لوگوں کے بغیر جی لیتے ہیں۔''

''مریم پلیز' سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''اچھا چلیے سنجیدہ ہو گئی۔'' اتنے بہت سارے دنوں بعد شہریار کو دیکھ کر وہ بے اختیار ہی شوخ ہو گئی تھی حالانکہ شوخی اس کے مزاج کا حصہ نہ تھی۔ یوں بھی عینی بہت دنوں سے گاؤں گئی ہوئی تھی اور وہ اچھا خاصا اداس ہو رہی تھی۔ سو شہریار کو دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

''مریم! انکل کی ڈیتھ کو ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم غم کے اس حصار سے نکل آؤ تو تم سے بات کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ بابا اور ماں جی کو تمہاری ماما کے پاس بھیجوں۔''

''پلیز شہریار! ابھی نہیں۔ ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں۔ مجھے ایم ایس سی کرنا ہے اور......''

''تم ایم ایس سی مکمل کرتی رہنا سکون سے۔ میں صرف تسلی چاہتا ہوں۔ مجھے وہم آتے ہیں' جیسے تمہاری ماما کے معیار پر میں پورا نہ اتر سکوں گا۔ میرا جی اپنے کام میں نہیں لگتا۔ ایک بار یقین ہو جائے مریم کہ تم میری ہو تو میں سکون سے پارٹ ون کا امتحان دے سکوں گا۔''

مریم کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں اور رخسار تمتما اٹھے۔

''پلیز' کچھ کہو نا مریم۔ اجازت دو کہ میں بابا کو بھیجوں۔''

''نہیں پلیز' ابھی نہیں۔'' اس نے پلکیں اٹھائیں ''مجھے پہلے اپنی پڑھائی مکمل کرنے دو پھر۔''

''اور تب تک یہ وہم' یہ خوف۔ یہ تو مجھے مار ڈالیں گے۔''

''آپ یقین رکھیں۔ آپ کے وہم یوں ہی ہیں۔ ماما بہت براڈ مائنڈڈ ہیں۔''

''تمہیں یقین ہے' وہ مجھے رد نہیں کریں گی؟''

''ہاں پورا یقین ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ڈاکٹر ہادی نے ماما سے عاشی کے سلسلے میں بات کی تھی۔ آپ کو میں نے بتایا تھا نا کہ معید بھائی' عاشی کو پسند کرتے ہیں۔''

''ہی از آ ویری نائس مین۔''

''تو پتا ہے شہریار' ماما نے انہیں ٹال دیا کہ ایک تو عاشی ابھی پڑھ رہی ہے۔ دوسرے وہ اس سلسلے میں بچوں کی پسند کو اہمیت دیں گی کہ بہر حال زندگی انہوں نے گزارنی ہے۔ اس لیے وہ عاشی کی پسند اور مرضی کے بغیر ایسا کوئی وعدہ ان سے نہیں کر سکتیں۔''

''مگر پتا نہیں کیوں مجھے خوف آتا ہے۔''

''فضول خوف ہیں آپ کے۔''

''جانی' آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہو تو پتا ہو کہ جب آدمی کسی سے محبت کرتا ہے تو یہ خوف اور یہ وہم کیسے آکٹوپس کی طرح دل کو جکڑ لیتے ہیں۔''

''اب زیادہ رومنٹک نہ ہوں۔'' مریم کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔

رومنٹک۔ کیا بھئی' میں زیادہ تو کیا معمولی سا رومنٹک بھی نہیں ہوتا۔''

''اور یہ ابھی کیا کہہ رہے تھے۔''

''کیا؟'' شہریار کے ہونٹوں پر بھی شوخ سی مسکراہٹ آ گئی۔

''یہی جو ابھی کہا تھا۔''

''کیا کہا تھا' مجھے تو کچھ یاد نہیں۔''

''بنیں مت۔'' اس نے بیگ اٹھا لیا۔

''ہیں...... ہیں...... یہ کہاں چلی ہو تم...... ابھی تو ہم نے کوئی بات بھی نہیں کی۔'' اس نے ایک دم مریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مریم ایک بار پھر بلش ہو گئی اور اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''اور یہ جو اتنی دیر سے باتیں ہو رہی تھیں۔''

''یہ باتیں کہاں تھیں۔ ابھی تو میں نے تمہیں اپنا فسانۂ دل سنانا ہے۔ اپنی بے چینیوں اور بے قراریوں کا احوال تمہیں گوش گزار کرنا ہے۔''

''یہ آج آپ کو کیا ہو گیا ہے شہریار۔'' مریم کو سچ مچ حیرت ہوئی۔ وہ تو اچھا خاصا سنجیدہ بندہ تھا

''ہمارے بزرگ کہہ گئے ہیں کہ خلل ہے دماغ کا۔''

''اس کا کوئی علاج تو ہو گا نا۔''

''ہاں ہے' لیکن فی الحال ممکن نہیں۔''

''پتا ہے مریم۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا ''اتنے سارے دن ہو گئے تھے' تم سے ملے' تم سے باتیں کیے۔ آج صبح سے ہی طبیعت بہت اداس تھی۔ اب تم سے ملا ہوں' تمہیں دیکھا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اوٹ پٹانگ باتیں کروں۔ یونہی فضول اور بے معنی اور پھر ان بے معنی اور فضول باتوں پر ہم دونوں مل کر خوب ہنسیں اور یہ جو اندر ہی اندر اداسی کا غبار سا چھایا ہوا ہے نا' یہ چھٹ جائے۔ پتا نہیں کیوں' کبھی کبھی یوں ہی اداسی کے بادل سارے وجود کو گھیر لیتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہے مریم؟''

''بہت...... بہت بار شہریار! اداسی خود بخود یوں ہی بلاوجہ گھیراؤ کر لیتی ہے اور بظاہر اس کی کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی۔ پتا ہے شہریار جب میں چھوٹی سی تھی نا تب سے ہی کبھی کبھی میں سوچتی تھی کہ شاید میں ماما کی سگی بیٹی نہیں ہوں۔ پتا نہیں کیوں' مجھے لگتا تھا' جیسے ماما مجھ سے اس طرح اور اتنی محبت نہیں کرتیں جیسے سگی ماں اپنی اولاد سے کرتی ہے اور جب میں بڑی ہو گئی' تب بھی کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا تھا تو میں یونہی اداس ہو جاتی تھی بلاوجہ اور اب جب کہ مجھے یقین ہے کہ میں ماما کی سگی بیٹی ہوں۔ تب بھی میں کبھی کبھی بلاوجہ اداس ہو جاتی ہوں۔'' وہ ہولے ہولے دھیمے دھیمے مدھم لہجے میں بولتی گئی اور شہریار بہت دھیان سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ وہ جب کبھی ملتے تھے۔ وہ یونہی اپنے بچپن کی کوئی بات کرتی۔

عاشی اور تیمور کی باتیں۔

نینا اور ماما کی باتیں کرتی رہتی اور وہ نہایت انہماک سے اس کی باتیں سنتا اور اس کی آواز کی خوب صورتی' اس کے لہجے کے حسن کو اپنے اندر اتارتا رہتا۔

''آپ بور تو نہیں ہوتے شہریار؟'' کئی بار اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں' ذرا بھی تو نہیں۔ تمہاری آواز اتنی خوب صورت ہے اور تمہارے لہجے میں اتنا حسن ہے کہ جی چاہتا ہے کہ تم بولتی رہو اور میں سنتا رہوں۔''

اور وہ گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔

شہریار بھی اپنے بچپن کی' بابا کی' عینی' ارسل اور منے کی باتیں اسے سناتا اور وہ بھی اتنی ہی توجہ سے سنتی۔

حویلی سے واپس آتے ہی اس نے عینی سے رابطہ کیا تھا۔ عینی' بابا' ماں جی سب ہی اس سے ملنے اور افسوس کرنے آئے تھے اور حیرت کی بات تھی' ماما سب سے بڑی اچھی طرح ملی تھیں۔ شہریار کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا تھا کہ اس نے اسپتال میں مریم کا خیال رکھا۔

''تمہاری ماما تو اتنی اچھی ہیں۔ اتنی خوب صورت اور اتنی پولائٹ اور خوش اخلاق۔'' عینی نے جاتے جاتے سرگوشی کی تھی ''اور تم خوامخواہ ماما سے خفا رہتی تھیں۔''

''ہاں۔'' اس نے تفاخر سے زینی کی طرف دیکھا۔

وہ جب سے آئی تھیں' سب کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔ دن میں دو تین بار وہ یہ ضرور کہتی تھیں کہ وہ سب بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ شاید وہاں کسی نے تم لوگوں کا زیادہ خیال نہیں رکھا۔

''نہیں ماما' ایسی بات نہیں ہے۔ وہ سب بہت چاہنے والے اور محبت کرنے والے لوگ ہیں۔'' وہ فوراً دفاع کرتی لیکن اسے ماما کی تشویش اچھی لگتی تھی۔ ان دنوں وہ زیادہ گھر پر ہی رہتی تھیں۔ بہت کم باہر جاتی تھیں۔ میڈم نرگس' بیگم آفندی اور شرجیل مرزا بھی کبھار آ جاتے۔ اس نے شرجیل مرزا سے چڑنا چھوڑ دیا تھا۔ اگر سامنا ہو جاتا تو خوش اخلاقی سے سلام کرتی۔ عموماً وہ ماما کی موجودگی میں ہی آتا تھا اور کوئی غیر اخلاقی بات نہ کرتا تھا۔ پاپا کی موت سے زندگی میں کتنے چینجز آ گئے تھے اور سب سے بڑا چینج تو ماما میں آیا تھا۔

ایسے اس طرح تو وہ کبھی گھر میں نہیں رہتی تھیں۔ نہ یوں محبتوں کا اظہار کرتی تھیں۔ اب تو وہ کھانے کی میز پر سب کو اصرار کر کے کھلاتیں۔

''مور بیٹا' یہ لو۔''

''نینا جانو' تم تو کچھ بھی نہیں لے رہی ہو۔''

''عاشی جان' اتنی تھوڑی خوراک ہو گئی ہے تمہاری۔ بیٹا کھایا پیا کرو۔''

''اور مومو تم بالکل بھی اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتیں۔ جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ تمہارے

پاپا کی اتنی ہی زندگی تھی۔ تم سب خوش رہا کرو۔''

اور ماما کی اس توجہ اور اس التفات پر وہ اندر ہی اندر خوش ہوتی رہتی۔ خود بخود اس کے اندر بردباری سی آ گئی تھی۔ ذات کی ساری تلخی جیسے ختم ہو گئی تھی۔

شہریار کی محبت کو بھی اس نے قبول کر لیا تھا۔

اس سے باتیں کرنا' اسے سوچنا۔

اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اب کبھی کبھی اسے لگتا' جیسے اس کی محبت اس کی رگوں میں دوڑتے لہو میں شامل ہو گئی ہو۔ چند دن اس سے بات نہ ہو پاتی تو زندگی ایک دم پھیکی پھیکی لگنے لگتی تھی۔

اور اس سب کے باوجود کبھی کبھی پاپا بہت شدت سے یاد آتے تو وہ اپنے کمرے میں چھپ کر چپکے چپکے روتی۔ تیمور' نینا اور عاشی مری چلے گئے تو اب وہ زیادہ بور نہیں ہوتی تھی' ہاں انہیں یاد بہت کرتی تھی۔ انہیں فون کرتی خط لکھتی اور ان کے لیے شاپنگ کرتی۔

پاپا کو کتنا خوف تھا کہ ماما کی اپنی مصروفیات ہیں۔

لیکن ماما نے اپنی ساری مصروفیات چھوڑ دی تھیں۔ خود انہیں لینے اور چھوڑنے جاتی تھیں اور سب کچھ کتنا اچھا تھا۔ کتنا اچھا ہو گیا تھا۔ کاش پاپا بھی ہوتے۔

''مومی' کیا سوچ رہی ہو؟'' شہریار بہت دیر سے اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ چونکی۔

''میں تو تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ ابھی مجھے دیکھو۔ جب میں نہیں ہوتا' تب مجھے سوچا کرو۔''

''بڑی خوش فہمی ہے۔'' وہ سر نیچے کر کے مسکرائی۔

''ہاں ہے تو کوئی اعتراض؟''

''نہیں۔'' وہ ایک دم ہنس پڑی اور اس نے زمین پر پڑا اپنا شولڈر بیگ اٹھایا۔

''اب چلیں۔''

''کچھ دیر اور نہیں ٹھہر سکتیں مریم؟''

''میں سر نیازی کا پیریڈ مس نہیں کر سکتی شہریار' بہت اہم موضوع پر لیکچر دے رہے ہیں وہ آج کل۔''

''کسی سے لے لینا۔''

''مجھے کسی کے لیے ہوئے نوٹس پسند نہیں آتے۔ میں اپنی مرضی کے پوائنٹ نوٹ کرتی ہوں نا' پلیز۔''

''اچھا بابا۔'' وہ کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ''ویسے کیا کرنا ہے تمہیں ایم ایس سی کر کے یار گھر دار

دیکھو۔ جانتی ہونا' میں ایک غریب بندہ ہوں اور میرے گھر میں نوکروں کی فوج ظفر موج نہیں ہے۔ ماں جی کچن کا سارا کام خود ہی کرتی ہیں۔'' خود بخود اس کے لہجے میں سنجیدگی آ گئی تھی۔

'' جانتی ہوں۔'' مریم نے لائٹ موڈ میں کہا'' اور اب جائیں جناب' ویسے ہی سب دیکھ رہے ہیں اور ہاں' آئندہ ادھر یونیورسٹی میں نہیں آنا پلیز۔''

'' تو پھر کیا کروں۔ کہاں آؤں۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

'' مصیبت یہ ہے کہ سکندر ماموں اب گاؤں میں سیٹل ہو گئے ہیں اور ماں جی مہینے میں دو تین چکر تو ضرور لگاتی ہیں وہاں کے اور کبھی کبھی یہ عینی کی بچی بھی ان کے ساتھ غائب ہو جاتی ہے اور عینی نہیں ہوتی تو تم بھی نہیں آتی ہو اور میں بے چارہ '' اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی'' ترس جاتا ہوں تمہیں دیکھنے کو۔''

'' اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔''

'' کس بات کا ''

'' واقعی کچھ۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا'' خلل ہے دماغ کا۔ خیر...... یہ عینی کب تک آئے گی؟''

'' پتا نہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے'' گاؤں جا کر تو ماں جی کا جی ہی نہیں چاہتا واپس آنے کو اور پتا ہے' سکندر ماموں کہہ رہے تھے کہ میں بھی گاؤں آ جاؤں اور وہیں ان کے ساتھ اسپتال میں کام کروں۔''

'' تو آپ۔'' مریم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ یک دم دل کو جیسے کچھ ہوا تھا۔

'' میں نے ابھی سوچا نہیں کچھ۔ ڈاکٹر رافع مجھے یہاں سے ملنے نہیں دے رہے اور پروفیسر عادل نے بھی مجھے مشورہ دیا ہے کہ یہاں سیکھنے کے زیادہ مواقع ہیں۔ صرف کتابیں پڑھ کر تو کچھ نہیں سیکھا جاتا۔ خاص طور پر جو میرا شعبہ ہے' سرجری کا۔ اس میں تو...... اور وہاں گاؤں میں تو ظاہر ہے' اتنے کیسز نہیں ہوں گے۔'' اس نے تفصیل بتائی'' ویسے سر کا خیال تھا کہ اگر میں مہینے میں دو دفعہ گاؤں چلا جایا کروں تو بہتر ہے۔ اس طرح وہاں گاؤں میں بھی سکندر ماموں کے ساتھ کچھ کر سکوں گا۔''

'' پھر آپ نے کیا سوچا......؟''

'' سوچ رہا ہوں...... اور ہاں۔'' پروفیسر عادل کے ذکر سے اسے یاد آیا'' بہت دنوں سے سر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لاسٹ ویک اینڈ پر گیا تھا۔ خدا بخش نے بتایا تھا' حویلی گئے ہوئے ہیں۔ خیریت سے تو ہیں نا۔ آتے رہتے ہیں کیا؟''

'' بہت کم...... شروع میں مورو غیرہ سے ملنے آتے تھے لیکن ماما ان کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتیں۔''

'' یہ نیچرل بات ہے لیکن مریم' وہ ایک بہترین انسان ہیں۔ بہت اعلیٰ اخلاق کے مالک' بہت منفرد شخصیت ہے ان کی۔ بہت ساری خصوصیات اللہ نے ان کی ذات میں اکٹھی کر دی ہیں۔ تم یقین کرو گی کہ وہ میرے آئیڈیل ہیں۔''

'' پتا نہیں۔'' مریم کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں سی پڑ گئیں'' کچھ لوگوں نے اپنے اوپر بہت سارے پرت چڑھا رکھے ہوتے ہیں اور جب یہ پرت اترتے ہیں تو اندر سے ایک کھوکھلی شخصیت نکل آتی ہے۔''

'' ارے' تمہارے اندر بھی سوتیلا پن بولنے لگا؟'' وہ ہنس پڑا۔

'' نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ شرمندہ ہو گئی'' مجھے تو بڑی امی' بی آپا' کامل سب لوگوں سے بہت پیار ہے اور میں انہیں بہت یاد کرتی ہوں بلکہ میں نے ماما سے کتنی دفعہ کہا بھی ہے کہ وہ مجھے حویلی لے جائیں۔ ان سے ملوانے کے لئے لیکن ماما ٹال جاتی ہیں لیکن یہ جو عادل ہیں نا...... پتا نہیں کیوں' مجھے اچھے نہیں لگے۔ جاگیر دارانہ سوچ والے۔ میڈم نرگس کہتی ہیں کہ جاگیر دار بڑے عیاش ہوتے ہیں۔''

'' ہاں' ہوتے ہوں گے لیکن تمہارے یہ اسٹیپ برادر ایسے نہیں ہیں مومو۔ بہت مختلف ہیں' بہت بلند۔ کبھی جو تمہیں ان کے قریب رہنے کا موقع ملتا تو تم دیکھتیں۔ یار' تمہیں اپنے بھائی پر فخر کرنا چاہئے۔''

'' فخر۔'' اس کے اندر تلخی سی گھل گئی۔

اس روز...... کتنا عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اسے پتا نہیں کیا کہنا چاہ رہے تھے' وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی پھر بھی اسے ناگواری کا احساس ہوا تھا۔ ذہن عجیب طرح سے الجھ گیا تھا اور پھر ان کی نگاہیں۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا' جیسے وہ اس کے اندر اترتی رہی ہوں۔ اسے کھوجتی ہوں' اسے تلاش کرتی ہوں۔ کچھ کہتی ہوں اس سے مگر کیا۔

یہ وہ سمجھ نہیں پائی تھی حالانکہ پہلی بار جب اسپتال میں اس نے انہیں دیکھا تھا تو کتنی توانائی کا احساس ہوا تھا اسے۔ کتنے اچھے لگے تھے وہ اسے۔ بالکل پاپا کی طرح شفیق اور مہربان لیکن پھر وہ الجھ گئی تھی اور اس الجھن کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ سب ہی ان کی تعریف کرتے تھے۔ مورتو ان کا دیوانہ تھا۔ نینا جب بھی گھر آتی تو ان کی ہی باتیں کرتی۔ وہ اکثر مری انہیں ملنے جاتے تھے اور ڈھیروں چیزیں لے کر جاتے اور تو اور عاشی بھی انہیں پسند کرتی تھی حالانکہ وہ بہت مغرور لگنے لگی تھی پھر وہ بھی ماما سے ان کے لیے الجھ پڑتی تھی۔ جب ایک بار وہ ویک اینڈ پر گھر آئی ہوئی تھی اور عادل کا فون آیا تھا تو ماما نے کہہ دیا تھا کہ بچے گھر پر نہیں ہیں تو عاشی نے بے حد حیرت سے پوچھا تھا۔

'' آپ نے ایسا کیوں کہا ماما۔ بھائی ہیں وہ ہمارے اور پاپا نے انہیں ہمارا خیال رکھنے کو کہا تھا۔''

'' تمہارا بھائی صرف تیمور ہے۔'' ماما کے لہجے میں سختی تھی۔

'' آپ کے کہنے سے رشتے ختم ہو سکتے۔ ان کی اور میری رگوں میں دوڑنے والا خون ایک ہی ہے۔''

'' صحیح لیکن میں پسند نہیں کرتی' اس کا یہاں زیادہ آنا جانا۔''

'' مگر وہ یہاں ہم سے ملنے آتے ہیں' آپ سے نہیں۔'' عاشی میں خودسری سی آ گئی تھی۔ وہ اپنی من مانی کرنے لگی تھی۔ اپنی پسند کے ڈریسز خریدتی۔ اپنی پسند کو ترجیح دیتی تھی۔ ایسا لگتا تھا' ماما سے دور رہ کر وہ

ماما کے تسلط سے نکل گئی تھی حالانکہ وہ اب بھی ماما کی پسند کے ڈریسز پہنتی تھی' جب کہ اس کی پسند ماما کی پسند سے خاصی مختلف تھی۔

اور اس رات عاشی نے اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا تھا ''مجھے عادل بھائی کے ساتھ ماما کا رویہ پسند نہیں ہے۔''

''عاشی' ان کا رویہ بالکل نیچرل ہے۔''

''حالانکہ اب تک ان کا کوئی بھی رویہ کبھی نیچرل نہیں رہا۔'' عاشی نے کندھے اچکائے ''خیر عادل بھائی کے ساتھ ان کا رویہ نیچرل ہی سہی لیکن ہمارا تو ان کے ساتھ رشتہ ہے نا' بجو اور پتا ہے' مجھے ان کی موجودگی سے تحفظ کا احساس ہوتا ہے اور جب وہ وہاں آتے ہیں مری تو بہت فخر محسوس ہوتا ہے مجھے کہ یہ میرے بھائی ہیں' اتنی زبردست پرسنیلٹی کے مالک۔ کیا آپ کو یہ احساس نہیں ہوتا؟''

وہ خاموش رہی۔ یہ احساس نہ جانے کس الجھن تلے دب گیا تھا' ایک سراسیمگی اور گھبراہٹ کا احساس ہوتا تھا' اب تو پتا نہیں کیوں۔ شاید وہ شروع سے ہی بقول ماما کے ایک نفسیاتی کیس رہی ہے۔ پہلے وہ ماما اور پاپا کے متعلق الجھن کا شکار رہتی تھی اور اب یہ عادل بھائی۔

''بہر حال میں ماما کے کہنے پر اور صرف ان کی وجہ سے عادل بھائی سے نفرت نہیں کر سکتی اور نہ ان سے تعلق توڑ سکتی ہوں۔''

کتنا کانفیڈنس تھا عاشی میں' کتنی بدل گئی تھی وہ۔ شاید ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے۔

شہریار بھی جانے کس سوچ میں تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے لڑکوں کا ایک گروپ قہقہہ لگا کر ہنسا تو وہ دونوں چونکے۔

''اچھا اب اجازت۔'' شہریار نے ہلکا سا سر خم کرتے ہوئے اجازت چاہی۔

''اللہ حافظ!'' وہ مسکرائی ''عینی آ جائے تو اس کے ساتھ آنا۔''

اس نے سر ہلا دیا۔

''بہت یاد آتی ہو۔ بہت مس کرتا ہوں تمہیں۔'' جاتے جاتے اس نے سرگوشی کی۔

''پتا نہیں' یہ محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔'' ڈاکٹر نیازی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے سوچا۔ وہ بھی تو شہریار کو یاد کرتی تھی اور اسے مس کرتی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ بس وہ دونوں یونہی باتیں کرتے رہیں اور کبھی نہ تھکیں اور اگر لالہ ہوتی یہاں تو وہ اس سے ضرور پوچھتی اور لالہ اس کی کیفیات جان کر کتنی محظوظ ہوتی' کتنا تنگ کرتی اسے۔

اور لالہ تو ایسی گئی تھی کہ پھر مڑ کر آئی ہی نہیں تھی۔ پتا نہیں' وہاں اپنے والد کے گھر میں وہ اعزاز سے مل بھی پاتی ہوگی یا نہیں...... اور اعزاز...... اعزاز کے بغیر وہ کیسے رہتی ہوگی وہاں۔ اب جب کہ وہ خود محبت

ے آشنا ہو رہی تھی تو لالہ کے لئے اکثر اس کا دل گداز ہوتا رہتا تھا۔ کاش کہیں سے اسے لالہ کا فون نمبر مل جاتا تو وہ ایک بار اسے فون تو کرتی اور وہ کتنی بے وفا تھی کہ اس نے مڑ کر فون ہی نہیں کیا تھا۔

''خیر آج آنٹی نرگس سے پوچھوں گی۔ کیا خبر انہیں نمبر معلوم ہو۔'' اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اس سے گزرتی ہوئی اپنی ایک کلاس فیلو کی طرف متوجہ ہوگئی۔

❁❁❁

مریم جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی ڈرائنگ روم سے قہقہوں کا اک شور سا اٹھا۔ اس نے پاس سے گزرتے شریف کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ جی سب آئے ہوئے ہیں۔ اپنے شجی صاحب اور وہ جی سارے فلم والے۔''

''اچھا'' وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

''سینے جی۔''

اس نے مڑ کر دیکھا۔

''آپ ذرا بیگم صاحبہ سے کہہ دیں نا۔ میری سفارش کر دیں جی' فلم والوں سے مجھے بھی کوئی چانس وانس مل جائے فلم میں جی۔''

''اچھا' میں کہہ دوں گی۔'' وہ مسکرائی۔

اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ وہ جب بھی شہریار سے مل کر آتی تھی' اس کا موڈ بہت اچھا ہوتا تھا۔ اپنے اردگرد کی ہر شے اسے خوب صورت اور دلکش لگتی جیسے تمام کائنات خوش ہو۔ کسی کو کوئی دکھ نہ ہو۔ شاید یہ شہریار سے ملنے کی خوشی ہوتی تھی۔ آج بھی شہریار سے مل کر جیسے اس کی ساری تھکن اور ساری د..ن دور ہوگئی تھی حالانکہ پچھلے کئی دنوں سے وہ بے حد تھکن محسوس کر رہی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ اگر آج بھی عینی نہ آئی تو وہ بھی دو تین روز یونیورسٹی سے چھٹی کر لے گی اور اگر عینی آئی ہوگی تو پھر وہ اس کے ساتھ گھر جائے گی۔

ماں جی کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چائے پیئے گی' ارسل اور منے سے گپ شپ لگائے گی اور شہریار کو دیکھے گی اور اگر بابا ہوئے تو ان سے اچھی اچھی باتیں کرے گی لیکن عینی نہیں آئی تھی البتہ شہریار آ گیا تھا اور شہریار سے مل کر' اس سے باتیں کر کے وہ کس قدر فریش ہوگئی تھی۔ مہینے بھر کی تھکن دور ہوگئی تھی۔

بیگ ایک طرف اچھالتے ہوئے وہ بیڈ پر گر سی گئی اور ریلیکس ہونے کے لئے ذرا سی دیر کو اس نے آنکھیں موند لیں اور بند آنکھوں میں شہریار کا سراپا اتر آیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی وہ اسے ہی سوچتی رہی تھی۔ سنجیدہ سا شہریار آج کتنا شوخ ہو رہا تھا اور کس قدر مختلف اور بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ حتیٰ کہ سر نیازی کے لیکچر کے دوران بھی اس کی باتیں' اس کی وارفتگی اسے گدگداتی رہی تھی اور سر نیازی کے اتنے اہم لیکچر کا

ایک لفظ بھی اس کے پلے نہیں پڑا تھا اور نہ ہی وہ کوئی پوائنٹ لکھ سکی تھی اور شہریار کی محبت میں کیسی بے خودی تھی کہ وہ اردگرد سے بھی بعض اوقات غافل ہو جاتی تھی اور اگر لالہ یہاں ہوتی تو وہ ضرور اسے اپنے راز میں شریک کرتی اور اسے بتاتی کہ اسے بھی محبت ہے۔

محبت۔ پتا نہیں کیسا جذبہ ہوتا ہے اور کیوں ہو جاتی ہے یہ محبت اور جب لالہ کو پتا چلتا تو وہ کیسے آنکھیں مٹکاتی اور کیسے اسے چھیڑتی اور اسے مشورے دیتی۔ حالانکہ لالہ عمر میں اس سے چھوٹی تھی پھر بھی وہ اس کے مقابلے میں بہت زیادہ جانتی تھی اور اس کی باتیں اسے حیران کر دیا کرتی تھیں۔ آج کل لالہ اسے اکثر یاد آتی تھی حالانکہ وہ اس سے بہت زیادہ قریب کبھی بھی نہیں رہی تھی اور نہ ہی وہ اس کی اس طرح دوست تھی جس طرح عینی تھی پھر بھی وہ اسے سوچتی تھی اور اسے یاد کرتی تھی اور پتا نہیں' لالہ بھی اسے یاد کرتی ہو گی بھی یا نہیں؟

اور ضرور آنٹی نرگس بھی آئی ہوں گی۔ بھلا ماما کے سب دوست اکٹھے ہوں اور آنٹی نرگس نہ ہوں۔ پاپا ہمیشہ آنٹی نرگس کو ماما کی بیسٹ فرینڈ کہا کرتے تھے اور خود ماما بھی لیکن پتا نہیں کیوں اسے ہمیشہ آنٹی نرگس فراڈ لگی تھیں جیسے ماما کے [illegible] میں بہت زیادہ ان کا ہاتھ ہو اور وہ ماما سے جیلس ہوں۔ ان کی خوب صورتی اور اسمارٹنس سے اور پاپا سے کہ پاپا جیسے ہینڈسم بندے کی وائف ہیں۔ وہ ہمیشہ پاپا اور ماما کے درمیان ہونے والے معمولی جھگڑے کو ہوا دیتی تھیں اور جب پاپا آخری بار ہاسپٹل گئے تھے تب بھی وہ انہیں ماما کے خلاف بھڑکا رہی تھیں سو اسے آنٹی نرگس کبھی اچھی نہیں لگی تھیں۔ دوغلی' اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور۔ ماما اس بات سے بے خبر تھیں جب کہ لالہ' آنٹی نرگس سے بالکل مختلف تھی اور اگر آنٹی نرگس آئی ہوں تو وہ ان سے جا کر لالہ کا پتا کر لے۔ کئی دنوں سے اس کا بہت جی چاہ رہا تھا لالہ سے باتیں کرنے کا اسے اپنی کیفیات بتانے کا۔

وہ اٹھ بیٹھی' تب ہی صفو نے اندر جھانکا۔

"کھانا لگاؤں؟"

"نہیں' بھوک نہیں ہے' بس ایک کپ چائے بنا دو اور ہاں سنو۔ آنٹی نرگس بھی ہیں؟"

"جی کچھ دیر پہلے تو تھیں لیکن جب میں چائے لے کر گئی تھی تو وہ کہہ رہی تھیں کہ انہیں کہیں جانا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم چائے لے آؤ۔"

اس نے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش کیا اور چائے پی کر اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ ڈرائنگ روم سے اب بھی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اور بڑے دنوں [illegible] ماما کے سب دوست اکٹھے ہوئے تھے۔ وقتاً فوقتاً تو کوئی نہ کوئی آ جاتا تھا۔ کبھی شرجیل مرزا' کبھی [illegible] نرگس' کبھی کوئی اور' اور ماما انہیں انٹرٹین کرتیں لیکن سارا وقت اداس اداس سی

رہتیں۔ اکثر سیاہ کپڑے پہنتیں۔ چلو اچھا ہے' آج سب لوگ آئے ہیں تو ماما بھی خوش ہو جائیں گی۔ ورنہ پاپا کے بعد وہ کتنی اداس رہنے لگی تھیں۔ شاید انہیں ان کے بعد ان کی اچھائیوں کا احساس ہوا تھا۔

اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔ بالکل سامنے شرجیل مرزا بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ ماما بیٹھی تھیں۔ آج بھی انہوں نے سیاہ لباس پہنا ہوا تھا اور کالا رنگ ان پر کتنا سجتا تھا اور اس رنگ میں وہ کس قدر حسین لگتی تھیں۔ آنٹی نرگس شاید جا چکی تھیں۔ ادھر بہت سے لوگ تھے جن میں سے کئی ایک کو وہ جانتی نہیں تھی۔ شاید ان کی فلم سے متعلق لوگ تھے اور ان کے ساتھ فلم میں آنے والا وہ کم عمر ہیرو بھی تھا اور آنٹی نرگس...... انہیں دیکھنے کے لیے اس نے ایک بار پھر ادھر اُدھر دیکھا اور اس کی نظریں پھر ماما پر ٹک گئیں۔

اور ماما' شرجیل مرزا کے کس قدر قریب بیٹھی نہ جانے کس بات پر ہنس رہی تھیں۔

"بھئی' یہ سیاہ لبادہ اب اتار دیجیے میڈم' بہت سوگ منا لیا آپ نے۔" نہ جانے کس نے کہا تھا۔

"سوگواری نے حسن دو آتشہ کر دیا ہے۔" شرجیل مرزا کی آواز آہستہ تھی لیکن مریم کے کانوں تک بخوبی آ رہی تھی۔ وہ یونہی ذرا سا پردہ ہٹائے دم بخود سی کھڑی تھی۔

"بجا فرمایا۔" کسی نے تائید کی۔ موضوع گفتگو ماما تھیں' سو ان کی گھنی پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں ہمیں قتل کرنے کا ارادہ ہے مسز عثمان؟" شرجیل مرزا تھوڑا سا ان کی طرف جھکا۔

"شجی' تم بہت فضول بولتے ہو۔" زینب عثمان نے اسے ٹوکا۔

"ہاں جی' آپ کہہ سکتی ہیں' جو بھی چاہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں جو مزاج یار میں آئے۔ بھئی' ایک تو میرا شعری ذوق بہت خراب ہے۔ مجتبیٰ ہوتا تو درستی کر دیتا۔" کہتے ہوئے شرجیل مرزا سیدھا ہوا اور اس کی نظریں یکدم پردہ اٹھائے اندر جھانکتی ہوئی مریم پر پڑیں تو وہ بے اختیار اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ پردہ مریم کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ وہاں سے ہٹ کر لاؤنج میں آ بیٹھی اور ٹی وی آن کر دیا۔ ذہن ایک دم پراگندہ سا ہو گیا تھا۔

"کیا تھا یہ سب۔"

"کیا ماما پھر پہلے جیسی ہو جائیں گی۔"

"سب کچھ کتنا اچھا اور خوش کن ہو گیا تھا۔"

"نہیں۔" اس نے جیسے اپنے آپ کو تسلی دی" بھلا اب پھر سب کچھ کیسے بدل سکتا ہے پھر بھلا اس میں ماما کا کیا قصور۔ وہ سب لوگ ماما سے ملنے آئے ہیں تو ظاہر ہے' ماما کو ان سے ملنا اور بات تو کرنا ہی ہے اور پھر وہ لوگ تو اسی طرح باتیں کرنے کے عادی ہوں گے۔ ایسی ہی فضول باتیں۔"

اس نے ریموٹ اٹھا کر چینل بدلا۔

ایس ٹی این سے "مسٹر بین" دکھائی جا رہی تھی۔ ذرا سی دیر کو وہ اسے دیکھنے میں محو ہو گئی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا کوئی بہت دلچسپ چیز دیکھی جا رہی ہے؟" شرجیل مرزا جانے کب لاؤنج میں آ گیا تھا۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا "بس یہ مسٹر بین دیکھ رہی تھی۔"

حالانکہ اسے نینا' عاشی اور مور کے ساتھ وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی لیکن اب یونہی مصروفیت ڈھونڈی تھی اس نے۔

"بہت دلچسپ ہے کیا؟" شرجیل مرزا سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"بس سو سو۔" وہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی اور آواز قدرے اونچی کر دی۔

"کمال ہے ابھی تو ہمیں چھپ چھپ کر دیکھا جا رہا تھا اور اب ہم سامنے آ کر بیٹھ گئے ہیں کہ لو جی بھر کر دیکھ لو تو نظریں ہی نہیں ملائی جا رہیں۔"

"کیا!" اسے کرنٹ سا لگا "میں آپ کو دیکھ رہی تھی۔ جی نہیں' غلط فہمی ہے آپ کی۔"

"تو پھر کیا اپنی مما کی جاسوسی ہو رہی تھی؟"

"مجھے ماما کی جاسوسی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تپ گئی لیکن حتی الامکان اس نے اپنا لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی۔ "میں تو آنٹی کو دیکھنے آئی تھی۔ آنٹی نرگس کو۔"

"اچھا۔" شرجیل مرزا نے اچھا کو لمبا کیا۔

"ہم سمجھے...... خیر۔" اس نے ٹھنڈی سانس لی "اگر ہم پر بھی نظر عنایت ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"پلیز۔" اس نے درخواست کی "میں آپ سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔ بہتر ہے آپ ماما کے پاس ہی جا کر بیٹھیں۔"

"ابھی انہی کے پاس سے ہی تو اٹھ کر آ رہا ہوں جانم......!"

اس کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا جیسے کسی نے رخساروں پر انگارے دھر دیے ہوں۔ اس نے بہ مشکل اپنے آپ کو کچھ کہنے سے روکا۔ وہ سچ مچ اس سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی ماما کو ناراض کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ارے' کہاں چلیں آپ۔" شرجیل مرزا نے بے ساختہ ہاتھ اٹھا کر اسے روکا "آپ شوق سے اپنا پروگرام دیکھیں اور ہم...... ہم آپ کو دیکھیں گے۔"

اس نے پاؤں پھیلائے اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر دلچسپی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر مڑی۔

"مس عثمان۔" اس نے آہستگی سے آواز دی "پلیز ایک منٹ رکیں۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "آخر آپ مجھ سے اتنا بھاگتی کیوں ہیں۔ میں اتنا برا نہیں ہوں' جتنا آپ سمجھتی ہیں۔ یقین کیجیے' میں آپ کی بہت قدر کروں گا' بہت محبت دوں گا۔"

"آپ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں شرجیل مرزا' میں آپ سے نفرت کرتی ہوں اور یہ بات غالباً پہلے سے آپ کے علم میں ہے۔"

"نفرت محبت میں بھی تو بدل سکتی ہے۔" وہ بھی انتہائی ڈھیٹ تھا۔

مریم نے بے بسی سے ہونٹ کاٹے "آخر آج آپ پھر اتنے عرصے بعد کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"اتنے عرصے بعد نہیں جانم۔ ہم تو شروع سے ہی آپ کے پیچھے ہیں۔ یہ اتنے عرصے کی خاموشی محض اس لیے تھی کہ آپ سمجھدار ہو جائیں اور پھر یوں بھی پہلے پڑھائی مصروفیات تھیں کہ آپ کے بابا وفات پا گئے۔ سوچا ذرا اس غم سے نکل جائیں۔ ورنہ آپ کو بھولا تو بھی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں نثار ہوتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"آپ۔" اس نے ہونٹ چبائے اور ٹھہر ٹھہر کر بولی "آپ کے لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی اپنی ہم عمر خاتون سے شادی کر کے اب شریفوں والی زندگی بسر کریں۔"

"آہا۔" وہ زور سے ہنسا "آپ کے خیال میں کیا اب میں بدمعاشوں والی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اے بی بی' بہت شریف آدمی ہوں۔ اس معاشرے کا ایک معزز فرد جسے لوگ بہت عزت دیتے ہیں...... اور ہم عمر خاتون...... ہا۔" وہ پھر ہنسا "سولہ سولہ سترہ سال کی لڑکیاں مجھ سے شادی کرنے کے لیے مری جا رہی ہیں لیکن کیا کریں' یہ دل آپ پر مرمٹا ہے۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔

وہ بہت الجھ کر اور بیزار سی ہو کر اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے مڑی۔ تب ہی زینب عثمان ڈرائنگ روم سے ہنستی ہوئی باہر نکلیں۔

"افوہ شجی' تم یہاں آ کر بیٹھ گئے ہو اور اندر وزیر علی وہ قصہ سننے کو بیتاب ہو رہے ہیں جسے تم ادھورا چھوڑ آئے تھے۔"

زینب عثمان' مریم کی طرف دیکھے بغیر اس کی طرف بڑھیں۔

"کیا کریں بھئی۔ آپ کی بیٹی نے روک لیا۔ اندر آپ باندھے بیٹھی تھیں باہر آیا تو انہوں نے قید کر لیا۔"

"نہیں ماما' میں نے تو...... میں نے تو بالکل بھی نہیں روکا۔" وہ جاتے جاتے پلٹ پڑی "یہ خود ہی آ کر بیٹھ گئے۔"

"ضروری تو نہیں کہ کسی کو زبان سے ہی روکا جائے اور بھی طریقے ہوتے ہیں روکنے کے۔" وہ بائیں آنکھ کا کونا دبا کر خباثت سے ہنسا اور وہ اندر ہی اندر چور سی بن گئی۔ زینب عثمان نے دونوں کو عجیب نظروں

سے دیکھا۔

"ماما۔" اس کی آواز بھیگ گئی "ان سے کہیں یہ مجھ سے ایسی فضول باتیں نہ کیا کریں۔ نہیں تو..... نہیں تو میں نے کچھ کہہ دیا تو آپ ناراض ہوں گی۔"

"او کے۔ تم جاؤ۔" زینب عثمان سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور کمرے میں جاتے جاتے اس نے سنا زینب عثمان کہہ رہی تھیں "شجی، تمہیں تو پتا ہے کہ اسے تمہاری اس طرح کی باتیں پسند نہیں ہیں۔ چڑتی ہے وہ ان باتوں سے پھر کیوں تنگ کرتے ہو؟"

"میں تنگ کرتا ہوں، بھلا کہاں۔ تنگ تو وہ مجھے کرتی ہے۔"

"شجی۔" زینب کی آواز میں جانے کیسی لگاوٹ تھی کہ مریم اپنے کمرے کا دروازہ بند کرتے کرتے رک گئی "تمہیں تو پتا ہے، وہ تمہیں پسند نہیں کرتی پھر......"

وہ ذرا سی رکیں۔ مریم نے جھانک کر دیکھا۔

وہ بڑے قاتل انداز میں شرجیل مرزا کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے کان کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔ اس نے یک دم زور سے دروازہ بند کر دیا اور بند دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے لیے کیا کمی ہے۔ جس طرف انگلی اٹھاؤ۔"

"انگلی تو اس طرف اٹھی ہے مسز عثمان۔"

بند دروازے سے مدھم سی آواز مریم کے کانوں میں پڑی۔ غیر ارادی طور پر اس نے کان دروازے سے لگا دیے۔

"آپ کو یاد ہوگا مسز عثمان، ایک بار بہت پہلے آپ نے کہا تھا کہ مومو کی تعلیم ختم ہو جائے تو پھر...... ہم تو اسی دن کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔"

"لیکن اس کے پاپا کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ یاد ہے نا تمہیں۔"

"ہاں لیکن اب تو اس کے پاپا نہیں رہے اور ویسے بھی بے چارے عثمان صاحب تمہارے فیصلوں میں کہاں دخل دیتے تھے۔"

"لیکن مومو کے معاملے میں انہوں نے دخل دیا تھا۔" وہ کچھ ہچکچائیں "دراصل تمہاری اور اس کی عمر میں فرق بھی تو بہت ہے۔"

"خیر، اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میڈم نرگس اور امتیاز ملک کی عمر میں دیکھ لیں، کتنا فرق ہے اور اب اگر آپ اور آپ کا ہیرو شادی کر لیتے ہیں تو آپ کی عمروں میں بھی......"

"تم بھی صحافیوں کی بات پر یقین کیے بیٹھے ہو شجی۔" انہوں نے شکوہ کیا "بات صرف اتنی ہے کہ ہم

دونوں، تمہاری فلم میں ہیرو ہیروئن تھے اور ان دنوں اکٹھے رہنے کے مواقع بہت ملے اور صحافیوں سے تو خدا بچائے اور تم خود بھی تو وہاں تھے۔"

"ہاں خود بھی تھا جب ہی......" اس نے بات نامکمل چھوڑ دی۔

"دیکھو شجی! پہلی بات تو یہ کہ وہ تمہیں بالکل پسند نہیں کرتی۔ دوسری یہ کہ وہ ابھی۔ پڑھ رہی ہے۔"

ماما کی بات پر اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔ اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ زینب کی پیٹھ اس کی طرف تھی اور ان کے سامنے شرجیل مرزا بیٹھا ہوا تھا۔

"خیر دیکھ لیں گے۔" وہ [illegible]
[illegible]
رہا ہوں نازی ڈیئر!" وہ آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔

"اب مجھے بنانے لگے ہو۔"

"یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں ہمیں۔" لہجے میں شوخی تھی اور وہ زینب عثمان کے بالکل قریب کھڑا بہت غور سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ دروازے کو آہستگی سے بند کرتے ہوئے اپنے بیڈ پر آ بیٹھی۔

تو کیا یہ سب کچھ بالکل ویسا ہی تھا۔ پہلے جیسا، کہیں بھی کچھ نہیں بدلا۔ صرف پاپا نہیں رہے تھے اور ماما۔ ماما آج کتنی مختلف لگ رہی ہیں۔ نہیں کہیں تو کچھ بدلا تھا۔ ماما کا اتنا زیادہ التفات، اتنی توجہ پہلے کب تھی اور اب۔

ماما اور شرجیل مرزا۔

شرجیل مرزا اور ماما...... پھر ماما اور ان کی فلم کا ہیرو۔

اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا۔

"نہیں خدا کرے ایسا کچھ نہ ہو۔ یہ سب لوگ جو آج ان کے ڈرائنگ روم میں اکٹھے تھے پھر کبھی اس طرح اکٹھے نہ ہوں اور ماما...... ماما ہمیشہ ایسی ہی رہیں، جیسے چند ماہ پہلے تھیں۔ توجہ دیتی ہوئی۔ خیال رکھتی ہوئی۔

"اور یہ شرجیل مرزا۔ خدا کرے مر جائے۔" اس نے دل ہی دل میں بددعا کی۔

"اور کس قدر کمینہ ہے یہ۔ ماما سے میرے متعلق بات کرتا ہے اور پھر خود ان سے فری ہونے لگتا ہے اور ماما کو اس کی کمینگی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ پھر اس کے فریب میں آ جاتی ہیں اور اگر ماما بدل گئیں پھر پہلے جیسے ہو گئیں تو؟" آنسو پلکوں کا بند توڑ کر باہر نکل آئے اور وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ جانے کتنی دیر روتی رہی پھر اٹھ کر سنگھار میز کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ روئی روئی سرخ آنکھیں اور بکھرے بال۔ دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے کرتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھی تا کہ باتھ لے کر فریش ہو جائے اور کچھ پڑھ لے۔ تب ہی زینب عثمان اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے ڈریس تبدیل کر لیا تھا اور کاٹن [illegible]

فیروزی رنگ کے سوٹ میں وہ بہت فریش لگ رہی تھیں۔

''کیا کرنے لگی ہو؟''

''کچھ نہیں' ذرا باتھ لینے لگی تھی۔''

''تو چلو پھر جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں ذرا ڈاکٹر ہادی کی طرف جا رہی تھی۔ ڈاکٹر معید کے والد کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں' ذرا مزاج پرسی کر آئیں۔ تمہاری بھی آؤٹنگ ہو جائے گی۔ واپسی پر شاپنگ بھی کر لیں گے۔''

''مگر ماما میرا جی نہیں چاہ رہا۔ آپ ہو آئیں۔''

''تم روئی ہو مومو۔'' وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ گئیں ''اب تم یونیورسٹی میں ہو۔ مریم چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے لیے مسئلہ نہ بنایا کرو۔ اگر شجی نے تم سے کہہ دیا ہے تو لائٹلی لو اسے۔ تم اگر نہیں چاہتی تو نہیں ہوگا۔ تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں۔ اپنی ماما پر اعتبار کرو۔''

''ماما'' اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی اور پلکیں ایک دم بھیگ گئی تھیں۔

انہوں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھا لیا ''میں تمہاری ماما ہوں۔ مجھے شجی تمہارے لیے پسند تھا کہ وہ ایک سمجھدار اور دولت مند آدمی ہے۔ میرے اپنے خیال کے مطابق تم اس کے ساتھ خوش رہتیں لیکن جب تم نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو بات ختم ہوگئی۔ میرا اعتبار کرو۔ کبھی بھی تمہاری خواہش یا مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا لیکن جانو' تم شرجیل کی کسی بات کا برا نہ مانا کرو۔ اگر کبھی اتفاق سے تمہارا سامنا ہو جاتا ہے اس سے تو اس کی باتوں کو نظر انداز کیا کرو۔ جانتی ہو نا مومو میں اس کی کمپنی میں کام کرتی تھی اور بہت پرکشش تنخواہ دیتا تھا وہ مجھے پھر میں نے فلم کے لیے کنٹریکٹ کر لیا اور فلم ختم ہوئی تو تمہارے پاپا کی ڈیتھ نے مجھے اندر سے توڑ پھوڑ دیا۔ میں اپنے آپ کو کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں سمجھتی تھی لیکن کب فارغ بیٹھا جا سکتا ہے۔ میں نے پھر سے اس کی کمپنی جوائن کر لی ہے حالانکہ ایک دو فلموں کی بھی آفر ہوئی ہے لیکن کردار جاندار نہیں ہیں۔ یوں بھی میرا ارادہ فلم میں کام کرنے کا نہیں ہے۔''

''مگر ماما'' مریم نے ان کی طرف دیکھا ''آپ کو فلم یا شرجیل مرزا کی کمپنی میں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ گھر پر ہی رہا کریں۔ کتنا اچھا لگتا ہے۔''

''ضرورت ہے نا' میری جان! تم ہو' نینا اور عاشی ہیں' مور ہے۔ آخر تم سب کے لیے......''

''مگر ماما'' اس نے بات کاٹی ''زمین کی آمدنی جو آتی ہے' وہ کیا کافی نہیں ہے۔''

''کیا خاک آمدنی ہوتی ہے۔'' ان کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی ''اس سے تو صرف نینا عاشی اور مور کی سال کی فیس بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ مور کے دادا نے بڑی زیادتی کی ہے عثمان کے ساتھ۔ دراصل تمہارے پاپا نے اپنی پسند سے مجھ سے شادی کی تھی۔ والدین رضامند نہ تھے۔ ترس کھا کر تھوڑی سی ز[illegible]ان کے

نام کر دی اور رہنے کو یہ ایک گھر عنایت کر دیا اور باقی سب کچھ تو عادل اور کامل کے نام کر دیا انہوں نے۔ تمہارے پاپا کا حق مارا ہے انہوں نے۔ خیر روز محشر جواب وہ ہوں گے۔''

''تو ماما۔'' مریم پریشان سی ہوگئی ''میں جاب کر لیتی ہوں۔''

''تمہیں بھلا کیا جاب ملے گی؟'' وہ ہنس پڑیں ''اور تم اس کی فکر نہ کرو۔ اپنی پڑھائی مکمل کرو۔ تعلیم سے شخصیت میں نکھار آتا ہے۔''

''تو پھر آپ کہیں اور جاب کر لیں نا۔ ضروری ہے شرجیل مرزا کی ہی جاب کریں۔ وہ ہرگز اچھا آدمی نہیں ہے۔''

''کہیں اور اتنی پرکشش جاب نہیں مل سکتی۔'' وہ اپنی جھنجلاہٹ کو چھپا کر کھڑی ہو گئیں ''اور اب فضول میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیار ہو جاؤ۔''

''جی۔'' وہ کپڑے اٹھائے کچھ سوچتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

❀❀❀

پروفیسر عادل بہت دیر سے لان میں رکھی بید کی کرسی پر بیٹھے زرد اور سوکھے پتوں کو تیزی سے گرتے' اڑتے اور ایک انبار کی صورت میں جمع ہوتے دیکھ رہے تھے۔

بالکل ایسا ہی زرد ملال کا موسم ان کے دل میں اترا ہوا تھا اور آنکھوں میں شکستگی کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔
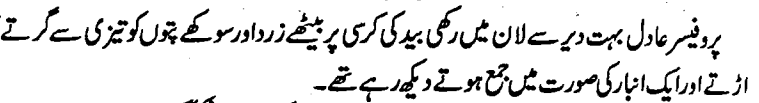
اتنے برسوں کے انتظار کا حاصل

مریم عثمان احمد

لیکن ان کی رسائی سے بہت دور

حالانکہ وہ جانتے تھے' وہ کہاں ہے' کس جگہ ہے...... بہ ظاہر ان کی رسائی میں۔ لیکن حقیقتاً بہت دور...... بہت فاصلے پر کھڑی تھی وہ......

اس کا خوب صورت اور دلکش سراپا ان کے تصور میں آیا تو وہ دم بخود سے ہو گئے۔

کس قدر خوب صورت' کس قدر دلکش ہو تم...... بالکل ایسا ہی سوچتا تھا میں تمہیں۔

لیکن سب رائیگاں اور لاحاصل تھا۔

وہ آرزوئیں جو دل کو گدگداتی تھیں۔

اور وہ ایک انجانی سی ہستی کا انتظار۔

سب لاحاصل۔

وہ کیا کریں۔

بے چینی سے انہوں نے ہاتھوں کو مسلا۔ پہلے ہی قدم پر ٹھوکر لگی تھی۔ صفائی میں کہنے کے لیے سارے الفاظ بے معنی ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ جب بھی تیمور' عاشی اور نینا سے ملنے گئے تو انہیں اس کے رویے میں

واضح بے زاری محسوس ہوئی۔ وہ اگر کوئی بات بھی کرتی تھی تو یوں لگتا تھا' جیسے وہ اپنی بے زاری کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ ان کی طرف دیکھتی تو نگاہوں میں واضح الجھن ہوتی اور وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہ سکے تھے اور وہ حویلی سے آ گئی تھی...... اور پھر کبھی حویلی گئی نہیں۔ وہ کتنی ہی بار زینب ولا گئے تھے صرف اس کی خاطر' حالانکہ پہلی بار ہی انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ زینب عثمان کو ان کی آمد پسند نہیں آئی...... عاشی' نینا اور تیمور ان سے خاصے مانوس ہو گئے تھے اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود بھی ان کے لیے اپنے دل میں اچھے جذبے محسوس کرتے تھے۔ نینا تو انہیں بہت پیاری لگتی تھی بولتی مینا جیسی۔

شاید ان کی اپنی کوئی بہن نہیں تھی اس لیے۔

یا پھر عثمان احمد سے دم مرگ انہوں نے جو وعدے کیے تھے اس لیے وہ ان سے ملنے اور ان کی خیریت معلوم کرنے چلے جاتے تھے لیکن اگر صرف ان سے ملنا مقصود ہوتا تو وہ مری بھی جا سکتے تھے۔ خاص طور پر زینب عثمان احمد کی ناگواری محسوس کر کے۔ ان کا دل تو کسی ضدی بچے کی طرح اسے دیکھنے کو مچلتا رہتا تھا۔ کتنا ضبط کرتے تھے وہ۔

اپنے آپ کو روکتے اور سمجھاتے رہتے تھے۔

لیکن جب کبھی ویک اینڈ پر عاشی اور نینا وغیرہ آئے ہوتے تو پھر ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور وہ اسے دیکھنے کو' اس سے ملنے کو بے تاب ہو جاتے۔

کئی بار وہ گھر سے سوچ کر گئے تھے کہ وہ آج ضرور اس پر واضح کر دیں گے۔

خدا جانے وہ کیا سمجھ رہی تھی اور کیوں الجھی ہوئی تھی۔

شاید کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی تھی اسے۔

وہ جو پہلے اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نظر نہیں آتا تھا۔ کبھی ایک دم بے تاثر لگتیں اور کبھی الجھی الجھی سی لیکن شدید چاہت کے باوجود وہ اس سے بات نہیں کر پائے تھے۔

وہ بہت کم ان کے پاس رکتی تھی۔ بس بی آپا اور ماں جی کی خیریت پوچھتی۔ حریم اور کامل کا حال پتا [illegible] اور پھر ادھر اُدھر ہو جاتی اور ان کی نگاہیں اسے کھوجتی ہی رہ جاتیں۔

اور کتنی بدنصیبی تھی کہ وہ مل کر بھی نہیں مل رہی تھی...... تو [illegible] کا خیال چھوڑ دیں۔

کیسی الجھن تھی اور کیسی گرہ تھی جو کھل نہیں پا رہی تھی اور [illegible] وہ کبھی نہ جان پائے گی کہ اس کے اور [illegible] درمیان وہ رشتہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہی ہے۔

[illegible] کیا میں پیچھے ہٹ جاؤں اور ماں جی کو اپنی [illegible] دوں حریم کے لیے۔

انہوں نے ذہنی خلفشار سے تھک کر آنکھیں موند [illegible]

ماں جی اور آپا خوش ہو جائیں گی اور شاید حریم بھی [illegible] ختم ہوا [illegible]

دھوپ بارش اور سائے

دل جیسے پانی ہونے لگا۔ درد کی ایک لہر سی اٹھی جو یہاں سے وہاں تک پورے وجود میں پھیل گئی۔ بے چینی سوا ہو گئی۔

''نہیں...... عادل خان نہیں۔''

''اتنی آسانی سے ہمت ہار دو گے تو کیا برسوں اسی لیے انتظار کیا تھا۔''

''راتوں کی تنہائی میں سوچا تھا۔''

''دل ہی دل میں ٹین ایجرز کی طرح اس کی شبیہ تراشی تھی اور جب اسے دیکھ کر دل میں گھنٹی بجی تو......''

''نہ اس سے دردِ دل کہا۔''

''نہ اپنی بے چینیاں اور بے تابیاں اس سے بیان کیں اور...... اتنے مشکل لمحے اس سے پہلے ان پر کبھی نہ آئے تھے۔

''اتنی تیز ہوا میں آپ باہر بیٹھے ہیں۔'' خدا بخش نے ان کے قریب آ کر کہا تو وہ چونک کر سیدھے ہو بیٹھے۔

''آندھی آئے گی اور شاید بارش بھی ہو۔'' خدا بخش نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''شاید۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''خدا بخش اگر ایک کپ چائے مل جائے اس وقت تو......''

''کیوں نہیں جی۔ آپ چلیں اپنے کمرے میں۔ ابھی لایا۔'' پھر جاتے جاتے مڑا ''آپ کمرے ہی میں جائیں گے نا جی۔''

''ہاں۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور خدا بخش کی طرف دیکھا ''یہ مسرور نے بہت دن لگا دیے گاؤں میں۔''

''ہاں' دن تو بہت لگا دیے ہیں جی پر کون سا اب کالج جانا ہوتا ہے انہیں...... فارغ ہی ہیں۔''

''پھر بھی کام تھا...... خیر۔'' انہوں نے زیر لب کہا اور سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔ تب ہی کوریڈور میں پڑے فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تاکہ خدا بخش سے کہیں کہ وہ فون اٹینڈ کر لے ان کا قطعاً کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔

اس وقت وہ صرف اپنے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔

خود کو کھوجنا چاہتے تھے۔

خود سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔

کوئی تو سرا ہاتھ آئے۔

وہ کچھ تو فیصلہ کریں۔ ادھر یا ادھر۔ ماں جی بھی کتنی [illegible] رہتی ہیں اور کتنی خواہش تھی ان کی کہ وہ

شادی کرلیں...... حریم سے نہ سہی۔ کہیں بھی، کسی بھی جگہ۔

اور ماں جی نے کیا خوشی دیکھی...... ساری زندگی یوں ہی بے رنگ گزر گئی تھی اور اب ان کی شادی کی صورت میں وہ ایک خوشی چاہ رہی تھیں تو وہ انہیں دینے سے قاصر تھے۔

بیل مسلسل ہو رہی تھی، خدا بخش کچن میں جا چکا تھا۔ انہوں نے لحہ بھر کچھ سوچا اور پھر آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے تیمور کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

"کہاں تھے آپ، اتنی دیر سے فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟"

"اوہ۔" انہوں نے ایک طویل سانس لی "آپ ہیں مور۔ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"یہاں سے ہی...... ہماری ایک ہفتے کی چھٹیاں ہیں۔"

"کس سلسلے میں؟"

"بس وہ فنکشنز وغیرہ ہو رہے تھے نا۔ ہم نے چھٹی لے لی۔"

"اچھا کیسے ہیں آپ...... اور عاشی نینا کیسی ہیں۔"

"ہم سب اچھے ہیں اور آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ آپ کب ہم سے ملنے آئیں گے؟"

"دیکھیں کب آنا ہو۔ ابھی تو آپ ہیں نا کچھ دن۔"

"عادل بھائی۔" وہ اداس ہو گیا "آپ آج ہم سے ملنے نہیں آئیں گے؟"

"آج......" وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ اسے دیکھنے کو دل مچل اٹھا۔

"ہاں آج ہی۔ اتنے اداس ہو رہے ہیں، ہم سب آپ کے لیے اور آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ آپ اداس نہیں ہوتے ہمارے لیے۔"

"ہوتا ہوں۔"

"تو پھر آتے کیوں نہیں ہیں۔ ابھی میں چھوٹا ہوں نا، نہیں تو میں خود ہی آجاتا۔"

"اچھا......" وہ ہنس دیے "جب بڑے ہو جائیں گے تو پھر خود آجایا کریں گے۔"

"ہاں...... اور پھر میں حویلی بھی جایا کروں گا بڑی امی سے ملنے اور پتا ہے، ہم نے آپ کے لیے گفٹ بھی لیے ہیں مری سے۔ نینا اور عاشی نے بھی۔"

"میری جان۔" انہیں ایک دم ہی اس پر پیار آگیا "بھلا گفٹ کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہم نے موموکے لیے اور ماما کے لیے بھی گفٹ لیے تو آپ کے لیے بھی لے لیا...... آپ ہمارے بھائی نہیں ہیں کیا۔"

"ہاں، ہیں تو۔"

موموکے نام پر ان کا دل زور سے دھڑکا۔

پھر وہی خواہش۔

اسے دیکھنے کی۔ اس سے ملنے کی خواہش خون میں گردش کرنے لگی اور پھر وہ اس خواہش سے مغلوب ہو کر بولے۔

"اوکے، میں ابھی آتا ہوں۔"

ریسیور کریڈل پر ڈال کر انہوں نے خدا بخش کو آواز دی۔

"خدا بخش چائے مت بنانا، میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

"لو چائے میں کتنی دیر لگنا تھی۔ میں نے دم بھی کر دی۔" خدا بخش نے کچن سے باہر آکر کہا "آپ دو منٹ رک جائیں، میں ابھی بنا کر لاتا ہوں۔"

"نہیں یار۔ اب میرے حصے کی تم ہی پی لینا۔"

اب جانے کا ارادہ ہو گیا تھا تو کچھ دیر بھی رکنا محال ہو رہا تھا۔ کہاں تو ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اب کبھی ادھر نہیں جائیں گے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے۔ اس کا اس قدر روکھا اور بے زاری کا اظہار کرتا رویہ انہیں بہت تکلیف دیتا تھا۔ پتا نہیں، وہ انہیں کیا سمجھ رہی تھی اور ان کے متعلق شدید غلط فہمی کا شکار تھی اور کہاں اب ایک منٹ رکنے کو تیار نہ تھے۔

"اب ایسی بھی کیا آفت ہے۔" خدا بخش آپ ہی آپ بڑبڑایا "ضرور مجتبیٰ صاحب کا فون ہوگا۔ انہیں ہی وقت بے وقت کام پڑتے ہیں۔ کہیں کوئی شام منائی جا رہی ہوگی۔ انہوں نے افسانہ پڑھنا ہوگا یا حافظ صاحب کو کسی نے افسانہ اور کہانی لکھنے کا مشورہ دیا ہوگا۔"

وہ ایک دم مسکرا دیے اور ٹیلی وژن کے قریب پڑی ہوئی گاڑی کی چابی اٹھالی "اوکے خدا بخش، اللہ حافظ!"

جب کبھی وہ یوں اس کی بنائی ہوئی چائے یا کھانا چھوڑ کر چلے جاتے تھے تو خدا بخش کا موڈ سخت خراب ہو جاتا تھا......

تمام راستہ وہ اسے ہی سوچتے رہے۔

اور کتنا مشکل ہے اسے چھوڑ دینا۔

بھلا دینا۔

اور شاید میں کبھی فیصلہ نہ کر سکوں۔

اور کبھی کسی کو نہ اپنا سکوں۔

تقدیر کے اس مذاق پر انہیں ہنسی آگئی۔

اور تمہیں کہاں ملنا تھا مریم۔

کس جگہ پر۔

گیٹ کے سامنے انہوں نے ہارن بجاتے ہوئے سوچا۔

''کاش! تم مجھے کہیں اور ملی ہوتیں۔ کسی اور جگہ تو تمہیں بتاتا کہ میں نے تمہارا کتنا انتظار کیا ہے......اور کتنا تلاش کیا ہے۔''

تم تو میری صدیوں کی تلاش کا حاصل تھیں مریم اور میں سوچتا تھا کہ جب تم مجھے ملو گی تو میں پتا نہیں کیسے اور کس طرح سے اپنے جذبوں کا اظہار کر پاؤں گا۔ شاید تم میری باتیں سن کر ہنسو گی۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ یوں اس طرح بھی ہوتا ہے کہ کوئی کسی ان دیکھی ہستی کے انتظار میں عمر بتا دے۔

اور پتا نہیں کیا کیا سوچا تھا میں نے۔

تم ملو گی تو تم سے یوں کہوں گا۔ اس طرح بات کروں گا۔

بہت دنوں سے یہ سوچتے تھے کہ

تم سے گر ہم کلام کرتے

تو لفظ کیا انتخاب کرتے کہ دل کی حالت بیان کر دے

تمہیں کوئی ہم کتاب بھیجیں

کہ دل کی ٹہنی پہ کھلنے والے گلاب بھیجیں

وہ کیا روش اختیار کرتے کہ دل کی حالت بیان کر دے

اسی کشش و پیچ

ادھیڑ بن میں

چوکیدار گیٹ کھولے کھڑا تھا۔ وہ چونکے اور انہوں نے گاڑی اندر بڑھا دی۔

اور وہ...... جسے وہ سارا راستہ سوچتے آئے تھے۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں کھڑی شریف سے کچھ کہہ رہی تھی۔

''السلام علیکم۔''

''السلام علیکم۔'' اس نے مڑ کر انہیں دیکھا

''کیسے ہیں آپ؟''

''فائن۔''

انہوں نے بس ذرا کی ذرا اسے دیکھا تھا اور پھر نگاہیں جھکا لی تھیں۔

کتنا جی چاہ رہا تھا کہ اسے دیکھیں۔ جی بھر کے دیکھیں......اور اس کی تصویر آنکھوں میں بسا لیں......دل میں اتار لیں لیکن وہ شعوری کوشش سے نگاہیں جھکائے کھڑے تھے۔

''آپ بیٹھیں نا پلیز...... عاشی اور نینا تو سو رہی تھیں اور مور غالباً باتھ لے رہا تھا۔ میں ابھی بلواتی ہوں۔''

''صفو۔'' اس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے آواز دی۔

''جی۔'' صفو نے کچن کے دروازے سے جھانکا۔

''جاؤ۔ عاشی اور نینا کو بتاؤ' عادل بھائی آئے ہیں۔''

''حویلی میں سب ٹھیک ہیں نا۔ ماں جی اور بی آپا۔''

وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی اور اس نے ان کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔

اور شہریار کہتا ہے ''مجھے اپنے بھائی پر فخر کرنا چاہیے۔ کیا ہوا سوتیلے ہیں مگر ہیں تو بھائی نا اور شہریار کس قدر تعریف کرتے ہیں ان کی۔ پتا نہیں کیوں وہ ان سے اتنی بدگمان ہو گئی ہے کہ اس نے لاہور آنے کے بعد کبھی ان سے ڈھنگ سے بات ہی نہیں کی۔''

''ماں جی اور بی آپا ٹھیک ہیں۔'' ان کی نگاہیں بدستور زمین پر تھیں۔ ضبط کی انتہا تھی۔ دل کسی ضدی بچے کی طرح مچلے جا رہا تھا لیکن وہ جیسے اس کا امتحان لینے پر تلے تھے۔

''بلکہ ماں جی اور بی آپا نے اس بار اصرار کیا تھا کہ سب کو ایک دو روز کے لیے حویلی لے آؤں۔ مور بہت یاد آتا ہے انہیں......''

''اور میں...... مجھے یاد نہیں کرتیں ماں جی اور بی آپا؟'' مریم کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''آپ کو۔'' بے اختیار ان کی نگاہیں اٹھ گئیں۔

وہ بات کر کے کچھ محجوب سی ہو گئی تھی اور رخساروں پر گلابی رنگ دوڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر ان کی نظروں نے اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لیا اور پھر انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔ ان کا جی چاہا وہ اس سے کہیں۔ آپ کو بھولا ہی کون ہے۔ حویلی کی ایک ایک اینٹ آپ کو یاد کرتی ہے......لیکن انہوں نے بہت آہستگی سے بہت احتیاط سے ایک ایک لفظ چن کر کہا۔

''آپ سب کو ہی بی آپا اور ماں جی یاد کرتی ہیں بلکہ کامی بھی۔ اگر آپ کی ماما اجازت دیں تو پیر کو چلتے ہیں ایک روز رہ کر واپس آ جائیں گے۔''

''ماما تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔''

''اچھا کب آئیں گی؟''

زینب عثمان احمد کے گھر پر نہ ہونے کا سن کر وہ ریلیکس سے ہو گئے۔ ان کی موجودگی انہیں اچھا خاصا ٹینس کر دیتی تھی۔ عجیب کھردرا سا لہجہ تھا ان کا۔ طنز سے بھیگے لفظ ان کے ہونٹوں سے نکلتے تھے اور وہ ایسی نظروں سے دیکھتیں جیسے تمسخر اڑا رہی ہوں' جیسے وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہ سمجھتی ہوں۔ بلاشبہ وہ حسین تھیں۔ حسن ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا' اور ابو نے پتا نہیں کیوں ان سے شادی کی تھی۔ کس بات نے اسیر کیا تھا انہیں۔

وہ دل ہی دل میں حیران ہوتے تھے اور سمجھ نہ پاتے تھے۔ ان کے اس رویے کی وجہ سے وہ یہاں آنے سے کتراتے تھے لیکن پھر تیمور کی بات وہ ٹال نہ سکتے تھے اور کچھ اسے دیکھنے کا شوق نہ چاہتے

ے بھی انہیں کشاں کشاں لے آتا۔

''پتا نہیں...... دراصل ماما نے جاب کرلی ہے۔ عام طور پر تو وہ پانچ بجے تک آجاتی ہیں لیکن کبھی کبھار دیر بھی ہو جاتی ہے۔''

''جاب...... مگر کیوں؟'' انہیں حیرت ہوئی۔

''ظاہر ہے' جاب ماما کی ضرورت ہے اب۔'' اس نے کسی قدر استعجاب سے انہیں دیکھا...... ''نینا اور مور کے ہاسٹل کے اتنے اخراجات۔ یہاں گھر کے اخراجات ہیں۔ پاپا کی کمپنی جب فیل ہو گئی تھی تو ماما نے تب ہی جاب کرلی تھی...... یہ تو جب انہوں نے فلم......'' اس نے بات ایک دم ادھوری چھوڑ دی۔

''مگر......'' انہوں نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔

''زمینوں سے جو پیسہ آتا ہے کیا وہ گھر کے اخراجات کے لیے پورا نہیں ہوتا؟''

''زمینوں سے اتنی آمدنی کہاں ہوتی ہے عادل بھائی۔ ماما کہتی ہیں کہ اس سے تو بہ مشکل دو وقت کا کھانا پورا ہو سکتا ہے اور یہاں اتنے ملازم ہیں۔ اتنا بڑا گھر ہے۔ سب کچھ مین ٹین کرنے کے لیے جاب کرنا ضروری ہے۔''

''نہیں۔'' انہوں نے بڑے یقین سے کہا ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مریم۔ محض اتفاق کی بات ہے کہ چند دن پہلے منشی چاچا نے مجھے بتایا کہ اس بار بہت فصل ہوئی ہے اور بہت اچھی قیمت بھی ملی۔ میں نے دانستہ نہیں پوچھا تھا۔ دراصل سرگودھا کی طرف کچھ بی آپا کی زمین بھی ہے۔ اسی سلسلے میں بات ہو رہی تھی تو منشی چاچا نے بتایا کہ چند دن پہلے ہی وہ تقریباً ایک لاکھ روپے لاہور آپ کی ماما کو دے کر آیا ہے اور کچھ پچھلا حساب بھی تھا...... شاید انہیں مصروفیت چاہیے ہوگی۔ ورنہ پیسے کا تو بالکل مسئلہ نہیں ہے۔ میں ایک بار پھر منشی چاچا سے تصدیق کرلوں گا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو......''

''نہیں' نہیں۔'' مریم نے دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کی ''میرا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔ شاید مجھے ہی کوئی غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔''

تب ہی مور بھاگتا ہوا آیا اور عادل سے لپٹ گیا...... ''بھائی بھائی میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔''

پروفیسر عادل نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ بہت پیارا لگتا تھا وہ انہیں۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی اور وہ بہت پیاری باتیں کرتا تھا' تب ہی تو ماں جی بھی اسے اتنا یاد کرتی تھیں۔

''دراصل اس عمر میں جی چاہتا ہے عادل کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں۔ اپنے گھر میں۔ اپنے پوتے پوتیاں' اور تم ہو کہ شادی کا نام ہی نہیں لیتے ہو۔'' بی آپا نے کہا تھا ''کب تک ترساؤ گے ماں جی کو۔ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔''

اور فیصلہ ہی تو نہیں ہو پا رہا تھا ان سے۔

انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر تیمور کی طرف متوجہ ہو گئے۔

❁ ❁ ❁

تیمور کو گیٹ پر اتار کر انہوں نے بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ گیٹ کھلا اور مجتبیٰ حیدر باہر نکلے۔

''آہا ہا آپ۔'' بے ساختہ انہوں نے ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔

''تیمور کو چھوڑنے آیا تھا۔'' پروفیسر عادل نے ان سے ہاتھ ملایا۔

''بھائی سے خوب دوستی ہو گئی ہے' نائی بوائے۔'' مجتبیٰ حیدر نے پیار سے تیمور کے گال تھپتھپائے۔

''جی انکل...... آپ کی بھی تو دوستی ہے بھائی سے۔''

''ہماری تو بہت پہلے سے ہے۔'' وہ ہنسے اور پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

''بہت تیز ہے یار عادل تمہارا یہ بھائی۔''

''ہوں۔'' انہوں نے مسکرا کر اسے وش کیا۔

''پھر کب آئیں گے؟'' تیمور نے جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

''جلد ہی۔'' انہوں نے تیمور کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور مجتبیٰ حیدر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اور کیسے ہیں آپ؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس اور اس وقت تم بڑے موقع پر آئے ہو۔ یہاں سے اس وقت ٹیکسی کا ملنا بہت مشکل ہے مجھے ذرا تصدق کی طرف ڈراپ کر سکو گے۔''

''او کے' آجایئے۔'' انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

''عادل بھائی۔'' تیمور گیٹ سے جھانک رہا تھا۔ کل ضرور آنا۔ میں ماما سے اجازت لے لوں گا۔ پھر ہم حویلی چلیں گے' بڑی امی سے ملنے۔''

''اچھا۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ وہ تیمور کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتے تھے۔ پتا نہیں' یہ خون کی محبت تھی یا وہ تھا ہی اتنا پیارا کہ خود بخود متوجہ کرتا تھا۔ حالانکہ ان کا موڈ نہیں ہو رہا تھا جانے کو لیکن اس کے اصرار پر وہ اسے ڈرائیو پر لے گئے تھے۔ سارا راستہ وہ مسلسل باتیں کرتا رہا تھا ''آپ کو اپنے گھر میں سب سے اچھا کون لگتا ہے؟''

''سب ہی اچھے ہیں۔'' انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''نہیں کوئی ایک بتائیں نا۔ بڑی امی...... ہیں نا......''

''ہوں۔''

''مجھے موموا چھی لگتی ہیں اور پاپا بھی اچھے لگتے تھے۔ سب اچھے ہیں لیکن سب سے اچھی مومو ہیں۔ پتا

ہے آپ کو' میں مومو کا دوست ہوں۔'' اس نے فخر سے کہا جیسے مومو کا دوست ہونا بڑے اعزاز کی بات ہو یار۔ انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور مسکرا کر اسے دیکھا ''اچھا تو آپ مومو کے دوست ہیں؟''

''ہاں۔ جب مومو کی لڑائی ہو جاتی تھی ناماما سے تو میں بہت خیال رکھتا تھا ان کا۔ وہ روتی تھیں تو میں ہی انہیں چپ کرواتا تھا۔'' اس نے اپنی اہمیت کا احساس دلایا۔

''بھلا ماما اور مومو میں کیوں لڑائی ہوتی تھی؟'' پروفیسر عادل نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے بظاہر بے پروائی سے پوچھا۔

''پتا نہیں' لیکن ماما پہلے تو مومو سے خفا رہتی تھیں اور مومو بھی ان سے ناراض رہتی تھی اور پاپا بھی ماما کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ بس ماما سے میں کہتا تھا کہ وہ مومو سے خفا نہ ہوا کریں۔ اتنی اچھی تو ہیں وہ۔'' اس نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا ''لیکن اب ماما خفا نہیں ہوتیں مومو سے۔''

اور پھر جب اسے آئس کریم دلوا کر سب کے لیے انہوں نے آئس کریم پیک کروائی تو اس نے بتایا۔

''مومو کو یہ والا فلیور پسند نہیں ہے۔''

''لگتا ہے' آپ کو مومو کی ہر بات کا پتا ہے۔''

''جی۔'' اس نے فخر سے کہا ''میں دوست جو ہوں ان کا۔ آپ بھی ان کے دوست بنیں گے؟''

''میں۔''

''ہاں۔''

''وہ شاید مجھے دوست نہ بنائیں۔''

''میں کہوں گا تو وہ پھر آپ کو دوست بنالیں گی۔''

''کیا سوچنے لگے ہو۔''

''ہاں کچھ نہیں۔'' وہ چونکے اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے مجتبیٰ حیدر سے بیٹھنے کو کہا۔

''اور سنائیں عادل صاحب' کیا حال ہے۔ اب تو کم ہی نظر آتے ہیں آپ۔ دو تین بار در دولت پہ حاضری دی لیکن جناب غائب تھے۔''

''بس کچھ مصروف رہا۔ آپ کہیے' کیسے آنا ہوا ادھر؟''

''دراصل ایک اسکرپٹ لکھا ہے میں نے۔ بہت جان ہے اس میں۔ افضل صاحب کو بہت پسند ہے۔ تمہیں پتا ہے' افضل کے دو تین پلے پرائیویٹ پروڈکشن سے بڑے اچھے آئے ہیں۔ میں چاہ رہا تھا کہ زینی سے بات کرلوں۔ وہ اگر اس پلے میں کام کرنے کے لیے تیار ہو جائے تو...... دراصل اس میں ایک کردار ہے ماہرہ آپا کا...... جب میں وہ لکھ رہا تھا تو میرے ذہن میں زینی تھی...... زینی بہت زبردست اداکارہ ہے یار۔ جان ڈال دیتی ہے کردار میں...... مکالمہ کہیں کمزور بھی ہو جائے تو وہ اپنی ایکٹنگ سے

کردار کو سنبھال لیتی ہے۔''

مجتبیٰ حیدر نے تفصیل بتائی۔ پروفیسر عادل خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے اور پتا نہیں کیوں انہیں مجتبیٰ حیدر کا زینب عثمان کے متعلق بات کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی ناگواری کا احساس ہو رہا تھا لیکن وہ مجتبیٰ کو ٹوک نہیں سکتے تھے۔ سو خاموشی سے ڈرائیو کر رہے تھے حالانکہ زینب عثمان سے ان کا کیا رشتہ تھا...... محض ان کے والد کی دوسری بیوی۔

وہ عورت

جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کی شفقتوں سے محروم ہو گئے تھے۔

جس نے ان کی ماں کی جگہ لے کر ان کا حق مارا تھا۔

اور جو شاید انہیں سخت ناپسند کرتی تھی۔

لیکن پھر بھی ان کے دل میں شدید خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ مجتبیٰ حیدر زینب عثمان کا ذکر نہ کریں۔ اس طرح' اتنی بے تکلفی سے شاید اندر سے وہ کچھ دقیانوسی تھے اور وہ بہر حال ان کے والد کی بیوہ تھی۔

''دو چکر لگا چکا ہوں لیکن زینی مل ہی نہیں رہی۔ یہ کم بخت شرجیل مرزا اسے لے اڑا۔ بہت تیز ہے' اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہے۔ تم کبھی ملے ہو اس سے؟''

''نہیں۔ یہ تصدق آج کل کیا کر رہا ہے؟'' انہوں نے انتہائی ناگواری محسوس کرتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''وہی تھیٹر کا جنون سوار ہے۔ آمنہ صفی بھی اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ مصوری وغیرہ تو خیر باد کہہ رکھا ہے ان دنوں اس نے۔''

''کیا حافظ صاحب کا اسکرپٹ ہے؟'' وہ موضوع بدلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''ارے نہیں۔'' مجتبیٰ حیدر نے بتایا ''وہ تو تصدق کو پسند نہیں آیا تھا۔ وہی گھسے پٹے مکالمے اور پرانا پلاٹ۔ آمنہ نے خود لکھا ہے۔ بڑا مختلف خیال ہے۔ مکالمے غالباً ابھی لکھے نہیں گئے لیکن یہ ذمے داری بھی آمنہ نے ہی لے لی ہے۔''

''بہت ٹیلنٹڈ ہے۔'' پروفیسر عادل نے تعریف کی ''مجھے ان کے کالم بہت پسند تھے۔''

''ہاں بہت زبردست کالم لکھتی تھی لیکن موڈی اور لاپرواسی ہے۔ اخبار کی جاب چھوڑ دی بلاوجہ۔''

''کچھ بھی بلاوجہ نہیں ہوتا مجتبیٰ۔ ہر عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔''

''ہاں ممکن ہے کوئی ریزن ہو۔ تم بتاؤ یار کوئی پیش قدمی ہوئی؟''

''کیسی پیش قدمی؟'' انہوں نے کسی قدر استعجاب سے پوچھا۔

''بھئی ان ہی کی طرف جن کا برسوں سے انتظار تھا۔''

"اوہ۔" انہوں نے زیر لب کہا اور مجتبیٰ کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔"

"کمال ہے یار! ایک سال ہونے کو ہے اور ابھی تک کوئی پیش قدمی نہیں کی...... بھئی کسی مدد وغیرہ کی ضرورت ہو تو ہم حاضر ہیں' دل و جان سے۔"

"یہ تصدق کا گھر کس طرف ہے۔ پلیز' مجتبیٰ ذرا گائیڈ کیجیے گا۔ میں آج تک تصدق کے گھر نہیں گیا۔" انہوں نے پھر خوبصورتی سے موضوع بدلا۔

جانے کون سے کمزور لمحے تھے جب وہ مجتبیٰ سے ذکر کر بیٹھے تھے اور مجتبیٰ جب بھی ملتے ضرور پوچھتے تھے اور ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آگے بڑھنے کا رستہ تھا اور نہ پیچھے پلٹنے کا حوصلہ......

کاش زندگی یوں ہی انتظار میں گزر جاتی۔

کتنی لذت تھی اس انتظار میں۔

ایک موہوم سا انتظار۔ ان دیکھی ہستی کا۔

کتنے رنگ تھے اس انتظار کے۔ کتنا حسن تھا اس انتظار میں

اور اب......

"ہاں بس ادھر...... ادھر موڑ لیجیے۔ اگلی گلی میں پہلا گھر تصدق کا ہے۔" مجتبیٰ حیدر نے اشارے سے بتایا تو چونک کر انہوں نے ٹرن لیا۔

"تصدق ادھر رہتے ہیں کیا؟"

"ہاں۔ تصدق کا تعلق پوٹھوہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔ یہ ایک کمرے کا گھر یہاں کرائے پر لے رکھا ہے اس نے۔ فیملی تو گاؤں میں ہے۔ تین بچے ہیں اس کے' دو بیٹیاں اور ایک بیٹا...... والدین ہیں' بہن بھائی ہیں' کافی ذمے داریاں ہیں اس پر لیکن کوئی مستقل جاب نہیں ہے اس کے پاس۔"

"بچے۔" پروفیسر عادل کو حیرت ہوئی۔

"بہت کم عمری میں شادی ہو گئی تھی جیسا کہ گاؤں میں اکثر ہوتا ہے۔ بیٹا میٹرک میں ہے اس کا۔"

"تو کوئی مستقل جاب ڈھونڈنی چاہیے اسے۔"

"تم اس سلسلے میں اگر اس کی ہیلپ کر سکو تو ضرور کوشش کرنا۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ دیکھوں گا میں۔" انہوں نے بریک لگائی۔ تصدق احمد گلی کے موڑ پر ہی نظر آ گئے تھے۔

"میں ذرا سگریٹ لینے باہر نکلا تھا۔" انہوں نے کھڑکی سے جھانکا۔

"سر آپ بھی۔ آئیے نا پلیز۔"

"تصدق اس وقت تو میں مجتبیٰ کو ڈراپ کرنے آیا تھا۔ پھر کبھی سہی۔ خدا بخش انتظار کر رہا ہوگا۔"

"تھوڑی دیر کے لیے سر' آمنہ صفی بھی ہیں۔ ذرا آپ سے بھی ڈسکشن ہو جائے گی۔" اس نے اصرار کیا تو وہ گاڑی لاک کر کے اتر آئے۔

چھوٹا سا صحن عبور کر کے سامنے کمرہ تھا۔ وہ خاصا بڑا تھا۔ دہلیز پر کھڑے کھڑے انہوں نے جائزہ لیا...... ادھر ادھر ایزل پڑے تھے۔ زمین پر ایک دری بچھی تھی۔ زمین پر ہی میٹریس ڈال کر بیڈ کا کام لیا گیا تھا۔ ایک طرف کتابوں کا ڈھیر تھا۔ غالباً یہی کمرہ تصدق کا اسٹوڈیو' بیڈ روم اور اسٹڈی روم تھا...... ایک طرف آمنہ صفی زمین پر بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی۔ ارد گرد کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ پاس ایش ٹرے تھی۔

"السلام علیکم۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"وعلیکم السلام۔" سرسری انداز میں جواب دے کر وہ پھر کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پروفیسر عادل نے اس کی طرف دیکھا۔

وہی لاپروا سا انداز۔

گرے کلر کا سادا کھدر کا سوٹ' جس کی قمیص کا کالر مردانہ تھا اور آستینوں میں کف لگے ہوئے تھے جسے اس نے موڑ لیا تھا...... ہمیشہ کی طرح میک اپ سے بے نیاز چہرہ' بظاہر وہ عام سے نقوش کی عام سی لڑکی لگتی تھی لیکن پھر بھی کوئی بات تھی اس میں جو اٹریکٹ کرتی تھی۔

پتا نہیں اس کا یہ بے نیازانہ انداز یا پھر اس کے چہرے کا کوئی تاثر ایسا تھا جو نا معلوم سی کشش رکھتا تھا۔

پتا نہیں کیا بات تھی۔ پروفیسر عادل اس کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ محسوس کرتے تھے۔ انہیں لگتا تھا' جیسے وہ سب سے خفا ہو۔

روٹھی ہوئی ناراض سی' اپنے آپ سے بھی خفا۔

جیسے اسے زمانے سے بہت شکوے ہوں۔ بہت گلے ہوں جنھیں وہ اپنے اندر چھپائے بیٹھی ہو۔

پہلی بار جب وہ اس سے ملے تھے' تب بھی وہ انہیں ایسی ہی لگی تھی...... لیکن تب میں اور اب میں کچھ نہ کچھ فرق تھا ضرور۔

پہلے اس کی بے پروائی کا رنگ اور تھا۔ جیسے سارا زمانہ اس سے خفا ہو اور اسے زمانے کی پروا نہ ہو۔ بس وہ اپنی ترنگ میں چلی جا رہی ہو۔ ارد گرد سے بے خبر اور لاپروا لیکن اب فرق یہ پڑا تھا کہ اسے زمانے سے شکوے ہو گئے تھے۔ جیسے پہلے زمانہ اس سے خفا تھا اور اب وہ زمانے سے ناراض تھی لیکن ظاہر کرتی تھی جیسے اسے اس کی پروا نہیں ہے۔ اب اپنی ترنگ میں بڑھنے کی بجائے رک سی گئی تھی۔

"آمنہ آپ کیسی ہیں؟" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"فائن۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"بہت مصروف لگ رہی ہیں۔"

"بس یہ اسکرپٹ دیکھ رہی تھی۔ تصدق کی خواہش ہے کہ اسے آج ہی مکمل کر دوں۔"

"گھر میں سب خیریت ہے؟" انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کریں۔ مجتبیٰ اور تصدق باہر ہی رہ گئے تھے۔ تصدق تو غالباً سگریٹ لینے چلا گیا تھا اور مجتبیٰ پتا نہیں کیوں رک گئے تھے باہر۔

"ہوں..... گھر میں ہے ہی کون سوائے اماں کے۔"

آمنہ صفی نے کاغذات سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیے اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"اور اماں۔" وہ ہولے سے ہنسی۔

"وہ کبھی خیریت سے نہیں رہتیں۔ بقول ان کے کہ جب سے میں باشعور ہوئی ہوں۔ ان کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں اور میں نے ہمیشہ انہیں پریشان ہی کیا ہے' حالانکہ اپنی طرف سے میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ انہیں دکھ نہ دوں..... لیکن وہ خود بخود ہی دکھی ہوتی رہتی ہیں۔ خیر....." اس نے کندھے اچکائے "ان کا نصیب۔ میں نے تو جاب بھی چھوڑ دی ہے تاکہ وہ خوش رہیں..... کالم لکھنا چھوڑ دیا بلکہ ایک دن اپنی ساری کتابیں جو گھر پر تھیں انہیں آگ لگا دی تاکہ اماں خوش ہو جائیں۔ کیا کیا جتن نہیں کیے مگر وہ خوش ہی نہیں ہوتیں۔"

بظاہر وہ نارمل لہجے میں بات کر رہی تھی لیکن پروفیسر عادل کو اس تلخی کی کڑواہٹ اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ جو ان الفاظ کے پس پردہ موجود تھی۔

"ساری مائیں ایسی ہوتی ہیں آمنہ۔" انہوں نے نرمی سے کہا "اولاد کے لیے ذرا سی بات پر پریشان ہونے والی۔"

"نہیں عادل صاحب' میری اماں ساری ماؤں سے مختلف ہیں۔ مائیں تو اولاد کا فیور کرتی ہیں لیکن میری اماں نے ساری زندگی میرا فیور نہیں کیا۔ ہر معاملے میں مجھے ہی قصوروار ٹھہرایا۔ میرے کزن نے منگنی توڑ دی تو قصوروار میں۔ کہ میں نے شعر و شاعری کر کے ناس مارا ہے اپنا..... اس کا کوئی قصور نہیں جو چٹی چمڑی پر مر مٹا تھا..... دن رات اٹھتے بیٹھتے اتنی باتیں مجھے غیروں نے نہیں سنائیں جتنے کوسنے میری اماں نے مجھے دیے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ میں اپنا سر بھی کاٹ کر اماں کے قدموں میں رکھ دوں پھر بھی وہ خوش نہیں ہوں گی۔ ساری خرابیاں انہیں مجھ میں نظر آتی ہیں اور وہ اس کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرتی ہیں۔ میرے منگیتر کے لیے..... بے چارا....."

"آہا آمنہ صاحبہ' کہیے مزاج شریف کیسے ہیں۔" مجتبیٰ حیدر نے قدم رکھتے ہی کہا۔

"بہت بہتر۔"

"کہیے آپ کا کام کہاں تک پہنچا۔" وہ چونکہ شلوار قمیص میں تھے اس لیے زمین پر ہی بیٹھ گئے۔

"بس تقریباً مکمل ہی ہے۔"

"بے چارے حافظ صاحب گلہ کر رہے تھے کہ ان کے اتنے اچھے لکھے گئے ڈرامے کو آپ نے مسترد کر دیا۔"

"اگر کبھی ملیں تو میری طرف سے معذرت کر دیجیے گا۔ مجبوری تھی۔ تصدق جس طرح کا پلے کرنا چاہ رہے تھے اس پر وہ پورا نہیں اترتا تھا۔"

"فی الحال تو وہ بہت مصروف ہیں اپنی شادی کے سلسلے میں۔" مجتبیٰ حیدر مسکرائے۔

"شادی..... کیا ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔" آمنہ صفی کو حیرت ہوئی۔

"ایک شادی تو ان کی کم عمری میں ہوئی تھی۔ بیوی ان پڑھ تھی بقول ان کے نبھ نہیں سکی۔ دوسری شادی پڑھی لکھی لڑکی سے کی جو نبھ رہی تھی اور اب یہ تیسری شادی ازراہ ہمدردی کر رہے ہیں۔ بیوہ سے نکاح کر کے نیکی کا کام ہو رہا ہے۔"

"واقعی حافظ صاحب تو چھپے رستم نکلے۔"

تصدق چائے کا کپ اٹھائے اور پروفیسر عادل کو پکڑاتے ہوئے بولے۔

"یہ آپ کس تردد میں پڑ گئے۔ آئیے بات ہو جائے کچھ۔"

پروفیسر عادل نے کپ لے لیا۔

"بات بھی ہو جاتی ہے' پہلے چائے ہو جائے۔" اس نے دوسرا کپ مجتبیٰ کے سامنے رکھا اور دوبارہ چائے لینے باہر نکلا۔

"ایسا کرو تصدق ایک ٹرے لے لو۔" آمنہ صفی نے مشورہ دیا۔

"لے لوں گا۔" اس نے جاتے جاتے کہا۔

"تصدق چائے مزے کی بناتا ہے۔" آمنہ نے تبصرہ کیا "اور کھانا پکانے میں ماہر ہے۔"

"بیوی فائدے میں رہتی ہو گی۔ پکا پکا کر کھلاتا ہو گا۔" مجتبیٰ نے چائے کا گھونٹ لیا۔

"ارے کہاں' اس کے نصیب میں خوشی نہیں۔ چھ چھ مہینے تو گھر نہیں جاتا۔ اس کی شادی اگر تصدق احمد جیسے اونچے آرٹسٹ کی بجائے کسی سیدھے سادے دکاندار یا زمیندار سے ہو جاتی تو زیادہ خوش رہتی۔"

"آمنہ صفی' تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہمارے معاشرے کا ایک المیہ یہ ہے کہ ہم غلط جگہوں پر فٹ ہو جاتے ہیں۔ جہاں ہمیں ہونا ہوتا ہے۔ ہم وہاں نہیں ہوتے اور جہاں نہیں ہونا ہوتا وہاں ہو جاتے ہیں۔"

تصدق احمد کپ اٹھائے اندر آئے اور آمنہ کے پاس کپ رکھتے ہوئے وہاں ہی بیٹھ گئے۔

"تم نے یہ مسودہ دکھایا ہے پروفیسر صاحب کو؟"

''نہیں۔''

''سر دیکھیں پلیز۔'' اس نے کاغذات اکھٹے کر کے پروفیسر کی طرف بڑھائے۔
اور چائے کا خالی کپ ایک طرف رکھتے ہوئے وہ مسودہ دیکھنے لگے۔

❁ ❁ ❁

''اور یہ سب کیا ہے؟''

مریم نے اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے سوچا اور ماما یہ سب پھر کیوں کر رہی ہیں جبکہ اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہے۔

''دراصل شہرت کا نشہ بہت خطرناک ہوتا ہے موی۔'' شہریار نے اسے سمجھایا تھا ''اور تمہاری مما کو بھی شہرت کا نشہ ہوگیا ہے اور فار گاڈ سیک' تم اسے زیادہ محسوس نہ کرو۔'' لیکن وہ کیسے محسوس نہ کرتی۔ گھر ایک بار پھر ریسٹورنٹ لگنے لگا تھا۔ زینب عثمان کی پہلی ہی فلم بہت کامیاب رہی تھی اور فلم والوں نے بقول صفو کے جیسے ان کا گھر ہی دیکھ لیا تھا۔ صبح شام دوپہر جب جی چاہتا منہ اٹھائے چلے آتے ہیں۔ سب ہی چاہتے ہیں کہ وہ ان کی فلم سائن کر لیں مگر شرجیل مرزا نے انہیں کوئی بھی فلم سائن کرنے سے منع کر دیا تھا اور خود تو جیسے ان سے چپک کر ہی رہ گیا تھا اور مریم بہت چڑتی تھی اس سے۔ ایک بار پھر وہ بہت فرینک ہو رہا تھا۔ آتے جاتے کوئی نہ کوئی فقرہ چست کر دیتا۔ وہ جز بز ہو کر رہ جاتی۔ ماما کی وجہ سے وہ کچھ کہہ بھی نہ پاتی تھی۔ وہ انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی' کسی قیمت پر بھی نہیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے ڈیپریس ہوں اور اس کی ذات سے انہیں تکلیف پہنچے۔ وہ تو اب بھی ڈیپریس ہو جاتی تھیں۔ تیمور کی وجہ سے وہ کتنا ڈیپریس ہوئی تھیں۔ پورا ایک ہفتہ بیڈ ریسٹ کے بعد بھی جب وہ اٹھیں تو ان کی حالت دیکھ کر مریم کو ایک دم رونا آ گیا تھا۔ وہ ایک دم ان سے لپٹ کر رو دی تھی۔

''ماما پلیز۔ یہ آپ کیا کر لیتی ہیں اپنے آپ کو حوصلہ رکھا کریں نا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا ڈیپریس نہ ہوا کریں۔ اب تو پاپا بھی نہیں ہیں' آپ کا خیال رکھنے کو...... پلیز ماما ہماری خاطر بہادر بن جائیں نا۔''

لیکن پتا نہیں کیا بات تھی' اتنی جرأت مند اور ہر کام میں اپنی مرضی کرنے والی زینب عثمان احمد کا اس بات پر کوئی اختیار نہیں تھا حالانکہ بالکل معمولی سی بات تھی۔ تیمور نے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں مری نہیں جاؤں گا۔'' اس نے ضد کی ''میں یہاں رہوں گا اور یہاں ہی پڑھوں گا۔''

''کیوں؟''

''بس میں وہاں نہیں جاؤں گا۔''

اس کے پاس جواز نہیں تھا لیکن وہ مری نہیں جانا چاہتا تھا شاید وہ لاشعوری طور پر ماں کی قربت کا خواہش مند تھا پھر اس کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا تھا کہ جس طرح پاپا چلے گئے ہیں' کہیں ماما بھی اچانک

نہ چلی جائیں...... وہ بہت کم ضد کرتا تھا لیکن اس روز وہ بہت ضدی ہو رہا تھا۔

''کیا حرج ہے ماما۔'' عاشی نے بھی اس کی تائید کی ''ابھی وہ ضد کر رہا ہے تو آپ ہی اس کی مان لیں۔ بعد میں بہلا کر بھیج دیجیے گا۔''

لیکن وہ ایک دم سائیکی ہوگئی تھیں۔ انہوں نے شریف کو آواز دی تھی۔

''مور کو زبردستی اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو۔''

''ماما آپ بھی حد کرتی ہیں۔'' عاشی کا موڈ خراب ہوگیا تھا۔

''میں حد کرتی ہوں یا تم لوگ۔'' وہ چیخنے لگی تھیں ''سب سمجھتی ہوں میں۔ سب جانتی ہوں۔ جب سے تم حویلی سے آئے ہو' تمہارے رنگ ہی بدلے ہوئے ہیں۔ ورغلاتے ہیں وہ لوگ تمہیں میرے خلاف اور خبردار آج کے بعد تم لوگوں نے ان سے رابطہ رکھا اور نہ ہی عادل خان سے تمہیں آئندہ ملنے کی اجازت ہے۔ بے عزتی کر کے نکال دوں گی گھر سے اسے۔ کیا رشتہ ہے اس کا تمہارا؟ کیوں آتا ہے وہ یہاں؟''

''رشتہ جو ہے ماما۔ وہ آپ کسی طرح بھی انکار نہیں کر سکتیں۔ ہماری رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے۔'' عاشی ان سے سوال و جواب کرنے لگی تھی اور مریم ایک طرف سہمی کھڑی تھی۔

''عاشی پلیز۔'' اس نے عاشی کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تھا ''ماما کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

''کسی اور کی طبیعت بھی خراب ہو سکتی ہے۔'' وہ غصے سے تیز تیز چلتی گاڑی میں جا بیٹھی تھی اور اس کے پیچھے ہی نینا اور تیمور بھی چلے گئے تھے اور ان کے جانے کے بعد زینب عثمان کو دورہ پڑ گیا تھا۔ وہی میگرین اور ڈیپریشن۔ اس نے گھبرا کر ڈاکٹر ہادی اور میڈم نرگس کو فون کر دیا تھا۔ پاپا یہی تو کرتے تھے۔

''وہ عادل۔''

انہوں نے میڈم نرگس کو دیکھتے ہی ان کا ہاتھ پکڑ کر رونا شروع کر دیا ''وہ چھین رہا ہے مجھ سے میرے بچوں کو۔''

''ارے کوئی نہیں چھینتا تم سے تمہارے بچوں کو۔'' میڈم نرگس نے انہیں تسلی دی تھی ''تم ماں ہو ان کی بےفکر رہو...... مجال ہے کسی کی جوان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے اور یہ عادل' اس کی تو میں ہڈیوں کا سرمہ بنوا دوں اور خبر تک نہ ہو کسی کو۔ میں نرگس ہوں' میڈم نرگس۔'' انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں دو چار گالیاں دیں تو زینب عثمان کو تسلی ہوئی۔

لیکن نگی' وہ عاشی مجھے جواب دینے لگی ہے اور تیمور وہ اتنا سا کیڑا...... وہ...... میرا مقابلہ کرتا ہے بڑی امی سے۔ وہ دیہاتی جاہل عورت میرا کیا مقابلہ کر سکتی ہے۔''

اور مریم چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکی تھی کہ بڑی اماں اور بی آپا نے تو ان کے خلاف کوئی بات بھی نہیں کی۔ الٹا ان کے لیے پریشانی کا اظہار ہی کیا تھا...... اور بڑی امی' بی آپا اور

کامل کتنے خوش ہوئے تھے انہیں دیکھ کر۔

"میں تم سب کے لیے بہت اداس ہوگئی تھی۔" بڑی امی نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تھا۔

ماما نے نہ جانے کس موڈ میں انہیں حویلی جانے کی اجازت دے دی تھی۔ شاید میڈم نرگس نے سمجھایا تھا "الٹا کچھ حاصل ہی کریں گی۔ نقصان نہیں ہوگا۔"

اور واقعی بڑی امی نے اتنا کچھ دیا تھا۔ سب کو جوڑے دیے تھے۔ ایک ایک ہزار روپیہ دیا تھا اور ماما کے لیے بھی کپڑے بھیجے تھے اور یہ دو دن حویلی میں کتنے اچھے گزرے تھے...... عاشی نینا اور تیمور کتنے خوش تھے...... عادل انہیں اپنے باغات دکھانے لے گیا تھا لیکن مریم نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میں گھر پر ہی رہوں گی بڑی امی کے ساتھ۔"

پتا نہیں کیوں، وہ عادل کی نظروں سے الجھتی تھی۔ اندر ہی اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جسے وہ کوئی نام بھی دینے سے قاصر تھی اور پھر وہ بڑی امی کے ساتھ حریم کی طرف گئی تھی۔

کتنا خوش ہوئی تھی حریم اسے دیکھ کر۔ چاچا عبدالرحمٰن اور عمران بھی اچھی طرح محبت سے ملے تھے۔

"بیٹا آتی رہا کرو۔ عثمان کا خون ہو۔ تمہیں دیکھ کر دل میں ٹھنڈک پڑتی ہے۔"

چچی نے بھی بہت پیار کیا تھا۔ ڈھیروں اشیا ساتھ کر دی تھیں اور ماما یوں ہی ان سے بدگمان تھیں لیکن وہ ماما کی بدگمانی دور نہیں کر سکتی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ماما خوانخواہ اس سے بھی بدگمان ہو جائیں گی۔

"مریم بی بی۔" صفو نے اندر جھانکا۔

"کیا ہے؟" وہ چونک پڑی۔

"وہ جی شرجیل مرزا صاحب آئے ہیں جی۔"

"تو بتا دینا تھا کہ ماما گھر پر نہیں ہیں۔"

"بتایا تھا لیکن جی وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں آپ سے کام ہے۔"

"اچھا۔" اس نے بددلی سے کہا "تم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔"

وہ جانتی تھی کہ شرجیل مرزا کو اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا لیکن اگر وہ نہ جاتی تو ماما یقیناً ناراض ہوتیں اس سے اور خوانخواہ ڈیپریشن ہوتا انہیں۔ اس نے بیڈ سے دوپٹہ اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ شرجیل مرزا اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آہاہا۔ یہ چاند بڑے دنوں بعد بدلیوں سے نکلا ہے۔"

"فارگاڈ سیک شرجیل صاحب، اس طرح کی بازاری زبان استعمال نہ کیا کریں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ کو جو زبان پسند ہے مس مریم۔ ہم تو وہی زبان استعمال کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ نظر التفات ادھر بھی ہو۔"

"میں صرف ماما کی وجہ سے آپ کا احترام کرتی ہوں۔" وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"احترام۔" شرجیل مرزا نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری...... "احترام، صرف احترام مس مریم۔ تھوڑی سی دل میں بھی جگہ دیجیے۔ باقی جگہ ہم خود بنا لیں گے۔ بس قدم دھرنے کی اجازت دے دیں۔"

مریم برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔

"یعنی کچھ گنجائش ہے۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"آپ کس خیال میں ہیں مسٹر شرجیل۔" اس کا ضبط جواب دینے لگا۔

"آپ کی خاموشی سے تو یہی پتا چل رہا تھا۔" اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"میری خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ میں فضول باتوں کا جواب دینا پسند نہیں کرتی ہوں۔"

"یہ فضول باتیں نہیں ہیں۔ ہا......" اس نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا "یہی تو زندگی کی حقیقت ہے مس مریم لیکن افسوس ابھی آپ زندگی کی خوبصورتیوں..... سے ناآشنا ہیں۔"

"آپ ٹھنڈا لیں گے یا چائے؟" مریم نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"جو بھی آپ پلا دیں...... آپ کے ہاتھوں سے تو زہر بھی امرت بن جائے گا۔" وہ بدستور رومینٹک ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کاش میں آپ کو زہر پلا سکتی۔" اس نے دانت پیسے اور شریف کو آواز دی "شریف، شرجیل صاحب کے لیے چائے لاؤ۔"

"ہائے داوے یہ زینی کدھر گئی ہیں؟"

"وہ آنٹی نرگس کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہیں۔" اس نے طنزیہ نظروں سے شرجیل مرزا کو دیکھا۔ اس کا اتنی بے تکلفی سے ماما کا نام لینا اسے زہر لگتا تھا اور وہ جان بوجھ کر اسے چڑانے کے لیے اس کے سامنے ان کا نام لیتا تھا۔

"سنا ہے، ڈاکٹر عبدالمعید اور ڈاکٹر ہادی تمہاری کوٹھی کی اوپر والی منزل میں آ رہے ہیں۔" اب کے وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں......!"

"کیوں؟"

"دراصل انکل ہادی نے اپنی کوٹھی اسپتال کو ڈونیٹ کر دی ہے۔ وہ لوگ اپنے لیے گھر تلاش کر رہے تھے۔ ماما نے انہیں آفر کی کہ وہ ادھر شفٹ ہو جائیں۔ ان کا خیال ہے، اس طرح انہیں بھی اطمینان

ہو جائے گا۔ اگر کبھی انہیں باہر جانا پڑا تو وہ آرام سے جا سکتی ہیں۔"

"خیر آرام سے تو وہ اب بھی جا سکتی ہیں۔" شرجیل مرزا نے کندھے اچکائے۔

"السلام علیکم جی۔" شریف ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کیا حال ہے مسٹر شریف؟"

"ٹھیک ہوں صاحب جی۔ پر آپ بھی سب کی طرح جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔"

"کیسے وعدے بھئی ہمیں تو یاد نہیں رہا کہ ہم نے آپ سے کوئی پیمان کیے تھے۔"

"آپ تو شرمندہ کرتے ہیں جی۔" وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گیا "یہ سموسے ہیں جی' بہت مزے دار ہیں۔" اس نے پلیٹ آگے بڑھائی۔

"حالانکہ یہ کام آپ کا تھا۔" شرجیل مرزا نے مریم کی طرف دیکھا "خیر......" وہ پھر شریف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا وعدہ کیا تھا ہم نے بھئی؟"

"صاحب جی۔" وہ لجاجت سے بولا "آپ سے کہا تھا کہ ہمیں بھی فلم وغیرہ میں کوئی چانس دلوادا جی۔ خواہ نوکر کا ہی سہی......"

"اچھا اچھا۔ ضرور بھئی' تمہیں چانس نہیں دیں گے تو کسے چانس دیں گے۔ اگلی فلم میں تمہارا چانس پکا۔"

"سچ صاحب جی۔" وہ ایک دم خوش ہو گیا "اللہ آپ کو بھاگ لگائے جی۔"

تب ہی باہر سے باتوں کی آواز آئی۔

"اوہ ماما آ گئیں شاید۔" وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

شرجیل مرزا نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ٹرالی میں رکھی۔

"تمہارا چانس تو بن گیا یار لیکن باتوں میں لگ کر اپنا چانس مس کر دیا۔ ہائے۔" اس نے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے بائیں آنکھ کا کونا دبایا۔ وہ ایک دم بلش ہو گئی۔

"بے ہودہ۔" اس نے زیر لب کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

زینب عثمان اور میڈم نرگس ٹی وی لاؤنج میں کھڑی اپنی شاپنگ پر تبصرہ کر رہی تھیں۔

"صفو۔" پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر انہوں نے آواز دی "پانی لاؤ' بہت تھکن ہو گئی ہے بھئی۔"

"ماما۔" مریم ان کے سامنے آ گئی "وہ شرجیل مرزا صاحب آئے ہیں۔"

"اوہ گاڈ۔" وہ بیٹھتے بیٹھتے اٹھ کھڑی ہوئیں "مجھے تو آج فنجی کے ساتھ کہیں جانا تھا۔ اس کا تو موڈ بہت خراب ہو گا۔" مریم کا جی چاہا کہہ دے کہ ان کا موڈ تو ضرورت سے زیادہ اچھا تھا لیکن وہ خاموش رہی۔

"جاؤ بھئی اپنے فنجی صاحب کا موڈ ٹھیک کرو' میں تو بہت تھک گئی ہوں۔" میڈم نرگس وہیں ٹی وی

لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔

"آؤ نا جانی' ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔" میڈم نرگس نے بہت پیار سے مریم کو دیکھا "کیسی ہو ڈیئر۔ اب تو بہت فریش لگتی ہو۔"

"اچھی ہوں آنٹی۔" مریم ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"ایسے ہی خوش خوش رہا کرو۔ بہت پیاری لگنے لگی ہو۔"

"آنٹی......" مریم کو اچانک یاد آیا "آپ نے لالہ کا نمبر ڈھونڈا تھا۔"

"ہاں...... نمبر تو مل گیا تھا لیکن وہ کم بخت......" گالیوں کا ایک طوفان سا ان کے لبوں سے پھوٹ پڑا۔

"وہ بات ہی نہیں کراتے اس سے۔ جب بھی فون کرو' کہتے ہیں۔ نہیں ہے......اور اسے دیکھو......اس لالہ کمینی کو......اس نے وہاں جا کر ایک بار بھی فون نہیں کیا۔ ایک بار بھی نہیں......اسے پیدا کیا...... بڑا کیا......نخرے برداشت کیے اس کے اور ذرا سی بات پر روٹھ کر بیٹھ گئی۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"آنٹی پلیز' آپ مجھے اس کا نمبر دیجیے گا۔ میں ٹرائی کروں گی۔ کیا خبر وہ لوگ آپ کے فون کے متعلق بتاتے ہی نہ ہوں۔"

"ہاں ممکن ہے۔ بڑے خونخوار لوگ ہیں وہ۔ سب کچھ ممکن ہے ان سے اور کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ اسے قید کر دیں گے۔ بند کر دیں گے...... پر وہ ایک بار بتائے تو مجھے۔ ذرا سا ہنٹ تو دے۔ پھر دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔ ارے میں میڈم نرگس ہوں۔ اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گی۔ یہ سومرو سمجھتا کیا ہے خود کو...... پر وہ......ارے وہ خود ہی مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ ایک بار اس نے اٹینڈ کیا تھا تو......تو خود ہی کہہ دیا تھا کہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ مجھ سے' اپنی ماں سے......جس نے اس کے لاڈ اٹھائے۔ کیسی بے وفا نکلی......" بات کرتے کرتے وہ ایک دم دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

"آنٹی پلیز' ریلیکس۔" مریم نے ان کا ہاتھ تھام لیا "پلیز آنٹی۔ روئیں نہیں پلیز۔"

"تم اسے فون کرو گی نا......تو اگر اس نے تم سے بات کر لی تو اس سے کہنا' کر دوں گی......کر دوں گی اس کی شادی اعزاز کے ساتھ......ایک بار گھر آ جائے وہ......بس...... کہہ دو گی نا......"

"جی......" مریم نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

اور اگر لالہ کو پتا چل جائے کہ آنٹی اس کے لیے اتنی پریشان ہیں تو وہ کتنی خوش ہو گی۔ وہ سمجھتی تھی کہ شاید میڈم نرگس کو لالہ کا خیال ہی نہیں۔

"دیکھو۔" میڈم نرگس نے سرگوشی کی "تم اس سے کہہ دینا۔ اگر اس کے ڈیڈی اسے آنے نہ دیں تو بس مجھے ایک فون کر دے۔ میں خود پہنچ جاؤں گی اسے لینے۔ ساری صحافی برادری کو میں اکٹھا کر لوں گی۔ سارے میں رولا ڈال دوں گی۔ دیکھ لینا تم۔ بس ایک دفعہ وہ آنے کو کہہ دے......اور دیکھو تم اپنی ماما کو نہ

بتانا کہ میں نے تم سے کہا ہے کہ میں اعزاز سے اس کی شادی کردوں گی۔"

"جی۔" مریم کو حیرت ہوئی۔

"ارے کیا دے گا وہ اعزاز اسے۔ ڈھنگ کا گھر تک تو اس کے پاس ہے نہیں۔ بھوکا مار
گا اسے۔ کہتی ہے' آپ نے بھی تو اس کے بھائی سے شادی کی ہے تو میرے پاس تھا سب کچھ
سات پشتوں کو کھلا سکتی تھی۔ اس کے پاس کیا تھا اپنا...... کچھ بھی نہیں خالی ہاتھ تھا وہ۔ دھکے کھا ر
اسٹوڈیوز کے...... مومو سے کہہ دینا اس سے کردوں گی اس کی شادی اعزاز کے ساتھ' بس ایک بار آجا
وہ......" وہ پھر رونے لگیں۔

"اچھا پلیز آپ روئیں نہیں...... میں چائے منگواتی ہوں آپ کے لیے......" مریم اٹھ کھڑی ہوئی
تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔

مریم نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف شہریار تھا...... مریم نے ریسیور ہاتھ میں تھا
تھامے مڑ کر میڈم نرگس کی طرف دیکھا۔ وہ واش روم کی طرف جا رہی تھیں۔

"آپ!"

"کیسی ہو زندگی؟" شہریار کے لہجے میں بے چینی تھی۔

اس کے رخسار تپ اٹھے "اچھی ہوں۔"

"عینی کہہ رہی تھی کہ تم یونیورسٹی نہیں آ رہی ہو۔ دو تین دن سے۔ پریشان ہو گیا تھا میں۔ تم ٹھیک تو ہو

"ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یوں ہی جی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تھینک گاڈ۔" اس نے ایک لمبا سانس لیا "جان نکال لیتی ہو تم میری مریم۔ آج شاید عینی تمہ
طرف آئے گی۔"

"مریم۔" اس نے آہستگی سے کہا "میں تمہارے بنا بہت ادھورا ہوں مریم' بہت اکیلا۔ دیکھو
راستے میں ہی نہ چھوڑ دینا۔"

"نہیں۔" مریم نے لحہ بھر سوچا اور پھر بات مکمل کی "آپ بابا جان اور امی جان کو بھیج دیں۔"

"کیا...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"جو کچھ آپ نے سنا۔" وہ شوخ ہو گئی۔

"لیکن ابھی اس دن چند دن پہلے تو تم......"

"میں نے سوچا آپ کو اطمینان ہو جائے گا نیند ٹھیک سے آئے گی۔"

"کون جانے نیند آئے گی یا اڑ جائے گی۔ وہ کیا کہا ہے کسی نے کہ
پا کر بھی نیند اڑ گئی تھی۔ کھو کر بھی رت جگے ملے......"

شہریار کے لہجے میں شوخی تھی "ہائے داوے یہ مہربانی اچانک کس لیے۔"

"مہربانی تو کسی بھی وجہ سے ہو سکتی ہے' بتانا قطعی ضروری نہیں۔" کم از کم شرجیل مرزا کو سکون مل جائے
گا اور وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اس نے دل میں سوچا۔

"تو کب بھیجوں بابا کو؟"

"جب...... جب آپ کا جی چاہے۔"

"میرے جی کی بات نہ کرو مریم۔ وہ تو بہت بے ایمان ہو رہا ہے۔ کہہ رہا ہے ابھی اسی وقت بابا جان
کو بھیج کر تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے نام کرلوں لیکن بابا جان اور ماں جی گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ دراصل
پچھلے دنوں سکندر ماموں کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ انہیں پتا چلا تو وہ چلے گئے۔ ایک دو روز تک
آجائیں گے پھر...... تھینک یو مریم...... تھینک یو سو مچ...... تم بہت اچھی ہو...... اور سنو......" اس نے سرگوشی
کی...... "اس وقت کون سے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہو؟"

"کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"بس تصور کی آنکھ سے تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیسی لگ رہی ہو۔ ویسے تو ہر رنگ ہی تم پر سوٹ کرتا ہے۔"

"براؤن......"

"بڑی رومینٹک گفتگو ہو رہی ہے۔" شرجیل مرزا نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"آپ کو الہام ہوتا ہے۔" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"آنکھوں کی چمک اور چہرے کے رنگ بتا رہے ہیں۔" اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ مریم
اس کی بات کا جواب دیے بغیر لاؤنج سے جانے لگی تو زینب نے آواز دی۔ وہ بھی شاید شرجیل مرزا کے
پیچھے ہی ڈرائنگ روم سے باہر آئی تھیں۔

"مومو......"

"جی ماما۔" اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"نرگس چلی گئی ہے کیا۔"

"نہیں ماما۔ وہ ذرا منہ ہاتھ دھونے گئی ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

"مجھے اجازت ہے اب؟" شرجیل مرزا نے پوچھا۔

"تو تم میڈم سے نہیں ملو گے۔"

"نہیں ڈیئر......" اس نے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔ جو زینب کے بلانے پر کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔

"اب میں چلوں گا۔ باہر جانے کا پروگرام تو رہ گیا۔ اب کل میں آؤں گا۔ بلکہ صبح تم آؤ گی تو پروگرام

سیٹ کرلیں گے۔اوکے۔"

زینب عثمان اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی اسے خدا حافظ کہنے باہر تک گئیں۔مریم کچھ دیر وہاں کھڑی رہی اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

❀❀❀

اماں نی
میری آنکھیں ترسیں
سانول آس نہ پاس
اماں نی میری نیندیں بھاگیں
مجھ سے کوسوں دور
اماں نی میرے سپنے ٹوٹے
چبھ گئی سینے پھانس
اماں نی میں پیاس سے تڑپی
دل دریا کے بیچ
اماں نی میری کشتی ڈوبی
عین کنارے بیچ

پروفیسر عادل نے بی آپا کے حصے میں قدم رکھا تو ٹھٹک کر رک گے۔بی آپا اپنے مخصوص جھولے پر بیٹھی گا رہی تھیں...اور یہ بی آپا کی آواز اتنی خوب صورت ہے اور کتنا سوز ہے۔اس سے پہلے انہوں نے کبھی بی آپا کو گاتے ہوئے نہیں سنا تھا۔وہ دبے قدموں چلتے ہوئے جھولے کے پیچھے آگئے۔

"بی آپا آپ کتنا اچھا گاتی ہیں۔"

حریم نے یک دم پیچھے مڑ کر دیکھا اور جھولے سے اتر آئی۔

"آپ؟"

وہ حیران رہ گئے"میں سمجھا بی آپا ہیں۔"حریم کا سامنا کرتے ہوئے انہیں ہمیشہ ہی گھبراہٹ ہوتی تھی۔

"وہ بی آپا ذرا کچن کی طرف گئی ہیں پکوڑے بنوانے۔آپ بیٹھیں نا۔"اس نے برآمدے میں پڑی کین کی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔تو وہ پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔حریم ذرا فاصلے پر کھڑی تھی۔

"آپ کیسی ہیں؟"انہوں نے نگاہیں جھکائے جھکائے پوچھا۔

"اچھی ہوں۔آپ کیسے ہیں۔اس بار بہت دنوں بعد آئے......"

"ہاں کچھ مصروفیت تھی آنا نہ ہوسکا۔یوں بھی بی آپا یہاں ہوں تو میں ماں جی کی طرف سے مطمئن

رہتا ہوں۔"

"اور مریم' تیمور نینا وغیرہ سے ملاقات ہوتی ہے کبھی کیسی ہیں وہ؟"

"مریم۔"

ان کے دل میں ہلچل سی ہوئی۔کتنا عرصہ ہوگیا تھا اسے دیکھے۔شاید تین ماہ حالانکہ ان تین ماہ میں وہ دوبار زینب ولا گئے بھی تھے لیکن مریم سے ان کی ملاقات نہ ہوسکی تھی۔تیمور اور عاشی وغیرہ سے بھی ذرا سی دیر کو ملاقات ہوئی تھی۔زینب عثمان کا رویہ انہیں سمجھ میں نہیں آتا تھا۔تینوں بار کسی بہانے سے وہ انہیں معذرت کرکے لے گئی تھیں حالانکہ تیمور نے ضد بھی کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ ڈرائیو پر جائے گا۔زینب عثمان انہیں ذرا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔

لیکن تیمور کا فون آتا تو وہ بے اختیار چل پڑتے'زینب عثمان کی واضح ناپسندیدگی کے باوجود پتا نہیں یہ خون کی محبت تھی یا پھر دم آخر عثمان احمد سے کیا وعدہ تھا کہ زینب عثمان کے اس ناپسندیدہ رویے کے باوجود بھی وہ زینب ولا چلے جاتے۔بچوں کے لیے ڈھیروں چیزیں لے کر۔اصولاً تو انہیں زینب عثمان سے نفرت ہونی چاہیے تھی کہ...یہ وہ عورت تھی جس کی وجہ سے ساری زندگی ان کی ماں دکھی رہی اور وہ باپ کی محبت وشفقت سے بھی محروم رہے لیکن انہوں نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اپنے دل میں زینب عثمان سے نفرت محسوس نہیں کی بلکہ جب بھی جاتے عزت واحترام سے بات کرتے۔وہ کمرے میں آتیں تو کھڑے ہوجاتے لیکن اس کے باوجود زینب عثمان کا رویہ اکھڑا اکھڑا سا ہوتا تھا۔انہوں نے کیا لیا تھا ان کا'شاید وہ ان کی مجرم تھیں۔

اور وہ مریم کی رفاقت کے خواب دیکھ رہے تھے جو اسی عورت کی بیٹی تھی اور یہ زندگی نے کس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا انہیں۔پیچھے مڑ سکتے تھے اور نہ آگے بڑھنے کو کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا۔

"کیسے ہیں وہ سب؟"حریم ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"اچھے ہیں۔"انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اب اگر ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دیجئے گا مریم سے میں اسے بہت یاد کرتی ہوں۔"

"ہاں اگر ملاقات ہوئی تو۔"انہوں نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیوں؟کیا وہ لوگ کہیں اور چلے گئے ہیں؟"

"نہیں لیکن ان کی والدہ پسند نہیں کرتیں۔"

"سوتیلا رشتہ جو ہوا۔"حریم نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

"لیکن مریم اور بچے تو سب محبت کرنے والے ہیں۔ان کے دل میں سوتیلا پن نہیں ہے۔"

پروفیسر عادل کچھ نہ بولے۔کئی لمحے ایسے ہی خاموش گزر گئے تو انہیں گھبراہٹ ہونے لگی۔

"حریم آپ بیٹھیے نا کھڑی کیوں ہیں۔"

"اوہ ہاں۔" اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ بی آپا ادھر ہی آ رہی تھیں۔

"ارے عادل آیا ہے۔" بی آپا انہیں دیکھ کر خوش ہو گئیں "کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں بی آپا۔"

"تم کہیں باہر گئے تھے۔ ایک دو بار گئی تو تم ملے نہیں اور یہ جو ساون کی جھڑی لگی کہ بستر سے اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہا۔ ابھی حریم آئی ہے تو اٹھی ہوں...... چائے پی کر ہم ادھر ہی آ رہے تھے۔" تفصیل بتاتے ہوئے وہ حریم کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئیں۔

"میں دراصل صبح ہی ڈیرے پر چلا گیا تھا مانی کی طرف۔"

"مانی تو اب مستقل وہیں رہنے لگا ہے۔ ہفتوں بعد کہیں گھر آتا ہے اور مجھے تو مانی سے ملے مہینے ہو گئے ہیں۔"

"وہاں اتنی رونق جو لگا رکھی ہے۔ کیسے جی چاہے گا آنے کو۔" ان کے لہجے میں شکوہ سا تھا۔

"کیا؟" بی آپا نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"دوست یار تھے اور کوئی گانے والی خاتون آئی ہوئی تھیں۔ مجھے تو یہ سب اچھا نہیں لگا بی آپا...... آپ پلیز...... کسی دن اسے سمجھائیں۔ عجیب عجیب لوگ تھے وہاں اور چچا جان بھی نہیں روکتے انہیں کسی بات سے۔" انہوں نے حریم کی طرف دیکھا۔

"وہ ابا کی نہیں سنتے۔ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں انہوں نے...... بلکہ ان کے دوستوں نے ایک مزارعے کو اچھا خاصا مارا۔ بے چارہ ابا جان کے پاس فریاد لے کر آیا تو ابا جان کافی دیر سمجھاتے رہے انہیں لیکن ان پر تو اثر نہیں ہوتا۔ آپ نے سمجھایا ہوتا۔"

"میں۔" پروفیسر عادل نے اپنی طرف اشارہ کیا "اس وقت تو کچھ کہنا مناسب نہیں تھا۔ دوست یار تھے اس کے وہاں پھر کبھی موقع دیکھ کر بات کروں گا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے "اچھا بی آپا۔"

"ارے عادل بھیا۔ بیٹھو نا کہاں چل دیے۔"

"بس بی آپا اب چلوں گا۔"

اچانک ہی ان کے دل میں کوئی بوجھ سا آ گرا تھا۔ پتا نہیں کیوں ہوتا ہے ایسا۔ حالانکہ انہوں نے سوچا تھا کہ وہ بی آپا کے پاس زیادہ دیر بیٹھیں گے۔ باتیں کریں گے ان سے مریم کے متعلق مشورہ کریں گے۔ اکیلے یہ بوجھ سنبھالتے سنبھالتے تھک گئے تھے۔

"چائے بن رہی ہے پکوڑے بھی ہیں ساتھ۔" بی آپا نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ کہ ابھی آئے اور ابھی چل دیے۔

"بس بی آپا کسی چیز کو جی نہیں چاہ رہا۔"

"خیر تو ہے نا عادل میاں۔ طبیعت تو اچھی ہے نا۔"

"جی اچھا ہوں بس ایسے ہی کالج سے کہہ کر آیا تھا کہ ابھی دو منٹ میں آ رہا ہوں۔"

"اچھا تم نے کہیں جانا تو نہیں ہے نا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر میں ابھی آؤں گی۔ تین دن ہو گئے ہیں تمہیں حویلی آئے ہوئے۔ جی بھر کر باتیں بھی نہیں ہو سکی تم سے۔"

"آپ بیٹھیں پلیز۔ میں جا رہی ہوں تائی اماں کی طرف۔" حریم ایک دم کھڑی ہو گئی۔

حریم کی یہ بالکل سادہ سی بات انہیں اندر تک کاٹ گئی گویا حریم نے انہیں اپنی سادہ سی بات میں یہ جتا دیا تھا کہ وہ سمجھتی ہے کہ وہ اس کی وجہ سے جا رہے ہیں۔

"نہیں...... نہیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں حریم۔" وہ شرمسار سے ہو گئے۔

لیکن حریم ان کی بات کا جواب دیے بغیر چلی گئی اور وہ وہاں ہی کھڑے رہ گئے۔ بی آپا ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ عادل۔"

"بی آپا حریم نے غلط سمجھا ہے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔"

"بیٹھ جاؤ عادل وہ ہرٹ ہو گئی ہے۔ لڑکیوں کے دل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نازک سے چھوئی موئی کے پھولوں کی طرح جو چھونے سے مرجھا جاتے ہیں اور پھر حریم تو تمہارے اجتناب اور بے اعتنائی سے باخبر ہے۔ بیٹھو۔"

"جی بی آپا۔" وہ نادم سے بیٹھ گئے۔

"کہو مریم سے کوئی بات ہوئی۔" ایک دم بی آپا نے پوچھ لیا تو وہ ٹپٹا گئے۔

"جی نہیں تو' کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"پھر ایسا کب تک چلے گا عادل۔ ماں جی بہت اداس رہتی ہیں۔ وہ جلد از جلد تمہاری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ حریم نہ سہی جو بھی ہو۔ وہ کل شام کو بھی کہہ رہی تھیں۔"

"آپ نے مریم کے متعلق ماں جی سے بات کی۔"

"نہیں۔ ابھی نہیں۔ پہلے تم تو کسی فیصلے پر پہنچو۔"

"میں۔" انہوں نے بی آپا کی طرف دیکھا "مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔ بہت الجھ گیا ہوں' مریم سے میری بات نہیں ہو پاتی اور زینب عثمان مجھے پسند نہیں کرتیں۔"

''مریم کی والدہ تمہیں پسند نہیں کرتیں تو پھر بات کیسے بنے گی۔'' بی آپا نے پریشانی سے پوچھا۔

''تو آپ کچھ کریں نا...... بی آپا میرے ساتھ لاہور چلیں۔ مریم کو سب کچھ بتا کر اور اس کا عندیہ معلوم کر کے اس کی ماما سے بات کریں۔''

''عادل' مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیسے مریم سے بات کروں گی۔ کتنا چاہتی ہے وہ عثمان چچا کو۔ ہر وقت ان کی باتیں' ان کا ذکر۔ یہ جان کر کہ وہ ان کی بیٹی نہیں ہے' کیا بیتے گی اس پر...... کیسے سامنا کرے گی وہ اس حقیقت کا...... نہیں عادل' مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔''

''پلیز بی آپا' میری خاطر...... مجھے لگتا ہے میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔'' پروفیسر عادل نے التجا کی۔

''عادل تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈال دیا ہے۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ مریم کی والدہ مجھے کچھ پسند نہیں آئیں۔ جب وہ یہاں آئی تھیں تو تب بھی بہت مغرور لگ رہی تھیں۔ تم نے دیکھا نہیں تھا کہ ماں جی کتنے کھلے دل سے آگے بڑھی تھیں لیکن انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم مریم کا خیال دل سے نکال دو۔ نہ تو تم سے ڈسٹرب کرو اور نہ خود پریشان ہو۔ میرا خیال نہیں ہے کہ زینب تمہارے لیے مان جائے۔''

''نہیں بی آپا۔'' پروفیسر عادل کھڑے ہو گئے۔

اس کا خیال اب دل سے نکالنا اتنا آسان نہیں رہا۔ پہلے جب وہ ایک خیال تھی تب بھی وہ اس کے سوا کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور اب جب کہ وہ خیال سے حقیقت کے روپ میں ڈھل گئی تھی تو اب یہ کیسے ممکن تھا۔

''کیا سوچنے لگے ہو عادل؟'' بی آپا نے انہیں خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''جو قدم جس سمت اٹھ چکے ہیں۔ وہ اسی سمت جانا چاہتے ہیں ان کا کسی اور طرف پلٹ جانا بہت مشکل ہے۔'' وہ ایک دم پلٹ پڑے۔

''عادل سنو تو۔'' بی آپا نے انہیں پکارا لیکن وہ رکے نہیں اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے بی آپا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

❀ ❀ ❀

اور اب بی آپا کو کیا پتا کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اتنا آگے جا کر پیچھے پلٹ آنا۔ اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے پرفیسر عادل نے سوچا۔

مریم جو محض ایک خیال اور ایک تصور تھی' ان کے لیے کتنی اہم ہو چکی ہے اور وہ اس سے بالکل بے خبر ہے...... جس کو وہ دن رات سوچتے ہیں اور پتا نہیں یہ کیا جذبہ ہے۔

محبت یا...... یا اس سے بھی کوئی اعلیٰ و ارفع جذبہ۔

پتا نہیں وہ مجتبیٰ حیدر سے پوچھتے تو وہ اس سلسلے میں کیا کہتے۔ لیکن بہت دنوں سے وہ مجتبیٰ سے نہیں ملے تھے۔ پتا نہیں کیوں کہیں بھی آنے جانے کو ان کا جی نہیں چاہتا تھا۔ دو ایک بار حافظ احسان اور کچھ دوسرے لوگ آئے تھے لیکن انہوں نے معذرت کر لی تھی۔ کچھ بھی کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ تصدق احمد اور آمنہ صفی بھی ایک دن اپنے تھیٹر کے سلسلے میں بات کرنے آئے انہوں نے سرسری سا اسکرپٹ دیکھا تھا...... اور اچھا لگا تھا۔

''بہتر ہے۔ بلکہ بہت مختلف لگ رہا ہے۔''

''ایک تجربہ ہی ہے سر۔''

''کر کے دیکھ لو شاید کامیاب ہو جائے۔''

''ہمارے عوام کی پسند نہیں بدل سکتی۔ تصدق کا تجربہ ناکام رہے گا۔''

آمنہ صفی از حد مایوس تھی پھر بھی تصدق کا ساتھ دے رہی تھی۔

''آمنہ آپ اتنی مایوس کیوں ہیں ابتدا ہی میں اتنی مایوسی ہو تو کام میں اسپرٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔ بددلی آجاتی ہے۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا تھا لیکن آمنہ خاموش رہی تھی اور اس واضح مایوسی کے باوجود تصدق کے ساتھ مل کر کام کر رہی تھی بلکہ اب انہوں نے ریہرسل بھی شروع کر دی تھی۔ تصدق نے انہیں فون بھی کیا تھا کہ وہ...... آکر دیکھیں کہ اداکاروں کا انتخاب کیسا ہے لیکن وہ نہ جا سکے اور اب تو مسرور بھی گاؤں چلا گیا تھا اور وہاں انہیں تنہائی بہت محسوس ہو رہی تھی۔ اسی لیے تو ایک ہفتے کی چھٹی لے کر وہ حویلی آگئے تھے اور انہوں نے سوچا تھا کہ وہ بی آپا کے ساتھ اپنے اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کریں گے اور کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی لیکن بی آپا تو آمنہ صفی کی طرح پہلے ہی مایوس تھیں اور کیا کوئی راستہ نہیں اس تک پہنچنے کا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ رک گئے۔

آخر اس میں حرج ہی کیا ہے اور کیا کبھی اس طرح کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ خود ان کے اپنے گاؤں میں ایسی مثال موجود تھی پھر کون سی جھجک مانع تھی کہ بی آپا...... نہیں بی آپا کو میرے ساتھ چلنا ہوگا اور زینب عثمان سے بات کرنی ہوگی۔ میں بی آپا سے کہوں گا۔

لیکن اگر...... اگر مریم کو یہ ساتھ پسند نہ ہو تو...... پھر...... اور انہیں لگا جیسے ان کا دل کسی انجانے درد کی شدت سے پھٹ جائے گا۔ وہ یک دم بیٹھ گئے تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے آجاؤ۔'' بے حد تھکا تھکا لہجہ تھا۔

زیتون بانو اندر آئیں تو وہ یک دم حیران ہو کر کھڑے ہو گئے۔

''آپ ماں جی۔ مجھے بلوا لیا ہوتا۔ خیریت ہے نا۔''

''ہاں خیریت ہی ہے۔'' وہ بیٹھ گئیں ''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا عادل صبح سے تم کمرے سے باہر ہی نہیں نکلے۔ ناشتا بھی کمرے میں کیا۔''

''جی ماں جی بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یوں ہی سستی سی تھی۔'' وہ بھی بیٹھ گئے۔

''حویلی آئے ہو عادل تو باہر نکلتے۔ چچا کی طرف جاتے۔''

''گیا تو تھا ماں جی۔ مانی کی طرف بھی گیا تھا۔''

''تو چچا نے کوئی بات کی تم سے؟''

''کیسی بات ماں جی؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''عادل مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تمہارے چچا کی بات۔ دو تین بار وہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں مگر اب تو وہ کافی سنجیدہ تھے۔ بلکہ مُصر تھے اس بات پر۔''

''مگر ماں جی بات کیا ہے۔ مجھے بتا تو چلے''

''تمہیں پتا تو تھا کہ تمہارے دادا نے کامل کے نام کافی جائداد کر دی تھی۔ تاکہ اگر کبھی وہ اکیلا رہ جائے تو اس کے لیے کوئی مسئلہ نہ بنے۔ کم از کم جائداد کی لالچ میں ہی سہی کوئی اس کی دیکھ بھال کرتا رہے ......اور اگر خدانخواستہ کامل کو کچھ ہو جائے تو جائداد ساری کی ساری اس شخص کو ملے گی جس نے کامل کی دیکھ بھال کی ہو گی۔ خدا جانے تمہارے دادا نے ایسا کیوں کیا۔ حالانکہ اصولاً کامل کے بعد تم اور تمہاری اولاد ہی اس کی جائداد کے وارث ہوتے ہیں۔''

''دادا نے اگر ایسا کیا ہے تو یقیناً ان کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہو گی۔'' عادل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تم چونکہ ان دنوں باہر تھے۔ اس لیے تمہارے دادا نے کامل کی جائداد کا سرپرست تمہارے چچا کو بنایا تھا لیکن ان کا خیال ہے کہ مانی کو وہ کامل کی جائداد کا سرپرست بنا دیں کیونکہ تم تو لاہور میں ہو۔ تمہارے اپنے مسائل ہیں۔''

''میرے خیال میں چچا ٹھیک کہتے ہیں۔ میں تو گاؤں کم ہی آتا ہوں اور مجھے ان معاملات کا پتا بھی نہیں ہے۔''

''وہ تو صحیح ہے بیٹا لیکن مانی کے متعلق مجھے کچھ اچھی خبریں نہیں مل رہی ہیں۔ بھائی صاحب نے تو اس کی طرف سے کان بند کر رکھے ہیں۔ وہ تو ساری جائداد... اڑا دے گا۔ حاجی صاحب بھی پچھلے دنوں آئے تھے۔ وہ ہی پرانی شکایت لے کر کہ ان کی فلور ملز کو جتنی گندم ہم پہلے دیتے تھے' اب نہیں دے رہے ہیں۔ مجھے شک ہے عادل کہ مانی......''

''پلیز ماں جی۔'' پروفیسر عادل نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا ''مانی بے شک کچھ بگڑ گیا ہے اور اس کی سرگرمیاں ایسی ہیں کہ اسے پیسے کی ضرورت رہتی ہو گی لیکن میرے خیال سے اس کے پاس کمی

نہیں ہے.....سارا حساب کتاب تو اسی کے پاس ہے۔ چچا جی دخل نہیں دیتے اس کے معاملات میں وہ چاہے.....سیاہ کرے یا سفید.....اسے ہماری گندم میں ہیر پھیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے بیٹا لیکن اس بار تم وکیل سے تو ملو۔ دیکھو تو کامی کے نام کیا کچھ ہے اور کیا واقعی کامی کے بعد جائداد تمہیں یا تمہارے بچوں کو منتقل نہ ہو گی...... مجھے عجیب طرح کی الجھن ہے۔ تم یہاں تھے نہیں مجھے کچھ خبر نہیں ہے سوائے اس کے جو تمہارے دادا نے وقتاً فوقتاً مجھ سے کہا۔ تمہارے چچا نے کبھی کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ دو ایک بار میں نے ذکر بھی کیا تو کہنے لگے۔

آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے ماں جی اس دفعہ لاہور جاتے ہی وکیل صاحب سے ملوں گا اور ساری صورت حال کا پتا کر لوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' انہوں نے ہولے سے ان کے ہاتھ تھپتھپائے۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے پتا ہے تم خود بھی پریشان رہتے ہو۔ خدا جانے کیا کیا بوجھ لاد رکھے ہیں تم نے اپنے اوپر......آ جاؤ عادل حویلی میں۔ اپنی زمین جائداد دیکھو۔''

''ماں جی کوئی بوجھ نہیں ہے اور حویلی آنا فی الحال میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ مہینے میں ایک آدھ بار آ کر منشی چاچا سے سب کچھ سمجھنے کی کوشش کروں۔''

''عادل۔'' چند لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے عادل کی طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں کھو گئے تھے۔

''جی۔'' انہوں نے چونک کر ماں جی کی طرف دیکھا۔

''بیٹا زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ میری اور تمہارے دادا کی بہت خواہش تھی کہ حریم بہو بن کر اس گھر میں آئے لیکن تمہاری خواہش کے بغیر نہیں۔ تمہیں حریم پسند نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔''

''نہیں ماں جی۔'' انہوں نے تڑپ کر نظریں اٹھائیں ''میں نے حریم کو ناپسند کبھی نہیں کیا۔ ہاں میں اپنے آپ کو حریم کی رفاقت کی قابل نہیں سمجھتا۔ میں اسے شاید وہ خوشیاں نہیں دے سکتا جو کسی اور سے اسے مل سکتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن عادل بیٹا تم اپنی پسند بھی تو بتاؤ۔ تم آخر کیا چاہتے ہو۔ تم جہاں چاہو گے میں جھولی پھیلانے کے لیے تیار ہوں۔ میں تمہارے سر پر سہرا دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے اب انتظار نہیں ہوتا۔ کوئی خوشی مجھے بھی تو ملے......یا میں یوں ہی دنیا سے چلی جاؤں گی۔ کیا میرے حصے میں کوئی مسرت نہیں؟''

''ماں جی۔'' وہ ایک دم اٹھ کر ان کے قدموں میں آ بیٹھے اور ان کے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے ''ماں جی میں جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جس کی رفاقت میں زندگی کا سفر طے کرنا میری اولین خواہش ہے......آپ اس لڑکی سے ملی ہیں۔ اسے دیکھا ہے......'' ٹھہر ٹھہر کر انہوں نے ماں جی کو ساری حقیقت بتا دی......عثمان احمد کی خواہش اور اپنی آرزو۔

"مریم زینب کی بیٹی ہے۔" بڑی دیر بعد ماں جی نے کہا۔ جیسے اس انکشاف نے انہیں بھی حیرت زدہ کر دیا تھا۔

"جی ماں جی۔" انہوں نے پرامید نظروں سے انہیں دیکھا۔ عجیب یاس و آس کے عالم میں دل دھک دھک کر رہا تھا۔ کہیں ماں جی انکار نہ کر دیں...... بہرحال زینب وہ عورت تھی جس نے ان کے سہاگ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ جنہوں نے عثمان احمد کو ان سے چھین لیا تھا۔

"مریم اچھی لڑکی ہے۔ بہت محبت کرنے والی۔" انہوں نے جیسے اپنے آپ سے کہا تو پروفیسر عادل نے بڑی دیر سے رکے ہوئے سانس کو آزاد کیا۔

"اور اب میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتی۔" وہ کھڑی ہو گئیں "میں تمہارے ساتھ ہی لاہور چلوں گی اور مریم کا رشتہ تمہارے لیے مانگوں گی۔"

"ماں جی۔" پروفیسر عادل نے بے اختیار ان کے ہاتھ چوم لیے۔

"تمہاری خوشی اور تمہاری مسرتیں مجھے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہیں عادل۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

"اور مریم اس گھر کی بہو اور تمہاری بیوی بننے کے قابل ہے۔"

وہ عجیب سرشاری کے عالم میں کھڑے تھے اور ماں جی انہیں کامی کی طرف آنے کا کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔

یہ کیسی خوشی تھی، کیسی سرشاری تھی، ماں جی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ نہیں کہا تھا بلکہ وہ ان کی خوشی میں خوش تھیں۔

"لیکن مریم۔"

پتا نہیں مریم......

ان کے اندر اچانک چھا جانے والے مسرت کے رنگ بجھ سے گئے۔

انہوں نے ابھی تک مریم سے کوئی بات نہ کی تھی۔ نہ اسے بتایا تھا کہ وہ عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے۔ انہیں پہلے مریم سے بات کر لینی چاہیے تھی۔ پھر...... پھر ماں جی سے بات کرنی تھی لیکن اس جذباتی کیفیت میں اب جبکہ وہ ماں جی سے سب کچھ کہہ بیٹھے تھے اور ماں جی بھی زینب ولا جانے کے لیے تیار ہو گئی تھیں تو...... بے چین ہو کر انہوں نے سگریٹ جلایا اور سوچا کہ ماں جی کے زینب ولا جانے سے پہلے انہیں مریم سے بات کر لینی چاہیے مگر کیسے......

ان کی نگاہ کارنر میں رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ پر پڑی اور دوسرے ہی لمحے وہ زینب ولا کا نمبر ملا رہے تھے۔

❁❁❁

"آخر تمہیں پریشانی کیا ہے مریم۔ تم بتاتی کیوں نہیں ہو۔" شہریار نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "جب سے تم آئی ہو اپ سیٹ لگ رہی ہو۔"

"پتا نہیں۔" مریم کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی "مجھے خود بھی نہیں معلوم کے میں کیوں پریشان ہوں۔ کوئی ایسی واضح پریشانی بھی نہیں ہے لیکن ذہن الجھا ہوا سا ہے۔"

"اس الجھن کی کوئی وجہ تو ہو گی نا۔" شہریار بھی پریشان ہو گیا "مجھ سے تو خفا نہیں ہو نا؟"

"نہیں۔" مریم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اب دیکھو نا پہلے تم ضد کر رہی تھیں کہ جب تک تمہاری تعلیم مکمل نہ ہو جائے اماں جان اور بابا جان کو نہ بھیجوں اور اب تم نے انہیں بھیجنے کو کہا تو...... سکندر ماموں اتنے زیادہ بیمار تھے کہ وہ گاؤں سے آ ہی نہیں سکے۔ پہلے انہیں ٹائیفائڈ ہوا اور پھر نمونیہ ہو گیا۔ اماں جان کا تو ابھی بھی آنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن پھر عینی کے خیال سے آ گئیں کہ وہ یہاں اکیلی ہے اور اب تمہاری ماما نہیں ہیں۔ ماما کب تک آ جائیں گی مومو۔"

"معلوم نہیں۔" وہ از حد افسردہ ہو رہی تھی "ابھی تو ماما کل ہی کراچی گئی ہیں اور ان کے آنے کا کچھ پتا نہیں ہے۔"

وہ کراچی سے ہونے والے ڈراما سیریل میں ایک اہم کردار ادا کر رہی تھیں اور اسی سلسلے میں کراچی گئی تھیں۔ میڈم نرگس بھی ان کے ساتھ تھیں۔ کراچی میں ان کے بڑے بیٹے مقیم تھے اور ان کا قیام انہی کے ہاں تھا۔ میڈم کا کراچی جانے کا ایک مقصد لالہ سے ملنا بھی تھا، مریم نے سنا تھا وہ ماما سے کہہ رہی تھیں کہ وہ حیدر آباد بھی جائیں گی لالہ سے ملنے اور خود میڈم نرگس کے دیے ہوئے فون نمبر پر اس نے کئی بار ٹرائی کیا تھا لیکن اس کی لالہ سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ ہر بار ہی ٹال دیا جاتا تھا۔ کبھی کہہ دیا جاتا گھر پر نہیں ہیں کبھی کہہ دیا جاتا بزی ہے کچھ دیر بعد بات کریں۔ میڈم نرگس اس کے لیے پریشان تھیں اور روتی تھیں۔

"ضرور انہوں نے بچی کو قید کر رکھا ہے۔ تم سے بھی بات نہیں کروائی۔ میری بچی کو کچھ ہوا تو میں تہلکہ مچا دوں گی، اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔ وہ تو نا سمجھ ہے، بالکل بچی ہے۔"

شاید اسی لیے انہوں نے ماما کے ساتھ جانے کا پروگرام بنایا تھا اور ماما بہت خوش تھیں کہ کمپنی رہے گی۔ اور ماما کتنا بدل گئی تھیں۔ ایک بار پھر وہی پہلے جیسی ماما ہو گئی تھیں۔ وہ یونیورسٹی سے گھر آتی تو ماما گھر پر نہ ہوتیں اور چھٹی والے دن ماما کے دوست احباب اکٹھے ہو جاتے۔

"کیا سوچنے لگی ہو مریم۔" شہریار غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ چونکی۔

"اپنی ساری پریشانیاں مجھے دے دو مریم۔"

''شہریار......''

''ہاں ہاں کہونا خاموش کیوں ہوگئی ہو۔''

''شہریار مجھے شرجیل مرزا سے ڈر لگنے لگا ہے۔ مجھے خوف آتا ہے شہریار' کہیں ماما کا ارادہ بدل نہ جائے۔''

''پاگل ہو تم مومو۔ ایک بار جب تم سے ماما نے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گی پھر ڈرتی کیوں ہو تم۔''

اور اب وہ شہریار کو کیا بتاتی کہ وہ کیوں ڈرتی ہے۔ ماما ان دنوں شرجیل مرزا پر کس قدر مہربان ہو رہی تھیں کہ اسے خوف آنے لگا تھا' شرجیل مرزا سے اور ابھی پرسوں رات ماما نے اپنی فلم کی کامیابی کی خوشی میں جو ڈنر دیا تھا تو وہ کس قدر گھور گھور کر اسے دیکھ رہا تھا اور پھر آتے جاتے اس کے ذومعنی جملے' تیز نظریں۔ بہت جلد وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ جبکہ ماما کی خواہش تھی کہ وہ وہاں رہے اور سب کو اٹنڈ کرے اور اس کے اپنے کمرے میں آجانے پر ماما نے کس قدر ڈانٹا تھا اسے...... اور اس لمحے ماما بالکل پہلی والی ماما لگنے لگی تھیں اور اسے ڈانٹ کر حسب معمول خود ہی رونے لگی تھیں اور انہیں میگرین کا ہلکا سا اٹیک ہوگیا تھا اور ڈاکٹر ہادی نے انہیں سکون آور گولیاں دے دی تھیں۔ جس سے وہ جلد ہی سو گئی تھیں اور اسے تب پاپا کتنے بے تحاشا یاد آئے تھے۔ جب ماما کو سر درد یا ٹینشن کا یہ اٹیک ہوتا تھا تو وہ کس قدر پریشان ہوتے تھے۔ کیسے دھیمے دھیمے باتیں کرتے' ہولے ہولے چلتے کہ کہیں ان کی آہٹ سے بھی ماما کی تکلیف بڑھ نہ جائے اور پھر ان کی بیسٹ فرینڈز میڈم نرگس اور بیگم آفندی کو فون کرتے تھے۔ بار بار بے چین ہو کر اپنی اسٹڈی سے ماما کے بیڈروم تک جاتے تھے...... اور اس روز پاپا اسے بہت یاد آئے بے تحاشا اور وہ چپکے چپکے روتی رہی۔ ماما پرسکون ہو کر سو گئی تھیں لیکن وہ انہی کے کمرے میں بیٹھی رہی...... پاپا نہیں تھے تو اسے ہی ان کی دیکھ بھال کرنی تھی۔

ڈاکٹر عبدالمعید نے دو تین بار آکر ماما کو دیکھا تھا۔

''یہ بالکل ٹھیک ہیں مریم۔ آپ جا کر سو جائیں اور پھر اگر طبیعت خراب ہوئی تو میں ہوں نا اوپر۔ فوراً آجاؤں گا۔''

اور انکل ہادی اور ڈاکٹر عبدالمعید کے آجانے سے کسی قدر تحفظ کا احساس ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر عبدالمعید تو اسے عاشی کے حوالے سے بالکل بھائیوں کی طرح عزیز ہوگئے تھے اور وہ بھی کس قدر خیال کرتے تھے۔ شکر ہے ماما صبح تک ٹھیک ہوگئی تھیں۔ کیوں کہ انہیں کراچی بھی جانا تھا اور وہ پریشان ہو رہی تھی کہ ان کی طبیعت خراب ہے...... ''ماما آپ نہ جائیں کراچی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' صبح انہیں جانے کے لیے تیار ہوتے دیکھ کر اس نے انہیں منع کیا تھا۔

''نہیں میرا جانا ضروری ہے اور پھر نرگس ہے نا میرے ساتھ۔ دیکھو مومو تم مجھے پریشان مت کیا کرو۔ ہمیشہ تم مجھے تکلیف دیتی ہو۔''

''ماما۔'' وہ شرمندہ ہوگئی ''آئی ایم سوری ماما۔''

''او کے۔ آئندہ دھیان رکھنا۔''

وہ ماما کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ ماما سے بے حد بے حساب محبت کرتی تھی۔ وہ کبھی انہیں دکھ نہیں دے پائے گی اور کبھی بھی ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر پائے گی اور اگر ماما نے شرجیل مرزا کے حق میں فیصلہ دے دیا تو شاید وہ کچھ بھی نہ کر سکے...... اس لیے وہ پریشان تھی...... الجھی ہوئی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے بابا جان اور اماں جان ماما سے بات کر لیں۔ ماما کے موڈ کا تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا تھا' گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔

''لیجیے جناب چائے حاضر ہے۔'' عینی نے ٹرے لا کر ٹیبل پر رکھی تو وہ چونکی ''آپ کی پسند کے اماں کے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب بھی۔''

اس نے مریم کی طرف دیکھا اور پھر شہریار کو دیکھ کر چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

''ارے شیری بھائی آپ ابھی تک یہاں ہیں۔ ڈیوٹی پر نہیں گئے۔''

''نہیں' میں اس وقت...... فارغ ہوں۔ میری آج نائٹ ہے۔''

''اچھا اچھا۔ تو یہاں کیا کر رہے ہیں میرے کمرے میں۔'' عینی شوخ ہو رہی تھی۔

''مریم سے ملنے آیا تھا۔'' شہریار نے سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے ارے بیٹھیے شیری بھائی۔ چائے نہیں پئیں گے۔'' عینی نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔ میں ذرا بابا کے پاس جا رہا ہوں۔ تم میری چائے ادھر ہی لے آنا بلکہ نہیں۔ تم چائے رہنے ہی دو۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو پی ہے۔'' اس نے مریم کی طرف دیکھا۔

''مریم جب جانا ہو تو مجھے بلوا لینا میں ڈراپ کر دوں گا۔''

''نہیں گاڑی ہے میرے پاس۔''

''احتیاط سے ڈرائیو کرنا۔''

''او کے' سر۔'' وہ مسکرا دی۔

''بڑا خیال ہے۔'' عینی نے چھیڑا۔

''ہونا بھی چاہیے۔'' شہریار نے کہا اور مریم پر ایک نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

''تو جناب اب شروع ہو جایئے کیا بات ہے۔'' عینی نے کبابوں کی پلیٹ مریم کی طرف بڑھائی۔

''اتنے دنوں سے اپ سیٹ دیکھ رہی ہوں تمہیں۔ موقع ہی نہیں مل رہا تھا بات کرنے کا۔ ایک تو ہر وقت کوئی نہ کوئی ہوتا ہے تمہارے ساتھ......''

"کوئی بات نہیں ہے۔ وہم ہے تمہارا۔" اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی "اب میں تمہیں بتاؤں جو کچھ میں محسوس کرتی ہوں اور جو کچھ میں سوچ رہی ہوں۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے۔ جیسے ماما پہلے جیسی ہو رہی ہیں جیسے وہ ایک بار پھر ہم سے دور ہوتی جا رہی ہیں اور اس روز وہ ڈنر میں سارا وقت غضنفر ملک کے ساتھ ہی نظر آتی رہی تھیں اور شرجیل مرزا اپنی پلیٹ اٹھائے اسی کی طرف آ گیا تھا۔ جب وہ کونے میں تنہا کھڑی پاپا کو سوچ رہی تھی۔ پاپا کی ڈیتھ کے بعد پہلی بار کوئی بڑا فنکشن ان کے گھر تھا...... اور اسے پاپا بہت یاد آ رہے تھے۔ ماما کے ساتھ ڈنر سوٹ میں وہ کتنے شاندار لگتے تھے اور نرگس نے بھی کتنی ہی باران کی تعریف کی تھی۔

"ہیلو مریم یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو۔" شرجیل مرزا کی آواز پر وہ چونک پڑی تھی۔

اب وہ کتنی بے تکلفی سے اس کا نام لے کر بلانے لگا تھا۔ حالانکہ پہلے وہ اسے اکثر مس عثمان یا مریم کہہ کر بلاتا تھا۔ آپ کی جگہ خود بخود ہی تم کہنے لگا تھا اور مریم اس کے اس انداز تخاطب سے چڑنے کے باوجود اسے منع نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اس طرح سے مخاطب نہ کیا کرے۔

"مریم ذرا اپنی ممی کی طرف تو دیکھو۔" اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی "کس قدر زندہ دل ہیں۔ ایک تم ہو اس عمر میں بڑھاپا اوڑھ لیا ہے۔"

اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔ ماما غضنفر ملک کے ساتھ کھڑی ہنس رہی تھیں۔ موف رنگ کے ڈریس میں ان کی سفید رنگت دمک رہی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح بے تحاشا خوب صورت اور فریش لگ رہی تھیں اور غضنفر ملک ذرا سا ان کی طرف جھکا جانے کیا کہہ رہا تھا۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ مسز زینب عثمان غضنفر سے شادی کر لیں گی۔"

اس نے تیز نظروں سے شرجیل مرزا کو دیکھا۔

"یہ میرا نہیں' لوگوں کا خیال ہے۔" اس نے گھبرانے کی ایکٹنگ کی "تم مجھے اس طرح غصیلی نظروں سے مت دیکھو۔ ہم تو پہلے ہی شکار ہو چکے ہیں...... اور تمہاری ماما نے غضنفر...... کو شکار کر لیا ہے۔"

وہ زور سے ہنسا۔

تو اس کا جی چاہا کہ اس طرح ہنستے ہوئے اس شخص کا گلا گھونٹ دے۔ کس قدر فضول باتیں کر رہا تھا اور اگر شرجیل مرزا کی بات سچ ہوئی تو' لمحہ بھر کے لیے اسے خیال آیا تھا اور اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ پھر بھلا وہ کسی سے کیسے نظر ملائے گی۔ شہریار کیا سوچے گا' بابا اور ماں جی کیا خیال کریں گے۔

"نہیں۔" اس نے خود کو یقین دلایا۔

ممی ایسا نہیں کر سکتیں۔ ان کی تو عادت ہے ہر ایک سے خوش دلی سے ملتی ہیں۔ فرینک ہو کر اور شرجیل مرزا فضول باتیں کرتا ہے۔ خوامخواہ اسے تنگ کرنے کے لیے۔

"تم ضرور مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو مومو۔" عینی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا "کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔"

"کچھ بھی تو نہیں چھپا رہی ہوں۔" اس نے اپنے خیالوں کو جھٹک کر عینی کی طرف دیکھا "بس وہ ماما کراچی چلی گئی ہیں نا تو ان کے بغیر دل بہت اداس ہے...... پتا نہیں ماما کے بغیر گھر مجھے گھر نہیں لگتا ہے' ویرانہ لگتا ہے۔"

"تو ایسا کرو نا۔ تم ادھر ہی آ جاؤ۔ جب تک ماما نہیں آ جاتیں۔" عینی نے اس کے لیے چائے بنا کر کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں شاید ماما اسے پسند نہ کریں اور پھر میں اکیلی تو نہیں ہوں۔ معید بھائی ہیں' ان کے ڈیڈی ہیں۔ انکل ہادی...... اور یوں بھی مجھے اپنے گھر کے سوا کہیں نیند نہیں آتی۔"

"اور جب ہمیشہ کے لیے کسی اور کے گھر میں جانا پڑ گیا تو۔" عینی کے لہجے میں شوخی تھی اور آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں......

"پتا ہے موموہم سب بہت خوش ہیں۔ بے حد' شیری بھائی کی پسند ہم سب کو پسند ہے۔ بلکہ شیری بھائی سے پہلے میں نے آپ کو پسند کیا تھا۔ منا' ارسل' ابا جان' اماں جان سب ہی تم سے پیار کرتے ہیں موموہ ہمارے گھر میں تمہیں بہت محبتیں ملیں گی۔ سکندر چچا کو بھی تم اچھی لگی ہو اور ان کا بھی خیال ہے کہ تم اور شہریار ایک دوسرے کے لیے بہت مناسب ہو۔"

مریم کے رخساروں پر لالی ڈورنے لگی اور پلکیں جھک گئیں۔

"مریم تمہاری ماما انکار تو نہیں کریں گی نا۔ کبھی کبھی مجھے خوف سا آتا ہے کہ ہم اور تم...... ہم تمہارے مقابلے کے تو نہیں ہیں نا......"

"نہیں مجھے یقین ہے کہ ماما انکار نہیں کریں گی۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ میری پسند کو ترجیح دیں گی۔" مریم نے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔

"اچھا تو شیری بھائی آپ کو پسند ہیں؟" وہ پھر شوخ ہونے لگی۔

"پتا ہے ہم تو بہت دھوم دھام سے منگنی کریں گے۔ ارسل اور منے نے تو پروگرام بھی سیٹ کر لیا ہے۔ خوب ہنگامہ کریں گے۔ سب دوستوں کو بلائیں گے۔ ہمارے گھر کی پہلی خوشی ہے۔ بس اب تمہاری ماما جلدی سے آ جائیں۔"

اور مریم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی اور وہ وقتی طور پر اپنی الجھن فراموش کر بیٹھی۔

اور یہ سب کچھ کتنا خوش کن ہوگا۔ اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سوچا۔

اس شخص سے منسوب ہو جانا جس کی رفاقت کی خواہش دل نے کی ہے۔

اور شہریار کس قدر مختلف ہے اپنے ہم عمر لڑکوں سے۔

اور پھر اس کی محبت

کس قدر دلکش اور دلنشین ہے۔

اس کے لبوں سے نکلنے والا ایک ایک لفظ اس کی روح میں اتر جاتا تھا۔ گھنٹوں وہ اس کے کہے لفظوں کو دل ہی دل میں دہراتی اور سوچتی رہتی تھی۔ حالانکہ اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی اسے بھی محبت ہو جائے گی اور وہ اس طرح کسی اجنبی کو سوچے گی۔ جب لالہ اعزاز کے متعلق بات کرتی تھی تو وہ کس قدر حیران ہو کر اس کی باتیں سنتی تھی اور اب خود......

"ہاں وہ عاشی اور معید بھائی کا کیا بنا؟" عینی کو یاد آیا۔

"ممی نے عاشی سے پوچھا تھا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اس نے ممی سے کہہ دیا تھا کہ جوان کی مرضی ہو اور پھر ممی نے انکل ہادی سے کہہ دیا تھا کہ ٹھیک ہے انہیں معید کا رشتہ عاشی کے لیے قبول ہے لیکن باقاعدہ منگنی عاشی کے سینیئر کیمبرج کے بعد ہو گی۔"

"چلو اچھا ہوا تم اتنی تعریف کرتی تھیں ڈاکٹر عبدالمعید صاحب کی۔" عینی نے خوشی سے کہا۔

"ہاں وہ واقعی بہت اچھے ہیں عینی اور عاشی لکی ہے بہت' بہت مخلص اور محبت کرنے والے ہیں۔"

"اور کیا تم لکی نہیں ہو۔ ہمارے شیری بھائی بھی تو بہت اچھے ہیں......"

"ارے ہاں......" اسے اچانک خیال آیا "یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ شیری بھائی بھی ڈاکٹر ہیں اور معید بھائی بھی ہیں نا......"

"ہاں۔" مریم خوش دلی سے مسکرا رہی تھی۔

یہ بھی اچھا ہوا تھا کہ ماما نے اس روز ڈنر پر عاشی اور ڈاکٹر عبدالمعید کی منگنی کا غیر رسمی اعلان کر دیا تھا ورنہ......اور لوگوں کے ذہن کتنے چھوٹے اور تنگ ہوتے ہیں۔

وہ اپنے لیے کولڈ ڈرنک لینے گئی تو میڈم نرگس کے پیچھے سے گزرتے ہوئے سنا وہ بیگم آفندی سے کہہ رہی تھیں۔

"کمال ہے......ہم تو سمجھ رہے تھے کہ ڈاکٹر عبدالمعید زینی کی زلفوں میں الجھ گئے ہیں اور......"

"ہاں یہ بات تو ہم نے بھی محسوس کی تھی۔" بیگم آفندی ان کی تائید کر رہی تھیں۔

"زینی کی طبیعت خراب ہوتی تو ڈاکٹر عبدالمعید صبح و شام چکر لگا رہے ہیں' پٹی سے لگے بیٹھے ہیں۔"

"یعنی معاملہ الٹ تھا۔" میڈم نرگس نے قہقہہ لگایا۔

"ہونے والی ساس کی خوشامد ہو رہی تھی۔"

"لیکن حیرت ہے مریم تو عاشی سے بڑی ہے۔ زینی کو پہلے مریم کا سوچنا چاہیے تھا۔"

دھوپ بارش اور سائے

"مریم پر تو شرجیل مرزا آنکھ لگائے بیٹھا ہے۔" میڈم نرگس کی سرگوشی بھی اتنی بلند تھی کہ مریم کے علاوہ دو مہمانوں نے جو قریب بیٹھے تھے سنی۔

"لیکن ہم تو سمجھے تھے شرجیل مرزا زینی کا پرستار ہے۔" بیگم آفندی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"شرجیل زینی کا پرستار نہیں۔ زینی شرجیل کی پرستار تھی لیکن شرجیل کی شروع ہی سے مریم پر نظر ہے اور وہ زینی کے نخرے بھی غالباً اسی لیے برداشت کرتا ہے۔"

میڈم نرگس کو اندازے لگانے میں کمال حاصل تھا۔

"اور یوں بھی زینی نے اب شرجیل مرزا کا نعم البدل ڈھونڈ لیا تھا۔ اس سے زیادہ ینگ اور اسمارٹ لیکن سنا ہے اس کا بیک گراونڈ بڑا ویک ہے۔ بہت غریب ہے۔ تب ہی تو زینی کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ ورنہ انڈسٹری میں کوئی اس کی ہم عمر ہیروئن نہیں ہے کیا کوئی۔"

اور وہ ہونٹ بھینچے وہاں سے ہٹ آئی تھی۔

پتا نہیں لوگوں کی ذہنیت ایسی کیوں ہوتی ہے اور ماما کی فرینڈز تو سب ایک جیسی ہیں۔ دوغلی' ماما کے سامنے کچھ پیٹھ پیچھے کچھ۔

اور لالہ کے ہاں ڈنر میں شرجیل مرزا نے بھی تو ماما اور ڈاکٹر عبدالمعید کے متعلق ایسی ہی فضول باتیں کی تھیں......دراصل یہ ان کے اپنے ذہن کا گند ہے۔

اس نے خود کو مطمئن کرنے کے لیے سوچا تھا اور وہاں سے کولڈ ڈرنک لے کر نسبتاً ایک تاریک اور اکیلے کونے میں چلی گئی تھی۔ حالاں کہ اس کا جی چاہا تھا کہ وہ ڈاکٹر عبدالمعید کے پاس جائے اور انہیں مبارک باد دے کس قدر خوش لگ رہے تھے وہ لیکن لوگوں کو کہانیاں بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔

اور خاص طور پر میڈم......خوامخواہ ہی ماما سے کوئی بات کہہ دیں۔ اسے اور ڈاکٹر معید کو اکٹھے دیکھ کر تو ماما بدگمان ہو جائیں۔

اور اپنی اس احتیاط پر وہ خود ہی خوش ہو گئی تھی۔ یعنی اب وہ اتنی سمجھ دار ہو گئی ہے کہ بہت سی باتوں کو صحیح طرح سے سمجھ سکتی ہے۔

"مومو یہ کباب اور لو۔ تم نے ذرا سا چکھ لیا ہے بس۔" عینی نے کباب کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"تھینک یو عینی۔ میں نے لے لیا تھا۔ اب میں چلوں گی۔"

"اتنی جلدی......پتا ہے کتنے دنوں بعد تو یوں اس طرح بیٹھنے کا موقع ملا ہے اور......"

"نہیں عینی......پتا نہیں کب ماما کا فون آ جائے اور میں گھر پر نہ ملی تو وہ پریشان ہو جائیں گی۔"

"صبح یونیورسٹی تو آؤ گی نا۔" عینی نے اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں' کیوں نہیں۔''

''چلو نا تھوڑی دیر بابا کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔'' عینی بھی کھڑی ہوگئی ''آج تو بابا کے پاس تم بیٹھی ہی نہیں ہو۔''

''چلو کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر پھر چلتی ہوں۔''

چوہدری نثار اور شہریار نہ جانے کس بات پر بحث کر رہے تھے۔

''ارے ہماری بیٹی آج کہاں غائب ہوگئی تھی سلام کر کے۔'' وہ اسے دیکھ کر خوش ہوگئے۔

''بس بابا میں عینی کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ آپ آرام کر رہے تھے نا۔''

''یوں ہی لیٹا ہوا تھا اور تم چلی بھی گئیں۔ سچی بات تو یہ ہے بہت اداس ہو رہا تھا تمہارے لیے۔ وہاں گاؤں میں بھی تم ایک دن بہت یاد آئیں تو میں نے سکندر سے کہا' یار سکندر پتا نہیں کیا ہے اس بچی میں عینی سے بڑھ کر عزیز ہوگئی ہے مجھے۔''

''آپ کی شفقت اور محبت میرے لیے بڑا سرمایہ ہے بابا۔'' مریم کے چہرے پر خوشی کے پھول سے کھل اٹھے وہ ان کی محبت پر سرشاری ہوگئی تھی اور کتنی خوش قسمتی تھی اس کی کہ اسے بابا کی شفقت و محبت مل گئی تھی اور وہ بھی اس وقت جب وہ بکھر رہی تھی اور اس کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھی اور اگر اس وقت بابا نہ ملتے اسے نہ سمجھاتے تو شاید اس کی شخصیت بالکل مسخ ہو جاتی اور پھر کچھ دیر وہ بابا اور ماں جی کے پاس بیٹھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر کب آئے گا ہمارا بیٹا۔'' چوہدری نثار نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بس بابا جلدی آؤں گی۔ میں خود آپ سب کے لیے اداس ہو جاتی ہوں۔''

''اب تو ہمیشہ کے لیے ادھر ہی آنے کا بندوبست کرلیں بابا۔'' شہریار نے بہت آہستگی سے کہا جسے صرف مریم نے سنا اور اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اپنے قریب کھڑے شہریار کو دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں۔ عینی ہولے سے کھنکاری۔ گویا ظاہر کر رہی ہو کہ نظروں کا یہ تبادلہ وہ دیکھ رہی ہے۔

''تمہاری ماما آجائیں کراچی سے تو عینی کو بتانا' ہم آئیں گے تمہارے گھر۔'' صالحہ بیگم نے اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے کہا تو وہ شرما گئی اور جلدی سے سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

❁ ❁ ❁

جب وہ گاڑی لاک کر کے مڑی تو اپنے پیچھے ڈاکٹر عبدالمعید کو دیکھ کر مسکرائی۔

''کیسے ہیں معید بھائی آپ۔ کیا کہیں جا رہے تھے؟''

''ہاں آپ کو دیکھنے جا رہا تھا۔''

''مجھے۔'' اسے حیرانی ہوئی۔

''ہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی کلینک سے آیا تھا۔ صفیہ سے آپ کا پوچھا تو پتا چلا کہ آپ ابھی تک یونیورسٹی سے نہیں آئیں تو پریشان ہوگیا۔ انکل ہوتے تو وہ بھی پریشان ہو جاتے۔ مریم آپ کہاں چلی گئی تھیں؟''

''میں تو عینی کی طرف چلی گئی تھی۔ بہت دن ہوگئے تھے ماں جی اور بابا سے ملے۔''

''تو کم از کم فون کر دیا ہوتا۔''

''مگر میں تو پہلے بھی اکثر یونیورسٹی سے عینی کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔''

''لیکن جب سے ہم اوپر شفٹ ہوئے ہیں میرے آنے سے پہلے آپ یونیورسٹی سے آچکی ہوتی ہیں اور آج تو آپ کی ماما بھی نہیں تھیں۔ سچ بہت پریشان کیا آپ نے۔ اتنی سی دیر میں' میں نے پتا نہیں کیا کیا سوچ ڈالا تھا کہ کہیں کوئی حادثہ ہی نہ کر بیٹھی ہوں۔'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمعید نے کہا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔

''سوری معید بھائی۔ مجھے خیال نہیں تھا کہ آپ پریشان ہو جائیں گے۔''

اور یہ اتنے سارے اچھے' اچھے لوگ اس کے اردگرد تھے۔ اسے ایک دم ڈاکٹر عبدالمعید پر فخر محسوس ہوا اور اس کے اندر ایک سرشاری سی در آئی۔ پاپا کے بعد بھی وہ تنہا نہیں ہے۔ بہت سارے ہیں اس کے اپنے..... اس کے لیے پریشان ہونے اور اس کے لیے سوچنے والے۔

''انکل ہاشم تو ٹھیک ہیں نا۔'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ ٹی وی لاؤنج تک آئی اور وہیں بیٹھ گئی۔

''آپ کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟'' عبدالمعید نے پوچھا۔

''بہت اچھی۔'' اس نے ان کی طرف دیکھا۔

''معید بھائی آپ کھڑے کیوں ہیں بیٹھیں نا' چائے پئیں گے۔''

''یس پلیز۔''

ڈاکٹر عبدالمعید بیٹھ گئے تو اس نے صفیہ کو بلا کر چائے لانے کے لیے کہا۔

''مریم کبھی کوئی مسئلہ کوئی بات ہو تو پلیز بغیر کسی جھجک کے مجھ سے کہیے گا۔ ماما نہیں ہیں تو آپ ہماری ذمے داری ہیں..... مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھیں.....''

''سمجھیں کیا۔'' مریم مسکرائی ''آپ ہیں ہی میرے بڑے بھائی۔''

''تھینک یو۔'' عبدالمعید کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی ''میں ان محبتوں سے ہمیشہ محروم رہا ہوں۔ یقیناً آپ کے روپ میں مجھے ایک بہت اچھی اور پیاری بہن مل گئی ہے۔''

''تھینک یو۔'' اس نے بالکل عبدالمعید کے انداز میں کہا تو وہ ہنس دیا۔

''یہ مورا اور نینا کب آئیں گے۔''

"یعنی آپ کا مطلب ہے عاشی کب آئے گی۔" اس نے شرارت سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیے۔

"ایک ہی بات ہے۔"

"غالباً اگلے ویک اینڈ پر۔"

"دراصل میں نے ایک گھر دیکھا ہے بہت خوب صورت۔ مالک نے اپنے رہنے کے لیے بنوایا تھا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے اسے فروخت کرنا پڑ رہا ہے۔ میں چاہتا تھا اگر عاشی کو وہ گھر پسند آجائے تو میں اسے خرید لوں۔ پلاٹ لو پھر گھر بنواؤ...... بہت جھنجٹ ہے......اور یہ گھر بہت آرٹسٹک بنا ہوا ہے بہت زبردست' بالکل خوابوں کا گھر لگتا ہے۔"

"تو پھر آپ خرید لیں۔"

"لیکن اگر عاشی کو پسند نہیں آیا تو......"

"آپ کو عاشی کی پسند کا بہت خیال ہے۔"

"ہوں۔" ان کے چہرے پر رنگ بکھر گئے "ظاہر ہے اس گھر میں اسے رہنا ہے۔ میں اس گھر کو عاشی کی پسند سے خریدنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ماما آجائیں گی تو ان سے بات کر کے اسی ویک اینڈ پر انہیں لے آئیے گا۔ یوں بھی مور بہت اداس ہو رہا تھا......رات میری بات ہوئی تھی۔"

"میرا جی چاہتا ہے مریم کہ وہ گھر خریدنے کے بعد میں اس کا ایک ایک کمرا ایک ایک کونا عاشی کی پسند سے ڈیکوریٹ کروں۔"

"لیکن ابھی اسے ان باتوں کی سمجھ نہیں ہے۔" مریم نے صفیہ کی طرف دیکھا جو چائے لائی تھی اور پھر ٹرالی اپنی طرف گھسیٹ لی۔

"لیجیے معید بھائی کچھ اسنیکس لے لیں۔" اس نے پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔

"نہیں مریم صرف چائے بنا دیں۔ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ہی کھانا کھایا ہے۔ یہاں آکر میری خوراک بڑھ گئی ہے۔ اب ڈائٹ کا خیال رکھنا پڑے گا۔" وہ ہنسا۔

"کیوں خوراک کیوں بڑھ گئی ہے۔"

"بھئی صفو اتنے مزے کے کھانے بناتی ہیں اور شریف کے پھلکے تو مجھے بہت ہی پسند ہیں اور پتا ہے پہلے میں نے اس طرح پے انگ گیسٹ بننے کی مخالفت کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کھانا حسب معمول ہمارا کک بنائے گا لیکن پھر یہ محض اتفاق ہے کہ وہ چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلا گیا ہے۔ انکل ہادی بھی کہہ رہے تھے کہ اب فضل خان کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں آئے گا۔"

"عینی کی ماں جی صفو سے بھی اچھا کھانا بناتی ہیں۔ بہت ذائقہ ہے ان کے ہاتھ میں۔" مریم نے بتایا۔

"آپ کو بھی کچھ دلچسپی ہے کوکنگ وغیرہ سے۔"

"کوئی خاص نہیں اب پڑھائی سے فارغ ہو کر عینی کی ماں جی سے کھانا بنانا سیکھوں گی۔"

"اور عاشی کو۔"

"اسے تو بالکل بھی نہیں۔ شاید چائے بنانی بھی نہیں آتی اسے۔" مریم ہنسی۔

"اچھا' خیر مجبوری ہے۔" عبدالمعید بھی مسکرایا' "ویسے مجھے تھوڑی بہت کوکنگ آتی ہے۔"

"رئیلی۔"

"ہوں' کسی دن آپ کو پلاؤ بنا کر کھلاؤں گا۔ صفو سے اچھا بناتا ہوں۔"

"اچھا۔" وہ ہنسی۔ تب ہی فون کی بیل ہوئی۔ اس نے اٹھ کر اٹینڈ کیا لیکن آواز بہت مدھم تھی۔

"ہیلو' ہیلو۔" اس نے کریڈل پر ہاتھ مارا لیکن ڈس کنکٹ ہو گیا۔

"کٹ گیا ہے شاید ماما کا تھا۔" واپس آتے ہوئے اس نے عبدالمعید کو بتایا۔

"وہ عادل میاں کا بھی فون آیا تھا حویلی سے۔" صفو نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بتایا۔

"اچھا' کیا کہہ رہے تھے۔ عاشی اور مور وغیرہ کے متعلق پوچھا ہوگا۔"

"نہیں جی' آپ کا پوچھا تھا۔ دو بار فون آیا تھا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ شاید آپ یونیورسٹی سے ہی کسی سہیلی کی طرف چلی گئی ہوں گی۔"

"اچھا۔" اسے ذرا سی حیرت ہوئی۔

عادل سے تو اس کی بہت کم بات ہوتی ہے۔ خود بخود ہی ان کے درمیان ایک جھجک ایک فاصلہ سا پیدا ہو گیا تھا اور اب تو کافی عرصے سے اس کی عادل سے بات نہیں ہوئی تھی۔ دو تین بار عادل آئے بھی تو وہ یا تو یونیورسٹی گئی ہوئی تھی یا آرام کر رہی تھی اور عادل' عاشی وغیرہ سے مل کر چلے گئے تھے۔ عاشی' نینا اور مور عادل کا اتنا ذکر کرتے تھے کہ وہ ایک ہلکا غبار سا جو تھا جو عادل کے متعلق اس کے دل میں وہ ختم ہو گیا تھا اور پھر شہریار بھی انہیں بہت ایڈمائر کرتا تھا تو شاید اسے ہی کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

"دراصل اس میں قصور بھی میڈم نرگس کا ہے۔" اس نے سوچا خوامخواہ ہی ان کی کہی ہوئی فضول باتیں نہ چاہتے ہوئے بھی ذہن کے اندر ہی کہیں بیٹھ جاتی تھیں۔

اور اب کے عادل بھائی آئے تو وہ ان سے اچھی طرح ملے گی۔ اس نے سوچ رکھا تھا۔

عاشی نے بھی تو کہا تھا۔

"بجو آپ بھی ماما کی طرح عادل بھائی کو ناپسند کرتی ہیں۔"

"نہیں...... نہیں تو عاشی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ یوں ہی جھجک ہوتی ہے۔" اس نے وضاحت کی تھی۔

"وہ ہمارے بھائی ہیں۔ بڑے' چاہے سوتیلے ہی سہی مگر انہیں ہمارا خیال ہے......اور ہمارے ساتھ

مخلص ہیں بلکہ محبت کرتے ہیں ہم سے۔''

عاشی کا مشاہدہ شاید اس سے بہتر ہو گیا تھا حالانکہ وہ اس سے بہت چھوٹی تھی۔

''میرا خیال ہے اب میں چلوں۔ کچھ دیر ڈیڈی سے گپ لگاؤں گا پھر آرام کروں گا۔'' ڈاکٹر عبدالمعید اٹھ کھڑے ہوئے۔

''او کے۔'' اس نے بھی پاس پڑی کالج فائل اٹھائی اور صفو کو آواز دی۔

''صفو اگر میں سو گئی تو مجھے رات کے کھانے کے لیے مت جگانا۔''

''اور اگر کوئی فون آجائے تو......'' صفو ہاتھ پونچھتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں آگئی۔

''تب بھی نہیں۔ بہت نیند آرہی ہے مجھے۔ ہاں کوئی خاص بات ہو تب ہی مجھے جگانا۔''

''ٹھیک ہے جی۔''

اور وہ معید کو خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی جبکہ عبدالمعید اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ جو لاؤنج سے ہی اوپر کی طرف جاتی تھیں۔

❁❁❁

''اور خدا جانے کب ماما جائیں گی۔'' مریم نے ٹی وی آن کرتے ہوئے سوچا۔

رات ہی وہ آئی تھیں اور ابھی تک آرام کر رہی تھی کتنا جی چاہ رہا تھا اس کا ان سے باتیں کرنے کو۔ تقریباً پچیس دن بعد آئی تھیں اور وہ ان کے لیے بے حد اداس ہو رہی تھی اس لیے وہ یونیورسٹی بھی نہیں گئی تھی کہ ماما سے بہت ساری باتیں کرے گی۔ تیمور' نینا اور عاشی بھی کتنے دنوں سے نہیں آئے تھے۔ وہ ماما کے ساتھ ان سے ملنے جائے گی۔ کل ہی تو اس نے تیمور سے بات کی تھی۔ وہ بے حد اداس ہو رہا تھا اور خفا بھی۔

''آپ سے اچھے تو عادل بھائی ہیں جو ملنے آجاتے ہیں۔ میں ماما سے اور آپ سے بہت ناراض ہوں؟''

اور اس نے تیمور سے وعدہ کیا تھا کہ ماما آجائیں تو وہ اس سے ملنے آئے گی لیکن اب ماما آئی تھیں تو جانے کتنے دنوں کے لیے۔ رات وہ بغیر اطلاع کے اچانک ہی آگئی تھیں...... غضنفر ان کے ساتھ تھے اور ماما کس قدر خوش اور فریش لگ رہی تھیں اور اصرار کر کے انہوں نے اسے کھانے پر روک لیا تھا اور جتنی دیر وہ وہاں رہا تھا انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ بس سرسری سا ہیلو ہائے ہوا تھا۔ اسی لیے تو وہ آج یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔

اور شہریار بھی کس قدر بے چین ہو رہا تھا۔ صبح شام فون کر کے ماما کے متعلق پوچھتا۔

''اف او...... مومو کب آئیں گی تمہاری ماما۔''

''آجائیں گی' اتنی جلدی کیا ہے۔'' وہ شوخ ہو جاتی۔ پتا نہیں کیوں شہریار سے بات کرتے ہوئے

اسے لگتا تھا جیسے دنیا میں کوئی غم کوئی دکھ نہیں۔ صرف خوشیاں ہیں مسرتیں ہیں اور بس۔ ایک دم ہلکی پھلکی ہو جاتی تھی وہ۔

''ہے نا' جلدی۔'' شہریار کو بھی اس سے ہلکی پھلکی باتیں کر کے مزہ آتا تھا۔

''ایک پیاری سی' خوب صورت سی لڑکی کو اپنے نام کرنے کی جلدی۔''

''کیوں' کیا لڑکی پر اعتبار نہیں ہے۔''

''اعتبار اس سے بڑھ کر ہے لیکن ملکیت کا نشہ ہی اور ہوتا ہے...... اب دیکھو نا۔ ہم ترستے رہتے ہیں ہفتوں' مہینوں کہ کب محترمہ...... گھر آئیں اور ان کو ایک نظر دیکھ سکیں...... اور پھر......''

''پھر کیا میں روز چکر لگایا کروں گی۔ منہ دھو رکھیے۔ مجھے اپنی اسٹڈی بھی کرنا ہے۔ بہت پڑھنا ہے مجھے۔''

''تو جناب پھر ہم آیا کریں گے۔ جب' جس وقت جی چاہے گا دھڑلے سے۔ ایک استحقاق کے ساتھ' ایک مان کے ساتھ۔''

اور شہریار کے خیال سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

اور شہریار کس قدر اور کتنی شدت سے محبت کرنے لگا تھا اور وہ خود...... اسے لگتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے شہریار کو جانتی ہو...... اگر اسے شہریار کے بجائے کسی اور کی رفاقت میں زندگی کا سفر کرنا پڑا تو اس خیال سے ہی اس کا دل بند ہونے لگتا تھا۔

''یہ آپ ہی آپ کیوں مسکرایا جا رہا ہے مریم۔'' عبدالمعید کلینک جانے کے لیے نیچے اترے تو وہ مریم کو ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر اس کے قریب چلے آئے۔

اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''کبھی کبھی یوں ہی۔'' اس کے چہرے پر رنگ بکھر گئے عبدالمعید نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''لگتا ہے مریم جیسے آپ نے اپنے اندر کوئی بہت خوب صورت دنیا بسا رکھی ہے اور کبھی لگتا ہے جیسے اندر گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔''

''اوہ۔'' وہ اندر ہی اندر شرمندہ ہو گئی۔

''اور یہ بات صحیح نہیں ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

میرے چہرے سے میرے اندر کی کیفیات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس دن شہریار بھی تو کہہ رہا تھا کہ تمہارا چہرہ تمہارے دل کا آئینہ ہے۔

''خاموش کیوں ہو گئیں مریم۔'' عبدالمعید مسکرائے ''میں نے تو یوں ہی ایک بات کہی ہے۔''

''میں دراصل آپ کی بات پر غور کر رہی تھی کہ کیا واقعی ایسا ہے۔''

"ایک بات کہوں مریم' جو لوگ اپنے اندر ایک دنیا بسا لیتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور اس دنیا میں کسی کو شریک نہیں کرتے وہ زندگی میں کبھی کسی نہ کسی مقام پر تنہا رہ جاتے ہیں۔ میں نے اس روز بھی آپ سے کہا تھا کہ مجھے اپنا بھائی سمجھیں...... اور زندگی میں کوئی بھی مسئلہ ہو۔ کوئی بات ہو' بلا تکلف مجھ سے کہیں۔ جس طرح کوئی بہن اپنے بھائی سے کہہ سکتی ہے۔"

"تھینک یو معید بھائی۔" مریم نے ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

عاشی کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالمعید اسے بہت عزیز ہو گئے تھے اور خاص طور سے جب سے وہ ادھر والے پورشن میں آئے تھے' اس پر ان کی ذات کی بہت سی خوبیوں کا انکشاف ہوا تھا۔ کس قدر بردبار' سنجیدہ' مخلص اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ پھر انکل ہاشم' انکل ہادی سب ہی کتنے شفیق تھے اور ماما کی عدم موجودگی میں کس قدر خیال رکھا تھا ان سب نے...... چھوٹی چھوٹی باتوں کا۔

یونیورسٹی سے دیر ہو جاتی تو انکل ہاشم اور معید کس قدر پریشان ہو جاتے تھے۔

"ہمارا گھر مدتوں سے عورت کے وجود سے محروم ہے۔ معید چھوٹا سا تھا تب سے۔ میری کتنی شدید خواہش تھی کہ میں عبدالمعید کی جلد شادی کر دوں گا۔ گھر میں اس کی بیوی آئے گی...... اس کے بچے ہوں گے' رونق ہوگی۔ گھر' گھر لگنے لگے گا۔ عورت کے بغیر گھر گھر نہیں' مکان ہوتا ہے۔" انکل ہاشم نے ایک روز کہا تھا۔ اس روز ان کی طبیعت خراب تھی اور وہ بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھی رہی تھی۔

"پہلے تو معید مانتا ہی نہیں تھا اور اب مانا ہے تو تمہاری ماما کہتی ہیں کہ شادی کم از کم تین چار سال سے پہلے نہیں ہو سکتی...... کہتی تو وہ بھی ٹھیک ہیں' عاشی ابھی...... چھوٹی ہے لیکن پتا نہیں میں تب تک زندہ بھی رہوں گا یا نہیں۔"

"نہیں انکل آپ بہت سارے سال زندہ رہیں گے۔" اس نے انہیں حوصلہ دیا۔

"ہارٹ پیشنٹ کا کیا پتا کب......"

"پھر وہی تکلف۔" ڈاکٹر عبدالمعید اسے دیکھ رہے تھے۔ "خیر اب تو معاف کر رہا ہوں لیکن آئندہ یہ تکلفانہ گفتگو ہوئی نا مجھ سے تو پھر لڑائی ہو جائے گی۔"

"او کے۔" وہ دلکشی سے مسکرائی۔ "رات ماما آ گئی ہیں۔"

"جی خبر ہے ہمیں۔ شریف نے بتایا تھا۔ اس وقت تو آرام کر رہی ہوں گی۔"

"جی۔"

"او کے۔ پھر انشاءاللہ واپسی پر ملاقات ہوگی۔"

"انکل ہادی کیا آج اسپتال نہیں جائیں گے۔"

"وہ تو رات کو آئے ہی نہیں تھے۔ اسپتال ہی میں رہے تھے۔"

"خیریت' کوئی ایمرجنسی تھی۔"

"نہیں۔ وہ تو اکثر وہاں ہی رہ جاتے ہیں۔ انہوں نے تو خود کو بھی ڈونیٹ کر دیا ہے اپنے مریضوں کو۔"

"ایسے ہی چند لوگ ہیں دنیا میں جن سے انسانیت موجود ہے۔" مریم نے عقیدت سے کہا اور ڈاکٹر عبدالمعید خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

"صفو!" ٹی وی آف کرتے ہوئے اس نے صفو کو آواز دی "میرے لیے ایک کپ چائے بنا دو پلیز۔" اور خود اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی۔ تب ہی مین گیٹ پر بیل ہوئی۔

"اس وقت کون ہوگا بھلا۔" اس نے اخبار سامنے رکھے رکھے سوچا۔ شاید مالی ہوگا یا پھر کپڑے دھونے والی یا شریف اور صفو کا کوئی رشتے دار۔ وہ اخبار دیکھنے لگی۔ صفو نے اندرونی گیٹ کھولا۔

"آیئے جی...... جی۔"

اسے صفو کی آواز سنائی دی لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"آیئے جی' ادھر ڈرائنگ روم میں۔"

"نہیں' ادھر ہی بیٹھ جاتے ہیں' تم اندر اطلاع کر دو ہمارے آنے کی۔"

یہ...... یہ عادل کی آواز تھی۔ مریم نے چونک کر اخبار رکھ دیا۔

"عادل بھائی اس وقت...... وہ تو عاشی وغیرہ کے آنے پر ہی آتے تھے اور آج...... کیا ماما سے ملنے آئے ہیں...... جبکہ ماما کا رویہ تو کبھی بھی ان کے ساتھ مناسب نہیں رہا اور نہ ہی وہ ان کی آمد پسند کرتی ہیں۔ صرف عاشی اور تیمور کی ناراضی کے خیال سے وہ انہیں منع نہیں کرتیں ورنہ کب کا یہاں آنے سے منع کر چکی ہوتیں۔

"مریم بی بی وہ آئے ہیں۔" صفو نے آ کر بتایا' "اور ان کے ساتھ دو عورتیں بھی ہیں۔"

"عورتیں۔" وہ کھڑی ہو گئی "کون ہو سکتا ہے بھلا۔"

وہ صفو کے ساتھ سٹنگ روم میں آئی اور ماں جی اور بی آپا کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آپ بڑی امی یہاں؟" وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ...... آپ یہاں آئیں گی۔" ان سے الگ ہو کر بی آپا سے گلے ملتے ہوئے اس نے کہا تو بی آپا مسکرا دیں۔

"کیوں کیا ہم یہاں نہیں آ سکتے تھے۔"

"کیوں نہیں آ سکتے تھے۔ لیکن آپ کیسے اچانک۔"

"بس جی چاہا۔" ماں جی نے محبت سے اسے دیکھا۔

"ہم لوگ کل...... لاہور آئے تھے اور پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ تم سے ملے بغیر چلے جاتے۔" بی آپا نے وضاحت کی۔

"تھینک یو بی آپا' تھینک یو۔ بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر...... سچی میں بھی آپ سب کو بہت یاد کرتی ہوں۔ کامی کیسا ہے اور حریم تو ٹھیک ہیں نا۔"

"سب اچھے ہیں۔"

"اچھا آپ لوگ بیٹھیں۔ میں ماما کو اطلاع کرتی ہوں۔ دراصل ماما رات ہی کراچی سے آئی ہیں تو کچھ تھکی ہوئی تھیں اس لیے ابھی تک سو رہی تھیں۔"

کھڑے ہوتے ہوئے اس کی نظر عادل پر پڑی۔ بی آپا اور بڑی امی کو دیکھ کر وہ اتنی خوش ہوئی تھی کہ عادل کو سلام تک نہ کیا تھا۔

"السلام علیکم عادل بھائی۔ کیسے ہیں آپ؟"

"اچھا ہوں۔" عادل نے نگاہیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں اپنے آپ سے' اپنے جذبوں کی شدت سے خوف آتا تھا۔ نگاہیں اس کی طرف اٹھتی تھیں تو پھر ہٹنا بھول جاتی تھیں اور وہ بدگمان ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کی نگاہوں میں واضح بدگمانی دیکھی تھی۔

"آپ کیسی ہیں؟"

"فائن۔"

"میں مری گیا تھا۔ لاسٹ ویک اینڈ پر۔ مور آپ کو بہت مس کر رہا تھا اور بہت خفا تھا آپ سے۔ اس نے کہا تھا کہ آپ کو بتادوں کہ وہ آپ سے بہت ناراض ہے۔" نگاہیں بدستور جھکی تھیں۔

"اور آپ نے بتایا تو نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"ہاں بس فون نہیں کر سکا۔"

پروفیسر عادل کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح کی کوئی بات کرے گی۔ سو وہ کچھ بوکھلا سے گئے۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے میری مور سے بات ہوئی تھی اور اب ماما آگئی ہیں تو ہم جائیں گے اس سے ملنے۔" بات مکمل کر کے وہ ماما کو جگانے چلی گئی۔

ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر گئی۔ ماما ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کر رہی تھیں۔

"ماما...... وہ۔"

"تم مومو! تم آج یونیورسٹی نہیں گئیں۔" انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"وہ دراصل میں آپ کے لیے بہت اداس ہو رہی تھی اور میں آج کا دن آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔"

"بالکل بچی ہو تم مومو۔" ان کے چہرے پر نرم سا تاثر پھیل گیا "کب بڑی ہو گی تم؟"

"ماما۔" اس نے ایک دم آگے بڑھ کر ان کے رخسار چوم لیے "آئی لو یو ماما۔"

"او کے۔"

"سوری ماما۔ میں آپ کو بتانے آئی تھی کہ مہمان آئے ہیں...... وہ...... عادل بھائی اور ان کی امی...... اور بی آپا......" اس نے ڈرتے ڈرتے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں ماما کو ان کی آمد ناگوار نہ گزری ہو لیکن ان کے چہرے پر کوئی ناگوار تاثر نہ تھا۔ سپاٹ سا چہرہ تھا۔

"ہاں عادل نے فون کیا تھا کراچی جانے سے پہلے کہ اس کی والدہ آنا چاہتی ہیں اور میں نے کہا تھا کہ میں کراچی سے آجاؤں تو آجائیے گا۔"

"اوہ......" اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

گویا بڑی امی ماما کی اجازت سے آئی ہیں۔ عادل بھائی واقعی سمجھ دار ہیں۔ اگر بڑی امی یوں ہی آجاتیں بغیر اجازت کے تو شاید ماما ان کے ساتھ صحیح طرح بی ہیو نہ کرتیں۔ گو پاپا نہیں رہے تھے پھر بھی ایک عورت کے لیے یہ کس قدر مشکل کام ہے اپنے شوہر کی دوسری بیوی کو خوش آمدید کہنا اور ماما ہر گز بڑی امی جیسی فراخ دل نہیں تھیں اور بڑی امی۔ بڑی امی کتنی اچھی ہیں...... کتنی شفیق اور مہربان......

اور انہوں نے کبھی انہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ان کے اپنے سگے بچے نہیں ہیں۔

"مومو انہیں انٹرٹین کرو۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

ماما پھر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں...... خود کو دیکھنے لگیں تو وہ باہر آگئی اور صفو کو بہت اچھی سی چائے لانے کا کہہ کر وہ بڑی امی کے پاس آکر بیٹھ گئی اور ہولے ہولے باتیں کرنے لگی۔ پروفیسر عادل اخبار دیکھ رہے تھے لیکن ان کا پورا دھیان مریم کی طرف تھا۔

اور زینب عثمان احمد کے تیار ہو کر آنے سے پہلے ہی میڈم نرگس آگئیں۔ ہمیشہ کی طرح باہر ہی سے شور کرتی ہوئی آئیں۔ رائل بلو قیمتی ساڑھی کے ساتھ حسب معمول تیز سرخ لپ اسٹک میں لتھڑے ہونٹ' نیلم کا خوب صورت سیٹ وہ بہت چمک رہی تھیں۔

"آہا آج تو بڑے لوگ آئے ہیں۔" وہ بڑے تپاک سے بڑی امی اور بی آپا سے ملیں اور عادل کو سراہا۔

"بڑے جچ رہے ہو عادل خان۔"

"میڈم آپ کے سامنے کون جچ سکتا ہے۔" پروفیسر عادل نے اخبار سائڈ ٹیبل پر رکھا۔

"یعنی آپ بھی بناتے ہیں۔" انہوں نے شرمانے کی ایکٹنگ کی اور بیٹھتے ہوئے بولیں "اب تو بس کھنڈر رہی ہے۔ کبھی واقعی ہمارے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا...... اور اب تو یہ آج کل کی چھوکریاں انگلی انگلی جتنی بے سری میرے مقابل آرہی ہیں۔" میڈم نرگس کو تو موقع چاہیے ہوتا تھا اپنی تعریف کرنے کا۔ مریم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں دیکھوں یہ صفو ابھی تک چائے نہیں لائی۔"

''یہ زینی کیا ابھی تک بستر میں ہے۔'' بات کرتے کرتے میڈم نرگس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا ''اسے ذرا جگا دینا جانو۔''

''میں حاضر ہو گئی ہوں۔'' زینب عثمان ہنستی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''آج تو تمہارے زینب وِلا کی قسمت جاگ گئی ہے بھئی۔ دیکھو کون کون یہاں موجود ہے۔''

''میڈم کا اشارہ غالباً اپنی طرف ہے۔''

عادل نے آہستگی سے کہا لیکن مریم نے سن لیا اور جاتے جاتے مسکرا کر عادل کی طرف دیکھا اور عین اسی وقت عادل کی نظریں اس کی طرف اٹھیں اور اس کی مسکراہٹ نے جیسے ان کے آس پاس اندر باہر پھول ہی پھول کھلا دیے اور وہ جو اتنی دیر سے بہت بے چین اور مضطرب ہو رہے تھے مطمئن سے ہو کر بیٹھ گئے۔

صفو کے ہاتھ چائے بھجوا کر وہ شریف کو دن کے کھانے کی ہدایت دے کر آئی تو پروفیسر عادل جا چکے تھے...... البتہ بڑی امی اور بی آپا تھیں اور ماما ان سے بہت شائستگی سے مسکرا مسکرا کر بات کر رہی تھیں۔

اور یہ کس قدر حیران کن تھا اس کے لیے۔

یقیناً پاپا کے بعد ماما میں کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں کوئی تبدیلی ضرور آئی ہے۔ ورنہ ماما سے اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ وہ بڑی امی سے اس طرح پیش آئیں گی۔

''عادل بھائی چلے گئے کیا؟'' بی آپا کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ہاں اسے جانا تھا' کچھ دیر بعد ہمیں لینے آئے گا۔''

''کچھ دیر بعد کیا مطلب' آپ آج ادھر ہی رہیں گی شام تک۔''

''نہیں بیٹا۔'' بڑی امی کا لہجہ اسے ہمیشہ کی طرح بہت شفیق اور مہربان لگا ''وہاں کامی اکیلا ہے۔ کل سے ہم لوگ آئے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ دیر مجھے نہ دیکھے تو تنگ کرتا ہے۔ بے چارہ...... وہ بھی کیا کرے۔ پریشان کر کے رکھ دیتا ہے...... چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکتا ہے۔''

''تو آپ آج ہی حویلی چلی جائیں گی۔'' مریم نے اداسی سے پوچھا۔ ''ابھی تو میں نے بی آپا سے جی بھر کے باتیں بھی نہیں کی۔ بس آپ لوگ کھانا کھا کر جانا۔''

''کیوں نہیں۔ کھانا کھائے بغیر ان کو کون جانے دے گا۔'' میڈم نرگس نے جواب دیا۔

''ہاں موموٗ تم جاؤ۔ ذرا شریف کو سمجھا دو سب کچھ کھانے کے متعلق۔ اسے کہنا کھانا ذرا جلدی تیار کرے۔''

''جی اچھا۔'' مریم اٹھ کھڑی ہوئی۔

پتا نہیں کیوں ماما چاہتی ہیں وہ یہاں نہ بیٹھے۔ ورنہ اس سے پہلے تو ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ شریف کو بس بتا دیا جاتا تھا کہ اتنے مہمان ہیں۔ یہ یہ بنا لو...... وہ اور صفو دونوں ایکسپرٹ تھے۔ نا کبھی ماما کچن میں گئی تھیں اور نہ ہی وہ۔ ہاں جب پاپا بیمار تھے تو کبھی کبھار کچن میں چلی جاتی تھی تا کہ ان کے لیے اپنے ہاتھ سے سوپ وغیرہ بنا لے۔

''بیٹا تردد مت کرنا۔'' بڑی امی نے اسے منع کیا۔

''آپ کون سا روز روز آتی ہیں۔ پہلی بار آئی ہیں اور پھر......''

ماما کا انداز گفتگو مختلف تھا...... مریم نے جاتے جاتے سوچا۔

یہ ماما...... اور واقعی ماما کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ پاپا صحیح کہا کرتے تھے کہ زینی کے موڈ کا کچھ پتا نہیں ہوتا...... ماما کس قدر حلیمی سے بات کر رہی تھیں بڑی امی اور بی آپا سے اور وہ خوامخواہ ہی ڈر رہی تھی کہ جانے ماما بڑی امی وغیرہ سے کس طرح پیش آئیں گی۔

''اب تو انشاء اللہ آتے رہیں گے بشرطیکہ......''

بی آپا کی آواز کچن میں جاتے ہوئے اس کے کانوں میں پڑی اور وہ سر جھٹک کر کچن میں چلی گئی اور شریف کو ایک بار پھر سے بتانے لگی کہ پلاؤ بنا لو۔ سوپ بھی بنا لینا اور کباب اگر تیار ہیں فریزر میں پڑے ہوئے تو تل لینا...... کچھ باہر سے لے آنا۔ ان لوگوں نے جلدی واپس جانا ہے۔ کھانا بہت اچھا ہونا چاہیے ماما نے کہا ہے۔ بہترین......

''یہ صاحب کی بڑی بیگم ہے نا جی......'' شریف کو باتیں کرنے کی بہت عادت تھی۔

''ہوں۔'' مریم اس کی باتوں کا جواب بھی دے رہی تھی اور فریج میں دیکھ رہی تھی کہ کیا کیا ہے۔

''میٹھے میں کیا بناؤ گے شریف۔''

''کچھ بھی بنا لوں گا۔ آپ فکر نہ کریں جی۔ جائیں مہمانوں کے پاس بیٹھیں۔ میں سب کچھ کر لوں گا۔''

''اچھا۔''

وہ کچن سے باہر آ کر لاؤنج میں بیٹھی رہی۔ میڈم نرگس کے قہقہوں کی آوازیں وہاں تک آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی ماما کی آواز بھی آتی یعنی سب بہت خوشگوار ماحول میں بات کر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر یوں ہی میگزین دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کر ان کی طرف آ گئی۔

❁ ❁ ❁

اور آج کا دن کس قدر خوش گوار اور خوش کن تھا۔ مریم نے اپنے کمرے میں آتے ہوئے سوچا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے اور وہ بے حد تھکن محسوس کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا' وہ کچھ دیر آرام کر لے اور پھر فریش ہو کر اسٹڈی کر لے گی۔ ابھی ابھی کچھ دیر پہلے میڈم نرگس اور ماما کہیں گئی تھیں۔ آج کا دن خاصا مصروف گزرا تھا۔ کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ پروفیسر عادل بھی کھانے تک آ گئے تھے اور ماما کا اتنا اچھا رویہ اسے بے حد حیران کر رہا تھا لیکن وہ خوش تھی اور میڈم نرگس......

وہ کتنی خوش تھیں۔ جب سب چلے گئے تھے تو انہوں نے کس طرح مردوں کے انداز میں ماما کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تھا۔

"زینی' کچھ مت سوچو یار...... اتنی دولت' اتنی جائداد اور پھر لڑکا بھی...... سچی زینی' لڑکیوں کے معاملے میں تم لکی ہو۔ مجھے دیکھو۔ لالہ کم بخت کو پسند بھی آیا تو ٹٹ پونجیا اعزاز۔"

"ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہو لیکن...... بہر حال دیکھا جائے گا۔"

اور خدا جانے آنٹی نرگس کس کی بات کر رہی تھیں۔ شاید معید بھائی کے متعلق بات ہو رہی تھی۔

"کیا آپ کراچی میں لالہ سے ملی تھیں آنٹی؟" اسے اچانک خیال آ گیا تھا اور وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے پلٹ آئی تھی۔

"لالہ......" ان کے چہرے کا رنگ لمحہ بھر کو بدل گیا تھا اور ہنستے ہوئے ہونٹ بھینچ گئے تھے...... "ہاں ملی تھی...... ملی تھی اس بے وفا سے۔ خون میں بے وفائی ہے اس کے۔ پہلے تین دن جاتی رہی تو دروازے سے ہی لوٹا دیا۔ چوتھے دن جب میں نے سنائیں تو پھر انہوں نے اس سے ملوایا۔ بس کھڑی کھڑی آئی۔"

"ہیلو کیسی ہیں ممی...... رسمی سا پوچھ کر بیٹھ گئی...... گلے بھی نہیں ملی......" ان کی آواز رندھ گئی۔

"وہ...... وہ خوش تھی وہاں کیا......؟" اس نے پوچھا۔

"خوش...... نہیں بالکل بھی نہیں آنکھیں بجھی ہوئی' چہرہ پھیکا تھا۔ مگر پھر بھی کہہ رہی تھی' میں خوش ہوں...... میں نے منت کی' چلو میرے ساتھ...... میں تمہاری شادی کر دوں گی اعزاز سے لیکن انکار کر دیا اس نے میرے ساتھ آنے سے۔"

ان کی پلکیں نم ہو گئیں "بے وفا ہے اپنے باپ کی طرح۔ کہہ دیا ہے میں نے اعزاز سے۔"

"اعزاز...... اعزاز ملتا ہے آپ سے......؟" مریم کو از حد حیرت ہوئی۔ وہ تو اعزاز کا اپنے گھر آنا بھی پسند نہ کرتی تھیں۔

"ہاں آتا ہے کبھی کبھی بھائی سے ملنے تو ہم دونوں لالہ کی باتیں کرتے ہیں...... اچھا لڑکا ہے۔ اتنا برا نہیں ہے' جتنا میں سمجھتی تھی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے زینب عثمان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں اور وہ حیران سی اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے لالہ کے متعلق سوچنے لگی۔

"وہ آخر ایسا کیوں کر رہی ہے۔ وہ آنٹی نرگس کے ساتھ واپس کیوں نہیں آئی...... اور اعزاز...... اعزاز سے بھی نہیں ملتی...... اب تو آنٹی مان بھی گئی ہیں اعزاز سے اس کی شادی کے لیے پھر بھی...... ضرور وہ آنٹی کو ستا رہی ہے اور ایک دن ہنستی ہوئی آ جائے گی لیکن آنٹی نرگس سے اس نے کیسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے قطعاً پریشان نہ ہوں۔ وہ اپنے باپ کے گھر ہے اور آنٹی نرگس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے وہ کیسی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی رہی ہے' بچپن سے لے کر اب تک۔ یقیناً اب بھی اس نے ایسا اسی لیے کیا ہے...... اور آنٹی کہہ رہی تھیں...... ایک بار...... ایک بار بھی اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے نہیں دیکھا بس نگاہیں جھکائے قالین کو دیکھتی رہی۔

فون کی بیل ہو رہی تھی مسلسل۔ صفو اور شریف جانے کہاں تھے لیکن وہ لیٹی رہی۔ اٹھنے کا قطعی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ تب شاید صفو نے کہیں سے برآمد ہو کر فون ریسیو کیا اور کارڈلیس لیے اس کے کمرے میں آ گئی۔

"آپ کا فون ہے جی...... عینی بی بی کا......"

"اچھا......" اس نے لیٹے لیٹے کارڈلیس لے لیا۔

"ہیلو۔"

"کہاں تھیں...... خیریت تھی یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں؟"

"خیریت ہی تھی۔ رات ممی آ گئی ہیں نا کراچی سے' اس وجہ سے۔"

"ممی آ گئی ہیں۔" عینی نے بے حد خوشی کا اظہار کیا "تھینک گاڈ۔ بے چارے شیری بھائی صبح شام تسبیح پڑھ رہے تھے کہ وہ جلد از جلد آ جائیں تا کہ......"

اس کے رخسار تمتما اٹھے۔

"چلو اچھا ہوا ممی آ گئیں' بابا اور اماں کل ہی آئیں گے اور' اور...... وہ" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"اور کچھ نہیں۔" وہ خوامخواہ ہنس دی۔

"مریم تمہیں یقین ہے کہ تمہاری ممی شیری بھائی کا پرپوزل منظور کر لیں گی۔" عینی سنجیدہ ہو گئی۔

"ہاں یقین تو ہے۔" اس نے اعتماد سے کہا "ممی کوئی دقیانوسی عورت نہیں ہیں۔ بہت براڈ مائنڈڈ ہیں اور وہ میری مرضی کے بغیر میری زندگی کا کوئی فیصلہ نہیں کریں گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو موسو۔ ورنہ میرا بھائی تو بے موت مر جائے گا...... ان دنوں اس کی جو بے چینیاں میں نے دیکھی اور محسوس کی ہیں ان سے میرا دل ڈر گیا ہے کہ اگر خدا نہ کرے......"

"نہیں......" مریم کا دل لمحہ بھر کو کانپ سا گیا...... شہریار کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی رفاقت کا خیال ہی مار ڈالنے کو کافی تھا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہوگا۔" اس نے دوبارہ بہت یقین سے کہا۔

"او کے...... پھر کل ملاقات ہوگی۔ ویسے یونیورسٹی آ رہی ہو کل یا......؟"

"ہاں کل آؤں گی...... بائے۔" اس نے آف کر کے کارڈلیس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔

"اور لالہ اگر یہاں ہوتی تو شیری اور میرے متعلق جان کر کس قدر خوش اور حیران ہوتی۔"

"اور تم کس قدر گھنی ہو خبر تک نہیں ہونے دی اپنے دل کی۔" وہ ضرور کہتی۔

لیکن خود اسے کب خبر تھی اپنے دل کی۔ یہ انکشاف تو اچانک ہی ہوا تھا کہ وہ شہریار کو پسند کرنے لگی ہے اور پھر اس انکشاف سے وہ کتنے ہی دن بولائی بولائی پھرتی رہی تھی اور اگر لالہ یہاں ہوتی تو سب سے پہلے لالہ ہی کو بتاتی۔

اور وہ لالہ کے متعلق سوچتے سوچتے سوگئی اور جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ باہر روشنیاں جل رہی تھیں اور ٹی وی لاؤنج سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔

تو ماما واپس آگئی ہیں' وہ اٹھ بیٹھی......لیکن ماما کے ساتھ کون ہے۔ اس نے ذرا سا دروازہ کھولا۔

''زینی' میں اتنے دنوں سے تمہارا انتظار کر رہا تھا اور اب تم آئی ہو تو اتنی جلدی واپس جارہی ہو۔''

''اوہ' تو یہ صاحب ہیں۔'' شرجیل مرزا کی آواز سن کر وہ پیچھے ہٹ آئی۔ ادھ کھلے دروازے سے آوازیں صاف آرہی تھیں۔

''مجبوری ہے شجی' تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میری سیریل ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مجھے ابھی نہیں آنا تھا لیکن میں مور کے لیے اداس ہوگئی تھی اور پھر مومو بھی اتنے دنوں سے اکیلی تھی۔ تمہیں تو پتا ہے نا چڑیا جیسا اس کا دل ہے۔ میں نے سوچا گھبرا رہی ہوگی۔ ہفتہ بھر کے لیے ہو آؤں۔ حالانکہ یہاں ڈاکٹر ہادی اور معید ہیں۔ مجھے اس کی اتنی فکر نہیں ہے۔''

''ہاں' یہ معید کے متعلق میرا اندازہ بالکل غلط نکلا ہے زینی۔'' شرجیل مرزا ہنسا۔

''تمہارے اندازے ہمیشہ غلط ہی ہوتے ہیں۔'' زینب عثمان کا لہجہ خوش گوار تھا۔

''خیر اس پر تو بعد میں بھی بحث کرلیں گے کہ کس کے اندازے صحیح ہیں اور کس کے غلط۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں کرم داد والوں نے اپنی لان کے لیے ایڈ تیار کرنے کو کہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم......''

''پلیز شجی کسی اور کو لے لو......میرے لیے ممکن نہیں ہے۔''

''کیا کریں۔'' شرجیل مرزا نے ٹھنڈی سانس لی ''نگاہ کسی اور طرف اٹھتی ہی نہیں۔''

''اچھا' اب بناؤ نہیں مجھے۔'' زینب عثمان کے لہجے کے لگاوٹ مریم نے محسوس کی تو اس کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں پڑ گئیں۔

''ویسے تمہاری سیریل کب تک مکمل ہوجائے گی؟''

''کم از کم ایک ماہ اور لگ جائے گا۔''

''اور تمہاری جاب۔''

''یہ جاب تو کبھی بھی میرا مسئلہ نہیں رہی......تم میرا استعفیٰ لے کر کسی اور کو اپائنٹ کرلو۔''

اور ماما نے اس سے کہا تھا' جاب ان کی مجبوری ہے......مریم نے سوچا۔

''اوکے......لیکن زینی تمہارے جیسی سیکریٹری کہاں ملے گی۔''

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔'' وہ ہنسیں۔

''سنو زینی۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کرم داد لان کے ایڈ کے لیے تم مریم کو رضامند کرلو۔''

''اوہ نو......ایک تو اسے یہ سب پسند نہیں ہے۔ دوسرے ابھی اس کے ایگزام ہونے والے ہیں۔ اس کے پاس کہاں وقت ہوگا۔''

''تم کہو تو اسے زینی۔''

''نہیں شجی پلیز......اس کا رجحان نہیں ہے اس کی طرف۔ تم کسی اور کو دیکھ لو......تمہارے پاس تو اتنی اچھی اچھی ماڈلز آرہی ہیں کیا نام ہے' وہ نئی لڑکی زارا۔''

''زینی......'' شرجیل مرزا کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ مریم چونک گئی۔

''زینی' میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم مریم کو مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کیا کوئی اور دیکھ لیا ہے؟''

''فضول باتیں مت کرو شجی۔ وہ خود تم سے دور رہتی ہے۔ پسند نہیں کرتی تمہیں۔''

''مگر زینی' تمہیں یاد ہوگا۔ تم نے خود مجھ سے کہا تھا کہ تمہارے خیال میں مریم اور میں ایک دوسرے کے لیے مناسب رہیں گے۔''

''ہاں' میرا خیال تھا کہ وہ ڈرپوک اور بزدل لڑکی ہے۔ اس کے لیے تمہاری عمر کا مرد مناسب رہے گا لیکن عثمان نے اسی وقت مخالفت کی تھی اس شادی کی اور پھر......اگر مریم تمہیں پسند کرتی تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ مگر وہ......''

''اور اگر وہ مجھے پسند کرنے لگے تو......؟''

''تو تم سے زیادہ مجھے بھلا کون عزیز ہوسکتا ہے۔''

''اوکے......تو پھر میں اس دن کا انتظار کروں گا' جب وہ مجھے پسند کرنے لگے۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے پسند کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔'' وہ ایک دم کھڑا ہوگیا۔

''ارے۔ ارے بیٹھو نا شجی......کھانا کھا کر جانا......''

''نہیں......کھانا پھر کبھی سہی۔ جانے سے پہلے ملو گی تو سہی نا۔''

''ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ بلکہ میں صبح آفس آؤں گی۔''

زینب بھی کھڑی ہوگئیں اور اسے سی آف کرنے کے لیے اس کے ساتھ ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔ مریم نے اٹھ کر لائٹ جلائی۔ اس کے ذہن میں شرجیل مرزا کی بات نے الجھاؤ پیدا کر دیا تھا۔

''کیا کرے گا شرجیل مرزا۔''

''آخر اس نے کیا سوچا ہوا ہے۔''

''نہیں...... وہ کچھ نہیں کر پائے گا۔ بلکہ اس سے پہلے ہی بابا اور ماں جی ماما سے شہریار کے لیے بات کرلیں گے اور......''

''اور پتا نہیں...... پتا نہیں عینی نے شہریار کو ممی کے آنے کے متعلق بتایا ہے یا نہیں...... کہیں وہ بھول ہی نہ جائے...... کہیں وہ لیٹ ہی نہ ہو جائیں اور ماما پھر کراچی نہ چلی جائیں...... اس نے عینی کو بتایا ہی نہیں تھا کہ ماما صرف ایک ہفتے کے لیے کراچی آئی ہیں۔ بلکہ اسے خود بھی کب پتا تھا۔ یہ تو ابھی ابھی اسے پتا چلا تھا اور شہریار اس وقت ہسپتال میں ہوگا۔ اس نے لمحہ بھر سوچا اور پھر رافع اسپتال کے نمبر ملانے لگی۔

❁ ❁ ❁

''ہائے کیا زمانہ تھا تھیٹر کا......'' مجتبیٰ حیدر نے چائے کا کپ اپنی طرف کھسکایا۔

''ہاں جی...... آپ تو تب بہت چھوٹے ہوں گے۔'' خدا بخش نے چائے بناتے ہوئے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

''میں تو تھا تب پندرہ سولہ سال کا۔ ہاں کیا زمانہ تھا...... ماسٹر غلام قادر' کیا پاٹ دار آواز تھی ان کی۔ اور وہ غلام قادر کلکتہ تھیٹریکل کمپنی میں ملازم تھے۔ ان کی آواز آسمان کے تارے توڑتی تھی۔''

''ارے خدا بخش' تم تو چھپے رستم نکلے۔''

''وہ جی مجتبیٰ میاں' تھیٹر سے بہت دلچسپی تھی۔ آغا صاحب کے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا۔ ان کا جھوٹا پانی پی لیا کرتا تھا کہ شاید اس طرح کچھ عنایت ہو جائے' ہمیں بھی۔''

''بھئی خدا بخش' میرے بڑے بھائی بہت عاشق تھے تھیٹر کے۔ ان سے ہی سنا ہے' بہت کچھ میں نے بھی۔ وہ کیا نام ہے بھئی ماسٹر نثار...... اور سلطان......''

''سلطان محمود کا رقص...... کیا رقص کرتا تھا جی وہ اور جمنا بائی اور بسنت کماری تھیں کلکتہ اور بنارس کی۔ کیا غضب کا گاتی تھیں۔''

خدا بخش نے کپ اٹھا کر آمنہ صفی کو دیا جو بہت دھیان سے مجتبیٰ حیدر اور خدا بخش کی گفتگو سن رہی تھی۔

''یار خدا بخش۔'' مجتبیٰ حیدر نے خالی کپ میز پر رکھا۔

ان کی عادت تھی کہ جب کبھی بھی ان کی دلچسپی کی بات ہوتی تو وہ اردگرد سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

''وہ کیا گانا تھا ان کا جمنا بائی اور بسنت کماری کا۔ اکثر بھائی صاحب گاتے تھے۔''

''وہ جی......'' خدا بخش نے یاد کیا۔

ہائے کروٹے والی ندی انگڑائی لیے جائے
جب ندی کا پانی میرے پاؤں تلے آئے
مجھے گود وں لے لو سانوریا مری پائل بھیگی جائے''

''خدا بخش کسی دن فرصت میں تمہارے پاس آ کر تم سے تھیٹر کے متعلق پوچھوں گی اور سنوں گی۔''

آمنہ صفی کو تھیٹر سے بہت دلچسپی تھی۔ ایک زمانے میں اس نے قدیم اور جدید تھیٹر کے حوالے سے لکھنا شروع کیا تھا لیکن پھر ناکافی معلومات کی وجہ سے اس کا وہ آرٹیکل نامکمل ہی رہ گیا تھا اور اب اتنے عرصے بعد وہ تصدق احمد کی وجہ سے تھیٹر کی طرف متوجہ ہوئی تھی تو ایک بار پھر اسے تھیٹر سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ تصدق احمد راستے سے مجتبیٰ حیدر کو لیتے ہوئے پروفیسر عادل کی طرف آئے تھے۔ نہ صرف یہ کہ ڈائیلانگ وغیرہ لکھے جا چکے تھے بلکہ اداکاروں کا انتخاب بھی ہو چکا تھا اور آج ان کی ریہرسل کا پہلا دن تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ عادل اور مجتبیٰ حیدر بھی ہوں اور کہیں کوئی کمی یا خامی محسوس ہو یا اداکاروں کے انتخاب کے سلسلے میں کوئی رائے دینا چاہیں اور ان کی رہنمائی کر سکیں۔ تصدق احمد کی شدید خواہش تھی کہ اس کا یہ ڈرامہ تہلکہ مچا دے۔ وہ عزت اور شہرت جو اسے اپنی تصویروں کی نمائش پر نہ مل سکی تھی' اس ڈرامے سے مل جائے۔ اس کے بہت سے خواب تھے وہ بیک وقت بہت کچھ کرنا چاہتا تھا اور نہیں کر پاتا تھا اور آمنہ صفی تو یوں ہی اپنے آپ کو بہلانے کے لیے اس کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔

اماں کے کہنے پر اس نے اخبار کی جاب تو چھوڑ دی تھی لیکن وہ مضطرب اور بے چین رہتی تھی' جیسے کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر پھینک دیا ہو۔ دم گھٹتا تھا گھر میں اس کا۔ جیسے گھر کے بے جان در و دیوار بھی شک کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے ہوں۔

اس کا تمسخر اڑا رہے ہوں

ہنس رہے ہوں اس پر

اس کے اندر سے الفاظ باہر نکلنے کو بے تاب ہو جاتے تھے۔

گرم دہکتے ہوئے الفاظ جو صفحہ قرطاس پر بکھر جاتے تو پتا نہیں کیا قیامت آ جاتی...... مگر یہ الفاظ اندر ہی اندر شعلے بن کر اسے جلاتے رہتے تھے۔ وہ قلم اٹھاتی اور پھر رکھ دیتی تھی۔ اس نے اماں سے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ کبھی کوئی شعر نہیں لکھے گی' اماں کے علاوہ اسے دنیا میں شاید کوئی بھی عزیز نہیں تھا اور ماں کی بات اسے ماننی ہی پڑی تھی۔

بے چاری سیدھی سادی اماں یہی سمجھتی تھیں کہ اس کی شاعری نے ہی اسے گمراہ کیا ہے۔

شاعری کی وجہ سے ہی اس کی منگنی ٹوٹی ہے۔

اور اب شاعری کی وجہ سے ہی اسے اغوا کیا گیا ہے۔

پتا نہیں اماں نے یہ سب کیسے سوچ لیا تھا۔

اور وہ اماں کی بات نہیں ٹال سکتی تھی۔

ایک وہی تو تھیں جو اس کے لیے دعا کرتی تھیں اور جن کے لیے وہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ سو وہ اپنے

اندر جلتے الاؤ کو اپنے اندر ہی دبانے کی کوشش کرتی تھی مگر سارا دن گھر بیٹھے خالی دیواروں کو تکتے تکتے یا اماں کو ادھر سے ادھر چیزیں سمیٹتے کام کرتے دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں تھکنے لگتی تھیں۔ اس نے گھر کے کاموں میں جی لگانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن لگا نہیں سکی تھی۔ کوکنگ سے اسے اتنی ہی دلچسپی تھی کہ آملیٹ بنا لیتی تھی اور چائے۔ سو جلد ہی گھر کے کاموں سے بھی اوب گئی۔ ایسے میں مجتبیٰ حیدر کے ہاں تصدق احمد کے تھیٹر کی تجویز اسے اچھی لگی تھی......اور پھر تصدق احمد کے کہنے پر اس نے اس کے ساتھ مل کر کام شروع کر دیا تھا۔ اماں اس کے دیر تک باہر رہنے پر پریشان رہنے لگی تھیں۔

"کہاں رہ جاتی ہو آمنہ۔" وہ گلہ کرتیں۔

"دوستوں کی طرف چلی جاتی ہوں۔"

"میرا دل ہولتا رہتا ہے بیٹی۔ گھر پر رہا کرو۔"

"گھر پر رہ کر بھی کیا کروں اماں۔" وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتی تو وہ نظریں چرا لیتیں۔

جانتی تھی کہ اماں نے کتنے ہی ملنے ملانے والوں سے اس کے رشتے کے متعلق کہا تھا لیکن رشتے دار' عزیز' برادری والے تو پہلے ہی اس کے نام پر ناک بھوں چڑھاتے تھے۔

"اخبار میں لکھتی ہے......توبہ بڑی تیز طرار ہوگی۔"

"اور کیا شعروں کی کتاب بھی چھپی ہے۔"

زیادہ عزیز رشتے داران پڑھ تھے سو اس کی ذات و شخصیت پر بے لاگ تبصرہ کرتے اور پھر اسے بری طرح رد کر دیتے تھے۔

اور اب تو......اب تو وہ اغوا کے بعد قابل نفرین ہو چکی تھی۔

پھر بھی اماں بے چاری اپنی کوشش میں لگی ہوئی تھیں اور اس سلسلے میں ایک دو مائیوں کی مدد بھی حاصل کر لی تھی انہوں نے......اسے اماں پر ترس آتا تھا' وہ جانتی تھی کہ یہ سب لاحاصل ہے لیکن وہ انہیں منع نہیں کر سکتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں امید کا وہ ننھا سا دیا جو اماں کی زندگی کے چراغ میں تیل کا کام دے رہا تھا' بجھ گیا تو۔ تو شاید اماں بھی نہ بچیں۔

سو وہ اماں سے کچھ نہ کہتی۔

اور تصدق احمد کے ساتھ کام کر کے خود کو بظاہر اس نے تھوڑا مصروف کر لیا تھا۔ اس طرح اس نے وہ قسم جو ایک دن اماں کے سامنے کھائی تھی' وہ برقرار تھی۔

نہ دوبارہ جاب کر رہی تھی۔ نہ شعر لکھ رہی تھی۔

اماں بھی روک ٹوک کر' تھک کر' چپ ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ ہاں جب مائی کوئی رشتہ لے کر آتی تو وہ اسے ضرور کہتی تھیں۔

"آمنہ آج دیر نہ کرنا' جلدی آ جانا' شام کو کچھ لوگ آ رہے ہیں۔"

"جی ماں۔" وہ سعادت مندی سے اماں کی بات مان لیتی تھی۔ وہ اگر اس طرح خوش ہوتی ہیں تو اس کا کیا بگڑتا تھا اور آج بھی اماں نے تاکید کی تھی۔

"بوا آج کچھ مہمانوں کو لا رہی ہیں۔ شام کو پانچ بجے آئیں گے' تم چار بجے تک گھر آ جانا' بہت اچھے لوگ ہیں۔ بوا نے بتایا ہے......شریف اور معزز......"

ایک لمحے کے لیے اس کا جی چاہا تھا کہ وہ کہہ دے کہ اسے بار بار ترازو کے پلڑے میں کھڑا ہونا پسند نہیں اور آپ بوا کو منع کر دیں کہ [illegible] کسی مہمان کو لیکن اماں کی آنکھوں میں جو التجا تھی' چہرے پر جو [illegible] تھی' اس نے اسے ہرا دیا۔

"[illegible] آ جاؤں [illegible]"

اگر آج تم نہ جاتیں تو اچھا تھا۔"

"ضروری جانا ہے اماں۔" اس نے رسان سے سمجھایا "آپ کو بتایا تھا نا کہ ایک دوست کے لیے کام کر رہی ہوں اب اسے ادھورا تو نہیں چھوڑا جا سکتا نا۔"

"اور جانے کب ختم ہوگا تمہارا یہ کام۔"

ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا لیکن ان کے چہرے پر اب اطمینان تھا اور بے بسی میں امید اور آرزو کے رنگ گھل مل رہے تھے' اور اگر تصدق احمد اماں کے چہرے کو پینٹ کرے تو کیا زبردست شاہکار بنے۔ امید' ناامیدی' آرزو' بے بسی اور خواہشوں کے رنگوں میں ڈھلا اماں کا چہرہ۔

اور وہ اماں سے جلد آنے کا وعدہ کر کے آ گئی تھی اور اس نے تصدق احمد کو بھی بتا دیا تھا کہ وہ پوری ریہرسل دیکھنے تک نہیں رک سکے گی لیکن دو تو یہاں ہی بج گئے تھے۔ تصدق نے سب اداکاروں وغیرہ کو تین بجے تک پہنچنے کو کہا تھا......مجتبیٰ کے گھر ہی کافی دیر ہو گئی تھی اور پھر اب یہاں پروفیسر عادل کے ہاں آئے بھی ایک گھنٹا تو ہونے والا تھا۔ انہوں نے چائے کے لیے روک لیا تھا اور پھر تھیٹر پر گفتگو چھڑ گئی تھی اور پروفیسر عادل کا دل نشین لہجہ اور پر مغز گفتگو۔ وقت گزر جانے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"میرے خیال میں اب چلنا چاہیے۔ وہاں تک پہنچنے میں بھی تو وقت لگے گا۔" اس نے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا تو وہ چونکے۔

"او کے۔" وہ مجبور ہو گئے' حالانکہ ان سب کے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ حویلی فون کرنے کا سوچ رہے تھے۔

❁❁❁

کتنے دن ہو گئے تھے۔

آس و نراس' یقین و بے یقینی کے درمیان پنڈولم کی طرح لٹکتے ہوئے۔
اور یہ درمیانی کیفیت انہیں مضطرب کیے ہوئے تھی۔
ہر لمحہ بے چینی اور اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔
معلوم نہیں' زینب عثمان کیا کہیں گی۔ انہوں نے سوچ کر جواب دینے کو کہا تھا۔
ان کا رویہ تو بہت اچھا تھا۔ لہجے میں وہ غرور اور بے نیازی نہیں تھی بلکہ بہت خلوص سا تھا...... لمحہ بھر کو انہیں یقین سا ہونے لگتا...... "ضرور زینب عثمان اس پروپوزل کو قبول کر لیں گی۔" دوسرے ہی لمحے وہ مضطرب سے ہو جاتے۔

"شاید نہیں۔"

"انہوں نے تو کبھی انہیں پسند نہیں کیا۔"

وہ عاشی' نینا اور تیمور سے ملنے جاتے تو صاف بے زاری کا اظہار کرتی تھیں...... لیکن اس روز ...... ہاں اس روز حیرت انگیز طور پر ان کا رویہ بدلا ہوا تھا۔ شاید ماں جی کی وجہ سے اور ماں جی نے فون پر اپنے آنے کا مقصد پہلے ہی مبہم لفظوں میں ان پر ظاہر کر دیا تھا۔ شاید انہیں بھی خوف تھا کہ کہیں وہ ان کی آمد کو پسند نہ کریں۔

اور اس معاملے میں وہ کتنے خودغرض ہو گئے تھے...... اس روز جب ماں جی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوئی تھیں۔ ایک دم ندامتوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔

"یہ میں نے ماں جی کو کس امتحان میں ڈال دیا ہے اور کیا ماں جی کے لیے یہ آسان ہوگا۔ اس عورت کے پاس جانا جس نے......"

اور بہت سے درد اور بہت سی محرومیاں جاگ اٹھیں۔
مسرور جیسے کانوں میں ان سے سرگوشی کرنے لگا۔

"اور اس عورت کو دیکھ کر خون میری رگوں میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا سر۔ میرے اندر میری ماں کے خاموش آنسو اور اس کی لاحاصل فریادیں زندہ ہو گئی تھیں...... میں اس عورت کو اور اس کو جو میرے ہونے کا سبب ہے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔"

"اور ماں جی......"

انہوں نے ماں جی کی سونی کلائیوں کو دیکھا...... ان کے شفیق چہرے پر پھیلی لمبے دنوں اور طویل راتوں کی محرومیوں کو دیکھا...... اور ان کی سیاہ آنکھوں میں چھائے گہرے دکھ کے سایوں کو...... اور ان کا دل جیسے کٹ کٹ کر گرنے لگا اور...... یہ کلائیاں تو اب سونی ہوئی تھی۔
لیکن چہرے پر پھیلی محرومیاں اور آنکھوں میں چھپائے دکھ کے بادل تو وہ ہمیشہ سے دیکھ رہے تھے'

جب سے ہوش سنبھالا تھا تب سے۔
اور وہ کتنے خودغرض ہو گئے تھے۔ انہوں نے صرف اپنی آرزو یاد رکھی تھی اور باقی سب کچھ بھلا دیا تھا...... تنہائی کے سارے دکھ' محرومیوں کے سارے غم جو ماں جی نے سہے تھے اور خود انہوں نے بھی...... اور وہ ایک لڑکی جو انجانے میں ان کی تمنا بن چکی ہے...... وہ اگر زندگی کے سفر میں ہم سفر نہ بھی ہوئی تو بھی زندگی گزر ہی جائے گی۔ ہنس کر نہ سہی رو کر ہی سہی۔
انہوں نے دل گرفتگی سے سوچا تھا اور پھر بے اختیار ماں جی کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"سوری ماں جی۔ میں شرمندہ ہوں۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے...... آپ کو میری اس خواہش سے اگر تکلیف پہنچی ہو تو پلیز......" انہوں نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا جو کسی قدر حیران ہو کر انہیں دیکھ رہی ہیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ان کی بات سمجھتے ہوئے بھی جیسے پوری طرح ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"ماں جی...... آپ...... آپ...... آپ مت جایئے زینب ولا میں اور مجھے معاف کر دیجیے گا کہ میں......"

"پاگل ہو گئے ہو عادل۔" انہوں نے پاس کھڑی بی آپا کے ہاتھ سے چادر لی اور گاڑی کی طرف بڑھیں لیکن عادل اپنی بات مکمل کر کے ان کی بات سنے بغیر ہی تیز قدموں سے انہیں یوں ہی پورچ میں کھڑا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

اور وہ ایک خیال' ایک تصور' جسے مدتوں سوچا تھا پھر اسے ایک پیکر میں تراشا تھا اور اس پیکر کو دل ہی دل میں سجایا تھا اور پھر یہ تصور یہ پیکر ایک حقیقی روپ میں سامنے تھا...... تو اس ایک خیال کو ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دینے کا خیال روح و دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا۔

"تو مریم عثمان احمد' تم میرا مقدر نہیں تھیں......" انہوں نے جیسے فیصلہ کر لیا تھا۔

"لیکن پھر پتا نہیں کیوں میری زندگی میں چلی آئی تھیں۔"

کتنی طویل راتیں انہوں نے اسے سوچا تھا اور اسے دیکھنے کے بعد کتنے بے چین دن گزارے تھے...... دل کے اندر کیسی گھنٹیاں سی بجتی رہتی تھیں...... اور یہ کس قدر افسانوی سی بات ہوئی تھی کہ وہ ایک خیال' ایک دھند میں چھپی شبیہ جس کی کوئی واضح شکل نہ تھی۔ بس ایک تصور تھا' ایک خیال تھا کہ ہاں کوئی ہے اس بھری وسیع دنیا میں جسے دیکھ کر دل بے اختیار پانے کی تمنا کرے۔ بس اسی کے ساتھ زندگی کا سفر طے کریں گے لیکن دل نے جس کی تمنا کی تھی' اس کی ہمراہی میں زندگی کا سفر طے کرنا شاید ان کا نصیب نہ تھا۔
رگوں کو کاٹتی اذیت کم کرنے کے لیے انہوں نے سگریٹ سلگایا ہی تھا کہ ماں جی آ گئیں۔

"ہمیں پورچ میں چھوڑ کر تم ادھر آ گئے ہو۔" ان کا لہجہ شگفتہ تھا۔

"ماں جی۔" انہوں نے سگریٹ یوں ہی ایش ٹرے میں پھینک دیا کہ ماں کے سامنے سگریٹ پینا ان

کے نزدیک خلاف ادب تھا" میں نے آپ سے معذرت کر لی تھی کہ ماں جی نہ میں آپ کے دل کو دکھ پہنچایا۔ میں جانتا ہوں ماں جی کہ آپ کے لیے اس عورت کی بیٹی کو بہو بنانا آسان نہیں ہے...... میں اپنی خواہش سے دستبردار ہو گیا ہوں۔" ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔ زیتون بانو نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"ہاں آسان نہیں تھا اگر میں مریم سے نہ ملی ہوتی لیکن مریم بہت پیاری ہے...... اور پھر تمہاری خوشی مجھے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہے۔"

"لیکن ماں جی' میں اپنی ہر خوشی آپ کے معمولی سے سکھ کے لیے بھی قربان کر سکتا ہوں...... ماں جی اگر آپ حکم دیں گی تو میں حریم سے......" آواز ان کے گلے میں پھنس گئی اور آنکھوں کے آگے آنسوؤں کا پردا سا چھا گیا۔

اور یہ سب کچھ بڑا [illegible] آسان نہ تھا

وہ جانتے تھے لیکن یکایک ہی ماں جی کی [illegible] انہیں بہادر بنا گئی تھیں۔

"تو میری خوشی اس میں ہے عادل کہ میں زینب ولا جاؤں۔" انہوں نے ہشاش بشاش لہجے میں کہا اور ان کی آنکھوں میں عادل کی زندگی میں آنے والی خوشی کے رنگ بھر گئے۔

"مگر......" انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ماں جی نے انہیں ٹوک دیا۔

"اگر مگر کچھ نہیں' پہلے ہی ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ میں نے رات زینب سے بات کر لی تھی اور ڈھکے چھپے لفظوں میں اپنی آمد کا مقصد بھی واضح کر دیا تھا۔ وہ اگر اسی وقت کراچی سے نہ آئی ہوتیں تو میں اسی وقت چلی جاتی۔"

"میری وجہ سے حریم...... حریم کو کیا ہوا" انہوں نے نظریں اٹھائیں۔

"اس کی شادی میں بھی تاخیر ہو رہی ہے۔ تمہاری شادی ہو جائے گی تو......"

وہ اندر ہی اندر نادم ہو گئے...... ہاں شاید ان کی وجہ سے ہی۔

ماں جی نے ایک نظر انہیں دیکھا۔

"چلو اب مزید دیر نہ کرو...... ہمیں آج ہی حویلی بھی واپس جانا ہے۔"

"ماں جی......" انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگائے اور پھر انہیں نہایت عقیدت سے چوم لیا......

"میں شاید آپ کو کوئی خوشی نہ دے سکا ماں جی۔"

"میری خوشی اب صرف اس میں ہے عادل کہ اپنی زندگی میں تمہیں آباد دیکھ لوں...... تمہاری بیوی ہو' تمہارے بچے ہوں...... اور یقین کرو مریم بہت اچھی بچی ہے اور میں مطمئن ہوں۔ میں سوچتی تھی کہ حریم کے علاوہ کوئی باہر کی لڑکی اس گھر میں آئے تو جانے کامل کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ جانے اسے برداشت بھی کرے یا نہیں...... لیکن مریم...... وہ تو کامل سے بہت پیار کرتی ہے...... میں خوش ہوں عادل۔" ان کی آنکھوں میں نمی تیر گئی...... "تم اپنے دل میں اندیشے مت پالو بیٹا۔"

"مگر اس کی ممی......"

ماں جی کے ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھوں میں تھے۔

"اس کی ممی کی ذات اگر کبھی میرے لیے کچھ باعث تکلیف بھی تھی تو اس میں مریم کا کیا قصور وہ بچی مجھے بہت عزیز ہے۔ یقین رکھو۔"

"ماں جی......" شدت جذبات سے ان کی آواز بھرا گئی "آپ بہت عظیم ہیں۔" انہوں نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیے۔

زیتون بانو ان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر چلی گئیں اور وہ کمرے کے وسط میں بہت دیر تک یوں ہی کھڑے رہے۔

"مریم...... پتا نہیں مریم کا ردعمل کیا ہوگا۔ شاید وہ حیران ہو بہت زیادہ۔"

"اور شاید کہ یہ جان کر کہ وہ پاپا کی بیٹی نہیں ہے اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہو...... اور شاید کچھ بھی نہ ہو۔"

انہوں نے سوچا تھا کہ وہ ماں جی کے زینب ولا جانے سے پہلے مریم سے بات کر لیں اور حویلی سے انہوں نے دو تین بار فون بھی کیا...... پہلے تو مریم ملی ہی نہیں اور جب ملی تو انہیں سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا بات کریں گے سو انہوں نے بات کیے بغیر فون رکھ دیا۔

نہیں ان کا بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ بات زینب عثمان ہی بہتر طریقے سے کر سکتی ہیں۔ وہی اسے بتا سکتی ہیں کہ......

اور اس عجیب و غریب صورت حال نے کئی دنوں سے انہیں پوری نیند سونے نہیں دیا تھا۔ وہ سوتے سوتے چونک کر جاگ اٹھتے تھے۔

"عادل......" بی آپا نے آواز دی تو وہ باہر آ گئے۔

"میں نے سمجھا' تیار ہو رہے ہو...... بر دکھاوے کے لیے تو جا نہیں رہے ہو۔ نہ صرف زینب آنٹی بلکہ مریم بھی تمہیں دیکھ چکی ہے۔" بی آپا کے چہرے پر بھی مسرتیں کھل رہی تھیں۔

"مراد بھائی نے تو خود ہی شادی کر لی تھی۔ کتنا شوق تھا کہ ان کی مہندی کے گیت گاؤں گی۔ ان کے سہرا باندھوں گی لیکن...... اور تم ہو کہ شادی کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ میں نے تو مراد بھائی کی شادی پر بھی نہ پورے ہونے والے سارے شوق تمہاری شادی پر پورے کرنے ہیں۔" ایک بار انہوں نے کہا تھا۔ سو آج وہ بہت خوش لگ رہی تھیں۔

''میں آپ کو زینب وِلا میں ڈراپ کر کے واپس آجاؤں گا اور کچھ دیر بعد پھر آ کر پک کر لوں گا۔''
گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے انہوں نے بی آپا کو بتایا۔

''کیوں کیا تمہیں کسی کام سے جانا ہے؟'' ماں جی نے پوچھا تو وہ گڑبڑا گئے۔

''نہیں۔ہاں......جی۔''

دراصل انہیں گھبراہٹ ہو رہی تھی' زینب عثمان کا گزشتہ رویہ......مریم کا گریز......وہ عاشی اور نینا کی طرح سے ان سے بے تکلفی سے بات نہیں کرتی تھی اور نہ ہی وہاں زیادہ دیر آ کر بیٹھتی تھی جہاں بچوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہوتے اور اس کے اس گریز کو عاشی نے بھی محسوس کیا تھا اور اس نے ایک بار وضاحت بھی کی تھی۔

''بجو کچھ کم گو ہیں لیکن وہ ایسی ہرگز نہیں ہیں کہ سگے اور سوتیلے رشتوں میں فرق کریں لیکن پتا نہیں کیوں آپ کو......شاید وہ آپ سے جھجکتی ہیں......''

پھر اس نے خود ہی وضاحت کر دی تھی۔

''جب پاپا زندہ تھے تو ماما اکثر کہا کرتی تھیں کہ مومو کے اندر کوئی دقیانوسی روح ہے......وہ لوگوں سے ملنے سے کتراتی ہے شروع سے ہی۔''

وہ کم گو تھی اور وہ اس سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتے تھے......جانے کب سے سینت سینت کر انہوں نے اپنے اندر لفظوں کا ڈھیر جمع کر رکھا تھا۔

خوبصورت' دلربا لفظ۔

مجتبیٰ حیدر کے ناولوں میں موجود لفظوں سے بھی زیادہ خوب صورت اور دلربا لفظ۔

لیکن وہ اس سے کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ایک بار اس کے اور ان کے درمیان موجود رشتہ واضح ہو جائے پھر وہ اس کے قدموں میں لفظوں کے ڈھیر کر دیں گے۔

چاہے انہیں پذیرائی ملے یا نہ ملے مگر ایک بار تو وہ اپنے جذبوں کو لفظوں کا پیراہن ضرور دیں گے۔

اور خدا جانے زینب عثمان کا رویہ کیا ہوگا۔

وہ راستے بھر یہی سوچتے رہے تھے......کہیں وہ ماں جی کی توہین نہ کر دیں۔

انہیں خود سے زیادہ ماں جی کا خیال تھا اور ماں جی کی توہین انہیں گوارا نہیں تھی......بہت متذبذب حالت میں وہ ڈرائیو کرتے رہے۔حالانکہ بی آپا نے ایک دو بار ان سے کوئی لطیف سا مذاق بھی کیا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہے......وہ بہت ڈیپرس تھے۔بات اگر ان کے سچے جذبوں' مدتوں کے انتظار اور انمول چاہتوں کی نہ ہوتی تو وہ ماں جی کو بھی اس امتحان میں نہ ڈالتے۔

لیکن زینب عثمان کا رویہ حیرت انگیز حد تک بہت اچھا تھا۔ان کی توقع کے بالکل برعکس وہ بہت محبت اور خلوص سے ملی تھیں......اور پھر میڈم نرگس کی آمد......انہوں نے تو اتنی پذیرائی کی تھی کہ وہ شرمندہ ہو گئے تھے اور کتنے خلوص سے انہیں انوائٹ کیا تھا اور زینب عثمان کی طرف سے انہوں نے یقین دلا دیا تھا کہ یہ مریم کی خوش نصیبی ہے......اور انہیں یقین ہے کہ مریم عادل کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔

''پھر بھی۔'' زینب عثمان نے کہا ''یہ بالکل اچانک اور غیر متوقع بات ہے' میں سوچوں گی......اور مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ مریم......مریم کو کیسے......شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ مریم اس بات سے بے خبر ہے کہ عثمان احمد اس کے والد نہیں ہیں......وہ عثمان احمد کو بہت چاہتی ہے......اور یہ بات میرے' مجتبیٰ حیدر اور میڈم نرگس کے سوا کسی کے علم میں نہیں ہے۔''

''مگر......'' میڈم نرگس نے زینب عثمان کو سمجھایا......''زینی ڈارلنگ مریم کو بہر حال اپنے باپ کا نام معلوم ہونا چاہیے۔ ہمارے تو مذہب میں بھی ہے۔ اسلام بھی ہمیں حکم دیتا ہے کہ بچوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے محروم نہ کرو۔''

اور پروفیسر عادل نے بے حد حیران ہو کر میڈم نرگس کو دیکھا تھا۔

یہ خاتون جو اس وقت سلیولیس بلاؤز پہنے بہت ڈارک میک اپ کیے۔نچی ہوئی بھنوؤں اور مصنوعی پلکوں کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھی تھی اور جس کے متعلق لوگوں کی رائے کوئی بہت اچھی بھی نہیں تھی' اسلام اور مذہب کی بات کر رہی تھی۔یقیناً مذہب اور اسلام کے بارے میں کچھ علم ہوگا ہی تب ہی تو......اور پھر وہ غلط بات تو نہیں کر رہی تھیں۔قرآن شریف میں موجود ہے کہ لے پالک بچوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے پکارو۔

ان کی نگاہوں میں میڈم نرگس کے لیے احترام جھلکنے لگا اور شوبز سے متعلق۔لوگوں کے بارے میں کہانیاں تو بنتی رہتی ہیں اور ان میں کتنی حقیقت ہوتی ہے' یہ کون جانتا ہے۔

''انشاءاللہ فیصلہ آپ کے حق میں ہی ہوگا۔'' جاتے جاتے انہوں نے امید دلائی تھی۔

اور ان کی نگاہیں بے اختیار زینب عثمان کی طرف اٹھ گئی تھیں جنھوں نے مسکرا کر میڈم نرگس کی بات کی تائید کر دی تھی۔

''یقین رکھیں انکار کی گنجائش کم ہی ہے۔''

میڈم نرگس نے جونہی عثمان کے ساتھ ہی انہیں خدا حافظ کہنے باہر تک آئی تھیں' زینب عثمان کے پلٹ جانے کے بعد اچانک ہی مڑی تھیں اور وہ کار کا دروازہ کھولتے کھولتے مڑ کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔تب بہت بے تکلفی سے انہوں نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔

''بھئی' ایک تو آپ عثمان احمد کے بیٹے ہیں اور دوسرے......'' انہوں نے بائیں آنکھ کا کونا

دبایا......"اتنے اسمارٹ اور دلربا......"

انہوں نے سٹپٹا کر ماں جی کی طرف دیکھا لیکن وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں اور میڈم نرگس نے امید کا جو دیا ان کے ہاتھ میں تھمایا تھا' اس کی روشنی سے جیسے اندر باہر ہر طرف چراغاں ہو گیا تھا۔ وہ بہت ہلکے پھلکے موڈ میں بی آپا اور ماں جی سے باتیں کرتے ہوئے ڈرائیو کر رہے تھے۔ لاہور کی سڑکیں اتنی خوب صورت انہیں پہلے کبھی نہیں لگی تھیں۔ فضا میں جیسے اک دم روشنی اور رنگ اتر آئے تھے ایک [illegible] سب کچھ نیا نیا اور دھلا دھلا لگنے لگا تھا اور مریم کا شفاف چہرہ دلکش سراپا بار بار ان کے تصور میں آ تا رہا تھا۔ ماں جی اور بی آپا کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہوئی تھی...... خوشی اس کے وجود سے پھوٹی پڑ رہی تھی...... کبھی بی آپا کے گلے لگتی کبھی ماں جی کے ہاتھ چومتی...... مسکرا مسکرا کر بی آپا سے باتیں کرتی...... وہ بار بار ان کے تصور میں آتی رہی۔

آپ کہاں کھو گئے ہیں پروفیسر عادل؟" آمنہ صفی کھڑی ہو گئیں۔

"اوہ...... ہاں' کہیں نہیں۔" وہ چونکے۔

"سر آپ چل رہے ہیں ہمارے ساتھ۔" تصدق احمد نے ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاں...... ہاں چلتے ہیں۔"

"تو پھر چلیں...... آمنہ کو ذرا جلدی گھر جانا تھا۔" تصدق احمد بھی کھڑا ہو گیا۔

"کیوں خیریت۔" انہوں نے آمنہ صفی کی طرف دیکھا "اماں تو ٹھیک ہیں؟"

"ہوں۔" آمنہ صفی نے سر ہلایا "اور اگر میں بروقت نہ پہنچی تو پھر ان کا ٹھیک ہونا مشکوک ہو جائے گا۔"

"کیوں کیا پھر کوئی آ رہا ہے؟" تصدق احمد چونکا۔

"کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے۔" آمنہ صفی نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"تم منع کیوں نہیں کر دیتیں اماں کو۔" تصدق احمد کے چہرے پر کرب سا پھیل گیا۔

"کیا منع کر دوں...... اماں خوش ہو جاتی ہیں' میرا کیا جاتا ہے۔"

پروفیسر عادل کچھ سمجھنے کی کوشش میں اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں لگا جیسے اس کی آنکھیں دھواں دھواں سی ہو گئی ہیں۔

"اور آنے والے کھاپی کر اور تم پر تنقید کر کے چلے جائیں گے۔" تصدق احمد کی پیشانی کی رگیں غصے سے ابھر آئی تھیں۔

"مجھے پرکھنے کے لیے ان کے ہاتھوں میں جو ترازو ہے' وہ انصاف کے میزان پر پورا نہیں اترتا...... سو وہ مجھے دیکھیں گے' پرکھیں گے' جانچیں گے جیسے قربانی کے لیے بکرا خریدا جاتا ہے تو اسے ٹھوک بجا کر دیکھا جاتا ہے۔" وہ ہولے سے ہنسی "اور پھر میرا پلڑا آسمان سے جا لگے گا۔"

"تم اتنی اذیت پسند ہو گئی ہو آمنہ۔" تصدق احمد الجھ رہا تھا "اس واقعے نے تمہیں اذیت پسند بنا دیا ہے...... تم ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہو۔ تمہیں حق ہے احتجاج کرنے کا۔ تم کر سکتی ہو احتجاج۔"

"میں نے کہا نا' میں اماں کو دکھ نہیں دے سکتی۔" آمنہ صفی کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

وہ دونوں یوں آپس میں محو گفتگو تھے جیسے وہاں مجتبیٰ حیدر اور پروفیسر عادل نہ ہوں...... اور پروفیسر عادل نے سوچا۔

"کیا کمی ہے اس میں' خوش شکل' ذہین' ایجوکیٹڈ پھر...... پھر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے' انہوں نے بے دھیانی میں بہت غور سے اسے دیکھا۔ اچھی خاصی اپیل تھی اس میں...... اس کا شان بے نیازی والا یہ انداز خواہ مخواہ اٹریکٹ کرتا تھا۔

"میں نے اماں کو بہت دکھ دیے ہیں۔ حالانکہ میں انہیں کبھی دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اور پھر مسکرا کر تصدق احمد کی طرف دیکھا۔

"اور اگر مجھے دم گھٹنے کا خوف نہ ہو تو میں کبھی گھر سے باہر نہ نکلوں اور اماں کے سامنے بیٹھی رہوں چپ چاپ۔ مگر تصدق احمد میرا دم گھٹنے لگتا ہے جیسے کسی نے مجھے ایسے کمرے میں بند کر دیا ہو جس میں دھواں بھرا ہوا کڑوا کسیلا دھواں...... شاید اماں کے چہرے پر ہر دم جو تحریر لکھی مجھے نظر آتی ہے' میں زیادہ دیر تک اسے پڑھ نہیں سکتی...... گھبرا کر بھاگ آتی ہوں...... اگر اماں کا چہرہ سپاٹ ہو جائے...... آنکھیں بولنا چھوڑ دیں...... تو شاید میں......"

"کاش...... کاش' میں تمہارے لیے کچھ کر سکتا۔" تصدق احمد نے مٹھیاں بھینچیں اور پھر کھولیں "تم بغاوت کیوں نہیں کر دیتیں۔"

"بغاوت کر کے بھی کیا ملے گا۔" آمنہ صفی نے شولڈر بیگ بائیں کندھے سے دائیں کندھے پر منتقل کیا۔

"اور بغاوت نہ کر کے بھی تو کچھ نہیں مل رہا۔" تصدق احمد نے اسے اکسایا "تم پھر سے جاب کر لو ورنہ مر جاؤ گی۔"

"مر ہی تو جانا چاہتی ہوں۔" اس نے بہت آہستگی سے کہا لیکن پروفیسر عادل نے سن لیا اور بہت تاسف سے انہوں نے اسے دیکھا اور انہیں وہ دن یاد آ گیا جب آمنہ صفی نے اچانک ہی انہیں امتحان میں ڈال دیا تھا۔

مجتبیٰ حیدر جو بڑی دیر سے مسودے کی فائل دیکھ رہے تھے۔ فائل بند کر کے کھڑے ہو گئے۔

"بقیہ بحث وہاں جا کر کر لیجیے گا۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں۔"

اور پروفیسر عادل جو چاہ رہے تھے کہ جانے سے پہلے ذرا کی ذرا حویلی فون کر کے بی آپا سے بات کر لیں۔ فون کیے بغیر ان کے ساتھ باہر آ گئے لیکن وہاں بھی ان کا ذہن الجھا رہا۔

''پتا نہیں ماں جی نے زینب سے بات کی یا نہیں۔ پتا نہیں کیا جواب ملا۔ مثبت یا منفی اور اگر......اگر۔''

اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہ پاتے تھے۔ ان کا دل ڈوبنے سا لگتا۔

مجتبیٰ حیدر نے کیا کہا۔ تصدق احمد نے کیا بات کی۔

کون کون سا اداکار وہاں تھا اور کس کس سے تصدق احمد نے انہیں متعارف کروایا تھا۔ انہیں کچھ یاد نہیں تھا......وہ تو اپنے آپ میں گم بس اداکاروں کو مکالمے بولتے اور تصدق احمد کو ہدایات دیتے دیکھتے تھے......اور پھر آمنہ صفی کے ساتھ ہی تصدق احمد سے معذرت کر کے کھڑے ہوئے تھے۔

''تمہارا انتخاب بہت اچھا ہے۔'' انہوں نے اسے سراہا تھا ''انشاءاللہ میں پھر آؤں گا۔''

بے چینی سی تھی......کل ہی تو آپا نے بتایا تھا کہ ماں جی نے ''زینب وِلا'' میں فون کریں گی۔ پندرہ بیس دن تو ہو گئے تھے اور اگر کوئی امید افزا بات ہوئی تو پھر آئیں گے لاہور اور پندرہ بیس دن سے بے چینی تھی وہ سوا ہو گئی تھی......''شاید کوئی امید افزا بات نہیں ہوگی۔'' تب ہی تو بی آپا نے فون نہیں کیا تھا۔ ان کا دل جیسے کٹنے لگتا۔

''نہیں۔'' وہ دل کو تسلی دیتے......ممکن ہے ماں جی نے ابھی بات نہ کی ہو۔ زینب وِلا میں۔ دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے نا۔

سو وہ صبح سے دل پر جبر کیے بیٹھے بی آپا کے فون کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بے چینیاں بی آپا پر ظاہر ہوں۔ سو کئی بار حویلی کا نمبر ملا کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا لیکن اب ان سے مزید انتظار نہیں ہو پا رہا تھا۔

اور کبھی کبھی آدمی کتنا مجبور ہو جاتا ہے۔

اس وقت اگر تصدق احمد' مجتبیٰ حیدر' آمنہ صفی نہ آ جاتے تو اب تک......

انہوں نے آمنہ صفی کو اس کے اسٹاپ پر ڈراپ کیا اور پوری اسپیڈ کے ساتھ گھر کی طرف آئے۔

''آپ جلدی آ گئے۔'' خدا بخش انہیں دیکھ کر حیران ہوا۔

''ہاں بس موڈ نہیں تھا۔'' خدا بخش کی بات کا جواب دے کر وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آئے اور بیڈ پر بیٹھتے ہی ریسیور اٹھا کر حویلی کا نمبر ملایا۔ دل یوں دھک دھک کر رہا تھا جیسے میلوں دوڑ کر آئے ہوں۔ دوسری طرف بی آپا ہی تھیں۔

''ارے عادل تم......بس میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی۔''

''عادل' وہ ماں جی نے زینب وِلا فون کیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ مریم کے امتحان ہونے والے ہیں اور فی الحال وہ اسے ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتیں۔ وہ امتحان سے فارغ ہو لے تو پھر آرام سے سہولت سے اس سے بات کریں گی۔''

''اس کا مطلب۔'' دائیں ہاتھ سے ریسیور تھامے تھامے بایاں ہاتھ انہوں نے دل پر رکھا۔

''مطلب......صرف ظاہر ہے عادل۔'' بی آپا نے خوش گوار لہجے میں کہا ''زینب آنٹی کو اعتراض نہیں ہے۔ بس وہ مریم کی وجہ سے......''

انہوں نے بہت دیر کے رکے ہوئے سانس کو خارج کیا۔

''بہرحال وہ صحیح کہتی ہیں......اس انکشاف سے ڈسٹربنس تو بہت ہوگی......لیکن حقائق کبھی نہ کبھی تو ایکسپوز ہونے ہی ہوتے ہیں۔''

''ہاں۔'' ان کی نگاہوں کے سامنے مریم کا چہرہ آ گیا۔

ہراساں اور پریشان......آنکھوں میں آنسو بھرے عثمان احمد کا ہاتھ تھامے ان کے پاس بیٹھی اور ان کی ڈیتھ پر بلک بلک کر روتی ہوئی۔

اور یہ انکشاف......

ایک لمحے کو ان کا جی چاہا' وہ اس بے حد عزیز ہستی کو کسی دکھ سے آشنا نہ ہونے دیں اور چپ چاپ اپنی اس خواہش سے دستبردار ہو جائیں۔ صرف اس دلربا کے دل کو اس دکھ سے بچانے کے لیے لیکن حقائق کبھی نہ کبھی تو ایکسپوز ہونے ہی ہوتے ہیں۔ کل جب تیمور بڑا ہوگا......نینا اور عاشی بڑی ہوں گی اور جائداد ان کے نام منتقل ہوگی تو......

''او کے' وش یو گڈ لک عادل۔'' بی آپا نے انہیں وش کیا تو وہ مسکرا دیے۔

''او کے......بی آپا' انشاءاللہ ویک اینڈ پر حویلی آؤں گا......''

ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ کچھ دیر یوں ہی ہاتھ گود میں دھرے بیٹھے رہے۔ بہت مطمئن اور پرسکون۔

یوں جیسے خلا میں لٹکنے کی اذیت سے نجات پا لی ہو۔

جیسے مدتوں معلق رہنے کے بعد ان کے پاؤں نے زمین کو چھوا ہو۔

ہولے ہولے ان کے ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ گہری ہوتی گئی اور امید کا وہ دیا جو میڈم نرگس نے آتے ہوئے ان کے ہاتھوں میں تھمایا تھا' یکا یک تیز ہو کر جل اٹھا اور اس کی روشنی سے ان کے آس پاس۔ اِدھر اُدھر ہر طرف چراغاں ہونے لگا۔

❀❀❀

''مومو۔'' تیمور نے جو بڑی دیر سے مریم کو پڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا' آہستگی سے اس کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ہوں۔'' مریم نے کتاب بند کرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مومو کیا اب ہم کراچی جا کر رہیں گے؟"

"کیوں...... ہم کیوں کراچی جائیں گے؟"

"ماما جو وہاں چلی گئی ہیں۔"

"مگر وہ تو کام سے گئی ہیں' آ جائیں گی۔"

"مگر آنٹی نرگس تو اس روز شجی انکل سے کہہ رہی تھیں کہ ممی کراچی سیٹل ہونے کا سوچ رہی ہیں۔"

"اچھا۔" اس نے از حد حیران ہو کر اسے دیکھا "مجھے تو نہیں معلوم۔"

"آپ کو تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔" وہ روٹھا روٹھا سا لگ رہا تھا۔

"ارے میری جان۔" مریم نے اسے ایک دم اپنے ساتھ لگا لیا "ناراض ہو مجھ سے۔"

"اتنی دیر سے آ کر بیٹھا ہوا ہوں اور آپ پڑھ رہی ہیں۔" اس نے بدستور روٹھے روٹھے انداز میں کہا تو مریم نے اس کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

"آپ کو پتا ہے نا' میرا امتحان ہونے والا ہے اس لیے۔"

"اچھا۔" وہ از حد سنجیدہ لگ رہا تھا "آپ پڑھیں میں جا رہا ہوں عاشی بجو کے پاس۔"

"میں نے جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا۔ اب میں اپنے پیارے پیارے گپلو گپلو بھائی سے باتیں کروں گی۔" مریم نے اسے گدگدایا تو وہ ہنس پڑا۔

"مومو...... مت کریں نا' ایسا مجھے بہت ہنسی آتی ہے۔" اس نے مریم کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"نہیں' پہلے پرامس کرو اس طرح روٹھو گے نہیں۔"

"نہیں...... پرامس۔" اس نے جھٹ اپنا ہاتھ آگے کر دیا "ویسے میں آپ سے روٹھا نہیں تھا مومو۔ وہ تو یوں ہی۔"

وہ مسکرایا "ماما بھی نہیں ہیں...... پاپا بھی نہیں اور آپ دن رات پڑھتی رہتی ہیں...... تو پھر گھر آنے کا فائدہ۔"

اور تیمور نے پاپا کا نام کیا لیا' مریم کے اندر ایک ہوک سی اٹھی۔ اسے ایک دم پاپا یاد آ گئے اور کبھی کبھی پاپا کی کتنی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ گھر پر ہوتے تھے تو کتنا تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ اگرچہ ماما کے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتے تھے پھر بھی ماما جب بھی کوئی زیادتی کرتی تھیں یا اسے محسوس ہوتا تھا کہ ماما بلاوجہ اس کے ساتھ ضد کر رہی ہیں تو اس کی پرامید نظریں بار بار پاپا کی طرف اٹھتی تھیں۔

دل میں ایک آس سی ہوتی تھی۔

شاید پاپا ماما کو روکیں۔

نہیں سمجھائیں۔

اور پھر کبھی کبھی پاپا دبے لفظوں میں اس کی سائیڈ بھی لے لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ماما اس پر بہت جز بز ہوتی تھیں...... اور شرجیل مرزا کے معاملے میں تو پاپا نے اچھا خاصا اسٹینڈ لیا تھا...... اسے اچانک وہ دن یاد آ گیا۔

اور پھر ممی کا ڈیپریشن

ڈاکٹر عبدالمعید کی آمد

میڈم نرگس کے تبصرے

بیگم آفندی کی مسکراہٹیں

ایک ریل سی اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگی۔

اور اب اگر زندگی میں ایسا کوئی مرحلہ آ گیا تو......

تو کون اسٹینڈ لے گا اس کے لیے

ماما تو اپنے فیصلوں میں خود مختار ہوں گی۔

کون ہے اس کا ہمدرد اور بڑا۔

لمحہ بھر کے لیے تصور میں ڈاکٹر عبدالمعید اور پروفیسر عادل کے چہرے آئے۔

ڈاکٹر عبدالمعید عاشی کے منگیتر ہونے کے ناطے اس کے لیے بھائیوں جیسے تھے اور پروفیسر عادل پاپا کے بیٹے تھے شفیق اور مہربان۔

لیکن شاید دونوں ہی ماما کے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے اور ماما کا پتا نہیں کیا فیصلہ تھا...... وہ ایک دم بے چین سی ہو گئی۔

❀❀❀

چوہدری نثار اور ماں جی کو ماما نے کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا تھا۔

"ایک اور رشتہ بھی مریم کے لیے آ چکا تھا لیکن فی الحال میں نے انہیں بھی کوئی جواب نہیں دیا ہے...... میں سوچوں گی۔ فی الحال مریم پڑھائی کر رہی ہے۔ فارغ ہو جائے تو...... میں اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔"

"شہریار آپ کے سامنے ہے' دیکھا بھالا ہے۔ ڈاکٹر رافع اور ڈاکٹر ہادی سے اس کے متعلق پوچھ لیں۔ یقیناً سب تعریف ہی کریں گے۔" چوہدری نثار نے بڑے رسان سے کہا تھا "ہمیں آپ کی بیٹی اپنی بیٹیوں جیسی پیاری ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اسے ہمارے گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"بجا فرما رہے ہیں چوہدری صاحب لیکن میں نے کہا نا کہ دوران تعلیم میں اسے ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی۔"

"آپ کی بات بھی صحیح ہے لیکن ہمیں کچھ تسلی ہو جاتی تو...... پنی سے بے شک آپ ابھی ذکر نہ کریں"۔
لیکن ماما نے انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا تھا اور نہ ہی انہیں مایوس کیا تھا۔

"تمہاری ماما زبردست ڈپلومیٹ ہیں۔" شہریار نے فون پر اسے ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا" نہ آس دلائی ہے نہ ہی مایوس کیا ہے۔ ویسے......" بات کرتے کرتے اچانک اسے یاد آیا" یہ ہمارے رقیب روسیاہ کون ہیں۔ تم نے تو کبھی ذکر نہیں کیا کسی اور پرپوزل کا۔"

"مجھے تو خود نہیں معلوم۔ پتا نہیں شاید شرجیل مرزا ہوں۔"

"لیکن تم تو کہہ رہی تھیں' تمہاری ماما نے اسے منع کر دیا تھا۔"

"ہاں' منع کر دیا تھا۔ پھر پتا نہیں۔" وہ خود الجھی ہوئی تھی اور شہریار اس سے کہیں زیادہ الجھ رہا تھا۔

"مجھے لگ رہا ہے مریم' تمہاری ماما ہری جھنڈی نہ دکھا دیں۔"

"نہیں۔" وہ اسے یقین دلا رہی تھی لیکن خود بے یقین ہو رہی تھی۔

"خیر کر لیں گے انتظار' تمہاری پڑھائی مکمل ہونے کا بھی۔" شہریار' شگفتہ لہجے میں بات کر رہا تھا مگر اس کے لہجے میں چھپی اداسی نے مریم کو بھی اداس کر دیا تھا۔

اور ماما کے متعلق کوئی بھی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی تھی۔ نہ جانے کب کس وقت وہ کیا فیصلہ کر دیں۔ کب کس پر مہربان ہو جائیں۔

مریم کو ہر وقت دھڑکا لگا ہی رہتا تھا۔

اور چند ماہ کتنے خوش کن گزرے تھے۔

پاپا کی جدائی کا دکھ بھی کم ہو گیا تھا۔

لیکن اب ایک بار پھر ماما بے حد مصروف ہو گئی تھیں۔ زیادہ تر کراچی رہتی تھیں۔

ایک سیریل ختم ہوئی تو انہوں نے ایک اور سیریل کا ایگریمنٹ کر لیا تھا اور شاید بہت جلد وہ ایک نئی فلم بھی سائن کرنے والی تھیں۔ ان کی اور میڈم نرگس کی باتوں سے اس نے اندازہ لگایا تھا۔

اور اگر ماما نے اپنے آپ کو اتنا مصروف کر لیا تو پھر وہ ہمیں صرف اسکرین پر ہی دکھائی دیں گی اور یہ جو کبھی کبھی وہ دکھائی دے جاتی ہیں' ہم اس سے بھی محروم ہو جائیں گے...... اس نے دل گرفتگی سے سوچا تھا۔ ان دنوں وہ ماما کے لیے بہت حساس ہو رہی تھیں اور اپنے لیے بھی پریشان ہو رہی تھی۔

پتا نہیں' ماما نے اس کے لیے کیا سوچ رکھا تھا اور اس کی زندگی کے متعلق کیا فیصلہ کر رکھا تھا۔

کاش' وہ جان سکتی۔

"دیکھو' تم اپنے ذہن کو مت تھکاؤ۔" شہریار نے اسے سمجھایا تھا" اپنی ساری سوچیں اور ساری پریشانیاں مجھے دے دو اور تم صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔"

"لیکن شیری۔"

"میں ہوں نا موی' تمہاری فکر کرنے کے لیے...... اور میں اتنی آسانی سے تمہیں نہیں کھونے دوں گا...... تم ہو گی تو زندگی ہو گی...... نہیں ہو گی تو زندگی بھی نہیں ہو گی۔ زندگی سے لے کر موت تک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میرا یقین رکھو اور بس پڑھائی کرو...... تمہیں اپنا ریکارڈ برقرار رکھنا ہے اور اپنی ماما کو مایوس نہیں کرنا۔"

وہ ہر بات وقتی طور پر ذہن سے نکال کر اسٹڈی کر رہی تھی لیکن کبھی کبھی دل ایک دم پڑھائی سے اچاٹ ہو جاتا تھا اور انجانے وسوسے ذہن و دل کو جکڑ لیتے تھے۔

"مومو۔" تیمور نے پھر اسے اپنی طرف متوجہ کیا" آپ کیا سوچنے لگی ہیں؟"

"ہاں۔" اس نے چونک کر تیمور کی طرف دیکھا" کچھ بھی تو نہیں۔"

"تو پھر چلیں نا کہیں باہر لے چلیں۔"

"اچھا چلتے ہیں۔" اس نے اس کے گال تھپتھپائے" تم جا کر عاشی اور نینا کو کہو تیار ہونے کے لیے۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

"تھینک یو مومو۔" وہ ایک دم خوش ہو گیا" سچی بہت بوریت ہو رہی تھی...... ماما بھی تو روز فون پر کہہ دیتی ہیں کہ کل آؤں گی اور پھر آتی ہی نہیں۔"

"آ جائیں گی۔ بزی ہیں نا۔" مریم نے نرمی سے کہا" چلو تم لوگ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔"

"او کے۔" وہ تقریباً بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ مسکرا کر وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔

مریم جب تیار ہو کر باہر آئی تو نینا اور تیمور لاؤنج میں اس کے منتظر تھے۔

"اور عاشی کہاں ہے؟"

"بجو نہیں آئیں گی۔" نینا نے بتایا۔

"کیوں؟" مریم نے پوچھا اور جواب سنے بغیر عاشی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ عاشی آنکھیں بند کیے میوزک سن رہی تھی۔

"عاشی۔" مریم نے آہستہ سے آواز دی تو اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"آپ لوگ ابھی گئے نہیں؟"

"تم کیوں نہیں چل رہی ہو؟"

"موڈ نہیں ہے۔"

"ذرا سی آؤٹنگ ہو جاتی۔ مود بور ہو رہا تھا۔" مریم نے وضاحت کی" بس ذرا یہی پارلر تک جائیں گے۔"

"او کے...... مگر میرا موڈ نہیں ہے۔" اس نے آنکھیں پھر بند کر لیں۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' مریم نے پریشان ہو کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''اے ون۔'' اس نے پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور مسکرائی...... ''ڈونٹ وری۔''

''تو پھر ٹھیک ہے' کل چلے جائیں گے۔''

''نہیں بجو آپ جائیں پلیز مور کا موڈ خراب ہو جائے گا۔''

''ہاں...... اتنی جلدی ناراض ہو جاتا ہے۔'' مریم کے لہجے میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

''اوکے۔ پھر ہم جلدی آ جائیں گے۔''

''کمال کرتی ہیں بجو آپ۔''

عاشی ہنس دی۔

''میں کوئی بچی ہوں۔ آپ جائیں انجوائے کریں۔ کبھی کبھار تو نکلتے ہیں اور نینا' مور بہت اکتا رہے ہیں۔''

''اچھا...... خدا حافظ۔'' مریم ... جانے کے لیے مڑی۔

''ارے ہاں...... سنیں۔'' عاشی کو اچانک یاد آیا ''فون آیا تھا۔ ڈاکٹر شہریار کا۔''

''اچھا کب؟'' مریم کا دل زور سے دھڑکا اور آنکھوں میں جگنو سے چمکے۔

''آپ سو رہی تھیں میں نے جگایا نہیں اور پھر انہوں نے منع کر دیا تھا جگانے سے۔'' عاشی کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں ''یہ ڈاکٹر شہریار وہی ہیں نا رافع اسپتال والے؟''

''ہوں۔'' مریم نے سر ہلایا۔

''غالباً عینی آپی کے بھائی۔'' عاشی کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔

''کیا کہہ رہے تھے؟'' مریم اس کے مسلسل اس طرح دیکھنے سے گھبرا گئی۔

''کچھ نہیں' بس ماما کا پوچھا تھا اور آپ کی خیریت معلوم کی تھی۔'' عاشی نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں اور مریم اسے خدا حافظ کہتے ہوئے باہر چلی آئی۔

عاشی کے بغیر مریم کا جانے کو جی تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن نینا اور مور کے خیال سے وہ چلی آئی تھی۔

عاشی کے موڈ کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ پریشان سی ہو جاتی تھی۔ ان دو سالوں میں عاشی کے اندر بے حد چینج آئے تھے۔ بہت...... وہ بے تحاشا خوبصورت ہو گئی تھی۔ بالکل ماما کی طرح لگنے لگی تھی۔

وہ اس کے ساتھ کھڑی ہوتی تو اس سے لمبی لگتی تھی۔ کتنی خوبصورت ہائیٹ تھی۔

کتنی دلکش آنکھیں تھیں۔

وہ ساری کی ساری خوبصورت تھی اور کچھ کچھ مغرور بھی۔ اپنی ذات سے آگہی نے اس کے اندر ایک عجیب سی بے نیازی پیدا کر دی تھی۔

کبھی کبھی تو وہ ڈاکٹر عبدالمعید سے گھنٹوں باتیں کرتی۔ ان کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلتی...... ڈاکٹر ہادی

کے ساتھ گپیں لگاتی اور کبھی انہیں بالکل نظر انداز کر دیتی تھی۔ جیسے اپنے اور ان کے درمیان موجود رشتے سے قطعی انجان ہو...... ابھی کل رات ہی ڈاکٹر عبدالمعید نے کتنے مان سے اسے اپنے ساتھ لے چلنے کی درخواست کی تھی تاکہ اسے وہ گھر دکھا سکیں جو انہوں نے خریدا تھا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔''

''عاشی' وہ گھر تمہارا ہے...... میں اسے تمہاری مرضی سے ڈیکوریٹ کرنا چاہتا ہوں...... پلیز ایک بار چلو تو دیکھ لو۔''

''بجو کو لے جائیں۔'' وہ ان کی بات کا جواب دے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور ڈاکٹر عبدالمعید اداس سے ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے تھے۔

''سوری معید بھائی۔'' مریم کو افسوس ہوا تھا'' وہ بہت موڈی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا۔''

''اوکے۔ کوئی بات نہیں۔''

ڈاکٹر عبدالمعید مسکرانے لگے تھے لیکن مریم کا دل ان کے لیے کڑھتا رہا تھا۔ کیا تھا اگر عاشی ان کی اس چھوٹی سی خوشی کا احساس کر لیتی۔

امی پارلر سے انہیں آئسکریم کھلا کر غیر ارادی طور پر اس نے گاڑی عینی کے گھر کی طرف موڑ دی تھی...... اتنے سارے دن ہو گئے تھے شہریار سے بات کیے اور اس سے ملے۔ وہ تقریباً ایک ہفتے سے گاؤں گیا ہوا تھا...... اور شاید گاؤں سے آتے ہی اس نے فون کیا تھا۔ یقیناً وہ بھی اداس ہو رہا تھا۔ وہاں سب ہی انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''سچی مومو میں بہت اداس ہو رہی تھی تمہارے لیے۔ پوچھ لو ارسل سے۔ کل بھی میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے تمہاری طرف لے جائے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا کہ مصروف ہے۔'' اس کے رخساروں کو چومتے ہوئے عینی نے کہا۔

''توبہ توبہ۔'' ارسل نے عینی کو چھیڑا ''اسے کہتے ہیں منہ دیکھے کی محبت۔ ایک بار بھی اس نے آپ کے گھر چلنے کے لیے نہیں کہا۔ یہ کہتی اور میں نہ لے کر آتا اسے۔ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں ہمیں۔''

''ارسل۔'' عینی حیرت کی زیادتی سے چیخی ''اتنا بڑا جھوٹ۔ مومو سچی پوچھ لینا پھپھو سے۔ پھپھو بھی تھیں اس وقت جب میں نے اس سے تمہاری طرف چلنے کے لیے کہا تھا۔''

ارسل ہنستا رہا۔

''مریم' اس کی بات پر بالکل یقین نہ کیجیے گا۔''

مریم ہولے ہولے مسکراتی رہی۔

یہ محبت بھری چھیڑ چھاڑ اسے ہمیشہ ہی اچھی لگتی تھی اور وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی۔

نینا اور تیمور بھی بہت خوش تھے بلکہ تیمور نے تو تھوڑی سی دیر میں ارسل سے اچھی خاصی دوستی کر لی تھی اور اب مزے سے اس کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

عینی نے مریم کو اپنی پھپو سے بھی ملوایا۔

''یہ رضوانہ پھپو ہیں مومی۔ کچھ دن ہوئے پاپا انہیں گاؤں سے لائے ہیں۔''

بہت دلکش اور سوبر سی خاتون بہت محبت سے مریم سے ملیں۔

''اچھا تو یہ مریم ہے۔'' انہوں نے اسے ساتھ لپٹاتے ہوئے پیار کیا ''ماشاءاللہ عینی' تم نے اپنے لیے بہت پیاری بھابی ڈھونڈی ہے۔''

مریم کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

''جی۔'' عینی نے اپنے کالروں کو جھاڑنے کی ایکٹنگ کی۔

''یہ خدمت ہمارے لیے کب انجام دو گی۔ ہم تمہاری نظر کے قائل ہو گئے ہیں۔''

ارسل تیمور کے گرد بازو حمائل کیے بیٹھا شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''منہ دھو رکھو۔''

''وہ تو پہلے ہی دھلا دھلایا۔ کیوں پھپو۔''

''ہمارا بیٹا تو سچ مچ کا شہزادہ ہے۔'' رضوانہ پھپو نے اسے پیار سے دیکھا۔

''اچھا بھئی' تم لوگ باتیں کرو۔ میں ذرا بھابو کے پاس جا رہی ہوں کچن میں اور ارسل' تم ذرا آنا کچن میں۔ بھابو بلا رہی تھیں۔''

ارسل اٹھ کھڑا ہوا ''کیوں؟ اماں مجھ سے چائے بنوائیں گی؟''

''تم چلو تو۔'' رضوانہ پھپو ہنسیں ''کیا خبر کھانا بھی تم ہی سے پکوانا ہو۔''

''او کے۔ آؤ یار' تم بھی ذرا میری مدد کرنا۔'' وہ تیمور کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

''پتا ہے مومو۔ یہ ہماری رضوانہ پھپو ہیں نا پہلے ان کا نکاح سکندر چاچو سے ہوا تھا۔ پھر سکندر چاچو باہر چلے گئے اور پھر انہوں نے وہاں ہی شادی کر لی اور پھپو کو طلاق دے دی۔''

''مگر کیوں؟'' مریم کو حیرت ہوئی ''تمہاری پھپو ابھی بھی اتنی خوبصورت ہیں۔ ینگ ایج میں تو وہ اور بھی پیاری ہوں گی۔''

''ہاں اماں بتاتی ہیں کہ رضی پھپو بہت خوبصورت اور دلکش تھی اور چاچو انہیں پسند بھی کرتے تھے لیکن پھر وہاں جا کر وہ کسی دوسری عورت کے سحر میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اماں کہتی ہیں' وہ بھی بہت خوبصورت عورت تھی اور دولت مند بھی...... وہی چاچو کو باہر لے کر گئی تھی۔''

''اور اب......'' مریم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا ''اب وہ کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں انہوں نے کچھ ہی عرصے بعد چاچو سے علیحدگی لے لی تھی لیکن چاچو پھر واپس نہیں آئے اور رضوانہ پھپو کی بابا نے شادی کر دی تھی۔ ان کے ایک بیٹے ہیں مسرور نام ہے ان کا۔''

اور مریم کو افسوس ہوا کتنی سوبر اور دلکش خاتون ہیں...... اور عینی کے چاچو اس قدر بے وفا شخص ہیں...... مگر بڑی امی بھی تو بڑی دلکش اور سوبر سی ہیں اور پاپا نے بھی تو ماما سے شادی کی تھی اور مرد کا کیا پتا کب کس وقت سب کچھ بھلا دے پاپا کتنے نرم خو تھے لیکن انہوں نے بڑی امی کو دکھ دیا اور سکندر چاچو ...میں وہ بھی کتنے سمپل سے لگتے ہیں۔ بالکل پاپا کی طرح شفیق سے۔ دو تین بار وہ ان سے ملی تھی۔ سرسری سی ملاقات تھی لیکن وہ اسے پاپا اور بابا کی طرح ہی لگے تھے...... لیکن انہوں نے رضوانہ پھپو کو دکھ دیا۔ اور رضوانہ پھپو نے پتا نہیں' اس صدمے کو کس طرح برداشت کیا ہوگا۔ اس کا جی چاہا وہ رضوانہ پھپو سے پوچھے لیکن کیا۔ وہ اپنی سوچ پر خود ہی نادم ہو گئی۔ کیسی الٹی سیدھی باتیں اس کے دماغ میں آتی رہتی تھیں۔ اب جب سے عینی نے اسے رضوانہ پھپو کے متعلق بتایا تھا' اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ان سے پوچھے کہ جب سکندر چاچو نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ کس طرح زندہ رہیں۔ کیسے اپنے آپ کو سنبھالا...... کیا خبر کبھی...... کبھی اسے بھی اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا تو...... شہریار کے بغیر رہنا پڑا تو......

اف او کس قدر... بری سوچ تھی اس کی...... اس نے خود کو سرزنش کی۔

''شیری بھائی تو اسپتال میں ہیں۔'' عینی نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' مریم چونکی۔

''آج دیر سے آئیں گے شاید۔''

''میں تم سے ملنے آئی ہوں۔''

''ہی آئی تو مجھ سے ہی ملنے ہو مانا لیکن اگر شیری بھائی سے بھی ملاقات ہو جاتی تو کیا حرج تھا۔''

''ہاں حرج تو کوئی نہیں تھا مگر خیر۔'' مریم نے اسی لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے اتنی جلدی...... ابھی تو چائے بھی نہیں پی اور اماں تو کھانے کا انتظام کر رہی ہیں...... یار کھانا کھا کر جانا نینا اور مور بھی ہیں۔''

''نہیں' کھانے تک تو کیا' میں تو چائے کے لیے بھی نہیں رکوں گی۔ وہ عاشی گھر میں اکیلی ہے نا۔''

پھر سب نے ہی اسے روکا...... ''بیٹا کھانا کھا کر جانا۔'' چوہدری نثار بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔

''اتنے دنوں بعد آئی ہو اور پھر یہ ہمارے ننھے منے بچے بھی آئے ہیں۔''

''نہیں بابا۔ وہ عاشی سے میں نے جلد آنے کو کہا تھا۔''

''تو عاشی کو فون کر دو۔ ارسل اسے بھی جا کر لے آتا ہے۔''

''نہیں...... آج اس کا موڈ نہیں تھا کہیں جانے آنے کا۔ وہ نہیں آئے گی۔''

اور پھر وہ سب کے اصرار کے باوجود کھانے تک نہ رکی۔

''عاشی گھر میں اکیلی تھی اور پاپا نے اسے کہا تھا' زینی کی اپنی مصروفیات ہیں۔ تم خیال رکھنا سب کا زیادہ دیر تک باہر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اگرچہ معید بھائی بھی آ گئے ہوں گے اور انکل ہادی بھی لیکن امید نہیں' عاشی کمرے سے باہر نکلی ہو۔ جب سے چھٹیاں ہوئی تھیں اور وہ لوگ گھر آئے تھے تو وہ خاصی چڑچڑی سی ہو رہی تھی شاید ماما کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے لاشعوری طور پر اس طرح بی ہیو کر جاتی تھی۔ ابھی ان سب کو ماما کی کتنی ضرورت تھی۔ ان کی موجودگی کی۔ گھر میں اتنے سارے لوگ تھے پھر بھی ماما کے بغیر گھر کیسا خالی خالی لگتا تھا۔ ماما ہوتی تھیں تو رونق لگی رہتی تھی اب وہ دو تین دن کے لیے آتی بھی میں تو خوب رونق ہو جاتی۔

تیمور اور نینا سارا راستہ چہکتے رہے۔

''ارسل بھائی کے ساتھ بہت مزہ آیا بجو۔ ہم نے کرکٹ بھی کھیلی اور میں نے دوسری ہی بال پر انہیں آؤٹ کر دیا۔''

وہ بے دھیانی سے ہوں ہاں کرتی رہی۔

تیمور مسلسل بولتا رہا۔ وہ بے حد خوش تھا جب سے وہ مری سے آیا تھا' پہلی بار مریم نے اسے اتنا خوش دیکھا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ اتنے دنوں سے وہ پڑھائی میں اتنی مصروف ہو گئی تھی کہ اس نے دھیان ہی نہیں دیا کہ انہیں آؤٹنگ کے لیے کہیں لے جایا جائے۔

''موموـ'' تیمور نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا ''آپ کل بھی ہمیں لے جائیں گی آؤٹنگ کے لیے؟''

''ہاں کل بھی۔'' وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور گیٹ کے سامنے ہارن بجایا چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تو پورچ میں ڈاکٹر عبدالمعید کی گاڑی کے ساتھ ایک اور گاڑی دیکھ وہ چونکی۔

''یہ گاڑی تو......''

''انکل فجی کی ہے۔'' تیمور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی بات مکمل کی اور اندر کی طرف بھاگ گیا۔

''شرجیل مرزا کب آئے ہیں؟'' گاڑی لاک کر کے اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

''کافی دیر ہو گئی ہے۔''

''تو تم نے بتایا نہیں تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔''

''بتایا تو تھا۔ کہنے لگے انتظار کر لوں گا۔ آپ سے کوئی کام تھا جی۔''

''ہوں۔''

وہ نینا کے ساتھ اندر آئی۔ تیمور ٹی وی لاؤنج میں کھڑا عاشی کو آوازیں دے رہا تھا۔

''عاشی آپی۔ عاشی آپی کدھر ہیں آپ؟ آ جایئے ہم آ گئے ہیں۔''

''وہ جی ڈرائنگ روم میں ہیں۔'' صفو نے کچن سے نکل کر بتایا تو مریم ٹی وی لاؤنج کی طرف جاتے جاتے ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گئی۔

شرجیل مرزا کے بالکل سامنے عاشی بیٹھی اس کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔

''آہا...... مس مریم آیئے۔'' شرجیل مرزا اٹھ کھڑا ہوا ''بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔''

''خیریت...... کیسے آنا ہوا...... ماما تو ابھی تک کراچی میں ہیں۔ شاید اس ماہ کے اینڈ میں آئیں گی...... آپ کو تو معلوم ہی ہو گا۔''

اس کے پرتپاک خیر مقدم کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے مریم نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''مگر میں تو آپ سے ملنے آیا تھا مس مریم......'' شرجیل مرزا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''جی فرمایئے۔'' مریم ابھی تک کھڑی تھی۔

''آپ بیٹھیے نا' اطمینان سے بات کرتے ہیں۔''

مریم نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور عاشی کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''دراصل۔'' شرجیل مرزا بھی بیٹھ گیا ''میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ اس روز جب آپ کی ماما جا رہی تھیں تو آپ نے مجتبیٰ صاحب کو بتایا تھا کہ آپ اپنی ایجوکیشن مکمل کرنے کے بعد جاب کرنا چاہتی ہیں تو......'' اس نے کن انکھیوں سے مریم کی طرف دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کی بات سن رہی تھی۔

''تو دراصل بات یہ تھی کہ میری پرسنل سیکریٹری جاب چھوڑ کر باہر چلی گئی ہے تو یہ سیٹ خالی ہے میں سوچ رہا تھا کہ ایک دو ماہ کی تو بات ہے' آپ پڑھائی سے فارغ ہو جائیں تو یہ سیٹ آپ کے لیے رکھی جا سکتی ہے اگر آپ انٹرسٹڈ ہوں۔''

''سوری' میں بالکل انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔''

''مگر آپ تو خود کہہ رہی تھیں اس روز جاب کرنے کا۔ مسز عثمان کی وجہ سے میں نے سوچا کہ گھر کی بات ہے' ایک دو ماہ تک یونہی کام چلا لوں گا۔ جاب ملنا کوئی آسان تو نہیں ہے۔''

''جی بجا فرمایا آپ نے لیکن میں کوئی معزز جاب کرنے کو کہہ رہی تھی۔''

''ارے' یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ پرسنل سیکریٹری کی جاب معزز نہیں ہے۔''

''عاشی آپی۔ عاشی آپی۔'' ٹی وی لاؤنج سے پھر تیمور کی آواز آئی ''جلدی آیئے آپ کا پسندیدہ پروگرام آ رہا ہے۔''

عاشی اٹھ کھڑی ہوئی "اچھا انکل میں جا رہی ہوں۔ مور بلا رہا ہے۔"

"اوکے گڑیا...... پھر سوچنا میری بات کو۔"

عاشی سر ہلا کر چلی گئی تو مریم نے سوالیہ نظروں سے شرجیل کو دیکھا۔

"کیا بات؟"

"بھئی یہ ہماری آپس کی بات ہے۔" وہ بائیں آنکھ کا کونا دبا کر ہنسا۔

"کیا پٹی پڑھا رہے تھے آپ عاشی کو۔"

"یہ تو تم اسی سے پوچھنا۔" عاشی کے جاتے ہی وہ بے تکلفی پر اتر آیا" اس وقت تو ادھر دیکھو ہماری طرف...... سچ ترس جاتے ہیں تمہاری صورت دیکھنے کو۔"

"میرے خیال میں آپ کی بات ختم ہو چکی ہے اب آپ جائیں۔" مریم نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا" اور مجھے آپ کی جاب سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی

"ارے ارے۔" شرجیل نے یوں ہاتھ آگے بڑھایا جیسے اسے جانے سے روک رہا ہو" جاب تو ایک بہانہ تھی۔ ہم تو تمہاری خاطر آئے تھے اور اب جی بھر کے شربت دیدار تو پینے دو۔ پیاسے ہیں۔"

ضبط کی کوشش میں اس کے رخسار تمتما اٹھے اور ہونٹ لرزنے لگے۔

"پلیز آپ ابھی اسی وقت یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ......"

"کیوں خفا ہوتے ہو پیارے مرے نظارے سے۔" شرجیل مرزا آنکھیں میچ میچ کر گنگنایا۔

"شریف۔" مریم نے آواز دی۔

"شریف کو کیوں آواز دیتی ہو حکم کرو تو کنوئیں میں چھلانگ لگا دیں گے۔"

"تو جناب۔" مریم نے دانت پیستے ہوئے کہا "میرا حکم ہے کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں اور آیندہ ماما کی عدم موجودگی میں یہاں آنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

"ضرورت...... ہماری ضرورت کیا ہے۔" شرجیل مرزا نے ایک ٹھنڈی آہ بھری "وہ کیا کہتے ہیں کہ...... اس قدر معصوم ہے وہ......"

مریم پوری بات سنے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی اور ٹی وی لاؤنج میں کھڑے ہو کر شریف کو آواز دی "شریف شرجیل صاحب کو گیٹ تک چھوڑ آؤ۔"

"کہاں ہیں جی وہ؟" جھاڑن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے شریف نے اِدھر اُدھر دیکھا تب ہی شرجیل مرزا ڈرائنگ روم سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔

عاشی نینا اور مور بہت دھیان سے ٹی وی پر "بلیک بیوٹی" دیکھ رہے تھے۔

"ہیلو نینا اور مور۔" مریم کو نظر انداز کر کے شرجیل مرزا نے ان دونوں کو مخاطب کیا۔

"ہیلو انکل۔" دونوں نے بہ یک وقت کہا۔

"ہاؤ آر یو۔"

"فائن۔" وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھے۔

"اور عاشی گڑیا...... خدا حافظ۔" اس نے مریم کو دیکھتے ہوئے آنکھ کا کونا دبایا۔

"بلیک بیوٹی" عاشی کا بھی پسندیدہ پروگرام تھا۔

"شریف۔" اندرونی گیٹ بند کر کے وہ ٹی وی لاؤنج سے گزرا تو مریم نے اسے آواز دی۔ وہ ابھی تک ٹی وی لاؤنج کے وسط میں کھڑی تھی۔

"جی۔"

"سنو۔ شیر دل سے کہہ دو کہ جب تک ماما نہیں آتیں اس شخص کو گیٹ پر سے ہی واپس کر دے۔"

"کیوں جی؟" شریف نے آنکھیں پھیلائیں "کیا ہوا جی۔"

"میں نے جو کہا ہے وہ کرو۔ یہ شخص آیندہ ماما کی عدم موجودگی میں نہیں آئے گا۔" مریم کا خون کھول رہا تھا ورنہ اس نے اونچی آواز میں کبھی بات نہیں کی تھی۔

"کیا ہوا بجو؟" عاشی چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"کچھ نہیں۔" پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھتے ہوئے وہ بیٹھ گئی۔

"آپ نے یہ شریف سے کیا کہا ہے؟" عاشی اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

"کچھ نہیں۔ ماما نہیں ہیں نا۔ اس لیے میں نے منع کیا ہے۔" حتیٰ الامکان اپنے لہجے پر قابو پاتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا۔

"مگر انکل شجی تو اچھے آدمی ہیں۔"

"ہاں...... تم...... تم سے کیا بات کی تھی انہوں نے۔"

"کچھ نہیں...... کوئی خاص نہیں۔ بس ایسے ہی گپ لگاتے رہے۔"

"لیکن وہ کیا بات سوچنے کو کہہ رہے تھے؟" مریم کی پرسوچ نظریں عاشی کے چہرے پر تھیں۔ سادہ سے بلیو سوٹ میں اس کی گلابی رنگت بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی۔

"اوہ ہاں......" عاشی کی آنکھیں چمکنے لگیں "وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں اپنے ایک ایڈ کے لیے ماڈل کی ضرورت ہے اور میں بالکل ویسی ہی ہوں جیسی ماڈل کی انہیں ضرورت ہے۔ کم سن خوب صورت اور معصوم۔"

مریم نے اندر ہی اندر دانت پیسے "فضول...... تم نے منع کر دیا نا کہ......"

"نہیں...... میں نے کہا تھا ماما سے پوچھوں گی۔ سچی بجو کتنا اچھا لگے گا اپنے آپ کو اسکرین پر

دیکھنا..... وہ کہہ رہے تھے کہ میری اسکرین بیوٹی بہت اچھی ہے۔"

"تم..... عاشی تم، آئندہ کبھی اس شخص سے بات نہیں کرو گی اور نہ ہی تمہیں ماڈلنگ وغیرہ کرنا ہے اور پھر معید بھائی بھی اسے پسند نہیں کریں گے۔"

عاشی نے قدرے حیرت سے مریم کو دیکھا۔

"کیوں، ماما بھی تو ماڈلنگ کرتی رہی ہیں بھلا اس میں کیا برائی ہے.....اور پھر معید تو بہت اچھے ہیں وہ بھلا کیوں منع کریں گے۔"

"عاشی..... میں کہہ رہی ہوں نا تم سے.....نہیں کرو گی تم آئندہ اس شخص سے بات۔"

عاشی نے ایک نظر مریم کی طرف دیکھا اور کندھے اچکا کر دوبارا فلور کشن پر جا کر بیٹھ گئی۔

"اور کس قدر کمینہ ہے یہ شخص۔" مریم نے سوچا۔"اب عاشی کو ورغلا رہا ہے.....اور عاشی اتنی معصوم ہے کہ....."

"خیر ماما عاشی کو اس وقت تک ماڈلنگ کی اجازت نہیں دیں گی جب تک وہ پڑھ رہی ہے۔" اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

ایک بار جب پہلے بھی شرجیل مرزا نے ماما سے خود مریم کے لیے بات کی تھی کہ وہ اسے بطور ماڈل متعارف کرانا چاہتا ہے تو ماما نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"اور پتا نہیں یہ شخص کیا چاہتا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبایا۔

ایک دم ہی درد سا اٹھا تھا۔ ماما کی طرح اسے بھی اکثر پریشانی میں درد شروع ہو جاتا تھا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے سیڑھیوں سے اترتے اترتے سب کو مخاطب کیا۔

"ہیلو معید بھائی۔" تیمور دوڑ کر ان سے لپٹ گیا۔

ڈاکٹر عبدالمعید کی عادت تھی کہ اگر وہ وقت پر کلینک سے آ جاتے تو آرام کے بعد اس وقت کچھ دیر ان کے پاس آ کر بیٹھتے تھے..... اس وقت بھی وہ گھریلو لباس میں تھے۔ پاؤں میں چپل تھے اور شلوار کرتا پہنے ہوئے تھے۔ ان کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی ہی ہو گئی تھی۔

"آیئے معید بھائی، بہت اچھی مووی ہے۔" نیتا نے بھی مڑ کر انھیں دیکھا۔

"اچھا۔" وہ تیمور کا ہاتھ تھامے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ عاشی اور مریم نے انہیں سلام کیا۔ لمحہ بھر کے لیے ان کی نظروں نے عاشی کے چہرے کا طواف کیا پھر وہ مریم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"اچھی ہو رہی ہے۔" مریم تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

"خیریت مریم! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"جی۔" مریم نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"لیکن مجھے آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔ ماما تو ٹھیک ہیں نا۔ کوئی فون آیا تھا کیا؟"

"نہیں تو..... ماما کا بھی فون نہیں آیا دو تین دن سے۔"

"مگر آپ کچھ الجھی الجھی سی لگ رہی ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنا نہیں سمجھتیں..... مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھیں۔"

مریم نے تشکر سے انہیں دیکھا۔ ڈاکٹر عبدالمعید کی اس اپنائیت نے اندر ہی اندر اسے بہت مطمئن کر دیا تھا۔

"جی وہ شجی صاحب آئے تھے۔ انہوں نے کچھ بولا ہے بی بی کو۔" شریف۔ جو ابھی ابھی ٹی وی لاؤنج میں آیا تھا اس نے ڈاکٹر عبدالمعید کو بتایا تو مریم نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"شریف، تمہیں فضول بولنے کی عادت ہے۔"

"مریم۔" ڈاکٹر عبدالمعید پریشان ہو گئے "کیا کہا ہے اس ربش آدمی نے؟ مجھے کیوں نہیں بلوالیا..... جب اس نے کچھ کہا تھا۔ میں تھا نا اوپر آپ کو پتا نہیں.....اور میں کس لیے شفٹ نہیں کر رہا یہاں سے گھر لینے کے باوجود..... صرف اس لیے کہ آپ کی ماما نہیں ہیں اور انکل نے وعدہ کیا تھا ان سے کہ ہم لوگ آپ کا خیال رکھیں گے۔ پھر....." وہ ایک دم تیز تیز بولتے گئے....."اور اس کی جرات کیسے ہوئی کچھ کہنے کی۔"

مریم کو ڈاکٹر عبدالمعید پر فخر محسوس ہوا۔

"عاشی، کیا بات ہوئی ہے؟" مریم کو خاموش دیکھ کر وہ عاشی کی طرف مڑے۔

"مجھے تو معلوم نہیں۔" عاشی نے نظریں اٹھائیں "شاید بجو کو ان کا ماما کی عدم موجودگی میں آنا اچھا نہیں لگا۔"

"مریم فار گاڈ سیک چپ کیوں ہو۔ اس نے اگر کوئی فضول حرکت کی ہے تو میں اس شخص کو قتل بھی کر سکتا ہوں۔"

"تھینک یو معید بھائی، مجھے آج سچ مچ اس بات پر فخر محسوس ہو رہا ہے کہ آپ میرے بھائی ہیں.....بس مجھے مناسب نہیں لگا کہ وہ ماما کی عدم موجودگی میں یہاں آئیں، سو میں نے منع کر دیا آنے کو اور شریف سے بھی یہی کہا تھا کہ شیر دل کو سمجھا دے کہ جب تک ماما نہیں ہیں، وہ یہاں نہ آئیں۔"

"بہت اچھا کیا تم نے مریم۔ یہ شخص شرجیل مرزا انتہائی خبیث آدمی ہے اگر کبھی بھی کوئی مسئلہ ہو تو پلیز مریم، مجھ سے، انکل سے یا ڈیڈی سے کسی سے بھی کہتے ہوئے مت جھجکنا.....ہم سب آپ کے ہیں....."

"موموز دیکھو بلیک ہارس زخمی ہو گیا۔" تیمور نے بتایا تو مریم ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی لیکن مووی ختم ہو گئی تھی۔

"مجھے گھوڑے بہت اچھے لگتے ہیں۔" تیمور نے معید سے پوچھا "آپ کو رائیڈنگ پسند ہے؟"

''بہت۔''

''اچھا۔''

عاشی بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''میں ماما سے کہوں گا' مجھے ایک گھوڑا لے دیں۔ بلیک بیوٹی۔''

''ماما کبھی تمہیں گھوڑا لے کر نہیں دیں گی۔'' نینا ہنسنے لگی ''انہیں گھوڑے پسند نہیں ہیں۔''

''تو کیا ہوا' میں عادل بھائی سے کہوں گا...... ان کے پاس تو گھوڑے ہیں۔ وہاں گاؤں میں ایک روز انہوں نے مجھے دکھائے تھے۔''

''اچھا'' ڈاکٹر عبدالمعید اس سے باتیں کرنے لگے۔ وہ اپنے بچپن کی کوئی بات بتانے لگے۔ جب وہ پہلی بار گھوڑے پر بیٹھے تھے تو عاشی اور مریم بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

❀❀❀

ہائے کرولے والی ندی زناٹے لیے آئے
جب ندی کا پانی میرے پاؤں تلے آئے
مجھے گودوں لے لو سانوریا میری پائل بھیگی جائے
ہائے کرولے والی ندی زناٹے لیے آئے
جب ندی کا پانی میرے گھٹنے تلے آئے
مجھے گودوں لے لو سانوریا میری گھگری بھیگی جائے
ہائے کرولے والی ندی زناٹے لیے آئے
جب ندی کا پانی میری کمر تلے آئے
مجھے گودوں لے لو سانوریا میری چولی بھیگی جائے
ہائے کرولے والی ندی زناٹے لیے آئے
جب ندی کا پانی سر سے گزر جائے
مجھے دھکا دے دو سانوریا
میرا ابا پیچھے آئے

خدا بخش اونچی آواز میں گا رہا تھا اور ارسلان اور ارمغان تالی بجاتے ہوئے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ مسرور اور تصدق ایک کونے میں بیٹھے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے کہ پروفیسر عادل کمرے میں داخل ہوئے۔

''یہاں تو بڑی رونق لگا رکھی ہے آپ نے۔''

ارسلان اور ارمغان کھڑے ہوگئے۔

''کیسے ہو بھئی تم لوگ۔'' انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس صوفے کی طرف بڑھ گئے۔ جدھر مسرور اور تصدق احمد بیٹھے تھے۔ دونوں سے مصافحہ کرکے وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

''ہاں تو ارسلان صاحبان' کیا ہو رہا ہے آج کل؟''

''کچھ نہیں سر۔ بالکل فارغ ہیں۔'' ارسلان نے بتایا۔

''کوئی جاب وغیرہ نہیں کی؟''

''سر جاب ملنا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''خیر تم تو یہ نہ کہو ارسل' تمہیں تو بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔''

مسرور نے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن میں ایسی جاب نہیں کر سکتا مائی ڈیر کزن جس میں دل ذہن اور ضمیر کو فروخت کرنا پڑے۔''

''پرائیویٹ جاب تھی کیا......؟'' پروفیسر عادل نے پوچھا۔

''جی سر لیکن سارا کا سارا عملہ ہی کرپٹ تھا اور سب چاہتے تھے کہ میں بھی ان کے رنگ میں رنگ جاؤں لیکن میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ دو ماہ میں ہی انہوں نے مجھے بھگا دیا وہاں سے۔'' وہ ہنسا۔

''خیر دیکھیں گے انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا اور ارمغان میاں' تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟'' وہ ارمغان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''میں تو آپ کے نقش قدم پر چل رہا ہوں۔ شروع ہی سے میرا ارادہ ایجوکیشن میں آنے کا ہے۔ پبلک سروس کمیشن کا ٹیسٹ اور انٹرویو تو دے دیا ہے۔ دیکھیں کیا رزلٹ آتا ہے۔''

''انشاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔'' پروفیسر عادل نے اسے حوصلہ دیا اور پھر تصدق احمد کی طرف متوجہ ہوگئے

''جی تصدق میاں' اب آپ کے کیا ارادے ہیں۔ ڈراما تو ہو گیا اور پذیرائی بھی مل گئی۔''

''ہاں کچھ کچھ۔'' تصدق احمد افسردہ سے تھے۔

''آپ کی توقع سے کم لیکن تصدق احمد میرے خیال سے اتنی پذیرائی کا ملنا بھی بہت ہے۔ ان حالات میں جب دیکھنے والے ایک مخصوص انداز کا تھیٹر دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں' اتنی پذیرائی کا ملنا بھی غنیمت ہے۔''

''میرے خیال میں۔'' مسرور نے تبصرہ کیا ''ہمارا ایجوکیٹڈ طبقہ تھیٹر بہت کم دیکھتا ہے۔ تھیٹر دیکھنے والے زیادہ تر لوگ ایسے طبقے سے ہیں جو اس طرح کی پھکڑ بازی پسند کرتے ہیں اور مذاق...... بعض اوقات تو بہت چیپ ہو جاتا ہے۔''

''ہاں۔'' ارسلان نے بھی حصہ لیا ''جو لوگ.... اسٹیج ڈراما کر رہے ہیں وہ مجبور ہیں۔ مانگ ہی اس

طرح کی ہے۔"

"نہیں' ارسلان میاں' میں اس جواز کو نہیں مانتا۔ ہم انہیں ایجوکیٹ کر سکتے ہیں' اچھے پلے دے کر مگر وقت لگے گا۔"

"لیکن جب مسلسل وہ بہتر سے بہتر کی طرف آئیں گے تو خود ان کا رجحان بدلتا جائے گا۔" تصدق احمد نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے کیا کوئی مزید......؟"

"نہیں' فی الحال تو نہیں۔" تصدق احمد نے ان کی بات کاٹی "ایک مخصوص گروپ کی پذیرائی کے باوجود اداکاروں وغیرہ کے معاوضے ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچا۔"

"خدا بخش یار' چائے وغیرہ پلانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"

خدا بخش جو دھیان سے ان کی باتیں سن رہا تھا فوراً کھڑا ہو گیا۔

"جی نہیں۔ کیوں نہیں۔"

"تصدق بھائی' اب کے کوئی پلے کیا تو اپنے خدا بخش کو کوئی رول دینا۔" مسرور نے مسکرا کر اسے دیکھا "اسے تھیٹر کا بہت شوق ہے۔"

"ضرور۔" تصدق احمد نے بھی مسکرا کر خدا بخش کی طرف دیکھا۔

"آپ نے تو کھانا بھی نہیں کھایا دن کو۔ کھانا بھی لاؤں آپ کے لیے؟"

"نہیں' چائے پیوں گا۔"

"سر ہمیں تو اجازت دیں۔" ارسلان اور ارمغان کھڑے ہو گئے۔

"چائے پی کر جانا۔"

"نہیں سر۔ چائے پھر کبھی سہی۔ بہت دیر سے ہم آئے بیٹھے تھے۔"

"سوری بوائز۔ میں دراصل صبح فیصل آباد چلا گیا تھا۔ وہ ماں جی پتا نہیں کیوں ان دنوں واہموں میں پڑی ہوئی ہیں' بس وہاں سے آتے آتے دیر ہو گئی۔"

"مسرور تم تو رکو گے نا...... یا تم بھی؟" انہوں نے مسرور کی طرف دیکھا۔

"سر' میں ابھی تو ہوں البتہ رات کو مجھے جانا ہو گا۔ دراصل امی آج کل آئی ہوئی ہیں۔"

"کہاں یار' تم نے بتایا بھی نہیں۔ چیک اپ وغیرہ کروایا۔"

"جی' ماموں جان خود جا کر لے کر آئے ہیں۔ وہ تو آ ہی نہیں رہی تھیں اور شیری لے گیا تھا' چیک اپ کے لیے۔"

"کیا پتا چلا۔"

"دمے کی تکلیف ہے اور کمزوری ہے۔"

"اچھا خیال رکھا کرو ان کا......اور ارسل میاں' تم لوگ بھی رک جاتے۔ مسرور کے ساتھ ہی چلے جاتے۔"

"پھر حاضر ہوں گے سر۔ آج شیری کے کسی دوست کے ولیمے کا فنکشن ہے' ادھر جانا تھا۔"

"او کے پھر۔" انہوں نے بیٹھے بیٹھے ہی انہیں خدا حافظ کہا۔

"آپ کب ایسا کوئی فنکشن کر رہے ہیں سر؟" تصدق احمد اگرچہ بہت سنجیدہ مزاج کا تھا اور پروفیسر عادل کے ساتھ بے تکلف بھی نہیں تھا۔ لیکن بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"میں۔" پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی اور تصور میں مریم کا چہرہ آ گیا۔

"مریم......" دل ہی دل میں انہوں نے اس کا نام دہرایا۔

اس نام میں کتنی حلاوت تھی۔

کتنی مٹھاس تھی۔

دن میں نہ جانے کتنی بار وہ دل ہی دل میں اس نام کو دہراتے تھے اور پھر اس کی حلاوت دیر تک محسوس کرتے رہتے تھے۔ کتنا جی چاہتا تھا ان کا کہ دیر تلک وہ اسے سامنے بٹھائے اس سے باتیں کریں۔

اسے اپنی راتوں کی بے چینیوں اور دنوں کی بے کیفی کا حال بتائیں۔

اسے بتائیں کہ کیسے وہ صرف ایک تصور تھی اور پھر یہ تصور اسے دیکھ کر ایک شبیہ میں ڈھل گیا تھا۔ کتنی افسانوی سی بات ہوئی تھی ان کے ساتھ کہ انہوں نے بس اسے ایک نظر دیکھا تھا اور دل نے گواہی دی تھی کہ یہی ہے وہ جس کا مدتوں انہوں نے انتظار کیا تھا اور جس کے انتظار میں وہ کہیں رکے نہیں تھے۔ کہیں قیام نہ کیا تھا اور اب وہ ملی تھی تو یہ کیسی مصلحتیں تھیں جو انہیں کچھ کہنے سے روک رہی تھیں اور جانے کب وہ اس سے کچھ کہہ پائیں گے۔

جب سے آس بندھی تھی اضطراب میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کئی بار بے اختیار اسے دیکھنے اس سے باتیں کرنے کو جی چاہا تو وہ زینب ولا جانے کے ارادے سے گھر سے نکلے لیکن پھر کبھی آدھے راستے سے اور کبھی گھر کے پاس سے پلٹ آئے۔

"بچے بھی تو نہیں ہیں' کیا کہوں گا کیوں آیا ہوں' کس لیے آیا ہوں۔"

اس روز بھی وہ یوں ہی گھر کے پاس سے پلٹ رہے تھے کہ میڈم نرگس نے انہیں دیکھ لیا۔ ان کی گاڑی زینب ولا سے باہر آ رہی تھی۔

"عادل میاں۔" انہوں نے سر باہر نکال کر اتنے زور سے آواز دی کہ پروفیسر عادل نے جو گاڑی ریورس کرنے لگے تھے چونک کر ادھر دیکھا تو میڈم نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا اور پھر اتر کر ان کے پاس آ ئیں۔

"ارے آپ چپکے چپکے کہاں بھاگے جارہے ہیں۔"

"کہیں نہیں۔" وہ دل ہی دل میں نادم سے ہوگئے تھے۔ جانے میڈم کیا سمجھیں گی۔

"دراصل ادھر ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ بے دھیانی میں کچھ آگے نکل آیا جب کہ ان کا گھر پچھلے بلاک میں ہے۔ اب ریورس کرنے لگا تھا۔"

"چلیے صاحب! بے دھیانی میں ہی سہی اب آ ہی گئے ہیں تو کچھ دیر غریب خانے کو بھی رونق بخشیے۔ بھئی! اب تو آپ اس گھر کے ہونے والے داماد ہیں۔ کیوں زینی؟" انہوں نے پیچھے مڑ کر زینب عثمان سے کہا تھا جو خود بھی گاڑی سے اتر آئی تھیں۔

ٹن ٹن ٹن۔ ان کے اندر جلترنگ سے بج اٹھے تھے۔

اور ان کو اِدھر اُدھر، یہاں وہاں ہر جگہ چراغاں ہوگیا تھا۔ اگر وہ کسی مملکت کے بادشاہ ہوتے تو میڈم کو اس اتنی خوبصورت بات پر جانے کیا عنایت کر دیتے۔

"ہاں ضرور۔ آیئے نا عادل۔" زینب عثمان نے بھی مسکرا کر انہیں دعوت دی۔

"کیسی ہیں آپ؟" دروازہ کھول کر وہ باہر آگئے۔

"فائن۔" زینب عثمان نے ان کا سرتاپا جائزہ لیا "ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے کبھی کبھی چکر لگا لیا کریں۔ کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"وہ دراصل۔" اس غیر متوقع آفر پر وہ کچھ سٹپٹا سے گئے تھے "بچے نہیں تھے نا تو...... ورنہ ان سے ملنے تو آتا ہی ہوں۔"

"بچے بھی ایک دو روز میں آجائیں گے مگر کیا ہمارا کوئی حق نہیں۔"

"جی کیوں نہیں، ضرور حاضر ہوں گا کسی وقت۔"

"مگر ابھی کیا حرج ہے۔" میڈم نرگس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔

"نہیں حرج تو کوئی نہیں لیکن شاید آپ لوگ کہیں جارہے تھے۔"

"کہیں کسی خاص جگہ نہیں۔" میڈم نرگس نے ہی جواب دیا "یوں ہی بس آؤٹنگ کے لیے نکلے تھے۔ آپ آئیں کچھ دیر بیٹھیں، آؤٹنگ تو روز ہی ہوتی ہے اور آپ سے ملاقات روز نہیں ہوسکتی۔"

"ہاں ہاں آیئے۔" زینب عثمان غالباً میڈم نرگس کی بات رد نہیں کرسکتی تھیں، شاید بہت ہی گہری دوستی تھی۔

"کبھی کبھی آرزوئیں اس طرح اچانک بھی پوری ہوتی ہیں......" زینب ولا کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے پروفیسر عادل نے سوچا تھا۔

کتنا جی چاہ رہا تھا ان کا مریم کو دیکھنے کو۔

چاہے ایک نظر ہی سہی۔

اب وہ ان کے سامنے کھڑی ان سے بی آپا، ماں جی اور کامل کی خیریت پوچھ رہی تھی۔ دلکش آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی تھی۔ شاید سوتے سے اٹھ کر آئی تھی۔ چہرے پر وہی حسن اور معصومیت کا دلکش امتزاج جس نے پہلے روز ہی انہیں اسیر کرلیا تھا۔

"سر! آپ کیا سوچنے لگے؟" تصدق احمد نے پوچھا تو وہ چونک پڑے۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس یوں ہی ایک خیال آگیا تھا۔"

"وہ خیال کسی حسن دلربا کا تو نہیں۔" مجتبیٰ حیدر نے ان کی پشت پر سے قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

"ارے مجتبیٰ! آپ کب آئے؟" پروفیسر عادل نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اٹھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔

"جب آپ خیالوں ہی خیالوں میں کسی حسین صورت کے ساتھ محوِ خرام تھے۔" مجتبیٰ مسکراتے ہوئے سامنے آگئے۔

"دراصل آپ اتنے دبے پاؤں آئے کہ مجھے معلوم ہی نہیں ہوا۔"

"ہوتا ہے ہوتا ہے، عادل میاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔" مجتبیٰ حیدر ہنستے ہوئے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے اور مسرور اور تصدق احمد کی طرف دیکھا۔

"ہیلو صاحبان! آپ کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے جی۔"

"مسرور میاں! آپ کیا کر رہے ہیں آج کل؟"

"انتظار ایک اچھی جاب کا۔ ویسے عارضی طور پر میں نے ایک پبلک اسکول میں آرٹ ٹیچر کی جاب کرلی ہے۔"

"ڈرائنگ ماسٹر۔" تصدق احمد ہنسا۔ عجیب سی ہنسی جس میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔

"میں بھی سوچ رہا ہوں کہ ایسی ہی کوئی جاب کرلوں یا پھر داتا دربار کے سامنے رنگ اور برش لے کر بیٹھ جاؤں۔ بائی داوے سیلری کیا ہے تمہاری؟"

"تقریباً تین ہزار۔" مسرور سنجیدہ تھا۔

"سم تھنگ از بیٹر دین نتھنگ۔" مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے اچھا کیا مسرور۔" پروفیسر عادل نے اسے سراہا اور پھر مجتبیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"آپ کیسے ہیں، بڑے دنوں بعد ملاقات ہوئی۔"

"ہم تو ہمیشہ ہی اچھے ہوتے ہیں۔" مجتبیٰ حیدر نے بے تکلفی سے ان کے ہاتھ سے ادھ جلا سگرٹ لے کر کش لگایا۔

"آج بھی ملاقات نہ ہوتی اگر آمنہ صفی تصدق احمد کی تلاش میں ادھر آنے کا پروگرام نہ بنا لیتیں۔"

''کہاں ہیں آمنہ صفی؟'' تصدق احمد نے بے اختیار پوچھا تو مجتبیٰ حیدر لمحہ بھر اس کے چہرے پر کچھ ڈھونڈتے رہے۔ بڑے اسٹائل سے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

''دراصل میں گھر سے تو ''الحمرا'' جانے کے لیے نکلا تھا۔ وہاں ایک بڑے شاعر کی کتاب کی رونمائی تھی' راستے میں آمنہ صفی مل گئیں جو میرے گھر کی طرف ہی آرہی تھیں' تصدق احمد کی تلاش میں اور مجھے چونکہ علم تھا کہ تصدق احمد ادھر آئے ہیں لہٰذا میں آمنہ کے ساتھ ادھر چل پڑا۔ سوچا بڑے شاعروں کی بڑی کتابوں کی رونمائیاں تو اکثر ہوتی رہتی ہیں' آج بڑے دنوں بعد عادل خان کی باتوں سے دل ودماغ روشن کریں۔''

''اُفوہ بھئی مجتبیٰ' آپ بات کو کس قدر پھیلا کر کرتے ہیں۔'' تصدق احمد کے لہجے میں بے زاری تھی۔

''اور آمنہ صفی کہاں......''

''اغوا نہیں ہوئیں۔'' مجتبیٰ نے پروفیسر عادل کا جملہ مکمل کیا تو پروفیسر عادل نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا لیکن مجتبیٰ حیدر کے جو جی میں آتا تھا کہہ دیا کرتے تھے اور اس بات کی کم ہی پروا کرتے تھے کہ ان کے کہے لفظ کسی پر کیا اثر ڈال رہے ہیں۔

''بلکہ باہر ہیں۔ سلطان صاحب نے انہیں روک لیا اور اب وہ دونوں باہر لان میں محوِ گفتگو ہیں۔''

''کون مانی؟'' پروفیسر عادل نے سوالیہ نظروں سے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا ''مگر مانی کب آیا' خدا بخش نے تو مجھے بتایا نہیں۔'' انہوں نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

''اس کی پکار واور میری پھپھٹی آگے پیچھے ہی تھیں۔''

''ویسے یہ مانی اور آمنہ صفی پہلے بھی ملتے رہے ہیں کیا؟'' مجتبیٰ حیدر نے سرگوشی کی جو سرگوشی ہرگز نہ تھی۔

''پتا نہیں۔ میرے خیال میں ایک آدھ بار یہاں ہی ملاقات ہوئی تھی۔'' پروفیسر عادل نے کسی قدر الجھے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''دراصل۔'' انہوں نے پھر عادل کا جلایا ہوا سگریٹ ان کے ہاتھ سے لے لیا ''دونوں ساتھ ساتھ کھڑے اچھے لگ رہے تھے۔ میں نے سوچا' شاید دونوں میں کچھ انڈراسٹینڈنگ ہے۔''

''نہیں میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ مانی بالکل اور مزاج کا بندہ ہے اور آمنہ بالکل مختلف مزاج کی ہے۔''

''اور اگر۔'' تصدق احمد نے جو نہ جانے کس خیال میں گم تھا' سر اٹھا کر کہا ''اور اگر میرے پاؤں میں زنجیریں نہ ہوتیں تو میں آمنہ صفی کی رفاقت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتا مگر......'' اس نے پھر سر جھکا لیا۔

''السلام علیکم۔'' آمنہ صفی اور سلطان آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ پروفیسر عادل نے آمنہ کے سلام کا جواب دے کر سلطان کو گلے لگا لیا۔

''کیسے ہو مانی' وہاں حویلی میں تو سب ٹھیک تھے؟''

''سب اچھے ہیں' اللہ کا شکر ہے۔ میں ایک کام سے آیا تھا۔ وکیل سے کام تھا۔''

''پھر کام ہوا؟''

''نہیں' وکیل صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔''

''کھانا کھاؤ گے؟''

''نہیں' اس وقت تو آرام کروں گا۔'' اس نے مڑ کر آمنہ صفی کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظریں سرمد پر پڑیں تو وہ بے اختیار ہو کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''ارے یہاں تو میرا یار بھی موجود ہے...... بہت بے وفا ہو یار۔'' وہ بڑی گرم جوشی سے اس سے ملا۔

''میں تمہارے متعلق پوچھتا رہتا ہوں سر سے۔''

''بس صرف پوچھتے ہی رہتے ہو کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ ملنے آجاؤ۔ چلو تمہارے کمرے میں چل کر باتیں کرتے ہیں۔''

پروفیسر عادل سے باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں باہر چلے گئے تو پروفیسر عادل آمنہ کی طرف متوجہ ہوئے جو ابھی تک کھڑی تھیں ''ارے مس آمنہ' آپ ابھی تک کھڑی ہیں۔''

''اس لیے کہ مجھے ابھی جانا ہے۔ میں نے ایک جاننے والے سے تصدق کی جاب کے لیے بات کی تھی اور انہوں نے اس وقت ملنے کو کہا تھا اور میں تصدق احمد کو لینے آئی تھی۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

وہ ہمیشہ کی طرح سادہ اور اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ اس کے بال اب کچھ لمبے ہوگئے تھے اور اس نے ان کی پونی بنائی ہوئی تھی۔ سیاہ دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا اور سرخ پھول دار شرٹ میں وہ اچھی خاصی دلکش لگ رہی تھی۔

''اوکے۔ تصدق احمد' وش یو گڈ لک۔''

''مگر میں۔''

''پلیز۔'' آمنہ صفی نے منت کی ''تمہیں اپنا نہیں تو ان کا تو خیال ہونا چاہیے جو تمہاری ذمے داری ہیں۔''

''آمنہ صحیح کہتی ہیں تصدق۔'' پروفیسر عادل نے بھی اس کی تائید کی ''تمہارے معاشی مسائل حل ہوجائیں گے تو تم زیادہ بہتر طریقے سے اپنے فن پر توجہ دے سکو گے۔''

''معاشی مسائل تو زندگی بھر حل نہیں ہوں گے سر۔'' وہ کھڑا ہوگیا ''دیکھ لیجیے گا جن صاحب نے آمنہ کو ٹائم دیا ہے' وہ تو بھول گئے ہوں گے ٹائم دے کر یا پھر خوش اخلاقی کے لبادے میں لپیٹ کر امید کی افیون معذرت کے ساتھ ہاتھوں میں تھما دیں گے اس وقت ویکنسی نہیں ہے' انشاء اللہ جیسے ہی ویکنسی ہوگی آپ کو بلا لیا جائے گا۔''

"نہیں جن صاحب کے پاس ہم جا رہے ہیں' وہ ایسے نہیں ہیں۔ کسی بھروسے پر ہی لے کر جا رہی ہوں۔"

"آمنہ صفی' حیرت ہے تم پر کہ تمہیں اب بھی لوگوں پر بھروسا اور اعتبار ہوتا ہے جب کہ تمہارے بھروسے اور اعتبار کو سب نے ہی کرچی کرچی کیا ہے۔"

"ہوں۔" آمنہ صفی مسکرائی لیکن اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہوگئی تھیں۔

واقعی اس کے بھروسے اور اعتبار پر تو کوئی بھی پورا نہیں اترا تھا۔ سب ہی نے اس کے یقین کی دھجیاں بکھیر دی تھیں پھر بھی وہ یقین کر لیتی تھی...... اعتبار کر لیتی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ مجتبیٰ حیدر سے... چند قدم پیچھے رہ گئی تھی وہ تو سلطان نے ایک دم اسے آواز دے لی تھی "پلیز میری بات سنیں۔" وہ ٹھہر گئی تھی...... پتا نہیں کس بھروسے پر حالانکہ یہ وہ شخص تھا جس نے اسے ایک دم سب کی نظروں میں گرا دیا تھا...... حتیٰ کہ اماں کی نظریں بھی اسے کھوجتی تھیں۔

کبھی کبھی وہ سر سے پاؤں تک اسے دیکھتیں۔

"کیا کمی ہے تم میں منو' پھر بھی لوگ۔"

اور پھر کسی نہ کسی حوالے سے وہ اس اغوا کا ذکر ضرور کرتیں اور پھر ان کی نظریں اسے اپنے وجود میں کھبتی ہوئی لگتیں اور اسے ایسا لگتا جیسے وہ اماں کی نظروں میں بھی معتبر نہیں رہی۔

اس کی سرگرمیاں۔

اس کا اٹھنا بیٹھنا۔

لکھنا پڑھنا تو ویسے ہی اماں کو کھٹکتا تھا لیکن اب تو اسے لگتا تھا' اس کا وجود بھی اماں کی نظروں' اڑوس پڑوس والوں کی طرح بہت زیادہ ہی کھٹکنے لگا ہو اور جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا تھا۔

اس کے روکنے پر وہ رک گئی حالانکہ وہ بھروسے کے قابل کہاں تھا۔

اس سے بات کرنا یا اس کی بات سننا کہاں گوارا تھا اسے۔

وہ اسے کہہ رہا تھا۔

"آمنہ صفی آپ مجھے بہت یاد آتی ہیں کبھی کبھی راتوں کو وجود میں آپ کا تصور آگ لگا دیتا ہے۔ تو جی چاہتا ہے...... شاید یہ اس لیے ہے کہ سلطان خاں کے ہاتھوں سے شکار آ کر نکل جائے۔ ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔"

"شکار ہاتھ سے نکل جانے کا پچھتاوا ہے۔" اس نے نظریں اٹھائیں۔

"ہاں۔" سلطان کی پرشوق نظریں پورے وجود میں کھبی جا رہی تھیں۔

"کیا پھر گھیرنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔" اس نے بے بسی سے کہا "یہی تو نہیں کر سکتا۔ آپ کی مرضی سے آپ کو حاصل...... کرنا

چاہتا ہوں...... یعنی باہمی سمجھوتے سے۔"

آمنہ کا رنگ یک دم سرخ ہوا اور کنپٹیاں دہکنے لگیں۔ اس نے ہونٹ بھینچے اور اسے وہاں ہی کھڑا چھوڑ کر چلی آئی تھی لیکن وہ اس کے پیچھے پیچھے ہی آیا تھا۔

"سوچیے گا مس آمنہ۔" لہجے میں شوخی اور غرور تھا۔

"کیوں' بھروسے کی دیوار میں دراڑ پڑ گئی ہے کیا؟" تصدق احمد کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"نہیں۔ میں کچھ سوچنے لگی تھی۔" اس نے تصدق احمد کی طرف دیکھا۔

"آیئے۔"

"کیا ہوا ان لوگوں کا؟" تصدق احمد نے اس کے قریب آتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ ہی جو ہمیشہ ہوتا ہے۔"

"یعنی۔"

"یعنی اماں انتظار کی شمعیں جلائے بیٹھی ہیں اور وہ لوگ پلٹ کر نہیں آئے...... دراصل ہمارے اہل محلہ بہت ہمدرد ہیں۔ وہ ہر آنے والے کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ لہٰذا آنے ...... والوں کو میری خامیوں اور خوبیوں سے آگاہ کرنا وہ اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں...... سو اتنا دل گردہ کس کا ہے بھائی' جو ایک اغوا شدہ......"

"فضول باتیں مت کرو آمنہ......" تصدق احمد نے اسے ڈپٹ دیا۔ اس کی پیشانی پر بے شمار لکیروں کا جال سا بن گیا۔

"اچھی امید لے کر جاؤ اینگری ینگ مین۔" پروفیسر عادل نے اس کا کندھا تھپکا "اینڈ اگین ویو گڈ لک۔" وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باہر تک آ گئے۔

مسرور اور سلطان باہر ہی لان میں بچھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

"آہ" سلطان نے ایک آہ بھری "کیا چیز ہے یہ آمنہ صفی بھی۔ میں اسے دیکھتا ہوں تو میری رگوں میں گردش کرتا لہو اچانک گرم ہو جاتا ہے۔ آگ سی لگ جاتی ہے۔ کیا تمہیں بھی ایسا محسوس ہوتا ہے؟"

"نہیں۔" مسرور نے ایک نظر آمنہ صفی کی طرف دیکھا۔

"تم نے شاید کبھی غور سے اسے نہیں دیکھا مسرور' غضب کی اٹریکشن ہے اس میں۔"

"ہاں شاید۔"

"یار تم اتنے کھوئے کھوئے سے رہتے ہو۔ ایک بار چلو میرے ساتھ ڈیرے پر ساری اداسیاں ختم ہو جائیں گی۔ تمہارے اس ٹھنڈے لہو میں بھی آگ نہ لگ گئی تو نام بدل دینا میرا۔"

"اچھا کبھی آؤں گا...... اماں کی طبیعت ٹھیک ہو اور چھٹیاں ہوں تو......"

"تیری پڑھائی ابھی ختم نہیں ہوئی؟"

"ہوگئی ہے لیکن نوکری شروع ہوگئی ہے۔"

پروفیسر عادل، آمنہ صفی اور تصدق احمد کو خدا حافظ کہہ کر پلٹے تو انہیں لان میں بیٹھے دیکھ کر مسکرائے۔

"تم تو آرام کرنے گئے تھے مانی۔"

"مسرور کو دیکھ کر ساری تھکن دور ہوگئی ہے۔ حالانکہ خود ڈرائیو کیا ہے۔"

"تمہاری اور مسرور کی دوستی کبھی کبھی مجھے حیران کرتی ہے۔"

"کبھی کبھی عادل بھائی دنیا میں حیران کن باتیں بھی وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں اور میری اور مسرور کی دوستی بھی ان ہی حیران کن واقعات میں سے ایک سمجھ لیں۔"

"صحیح۔" پروفیسر عادل نے قہقہہ لگایا۔ "چلو تم دونوں دوست باتیں کرو میں ذرا مجتبیٰ کو کمپنی دے لوں۔"

"ضرور۔" سلطان نے انہیں مسکرا کر دیکھا۔ "آپ جائیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"خدا بخش۔" پروفیسر عادل نے وہیں کھڑے کھڑے خدا بخش کو آواز دی "یار مجتبیٰ آئے ہیں، چائے لے آو...... میں بھی بلکہ مسرور اور مانی بھی پہنچیں گے۔" اور ایک بار پھر دونوں کو مسکرا کر دیکھا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

مجتبیٰ آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے پاؤں پسارے بہت ایزی پوزیشن میں بیٹھے تھے۔

"کیا خواب دیکھے جا رہے ہیں؟"

"خواب دیکھنے کی عمر ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ خواب ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے......

"ابھی چند دن پہلے ہی ایک دلربا اچانک ہی "شام غزل" میں ٹکرا گئی۔ ہائے عادل خاناں، کیا بتاؤں۔ کیا چیز تھی...... میں اگر اس "شام غزل" کا منتظم ہوتا تو شام غزل اسی کے نام کر دیتا...... غزل کے تمام لوازمات موجود تھے اس میں، سراپا غزل تھی وہ اور نام بھی غزل ہی تھا۔ بس موقع ملتے ہی اس کے خواب آنکھوں میں اتر آتے ہیں...... گھر میں تو ذرا ان خوابوں کو دور ہی رکھتا ہوں۔ سوچا، یہاں ذرا جی بہلا لوں...... تمہیں تو پتا ہے، ہماری بیگم کا رویہ خاصا جارحانہ ہے ایسے معاملات میں...... اور جب شادی محبت کی ہو تو یہ جارحانہ رویہ برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"یہ تو مجبوری ہے آپ کی۔" پروفیسر عادل نے سگریٹ سلگایا "یار تاک جھانک کی اجازت تو ہونی ہی چاہیے...... آخر کائنات کی خوبصورتیاں ہمارے لیے ہی تو تخلیق کی گئی ہیں اور ان خوب صورتوں کو نہ سراہنا سراسر ناشکری ہے۔"

"بالکل بجا فرمایا آپ نے۔"

"ایک بات ہے یار۔" انہوں نے حسب معمول سگریٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو پروفیسر عادل نے ہاتھ پیچھے کر کے دوسرے ہاتھ سے ٹیبل پر پڑی روتھ مین ڈبیا ان کی طرف بڑھا دی جسے انہوں نے ٹھیک ہے کہہ کر لے لیا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، میں نے شادی کرنے میں جلد بازی کی...... یار بعد میں اس سے بھی خوب صورت لڑکیاں ٹکرائی تھیں زندگی میں...... ویسے تم نے سوچنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا دیا۔ یار عادل خان، اب فیصلہ کر ہی لو۔"

"کیسا فیصلہ؟" وہ انجان بن گئے۔

"اسے اپنانے کا۔"

"فیصلہ تو ہو چکا مجتبیٰ۔" انہوں نے آہستگی سے کہا "بلکہ اسی وقت ہو گیا تھا جب اسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے...... کوئی رکاوٹ؟" مجتبیٰ حیدر نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ دراصل انہیں بہت تجسس تھا لیکن پروفیسر عادل نے اس موضوع پر کبھی کھل کر بات ہی نہیں کی تھی۔

"رکاوٹ۔" انہوں نے پرخیال نظروں سے مجتبیٰ حیدر کو دیکھا۔

رکاوٹیں تو بہت تھیں لیکن کبھی کبھی تو لگتا تھا جیسے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے ہوں ان کے راستے میں اور شاید وہ کبھی بھی انہیں نہ پاٹ سکیں گے اور شاید کبھی بھی مریم تک نہ پہنچ سکیں گے۔

نارسائی کا زہر آہستہ آہستہ ان کی رگوں کو کاٹ رہا تھا۔ مگر پھر اچانک خدا ان پر مہربان ہو گیا تھا۔ جب وہ ماں جی کے ساتھ زینب ولا جا رہے تھے، تب بھی بے یقین سے تھے۔ امید کا کوئی ننھا سا دیا بھی ان کے ہاتھ میں نہ تھا لیکن پھر زینب عثمان کے مثبت رویے نے انہیں حیران کر دیا تھا۔

"اور میڈم نرگس...... اور یہ میڈم نرگس بھی کیا چیز ہیں۔"

ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

اس روز وہ انہیں اصرار کر کے "زینب ولا" لے گئی تھیں اور پھر کتنی ہی دیر تک وہ وہاں زینب عثمان اور میڈم نرگس کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے۔ زینب عثمان ان سے ان کی تعلیم ان کی مصروفیات، ان کے شوق اور دلچسپیاں پوچھتی رہی تھیں اور میڈم نرگس وقفے وقفے سے بہت دلچسپ گفتگو کرتی رہی تھیں۔

"حیرت ہے، آپ جاگیرداروں والا کوئی شوق نہیں رکھتے۔" انہوں نے بڑی بڑی آنکھیں جو کاجل سے اور بھی بڑی لگ رہی تھیں، پھیلا کر پوچھا تھا۔

"بس میڈم میں تو ایسا ہی ہوں...... میرے شوق اور میری دلچسپیاں بہت مختلف ہیں۔"

"عثمان بھائی، کو بھی ایسا کوئی شوق نہیں تھا بلکہ میں تو......" انہوں نے قہقہہ لگایا "سچی بات ہے زینی ان کے جاگیردار ہونے کے متعلق کچھ مشکوک ہی تھی۔"

اور پروفیسر عادل کے تصور میں عثمان احمد کا سراپا آ گیا اور اداسی نے انہیں گھیر لیا۔

وہ نرم نرم لہجے میں ہولے ہولے ان کا ہاتھ تھام کر ان سے باتیں کرتے ہوئے عثمان احمد اور وہ کتنے نرم مزاج تھے' جبکہ زینب عثمان......اور خدا جانے ان کا میل کیسے ہوا ہوگا۔

''اور تم تو ہمیشہ ہی ہر بات اور ہر شخص کے متعلق مشکوک رہتی ہو۔'' زینب عثمان نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

''خیر کبھی کبھی میرے شک صحیح بھی ہوتے ہیں۔''

''ہاں کبھی کبھی نہیں اکثر غلط ہی ہوتے ہیں۔''

اور جب وہ وہاں سے اٹھے تو میڈم نرگس بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''عادل' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو پلیز مجھے ڈراپ کر دیجئے گا۔ دراصل میں نے اپنی گاڑی واپس بھجوا دی تھی۔''

''شیور۔'' انہوں نے خوش دلی سے کہا تھا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے میڈم نرگس نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

''زینی تو تم سے بہت چڑتی تھی۔ جب سے اس نے مجھے بتایا کہ تمہاری والدہ اس مقصد سے آنا چاہتی ہیں تو میں نے اسے احساس دلایا کہ تم جیسا داماد چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا اور یہ کہ تمہیں اس کی والدہ وغیرہ سے خوش دلی سے ملنا چاہیے۔''

''تھینک یو میڈم۔'' وہ اپنی تعریف پر محجوب ہو گئے۔

''رشتہ اور وہ بھی سوتیلا۔ زینی کا آپ کو ناپسند کرنا فطری سی بات ہے اور جبکہ زینی' عثمان کو بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔ یوں سمجھ لیں' زینی نے بے حد مجبور ہو کر عثمان سے شادی کی تھی۔ اس کے ہسبینڈ نے اسے چھوڑ دیا تھا اور عثمان بھائی کے علاوہ سامنے کوئی تھا نہیں جبکہ زینی فوراً شادی کرنا چاہتی تھی اور......'' انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

عادل نے ڈرائیو کرتے ہوئے کسی قدر استعجاب سے انہیں دیکھا۔

عثمان احمد نے زینب عثمان سے شادی کے متعلق ساری تفصیل انہیں بتائی تھی لیکن ان کی کسی بات سے یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ زینب نے ان سے مجبوراً شادی کی ہوگی۔ ان جیسی دلکش عورت کے لیے کیا کمی تھی۔ وہ چاہتیں تو کسی کنوارے مرد سے بھی شادی کر سکتی تھیں......ایک شادی شدہ مرد کو انہوں نے منتخب کیا تھا تو یقیناً اندر کوئی جذبہ رہا ہوگا۔ مجبوری کی بات تو ہرگز نہ ہوگی۔

''خیر پرانی باتوں کا کیا ذکر۔'' میڈم نرگس نے ایک ادا سے کندھے اچکائے ''میں نے بہ مشکل قائل کیا تھا زینی کو کہ مریم جس مزاج کی ہے' اس کے لیے تم ہی مناسب ہو۔ عجیب ڈرپوک سی' سہمی ہوئی سی لڑکی ہے۔ بولڈنیس تو بالکل نہیں ہے اور نہ ہی اعتماد ہے۔ اس کے برعکس عاشی میں بہت بولڈنیس ہے۔''

حالانکہ انہیں تو ایسا محسوس نہیں ہوا تھا بلکہ انہیں تو وہ ہمیشہ ہی بولڈ لگی تھی۔

''اسی لیے تو ڈاکٹر عبدالمعید نے عاشی کو پسند کیا۔''

انہوں نے اپنی دانست میں انکشاف کیا لیکن عادل اس بات سے باخبر تھے جب تیمور نے انہیں بتایا تھا کہ ماما نے عاشی بجو کی منگنی ڈاکٹر عبدالمعید سے کر دی ہے تو انہیں بے حد خوشی ہوئی تھی۔

''جی' ڈاکٹر عبدالمعید بہت نفیس آدمی ہیں اور یہ بہت اچھا فیصلہ کیا ہے انہوں نے۔''

''بہرحال اب تو زینی بہت مطمئن ہے آپ سے۔ بس ذرا مریم کی اسٹڈی کی وجہ سے اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہ رہی۔ یوں بھی مریم' عثمان صاحب سے بہت اٹیچڈ تھی اور وہ بھی مریم کا خیال زینی سے زیادہ کرتے تھے بلکہ اکثر مریم کی وجہ سے دونوں میں لڑائی ہو جاتی تھی۔''

''جی۔'' پروفیسر عادل نے سادگی سے کہا ''انہوں نے بتایا تھا مجھے اور اگر ان کی خواہش نہ ہوتی تو میں انہیں ڈسٹرب نہ کرتا۔''

''ان کی......آپ کا مطلب ہے کہ عثمان بھائی کی خواہش تھی کہ آپ مریم سے شادی کریں۔''

''ہاں جی' انہوں نے آخری وقت یہ خواہش کی تھی۔''

''تو پھر......'' میڈم نرگس نے قہقہہ لگایا۔ ''زینی سے اس بات کا ذکر مت کرنا۔ وہ کسی صورت نہیں مانے گی پھر۔''

''کیوں......؟'' انہوں نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا۔

''وہ بس ایسی ہی ہے۔'' میڈم کے ہونٹوں پر ابھی تک مسکراہٹ تھی ''ویسے آپ کیا صرف اپنے والد کی خواہش پوری کر رہے ہیں یا......'' انہوں نے بہت دھیان سے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا...... ''میرے خیال میں مرنے والے کی خواہشات اتنی اہم نہیں ہوتیں جتنی اس کی اپنی زندگی اہم ہوتی ہے۔ کیا آپ کی کوئی کمنٹ منٹ تو نہیں تھی کہیں اور......''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں میڈم۔'' انہوں نے احتیاط سے لفظوں کا استعمال کیا ''مریم یقیناً ایک بہت اچھی شریک حیات ثابت ہوں گی اور میں ان کا ساتھ پا کر بہت فخر محسوس کروں گا۔''

''پھر تو......'' وہ ہنسیں ''یقین رکھیں پروفیسر عادل خان میں آپ کی پرزور کنویسنگ کروں گی۔''

''میں آپ کا ممنون ہوں میڈم۔''

''اس میں ممنونیت کی کیا بات ہے بھئی۔ مریم مجھے بہت پیاری لگتی ہے اور تم بھی مجھے بہت پیارے لگے ہو۔'' وہ یک دم آپ سے ''تم'' پر اتر آئیں۔

اور جب انہوں نے انہیں گیٹ پر ڈراپ کیا تو انہوں نے اصرار کیا کہ وہ کچھ دیر کے لیے ان کے غریب خانے کو بھی رونق بخشیں لیکن وہ ان سے معذرت کر کے اور پھر کبھی آنے کا وعدہ کر کے چلے آئے تھے۔

زندگی کے سارے رنگ یک دم کتنے دلکش ہو گئے تھے۔

نیلا آسمان، چمکتے بادل، ٹھنڈی چاندنی اور نیلے آسمان پر اڑتے پرندے۔

کائنات کی ہر شے کتنی خوب صورت ہو گئی تھی، صرف اس احساس کے ہونے سے کہ بہت جلد وہ اسے پالیں گے جسے انہوں نے مدتوں سوچا تھا۔

"ارے میاں کن بھول بھلیوں میں کھو گئے ہو۔" مجتبیٰ حیدر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا "ہم کس لیے ہیں۔ ہم سے کچھ کہو۔ حال دل سناؤ۔ کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو۔ اپنے دوست کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔"

"کوئی پرابلم ہی نہیں ہے۔" وہ مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھ کر دل کشی سے مسکرائے۔

"پھر دیر کس لیے ہے؟"

"یوں ہی بس۔"

"یعنی ابھی صرف محبت کر رہے ہو، شادی کی نوبت نہیں آئی۔" مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا۔

"مجتبیٰ، کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، آپ کا نظریہ محبت خدا جانے کیا ہے...... کبھی آپ کی باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے اس کائنات کی سب سے بڑی خوب صورتی محبت ہے اور محبت کے بغیر اس کائنات کے سب رنگ پھیکے ہیں اور محبت ہی کائنات کا سب سے خوب صورت اور پاورفل جذبہ ہے...... کھرا، سچا اور مضبوط جذبہ...... لیکن کبھی یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے آپ محبت کو محض مذاق سمجھتے ہوں...... جسٹ فار انجوائے منٹ...... ایک وقتی جذبہ...... ایک عارضی خوشی۔"

"دراصل۔" مجتبیٰ حیدر نے ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑی "مجھ پر مختلف اوقات میں مختلف کیفیات حملہ آور ہوتی ہیں۔ جب میں کوئی ایسی کہانی تخلیق کر رہا ہوتا ہوں جس میں محبت محض دھوکا، فریب اور ریا کاری ہوتی ہے تو میں اس طرح کے ڈائیلاگز بولتا ہوں اور جب میں محبت کی سچائیوں پر کوئی کہانی لکھ رہا ہوتا ہوں تو اس وقت میری زبان سے محبت کی عالمگیر سچائیوں کے ڈائیلاگز ادا ہوتے ہیں۔"

"یعنی......" پروفیسر عادل نے بے حد تعجب سے انہیں دیکھا "آپ کی ذاتی رائے کوئی نہیں۔"

"بھئی ہم تو خلیل جبران کی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جب محبت بلائے تو ضرور اس کی طرف جاؤ۔ اب محبت کیا ہے اور کیا نہیں ہے، ہم اس پر زیادہ غور نہیں کرتے۔"

اور پروفیسر عادل یوں ہی یقین و بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتے رہے۔

یہ مجتبیٰ حیدر تھے جو عمر میں کہیں ان سے بڑے تھے۔ جو محبت کے موضوع پر کہانیاں لکھتے تھے اور جن کے بارے میں عام رائے یہ تھی کہ وہ محبت کے داعی ہیں اور محبت کا پرچار کرتے ہیں لیکن خود محبت کے متعلق ان کا کوئی نظریہ نہیں تھا...... اور یہ کس قدر اچنبھے کی بات تھی اور وہ جو مجتبیٰ حیدر کہا کرتے تھے کہ ہر

خوب صورت لڑکی سے انہیں عشق ہو جاتا ہے اور وہ اسے مذاق سمجھتے تھے مگر وہ مذاق نہیں ہوتا تھا۔ وہ لوگ جو محبت کے متعلق کوئی واضح نظریہ نہیں رکھتے وہ ہر دوسرے شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ مرد ہو یا عورت۔ وہ مجتبیٰ حیدر کی بہت عزت کرتے تھے اور شاید کسی حد تک ان سے متاثر بھی تھے اور ان کی گفتگو سے متاثر ہوتے تھے، اس وقت اس تاثر کو اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا لیکن پھر فوراً ہی وہ اس جھٹکے سے سنبھل گئے اور انہوں نے مسکرا کر مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

"مجتبیٰ، کبھی کبھی آپ کی باتیں مجھے بہت حیران کرتی ہیں۔"

"کبھی کبھی میں خود بھی اپنے آپ پر بہت حیران ہوتا ہوں عادل خاناں۔"

"آپ۔" پروفیسر عادل کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر قریب پڑے ٹیلی فون اسٹینڈ سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف میڈم نرگس تھیں۔

"آپ میڈم۔"

"کیا بہت حیرت ہوئی؟"

"ہاں...... نہیں تو۔ دراصل میں اس وقت بالکل ایکس پیکٹ نہیں کر رہا تھا آپ کا فون۔"

"میں نے تمہارا وعدہ یاد دلانے کے لیے فون کیا ہے۔"

"جی میڈم۔" وہ شرمندہ سے ہو گئے۔ "بس وقت ہی نہیں مل سکا۔"

"وقت ملتا نہیں، خود نکالنا پڑتا ہے عادل خان۔ بائے دا وے اس وقت آپ کیا کر رہے تھے؟"

"جی بس ایک دوست آئے ہوئے تھے، ان سے مصروف گفتگو تھا۔" انہوں نے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

"تو پھر کب آ رہے ہیں ہماری طرف۔ اس وقت ممکن ہے کیا؟"

"اس وقت۔" انہوں نے پھر مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

"ہاں اگر ممکن ہو تو۔ دراصل امتیاز اس وقت گھر پر ہے اور میں نے تمہاری اتنی تعریفیں کی ہیں کہ وہ تم سے ملنے کا مشتاق ہو رہا تھا۔"

"میں کوشش کروں گا آنے کی۔"

مجتبیٰ حیدر نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ بھی جانے والا ہے۔

"کون تھا عادل خان؟" مجتبیٰ حیدر کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھی تھیں "وہی تو نہیں تھی۔"

"ارے نہیں۔" پروفیسر عادل کے لبوں سے بے ساختہ نکلا "میڈم نرگس تھیں۔"

"یو مین میڈم نرگس...... ملکہ موسیقی۔ آف کورس۔ تم سے کہاں ملاقات ہوئی؟"

"زینب ولا میں۔" انہوں نے مختصراً کہا۔

"تو اب تمہیں گھر بلا رہی ہیں۔"

''ہاں بہت اصرار کیا تھا لیکن ان دنوں بہت مصروفیت رہی۔ سو جا نہ سکا حالانکہ وعدہ کیا تھا۔''

''سنبھل کے جانا میاں۔ سنا ہے' امتیاز شاہ سے آج کل ان کے اختلافات ہو گئے ہیں۔'' مجتبیٰ حیدر کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔ پروفیسر عادل کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں مجتبیٰ۔''

''دوستوں کو سمجھانا ہمارا فرض ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ امتیاز شاہ کے ساتھ ان کے کوئی اختلافات وغیرہ نہیں ہیں۔ بیگم بھی کہہ رہی تھیں کہ امتیاز شاہ اس وقت گھر پر ہیں...... اور ان کی خواہش تھی کہ میں ابھی ان کی طرف جاتا۔''

''تو پھر چلتے ہیں۔ مجھے راستے میں ڈراپ کر دینا۔'' مجتبیٰ حیدر کھڑے ہو گئے۔

''ارے بیٹھیے مجتبیٰ۔ خدا بخش چائے لا رہا ہے۔ چائے پی کر چلتے ہیں۔'' اور مجتبیٰ حیدر انہیں میڈم نرگس اور امتیاز شاہ کی شادی کا قصہ سنانے لگے جو ان دنوں جب شادی ہوئی تھی' کئی فلمی میگزین میں چھپا تھا...... اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے پروفیسر عادل بہت دھیان سے مجتبیٰ حیدر کی باتیں سننے لگے۔

❁ ❁ ❁

''عاشی۔'' مریم اسے پکارتی ہوئی لیونگ روم میں آئی۔ فلور کشن پر بیٹھی' فون گود میں دھرے عاشی کسی سے بات کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر گلاب کھل رہے تھے۔ ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا جو صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''آپ جاگ گئیں؟''

''ہاں پتا نہیں کیوں' اتنی نیند آ رہی تھی۔''

''امتحانوں کی تھکن ابھی تک اتر رہی ہے۔'' عاشی مسکرائی۔

''نہیں' اب تو رزلٹ بھی آنے والا ہے۔ ابھی تک کیا تھکن باقی ہے۔''

''بجو۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔ ''اب آپ کیا کریں گی۔ پی ایچ ڈی۔''

''پتا نہیں...... لیکن تم نے کیا سوچا ہے۔ سینئر کیمبرج تو تمہارا ہو گیا۔''

''کچھ بھی نہیں۔ مجھے مزید نہیں پڑھنا۔''

''کیوں؟'' مریم کو حیرت ہوئی۔

''بس مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''

''لیکن ماما۔''

''ماما کچھ نہیں کہیں گی اور اس وقت بور نہ کریں' بتائیں کیا پروگرام ہے۔''

''تم بتاؤ نا۔''

''وہی جو صبح تھا' باہر جائیں گے کسی اچھی جگہ کھانا کھائیں گے اور اس طرح آپ کی برتھ ڈے سلیبریٹ کریں گے۔''

لحہ بھر کے لیے اسے ماما کا خیال آ گیا۔

''ماما کا فون تو نہیں آیا تھا؟''

''نہیں۔''

اور آج ماما کو اس کا برتھ ڈے بھی یاد نہیں رہا حالانکہ پہلے اپنی تمام خفگیوں اور ناراضگیوں کے باوجود وہ کبھی بھی اس کی برتھ ڈے نہیں بھولتی تھیں۔ پاپا انہیں ہمیشہ باہر لے کر جایا کرتے تھے۔ عموماً وہ ''ولیج'' میں ڈنر کرتے تھے اور پھر پاپا اور ماما اسے گفٹ دیتے تھے اور کتنا خوش کن دن ہوتا تھا...... اور آج ماما نے فون تک نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں کتنی مصروف ہو گئی تھیں وہ۔

''مور کا فون آیا تھا آپ کو وش کر رہا تھا۔''

''مور کا فون۔'' اس کا دل یک دم خوشی سے بھر گیا ''اتنا چھوٹا سا تو ہے وہ پھر اسے کیسے خیال آ گیا۔''

''مور بہت سینس ایبل ہے۔'' عاشی نے تبصرہ کیا۔

''تو ابھی تم مور سے بات کر رہی تھیں۔''

''نہیں' وہ تو شجی انکل کا فون تھا۔''

''شرجیل مرزا کا۔'' مریم یک دم چوکنا ہو کر بیٹھ گئی ''کیا کہہ رہے تھے وہ۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا اور تمہیں کیا ضرورت تھی بات کرنے کی۔''

''بجو۔'' عاشی کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے حیرت سی ابھری ''وہ فون میرے لیے تھا۔ شجی انکل کو مجھ سے ہی بات کرنا تھی' آپ سے نہیں۔''

''تم سے۔'' مریم کی نظریں عاشی کے چہرے پر تھیں اور ان میں سوال تھا۔

''ہاں' مجھ سے۔ وہ مجھے اپنے ایک ایڈ میں بطور ماڈل لینا چاہتے ہیں۔''

''اور تم نے بتا دیا نہیں کہ تم ماڈلنگ نہیں کرو گی۔''

''نہیں تو...... میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ میں ماڈلنگ کروں گی۔''

''مگر عاشی' تمہیں ابھی ایڈمشن لینا ہے۔ بی اے میں۔''

''مگر میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ مجھے پڑھنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور ماڈلنگ کرنا مجھے پسند ہے کس قدر گلیمر ہوتا ہے۔ اسکرین پر خود کو دیکھنا کس قدر خوش کن ہوگا۔ مجھے تو ابھی سے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ کیسا لگے گا۔''

''مگر عاشی' مجھے تو پسند نہیں ہے۔ آئی مین تمہارا ماڈلنگ کرنا۔ تم ابھی اتنی چھوٹی ہو اور شوبز کی دنیا میں اتنا گند ہے' دھوکا ہے۔''

''مگر مجھے پسند ہے بجو اور پھر کہیں کسی غیر جگہ پر تو کام نہیں کرنا شجی انکل کے ادارے میں کام کرنا ہے... وہ تو ہمارے اپنے ہیں اور وہ ہر طرح سے میرا خیال رکھیں گے۔''

مریم نے بے بسی سے ہونٹ کاٹے۔

''لیکن ماما...... ماما شاید تمہیں اجازت نہ دیں۔''

''وہ کیوں اجازت نہیں دیں گی بھلا۔ کیا وہ خود شادی سے پہلے ماڈلنگ نہیں کرتی تھیں اور شادی کے بعد بھی ماڈلنگ کرتی رہیں۔ ابھی بھی شوبز کے معروف ناموں میں ان کا نام ہے' کتنی شہرت ہے ان کے پاس۔''

''پھر بھی تم ماما سے پوچھ تو لو۔'' مریم نے کمزور آواز میں کہا ''اور معید بھائی سے بھی۔ شاید وہ بھی تمہاری ماڈلنگ کو پسند نہ کریں۔''

''معید سے کس لیے پوچھوں اور کیوں روکیں گے مجھے...... ہوازہی؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''عاشی' معید بھائی کو رائٹ ہے کہ وہ تمہیں......''

''ابھی ایسا کوئی رائٹ نہیں ہے ان کے پاس۔'' عاشی نے اس کی بات کاٹ دی...... ''صرف ماما کے یہ کہہ دینے سے کہ میری منگنی ڈاکٹر معید سے کر رہی ہیں' انہیں کیسے رائٹ حاصل ہو گیا۔'' وہ جاتے جاتے پلٹی ''میں تیار ہونے جا رہی ہوں' کب تک باہر جانا ہے؟''

''میں تیار ہوتی ہوں پھر چلتے ہیں۔'' مریم نے آہستگی سے کہا اور ہاتھ گود میں دھرے اسے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھتی رہی۔

''اور یہ ساری کمینگی شرجیل مرزا کی ہے۔'' اس نے سوچا ''یقیناً اس نے ہی عاشی کے دل میں یہ شوق پیدا کیا ہوگا اور عاشی وہ اس قدر ضدی ہے کہ اگر اس نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا ہے کہ وہ ماڈلنگ کرے گی تو پھر بھلا اسے کون روک سکے گا...... شاید ماما بھی نہیں اور معید بھائی کو جب پتا چلے گا تو انہیں دکھ ہوگا یقیناً وہ کتنے مختلف ہیں۔ انگلینڈ میں اتنا عرصہ رہنے کے باوجود اس قدر مشرقی سوچ رکھنے والے ہیں اور کیسے خواب دیکھتے ہیں وہ...... ایک گھر' پیارے بچے اور عاشی۔''

''اور اگر عاشی نے ماڈلنگ شروع کر دی تو کیا ان کا یہ خواب پورا ہو سکے گا پھر عاشی بھی ماما کی طرح مصروف ہو جائے گی...... اور پتا نہیں' وہ معید بھائی سے شادی بھی کرے گی یا نہیں۔ ابھی کتنی تلخی سے اس نے کہا تھا' ہوازہی اور معید بھائی کتنے خوش ہیں ماما کی یقین دہانی پر اور کتنا خیال رکھتے ہیں' وہ سب کا اور خاص کر عاشی کا جیسے وہ صرف اور صرف ان کی ذمے داری ہو...... حالانکہ عاشی اور ماما...... ماما بھی ان چند ماہ میں ہم سے کتنی دور ہو گئی ہیں...... ایک ساتھ ہی دو تین فلمیں سائن کرنے کے بعد وہ کتنی مصروف ہو گئی تھیں چند دن لاہور ہوتیں اور چند دن کراچی...... کراچی میں شاید ان کی کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی اور اب بھلا کیا ضرورت تھی اس عمر میں انہیں فلم میں آنے کی۔ اپنے سے آدھی عمر کے ہیرو کے ساتھ ہیروئن

آ کر وہ کتنی خوش اور مسرور تھیں اور اگر وہ یہاں ہوتیں تو شاید...... شاید شرجیل مرزا عاشی کے دل میں یہ خواہش نہ پیدا کر سکتا۔ ایک بار جب اس نے اس کے متعلق ماما سے بات کی تھی تو ماما نے فوراً ہی اس کی پڑھائی کا کہہ کر منع کر دیا تھا لیکن اب ماما یہاں نہیں تھیں اور عاشی فارغ تھی۔

''اور اب اس نے لاہور میں بی اے میں داخلہ لینا تھا۔ نینا اور مور مری ہی میں تھے عاشی سینئر کیمبرج کر کے آ چکی تھی...... اور یقیناً شرجیل مرزا پہلے بھی اسے فون کرتا رہا ہوگا۔ ورنہ ایک دم سے تو یہ فیصلہ نہیں ہو پاتا...... اور عاشی اپنے فیصلوں میں بہت سخت ہو گئی ہے۔ پاپا کی ڈیتھ کے بعد سے ہی اس کے لہجے میں سختی آ گئی تھی اپنی بات منوانے والی سختی...... اور اگر اس نے ارادہ کر لیا ہے تو پھر بھلا کون اسے روک سکے گا ''

اس نے مایوسی سے سوچا۔

''شاید...... شاید عادل بھائی۔ عاشی ان کا بہت احترام کرتی تھی۔ یقیناً وہ ان کی بات مان لے گی لیکن عادل بھائی پتا نہیں کب آئیں گے اور میرے پاس ان کا فون نمبر بھی نہیں ہے...... حویلی فون کر کے بی آپا سے پوچھ لوں...... لیکن بھلا وہ کیا سوچیں گی کہ میں عادل بھائی کا فون نمبر کیوں مانگ رہی ہوں۔''

''شہریار......'' دفعتاً اس کے ذہن میں روشنی

نمبر...... مگر شہریار پتا نہیں کہاں ہوگا...... کتنے سارے دن ہو گئے تھے اس نے رابطہ نہیں کیا تھا اور بار عینی کو فون کر چکی تھی لیکن وہاں سے کوئی کوئی ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔ غالباً وہ سب لوگ گاؤں چلے گئے ہوں گے۔

اور عینی کتنی فضول ہے جانے سے پہلے اس نے بتایا بھی نہیں کہ وہ لوگ گاؤں جا رہے ہیں' شاید اچانک جانا پڑا ہو لیکن اس نے نہیں بتایا تھا تو شہریار ہی بتا دیتا...... لیکن شہریار وہ بھی خدا جانے کہاں تھا دوبارہ اس نے رافع اسپتال فون بھی کیا لیکن پتا چلا کہ وہ آج کل چھٹی پر ہے...... خدا جانے اچانک کیا افتاد پڑ گئی تھی کہ سب بغیر بتائے گاؤں چلے گئے تھے۔

''اور وہ بالکل بات نہیں کرے گی شہریار سے...... اور اس عینی کی بچی سے۔''

کس قدر پریشان ہوئی تھی وہ اور بے اختیار ڈاکٹر رافع سے پوچھ بیٹھی تھی...... ''خیریت تو ہے نا...... شہریار کیوں چھٹی پر ہیں؟''

اور ڈاکٹر رافع نے اسے تسلی دی تھی...... ''بالکل خیریت سے ہیں بیٹا۔ شہریار یونہی ریلیکس کرنا چاہ رہے تھے اور چھٹیاں بھی کافی ڈیو تھیں ان کی' سو اپنی فیملی کے ساتھ چلے گئے۔''

اسے کس قدر غصہ آیا تھا...... کم از کم بتا کر تو جاتے...... لیکن اور اب پتا نہیں شہریار واپس بھی آئے ہیں یا نہیں لیکن میں بھی فون نہیں کروں گی اب خود ہی بات کریں گے اور شاید وہ ناراض ہیں مجھ سے۔

''لیکن میرا بھلا اس میں کیا قصور۔''

اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''ماما نے ہی اچانک کراچی جانے کا پروگرام بنالیا تھا اور ماما کے تو اب نہ آنے کا پتا چلتا ہے اور نہ جانے کا۔ اچانک آتی ہیں اور اچانک چل دیتی ہیں...... مور نے کتنا انتظار کیا تھا اور نینا بھی کتنی اداس تھی...... اور ماما اس روز آئیں جب انہیں واپس جانا تھا...... اور مور کس قدر خفا اور روٹھا روٹھا سا لگ رہا تھا اور اس نے ماما کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ یوں ہی منہ پھلائے بیٹھا رہا تھا۔ حتیٰ کہ جب ماما نے اس کے رخساروں کو چوما تھا تب بھی نہیں اور اس روز بھی تو ماما اچانک کراچی سے آگئی تھیں اور آتے ہی کچھ دیر بعد میڈم نرگس کی طرف چلی گئی تھیں کیونکہ بیگم آفندی کے بیٹے کی شادی ہونے والی تھی۔''

اور اسی وقت شہریار کا فون آگیا ہمیشہ کی طرح پہلا سوال اس نے ماما کے متعلق ہی کیا تھا۔

''مریم' تمہاری ماما کب آئیں گی۔ اب تو تم پڑھائی سے بھی فارغ ہو چکی ہو۔''

''آخر اتنی جلدی کیا ہے۔''

''ہے نا جلدی۔ تمہیں کیا خبر کیسے کیسے وہم مجھے ستاتے ہیں اور کس کس طرح میں پریشان ہوتا ہوں۔''

''پریشانی کی کیا بات ہے شہریار۔''

'''ہے نا' پریشانی کی بات مریم۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ اپنی کم مائیگی کے احساس سے کیسے کیسے خوف دل میں چمٹے ہوئے ہیں ہم سیدھے سادے دیہاتی لوگ ہیں اگر تمہاری ماما نے انکار کر دیا تو میں...... مریم میں کیسے جی پاؤں گا تمہارے بغیر زندگی بے معنی ہو جائے گی۔ یہ خلا میں لٹکنے کی اذیت...... میں چاہتا ہوں تمہاری ماما جلد اپنا فیصلہ سنا دیں۔''

''ماما آج ہی آئی ہیں آپ صبح بابا اور ماں جی کو بھیج دینا۔''

''تھینک گاڈ۔ مریم اس وقت تو خدا سے کچھ اور مانگ لیتا تو بھی مل جاتا...... پتا ہے' میں نے تمہیں فون کرنے سے پہلے دعا کی تھی کہ خدا کرے تمہاری ماما آچکی ہوں۔'' اس کے لہجے سے ایک دم اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

''چلیے خوش ہو جائیے آپ کی دعا قبول ہوگئی۔''

''مگر فی الحال آدھی دعا قبول ہوئی ہے خوش تو جب ہوں گا پورے طور پر جب تمہاری ماما مجھے او کے کر دیں گی...... لیکن یار وہ ایک رقیب روسیاہ بھی تو ہیں۔ کچھ پتا چلا کون حضرت ہیں......؟'' خود بخود اس کے لہجے میں شوخی آگئی۔

''پتا نہیں' ماما نے پھر ذکر ہی نہیں کیا۔ دراصل ماما ان چھ سات ماہ میں بہت مصروف رہیں بلکہ ابھی بھی مصروف ہیں......''

''موحی...... میری زندگی' کیا تمہیں یقین ہے...... کوئی امید ہے کہ تمہاری ماما انکار نہیں کریں گی۔''

''پتا نہیں شہریار۔ ماما کے متعلق کوئی بات بھی یقین سے نہیں کہی جا سکتی...... لیکن پھر بھی میرا ذاتی خیال ہے کہ ماما مجھ سے میری رائے ضرور پوچھیں گی۔''

''اور تمہاری رائے...... اف اوہ مجھے تو کبھی تمہاری رائے پوچھنے کا خیال نہیں آیا اور خوامخواہ خواب دیکھتا رہتا ہوں۔ ہاں تو کیا رائے ہے مریم؟''

وہ بغیر دیکھے جان سکتی تھی کہ شہریار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوگی اور آنکھوں میں ہلکی سی شرارت...... عینی کہتی تھی کہ شیری بھائی بہت سنجیدہ اور کم گو سے ہیں لیکن مریم سے تو وہ بہت زیادہ باتیں کرتا تھا اور اس کے لہجے میں اکثر شوخی بھی ہوتی اور شرارت بھی۔

''کیا بہت بری رائے ہے جو خاموش ہوگئی ہو۔''

''ہاں' بہت فضول رائے ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

''ارے پھر تو خاصی مشکل ہو جائے گی۔'' اس نے پریشانی کا اظہار کیا ''کیا رائے تبدیل نہیں ہو سکتی؟''

''اوں ہوں۔'' مریم...... بھی شرارت کے موڈ میں تھی۔

''دیکھو مریم' اپنی رائے فوراً تبدیل کر لو ورنہ......''

''ورنہ کیا......؟'' اس نے پوچھا۔

''ورنہ اسی تنخواہ میں گزارا کرنا پڑے گا۔''

وہ بے اختیار ہنس دی۔

''مجبوری ہے...... پھر اسی تنخواہ میں ہی گزارہ کریں۔''

''کر لیں گے بھئی...... ایک بار موقع تو ملے۔''

شہریار کے لہجے میں ایک دم ہی امید کی روشنیاں بھر گئی تھیں اور آنکھیں خواب دیکھنے لگی تھیں۔

''مریم' ہم دونوں ہمیشہ خوش رہیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارے لیے زندگی کی ہر خوشی مہیا کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں تمہیں اتنی محبت دوں گا' اتنی محبت کہ تمہاری زندگی کے سارے خلا پر ہو جائیں گے۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہوگا مریم۔ پیارے پیارے بچے اور ہم دونوں...... تب زندگی کتنی خوب صورت ہوگی مریم...... تم میرے ساتھ خوش رہو گی نا۔ میری چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو معاف کر دیا کرو گی نا...... مریم...... آئی لو یو' آئی لو یو مریم۔''

وہ یک دم بہت جذباتی ہو گیا تھا اور مریم کتنی ہی دیر سوچتی رہی تھی کہ اگر ماما نے انکار کر دیا تو...... لیکن نہیں' ماما انکار نہیں کریں گی۔ اسے یقین تھا کہ جس دوسرے پروپوزل کا ماما نے ذکر کیا تھا وہ یقیناً شرجیل مرزا کا ہوگا...... اور ماما جانتی ہیں کہ مجھے شرجیل مرزا قطعاً پسند نہیں ہے...... اور شہریار اور شرجیل مرزا کا

کیا مقابلہ۔

اس نے سوچا تھا وہ ماما کی واپسی پر انہیں عینی کے بابا اور ماں جی کے آنے کے متعلق بتا دے گی لیکن ماما بہت دیر سے واپس آئی تھیں اور وہ سو گئی تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر بھی وہ ماما سے بات نہ کر سکی تھی۔ ابھی ماما میز پر بیٹھی ہی تھی کہ آنٹی آفندی کا فون آ گیا تھا اور پھر میڈم نرگس سے مختصر سی بات کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"شریف ناشتا لے جاؤ۔ میں نرگس کی طرف جا رہی ہوں۔ وہاں ہی ناشتا کروں گی۔"

اور وہ جوان کے فارغ ہونے کے انتظار میں یوں ہی اخبار لیے بیٹھی تھی' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن زینب عثمان نے مسکرا کر اس کے گالوں کو چھوا۔

"کیا بات ہے ڈیئر؟"

"وہ آپ سے کچھ کہنا تھا۔ آج شام عینی کی ماں جی اور بابا نے آنا تھا۔"

"کوئی بات نہیں' آ جائیں وہ لوگ۔ شریف سے کہہ دینا وہ انٹرٹین کر دے گا۔"

"مگر ماما' وہ آپ سے ملنے......"

"تم ہونا' تمہاری فرینڈ ہے مومو۔ تم ان سے ملنا' گپ لگانا ...... اچھی طرح خاطر تواضع کر دینا۔" انہوں نے اس کی بات پر غور ہی نہیں کیا۔

"یوں بھی تو مجھے تین بجے کی فلائٹ سے واپس جانا ہے۔ بڑی مشکل سے بٹ صاحب سے اجازت لے کر آئی ہوں۔ بیگم آفندی میری پسند سے جیولری لینا چاہتی تھیں۔" وہ جلدی جلدی تفصیل بتا کر چلی گئیں۔

اور وہ چاہنے کے باوجود شہریار کو نہ بتا سکی کہ ماما نے تین بجے چلے جانا ہے۔ جانتی تھی کہ وہ ٹینس ہو جائے گا۔

بابا اور ماں جی آئیں گی تو وہ انہیں بتا دے گی کہ بس اچانک ہی ماما چلی گئیں۔ اسے ان کے پروگرام کا پتا ہی نہیں تھا۔

اور پھر اس نے بابا سے یوں ہی کہا۔

"آئے تو ہم آپ کی ماما سے ملنے تھے لیکن چلیں اپنی بیٹی سے باتیں کریں گے...... کیوں صالحہ۔"

"ہاں بہت دن ہو گئے تھے اس سے ملے۔ عینی بھی ماموں کے پاس جا کر بھول گئی اور اس نے بھی خبر نہیں لی۔"

"بس ماں جی' یوں ہی امتحان کی تھکن اتار رہی تھی......" وہ شرمندہ ہو گئی۔

"عینی کب آئے گی اسلام آباد سے؟"

"پتا نہیں۔" چوہدری نثار ہنسے "شاید اسے اسلام آباد ہی پسند آ گیا ہے۔ کل فون پر کہہ رہی تھی' ابھی

دھوپ بارش اور سائے

آنے کا موڈ نہیں ہے۔"

"نہ بھئی' میرا تو دل اداس ہو گیا ہے۔ سکندر' جا کر تم کل اسے لے آنا۔" صالحہ نے سکندر کو مخاطب کیا۔ جو جب سے آئے تھے' خاموش بیٹھے تھے۔

"جی بھابو۔" انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا "آپ جب کہیں گی لے آؤں گا۔"

"یار سکندر' پہلی بار تو گھر سے نکلی ہے' انجوائے کرنے دو اسے۔ اپنے ماموں کے گھر ہے کسی غیر جگہ پر تو نہیں۔"

"نہیں بھئی میں اداس ہو گئی ہوں اس کے لیے ایسے لگتا ہے جیسے گھر خالی ہو گیا ہے اس کے بغیر۔ بس تم کل لے آؤ۔"

"جی بہتر' لے آؤں گا۔"

"اور ایک ماما ہیں۔" مریم نے دل گرفتگی سے سوچا "جنہیں کسی کی پروا نہیں...... حتیٰ کہ مور کی بھی نہیں۔ شاید وہ کسی کے لیے بھی اداس نہیں ہوتیں۔ تب ہی تو سب سے دور ہیں۔ شاید وہ ہم سب سے اس طرح محبت نہیں کرتیں۔ جیسے مائیں اپنی اولاد سے کرتی ہیں۔ کاش' ماما بھی عینی کی ماں کی طرح ہوتیں۔ محبت کرنے والی شفیق۔"

وہی پرانی سوچ اس پر حملہ آور ہوئی تو اس نے ہولے سے سر جھٹک کر سکندر کی طرف دیکھا جو بہت گہری نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہے تھے۔

اور پتا نہیں' عینی کے چاچو اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ شاید وہ ڈرائنگ روم کے فرنیچر اور سجاوٹ سے ہماری حیثیت کا اندازہ لگا رہے ہیں۔

اس نے سوچا اور پھر خود ہی رد کر دیا۔

"نہیں بھلا انہیں کیا ضرورت ہے اس طرح کا اندازہ لگانے کی۔"

پھر اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"اور عینی کے چاچو...... کس قدر باوقار اور سنجیدہ لگتے ہیں۔"

"اور عینی کہتی ہے۔"

"میں جب بھی چاچو کو دیکھتی ہوں' مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی گہرا درد ان کے دل کو ہولے ہولے چھیل رہا ہو۔"

"شاید رضوانہ پھپھو کو دکھ دینے کا پچھتاوا...... ان سے بچھڑ جانے کا درد۔"

"اور کیا آدمی اپنی پہلی محبت کو کبھی نہیں بھول سکتا...... اور کیا پہلی محبت ہمیشہ دل میں زندہ رہتی ہے۔ کچوکے دیتی رہتی ہے۔"

"اور اگر ماما نے اور بابا ماں جی کو منع کر دیا تو......"

''کیا وہ شہریار کو کبھی نہیں بھول پائے گی۔''

''اور کیا اس طرح ایک گہرا درد ہمیشہ اس کے دل کو چھیلتا رہے گا۔''

تب ہی شریف سب کے لیے پانی لے آیا تو اس نے چونک کر شریف کو دیکھا۔

''صاحب جی۔'' اس نے گلاس سکندر کی طرف بڑھایا ''آپ بھی جی فلموں اور ڈراموں میں کام کرتے ہیں جی؟''

''احمق۔'' مریم نے دل ہی دل میں کہا۔

اب کیا یہاں آنے والا ہر فرد فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والا تو نہیں ہو سکتا......اور یہ شریف تو نرا احمق ہے۔ خدا جانے کیا دماغ خراب ہو گیا تھا اس کا جو ہر آنے والے شخص سے فلم میں چانس دلوانے کی بات ضرور کرتا اور ہر دلکش نظر آنے والا شخص اس کے نزدیک ہیرو تھا۔ لہٰذا وہ اسے فلموں میں کام کرنے کا مشورہ بھی ضرور دیتا تھا اور عینی کے چاچو کی شخصیت تو بڑی پرکشش تھی اور وہ سچ مچ کوئی ہیرو ہی لگتے تھے۔

''نہیں۔'' سکندر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ مریم بھی مسکرا دی۔

''آپ تو جی بالکل ہیرو لگتے ہیں۔'' شریف سب کو پانی سرو کر کے پھر ان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا ''اور جی' مجھے تو بڑا ہی شوق ہے جی فلموں میں کام کرنے کا لیکن کوئی بھی بات نہیں سنتا۔ وہ اپنے شجی صاحب ہیں' وہ بھی وعدہ کر کے بھول جاتے ہیں۔ بس ایک بار چانس مل جائے نا تو پھر دیکھنا' شریف کیسے انڈسٹری کے بڑے بڑے ہیروز کو پیچھے چھوڑ دے گا۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔'' مریم نے چوہدری نثار کی طرف دیکھا۔

''بابا' آپ انکل ہاشم سے ملیں گے بلواؤں انہیں۔ آپ کو ان سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔''

''ہماری بڑی بیٹی کے حوالے سے جو بندہ بھی ہمیں ملے گا' ہم اس سے مل کر خوش ہی ہوں گے۔''

چوہدری نثار نے محبت سے اسے دیکھا اور وہ ان کی محبت پر سرشاری ہو گئی۔

''جاؤ شریف' انکل کو بلا لاؤ۔ بتانا مہمان آئے ہیں۔''

''اچھا جی لیکن آپ بھی تو سفارش نہیں کرتیں نا۔ بیگم صاحبہ سے ایک دفعہ کہہ کر شریف کو چانس دلوا دیں۔''

''شریف۔'' مریم نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے جی' نہ کریں سفارش۔ شریف کا کیا ہے' جی لے گا۔ پر سکندر صاحب کی سفارش تو ضرور کر دیں۔ بالکل سنتوش کی طرح لگ رہے ہیں جی۔ آپ نے جی کبھی سنتوش کی فلم دیکھی ہے؟''

''نہیں یار' مجھے کبھی فلموں سے دلچسپی نہیں رہی۔'' سکندر نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''وہ تو میں نے بھی نہیں دیکھیں جی۔ پر وہ اپنے مجتبیٰ صاحب تھے نا' وہ بڑا ذکر کرتے تھے جی سنتوش

ا۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا کہ میں تو بالکل سنتوش لگتا ہوں......اور آپ بھی جی...... ویسے آپ فکر نہ کریں جی۔ میں آپ کی سفارش کر دوں گا۔ یہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں جی فلم انڈسٹری کے۔ اپنی بیگم صاحبہ بھی تو اب فلم میں کام کرتی ہیں۔ ان سے کہہ کر آپ کو ضرور چانس دلواؤں گا جی۔ شریف کا کیا ہے اسے چانس ملے نہ ملے۔''

''شریف۔'' مریم نے اب کے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ ''میں نے کیا کہا ہے کہ انکل کو بلا لاؤ۔''

''جی' بس جی جا ہی رہا ہوں۔ ایک منٹ۔'' اس نے لپک کر سائڈ ٹیبل سے اخبار کا سنڈے ایڈیشن اٹھایا ''یہ دیکھیں جی' ہماری بیگم صاحبہ کی تصویر۔'' اس نے میگزین کا رنگین صفحہ کھول کر سکندر کے سامنے رکھا۔

''تصویر......'' سکندر نے بے حد حیرت سے تصویر کو پھر اسے اور پھر مریم کو دیکھا۔

''ہاں جی تصویر......اپنی بیگم صاحبہ کی جی۔'' اس نے دانت نکالے ''اخباروں میں اور رسالوں میں چھپتی رہتی ہے۔''

''شریف۔'' مریم نے بے حد غصے سے اسے دیکھا۔

''جی......جی' بس جا رہا ہوں۔''

مریم نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر سکندر کی طرف دیکھا۔ وہ میگزین ہاتھ میں لیے ارد گرد سے بے نیاز ساکت سے بیٹھے تھے۔

''یہ آپ کی ممی ہیں؟'' کچھ دیر بعد انہوں نے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا۔

''جی۔'' مریم نے آہستگی سے کہا۔

''میرا مطلب ہے' زینب عثمان آپ کی ماما ہیں۔'' انہوں نے پھر پوچھا جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو۔

''جی...... یہ ماما ہی کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ماما کا شوق ہے۔'' لمحہ بھر ٹھہر کر اس نے وضاحت کی ''ایکٹنگ کرنا۔''

مریم کی نظریں سکندر کی چہرے پر تھی جب دل میں اچانک ہی خوف سا پیدا ہوا۔

''اور عینی کے چاچو پتا نہیں' کس مزاج کے ہیں۔ کیا خبر انہیں ماما کا فلم میں کام کرنا پسند نہ آئے اور وہ...... لیکن نہیں بابا اور شہریار کو تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پھر اگر عینی کے چاچو کو ماما کا فلم میں کام کرنا پسند نہ آئے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے پھر بھی......''

اس نے غور سے انہیں دیکھا لیکن ان کے چہرے سے کسی قسم کا کوئی تاثر نہ ملا۔

''کیوں' کیا تم مریم کی ماما کو جانتے ہو سکندر؟''

''اوہ...... ہاں' نہیں تو۔'' وہ چونکے۔ ''یوں ہی نام سنا ہے......شوبز سے متعلق لوگوں کے نام تو جانے پہچانے ہی ہوتے ہیں۔''

''ہاں۔'' چوہدری نثار کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ڈاکٹر ہاشم اندر داخل ہوئے۔

''آیئے انکل۔'' مریم کھڑی ہوگئی ''میری ایک دوست ہے عینی' یہ اس کے بابا ہیں۔'' اس نے تعارف کروایا۔

''اور کیا تمہارا بابا نہیں؟'' انہوں نے ڈاکٹر ہاشم سے ہاتھ ملاتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔

''ہاں' میرے بھی بابا ہیں۔'' وہ ہنسی ''اور یہ عینی کی اور میری ماں جی اور یہ عینی کے چاچو اور.....'' اس نے بے حد سنجیدہ سے کھوئے کھوئے بیٹھے سکندر کی طرف دیکھا۔

''اور تمہارے بھی چاچو۔'' چوہدری نثار ہنسے اور انکل ہاشم کی طرف دیکھا۔

''یہ بچی ہم سب کو بہت پیاری ہے۔''

''یہ ہے ہی بہت پیاری۔''

ڈاکٹر ہاشم سکندر سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے مسکرا کر مریم کو دیکھا۔

''اسی لیے تو ہم حاضر ہوئے تھے کہ اس پیاری سی بچی کو سچ مچ اپنا بنالیں۔'' بے اختیار چوہدری نثار کے لبوں سے نکلا اور مریم کے رخساروں پر گلاب کھل اٹھے۔

''انکل' آپ بابا سے باتیں کریں میں ذرا صفو کو دیکھوں کیا کر رہی ہے وہ۔'' حیا سے اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور رخسار گلابی ہو رہے تھے۔

''ہاں ہاں تم جاؤ' میں تمہارے بابا کو بالکل بور نہیں ہونے دوں گا۔'' اسے جانے کا کہہ کر وہ چوہدری نثار کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''اُفوہ.....اب معلوم نہیں بابا' انکل ہاشم سے کیا بات کرنے والے تھے۔'' وہ کچن میں چلی آئی اور کچھ دیر یوں ہی صفو کو چائے کے لوازمات ٹرالی میں رکھتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''آپ جاؤ نا موموبی بی' مہمانوں کے پاس بیٹھو۔ میں ابھی چائے لاتی ہوں۔'' صفو نے اسے دیکھا۔

''وہ انکل ہاشم ہیں ان کے پاس۔ میں یوں ہی دیکھنے آئی تھی کہ چائے تیار ہوئی ہے یا نہیں۔''

''چائے تو تیار ہے جی بس ذرا یہ کباب تلنے تھے۔'' صفو فریزر سے کباب نکالتے ہوئے بولی۔

''اور شریف کہاں چلا گیا؟''

''سموسے لینے گیا ہے۔ آہی رہا ہوگا۔''

''اچھا۔'' وہ کچن سے نکل آئی۔

اور پتا نہیں' بابا نے انکل ہاشم سے پھر کوئی بات کی یا نہیں لیکن انکل ہاشم ان کے جانے کے بعد ان کے متعلق پوچھتے رہے تھے اور انہوں نے عینی کے چاچو کی بہت تعریف کی تھی۔

''سکندر بہت کوالیفائڈ ڈاکٹر ہیں۔''

شاید اس کی عدم موجودگی میں انہوں نے انکل ہاشم سے کوئی بات کی ہوگی۔ ورنہ اس کے سامنے تو وہ زیادہ تر خاموش ہی رہے تھے۔ بس انکل ہاشم اور چوہدری نثار باتیں کرتے رہے تھے اور ماں جی اسے ارسلان' ارمغان کے متعلق بتاتی رہی تھیں۔

اور پھر جب شریف چائے سرو کر رہا تھا تو اچانک ہی انکل ہاشم نے پوچھا تھا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ڈاکٹر سکندر؟''

''ہاں' شاید نہیں۔'' انہوں نے پیشانی سے پسینا صاف کیا ''کچھ طبیعت بوجھل ہو رہی ہے۔''

''کیا ہوا سکندر؟'' چوہدری نثار پریشان ہوگئے۔

''شاید تھکن ہے۔ میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔ گھر جا کر آرام کروں گا تو بہتر ہو جاؤں گا۔''

اور پھر اس کے اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے نہیں رکے تھے اور پھر اس نے سوچا تھا کہ جب شہریار کو پتا چلے گا کہ ماما نہیں تھیں تو وہ ضرور خفا ہوگا لیکن خیر معذرت کرلوں گی لیکن شہریار نے تو فون ہی نہیں کیا۔

اور تب پریشان ہو کر اس نے سوچا تھا' شاید وہ بہت زیادہ خفا ہو گیا ہے کہ فون ہی نہیں کر رہا.....تب خود اس نے کتنی بار فون کیا۔ گھر بھی اور اسپتال بھی لیکن وہ تو کہیں بھی نہیں مل رہا تھا کتنے دن ہوگئے تھے اس سے بات کیے ہوئے۔ پھر وہ اسے بتائے بنا ہی گاؤں چلا گیا۔

اب اگر ماما کراچی گئی تھیں تو بھلا اس میں اس کا کیا قصور تھا۔

''ٹھیک ہے' اب میں بھی اس سے بات نہیں کروں گی۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''کتنی پریشانی ہوئی ہے مجھے اور اگر عاشی نہ جاتی تو.....'' وہ کتنی اداس ہو رہی تھی..... ''اور شکر ہے کہ عاشی آگئی ہے۔ عاشی کے آنے سے کتنی رونق ہوگئی ہے۔''

''اور اگر ماما بھی یہاں ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔''

''اور عاشی بھی مس کرتی ہے ماما کو.....''

اس نے کئی بار محسوس کیا تھا۔

''اور یہ شرجیل مرزا جانے کیسے عاشی کو کنٹیکٹ کیا ہے۔ جب سے عاشی آئی تھی' وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ یقیناً فون پر ہی بات ہوئی ہوگی..... پتا نہیں' آج سے پہلے بھی وہ کتنی بار بات کر چکا ہوگا اور عاشی اتنی معصوم ہے اور وہ انتہائی مکار۔ میں عاشی کو آرام سے سمجھاؤں گی۔''

تب ہی عاشی تیار ہو کر آگئی۔

''ارے بجو آپ ابھی تک ادھر ہی بیٹھی ہیں' تیار نہیں ہوئیں۔''

وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ شرٹ کی آستینوں پر شیشوں کا کام تھا۔ مریم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''عاشی بہت پیاری لگ رہی ہو۔''

''تھینک یو...... اب آپ اٹھیں فوراً اور پندرہ منٹ میں تیار ہو کر آ جائیں۔''

''مگر میں ٹھیک تو ہوں۔'' اس نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔

سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح ہی لگ رہی تھی معصوم اور سادہ سی۔

''بالکل بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اتنی شکنیں پڑی ہیں کپڑوں میں۔ پلیز بجو کوئی اچھا سا ڈریس پہن کر آئیں وہ والا مونگیا کلر کا' کڑھائی والا جو ماما اس دفعہ آپ کے لیے لائی ہیں۔''

''مگر وہ تو...... اس پر اتنا کام کیا ہوا ہے۔''

''تو جناب' آپ کی برتھ ڈے ہے نا۔''

عاشی بہت خوش لگ رہی تھی...... کچھ دیر پہلے والی بیزاری اب اس کے لہجے میں نہیں تھی...... پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اسے۔ باتیں کرتے کرتے بہت تلخ ہو جاتی تھی۔ کبھی ایسا لگتا جیسے اس سے زیادہ خوش مزاج کوئی ہے ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا الجھن تھی اسے یا پھر یوں ہی ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے اس کے مزاج کا رنگ ہی ایسا ہو گیا تھا۔

''اچھا۔'' اس کا موڈ بالکل ہی نہیں ہو رہا تھا لیکن عاشی کے اصرار پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اچھا ٹھیک ہے تم ذرا معید بھائی کو بلاؤ۔ اسپتال سے تو آ چکے ہوں گے۔''

''ہاں کچھ دیر پہلے ہی آئے تھے لیکن کیا ان کا جانا ضروری ہے۔ ہم دونوں کافی نہیں ہیں؟''

''نہیں۔'' مریم نے ہولے سے اس کا رخسار چھوا ''وہ اب اس گھر کے فرد ہیں...... اور یوں بھی وہ ساتھ ہوں گے تو تحفظ کا احساس ہوگا۔''

''او کے مادام......'' عاشی نے ہلکا سا سر خم کیا ''آپ کہتی ہیں تو بلا لیتے ہیں' ان کو بھی کیا یاد کریں گے۔''

وہ سیڑھیوں کی طرف مڑی تو مریم لمحہ بھر یوں ہی کھڑی اسے اوپر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''اور اب عاشی اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنا دکھ سکھ کہہ سکیں۔ کتنی پیاری اور کتنی بڑی بڑی لگنے لگی ہے...... میری بہن' میری دوست۔''

اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ عاشی نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''آپ ابھی تک کھڑی ہیں بجو......؟''

''جا رہی ہوں......'' وہ ایک نظر اس پر ڈال کر چینج کرنے چلی گئی۔

❁❁❁

''اور ماما کو گئے کتنے بہت سے دن ہو گئے ہیں اور اتنے بہت سے دنوں میں ماما نے صرف ایک فون کیا ہے۔''

مریم نے یونہی ''عذاب دید'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے سوچا۔ وہ کتنی دیر سے کتاب کھولے بیٹھی تھی لیکن ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا۔ چند دن پہلے وہ ڈاکٹر عبدالمعید کی شیلف سے اٹھا کر لائی تھی...... ڈاکٹر عبدالمعید نے اس کی بہت تعریف کی تھی۔

''بہت خوبصورت شاعری ہے۔''

''آپ کو شاعری سے بھی دلچسپی ہے؟'' مریم کو حیرت ہوئی تھی۔

''ہاں بہت زیادہ...... فارغ ہوتا ہوں تو کتابیں ہی پڑھتا ہوں۔ بہت دوستی ہے' میری کتابوں سے۔ میرے پاس بہت اچھا انتخاب ہے۔ آپ کو ضرورت ہو تو لے لیا کریں بلکہ پڑھا کریں۔ یوں بھی آج کل فارغ ہیں۔''

اور وہ محسن نقوی کی ''عذاب دید'' ان سے لے آئی تھی۔ مگر ابھی تک پڑھ نہیں سکی تھی۔ جب بھی کتاب کھولتی ذہن اِدھر اُدھر بھٹکنے لگتا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کسی چیز میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک نامعلوم سی اداسی تھی۔ جس نے اسے لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شاید ماما کی وجہ سے...... اور کتنے بہت سارے دن ہو گئے تھے انہیں کراچی گئے...... اور اتنے ہی دن ہو گئے تھے شہریار سے بات کیے' اس سے ملے۔ عینی ابھی تک غائب تھی۔ بابا اور ماں جی گاؤں سے آ گئے تھے۔ اس کی بات ایک دو بار ہوئی تھی ان سے اور انہوں نے بتایا تھا کہ عینی نے اسلام آباد میں اسپوکن انگلش کا کورس کرنے کے لئے ایڈمیشن لے لیا ہے' تین ماہ کے لئے اور اب مکمل کر کے ہی آئے گی۔

اور اس کا کتنا جی چاہا تھا کہ شہریار کے متعلق بھی پوچھ لے کہ وہ گاؤں سے آ گیا ہے یا ابھی تک وہیں ہے لیکن نہ پوچھ سکی...... ''بھلا بابا کیا سوچیں گے۔''

''اور اگر وہ گاؤں سے آ گیا ہوتا۔ تو یقیناً اسے فون کرتا۔''

''ضرور سکندر چاچو نے اسے روک لیا ہوگا۔ ویسے بھی تو وہ اس سے کہتے رہتے تھے کہ کبھی چھٹی لے کر یہاں بھی رہو...... گاؤں والوں کا بھی تم پر حق ہے۔''

''وہ زیادہ دیر اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ اسے یقین تھا...... اور عینی......''

''کیا تھا اگر وہ اسے ایک خط ہی لکھ دیتی۔''

''کس قدر اداس ہو رہی تھی وہ اس کے لئے پتا نہیں' وہ مجھے یاد بھی نہ کرتی ہوگی۔''

''اور یہ میں ہی ہوں بے وقوف اور احمق۔''

''پتا نہیں میری اٹیچ منٹ اتنی شدید کیوں ہو جاتی ہے۔ جو بھی میری محبت کی دائرے میں داخل ہوتا ہے اس کے لئے اتنی شدت کیوں ہو جاتی ہے میرے جذبوں میں اور پھر ان کی طرف سے اتنی شدت نہ پا کر میں کس قدر ہرٹ ہوتی ہوں اور جانے اور لوگوں کے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوتا...... شاید میری توقعات کچھ زیادہ ہوتی ہیں...... اور شہریار بھی اگر چاہتا تو کیا گاؤں سے فون کر کے بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ

کچھ دن گاؤں رہے گا اور شاید ساری محبتیں منہ دیکھے کی ہوتی ہیں...... وہاں جا کر اس نے مجھے سوچا بھی نہیں ہوگا۔ حالانکہ وہ کہا کرتا تھا۔

''موی' میں جس روز تم سے بات نہیں کرتا۔ بے کل سا رہتا ہوں...... مضطرب سا جیسے کچھ کھو سا گیا ہو۔ کوئی کمی رہ گئی ہو زندگی میں۔ دو منٹ کے لئے ہی سہی مجھ سے بات کر لیا کرو...... پتا ہے' اس تصور سے ہی میرا دل ڈوبنے لگتا ہے کہ اگر تمہارا ساتھ' تمہاری رفاقت نہ ملی تو...... سوچتا ہوں تصور سے دل کا یہ حال ہوتا ہے تو اگر سچ مچ ہم زندگی کے سفر میں بچھڑ گئے تو اس دل کا کیا حال ہوگا۔ لگتا ہے اس لمحے بند ہو جائے گا۔''

''اور وہی شہریار اتنے دنوں سے غائب تھا۔''

''اگر میں اسے یاد ہوتی' اسے میرا خیال ہوتا تو وہ مجھے ضرور فون کرتا۔ مگر شاید اس کے سارے جذبے وقتی تھے...... عارضی...... اور اب شاید کوئی اور...... کوئی اور اس کی زندگی میں آ گیا ہوگا...... جب ہی......''

چوہدری نثار کے گاؤں سے آنے کے بعد کتنی بار اس نے رافع اسپتال کا نمبر ملایا پھر رکھ دیا۔

''اگر وہ گاؤں سے آ گیا ہے تو وہ خود ہی کیوں نہیں فون کر لیتا۔''

اس نے پھر کتاب کھول لی لیکن الفاظ آنکھوں کے سامنے سے بغیر اپنا مفہوم اس پر واضح کیے گزر رہے تھے' کھلے ہوئے صفحے پر موجود غزل کو اس نے کوئی دو بار پڑھا لیکن ایک لفظ بھی ذہن میں نہیں اترا تو اس نے کتاب بند کر دی۔

''کیوں نہ آج بابا اور ماں جی سے مل آؤں...... کتنا بلا رہے تھے...... اور کس قدر محبت کرتے ہیں۔ کتنی شفقت سے بات کرتے ہیں اور شاید بابا سے مل کر ان سے باتیں کر کے یہ نامعلوم سی اداسی جو اندر ہی دل کو بھینچتی ہے' ختم ہو جائے۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹی وی لاؤنج میں آ کر صفو کو آواز دی۔

''صفو پلیز۔ ایک کپ چائے تو بنا دو۔''

''ناشتا تو ابھی تک آپ نے کیا نہیں' مومو بی بی اور چائے پہ چائے پیے جا رہی ہیں...... پتا ہے نا' آپ کو بیگم صاحبہ زیادہ چائے پینے سے منع کرتی ہیں۔''

''ناشتا تو عاشی کے ساتھ کروں گی لیکن پلیز' سر میں درد ہے۔ اس وقت ایک کپ چائے بنا دو۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے کنپٹیوں کو دبایا۔

''اور کیا یہ عاشی ابھی تک سو رہی ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا اور وال کلاک کی طرف دیکھا۔

گیارہ بجنے والے تھے اور عاشی ابھی تک سو رہی تھی۔ وہ تو اتنی دیر تک نہیں سوتی تھی۔ ہاسٹل میں رہنے کی وجہ سے اسے جلدی اٹھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔

''خدانخواستہ کہیں بیمار نہ ہو۔'' وہ یک دم پریشان ہو کر عاشی کے کمرے کی طرف بڑھی اور آہستہ سے

دستک دے کر اس نے دروازہ کھولا۔ عاشی سامنے ہی ڈریسنگ کے پاس کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔

''عاشی......''

''السلام علیکم بجو۔'' عاشی نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''آج بہت دیر کر دی تم نے۔ تم تو بہت جلد اٹھ جاتی ہو۔ میں پریشان ہو گئی تھی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟''

''اے ون۔'' وہ مسکرائی ''جاگی تو حسب عادت سویرے ہی تھی لیکن بیڈ سے اٹھنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ سو لیٹے لیٹے موسیقی سے لطف اندوز ہوتی رہی۔''

''تھینک گاڈ۔'' وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''لیکن آپ مجھے کچھ تھکی تھکی اور بیمار سی لگ رہی ہیں۔''

''نہیں' میں تو بالکل اچھی ہوں۔ یوں ہی رات کو نیند نہیں آئی تھی۔''

''بجو۔'' وہ بالوں کو ہیئر بینڈ میں کستے ہوئے اس کے قریب چلی آئی ''اب تو آپ کو عادی ہو جانا چاہیے۔''

''کس بات کا؟'' مریم نے نظریں اٹھائیں۔

''ماما کے گھر سے باہر رہنے کا۔'' عاشی کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''ہاں۔'' مریم نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا ''ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں تو ماما کو مس نہیں کر رہی۔''

''ایسی ہی بات ہے بجو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ ''میں جانتی ہوں' آپ ماما کی وجہ سے اپ سیٹ رہتی ہیں۔ آپ چاہتی ہیں' وہ ہمیشہ گھر پر رہیں۔ ہمارے ساتھ' ہمارے درمیان' ہمارے دکھ سکھ شیئر کرتی ہوئی۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے...... اور اب تو بالکل ہی ممکن نہیں ہے۔''

نہیں صرف یہ بات ہی نہیں کچھ اور بھی تو ہے...... کوئی اور خیال بھی تو اسے اپ سیٹ کر رہا ہے۔

اس نے سوچا لیکن وہ عاشی سے نہیں کہہ سکتی' باوجود اس کے کہ عاشی بہت سمجھ دار اور بڑی ہو گئی ہے اور اس کا دل چاہتا تھا کہ کبھی کبھی وہ اور عاشی بیٹھ کر دوستوں کی طرح باتیں کریں...... وہ عاشی کو اپنے من میں ہونے والی کیفیات' اپنے دکھ اپنے سکھ اور اپنے احساسات بتائے۔ پاپا کی باتیں کریں...... ماما سے متعلق اپنے خدشے اور خوف اس سے کہے لیکن کیا ہوا جو عاشی کا قد اتنا بڑا ہو گیا ہے اور وہ اپنی باتوں سے سمجھ دار لگنے لگی ہے۔

پھر بھی وہ ہے تو ابھی بچی ہی نا۔ اس پر اپنے خدشے اور خوف کیوں لادے اور اسے تو اس کا خیال رکھنا ہے بڑا بن کر۔ اس نے پاپا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سب کا بہت خیال رکھے گی اور کبھی کسی مشکل میں تنہا نہیں چھوڑے گی۔

''پتا ہے بجو۔'' اس نے جھک کر ہولے سے اس کے ہاتھ تھپتھپائے ''جب میں ہاسٹل سے آئی تو شروع شروع میں' میں نے بھی ماما کو بہت مس کیا تھا۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں ابھی تک ہاسٹل میں ہی ہوں...... صرف اتنا ہوا ہے کہ لاہور منتقل ہوگئی ہوں اور یہ کہ وہاں مری کے ہوسٹل میں ڈھیر سارے بچے تھے لیکن یہاں ہم صرف دو ہیں...... لیکن پھر ہولے ہولے میں نے جان لیا کہ ہماری زندگی کا سیٹ اپ اسی طرح ہے اور ہمیں اسی سیٹ اپ کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ اینڈ ناؤ اٹس او کے اور میں خوش ہوں...... بجو پتا ہے' ہماری ماما ایک قابل رشک زندگی گزار رہی ہیں اور میں...... مجھے زندگی میں کبھی موقع ملا تو میں بھی ایسی ہی زندگی گزارنے کی کوشش کروں گی لیکن شاید ہر شخص ماما کی طرح نہیں ہوتا۔ پتا نہیں' میں بھی اتنی لکی نہ ہوں لیکن میں کوشش ضرور کروں گی......''

''عاشی۔'' مریم نے دل ہی دل میں دکھ اور خوف کی چبھن ایک ساتھ محسوس کی...... ''نہیں عاشی...... ماما ایک قابل رشک زندگی نہیں گزار رہی ہیں۔ گھر سے' بچوں سے دور ہر وقت اسکینڈلز کی زد میں۔ عورت کے لیے قابل رشک زندگی تو وہ ہے جو عینی کی ماں گزار رہی ہیں۔'' اس نے افسردگی سے سوچا۔

''لیکن شاید عاشی ابھی اس کو نہیں سمجھ سکتی اور وہ ماما کو آئیڈیالائز کرتی ہے۔ اس کی طرح اور بیٹے بیٹیاں اس عمر میں ماں باپ کو ہی آئیڈیالائز کرتے ہیں...... وہ خود بھی تو بچپن میں ماما کے جیسا بننے کا سوچا کرتی تھی۔''

''آپ نے ناشتا کرلیا؟'' اسے خاموش دیکھ کر عاشی نے پوچھا۔

''نہیں۔ بس تمہارے اٹھنے کا انتظار کررہی تھی۔ ہاں چائے دوبار پی چکی ہوں۔''

''او کے۔'' اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور آواز دی۔

''صفو' ہمارے لیے ناشتا بناؤ' آج ہم پراٹھے کھائیں گے۔ آملیٹ اور اچار کے ساتھ۔'' وہ واپس آکر اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''بجو اتنی اداس نہ رہا کریں۔ پتا ہے' وہ ہاسٹل میں لڑکیاں مجھ پر رشک کرتی تھیں کہ میری ماما اتنی معروف و مشہور ہیں اور میرے آگے پیچھے پھرا کرتی تھیں۔''

اس کی خوبصورت آنکھیں چمک رہی تھیں اور رخساروں پر شفق اتری ہوئی تھی۔

''پتا ہے' میرا بہت دل چاہتا ہے بجو کہ میں ایک دن ماما کی طرح مشہور ہو جاؤں۔ ٹی وی پر' فلم میں ہر جگہ میرا نام ہو اور انکل مجتبیٰ نے مجھ سے پرامس کیا ہے۔ بلکہ یقین دلایا ہے کہ ایک بار میں اسکرین پر آگئی تو پھر ہر طرف میرا نام ہوگا۔''

''عاشی۔'' مریم کا رنگ زرد پڑ گیا۔ ''کیا تم نے پکا ارادہ کرلیا ہے ماڈلنگ کرنے کا؟''

''ہاں۔ ارادہ تو ہے۔'' وہ خوش دلی سے مسکرائی۔

مریم نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''اور پلیز آپ اس وقت مجھے کوئی لیکچر مت دیجیے گا۔ میرا موڈ صبح صبح موسیقی سن کر بہت اچھا ہوگیا ہے۔''

مریم نے آہستگی سے سر ہلا دیا لیکن اسے لگا جیسے کسی انجانے خوف کے پنجے اس کے دل میں گڑ گئے ہوں۔ پھر کبھی رسان سے عاشی کو سمجھاؤں گی اور وہ یقیناً سمجھ جائے گی۔ وہ ایسی نادان نہیں ہے بلکہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ سمجھدار اور بولڈ ہے۔ عاشی اٹھ کر اخبار لینے چلی گئی تو اس نے پوچھا۔

''آپ بہت دنوں سے عینی کی طرف نہیں گئیں؟'' عاشی اخبار لے کر پلٹی تو اس نے پوچھا۔

''ہاں' وہ عینی یہاں نہیں ہے نا اس لیے...... البتہ اس کے بابا اور ماں جی ادھر ہی ہیں۔ کل بھی میں نے فون کیا تھا بہت بلا رہے تھے مجھے۔''

''تو پھر چلی جائیں...... آپ کا موڈ اچھا ہو جائے گا۔'' اس نے اخبار کھولا اور اس کا خود کتنا جی چاہ رہا تھا جانے کو۔ شاید وہاں سے شہریار سے متعلق کچھ پتا چلے...... لیکن وہ اپنے آپ کو زبردستی روکے ہوئے تھی۔

''تم بھی چلو نا عاشی' آؤٹنگ ہو جائے گی اور تم آج تک ادھر نہیں گئی ہو...... ماں جی اور بابا سے مل کر تم یقیناً خوش ہو جاؤ گی۔''

''سے پی...... لیکن میرا موڈ نہیں ہے' کہیں بھی جانے کا۔ انکل ہاشم سے گپ لگاؤں گی اور معید سے پلاؤ پکانا سیکھوں گی۔''

''معید بھائی سے۔'' مریم کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

''ہاں۔ ہاں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ صفو بی سے زیادہ اچھا پلاؤ پکاتے ہیں۔ سو آج وہ پلاؤ پکائیں گے اور میں دیکھوں گی۔''

''پھر تو صحیح ہے۔'' مریم کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

''اور آپ کھانا وانا کھا کر مت آیئے گا وہاں سے۔ آج معید کے ہاتھ کا پکا ہوا پلاؤ کھانا ہے آپ کو۔''

''کیا معید بھائی اسپتال نہیں جائیں گے؟''

''آج چھٹی ہے بجو۔''

''او کے...... میں بس ماں جی اور بابا سے مل کر جلدی آجاؤں گی۔''

اور پھر وہ ناشتا کر کے خود ہی گاڑی لے کر نکل گئی۔

عاشی سے باتیں کر کے اس کی اداسی کسی حد تک کم ہوگئی تھی لیکن پھر بھی وہ راستے بھر شہریار کے متعلق ہی سوچتی رہی۔

''اور اگر شہریار یہاں ہی ہوا تو...... اگر وہ بدل گیا تو...... اور مرد کو بدلتے کون سی دیر لگتی ہے انکل مجتبیٰ

نے کتنی بار کہا تھا۔

"مرد تو اپنا دل بس ہتھیلی پر رکھ کر پھرتے ہیں۔ جہاں کوئی اچھی صورت نظر آئی وہاں ہی پیش کر دیا۔

اور کیا خبر شہریار کے اسپتال میں کوئی بہت پیاری' بہت ہی دلربا لڑکی آ گئی ہو اور شہریار اسے بھول گیا ہو..... لیکن نہیں لالہ کہتی تھی۔ شہریار ایسا مرد نہیں ہے۔ وہ تو چاہت میں مر مٹنے والا مرد ہے۔ ایک در کو پکڑنا اور اسے مضبوطی سے پکڑے رکھنے والا مرد......"

عینی کے گھر میں کوئی نہیں تھا سوائے ماسی زرینہ کے جو ان کے گھر کے برتن دھوتی اور صفائی کرتی تھی۔

"وہ جی' آپا جی اور چوہدری صاحب کہیں پرسے کے لیے گئے ہیں۔ ارسل میاں کے کسی دوست کے والد کا انتقال ہو گیا ہے ادھر۔ آپ بیٹھیں نا جی۔ ابھی آ جائیں گے۔"

"نہیں' بس تم انہیں بتا دینا میرا۔"

وہ لمحہ بھر ٹھہری ...... "شہریار کے متعلق پوچھوں......" اس نے سوچا مگر پھر ارادہ ملتوی کر دیا...... اور واپسی کے لیے مڑی وہ سر جھکائے اپنے دھیان میں چلی جا رہی تھی کہ گیٹ سے شہریار داخل ہوا۔ وہ بھی سر جھکائے اپنے دھیان میں تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

مریم نے سر اٹھایا۔ وہ شہریار ہی تھا ایک دم اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور وہ سوری کہتی ہوئی ایک طرف ہو کر باہر جانے لگی تو شہریار نے بے چینی سے اسے آواز دی۔

"مریم۔" لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

"ناراض ہو مجھ سے' خفا ہو؟" وہ اس کی طرف لپکا۔

"نہیں' مجھے آپ سے خفا ہونے کا کیا رائٹ ہے۔"

"سارے رائٹ تو تمہارے پاس ہی ہیں مریم۔" اس نے دل شکستگی سے کہا "خدا کے لیے اس طرح روٹھ کر' خفا ہو کر مت جاؤ۔ میں نہیں برداشت کر پاؤں گا...... میں تو پہلے ہی بہت اذیت میں ہوں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ مریم نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"میں جانتا ہوں' مریم تم کیوں خفا ہو۔ مجھے ڈانٹو ڈپٹو' لڑو مجھ سے لیکن خدا کے لیے اس طرح مت کرو۔ مجھ سے پوچھو میں تمہیں بتاؤں گا کہ اتنے دنوں سے کیوں رابطہ نہیں کر رہا تھا' کس لیے......"

"اور میں۔" مریم کی آواز بھر آ گئی۔ "آپ کو پتا ہے میں کتنی پریشان ہوئی۔ کیسے کیسے وہم میرے دل میں آئے تھے اور ......" آنسو اس کی پلکوں کا بند توڑ کر رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"مت روؤ مریم...... پلیز...... چلو آؤ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔ مجھے پتا تھا تم پریشان ہو گی۔ بدگمان ہو جاؤ گی مجھ سے' لیکن میں کیا کرتا مریم مجھے لگتا تھا' جیسے میں میں نے تم سے بات کی تو ضبط کھو بیٹھوں گا...... اور اپنے ساتھ تمہیں بھی پریشان کروں گا۔ صرف تمہاری پریشانی کے خیال سے میں تم سے بات

نہیں کر رہا تھا۔"

"کیا ہوا تھا آپ ٹھیک تو تھے نا؟" سارے گلے شکوے بھول کر مریم نے بے حد بے چین ہو کر اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے تھے اور وہ پہلے کے مقابلے میں بہت کمزور لگ رہا تھا۔

"آپ...... آپ بیمار تھے کیا؟" وہ مضطرب ہوئی۔

"آؤ اندر چلو آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" شہریار نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا "آؤ نا۔"

مریم نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بے چینی سے بولی۔

"آپ بتاتے کیوں نہیں...... کیا ہوا تھا آپ کو......؟ بیمار تھے آپ۔ لگ رہا ہے آپ بیمار تھے لیکن آپ نے مجھے خبر کیوں نہیں دی۔ بتایا کیوں نہیں۔"

"کہا نا' بتاتا ہوں۔" شہریار نے محبت سے اسے دیکھا۔

"چلیں' یہاں ہی بیٹھ جاتے ہیں۔" مریم نے برآمدے میں ہی رک کر کرسیوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"کیوں' کیا مجھ پر اعتبار نہیں رہا؟" شہریار نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔" مریم اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"خیر اگر تم بے اعتبار بھی ہو جاؤ مریم' تو کوئی گلہ نہیں کہ ایک ماہ سے میں نے تمہاری خبر نہیں لی لیکن تمہیں کیا پتا کہ کتنا تڑپا ہوں' میں تم سے بات کرنے کو۔ کیسے کیسے ضبط کیا ہے...... کیسے کیسے روکا ہے خود کو۔"

"مگر کیوں' کس لیے؟"

"کیا بتاؤں مریم۔" اس نے ایک گہری سانس لی "کچھ سمجھ میں نہیں آتا' کیا بتاؤں تم کو کس کرب سے گزر رہا ہوں میں' کس اذیت میں مبتلا ہوں۔"

"مجھے بتائیں پلیز...... شہریار کون سی بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ آئی ول ٹرائی ٹو ہیلپ یو۔"

"تم۔" شہریار نے جھکا ہوا سر اٹھایا "مریم جب پہلے پہل میرے دل میں تمہارے نام کی کونپل پھوٹی تو اس کے ساتھ ایک نامعلوم سا خوف بھی اگ آیا...... میں ڈرتا تھا کہ کہیں تمہاری ماما مجھے رد نہ کر دیں۔ میرے اور تمہارے اسٹیٹس میں بہت فرق تھا اس لیے ہفتوں مہینوں میں اس جذبے کو اپنے آپ سے بھی چھپاتا رہا۔ نفی کرتا رہا...... میں اس کونپل کے تناور درخت بننے سے خوف کھاتا تھا موی لیکن کچھ پودے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں جتنا بھی اکھاڑو ان کی جڑیں اندر زمین میں ہی رہ جاتی ہیں اور پھر ذرا سی نمی پا کر پھوٹ پڑتی ہیں۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا موی...... میں جتنا بھی اس کو مسلتا' یہ پھر پھوٹ پڑتی اور بالآخر یہ ایک تناور درخت بن گئی لیکن خوف کا پودا بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی بڑھتا گیا۔"

مریم ساکت بیٹھی اس کی بات سن رہی تھی۔ ایک بار اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا زرینہ کچن میں برتن دھو

رہی تھی۔

''اور ہوا' یا مریم...... میرے خوف' میرے ڈر اور میری سوچوں کے بالکل برعکس...... بعض اوقات جو ہم سوچتے ہیں' اس کے برعکس...... کوئی بات ہو جاتی ہے۔''

''پلیز شہریار......'' مریم نے التجا کی...... ''مجھے ٹینس نہیں کرو' پلیز بتاؤ کیا ہوا۔ کیا ماما نے کچھ کہا ہے۔ کیا انہوں نے فون پر منع کر دیا ہے آپ کو۔ اگر ایسا ہے تو میں خود بات کروں گی ماما سے۔'' محبت نے یک دم اسے بولڈ بنا دیا تھا۔

''نہیں موموٗ ماما سے تو بات ہی نہیں ہوئی ابھی۔ تمہیں پتا تو ہے۔ رکاوٹیں تو یہاں کھڑی ہوگئی ہیں میرے گھر میں۔''

''کیا!'' مریم نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا ''کیا بابا اور ماں جی۔'' اس کی آواز ٹوٹ سی گئی۔ جیسے اسے یقین نہ ہو جو کچھ اس نے سنا ہے۔

''نہیں...... نہیں مریم نہیں۔ بابا اور ماں جی تو خود پریشان ہیں لیکن وہ بھی کیا کریں۔ سکندر ماموں اتنے سالوں بعد گھر آئے ہیں وہ ان کی بات ٹال بھی نہیں سکتے اور تم...... تم بھی انہیں بہت پیاری ہو۔''

''سکندر ماموں...... کیا انہوں نے مجھے رد کر دیا ہے۔'' مریم کی آواز بکھر رہی تھی۔

''نہیں مریم' مت کہو ایسا۔'' شہریار نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''تم رد کرنے والی نہیں ہو موموٗ تم تو دل کی ملکہ بننے کے قابل ہو' مت کہو ایسا میرا دل پھٹ جائے گا۔''

''پھر۔''

''پتا نہیں کیوں۔ پتا نہیں کس لیے سکندر ماموں نے ایسا کیا۔ انہیں تم اچھی لگی تھیں' پسند تھیں۔ خود انہوں نے مجھ سے کہا تھا...... تمہاری پسند بہت اچھی ہے اور مریم بہت پیاری بچی ہے لیکن پھر پتا نہیں کیا ہوا' اس روز وہ تمہارے گھر سے واپس آئے تو بہت اپ سیٹ تھے اور انہوں نے بابا سے کہا کہ وہ میرا رشتہ کہیں اور کر دیں لیکن یہاں نہیں کسی صورت میں بھی نہیں۔ بابا نے انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کسی طرح قائل نہیں ہوئے۔''

''مگر کیوں شہریار۔'' مریم نے آنسو پینے کی کوشش کی ''کوئی وجہ تو بتائی ہوگی انہوں نے۔''

''نہیں لیکن ماں جی کا خیال ہے کہ شاید تمہاری ماما کے شوبز میں ہونے کی وجہ سے۔''

''لیکن میرا تو شوبز سے کوئی تعلق نہیں ہے شہریار' میں تو......''

''ہاں' بابا نے تمہاری بہت وکالت کی۔ ماں جی نے بھی لیکن پتا ہے سکندر ماموں نے کیا کہا۔''

''تو پھر وہ نہ تو اس شادی میں شریک ہوں گے اور نہ آئندہ ہم سے کوئی رابطہ رکھیں گے...... بلکہ ممکن ہے' وہ واپس چلے جائیں اور یہ سب بہت مشکل ہے بابا کے لیے۔ بابا' سکندر ماموں سے بہت پیار کرتے ہیں کتنے سارے سالوں بعد تو وہ واپس آئے ہیں۔''

''تو؟'' مریم کو لگا' جیسے اس کا دل یک دم خالی خالی ہو گیا ہو۔ جیسے منزل آنکھوں کے سامنے آ کر کھو گئی ہو...... جیسے کوئی بہت انہونی ہو گئی ہو۔

''تو۔'' شہریار نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی ''کچھ بھی نہیں' بس تمہیں تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔ میں نے اسی لیے اتنے دن تمہیں فون نہیں کیا اور بغیر تمہیں بتائے گاؤں سکندر ماموں کے ساتھ ہی چلا گیا۔ میں چاہتا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے تو تم سے بات کروں۔ مجھے پتا تھا کہ تم سے بات کرتے ہی میں اختیار کھو بیٹھوں گا۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا مومو۔ لیکن ابھی تک بابا سکندر ماموں کو قائل نہیں کر سکے اور نہ ہی سکندر ماموں نے کوئی وجہ بتائی ہے۔ آج اگر تم نہ بھی آتیں تب بھی میں نے سوچ لیا تھا کہ آج تمہیں ضرور فون کروں گا...... پتا ہے مومو...... میں ہر روز تمہیں فون کرتا تھا اور تمہاری ہیلو سن کر فون رکھ دیتا تھا...... یہ طے ہے کہ میں تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن میں سکندر ماموں اور بابا کو ناخوش بھی نہیں کرنا چاہتا...... میری دلی آرزو ہے کہ سب کچھ ان کی مرضی اور خوشی سے ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر میں خود ہی...... اور یہ ناگزیر ہوگا۔''

''لیکن میں ناامید نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے بابا' سکندر ماموں کو قائل کر لیں گے ایک دن...... مگر مجھ سے وعدہ کرو مریم' مایوس نہیں ہوگی۔ میرا انتظار کرو گی۔ اپنی انتہاؤں تک......''

''لیکن شہریار۔'' مریم نے دل گرفتگی سے کہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں مریم...... تمہاری رفاقت اور تمہارا ساتھ ہی میرے دل کو روشن رکھ سکتے ہیں......''

''مگر وہ روشنی جو دوسروں کو دکھ دے کر حاصل کی گئی ہو' اس سے اندھیرے ہی بھلے ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ سب کچھ بھول جاؤں...... آپ بھی مجھے بھلانے کی کوشش کیجیے گا۔'' وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔ ضبط کی کوشش میں آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

''نہیں...... میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا اگر تم انتظار نہیں کر سکتیں تو میں ابھی اسی وقت سب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر تمہاری ماما......''

''نہیں۔'' مریم نے بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو ہاتھوں کی پشت سے صاف کیا...... ''میں خودغرض نہیں ہوں۔ میں اپنی خوشی کے لیے آپ کو سب سے جدا نہیں کر سکتی۔''

''تو پھر وعدہ کرو' میرا انتظار کرو گی...... خواہ کچھ بھی ہو جائے۔''

مریم خاموش سر جھکائے کھڑی تھی۔

''مریم ادھر دیکھو...... میری آنکھوں میں......'' وہ جذباتی ہو گیا...... ''کیا نظر آ رہا ہے ان میں...... غور سے دیکھو مریم۔ یہ آنکھیں تمہاری محبت سے سرشار ہیں تم ہی تم ہو ان میں۔ تمہیں میرا انتظار کرنا ہے۔

پورے یقین کے ساتھ۔ ممکن ہے کچھ دیر ہو جائے...... لیکن بہت دیر نہیں ہوگی۔ میرا یقین رکھنا...... مجھے تھوڑا سا وقت درکار ہے اور یہ تھوڑا سا وقت بہت مشکل ہو جائے گا۔ مریم اگر یہ یقین کے ساتھ نہ ہوا کہ تم...... تم میری منتظر ہو...... پلیز مریم۔"

"پرامس۔" مریم کی نظریں جھک گئیں "میں آپ کا انتظار کروں گی' اپنی انتہاؤں تک۔"

"تھینک یو...... تھینک یو مریم۔" شہریار کی آنکھوں میں آنسو گھلنے لگے "جب دیکھو کہ تم تھک گئی ہو اور تمہارے لیے انتظار ممکن نہیں رہا تو مجھے ضرور بتانا مریم۔ میں ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر تم تک پہنچوں گا...... ساری زنجیریں کاٹ دوں گا... انتظار نہیں کروں گا ان کے خود بخود کٹنے کا۔"

"میں نے کام ختم کر لیا ہے' اب جا رہی ہوں۔"

ماسی زرینہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے آگئی تو شہریار نے اس سے درخواست کی۔

"ماسی' میں نے مریم کو روک لیا تھا کہ ماں جی اور بابا آتے ہی ہوں گے اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو چائے بنا دیں۔ شاید تب تک ماں جی آ ہی جائیں گی۔"

"تکلیف کیسی پتر...... چائے بنانے میں کون سے ہل جوتنے پڑتے ہیں۔"

"نہیں پلیز' میں نے صبح سے اب تک کافی چائے پی ہے' اب نہیں پیوں گی۔ آپ پلیز تکلیف نہ کریں۔" مریم نے ماسی زرینہ کو منع کیا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے کچن کی طرف چلی گئی۔

"مریم...... کیا تم اب بھی مجھ سے خفا ہو۔ سوری میری وجہ سے تم پریشان رہیں۔"

"کوئی بات نہیں...... آپ بھی تو پریشان ہی تھے۔"

"بس تم مجھ پر اپنا یقین پختہ رکھنا مریم۔"

مریم نے سر ہلا دیا لیکن اندر ہی اندر اس کا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ ایک دم بے تحاشا تھکن سارے وجود میں اتر آئی تھی۔ جیسے کوئی منزل پر پہنچنے سے پہلے تھک کر بے دم ہو کر گر جائے۔

زرینہ چائے بنا کر لائی تو چوہدری نثار اور صالحہ بھی آگئے ان کے ساتھ سکندر بھی تھے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے میری بیٹی آئی ہے۔" چوہدری نثار نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کے سر پر بوسہ دیا۔

"جی بابا کیسے ہیں آپ۔"

"ایک دم اچھا...... اور تم کیسی ہو؟"

"میں بھی ایک دم اچھی ہوں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور صالحہ کی طرف مڑ گئی اور ان سے مل کر اس کی نظریں سکندر کی طرف اٹھ گئیں جو بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

اس نے سر کے اشارے سے انہیں سلام کیا اور پھر بابا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اور یہ لڑکی۔" سکندر کی نظریں ابھی تک اس پر تھیں۔

"ڈولی کی بیٹی ہے اور ڈولی کی بیٹی سے شہریار کی شادی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ شیری کی زندگی تباہ ہوتے میں نہیں دیکھ سکتا...... کیا پایا ہے شیری نے نہ ماں کی محبت' نہ باپ کی شفقت اور اب ڈولی جیسی خود پسند اور سیلفش عورت کی بیٹی سے شادی کر کے کیا پائے گا وہ۔ زندگی بھر کا عذاب۔"

"ارے بیٹی' بیٹھو نا۔" چوہدری نثار نے کہا تو انہوں نے چونک کر نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"بس بابا' اب چلوں گی۔ کافی دیر سے آئی ہوئی ہوں۔"

"نہیں بیٹا' کچھ دیر تو اپنے بابا کے پاس بیٹھو۔"

چوہدری نثار نے اصرار کیا تو وہ بیٹھ گئی۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ سکندر۔" انہوں نے پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑے سکندر کی طرف دیکھا اور صالحہ سے کہا۔

"بھئی ہماری بیٹی اتنے دنوں بعد آئی ہے' کچھ کھلانے پلانے کا ارادہ نہیں۔"

"نہیں بابا' ابھی چائے پی ہے۔"

"خیر ہے بھئی...... چائے نہ سہی کچھ اور ہی سہی۔" وہ ہنسے اور ایک گہری نظر اس پر ڈالی "کیا بات ہے' ہماری بیٹی آج کچھ اداس لگ رہی ہے۔ ماما' نینا' مور سب اچھے تو ہیں نا؟"

"جی بابا۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"پھر؟" ان کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"پھر کچھ نہیں۔" وہ ہنس پڑی "یوں ہی کچھ تھکن سی ہے۔"

"اور تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟"

"شاید آج کل میں۔"

"مریم بیٹی بہت لائق ہے۔ بہت ذہین۔" انہوں نے خاموش بیٹھے سکندر کو مخاطب کیا۔ جو بے دھیانی میں بیٹھے جانے کیا سوچ رہے تھے کبھی کبھی ان کی نظریں مریم کے چہرے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"کس قدر معصوم لگتی ہے' دیکھنے میں۔ بظاہر ڈولی سے کتنی مختلف ہے لیکن ہے تو اسی کی بیٹی...... یقیناً اسی کی طرح ہوگی......"

"خود غرض اور ظالم۔"

"اپنی انا کا شکار۔"

"خود پرست اور خود پسند۔"

"یقیناً اس نے بھی شہریار کو تسخیر کرنے کے لیے جھوٹی محبت اور الفت کا ڈھونگ رچایا ہوگا۔"

"محض اپنے جذبہ برتری کی تسکین کے لیے۔"

اور سکندر کو خاموش دیکھ کر وہ پھر مریم کی طرف متوجہ ہو گئے جو گاہے گاہے سکندر کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

''اور پتا نہیں' یہ شخص کیا سوچ رہا ہے۔''

''شاید اسے بابا کا مجھ سے اس طرح باتیں کرنا پسند نہیں آ رہا اور کیا وہ ان سے......ان سب شفقتوں اور محبتوں سے محروم ہو جائے گی......محض اس شخص کی وجہ سے۔''

ایک دم ہی دل پر بہت سارا بوجھ آ گرا تو وہ کھڑی ہو گئی۔

''ارے ارے' تمہاری ماں جی تمہارے لیے کچھ لینے گئی ہیں۔''

''نہیں بابا پھر سہی......عینی کا فون آئے تو اسے میرا اسلام کہیے گا۔''

اور پھر وہ ان کے اصرار کے باوجود وہاں نہیں رکی اور کچن میں اس کے لیے کباب تلتی صالحہ بیگم کو دروازے کے اندر جھانک کر خدا حافظ کہہ کر حیران چھوڑ کر چلی گئی۔

''ارے کیا ہوا' مریم چلی بھی گئی۔'' وہ ہاتھ پونچھتی برآمدے میں آ گئیں۔

''ہاں کچھ اپ سیٹ لگتی ہے۔ شاید شہریار نے کچھ بتایا ہو'' انہوں نے سکندر کی طرف دیکھ کر گویا انہیں جتایا لیکن سکندر سر جھکائے بیٹھا جانے کیا سوچ رہا تھا۔

''سکندر۔'' انہوں نے آہستگی سے اسے ہلایا۔

''جی بھا جی۔'' سکندر نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

''کیا یہ زیادتی نہیں ہے کہ محض اس لیے کہ مریم کی والدہ کا تعلق شوبز سے ہے' ہم اسے بھی رد کر دیں۔ میں مریم کو تقریباً دو سال سے جانتا ہوں اور عینی تو چھ سال سے اس کے ساتھ پڑھ رہی ہے' دونوں میں بے حد دوستی ہے۔ عینی نے ہمیشہ اس کی تعریف کی ہے۔ وہ بہت حساس ہے اور اپنے گھر' ماحول اور والدہ کے مزاج سے بالکل مختلف۔''

اور ڈولی بھی کتنی مختلف لگتی تھی۔ پرخلوص اور جان قربان کرنے والی' بظاہر بے غرض اور بے طلب محبتیں لٹاتی ہوئی'' بلکہ مریم کو تو ہمیشہ اپنی والدہ سے اس بات پر اختلاف رہا۔ اسے کبھی بھی ان کا شوبز میں جانا پسند نہیں رہا۔''

''بھا جی۔'' سکندر نے گمبھیر آواز میں کہا ''میں نے محض ایک رائے دی تھی میرا تجربہ ہے کہ ایسی لڑکیاں گھر نہیں بناتیں جلد یا بدیر یہ گھر بن کر ٹوٹ جاتے ہیں میری خواہش ہے کہ شہریار کو زندگی میں بہت محبتیں ملیں' مکمل آسودگی اور خوشی ملے میں نے محسوس کیا تھا کہ باوجود اس کے کہ آپ نے اور بھابو نے بہت شفقتیں اور محبتیں دی ہیں۔

ارسل منے اور عینی کی طرح ہی چاہا ہے اسے لیکن پھر بھی اس کے اندر ایک تشنگی سی ہے۔ جو کبھی کبھی اس کی آنکھوں سے جھانکنے لگتی ہے' مجھ سے عنبر آپا کے متعلق پوچھتے ہوئے ان کی باتیں سنتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جو درد کروٹیں لیتا ہے' وہ مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ بھا جی' یہ ان اتنے پیارے اور شفیق رشتوں سے محرومی کا کرب ہمیشہ آدمی کے اندر رہتا ہے۔'' انہوں نے ایک نظر چوہدری نثار پر ڈالی ''میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ شیری کی بیوی اتنی اچھی اور محبت کرنے والی ہو کہ اس کی زندگی کی یہ تشنگی اور اس کا کرب کم ہو جائے لیکن بھا جی اگر آپ اور شہریار نہیں چاہتے ہیں تو......'' وہ کھڑے ہو گئے۔

''میں کچھ دنوں تک امریکا واپس جا رہا ہوں۔ شہریار کبھی کبھی گاؤں جا کے اسپتال دیکھ لے گا اور میں ایک دو ڈاکٹر وہاں اپائنٹ کر دوں گا۔''

''سکندر پتر۔'' چوہدری نثار نے تڑپ کر انہیں دیکھا اور کھڑے ہو کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''نہیں سکندر' میں تمہیں اب واپس نہیں جانے دوں گا۔ میں نے تو یونہی ایک بات کی تھی اور نہ ہی شیری ایسا ہے اور سنو وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے۔ میں شیری کو سمجھا دوں گا۔ بس یوں ہی اس بچی کے لیے خود بخود ہی دل میں ایک جگہ بن گئی تھی اور پھر شیری نے تو ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا یہ تو ہم سب کی' تمہاری بھابو کی' عینی کی اور میری خواہش تھی اور شیری نے تو ہم سب کی خواہش کا احترام کیا تھا۔''

''تو پھر آپ۔'' سکندر کی سوالیہ نظریں ان کی طرف اٹھیں۔

''پھر کچھ نہیں۔'' وہ افسردگی سے مسکرائے ''مریم پتا نہیں کیوں' ہم سب کو بے حد عزیز ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ ارسل اور منا بھی جب بھی فون کرتے ہیں' پوچھتے ہیں لیکن ہم تمہیں کسی صورت بھی نہیں کھونا چاہتے۔ مریم نہ سہی کوئی اور سہی...... پتا نہیں کیوں' میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ محض اس وجہ سے کہ مریم کی والدہ شوبز سے متعلق ہیں تم اسے رد نہیں کر رہے ہو۔ تم اتنے تنگ نظر نہیں ہو۔ تمہارا دل تو بہت کشادہ تھا سکندر پتر۔''

''ہاں شاید محض اس وجہ سے نہیں۔'' انہوں نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

ان کی آنکھیں خوں رنگ ہو رہی تھیں۔

انہوں نے آہستگی سے چوہدری نثار کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا۔

''بھا جی......مریم کی والدہ وہ عورت ہے جس نے مجھے آپ سے دور کیا تھا......اور پھر خود ہی ایک دن دامن جھٹک کر چلی گئی اور میں آج تک حیران ہوں کہ......'' ان کی آواز میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی' جیسے ایک دم بہت سارے درد ان کے اندر جاگ گئے ہوں۔

''تم......تمہارا مطلب ہے' ڈولی؟'' چوہدری نثار نے ازحد حیرت سے پوچھا۔

سکندر نے اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور چوہدری نثار برآمدے کے بیچوں بیچ ساکت اور حیران کھڑے رہ گئے۔

❀ ❀ ❀

''بی آپا' یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' ان کے ہاتھ ہولے سے کانپے اور غیر ارادی طور پر ریسیور پر ان کی

گرفت مضبوط ہوگئی۔

''عادل۔'' دوسری طرف بی آپا کی آواز بھرا گئی ''خدا جانے کہاں چلا گیا ہے وہ۔''

''مگر بی آپا۔'' انہوں نے اپنے ایک دم سے ڈوب جانے والے دل کو سنبھالا 'وہ بھلا اکیلا کہاں جاسکتا ہے وہ تو کبھی حویلی سے باہر نہیں گیا۔ ہر وقت تو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔''

''وہ اکیلا نہیں تھا کرم داد تھا اس کے ساتھ۔'' بی آپا کی آواز مدھم تھی ''کبھی کبھی جب وہ ضد کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی اسے باہر لے جاتا ہے تمہیں نہیں پتا نا عادل' تم کون سا حویلی میں زیادہ رہتے ہو۔ وہ کبھی کبھار چلا جاتا ہے۔''

''تو۔'' انہوں نے الجھ کر کہا ''آپ نے پوچھا نہیں کرم داد سے کہ کیوں نہیں دھیان رکھا اس نے اور کہاں چلا گیا تھا وہ اسے چھوڑ کر۔''

''وہ بہت ذمے دار ہے عادل' تمہیں پتا تو ہے۔ برسوں سے وہ کامل کے ساتھ ہے۔ وہ تو خود کل سے رو رو کر پاگل ہو رہا ہے۔ کہتا تھا' صرف دس منٹ کے لیے گل باز سے باتیں کرنے لگا تھا کامی اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ وہ گل باز سے باتیں کرتا ہوا چند قدم آگے نکل آیا تھا لیکن اس نے مڑ کر دیکھا تھا' کامی وہاں ہی بیٹھا تھا اور اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ صرف چند منٹ کے لیے وہ اس سے غافل ہوا تھا اور جوں ہی گل باز سے بات کر کے وہ مڑا کامی وہاں نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ حویلی واپس چلا گیا ہوگا کیونکہ وہ حویلی سے زیادہ دور بھی نہیں تھے لیکن......'' بی آپا کی آواز رندھ گئی لگتا تھا' وہ کل شام سے اب تک مسلسل روتی رہی ہیں۔

''لیکن وہ اتنی دیر میں کہاں جاسکتا ہے کہیں سڑک کی طرف نہ نکل گیا ہو۔'' وہ بے حد الجھ رہے تھے۔

''سب کا یہی خیال ہے۔'' بی آپا نے تائید کی ''اور کل شام سے ہی چاچا عبدالرحمٰن' مانی اور مہران پاگلوں کی طرح اسے ہر جگہ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں لیکن خدا جانے وہ کہاں چلا گیا ہے۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ ماں جی کا بہت برا حال ہے عادل۔'' آنسوؤں پر سے جیسے ان کا اختیار اٹھ گیا۔

''او کے۔ ریلیکس بی آپا۔'' انہوں نے انتہائی ضبط سے کہا ''میں آ رہا ہوں۔ آپ کو کل ہی مجھے بتانا چاہیے تھا۔''

''ماں جی کا خیال تھا کہ صبح تک ضرور مل جائے گا۔ تمہیں خوامخواہ پریشانی ہوگی۔ ابھی چند دن پہلے ہی تو گئے ہو تم حویلی سے۔''

''اللہ حافظ۔'' انہوں نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

یہ کیسی خبر سنائی تھی بی آپا نے۔ آخر کہاں جاسکتا ہے وہ۔ ارد گرد کا علاقہ تو اپنا ہی تھا......شاید......

اس سے آگے ان سے کچھ نہ سوچا جاسکا۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور خدا بخش کو آواز دی۔

''خدا بخش۔''

''جی میاں۔'' وہ صافی سے ہاتھ پونچھتا ہوا آ گیا۔

''میں حویلی جا رہا ہوں۔ تم میرے کچھ کپڑے بیگ میں رکھ دو۔ ہوسکتا ہے' مجھے کچھ زیادہ دن لگ جائیں۔ صبح کالج فون کر کے اکبر صاحب کو بتا دینا کہ میں کم از کم ہفتہ بھر کالج نہ آسکوں گا' مسرور بھی آئے گا۔ اسے بھی بتا دینا۔''

''حویلی میں تو سب خیریت ہے نا' عادل میاں۔'' خدا بخش نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''وہ کامی کہیں چلا گیا ہے۔'' انہوں نے مختصراً بتایا اور پورچ میں آ گئے۔

اور جب خدا بخش بیگ لے کر آیا تو وہ پورچ میں ہی اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا' کیسے کیسے خیال دل میں آ رہے تھے۔

''کہیں کسی نے اغوا نہ کر لیا ہو۔ آج کل اغوا برائے تاوان کے بھی کافی کیسز ہو رہے ہیں۔''

''کہیں راہ بھٹک کر سڑک کی طرف جا نکلا ہو اور وہاں سے کسی بس وغیرہ میں بیٹھ گیا ہو اور کوئی بھکاری ساتھ لے گیا ہو۔ اور اب۔ یا پھر کہیں کوئی حادثہ اور ماں جی......''

''دھیان سے ڈرائیو کیجیے گا عادل میاں۔'' بیگ ڈگی میں رکھ کر خدا بخش نے آہستگی سے کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا ''دعا کرنا خدا بخش۔''

''اللہ کرم کرے گا' عادل میاں۔ انشاء اللہ کامی میاں مل جائیں گے' آپ پریشان نہ ہوں۔''

لیکن وہ کیسے پریشان نہ ہوتے۔ لاہور سے حویلی تک کے طویل سفر میں ایک لمحے کے لیے بھی ان کا ذہن کامل کی طرف سے نہیں ہٹا تھا۔

''خدا جانے کہاں ہوگا۔''

''کس حال میں ہوگا۔ پتا نہیں زندہ بھی ہوگا یا نہیں......''

ہزار طرح کے وسوسے تھے جو ان کے ذہن و دل سے چمٹے ہوئے تھے وہ خود ہی سوال کرتے اور خود ہی ان کے جواب رد کرتے ہچکولے پر ہچکولے کھاتے رہے۔ بار بار اس کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ ان کی آمد پر وہ کس قدر خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ بھائی' بھائی کہہ کر ان سے چمٹ جاتا۔ جڑ کر بیٹھ جاتا تھا اور پھر اپنی چیزیں انہیں دکھاتا رہتا تھا۔ ان کے ہاتھوں کو چومتا اور ان کے چہرے کو ہاتھوں میں لیتا۔ وہ بھرپور جوان لڑکا جب معصوم بچوں جیسی حرکتیں کرتا تو ان کے دل میں ہوک سی اٹھتی تھی۔ وہ زیادہ دیر اس کے پاس بیٹھ نہ پاتے تھے۔

وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں یاد کرتے حویلی پہنچے تو رات کے دس بج چکے تھے لیکن سب حویلی میں اکٹھے تھے چاچا عبدالرحمٰن' عمران' مہران سب ہی۔

گیٹ پر ہی انہیں پتا چل گیا کہ وہ نہیں ملا۔ ایک موہوم سی امید جو راستے بھر انہیں دلاسا دیتی آئی تھی کہ کیا خبر وہ گھر پہنچیں تو کامل آچکا ہو' دم توڑ گئی۔ وہ سر جھکائے ماں جی کے کمرے میں داخل ہوئے تو ماں جی آنکھیں موندے لیٹی تھیں اور بی آپا ہولے ہولے ان کا سر دبا رہی تھیں۔ پاس ہی کرسی پر چاچا عبدالرحمٰن اور [illegible] بیٹھے تھے۔

"ماں جی۔" ان کے بیڈ کے پاس دوزانو بیٹھتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے آواز دی تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"عادل' میرا کامی۔" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ماں جی۔" عادل نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"میرا کامی' عادل۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں "پتا نہیں کہاں ہوگا وہ...... پتا نہیں اس نے کچھ کھایا بھی ہوگا یا نہیں...... وہ تو میرے یا کرم داد کے ہاتھ کے علاوہ کسی سے نہیں کھاتا تھا۔ پتا نہیں اسے نیند بھی آئی ہوگی یا نہیں...... وہ تو دادا کی چھڑی سینے سے لگا کر سوتا تھا۔ جس دن کہیں ادھر ادھر ہو جاتی تھی' کتنا چیختا چلاتا تھا واویلا کرتا تھا۔ وہ روتا ہوگا تو کون اسے بہلاتا ہوگا...... وہ تو بڑا نازک مزاج تھا عادل' میرا بچہ...... خدا کے لیے میرے بچے کو ڈھونڈ کر لے آؤ۔"

پروفیسر عادل نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو روکا۔

ماں جی نے ایک دم اپنے ہاتھ پروفیسر عادل کے آگے جوڑ دیے۔

"ماں جی۔" عادل نے ان کے ہاتھ ایک دم دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے ہونٹوں اور آنکھوں سے لگا لیے "میں آگیا ہوں نا' انشاء اللہ کامی مل جائے گا۔"

"نہ جانے کن ظالموں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ میرا بچہ کل سے بھوکا پیاسا ہوگا۔"

"ماں جی پلیز' حوصلہ کریں۔" اٹھ کر ان کے پاس ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے عادل نے انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

"عادل' میرا کامی تو معصوم ہے بالکل۔" وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر بلکنے لگیں' عادل ہولے ہولے انہیں تھپکنے لگے لیکن خود ان کے آنسو ان کی آنکھوں سے باہر آنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔

بہت دیر تک وہ ماں جی کے پاس بیٹھے انہیں بہلاتے اور تسلیاں دیتے رہے' یہاں تک کہ وہ سو گئیں۔

بی آپا نے بتایا کہ وہ ٹرانکولائزر کے زیر اثر ہیں ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر انجکشن لگا کر گیا ہے۔ کل سے لے کر اب تک پلک نہیں جھپکی اور نہ ہی کچھ کھایا پیا ہے۔

وہ ایک گہری سانس لے کر ان کے پاس سے اٹھ آئے۔ بی آپا بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں تمہارے کھانے کے لیے کہوں۔"

"نہیں پلیز' بی آپا کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ بس آپ چائے بھجوا دیں۔"

وہ چاچا عبدالرحمٰن اور سلطان کے ساتھ لیونگ روم میں آگئے اور بہت دیر تک ڈسکس کرتے رہے۔ ایک ایک بات تفصیل سے سنی' کرم داد کو بلایا۔

"عادل میاں۔" کرم داد کے تو آنسو ہی نہیں رک رہے تھے "میں کیا جواب دوں گا' بڑے مالک صاحب کو۔ مرنے سے پہلے انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ کامی کی حفاظت جان سے بڑھ کر کروں گا لیکن مجھے تو پتا ہی نہیں چلا جی کہ کون لے گیا کامل میاں کو۔ ہم دونوں ہی کھیت کی منڈیر پر بیٹھے تھے جی کہ گل باز خان آگیا۔ اس نے کہا ذرا میری بات سنو۔ اس کی گھر والی روٹھ کر میکے بیٹھی ہے۔ میں چند قدم ہی آگے گیا تھا۔ مڑ کر دیکھا بھی تھا اسے۔ پھر گل باز نے مجھے یوں باتوں میں لگا لیا جی۔ ٹھیک سے یاد نہیں' کتنی دیر بات ہوئی۔ پر زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ بات ختم کر کے جب گل باز چلا گیا تو میں نے مڑ کر دیکھا تو کامی میاں نہیں تھے وہاں۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"اچھا اچھا' حوصلہ کرو۔"

"میں کیسے جیوں گا جی۔ کیسے خود کو معاف کروں گا میں...... سب سے زیادہ تو وہ میرے ہی تھے صبح سے شام تک میں ہی ہوتا تھا ان کے ساتھ۔"

بی آپا چائے لے آئیں تو وہ آنسو پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

چائے پیتے ہوئے بھی چاچا عبدالرحمٰن مسلسل اس کا ہی ذکر کرتے رہے۔

"زیادہ امکان ہے کہ کسی ایسے گروہ کے ہاتھ لگ گیا ہے جو پیشہ ور بھکاری ہیں۔"

"آس پاس اردگرد تو کہیں بھی نہیں...... ہر جگہ گیا ہوں۔ ہر جگہ پوچھا ہے۔" عمران نے بتایا۔

"پھر...... کہاں ڈھونڈیں گے اسے۔ ماں جی کو کیسے تسلی دیں گے۔" انہوں نے بے بسی سے عمران کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے' صبح اشتہار دیں اخبار میں شاید۔" چاچا عبدالرحمٰن نے اٹھتے ہوئے کہا "اور اب تم آرام کرو' بارہ بج گئے ہیں۔ صبح ایک بار پھر تلاش کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔"

"جی بہتر۔"

وہ تینوں کو رخصت کر کے آئے تو بے حد نڈھال تھے۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ماں جی کو ایک نظر دیکھ کر اور بی آپا سے کہہ کر کہ اگر ماں جی جاگ جائیں یا رات کو ان کی طبیعت خراب ہو جائے تو وہ انہیں جگا لیں۔

"عادل تم سو جانا' بہت تھکے ہوئے ہو' سفر کر کے آئے ہو۔ میں ہوں نا ماں جی کے پاس۔ کل سے میں نے ایک لمحے کے لیے بھی ماں جی کو اکیلا نہیں چھوڑا۔" بی آپا نے انہیں تسلی دی۔

انہوں نے آہستہ سے سر ہلایا اور اپنے کمرے میں آگئے اور بیڈ پر لیٹتے ہوئے تکیے پر سر رکھا ہی تھا کہ

ایک دم اٹھ بیٹھے۔

اور پتا نہیں کامی کو بستر بھی نصیب ہوا ہوگا۔ تکیہ بھی ہوگا یا نہیں۔ شاید کہیں فٹ پاتھ پر کہیں زمین پر بیٹھ
ہو اور...... اسے صاف نرم بستر ہی پسند تھا۔ بستر پر معمولی سی شکن بھی ہوتی تو الٹ دیتا۔ چیخ چیخ
کر چادر اتار کر پھینک دیتا۔ تکیہ' گدا جو بھی ہاتھ میں آتا' پھینکتا جاتا......اور اپنے تکیے کے بغیر اسے نیند
کہاں آتی تھی......ایک بار اس نے تکیے پر پانی گرا دیا تھا تو کرم داد نے دوسرا تکیہ رکھ دیا تو کتنا ہنگامہ کیا تھا۔ رو
رو کر برا حال کر لیا تھا اور جب تک کرم داد نے دوسرا تکیہ لا کر نہیں دیا تھا' سویا نہیں تھا۔ مسلسل روتا رہا تھا...... اور
اب پتا نہیں کہاں کس پتھریلی زمین پر......وہ بے چین اور مضطرب سے ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

پوری رات یوں ہی اسی بے چینی اور اضطراب میں گزری۔ کبھی بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیتے اور کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔ صبح ناشتا کیے بغیر وہ گاڑی لے کر نکل گئے تھے۔

اور پھر کہاں کہاں انہوں نے اسے تلاش نہیں کیا۔

اردگرد کے تمام گاؤں چھان مارے

قریبی قصبے کے بس اسٹاپ پر۔ ویگنوں کے اڈے پر' فقیروں کے ٹھکانے پر' ہر جگہ وہ اس کا پتا پوچھتے پھرے......اخباروں میں اشتہار دیے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی اعلان کروایا لیکن کہیں سے کچھ پتا نہ چلا۔

مہران اور سلطان کو ساتھ لیے وہ رات گئے تک اسے ڈھونڈتے پھرے اور پھر تھک ہار کر ماں جی کے پاس آ بیٹھے۔ ماں جی خاموش نظروں سے انہیں دیکھتیں۔ وہ بنا کچھ کہے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں تسلی دیتے...... پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اب تو کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

نہ کوئی ایک لفظ تسلی کا

نہ امید کی کوئی کرن

قصبے کا اسپتال

گاؤں کے کنوئیں

کہاں کہاں تلاش نہیں کیا تھا انہوں نے اسے

کہیں سے کوئی نشان نہیں ملا تھا۔

حویلی میں صبح شام دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔

بی آپا نے ختم کروا کے نیاز تقسیم کروائی تھی۔

لیکن دعائیں بھی جیسے راستوں سے ہی پلٹ رہی تھیں۔ کہیں کوئی در قبولیت نہیں کھل رہا تھا۔ اس روز مغرب سے ذرا پہلے وہ شاہ مراد شاہ کی درگاہ پر منت مان کر واپس آئے تو بہت دل گرفتہ اور مایوس سے

تھے۔ شاہ مراد کی درگاہ گاؤں سے زیادہ دور نہ تھی۔ مہران کا خیال تھا کہ وہاں بھی دیکھ لیا جائے ممکن ہے' کسی نے بھٹکتے دیکھ کر وہاں درگاہ پر چھوڑ دیا ہو......

''ہاں ممکن تو ہے۔'' ان کے اندر ایک دم امید کا دیا جگمگا اٹھا تھا......وہ ہر جگہ اسے ڈھونڈتے پھر رہے تھے لیکن حیرت ہے انہیں درگاہ کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

''یقیناً وہ وہیں ہوگا۔'' ان کے دل کو جیسے یقین سا ہو گیا۔

وہ ماں جی کو درگاہ پر جانے کا بتانے گئے تو ان کی بجھی ہوئی آنکھوں میں بھی روشنی سی اتر آئی۔

''وہاں منت مان آنا عادل' میرا کامی مل جائے تو چادر چڑھاؤں گی مزار پر اور لنگر میں پورے ایک ہفتے تک کھانا بھجواؤں گی۔''

اور وہ ان باتوں پر یقین نہ رکھتے ہوئے منت مانتے ہوئے رو سے پڑے تھے۔

ایک ایک مجاور سے انہوں نے کامی کا پوچھا تھا لیکن سب نے ہی لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور وہ بے حد دل گرفتہ اور مایوس سے درگاہ سے باہر آئے تھے۔

''عادل بھائی۔'' مہران نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا ''آپ اس قدر مایوس کیوں ہیں۔ اللہ کی رحمت سے نا امیدی کفر ہے۔''

''ہاں' جانتا ہوں۔'' انہوں نے ایک گہری سانس لی ''لیکن پتا نہیں کیوں دل کو ایک آس سی باندھ گئی تھی کہ کامی ضرور یہاں سے مل جائے گا۔''

''خدا کبھی کبھی اسی طرح اپنے بندوں کو آزماتا ہے عادل بھائی۔''

''اس کا وجود تو خود ایک بہت بڑی آزمائش تھا مہران......پھر یہ ایک اور آزمائش......اور پتا نہیں' وہ زندہ بھی ہے یا نہیں......اگر زندہ ہے تو نہ جانے کن لوگوں کے پاس اور کس حال میں ہے۔''

''پلیز عادل بھائی......آپ کا یہ حال ہے تو ماں جی کو کون دلاسا دے گا۔ اپنے آپ کو سنبھالیں۔''

''کوشش تو کر رہا ہوں مہران۔'' وہ افسردگی سے مسکرائے ''اور ہاں تم اتنے دنوں سے یہاں ہو' تمہاری پڑھائی کا حرج نہیں ہو رہا ہے کیا۔'' انہوں نے موضوع بدلا۔

''کوئی خاص نہیں۔ چلا جاؤں گا ایک دو روز میں۔''

''میری تو خواہش تھی کہ تم پنجاب یونیورسٹی سے ماسٹرز کرتے۔''

''ہاں ارادہ تو میرا بھی تھا لیکن جب تک ہمارے کالج میں ایم اے کی کلاسز شروع ہوتیں تو میں نے سوچا' یہاں سے ہی ایم اے کر لوں۔ شروع سے ہی میرا ارادہ انگریزی ادب میں ایم اے کرنے کا تھا۔''

وہ راستے بھر مہران سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے تاکہ ذہن سے کامی کا خیال کچھ دیر کے لیے نکل جائے۔ اتنے دنوں میں پہلی بار مایوسی نے اس طرح ان کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا کہ لمحہ لمحہ

بعد انہیں یوں لگتا' جیسے دل ایک دم خالی خالی ہو گیا ہو۔

مہران کو چھوٹی حویلی کے گیٹ پر ڈراپ کر کے وہ سیدھے بڑی حویلی آئے تھے۔

''کامی کے متعلق کوئی خبر؟'' انہوں نے چوکیدار کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر جواب نفی میں پا کر وہ سر جھکائے اندر کی طرف چل پڑے اور پھر ماں جی کے کمرے کی طرف جاتے جاتے وہ یک دم پلٹ آئے انہیں لگا جیسے آج اس وقت ماں جی کا مایوس چہرہ دیکھنے کی ان میں ہمت نہیں ہے۔

ٹی وی لاؤنج میں بی آپا اکیلی بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ وہ انہیں سلام کر کے وہاں ہی بیٹھ گئے۔

بی آپا نے ایک نظر ان کے تھکے ماندے مضمحل چہرے کی طرف دیکھا اور بنا پوچھے جان گئیں کہ وہ ناکام ہی لوٹے ہیں۔ کتاب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے انہوں نے صاحباں کو آواز دے کر چائے کا کہا اور پھر عادل کی طرف متوجہ ہو گئیں......

''عادل تم نے کتنی چھٹی لے رکھی ہے؟''

''ایک ہفتے کا کہا تھا خدا بخش سے اور اب تو گیارہ دن ہو گئے۔ سوچ رہا ہوں صبح چلا جاؤں چند روز تک مزید چھٹی لے کر آ جاؤں گا۔''

''سمجھ میں نہیں آتا' نہ کسی نے اسے کہیں جاتے دیکھا' نہ اِدھر اُدھر وہ کسی کو نظر آیا...... آخر کسی کو تو کسی طرف جاتے نظر آتا۔ میرا دل کہتا ہے' وہ زندہ نہیں ہے۔''

پروفیسر عادل لب بھینچے خاموش بیٹھے رہے۔

''کامی کی پریشانی میں خیال ہی نہیں رہا۔ لاہور میں تو سب لوگ ٹھیک ہیں نا...... عاشی' نینا مور اور مریم۔''

''ہاں سب اچھے ہیں۔'' انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

''میں اور ماں جی تو لاہور آنے کا پروگرام بنا رہے تھے کہ زینی آنٹی سے بات کر سکیں۔ اب تو مریم پڑھائی سے بھی فارغ ہو چکی ہے پھر پتا نہیں کیوں وہ تاخیر کر رہی ہیں۔''

''دراصل وہ خود گھر پر نہیں تھیں...... کراچی میں تھیں۔'' انہوں نے مختصراً جواب دیا ''اب آئی تھیں' تو اس روز میڈم کو فون کر کے بتایا تھا کہ ان کا پروگرام تقریباً مہینہ بھر لاہور رہنے کا ہے اور میں سوچ ہی رہا کہ آپ کو فون کر کے بتاؤں کہ آپ کا فون آ گیا تھا۔'' انہوں نے کرسی کی پشت سے سر ٹیک لیا۔

کیسے ایک ایک لمحہ گن گن کر گزار رہے تھے وہ۔

عاشی جو اب لاہور ہی آ گئی تھی اکثر فون کرتی تھی اور ہر بار ہی وہ اس سے زینی عثمان کا ضرور پوچھتے تھے......

''ماما تو کراچی میں ہیں۔'' ہر بار عاشی کا یہی جواب ہوتا تھا۔

وقت جیسے گزرنے ہی میں نہیں آ رہا تھا۔ کبھی تو انہیں لگتا' جیسے خوشیاں اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے

گجرے لیے ان کی منتظر کھڑی ہوں اور کبھی یوں لگتا جیسے ان کے اردگرد سارے رنگ مر گئے ہوں اور زندگی میں کوئی حسن باقی نہ رہا ہو۔ امید اور ناامیدی کے اس کھیل میں لذت بھی تھی اور اذیت بھی...... کبھی کبھی تو وہ اس کھیل سے اکتا جاتے...... کوئی فیصلہ ہو...... چاہے کیسا بھی۔

اور کبھی ان کا جی چاہتا......

زندگی یوں ہی گزر جائے

امید و ناامیدی کی آنکھ مچولی میں۔

کسی فیصلے کی اذیت سے یہ امید و ناامیدی کا کھیل ہی اچھا ہے۔

یکا یک ہی زندگی کی ساری دلچسپیاں ختم ہو گئی تھیں۔

نہ پڑھنے میں جی لگتا تھا' نہ ادبی محفلوں میں۔

نہ رنگ اور برش ہی دل بہلاتے تھے۔

کتنے ہی انویٹیشن کارڈ ٹیبل پر یوں ہی پڑے رہتے تھے۔ خدا بخش یاد دلاتا۔

مجتبیٰ حیدر فون کرتے ''یار آج فلاں کتاب کی رونمائی ہے' ضرور آنا۔''

وہ وعدہ بھی کر لیتے مگر پھر بھی نہ جا پاتے۔

کبھی بہت گھبراتے تو عاشی سے ملنے یا نینا اور تیمور کی خیریت معلوم کرنے کے بہانے ''زینب وِلا'' چلے جاتے اور یوں اسے دیکھ لیتے جسے ہر آن' ہر لمحہ سوچتے تھے۔

''وہ ہر رنگ' ہر لباس اور ہر انداز میں دل میں اترتی جاتی تھی' ان کا جی چاہتا' وہ اسے بتائیں کہ وہ کیسے اسے سوچتے ہیں' اسے محسوس کرتے ہیں اور کیسے وہ ان کے دل پر حکمرانی کر رہی ہے لیکن پھر وہ ہونٹ سی لیتے' نگاہیں جھکا لیتے لیکن خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے بٹھائے وہ تھک سے گئے تھے اور ایسے میں میڈم نرگس کے فون نے جیسے ان کی رگوں میں زندگی سی دوڑا دی تھی۔

''کہاں گم ہو گئے ہو خان صاحب؟''

''بس یہاں ہی ہوں میڈم۔'' وہ شرمندہ سے ہو گئے تھے۔

اس روز کے بعد وہ میڈم کے ہاں جا ہی نہیں سکے تھے۔ میڈم نے اس روز ان کی بے حد تواضع کی تھی۔ امتیاز شاہ بھی بہت اخلاق سے پیش آئے تھے لیکن چوں کہ وہ اپنی نئی کیسٹ کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں مصروف تھے۔ اس لیے وہ کچھ دیر بیٹھ کر معذرت کر کے چلے گئے تھے لیکن میڈم نے بصد اصرار انہیں کھانے تک روک لیا تھا اور اس دوران انہوں نے زینی' شرجیل مرزا' ڈاکٹر عبدالمعید' مجتبیٰ حیدر سب کے متعلق ہی بے شمار باتیں کی تھیں۔

''اور یہ مجتبیٰ بھی مریم کے خواستگاروں میں سے ہے۔''

انہوں نے چونک کر میڈم کی طرف دیکھا تھا۔

''لیکن۔'' انہوں نے قہقہہ لگایا ''تم بے فکر رہو زینی شرجیل مرزا کا پروپوزل کسی صورت میں بھی مریم کے لیے قبول نہیں کرے گی۔ دراصل زینی خود کسی زمانے میں شجی کے پرستاروں میں سے تھی اور شجی بھی ظاہر ایسا ہی کرتا تھا جیسے زینی کو دل و جان سے چاہتا ہے اور اگر زینی عثمان احمد کی بیوی نہ ہوتی تو...... لیکن اس کی نظر دراصل مریم پر تھی۔ حالانکہ دیکھا جائے تو عمر کے حساب سے مریم اس کی بیٹی جیسی ہی ہے اور اندر ہی اندر زینی نے دلاسا بھی دے رکھا تھا شجی کو لیکن عثمان بھائی شجی کو پسند نہیں کرتے تھے۔''

میڈم کی باتوں سے ان کے دل پر تکدر سا چھا گیا تھا۔

''اور یہ ابو نے کس قسم کی عورت سے شادی کی تھی۔''

''لیکن تمہارا پلڑا اس وقت بھاری ہے میاں' ہر لحاظ سے۔''

وہ بہت حیرانی سے میڈم کی باتیں سنتے رہے تھے اور کئی بار انہیں میڈم کی دماغی صحت پر شبہ سا ہوا تھا...... شاید ان کی سوچ اتنی محدود تھی۔ اس سے آگے ان کی اپروچ نہیں تھی۔ زینب عثمان سے ملنے والے ہر شخص کو ان کے پرستاروں میں شمار کر رہی تھیں وہ۔

ڈاکٹر عبدالمعید کس قدر نفیس اور سادہ دل انسان تھے' اب وہ جب بھی زینب ولا جاتے' ڈاکٹر عبدالمعید اور سرجن ہاشم سے ضرور ملتے۔ ان سے بات کر کے انہیں مزہ آتا تھا اور عاشی کی نسبت سے تو وہ بہت عزیز ہو گئے تھے۔ چنانچہ میڈم کی باتوں پر ان کی پیشانی پر ابھرنے والی لکیریں واضح ناگواری کا اظہار کر رہی تھیں اور انہوں نے دو تین بار موضوع بدلنے کی کوشش کی تو میڈم نے ان کی ناگواری کو محسوس کرتے ہوئے لالہ کا قصہ چھیڑ دیا۔

''تم نے عادل خان' لالہ کو نہیں دیکھا...... پھولوں سے گندھی اور کلیوں سے بنی میری بیٹی جانے کس حال میں ہو گی اور یہ سارا کیا دھرا اعزاز کا ہے۔''

اور موضوع کی تبدیلی سے انہوں نے بے حد سکون محسوس کیا تھا لیکن غالباً اسی وجہ سے میڈم کے بے حد اصرار کے باوجود وہ دوبارہ میڈم کی طرف نہ جا سکے تھے اور نہ ہی انہوں نے فون کیا تھا اور اس روز... اچانک ہی میڈم کا فون آ گیا تھا...... بہت سارے گلے شکوے کرتے ہوئے انہوں نے زینی کی آمد اور اس کے ایک ماہ تک قیام کی خبر بھی دی تھی اور انہوں نے عاشی کو فون کر کے اس کی تصدیق بھی کر لی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو عادل؟'' بی آپا نے انہیں گم صم دیکھ کر پوچھا تو وہ چونکے۔

''کچھ نہیں۔''

''عادل' ماں جی ذرا سنبھل جائیں تو ہم لاہور آئیں گے اور پھر......''

''لیکن اب اس طرح کیسے ممکن ہے بی آپا' جبکہ ابھی کامی کا کچھ پتا ہی نہیں چلا۔'' انہوں نے کسی قدر حیرت سے بی آپا کی طرف دیکھا۔

''خدا نے چاہا تو کچھ نہ کچھ تو پتا چلے گا ہی کامی کے متعلق بھی۔ آخر ہر روز اخبار میں اشتہار آ رہا ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان ہو رہا ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی تو خبر دے گا ہی نا اس کے متعلق اور پھر زندگی تو رواں دواں رہتی ہے۔ حادثات بھی تو زندگی کا ایک حصہ ہوتے ہیں اور زندگی کے کام رکتے نہیں۔ جو کام انجام دینا ہے' وہ تو دینا ہی ہے۔ لوگ ہمارے انتظار میں نہیں بیٹھے رہیں گے عادل...... بس ماں جی کی طبیعت ذرا سنبھل جائے تو میں ان سے بات کروں گی اور خود ان کی بھی خواہش تھی کہ جلد از جلد......''

''نہیں پلیز بی آپا' ابھی نہیں۔ ابھی کچھ مت کہیے گا ماں جی سے۔ ابھی آپ دیکھ نہیں رہیں کہ کیا حالت ہو رہی ہے ان کی......''

بی آپا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ صاحباں کے پیچھے پیچھے ماں جی بھی آ گئیں۔

''ماں جی آپ۔'' عادل نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

''تم آ گئے۔''

''جی ماں جی۔'' انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔

''بیٹھو بیٹا۔'' وہ بی آپا کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''اور تم جاؤ صاحباں۔ تمہاری بی بی چائے خود بنائیں گی۔''

پروفیسر عادل نے بہت غور سے انہیں دیکھا اس وقت وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر لگ رہی تھیں۔

''عادل' میں نے تم سے کہا تھا کہ وکیل سے مل کر پتا کرنا۔ تم نے پھر بتایا نہیں کہ تم وکیل سے ملے تھے یا نہیں؟''

''وکیل سے ملا تھا ماں جی اور فیصل آباد بھی گیا تھا لیکن پچھلی بار آیا تو آپ کو بتانا بھول گیا۔ وہاں فیصل آباد میں تو اللہ یار ہی کہہ رہا تھا کہ فصل ہی صحیح نہیں ہو رہی تھی اس لیے آمدنی کم ہو گئی ہے اور وکیل......''

انہوں نے بی آپا کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے ماں جی کی طرف دیکھا ''وہ کہہ رہا تھا کہ دادا نے اپنی زمین و جائداد کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس زمین و جائداد میں چاچا عبدالرحمٰن کا حصہ شامل نہیں ہے۔ ایک حصہ انہوں نے ابو کی زندگی ہی میں ان کے نام کر دیا تھا اور کاغذات انہیں بھجوا دیے تھے اور باقی کے دو حصوں میں ایک حصہ میرے نام اور دوسرا حصہ کامل کے نام ہے۔ کامل کے حصے کے گارڈین چاچا ہیں۔ ہاں ان کے بعد میں کامل کا گارڈین ہوں لیکن کامل کے بعد اس کے حصے کا میں مالک ہوں۔ بشرطیکہ میں حریم سے شادی کروں۔ دوسری صورت میں کامل کا حصہ سلطان' مہران اور مجھ میں برابر تقسیم ہو گا۔'' انہوں نے ماں جی کو تفصیل بتاتے ہوئے سوچا۔

''اور پتا نہیں' دادا نے یہ اس طرح کی شرط کیوں رکھی ہے۔ جبکہ زندگی میں کبھی انہوں نے مجھے حریم

کے ساتھ شادی کرنے پر اصرار نہیں کیا لیکن اگر وہ اصرار کرتے تو میں انکار بھی نہ کرتا اور پھر...... پھر دادا یہ بھی تو جانتے تھے کہ مجھے زمین دولت' جائداد کسی شے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"خدا جانے تمہارے دادا کے دل میں کیا تھا۔" ماں جی نے جیسے ان کی سوچ پڑھ لی تھی۔

"مختلف بینکوں میں کامل کے نام پر اکاؤنٹ ہے جہاں جائداد کی آمدنی جمع ہوتی ہے۔"

"اگر تم نے حریم سے شادی نہیں کی۔" ماں جی نے آہستگی سے کہا "اور کامل کی موت کے بعد سب سے زیادہ فائدہ تو......"

"ماں جی......" عادل نے چونک کر ماں جی کی طرف دیکھا "یہ آپ کیا سوچ رہی ہیں...... پلیز ماں جی کوئی غلط بات ہرگز نہ سوچیے گا۔ ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ بہت سیدھی سادی سی بات ہے کہ کامی سڑک کی طرف نکل گیا ہوگا اور پھر وہاں کسی بس میں بیٹھ گیا ہوگا۔ سائیں جان کر بس والے ایسے لوگوں سے ٹکٹ طلب نہیں کرتے' یوں وہ یہاں سے دور نکل گیا ہوگا۔ ممکن ہے' ایک بس سے اتر کر دوسری پر' تیسری پر سوار ہوگیا ہو اور یوں یہاں سے دور نکل گیا ہوگا۔ انشاء اللہ جلد ہی اس کے متعلق پتا چلے گا...... وہ مل جائے گا اور یہی بات زیادہ قرین قیاس بھی ہے چاچا اور مہران خود بہت پریشان ہیں اور مانی بھی کس طرح میرے ساتھ خوار ہوتا رہا ہے۔" وہ یک دم جذباتی ہوگئے تھے۔

"ماں جی' پلیز اس منفی سوچ کو ذہن سے نکال دیں۔ یہ اذیت ناک خیال دل میں لائیں بھی نہیں۔" وہ خالی کپ ٹیبل پر رکھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ ایک دم ہی ذہن پراگندہ ہوگیا تھا۔

"ماں جی' میں صبح واپس لاہور جا رہا ہوں۔ اب وہاں دیکھوں گا...... مختلف اداروں میں پتا کروں گا...... انشاء اللہ کہیں نہ کہیں سے کوئی خبر ضرور ملے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔" وہ ماں کو تسلی دے کر اپنے کمرے میں چلے آئے۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ دیر آرام کر کے قصبے میں جائیں گے اور اخبار کے دفتر سے پتا کریں گے شاید کسی نے کوئی اطلاع دی ہو۔ اگرچہ وہ اپنا فون نمبر وہاں چھوڑ تو آئے تھے لیکن پھر بھی وہ دوسرے تیسرے روز خود ہی اخبار کے دفتر جا کر پتا کر لیتے تھے۔ چونکہ وہ صبح واپس جا رہے تھے اور یہ فیصلہ انہوں نے کچھ دیر پہلے ہی کیا تھا کہ انہیں لاہور جا کر پتا کرنا چاہیے۔ اس لیے انہوں نے سوچا تھا جانے سے پہلے پتا کرلیں لیکن وہ آرام کرنے کے لیے لیٹے تو ماں جی کی باتوں پر غور کرتے کرتے سو گئے اور جب آنکھ کھلی تو باہر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

"اُفوہ...... اتنی دیر ہوگئی۔" انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی اور اٹھ بیٹھے' مغرب کی نماز بھی چلی گئی تھی۔ اس طرح وقت نکل جانے اور نماز قضا ہو جانے کا ہمیشہ ہی انہیں بے حد دکھ ہوتا تھا۔

بالوں کو پیشانی سے ہٹاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکلے تو حریم بی آپا سے کوریڈور میں کھڑی ہولے ہولے کچھ کہہ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" آہٹ پر مڑ کر اس نے دیکھا تو سلام کیا۔

"حریم کیسی ہیں آپ اور کب آئیں؟"

ذرا کی ذرا ان کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہریں اور پھر وہ بی آپا کی طرف دیکھنے لگے۔

"اچھی ہوں۔" حریم نے آہستگی سے کہا "اور مانی بھائی کے ساتھ آئی تھی کافی دیر ہوگئی ہے۔"

"مانی کہاں ہے۔ چلا گیا کیا۔" انہوں سے سوالیہ نظروں سے بی آپا کو دیکھا۔

"ہاں چلا گیا ہے لیکن حریم کو میں نے اصرار کر کے روک لیا ہے۔ ایک کامی چلا گیا ہے لیکن گھر یک دم خالی خالی سا ہوگیا ہے۔ دل گھبراتا ہے تم تو صبح سے نکلتے ہو تو شام کو ہی پلٹتے ہو۔"

پروفیسر عادل لمحہ بھر یوں ہی خاموش کھڑے رہے۔

"آپ نے مجھے جگا لیا ہوتا۔ مانی ملے بغیر چلا گیا۔"

"مانی نے منع کر دیا تھا جگانے کو۔" بی آپا نے بتایا "کھانا ابھی لگواؤں یا کچھ دیر تک؟"

"لگوا ہی دیں نو تو بجنے والے ہیں۔ میں ماں جی سے مل کر ابھی آتا ہوں۔" انہوں نے ماں جی کے کمرے کی طرف جاتے جاتے حریم پر ایک نظر پھر ڈالی۔ وہ بالکل ویسی ہی تھی۔ نہ تو اس کے چہرے پر ملال کم ہوا تھا اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں لاحاصلی کا کرب مدھم ہوا تھا۔ اداسی اس کے پورے وجود سے لپٹی ہوئی تھی جیسے اداسی کا ایک ہالہ سا اسے حصار میں لیے ہوئے ہو۔ ہمیشہ کی طرح ان کے دل پر ایک بوجھ سا آگرا تھا۔ حریم کو دیکھ کر' اس سے مل کر ہمیشہ ہی ان کا دل بوجھل ہو جاتا تھا اور اب تو جب سے مریم انہیں ملی تھی تو وہ حریم کو سوچنے لگے تھے۔ انہیں حریم کا خیال زیادہ ہی آتا تھا۔

وہ اس کے دکھ کو محسوس کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نارسائی کے زخم اور لاحاصلی کے دکھ کیا ہوتے ہیں۔ کئی بار وہ تصور ہی تصور میں اس کرب کو چھو کر آئے تھے۔ سو حریم کے لیے ان کا دل دکھتا تھا اور وہ دل کی گہرائیوں سے اس کے لیے کسی اچھے ہم سفر کی دعا کرتے تھے اس وقت بھی ماں جی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بے اختیار لبوں سے اس کے لیے دعا نکلی تھی۔

"خدایا اس بہت اچھی لڑکی کو بہت ہی اچھا رفیق زندگی عطا کر۔ اتنا اچھا کہ اداسی کا ہالا اس کے وجود سے مٹ جائے اور اس کی آنکھوں میں لاحاصلی اور نارسائی کے دکھ نہ ہوں۔ پا لینے کے رنگ دمکیں۔"

ماں جی کے دروازے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر مڑ کر پیچھے دیکھا۔ بی آپا جا چکی تھیں لیکن حریم ابھی تک وہی کھڑی ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کی نظریں ملیں تو حریم نے فوراً چہرہ موڑ لیا...... لیکن وہ ایک نظر...... اس ایک نظر میں جانے کیا تھا...... وہ اندر تک بھیگ گئے۔

لیکن......

انہوں نے بے دردی سے اپنے ہونٹ کاٹے اور تیزی سے ماں جی کے کمرے کا دروازہ دھکیلتے

اندر چلے گئے۔

❀❀❀

اگر ہو سکے تو

ادھر کو بھی دیکھو

تمہارے یہ آنسو میں پلکوں سے چن لوں گا

اگر ہو سکے تو

''اُفوہ۔''

پروفیسر عادل نے اخبار رول کر کے سامنے صوفے پر پھینک دیا اور خود آنکھیں موند کر بیڈ کی پٹی پر سر رکھ دیا۔ کتنی دیر سے وہ اخبار سامنے پھیلائے پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ایک لفظ بھی ان کی نظروں کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ الفاظ ریل کے ڈبوں کی طرح بھاگتے جا رہے تھے' کوئی مفہوم ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ اتنی دیر سے وہ کیا پڑھ رہے تھے انہیں کچھ پتا نہیں تھا۔ نگاہوں کے سامنے تو بار بار بس وہ ایک صورت آ رہی تھی۔ کتنے دن ہو گئے انہیں زینب ولا سے آئے لیکن وہ ایک چہرہ نگاہ سے ہٹتا ہی نہیں تھا۔

وہ روئی روئی آنکھیں

وہ زرد چہرہ

شام کی ملگجی سی روشنی میں لان میں اکیلی بیٹھی کچھ سوچتی ہوئی وہ کس قدر اداس اور دل گرفتہ لگ رہی تھی۔

اس شام وہ تیمور کے بار بار فون کرنے پر زینب ولا گئے تھے حالانکہ اس شام انہیں مسرور کے سلسلے میں کسی صاحب سے ضروری ملنا تھا۔ یہ کراچی میں ایک آرٹ گیلری کے کرتا دھرتا تھے اور وہ مسرور کی تصاویر کی نمائش کے سلسلے میں ان سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔ مجتبیٰ حیدر سے ان کی رسمی سی جان پہچان تھی اور مجتبیٰ نے ہی ان سے ذکر کیا تھا اور ان کا پروگرام مجتبیٰ کے ساتھ ادھر جانے کا تھا لیکن تیمور نے انہیں کوئی تین بار فون کیا۔

''پلیز عادل بھائی آ جائیے نا' میں آپ کے لیے بہت اداس ہو رہا ہوں۔''

''ارے تم کب آئے؟''

''چار دن ہو گئے ہیں لیکن فون خراب تھا اور آپ سے بات نہیں ہو پا رہی تھی۔''

''اب تو آپ کی موسم سرما کی چھٹیاں ہو گئی ہوں گی تو ایسا ہے کہ میں کل کسی ٹائم آ جاؤں گا۔''

''لیکن عادل بھائی میں تو آپ کو بہت یاد کر رہا ہوں۔ بہت زیادہ...... عاشی بجو کا موڈ عجیب سا ہے یا تو کمرے میں گھسی گانے سنتی رہتی ہیں یا پھر فرینڈز کی طرف چلی جاتی ہیں۔ بات ہی نہیں کرتیں اور مومو پتا

ہے......'' اس نے سرگوشی کی۔

''مومو بیمار ہو گئی تھیں' ماما کی طرح اور وہ اداس بھی ہیں' چپکے چپکے روتی ہیں۔ شاید انہیں پاپا بہت یاد آتے ہیں...... آپ آ جائیں نا' عادل بھائی۔ آپ کو دیکھ کر مومو خوش ہو جائیں گی۔ آپ کی شکل پاپا سے اتنی زیادہ ملتی جو ہے۔''

وہ بیمار ہے۔

وہ اداس ہے۔

یک دم ان کا دل اسے دیکھنے کو مچلنے لگا۔

''پتا نہیں' وہ کیوں اتنی اداس رہتی ہے۔''

''اتنی چپ چپ اور خاموش۔''

''اور جب وہ خوش ہوتی ہے ذرا سی تو کتنی دلکش لگتی ہے۔''

''ایک بار...... ایک بار وہ ان کی زندگی میں شامل ہو جائے تو وہ اسے کبھی اداس نہیں ہونے دیں گے کبھی نہیں......'' میڈم نرگس نے انہیں بتایا تھا۔ زینی' مریم کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتی۔ شاید لاشعوری طور وہ اس کے باپ کی زیادتی کا بدلہ اس سے لیتی ہے۔

''اور اس کے والد کون ہیں' انہوں نے اپنی بیٹی کی خبر کیوں نہیں لی۔''

''معلوم نہیں' زینی نے کبھی اس سلسلے میں بات نہیں کی لیکن میرا خیال ہے مومو بعد میں پیدا ہوئی ہے' میرا مطلب ہے علیحدگی کے بعد اور اس کے والد کو غالباً اس کے متعلق علم نہیں۔''

''او کے۔''

انہوں نے تیمور سے کہا کہ وہ آ رہے ہیں اور پھر مجتبیٰ سے معذرت کر کے کہ وہ آج نہ جا سکیں گے' وہ زینب ولا چلے آئے۔

وہ لان میں اکیلی بیٹھی تھی اور بے حد اداس۔ سارے گھر سے بے خبر جانے کیا سوچ رہی تھی...... فضا میں اچھی خاصی خنکی تھی اور بغیر کسی گرم کپڑے کے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے گھاس پر بیٹھی تھی۔

''مریم۔'' انہوں نے ہولے سے اسے پکارا اور آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئے ''مریم آپ یہاں ٹھنڈ میں کیوں بیٹھی ہیں اور آپ نے نہ شال لی ہوئی ہے نہ سوئٹر پہنا ہوا ہے اور یہ کوئی باہر بیٹھنے کا موسم تو نہیں ہے۔''

''آپ!'' وہ چونک کر کھڑی ہو گئی ''آپ کیسے ہیں اور حویلی میں سب اچھے ہیں نا۔''

''ہاں' سب اچھے ہیں لیکن آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہیں۔'' وہ بے اختیار کہہ بیٹھے۔

''میں۔'' مریم نے کسی قدر گھبرا کر اپنی طرف اشارا کیا ''میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔''

"نہیں۔"

ان کا جی چاہا' وہ اس سے کہیں "تم ٹھیک نہیں ہو مریم۔ کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ جس نے تمہارے چہرے کی گلابیوں کو ماند کر دیا ہے اور تمہاری آنکھوں کی چمک کو مدھم کر دیا ہے۔ مریم اپنے سارے دکھ ساری پریشانیاں...... میری جھولی میں ڈال دو اگر ہو سکے تو۔"

ادھر کو بھی دیکھو
تمہارا یہ غم اپنی آنکھوں میں بھر لوں
یہ درد والم اپنی جان میں سمیٹوں
تمہاری یہ وحشت میں اپنے نام کر لوں

وہ آزردہ سے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لیونگ روم میں آ گئے۔ تیمور کچن کے دروازے کے پاس کھڑا شریف سے مذاکرات میں مصروف تھا۔ انہیں دیکھ کر بھاگتا ہوا آ کر ان سے لپٹ گیا اور بلند آواز میں نینا کو پکارا۔

"نینا بجو' عادل بھائی آ گئے ہیں۔"

تیمور کو پیار کرتے ہوئے اور اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے عادل بیٹھ گئے۔

"میں بہت بور ہو گیا ہوں' عادل بھائی۔ مجھے تو آپ اپنے ساتھ لے جائیں حویلی میں۔"

"مگر میری جان' میں تو یہاں ہوں لاہور میں جب گاؤں جاؤں گا حویلی لے جاؤں گا آپ کو بھی۔"

"جب نہیں' مجھے ابھی لے جائیں' میں ساری چھٹیاں وہاں گزاروں گا حویلی میں اور ماما آئیں گی نا کراچی سے تو تب بھی نہیں آؤں گا۔"

"آپ ماما سے ناراض ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" اس نے فوراً سر ہلایا "بھلا کوئی ماما سے ناراض ہوتا ہے۔ میں تو بس بور ہو رہا ہوں نا۔"

"اور وہاں کیا آپ بور نہیں ہوں گے۔" عادل مسکرائے۔

"نہیں' بالکل بھی نہیں۔ وہاں ماں جی سے کہانیاں سنوں گا۔ بی آپا کے طوطے سے باتیں کروں گا...... اور...... پتا ہے کامل بھائی میرے ساتھ کھیل کر بہت خوش ہوتے تھے۔"

"لیکن کامل۔" ان کے مسکراتے لب بھینچ گئے اور دل میں جیسے کسی نے سوئی چبھو دی۔

"کیا ہوا کامل بھائی کو؟" مریم شاید ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی اس لیے بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

"کیا بتاؤں مریم۔" ان کی آواز بھیگ گئی...... "کامی ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ خدا جانے کہاں کھو گیا ہے...... دو ماہ ہو گئے ہیں' میں نے کہاں کہاں نہیں تلاشا اسے۔ کراچی تک دیکھ آیا ہوں۔"

"مگر کیسے...... کیسے کھو گیا وہ۔"

مریم نے بے چینی سے پوچھا تو وہ تفصیل بتانے لگے...... کئی بار ان کی آواز بھیگ گئی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ مریم گود میں ہاتھ دھرے ساکت بیٹھی سن رہی تھی۔

"اور ماں جی۔" انہوں نے بات ختم کی تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "وہ تو پریشان ہوں گی' بہت روتی ہوں گی۔"

"ہاں' بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ بہت روتی ہیں۔ زیادہ وقت کامل کے کمرے میں ہی بیٹھی رہتی ہیں۔ اس کی ایک ایک چیز کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے کہ شاید ایک دن وہ واپس آ جائے۔ ایسے ہی جیسے ایک دن گم ہوا تھا لیکن میں تو مایوس ہو گیا ہوں مریم۔"

"نہیں عادل بھائی' مایوس نہیں ہوتے۔ کیا خبر...... کیا خبر خدا کب مہربان ہو جائے۔"

عادل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں کے کناروں پر آنسو اٹکے ہوئے تھے۔

"اور کس قدر مہربان ہے یہ...... کتنی نرم دل اور محبت کرنے والی۔ اور کیا رشتہ ہے اس کا کامل سے ساتھ اور پھر یہ حویلی میں رہی کتنے دن ہے لیکن کامل کے لیے رو رہی ہے۔ جو اس کی نظر میں ابنارمل سوتیلا بھائی ہے...... اور پتا نہیں' زینب عثمان کب...... کب اسے حقیقت سے آگاہ کریں گی۔ بی آپا نے انہیں کہا بھی تھا کہ وہ زینب ولا ضرور جائیں اور زینب عثمان کو کامل کے متعلق بتا کر معذرت سے آگاہ کریں کہ ماں جی نہیں آ سکیں۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ایک بار بات کر کے ہم بھول ہی گئے ہیں...... لیکن ان کا دل نہ چاہا۔ ماں جی پریشان تھیں...... کامل کھو گیا تھا اور جانے کس حال میں تھا اور وہ اپنی ذات کے لیے پریشان ہوتے رہیں۔ وہ اس طرح کامی اور ماں جی کو فراموش کر کے اپنی ذات کے لیے خوشیاں ڈھونڈنے نہیں آ سکتے تھے سو وہ زینب ولا نہ آ سکے تھے اور زینب عثمان واپس کراچی...... چلی گئی تھیں۔"

"ماما آ جائیں تو میں ان سے اجازت لے کر حویلی آؤں گی' ماں جی کے پاس۔" مریم نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

"ہاں ضرور۔"

ان کی نظروں نے لمحہ بھر کے لیے اسے اپنے حصار میں لے لیا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ مبادا وہ پھر ان سے بدگمان ہی ہو جائے۔ جب تک اس کے اور ان کے درمیان رشتہ واضح نہیں ہو جاتا انہیں محتاط رہنا تھا۔

اس کی وہ بدگمان نظریں وہ کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔

اس کا گریز۔

اس کی بے اعتنائی اور اجنبیت۔

کس قدر اذیت ناک تھا ان کے لیے اور اب جب سے وہ ماں جی کے ساتھ آئے تھے' وہ ان سے بات کر لیتی تھی۔ اگرچہ عاشی کی طرح بے تکلف نہیں تھی... پھر بھی غنیمت تھا کہ اس کی نظروں میں

ناگوار اور اجنبیت نہیں رہی تھی۔ سو وہ اس کے سامنے بے حد محتاط رہتے تھے۔ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ پاتے تھے۔

"مور بتا رہا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب تھی۔"

"ہاں..... نہیں تو بس ذرا یوں ہی معمولی سا فلو تھا۔" وہ کھڑی ہو گئی "آپ مور سے باتیں کریں عادل بھائی' میں صفو کو چائے کے لیے کہوں۔"

"نہیں مریم' رہنے دیں پلیز....." انہوں نے منع کرنا چاہا لیکن مریم چلی گئی تو وہ تیمور سے باتیں کرنے لگے۔

"عادل میاں طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" خدا بخش نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"ہاں۔" انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں "ٹھیک ہوں خدا بخش۔"

"ناشتا لگاؤں۔"

"ہاں لگا دو۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

آج چھٹی کا دن تھا اور چھٹی والے دن عموماً اخبار وغیرہ پڑھ کے ناشتا کرتے تھے۔

"بلکہ ادھر ہی لے آئیں اور وہ اخبار مجھے دے دیں۔"

"حویلی سے کوئی فون آیا تھا؟" اخبار پروفیسر عادل کو تھماتے ہوئے خدا بخش نے پوچھا۔

"ہاں بی آپا کا فون آیا تھا۔"

"پتا نہیں' کہاں کہاں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے کامل میاں۔" خدا بخش نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

تب ہی فون کی بیل بجی۔ خدا بخش نے کارڈلیس اٹھا کر انہیں دیا۔ دوسری طرف آمنہ صفی تھیں۔

"ارے آپ آمنہ خیریت؟ صبح صبح کیسے یاد کیا۔"

"بس کر لیا یاد عادل خان۔ آپ تو یاد بھی نہیں کرتے۔"

"تھینک یو آمنہ۔ کیسی ہیں آپ؟"

"اچھی ہوں۔ دراصل ابھی میں نے کچھ دیر پہلے ایک شخص کو دیکھا ہے..... ہماری گلی کے نکڑ پر بیٹھا ہے..... اپنے آپ میں مگن اور اردگرد سے بے خبر مجھے شک ہے کہ وہ کامل ہے۔ میں نے کامل کو دیکھا تو نہیں ہے مگر جو حلیہ آپ نے بتایا تھا' وہ اس سے بہت مطابقت رکھتا ہے اور پتا ہے جب میں اس کے پاس سے گزری تو اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولا..... "بھائی۔ بھائی پاس جانا۔""

پروفیسر عادل کے ہونٹ لرزنے لگے۔

"پلیز..... پلیز آمنہ..... میرا دل کہہ رہا ہے وہ کامی ہی ہوگا..... میں نے بتایا تھا نا آپ کو وہ اکثر میری عدم موجودگی میں کہتا رہتا ہے' بھائی پاس جانا ہے۔' یہ وہ واحد جملہ تھا جو وہ پورا بولتا ہے۔ میں چند منٹ میں آ رہا ہوں۔ پلیز آپ اس کا دھیان رکھنا۔ کہیں جانے مت دینا۔" انہوں نے خدا حافظ کہے بغیر فون بند کیا اور عجلت میں کھڑے ہو گئے۔

"دعا کرنا' خدا بخش کہ وہ کامی ہی ہو..... ہمارا کامی....."

اور خدا بخش کی بات کا جواب دیے بغیر انہوں نے سائڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اسے حیران چھوڑ کر باہر نکل گئے۔

❁❁❁

"عاشی کیا تم کہیں جا رہی ہو۔" مریم نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ بہت اچھی طرح سے تیار ہوئی تھی اور ہلکے ہلکے میک اپ میں بے حد دلکش لگ رہی تھی۔

"ہوں۔" وہ اس کے قریب آ گئی اور ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھڑے کھڑے صفو کو ناشتا لانے کے لیے کہا..... "ایک ابلا ہوا انڈا اور ایک کپ نیم گرم دودھ..... فوراً۔"

"کہاں جا رہی ہو اتنی صبح؟" مریم نے پھر پوچھا۔

"پہلے یہ بتائیں کیسی لگ رہی ہوں۔"

"بہت دلکش' بے انتہا خوب صورت۔" مریم مسکرائی اور اس کے لہجے میں محبتوں کے رنگ گھل گئے۔

یہ سب عاشی' مور' نینا اسے کتنے پیارے عزیز تھے۔ اس کے دل میں ان سب کے لیے ڈھیروں محبت تھی۔

"بیٹھ جاؤ نا' کھڑے کھڑے ناشتا کرو گی۔"

"ہاں بس انکل شجی آنے ہی والے ہوں گے۔" اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا اور پھر صفیہ کو آواز دی۔

"صفو..... صفو یار' جلدی کرو۔"

"انکل شجی.....؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں' آج میری شوٹنگ ہے 'رائل حسین' کے لیے ایڈ تیار کر رہے ہیں نا انکل۔"

"شوٹنگ۔" مریم کے دل کو دھچکا سا لگا۔

"میں نے تم سے کہا تھا عاشی کہ....."

"اوہ بجو۔" عاشی نے اس کی بات کاٹ دی "آخر آپ کو اعتراض کیوں ہے' جب ماما کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"مگر شاید ماما کو تو پتا بھی نہ ہو کہ تم....."

"آپ نے بتانے کی کوشش تو کی تھی۔ اگر ماما کو کوئی اعتراض ہوتا تو وہ کم از کم ایک بار تو مجھ سے اس کے متعلق کچھ پوچھتیں' کچھ کہتیں اور پھر وہ بھلا اعتراض کر بھی کیسے سکتی ہیں جبکہ وہ خود بھی سب کچھ کرتی رہی ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

''ہاں' اس نے بتانے کی کوشش تو کی تھی لیکن ماما نے کب اس کی پوری بات سنی تھی۔ وہ پورے ایک ماہ کے لیے آئی ہوئی تھیں اور کتنی بار اس نے سوچا تھا کہ' وہ آرام سے ماما کے پاس بیٹھ کر عاشی کے متعلق ان سے بات کرے گی کہ وہ عاشی کو سمجھائیں لیکن ماما گھر میں ٹکتی ہی کب تھیں۔ ہر روز کہیں نہ کہیں کوئی پارٹی' کوئی فنکشن اور جس دن گھر ہوتیں سارا دن کوئی نہ کوئی ان سے ملنے آتا رہتا تھا اور اس شام بھی غالباً وہ کسی پارٹی یا فنکشن میں جانے کے لیے اپنے کمرے سے تیار ہو کر آئی تھیں۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ اس کا دھیان ذرا بھی ٹی وی کی طرف نہیں تھا۔ دل و ذہن اختیار ہی میں کب تھے۔ کتنا اپنے آپ کو بہلانے اور مصروف رکھنے کی کوشش کرتی تھی لیکن دل و ذہن سے وہ ایک خیال جاتا ہی نہیں تھا۔

شہریار کے ماموں نے اسے رد کر دیا تھا۔ محض ماما کی وجہ سے' ان کے شوبز میں ہونے کی وجہ سے اور اب عاشی بھی ماما کے نقش قدم پر چلنا چاہ رہی تھی اور وہ عاشی کے لیے پریشان تھی۔

ماما ذرا دیر اس کے پاس آ کر رکیں اور غور سے اسے دیکھا۔

''کیسی ہو تم مومو اور یہ تم اتنی زرد کیوں ہو رہی ہو؟''

''ماما۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی ''اچھی ہوں بالکل۔''

''اپنا خیال رکھا کرو۔ بہت ویک ہو رہی ہو۔'' انہوں نے ہولے سے اس کے رخسار کو چھوا اور ماما کا یہ ذرا سا التفات اسے اندر تک بھگو گیا۔

''ماما آپ تو اچھی ہیں نا؟''

''ہوں۔'' وہ مسکرائیں ''بالکل فائن...... اور مومو' تم فارغ ہو گئی ہو۔ سارا دن گھر میں کیا کرتی ہو' کوئی کوکنگ' بیکنگ یا کوئی لینگویج کا کورس کر لو۔ اس طرح گھر بیٹھے بیٹھے تو بور ہوتی ہو گی...... ہاں تمہارا رزلٹ بھی آ گیا تھا۔ اچھے نمبر لیے تھے گڈ گرل۔ تمہارا گفٹ ادھار ہے۔ کل چلنا میرے ساتھ اپنی پسند کا گفٹ لے لینا بلکہ تم اور عاشی چلی جانا کل صبح کیش لے لینا مجھ سے۔''

''اتنے دن ہو گئے تھے' رزلٹ آؤٹ ہوئے اور انہیں آج یاد آیا تھا۔'' وہ افسردگی سے مسکرا دی۔

''تھینک یو ماما' کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ کسی کورس میں ایڈمیشن لے لو۔''

''کیا کروں گی کورس کر کے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

کرنے کو تو بہت کچھ تھا اس کے پاس۔ پاپا کی اسٹڈی میں اتنی کتابیں تھیں' ڈاکٹر عبدالمعید کے پاس اتنا بڑا ذخیرہ تھا' عمدہ اور اچھی کتابوں کا لیکن دل کہیں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ وہ اسٹڈی میں جاتی تو پاپا اسے یاد آ جاتے۔ ان کا وہ لیس مین والا انداز...... ماما کے خوف سے ڈرتے ڈرتے اس کی حمایت کرنا اور پھر وہ

آخری دنوں میں ان کی اس کے لیے بے تحاشا شفقت و محبت۔ کتنا مان بڑھا دیا تھا پاپا نے اس کا۔ وہ اپنی ہی نظروں میں معتبر ہو گئی تھی۔ ان کی محبتیں' شفقتیں' ندامتیں۔ ایک ایک بات یاد آتی اور وہ بھول جاتی کہ ان کی اسٹڈی میں وہ کوئی اچھی بک لینے آئی تھی۔

ان کی بیماری

رافع اسپتال

اور پھر رافع اسپتال میں شہریار

ڈاکٹر شہریار

عینی کے بھائی

ان کی محبت

اور پھر جیسے سب کچھ ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آنے لگتا۔

''اینی پرابلم؟'' انہوں نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

''ماما دراصل وہ...... عاشی...... عاشی کے متعلق بات کرنا تھی آپ سے۔''

''ہاں کیا ہوا عاشی کو؟''

''میں نے بتایا تھا نا آپ کو کہ اس نے بی اے میں ایڈمشن نہیں لیا۔''

''کوئی بات نہیں' ایک آدھ سال ریسٹ کر لے۔ نہیں موڈ ہو گا اس کا۔''

''مگر وہ ماما۔ انکل فجی نے اسے ورغلایا ہے اور وہ ماڈلنگ ......'' آنسو ایک دم ہی اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

''اسٹوپڈ۔'' ان کا انداز اسراسر ناگواری لیے ہوئے تھا ''کیا حماقت ہے مومو' ذرا سی بات پر رونے بیٹھ جاتی ہو اور عاشی کو شوق ہے تو کر لے ماڈلنگ۔ ایک آدھ بار اسکرین پر آ جائے گی تو خوش ہو جائے گی...... اور یہ فجی ......''

''ارے بھئی کیا ہوا فجی کو؟'' میڈم نرگس نے ایک دم ٹی وی لاؤنج میں آتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں ڈیئر۔ میں ہاتھ سے نکل گئی ہوں تو میری بیٹیوں کو تاک لیا ہے۔ عاشی کے پیچھے پڑا ہے' ماڈلنگ کے لیے۔'' وہ میڈم نرگس کے ہاتھ پر ہاتھ مار ہنسیں۔

''وہ ہاتھ میں آئی ہوئی کوئی چیز چھوڑنے والا تو ہرگز نہیں۔'' میڈم نرگس کا قہقہہ ان سے زیادہ بلند تھا۔

''اور میں کوئی عام سی چیز نہیں ہوں۔ زینب عثمان ہوں۔'' ان کے لہجے میں ایک دم ہی تفخر پیدا ہو گیا تھا۔

''زینب عثمان یا......'' میڈم نرگس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''زینب عثمان۔'' انہوں نے زینب عثمان پر زور دیا۔

''لیکن۔''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں۔''

مریم ساکت کھڑی تھی اور آنسو رخساروں پر ہی اٹک گئے تھے۔

''ارے یہ موموکیا ہوا......؟ یار تم تو اپنی اس دلکش بیٹی کے ساتھ بہت زیادتی کر جاتی ہو۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر مریم کو ساتھ لگا لیا اور مریم کا جی چاہا' وہ میڈم نرگس کے کندھے پر سر رکھ کر ان کے بازوؤں میں منہ چھپا کر بہت سا رو لے۔

''ارے' یہ خود ہی بہت بیوقوف ہے۔ احمق' ماسٹر کی ڈگری لے کر بھی اس کی سوچ وہی متوسط طبقے کی میٹرک پاس لڑکی والی ہے۔''

''پھر بھی کیا کہہ دیا تم نے اسے۔'' میڈم نرگس نے اسے الگ کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''کچھ نہیں یار۔ عاشی کو ماڈلنگ کا شوق چرایا ہے اور یہ اس پر رو رہی ہے۔ پسند نہیں ہے اس کو ماڈلنگ کرنا......'' ان کے لہجے میں بے زاری اور جھنجلاہٹ تھی۔

''پڑھائی تو ہو چکی ہے' اب اس کی شادی ون کر دو۔ خوش رہے گی۔'' میڈم نرگس نے مشورہ دیا ''اب آئی ہو تو یہ قصہ بھی نمٹا جاؤ' ان لوگوں کو تم نے کوئی جواب نہیں دیا؟''

''کہاں ڈیئر میری تو بات ہی نہیں ہوئی پھر ان لوگوں سے۔ یہاں رہنا ہی کم کم ہوا ہے۔ اب رہوں گی کچھ دن تو......''

''اور ماما کو کیا پتا' وہ لوگ اب کبھی نہیں آئیں گے اس لیے کہ شہریار کے ماموں کو پسند نہیں ہے' ان کا شوبز میں کام کرنا۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ شوبز سے متعلق لوگ اچھے نہیں ہوتے'' مریم نے افسردگی سے سوچا تھا...... ''لیکن عاشی' عاشی کو کیسے پتا چلا کہ میں نے ماما سے اس کے متعلق بات کی تھی۔''

اس نے سر اٹھا کر عاشی کی طرف دیکھا۔

''میں سن رہی تھی' اس روز آپ کے مکالمات۔'' عاشی نے جیسے اس کے دل کی بات جان لی۔

''عاشی تم ابھی بہت چھوٹی ہو' بہت معصوم اور یہ شوبز کی دنیا......''

''پلیز بجو۔'' عاشی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''آپ مجھے روکیں' خوامخواہ بدمزگی ہوگی۔ اس لیے کہ میں رکوں گی نہیں...... اور پریشان مت ہوں...... مت ڈالیں اپنے اوپر اتنا بوجھ...... میں اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔'' اس نے صفو کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی اور انڈا چھیل کر کھانے لگی۔ تب ہی باہر گیٹ پر بیل ہوئی۔

''انکل شجی ہوں گے۔'' اس کی آنکھیں دمک اٹھیں ''او کے بجو۔'' اس نے مریم کے رخساروں کو...

ہونٹوں سے چھوا اور دودھ کا گلاس یوں ہی چھوڑ کر ہاتھ ہلاتی چلی گئی۔

مریم یوں ہی ہاتھ گود میں دھرے نم آنکھوں کے ساتھ ساکت بیٹھی رہی۔

تو بالآخر شرجیل مرزا نے جو کہا تھا' وہ کر دکھایا۔

اور وہ عاشی کو اس کی کمینگی کے متعلق بتا بھی نہیں سکتی۔ وہ کب اس کی بات پر دھیان دیتی ہے۔

ماما کی ناراضی کے خیال سے سہم جانے والی عاشی کتنی بدل چکی تھی...... اور شاید اس میں شرجیل مرزا کا ہاتھ تھا اور نہ وہ شرجیل مرزا کو منع کر سکتی ہے اور نہ وہ عاشی کو روک سکتی ہے...... ہاں ماما...... ماما اگر چاہتیں تو عاشی کو روک سکتی تھیں لیکن ماما کو شاید کسی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ حتیٰ کہ مور سے بھی نہیں اور پتا نہیں اب وہ وہاں کراچی میں کیوں رہ رہی ہیں جبکہ ان کی شوٹنگ بھی ختم ہو چکی ہے شاید...... اور اخبارات اور شوبز سے متعلق میگزین ان کے بارے میں کیسی کیسی باتیں لکھ رہے ہیں۔

اور ماما کو رتی بھر پروا نہیں ہے کہ وہ کس طرح اسکینڈلز کی زد میں آ چکی ہیں' اپنی سے آدھی عمر کے غضنفر ملک کے ساتھ ہیروئین آ کر' بلکہ شاید وہ انجوائے کرتی ہیں ان اسکینڈلز کو اور بعض نے تو صاف صاف لکھا تھا کہ زینب عثمان اور غضنفر ملک نے شادی کر لی ہے لیکن انہوں نے کوئی تردید نہیں کی تھی بلکہ اس روز میڈم نرگس کے پوچھنے پر بے پروائی سے کہا تھا۔

''بکتے ہیں سب۔''

''تو پھر تردید کیوں نہیں کرتے ہو تم لوگ۔''

''مجھے پروا نہیں ہے' خود ہی تھک جائیں گے لکھ لکھ کر اور پھر اگر میں شادی کر بھی لوں تو ان صحافیوں کو کیا تکلیف ہے۔'' ان کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

''اور یہ سب کچھ چھپ رہا تھا...... اور وہ سب باتیں جو ایک عام متوسط طبقے کے گھر میں شوبز سے متعلق لوگوں کے بارے میں ہوتی تھیں...... ایسے میں اگر عینی کے چاچو نے اسے رد کر دیا تھا تو کچھ غلط بھی نہیں تھا اور کیا خبر کل کو ماما سچ مچ غضنفر ملک سے شادی کر لیں' جیسا کہ میڈم نرگس اور بیگم آفندی کا خیال تھا تو...... اچھا ہی ہوا نا کہ انہوں نے خود ہی...... اور پھر تب اسے کتنی شرمندگی ہوتی۔''

لیکن شہریار......

شہریار اپنے ماموں کے اس فیصلے کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ وہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ وہ ان کے گھر میں مس فٹ ہے۔ وہ اس سے بھاگنا چاہ رہی تھی۔ اس کے فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی لیکن شہریار بار بار اسے فون کرتا۔

''پلیز موموٗ اس طرح مجھ سے دامن مت چھڑاؤ۔ تم میرے ساتھ ہو گی تو مجھے حوصلہ رہے گا۔ میں یہ جنگ لڑ سکوں گا۔ تم نے اس طرح مجھ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے نا مجھے لگتا ہے جیسے میری جدوجہد اور ساری جنگ بے فائدہ ہے۔''

"پلیز شہریار' مجھے تنگ نہ کرو بار بار۔ مجھے پکارو گے تو میرے لیے مشکل ہو جائے گی۔ مجھے خود کو یہ یقین دلانے دو کہ ہمارا سفر بس یہیں تک تھا۔"

لیکن شہریار اسے پھر بھی بار بار فون کرتا اور وہ اس کی آواز سن کر فون رکھ دیتی تھی۔ کیا فائدہ تھا' اس راستے پر جانے کا جو منزل تک نہیں لے جاتا تھا اور یہ سب کچھ اس صورت حال میں برداشت کرنا کس قدر مشکل تھا۔ خود کو یہ یقین دلانا کہ بس اب راستے بدل گئے ہیں اور شہریار کی رفاقت اس کا نصیب نہیں تھی۔

اس کا دل اندر ہی اندر کٹ کٹ کر گرتا رہتا۔ ایسے میں عاشی کا ہر دوسرے تیسرے روز شرجیل مرزا کے دفتر چلے جانا اور ماڈلنگ میں اس قدر دلچسپی لینا مزید اذیت ناک تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے دو محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑ رہا ہے اور وہ اتنی کمزور ہے کہ دونوں محاذوں پر ہی ہار جائے گی اور اب عاشی چلی گئی تھی اور وہ اسے روک نہیں سکی تھی' سمجھا نہیں سکی تھی اور شرجیل مرزا کی کمینگیوں سے آگاہ نہیں کر سکی تھی۔

"چائے بنا دوں مریم بی بی؟" صفو ناشتے کے برتن اٹھانے آئی تو اس نے چائے سے بھرے کپ کو دیکھا "یہ تو بالکل ٹھنڈی ٹھار ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔" اس نے چونک کر صفو کو دیکھا "پلیز۔"

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا جی۔" صفو نے قہوہ کپ میں ڈالتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں کیوں؟"

"آپ ٹھیک نہیں لگتی ہو جی۔ ابھی ڈاکٹر صاحب نیچے آئیں گے تو ان کو بتا کر دوا لے لینا جی۔ روز بہ روز پیلی ہوتی جا رہی ہیں...... کہیں اللہ نہ کرے......"

"اوہ کچھ نہیں صفو۔" مریم نے اس کی بات کاٹ دی "ایسے ہی وہم نہ کیا کرو۔"

"پھر بھی جی ڈاکٹر صاحب سے کہہ دینے میں کیا حرج ہے جی۔"

"اچھا۔"

"ناشتا تو آپ مور بابا اور نینا بی بی کے ساتھ کریں گی نا۔"

"ہاں۔"

اس نے چائے کی پیالی اٹھائی تو صفو برتن سمیٹ کر چلی گئی۔ نینا اور مور اکثر دیر سے اٹھتے تھے چنانچہ وہ اور عاشی چونکہ جلد اٹھ جاتی تھیں اس لیے چائے کا ایک ایک کپ پی لیتی تھیں۔ عاشی ویسے چائے کم ہی پیتی تھی۔ پھر ناشتا وہ سب مل کر ہی کرتے تھے۔ مور بہت خوش ہوتا تھا جب سب ٹیبل پر اکٹھے بیٹھتے تھے اور ایسے میں وہ ایک بار تو ضرور پاپا اور ماما کو یاد کرتا تھا۔

وہ چائے کی پیالی لیے ٹی وی لاؤنج میں آ گئی اور ٹی وی آن کر دیا۔ وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

نہ عاشی کے متعلق۔

نہ ماما اور شہریار کے متعلق۔

عینی کے بابا نے ایک بار اسے سمجھایا تھا کہ جب تم لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل نہیں کر سکتی ہو تو بہتر نہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ لوگ بھی اسی طرح سوچیں جیسے تم سوچتی ہو۔ لوگ تمہاری مرضی کے پابند نہیں ہو سکتے...... اور اس وقت' اس لمحے اسے بابا کی کتنی ضرورت تھی...... لیکن اس گھر کے دروازے اس نے اپنے اوپر بند کر دیے تھے۔ عینی کتنی بار آئی تھی۔ سوری کیا تھا اس سے کہ وہ جانے سے پہلے اس سے مل نہیں سکی تھی لیکن وہ عینی سے اس بات پر تو خفا نہیں تھی کہ وہ اس سے ملے بغیر اسلام آباد اور پھر گاؤں چلی گئی تھی بلکہ یہ تو اور ہی مسئلہ تھا اور وہ عینی سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اسے عینی کے چاچو کے فیصلے سے رنج پہنچا ہے اور خود عینی نے تو ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ شاید وہ اپنے چاچو کے فیصلے سے بے خبر ہو۔ بس اس نے خود ہی اپنے اوپر اس گھر کے دروازے بند کر لیے تھے۔

وہ اس گھر کے کسی فرد سے خفا نہ تھی۔

نہ شیری سے' نہ عینی اور بابا سے۔

حتیٰ کہ چاچو سے بھی نہیں۔

جنہوں نے چند لمحوں میں خوابوں کے جزیرے میں آگ لگا دی تھی۔

لیکن اس وقت...... اس نے پوری لاشعوری کوشش سے ٹی وی پر کارٹون دیکھ کر ہنسنے کی کوشش کی لیکن ہونٹ ذرا سے وا ہو کر رہ گئے۔

اسے لگ رہا تھا' جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

اور یہ سب کچھ کتنا مشکل اور اذیت ناک ہے شہریار تمہیں بھلانا...... اور

چاہتوں کے موسم میں

زخم جو بھی مل جائے

پھر کبھی نہیں سلتا

پھر کبھی نہیں سلتا

اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا اور چائے کی خالی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے سر صوفے کی پشت سے ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔ اور درد...... بے انتہا درد۔ دل کی دیواروں سے ٹھوکریں مارنے لگا۔

"کیا ہوا ہے مریم آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے اس کے قریب آ کر کہا تو اس نے ایک دم چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس طرح اپنی ذات کے اندر گم تھی کہ اسے ان کے سیڑھیوں سے اترنے کا پتا ہی نہ چلا۔

''خیریت ہے نا؟''

''ہوں۔'' اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

''اور عاشی کہاں ہے؟'' انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

عموماً جب وہ کلینک جانے کے لیے نیچے اترتے تھے' وہ دونوں پاؤں صوفے پر رکھے کارٹون دیکھ رہی ہوتی تھی یا اخبار پڑھ رہی ہوتی تھی۔ وہ اس کے اس طرح بیٹھنے کے انداز پر اکثر مسکرا اٹھتے تھے۔ بڑی بے نیازی اور بے پروائی تھی اس کی ذات میں اور یہ بے نیازی اور بے پروائی انہیں اچھی لگتی تھی۔ پہلے پہل ان کے دل نے اسے پسند کیا تھا لیکن اب تو یوں لگتا تھا۔ جیسے وہ اس سے محبت کرنے لگے ہیں۔ بڑی شدید قسم کی افسانوی سی محبت ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے صبح وشام و دوپہر' دن میں کئی بار سامنا ہوتا تھا۔ اکثر گفتگو بھی رہتی تھی۔ اب تو وہ جیسے اس گھر کے ایک فرد بن گئے تھے۔ قربتوں کے دھاگوں نے محبت کے جال مضبوط کر دیے تھے۔ کبھی کبھی تو عاشی بے حد بولتی اور کبھی خاموش رہتی۔ وہ انتہا سے زیادہ موڈی تھی لیکن وہ انہیں ہر رنگ میں اچھی لگتی تھی۔

''کیا سو رہی ہے اب تک؟''

''نہیں۔'' مریم نے سر اٹھا کر ڈاکٹر عبدالمعید کو دیکھا۔

''وہ تو چلی گئی ہے تیار ہو کر۔''

''کہاں؟'' بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

''انکل جی کے ساتھ شوٹنگ کے لیے۔''

''اوہ۔'' انہوں نے لب بھینچ لیے۔

''آپ نے انہیں روکا کیوں نہیں' سمجھایا کیوں نہیں مریم۔''

''میں...... میں بھلا کیسے روکتی اسے معید بھائی آپ...... آپ اسے روک لیں' معید بھائی آپ اسے سمجھائیں آپ کا حق ہے اس پر۔'' مریم کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''حق صرف اسی پر ہوتا ہے جو آپ کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔'' ان کے لہجے میں اضمحلال اتر آیا۔

اور شاید عاشی نے ان کا یہ حق تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے' ابھی وہ کم عمر ہے' چھوٹی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاید وہ اس تعلق' اس رشتے کو پہچاننے لگے لیکن وہ تو اسی طرح لاپروا اور بے نیاز سی تھی۔

وہ مریم کے سامنے بیٹھ گئے۔

''مریم' آپ نے اسے سمجھایا نہیں تھا؟''

''اس کے سامنے ماما کی مثال ہے اور وہ کوئی بات سنتی ہی نہیں۔'' مریم کے اندر ایک دم ڈھیر ساری تھکن اتر آئی تھی۔

جیسے وہ ہمت ہار کر تھک کر بیٹھی ہو۔

''ہاں اس کے سامنے مسز عثمان کی مثال ہے...... اور اگر اس نے ارادہ کر لیا ہے تو پھر بھلا میں یا تم کیا کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے پرخیال انداز میں کہا۔

''لیکن پھر بھی معید بھائی آپ کوشش تو کر سکتے ہیں۔ آپ بات تو کیجیے نا' اس سے۔'' مریم نے پر امید نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اچھا۔'' انہوں نے اضطرابی انداز میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں ''میں بات کروں گا...... لیکن پتا نہیں کیوں' مجھے یقین ہے کہ وہ رکے گی نہیں...... جس سفر پر وہ نکل پڑی ہے مریم' اس سفر کی کوئی حد نہیں ہے...... اور میں......'' ان کا چہرہ دھواں دھواں نظر آنے لگا...... ''اور میں' مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں ہے مریم...... میں نے تو ایک پرسکون گھر کے خواب دیکھے تھے۔

عاشی

میں

اور بچے

اس میں کسی اور بات کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ میرے خواب تو بہت مختلف تھے مریم۔ میں نے تو ایک عمر پاپیادہ سفر کیا ہے...... میرا گھر برسوں عورت کے وجود کو ترسا ہے۔ اس گھر کو عورت کے وجود کی گرمی اور حرارت کی ضرورت تھی اور میں نے عاشی کے حوالے سے کتنے خواب دیکھ ڈالے ہیں۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جب عاشی میرے سنگ ہو گی تو ہم دونوں مل کر اپنے گھر کو ایک جنت نظیر جگہ بنائیں گے۔ اس نئے گھر کی ایک ایک اینٹ کے ساتھ میرے خواب بندھے ہیں۔ مریم اگر عاشی اس سفر پر چل پڑی تو میرے سارے خواب بکھر جائیں گے...... سب......''

ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلنے لگی تو وہ یکایک چپ ہو گئے۔ مریم نے تڑپ کر انہیں دیکھا اور احمقوں کی طرح پوچھا۔

''تو پھر کیا آپ اپنا پروپوزل واپس لے لیں گے۔ منگنی توڑ دیں گے؟''

''پاگل۔'' ڈاکٹر معید کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی ''یہ سب کچھ اس قدر آسان تو نہیں ہوتا مریم۔ شاید یہ آپ نہ جان سکیں کہ جن سے محبت کی جاتی ہے' انہیں ان کے ہر رنگ میں چاہا جاتا ہے اور طویل سفر میں انہیں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ گھر جو عاشی کے لیے بنا ہے' اس گھر میں عاشی کے سوا اور کوئی نہیں آ سکتا چاہے وہ گھر ساری زندگی عورت کے وجود کو ترستا رہے۔'' وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اوکے۔'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی' ''اور آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ ریلیکس ہو جائیں۔ بہت کی باتیں جو ہونی ہوتی ہیں' وہ ہو کر رہتی ہیں اور ہم انہیں ہونے سے نہیں روک سکتے۔ شام کو انشاء اللہ

بات ہوگی عاشی سے۔"

وہ اسے خدا حافظ کہہ کر چلے گئے تو وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"جنہیں چاہا جاتا ہے' جن سے محبت کی جاتی ہے' انہیں مشکل اور طویل سفر میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا"

معید بھائی نے کہا تھا لیکن وہ اس طویل اور مشکل سفر میں اکیلی ہے...... تنہا اور وہ دونوں......

اور شہریار' یہ مشکل سفر اکٹھے طے نہیں کر سکتے...... کتنے مختلف اور الگ راستے ہیں ان کے...... اور

محبت...... پتا نہیں' پتا نہیں یہ محبت کیسے کس طرح اس کے دل میں جگہ بنا پائی تھی...... وہ تو ساری دنیا سے

خفا اور ناراض رہتی تھی۔

ایک ماما کی وجہ سے۔

ان کے رویے اور ان کے دوستوں نے اسے کمپلیکس میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ ہر دم سہمی اور خوف زدہ رہنے والی لڑکی جانے کیسے محبت کر بیٹھی تھی۔

اور اب یہ محبت کس طرح امتحان لینے پر تلی تھی اور پتا نہیں وہ کیسی زندگی جیے گی اب۔ شہریار کے بغیر اس کی رفاقت اور محبت کے بغیر۔

"موموٗ کیوں رو رہی ہو۔"

"تیمور!" اس نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں۔

"ہاں نہیں تو' تم جاگ گئے ہو۔"

"ہوں۔" وہ آنکھیں ملتا ہوا اس کے پاس بیٹھ گیا "کیوں رو رہی ہیں آپ۔ پاپا یاد آ رہے ہیں؟"

اس نے سر ہلا دیا۔

"تو چلیں نا" پاپا سے مل آتے ہیں' عادل بھائی کے ساتھ جا کر۔"

"پاپا سے۔" اس نے خالی الذہنی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں کیا ہوا جو وہ ہم سے بات نہیں کریں گے۔ ہماری بات کا جواب نہیں دے سکیں گے لیکن ہماری بات سنیں گے تو سہی نا......"

"ہاں شاید۔"

"تو پھر آپ کہیں نا عادل بھائی سے ہمیں وہاں حویلی میں چھوڑ آئیں۔ پھر آپ وہاں پاپا سے ساری باتیں کرنا۔"

"میری جان۔" مریم نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بھلا ماما کب جانے دیں گی۔"

"ان کو بھلا کیسے پتا چلے گا کہ ہم حویلی گئے تھے۔"

"اور جب وہ واپس آئیں گی تو پتا چل جائے گا پھر تو ناراض ہوں گی نا کہ ہم ان سے پوچھے بغیر کیوں گئے تھے۔"

"ہوتی رہیں۔" اس نے منہ پھلا لیا۔

"ہم بھی تو ان سے ناراض ہیں۔"

"اچھا آپ کیوں ناراض ہیں جی ماما سے۔"

وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"بس ناراض ہوں میں ان سے۔" اس نے دونوں پاؤں صوفے پر رکھتے ہوئے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹیک لی۔

"اور مور کس قدر مس کرتا ہے ماما کو...... اور ماما کو شاید کسی کی پروا نہیں رہی...... لیکن میں...... میں ہوں نا ان سب کا خیال رکھنے کے لیے عاشی' نینا اور مور کا......"

"کیا مجھ سے بھی ناراضگی ہو گئی ہے۔" تیمور نے جواب نہیں دیا تو مریم نے اسے گدگدایا۔

"نہیں کریں نا۔" وہ پیچھے ہٹ گیا

"تو پھر بتاؤ' موموسے بھی ناراض ہو گئے ہو۔"

"ہوں' آپ حویلی جو نہیں چلتیں۔"

"اچھا چلوں گی۔ اب جب ماما کا فون آیا تو ان سے پوچھ لیں گے۔"

"پرامس؟" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ہوں پرامس۔" مریم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پتا ہے۔" تیمور نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے سرگوشی کی "پتا ہے میں حویلی جا کر کیا کروں گا؟"

"کیا؟" مریم نے متجسس نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے پاپا سے ایک بات کرنی ہے۔ میں پاپا سے ماما کی شکایت کروں گا۔ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہیں...... وہ۔" وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ مریم لحہ بھر یونہی بھونچکا سی اسے دیکھتی رہی اور پھر بے اختیار اسے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا۔

"مور میری جان' میری زندگی۔"

"ہاں میں شکایت کروں گا' میں ضرور شکایت کروں گا۔" وہ اس کے بازوؤں میں لپٹا روتے ہوئے ہولے ہولے کہہ رہا تھا اور مریم اس کے خوب صورت گھنے بالوں والے سر کو بے تحاشا چومتے ہوئے خود بھی روئے چلی جا رہی تھی۔

❁❁❁

''مومو'' تیمور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے تو مریم نے بیگ میں اس کے کپڑے رکھتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا۔

''ہوں۔''

''موموٗ آپ نے ماما کو بتایا تھا کہ ہماری چھٹیاں ختم ہوگئی ہیں؟''

''جی۔''

''پھر ماما نے کیا کہا تھا؟'' وہ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''ماما نے کہا تھا کہ وہ کوشش کریں گی کہ تمہاری چھٹیاں ختم ہونے سے ایک ہفتہ پہلے آجائیں۔'' مریم نے اس کی شرٹ تہ کر کے بیگ میں رکھی۔

''مگر ہم تو کل واپس چلے جائیں گے اور ماما نہیں آئیں۔'' وہ بہت دل گرفتہ لگ رہا تھا۔

''کوئی مجبوری ہوگی ورنہ ماما ضرور آتیں۔'' مریم نے اسے بہلایا۔

''ایک بات بتائیں گی آپ؟'' وہ اس کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' مریم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''یہ ماما اب کراچی میں کیوں رہتی ہیں' کیا انہوں نے وہاں جاب کرلی ہے۔''

''شاید' میں نے کبھی ماما سے پوچھا نہیں۔''

''ماما تو فلم ایکٹریس ہیں نا۔'' اس نے سر اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا ''کیا آپ کو اچھا لگتا ہے ان کا فلم میں ایکٹریس ہونا۔''

''پتا نہیں لیکن میری جان' یہ ماما کا شوق ہے نا۔'' اس نے بالکل عثمان احمد کے انداز میں کہا۔

''مگر مجھے ماما کا فلم ایکٹریس بننا بالکل پسند نہیں ہے۔'' اس کا انداز حتمی تھا۔

''اچھا......'' مریم نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا ''تو پھر آپ ماما سے کہو نا کہ آپ کو پسند نہیں ہے۔ ماما آپ کی بات ضرور مان لیں گی۔''

''شاید۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''ماما تو اب ماما لگتی ہی نہیں۔ فلم ایکٹریس لگتی ہیں پوری۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''تمہاری پیکنگ مکمل ہوگئی ہے مور۔ چلو کچھ دیر ''ماریو'' لگائیں۔''

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔ میں ذرا انکل ہاشم کی طرف جا رہا ہوں۔'' مریم افسردگی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اور کیا تھا اگر ماما آجاتیں۔ کتنی منت کی تھی اس نے کہ وہ کچھ دنوں کے لیے آجائیں۔ مور انہیں بہت

س کر رہا ہے۔

''موموٗ میری جان میں نہیں آسکتی۔'' انہوں نے اسے بہلایا ''مجبوریاں ہیں کچھ۔''

''کیا مجبوریاں ہیں ماما' پلیز چند دنوں کے لیے آجائیں۔''

اس نے پھر التجا کی تو انہوں نے وعدہ کرلیا۔

''اچھا کوشش کروں گی۔''

لیکن پھر وہ نہیں آئی تھیں اور اب ان کی چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں۔ کتنا انتظار کیا تھا مور نے ماما کا اور کراچی کون سا سمندر پار تھا۔

''ایسا کریں ماما' ہمیں وہاں بلوالیں کراچی۔ سچی مجھے سمندر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔'' تیمور نے کتنے شوق سے کہا تھا۔

''نہیں بیٹا' میں خود ہوٹل میں رہ رہی ہوں تمہیں کیسے بلواؤں۔''

تیمور اداس ہو گیا تھا ''او کے ماما۔''

''لیکن بہت جلد ہم سب یہاں سے شفٹ ہو جائیں گے کراچی۔ پھر ہم اکٹھے رہیں گے بس گھر میں دیکھ رہی ہوں۔''

انہوں نے تیمور کو بہلایا تھا اور اس روز تیمور بہت اداس رہا تھا حالانکہ عادل اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے حویلی اور وہ ایک ہفتے بعد ہی واپس آ گیا تھا۔

''وہاں آپ سب کے بغیر میرا جی نہیں لگا۔ آپ سب چلتے تو مزہ آتا۔''

لیکن ماما نے منع کر دیا تھا۔ سو وہ نہ جا سکے حالاں کہ اس کا خود کتنا جی چاہ رہا تھا ماں جی اور بی آپا سے ملنے اور پاپا کی قبر پر جانے کا لیکن ماما نے کہا تھا ''صرف مور کو بھیج دو۔ تم سب کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے کلاک پر نظر ڈالی' رات کے آٹھ بج رہے تھے اور عاشی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ بے چین سی ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ نینا کچن میں صفو کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔

''نینا' تمہاری پیکنگ مکمل ہوگئی۔''

''جی بجو۔''

''اور صفو' عاشی کا کوئی فون تو نہیں آیا تھا کہ وہ دیر سے آئے گی۔''

''نہیں جی۔'' صفو پھر نینا کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''ہاں تو نینا بی بی' وہ بادشاہ بڑا نیک تھا۔''

شاید نینا' صفو سے کہانی سن رہی تھی۔ صفو پیاز بھی کاٹتی جا رہی تھی اور نینا کو کہانی بھی سنا رہی تھی۔ وہ چند لمحے کچن کے دروازے پر کھڑی رہی۔

عاشی نے پہلے تو کبھی اتنی دیر نہیں کی اور آج صبح ناشتے کے بعد ہی وہ تیار ہو کر چلی گئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو عاشی؟"

"یونہی گھومنے۔"

"اچھا جلدی آنا آج شام ہم سب مل کر باہر جائیں گے۔ صبح نینا اور مورو اپس چلے جائیں گے۔"

"او کے۔"

اور اب رات کے آٹھ بج رہے تھے اور پتا نہیں وہ کہاں تھی۔ اس نے جس ایڈ میں کام کیا تھا' وہ تو کب کا مکمل ہو چکا تھا اور چند دن میں ان ائیر بھی آنے والا تھا اور پچھلے ایک ہفتے سے تو وہ گھر پر ہی تھی۔ دو دن قبل اس نے ڈاکٹر عبدالمعید کے ساتھ مل کر ان کے نئے گھر کے لیے شاپنگ کی تھی۔ ڈاکٹر عبدالمعید نے اس کی پسند سے پردے وغیرہ خریدے تھے۔

"کہاں پتا کروں؟" اس نے بے چینی سے سوچا۔

اس کی کوئی ایسی خاص دوست بھی نہیں تھی یہاں اور شرجیل مرزا' کہیں وہ اس کے ساتھ نہ ہو۔

اس کے سر میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ اس نے ٹیلی فون اسٹینڈ سے ڈائری اٹھا کر شرجیل مرزا کا نمبر دیکھا اور پھر نمبر ملائے لیکن دوسری طرف سے کسی نے اٹینڈ نہیں کیا۔

"معید بھائی سے کہوں" اس نے مضطرب ہو کر سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھایا۔ تب ہی مین گیٹ پر بیل ہوئی تو بے اختیار اندرونی گیٹ کھول کر وہ باہر نکلی۔ عاشی' شرجیل مرزا کی گاڑی سے اتر رہی تھی۔

"عاشی۔" وہ ایک دم آگے بڑھی "اتنی دیر کر دی۔"

"نہیں' کوئی خاص دیر تو نہیں ہوئی۔ دراصل میں انکل شجی کے ساتھ ٹی وی اسٹیشن چلی گئی تھی۔ وہاں ایک ڈرامے کی ریہرسل ہو رہی تھی' وہ دیکھتے رہے پھر وہ پروڈیوسر ہیں نا رب نواز ملک انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں ان کی نئی سیریل میں کام کروں گی اور پھر انہوں نے میرا آڈیشن بھی لے لیا اسی وقت۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے تفصیل بتائی۔ اس کا گلابی رنگ دمک رہا تھا آنکھوں میں جیسے خوشیوں کے بے شمار رنگ اترے ہوئے تھے۔

"ہیلو مس مریم عثمان۔ بڑے عرصے بعد دیکھا ہے' کیسے مزاج ہیں؟" شرجیل مرزا گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھے بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مریم نے سر اٹھا کر غصے سے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شریر سی چمک لہرائی اور وہ عاشی کی طرف مڑا "او کے عاشی' کل تیار رہنا۔ تمہارے آڈیشن کا رزلٹ پتا کرنے چلیں گے اور یہ جو تمہاری سسٹر ہیں' انہیں بھی کچھ اخلاق و ادب سکھا دو۔"

"بجو تو ایسی ہی ہیں۔" عاشی ہنسی "آپ بیٹھیں گے نہیں؟"

"آپ کی سسٹر نے داخلہ بند کر رکھا ہے۔"

"لیکن یہ صرف بجو کا گھر تو نہیں ہے۔" عاشی نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"اس وقت مطلع ابر آلود ہے اس لیے پھر سہی۔" وہ ہاتھ ہلاتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

مریم چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے عاشی کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ نینا ابھی تک صفو کے ساتھ کچن میں تھی۔

"عاشی' بجی آپ آ گئیں۔" نینا اسے دیکھ کر باہر آ گئی "آپ کو یاد نہیں تھا۔ ہم نے آؤٹنگ کے لیے جانا تھا؟"

"تو پھر آپ لوگ چلے جاتے نا۔"

"ہم تو آپ کا انتظار کرتے رہے۔"

"SORRY نینا۔ ابھی چلتے ہیں کھانا کھانے۔ کیوں بجو' آج باہر ہی کھانا کھائیں گے؟"

"ٹھیک ہے۔" مریم جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس نے چونک کر عاشی کو دیکھا۔

"نینا' معید بھائی سے جا کر کہہ دو۔ ہم باہر جائیں گے۔ کہیں وہ کھانا نہ کھالیں۔"

"کیا معید بھائی کا ساتھ جانا ضروری ہوتا ہے بجو۔" عاشی نے مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہوں۔" مریم اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"عاشی۔"

"جی۔"

عاشی جو جھک کر اپنے جوتوں کے اسٹریپ کھول رہی تھی۔ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور ریلیکس ہونے کے لیے جوتے اتار کر ٹانگیں پھیلا کر سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا۔

"عاشی' یہ تمہیں اتنی دیر تک انکل شجی کے ساتھ باہر نہیں رہنا چاہئے اور تم صبح سے اب تک ان کے ساتھ کیا کرتی پھر رہی تھیں۔"

"بجو۔" عاشی یک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ یکدم بدل گیا تھا۔

"میں نے یہ آپ سے کبھی نہیں پوچھا کہ آپ اس شام ڈاکٹر شہریار کے ساتھ کیفے زوف میں کیا کر رہی تھیں لہٰذا آپ کو بھی یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ میں کہاں جاتی ہوں' کس کے ساتھ جاتی ہوں اور کیوں جاتی ہوں۔"

"عاشی۔" مریم کے ہونٹ ذرا سے کھل کر بند ہو گئے۔ جیسے وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے منجمد ہو گئی ہو۔

عاشی نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھک کر اپنے جوتے اٹھائے اور یونہی ننگے پاؤں اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

مریم نے چاہا کہ وہ عاشی کو آواز دے' اسے روکے اور بتائے کہ وہ اس روز کیفے زوف میں ڈاکٹر شہریار کے ساتھ نہیں گئی تھی بلکہ ڈاکٹر شہریار اچانک مل گئے تھے۔ اسے نینا اور مور کے لیے شاپنگ کرنا تھی۔ ماما نے کراچی سے فون کیا تھا کہ اسکول سے جو لسٹ ملی ہے' اس کے مطابق وہ خود جا کر شاپنگ کر لے کیونکہ شاید وہ نہ آسکیں۔ ہمیشہ ماما ہی شاپنگ کیا کرتی تھیں اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح شاپنگ کرے گی۔ اتنی لمبی چوڑی لسٹ تھی۔ یونیفارم کے ہی چار چار جوڑے تھے۔

"ماما پلیز آپ آ جائیں نا' خود مور بہت اداس ہے یہ چھٹیوں کا یہ آخری ویک آپ کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔"

"کوشش کروں گی جانو لیکن بہت مصروف ہوں۔ شاید نہ آسکوں تم شاپنگ کر لینا۔ نرگس کو ساتھ لے لینا یا بیگم آفندی کو۔"

لیکن میڈم نرگس گھر پر نہ تھیں۔ بیگم آفندی کو اس نے فون ہی نہیں کیا۔ عاشی کو اس روز جانا تھا کسی نئے ایڈ کے سلسلے میں۔ شرجیل مرزا نے اسے بلا رکھا تھا۔ نینا اور مور صبح ہی ڈاکٹر عبدالمعید کے ساتھ ان کے کلینک چلے گئے تھے۔ ماما کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے سوچا تھا کہ وہ ہر صورت آج کچھ نہ کچھ شاپنگ کر ہی لے۔ چھٹیاں ختم ہونے میں اتنے تھوڑے سے دن ہی تو رہ گئے تھے۔ وہ اسی وقت تیار ہو کر شاپنگ کے لیے نکل گئی تھی اور حماد شاپنگ پلازا میں جب وہ تیمور کے لیے شرٹس دیکھ رہی تھی تو اچانک شہریار مل گیا تھا۔

"مریم۔" وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھا تھا "کیسی ہو۔"

لمحہ بھر کے لیے اس کا دل زور سے دھڑکا۔ کتنے بہت سارے دنوں کے بعد اس نے آج شہریار کو دیکھا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو نارمل کر لیا۔

"اچھی ہوں۔"

اس نے کاؤنٹر پر بل پے کیا۔

شہریار نے اس کے ہاتھ سے شاپر لے لیے۔

"گھر میں سب ٹھیک ہیں نا عاشی' نینا' مور۔"

"ہاں اور آپ کے گھر میں سب کیسے ہیں بابا' ماں جی اور عینی سب۔"

اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مریم نے پوچھا۔

"سب اچھے ہیں مریم۔ مطمئن اور پر سکون مجھے بے اطمینان کر کے۔ مجھ سے میرا سب کچھ چھین کر سب پر سکون ہیں۔" مریم خاموش رہی۔

"مریم' آؤ تھوڑی دیر وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔ بات کرتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے صدیاں گزر گئی ہیں تمہیں دیکھے اور تم سے بات کیے۔"

"شہریار پلیز میرے راستے میں مت آؤ۔ مت الجھاؤ مجھے۔"

"پلیز مریم۔ ایک بار صرف ایک بار میری بات سن لو پھر نہیں آؤں گا تمہارے راستے میں۔"

اور وہ اس کی التجا کے سامنے مجبور ہو گئی تھی۔ اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر خود اس کا کتنا جی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ دیر اس سے بات کر لے۔

"جو راستے منزلوں کی طرف نہیں جاتے شہریار ان پر چلنے سے فائدہ۔" اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے انتہائی دل گرفتگی سے کہا۔

"راستے منزلوں کی طرف لے کر جائیں یا بھٹکا دیں۔ منزل تو وہی ہے جس کا تعین ہو چکا۔"

شہریار کے لہجے میں یقین تھا۔

"میں جانتا ہوں موی۔"

لمحہ بھر بعد شہریار نے اس کی طرف دیکھا۔

"راستے بہت کٹھن ہیں لیکن انسان ہمیشہ سیدھے اور صاف راستے پر تو نہیں چل سکتا نا' کبھی کبھی راستے میں مشکلات بھی تو آ جاتی ہیں بلکہ مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اگر آدمی کا یقین پختہ ہو اور حوصلے بلند ہوں تو کبھی نہ کبھی مشکلات کے باوجود بھی راستے طے ہو جاتے ہیں اور منزلیں مل جاتی ہیں۔"

"ہاں شاید لیکن میرا دل کہتا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں' جو چاہیں مل جائے۔"

مریم نے لمحہ کے لیے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر مینیو دیکھنے لگی جو ابھی ابھی بیرا رکھ کر گیا تھا۔

"تمہارا دل بہت فضول باتیں کرتا ہے۔" شہریار نے مینیو کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا "کیا منگواؤں۔"

"جو جی چاہے۔"

"موی۔"

آرڈر دے کر وہ میز پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"دیکھو ان مشکل لمحوں میں مجھے تنہا مت کرو۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا' تم ساتھ ہو گی تو میں یہ سارے مشکل مرحلے طے کر لوں گا لیکن تمہارے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اپنے آپ کو مجھ سے اس طرح الگ مت کرو موی پلیز۔ تمہیں کیا خبر کہ میں کن کن اذیتوں سے گزر رہا ہوں اور زندگی مجھے کتنے مشکل موڑ پر لے آئی ہے۔ جہاں اگر تم نے مجھے اکیلا کر دیا تو میں بھی ہمت ہار جاؤں گا۔ جانتی ہو موی اب ماں جی اور بابا بھی ماموں کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔"

"بابا بھی۔" مریم کو ازحد حیرت ہوئی۔

"ہاں بابا بھی۔" شہریار کا لہجہ گرا سا گیا۔

پہلے یہ یقین تھا کہ بابا اور ماں جی کبھی نہ کبھی سکندر ماموں کو منا لیں گے لیکن اب یہ یقین بھی بچھڑ گیا ہے۔

''شاید بابا بھی کسی ایسی لڑکی کو بہو بنانا پسند نہیں کرتے ہوں گے جو ایک فلم ایکٹریس کی بیٹی ہے'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے مریم۔ جب بابا نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو تب بھی وہ اس حقیقت سے باخبر تھے۔''

''پتا نہیں' جو بھی ہو مریم۔ میں تمہارے سوا کسی دوسری لڑکی کو شریک زندگی بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں بابا اور ماں جی کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا' میں نہیں چاہتا کہ کل کو وہ کہیں کہ میں احسان فراموش ہوں۔ میں اپنی آخری حدوں تک ان کو قائل کرنے کی کوشش کروں گا اور پھر۔''

اس نے اپنے ہاتھ میز پر سے اٹھا لیے۔

''اور پھر میں سب کو چھوڑ کر تمہاری طرف آجاؤں گا۔''

''نہیں شہریار' ماں جی اور بابا کے بغیر نہیں۔''

اس نے تو پہلے ماں جی اور بابا کو ہی پسند کیا تھا۔ اس گھر اور اس گھر کے ماحول کے حوالے سے ہی اس نے شہریار کی چاہ کی تھی پھر۔

''مریم۔'' شہریار نے بے چینی سے کہا ''میں نے تم سے پہلے بھی وعدہ لیا تھا کہ تم میرا انتظار کرو گی۔ تمہیں میرا انتظار کرنا ہے۔ ایک بار پھر وعدہ کرو مریم۔''

مریم سر جھکائے میز پر رکھے گلاسوں اور ان میں سجے ٹشوز کو دیکھتی رہی۔

''دیکھو اگر تم نے میرا انتظار نہ کیا تو میں اپنی زندگی ختم کر لوں گا۔''

اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں شہریار۔''

''ہاں مریم میں صحیح کہہ رہا ہوں۔''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ تمہارے بغیر زندگی میرے لیے قطعی بے معنی ہے۔ دیکھو تم اس وقت تک میرا انتظار کرنا جب تک کر سکو اور جب ہمت ہارنے لگو تو مجھے بلا لینا' آواز دے لینا۔ ایک منٹ تو کیا' میں ایک لمحہ بھی نہیں رکوں گا۔ میں سب زنجیریں توڑ کر آجاؤں گا لیکن پلیز مریم تم کچھ دیر تو میرا انتظار کرو۔ اس وقت تک جب تک......''

''اچھا۔'' مریم نے آہستگی سے کہا ''میں انتظار کر لوں گی...... لیکن شہریار ماں جی اور بابا کو کوئی دکھ نہ دینا۔''

''او کے۔ او کے مریم۔''

شہریار کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

''میں نے اسکالر شپ کے لیے درخواست دے دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے اسکالر شپ مل جائے گا پھر شاید میں دو تین سال کے لیے باہر چلا جاؤں' ہائر ایجوکیشن کے لیے۔ فی الحال میرے پاس یہی راستہ ہے اور بابا نے بھی منع نہیں کیا۔ شاید وہ میرے چہرے سے میرے اندر کی کیفیات کو پڑھ رہے ہیں۔ شاید ان دو تین سالوں میں ان کے خیالات بدل جائیں شاید وہ بخوشی......''

''پتا نہیں۔'' مریم نے اس کی بات کاٹ دی ''لیکن میں آخری حدوں تک آپ کا انتظار کر سکتی ہوں۔''

''کھانا کب لگانا ہے۔''

صفو نے آکر پوچھا تو مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا!''

''وہ جی کھانے کا پوچھا تھا جی۔''

''کھانا تو شاید باہر کھانے کا پروگرام تھا۔ تم عاشی سے پوچھ لو۔''

کیا تھا اگر وہ اس روز شہریار کے ساتھ کیفے زوف تک نہ جاتی۔ صفو چلی گئی تو اس نے دل گرفتگی سے سوچا۔

اور پتا نہیں عاشی نے کیا سوچا ہو گا۔ کس قدر غلط اور اب پتا نہیں وہ اس کی بات کا یقین بھی کرے گی یا نہیں اور پھر بھلا شہریار کا شرجیل مرزا سے کیا مقابلہ۔ شرجیل مرزا تو ایک فضول اور غلط آدمی ہے اور عاشی بہت انوسینٹ' بہت معصوم۔

پتا نہیں کیوں اسے یقین سا تھا کہ شرجیل مرزا جان بوجھ کر عاشی کو اپنے ساتھ انوالو کر رہا ہے محض اسے تنگ کرنے اور نیچا دکھانے کے لیے اور ماما...... ماما پتا نہیں کیوں منع نہیں کرتیں نہ اسے اور نہ عاشی کو۔ اب وہ اسے اداکاری کی طرف لے جا رہا ہے اور عاشی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ کسی کی بات نہیں سنے گی۔ کسی کی بھی۔ معید بھائی کی بھی نہیں اور میں۔ مجھے میرے متعلق خدا جانے وہ کیا سوچ رہی ہو گی۔

شاید اس روز کیفے سے باہر آتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا ہو یا شاید اندر جاتے ہوئے بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے۔ وہ تو اپنے اردگرد سے قطعی بے خبر بیٹھی تھی۔

اس نے چاہا کہ وہ عاشی کے پاس جائے اور وضاحت کرے کہ وہ...... لیکن اسے لگا جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ کیا کہے گی بھلا وہ اسے۔

وہ یونہی ایک ٹک ٹی وی کی خالی اسکرین کو دیکھ رہی تھی' تب ہی سیڑھیوں سے ڈاکٹر عبدالمعید' نینا اور تیمور کے ساتھ اترتے ہوئے نظر آئے۔ تیمور ان کے بازو سے چپکا ہوا تھا۔

''لیجیے خاتون ہم حاضر ہو گئے۔''

ڈاکٹر عبدالمعید نے مریم کے سامنے سر جھکاتے ہوئے شریر سے لہجے میں کہا تو مریم نے سر اٹھا کر خالی نظروں سے انہیں دیکھا تو ڈاکٹر عبدالمعید ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"خیریت' مریم آپ کی طبیعت تو اچھی ہے۔"

"ہاں۔"

مریم نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"نہیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"میں تو اچھی ہوں۔" وہ پوری شعوری کوشش سے ان کی طرف متوجہ ہوگئی "بس ہلکا سا سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"تو پھر۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں دیکھوں بجی تیار ہے کہ نہیں۔"

نینا ان کا ہاتھ چھڑا کر عاشی کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

"کچھ نہیں ابھی کوئی ٹیبلٹ لیتی ہوں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اگر زیادہ طبیعت خراب ہو تو......"

"نہیں بالکل نہیں۔"

اس نے پھر مسکرانے کی کوشش کی۔

"صبح مو اور نینا چلے جائیں گے اور میں نے ان سے پرامس کیا تھا کہ آج باہر ہی کھانا کھائیں گے۔"

ڈاکٹر عبدالمعید تیمور کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے' اس نے نظریں جھکا لیں۔ تیمور کی نظریں بھی اس کے چہرے پر تھیں۔

"مومو۔"

وہ ڈاکٹر عبدالمعید کا ہاتھ چھوڑ کر بالکل اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"یہ درد کیوں ہو گیا ہے آپ کو۔"

"درد تو خود ہی ہو جاتا ہے بیٹے۔ کیوں اور کیسے کا بھلا کیا جواز۔"

اس نے پیار سے تیمور کی طرف دیکھا۔

"لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو یہ درد نہیں تھا آپ کو۔"

"ہاں بس اچانک ہی ہو گیا۔"

"یہ درد۔" وہ ذرا سا جھکا "یہ وہ والا درد تو نہیں ہے نا ماما والا۔"

اس کی آنکھوں میں خوف تھا اور چہرے پر پریشانی سی۔

"نہیں تو میری جان۔"

مریم نے ایک دم بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

"یہ تو بس یونہی ہو گیا ہے۔ دن کو میں سوئی نہیں تھی نا بالکل اور بک پڑھتی رہی تھی' شاید اس لیے۔ معمولی سا درد ہے۔"

"اچھا۔"

اس نے سر اٹھا کر اسے بے یقینی سے دیکھا "تو پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں گی۔"

"کیوں نہیں۔"

تب ہی عاشی نینا کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ مریم نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس نے لباس چینج نہیں کیا تھا لیکن منہ ہاتھ دھو کر اور برش کر کے فریش ہو گئی تھی اور بے حد دلکش لگ رہی تھی۔

ڈاکٹر عبدالمعید کی نظریں لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔

"کیسی ہو عاشی۔"

"فائن۔"

اس نے خوش دلی سے کہا اور اس کی آنکھوں میں شریر سی چمک ابھری۔ نچلے ہونٹ کے دائیں کونے کو دانتوں تلے دبا کر اس نے ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا ہمارے ہر پروگرام میں آپ کا ہونا ضروری ہوتا ہے کیا۔"

"یقیناً۔" ڈاکٹر عبدالمعید مسکرائے۔

"کیوں بھلا۔"

وہ بدستور شرارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"شاید یہ کہیں بہت پہلے ہی کس لوح مقدس میں رقم ہو چکا تھا۔"

"یقین ہے آپ کو!"

"ہوں۔" وہ بڑے اعتماد سے مسکرائے۔

"اتنا یقین بھی اچھا نہیں ہوتا ڈاکٹر عبدالمعید۔"

وہ اپنی بات کر کے ایک دم مریم کی طرف مڑ گئی۔

"یہ۔ یہ اس طرح عاشی نے کیوں کہا۔ کیا ہے اس کے دل میں۔"

ڈاکٹر عبدالمعید کے مسکراتے لب یک دم بھینچ گئے تھے۔ انہوں نے اس کے چہرے سے اس کے اندر کی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن وہ اس طرح فریش چہرے کے ساتھ اپنی بات کے تاثر سے قطعی بے نیازی سے مریم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"بجو آپ تیار نہیں ہوئیں۔"

"ہاں نہیں تو۔ ایسے ہی ٹھیک ہوں۔"

مریم کھڑی ہوگئی لیکن اسے لگا جیسے اس کی ٹانگیں اس کے جسم کا بوجھ سہار نہ رہی ہوں۔ وہ پھر بیٹھ گئی شاید بہت دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے اس کے پاؤں سن ہوگئے تھے۔

"کیا ہوا مریم؟"

ڈاکٹر عبدالمعید نے بے اختیار پوچھا۔

"کچھ نہیں شاید پاؤں سن ہوگئے ہیں۔"

"آپ کی طبیعت اگر اچھی نہیں ہے تو پھر ہم گھر پر ہی کھانا کھا لیتے ہیں۔" تیمور نے افسردگی سے کہا۔

"ہاں پروگرام کینسل کر دیتے ہیں۔"

"نہیں پلیز پروگرام مت کینسل کریں۔"

"کیا ہوا ہے آپ کو۔"

عاشی نے پوچھا۔ مریم نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

کس قدر انجان بن رہی تھی وہ۔ کیا اسے ذرا بھی اندازہ نہیں ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے کس لہجے میں اور کیا بات کی تھی اس نے لیکن اس کے چہرے سے ذرا بھی پتا نہیں چل رہا تھا۔ یوں جیسے اسے یاد ہی نہ رہا ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے کیا کہا تھا۔ مریم کی آنکھیں جلنے لگیں اور کنپٹی میں درد کی ٹیسیں سی اٹھیں۔

اس نے بے اختیار دو انگلیوں سے کنپٹی کو دبایا۔

"مومو کے سر میں درد ہے۔" تیمور نے عاشی کو انفارم کیا۔

"کوئی ٹیبلٹ لے لیتیں آپ۔" عاشی نے نرمی سے کہا۔

"ہاں لے لیتی ہوں۔ تم ایسا کرو عاشی۔ تم اور معید بھائی چلے جاؤ مور اور نینا کے ساتھ۔ میں ٹیبلٹ لے کر کچھ دیر سو جاؤں گی تو سر درد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" عاشی نے سر ہلایا۔

"میرے کمرے میں پرس ہوگا وہاں سے پیسے لے لینا۔"

"میرے پاس ہیں۔"

عاشی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پرس کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ افسوس کی بات ہے مریم۔ آپ ابھی تک مجھے غیر سمجھتی ہیں۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"نہیں' بالکل بھی نہیں۔"

مریم کے بجائے عاشی نے شوخی سے جواب دیا۔

"اگر اپنائیت کا مطلب یہ ہے کہ آج کے کھانے کا بل آپ پے کریں جبکہ یہ دعوت سراسر ہماری طرف سے تھی تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تھینک یو۔"

ڈاکٹر عبدالمعید کے چہرے پر چند لمحے پہلے جو بادل چھا گئے تھے وہ ایک دم چھٹ گئے اور انہوں نے مریم کی طرف دیکھا۔

"مریم اگر نیند نہ آئے تو دو ویلیئم لے لینا۔ سونے سے فریش ہو جائیں گی اور پھر ڈیڈی ہیں نا اوپر اگر طبیعت کچھ خراب محسوس کریں تو......"

"ذرا سا سر درد ہی تو ہے نا۔ آپ تو یوں بات کر رہے ہیں جیسے خدانخواستہ مجھے......"

"اب کوئی فضول بات مت کہنا بجو۔"

عاشی نے اسے ٹوک دیا اور پھر ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا "تو پھر چلیں۔"

"لیکن جائیں گے کہاں؟"

"کنٹکی فرائیڈ چکن K.F.C" تیمور نے جواب دیا۔

"جی نہیں ہم تو سوپ پئیں گے اور چکن شاشلک کھائیں گے ایگ فرائیڈ رائس کے ساتھ' ڈیمپی میں۔"

نینا اور مور دونوں بحث کرنے لگے۔

"دیر ہو رہی ہے پلیز' آپ لوگ جائیں اب میں بھی سو جاؤں گی میرے لیے پریشان نہ ہونا۔"

"اوکے پھر چلتے ہیں۔"

"اپنا خیال رکھیے گا مومو۔"

جاتے جاتے تیمور نے مدبر بن کر کہا۔ تو سب مسکرا دیئے۔

اور تیمور کبھی کبھی کیسے بڑوں کے سے انداز میں بات کرتا ہے حالانکہ ابھی وہ پورے دس سال کا بھی نہیں ہوا۔

اس کے ہونٹوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

"آپ کیوں نہیں ساتھ گئیں جی۔"

صفو گیٹ بند کر کے آئی تو اس نے پوچھا۔

"یونہی ہلکا سا سر میں درد تھا۔"

"چائے بنا دوں۔"

"نہیں موڈ نہیں ہے۔ تم سب کو کھانا دے دو اور خود بھی کھا لو۔"

"آپ نہیں کھائیں گی۔"

"نہیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ رونا چاہتی تھی بہت سارا لیکن آنسو جیسے خشک ہو چکے تھے اور پتا نہیں عاشی نے اس کے متعلق کیا سوچا ہوگا۔ جب۔ جب اس نے مجھے اور شہریار کو......

سر میں درد کی شدید لہر اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ ایک بار پھر عاشی' اپنے' شہریار اور شرجیل مرزا کے متعلق سوچنے لگی۔

❀❀❀

پروفیسر عادل نے ہال میں قدم رکھا تو تقریباً پورا ہال بھرا ہوا تھا۔ کہیں کہیں کوئی نشست خالی تھی۔ انہوں نے وہیں رک کر ایک طائرانہ نظر پورے ہال پر ڈالی۔ مجتبیٰ حیدر اگلی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے بالکل ساتھ والی نشست پر تصدق احمد اور پھر ان کے ساتھ آمنہ صفی تھیں۔ تب ہی مجتبیٰ حیدر نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور ان کی نظر پروفیسر عادل پر پڑی اور انہوں نے وہاں سے ہی ہاتھ ہلایا اور اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"بڑی دیر کر دی آپ نے۔" قریب پہنچنے پر مجتبیٰ حیدر نے کہا۔

"ہاں کچھ دیر ہی ہو گئی۔"

"خیر ہم نے آپ کے لیے نشست رکھی ہے۔"

انہوں نے آمنہ صفی کے ساتھ والی سیٹ کی طرف دیکھا۔ جہاں ایک دس بارہ سالہ لڑکا بیٹھا تھا۔

"چلیے میاں صاحب زادے آپ کا شکریہ ہمارے عادل صاحب آ گئے۔"

لڑکے نے پروفیسر عادل کے لیے سیٹ خالی کر دی تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا۔

"اپنے حافظ صاحب کے برخوردار ہیں۔"

"اور حافظ صاحب نظر نہیں آ رہے۔"

پروفیسر عادل نے اپنی نشست پر بیٹھتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"وہ منتظمین میں سے ہیں۔"

"اچھا۔" پروفیسر عادل سر ہلا کر آمنہ صفی کی طرف متوجہ ہو گئے "کیسی ہیں آپ؟"

"اچھی ہوں۔" آمنہ صفی نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"اور اماں۔"

"اماں بھی اچھی ہیں۔ کامل کا کچھ پتا چلا۔"

"نہیں۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"I AM SORRY اس روز مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ بعد میں پھر میں آپ سے معذرت ہی نہ کر سکی۔"

"کوئی بات نہیں' وہ بہت حد تک کامی سے ملتا تھا۔" ان کا لہجہ بدستور دھیما اور دکھ لیے ہوئے تھا۔

اور اس روز آمنہ صفی کی اطلاع پر بھاگے بھاگے گئے تھے تو پتا نہیں کیوں' ان کے دل کو یقین سا ہو گیا تھا کہ وہ ضرور کامی ہوگا مگر وہ کامی نہیں تھا۔

ہاں کامی کی طرح وہ انہیں دیکھ کر "بھائی پاس جانا ہے۔" کرنے لگا تھا۔ وہ کتنی دیر تک مایوس اور دل گرفتہ سے اس کے پاس کھڑے رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے کیا کیا سوچ ڈالا تھا کہ ابھی وہ کامی کو لے کر آئیں گے اور پھر ماں جی کو فون کریں گے۔ مریم اور عاشی کو بتائیں گے اور اب آزردہ سے وہ اسے دیکھ رہے تھے جو آمنہ صفی کے گھر کے نکڑ والی گلی میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور ذرا ذرا دیر بعد سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا اور "بھائی پاس جانا ہے" کا نعرہ لگا کر پھر سر جھکا لیتا تھا۔ پتا نہیں کون تھا وہ۔ انہوں نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تب ہی آمنہ صفی انہیں اپنی طرف آتی دکھائی دی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا۔ جس میں غالباً پھل تھے۔

"ابھی چند لمحے پہلے ہی گھر گئی تھی اس کے لیے کچھ لینے۔ کچھ کھانے کے لیے۔"

لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ کامی ہی ہے نا۔"

"نہیں۔"

"اوہ۔"

اسے بے حد دکھ ہوا "SORRY"

وہ چپ کھڑے رہے۔ آج پہلی بار انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کامی سے کتنی زیادہ اور بے تحاشا محبت کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی انہیں اس کا اندازہ نہیں تھا۔ ایک دم ہی بے تحاشا تھکن ان کے وجود میں اتر آئی۔ یوں جیسے منزل پر آ کر کوئی پیاسا رہ جائے۔

"آیئے نا۔ کچھ دیر بیٹھیے۔"

آمنہ صفی نے آفر کی تو وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیے۔ مایوسی نے اس وقت اس طرح ان پر غلبہ کیا تھا' چاہ رہے تھے کہ کچھ دیر کو وہ کہیں بیٹھ جائیں' ستالیں تاکہ ان کے ڈوبتے دل میں ٹھہراؤ آ جائے لیکن آمنہ صفی کے گھر جا کر انہیں احساس ہوا کہ انہیں وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

ایک متوسط محلے کے متوسط گھرانے کے اپنے آداب اور اپنی رسمیں ہوتی ہیں۔ آمنہ صفی کو اپنی روایات سے بغاوت کی مجرم ٹھہرائی گئی تھی پھر بھی۔

"اماں یہ پروفیسر عادل ہیں۔" اس نے تعارف کروایا تھا "ان کے بھائی گم ہو گئے تھے۔"

وہ تفصیل بتا رہی تھی اور وہ اس کی ماں کو دیکھ رہے تھے۔ جن کے رویے میں واضح سرد مہری تھی۔ شاید انہیں ان کا اپنے گھر آنا پسند نہیں آیا لیکن آمنہ صفی تو آمنہ صفی تھی۔ وہ انہیں وہاں بٹھا کر ان کے لیے چائے لینے چلی گئی تو وہ سوچنے لگے۔

ساری دنیا کی مائیں شاید اپنے رویوں اور محبتوں میں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ چاہے وہ اس چھوٹے سے گھر میں رہنے والی آمنہ صفی کی ماں ہو چاہے بڑی حویلی میں رہنے والی عادل خان کی ماں۔

پھر وہ چائے پی کر فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ماں جی۔"

انہوں نے اپنا سر جھکا کر بڑے ادب سے التجا کی تھی۔

"دعا کیجیے گا کہ کامی مل جائے۔"

"خدا تمہاری ماں کی مامتا ٹھنڈی کرے۔"

بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا اور جھریوں کی سخت سرد مہری میں کہیں کہیں شفقت و محبت کے جگنو چمک اٹھے تھے اور ہمیں بنانے اور ہمیں بگاڑنے میں لوگوں کے رویے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ آمنہ صفی کو خدا حافظ کہتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا۔

اور اگر لوگوں کے رویے اتنے منفی نہ ہوتے تو آج آمنہ کی اماں کے رویے میں اتنی سرد مہری نہ ہوتی۔ اندر سے تو آدمی کا دل بہت گداز ہوتا ہے۔ محبتوں اور چاہتوں سے بھرا اور پھر واپس آتے ہوئے وہ اس اجنبی کے پاس ذرا دیر کے لیے رکے تھے۔ جو نہ جانے کس ماں سے بچھڑ کر یہاں آ بیٹھا تھا۔ شاید اس کا کوئی بھائی بھی ان کی طرح اسے تلاش کر رہا ہو۔ وہ کامی نہیں تھا لیکن کامی کی طرح لگتا تھا۔

وہ اسے ساتھ ہی لے آئے تھے اور اخبار میں اشتہار دے دیا تھا اور اس کی تصویر سمیت چند دن بعد ہی اس کے عزیز آ کر اسے لے گئے تھے اور کیا خبر کسی دن یوں ہی کامی کے متعلق کوئی نیک دل اشتہار چھپوا دے اس توقع میں وہ ہر چھوٹا بڑا اخبار خریدتے اور دھیان سے دیکھتے تھے۔ کہیں کسی نے کامی کے متعلق کوئی اطلاع نہ دی ہو۔

"آپ نے "منظر منظر دھوپ" کا مطالعہ کیا۔"

تصدق احمد ان کی طرف جھکے تو وہ چونکے۔

"نہیں۔" وہ شرمندہ سے ہو گئے "مجھے وقت ہی نہیں ملا۔"

دراصل یہ ایک نوجوان شاعر کی کتاب "منظر منظر دھوپ" کی تقریب رونمائی تھی۔ وہ ذاتی طور پر تو اسے نہ جانتے تھے لیکن مجتبیٰ نے اصرار کیا تھا بے حد۔

"یار ضرور آنا۔ ہمیں اپنی نمائندہ نسل کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔"

"کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں عادل خاناں تمہیں آنا ہے ہر صورت اور صرف آنا ہی نہیں، کتاب کے متعلق کچھ کہنا بھی ہے۔"

"تابش۔ میرا مطلب ہے صاحبِ کتاب میرے ایک بہت اچھے دوست کا عزیز ہے اور۔"

انہوں نے کتاب بھی بھجوا دی۔

سو وہ چلے آئے تھے لیکن اپنی مصروفیات میں اتنا وقت نہیں نکال سکے تھے کہ وہ کتاب پڑھ کر اس پر کوئی تبصرہ کہیں۔

"اور تصدق احمد۔" انہوں نے مسکرا کر انہیں دیکھا "کیا مصروفیات ہیں آج کل۔"

"جاب مل گئی ہے۔"

"اوہ گڈ۔"

"لیکن ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

آمنہ صفی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی آ کر ٹھہر گئی اور اس نے تصدق احمد کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"کیا؟"

"یہ جاب تصدق احمد کے قابل نہیں یا تصدق احمد اس جاب کے قابل نہیں، دونوں میں کوئی ایک بات ضرور ہے جو ابھی تک تصدق کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"تو کیا ابھی فیصلہ نہیں ہوا کہ کون کس کے قابل نہیں۔"

پروفیسر عادل نے بھی لائٹ موڈ میں پوچھا۔

"دونوں صورتوں میں تصدق احمد کی ہی بے روزگاری کے چانسز ہیں۔ جاب کا تو کچھ نہیں بگڑے گا کوئی اور ضرورت مند آ جائے گا۔"

آمنہ صفی سنجیدہ ہو گئی۔

"عادل آپ اسے سمجھائیں۔ اسے ان کے متعلق سوچنا چاہیے اپنے بچوں اور بیوی کے متعلق جن کے پاس ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔"

"سر۔"

تصدق احمد خان نے ایک ٹھنڈی اور گہری سانس لی۔

"کیا ہمارے اس ملک میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمیں بھی یعنی ہم فنکاروں کو بھی کوئی ایسا تحفظ مل جائے کہ ہم غمِ دوراں سے بے نیاز ہو کر اپنی تخلیقات کرتے رہیں اور...... آخر کھلاڑیوں کو بھی تو جب ملتی ہے۔ کسی بینک میں پی آئی اے میں۔ ہمیں ایسی کوئی جاب نہیں مل سکتی جس میں گھر بیٹھے تنخواہ ملتی رہے اور ہمارے بچوں کے جینے کا سہارا۔۔۔

"آخاہ۔"

مجتبیٰ حیدر نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"تصدق احمد خوابوں کی دنیا سے باہر آجاؤ۔ میری جان تمہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ تم مصوری کرو اور اپنا خون بیچو۔ میرے بھائی' یہ امیر لوگوں کا فن ہے۔"

اسٹیج پر اسٹیج سیکریٹری نے تقریب شروع ہونے کا اعلان کیا تو مجتبیٰ حیدر نے آمنہ صفی سے سیٹ تبدیل کرلی۔

"عادل خان! کچھ لکھا تھا۔" انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مجتبیٰ۔" وہ شرمندہ سے ہوگئے۔

"کوئی بات نہیں۔ کافی لوگ ہیں۔ حافظ صاحب نے تو زبردست مضمون لکھا ہے۔ مجھے پڑھایا تھا۔"

"سامعین بھی کافی ہیں۔"

"ہاں یار' یہ نوجوان نسل ہم سے بہت آگے ہے۔ مجھے یاد ہے جب میری پہلی کتاب "شب ہجراں" کی تقریب رونمائی ہوئی تھی تو صرف پندرہ لوگ آئے تھے۔"

"وقت وقت کی بات ہے۔"

پروفیسر عادل اسٹیج کی طرف متوجہ ہوگئے جہاں حافظ صاحب کتاب کا تعارف کروا رہے تھے۔

"سنو عادل میں نے تم سے ایک بات پوچھنی تھی۔ یار بہت دنوں سے میرے دل میں کھد بھد ہو رہی تھی۔"

"کیا؟"

پروفیسر عادل ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"یار اس روز اپنے نئے ناول کا پہلا جملہ لکھتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا کہ وہ تمہارے خوابوں کی شہزادی' تمہاری وہ تصوراتی ہستی کہیں میڈم نرگس کی بیٹی تو نہیں۔"

"ارے نہیں۔" بے ساختہ ان کے لبوں سے نکلا "میں تو اس بات سے بھی لاعلم ہوں کہ میڈم کی کوئی بیٹی ہیں۔"

"ان کی ایک بیٹی ہے جس کے متعلق آج کل وہ بے تحاشا بیان دے رہی ہیں کہ ان کے سابقہ خاوند نے حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ ایک بیٹی غالباً امتیاز شاہ سے بھی ہے' وہ چھوٹی ہے۔"

"ہوں گی لیکن آج تک کسی سے بھی نہیں ملا اور آپ بھی کمال کرتے ہیں مجتبیٰ ... آپ کا ذہن بھی کہاں پہنچا۔"

"یار تم جو منہ سے کچھ پھوٹتے نہیں ہو تو میں نے سوچا' میڈم تم پر بہت مہربان ہیں کہیں ان کی وہ بیٹی......"

"اوہ نہیں مجتبیٰ' میں اگر چپ ہوں تو میری کچھ مجبوریاں ہیں۔"

"مجبوریاں ہیں تو چھوڑ دو اس کا خیال۔ ایک سے ایک حسین موجود ہے' تم نگاہ تو کرو۔ دیکھو تو اپنے

دھوپ' بارش اور سائے

آس پاس کیسی کیسی زہرہ جبیں ایک نظر۔"

"پلیز مجتبیٰ آپ کے اور میرے فلسفہ محبت میں بہت فرق ہے۔ آپ جس طرح سوچتے ہیں' میں اس طرح نہیں سوچتا۔"

مجتبیٰ کی بات کا مختصر جواب دے کر وہ مقرر کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"بیسویں صدی کا یہ آخری سیاسی اور سماجی لحاظ سے تیزی سے بدلتے رجحانات اور اہم مثبت و منفی تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ ادبی تحریک میں یہ اقبال کی جدید تحریک میں استحکام اور اس کے تھیس اور اینٹی تھیس کے طور پر ابھرنے والی مختلف تحریکوں کا دور ہے۔"

"کبھی ہمیں بھی ان کا کچھ اتا پتا کوئی نشان بتاؤ۔ شاید کسی کام آسکیں۔"

"پلیز مجتبیٰ۔" پروفیسر عادل نے درخواست کی "سننے دیں' مقرر کیا کہہ رہا ہے۔"

انہیں مجتبیٰ کا یہ انداز از حد ناگوار گزرتا تھا اور اس لمحے پر وہ پچھتاتے' جب وہ بے اختیاری میں مجتبیٰ سے مریم کا ذکر کر بیٹھے تھے۔ مجتبیٰ کبھی کبھی تو بالکل ہی بے لحاظ ہو جاتے تھے اور دوسروں کی موجودگی میں بھی ذومعنی باتیں کر جاتے تھے جس سے انہیں انتہائی کوفت ہوتی ہے۔

مجتبیٰ مسکرا کر تصدق احمد کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے ایک بار پھر مقرر کی بات سننے کی کوشش کی۔

"شاعر کے خواب اور تمنائیں تو ہمیشہ اس زہر کو سہتی اور شہد کی طرح اپنے اندر سمو کر امرت بناتے رہتے ہیں۔ زہر کو امرت بنانے کا عمل ہی وہ مقام ہے جہاں بڑا فن وجود میں آتا ہے۔ ایسا فن جو کائنات اور انسان کے نئے رشتوں کو وجود میں لاتا اور معاشرے کو نئے خوابوں اور تمناؤں سے آشنا کرتا ہے۔ یہی خواب' تمنائیں اور حوصلے "منظر منظر دھوپ" کے شاعر کا بنیادی آدرش ہیں۔"

وہ مقرر کو نہیں جانتے تھے لیکن وہ جو کوئی بھی تھا' بہت اچھا بول رہا تھا۔ انہوں نے پوری شعوری کوشش سے اپنی توجہ اس کی طرف مبذول کرنی چاہی لیکن ذہن منتشر ہو چکا تھا۔ بار بار تصور میں مریم کا سراپا آرہا تھا۔ کتنے سارے دن ہوگئے تھے۔ وہ مریم سے نہیں ملے تھے۔ نہ اسے دیکھا تھا۔ تیمور کو حویلی سے واپس لانے کے بعد وہ زینب ولا نہیں گئے تھے۔ حالانکہ کئی بار اسے دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کو جی چاہا تھا لیکن انہوں نے خود کو روکے رکھا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟ کبھی کبھی وہ اپنے آپ سے خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ انہیں لگتا تھا جیسے مریم کو دیکھتے ہی وہ ضبط کھو بیٹھیں گے اور وہ سب کچھ جو انہوں نے اپنے اندر چھپا رکھا تھا' اس کے سامنے کہہ بیٹھیں گے۔

سارے جذبے عیاں کردیں گے۔

اور پھر...... تب ہی تو وہ اتنے دنوں سے تیمور کے فون کرنے کے باوجود زینب ولا نہیں گئے تھے۔ وہ اتنی اداس' اتنی دل گرفتہ اور شکست خوردہ سی نظر آتی تھی کہ بے اختیار ان کا جی چاہنے لگتا تھا کہ وہ اس کے نہ

نظر آنے والے آنسو اپنی انگلی کی پوروں سے چن لیں۔ اس کے سارے درد چرا کر اپنے دل کے اندر بند کر لیں اور اس کی خاموش اور اداس آنکھوں میں ہنسی اور مسرت کے جگنو بھر دیں۔ وہ ہر بار انہیں پہلے سے زیادہ اور کمزور اور تھکی ہوئی لگتی تھی۔ وہ بمشکل خود کو کچھ پوچھنے سے روکتے تھے۔ وہ سر جھکائے ماں جی' آپا اور کامل کے متعلق پوچھتی رہتی تھی۔ جانے کیا چیز اسے اس قدر پریشان کر رہی تھی کہ اس کی گلابی رنگت میں زردیاں سی گھل گئی تھیں۔

شاید وہ زینب عثمان کی وجہ سے پریشان تھی۔

ان دنوں زینب عثمان اور غضنفر ملک کے متعلق جو کچھ چھپ رہا تھا' وہ یقیناً اس جیسی حساس لڑکی کے لیے تکلیف دہ ہوگا۔ انہوں نے خود ہی اندازہ لگایا تھا۔ وہ خود یہ سب پڑھ کر ڈسٹرب ہو جاتے تھے حالانکہ ان کا کیا رشتہ تھا زینب عثمان سے۔ وہ مریم کی ماں تھیں اور عثمان احمد کی بیوی۔ بس اتنا سا ہی تو تعلق تھا لیکن غضنفر ملک اور زینب عثمان کی شادی کی خبریں انہیں بھی بے حد ڈسٹرب کر دیتی تھیں اور وہ۔ وہ تو ایک حساس لڑکی تھی اور زینب عثمان اس کی ماں تھیں۔

اور عثمان احمد نے بھی بتایا تھا کہ وہ اپنی ماما کی وجہ سے ڈسٹرب رہتی ہے۔

کاش' اے کاش ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس کی آنکھ کا ایک ایک آنسو پی لیتے لیکن...... یہ کیسی مجبوریاں تھیں۔

وہ شدید چاہت کے باوجود کسی بھی جذبے کا اظہار نہیں کر سکتے۔

اب کے زینب عثمان آئیں تو وہ خود ان سے بات کریں گے۔ ان سے کہیں گے کہ کسی مناسب لمحے میں مریم کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیں اور پھر انہیں بھی اس اذیت سے نجات دلائیں۔

وہ انتظار کرتے کرتے تھکنے سے لگے تھے۔ میڈم نرگس نے امید کے جو دیے ان کے ہاتھ میں تھمائے تھے' وہ کبھی بجھنے لگتے اور کبھی ایک دم لو دے اٹھتے۔ پتا نہیں کیوں انہیں لگتا تھا جیسے زینب عثمان انہیں منزل کی جھلک دکھا کر منزل سے محروم کر دیں گی۔ اتنی ہی سفاک لگتی تھیں وہ انہیں پھر بھی ایک ننھا سا دیا ان کے اندر جل رہا تھا جو انہیں مایوس نہیں ہونے دیتا تھا۔

• ماں جی اگرچہ کامل کی وجہ سے بہت بے چین رہتی تھیں۔ کسی پل چین نہیں آتا تھا انہیں۔ راتوں کو کامل کو پکارتی اپنے کمرے سے باہر آ جاتی تھیں۔

جانے اسے نیند بھی آئی ہو گی یا نہیں۔

جانے کسی نے اسے کھانا بھی دیا ہو گا۔

وہ یہ خیال کر کے رو پڑتیں اور روتے روتے صبح کر دیتیں پھر بھی انہوں نے اس بار بھی تاکید کی تھی۔
"مریم کی ماما آجائیں کراچی سے تو انہیں فوراً خبر کریں۔" اور پھر شاید انہیں عادل پر یقین نہیں آیا تھا

کہ انہوں نے تیمور سے بھی بار بار کہا' "بیٹا ماما آجائیں تو مجھے فون ضرور کرنا۔"

ایک دم ہی اضطراب نے انہیں آگھیرا تو بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے انہوں نے اسٹیج کی طرف دیکھا۔

مجتبیٰ حیدر جانے کب اٹھ کر اسٹیج پر چلے گئے تھے اور اب مائیک کے سامنے کھڑے اپنے دلچسپ اور دلکش انداز میں بول رہے تھے۔

ورڈز ورتھ نے ککو کے متعلق لکھا تھا۔

THRICE WELCOME DARLING OF THE SPRING EVEN YET

THOU ART TO ME

NO BIRD BUT AN INVISIBLE THING, A VOICE A MYSTERY

میرے لیے "منظر منظر دھوپ" کا شاعر بھی ورڈز ورتھ کے ککو کی طرح ہے پراسرار اور انجانا!

اور یہ مجتبیٰ کے پاس بھی لفظوں کا ایک خزانہ ہے خوب صورت اور دل کو مٹھی میں لینے والے لفظ۔

پروفیسر عادل نے پاکٹ سے روتھ مین کی ڈبیا نکال کر سگریٹ سلگایا اور مجتبیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

وہ دوسروں کی زبان سے نہیں' اپنی زبان سے کچھ کہنا چاہتا ہے اس لیے اس کے اسلوب میں تاثر' گرمی' گداز' جمالیت اور گمبھیرتا ہے۔

اور تیمور کی چھٹیاں تو ختم ہونے والی ہوں گی۔

اف او انہیں دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ انہوں نے نینا اور تیمور کے لیے کچھ گفٹ خریدنے تھے۔

اور پتا نہیں وہ چلے ہی گئے ہوں۔ چند دن پہلے ہی تو تیمور نے انہیں فون پر بتایا تھا کہ دو تین روز تک وہ مری واپس چلے جائیں گے۔

انہوں نے سگریٹ پھینک کر اور جوتے تلے مسل دیا۔

وہ جن کی خاطر
دعائیں کرتے ہوئے ہماری
نحیف پلکیں بھی جھک گئی تھیں
وہ چاندراتیں' بہار لمحے
جو ہم نے باہم گزارے تھے
وہ کتنی صدیوں سے
چاندنی کی ردائیں اوڑھے
گلاب و نرگس کے ہار لے کر
تمہارے آنے کے منتظر ہیں

مجتبیٰ حیدر "منظر منظر دھوپ" میں سے شاید کوئی نظم پڑھ رہے تھے۔

اور جانے وہ چند راتیں کب آئیں گی اور یہ انتظار کب ختم ہوگا...... ہوگا بھی یا نہیں؟

یکا یک دل پر چھا جانے والا اضطراب اور بے چینی اتنی بڑی کہ یک دم کھڑے ہو گئے۔

آمنہ صفی نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"خیریت عادل خان! آپ جا رہے ہیں؟"

"ہاں' مجھے کچھ کام تھا۔"

انہوں نے پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کیے۔

"کچھ دیر رک جاتے تو...... میں سوچ رہی تھی فنکشن سے فارغ ہو کر آپ سے بات ہوگی۔"

"پھر کبھی سہی۔" انہوں نے معذرت کی۔

"کسی دن گھر آ جائیے نا آپ دونوں۔"

"میں سوچ رہی تھی لیکن بس وہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"کیا ہوا تھا؟"

"کچھ خاص نہیں۔" آمنہ صفی نے بے پروائی سے کندھے اچکائے "ان کی سب سے بڑی بیماری تو میں ہوں اور میرے پاس اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے۔"

"دراصل اماں کو میرے خیال میں ہارٹ کی تکلیف ہے۔"

تصدق احمد نے خیال ظاہر کیا اور پھر آمنہ کی طرف مڑا۔

"تم نے کسی ہارٹ اسپیشلسٹ کو دکھایا؟"

"نہیں بس اپنے محلے میں حکیم احمد خان ہیں' ان سے دوائی لے لی تھی۔"

"آمنہ' آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

پروفیسر عادل نے تنبیہ کے انداز میں کہا۔

"مسرور تو آتے ہوں گے؟"

"ہاں' میرے پاس ہی ہے۔ میں سوچ رہی تھی' مسرور کے اسکول میں شاید میرے لیے کوئی جاب ہو؟"

وقت بھی کتنا بڑا جادوگر ہے۔

پروفیسر عادل نے تاسف سے اسے دیکھا۔

کل کی مشہور کالم نگار اب اسکول میں جاب کرنا چاہتی تھی۔

"آپ دوبارہ اخبار جوائن کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"اماں کو پسند نہیں ہے...... اور میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میں اماں کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

اس نے سر جھکا لیا۔

"او کے' اس پر پھر بات کریں گے۔"

پروفیسر عادل نے محسوس کیا تھا کہ پچھلی نشستوں والے ڈسٹرب ہو رہے تھے اور پھر خود ان کے دل نے سینے کے اندر اودھم مچایا ہوا تھا...... وہ اتنے سارے دن زینب ولا نہیں گئے تھے تو خود کو سنبھالے ہوئے تھے اور جو یکدم مریم کا خیال آیا تھا تو جی چاہ رہا تھا کہ لمحوں میں اڑ کر زینب ولا پہنچ جائیں اور پھر واقعی بے خودی کی سی کیفیت میں انہوں نے اتنی فاسٹ ڈرائیونگ کی تھی کہ انہیں لگا تھا جیسے زینب ولا تک آنے میں نہیں لمحے ہی لگے ہوں۔

لیونگ روم میں وہ کارپٹ پر بیٹھی تھی۔ اس طرح کہ اس نے اپنے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ہوئے تھے اور ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھے کارپٹ کو دیکھ رہی تھی اتنے دھیان سے کہ اسے عادل کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی صفو نے اندرونی گیٹ کھولا تھا اور اندر داخل ہوتے ہی ان کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتے ہوئے اس کے قریب آ کھڑے ہوئے اور بہت آہستگی سے اسے پکارا۔

"مریم......!"

"آپ...... عادل بھائی......؟"

مریم نے چونک کر سر اٹھایا تو پروفیسر عادل نے محسوس کیا کہ اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے جیسے روتی رہی ہو۔ ان کا دل ان کے سینے کے اندر تڑپ کر رہ گیا۔

"مریم' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

وہ بولے تو ان کے لہجے سے ان کی بے چینی عیاں ہو رہی تھی۔

"ہاں۔ آپ بیٹھیے نا پلیز!"

وہ کھڑی ہوئی تو اس کی گود سے ایک ہفت روزہ میگزین نیچے گر پڑا جسے اس نے اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا مریم!"

بیٹھتے ہوئے اسی اضطراب سے انہوں نے پھر پوچھا۔

"جی بالکل اچھی ہوں۔ کامی کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں...... مگر آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔"

"آپ کا وہم ہے۔"

وہ مسکرائی اور اس نے پلکیں جھپک کر آنکھوں میں آئے آنسو پینے کی کوشش کی۔

"مریم' آپ کو کوئی پریشانی ہے تو...... کیا آپ اسے میرے ساتھ شیئر نہیں کر سکتیں...... میں......"

"کچھ بھی تو نہیں ہے عادل بھائی!"

اب اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

''وہ ماما نہیں ہیں نا یہاں' اس لیے کبھی کبھی دل اداس ہو جاتا ہے۔''

وہ شاید بتانا نہیں چاہتی' اپنے مسائل اس سے شیئر نہیں کرنا چاہتی اور اسے کیا پتا کہ وہ پل پل میرے ساتھ ہوتی ہے۔ اٹھتے' بیٹھتے' سوتے جاگتے۔

خیال میں' خواب وخلوت میں' جلوت میں' شب و روز۔

میرا لہو اپنی گردشوں میں اسی کی تسبیح پڑھ رہا ہے۔

جو میری چاہت سے بے خبر ہے۔

ان کے چہرے پر غبار سا چھا گیا لیکن انہوں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر ٹیبل پر پڑے میگزین پر جما دیں اور یونہی میگزین کی طرف دیکھتے دیکھتے پوچھا۔

''اور باقی سب کہاں ہیں؟ عاشی' نینا اور مور۔''

''نینا اور مور تو واپس ہاسٹل چلے گئے اور عاشی ٹی وی اسٹیشن گئی ہے۔''

''ٹی وی اسٹیشن!'' انہوں نے دہرایا۔

''جی!''

''کیوں؟''

''وہ...... اس نے آڈیشن دیا تھا نا۔ وہ کام کرنا چاہتی ہے ڈراموں میں اور......''

اس کے حلق میں پھندا سا لگ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

وہ بے چین ہو کر یکدم اٹھے اور اس کے قریب چلے آئے۔

''مریم!''

انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''مریم! فار گاڈ سیک! اس طرح مت روئیں۔''

لیکن وہ اسی طرح دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے روتی رہی۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اسے خاموش کرائیں۔ اس کے آنسو ان کے دل پر گر رہے تھے اور وہ اندر سے تمام بھیگتے جا رہے تھے۔

''مریم...... مریم پلیز!''

بے اختیار انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ لمحہ بھر کے لیے ان کے ہاتھوں نے اس کے ہاتھ کو چھوا اور پھر یکدم انہوں نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیے۔ کہیں وہ بدگمان نہ ہو جائے...... کہیں......!

''مریم' خدا کے لیے...... خدا کے لیے حوصلہ کریں۔ میں ہوں نا...... مجھ سے کہیں مجھے بتائیں...... میں عاشی سے بات کروں گا' سمجھاؤں گا اسے...... لیکن پلیز! اس طرح اپنے ساتھ ظلم مت کریں۔''

مریم نے آہستگی سے ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے۔

اس کے رخسار بھیگے ہوئے تھے اور آنسو کا ایک ننھا سا قطرہ اوپر والے ہونٹ کے پاس اٹکا ہوا تھا اور کچھ آنسو پلکوں کے کنارے پر اٹکے ہوئے تھے۔ بے اختیار ان کا جی چاہا کہ وہ ان موتیوں کو اپنے ہونٹوں سے چن لیں لیکن وہ ضبط کیے کھڑے رہے۔ مریم نے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے۔

''SORRY عادل بھائی!''

''ہاں' اب بتائیے ساری بات۔ کیا مسئلہ ہے؟''

اور اس نے ہولے ہولے ساری بات بتا دی۔ شرجیل مرزا کی کمینگی اور عاشی کی ضد۔

''عاشی کو بالکل شوق نہیں تھا ٹی وی پر جانے اور ماڈلنگ کرنے کا۔ یہ سب شرجیل مرزا کی شرارت ہے۔ اسی نے اکسایا ہے عاشی کو...... وہ اچھا آدمی نہیں ہے عادل بھائی۔ آپ...... آپ سمجھائیں عاشی کو...... مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ وہ بھی ماما کی طرح شوبز میں جائے...... اور معید بھائی کو بھی پسند نہیں ہے لیکن وہ کہتے نہیں ہیں۔ انہیں عاشی کے احساسات کا بہت خیال رہتا ہے۔ وہ عاشی کی خوشی کی خاطر اسے کبھی منع نہیں کریں گے لیکن مجھے پتا ہے ان کے خواب بالکل مختلف ہیں' عاشی کے خوابوں سے بالکل مختلف...... اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ بھی پاپا کی طرح عاشی کے خوابوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے ایک دن تھک نہ جائیں۔''

وہ بہت دھیان سے اس کی بات سن رہے تھے۔ وہ بولتے ہوئے بات کرتے ہوئے کتنی دلکش لگ رہی تھی۔ اس کا لہجہ ان کی سماعتوں میں رس گھول رہا تھا اور لفظ دل میں اترتے جا رہے تھے۔ اس طرح اتنی دیر تک تو اس نے ان سے کبھی بات نہیں کی تھی۔

''مریم......!''

اس نے بات ختم کی انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ان کے لہجے میں از حد نرمی اور گداز تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں' بالکل بھی...... میں عاشی کو سمجھا لوں گا اور آپ آئندہ بالکل نہیں روئیں گی' ٹھیک ہے نا؟ اور آپ کو بہت پہلے مجھے بتانا چاہیے تھا جب عاشی نے ماڈلنگ کے لیے ضد کی تھی تب ہی...... پاپا نہیں ہیں لیکن میں تو ہوں نا...... پاپا کی جگہ سب کا خیال رکھنے کے لیے...... اور سب کی حفاظت کے لیے۔''

مریم کے چہرے پر ایک دم سکون اتر آیا اور اس نے مسکرا کر عادل کی طرف دیکھا۔

''تھینک یو عادل بھائی! آپ کے لیے چائے منگواؤں یا ٹھنڈا؟''

''چائے۔''

انہوں نے بے تکلفی سے کہا۔

"آج کا دن کتنا اچھا ہے۔"

انہوں نے بے حد طمانیت محسوس کرتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔

"آپ کی ماما کب تک آئیں گی؟"

"فی الحال تو کچھ پتا نہیں' انہوں نے بتایا ہی نہیں۔"

تب ہی بیل ہوئی اور بیرونی گیٹ کی آواز آئی۔ صفونے آ کر اندرونی گیٹ کھولا۔ عاشی مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"ارے عادل بھائی' آپ......؟"

پروفیسر عادل کو دیکھ کر وہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔

"ہاں' کیسی ہو عاشی؟"

انہوں نے کھڑے ہو کر حسب معمول اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مریم کو کتنا اچھا لگتا تھا' کتنی اپنائیت اور تحفظ کا احساس ہوتا تھا جب وہ عاشی اور نینا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کے سر پر پیار کرتے تھے اور اس کا جی چاہتا تھا وہ اس کے ساتھ بھی اتنے ہی شفیق اور اتنے ہی مہربان ہوں لیکن شاید عاشی اور نینا چھوٹی ہیں اور وہ بڑی۔

"کہاں تھیں آپ؟"

"عادل بھائی' میں انکل شجی کے ساتھ ٹی وی اسٹیشن گئی تھی...... اور پتا ہے عادل بھائی' انہوں نے مجھے سلیکٹ کر لیا۔"

وہ بے حد ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

"پتا ہے بجو......" وہ مریم کی طرف مڑی۔

"بہت زبردست سیریل ہے اور وہ جو انکل ملک تھے انہوں نے مجھے میجر رول دیا ہے...... اور یہ سب انکل شجی کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ اتنی سینئر لڑکیاں تھیں لیکن انہوں نے انکل شجی کے کہنے پر رسک لے لیا۔"

بات کرتے کرتے اس کی نظر مریم کے چہرے پر پڑی۔

"آپ رو رہی تھیں بجو...... خیریت......؟"

پھر اس نے مڑ کر ٹیبل پر رکھے میگزین کو دیکھا۔

"اوہ...... تو آپ نے یہ میگزین پڑھا ہے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ جو کچھ ان فلمی پرچوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے' سب سچ ہوتا ہے۔ انکل شجی کہہ رہے تھے سب جھوٹ ہوتا ہے سسپنس پیدا کرنے کے لیے...... اور اپنی سیل بڑھانے کے لیے۔ اب جو یہ انہوں نے ماما اور غضنفر ملک کی شادی کی خبر چھاپی ہے تو کیا صحیح ہے یہ خبر...... بالکل نہیں' کیوں عادل بھائی؟"

وہ عادل کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا ماما غضنفر ملک سے شادی کر سکتی ہیں' نہیں کبھی نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ماما کبھی بھی غضنفر ملک سے شادی نہیں کر سکتیں۔ بس وہ ان کے ساتھ کام کر رہی ہیں تو ان صحافیوں کو کہانیاں بنانے کا موقع مل گیا ہے۔"

اس کے لہجے میں اتنا یقین' اتنا اعتماد تھا کہ مریم کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر کسی صورت سچ نہیں ہو سکتی۔

"ہم کوئی ننھے بچے تو نہیں ہیں نا بجو کہ ماما اتنا بڑا فیصلہ کر لیں اور ہم سے ذکر تک نہ کریں۔ ناممکن ہے کہ ماما غضنفر ملک کی عمر کے کسی شخص سے شادی کریں۔"

اس نے مریم کو سمجھایا۔

عاشی کی باتوں نے مریم کے لرزتے دل کو سہارا سا دیا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ عادل کے آنے سے پہلے ماما اور غضنفر ملک کی شادی کا ہی پڑھ کر رو رہی تھی۔

"ماما نے شادی کر لی ہے۔"

اس کا دل ڈوب سا گیا تھا اور اس نے بے وقوفوں کی طرح سوچا تھا کہ پھر ان سب کا کیا ہو گا...... اس کا' عاشی' نینا اور مور کا......؟ ماما تو پہلے ہی فلموں میں کام کرنے کی وجہ سے ان سے دور ہو گئی تھیں اور اب تو اور بھی دور چلی جائیں گی...... اور ماما سچ کہتی تھیں کہ میں فضول میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پر مسلط کر کے اپنے لیے PROBLEMS CREAT کرتی ہوں...... عاشی نے اس خبر کی پروا ہی نہیں کی تھی...... اسے ماما پر پورا یقین تھا جبکہ اس کا یقین پختہ نہیں تھا...... کسی پر بھی اس کا یقین پختہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہر ایک کے لیے خوف زدہ رہتی تھی جبکہ شہریار نے کتنی بار اس سے کہا تھا۔

"محبت یقین کا دوسرا نام ہے مومو...... مجھ پر اپنا یقین پختہ رکھنا...... اگر تم بے یقین ہوئیں تو اس کا مطلب ہے کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو......" اور وہ بار بار بے یقین ہو جاتی تھی حالانکہ وہ سب سے بے حد اور شدید محبت کرتی تھی...... لیکن بچپن سے ہی وہ سب کی محبتوں پر بے یقین ہوتی آئی تھی۔"

ماما کی محبتوں پر...... پاپا کی شفقتوں پر۔ کہیں بھی اس کا یقین ٹھہرتا نہیں تھا۔

"مریم' عاشی صحیح کہہ رہی ہے۔ یہ اس طرح کے پرچوں میں محض ان کا پیٹ بھرنے کے لیے ایسی خبریں چھاپ دی جاتی ہیں۔ سو آپ اب جائیں' منہ ہاتھ دھوئیں اور ہمیں اچھی سی چائے پلوائیں۔"

وہ ایک دم ریلیکس ہو گئے تھے۔

"اور عاشی! آپ ادھر آئیں' یہاں بیٹھیں۔ مجھے آپ سے بہت باتیں کرنا ہیں۔"

مریم اٹھ کر چلی گئی تو وہ عاشی کی طرف متوجہ ہو گئے اور بڑے رسان سے انہوں نے اسے سمجھایا کہ انہیں اس کا شوبز میں جانا قطعی پسند نہیں ہے۔

"دیکھو عاشی!"

ان کے لہجے میں خود بخود سختی آ گئی تھی۔

"آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ آپ عثمان احمد کی بیٹی ہیں اور ہمارے خاندان کی لڑکیاں شوبز میں نہیں جاتیں۔ نہ ہی ہماری غیرت یہ گوارا کرتی ہے۔ پاپا نہیں رہے آپ کے تو میں تو ہوں۔ اس خاندان کی عزت و آبرو کا رکھوالا۔ چچا عبدالرحمٰن اور مانی اور امہران کو پتا چلا تو کیا سوچیں گے وہ......"

"لیکن عادل بھائی وہ ماما بھی تو......"

"وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں لیکن تم یہ مت بھولو عاشی کہ میں ہوں تمہارا بھائی' جو تمہیں غلط راستوں پر چلنے سے روکنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"عادل بھائی......"

عاشی کی ساری شوخی و شرارت ختم ہو گئی۔

"لیکن عادل بھائی' میں نے پرامس کر لیا ہے اور پھر مجھے بہت شوق ہے ایکٹنگ کرنے کا اور پھر کسی کو کیا پتا کہ میں کون ہوں' کس کی بیٹی ہوں؟ بس ایک سیریل کرنے دیں عادل بھائی! پھر نہیں کروں گی' کسی بھی ڈرامے میں۔"

عادل سوچ میں پڑ گئے تھے۔ ان کی اپنی کوئی سگی بہن نہ تھی اور وہ عاشی اور نینا کے لاڈ اس طرح اٹھاتے تھے جیسے وہ ان کی سگی بہنیں ہوں۔ انہوں نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ ان کی اپنی سگی بہنیں نہیں ہیں۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ عاشی اور نینا کی کسی خواہش کو رد نہ کریں۔

"آپ کیا سوچنے لگے عادل بھائی' مجھے ہر صورت اس سیریل میں کام کرنا ہے۔"

اس کے لہجے میں ضد تھی اور آنکھوں میں اپنی بات پر قائم رہنے کا اٹل ارادہ۔ یعنی عادل نے اگر اجازت نہ دی تب بھی وہ نہیں رکے گی اور اس مقام پر جبر بے معنی ہو جائے گا بلکہ زیادہ الجھاوے پیدا کرتا۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ایک سیریل میں کام کرنے کے بعد دوسری سیریل میں کام کرنے کی ضد نہیں کروں گی۔"

"بالکل بھی ضد نہیں کروں گی' پکا پرامس!"

اس کی آنکھوں میں پھر وہی معصوم سی چمک لوٹ آئی تھی اور چہرے پر مان رہ جانے سے رنگ دوڑنے لگے تھے۔

"او کے! پھر اپنا پرامس یاد رکھنا اور ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تم کس کی بیٹی اور کس کی پوتی ہو۔"

انہوں نے پہلی بار بے تکلفی سے اسے تم کہہ کر بلایا۔

"اور دیکھو...... ٹی وی اسٹیشن پر اکیلی مت جانا' کسی کو ساتھ لے کر جایا کرو۔"

"جی!"

اس کی آنکھیں یوں دمکنے لگی تھیں جیسے کسی نے ان میں ستارے کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہوں۔

"ایک بات اور...... یہ سیریل ختم ہوتے ہی تم اپنی پڑھائی شروع کرو گی...... اور تمہیں کالج میں داخلہ لینا ہے۔"

"لیکن ابھی تو داخلے نہیں ہو رہے ہیں۔"

"اس بات کی تم فکر مت کرو۔ تمہارے فارغ ہونے تک بی اے کے داخلے شروع ہو جائیں گے۔"

"رائٹ!"

اس نے سر ہلا دیا۔

دراصل غلطی زینب عثمان کی ہے جنہوں نے ان لمحوں میں انہیں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ اس عمر میں بچیوں کو ماں کی کتنی شدید ضرورت ہوتی ہے' ان کی رہنمائی اور محبت و شفقت کی لیکن زینب عثمان کی اپنی ایکٹی ویٹیز ہیں اور بچے نظر انداز ہو رہے ہیں اس کا کوئی بہت اچھا ری ایکشن نہیں ہو رہا بچوں پر...... نینا چپ رہتی ہے لیکن تیمور...... کس قدر ری ایکٹ کرتا ہے اور کتنا خفا رہتا ہے زینب عثمان سے۔

چائے آ گئی تھی...... عاشی چینج کرنے چلی گئی تو وہ مریم کو عاشی سے ہونے والی گفتگو بتا کر گھر چلے آئے۔ مریم کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے بعد پہلی بار آج ان کا دل قدرے پرسکون تھا۔ مریم کو دیکھنے کے بعد سے لے کر اب تک واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے تھے کہ ان کے دل کو کہیں چین نہیں ملا تھا۔

عثمان احمد سے اچانک ملاقات' ان کی وفات' مریم کے متعلق انکشاف' ماں جی کا مریم کے لیے اس کا پروپوزل دینا' زینب عثمان کا بدلتا رویہ' کامی کی گمشدگی' آمنہ صفی کی پیشکش...... ان سب واقعات نے ان کے دل کو عجیب طرح سے اپنی گرفت میں لیا تھا کہ وہ مسلسل مضطرب رہنے لگے تھے۔

کبھی آس کے جگنو چمکتے تو پھر مریم کا رویہ لمحوں میں ان جگنوؤں کو مار دیتا اور وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں [illegible]نے لگتے تھے لیکن آج مریم نے ان پر اعتبار کر کے اپنی پریشانی ان کے ساتھ شیئر کر کے انہیں یکدم معتبر کر دیا تھا۔ وہ خود اپنی نظروں میں بلند ہو گئے تھے ورنہ اس انجانی بدگمانی کے سائے جو کبھی کبھی مریم کی آنکھوں میں ڈولنے لگے تھے انہیں [illegible] رہے تھے اور کتنی ہی بار ان کا جی چاہا تھا کہ وہ ساری مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر مریم سے سب کچھ کہہ دیں اسے بتا دیں کہ وہ رشتوں کا احترام کرنا اور ان کا تقدس برقرار رکھنا جانتے ہیں۔

"زینب وِلا" سے نکل کر انہوں نے غیر ارادی طور پر گاڑی کا رخ میڈم نرگس کے گھر کی طرف موڑ دیا۔

❁❁❁

"تو ساری بات یہ ہے کہ عادل بھائی کے خیال میں بپھرے ہوئے طوفانوں کے آگے بند باندھنا

محض حماقت ہے۔"

مریم نے ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا۔

"اور یہ کہ انہوں نے اس کی آنکھوں میں بغاوت کو ابھرتے دیکھا تھا۔ وہ ان کے کہنے پر نہ رکتی اور اس طرح وہ اکیلی ہو جاتی اور ہم نقصان میں رہتے۔"

"ہوں۔"

ڈاکٹر عبدالمعید ٹی وی کی خالی اسکرین پر نظر جمائے جانے کیا سوچ رہے تھے؟

"اب تو اس نے وعدہ کیا ہے کہ یہ اس کی پہلی اور آخری سیریل ہوگی۔"

مریم نے عبدالمعید سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"ہاں' خدا کرے ایسا ہی ہو مریم! مگر پتا نہیں کیوں مجھے خوف آتا ہے۔ جیسے شوبز کا یہ طوفان اسے بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گا اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گا......"

"نہیں' ایسا نہیں ہوگا معید بھائی!"

مریم نے ان کی بات کاٹ دی۔

"عادل بھائی کہتے ہیں کہ جو لکڑی جھک نہیں سکتی' وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ اسے اگر وہ مجبور کرتے تو زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا۔ وہ بہت ضدی ہو چکی ہے' آپ نہیں جانتے اسے۔ وہ ایسی نہیں تھی لیکن پاپا کی موت اور ماما کی دوری نے اسے ایسا کر دیا ہے۔ اس پر شرجیل مرزا نے اکسایا ہے۔"

"ہوں......"

ڈاکٹر عبدالمعید ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مریم!...... عادل صاحب کا خیال صحیح ہے کہ اسے محبت اور پیار سے ہی قا[بو] کیا جا سکتا ہے۔"

"اگر اس نے عادل بھائی سے وعدہ کر لیا ہے تو یقین رکھیے معید بھائی' وہ اپنے وعدے سے [نہیں] پھرے گی۔"

"مجھے یقین ہے۔"

انہوں نے ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آپ نے بند کیوں کر دیا تھا؟"

"یوں ہی۔ مجھے عاشی کو اسکرین پر دیکھنے کا قطعی شوق نہیں ہے۔ میں تو اس لیے دیکھ رہی [تھی] کیا اخبار والے سچ کہتے ہیں۔"

"ہاں' اخبار والے سچ کہتے ہیں۔"

انہوں نے ٹی وی آن کر دیا۔ مریم نے وی سی آر پر اس کے ڈرامے کی قسط لگا رکھی تھی جسے عاشی نے ریکارڈ کر لیا تھا۔

"اسے اداکاری نہیں آتی۔ وہ اداکاری کر ہی نہیں سکتی۔ مجھے یقین ہے۔"

اسکرین پر عاشی نظر آ رہی تھی۔ گلاب کی کیاریوں کے پاس کھڑی ہوئی جھک کر پھول توڑتی ہوئی وہ کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ بے انتہا خوب صورت اور حسین۔ عام دنوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ خوب صورت۔ بلاشبہ اس کی اسکرین بیوٹی غضب کی تھی لیکن جیسا کہ اخبار میں تبصرہ کیا گیا تھا' اس کی اداکاری میں بالکل جان نہ تھی...... اور یہ کہ اس کے بے تحاشا حسن کی وجہ سے سیریل چل جائے تو چل جائے ورنہ اس کی اداکاری میں کچھ نہ تھا۔ ممکن ہے آگے چل کر اس کی اداکاری بہتر ہو جائے لیکن پہلی دو تین اقساط میں تو اس کی اداکاری نے کوئی تاثر نہیں چھوڑا تھا۔ ہاں اس کے حسن کے چرچے تھے۔

مریم نے عبدالمعید کی طرف دیکھا۔

"آپ آج اسپتال نہیں جائیں گے کیا؟"

"نہیں' رات ڈیڈی کی طبیعت خراب تھی' جاگتا رہا۔ اس وقت سر بھاری ہو رہا ہے' کچھ دیر سے جاؤں گا۔ انکل تو سویرے چلے گئے تھے۔"

"آپ نے رات کو بتایا ہی نہیں۔ اکیلے پریشان ہوتے رہے۔"

"آپ کی نیند کیا خراب کرنا تھی۔ انکل گھر پر ہی تھے۔"

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"اب تو کافی بہتر فیل کر رہے ہیں۔ میں کچھ دیر کے لیے ہی اسپتال جاؤں گا' آپ ذرا دیکھ لیجیے گا انہیں۔"

"ضرور...... آپ ناشتا کریں گے؟"

"نہیں' چائے پی لی تھی صبح۔"

"تو پھر میں ناشتا بنواتی ہوں۔ عاشی تو سو رہی ہے ابھی...... رات کو کچھ دیر سے آئی تھی' تھکی ہوئی ہے۔"

"میں ناشتا اوپر ہی کروں گا' ڈیڈی کے ساتھ اور یوں بھی ابھی میرا موڈ نہیں ہو رہا۔"

"پھر چائے بنواؤں؟"

"نہیں مریم! پلیز کچھ نہیں' بیٹھیں۔ میں یونہی چلا آیا' انکل اسپتال چلے گئے تو میرا دل گھبرانے لگا۔ کہیں میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا مریم!"

"کمال کرتے ہیں معید بھائی! اب آپ غیروں جیسی باتیں کر رہے ہیں...... میں بھلا کیوں ڈسٹرب ہوں گی...... اور مجھے کیا کرنا ہوتا ہے اتنی سویرے اٹھ جاتی ہوں اور پھر بور ہوتی رہتی ہوں۔"

اس نے ناراض نظروں سے ڈاکٹر عبدالمعید کو دیکھا۔

"سوری مریم! پتا نہیں کیوں میں آج بہت ڈسٹرب ہو رہا ہوں...... ڈیڈی نے اپنی ساری زندگی میرے لیے وقف کر دی اور میں انہیں ذرا سی خوشی بھی نہیں دے سکا۔ بعض اوقات ہم انسان قدرت کے ہاتھوں ہونے والے فیصلوں کے سامنے کتنے بے بس ہوتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں رہتا۔ میں ڈیڈی کو خوشی دینا چاہتا ہوں لیکن میرے اختیار میں نہیں' رات وہ بہت افسردہ ہو رہے تھے۔"

"معید بھائی' جب ماما آئیں گی تو آپ انکل ہادی سے کہیں کہ وہ ان سے بات کریں عاشی کے لیے۔"

"کیا مسز عثمان آنے والی ہیں۔ ان کا فون آیا تھا؟"

"ہاں! ماما کا فون آیا تھا اس روز' جب عاشی کے ڈرامے کی قسط آئی تھی۔"

"کیا کہہ رہی تھیں...... ناراض ہوئی تھیں؟"

"نہیں' بس پوچھا تھا کہ اسے کیسے اس سیریل میں کام ملا اور یہ کہ وہ پیاری لگ رہی تھی اور اداکاری کے لیے اسے مزید محنت کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔"

"اور آنے کے متعلق کچھ کہا تھا؟"

"ہاں کہہ رہی تھیں کہ چند روز میں آئیں گی اور اب اس بات کو بھی دو ہفتوں سے زیادہ ہو گئے ہیں۔"

"ان کا فون نمبر تو ہو گا آپ کے پاس؟"

"نہیں' انہوں نے کہا تھا کہ کبھی ایمرجنسی ہو جائے تو آنٹی نرگس کو بتائیں' وہ ان سے رابطہ کر لیں' ورنہ وہ خود ہی کر لیتی ہیں فون۔"

"اب جب ان کا فون آئے گا پلیز ان سے کوئی کنٹیکٹ نمبر لے لینا کہ انکل ہادی بات کریں گے"

"جی ضرور۔"

"میں تو مریم' ایک عمر انتظار کر سکتا ہوں لیکن ڈیڈی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' آپ جانتی تو ہو نا۔"

"جی معید بھائی' مجھے یقین ہے' انکل ہادی ماما کو منا لیں گے۔"

تب ہی فون کی بیل بج اٹھی۔ مریم نے ٹی آف کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف عینی تھی۔

"ارے عینی تم۔"

"ہاں میں۔" عینی نے خفگی سے کہا "کہاں گم ہو تم فون کرو تو پتا چلتا ہے' محترمہ آرام کر رہی ہیں سو رہی ہیں یا گھر پر نہیں ہیں۔"

"اتفاق ہے عینی ورنہ میں تو گھر پر ہی ہوں۔"

"اچھا مریم۔" ڈاکٹر عبدالمعید کھڑے ہو گئے۔

"آپ بیٹھے نا' پلیز معید بھائی۔ میری دوست کا فون ہے۔"

... کی طرف بڑھے تو وہ ماؤتھ پیس میں بولی

"بابا اور ماں جی کیسے ہیں عینی۔"

"اچھے ہیں اور تمہیں یاد کر رہے تھے کسی دن آؤ نا۔ تم نے تو بالکل آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"مجھے یاد کر رہے تھے۔" اس نے دل گرفتگی سے سوچا "اور کس قدر تضاد ہے کہ وہ مجھے یاد کرتے ہیں مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مجھے اپنے خاندان میں شامل نہیں کر سکتے۔"

"کیا سوچنے لگی ہو مومو' کب آؤ گی؟"

"دیکھوں گی کسی دن آ سکی تو۔"

"سنو مومو' شیری بھائی انگلینڈ جا رہے ہیں۔ مزید تعلیم کے لیے۔ پرسوں صبح چار بجے کی فلائٹ ہے ان کی۔"

اس کا دل سینے کے اندر اتنی زور سے دھڑکا جیسے ابھی سینے کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ ریسیور ہاتھوں میں تھامے خاموش کھڑی تھی۔

"لو شیری بھائی سے بات کرو۔" ایئر پیس میں عینی کی آواز گونجی تو وہ چونکی۔

"مریم...... مریم کیسی ہو؟" شہریار کی آواز ایئر پیس میں ابھری اور اس کی آواز سنتے ہی جیسے اندر کہیں برف پگھلنے لگی۔

"اچھی ہوں۔" اس نے بہ مشکل تمام کہا۔

"وہ تو ہو ہی۔" شہریار نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

"مریم۔" وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا "میں جا رہا ہوں لیکن تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا۔ میرا انتظار کرنا...... اور اگر انتظار کرتے کرتے تھک جاؤ تو مجھے آواز دینے میں بہت دیر مت لگانا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوا' ساری زنجیریں توڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔"

وہ خاموش ہی رہی' اندر بہتے دریا آنکھوں کے کنارے تک آ گئے تھے۔

"جانے سے پہلے ایک نظر تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ مل سکتی ہو' صرف چند لمحوں کے لیے کہیں بھی۔ جہاں تم کہو آ جاؤں۔"

"نہیں۔" اس نے بے اختیار کہا۔

"اچھا۔" وہ ازحد آزردہ ہو گیا "گھر بھی نہیں آؤ گی؟"

"پتا نہیں۔"

"خفا ہو سب سے؟"

"نہیں۔"

"اپنا خیال رکھنا' ہمیشہ بہت زیادہ۔"

"اور آپ بھی اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس سے خفا یا ناراض نہیں ہے اور اگر راستے الگ بھی ہو گئے تو یہ مقدر کے کھیل ہیں...... اور قسمت کی بات ہے لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اور ان کے درمیان ایک طویل خاموشی کا وقفہ حائل ہو گیا۔

"عینی کہاں ہے؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

"وہ تو اسی وقت باہر چلی گئی تھی۔ میرا انتظار ضرور کرنا مریم...... اپنی آخری حدوں تک اور اس بات کا یقین رکھنا کہ میری زندگی میں تمہارے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں ہے...... تم ہو تو میں ہوں' تم نہیں ہو گی تو میں بھی نہیں ہوں گا بس......"

اس نے یک دم ریسیور رکھ دیا اور وہ کتنی دیر تک ریسیور ہاتھوں میں تھامے کھڑی رہی۔

"اور کیا ہے اگر جانے سے پہلے ایک نظر اسے دیکھ لے کیا خبر پھر کبھی وہ اسے نہ دیکھ سکے۔"

وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہیں قریب پڑے صوفے پر بیٹھ گئی اور شہریار سے پہلی ملاقات سے لے کر اب تک کی ایک ایک بات اس کے تصور میں آنے لگی۔

اور لالہ کہتی تھی۔

ڈاکٹر شہریار اپنی محبتوں میں سچا ہو گا۔

اور وہ اپنی محبتوں میں بہت سچا ہونے کے باوجود بہت ساری محبتوں کے سامنے ہار رہا تھا۔

اور ممکن ہے' کسی دن وہ مکمل طور پر ہار جائے۔

اور ڈاکٹر شہریار......

اس نے لب بھینچتے ہوئے آنکھوں کو بند کر لیا۔

"میں بھی اپنی محبتوں میں اتنی سچی ہوں جتنا کہ وہ اور یہ کہ میری زندگی میں کبھی کسی دوسرے کی کوئی گنجائش نہیں ہے...... ڈاکٹر شہریار نہیں تو کوئی بھی نہیں۔"

"موموبی بی۔"

اس نے آنکھیں کھولی تو اس کی آنکھوں میں سکون تھا اور مضطرب دل بھی جیسے تھوڑی دیر کو ٹھہر سا گیا تھا۔

"جی کیا بات ہے؟"

"وہ جی کل مجھے چھٹی چاہیے تھی۔"

"کیوں؟"

"شادی ہے جی' میری خالہ کی بیٹی کی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

تب...... ہی گیٹ پر بیل ہوئی' پھر گیٹ کھلنے اور گاڑی پورچ میں آنے کی آواز۔

"کون ہے بھلا اتنے سویرے۔" اس نے صفو کی طرف دیکھا۔

"انکل ہادی واپس آ گئے ہیں یا پھر...... یا پھر شرجیل مرزا ہو گا۔" اس نے ناگواری سے سوچا۔

لیکن عاشی تو کہہ رہی تھی کہ آج اسے کہیں نہیں جانا اور وہ مکمل ریسٹ کرے گی۔ بہت سارا سوئے گی اور شام کو اس کے ساتھ لمبی ڈرائیو پر جائے گی۔ ایک روز تو وہ عادل کی ہدایت کے مطابق شریف کے یا اسلم چاچا کے ساتھ ٹی وی اسٹیشن گئی لیکن پھر وہی شرجیل مرزا اسے پک اور ڈراپ کرنے لگا تھا اور اس کی خفگی کے خیال سے اس نے عاشی کو کچھ نہیں کہا تھا کیوں کہ وہ اس سے چڑتی تھی۔

"میں کوئی بچی نہیں ہوں بجو اور جانتی ہوں' کیا اچھا ہے اور کیا برا...... آپ کو یوں ہی انکل شجی سے چڑ ہو گئی ہے۔"

اندرونی گیٹ کی بیل ہوئی۔

"سنو صفو! انکل شجی ہوئے تو انہیں کہہ دینا کہ عاشی سو رہی ہے اور اس نے اٹھانے سے منع کیا ہے۔"

اس نے ریک سے آج کا اخبار اٹھایا اور پھر ایک دم کھڑی ہو گئی...... آنے والی زینب عثمان تھیں۔

"ماما آپ۔" وہ دوڑ کر کسی چھوٹی بچی کی طرح ان سے لپٹ گئی "کتنے دنوں بعد آئی ہیں آپ۔ ہم سب آپ کو کتنا مس کر رہے تھے۔"

"او کے...... او کے مائی گرل۔" انہوں نے آہستگی سے اسے الگ کرتے ہوئے اس کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

"آپ نے فون بھی نہیں کیا۔ اسلم چاچا کو ائیر پورٹ بھیج دیتی۔"

"میں نے نرگس سے کہہ دیا تھا۔ اس کا ڈرائیور آ گیا تھا ائیر پورٹ پر۔"

چوکیدار نے اٹیچی کیس اندر رکھا۔

"صفو' یہ سامان کمرے میں رکھو۔" وہ وہاں ہی لیونگ روم میں بیٹھ گئیں۔

"اور موموٗ یہ تم بیمار رہی ہو کیا۔ بہت کمزور لگ رہی ہو اور تھکی تھکی سی۔"

"نہیں تو ماما' بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

وہ بہت فریش اور ینگ لگ رہی تھیں۔

اس کی ماما ہمیشہ کی طرح خوب صورت اور باوقار تھیں۔ اس نے اپنے اندر ایک غرور اور فخر سا محسوس کیا۔

"نہیں موموٗ تم اپنا خیال نہیں کرتی ہو۔ کس قدر زرد ہو رہی ہو...... اس بار میں ڈاکٹر ہادی سے کہہ کر تمہارا مکمل چیک اپ کراتی ہوں۔"

اور زینب عثمان کی اس توجہ پر اس کا دل پھول کی طرح کھل گیا۔

"اور ماما اپنی مصروفیات کی بنا پر اگر ان کے ساتھ نہیں رہ پا رہی ہیں تو یہ ان کی مجبوری ہے ورنہ انہیں

خیال ہے سب کا۔''

''نہیں تو ماما مجھے تو کچھ بھی نہیں ہے' بس ایسے ہی۔ آپ نہیں ہوتیں نا تو میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔''

''ماسٹرز کی ڈگری لے کر بھی تم بالکل بچی ہو ابھی تک مومو۔'' انہوں نے شریف کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا ''مائیں ہمیشہ ساتھ تو نہیں ہوتیں نا اور پھر لڑکیوں کو دوسرے گھر جانا ہوتا ہے ایک دن۔ اس بار ڈھونڈتے ہیں کسی کو جو تمہارا خیال رکھے۔'' انہوں نے ہلکا مزاح کیا لیکن مریم کا زرد رنگ یک دم سپید پڑ گیا۔

''نہیں ماما۔'' اس نے بے اختیار کہا ''مجھے شادی نہیں کرنا...... آپ عاشی کی شادی کر دیں' انکل ہاشم بہت بیمار رہتے ہیں۔''

''کیوں تمہیں شادی کیوں نہیں کرنا؟'' انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

تب ہی آنکھیں ملتی ہوئی عاشی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

''عاشی دیکھو ماما آئی ہیں۔'' مریم کی آواز میں خوشی کی چہکار تھی۔

عاشی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان کے پاس آئی۔ اس نے مریم کی طرح بے تابی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا ان کے قریب آ کر جھکتے ہوئے ان کے رخساروں کو چوما۔

''اوہ کیسی ہو ڈارلنگ؟'' زینب عثمان نے اسے پیار کیا ''اور ناٹی گرل' یہ کیا شوق چرایا ہے تمہیں ایکٹنگ کا۔''

''آپ کی بیٹی ہوں نا۔ کچھ تو ورثے میں ملنا تھا مجھے۔'' وہ ان کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

''مگر جانو' تمہاری ایکٹنگ بالکل بے جان ہے۔''

''ہوتی رہے۔'' اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے ''مجھے کون سا ہمیشہ ایکٹنگ کرنا ہے۔''

اور مریم کو اس پر بے حد خوشی ہوئی ''تو اس نے عادل بھائی کی بات مان لی ہے۔''

''آپ سنائیں' یہ آج اچانک کیسے خیال آ گیا یہاں آنے کا۔''

مریم نے اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز محسوس کیا لیکن ماما خوش دلی سے بولیں۔

''بہت دنوں سے سوچ رہی تھی کہ اب کچھ دن اپنے گھر جا کر رہوں۔ بہت باہر رہ لی۔ مور کیا تھا لیکن پھر بس نہ آ سکی۔''

''کیا آپ کی فلمی مصروفیات ختم ہو گئی ہیں؟'' عاشی نے سادگی سے پوچھا۔

''ہاں ہاں...... فلمیں تو میں نے ایک دو سائن کی ہیں لیکن ابھی کسی کی شوٹنگ شروع نہیں دراصل راجہ صاحب طے نہیں کر پائے ہیں کہ وہ کس ملک میں شوٹنگ کریں گے۔''

''نہیں نہیں۔'' انہوں نے جیسے اسے تسلی دی ''ابھی تو میں یہاں ہی ہوں کافی دن۔ کم از کم دو ماہ۔''

مریم کو عاشی کے انداز گفتگو پر حیرت ہو رہی تھی۔ شاید وہ بھی ماما کو اس کی طرح بے حد مس کرتی تھی۔

شریف نے خالی گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

''ناشتا بناؤں؟''

''ہاں ہاں' یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جاؤ فٹافٹ اچھا سا ناشتا بنا کر لاؤ' پراٹھوں کے ساتھ۔'' عاشی نے خوشی سے کہا۔

''جا رہا ہوں جی...... عاشی بی بی بھی بن گئیں ہیروئن۔ ایک بے چارہ شریف رہ گیا ہے۔ اس کو کوئی نہیں پوچھتا۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔

''ماما اسے کوئی چانس دلوا ہی دیں کسی فلم وغیرہ میں۔'' عاشی ہنسی اور اس نے اپنے دونوں پاؤں اٹھا کر صوفے پر رکھ لیے اور مخصوص انداز میں گھٹنوں کے گرد حمائل کرتے ہوئے ان پر ٹھوڑی رکھتے ہوئے زینب عثمان کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں شرارت کے خیال سے کوندا سا لپکا۔

''ماما آپ روز بروز خوبصورت ہوتی جا رہی ہیں۔'' وہ اب بالکل نارمل لگ رہی تھی جیسے ایک دو تلخ جملے بول کر اس نے سارے گلے شکووں کو دھو دیا تھا۔ وہ ایسی ہی تھی۔ لمحوں میں نارمل ہو جاتی تھی۔ مریم مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ماما تو ہیں ہی ہمیشہ سے خوب صورت اور دلکش اور تم بھی ماما کی طرح ہو...... اتنی ہی خوبصورت اور دلکش۔''

''تھینکس فار دی کمنٹس۔''

عاشی کے ہونٹوں پر ابھی تک شریر سی مسکراہٹ تھی۔

''یہ تم دونوں کچھ شریر نہیں ہو گئی ہو۔'' زینب عثمان نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

''دراصل ہم دونوں بڑی ہو گئی ہیں۔'' عاشی نے نظروں ہی نظروں میں زینب عثمان کا جائزہ لیا ''مذاق سے قطع نظر انداز آپ واقعی زیادہ سلم اور زیادہ خوب صورت ہو گئی ہیں...... تب ہی تو......'' اس نے بات نامکمل چھوڑ دی۔

''تب ہی تو کیا......'' زینب عثمان کا موڈ اچھا تھا اور مسکرا رہی تھیں۔

''تب ہی تو اخبارات آپ کے اور غضنفر ملک کے متعلق الٹی سیدھی باتیں چھاپ دیتے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ آپ چار بچوں کی ماں بھی ہیں۔''

زینب عثمان کی رنگت میں لمحہ بھر کے لیے تغیر سا پیدا ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے خود کو نارمل

کرلیا۔

"مثلاً کس طرح کی خبریں۔"

"یہی کہ آپ نے غضنفر ملک سے شادی کرلی ہے۔"

عاشی بڑے آرام سے ہر بات جو اس کے دل میں ہوتی کہہ دیتی تھی جبکہ مریم کے لیے کوئی بھی بات کہنا ہمیشہ بہت مشکل ہو جاتا تھا۔

"ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہوتا ڈارلنگ۔" زینب عثمان سنجیدہ تھیں۔

"کیا!" عاشی نے پورا منہ کھول دیا "کیا مطلب ہے اس بات کا کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔ نو ماما میں اس بات کا ہرگز یقین نہیں کرسکتی' اخبار والے بھی بے پر کی اڑاتے ہیں۔"

"ہاں لیکن یہ سچ ہے عاشی کہ میں نے غضنفر ملک سے شادی کرلی ہے۔" زینب عثمان نے اتنی بڑی بات بڑی آسانی سے کہہ دی۔

"نہیں۔" عاشی کی آواز جیسے پھٹ سی گئی تھی "نہیں۔" اس نے دوبارہ آہستگی سے کہا "آپ مذاق کررہی ہیں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے جانو۔"

"نہیں' یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے بے یقینی سے زینب عثمان کو دیکھا۔ وہ اضطراری انداز میں کھڑی ہوگئی اور پھر بیٹھ گئی۔

مریم ساکت بیٹھی تھی۔ یوں جیسے اس کے اردگرد ساری آوازیں مرگئی ہوں۔ پتا نہیں کتنی دیر اسی کیفیت میں گزر گئی تھی۔ پھر شاید وہ فون کی بیل تھی جو اسے باہر کی دنیا سے واپس لائی۔ زینب عثمان اٹھ کر فون اسٹینڈ کی طرف جارہی تھیں اور عاشی یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے پتھر کی ہوگئی ہو۔ وہ ایک ٹک سامنے خالی دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ مریم آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں دھواں بھر رہا تھا لیکن اسے لگ رہا تھا جیسے عاشی...... عاشی کے ساتھ کچھ انہونی ہوگئی ہے۔ ایک دم کسی انجانے خوف سے اس کے اندر کپکپی طاری ہوگئی۔

"عاشی۔" قریب جا کر اس نے ہولے سے عاشی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

عاشی نے دیوار سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا...... اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"نہیں...... بجو نہیں' ماما یقیناً مذاق کررہی تھیں۔"

"ماما مذاق ہرگز نہیں کررہی تھیں۔" مریم کو اس بات کا اچھی طرح ادراک ہوگیا تھا لیکن پھر بھی غیر ارادی طور پر اس نے سر ہلا دیا اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"عاشی۔" اس نے آہستگی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"ماما ایسا نہیں کرسکتیں بجو...... نہیں کرسکتیں نا' ہم سب کے ہوتے ہوئے۔" اس کی آنکھوں کی سطح ایک دم گیلی ہوئی اور پھر مریم کے کندھے پر سر رکھے رونے لگی۔

زینب عثمان فون اٹینڈ کر کے ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے قریب آکر کھڑی ہوگئیں۔

"یہ کوئی انہونی اور غیر معمولی بات نہیں ہے اور نہ ہی گناہ ہے کوئی اور عاشی' مجھے تم سے اس حماقت کی توقع نہیں تھی......"

عاشی نے مریم کے کندھے سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر میں اتنے شکوے تھے' اتنے گلے تھے اور اتنی شکایتیں تھیں کہ لمحہ بھر کو زینب عثمان کی نظریں بھی جھک گئیں۔

"تم شاید ہرٹ ہوئی ہو عاشی لیکن......" انہوں نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو وہ ہاتھ چھڑا کر تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ زینب عثمان نے مڑ کر اسے جاتے دیکھا اور پھر مریم کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں نے زندگی میں کبھی خوشی نہیں پائی۔ ہمیشہ اکیلی اور تنہا رہی ہوں...... اور اب پہلی بار مجھے غضنفر ملک نے خوشی کا احساس دلایا تو......"

وہ خدا جانے کیا کیا وضاحتیں کررہی تھیں لیکن مریم کچھ نہیں سن رہی تھی۔ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔ نہ ان کے لہجے کا درد نہ ان کے پراثر الفاظ کچھ بھی اسے متاثر نہیں کررہے تھے۔

"مور کیا سوچے گا۔"

"عادل بھائی' ماں جی' بی آپا۔"

"ڈاکٹر عبدالمعید اور انکل ہاشم۔"

"یہ سب لوگ...... کتنے ہلکے اور نامعتبر ہو جائیں گے۔ سب کی نظروں میں۔"

"لوگ ہنسیں گے ان پر۔ مذاق اڑائیں گے...... کہ دیکھو زینب عثمان نے اس عمر میں اپنے سے آدھی عمر کے مرد سے شادی کرلی۔"

"اور الوینا نے کالج میں ایک بار کتنا مذاق اڑایا تھا۔"

"یہ شوبز سے متعلق لوگ اکثر دو یا تین شادیاں کرتے ہیں۔ دیکھ لینا مریم کی ماما بھی...... اور ان کے لیے شادی کرنا ایسا ہی ہے جیسے بازار سے کوئی من پسند شے خرید لینا۔"

اور اس کی بات سچ ہوگئی تھی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے ریل سی چل رہی تھی۔

بیگم آفندی اور میڈم نرگس کی مسکراہٹیں۔

ڈاکٹر عبدالمعید کی آمد پر ان کی دبی دبی سرگوشیاں۔

شرجیل مرزا کے ریمارکس۔

"اور......اور جب بابا' ماں جی اور عینی کو پتا چلے گا اور شہریار کو تو......"

"اور کیا وہ کل شہریار کے گھر جاسکے گی۔" اس نے سوچا تھا' ذرا کی ذرا وہ چلی جائے گی......ایک بار اسے دیکھ لے گی......اور کتنی التجا تھی اس کے لہجے میں۔

"مومو" زینب عثمان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

مریم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"تم میرے اس کرب کو محسوس کرسکتی ہو جان۔"

"میں؟"

اور پتا نہیں' یہ کس فلم کا ڈائیلاگ ہے۔

مریم کا دل کٹ کٹ کر جیسے پانی ہوا جارہا تھا۔

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک بہترین اداکارہ ہیں......بیسٹ اداکارہ کا ایوارڈ آپ کو یوں ہی نہیں مل گیا۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

"شٹ اپ۔" انہیں ایک دم غصہ آگیا "تم اپنی ماں سے مخاطب ہو۔ اور یہ عاشی کو بگاڑنے میں بھی تمہارا ہاتھ ہے۔ وہ ایسی ہرگز نہ تھی اور تم تو ہمیشہ سے میری دشمن ہو۔ بھلا......" وہ غصے سے کشن اٹھا کر نیچے پھینکنے لگیں۔

وہی پرانی کیفیت۔

وہ مسلسل بول رہی تھیں' رو رہی تھیں اور چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھیں۔ مریم کو یوں لگا جیسے پاپا سامنے اپنی اسٹڈی کے دروازے پر کھڑے ہوں اور تاسف سے زینب عثمان کو دیکھ رہے ہوں اور ابھی پاپا آئیں گے اور ماما کا ہاتھ پکڑ کر ان کے بیڈروم میں لے جاتے ہوئے شاکی نظروں سے اسے دیکھیں گے اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں بتانے کی کوشش کرے گی کہ نہیں پاپا' میں نے تو کچھ نہیں کہا اور پاپا اس کی بات سمجھے بغیر ماما کو ان کے بیڈروم میں چھوڑ آئیں گے اور ان کی مضطرب انگلیاں ٹیلی فون پر تیزی سے حرکت کریں گی۔

"ڈاکٹر ہادی۔ ڈاکٹر ہادی پلیز' زینی کی طبیعت خراب ہے۔"

اس نے دوبارہ سر اٹھا کر اسٹڈی کی طرف دیکھا' وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسٹڈی کا دروازہ بدستور بند تھا۔

اس نے ایک نظر زینب عثمان پر ڈالی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے کارپٹ پر بیٹھ گئی تھیں۔

ایک خواب کے سے عالم میں وہ چلتی ہوئی فون تک آئی اور اوپر کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو ڈاکٹر عبدالمعید' ماما کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔ پلیز جلدی نیچے آئیں۔"

اور پھر ریسیور کریڈل پر ڈال کر یوں ہی خواب کی سی کیفیت میں ہولے ہولے چلتی ہوئی زینب عثمان کے پاس جاکر بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگی۔

❀❀❀

"عادل' تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" بی آپا نے ان کے قریب آتے ہوئے پوچھا تو ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار ایک طرف رکھ کر وہ کھڑے ہوگئے۔

"آیئے بی آپا' بیٹھے۔"

"میں پوچھ رہی تھی عادل کہ اب تم نے کیا سوچا ہے؟" انہوں نے بیٹھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"میں نے کیا سوچنا ہے بی آپا۔ انتظار کر رہا ہوں۔" وہ بھی بیٹھ گئے۔

"لیکن کب تک عادل......ماں جی کی طبیعت تمہارے سامنے ہے۔ کامل کی گمشدگی اندر ہی اندر انہیں کھائے جارہی ہے۔ آنکھوں کے سامنے کوئی مرجائے تو بالآخر صبر آہی جاتا ہے......مراد بھائی کے کتنے ہی خط آچکے ہیں۔ بلارہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا دل بھی بچوں کے لیے بہت اداس ہورہا ہے لیکن ماں جی کو اس حال میں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔"

"جی بی آپا' میں ماں جی کے لیے بہت پریشان ہوں۔ رات بھی ڈاکٹر پراچہ سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ خود ان کی سمجھ میں ماں جی کی کمزوری نہیں آرہی ہے۔ تمام ٹیسٹ کلیئر ہیں۔"

"میں نے کہا نا عادل' انہیں کامل کا دکھ کھائے جارہا ہے۔ ایسے میں تمہاری شادی ہوجائے۔ گھر میں بچے ہوں تو ان کا دل بہل جائے۔ یہ مریم کی والدہ اگر مستقل ہی کراچی رہنے لگی ہیں تو ایسا ہے کہ ہم کراچی چلے جاتے ہیں۔ کچھ تو پتا چلے کہ......اس طرح عمر تو نہیں گزاری جاسکتی نا عادل......ہاں یا نہ جو بھی ہو۔ تم مریم سے ان کا کراچی کا پتا لے آنا۔ اسی بہانے میں بھی مراد بھائی سے مل لوں گی......خود تو وہ کبھی نہ آئیں گے۔ اگر مر بھی جاؤں تو شاید پھر جنازے کو کندھا دینے بھی نہ آئیں گے۔ یہ میں جانتی ہوں۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی "کتنی بار کہا بھائی ایک بار گاؤں آؤ۔ حویلی خالی پڑی ہے۔ رہو وہاں آکر چھٹیوں میں ہی سہی لیکن ان کی وہی بس ایک بات کہ بابا کی زندگی میں نہیں آسکا تھا......انہوں نے منع کردیا تھا تو اب کیوں آؤں۔"

"ماشاءاللہ مراد بھی تو اپنی بات کے پکے ہیں۔"

"خیر' میں بھی کیا ذکر لے بیٹھی۔" بی آپا مسکرائیں "میں تم سے کراچی جانے کی بات کر رہی تھی۔"

"بی آپا' میں لاہور جاکر پتا کروں گا مریم کی والدہ کے متعلق اور پھر آپ کو مطلع کردوں گا۔"

وہ خود بھی تو اس انتظار سے تھکنے سے لگے تھے۔ اب وہ مریم کے سنگ سنگ زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ اس کی رفاقت میں' اس کی ہمراہی میں۔

ہر پل جو گزر رہا تھا' انہیں لگتا تھا' رائیگاں جا رہا ہے۔ وہ اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے چننا چاہتے
تھے۔ یوں کہ پھر ان دلکش' ان قاتل آنکھوں میں کبھی کوئی آنسو نہ آئے۔ وہ اس کے سارے دکھ اپنی جھولی
میں بھر لینا چاہتے تھے۔ وہ جوان دنوں بے حد تھکی ہوئی' اداس اور دل گرفتہ لگتی تھی۔

اکیلی اور تنہا

وہ اس کی تھکاوٹیں' اس کی تنہائیاں بانٹنا چاہتے تھے۔

وہ اس روز غیر ارادی طور پر زینب ولا سے نکل کر میڈم نرگس کی ہاں جا پہنچے تھے۔ میڈم نرگس انہیں
دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''اخاہ عادل خان' زہے نصیب' آج ہمارا مقدر کیسے جاگا۔''

وہ شرمندہ سے ہو گئے۔

باوجود ان کے اصرار کے وہ دوبارہ میڈم نرگس کے ہاں نہ جا سکے تھے۔ پتا نہیں کیوں عجیب سا لگ
تھا۔ حالانکہ وہ زمانے یا معاشرے سے خوف کھانے والے ہرگز نہ تھے پھر بھی اس دن مجتبیٰ حیدر کی بار
جیسے ان کے دل کو لگ گئی تھی۔ انہیں ڈراپ کرتے ہوئے جب وہ انہیں خدا حافظ کہہ رہے
تو انہوں نے مسکرا کر ان کے ہاتھ کو دبایا تھا۔

''عادل خاناں' میڈم کے ہاں جا تو رہے ہو لیکن محتاط رہنا۔ کہیں کل تمہارا اسکینڈل ہی بن جائے
کے ساتھ۔''

انہوں نے ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

''میرے یار۔'' مجتبیٰ نے معنی خیز انداز میں انہیں تنبیہ کی ''اس میڈیا میں عمر و مر کچھ نہیں ہو
ہے..... اسکینڈل بننا ہو تو بیس سالہ عامر خان کا ساٹھ سالہ جینا خان سے بھی بن جاتا ہے۔'' انہوں نے
سے متعلق عامر اور جینا کا ذکر کیا تو وہ کچھ الجھے الجھے سے انہیں ڈراپ کر کے میڈم کی طرف چلے گئے
کہ میڈم سے وعدہ کر چکے تھے۔ ورنہ مجتبیٰ سے گفتگو کے بعد وہ اچھے خاصے بیزار ہو گئے تھے۔ سو وہ
میڈم کی طرف جا ہی نہ سکے تھے جبکہ میڈم نے تین چار بار فون بھی کیا تھا اور آج تو نہ جانے وہ کس د
میں میڈم کی طرف آ نکلے تھے۔ شاید لاشعور میں کچھ تھا جو میڈم کے شاندار ڈرائنگ روم میں بیٹھتے
دم ذہن میں آ گیا تھا اور وہ ایک دم زینب عثمان کے متعلق پوچھ بیٹھے تھے۔

''زینی' دراصل.....'' وہ بائیں آنکھ کا کونا دبا کر مسکرائی تھیں ''بہت مصروف ہے لیکن آپ
خوش خبری ہے کہ آج کل میں وہ آنے والی ہے اور حسب وعدہ میں آپ کی پرزور حمایت کروں
الحال وہ مریم اور عاشی کے حق میں نہیں ہے۔ حالانکہ میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ پہلے مو
بھگتا لو۔ آل ریڈی دونوں کے پروپوزل موجود ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمعید اور عادل خان۔ لیکن بھی

آج کل کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔ سوائے اس ٹٹ پونجیے ہیرو کے۔ دراصل زینی بہت جذباتی اور جلد باز
ہے۔ ساری زندگی میں اس نے جو فیصلے بھی کیے ہیں' انتہائی جلد بازی اور جذباتی پن میں..... اور پھر خوب
صورت مرد ہمیشہ اس کی کمزوری رہے ہیں۔''

وہ مسلسل بولتی رہی تھیں اور وہ اپنی بے زاری چھپائے ان کی باتوں سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش
کرتے رہے تھے اور ساری گفتگو نے ایک ہی بات اخذ کی تھی کہ زینب عثمان کچھ دنوں تک لاہور آنے والی
ہیں اور انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کے لاہور آتے ہی وہ ماں جی اور بی آپا کو ان کی طرف بھیجیں گے۔

''زینی انتہائی بے وقوف عورت ہے۔'' انہوں نے عادل کو کولڈ ڈرنک لینے کے لیے کہتے ہوئے
وضاحت کی۔

''اب تمہارے والد سے اس کی شادی سراسر اس کا بے وقوفانہ فیصلہ تھا اور اب جو.....'' ان کی
آنکھوں کی چمک ایک دم بڑھ گئی تھی اور حلق سے سیٹیوں جیسی آوازیں نکل رہی تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ
اپنی ہنسی پر قابو پا کر مزید انکشاف کرتیں کہ ان کے سابقہ شوہر دندناتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلے
آئے۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کے ہونٹ پھڑکنے لگے اور چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

''تم..... تم یہاں کیسے آئے اور لالہ کہاں ہے؟''

''یہی بات تو میں تم سے پوچھنے آیا ہوں میڈم نرگس کہ لالہ کہاں ہے؟''

''کیا؟'' میڈم نرگس غصے سے کانپ رہی تھیں۔

''ہاں' ڈراما مت کرو۔ لالہ تمہارے پاس ہے اور تم اخبارات میں میرے متعلق جس بے جا کے
بیانات چھپوا رہی ہو' وہ تین ماہ قبل وہاں سے چلی آئی تھی۔''

''تم..... تم نے اسے مروا دیا ہے' قتل کر دیا ہے اور..... اور بکواس کر رہے ہو کہ وہ تمہارے قید خانے
سے بھاگ آئی ہے۔'' ان کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا تھا اور وہ اپنے لمبے ناخنوں سے سومرو پر
حملہ آور ہو گئی تھیں ''مجید' حامد' ملاں۔'' وہ ساتھ ساتھ آوازیں بھی دے رہی تھیں اور پوچھ بھی رہی تھیں
''کہاں ہے میری لالہ؟''

''بیٹھ کر آرام سے بات کرو میڈم۔'' سومرو نے مونچھوں کو بل دیا۔

تب یہ صورت حال دیکھ کر عادل خان ان سے معذرت کر کے چلے آئے تھے۔ گیٹ کے باہر کھڑی
گاڑی کے ساتھ دو کلاشنکوف بردار کھڑے تھے۔

''اور خدا جانے یہ لالہ کا کیا واقعہ تھا..... مجتبیٰ نے ذکر تو کیا تھا کچھ لیکن انہوں نے دھیان نہیں دیا تھا
اور انہوں نے سوچا تھا کہ وہ ایک دو روز تک فون کر کے میڈم کی خیریت دریافت کریں گے لیکن پھر حویلی
سے اگلی رات بی آپا کا فون آ گیا تھا کہ ماں جی کی طبیعت خراب ہے اور وہ اسی وقت حویلی روانہ ہو گئے تھے

اوراب انہیں یہاں آئے بھی ایک ہفتہ ہوگیا تھا اور پتا نہیں زینب عثمان لاہور آئی تھیں کہ نہیں۔"

"عادل' اب زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔" بی آپا نے کہا تو وہ چونکے "ماں جی کی خواہش ہے کہ اگر مریم نہیں تو حریم ہی کیوں نہ ہو...... ابھی تک اس کا کوئی قابل ذکر رشتہ نہیں آیا۔ ایک دو آئے بھی تو وہ ہم پلہ نہ تھے اور جو ہم پلہ آیا تھا' وہ مہران نے رد کردیا تھا اور خود حریم کی بھی مرضی نہ تھی۔ کچھ ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں اس کے متعلق...... تمہیں پتا ہے نا' وہ لوگ تو اب بھی خواہش مند ہیں۔ ایسا نہ ہو بہت دیر ہوجائے اور حریم بھی...... پتا نہیں کیوں' میں مریم کی والدہ سے زیادہ مطمئن نہیں ہوں۔ ممکن ہے وہ انکار کردیں تو اس صورت میں حریم سے بہتر اور کوئی لڑکی نہیں ہوسکتی۔"

"نہیں پلیز ایسا مت کہیں۔" انہوں نے ملتجی نظروں سے بی آپا کی طرف دیکھا۔

"میری تو شدید خواہش ہے عادل کہ تم اور مریم...... لیکن میرے بھائی' اپنے آپ کو ہر دو صورتوں کے لیے تیار رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ بہت تکلیف ہو۔"

اور بی آپا کتنی سادہ اور معصوم ہیں۔ تکلیف تو بہت معمولی سا لفظ ہے۔ مریم کی ہم راہی کے بغیر زندگی ان کے لیے بے معنی ہوجائے گی اور وہ تو یہ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے جبکہ بی آپا انہیں ذہنی طور پر تیار رہنے کے لیے کہہ رہی تھیں...... شاید اسی لمحے نبض رک جائے اور زندگی تھم جائے۔

پتا نہیں کیا ہوگا......

اس کے متعلق وہ ابھی سے کیا کہہ سکتے تھے۔ ہاں' وہ اتنا جانتے تھے کہ مریم کا خیال ان کے رگ و پے میں خون بن کر سرایت کرگیا ہے اور اگر وہ شامل حیات نہ ہوئی تو زندہ رہنے کا کیا جواز رہ جائے ان کے پاس...... شاید زندگی ان کے اندر اسی وقت' اسی لمحے مر جائے۔

"میں ذرا ماں جی کو دیکھ آؤں۔ کیا خبر جاگ گئی ہوں۔ کچھ دیر پہلے تو سو رہی تھیں۔" بی آپا کھڑی ہو گئیں۔

"اگر جاگ رہی ہوں تو مجھے بھی خبر کردیجیے گا۔"

پروفیسر عادل نے اخبار اٹھا لیا اور انہوں نے اس کا اندرونی صفحہ کھولا ہی تھا کہ سامنے سے سلطان دکھائی دیا تو وہ اخبار رکھ کر ایک دم اس کے لیے کھڑے ہوگئے اور دو قدم آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

"ارے مانی' کہاں تھے' اتنے دن ہوگئے مجھے آئے ہوئے' تم دکھائی نہیں دیے۔"

"بس وہ میں ایک کام میں پھنسا ہوا تھا عادل بھائی۔" وہ بی آپا والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "ماں جی کیسی ہیں۔"

"اب تو پہلے سے بہت بہتر ہیں بس ویک نیس ہے۔" پروفیسر عادل بھی بیٹھ گئے۔

"آپ کچھ دن اور ٹھہریں گے یا چلے جائیں گے؟"

"ایک دو روز تک جا رہا ہوں۔"

"مسرور کیسا تھا عادل بھائی؟"

"پتا نہیں' بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ دراصل جس اسکول میں جاب کررہا ہے' وہ جس گاؤں میں ہے' وہ کچھ فاصلے پر ہے۔ پہلے تو روز ہی آتا تھا۔ صبح کا گیا رات پلٹتا تھا لیکن اب اس نے وہاں ہی ٹھکانہ کرلیا ہے۔ کبھی کبھار ہی آتا ہے۔"

"مگر وہ تو لاہور میں ہی کسی پرائیوٹ اسکول میں جاب کررہا تھا۔"

"ہاں لیکن وہ جاب اس نے فوراً ہی چھوڑ دی تھی۔ یہ گورنمنٹ کا اسکول ہے' مڈل اسکول ہے۔ پرائیوٹ اسکول کے مقابلے میں یہاں تنخواہ کافی بہتر ہے۔"

"اور اس کی تصویروں کی نمائش ہوگئی کیا؟"

"نہیں مانی' ابھی کہاں...... کراچی میں ایک دو آرٹ گیلریز سے بات چیت چل رہی تھی۔ کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں مل رہا تھا۔ خیال تھا' خود جاؤں کراچی لیکن بس پہلے کچھ مصروفیات رہی...... کامی کی گمشدگی' ماں جی کی بیماری۔ پھنس ہی گیا ہوں۔" ان کے لہجے میں افسردگی تھی جیسے مسرور کی تصاویر کی نمائش اب تک نہ کرواسکنے کا انہیں خود بہت ملال ہو۔

"یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے' عادل بھائی۔ میں نے کہا بھی تھا مسرور سے' مجھے بتادو' سب کیا کرنا ہے' کس طرح اور کہاں۔ بس نشان دہی کردو پھر دیکھو سلطان کیا کرتا ہے۔ جس گیلری کی طرف اشارہ کیا اسی میں نمائش ہوگی اپنے یار کی تصاویر کی۔" اس کے چہرے پر آنکھوں میں یقین تھا' اعتماد تھا اور اس کی پوری شخصیت ایک فخر اور غرور کے سنہرے سے غبار میں لپٹی ہوئی تھی۔

اور اگر اس کی تربیت کچھ مختلف انداز سے ہوئی ہوتی تو یہ یقین اور یہ فخر اس کے اندر یہ کھردری سی خود پسندی پیدا کرنے کی بجائے اسے کسی مقام تک لے جاتی۔ اس کی شخصیت میں ایک جاذبیت بہرحال اب بھی تھی۔ جسے اسے بے جا فخر و مان نے دھند میں چھپا رکھا تھا اور کبھی کبھی دھند چھٹ جاتی تو شخصیت کی یہ جاذبیت ایک دم مخاطب کو اسیر کرنے لگتی تھی۔ مسرور کے متعلق بولتے ہوئے وہ یکسر بدل جاتا تھا۔

پروفیسر عادل نے بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں عادل بھائی؟"

"کچھ نہیں' سوچ رہا تھا کہ تم اور مسرور کس قدر متضاد فکر اور سوچ رکھتے ہو اور تمہارے طبقوں میں بھی اتنا فرق ہے پھر تمہاری مسرور کے ساتھ یہ دوستی کبھی کبھی مجھے بہت حیران کرتی ہے۔"

"عادل بھائی۔" وہ مسکرایا۔

"میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا کہ کبھی کبھی دنیا میں حیران کن باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور ان ہی حیران کن باتوں میں ایک یہ بھی ہے...... مسرور کے لیے میرا خلوص اور میری محبت۔ کبھی کبھی میں سوچتا

ہوں عادل بھائی، میں مسرور کے لیے سب کچھ کرسکتا ہوں شاید۔ وہ کہے تو اپنا سر بھی اسے کاٹ کر پیش کرسکتا ہوں جبکہ مجھے پتا ہے کہ مسرور میرے لیے ایسے کوئی جذبے نہیں رکھتا بلکہ وہ ممکنہ حد تک مجھ سے کتراتا ہے۔“

اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور اس کی جاذبیت پوری طرح نمایاں تھی۔ پروفیسر عادل کو ایک دم ہی اس پر فخر محسوس ہوا۔

”اور انسانی ذہن کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے۔“ ان کے پروفیسر کہا کرتے تھے اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اس قدر کھردری شخصیت اور تکبر والا سلطان ایک متوسط طبقے کے کم گو سے لڑکے کے لیے اپنے دل میں اتنا گداز رکھتا ہے۔

”خیر یہ باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ میں اس وقت ایک تو ماں جی کا پتا کرنے آیا تھا۔ ابا جان دو تین بار کہہ چکے تھے کہ ان کی مزاج پرسی کو جاؤں۔ دوسرے مجھے آپ سے ایک ضروری بات بھی کرنا تھی۔“

”ہاں، ہاں کہو۔“ پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر ایک شفیق سی مسکراہٹ ابھری ”بھلا تمہیں مجھ سے کیا کام آپڑا۔“

”عادل بھائی۔“ اس نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا ”مجھے کامی کے متعلق بات کرنا ہے۔ اتنا عرصہ ہوگیا۔ ابھی تک کامی کے متعلق کسی نے کوئی خبر نہیں دی۔ اخبارات میں اتنے اشتہار چھپے۔ جگہ جگہ اعلانات کیے گئے۔ کسی نے دیکھا ہوتا تو ضرور اطلاع دیتا۔ کچھ تو بتاتا کہ ہم نے اسے وہاں دیکھا تھا یا کوئی بھی بات۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ کامی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ شاید کسی نے لاوارث جان کر اسے دفن کردیا ہو۔“

”نہیں۔“ عادل کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اگرچہ اس کا وجود اور اس کی زندگی کوئی خوشی کا باعث نہیں تھی پھر بھی وہ ان کا بھائی تھا، ان کا خون تھا...... اس کا لاوارثوں کی طرح دفن ہوجانا......

”کوئی بھی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی مانی۔“ وہ ازحد آزردہ لگ رہے تھے ”کیا خبر وہ زندہ ہو اور کہیں ایسی دور دراز جگہوں میں سے کسی جگہ پہنچ گیا ہو کہ وہاں اخبارات وغیرہ نہ جاتے ہوں۔“

”آپ کس زمانے کی بات کررہے ہیں عادل بھائی۔ میرے خیال میں تو ایسا ہرگز نہیں۔ بہرحال دل کے بہلاوے ہیں یہ سب۔ وہ زندہ ہوتا تو اب تک مل چکا ہوتا۔“

”شاید۔“ اندر ہی اندر ان کا من بھیگ گیا ”ڈاکٹر تو یوں بھی کہتے تھے کہ اس طرح کے بچے اٹھا انیس سال سے زیادہ نہیں جیتے اور وہ اب تقریباً بیس سال کا تھا۔ اسے مرنا ہی تھا تو یہاں اس جگہ اس حو میں سب کے سامنے کیوں نہ مرگیا۔ سب کو صبر آجاتا۔“

”عادل بھائی۔“ سلطان نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا ”میں چاہ رہا تھا کہ کامی کے نام جو رقم اور ز

وغیرہ ہے وہ بابا جان کی وصیت کے مطابق میرے نام منتقل ہوجائے۔“

انہوں نے سوالیہ نظروں سے سلطان کی طرف دیکھا۔ شاید وہ ٹھیک سے اس کی بات سمجھ نہیں سکے تھے۔

”میرا مطلب ہے عادل بھائی، یہ تو طے ہے کہ آپ کی حریم سے شادی نہیں ہوسکتی تو اس صورت میں بابا جان کی وصیت کے متعلق تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔“

”ہاں۔“ انہیں اب سلطان کا مطلب اخذ کرنے میں دیر نہیں لگی ”لیکن اس کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔ ابھی تو کامل کے متعلق کچھ یقینی طور پر پتا بھی نہیں ہے کہ وہ......“

اپنے دل میں بے حد تکلیف محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ انہیں نہ صرف سلطان کی بات پر حیرت ہوئی تھی بلکہ بے حد رنج بھی ہوا تھا۔

”جو بات کل ہونی ہے وہ اگر آج ہی ہوجائے تو اس میں کیا حرج ہے۔“

”یوں بھی۔“ پروفیسر عادل غیر ارادی طور پر سامنے پڑے اخبار کو ہاتھ میں رول کرنے لگے ”کامی کے گارڈین تو چچا جان ہی ہیں اور اس کے اکاؤنٹس کے تمام حساب کتاب ان ہی کے پاس ہیں اور چیک پر وہی سائن کرنے کے مجاز ہیں۔ تمہیں اگر کچھ رقم درکار ہے تو چاچا جی سے کہو۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے لہجے میں ہلکی سی تلخی در آئی۔

”مسئلہ یہ نہیں ہے عادل بھائی۔ میں چاہتا ہوں کہ باضابطہ طور پر سب کچھ میرے نام منتقل ہوجائے۔ دراصل میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔“ اس نے مسکرا کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا لیکن پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر کوئی مسکراہٹ نہیں ابھری وہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔ دکھ قطرہ قطرہ کرکے ان کے دل پر گر رہا تھا۔

یہ مانی نے ایسی بات کیوں کی۔ کتنا پیارا تھا وہ انہیں...... کتنا چاہتے تھے وہ اسے...... اور جب کبھی انہیں کامی کی بے بسی اور اپنے اکیلے پن کا خیال آتا تھا تو مانی اور مہران کا خیال انہیں بڑی تقویت دیتا تھا۔ جیسے وہ اکیلے نہ ہوں۔ ان کی وجہ سے بہت مضبوط ہوں، جیسے وہ ان کے بازو ہوں۔ ان کا سہارا ہوں اور مانی نے کیسی بات کی تھی۔

یکایک ماں جی کا شک

ان کی مبہم سی باتیں ان کے کانوں میں گونجیں تو جیسے ان کے دل میں کسی نے تیز دھار والا خنجر چبھو دیا۔

”کیا یہ ممکن ہے کہ کامی کی گم شدگی میں مانی کا ہاتھ ہو۔“

”نہیں۔“

ان کا دل جیسے اس مفروضے کو ماننے کے لیے قطعی تیار نہیں ہو رہا تھا۔ پھر بھی انہیں لگا جیسے وہ زندگی کے لق و دق صحرا میں بالکل اکیلے ہوں بالکل تنہا۔

اور کوئی بھی ان کا اپنا نہ رہا ہو۔
اور خدا جانے بابا جان کے ذہن میں کیا تھا اور کیا وہ سمجھے تھے کہ اس طرح میں حریم سے شادی کرلوں
گا...... حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انہیں دولت جائداد زمین کسی بھی شے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ
تو زندگی گزارنے کے لیے اتنی دولت کافی سمجھتے تھے کہ زندگی سہولت سے گزر جائے اور بس پھر...... پھر
بابا جان نے ایسا سوچا تو کیوں۔ حالانکہ انہیں یاد آیا' ایک بار جب وہ غالباً نویں میں پڑھتے تھے تو بابا جان
نے ان سے پوچھا تھا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں' تو انہوں نے انکار کر دیا تھا تو وہ بہت دیر تک
انہیں اپنے سامنے بیٹھائے عثمان احمد کے متعلق باتیں کرتے رہے تھے۔
''تمہارا باپ بھی تمہاری ہی طرح تھا۔ درویش صفت' کبھی زندگی بھر اس نے مجھ سے کسی بات کا
مطالبہ نہیں کیا۔ عجیب غنی مزاج کا تھا......'' وہ عثمان احمد کے بچپن کی تصاویر دکھاتے رہے ''پھر پتا نہیں
کیوں' اس نے ایسا کیا...... مجھ سے کہتا تو کیا میں اس کی خواہش پوری نہ کرتا...... میں نے تمہاری ماں سے
اس کی شادی کرنے سے پہلے اس سے پوچھا بھی تھا کہ اگر وہ کہیں اور چاہتا ہے تو...... لیکن اس نے کچھ بھی
نہ کہا...... اور پھر ایک دم یہ ستم توڑ دیا۔''
پہلی بار انہوں نے عثمان احمد کے متعلق اس سے اس طرح کھل کر بات کی تھی... اور وہ اس رات
بہت دیر تک عثمان احمد کو سوچتے رہے تھے کہ پتا نہیں اب عثمان احمد کیسے ہوں گے۔ ایسے ہی درویش صفت
اور اپنے آپ سے بے گانہ اور لاپروا۔
بابا جان نے انہیں بتایا تھا' وہ تمہارے چاچا عبدالرحمٰن سے بالکل مختلف مزاج کا تھا۔ نہ مزاج میں
تندخوئی نہ کوئی تکبر......
اور جب وہ عثمان احمد سے ملے تو وہ انہیں بالکل ویسے ہی لگے تھے۔ نرم خو اور نرم مزاج۔ دھیمے دھیمے
لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہوئے...... لیکن کتنا مختصر سا ساتھ تھا۔ کتنی معمولی سی رفاقت تھی۔
برسوں جن سے ملنے' جنھیں دیکھنے کو وہ تڑپے تھے۔ وہ ملے بھی تو یوں کہ پھر بچھڑنے کے لیے ہی ملے تھے۔
ان کی آنکھوں میں دھواں سا پھیل گیا...... تصور جانے کہاں سے کہاں جا نکلا تھا۔ وہ تو اس بات پر
حیران ہو رہے تھے کہ آخر بابا جان نے کیا سوچا تھا...... دل اگر ٹھہر جاتا تو حریم بغیر کسی لالچ کے بھی انہیں
عزیز ہوتی لیکن دل ہی تو نہیں ٹھہرا تھا۔ اس کی منزل تو مریم تھی۔
مریم جسے اپنانے کی خواہش یوں تو ان کے لہو میں گردش کر رہی تھی کہ اس کے لیے وہ تخت و تاج
چھوڑنے کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔
''عادل بھائی' آپ کہاں کھو گئے؟'' سلطان نے پھر ان کے ہاتھ کو چھوا تو وہ چونکے۔
''کہیں نہیں مانی...... یہ سب کچھ تو تمہارا ہی تھا۔ مجھے نہ تو زمین سے دلچسپی ہے اور نہ دولت سے

پھر تم نے اتنی جلدی کیوں کی۔ کچھ تو انتظار کر لیتے۔'' ان کے لہجے میں شکوہ بھی تھا اور دکھ بھی اور
محبت...... انہیں اندرونی کرب سے یک دم لال ہو گئی تھیں۔
''عادل بھائی...... آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے میری پوری بات سنی ہی نہیں۔ میں...... دراصل
ایک ادارہ بنانا چاہتا ہوں' کامی جیسے بچوں کے لئے۔ کامی کی گم شدگی کے بعد اچانک ہی مجھے یہ خیال آیا
تھا' جب کئی اداروں میں کامی کی تلاش میں ہم گئے تو وہاں بچوں کی جو حالت تھی' وہ دیکھی ہوگی آپ
نے...... تب میں نے ابا جان سے بات کی۔ کہ ہم ایک ایسا ادارہ بنائیں جہاں ایسے بچوں کی رہائش اور
دیکھ بھال کا انتظام ہو۔ کامی کو تو سب سہولتیں حاصل تھیں جبکہ ہزاروں بچے ایسے ہوں گے جن کا وجود ان
کے والدین کے لیے بوجھ بن جاتا ہے لیکن ابا جان اس کے لیے تیار نہیں۔ ان کے خیال میں ایسے بے شمار
ادارے کام کر رہے ہیں اور فضول روپیہ ضائع کرنے کے وہ قائل نہیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں' ادارہ قائم
کرنے کے بعد کامی کے حصے کی باقی جائداد کا ایک ٹرسٹ بنا دیا جائے اور ساری آمدنی ان بچوں کی دیکھ
بھال پر صرف کی جائے۔ یہ ادارے جو موجود ہیں' ان کے مالکان زیادہ تر لالچی ہیں اور تمام فنڈز خود خرچ
کرتے ہیں اپنی ذات پر اور بچے اس طرح بری حالت میں رہتے ہیں۔''
اس نے تفصیل سے بات کی تو پروفیسر عادل نے پرسوچ نظروں سے سچ اور جھوٹ کو جاننا چاہا...... اس
کی سوچ تو بہت مثبت تھی لیکن پتا نہیں سچ کیا تھا...... ''کیا واقعی وہ ایسا ادارہ بنانا چاہتا تھا۔'' انہوں نے اس کی
آنکھوں میں جھانکا جو بالکل سپاٹ تھیں۔ ایک لمحے کو تو انہیں لگا جیسے وہ سچ کہہ رہا ہے۔ کسی ایسے ہی جذبے
کی لو چمکی تھی اس کی آنکھوں میں لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بے یقین سے ہو گئے۔ پتا نہیں کیوں' یہ بے یقینی
ان کے اندر اتر آئی تھی یکا یک ہی اور اب وہ کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔
''کیا آپ بھی ابا کے ہم خیال ہیں؟'' سلطان نے پوچھا۔
''ہاں نہیں تو۔'' وہ چونکے ''تم وکیل سے مل کر جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میرے خیال میں میری تو اس میں کوئی
ضرورت نہیں ہے اگر ضرورت ہو تو کہہ دینا مجھ سے میں آجاؤں گا۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔
''بات صرف وکیل کی تو نہیں ہے عادل بھائی' ابا جان کو بھی تو قائل کرنا ہے' وہ کسی صورت نہیں
مانیں گے آپ ان سے بات کریں نا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جتنی جلد ہو سکے کامی کے نام پر یہ ادارہ بنوا دوں۔''
''اچھا ٹھیک ہے۔ میں شام میں چاچا کی طرف چکر لگاؤں گا۔'' انہوں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ وہ
سلطان کی گرم جوشی کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ یکا یک دل پر آ گرنے والے دکھ کی چبھن کو سلطان کی
گرم جوشی بھی کم نہیں کر پا رہی تھی۔ نہ ہی اس کے بے کا خلوص شک کے اس کانٹے کو ان کے دل سے نکال
رہا تھا جو ایکا ایکی ہی سلطان کی بات سن کر وجود میں گڑا تھا۔
وہ بے حد خوشی سے کامی کے نام پر بننے والے اس ادارے کی باتیں کرتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں

چمک تھی اور چہرے پر سرخی۔ وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتے رہے۔ اس کے ساتھ چائے بھی پی اور اسے کھانے تک رکنے کے لیے پرخلوص اصرار بھی کیا۔ پوری توجہ سے اس کی ہر بات سنی لیکن پھر بھی ان کے چہرے کی اداسی کم نہ ہوئی تھی۔ دکھ کی اوس اندر ہی اندر مسلسل ان کے وجود کو بھگو رہی تھی۔ ایک دم بھرے ہجوم میں اکیلے اور تنہا رہ جانے کا احساس لحہ بہ لحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ذرا سی دیر کو تیمور کے تصور سے اندر کہیں جگ مگ ہوئی تھی...... لیکن یوں جیسے کوئی ستارا ٹمٹما کر بجھ گیا ہو۔

"وہ بھی تو ہے نا میرا بھائی۔" انہوں نے سوچا "سوتیلا سہی' ہم دونوں کی رگوں میں خون تو ایک ہے نا...... لیکن اتنا چھوٹا سا تو ہے وہ...... ابھی تو اسے خود سہارے کی ضرورت ہے۔" عثمان احمد کے اس چھوٹی سی عمر میں وہ کتنا تنہا اور اکیلا ہو گیا ہے۔ بے سائبان اور غیر محفوظ پچھلے دنوں جب وہ ان کے ساتھ حویلی آیا تھا تو کتنی دیر تک عثمان احمد کی قبر پر رخسار ٹکائے جانے ہولے ہولے ان سے کیا کہتا جا رہا تھا اور وہ کچھ فاصلے پر کھڑے اسے عثمان احمد سے باتیں کرتے دیکھ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنی کسی بات سے انہیں حیران کر دیتا تھا اور اس روز بھی جب وہ اس کے اصرار پر اسے عثمان احمد کی قبر پر لائے تھے تو اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے بے حد سنجیدگی بھر کر کہا تھا۔

"عادل بھائی' مجھے پاپا سے اپنی باتیں کرنا ہیں...... ہیں نا کچھ باتیں...... اور وہ میں صرف پاپا سے کروں گا...... آپ پلیز یہاں ہی رکیں۔"

اور وہ حیران سے اسے عثمان احمد کی قبر پر چہرہ رکھے ہولے ہولے باتیں کرتے دیکھ رہے تھے اور کافی دیر بعد اس نے سر اٹھایا تھا تو اس کے رخسار بھیگے ہوئے تھے اور آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔

"اب تو آ سکتا ہوں نا مور۔" وہ اس کے قریب چلے آئے اور پھر ایک دم سے اسے اپنے لپٹا لیا اور اسے پیار کرتے ہوئے بے اختیار پوچھ بیٹھے تھے۔

"کیا بات ہے مور' کیا چاہیے۔ مجھ سے کہو۔"

"کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ ہے میرے پاس۔ بس مجھے پاپا سے کچھ اور ہی باتیں کرنا تھیں۔" وہ بردبار اور اپنی عمر سے بہت بڑا لگ رہا تھا۔

"اپنے بھائی کو بھی نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا "کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بھائی سے بھی نہیں کی جاتیں صرف پاپا سے ہی کی جا سکتی ہیں۔"

"او کے یار۔"

اور فاتحہ پڑھ کر وہ گھر آ گئے تھے لیکن بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتے رہے تھے اور بی جان سے اس کا ذکر کیا تھا۔

"بچہ ہے نا عادل۔ اتنی چھوٹی عمر میں باپ کی شفقت سے محروم ہو گیا اور پھر ماں بھی تو گھر پر نہیں رہتی۔ ان کی کمی محسوس کرتا ہو گا۔ اس عمر میں بچے سمجھتے ہیں کہ مرنے والا ان کی ہر بات سن رہا ہے۔"

اور پھر وہ اسے حویلی چھوڑ کر لاہور آ گئے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ دس پندرہ دن رہے گا وہاں لیکن چار پانچ دنوں بعد ہی اس کا فون آ گیا کہ وہ لاہور آنا چاہتا ہے اور یہ کہ وہ ویک اینڈ پر ضرور حویلی آ کر اسے لے جائیں۔

"ارے کیوں مور' کیا وہاں خوش نہیں ہو؟"

"نہیں خوش تو بہت ہوں۔ بی آپا کے طوطوں اور چڑیوں سے میری دوستی ہو گئی ہے۔ خاص طور پر مٹھو سے۔"

"پھر۔"

"پھر میں نے سوچا کہ مجھے گھر پر ہی رہنا چاہیے۔ وہاں سب اکیلے ہیں نا اور مومو تو بہت اداس ہو جاتی ہے۔"

"لیکن جب تم ہاسٹل ہوتے ہو تو مومو تب بھی اکیلی ہوتی ہے۔"

"ہاں' تب تو مجبوری ہے لیکن اب تو مجھے ان کے پاس رہنا چاہیے۔ بھائی ہوں نا اور بھائی ہی بہنوں کا خیال رکھتے ہیں اور میرے تو پاپا بھی چلے گئے ہیں اور ماما بھی مصروف رہتی ہیں اور پھر مجھے ہی خیال رکھنا ہے ان کا۔"

اور وہ بے حد حیران ہوئے تھے۔

"کس قدر پیارا اور سمجھ دار بچہ ہے۔" ان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اچھا عادل بھائی' اب میں چلوں گا۔" سلطان کھڑا ہو گیا۔

"کھانے تک نہیں رکو گے۔"

"نہیں' کچھ دوست آئے ہوئے ہیں ڈیرے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔ ماں جی سے مل کر جاؤں گا اب۔"

"ماں جی سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا مانی' ان کی طبیعت خراب ہے۔"

"تو پہلے ہی شک کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھیں اور اس نے اگر ایسی کوئی بات کی تو...... ان کا جی چاہا کہ وہ اس سے کہیں۔

"مانی پیسہ' دولت' جائداد جو لینا ہے' لے لو لیکن میرے بھائی کامی کے متعلق بتا دو کہ کہاں ہے' کس جگہ ہے' زندہ بھی ہے یا نہیں...... ماں جی کو چین آ جائے گا۔ ایک ایسی امید کی ڈوری پکڑ کر زندگی کا سفر طے کرنا جو یقین و بے یقینی کے پتھر سے بندھی ہو' کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔"

لیکن لفظ ان کے ہونٹوں تک آ کر ٹھہر گئے اور ملتجی نظریں اس کے چہرے کو چھو کر جھک گئیں۔

"جانتا ہوں عادل بھائی' کامی کا ذکر ان کو کتنی اذیت دیتا ہے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا "پھر شام میں ملاقات ہوگی۔"

"انشاء اللہ۔" انہوں نے بیٹھے بیٹھے ہی ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ انہیں لگا تھا جیسے وہ اٹھ نہ سکیں گے۔ جیسے وجود سے کسی نے ساری ہمت نچوڑ لی ہو...... "کیا کامی کو مانی نے مروا دیا ہے۔"

"کیا کامی کو مانی نے......" یہ سوال ان کے دماغ میں سوئیاں چبھو رہا تھا اور اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا۔

مانی کی دلچسپیاں

اس کے شوق

اس کی شاہ خرچیاں

مزارعوں کے ساتھ اس کا رویہ

لاہور میں کئی کئی دن تک اس کا قیام اور پھر......

دکھ صرف یہ ہی تو نہیں تھا کہ مانی نے کامی کو...... دکھ یہ بھی تھا کہ اس بھری دنیا میں وہ اکیلے رہ گئے ہیں...... وہ جوان کے چاچا کا بیٹا تھا اور اپنے مزاج کی تمام تر خامیوں کے باوجود انہیں بہت عزیز تھا۔ مانی چلا گیا لیکن وہ یوں ہی بیٹھے رہے' ہاتھ گود میں دھرے' خاموش اور اداس' جیسے ساری کشتیاں جلا کر سر ساحل خالی ہاتھ تہی داماں کھڑے ہوں۔

جانے کتنی ہی دیر گزر گئی' وہ یوں ہی سامنے اخبار پھیلائے خالی الذہن سے بیٹھے رہے جیسے سوچنے کے لیے کچھ......

بی آپا نے انہیں آ کر کھانا لگنے اور ماں جی کے اٹھ جانے کی اطلاع دی تو تب وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔

"بی آپا' کھانا ادھر ماں جی کے کمرے میں لگوا دیجیے۔ آج وہاں ہی کھانا کھا لیتے ہیں۔"

اور پھر کھانے کے دوران ماں جی سے باتیں کرتے ہوئے ان کے ذہن پر چھایا اضمحلال کافی کم ہو گیا تھا۔ ماں جی کی طبیعت کافی بہتر تھی اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں۔ مراد اور بی آپا کے بچپن کی باتیں...... ان کے بچپن کی باتیں۔ بابا جان اور کامی کی باتیں اور وہ بہت دلچسپی سے سنتے رہے۔

کھانے کے بعد بھی وہ عصر کی نماز تک وہاں ماں جی کے کمرے میں بیٹھے رہے۔ شاید ان کے لاشعور میں خوف سا بیٹھا تھا کہ تنہا ہوں گے تو نہ جانے... کون کون سے شکوک اور واہموں کے ناگ ان کے ذہن و دل سے چمٹ جائیں گے۔ ماں جی عصر کی نماز سے فارغ ہوئیں تو وہ انہیں چاچا عبدالرحمٰن کی طرف جانے کا بتا کر حویلی سے نکل آئے۔

چاچا گھر پر نہیں تھے۔ انہیں باہر ہی سے پتا چل گیا کہ وہ قریبی گاؤں کے دو فریقوں میں کافی عرصے

سے لڑائی چلی آ رہی تھی' صلح صفائی کی غرض سے گئے ہیں۔ انہوں نے ادھر سے غیر ارادی طور پر گاڑی کا رخ ڈیرے کی طرف موڑ لیا۔ یہ ایک خوبصورت سا چھوٹا سا بنگلا تھا جو گاؤں کی حدود سے باہر تھا اور یہاں ہوتا بابا جان اپنے شہری دوستوں کو جو شکار کی غرض سے آتے تھے ٹھہرایا کرتے تھے۔ یا پھر جب یہاں مہمان نہ ہوتے تو فصل کے دنوں میں بھی شیر خان اور اللہ داد وغیرہ رہتے تھے۔ جو فصلوں کی نگرانی کرتے تھے۔ بیج ڈلوانا' پانی لگوانا' کٹائی' بوائی' سب ان کی نگرانی میں ہوتا تھا۔

یہ چھوٹا سا بنگلا جدید سہولتوں سے آراستہ تھا اور اب بابا جان کے بعد مانی کے دوست یار عموماً یہاں ہی آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ وہ خود بہت کم اس طرف آتے تھے۔ کبھی سالوں بعد۔ وہ یوں ہی اس طرف آ نکلتے تھے لیکن آج ان کے ذہن میں کیا تھا' وہ خود سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ انہوں نے سوچا "وہ بھلا ڈیرے کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔ مانی سے تو صبح ہی ملاقات ہو چکی ہے' پھر۔" اور واپس پلٹتے پلٹتے پھر انہوں نے گاڑی کا رخ ڈیرے کی طرف کر لیا۔

شیر خان باہر ہی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر قدرے حیران ہوا۔

"آپ خان صاحب اس وقت!"

"ہاں' یوں ہی مانی سے ملنے چلا آیا تھا۔"

"وہ تو ابھی ابھی نکلے ہیں۔ ان کے کوئی نئے دوست آئے ہیں شہر سے انہیں باغات دکھانے۔"

"اور ادھر کون ہے؟" انہوں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"یہاں سب ہی ہیں' ان کے باقی دوست یار اور۔" وہ کچھ جھجک گیا۔

"اور کون......؟"

"جی وہ ہیں' اختر بیگم اور ان کے بندے۔"

"اختر بیگم کون ہیں؟" انہوں نے شیر خان کی طرف دیکھا اور مزید سوال کیے بغیر اندر کی طرف بڑھ گئے۔

ڈرائنگ روم میں فرشی نشست تھی۔ گاؤ تکیے لگے تھے اور دو تین سلطان کی عمر کے لڑکے یہاں ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور وہ عین وسط میں قدرے جھکی اپنے گھنگھرو کھول رہی تھی۔ ان کی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا اور وہ ششدر سے رہ گئے۔

وہ بے انتہا حسین تھی۔

بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل تھا۔

لپ اسٹک لگے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

دعوت دیتی ہوئی مسکراہٹ۔

انہوں نے نظریں جھکا لیں۔

مانی کے دوست کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ایک شاید انہیں پہچانتا تھا۔

"عادل بھائی آپ۔ خیریت ہے نا؟ سلطان تو ابھی نکلا ہے۔ حفیظ پراچہ کو باغات دکھانے لے گیا ہے۔"

"ہاں خیریت ہی ہے۔ یوں ہی مانی کو دیکھنے چلا آیا تھا۔"

"بیٹھیے نا۔ گانا سنیں گے۔ بڑا رس ہے بڑی کو ملتا ہے اختر بیگم کی آواز میں۔"

وہ یقیناً اختر بیگم تھی جو بڑی بے باکی سے انہیں دیکھ رہی تھی اور پھر مانی کے دوست کی تعریف پر جس طرح سر جھٹک کر اس نے ان کی طرف مسکراہٹ پھینکی تھی اس سے ان کی پیشانی پر ناگواری شکنیں پڑ گئیں۔

"نہیں مجھے گانا وانا سننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ ان سے معذرت کر کے باہر نکل آئے۔

"اور پتا نہیں...... یہ طبقہ جو اپنے آپ کو مظلوم کہتا ہے اور اسے مظلوم سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں مظلوم ہوتا ہے یا ظالم......" سارے کمروں میں بے مقصد چکر لگاتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

اور پتا نہیں کون سی بات انہیں اس منزل پر لے آئی ہے اور یہ لڑکی اختر بیگم جو اپنے پاؤں سے گھنگرو کھول رہی تھی انہیں تو ظالم ہی لگی تھی اور اس کے چہرے سے کہیں بھی مظلومیت نہیں ٹپک رہی تھی۔ بلکہ لگتا تھا جیسے یہ ظلم کرنے کے سارے ہتھیاروں سے لیس ہو اور ہر سمت سے وار کرنا جانتی ہو۔

انہوں نے کہیں پڑھا تھا کہ یہ دنیا کا سب سے پرانا پیشہ ہے لیکن آج تک وہ اس طبقے کے وجود کا جواز نہیں سمجھ سکے تھے۔ حالانکہ اس طبقے پر ادیبوں نے بڑی معرکۃ الآرا کہانیاں لکھ کر ابدی شہرت حاصل کی۔

شیر خان ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

"خان جی آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں دیکھ رہا تھا کہ کہیں مرمت وغیرہ کی یا کسی اور شے کی ضرورت تو نہیں ہے۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"نہیں جی اپنے سلطان جی ہر سال سفیدی وغیرہ کراتے ہیں۔"

"خیر......" شیر خان سے باتیں کرتے ہوئے وہ باہر نکلے اور اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے پلٹ کر...

"شیر خان یہاں لوگ آتے رہتے ہیں اپنے کامی کے متعلق ضرور ہر ایک سے پوچھتے رہا کرو۔ کوئی اتا پتا بتا دے۔"

"جی میں تو جو بندہ بھی ملتا ہے اس سے ضرور ذکر کرتا ہوں۔" اس کی آنکھیں سچی سادہ ... تھیں۔

"آپ کا دکھ ہمارا دکھ ہے خان جی۔ بڑے چوہدری صاحب زندہ تھے تو کبھی کبھی کامی خان کو لاتے تھے۔ اس کی انگلی پکڑ کر گھومتے رہتے تھے۔"

وہ آب دیدہ ہو گیا تو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسے تسلی دی اور گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"توانائی کی دلچسپیوں میں یہ سب بھی شامل ہے۔" اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے زیر لب کہا... ایک بار مسرور نے اشارتاً تو کہا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں سکے تھے۔

اور جب شوق اس قسم کے ہوں تو قارون کا خزانہ بھی تھوڑا ہے اور پھر ایک طرف یہ شوق اور دوسری طرف خدمت خلق کا جذبہ ڈس ایبل بچوں کے لیے ادارے کا قیام۔ انہیں یاد نہیں کہ مانی کبھی کامی کے بارے میں بیٹھا ہو اور اس کا احوال پوچھا ہو۔

... کوئی چیز جیسے حلق میں پھنسنے لگی تھی اور اندر کنڈلی مار کر بیٹھا شک پھن اٹھا کر ڈنک مارنے لگا تو ایکسی لیٹر پر ان کا دباؤ بڑھ گیا اور حویلی واپس جاتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ ماں جی کی طبیعت تو اب بہتر ہے آج ہی لاہور جائیں گے۔ کئی باتیں ان کے ذہن کو الجھا رہی تھیں اور وہ مسرور سے ڈسکس کرنا چاہتے تھے... وہ حویلی پہنچتے پہنچتے صبح واپسی کا فیصلہ کر چکے تھے۔

❁❁❁

"مریم۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا تو اس نے سر اٹھا کر ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سوجی ہوئی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔ "یہ کیا حالت بنالی ہے آپ نے۔" انہوں نے بے حد تاسف سے اسے دیکھا "مسز عثمان اب ٹھیک ہیں۔ معمولی سا ڈپریشن تھا۔ آپ کو پتا ہے وہ پہلے بھی ڈپریس ہو جاتی تھیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پھر آپ؟" ڈاکٹر عبدالمعید نے پھر اس کی طرف دیکھا۔

وہ ٹی وی لاؤنج کے بیچوں بیچ کارپٹ پر بیٹھی تھی اور اس کی بھیگی پلکیں بتا رہی تھیں کہ وہ ان کے آنے سے پہلے رو رہی تھی۔

"چلیں اٹھیں منہ ہاتھ دھوئیں اور فریش ہو جائیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں اور رات کافی دیر تک مجھ سے گپ لگاتی رہی ہیں۔ ناؤ ہری اپ گڈ گرل اور فریش ہو کر آؤ اور مجھے فٹافٹ اچھی سی چائے پلاؤ۔"

بے حد شگفتہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ تو مریم کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظریں ذرا دیر کو مسز عثمان کے بیڈروم کی طرف اٹھیں اور پھر پلٹ آئیں۔

"کیا مسز عثمان سو رہی ہیں ابھی تک؟"

"...مسز عثمان..." مریم کے لبوں سے نکلا۔

"کیا سوچ رہی ہیں مریم آپ؟" ڈاکٹر عبدالمعید مسکرائے "میں نے کہا نا کہ مسز عثمان اب بالکل ٹھیک ہیں..."

"مسز عثمان" مریم نے زیر لب کہا اور سوچا...... "وہ اب مسز عثمان کہاں ہیں۔ مسز غضنفر ملک ہیں......"

اور یہ کس قدر اذیت ناک اور تکلیف دہ انکشاف تھا۔ زینب عثمان کی ابھرتے ہوئے ہیرڈ ونسنٹر ملک سے شادی...... بہت جلد سب جان جائیں گے۔

اور پھر ان پر ہنسیں گے۔

اور مذاق اڑائیں گے۔

بیگم نرگس اور بیگم آفندی جیسی مخلص دوست بھی پس پشت ماما پر ہنسیں گی۔

کس قدر اذیت ہو رہی تھی۔

جیسے کوئی جسم میں سوئیاں چبھو چبھو کر نکال رہا ہو۔

اور ماما نے کچھ بھی نہ سوچا۔

نہ میرا' نہ عاشی' نینا اور مورکا۔

اور نہ لوگوں کا۔

جب سے یہ انکشاف ہوا تھا' اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے پوری کائنات لوٹ لی ہو۔

جیسے وہ بھری دنیا میں تنہا اور اکیلی ہو گئی ہو۔

''اور جب کسی سے اس کی پوری کائنات چھن جائے تو پیچھے کیا رہ جاتا ہے۔'' اس نے بھیگے دل سے سوچا۔

''کیوں کیا چائے پلوانے کا ارادہ نہیں؟'' ڈاکٹر عبدالمعید ابھی تک مسکرا رہے تھے اور ان کی نگا[ہیں] اس کے چہرے پر تھیں۔ مریم نے شعوری طور پر مسکرانے کی کوشش کی لیکن اس کے ہونٹ صرف پھیل کر گئے اور ایک دم کچن کی طرف جانے لگی۔

''سنیں۔ اگر مسز عثمان جاگ رہی ہوں تو میں ذرا ان کی خیریت معلوم کر لوں۔''

''ماما تو گھر پر نہیں ہیں۔'' مریم نے گردن موڑ کر ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ اب وہ نارمل ہیں لیکن ڈیئر سسٹر مریم پھر آپ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہ[یں]''

''نہیں۔ میں تو پریشان نہیں ہوں۔'' اس نے جلدی سے چہرہ موڑ لیا اور کچن کی طرف چلی گئی۔

''اور اس لڑکی کو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔'' ڈاکٹر عبدالمعید کے چہرے پر ایک مہربان سی مسکر[اہٹ] آ کر ٹھہر گئی اور انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی' وی آن کیا۔ یقیناً اس کی مسز عثمان سے جھڑپ [ہوئی ہوگی]

یا پھر وہ اس بات پر رو رہی ہوگی کہ وہ صبح صبح کہاں چلی گئی ہیں۔

''خیر اتنی صبح بھی نہیں۔'' انہوں نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی ساڑھے دس بج رہے تھے۔

انہوں نے اسپتال نہیں جانا تھا۔ ڈاکٹر سعدی نے ان سے ریکویسٹ کی تھی کہ وہ آج ان کی جگہ نا[ئٹ] لیں۔ سو چار بجے تک فرصت ہی فرصت تھی اس لیے وہ دیر سے اٹھے تھے اور پھر تیار ہو کر نیچے آ گ[ئے]

''ناشتا نہیں کرنا کیا؟'' انہیں جاتا دیکھ کر سرجن ہاشم۔ [illegible]

''فی الحال موڈ نہیں ڈیڈی اور چائے آج نیچے پئیں گے' سب کے ساتھ۔''

آج ان کا موڈ بہت اچھا تھا اور وہ سوچ رہے تھے کہ اگر مسز عثمان کی طبیعت اچھی ہوئی تو کہیں آؤٹنگ کا پروگرام بناتے ہیں۔ کچھ موسم بھی بہت اچھا ہو رہا تھا اور دل کا موسم بھی بے حد خوشگوار تھا۔ سرجن ہاشم نے ڈاکٹر ہادی سے کہا تھا کہ وہ آج شام مسز عثمان سے عاشی اور معید کی شادی کی بات کریں اور ڈاکٹر ہادی نے وعدہ کیا تھا کہ آج وہ ضرور گھر آ کر مسز عثمان سے بات کریں گے۔ سو ان کے اندر چاروں طرف پھول سے کھل رہے تھے اور وہ اسی بے اختیاری میں نیچے چلے آئے تھے اور اب مریم کو اپنی اس خوشی میں شریک کرنا چاہ رہے تھے۔ ٹی وی دیکھتے دیکھتے انہوں نے کچن کی طرف دیکھا۔ مریم کچن میں تھی۔

''اور مریم بے حد خوش ہوگی۔''

اور خدا جانے صبح صبح کیا بات ہو گئی تھی کہ وہ اتنی ڈیپریس اور تھکی تھکی لگ رہی تھی اور تھکی تھکی اور ڈیپریس تو عاشی بھی لگ رہی تھی اور ان تین چار دنوں میں انہوں نے دو تین بار ہی' اسے دیکھا تھا۔

شاید زینب عثمان کی وجہ سے ہی دونوں ڈیپریس تھیں۔ یکا یک ہی ان کا دل عاشی کو دیکھنے اور اس سے بات کرنے کو بے چین ہونے لگا تو وہ ایک دم سے کھڑے ہو گئے اور ایک قدم آگے بڑھایا لیکن پھر رک گئے۔

''اور عاشی کے موڈ کا بھی کچھ پتا نہیں ہوتا اور کیا پتا' وہ بھی ابھی تک سو رہی ہو۔''

''معید بھائی آپ جا رہے ہیں کیا؟'' مریم نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' وہ واپس پلٹ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

''صفو چائے لا رہی ہے۔ آپ ناشتا کر چکے ہیں کیا؟''

''نہیں ناشتا تو نہیں کیا لیکن موڈ نہیں ہے اس لیے صرف چائے کا کہا ہے۔'' انہوں نے بغور مریم کی طرف دیکھا۔ وہ منہ دھو آئی تھی لیکن اس کی آنکھیں اسی طرح سوجی ہوئی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔

''جی مریم بی بی' اب بتائیے کیا بات ہے۔ اتنی اپ سیٹ کیوں ہیں؟''

''نہیں تو اپ سیٹ تو نہیں ہوں۔ بس یوں ہی سر میں درد تھا۔''

''اور سر درد کی وجہ سے آپ رو تی رہی ہیں۔ اتنے چھوٹے دل کی تو نہیں ہیں آپ۔''

''اور آپ کو کیا پتا معید بھائی کہ میں کتنے چھوٹے دل کی ہوں اور میرا دل کیسے طوفانوں کی زد میں آیا ہوا ہے......'' اس نے نظریں اٹھائیں۔

''فلو بھی تھا اس لیے۔''

''جھوٹ کیوں بول رہی ہیں بجو۔''

عاشی اتنی آہستگی سے ٹی' وی لاؤنج میں آئی تھی کہ مریم کو اس کے آنے کی خبر تک نہیں ہوئی تھی۔ اس نے یک دم پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔ بلو جینز اور ریڈ ٹی شرٹ کے ساتھ' گلے میں ریڈ ہی اسکارف ڈالے اور

کندھوں پر شولڈر بیگ لٹکائے وہ شاید کہیں جانے کے لیے تیار نظر آ رہی تھی۔

"اٹھ گئیں عاشی؟"

لیکن عاشی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھتے ہوئے عجیب انداز سے مسکرائی۔

"بجو جھوٹ بول رہی ہیں..... حالانکہ اس جھوٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے..... ایک دو روز میں اخباروں میں سرخیاں لگ جائیں گی کہ مسز عثمان نے غضنفر ملک سے شادی کر لی ہے۔"

"کیا.....!" بے اختیار ڈاکٹر معید کے لبوں سے نکلا۔

"اوہو اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے ڈاکٹر عبدالمعید۔ کیا ماما نے کوئی نئی بات کی ہے۔ ہوتی رہتی ہیں ایسی شادیاں۔" وہ ہنسی۔

اور ڈاکٹر عبدالمعید کو اس ہنسی میں ٹوٹے کانچ کی چبھن محسوس ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ عاشی۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اگرچہ اس نے بے حد ڈارک میک اپ کر رکھا تھا پھر بھی اس کے چہرے کا حزن چھپ نہیں پایا تھا۔ اس کی بے انتہا خوبصورت اور دلکش آنکھوں میں عجیب سا درد کروٹیں لیتا محسوس ہو رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ نا عاشی۔" انہوں نے دوبارہ کہا۔ ان کے لہجے میں بے حد نرماہٹ تھی۔

"سوری ڈاکٹر معید، مجھے کہیں جانا ہے۔" اس نے ایک نظر مریم کو دیکھا جو دونوں ہاتھ گود میں دھرے ساکت بیٹھی تھی اور اس کی رنگت بے حد سپید ہو رہی تھی۔

"کم آن بجو..... اب واپس آ جائیں۔ ماما نے کوئی گناہ تو نہیں کیا، شادی کی ہے اور اسلام کہتا ہے کہ بیوہ کی شادی کرنا ثواب ہے۔" اس نے زینب عثمان کے کہے لفظوں کو دہرایا تو مریم نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"خیر....." اس نے کندھے اچکائے "ہر نئی بات کو قبول کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا۔ ایک دو روز تک بجو بھی سنبھل جائیں گی۔" وہ ڈاکٹر عبدالمعید سے مخاطب تھی۔

"اور یہ مسز عثمان نے کیا کیا۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے دل گرفتگی سے سوچا "اب بھلا چار بچوں کے ہوتے ہوئے کیا ضرورت تھی شادی کرنے کی اور وہ بھی اپنے سے آدھی عمر کے لڑکے سے۔"

"اوکے ڈاکٹر عبدالمعید۔" اس نے کندھے پر لٹکے بیگ کو دائیں کندھے سے بائیں پر منتقل کیا۔ "اور بجو آپ بھی کہیں گھوم پھر آئیں۔ عینی کی طرف چلی جائیں۔"

"عاشی۔" ڈاکٹر عبدالمعید کھڑے ہو گئے اور ہولے ہولے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئے "عاشی تم آج کہیں مت جاؤ۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا، آج مجھے فرصت ہے اور ہم سب آؤٹنگ کے لیے جائیں گے۔"

بے حد مہربان لہجے میں بولتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمعید کو عاشی نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

"سوری ڈاکٹر عبدالمعید، میں پہلے پروگرام بنا چکی تھی۔"

"تم نے ناشتا بھی نہیں کیا۔" مریم نے اپنا بوجھل سر اوپر اٹھایا۔

"موڈ نہیں ہے۔"

"عاشی، مت جاؤ کہیں۔" مریم نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرے گھر پر رہنے سے کیا حقیقت بدل جائے گی۔" عاشی کے لہجے میں تلخی تھی "حقیقتوں کو فیس کرنا سیکھو نا، ڈیئر سسٹر۔" وہ بات کر کے ایک دم ایڑیوں پر گھومی اور کارنر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی "میں گاڑی لے کر جا رہی ہوں۔"

"نہیں عاشی۔" مریم کھڑی ہو گئی۔ عاشی کو ابھی ڈرائیونگ کرتے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے "تم ڈرائیو مت کرو، چاچا کو ساتھ لے جاؤ۔"

"میں ڈراپ کر دیتا ہوں عاشی۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے بھی کہا۔

"نہیں، مجھے اکیلے ہی جانا ہے بجو اور پھر زندگی ہمیشہ دوسروں کے سہارے نہیں گزر سکتی۔" وہ مڑی اور تیز تیز چلتی ہوئی ٹی۔ وی لاؤنج سے نکل گئی۔

"وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ ہے نا۔" مریم نے بے بسی سے ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا۔

"اور وہ میری بات بھی نہیں مانے گی۔" ڈاکٹر عبدالمعید اس کے پیچھے باہر نکل آئے۔

اور مریم وہیں کھڑی رہی، جیسے اس کے پاؤں زمین نے جکڑ رکھے ہوں۔ کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر عبدالمعید واپس آ گئے۔

"اور مجھے پتا تھا، وہ کسی کی بات نہیں مانے گی۔" مریم نے ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا اور تھکی تھکی سی صوفے پر بیٹھ گئی "وہ اپنے آپ کو جتنا بہادر ظاہر کر رہی ہے، اتنی بہادر ہرگز نہیں ہے معید بھائی۔"

"ہاں، وہ اتنی بہادر ہرگز نہیں ہے۔" ڈاکٹر معید نے زیر لب دہرایا۔

"وہ بہت ڈسٹرب تھی، بہت زیادہ۔" مریم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"لیکن مریم۔" ڈاکٹر عبدالمعید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "ممکن ہے کہ یہ بات صحیح نہ ہو۔ یہ کس نے کہا ہے آپ کو کہ مسز عثمان....." وہ کچھ جھجک کر خاموش ہو گئے۔

"ماما نے خود۔" مریم نے آہستگی سے کہا "اور جب ماما نے بتایا تھا تو یوں لگا تھا، جیسے کوئی بہت انہونی ہو گئی ہو۔ بہت ناقابل بیان۔ اور عاشی، اسے تو یقین ہی نہیں آتا تھا۔ وہ کسی طرح یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی کہ ماما....." وہ سر جھکائے جیسے ہولے ہولے اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔

منو چائے لائی تو وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی۔

''آپ کے لیے بھی چائے بناؤں مریم بی بی؟''

''نہیں۔'' اس نے ہاتھوں کہ پشت سے بھیگی پلکوں کو صاف کیا۔

''کیا ماما کو ایسا کرنا چاہیے تھا معید بھائی۔ مور کیا سوچے گا۔ لوگ کیا کہیں گے؟''

''مریم۔'' صفو کے ہاتھ سے چائی کی پیالی لیتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمعید نے مریم کی طرف دیکھا اور پھر صفو کو جانے کا اشارہ کیا۔

''تم نے سنا نہیں کہ عاشی کیا کہہ رہی تھی کہ حقائق کو قبول کر لینا چاہیے۔ جو ہو چکا' وہ تو ہو چکا پھر...... مور تو بچہ ہے۔ شاید اتنا محسوس نہ کرے اور لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے متعلق سوچتے اور باتیں کرتے رہیں۔ چند روز وہ حیرت کا اظہار کریں گے اور پھر بھول جائیں گے۔ انہیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ......''

''نہیں معید بھائی۔'' مریم نے ان کی بات کاٹی ''لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔ کبھی نہیں۔ وہ تو صدیوں پرانی باتیں یاد رکھتے ہیں۔ انکل مجتبیٰ حیدر کو میڈم نرگس کی ہر شادی کی تفصیل ابھی تک یاد ہے اور وہ اکثر......''

''اسپتال سے آپ کا فون ہے جی۔'' سیڑھیوں سے جھانکتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمعید کے ملازم نے بتایا تو چائے کا کپ ٹرالی پر رکھتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمعید کھڑے ہو گئے۔

''میں ابھی آ رہا ہوں اور پلیز آپ ذہن پر زیادہ بوجھ مت ڈالیں۔''

اس نے سر ہلا دیا اور یوں ہی خالی الذہن سی بیٹھی سامنے دیوار کو تکتی رہی۔ ڈاکٹر عبدالمعید اسپتال جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے اترے اور اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

''سوری مریم مجھے اسپتال جانا پڑ گیا ہے۔ ایک ایمرجنسی آ گئی ہے۔ حادثہ ہوا ہے۔ زخمی کافی سیر
ہیں۔ میں فارغ ہوتے ہی رنگ کروں گا لیکن پلیز مریم' ٹاؤ ٹیک اٹ ایزی۔ آپ تو بڑی ہیں۔ آپ
سب کا خیال رکھنا ہے۔ عاشی کو سمجھانا ہے۔ وہ بہت اپ سیٹ لگ رہی تھی لیکن آپ خود اس طرح ر
رہیں تو اسے کیسے سمجھا پائیں گی۔ میں ہوں نا آپ کا بھائی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ سب مجھے
عزیز ہیں۔ آپ کبھی بھی تنہا نہیں ہوں گے اور پھر مسز عثمان پہلے بھی تو اتنے مہینوں سے یہ اں نہیں تھیں۔''

انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ مریم کے سر پر رکھا۔ بالکل یوں ہی' جیسے عادل بھائی جب بھی یہاں آ
تھے' عاشی اور نینا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کے سر پر پیار کرتے تھے۔ اس کا دل اندر ہی اند
ہونے لگا لیکن وہ ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔

''او کے گڈ گرل۔'' وہ مسکرائے ''میں فارغ ہوتے ہی گھر آؤں گا۔ تب تک عاشی بھی آ چکی ہو
پھر ہم لمبی ڈرائیو کریں گے۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتے چلے گئے لیکن وہ یوں ہی کھڑی کارپٹ کے پھ

تکتی رہی۔

''پاپا نے بھی کہا تھا کہ اسے سب کا خیال رکھنا ہے' شاید انہیں پہلے سے پتا تھا کہ ماما ہمیں چھوڑ جائیں گی۔'' اور کل رات جب وہ ماما کے بیڈ روم میں بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی اور ماما نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

''جاؤ مومو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔''

تو اس نے بے وقوفوں کی طرح پوچھا تھا۔

''ماما کیا اب آپ ہمیں چھوڑ جائیں گی؟''

''پاگل ہو گئی ہو۔'' ماما نے اسے جھڑک دیا تھا ''تم سب میری زندگی ہو۔ یہ شادی...... میری اور غضنفر کی شادی ہے۔ اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں میری جان کہ یہ ناگزیر تھی۔ میں نے زندگی میں کبھی خوشی نہیں دیکھی حقیقی خوشی۔ مجھے کبھی میرا مقام نہیں ملا۔'' ان کی آواز بھرا گئی تھی اور انہوں نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں اور وہ حیران سوچتی رہ گئی تھی کہ وہ حقیقی خوشی کیا تھی جو ماما کو کبھی نہیں ملی اور وہ مقام کیا تھا جس کی ماما خواہاں تھیں۔

تب ہی بیل ہوئی تو اس نے مڑ کر ٹیلی فون سیٹ کی طرف دیکھا اور کتنی ہی دیر تک بیل مسلسل ہوتی رہی۔ تب جیسے کسی خواب سے چونکتے ہوئے اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور ریسیور اٹھا لیا۔

''بے وفا لڑکی' کہاں تھی تم؟'' دوسری طرف عینی تھی ''میں فون کر کر کے تھک گئی ہوں' کوئی اٹینڈ ہی نہیں کرتا اور اب بھی اتنی دیر سے بیل ہو رہی تھی۔''

''کیسی ہو عینی؟'' جواباً اس نے کہا۔

''میں پوچھ رہی ہوں مومو کہاں تھیں تم؟ فون اٹینڈ کیوں نہیں کر رہی تھیں؟''

''شاید خراب ہوگا۔'' اس نے آہستگی سے کہا حالانکہ عاشی نے خود ہی آف کیا ہوا تھا۔

''اور بابا اور ماں جی کیسے ہیں؟''

''سب اچھے ہیں' مریم لیکن تم مجھے اچھی نہیں لگ رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟''

''ہاں اچھی تو ہوں۔ تم بتاؤ کیا کر رہی تھیں۔ کیسے فون کیا؟''

''کیوں کیا میں فون نہیں کر سکتی۔'' عینی کے لہجے میں خفگی در آئی۔

''اور تم...... تم بہت بے وفا ہو' بہت سنگدل۔ آئیں کیوں نہیں۔ شیری بھائی نے کتنا انتظار کیا۔ وہ کس قدر افسردہ لگ رہے تھے اور تم...... تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ آ جاتیں کچھ دیر کو۔''

''میری طبیعت اچھی نہیں تھی۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں۔ بتاتی بھی تو کچھ نہیں ہو۔ دوست ہوں میں تمہاری۔''

''بس یوں ہی معمولی سا ٹمپریچر تھا۔''

''آج اگر ارسل آ گیا تو شام کو آؤں گی۔''

''شام کو تو شاید میں گھر پر نہ ہوں' وہ آنٹی نرگس کی طرف جانا ہے۔''

''اچھا پھر کل آ جاؤں گی۔''

عینی کو خدا حافظ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عینی آئے۔ وہ عینی سے بھی کچھ چھپا نہ پاتی اور فی الحال وہ کسی سے کچھ نہ کہنا چاہتی تھی۔ اس کے اندر ایک طوفان سا بپا تھا...... اور وہ ماما سے بھی کچھ نہ کہہ پائی تھی۔ ایک لفظ بھی تو نہ کہا تھا اس نے ان کی طبیعت بھی اتنی خراب ہو گئی تھی اور عاشی ٹوٹی ٹوٹی اور بکھری بکھری لگ رہی تھی۔ عاشی کو اس کی ضرورت تھی' اس کی رفاقت کی لیکن وہ تو بس ماما کے پاس بیٹھی رہی تھی پاپا نہیں تھے اور ماما ڈیپریس تھیں۔

اور شہریار......

وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

شہریار کے متعلق تو ایک لمحے کے لیے بھی اس نے نہیں سوچا تھا اور اسے یاد بھی نہیں رہا تھا کہ شہریار جا رہا ہے اور اس نے جانے سے پہلے ملنے کی درخواست کی تھی۔

''اور شہریار چلا گیا۔''

''یوں زندگی کا ایک باب شاید تمام ہو گیا۔''

''اور اب تو یوں بھی...... شاید راستے بدل گئے ہیں۔''

''ماما شاید پھر ایک دو روز میں چلی جائیں۔''

''صبح وہ کس قدر خوش' مطمئن اور پرسکون لگ رہی تھیں۔ جب وہ تیار ہو کر اپنے بیڈ روم سے نکلیں ہمیشہ سے کہیں زیادہ دلکش اور خوب صورت لگ رہی تھیں۔''

''موموٗ میں ذرا نرگس کی طرف جا رہی ہوں۔''

لیکن اس نے گلاس ڈور سے دیکھا' باہر لان میں گلاب کی کیاریوں کے پاس غضنفر ملک کھڑا تھا جا۔ وہ کب آیا تھا...... اسے خبر نہ تھی' وہ چند لمحے پہلے ہی اپنے کمرے سے باہر آئی تھی اور صفو کو چائے کے کہہ رہی تھی۔ غضنفر ملک نے زینب عثمان کو باہر آتے دیکھا اور والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ وہ پیچھے ہٹ آئی تھی اور ماما اس کے ساتھ چلی گئی تھیں۔

''مریم بی بی' بیگم صاحبہ تو چلی گئی ہیں۔ ان کے لیے سوپ بنانا ہے۔ کیا کھانے تک آ جائیں گی؟'' صفو نے قریب آ کر پوچھا۔

''معلوم نہیں۔'' مریم نے مڑ کر اسے دیکھا

''پھر کیا کروں جی؟''

''ماما آئیں گی تو بنا لینا نہیں تو رہنے دو۔''

''اور عاشی بی بی بھی چلی گئی ہیں۔''

''ہاں۔''

''آپ بھی چلی جایا کریں کہیں' اتنی اداس رہتی ہیں۔ اپنی سہیلیوں کی طرف۔''

مریم نے جواب نہ دیا اور صفو کچھ دیر کھڑی رہنے کے بعد چلی گئی۔

اور جیسے کرنے کو کچھ نہ رہ گیا ہو اور زندگی ایک جگہ ٹھہری گئی ہو۔ ان چھ سات دنوں میں جیسے وقت تھم سا گیا تھا۔ ایک ایک لمحہ کس قدر گراں ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ چھ سات دن نہیں گزرے تھے' چھ سات صدیاں گزر گئی تھیں۔

''اور عاشی کہتی ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آ کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ایسا ہوتا رہتا ہے۔ آخر میڈم نرگس نے تو تین شادیاں کی ہیں اور اگر ماما نے دوسری شادی کر لی تو کون سی قیامت آ گئی ہے۔''

''حالانکہ خود عاشی نے کس طرح ری ایکٹ کیا تھا لیکن پھر اس نے حقائق کو تسلیم کر لیا لیکن میں کیوں حقیقتوں کو قبول نہیں کر پاتی اور خود ماما کتنی مطمئن اور پرسکون ہیں' جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔''

''اور ابھی تک میڈم نرگس اور آفندی کو نہیں معلوم ورنہ وہ تو بھاگی آتیں۔''

''اور شرجیل مرزا' کس قدر تمسخر اڑاتا۔''

''آج شاید سب کو پتا چل جائے۔ ماما یقیناً صبح صبح میڈم کی طرف ہی گئی ہوں گی اپنے نئے شوہر کو میڈم سے متعارف کروانے......'' وہ ایک دم تلخ سی ہونے لگی تو اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔ ٹی وی پر عاشی والا ڈراما آ رہا تھا۔ رات کو دکھائی جانے والی قسط دوبارہ دکھائی جا رہی تھی۔ ماما کے آنے کے دوسرے ہی دن تو عاشی اس کی ریکارڈنگ کے لیے گئی تھی۔ غالباً آخری قسط تھی۔

اور وہ سب کتنا خوش تھے۔

ڈاکٹر عبدالمعید نے کہا تھا کہ آخری قسط کے بعد وہ سب ''سن کانگ'' میں ڈنر کریں گے اور یہ ڈنر ان کی طرف سے ہوگا۔

اور پھر...... انہوں نے معنی خیز نظروں سے عاشی کی طرف دیکھا تھا ''اگلا ڈنر انشاء اللہ اپنے گھر میں نئے گھر میں شفٹ ہونے کی خوشی میں۔'' اس نے آہستگی سے کہا تھا اور عاشی مسکراتی رہی تھی۔

لیکن سب کچھ گڑبڑ ہو گیا تھا۔ اسے تو پتا بھی نہیں چلا کہ رات عاشی کے ڈرامہ سیریل کی آخری قسط تھی۔ مریم نے سر جھٹک کر اپنی توجہ ٹی وی پر لگانے کی کوشش کی۔ اس نے ڈرامے کی سب اقساط تو نہیں

دیکھی تھیں۔ پتا نہیں کیوں عاشی کو اسکرین پر دیکھنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا لیکن دو اقساط اس نے عاشی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھی تھیں اور اسے لگا تھا جیسے اخبارات سچ لکھ رہے ہوں کہ عاشی کو ایکٹنگ نہیں آتی۔

اسکرین پر عاشی اکیلی تھی۔ سیاہ لباس میں گھٹنوں پر چہرہ دھرے وہ بے انتہا دل گرفتہ' ٹوٹی ٹوٹی اور شکستہ لگ رہی تھی اور جب اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا اور پلکوں کے کنارے پر موتی اٹکے ہوئے تھے۔

مریم کا دل کٹنے لگا۔

یہ ایکٹنگ نہیں تھی...... ہرگز ایکٹنگ نہیں تھی۔

عاشی ایکٹنگ کر ہی نہیں سکتی تھی۔

وہ سچ مچ رو رہی تھی' وہ سچ مچ ٹوٹی ہوئی تھی۔ جب وہ ریکارڈنگ کے لیے جا رہی تھی' تب بھی مریم نے دیکھا تھا کہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں لیکن ... کون جانے گا۔ کس کو پتا ہوگا کہ وہ...... اس کے اندر کیا گزر رہی تھی۔

اس کی نظریں ٹی وی پر جمی تھیں اور ذہن ایک بار پھر زینب عثمان۔ عثمان احمد۔ زینب عثمان کی بیماری' ان کا رویہ اور پھر اب ان کی غضنفر ملک سے شادی کی طرف چلا گیا تھا۔

''شیری...... شہریار پلیز۔''

غیر ارادی طور پر ہاتھ ریموٹ پر لگا تھا اور آواز اونچی ہوگئی تھی...... عاشی کی آنسو بھری آواز سے اس نے چونک کر اسکرین کی طرف دیکھا۔

عاشی بے اختیار ہجوم میں سے راستہ بناتی آگے بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف جہاز کی سیڑھیوں پر تھکے تھکے انداز میں قدم رکھتا ہوا اور مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتا ہوا ہیرو۔

لمحہ بھر کو اسے لگا' جیسے وہ شہریار ہو۔

ڈاکٹر شہریار۔

''اور میرے نہ جانے پر شہریار کو کس قدر دکھ ہوا ہوگا۔ اور کتنی مایوسی' شاید اس نے بھی یوں ہی لمحوں تک مڑ مڑ کر مجھے دیکھا ہوگا۔''

''اور پتا نہیں۔ میں اب بھی شہریار کو اتنا کیوں سوچتی ہوں جبکہ...... اور کس قدر مشکل ہوتا ہے بھول جانا اور بھلا دینا۔''

''اور بعض باتیں کیسے خود بخود ہو جاتی ہیں۔''

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی کسی کی محبت میں مبتلا ہو جائے گی...... اور کوئی اس سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہو جائے گا۔

اور ایسا ہو گیا تھا' خود بخود ہی۔

بنا کسی منصوبے اور پلان کے

لیکن بعض محبتیں کتنی بدنصیب ہوتی ہیں۔

اس کی اور شہریار کی محبت کی طرح۔

مل کر بھی نہ ملنے کی اذیت۔

''اور شہریار کہتا ہے کہ مجھے اس کا انتظار کرنا ہوگا اور کون جانے یہ سفر کتنا طویل اور مسافت کتنی کٹھن ہو...... اور میں راستے ہی میں تھک جاؤں۔''

''ممکن ہے شہریار ہی اس طویل مسافت سے تھک کر کسی شجر سایہ دار تلے بیٹھ جائے پھر......''

''آنے والا ہر لمحہ کتنا بے اعتبار ہے۔''

''اور اب ہمیں کیا خبر تھی کہ ماما غضنفر ملک سے شادی کر لیں گی......'' اس کا ذہن پھر ماما کی طرف چلا گیا۔

اور ماما نے کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ غضنفر ملک سے ان کی شادی ناگزیر تھی۔

''اور کیا واقعی ایسا تھا۔''

''ماما نے کچھ بھی نہیں سوچا۔ نہ عاشی کا' نہ نینا کا' مور کا اور نہ میرا۔''

''ہم سب' ہم چاروں کس قدر تنہا ہو گئے ہیں اور کتنے اکیلے۔ ماما کے ہوتے ہوئے بھی۔''

''اور اب پتا نہیں ماما غضنفر ملک کے ساتھ چلی جائیں گی یا غضنفر ملک کو یہاں لے آئیں گی اور اگر غضنفر ملک یہاں آ کر رہنے لگے تو بہت مشکل ہوگا۔ [illegible]''

دل کے اندر جیسے کسی نے سوئی چبھو دی ہو۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ دل تھا کہ ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ اس نے سوچا کچھ دیر انکل ہاشم کے ساتھ گپ لگائے گی تاکہ کچھ دیر کو خیال بٹ جائے۔

''صفو۔'' اس نے سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے آواز دی ''میں ذرا اوپر جا رہی ہوں' انکل ہاشم کے پاس۔'' اور پھر صفو کا جواب سنے بغیر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ تب ہی مین گیٹ پر بیل ہوئی۔

''شاید عاشی واپس آ گئی ہے لیکن اتنی جلدی...... پتا نہیں اسے کہاں جانا تھا۔''

وہ وہیں رک گئی تھی اور ایک ہاتھ ریلنگ پر دھرے پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ شریف کچن سے ہاتھ پونچھتا ہوا نکلا۔ وہ وہیں کھڑی اسے باہر جاتے دیکھتی رہی۔

''اور میں بڑی ہوں۔ مجھے عاشی کو سنبھلنے میں مدد دینی چاہیے لیکن میں اپنے آپ کو ہی سنبھال نہیں پا رہی ہوں اور ہم دونوں کو بیٹھ کر ایک دوسرے کے دکھ کو شیئر کرنا چاہیے اور......'' اس نے ریلنگ سے ہاتھ ہٹایا اور واپسی کے لیے سیڑھی نیچے اتری اور پھر وہیں رک گئی۔

مسز عثمان' غضنفر ملک اور میڈم نرگس کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھیں۔
لمحہ بھر کے لیے اس نے سوچا کہ وہ نیچے جائے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس نے رخ موڑ لیا اور اوپر جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

''مومو۔'' مسز زینب عثمان نے پکارا۔

''جی۔'' اس نے وہیں سے رخ موڑ کر پیچھے دیکھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''

''اوپر انکل ہاشم کے پاس۔''

''ادھر آؤ نیچے' تمہیں غضنفر سے ملواؤں۔''

''کیا یہ ضروری ہے۔ آئی مین۔ میرا غضنفر ملک سے ملنا۔''

''مومو۔''

زینب کے لہجے کی تلخی مریم نے محسوس کی اور ایک غیر محسوس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری اور معدوم ہو گئی' وہ وہیں کھڑے کھڑے زینب کو دیکھ رہی تھی جب کے چہرے کا رنگ یک دم بدل گیا تھا۔

''تمہیں آخر کب تمیز آئے گی؟''

انہوں نے مڑ کر غضنفر ملک سے کہا جو ٹی وی لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑا منہ اٹھائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''غالباً میرے متعلق بتا رہی ہوں گی کہ میں ہمیشہ سے ایسی ہی بدتمیز ہوں۔'' مریم نے دل گرفتگی سے سوچا اور اوپر جانے کے لیے رخ موڑ لیا۔

''دیکھا...... دیکھا تم نے نرگس۔'' ان کا انداز سراسر مظلومیت کا تاثر لیے ہوئے تھا کہ......

''ریلیکس ڈارلنگ۔'' میڈم نرگس نے زینب کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور سر اوپر اٹھا کر اسے آواز دی۔

''مومو جانو' اپنی آنٹی سے نہیں ملو گی کیا؟''

مریم کے اٹھتے قدم رک گئے۔ ''اوہ گاڈ مجھے معلوم نہیں تھا کہ......''

مسز زینب منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''اور ماما کی طبیعت آج ہی ٹھیک ہوئی ہے...... مومو بیٹا' اپنی ماما کا ہمیشہ خیال رکھا۔ انہیں پریشان مت کرنا۔''

عثمان احمد جیسے اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''تم جانتی ہو نا مومو' وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈیپریس ہو جاتی ہیں......'' اور وہ مڑ کر آہستہ آہستہ اترنے لگی۔

''ارے' تم تو ہمیشہ سے کہیں زیادہ کمزور لگ رہی ہو۔ ڈیئر کیا کچھ بیمار تھیں؟'' میڈم نرگس نے ا

رخسار پر بوسہ لیتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''نہیں تو۔'' مریم نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''اور ہاں۔'' میڈم نرگس کی آنکھیں بے تحاشا چمک رہی تھیں ''غضنفر یہ مریم ہے۔ تم غالباً پہلے بھی مل چکے ہو گے اس سے......''

''ہاں ایک دو تقاریب میں دیکھا تو تھا لیکن باقاعدہ تعارف نہیں ہے۔ بس زینی نے بتایا تھا کہ وہ میری بیٹی ہے۔'' غضنفر ملک ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''اور اب تمہاری بیٹی بھی۔'' ایک آنکھ بھینچتے ہوئے میڈم نرگس نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ریل کی سیٹیاں بجتی رہیں۔

مریم کے حلق میں جیسے کچھ پھنسنے لگا...... یہ عمر میں تقریباً اس کے برابر یا اس سے ایک آدھ سال بڑا غضنفر ملک...... اندر دور تک نمک ہی نمک گھلتا گیا۔ وہ نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبائے پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور نگاہیں اٹھا کر لمحہ بھر کے لیے زینب کی طرف دیکھا جو بڑی پرسکون سی ہو کر بڑے فخر سے غضنفر ملک کو دیکھ رہی تھیں جو ابھی تک مریم کی طرف متوجہ تھا۔

''کیا کرتی ہیں آپ؟''

''ماسٹرز کر چکی ہوں۔'' مریم کا لہجہ دھیما تھا اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''اوہ۔'' اس نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑے ''میرا خیال تھا ابھی آپ اسکول کی طالبہ ہوں گی۔''

مریم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''غضنفر بیٹھ جاؤ نا۔'' زینب نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

میڈم نرگس بلاوجہ ہنسیں اور ان کے ہنسنے پر چونک کر مریم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہ ڈرائیور پر پڑی جو بڑا سا اٹیچی اٹھائے اندر آ رہا تھا۔

''یہ سامان گیسٹ روم میں رکھنا ہے جی۔'' اس نے زینب کی طرف دیکھا۔

''نہیں نہیں گیسٹ روم میں نہیں' میرے بیڈروم میں لے جاؤ۔''

''تو ماما غضنفر ملک کو ساتھ لے آئیں۔'' مریم نے سوچا۔

''ہاں بے چارہ اتنے دنوں سے ہوٹل میں اکیلا بور ہو رہا تھا بلکہ انتہائی اداس ہو رہا تھا۔'' میڈم نرگس نے اس کی موجودگی کی پروا کیے بغیر تبصرہ کیا۔

زینب نے دلکشی سے مسکرا کر غضنفر کو دیکھا اور پھر مریم کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''عاشی اپنے کمرے میں ہے کیا؟''

''نہیں باہر گئی ہے۔''

''کہاں......؟''

''معلوم نہیں۔''

''شجی آیا تھا اسے لینے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں اکیلی گئی ہے۔''

''یار' یہ شجی عاشی کو اسپائل کر رہا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' انہوں نے میڈم کی طرف دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارا وہم ہے۔ بلکہ وہ تو تمہاری بیٹی کو بلندیوں کی طرف لے جا رہا ہے۔ رات آخری قسط میں عاشی نے غضب کی ایکٹنگ کی۔ کمال کر دیا اس نے۔''

''واقعی عاشی نے اتنی اچھی ایکٹنگ کی۔'' مسز زینب نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں' ہاں میں خود حیران رہ گئی۔ جبکہ پورے سیریل میں اس کی ایکٹنگ میں کوئی جان نہ تھی' بالکل سپاٹ......لیکن......''

''آخر میری بیٹی ہے نا۔'' ان کے لہجے میں تفخر تھا۔

''غزنی' تم نے دیکھی آخری قسط۔''

''افسوس نہیں دیکھ سکا۔''

مریم نے انتہائی بوریت محسوس کی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر چلی جائے بار بار اس کی نظریں عثمان احمد کی اسٹڈی کی طرف اٹھ جاتیں اور اسے لگتا جیسے ابھی عثمان احمد اپنی اسٹڈی سے باہر نکل آئیں گے اور شاید پاپا نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ ماما ان کے بعد ہم سب کے ہوتے ہوئے غضنفر ملک سے شادی کر لیں گی اور اگر ماما کو شادی کرنا بھی تھی تو وہ کسی سوبر سے اپنے ہم عمر سے شادی کر لیتیں۔ نہیں تو شرجیل مرزا سے ہی سہی' کم از کم اس کا ماما کا ساتھ اس طرح مضحکہ خیز نہ لگتا۔ اب غضنفر ملک کسی بھی طرح ان کے ساتھ بیٹھا ہوا ان کا شوہر نہیں لگ رہا تھا......اور میڈم نرگس نے بھی تو سید امتیاز علی شاہ سے شادی کی تھی۔

مریم کے خیالات ادھر ادھر بھٹک رہے تھے اور وہ اپنے اردگرد سے بالکل لاپرواسی ہو گئی تھی اور میڈم نرگس' مسز زینب اور غضنفر ملک نہ جانے کس بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ عاشی کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ کونے میں رکھے بڑے سے گملے کے پاس کھڑی بظاہر مسکراتی نظروں سے مسز زینب اور غضنفر ملک کو دیکھ رہی تھی......کمال ہے' وہ اردگرد سے اتنی بے خبر ہو گئی تھی کہ اسے عاشی کے آنے کا پتا بھی نہ چلا۔

''عاشی تم آ گئی ہو۔'' مریم کا لہجہ از حد شفیق تھا ''ادھر آ جاؤ۔''

لیکن عاشی اس کی طرف متوجہ نہ تھی۔

''غضنفر' یہ عاشی ہے' مریم سے چھوٹی۔'' اس بار بھی میڈم نرگس نے تعارف کا مسئلہ اپنے سر لیا۔

غضنفر نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

''عاشی واقعی تمہاری بیٹی لگتی ہے زینی......بہت زیادہ تم سے ملتی ہے۔''

''ہاں سب یہی کہتے ہیں۔'' وہ مسکرائیں۔

''تو اب غضنفر ملک صاحب ادھر ہی قیام فرمائیں گے۔'' عاشی پھول کی پتیاں توڑ رہی تھی۔

''ظاہر ہے۔'' میڈم نرگس ہنسیں ''اور کہاں جانا تھا انہیں۔ بہت دن رہ لیے ہوٹل میں۔''

''حالانکہ اصولاً۔'' عاشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی ''ماما کو ان کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔'' اس نے پودے سے پھول کو توڑ لیا۔

''عاشی۔'' انہوں نے غصے سے اسے دیکھا۔

''کیوں آنٹی۔'' عاشی نے پھول کی آخری پتی توڑ کر پھول کو ہاتھوں میں مسلا اور نیچے پھینکتے ہوئے میڈم نرگس کی طرف دیکھا ''کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟'' لہجے میں بلا کی معصومیت تھی۔

''نہیں جانی بالکل بھی نہیں۔'' میڈم نے ذرا سا رخ موڑ کر زینب اور غضنفر ملک کی طرف دیکھا ''لیکن مجبوری یہ ہے کہ غضنفر ملک کا گھر یہاں نہیں ہے۔ اور......''

''تو جہاں ان کا گھر ہے' ماما کو تو وہیں ہونا چاہیے نا۔'' وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی میڈم نرگس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ہاں لیکن تم بھی تو ہو نا تم' مومونینا اور مور۔ تم سب کے لیے......'' میڈم نرگس نے زینب کا دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن عاشی نے ان کی بات کاٹ دی۔

''میرے خیال میں ہم اتنے بچے بھی نہیں ہیں کہ ماما کے بغیر رہ نہ سکیں۔ پہلے بھی تو تقریباً ایک سال سے وہ زیادہ تر کراچی ہی رہی ہیں۔ کیوں ماما' غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں میں۔'' وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''عاشی۔'' زینب کا رنگ ایک دم سرخ ہو گیا اور پیشانی پر ناگواری سے شکنیں پڑ گئیں ''یہ کیا بکواس ہے۔''

''نہیں تو ماما' میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں' آپ خواہ مخواہ ہمارے لیے پریشان نہ ہوں اور سیکریفائز نہ کریں۔ ہم بہت مزے میں تھے۔''

''تم بہت بدتمیز ہو گئی ہو اور یہ سارا قصور مریم کا ہے۔ ہمیشہ سے میری دشمن ہے۔ اسی نے تمہیں......''

''کمال کرتی ہیں آپ ماما۔'' عاشی نے انہیں ٹوک دیا ''بجو بے چاری کا کیا قصور انہوں نے تو مجھ سے بات تک نہیں کی۔ یہ سراسر میرا ذاتی خیال ہے کہ اصولاً آپ کو غضنفر ملک کے ساتھ جانا چاہیے تھا نہ کہ غضنفر ملک کو آپ کے ساتھ رخصت ہو کر آنا چاہیے تھا۔''

''زینی۔'' غضنفر ملک ایک دم کھڑا ہو گیا ''مجھے اجازت دو۔''

''غزنی پلیز' رکو تو کیا ہو گیا ہے۔''

''تم نے تو کہا تھا کہ عاشی اور مومو نے تمہاری شادی کو اور مجھے قبول کر لیا ہے مگر......پلیز' میرا

سامان منگوادواور تم بھی میرے ساتھ چلو......" وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوائی وی لاؤنج سے نکل گیا۔

"غزنی پلیز۔" زینب اس طرح گھبرا کر اٹھیں جیسے غضنفر ملک چلا گیا تو ایک قیامت آجائے گی۔ انہوں نے مڑکر ایک قہر آلود نظر عاشی اور مریم پر ڈالی اور تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں "غزنی......غزنی پلیز رکو۔"

عاشی کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی جبکہ مریم آنے والے لمحوں میں ہونے والے ہنگامے کے خوف سے سہمی ہوئی سی عاشی کو دیکھ رہی تھی۔

میڈم نرگس نے باری باری دونوں کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"تمہاری ماما کو اس عمر میں غضنفر ملک سے عشق ہوگیا ہے۔" انہوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اٹھ کر زینب اور غضنفر ملک کے پیچھے باہر نکل گئیں۔

❀ ❀ ❀

" تو تمہارا کیا خیال ہے مسرور؟" پوری تفصیل بتاتے ہوئے پروفیسر عادل نے مسرور کی طرف دیکھا......" کیا مانی ایسی حرکت کرسکتا ہے؟"

"پتا نہیں۔" مسرور نے کچھ سوچنے کے بعد رائے دی......"کسی کے متعلق کوئی بھی بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی......میں مانی کو بہت زیادہ نہیں جانتا۔ اگرچہ وہ مجھ سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن پھر بھی میں انہیں اس طرح نہیں جانتا جس طرح ایک دوست کسی دوسرے دوست کے متعلق جان سکتا ہے۔ ہم بہت کم ملے ہیں اور میں اتنا ہی جان پایا ہوں کہ وہ دوستوں کے معاملے میں بہرحال بہت مخلص ہیں۔"

"ہوں۔" پروفیسر عادل نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔

"ممکن ہے' مانی واقعی کامی کے نام سے ڈس ایبل بچوں کے لیے کوئی ادارہ بنانا چاہتا ہو۔ بعض اوقات بعض لوگ اچانک ہی کوئی حیرت انگیز کام کرجاتے ہیں۔"

"شاید۔" پروفیسر عادل بے حد الجھے ہوئے تھے "آمنہ صفی کا اغوا میرے گھر کے سامنے ہوا تھا۔ کیا اس میں مانی کا ہاتھ تھا؟"

مسرور نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا "نہیں......آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟"

"پتا نہیں۔"

وہ خود بھی اپنی بات پر حیران رہ گئے تھے' شاید بہت دنوں سے جب آمنہ صفی نے ان سے اس روز الجھی الجھی باتیں کی تھیں۔ یہ خیال کہیں لاشعور میں چھپا ہوا اب خود بخود ہی لبوں پر آگیا تھا۔

"نہیں قطعی نہیں۔ آمنہ کے اغوا میں مانی کا ہاتھ نہیں ہوسکتا۔" مسرور نے بے حد یقین نے کہا۔

"ہاں' شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ان کے سامنے ڈیرے کا منظر آگیا۔ مانی کو بھلا کیا ضرورت پڑی تھی' آمنہ ایسی عام سی شکل وصورت کی خشک مزاج لڑکی کو اغوا کرنے کی۔

"خیر۔" انہوں نے ہولے سے سر جھٹک کر ٹیبل پر سے روتھ مین کی ڈبیا اٹھالی' یوں ہی ایک خیال آیا تھا۔ دراصل کامی کی گم شدگی نے ذہن کو عجیب طرح سے الجھا رکھا ہے۔ تم سناؤ تمہاری والدہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"پہلے سے بہت بہتر ہے سر۔"

"کہاں ہیں آج کل؟"

"گاؤں میں ہیں سر۔ پچھلے دنوں شیری سے ملنے آئی تھیں۔ پھر واپس چلی گئیں۔ میں سوچ رہا ہوں اگر اپنے ہی گاؤں میں ٹرانسفر ہوجائے تو میں امی کے پاس رہ سکوں گا۔"

"ہاں میرے ذہن میں ہے۔ میں کامی کی وجہ سے کسی سے بات نہیں کرسکا۔ انشاء اللہ کل ہی بات کروں گا۔ رضا صاحب سے کہہ کر تمہارے ٹرانسفر کے سلسلے میں۔ ایگزیبیشن کا کام بھی درمیان میں رہ گیا۔"

"کوئی بات نہیں سر۔ مصیبتیں کوئی بتا کر تو نہیں آتیں۔"

"بہرحال میری ذمے داری ہے۔ میں فارغ ہوتے ہی پہلی فرصت میں کراچی جاؤں گا۔ میری بات ایک آرٹ گیلری سے چل رہی تھی۔"

"سر آپ ایگزیبیشن کے لیے پریشان نہ ہوں۔ ایک بار کامی کے متعلق کچھ پتا چل جائے۔"

"میں تو اس کی طرف سے مایوس ہوگیا ہوں۔" ان کے لہجے میں بے حد مایوسی تھی "شاید اب وہ کبھی نہ ملے اور نہ ہی ہمیں کبھی پتا چل سکے کہ اس کے ساتھ کیا بیتی۔"

"مایوسی تو کفر ہے سر......"

"ہاں' جانتا ہوں......لیکن بالآخر ایک اسٹیج آتی ہے جہاں ہر امید ختم ہوجاتی ہے۔ خیر اب تم آرام کرو۔"

"نہیں سر اب میں جاؤں گا۔"

"کیوں کل تو چھٹی ہے تم' رکو گے نہیں کیا۔ گاؤں جانے کا ارادہ ہے اس وقت؟"

"نہیں سر' میں اب ماموں کی طرف جاؤں گا۔ شیری کا پتا کرنا ہے کہ اس کے پہنچنے کی خبر آئی ہے یا نہیں۔"

"ہاں' شہریار آیا تو تھا ملنے۔ ہائر اسٹڈی کے لیے باہر جارہا تھا لیکن کچھ اپ سیٹ لگ رہا تھا۔ کالج اتھا' سو میں پوچھ نہ سکا۔ اس کے گھر میں تو سب خیریت ہے نا؟"

"جی سر' شاید سب سے جدا ہونے کے خیال سے اپ سیٹ ہو۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔ اپنا وطن اور اپنی زمین چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں جب گیا تھا تو مجھے بھی ایسی بہت مشکل پیش آئی تھی۔ بہت دل گھبراتا تھا۔ اسے خط لکھو تو لکھنا کہ وہاں اگر اسے کوئی مسئلہ ہو تو لکھے۔ بہت دوست اور مہربان ہیں میرے وہاں۔"

"جی سر۔" مسرور اٹھ کھڑا ہوا "لکھ دوں گا۔"

"او کے۔ پھر کب ملاقات ہو گی؟"

"اگلے ویک پر تو میں گاؤں جاؤں گا اور اس کے بعد کا ویک اینڈ آپ کے ساتھ...... کچھ ورک بھی کروں گا...... بہت دنوں سے برش اور رنگوں سے ناتا ٹوٹا ہوا ہے۔"

"برش اور رنگ تو تمہاری شناخت ہیں' تمہاری پہچان ہیں۔ غم روزگار میں الجھ کر انہیں مت بھلا دینا۔"

"نہیں' ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ برش ہو یا رنگ۔ قلم ہو یا کاغذ جس سے ایک بار ناتا جڑ گیا اس سے پھر ٹوٹنا مشکل ہوتا ہے۔"

"ہاں جس سے ایک بار ناتا جڑ گیا اس سے پھر ٹوٹنا مشکل ہی ہوتا ہے...... جیسے ان کے دل نے مریم سے ناتا جوڑ لیا تھا اور اب......"

"اچھا سر' اب اجازت ہے۔"

"ہاں۔" انہوں نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ آگے بڑھایا۔

تب ہی سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کی بیل بج اٹھی۔

انہوں نے مسرور کو خدا حافظ کہتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" بے حد تھکے تھکے انداز میں ریسیور کان سے لگاتے ہوئے انہوں نے کرسی کی پشت سے سر ٹیک لیا۔

"ارے عادل خان کہاں گم تھے آپ۔" دوسری طرف میڈم تھیں۔

"کچھ دنوں کے لیے حویلی چلا گیا تھا۔ کیوں خیریت تھی؟"

"ہاں خیریت ہی تھی۔" میڈم نرگس کی آواز میں چہکار تھی...... "وہ تمہاری مسز زینب......" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر پھر سے بات مکمل کی...... "زینی آئی ہوئی ہے۔ سو تمہیں اطلاع کرنا تھی۔"

"تھینک یو میڈم۔" انہوں نے بے حد شائستہ انداز میں ان کا شکریہ ادا کیا۔

"بی آپا کی تاکید۔"

"ماں جی کی پریشانی۔"

"اور مریم کا خیال۔"

ذرا سی دیر کو ریسیور ہاتھ میں تھامے وہ کھو سے گئے۔

"کہاں چلے گئے عادل خان؟"

"کہیں نہیں' یہیں تو ہوں میڈم۔" وہ شرمندہ سے ہو گئے۔

"یہاں تو خیر نہیں ہیں اس وقت آپ۔" وہ ہولے سے ہنسیں "ویسے ایک زبردست خبر ہے...... کیا آپ کو علم ہے کہ زینی نے......"

"کیا؟" ان کا دل زور سے دھڑکا......

"کہیں مریم کی والدہ نے انکار تو نہیں کر دیا......" انہیں لگا' جیسے ان کا دل ڈوب رہا ہو۔

"کیا واقعی آپ کو علم نہیں؟" وہ ان کا صبر آزمانے پر تلی تھیں۔

"نہیں۔" انہوں نے ضبط کا مظاہرہ کیا "میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ میں تقریباً ہفتہ بھر حویلی رہا اور پھر یہاں آ کر بھی بہت مصروف رہا۔ زینب ولا نہیں جا سکا۔"

"دراصل زینی نے شادی کر لی ہے۔"

"اوہ......" انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور ان کا ڈوبتا ہوا دل جیسے ٹھہر سا گیا لیکن پھر بھی ایک دھچکا سا لگا تھا' انہیں اور وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

"غضنفر ملک سے...... جانتے ہو غضنفر ملک کو؟"

"نہیں...... دراصل مجھے شوبز سے متعلق لوگوں کے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔" ان کا لہجہ دھیما تھا۔

"ہاں' آپ ٹھہرے علمی دنیا کے آدمی۔" میڈم نرگس انہیں غضنفر ملک کے متعلق بتانے لگیں...... "زینی کو چاہیے تھا پہلے وہ عاشی اور موموکی شادی کرتی اور پھر...... دونوں بچیاں بہت ڈسٹرب ہیں۔"

میڈم نرگس بغیر رکے بولے چلی جا رہی تھیں اور وہ کچھ عجیب سی کیفیت میں گھرے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ پتا نہیں ذہن ان کی باتوں کو کیچ کر رہا تھا یا نہیں لیکن وہ ایرپیس کانوں سے لگائے ہوئے ہوں ہاں کر رہے تھے۔

"تو اب کیا سوچا ہے آپ نے عادل خان؟" میڈم نرگس نے پوچھا تو وہ چونکے۔

"میں نے۔"

"ہاں ہاں' اب ان حالات میں آپ کیا کریں گے؟"

"حالات' کس طرح کے حالات؟"

انہوں نے بوکھلا کر سوچا۔ میڈم نے کن حالات کا ذکر کیا تھا۔ وہ تو شاید سن ہی نہیں رہے تھے یا اگر سن رہے تھے تو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

"تو کیا کریں گے اب؟" میڈم نے اپنا سوال دہرایا تو انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

"بی آپا کو ان کی آمد کے متعلق مطلع کر دوں گا۔ وہ...... آئی مین مریم کی والدہ یہاں ہی ہیں۔ زینب ولا میں؟" وہ کچھ جھجکے۔

"ہاں...... ہاں فی الحال تو ادھر ہی ہیں لیکن بہت جلد ہنی مون کے لیے دونوں فرانس جانے کا پروگرام

بنا رہے ہیں۔"

میڈم نے انہیں مطلع کیا۔

ان کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں پڑ گئیں اور انہوں نے بے حد ناگواری سے سوچا۔

"یہ بھلا' انہیں کیا سوجھی اس عمر میں شادی کی۔"

"میرے خیال میں آپ کچھ مصروف تھے۔" میڈم نے شاید ان کی بے زاری محسوس کر لی تھی۔

"نہیں' خیر ایسا کچھ مصروف بھی نہیں تھا۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں نے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ ان کا میڈم کی لایعنی اور فضول باتیں سننے کا قطعی موڈ نہ تھا اور پھر اس پر زینب عثمان اور غضنفر ملک سے شادی کے انکشاف نے انہیں ایک دم بے زار کر دیا تھا اور وہ خود اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ ان کا بھلا زینب سے کیا رشتہ اور تعلق تھا...... وہ صرف ان کی والد کی بیوہ ہی تو تھیں پھر بھی انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے زینب عثمان کا اپنی سے آدھی عمر کے لڑکے سے شادی کرنا خود ان کے لیے باعث شرم ہو۔

"کبھی آیئے نا عادل خان۔ اس روز سومرو کی وجہ سے بدمزگی ہو گئی تھی اور آپ چلے گئے تھے......" ایک زبردست قسم کی گالی ان کے حلق سے برآمد ہوئی "جھوٹ بکتا ہے' لالہ کو اپنی حویلی میں بند کر رکھا ہے اور الزام مجھ پر لگا رہا ہے۔ میں بہت جلد اس پر حبس بے جا کا مقدمہ دائر کرنے والی ہوں۔" انہوں نے پھر اسے گالیوں سے نوازا۔ پروفیسر عادل بدحرہ سے ہو کر بے اختیار بولے۔

"مجھے اجازت ہے میڈم' ایک ضروری کام سے جانا تھا۔"

"ہاں آنا مت بھولیے گا۔ اس روز آپ بغیر کچھ کھائے پیے ہی چلے گئے۔ کئی روز تک مجھے افسوس رہا۔"

"جی' ضرور حاضر ہوں گا کسی روز۔" ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

اپنی گائیکی کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں کے دلوں پر حکومت کرنے والی میڈم نرگس کے ساتھ گفتگو کرنا خاصا کٹھن مرحلہ تھا۔ خاص طور پر وہ اپنی گفتگو میں جس روانی سے گالیوں کا استعمال کرتی تھیں' پروفیسر عادل جیسے شخص کے لیے انہیں برداشت کرنا بے حد مشکل ہوتا تھا۔

"تو زینب عثمان نے غضنفر ملک سے شادی کر لی بقول میڈم نرگس کے ٹٹ پونجیا ہیرو......" انہوں نے از حد دکھ محسوس کیا۔

"مریم یقیناً بہت ڈسٹرب ہو گئی۔"

"اور عاشی بھی۔"

"کیا مجھے ان کے پاس جانا چاہیے۔"

انہوں نے سگریٹ سلگایا اور اضطراب سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑیں۔

"یقیناً اس وقت انہیں میری دل جوئی اور سہارے کی ضرورت ہو گی اور میڈم نرگس نے بھی تو بتایا تھا کہ دونوں بچیاں ڈسٹرب ہیں بہت۔"

"اور اگر زینب عثمان نے شادی کرنا ہی تھی تو انہیں چاہیے تھا کہ پہلے ذہنی طور پر انہیں تیار کرتیں...... پھر لیکن پتا نہیں کیا ہوگا اور دونوں نے کیا ری ایکٹ کیا ہوگا۔ شاید عاشی نے زیادہ محسوس نہ کیا ہو لیکن مریم...... وہ کم گو' کم سخن لڑکی۔ جو نہ جانے کیوں ہر دم کھوئی کھوئی اور اداس رہتی ہے اور جو ابھی تک عثمان احمد کی جدائی کو ایکسیپٹ نہیں کر پا رہی تھی۔ کیا اس نے آسانی سے زینب عثمان کی غضنفر ملک سے شادی کو قبول کر لیا ہوگا...... شاید نہیں...... شاید وہ بہت ڈسٹرب ہو۔ بہت اپ سیٹ' اس سے بھی کہیں زیادہ جتنا میڈم نرگس نے بتایا تھا۔

وہ ایک دم بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ میں پکڑا ادھ جلا سگریٹ نیچے پھینک کر جوتے کی ایڑی سے مسلتے ہوئے نیا سگریٹ جلایا۔

"اور عاشی نے بھی فون نہیں کیا' اتنے دنوں سے یا شاید میری عدم موجودگی میں کیا ہو۔"

"خدا بخش۔" ایک گہرا کش لیتے ہوئے انہوں نے آواز دی "میرے بعد کسی کا فون تو نہیں آیا تھا؟"

"نہیں جی۔" خدا بخش جانے کہاں سے برآمد ہوا "ان پندرہ سولہ دنوں میں تو جی کسی کا فون نہیں آیا۔ حتیٰ کہ مجتبیٰ صاحب اور حافظ صاحب کا بھی نہیں۔ بس ایک روز تصدق اور آمنہ آئے تھے۔ آپ کا پوچھ کر چلے گئے۔"

"عاشی بی کا بھی نہیں۔"

"نہیں جی۔"

"اچھا۔" انہوں نے آخری کش لے کر پھر سگریٹ نیچے پھینکا اور ریسیور اٹھا کر زینب وِلا کے نمبر ملانے لگے لیکن پھر کچھ سوچ کر ریسیور نیچے رکھ دیا۔

"خدا بخش' میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

"کہاں جائیں گے؟" خدا بخش ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

انہوں نے نگاہیں اٹھا کر خدا بخش کی طرف دیکھا...... "عاشی کی طرف جاؤں گا۔"

"مور صاحب کو لے آیئے گا۔ ان کی باتیں بہت یاد آتی ہیں۔ ان کا کوئی کوئی انداز تو بالکل عثمان بابا جیسا ہے۔"

"وہ تو مری میں ہے۔" انہوں نے ٹیبل سے روتھ مین کی ڈبیا اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور خدا بخش کو

خدا حافظ کہہ کر پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

❀ ❀ ❀

مریم اردگرد سے بالکل بے خبر لیونگ روم میں قالین پر اپنے سامنے کارڈ پھیلائے بیٹھی اکیلی "میموری" کھیل رہی تھی۔ وہ ایک کارڈ اٹھا کر دیکھتی پھر دوسرا اٹھاتی پھر رکھ دیتی۔ پروفیسر عادل پھر یوں ہی اس کے پیچھے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ زینب وِلا پہنچے تو شریف پورچ دھو رہا تھا...... اور اندرونی گیٹ بھی لاک نہیں تھا۔ وہ شریف سے خیر خیریت پوچھ کر اندر آ گئے اور مریم کو ان کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی تھی۔

"مریم۔" وہ گھوم کر اس کے سامنے آ گئے "یہ اکیلے اکیلے کارڈ کھیلے جا رہے ہیں اور باقی لوگ کہاں ہیں؟...... عاشی اور ماما...... شریف نے بتایا ہے کہ وہ گھر پر ہی ہیں۔" انہوں نے لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

"آپ' عادل بھائی۔" مریم چونک کر کھڑی ہو گئی "بیٹھیے نا۔"

"شکریہ۔" وہ قدرے پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئے "عاشی کیسی ہے' اس کی سیریل ختم ہوا یا نہیں؟"

"سیریل تو ختم ہو گئی ہے۔" وہ کھوئی کھوئی لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے تھے اور چہرے کی گلابیوں میں زردیاں گھلی تھیں۔

"مریم' آپ اتنی پریشان کیوں رہتی ہیں۔ زندگی کے حقائق کو ایزی لیا کریں۔" وہ بے اختیار کہہ بیٹھے "زندگی میں نشیب و فراز تو آتے رہتے ہیں۔ لگتا ہے' آپ چھوٹی چھوٹی باتوں پر حوصلہ کھو دیتی ہیں۔"

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر' مریم نے اپنی لانبی پلکیں اوپر اٹھائیں اس کی بے حد دلکش آنکھوں میں ملال کے رنگ گہرے ہو گئے "یہ بھلا چھوٹی سی بات ہے کیا۔" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا اور پروفیسر عادل کے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کون سی بات؟"

پروفیسر عادل گہری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور اس کا کرب اس کا دکھ جیسے ان کی روح میں اتر رہا تھا۔

"پتا نہیں' میں کیا کہہ گئی ہوں۔ میرے سر میں بہت درد ہے نا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی

"ماں جی اور بی آپا کیسی ہیں۔ کامی کا کچھ پتا چلا؟"

"کامی کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ماں جی اور بی آپا خیریت سے ہیں لیکن آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے رہی ہے۔"

"نہیں تو میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ دراصل آج رات میں بہت دیر تک جاگتی رہی ہوں نا' اس لیے تھکاوٹ ہے۔" مریم کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"مریم۔" پروفیسر عادل نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں "آپ کو یاد ہے نا' میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنی ہر بات' ہر مسئلہ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔ بخدا مریم......"

"السلام علیکم عادل بھائی۔" عاشی نے قریب آتے ہوئے سلام کیا تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حسب معمول اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے انہوں نے اس کے سر پر اپنے ہونٹ رکھے۔

"کیسی ہو گڑیا؟"

"فائن۔"

عاشی مسکرائی لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں' جیسے کچھ دیر پہلے روتی رہی ہو "لگتا ہے جیسے میڈم نے جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ مریم اور عاشی دونوں ہی ڈسٹرب لگ رہی ہیں۔" عاشی کو پاس بٹھاتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

"پتا ہے عاشی گڑیا' میں آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلانے آیا ہوں...... آپ کی سیریل ختم ہو گئی ہے نا......؟" انہوں نے خوشگوار لہجے میں ماحول کی اداسی کم کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں' سیریل ختم ہو گئی ہے لیکن بعض اوقات زندگی میں کچھ ایسے حادثات ہو جاتے ہیں کہ بہت یقین اور اعتماد سے کیے ہوئے وعدے بھی نبھائے نہیں جا سکتے۔"

"کیوں بھئی' کیا ہو گیا سسٹر۔" وہ بدستور اسی لہجے میں بات کر رہے تھے "وعدہ تو وعدہ ہوتا ہے۔ اسے ہر حال میں نبھانا چاہیے۔ کہیں آپ وعدہ توڑنے کا ارادہ تو نہیں رکھتیں گڑیا؟"

"نہیں۔" وہ مسکرائی۔

لیکن عادل نے محسوس کیا کہ اس کی مسکراہٹ پھیکی تھی۔

"میں نے یوں ہی ایک بات کی تھی۔"

"تھینکس۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ تو اب کیا ارادہ ہے۔ ایک دو ماہ تک بی اے کے ایڈمیشن شروع ہو جائیں گے۔ آپ کا ارادہ کیا ہے' کس کالج میں ایڈمیشن لینا چاہیں گی؟"

"پتا نہیں' میں نے ابھی کچھ نہیں سوچا۔ دو ماہ تو بہت ہوتے ہیں۔ جانے کیا ہو جائے۔"

"کیا ہونا ہے بھئی؟"

"ہونے کو تو لمحوں میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"آج بڑا فلسفہ بولا جا رہا ہے۔"

پروفیسر عادل نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ سامنے دیکھ رہی تھی...... غضنفر ملک شریف کے ساتھ

باتیں کرتا ہوا ادھر ہی آ رہا تھا اور بلیو کلر کے تھری پیس سوٹ میں بے حد شاندار لگ رہا تھا...... پروفیسر عادل کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھیں۔

"غضنفر ملک۔"

عاشی نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر پروفیسر عادل کو دیکھا۔

"ماما کے شوہر۔"

پروفیسر عادل بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ کو حیرت ہوئی بجو نے آپ کو نہیں بتایا کہ ماما نے غضنفر ملک سے شادی کر لی ہے۔"

عاشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھوں میں جانے کیسی کیفیت تھی کہ پروفیسر عادل نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر تھپتھپایا۔

"ٹیک اٹ ایزی گڑیا۔" وہ ہولے سے بولے۔

"اپنے عادل میاں ہیں جی...... اپنی موموبی بی اور عاشی بی بی کے بھائی۔" شریف مسکرا کر غضنفر ملک سے ان کا تعارف کروانے لگا۔ غضنفر ملک نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔

"آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ زینی آپ کی تعریف کرتی ہیں۔"

پروفیسر عادل کو عجیب سا لگا جب اس نے مسز زینب کو زینی کہہ کر بلایا۔

"شکریہ۔"

انہوں نے باری باری مریم اور عاشی کی طرف دیکھا۔ جو نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔

"آپ غالباً کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہمیں ایک ٹی پارٹی میں جانا تھا۔ ورنہ آپ کے پاس بیٹھتے۔" انہوں نے مڑ کر شریف کی طرف دیکھا جو ابھی تک وہاں ہی کھڑا تھا۔

"دیکھو جا کر کہ زینی تیار ہوئی ہے کہ نہیں۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔"

پھر وہ عادل کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ عورتوں کی تیاری...... اتنی دیر میں تو امریکا والے چاند پر پہنچ جائیں۔ جتنی دیر میں ان کا میک اپ مکمل ہوتا ہے حالانکہ زینی کو کسی میک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اتنی مکمل ہے کہ......"

اس کا انداز بہت عامیانہ سا تھا۔ پروفیسر عادل نے بہت ناگواری محسوس کی۔

اس نے کلائی موڑ کر ٹائم دیکھا اور پھر آوازیں دینے لگا۔

"زینی ڈیئر جلدی کرو اور یار تمہارے مہمان بھی ہیں...... اب آ بھی جاؤ۔"

"کون ہے؟" زینب خوشبوؤں میں بسی اپنے بیڈ روم سے برآمد ہوئیں۔ ہمیشہ کی طرح وہ بہت دلکش اور

فریش لگ رہی تھیں۔

"اور اگر غضنفر ملک نے ان سے عمروں کے اتنے زیادہ فرق کے باوجود شادی کر لی تھی تو اتنی اچنبھے کی بات بھی نہ تھی۔" پروفیسر عادل نے سوچا اور احتراماً کھڑے ہو گئے۔

"ہرے عادل' کیسے ہیں آپ؟ بہت عرصے بعد آپ کو دیکھا۔" وہ قریب آتے ہوئے خوش دلی سے بولیں۔

"بس وہ کچھ مصروفیات رہیں۔ میں زیادہ تر حویلی میں رہا اور جب کبھی آیا تو آپ نہیں تھیں۔" ان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور لہجے میں احترام تھا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ بلواؤں آپ کو کسی دن...... آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔"

ان کی نگاہیں بے اختیار مریم کی طرف اٹھ گئیں جو بدستور ہاتھ گود میں دھرے نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔

"لیکن اس وقت تو ہم انوائیٹڈ ہیں۔ پھر کبھی آپ سے بات ہو گی اور ہاں......" انہوں نے مسکرا کر غضنفر ملک کی طرف دیکھا "آپ؟ غزنی سے ملے؟"

"جی ہاں' میں نے تمام سیاق وسباق کے ساتھ ان کا تعارف کروا دیا ہے۔" عاشی نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ مسز زینب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"بائی داوے عادل بھائی' آپ کو حیرت نہیں ہوئی کہ ماما غضنفر ملک کے ساتھ رخصت ہونے کے بجائے انہیں اپنے ساتھ رخصت کروا کے لے آئی ہیں۔" اس کا لہجہ سراسر تمسخر لیے ہوئے تھا۔

مسز زینب کا چہرہ تپ گیا۔

"عاشی تم حد سے بڑھ رہی ہو' بہت دنوں سے میں تمہیں برداشت کر رہی ہوں...... آخر چاہتی کیا ہو تم......؟"

انہوں نے حتی الامکان اپنا لہجہ دھیما رکھنے کی کوشش کی تھی۔ شاید وہ عادل کے سامنے بے قابو نہیں ہونا چاہتی تھیں۔

"سادی سی بات ہے ماما' میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے شوہر نامدار کے ساتھ اپنے گھر چلی جائیں اور ہمیں اکیلا چھوڑ دیں۔ ہم آپ کے بغیر بھی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"ناٹ!" مسز زینب عثمان کا ضبط جواب دے گیا "یہ میرا گھر ہے...... میرے نام ہے یہ گھر۔"

"اوہ۔" عاشی نے ہونٹ سکیڑے "تو پھر ٹھیک ہے' آپ رہیں اس گھر میں ہم چلے جاتے ہیں۔"

"کہاں جاؤ گی تم؟" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسیں۔

"اپنے باپ کے گھر اپنے بھائی کے ساتھ۔"

اس نے مڑ کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا جنھوں نے بے اختیار ہو کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ غضنفر ملک بہت پرسکون سا دیوار کی پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا اور زینب عثمان اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش

کرتے ہوئے اسے گھور رہی تھیں۔

"چلیں بجو اٹھیں...... ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ مور اور نینا کو بھی بھول جایئے گا آپ...... میرے بھائی کے گھر میں ہم سب کے لیے بہت جگہ ہے۔" اس نے مریم سے نظریں ہٹا کر مسز زینب کی طرف دیکھا جو ابھی تک خاموش کھڑی تھیں۔

مریم جیسے خواب کی سی کیفیت میں کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ ماما کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی اور عاشی کو بھی اکیلا نہیں کر سکتی تھی۔

"چلیں بجو۔" پروفیسر عادل کے بازو سے نکل کر اس نے آگے بڑھ کر مریم کا ہاتھ تھاما۔

مریم نے ملتجی نظروں سے زینب عثمان کی طرف دیکھا۔ جیسے وہ اسے اور عاشی کو روک لیں گی لیکن ان کی آنکھوں سے تو جیسے شعلے نکل رہے تھے اور چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اس نے بے حد مایوسی سے ان پر سے نظریں ہٹا لیں۔ اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری اور پھر عاشی کی طرف دیکھا۔

"اوکے عاشی...... یہی بہتر ہے۔"

"ہمیں اس گھر سے کچھ نہیں لینا۔" عاشی کے لہجے میں بغاوت تھی۔

"تمہارے بھائی کے پاس تمہارے لیے بہت کچھ ہے گڑیا۔" پروفیسر عادل جو اس صورت حال سے کچھ گھبرا سے رہے تھے۔ یک دم پر اعتماد سے ہو کر بولے۔

"مریم نہیں جائے گی تمہارے ساتھ۔" مسز زینب کا لہجہ پتھر کی طرح تھا۔

"کیوں؟" عاشی نے ان کی طرف دیکھا "کیوں نہیں جائیں گی وہ؟"

"تم تو اپنے بھائی کے گھر جاؤ گی۔ اس کا کیا ناتا ہے عادل خان یا بڑی حویلی والوں کے ساتھ۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" عاشی کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"مریم کا باپ عثمان احمد نہیں تھا۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسیں۔

"نہیں۔" مریم کو لگا' جیسے اس کے کانوں نے غلط سنا ہو۔ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"آپ جھوٹ بول کر بجو کو نہیں روک سکتیں ماما۔" عاشی کی آواز تیز تھی۔

"اپنے بھائی سے پوچھ لو۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔ عاشی نے مڑ کر عادل کی طرف دیکھا تو انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔

"مریم میری بیٹی ہے...... میری بیٹی عثمان احمد کی نہیں۔" مسز زینب کی آواز بلند اور لہجے میں وحشیانہ رنگ تھا۔

مریم کو لگا جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی ہو اور آسمان اس پر گر پڑا ہو۔

"اوکے ماما۔" عاشی دوسرے ہی لمحے نارمل ہوگئی تھی۔

"عثمان احمد میرے پاپا نہیں ہیں...... میرے...... یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔" مریم نے ڈوبتے ذہن کے ساتھ سوچا اور اس کی کیفیت سے بے خبر عاشی ہنس رہی تھی۔

"یعنی اس کا مطلب ہے......"

اس نے غضنفر ملک کی طرف اشارہ کیا جو اب بھی اس ساری صورت حال سے خود کو بے گانہ ظاہر کر رہا تھا۔

"یہ آپ کے تیسرے شوہر ہیں یا پھر ممکن ہے' چوتھے ہوں' باقی انکشاف بھی آج ہی ہو جائیں تو بہتر نہیں ہے کیا۔ پھر شاید ملاقات نہ ہو۔"

"شٹ اپ عاشی۔" زینب عثمان کا ہاتھ بے اختیار اس پر اٹھ گیا۔

"مریم۔" پروفیسر عادل کی نظریں یک دم مریم کی طرف اٹھیں اور پھر دوڑ کر انہوں نے اسے گرتے گرتے سنبھال لیا...... اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ ہولے ہولے ہل رہے تھے۔

"نہیں' وہ میرے پاپا تھے' میرے اپنے پاپا۔"

"مریم...... مریم آنکھیں کھولیں' ہوش میں آئیں۔" اسے صوفے پر لٹاتے ہوئے وہ دیوانہ وار اسے پکارنے لگے...... لیکن وہ آنکھیں بند کیے ان کی آواز سے بے نیاز اور بے پروا بالکل ساکت پڑی تھی اور ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے لیکن آواز نہیں آ رہی تھی۔

"مریم۔" انہوں نے اضطراب سے اس کے ہاتھوں کو رگڑا۔ ان کا دل جیسے ڈوب جانے کو تھا۔ انہوں نے سر اٹھا کر پاس کھڑی عاشی کو دیکھا۔

"عاشی...... ڈاکٹر عبدالمعید ہوں گے گھر پر؟"

"نہیں' لیکن انکل ہاشم ہوں گے۔"

عاشی... چونک کر اوپر کی طرف بھاگی اور پھر وہ اسے اسی بے چینی سے پکارنے لگے۔

❁ ❁ ❁

"پاپا...... پاپا کہہ دیں' یہ جھوٹ ہے' غلط ہے۔ میں آپ کی بیٹی ہوں' صرف آپ کی......"

عثمان احمد کی اسٹڈی میں ان کی تصویر کے سامنے کہنی ٹیکتے ہوئے مریم نے بغور تصویر کو دیکھا۔

اور یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ عثمان احمد کے علاوہ کوئی اور شخص اس کا باپ ہو...... اور پاپا نے تو اسے ماما سے بھی زیادہ چاہا تھا۔ وہ تو ہمیشہ ماما کے متعلق شکوک میں مبتلا رہتی تھی کہ وہ اس کی سگی ماں نہیں ہیں۔ پاپا کے متعلق تو ایک بار بھی اس نے ایسا نہیں سوچا تھا کہ وہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔ اور...... نہیں پاپا' نہیں۔

"کہہ دیں' ایک بار کہہ دیں...... صرف ایک بار کہ میں آپ کی ہی بیٹی ہوں۔ صرف آپ کی۔"

وہ وہیں سر ٹکا کر رونے لگی۔

کتنے سارے دن ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو یقین دلا دلا کر تھک گئی تھی کہ ماما نے جو کچھ کہا تھا' وہ
تھا اور یہ کہ وہ عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے لیکن اسے یقین نہیں آتا تھا یا وہ یقین کرنا نہیں چاہتی تھی......اور
کتنے دن ہو گئے تھے' پورا ایک مہینہ مگر وہ اس دکھ سے باہر نہیں نکل رہی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے ابھی ابھی
نے کہا ہو کہ تم عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہو......اور جیسے ابھی ابھی اس کی سماعتوں پر دھماکے ہو رہے ہوں اور
گول گول دائروں میں گھوم رہی ہو۔

اور یوں ہی تو لگا تھا اسے۔

جیسے آسمان اس پر آ گرا ہو اور زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماما کو دیکھ رہی تھی اور......اور پھر جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی......دوبارہ جب ہوش کی دنیا میں آئی تو اسپتال میں تھی......اور اس کے بالکل سامنے عادل خان بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ میں کہاں ہوں؟"

اس کا ذہن خالی سا ہو رہا تھا۔

"مریم......مریم پلیز' لیٹی رہیں۔"

پروفیسر عادل نے جو اسے ہی دیکھ رہے تھے' بے اختیار کہا۔

"لیکن میں یہاں......"

"آپ اسپتال میں ہیں مریم۔"

"مگر مجھے کیا ہوا تھا؟"

وہ بدستور الجھی ہوئی تھی۔

"یونہی' آپ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔"

ان کا لہجہ ازحد نرم اور اپنائیت لیے ہوئے تھا پھر بھی ان کے وہاں ہونے سے وہ الجھ رہی تھی۔

"مگر ماما اور عاشی......؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ تب ہی عاشی واش روم سے باہر نکلی۔

"بجو' آپ کیسی ہیں؟"

اس نے خوش دلی سے پوچھا اور اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہوں بالکل۔"

عاشی کو دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا۔

"لیکن عاشی' مجھے کیا ہوا تھا؟"

اس کا ذہن ابھی تک خالی تھا۔

"آپ کو......؟"

اس کی نظریں عادل کی طرف اٹھیں' جس نے نظروں ہی نظروں میں اسے کچھ کہنے سے منع کر دیا۔

"خدا جانے لیکن آپ نے ہمیں پریشان کر دیا۔" وہ مسکرائی۔

"پتا ہے آپ کو' آپ آج صبح پورے چوبیس گھنٹوں بعد ہوش میں آئی تھیں۔ پھر ڈاکٹر نے خود ہی آپ کو ٹرنکولائزر دے دیا سکون کے لیے......اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"

اس نے محبت سے مریم کے ہاتھ تھپتھپائے۔

"مگر عاشی' میں اچانک بے ہوش کیسے ہو گئی تھی؟"

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟

"مریم پلیز' آپ اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں۔"

عادل ـــ نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہاں' عادل بھائی صحیح کہتے ہیں۔"

عاشی نے اس کی تائید کی۔

"ابھی آپ ذہن کو مت تھکائیں اور پتا ہے عادل بھائی مسلسل ہمارے ساتھ رہے ہیں ادھر اسپتال میں......اور......"

اس نے چپل اتار کر دونوں پاؤں سمیٹ کر اوپر بیڈ پر رکھ لیے اور اپنے مخصوص انداز میں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اور ہم کتنے خوش قسمت ہیں بجو کہ ہمارے ایک بڑے بھائی بھی ہیں جو کسی بھی مشکل میں ہمیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ ہیں نا؟"

"ہوں۔"

اس نے سر ہلایا۔

اسے تو پہلے روز ہی عادل' پاپا کی طرح لگے تھے۔ ان ہی کی طرح نرم اور شفیق۔

"لیکن ماما......ماما کہاں ہیں؟"

"گھر پر لیکن آتی رہی ہیں وہ اسپتال میں۔ اور وہ خود بھی تمہارے لیے پریشان تھیں۔"

"وہ ٹھیک تو ہیں نا عاشی......انہیں ڈیپریشن تو نہیں ہوا؟"

اسے یکدم ان کی فکر پڑ گئی کہ وہ تو ذرا سی پریشانی پر ڈیپریس ہو جاتی تھیں۔ ان کے اعصاب اس قدر کمزور تھے کہ کچھ بھی تو برداشت نہ کر پاتی تھیں اور اس کی طویل بے ہوشی۔ ضرور وہ ڈیپریس ہوں گی' تب

ہی تو یہاں اسپتال کے کمرے میں عادل اور عاشی ہیں صرف۔

''عاشی' ہم گھر کب چلیں گے؟ میں تو اب بالکل ٹھیک ہوں۔ اچھا محسوس کر رہی ہوں۔''

''ہاں' عادل بھائی ڈاکٹر سے پوچھ لیتے ہیں۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو ابھی چلے جائیں گے۔''

عاشی نرمی اور آہستگی سے سمجھانے والے انداز میں بات کرتی اسے اپنے سے بڑی لگ رہی تھی۔

''عاشی' تم ایک دم کتنی بڑی اور سمجھ دار لگنے لگی ہو۔'' اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''انسان کے حالات اسے بعض اوقات بہت چھوٹی عمر میں ہی سمجھ دار بنا دیتے ہیں اور میں تو اتنی چھوٹی بھی نہیں ہوں۔''

''لیکن اتنی بڑی بھی تو نہیں ہو۔'' اس نے بے حد محبت سے کہا۔ تب ہی پروفیسر عادل کھڑے ہو گئے۔

''میں ڈاکٹر سے پتا کر لوں شاید وہ ابھی گھر جانے کی اجازت دے دیں۔''

''ہاں ضرور۔''

اس نے متشکر نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں گھر جانا چاہتی ہوں۔''

''او کے!''

پروفیسر عادل باہر چلے گئے۔

تو اس نے پھر عاشی سے پوچھا۔

''عاشی سچ بتاؤ' ماما ٹھیک ہیں نا؟''

پتا نہیں کیوں اسے وہم سا ہو رہا تھا جیسے ماما ٹھیک نہ ہوں۔ ورنہ ......انہیں تو اسپتال میں ہی ہونا چاہیے تھا اپنی سہیلیوں کے ساتھ۔ بھلا عاشی اتنی بڑی بھی کب ہوئی ہے کہ......اور پھر ایک دم اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا پورا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے واضح ہو گیا۔

ماما کی شادی۔

عاشی کا ردعمل۔

اور......اور پھر۔

''نہیں۔''

اس کے لبوں سے سسکی سی نکلی۔

''نہیں عاشی' نہیں ماما جھوٹ کہہ رہی تھیں نا مجھے روکنے کے لیے تاکہ میں......میں عادل بھائی کے ساتھ حویلی نہ جاؤں۔ تم جو جا رہی تھیں......اور پھر ماما اکیلی ہو جاتیں نا......پھر مورکا اور نینا کا خیال کون

رکھتا۔ ماما نے اسی لیے جھوٹ بولا تھا۔ میں......میں پاپا کی ہی بیٹی ہوں نا۔''

اضطراری کیفیت میں اس نے عاشی کے ہاتھ تھام لیے۔

''بولو نا عاشی۔''

''بجو!''

عاشی نے نظریں جھکا لیں۔

''کہہ دو......کہہ دو نا عاشی۔''

اس نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

عاشی نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔

''شاید وہ جھوٹ نہیں تھا۔''

اس نے عاشی کی جھکی ہوئی نظروں کو دیکھا اور اسے لگا' جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ جیسے زندگی میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔ پاپا اس کے پاپا نہیں تھے اور وہ ان کی بیٹی نہیں تھی۔ کس قدر اذیت ناک خیال تھا اور کتنا تکلیف دہ۔

آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں میں امڈ آئے۔ عاشی نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''مریم!''

عادل جانے کب اندر آئے تھے۔

اس نے عاشی کے کندھے سے سر اٹھا کر عادل کی طرف دیکھا۔

''ہونٹ بھینچتے ہوئے اس نے بہت [illegible]

مریم زندگی کے حقائق کو ACCEPT تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ جلد یا بدیر۔ جانتا ہوں کہ آپ کو شدید صدمہ پہنچا ہے' شاک لگا ہے لیکن ایک بات کا یقین رکھیں آپ۔ ابو آپ کو از حد چاہتے تھے اور اسی طرح محبت کرتے تھے جس طرح کوئی باپ اپنی بیٹی سے کرتا ہے۔ کیا آپ یقین کریں گی کہ دو دنوں میں میرے ساتھ سب سے زیادہ انہوں نے آپ کی باتیں کیں۔''

وہ جانتی تھی' اسے یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی لیکن پھر بھی یہ دکھ' یہ اذیت کہ وہ ان کا خون نہیں تھی' وہ ان کی بیٹی نہیں تھی' اس کی رگوں کو کاٹ رہا تھا۔ خون کے اندر اذیت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے اور یہ شخص عادل احمد خان۔

جسے پہلی بار دیکھ کر اسے بڑی تقویت اور مسرت کا احساس ہوا تھا......پاپا سے ملتا جلتا یہ شخص۔

انہی کی طرح مہربان اور شفیق۔

پاپا کی ڈیتھ کے بعد جب وہ ماں جی کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا' اسے حوصلہ اور تسلی دے رہا تھا تو

اسے کتنے تحفظ اور اپنائیت کا احساس ہوا تھا کہ اس کا کوئی بڑا بھائی ہے۔

سوتیلا ہی سہی لیکن ہے تو۔

اور وہ شخص اس کا کچھ نہیں لگتا تھا۔

کوئی رشتہ نہیں تھا اس کا ان سے۔

دکھ' گہرا دکھ۔ چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والا دکھ اس کے اندر' اس کے وجود میں اپنے نوکیلے پنجے گاڑے اسے ازحد اذیت پہنچا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

"پلیز مریم' حوصلہ کریں۔ بہادری سے حقیقت کو فیس کریں۔"

عادل نے اسی نرم لہجے میں سمجھایا۔

لیکن یہ اتنا آسان نہ تھا۔ اس نے کتنی کوشش کی تھی کہ خود کو یہ باور کرا لے اور پھر زندگی کی اس انتہائی تلخ حقیقت کو قبول کر لے لیکن دل کسی طور سے اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا' حتیٰ کہ ماما نے بھی تصدیق کر دی تھی۔

"یہ FACT ہے جانو!"

لیکن وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی تھی جیسے اسے ماما پر اعتبار نہ ہو۔ جیسے ماما ابھی کہہ دیں گی "میں نے تو یوں ہی مذاق کیا تھا۔ جھوٹ بولا تھا۔" لیکن انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے خود ہی نگاہیں جھکا لی تھیں۔

"مجھے تم سے اتنی کم ہمتی کی توقع نہیں تھی مومو۔ اب بھلا اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے۔ تمہارے ڈیڈی ایک انتہائی CONSERVATIVE آدمی تھے اور جب تم پیدا ہوئیں تو ہمارے درمیان علیحدگی ہو چکی تھی......اور تمہاری پیدائش کے دو تین ماہ بعد میری اور عثمان کی شادی ہو[ئی] تھی اور عثمان نے ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی ہی سمجھا لیکن یہ حقیقت بہرحال اپنی جگہ ہے کہ تم اس کی بیٹی نہیں ہو۔"

زینب کا لہجہ اتنا اجنبی اور بے نیاز سا تھا کہ اس کے اندر جیسے برف اترنے لگی۔

"غضنفر بھی تمہارے لیے پریشان ہو رہا تھا اور تمہاری وجہ سے ہمیں اپنا اسلام آباد کا ٹور کینسل کرنا پڑا۔"

"آپ چلی جاتیں ماما عاشی تو تھی نا اور پھر عادل بھائی بھی تھے۔" اس کے لہجے میں کوئی تاثر نہ تھا۔ سپاٹ اور بالکل بے جان لیکن زینب عثمان نے اس کے لہجے پر غور نہ کیا۔

"دراصل غضنفر چاہتا تھا کہ یورپ جانے سے پہلے میں اس کے والدین سے مل لوں۔ وہ اسلا[م آباد] کے قریب کسی گاؤں میں رہتے ہیں لیکن خیر اب واپسی پر مل لیں گے۔"

"آپ کہیں باہر جا رہی ہیں؟"

اس نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' ہم لوگوں کا پروگرام تھا ورلڈ ٹور پر جانے کا۔ غضنفر کی خواہش ہے ورنہ میں نہ جاتی لیکن وہ سمجھے گا کہ مجھے اس کی پروا نہیں ہے یا میں اس کو اہمیت نہیں دیتی۔"

انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

اور اس طرح پاپا کی پروا تو انہوں نے کبھی نہیں کی تھی۔

اس نے سوچا۔

اور پھر ماما غضنفر ملک کے بلانے پر اٹھ گئی تھیں اور وہ یونہی ہاتھ گود میں دھرے ساکت بیٹھی رہی تھی......اور اس کے اندر جیسے برف سی گرتی رہی......ایک لمحے کے لیے بھی اس نے اس شخص کے متعلق نہیں سوچا تھا جو اس کا باپ تھا۔ وہ کون تھا۔ کہاں تھا' کیسا تھا......نہ ہی اس نے ماما سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی۔ بس اس کے ذہن میں یہی ایک دکھ منجمد ہو گیا تھا کہ وہ عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے۔

عثمان احمد اس کے پاپا نہیں ہیں۔

بڑی دیر بعد عاشی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

"بجو!"

اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے۔

"کیا سوچ رہی ہیں......زیادہ مت سوچا کریں۔"

اس نے تھکی تھکی بوجھل پلکیں اٹھائیں۔

"عاشی......تم تو اس روز عادل بھائی کے ساتھ جا رہی تھیں......پھر کیا ماما نے جانے نہیں دیا یا عادل بھائی ساتھ لے کر نہیں گئے؟"

"بس یونہی جذباتی ہو گئی تھی بجو ورنہ......"

اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔

"سب سے قریبی رشتہ تو ہمارا ماما کے ساتھ ہی ہے نا...... انہیں چھوڑ کر کہاں جانا ہے ہم نے......اور......"

اس نے موضوع بدلا۔

"ہائے زاوئے' یہ ماما اور غضنفر ملک گھر پر ہی ہیں کیا؟"

"ہاں۔"

مریم نے سر جھکا لیا۔

"اوکے' میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟"

بے اختیار مریم نے پوچھا۔
''یونہی ذرا انکل فجی کی طرف جاؤں گی۔''
''لیکن کیوں؟''
مریم مضطرب ہوگئی۔
''وہ اپنے ڈرامے کی وڈیو کیسٹ لینا تھی ان سے۔''
''تمہارا جانا ضروری ہے کیا۔ڈرائیور کو بھیج دو۔لے آئے گا۔''
عاشی نے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں دبا کر بغور اسے دیکھا۔
''اور گھر میں بیٹھ کر کیا کروں۔ماما اور غضنفر ملک کو دیکھوں......کم از کم ابھی میں ماما کے ساتھ غضنفر ملک
کا وجود برداشت نہیں کر پاتی ہوں۔شاید کچھ عرصے تک عادی ہو جاؤں لیکن ابھی نہیں۔''
وہ بات مکمل کر کے تیزی سے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی باہر چلی گئی تھی۔
اور پتا نہیں ماما اور اس کے درمیان کیا بات ہوئی تھی اور ماما نے کیسے اسے روکا تھا لیکن بظاہر وہ بہت
مطمئن لگتی تھی ہاں کبھی کبھی کوئی تلخ بات کہہ جاتی تھی جیسے ابھی اس نے کہا تھا لیکن یہ کتنا بڑا سچ تھا اور واقعی
یہ کتنا مشکل تھا۔ماما اور غضنفر ملک کو ایک ساتھ دیکھنا......اور ایسے میں جانے کہاں سے پاپا اس کے سامنے
آ کھڑے ہوتے تھے' ہولے ہولے ان کے ساتھ چلتے۔
نرم نرم لہجے میں ان سے بات کرتے۔
اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا اور عثمان احمد کے متعلق سوچنے لگی۔ماما تیار ہو کر غضنفر ملک کے ساتھ با
چلی گئیں لیکن وہ وہاں ہی بیٹھی خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہی کہ جو کچھ ماما نے بتایا ہے' وہ سچ ہے۔
درد میں ذرا بھی تو کمی نہیں آئی تھی۔وہی روز اول کی طرح دل کو کچل رہا تھا اور کھرچ رہا تھا۔یقین آ جاتا تو
شاید تکلیف کم ہو جاتی لیکن یقین ہی تو نہیں آ رہا تھا۔اس نے میڈم نرگس سے بھی پوچھا تھا اور انہوں نے
بھی تائید کر دی تھی۔
''ہاں زینی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ تم عثمان کی بیٹی نہیں ہو۔تمہارے والد کو میں نے تو دیکھا نہیں تھا
لیکن زینی نے بتایا تھا کہ بہت تنگ نظر تھا اور بیک گراؤنڈ بھی بہت پور تھا اس لیے علیحدگی ہو گئی۔''
مگر اسے اس بات سے تو فی الحال کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں کہ وہ کس کی بیٹی ہے......ورنہ وہ پوچھتی ت
ماما سے کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے......اور اب اسے کئی دن سے خیال آ رہا تھا کہ نہ جانے اس کا اپنا
باپ کیسا ہوگا۔کہاں ہوگا......شاید اس نے بھی ماما کی طرح شادی کر لی ہوگی اور اس کے اور بھی بچے ہ
گے اور شاید اس نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا میرے متعلق۔
اور پتا نہیں ماما نے اسے میری پیدائش کی اطلاع بھی دی تھی یا نہیں اور پتا نہیں' وہ میرے وجود
باخبر بھی ہوگا یا نہیں۔

اور اگر وہ میرے وجود سے باخبر ہوتا تو کبھی تو......کبھی تو رابطہ کرتا۔
اور پھر وہ خود ہی اس خیال کو جھٹک دیتی۔
''نہیں' وہ صرف اور صرف اپنے پاپا کی بیٹی ہے اور باقی سب جھوٹ ہے......اسے کسی کے متعلق کچھ
نہیں جاننا۔''
ماما نہیں ہوتی تو شاید وہ کسی لمحے ان سے پوچھ ہی لیتی۔
لیکن اب ماما نہیں تھیں......وہ غضنفر ملک کے ساتھ ورلڈ ٹور پر نکل گئی تھیں۔بقول میڈم نرگس کے ہنی
مون ٹرپ پر۔''
اور یہ خیال ذہن میں آ کر نکل جاتا اور پھر وہی احساس۔
وہی کچوکے دینے والا احساس کہ وہ پاپا کی بیٹی نہیں ہے۔اس کے دل پر ضربیں لگانے لگتا۔
اس نے سر اٹھا کر ایک بار پھر عثمان احمد کی تصویر کو دیکھا تو اسے لگا' جیسے وہ اسے دیکھ کر مسکرائے ہوں۔
''تم صرف اور صرف میری بیٹی ہو اور دیکھو میرے بعد سب کا خیال رکھنا......عاشی ناسمجھ ہے اور مور
بہت حساس اور لاڈلا۔''
کہیں قریب ہی سرگوشی گونجی تو اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا لیکن آس پاس کوئی بھی نہیں تھا......
پاپا کی تصویر اسی طرح شیلف پر پڑی تھی۔
''ہاں پاپا' مجھے سب کا خیال رکھنا ہے......اور میں......''
اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔
''میں اپنے ہی دکھ میں الجھی ہوئی ہوں......میں بس اتنا جانتی ہوں پاپا کہ آپ میرے پاپا ہیں۔''
اس نے جھکتے ہوئے تصویر کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھے' ''اور مجھے آپ کے بعد سب کا خیال رکھنا ہے۔''
''میں نے آپ سے Promise کیا تھا نا پاپا......اور آپ جانتے تھے کہ ماما بہت بے پروا ہیں اور
اب بھی وہ ورلڈ ٹور پر چلی گئی ہیں اور آج ان کو گئے تین ماہ ہو گئے ہیں اور ان تین ماہ میں صرف انہوں نے
دو بار بات کی اور آج مور اور نینا نے آنا ہے......اور مور کس قدر اداس ہوگا ماما کو یہاں نہ پا کر۔''
وہ ہمیشہ توقع رکھتا ہے کہ ماما اس کی منتظر ہوں۔
اور وہ......اسے خیال رکھنا ہے مور کا' نینا کا' ہاں۔
اس نے مسکرا کر پاپا کی تصویر کی طرف دیکھا۔
اور دونوں ہاتھوں سے بال سنوارتی باہر نکل آئی۔
ٹی وی لاؤنج میں آ کر اس نے صفیہ کو آواز دی۔

''صفو...... دیکھو' آج مور اور نینا کو آنا ہے۔ تمہیں پتا ہے نا' مور کھانے میں کیا پسند کرتا ہے۔''

''جی' وہ تو پتا ہے جی' آج سب کچھ مور کی پسند کا ہی بنے گا۔ شریف نے پڈنگ تو صبح بنا کر رکھ دی تھی۔''

''اچھا ٹھیک ہے' سنو...... دیکھو' عاشی بی بی کیا کر رہی ہیں؟''

''جی' وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ وہ تو چلی گئی تھیں صبح ہی۔''

''کہاں؟''

''پتا نہیں جی' اپنے فجی صاحب کے ساتھ گئی ہیں۔''

''انکل فجی کے ساتھ؟''

مریم نے آہستگی سے کہا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں ہاں' ٹھیک ہوں۔''

اس نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر صفو کی طرف دیکھا۔

''تم جاؤ' کام کرو۔''

''اور یہ شرجیل مرزا کس قدر دخیل ہو گیا ہے ان کے گھر میں۔ جب جس وقت جی چاہتا ہے' چلا آتا ہے...... اور عاشی...... عاشی پتا نہیں کیوں اسے اتنی اہمیت دیتی ہے۔ حالانکہ نہ تو وہ کسی ڈرامے میں کام کر رہی تھی اور نہ ہی کسی پروڈیکٹ کے لیے ماڈلنگ کر رہی تھی۔ پھر خدا جانے کیوں اکثر وہ شرجیل مرزا کی طرف چلی جاتی تھی۔''

''اور شرجیل مرزا' خدا جانے اس کے ذہن میں کیا تھا اور ماما کے سامنے بھی کتنی بار آیا تھا اور ماما نے ایک بار بھی تو عاشی کو اس سے باتیں کرنے سے منع نہیں کیا تھا اور عاشی کتنے مزے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی اس کے ساتھ گپ لگاتی اور وہ ماما سے اس کی تعریف کرتا۔''

''زینی' تمہاری یہ بیٹی تو بالکل تم پر گئی ہے اور مریم...... وہ خدا جانے کس پر چلی گئی ہے۔''

اور ماما ہنستی رہتیں' فخر سے گردن بلند کیے۔

اور اب تو ماما بھی جا چکی تھیں اور ماما کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی ہی بار آتا تھا اور وہ اسے منع نہیں کر سکی تھی۔ روک نہیں سکی تھی۔ ایک خوف سا اس کے دل سے چمٹ گیا تھا۔

''اگر عاشی نے روک دیا' منع کر دیا' کہہ دیا کہ تم کون ہوتی ہو' شرجیل مرزا کو اس گھر میں آنے سے منع کرنے والی...... یہ میرا گھر ہے' میرے پاپا کا۔ تمہارا کیا حق ہے اس گھر پر؟''

اور اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔

''کیا بات ہے بھئی' آج کل تمہاری بجو بڑی خاموش ہیں؟''

وہ جان بوجھ کر اسے سنانے کے لیے اونچی آواز میں بات کرتا۔

اور اس روز عاشی باتھ لے رہی تھی اور وہ لونگ روم میں اکیلی بیٹھی تھی کہ وہ سیدھا اس کے پاس چلا آیا تھا۔

''خدانخواستہ طبیعت کچھ ناساز لگتی ہے' ان دنوں۔''

''کیا ماما سے لڑائی ہو گئی ہے یا پھر ان کی دوسری شادی کا غصہ ہے...... ویسے زینی نے بھی کمال کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ تمہاری شادی کرتیں' خود شادی رچا کے بیٹھ گئیں۔''

اور وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ لیکن اب وہ ایسا نہیں کرے گی۔ اسے بہادر بننا ہے اور مضبوط اور اسے ہی سب خیال رکھنا ہے۔

''عاشی' نینا اور مور کا۔''

اس نے پاپا سے وعدہ کیا تھا...... اور پھر وہ تینوں اسے کتنے پیارے ہیں اور کتنے عزیز ہیں۔ ماما کو پروا نہیں ہے کہ عاشی کیا کرتی پھر رہی ہے لیکن وہ تو ہے نا' اس کی پروا کرنے والی اور اسے خود کو مضبوط بنانا ہے...... اور بابا بھی تو اسے سمجھایا کرتے تھے کہ زندگی بسر کرنے کے لیے آدمی کو خود مضبوط بننا پڑتا ہے...... کمزور لوگوں کو تو دنیا کچل کر رکھ دیتی ہے...... اور بابا کے ساتھ ہی اسے شہریار کا خیال آ گیا اور دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ ان دنوں اسے شہریار کتنا یاد آتا تھا۔

کئی بار اس کا جی چاہا کہ شہریار ہوتا تو وہ اس سے اپنا دکھ share کرتی جس طرح شہریار سے اپنے دل کی ہر بات کہہ دیتی تھی' ایسے تو وہ کسی سے کوئی بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ نہ عاشی سے' نہ معید بھائی سے اور نہ عادل سے۔

عادل' جس نے ان دنوں اس کا بے حد خیال رکھا تھا اور اسے اس کے وجود سے پاپا کی خوشبو آتی تھی...... اور کئی بار اس کا جی چاہا تھا' وہ اس کے ہاتھوں میں منہ چھپا کر بہت سا رو لے۔ وہ اسے اپنے اس دکھ میں شریک کر لے جس سے وہ گزر رہی تھی۔ لیکن بھلا کیا رشتہ تھا اس کا اس سے۔

اور شہریار...... وہ صرف اس سے ہی اپنا دکھ شیئر کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بہت دور تھا مگر اتنا دور ہونے کے باوجود بھی جیسے دل کے تار کہیں ملے ہوئے تھے۔ جیسے رابطے اسی طرح تھے کہ اس کا خط آ گیا تھا...... جس [illegible] تھی' اسی روز عینی آئی تھی۔

ناراض اور خفا خفا سی۔

''تم نے بالکل ہی آنا چھوڑ دیا ہے مریم۔ کیا بہت خفا ہو ہم سے؟ بابا اور اماں بھی تمہیں یاد کرتے ہیں۔''

''نہیں تو' میں کسی سے خفا نہیں ہوں اور پھر بھلا کیوں خفا ہوں گی؟ یوں ہی طبیعت اچھی نہ تھی۔''

''ہاں' تم بہت weak لگ رہی ہو۔ کیا ہوا تھا تمہیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

وہ افسردگی سے مسکرادی تھی۔

اوراس روز پہلی بار عینی سے کھل کر بات کی۔

''پتا ہے مریم' میری شدید خواہش تھی کہ تم اور شیری بھائی بابا اوراماں بھی تم سے بہت محبت کرتے تھے ا
اب بھی کرتے ہیں لیکن پتا نہیں کیوں......''

''پلیز عینی!''

اس نے ٹوک دیا۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ میری طبیعت خراب تھی' میرے نہ آنے کی یہ وجہ تو نہ تھی۔''

لیکن پھر بھی وہ اپنے دکھ کا اظہار کرتی رہی۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اچانک بابا اور ماں کو کیا ہوگیا ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ سکندر چاچو کی وائف
ایک ماڈل گرل تھیں۔''

''پلیز عینی' لیو دی ٹاپک۔''

وہ عینی سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔وجہ جو بھی رہی ہو' ایک خواب آنکھوں میں ہی
مر گیا تھا۔

''پتا ہے مریم' مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ شیری بھائی اتنا آگے نکل چکے ہوں گے۔وہ جب بھی فون
کرتے ہیں' تمہارا ضرور پوچھتے ہیں۔وہ بہت بے چین اور مضطرب رہتے ہیں مریم اور انہوں نے میرے
نام خط بھیجا تھا جس میں تمہارے لیے ایک خط تھا۔تم شیری بھائی سے بدگمان مت ہونا' وہ انتہائی مجبور
ہوگئے ہیں۔وہ بابا اوراماں کا دل نہیں دکھانا چاہتے تھے لیکن میں نے سوچا ہے' میں سکندر چاچو سے خود
بات کروں گی پھر اگر سکندر چاچو مان گئے تو بابا اوراماں تو سکندر چاچو کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔''

اور عینی کے جانے کے بعد بھی کتنی ہی دیر تک اس نے خط نہیں کھولا تھا۔خدا جانے شہر یار نے
کیا لکھا تھا۔شاید اس نے لکھا ہو کہ وہ اسے اس کے عہد سے آزاد کررہا ہے......شاید اس نے لکھا ہو کہ وہ
ہار گیا ہے......لیکن ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا' خط میں۔

''مومی' میری زندگی......تم ٹھیک تو ہونا۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔ چند دن سے بہت مضطرب
ہوں۔عجیب سی بے چینی ہے۔دن میں کئی بار جی چاہتا ہے اڑ کر تم تک پہنچوں۔جیسے تم اداس ہو' پریشان
ہو اور تمہیں میری ضرورت ہے۔مریم' مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ ایک بار آواز دو گی تو ساری زنجیریں توڑ
آجاؤں گا۔اپنی خیریت کی خبر دو اور میرا انتظار ضرور کرنا اور یہ یاد رکھنا کہ تم ہو تو میں ہوں۔تم نہیں ہو گی
میں بھی نہیں ہوں گا......'' اوراس نے کتنی ہی بار اس کا خط پڑھا اوراسے بڑی تقویت محسوس ہوئی تھی' ا

اس نے سوچا تھا' جب تھک جائے گی' ہارنے لگے گی تو اسے آواز دے گی۔

''مریم بی بی' مور بابا اور نینا گڑیا کب تک آجائیں گے؟''

صفو نے قریب آکر پوچھا تو اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہی کوئی تین چار بجے تک۔''

''تو پھر آپ کے لیے کھانا لگادوں؟''

''نہیں' مجھے بھوک نہیں ہے۔عاشی آجائے تو......''

''پتا نہیں جی وہ کب آئیں' کل بھی دیر سے آئی تھیں۔''

صفو نے مڑتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ کھانا کھالو......اور سب کو دے دو۔''

وہ اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھی' تب ہی سیڑھیوں سے ڈاکٹر عبدالمعید اترتے دکھائی دیے
تو وہ وہیں رک کر ان کا انتظار کرنے لگی۔

''کیسی ہیں مریم!''

''فائن!''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''لیکن مجھے تو آپ بہت دنوں سے فائن نہیں لگ رہی ہیں۔''

''نہیں تو' اچھی ہوں۔''

اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''آپ اسپتال جارہے ہیں؟''

''نہیں' ذرا گھر جارہا ہوں کچھ کام کروانا ہے وہاں۔آپ چلیں گی ساتھ۔کچھ مشورہ دیجیے گا سیٹ
وغیرہ کرنے میں۔''

''آج تو نہیں' وہ مور اور نینا نے آنا ہے پھر کسی دن چلی جاؤں گی۔کیا ماما سے بات ہوئی تھی انکل کی؟''

''ہاں ہوئی تو تھی لیکن انہوں نے کوئی ٹھوس بات نہیں کی تھی' یہی کہا تھا کہ واپس آکر بات کریں گی
البتہ ان کا فون آیا تھا۔''

''اچھا' کیا کہہ رہی تھیں؟ آنے کا بتایا تھا کچھ؟''

ہمیشہ کی طرح وہ ماما کے فون کا سن کر خوش ہوگئی تھی۔

''نہیں' آنے کے متعلق تو کچھ نہیں بتایا البتہ یہی کہا تھا کہ ان کے آنے سے پہلے ہم اوپر والا حصہ خالی
کردیں......اور یہ کہ وہ آنے سے دس پندرہ دن پہلے پھر فون کریں گی۔''

"لیکن کیوں؟"

اس نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔

"بھئی ان کا گھر ہے جب چاہیں خالی کروالیں اور یوں بھی ہمیں ایک دن تو اپنے گھر جانا ہی تھا۔ وہ تو آپ لوگوں کی تنہائی کے خیال سے رک گئے تھے۔" وہ مسکرائے۔

"مگر معید بھائی' آپ کے اور انکل کے یہاں ہونے سے کتنا اطمینان تھا' کتنے تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔"

اندر ہی اندر اس نے بے حد بے چینی محسوس کی۔

"شاید مسز زینب کا اب مستقل یہاں رہنے کا خیال ہو؟"

"ہاں' ممکن ہے۔"

اس نے اپنے دل میں ایک خوش گوار سی لہر اٹھتے محسوس کی۔

"او کے' پھر میں چلتا ہوں۔ آج اسی لیے چھٹی کی ہے کہ دیکھ لوں کہ کیا کیا کمی ہے گھر میں۔"

"اور......"

وہ جاتے جاتے رکے۔

"یہ عاشی کدھر ہیں' اپنے کمرے میں؟"

"نہیں' وہ گھر پر نہیں ہے۔"

"کیا پھر کوئی ڈراما وغیرہ......"

"نہیں' نہیں۔"

اس نے فوراً کہا۔

"اس نے عادل بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ مزید کسی ایڈ یا ڈرامے میں کام نہیں کرے گی۔"

"رائٹ!"

پتا نہیں کیوں' وہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔ مریم نے بے حد غور سے انہیں دیکھا۔ اپنے ہی دکھ میں ڈوب کر وہ اپنے اردگرد سے بے خبر ہوگئی تھی۔

"انکل کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"کچھ زیادہ ٹھیک نہیں......"

ان کی آواز اسے بھیگی بھیگی لگی۔

"اور آپ نے بتایا ہی نہیں۔"

"آپ خود اتنی پریشان اور الجھی الجھی رہتی تھیں کہ کیا کہتا۔ اور مجھے عاشی بھی بہت ڈسٹرب لگتی تھی۔ خدا جانے کیا ہوگیا ہے آپ لوگوں کو۔ اب تک آپ کو حقائق کو ACCEPT کر لینا چاہیے۔ بہر حال یہ

مسز زینب کا رائٹ تھا۔ اگرچہ مناسب نہیں تھا لیکن......"

اور ڈاکٹر عبدالمعید کو کیا پتا کہ صرف یہ بات ہی نہیں ہے' اس پر تو دہرا غم ٹوٹ پڑا ہے۔ وہ تو جس عذاب میں ہے ڈاکٹر عبدالمعید تصور بھی نہیں کرسکتے۔

"اپنا خیال رکھا کریں مریم! زندگی اس طرح بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس طرح حوصلے ہار دینا تو صحیح نہیں ہے نا مریم!"

"اور یہ چھوٹی سی بات تو نہیں ہے نا ڈاکٹر عبدالمعید۔" اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور اس کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی۔

"بی بریو (BE BRAVE)۔"

وہ اس کا سر تھپتھپا کر چلے گئے تو وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی اور پھر اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے سوچا' وہ شہریار کے خط کا جواب دے دے۔ اس نے اپنا پتا لکھا تھا اور اسے تاکید کی تھی کہ وہ اس کے خط کا جواب ضرور دے لیکن ان تین ماہ میں کتنی بار اس نے قلم اٹھایا تھا اور پھر رکھ دیا تھا۔ کیا کہے' کیا لکھے' کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ ہو ہی نہیں۔

جیسے سارے لفظ اس کے اندر مر گئے ہوں حالانکہ وہ شہریار سے کتنی باتیں کیا کرتی تھی۔

اور وہ کس قدر بے چین اور مضطرب تھا۔ اگرچہ عینی نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ ٹھیک ہے اور یہ کہ وہ بہت جلد اسے خط لکھے گی پھر جب بھی اس کا فون آتا' عینی اسے بتاتی کہ وہ بہت اپ سیٹ ہے۔

"مومو! ایک بار تم اپنے ہاتھ سے اسے چند جملے لکھ دو۔ نہیں تو مجھے ڈر ہے کہ کسی دن وہ اپنی تعلیم نامکمل چھوڑ کر آجائے گا۔"

لیکن وہ کیا کرتی' اس کا ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ نہ تو لفظ اس کی گرفت میں آتے' نہ خیالات۔

اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا لیٹر پیڈ اٹھایا اور دراز سے قلم نکالا اور پھر یونہی قلم ہاتھ میں لیے لیٹر پیڈ گود میں رکھے بیٹھی رہی۔

"کیا لکھوں؟"

"کیا لکھوں شہریار' مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

تھک کر اس نے لیٹر پیڈ اور قلم سائڈ ٹیبل پر رکھ کر آنکھیں موند لیں اور سر تکیے پر رکھ دیا۔ تب ہی بیل ہوئی۔ شاید عاشی آئی تھی۔

اس نے آنکھیں موندے موندے سوچا لیکن اٹھی نہیں' یونہی لیٹی رہی۔

"بجو' سو رہی ہیں؟"

کچھ دیر بعد عاشی نے اندر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تو وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی اور شولڈر بیگ ایک طرف بیڈ پر اچھالتے ہوئے وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"تم بغیر بتائے چلی گئی تھیں، بتا کر تو جایا کرو فکر رہتی ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ گلہ کر بیٹھی۔

"صفو کو بتایا تو تھا؟"

جوتوں کے اسٹریپ کھولتے ہوئے حسب معمول اس نے دونوں پاؤں کرسی پر رکھتے ہوئے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے اپنی ٹھوڑی ان پر ٹکاتے ہوئے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

وہ بہت خوش اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ کاجل اور مسکارے سے سجی آنکھیں قیامت ڈھا رہی تھیں۔

"پتا ہے بجو، آج...... آج ایک بہت حیران کن بات ہوئی، میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انکل مجتبیٰ"

"کیا!"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیا کہا ہے انکل مجتبیٰ نے؟"

"کچھ نہیں بجو!"

وہ ہنس پڑی۔

"آپ تو یونہی گھبرا جاتی ہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ بس مجھے پروپوز کیا ہے۔ ہے نا حیرت کی بات؟"

"کیا!" وہ چیخی۔

"وہ...... وہ...... انہوں نے جرات کیسے کی تم سے یہ کہنے کی۔ شرم آنی چاہیے تھی انہیں، تم سے یہ کہتے ہوئے"

"کیوں؟"

اب کے عاشی کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"اس میں بھلا شرم کی کیا بات ہے، کسی کو پروپوز کرنا باعث شرم بات تو نہیں ہوتی۔"

"لیکن عاشی۔" اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"وہ پاپا کے ہم عمر ہوں گے۔"

"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ کوئی انہونی بات تو نہیں ہے۔ اگر ماما اپنے سے بیس سال چھوٹے غضنفر ملک سے شادی کر سکتی ہیں تو میں اپنے سے پچیس سال بڑے انکل مجتبیٰ سے شادی کیوں نہیں؟ جبکہ میرا ان سے شادی کرنا اتنا مضحکہ خیز نہیں ہوگا، جتنا ماما کا غضنفر ملک سے شادی کرنا۔"

"عاشی......" مریم کی آواز ٹوٹ رہی تھی "کیا تم محض ماما کی ضد میں انکل مجتبیٰ سے شادی کر لوگی؟"

"ابھی تو انہوں نے مجھے پروپوز کیا ہے۔ میں کیا کروں گی یہ تو میں نے ابھی سوچا ہی نہیں۔"

"عاشی۔" مریم اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "عاشی، یہ انکل مجتبیٰ کوئی بہت اچھے آدمی نہیں ہیں۔ تم نہیں جانتیں کہ انہوں نے تمہیں کیوں پروپوز کیا ہے۔"

"آپ جانتی ہیں؟" اس نے پلکیں اٹھائیں۔

مریم نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔

"عاشی...... عاشی پلیز، تم کہہ دو انکل مجتبیٰ سے کہ انہیں تم سے ایسی فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم...... تم تو جانتی ہو عاشی کہ...... ماما نے معید بھائی کے ساتھ تمہاری منگنی......"

"اوہ بجو......" عاشی کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا۔ اس نے پاؤں نیچے رکھے اور کھڑی ہو گئی۔

"میں ماما کے کیے گئے کسی فیصلے کی پابند نہیں ہوں بجو، جب انہوں نے ہماری پروا نہیں کی تو میں ان کی پروا کیوں کروں، میں اپنے متعلق ہر فیصلہ خود کروں گی۔"

اس نے جھک کر جوتے پہنے، بیڈ سے اپنا بیگ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ مریم یوں ہی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے اسے جاتے دیکھتی رہی اور آنسو اس کی آنکھوں میں اکٹھے ہونے لگے۔

❀ ❀ ❀

"عادل خان، آپ تو عید کا چاند ہو گئے۔ کہاں رہتے ہیں کہیں نظر ہی نہیں آتے۔" مجتبیٰ حیدر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

"ارے مجتبیٰ آپ، آیئے۔"

"آپ شاید کہیں جا رہے تھے۔"

"کوئی اتنا ضروری بھی نہیں تھا جانا۔ آیئے۔" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پھر خدا بخش کی طرف دیکھا جس سے وہ بات کر رہے تھے۔

"ٹھیک ہے خدا بخش، آپ جایئے اور چائے بھجوا دیجئے گا۔"

"جی......"

ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ مسکرائے۔

"مجتبیٰ صاحب، کہیے کیسے ہیں آپ؟"

"اللہ کا شکر ہے کہ ہم تو اچھے ہی رہتے ہیں۔ وہ بڑا مہربان ہے ہم پر۔ آپ سنایئے کیسی گزر رہی ہے بہت دنوں سے نہ آپ کبھی آئے نہ ملاقات ہوئی۔ نہ فون پر ہی بات ہو سکی۔"

"بس یوں ہی مصروفیت رہی۔"

''کیسی مصروفیت حضرت۔'' مجتبیٰ کے لہجے میں شوخی تھی اور آنکھوں میں چمک جسے وہ نظر انداز کر گئے۔

''دراصل ان دنوں زیادہ حویلی میں رہا۔ ماں جی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی اور بی آپا بھی کراچی گئی ہوئی تھیں' مراد بھائی کے پاس۔''

''ماں جی کیسی ہیں اب؟''

''قدرے بہتر ہیں لیکن مجتبیٰ' کامل کا غم انہوں نے دل سے لگا لیا ہے۔ کتنا سمجھایا ہے کہ شاید خدا کو یہی منظور تھا لیکن ان کو قرار نہیں آتا۔''

''ماں کا دل ہے نا عادل۔ کیسے قرار آئے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں عادل خاناں' یہ ماں بھی خدا نے کیا شے بنائی ہے...... اس کائنات میں خدا کا عظیم تحفہ۔''

''ہاں مجتبیٰ' آپ صحیح کہتے ہیں۔'' پروفیسر عادل نے سگریٹ سلگایا۔

''عادل خان' اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ کی ماں جی کا دل بہل جائے اور آپ......'' بات ادھوری چھوڑ کر مجتبیٰ حیدر نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا ''آپ کو تنہائی محسوس نہیں ہوتی یا تنہائی کو بھی خوابوں سے بہلا لیتے ہیں۔''

''جو کچھ بھی سمجھ لیں۔'' پروفیسر عادل نے جھک کر راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی۔

''کبھی کبھی آپ بہت پراسرار لگتے ہیں عادل خان۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسے ''مثلاً کس طرح کی پراسرایت محسوس ہوتی ہے آپ کو مجھ میں۔ کوئی جاسوس یا ایجنٹ لگتا ہوں آپ کو۔''

''ارے نہیں۔'' مجتبیٰ حیدر بے اختیار ہنس دیے ''میرا مطلب یہ نہیں تھا...... بھئی میں تو آپ کی خوابوں کی شہزادی کے حوالے سے بات کر رہا تھا' جس کا ایک بار ذکر کر کے آپ نے اس کی ہوا بھی نہیں دی۔ سوچتا ہوں کہیں واہمہ تو نہیں تھا آپ کا...... بھلا خواب بھی کبھی حقیقت کا روپ دھارتے ہیں۔''

''شاید آپ صحیح کہہ رہے ہوں۔ ممکن ہے وہ واہمہ ہی ہو۔'' پروفیسر عادل نے بہت محتاط لہجے میں وہ جانتے تھے کہ مجتبیٰ سے اگر کچھ کہا۔ کوئی اتا پتا بتایا تو پھر وہ یوں ہی موقع بے موقع ذکر چھیڑ دیں گے پہلے ہی ان سے ذکر کر کے خاصے بے زار ہوئے تھے اور اب ایک واضح منزل سامنے ... وہ اس کے ذکر سے اجتناب کر رہے تھے۔ حالانکہ......

''میاں' ہم اب اتنے بھی بچے نہیں ہیں' ساری عمر حسینوں کے ناز اٹھاتے گزری ہے۔ کہیں تو دال میں کالا تو ہے۔ بھئی ہم تو اپنی خدمات کتنی بار پیش کر چکے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو حاضر ہیں۔''

''اور سنائیں' تصدق احمد اور آمنہ صفی کیسی ہیں؟'' انہوں نے دانستہ موضوع بدلنے کی کوشش کی اور مجتبیٰ حیدر بھی یہ سمجھ کر کہ وہ ان سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے انہیں آمنہ صفی اور تصدق احمد کے متعلق بتانے لگے۔

''آمنہ نے فون کیا تھا اور تصدیق نے بھی کہ وہ آج آپ کی طرف آئیں گے اس لیے میں بھی چلا آیا تھا کہ گپ شپ رہے گی۔''

''اچھا لیکن ابھی تک وہ لوگ آئے نہیں۔''

''ہاں' شاید پروگرام رہ گیا ہوگا لیکن صبح تو ان کا پروگرام یہی تھا کہ آئیں گے۔ شاید تصدق کو کوئی کام بھی تھا۔''

''اچھا' اور تصدق کی جاب کیسی جا رہی ہے؟''

''اے ون۔''

''خوب ایڈجسٹ ہو گیا ہے۔''

''ہونا پڑتا ہے عادل خاناں۔ یہ زندگی ایسی ہی بے رحم ہے۔ سنا ہے' وہ اپنی فیملی کو بھی لا رہا ہے یہاں۔ آمنہ صفی اس کے لیے کوئی کم کرایے کا مکان تلاش کر رہی ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے' اس طرح اس کے بچوں کو تعلیم کی بہتر سہولتیں مل جائیں گی۔ وہاں اس اتنے دور افتادہ گاؤں میں تعلیم کا مسئلہ شاید سب سے بڑا ہے۔''

''ہاں' شاید اسی لیے آمنہ نے اسے مجبور کیا ہے حالانکہ اس کا ارادہ نہیں تھا۔ اپنی وائف اور بچوں کو لاہور میں سیٹل کرنے کا بلکہ مجھے تو وہ آمنہ میں انٹرسٹڈ لگتا ہے اور اپنے حافظ نے تو پیش گوئی بھی کر دی تھی کہ دونوں عنقریب شادی کرنے والے ہیں۔''

''نہیں مجتبیٰ ضروری نہیں کہ آنکھ جو دیکھ رہی ہو' وہی سچ ہو۔ بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک پرخلوص دوستی کا رشتہ بھی ہو سکتا ہے۔'' انہوں نے نیا سگریٹ جلایا۔ ان دنوں وہ بے تحاشا سگریٹ پینے لگے تھے حالانکہ خدا بخش انہیں مسلسل ٹوکتا رہتا تھا۔ پھر بھی بعض اوقات تو رد تھمین کے دو پیکٹ پی جاتے تھے۔

''ارے میاں' ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گنتے ہیں۔ اب تک کم از کم ڈیڑھ سو محبتیں تو بھگتا چکے ہیں۔''

''کمال کرتے ہیں آپ بھی مجتبیٰ۔'' پروفیسر عادل بے اختیار ہنس دیے ''آپ کے خیال میں کیا اس گھر کی چھتیں بہت مضبوط ہیں۔''

''تو آپ کیا سمجھ رہے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ ارے' یہ تو میں نے احتیاطاً ڈیڑھ سو بتائی ہیں ورنہ خیر...... چھوڑو تم یقین نہیں کرو گے۔ ورنہ ابھی بھی......''

''یہ محبت تو نہ ہوئی نا مجتبیٰ' یہ تو کھیل ہوا دل لگی ہوئی۔'' پروفیسر عادل سنجیدہ ہو گئے ''محبت اس طرح ہر دوسرے تیسرے بندے سے تو نہیں ہو جاتی نا۔''

''ہمیں تو ہو جاتی ہے میاں' کیا کریں۔ جمال جہاں بھی جس رنگ میں بھی ہو' ہمیں جکڑ لیتا ہے' ہم طاری ہو جاتا ہے پھر اس سحر سے نکل نہیں پاتے ہم۔ کیا بتائیں۔ ایک وقت میں ہم زینب عثمان کے بھی اسیر رہے۔ یہ امریکا کے قیام کی بات ہے۔''

پروفیسر عادل نے ازحد ناگواری محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن مجتبیٰ نے حسب معمول ان کے ہاتھ سے ادھ جلا سگریٹ لے کر کش لگایا اور اپنی بات جاری رکھی۔

''ان دنوں زینی اور اس کے ہسبینڈ ڈاکٹر سکندر کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے تھے اور زینی خاصی ڈسٹرب رہتی تھی' جب میری اس سے دوستی بڑھی۔''

''یہ آمنہ صفی نے کب تک آنے کو کہا تھا؟''

''ٹائم تو نہیں بتایا تھا' بس یہی کہا تھا کہ شام کو جائیں گے۔''

پروفیسر عادل کی بات کا جواب دے کر وہ خدا بخش کی طرف متوجہ ہو گئے' جو ٹرالی گھسیٹتے ہوئے آ رہے تھے۔

لیاقت خدا بخش صاحب' کیا چائے لینے سیلون چلے گئے تھے؟''

''نہیں صاحب جی۔ خدا بخش بھی ادھار رکھنے کے قائل نہیں تھے'' چائے تو یہیں سے مل گئی تھی لیکن میں نے سوچا' خدا جانے کب سے کچھ آپ نے نہیں کھایا ہو گا تو میں کباب اور سموسے تلنے لگ گیا تھا۔''

مجتبیٰ حیدر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ پروفیسر عادل کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ کی عقل مندی کے قائل ہو گئے ہم۔ بس اب جلدی سے چائے بنا دیجیے' بہت طلب ہو رہی ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا' عادل میاں۔''

''آپ غالباً آمنہ اور تصدق احمد کی بات کر رہے تھے۔'' انہوں نے دانستہ کہا۔

''ہاں بھئی وہ آمنہ......''

''لیجیے' ہم حاضر ہو گئے۔'' آمنہ نے اندر آتے ہوئے ان کی بات کاٹی۔

پروفیسر عادل احتراماً کھڑے ہو گئے تھے'' آئیے آمنہ۔''

ان کے پیچھے تصدق احمد بھی تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا۔

''بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔'' مجتبیٰ حیدر چہکے۔

''ہاں کچھ دیر ہی ہو گئی۔'' آمنہ صفی نے بیٹھتے ہوئے بتایا'' عین وقت پر کچھ مہمان آ گئے اور اماں نے روک لیا۔''

''کوئی خاص مہمان تھے کیا؟'' مجتبیٰ کے لہجے میں شرارت تھی۔

''خاص ہی سمجھ لیں۔'' آمنہ صفی سنجیدہ تھی۔

''جی تصدق احمد آپ سنائیں کیسے ہیں' جاب نے آپ کو اور آپ نے جاب کو قبول کر لیا کیا؟'' تصدق احمد کے برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے پروفیسر عادل نے پوچھا۔

''جاب نے تو خدا جانے مجھے قبول کیا ہے یا نہیں لیکن میں نے جاب کو قبول کر لیا ہے۔''

''اوکے۔ اوکے۔'' پروفیسر عادل نے شفقت سے ان کے کندھے تھپتھپائے'' زندگی میں بہت سے مقامات پر انسان کو سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ آمنہ سے سبق سیکھیں۔''

''ان سے ہی تو سیکھا ہے سمجھوتا کرنا۔ ورنہ زندگی نے تو بہت مایوس کر دیا تھا مجھے۔''

''اس عمر میں ہی اگر مایوس ہو گئے تو باقی عمر کیسے گزارو گے میاں۔'' مجتبیٰ حیدر نے پلیٹ سے کباب اٹھایا۔

''خدا بخش سب کے لیے چائے بناؤ۔'' پروفیسر عادل نے خدا بخش جو قریب ہی کھڑا تھا' کہا اور پھر آمنہ صفی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''آپ کی کیا مصروفیات ہیں آج کل؟''

''فارغ ہوں۔ دن بھر گھر میں رہتی ہوں' اماں کے ساتھ کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیا اور بس دو بندوں کا کام ہی کیا ہوتا ہے اور کبھی کبھار یوں ہی شام کو تصدق کی طرف چلی آتی ہوں' جب کبھی یہ بہت ڈسٹرب ہوتا ہے تو اور اماں کو تو یہ بھی اچھا نہیں لگتا لیکن ہفتے بعد ذرا سی دیر کو باہر نہ نکلوں تو میرا دم گھٹ جائے' تصدق سے بات کر کے ذرا دل کی گھٹن کم ہو جاتی ہے۔''

''مس آمنہ صفی' ایک بات تو بتائیں۔'' مجتبیٰ حیدر نے خالی پلیٹ ٹرالی میں رکھ کر چائے کا کپ اٹھایا۔

''پوچھیے۔'' آمنہ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ایک تخلیق کار کو چاہے وہ لفظ تخلیق کرتا ہو' مجسمے تراشتا ہو یا رنگوں سے کھیلتا ہو اگر لفظ تخلیق کرنے سے مجسمے تراشنے سے یا رنگوں کے کھیلنے سے روک دیا جائے تو کیا وہ رک سکتا ہے اور کیا اس کے اندر تخلیق کے سوتے مر جاتے ہیں۔ آپ دونوں نے جو خود کو تخلیق کے عمل سے دور کر دیا ہے تو آپ کے اندر موجود تخلیق کے بہتے دھارے باہر نکلنے کو بے چین نہیں ہوتے؟''

''تخلیق کا عمل روکا تو جا سکتا ہے۔'' آمنہ صفی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا'' لیکن تخلیق کار کے اندر موجود تخلیق کے سوتے مر نہیں سکتے۔ یہ دھارے اندر ہی اندر بہتے رہتے ہیں اور باہر نکلنے کو بے چین رہتے ہیں۔ مجتبیٰ صاحب! آپ اس کرب کا اندازہ نہیں لگا سکتے جس سے اس تخلیق کار کو گزرنا پڑتا ہے۔ جسے جبراً اپنے آپ کو تخلیق کے عمل سے روکنا پڑتا ہے یہ بہت نازک صورت حال ہوتی ہے۔ میں نے اماں سے وعدہ کیا تھا کہ قلم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی سو نہیں لگاتی۔ لفظوں سے ناتا توڑ لیا ہے لیکن لفظ میرے اندر بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ بلکہ آج کل تو زیادہ ہی لفظوں کی آنکھ مچولی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی جب میں گھر سے نکل رہی تھی' میرے اندر لفظوں کا ایک ہجوم تھا۔ جو ایک ہائیکو کی صورت میں ڈھل رہا تھا۔

بند کمرے میں حبس کتنا ہے۔

کھول دیں میں نے کھڑکیاں ساری۔
پھر بھی دل کی گھٹن نہیں جاتی۔

"لیکن میں ان لفظوں کو کاغذ پر نہیں اتاروں گی کہ میں نے اماں سے وعدہ کیا ہے۔"

"آمنہ صحیح کہتی ہیں' تخلیق کا عمل کبھی رک نہیں سکتا۔ وہ جاری رہتا ہے چاہے ہم اسے لفظ و رنگ دیں یا نہ دیں۔" تصدق احمد نے آمنہ کی تائید کی۔

"میں نے رنگ اور برش ایک طرف رکھ دیے ہیں لیکن میرے اندر تخلیق کا یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور شاید کسی دن میں پھر رنگ اور برش اٹھا لوں۔ اسی طرح آمنہ نے بے شک اماں سے وعدہ کیا ہے لیکن کوئی لمحہ ایسا اس کی زندگی میں بھی آ سکتا ہے جب تخلیق کے دھارے اتنے پرجوش ہوتے ہیں کہ سارے بند توڑتے چلے جاتے ہیں۔"

"اور کیا یہ زیادتی نہیں ہے اپنے ساتھ؟" پروفیسر عادل نے آمنہ اور تصدق احمد دونوں کی طرف دیکھا۔

"شاید۔" آمنہ نے آہستگی سے کہا "جب ساری دنیا ہمارے ساتھ زیادتی کر رہی ہے تو اگر ہم بھی ان میں شامل ہو جائیں تو کیا حرج ہے...... وہ لطیفہ سنا ہے آپ نے۔" وہ ہنسی۔

"جب ایک ٹھیلے والے کا ٹھیلہ کالج کے لڑکے لوٹنے لگے تو پہلے تو وہ دیکھتا رہا اور پھر خود بھی دونوں ہاتھوں سے کھانے لگا کہ سب کچھ تو لٹ جانا ہی ہے کیوں نہ خود بھی کھا لیا جائے۔"

پروفیسر عادل نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"آمنہ صفی آپ نے کالم نویسی چھوڑ دی بلکہ لکھنا سرے سے ہی چھوڑ دیا تو پھر اب گھر بسا لیں...... زندگی میں کچھ تو ہونا چاہیے۔ وہ کیا نام ہے' سید عتیق الرحمٰن شاہ جن دنوں آپ نے کالم نویسی چھوڑی' ان دنوں آپ کی اور ان کی شادی کی خبریں سنی جا رہی تھیں کہ عنقریب...... لیکن پھر وہ شادی کیا ہوئی؟"

مجتبیٰ حیدر کو تنکے چبھونے کی عادت تھی اور کچھ ان کی جنرل نالج بھی غضب کی تھی۔ لوگوں کی نجی زندگیوں تک کا جغرافیہ انہیں معلوم ہوتا تھا۔

"وہ شادی اغوا کی نذر ہو گئی۔" آمنہ صفی نے آہستگی سے کہا۔

اور پروفیسر عادل نے بے حد ناگواری سے مجتبیٰ حیدر کی طرف دیکھا...... ان کا از حد احترام کرنے کے باوجود انہیں مجتبیٰ کی یہ کرید کرید کر پوچھنے پاچھنے والی عادت قطعی پسند نہ تھی۔

"عتیق اچھا آدمی تھا۔"

"ہاں لیکن اس شادی کے لیے جس حوصلے اور ظرف کی ضرورت تھی' وہ اس میں نہ تھا۔"

آمنہ نے مجتبیٰ کی بات کا جواب دے کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔ عین اسی وقت پروفیسر عادل کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھیں اور انہوں نے ایک دم نظریں جھکا لیں اور اپنے اندر پانی پانی ہو گئے

انہیں لگا' جیسے آمنہ نے یہ بات ان کے لیے کہی ہو...... لیکن انہوں نے آمنہ سے کہا تو تھا کہ اگر وہ اس اغوا ہونے میں کہیں بھی ذرا سے بھی ملوث ہوتے ہیں یا ان کی ذات زد میں آتی ہے وہ ہر طرح کی کمٹ منٹ ختم کر کے اس سے شادی کرنے کو تیار ہیں۔

اور اگر ایسا ہوا ہے...... اور کسی دن آمنہ صفی ثبوت لے کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو...... ان کا دل ڈوبنے لگا اور جیسے روح جسم سے نکلنے لگی۔ کیا وہ مریم کو چھوڑ سکتے ہیں۔

مریم کے بغیر اب زندگی کرنے کا تصور ہی ان کے لیے بے معنی سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"نہیں...... ان کی ذات کسی ایسے حادثے کی زد میں نہیں آتی۔" انہوں نے خود کو تسلی دی۔ بہت دو چار ہر پہلو سے پھر بھی کبھی کبھی جب آمنہ ان کی طرف دیکھتی...... کوئی بات کرتی تھی تو وہ بہت بے چینی محسوس کرتے تھے۔

"اور کبھی اگر وقت نے انہیں آمنہ کے سامنے کٹہرے میں لا کھڑا کیا تو......" انہوں نے کن اکھیوں سے آمنہ کی طرف دیکھا۔ وہ مجتبیٰ حیدر کی طرف متوجہ تھیں...... "شاید وہ اس آزمائش پر پورا نہ اتر سکیں۔"

انہوں نے اپنے اندر انتہائی شکستگی محسوس کی۔

مریم تو جیسے ان کے وجود کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ وہ مریم سے کیسے کنارہ کش ہو سکتے تھے۔ وہ بیمار تھی تو جیسے ان کی جان پر بن آتی تھی۔ جب تک وہ بے ہوش رہی انہیں لگتا رہا جیسے ان سے کوئی ساری کائنات چھینے لے جا رہا ہو "اور اگر خدانخواستہ مریم کو کچھ ہو گیا تو......" اس تصور سے ہی ان کا دل بند ہونے لگتا تھا۔

اس روز زینب عثمان کے اچانک انکشاف سے مریم لمحہ بھر کو تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی اور اس کی حالت دیکھ کر تو خود انہیں اپنی کائنات لٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور زینب عثمان کی پروا کیے بغیر انہوں نے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالا تھا اور عاشی اور زینب کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے تیزی سے گاڑی ڈرائیو کی تھی جتنی کبھی نہیں کی تھی۔

عاشی رو رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی۔

اور خود ان کے جسم کا رواں رواں دعا گو تھا لیکن زینب عثمان پر انہیں حیرت تھی جو انتہائی پرسکون تھی "یہ شروع سے ہی ایسی ہے۔ انتہائی بزدل اور ڈرپوک مجھے پہلے ہی خوف تھا کہ یہ اس انکشاف کو برداشت نہ کر پائے گی۔ اس لیے تمہارے پرپوزل کا میں...... ابھی تک کوئی جواب نہیں دے پائی تھی کہ میں اس سے بات کرتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ یہی خوف تھا مجھے۔" اسپتال کے کوریڈور میں کھڑے کھڑے انہوں نے آہستہ سے بتایا تھا۔

زینب عثمان نے پھر ان کے ہاتھوں میں امید کا دیا تھما دیا اور ان کے اندر بجھتے چراغوں کی لو جیسے پھر تیز ہو گئی۔ اگرچہ وہ مریم کی وجہ سے پریشان تھے۔ پھر بھی ان کے اندر ایک مسرت کی لہر سی اٹھی تھی اور

انہوں نے متشکر نظروں سے زینب عثمان کو دیکھا۔
"اور یہ عاشی انتہائی بے وقوف ہے۔" انہوں نے اپنی پوزیشن اس پر کلیر کی۔
"شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے...... نکاح سنت ہے۔ باہر کی دنیا میں اکیلی عورت غیر محفوظ ہوتی ہے۔
اسے کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے میں غضنفر نے مجھے پروپوز کیا تو میں نے اس کا
پروپوزل قبول کرلیا۔ عاشی کا غصہ اور ناراضی قطعی بے جا ہے۔"
"آپ کو چاہیے تھا پہلے آپ عاشی اور مریم کو اعتماد میں لے لیتیں۔ ان سے بات کرلیتیں۔ یقیناً وہ
سمجھ دار ہیں۔"
"ہاں یہ غلطی ضرور ہوئی مجھ سے مگر عاشی کا ردعمل انتہائی احمقانہ ہے جبکہ مومو نے کوئی ری ایکشن
نہیں دیا تھا...... حالانکہ میں اس کی توقع کر رہی تھی۔"
اور انہیں مریم کے آنسو یاد آگئے جو محض ایک فلمی میگزین میں ان کی شادی کی خبر پڑھ کر اس کی آنکھوں
میں آگئے تھے۔
"اب تمہارے ساتھ رہنے کی یا جانے کی کیا تک ہے جبکہ میں اس کی ماں ہوں اور میرے ہوتے
ہوئے وہ کہیں اور کیسے جاسکتی ہے۔" اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے انہوں نے اسے یہ بھی جتا دیا تھا کہ
عاشی کو اپنے ساتھ حویلی لے جانے کا نہ سوچے وہ اس کی سوتیلی بہن ہے جبکہ وہ اس کی سگی
ماں ہیں اور عدالت ان کا حق تسلیم کرے گی نہ کہ ان کا۔
"سمجھا دوں گا عاشی کو۔ بچی ہے جذباتی ہوگئی تھی۔" انہوں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ مسز زینب مسلسل
بولتی رہیں۔ ان کا سارا دھیان مریم کی طرف تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اچانک شاک پہنچا ہے جس
کو مے میں چلی گئی ہیں۔
انہوں نے کتنی بے آواز دعائیں کی تھیں۔
اور مسلسل اسپتال میں ہی رہے تھے۔ زینب اور غضنفر ملک ملاقات کے ٹائم آتے تھے۔ عاشی بھی ا
میں رہی تھی۔ ان دنوں انہیں عاشی پر بہت پیار آتا تھا۔ کتنی معصوم تھی وہ۔
اور کس قدر بکھری لگ رہی تھی وہ۔
مسز زینب نے یہ اچھا نہیں کیا تھا اس عمر میں غضنفر ملک سے شادی کرنے کا فیصلہ کرکے۔
"میں یورپ سے واپس آکر عاشی اور مومو دونوں کی شادی کردوں گی۔" انہوں نے پروفیسر
کو بتایا تھا۔ "تم اپنی والدہ سے کہہ دینا کہ وہ شادی کی تیاری رکھیں۔"
وہ بات جسے ... جاننے کے لیے بے حد بے چین اور مضطرب تھے اور جس کے لیے
کراچی ... واپس آنے کے انتہائی بے چینی سے منتظر تھے۔ وہ بات مسز زینب نے ...

میں کھڑے کھڑے اس شام کہہ دی تھی جب مریم ہوش میں آگئی تھی اور اس وقت ٹرانکولائزر کے زیر اثر پرسکون
نیند سو رہی تھی۔ انہیں لگا تھا جیسے پوری کائنات وجد میں آکر رقص کرنے لگی ہو۔ ان کے اندر پھول چٹکنے
اور کھلنے لگے تھے اور اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے مسز زینب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا۔
"ماں جی اور بی آپا تو بے چین تھیں آپ کے پاس آنے کے لیے۔"
"ہاں' مجھے نرگس نے بتایا تھا۔"
"تو میں ماں جی کو کب بھیجوں آپ کے پاس؟"
"فی الحال تو ہم جارہے ہیں واپسی پر تب تک مریم بھی اس حادثے سے سنبھل جائے گی...... وہ ابھی
بہت ڈسٹرب رہے گی۔ دراصل عثمان احمد نے اسے بہت چاہا اور وہ بھی انہیں بہت چاہتی تھی۔ بلکہ حقیقت
یہ ہے کہ وہ کبھی کبھار اسے مجھ پر بھی ترجیح دینے لگتے تھے اور میں جیلس ہوجاتی تھی اور وہ کہا کرتے تھے
کہ بیٹیاں ہمیشہ باپ کو پیاری ہوتی ہیں۔ انہوں نے کبھی اسے سوتیلی بیٹی نہیں جانا...... میں اسی لیے سکون
اور آرام سے بات کرنا چاہتی تھی اس سے تاکہ وہ زیادہ شاکڈ نہ ہو۔ لیکن اچانک جذباتی ہوگئی
میں...... عادل میرے اعصاب بہت کمزور ہیں۔ کوئی بھی بات جو میری مرضی کے خلاف ہو' مجھ سے
برداشت نہیں ہوتی۔"
اس روز مسز زینب عثمان دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے انہیں بہت ریزن ایبل لگیں اور
انہوں نے سوچا کہ کوئی آدمی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا اور ہر آدمی کی نشوونما اس کے حالات کے پس منظر میں
ہوتی ہے۔ سو اپنے حساب سے وہ ٹھیک ہی ہوں گی۔
ان کے رویے۔
اور ان کا اسٹائل آف لونگ۔
سب ان کے ماحول کا خاصہ ہے۔
اور پتا نہیں وہ شخص جو مریم کا باپ تھا' ان سے ان کی کیوں نہ بن سکی۔ غالباً یہی رویوں اور زندگی
گزارنے کے اسٹائل کا ڈفرنس ہی ہوگا جو دونوں میں علیحدگی ہوگئی ہوگی۔
ان کے اندر رنگ ہی رنگ اتر آئے تھے۔
انہیں لگتا تھا جیسے وہ ایک دم مالا مال ہوگئے ہوں۔
بے حد امیر اور خوش قسمت
مگر ابھی تک حویلی میں انہوں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔
بی آپا کراچی میں تھیں۔
ماں جی کی طبیعت ناساز تھی۔

اورمریم خود بہت ڈسٹرب تھی۔

وہ جانتے تھے' بی آپا اور ماں جی سے یہ خوشی برداشت نہیں ہوگی۔ وہ ضرور مریم کو دیکھنے آئیں گی۔

اسے پیار کریں گی۔

اپنی خوشی کا اظہار کریں گی۔

بی آپا تو جانے کب سے کیا کیا پروگرام بنائے بیٹھی تھیں اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت جب مریم اس قدر ڈسٹرب ہے اس کو مزید ڈسٹرب کیا جائے۔ تین ماہ ہوگئے تھے اور وہ انہیں ابھی تک مضمحل اور تھکی تھکی لگتی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی رہتی تھیں اور پلکیں بھیگی لگتی تھیں۔ وہ جب بھی جاتے' وہ انہیں اداس اور دل گرفتہ لگتی تھی۔

ان تین ماہ میں انہوں نے اس کا بے حد خیال رکھا تھا' جب بھی جاتے اسے سمجھاتے۔

دیر تلک باتیں کرتے۔

عاشی کو اور اسے زبردستی گھمانے لے جاتے۔

اگرچہ وہ بہت کم بولتی تھی۔ زیادہ تر سوچ میں گم رہتی کھوئی کھوئی سی۔

لیکن اس کی موجودگی کا احساس۔

اور یہ احساس کہ مریم ان کی ہے۔

ان کے اندر پھول کھلائے رکھتا تھا۔

وہ بی آپا اور ماں جی کو زینب کی رائے بتانے سے پہلے مریم سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن وہ اتنی اداس اور دل گرفتہ نظر آتی تھی کہ جب اسے دیکھتے' کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کردیتے تھے۔

''نہیں ابھی نہیں۔ ابھی وہ سنبھل جائے۔''

وہ اپنے آپ کو روک لیتے تھے۔

تقریباً دو ہفتے سے وہ زینب ولا نہیں گئے تھے تو دل بہت مضطرب اور بے چین تھا۔ ان کے اختیار میں نہیں تھا کہ وہ اس کے سارے دکھ اپنی پلکوں سے چن لیں۔ اپنے سینے میں چھپالیں اور اس کے سامنے خوشیوں کے ڈھیر لگادیں۔ اس کی آنکھوں کا ایک ایک آنسو چرالیں۔ وہ تقریباً ہر دوسرے دن چکر لگاتے تھے لیکن اس روز اس نے کہا۔

''عادل بھائی' اب تو میں بالکل اچھی ہوں۔ آپ کو زحمت ہوتی ہے۔ پتا نہیں کتنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آنا پڑتا ہے آپ کو۔''

تو انہوں نے سوچا تھا کہ شاید اس طرح روز روز ان کا آنا مناسب نہ ہو۔ اس لیے اب وہ ہفتے دو ہفتے بعد چکر لگانے لگے تھے لیکن عاشی سے فون پر خیریت پوچھ لیتے تھے۔ آج اگر مجتبیٰ حیدر نہ آجاتے تو وہ اس وقت

ب ولا جانے کے ارادے سے ہی نکلے تھے۔ یوں بھی عاشی نے بتایا تھا کہ تیمور اور نینا بھی آرہے ہیں۔

''آپ کہاں کھوگئے عادل صاحب۔'' آمنہ صفی نے اچانک انہیں مخاطب کیا تو وہ چونکے۔

''پرانی عادت ہے خواب دیکھنے کی۔'' مجتبیٰ حیدر نے جواب دیا۔

''میرے خیال میں اس دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا نہ ہوگا جس نے کبھی خواب نہ دیکھا ہو۔'' تصدق نے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

''کیوں سر؟''

''ہاں خواب نہ ہوں تو زندگی مشکل ہوجائے۔ بالکل بنجر اور ویران۔''

''بجا فرمایا آپ نے۔'' تصدق احمد نے تائید کی۔

''تصدق احمد۔ ایک مشورہ دوں۔'' پروفیسر عادل اب پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھے۔

''ضرور سر۔''

''دیکھو رنگوں اور برش سے اپنا ناتا قائم رکھنا تھوڑا بہت۔ بالکل چھوڑ مت دینا۔ زندگی کے لیے EARN کرنا ایک الگ مسئلہ ہے' جبکہ اپنے ذوق کی تسکین ایک الگ۔''

''جی سر' اس موضوع پر پھر بات کریں گے کبھی۔ آج تو ہم اس لیے حاضر ہوئے تھے کہ.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر آمنہ صفی کی طرف دیکھا۔

''ہاں عادل صاحب۔ وہ آپ کے ایک کولیگ ہیں۔ آغا عبدالکریم۔''

''ہاں خیریت۔''

''خیریت ہی ہے سر۔ ان کا ایک مکان ہے لکشمی چوک کی طرف وہ اسے کرائے پر دینا چاہتے ہیں۔ مناسب کرایہ ہے لیکن ان کی شرائط ہے کچھ کڑی سی ہیں اگر آپ سفارش کردیتے تو..... وہ یقیناً آپ کی بات رد نہیں کریں گے۔''

''کیوں نہیں۔ میں آج ہی بات کرلیتا ہوں آغا صاحب سے۔''

''دراصل۔'' آمنہ نے وضاحت کی ''تصدق احمد اپنی فیملی کو لانا چاہتے ہیں۔ وہاں گاؤں میں بچوں کی ایجوکیشن کا مسئلہ ہے۔''

بہت اچھی بات ہے فیملی ساتھ ہی ہونا چاہیے۔''

پروفیسر عادل نے تصدق احمد کی طرف دیکھا۔

''اور میں تو حیران ہوں کہ یہ اتنے عرصے فیملی کے بغیر کیسے رہ لیے ہیں۔'' مجتبیٰ حیدر نے تبصرہ کیا ''میں نہیں رہ سکتا ایک دن بھی بیوی بچوں کے بغیر حالانکہ......''

''حالانکہ دل کے بہلانے کے بہت سامان مہیا ہوسکتے ہیں۔'' آمنہ نے آہستگی سے کہا۔

''بالکل۔'' مجتبیٰ حیدر نے قہقہہ لگایا...... ''دریں چہ شک۔''

پروفیسر عادل نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔

دوسری طرف تیمور تھا۔

''ارے بیٹا' آپ کیسے ہیں؟''

''میں تو اچھا ہوں لیکن مومو اچھی نہیں ہیں۔''

''کیا ہوا مومو کو؟'' انہوں نے تڑپ کر پوچھا۔

''اتنی کمزور ہو گئی ہیں' آپ نے خیال نہیں رکھا نا ان کا۔ ناراض ہوں آپ سے۔''

''اوہ۔'' انہوں نے قدرے پرسکون ہو کر کہا ''میں نے تو خیال رکھنے کی کوشش کی تھی میری جان لیکن وہ خود ہی دھیان نہیں رکھتیں اپنا۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔'' تیمور نے پرسوچ انداز میں کہا ''پتا نہیں کیا بات ہے۔ مومو بہت اداس لگ رہی ہیں۔''

''ماما بھی تو گھر پر نہیں ہیں نا۔'' اس کے لہجے میں اداسی تھی ''حالانکہ میں نے مومو سے کہا بھی تھا کہ ماما کو فون کر کے بتا دیں کہ ہماری چھٹیاں آنے والی ہیں۔ مگر پھر بھی ماما چلی گئیں۔''

''آ جائیں گی میری جان' یہ بتاؤ نینا کیسی ہے۔''

''موٹی ہو گئی ہے۔'' وہ ہنسا ''ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتی رہتی ہے...... ڈرائی فروٹ زیادہ کھاتی ہے ...اور آپ بتائیں' آپ مجھ سے ملنے کب آئیں گے؟''

''شاید آج ہی آ جاؤں یا پھر ممکن ہے' کل صبح آؤں۔ کچھ گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔''

''میں آپ کا انتظار کروں گا۔''

''اوکے۔'' ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

❁ ❁ ❁

''عاشی۔'' مریم نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے پکارا۔ وہ اپنے بیڈ پر لیٹی گانے سن رہی تھی۔ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''ارے بجو آپ گئیں نہیں ڈاکٹر عبدالمعید کے ساتھ شاپنگ کرنے؟''

''نہیں' آج پروگرام رہ گیا ہے۔'' وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''عاشی' اب تم کالج جوائن کر لو۔ ایڈمیشن تو غالباً ہو رہے ہیں۔ ایف اے کے نتائج آئے ہوئے دن ہو گئے تم عادل بھائی [illegible]''

''مجھے [illegible] دل پڑھائی میں [illegible]''

''پھر کس میں دل لگتا ہے ہمارا؟'' مریم مسکرائی۔

''کسی میں بھی نہیں۔'' اس نے انتہائی بے زاری سے کہتے ہوئے ڈیک کا بٹن آف کیا۔

''پتا ہے' یہ معید بھائی کس سلسلے میں شاپنگ کرنا چاہ رہے ہیں؟''

مریم کا چہرہ ایک دم کھلا کھلا لگنے لگا۔

''نہیں' بہت دنوں سے میری ان سے بات نہیں ہوئی۔''

''اپنی شادی کے سلسلے میں۔ ماما سے فون پر انکل کی بات ہوئی تھی۔ وہ واپس آ کر تمہاری شادی کر دیں گی۔''

''وہاٹ۔'' اس نے پورا منہ کھول کر کہا ''یہ ماما سے کس نے کہہ دیا کہ میں ڈاکٹر عبدالمعید سے شادی کر لوں گی۔''

''عاشی......'' مریم نے بے حد افسردگی سے اسے دیکھا ''یہ تو ڈاکٹر عبدالمعید اور ماما کی خواہش ہے۔ بلکہ تم جانتی ہو سب۔''

''لیکن میں کسی کی خواہشات کی پابند نہیں ہوں صرف اپنی خواہش کی پابند ہوں......اہمیت تو میری اپنی خواہش کی ہے بجو کہ وہ کیا ہے' نہ کہ ماما اور معید کی خواہش کی۔''

''تمہاری خواہش۔'' مریم نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا ''کیا تم کہیں اور......؟''

''ہاں۔''

''کون ہے وہ؟''

''انکل مجی۔''

''انکل مجی۔'' مریم نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔

''کیا تم نے ان کا پروپوزل ایکسیپٹ کر لیا ہے لیکن کیوں...... کیوں عاشی؟'' اس نے بے حد مضطرب ہو کر پوچھا۔

''محبت ہو گئی ہے مجھے ان سے۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

''لیکن عاشی وہ...... شرجیل مرزا...... وہ اس قابل نہیں ہے' تمہاری محبت کے۔''

''اوہ۔'' اس نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا ''میں نے تو آپ سے یہ نہیں کہا کہ ڈاکٹر شہریار سے آپ کیوں ملتی ہیں اور یہ کہ وہ آپ کی محبت کے قابل نہیں ہے۔''

''عاشی۔ تم جانتی ہو کہ وہ عینی کا بھائی......''

''میں آپ سے صفائی تو نہیں مانگ رہی محبت کا کوئی جواز نہیں ہوتا اور یہ بات جب میں نے جانی ہے تب مجھے پتا چلا کہ میں انکل مجی سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

''میں صفائی پیش نہیں کر رہی ہوں اور مجھے تمہارے سامنے کسی بھی قسم کی صفائی پیش کرنے کی

ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں تو صرف تمہاری غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہوں کہ شہر یار عینی کا بھائی ہے۔ شریف اور معزز ہیں۔"

"جہاں تک میرے علم میں ہے' انکل فجی بھی ماما' پاپا کے دوست ہیں اور وہ بھی شریف اور معزز ہیں۔"

"عاشی۔ عاشی تم نا سمجھ ہو۔" وہ ہولے ہولے کانپنے لگی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے بجو۔" وہ بڑے تحمل اور سکون سے مسکرائی۔

"میں شاید تم سے زیادہ سمجھ دار ہوں ......لیکن محبت میں تو سمجھ اور نا سمجھ کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم جانتی ہوگی۔"

"یقیناً......محبت تو......" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"انکل فجی مجھ سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں۔ جیسی محبت ڈاکٹر شہر یار آپ سے کرتے ہیں۔"

وہ گیلی مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتی چلی گئی۔ عاشی کیسے کھینچ کھینچ کر طمانچے مار رہی تھی۔ بڑی دیر بعد اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"عاشی اگر میں نے غلطی کی ہے تو ضروری ہے کہ تم بھی وہی غلطی دہراؤ۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ آپ نے غلطی کی ہے بجو۔ محبت تو ایک بہت خوب صورت جذبہ ہے......ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"عاشی......" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی "محبت تو معید بھائی بھی تم سے کرتے ہیں......شاید اس سے زیادہ......"

"ڈاکٹر عبدالمعید......" وہ طنز سے ہنسی......"جو کبھی ماما کے پرستاروں میں شامل تھے اور اگر درمیان میں یہ غضنفر ملک نہ آجاتا تو آج غضنفر ملک کی جگہ یہ ڈاکٹر عبدالمعید صاحب ہوتے۔"

"نہیں نہیں عاشی۔" مریم نے تڑپ کر کہا "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے شاید ایسی کوئی بات کبھی نہیں تھی۔ یہ سب انکل فجی کے اپنے مفروضے ہیں۔ جان بوجھ کر انہوں نے ورغلایا ہے تمہیں۔" اس نے بے بسی سے ہاتھ ملے "تم......تم انکل فجی کے متعلق کچھ بھی تو نہیں جانتی ہو۔ کیا کہوں' میں کس طرح سمجھاؤں کہ......"

"میں ان کے متعلق کچھ بھی جاننا نہیں چاہتی۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے۔ میرے لیے اتنا جان لینا ہی کافی ہے۔"

"تم ابھی کم عمر ہو' نا سمجھ ہو۔ دیکھ لینا' ماما کبھی بھی نہیں مانیں گی۔ وہ انکل فجی کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"ماما نہیں مانیں گی تو کیا ہوا۔ میں اپنے فیصلے خود کر سکتی ہوں۔" وہ باغی ہو رہی تھی۔

وہ انتہائی دل گرفتہ سی اس کے کمرے سے اٹھ آئی۔

"اور یہ سب آپ کا قصور ہے ماما۔" بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں مسز زینب سے گلہ کیا۔

"اور یہ سب جو عاشی کر رہی ہے یا کرنے جا رہی ہے......آپ کا غضنفر ملک سے شادی کرنے کا ردعمل ہے اور اسے......اس شرجیل مرزا کو موقع مل گیا ہے' مجھے شکست دینے کا' ہرانے کا' ماما شرجیل مرزا کا خیال رکھتی تھیں......اور ماما سے اس کے اختلافات بڑھنے کی وجہ بھی شرجیل مرزا ہی تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ ان سے اچھی طرح پیش آیا کرے اور اس کی چھوٹی موٹی گستاخیوں کا برا نہ مانا کرے کہ وہ ان کا باس ہے۔ ان کا اپنا دے آف تھنکنگ تھا۔ اس کے باوجود انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی بھی عاشی کی شادی اس سے کرنے پر راضی نہ ہوگی۔ عاشی ان کی ہم شکل تھی بلکہ ان سے زیادہ خوب صورت تھی اور عاشی کو چاہتی بھی تھیں......پھر وہ عاشی کے لیے انکل ہادی کو ہاں کر چکی تھیں۔ بلکہ اب تو شادی بھی طے کر دی تھی۔

"اور عاشی......شاید وہ بھی نہ جھکے پھر......پھر کیا ہوگا۔"

"عاشی......عاشی کو کیسے سمجھاؤں۔"

"وہ فیصلہ کر چکی ہے۔"

"اور ضد میں ہے۔"

"کیوں نہ انکل فجی سے بات کروں۔"

ایک دم اس کے ذہن میں روشنی سی کوندی۔

"کیا خبر وہ میری بات مان لے اور......عاشی کا پیچھا چھوڑ دے۔"

وہ دو دن تک سوچتی رہی اور بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ شرجیل مرزا سے مل کر خود بات کرے گی اس سے اور فیصلہ کرنے کے بعد اس نے اس پر عمل بھی کر ڈالا۔

گاڑی ورک شاپ میں تھی اس لیے وہ ٹیکسی پر ہی چلی آئی......پہلی بار وہ شرجیل مرزا کے دفتر آئی تھی۔ عاشی سو رہی تھی اس لیے اس نے اسلم چاچا کے گاڑی واپس لانے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔

شرجیل مرزا اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔

"آہا......آپ......صاحب۔" وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا "آج یہ ہمارے نصیب کیسے جاگ گئے۔"

وہ لمحہ بھر کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں آپ سے یہ کہنے آئی تھی کہ......"

"اوہ مس مریم' جو کچھ کہنا ہے اطمینان سے کہیے گا۔ پہلے تشریف تو رکھیں......چائے' ٹھنڈا۔"

"کچھ نہیں۔" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری "میں صرف آپ سے یہ درخواست کرنے آئی تھی کہ آپ عاشی کا پیچھا چھوڑ دیں۔"

''آہا۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''اتنی سی بات کہنے کے لیے آپ نے اتنی زحمت کی یہ بات تو آپ عاشی سے بھی کہہ سکتی تھیں کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دے۔''

''وہ معصوم ہے۔ ناسمجھ ہے۔ آپ نے اسے ورغلایا ہے۔''

''کیا ثبوت ہے' آپ کے پاس کہ میں نے اسے ورغلایا ہے۔ کسی کو شادی کے لیے پروپوز کرنا غالباً کسی جرم کے زمرے میں نہیں آتا۔''

''لیکن آپ کو شرم آنی چاہیے تھی۔ اپنے سے آدھی سے بھی کم عمر کی لڑکی کو پروپوز کرتے ہوئے بھی۔''

''یہ بھی کوئی باعث شرم بات ہرگز نہیں ہے' آپ کے سامنے تو مثال موجود ہے۔''

اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

''آپ......آپ۔''

''نہ۔نہ......'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا ''کچھ مت کہیے گا......ویسے غصے میں بھی آپ پر پیار آتا ہے۔''

''پلیز آپ کچھ تو سوچیں' عاشی اور آپ۔'' وہ روہانسی ہوگئی ''بھلا کیا جوڑ ہے آپ کا اس کا۔''

''چلیں' اس سے نہ سہی آپ سے تو جوڑ بن سکتا ہے۔''

''کیا......'' وہ تیز لہجے میں بولی ''کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''

''بھئی جو کہنا چاہیے۔'' وہ انتہائی پرسکون تھا ''عاشی کا پیچھا چھوڑ دیتا ہوں' آپ شادی کر لیں مجھ سے۔ یوں بھی زینی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر مومان جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''شٹ اپ۔'' وہ ایکدم کھڑی ہوگئی۔

''غور کرنا اس بات پر مس مریم۔'' وہ انتہائی خباثت سے مسکرایا ''ہم تو روز اول سے آپ کے دیوانے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ۔

ہم نے جس جس کو بھی چاہا ترے ہجراں میں فراز
آتے جاتے ہوئے موسم تھے فسانہ تو تھا

وہ سن سی کھڑی تھی' وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''مریم' میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ایک دن آپ خود چل کر میرے پاس آئیں گی۔''

اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ ایک دم تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

''مت چھوئیں مجھے۔'' اس کی آنکھیں شدید غصے سے سرخ ہوگئیں۔

''تم میری ضد بن چکی ہو مریم عثمان احمد۔ یاد رکھنا' میں وہ لمحہ کبھی نہیں بھولا۔ جب اس میں تم نے میرا ہاتھ جھٹکا تھا اور میں نے تم تک پہنچنے کے لیے عاشی کو بطور سیڑھی استعمال کیا ہے۔''

وہ زرد ہوتی رنگت کے ساتھ وہاں کھڑی تھی۔

''تمہیں اگر عاشی سے محبت ہے اور تم اسے مجھ سے بچانا چاہتی ہو تو......''

بات ادھوری چھوڑ کر اس نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا اور انتہائی کمینگی سے اس کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

''بھئی' منزل مقصود تو تم ہی ہو جان شرجیل۔''

اس کی زرد رنگت یک دم تپ کر سرخ ہوگئی اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے دفتر سے باہر نکلی اس نے اپنے پیچھے اس کا بلند قہقہہ اسے دیر تک سنائی دیتا رہا۔

سڑک پر آ کر کچھ دیر رک کر اپنا سانس درست کیا۔ دور و نزدیک کوئی سواری نہیں تھی۔ پیشانی سے پسینا پونچھتے ہوئے اس نے قدم اٹھایا تو اسے لگا' جیسے وہ توازن برقرار نہ رکھ سکے گی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور وہ دانتوں پر دانت سختی سے جمائے ایک ایک قدم بہت سنبھل کر اٹھا رہی تھی کہ اچانک پروفیسر عادل نے اس کے پاس آ کر گاڑی روک دی۔

''مریم!''

''جی۔'' اس نے اپنی بھاری پلکیں اٹھائیں۔

''یہ آپ ادھر کہاں سے آ رہی ہیں اور پیدل کیوں ہیں آپ اور گاڑی کہاں ہے آپ کی۔ آیئے۔''

انہوں نے دروازہ کھولا۔ وہ کچھ کہے بغیر دروازہ کھول کر بیٹھ گئی اور پھر بیٹھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ضبط کی طنابیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ اسے یوں لگتا تھا' جیسے اگر وہ نہ روئی تو اس کا دل پھٹ جائے گا۔

پروفیسر عادل نے بے حد گھبرا کر گاڑی ایک طرف کر کے روک دی۔

''مریم......مریم پلیز کیا ہوا ہے آپ کو؟''

لیکن وہ یوں ہی ہاتھوں میں منہ چھپائے روتی رہی۔

انہیں لگ رہا تھا' جیسے اس کے آنسو ان کے دل پر گر رہے ہوں اور وہ اندر سے تمام بھیگتے جا رہے ہوں۔

''مریم۔مریم پلیز۔'' انہوں نے پھر درخواست کی ''حوصلہ کریں۔ کیا ہوا ہے کچھ تو کہیں۔'' لیکن وہ [illegible] چلی جا رہی تھی۔ ان کا جی چاہ رہا تھا اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ کر اسے تسلی دیں۔

کہ وہ ہیں اس کے ساتھ۔

ہر مشکل اور ہر دکھ میں۔

اور اس کے سارے غم خود لے لیں گے۔

لیکن وہ ضبط کیے بیٹھے تھے اور وہ یوں ہی بے دردی سے روئے چلی جا رہی تھی۔

"مجھے...... مجھے...... یوں اس طرح تو مت آزمائیں مریم۔" انہوں نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا

"آپ کا یوں اس طرح رونا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا اور پھر یہ کوئی مناسب جگہ نہیں ہے رونے کے لیے۔" ماحول کی کشیدگی کم کرنے کے لیے انہوں نے لطیف سا مذاق کیا "گھر چلتے ہیں وہاں بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔ مجھ پر یقین کریں۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ جو بھی مسئلہ آپ کو ہے' وہ آپ کا تنہا نہیں ہے' مجھے بھی اس میں اپنا شریک سمجھیں میں...... میں......"

ان کا جی چاہا کہ وہ آج دل کھول کر رکھ دیں۔ آج اسے بتا دیں کہ وہ اپنے دل میں اس کے لیے کیے جذبے رکھتے ہیں۔ کیسے کیسے اسے انہوں نے سوچا ہے اور کس طرح وہ اپنے ہر جذبے کو ایک کمٹمنٹ کمٹمنٹ کر رکھ رہے ہیں اور وہ اس کے لیے جان تک سے گزرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

"مریم۔" انہوں نے بے اختیار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ان کی آواز جذبات سے بوجھل ہو رہی تھی۔

مریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

آنسوؤں سے بھیگے گلابی رخسار

لرزتی پلکوں پر موتی اٹکے ہوئے

اور دھنک رنگ لب ہولے ہولے لرزتے ہوئے۔

ان کا ضبط جواب دینے لگا تو بے اختیار انہوں نے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔

مریم نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"ریلیکس مریم۔" ان کا لہجہ بے حد نرم اور شفیق تھا' بالکل پاپا کی طرح "آپ مجھ سے اپنا پرابلم ڈسکس کریں اور یقین کریں وہ سب کچھ جو آپ کو پریشان کر رہا ہے' وہ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ اپنی ساری پریشانیاں مجھے دے دیں اور خود بالکل ریلیکس ہو جائیں۔"

مریم کو بے حد حوصلہ محسوس ہوا۔ جیسے وہ واقعی سب کچھ ٹھیک کر لیں گے۔

"آخر پہلے بھی تو انہوں نے عاشی کو روک لیا تھا۔ سمجھا لیا تھا یقیناً اب بھی وہ اسے سمجھا لیں گے۔"

اس کے اندر جیسے سکون سا اتر آیا۔

"آپ بہت کم حوصلہ ہیں مریم۔" انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اگر اجازت ہو چلیں۔ گھر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔"

اس نے سر ہلایا۔

اور وہ واقعی وہ بہت کم حوصلہ ہے' پتا نہیں کیوں وہ ایسی ہے۔ اتنی کم ہمت اور تھڑدلی...... حالانکہ اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اب بہادر بنے گی اور یہ کہ اسے سب کا خیال رکھنا ہے اور سب کی حفاظت

ہے اور اس نے کوشش بھی تو کی تھی۔

ان دنوں اپنا غم بھول کر' اپنا دکھ فراموش کر کے وہ نینا اور تیمور کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہی تھی لیکن تیمور از حد ڈسٹرب ہوا تھا' اس کے خدشے سے کہیں زیادہ۔

جلد یا بدیر تیمور اور نینا کو بھی حقیقت تو پتا چلنا تھی لیکن وہ اسے ابھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ تیمور اور نینا کیا ردعمل ظاہر کریں گے اور وہ کس طرح انہیں ہینڈل کرے گی۔ عاشی تو جیسے بالکل بے نیاز ہو کر خود میں مگن رہنے لگی تھی' مور نے محسوس بھی کیا تھا۔

"بجی بہت بدل گئی ہیں مومو۔"

"نہیں تو' یوں ہی تمہارا وہم ہے۔" اس نے اسے بہلایا۔

"وہم تو نہیں ہے مومو۔ وہ اب پہلے کی طرح ہم سے بات نہیں کرتیں۔" وہ بہت افسردہ ہو رہا تھا۔

اور ایسے میں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اسے ماما کے متعلق بتائے گی۔ وہ کتنی بار پوچھ چکا تھا

"آخر ماما یورپ کی سیر کے لیے کیوں گئی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہم سب کو ساتھ لے کر جائیں گی۔ مومو کیا وہ کسی فلم کی شوٹنگ کے لیے گئی ہیں؟"

"نہیں تو۔" اس روز بھی اس نے پوچھا تو وہ الجھ گئی تھی کہ وہ اسے کیا بتائے۔ وہ کم عمر تھا لیکن بہت باشعور تھا......

"وہ تو جی' آپ کے نئے ڈیڈی کے ساتھ گئی ہیں گھومنے پھرنے۔ آپ کو کیسے ساتھ لے جاتیں......"

شریف نہ جانے کب سے وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔

"نئے ڈیڈی۔" وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔

اور پھر اسے کتنی مشکل پیش آئی تھی اسے سمجھانے اور بہلانے میں۔

"ماما نے ایسا کیوں کیا مومو؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اور پھر وہ ایک دم ہی چپ ہو گیا تھا...... خاموش اور سنجیدہ۔

اس نے کتنی کوشش کی تھی کہ وہ پہلے کی طرح ہنسے بولے...... حتیٰ کہ وہ عادل سے بھی کم ہی بات کرتا تھا جبکہ پہلے عادل سے ملنے اس کے ساتھ گھومنے اور ان کے ساتھ بات کرنے کے لیے بے چین رہتا تھا۔

نینا بھی چپ تھی اور پھر وہ دونوں ہی چھٹیاں گزار کر چلے گئے تھے اور تیمور کے خیال سے وہ کتنی افسردہ رہتی تھی اور ہر دوسرے دن اسے فون کرتی تھی۔

پروفیسر عادل نے اس کی طرف دیکھا۔

خاموش اور اداس سی وہ ان کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

"عاشی کیسی ہے؟"

''اچھی ہے۔'' اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر اس کی نظر باہر پڑی۔ راستے انجانے تھے۔ یہ سڑک ان کے گھر کی طرف تو نہیں جاتی۔

''یہ...... یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' بوکھلا کر اس نے پوچھا۔

''آپ بےفکر رہیے آپ کو کہیں کسی غلط جگہ لے کر نہیں جاؤں گا۔''

اس کی پریشانی سے محظوظ ہوتے ہوئے وہ مسکرائے۔

لیکن ان کے لبوں پر پھیلی دھیمی دھیمی مسکراہٹ نے اسے حوصلہ دینے کی بجائے مزید خوف زدہ کر دیا۔ غیر ارادی طور پر وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''اور یہ شخص عادل احمد خان۔'' اس نے سوچا۔

''عاشی' نینا اور مور کا بھائی ہے۔''

''اس کے ساتھ اس کا تو کوئی رشتہ نہیں ہے اور وہ اس کے ساتھ چلی آئی ہے بغیر سوچے سمجھے۔''

''لیکن یہ شخص کس قدر مہربان' ہمدرد اور شفیق ہے اور ان بیتے دنوں میں اس نے ان سب کا کتنا خ رکھا ہے جب وہ بیمار تھی۔''

''تب۔''

''اور جب وہ اتنی زیادہ اپ سیٹ تھی تو وہ کس طرح مہربان لفظوں سے اسے تسلی دیتا تھا۔ نہیں اس سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔''

اس نے کن انکھوں سے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

وہ اپنے دھیان میں ڈرائیو کر رہے تھے اور کسی خیال سے ان کے ہونٹوں پر اب بھی دھیمی سی مسکراہ تھی اور آنکھیں کسی اندرونی احساس سے دمک رہی تھیں۔

یک دم اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر آ گیا۔

بی آپا کے گھر طوطے کے پنجرے کے پاس کھڑے پروفیسر عادل کی آنکھوں کی دمک اور...... اور ب نرگس کی باتیں۔

''یہ جاگیردار بہت عیاش ہوتے ہیں۔''

ان کی تنبیہ۔

''مومو ان سے بچ کر رہنا۔''

یک دم خوف شدید خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے اپنے اعصاب ٹوٹتے محسوس ہوئے۔

''لیجیے منزل آ گئی۔''

ایک بڑے سے سیاہ گیٹ کے سامنے ہارن دیتے ہوئے انہوں نے بتایا لیکن وہ سن سی بیٹھی تھی اور اس کی حالت سے بےخبر وہ اسے بتا رہے تھے ''یہ میرا گھر ہے مریم۔''

''یہاں بیٹھ کر آرام سے باتیں کرتے ہیں پھر میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔ آپ بہت اعتماد کے ساتھ ہر بات بتا سکتی ہیں یقین کریں مریم' مجھ پر' میرے خلوص پر۔''

لیکن مریم کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔ گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور پھر پروفیسر عادل نے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

''آیئے مریم۔''

خواب کے سے عالم میں وہ نیچے اتری اور پھر گاڑی سے اترتے ہی اسے یوں لگا جیسے اس کے پاؤں زمین سے الجھ رہے ہوں اور چیزیں اس کے چاروں طرف گول گول دائروں میں چکر لگا رہی ہوں۔ وہ لڑکھڑائی تو بےاختیار پروفیسر عادل نے اسے تھام لیا لیکن پھر جیسے سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے سے محو ہو گیا۔

❁❁❁

''عاشی۔''

مریم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''خفا ہو مجھ سے؟''

عاشی نے جو بہت دیر سے لان میں اکیلی بیٹھی شریف کو دیکھ رہی تھی جو پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ مڑ کر مریم کی طرف دیکھا جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی بہت محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔''

اس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا اور کھڑی ہو گئی اور مریم کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ...... آپ انکل مجی کی طرف گئی تھیں؟''

''ہاں۔''

مریم کی نظریں جھک گئیں۔

''کیوں! کیوں گئی تھیں آپ وہاں۔''

اس کا لہجہ سخت لیکن آہستہ تھا۔

''کیا سمجھتی تھیں آپ کے اس طرح میں رک جاؤں گی۔ نہیں بجو۔ اب کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔ بتا دیجیے گا ماما کو جب ان کا فون آئے کہ میں انکل مجی سے ہی شادی کروں گی۔''

''لیکن عاشی۔''

مریم کا رنگ یک دم زرد پڑ گیا۔

''عاشی' معید بھائی......''

''ہاں' معید بھائی۔ ماما کو یہ بھی بتا دیجیے گا کہ اس پیس کو وہ اپنے لیے بچا کر رکھ لیں۔ کیا خبر آج کل میں غضنفر ملک سے ان کے اختلافات ہو جائیں تو پھر۔ یوں بھی مجھے ان کے کسی پرستار سے شادی نہیں کرنا ہے اور آپ براہ مہربانی اس سلسلے میں پریشان نہ ہوں بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ آپ بھی ڈاکٹر شہریار سے شادی کر لیں۔ ماما کو شاید کبھی فرصت نہ ملے آپ کی شادی کرنے کی۔''

وہ کھٹ کھٹ کرتی اندر چلی گئی اور مریم وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔

''یہ عاشی کس قدر باغی ہو رہی ہے۔''

''اور ماما' یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ کم از کم عاشی کو تو آپ نے پہلے بتا دیا ہوتا کہ آپ غضنفر ملک سے شادی کرنا چاہتی ہیں تو شاید وہ اتنی دل شکستہ نہ ہوتی۔''

مریم نے انتہائی دل گرفتگی سے سوچا اور عاشی کے پیچھے اندر جانے کی بجائے وہیں لان میں گھاس پر بیٹھ گئی۔

اور عادل بھائی نے کتنا اطمینان دلایا تھا اسے کہ وہ ایسا کچھ کبھی نہیں ہونے دیں گے اور یہ کہ عاشی کی شادی ڈاکٹر عبدالمعید سے ہی ہو گی شرجیل مرزا سے نہیں لیکن عاشی......

شاید ابھی عادل بھائی نے عاشی سے بات نہیں کی اور اس روز جب ہوش آیا تھا تو وہ پروفیسر عادل کے گھر میں تھی۔ خدا بخش اس کے سرہانے کھڑا تھا اور پروفیسر عادل ڈاکٹر کو فون کر رہے تھے۔ اسے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے دیکھ کر وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس کی طرف پلٹ آئے۔

''ارے مریم' کیا ہو گیا تھا آپ کو ایک دم سے۔'' پریشانی ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

انہیں کیا بتاتی کہ اس کے ذہن میں کیا کیا خیال آئے تھے اور اس کے تھکے ہوئے اعصاب چند لمحوں کے لیے جواب دے گئے تھے۔

''خدا بخش' مریم بی بی کے لیے گرم دودھ لائیں۔''

انہوں نے خدا بخش سے کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا مریم۔ یہاں تک بمشکل سہارا دے کر آپ کو لایا۔ خیر۔''

وہ ذرا مسکرائے۔

''اب دودھ پی لیں اور پھر اندر چل کر آرام سے بیٹھ کر مجھے سب کچھ بتائیں۔''

''نہیں۔ نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔''

وہ جلدی سے بولی تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''او کے۔''

اور پھر اس نے سب کچھ انہیں بتا دیا۔ عاشی کی خواہش' اس کی ضد' شرجیل مرزا کی کمینگی اور اس کی دھمکیاں وہ سنجیدگی سے سنتے رہے۔

''آپ کو اس چیپ انسان کے پاس جانے کی ضرورت کیا تھی۔ میں تھا نا' مجھ سے کہا ہوتا۔''

ان کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا اور پیشانی کی رگیں پھول سی گئیں۔

''بہرحال اب آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میں دیکھ لوں گا سب۔''

اور اس کے دل میں اطمینان سا اتر آیا تھا جیسے اب کچھ نہیں ہو گا اور عادل سب کچھ ٹھیک کر لے گا لیکن عادل نے ابھی تک عاشی سے بات نہیں کی تھی۔ اس روز وہ اسے زینب ولا کے گیٹ پر اتار کر چلے گئے تھے اور آج تین دن ہو گئے تھے' وہ پھر نہیں آئے تھے اور عاشی کے ارادے خطرناک تھے اور کیا خبر وہ ماما کے آنے کا انتظار ہی نہ کرے اور خود ہی......

''پھر' پھر کیا ہو گا؟''

وہ پریشان سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''عادل بھائی کو فون کروں۔'' اس نے سوچا۔

''انہیں بتاؤں کہ عاشی اس سے خفا اور ناراض ہے اور یہ کہ اس نے انکل فجی سے شادی کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔''

فون کرنے کے ارادے سے وہ اندر چلی آئی اور پروفیسر عادل کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف خدا بخش تھا۔ اس نے بتایا کہ پروفیسر عادل حویلی گئے ہیں۔ ماں جی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی اس لیے وہ اِک رات حویلی چلے گئے تھے۔

لیکن وہ کہہ گئے تھے کہ آپ کا فون آئے تو آپ کو کہہ دوں کہ آپ بالکل پریشان نہ ہوں اور ان پر بھروسہ رکھیں۔ انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

مریم کے دل کو ذرا سی تسلی ہوئی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر عاشی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اس کا دروازہ بند تھا لیکن اندر سے بہت تیز موسیقی کی آواز آ رہی تھی ''شاید وہ بھی ڈسٹرب ہے۔'' مریم نے افسردگی سے سوچا اور میں جانتی ہوں وہ یہ سب کچھ مما کی ضد میں کر رہی ہے۔ ورنہ ڈاکٹر المعید کبھی بھی ناپسند نہیں تھے اور یقیناً انکل فجی اسے ڈاکٹر عبدالمعید کے خلاف کر رہا ہے۔

''اور...... اور پتا نہیں شہریار کا کیا حال ہے۔ کتنے بہت سے دن ہو گئے ہیں' عینی نے بھی فون نہیں کیا

اور وہ خود اس نے بھی تو شہریار کے خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ کیا لکھے وہ اسے' کچھ سمجھ ہی نہیں آتا تھا۔ شاید اس کے پاس کچھ لکھنے کے لیے تھا ہی نہیں نہ کوئی امید نہ کوئی خواب۔ جیسے سارے خواب آنکھوں میں ہی مر گئے تھے اور ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں اور عاشی کہتی ہے کہ میں ڈاکٹر شہریار سے شادی کرلوں۔

وہ وہیں ٹیلی فون اسٹینڈ کے ساتھ پڑے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

''اور پتا نہیں عاشی نے یہ کیسے جان لیا کہ میں اور ڈاکٹر شہریار...... کیا اس روز صرف ایک بار مجھے اور ڈاکٹر شہریار کو دیکھ کر اس نے سوچ لیا تھا۔''

''کہ میں...... اور شاید یہ دوسری یا تیسری بار تھی کہ اس نے ڈاکٹر شہریار کا نام لے کر اس سے کچھ کہا تھا اور وہ پتا نہیں کیا سوچتی ہوگی اور کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس روز وہ ڈاکٹر شہریار کے ساتھ نہ جاتی لیکن اب تو ایسا ہو چکا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے عاشی اسے ڈاکٹر شہریار سے شادی کا مشورہ دے چکی تھی۔''

''اور اسے کیا پتا۔''

مریم نے بے حد دل گرفتگی سے سوچا۔

''کہ یہ ممکن نہیں ہے' کسی طرح بھی نہیں۔ وہ ایک ماڈل گرل ایک اداکارہ کی بیٹی ہے اور پھر اب وہ اور بھی بے مایہ ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ عثمان احمد کے نام کا حوالہ بھی نہیں رہا۔''

''اور پتا نہیں میرا باپ کون ہوگا۔ کوئی خاندانی آدمی یا......'' دکھ گہرا دکھ ہولے ہولے اس کے دل کو چیرنے لگا۔

دونوں ہاتھ گود میں دھرے ساکت بیٹھی تھی کہ یک دم فون کی بیل بج اٹھی۔ یک دم چونک کر اس نے ریسیور اٹھالیا دوسری طرف زینب عثمان تھیں۔

''ماما آپ!''

اس کی آواز لرز گئی۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی ماما کی آواز سن کر اس کے اندر زندگی پیدا ہوگئی تھی۔

''ہاں جانو کیسی ہو۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''عاشی' مورنینا۔''

''سب۔ سب اچھے ہیں' مور نے آپ کو بہت مس کیا ہے۔''

''میں بھی سب کو بہت مس کرتی ہوں جان۔ کچھ دنوں کی بات ہے۔ بہت جلد زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے تک میں آرہی ہوں۔ تم ڈاکٹر ہادی کو بتا دینا' وہ اوپر والا پورشن خالی کردیں' میرے آنے سے پہلے۔ میں نے انہیں کہا ہوا تھا۔''

''یس ماما آئی نو۔''

''سب کو مورنینا اور عاشی کو میرا پیار کہنا۔''

''ماما کب۔ کب؟ کس دن ہے آپ کی فلائٹ؟''

''ابھی کنفرم نہیں ہے۔ پھر بتا دوں گی۔''

اور ماما کو خدا حافظ کہہ کر وہ یک دم عاشی کے کمرے کی طرف بڑھی۔

''عاشی۔ عاشی سنو' ماما آرہی ہیں۔''

اس نے دروازے کو دھکیلتے ہوئے خوشی سے بتایا۔

''اچھا۔''

عاشی نے جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی' سر موڑ کر اسے دیکھا۔

''عاشی' تمہیں خوشی نہیں ہوئی ماما کے آنے کی؟''

''پتا نہیں۔''

عاشی دوبارہ منہ موڑ کر آئینے میں دیکھنے لگی۔

''میں...... میں بہت مس کر رہی تھی ماما کو۔''

مریم ہولے ہولے چلتی ہوئی بیڈ پر آکر بیٹھ گئی وہ بالکل بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ جب سے ماما گئی تھیں اسے لگتا تھا جیسے زندگی ایک نقطے پر آکر ٹھہر گئی ہو۔ ٹھٹھر کر منجمد ہوگئی ہو۔

''ماما کے ساتھ وہ بھی ہوگا۔ غضنفر ملک۔''

عاشی برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

''ہاں۔''

مریم کی رنگت پھیکی پڑ گئی پھر بھی وہ مسکرائی۔

''ماما بھی تو ہوں گی نا ساتھ۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔''

اس نے کندھے اچکائے اور اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''عاشی۔''

مریم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے۔

''تم اتنی ناراض کیوں ہو ماما سے؟''

''کیا آپ نہیں ہیں؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ...... وہ تو ہمیشہ ناراض رہتی تھی' خفا رہتی تھی' ماما سے کتنے شکوے' کتنے گلے تھے اسے ماما سے لیکن وہ خود ہی خفا ہوتی تھی اور خود ہی مان بھی جاتی تھی اور وہ ہمیشہ ماما سے کبھی بھی خفا نہیں رہ سکتی تھی۔

''کیا آپ کو دکھ نہیں ہوا تھا' ماما کی شادی کا۔ کیا آپ اس بات پر خوش ہوئی تھیں کہ۔''

اسے خاموش دیکھ کر عاشی نے پھر کہا۔

''نہیں عاشی۔ لیکن پلیز' تم اب ماما کو معاف کر دو۔ ناراضی ختم کر دو پلیز۔ عاشی اتنی خفا مت رہو ان سے۔ ہمارا کون ہے' ان کے سوا۔''

مریم کی آواز بھرا گئی۔

عاشی نگاہیں جھکائے ہونٹ کاٹتی رہی۔

''عاشی۔''

مریم نے ایک دم سے اپنے ساتھ لگا لیا اور وہ اس کے کندھے پر سر رکھے بے اختیار رو پڑی۔ مریم اسے ساتھ لگائے ہولے ہولے تھپکنے لگی۔

❀❀❀

''بی آپا' یہ بالکل صحیح نہیں ہے کہ آپ ابھی کراچی سے آئی ہیں اور ابھی واپس جانے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔''

پروفیسر عادل نے بی آپا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''عادل تم آؤ' بیٹھو۔''

بی آپا نے جو اخبار دیکھ رہی تھیں' اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''ماں جی بتا رہی تھیں کہ آپ کچھ دنوں تک واپس جا رہی ہیں۔''

پروفیسر عادل نے بیٹھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں مجبوری ہے عادل۔ ورنہ ماں جی جس طرح اچانک بیمار ہوتی ہیں' میرا یوں انہیں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر مراد بھائی اور بھابی نے حج کے لیے جانا ہے اور بچے اکیلے ہوں گے۔ مراد بھائی تو ابھی بھی نہیں آنے دے رہے تھے لیکن میں ماں جی کی بیماری کا سن کر رہ نہیں سکی۔ ان سے کہا بھی کہ ابھی تو ایک ماہ ہے۔ پندرہ دن پہلے آ جاؤں گی۔ چاچا نے جب بتایا کہ ماں جی کی طبیعت اچھی نہیں ہے تو میں نہیں رہ سکی۔''

''ہاں ماں جی کا بی پی اچانک ہی بہت ہائی ہو جاتا ہے اور پھر۔''

پروفیسر عادل نے آہستگی سے کہا۔

''مریم آ جاتی تو مجھے بھی اطمینان ہو جاتا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب بھی جاتی ہوں۔ مراد بھائی آنے نہیں دیتے۔ کہتے ہیں اتنا عرصہ ایک دوسرے سے بچھڑے رہے ہیں ہم بہن بھائی کہ اب جی چاہتا ہے

کہ باقی ماندہ زندگی ہمیشہ ساتھ رہیں۔ اس بار تو انہوں نے بہت ضد کی تھی کہ تمہیں اور ماں جی کو بھی ساتھ لاؤں۔ عادل تم چلو نا کبھی کراچی۔''

''ہاں' کوشش کروں گا۔''

انہوں نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے کہا۔

''وہاں ہوتی ہوں تو یہاں کے لیے دل بے چین رہتا ہے اور یہاں ہوتی ہوں تو مراد بھائی اور بچوں کے لیے دل تڑپتا ہے۔ عادل اب شادی میں دیر مت کرنا۔ جیسے ہی زینب آنٹی واپس آتی ہیں' مجھے فون کر دینا۔ ہم آ کر تاریخ لے لیں گے۔ کب تک آ جائیں گی وہ؟''

''معلوم نہیں۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ واپس آ کر وہ مریم اور عاشی کی شادی کریں گی۔''

''میں نے دعا تو بہت کی تھی عادل کہ مریم تمہاری دلہن بن کر حویلی میں آ جائے لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے مریم کی والدہ پر یقین نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں مجھے ڈر تھا کہ وہ انکار کر دیں گی اور یقین کرو۔''

وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

''جب تم نے فون پر بتایا کہ مریم کی والدہ نے تم سے یہ بات کہی ہے تو کتنی ہی دیر تک یقین ہی نہ آیا اور جب یقین آیا تو بے اندازہ خوشی ہوئی اور ماں جی تو خوشی سے رو پڑیں۔''

''ماں جی نے زندگی میں کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ انہوں نے سارے خواب تمہارے حوالے سے دیکھے ہیں۔ اب دیر نہیں کرنا۔ ماں جی کوئی خوشی اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیں تو اچھا ہے۔''

وہ کب دیر کرنا چاہتے تھے۔ ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسی روز مریم کو رخصت کروا کے لے آتے جس روز زینی نے انہیں ہمیشہ کے لیے مریم کو ان کا بنا دینے کی نوید دی تھی۔ لیکن وہ مریم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ کس قدر بکھری ہوئی تھی۔ کتنی اپ سیٹ اور سراسیمہ۔ ابھی وہ اتنے بڑے دکھ کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ ایک ساتھ اس پر دو الم ٹوٹے تھے۔

ایک زینی کی غضنفر ملک سے شادی کا۔

اور دوسرا یہ انکشاف کہ وہ عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے۔

ابھی تو جیسے وہ یقین و بے یقینی کے درمیان کی اذیت میں تھی۔ انہوں نے خود اس کی آنکھوں میں اس اذیت کی جھلک دیکھی تھی۔ وہ تو اسے پھولوں کی طرح رکھنا چاہتے تھے۔ یوں سنبھال کر جیسے وہ سی نازک کانچ سے بنی ہو جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جائے گی۔ کتنی شدید اذیت جھیل کر وہ اب کچھ بہتر ہونے لگی تھی۔ وہ لمحے جب وہ ہاسپٹل میں تھی۔ جب ڈاکٹر انہیں ہوش میں لانے کے لیے کوشش کر رہے تھے تو انہیں لگتا تھا جیسے ان کے اردگرد زندگی ہولے ہولے مر رہی ہو اور جیسے اگر اس نے آنکھیں نہ کھولیں تو کائنات ان کے لیے ہمیشہ کے لیے مر جائے گی اور اب جب خدا نے اسے ان کے لیے بچا لیا تھا تو وہ کیسے

ابھی کوئی ایسی بات کر سکتے تھے جو اس کے لیے مزید اذیت کا باعث بنے۔ وہ تو ذرا ذرا سی باتوں پر
پریشان ہو جاتی تھی۔ حواس کھونے لگتی تھی۔ اس روز وہ کس قدر پریشان ہو رہی تھی' عاشی کی وجہ سے اور یہ
عاشی خدا جانے اسے کیا ہو گیا ہے۔ وہ جاتے ہی اس سے بات کریں گے۔ انہوں نے مریم سے وعدہ کیا
تھا' اسے یقین دلایا تھا کہ اسے عاشی کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسے کوئی غلط قدم
اٹھانے نہیں دیں گے۔ وہ اسے روک سکتے ہیں اور وہ کتنی مطمئن ہو گئی تھی۔ یوں جیسے اسے یقین ہو کہ اب
کچھ نہیں ہو گا اور وہ ماں جی کی اچانک بیماری کی وجہ سے حویلی آ گئے تھے اور عاشی سے بات ہی نہیں کر سکے
تھے۔ وہ ضرور پریشان ہو گی۔ اتنی ہی کم حوصلہ ہے وہ۔

ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اس روز اچانک سڑک پر اس کا ملنا اور پھر وہ ان کا اسے گھر لے جانا۔ بس اچانک ہی دل میں خواہش
پیدا ہوئی تھی کہ وہ آج مریم کو گھر لے جائیں لیکن خود وہ اس خواہش سے بے خبر تھے۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھی
تھی اور وہ بے خودی کی سی کیفیت میں گاڑی گھر والی سڑک پر موڑ چکے تھے اور اس کا احساس انہیں تب ہوا
تھا جب مریم نے انہیں ٹوکا تھا۔

''یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

اور تب خیالوں کی دنیا سے باہر آتے ہوئے انہوں نے اسے بتایا تھا کہ گھر اور پھر وضاحت بھی کی تھ
کہ وہاں ہم آرام سے جو مسئلہ بھی ہے اسے ڈسکس کر سکیں گے حالانکہ ان کا کتنا جی چاہا تھا کہ وہ اسے بتا
دیں کہ وہ خیال میں بہت دور آگے نکل گئے تھے۔ یوں جیسے وہ اور مریم اکٹھے ایک گھر میں رہتے ہوں اور
اب لمبی ڈرائیو کے بعد گھر واپس جا رہے ہوں۔ کیسا خوش کن خیال تھا اور کتنا دل نشین لیکن وہ یہ سب کچھ
اس سے نہیں کہہ سکتے تھے' اس کے اعصاب کس قدر کمزور تھے۔ ذرا سی بات بھی اس کے اعصاب کو
توڑنے لگتی تھی اور ڈاکٹرز نے کتنی تاکید کی تھی کہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ کسی بات سے اسے
شاک نہ پہنچے۔ پہلے ہی اس کا اعصابی نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔

اور کوئی بھی پریشان کن بات اسے حواس سے بے گانہ کر سکتی تھی۔

اور اس روز وہ گاڑی سے اترتے ہی وہ کیسے اپنا آپ کھو بیٹھی تھی اور اس کے بے ہوش ہوتے وجود کو جب
انہوں نے بانہوں میں لیا تھا تو انہیں یوں لگا جیسے پوری کائنات اپنی تمام تر خوب صورتیوں اور حسن سمیت
کی بانہوں میں سمٹ آئی ہو۔ ایک لمحہ کو ان کا جی چاہا تھا کہ کائنات کی گردش یہیں کہیں ٹھہر جائے اور وہ
اسے بانہوں میں لیے کھڑے رہیں اور...... مگر دوسرے ہی لمحے وہ چونک کر بہت احتیاط سے اسے
ہوئے اندر آئے اور باہر پڑے صوفے پر لٹا دیا۔ اسے کتنی آوازیں دیں' بے چینی سے اسے پکارا لیکن وہ
سدھ پڑی تھی۔ خدا بخش کو آوازیں دیتے ہوئے فون کی طرف لپکے تھے تاکہ ڈاکٹر کو فون کر سکیں۔

اور ابھی وہ نمبر ڈائل کر ہی رہے تھے کہ وہ اٹھ بیٹھی اور ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہ بے اختیار اس کی
لپکے تھے۔

''تم...... تم ٹھیک ہو نا۔ کیا ہو گیا تھا تمہیں؟''

بے اختیاری میں وہ اسے تم کہہ کر بلا گئے تھے لیکن وہ ہراساں سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''مریم۔''

وہ ایک دم ایک قدم آگے بڑھے تھے' بے اختیار جھک کر انہوں نے اس کے شانے کو تھپکا۔

مریم نے ایک دم ہی ان کا ہاتھ کندھے سے ہٹا دیا۔ اس کا انداز قطعی غیر متوقع اور ناگواری لیے ہوئے
تھا۔ انگلیاں اضطرابی انداز میں ملتی ہوئی وہ بہت بے چین' بہت مضطرب اور خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔

لمحہ بھر کو وہ یونہی ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔

''کیا بات ہے مریم پلیز ریلیکس...... آپ اتنی خوف زدہ کیوں ہیں۔ کیا ہوا ہے آپ کے ساتھ۔ پلیز
مجھ پر اعتبار کریں۔''

اور پھر کتنی دیر بعد اس کے اعصاب پرسکون ہوئے تھے اور وہ جلدی نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں انتظار کرنا
تھا۔ اس وقت تک کا جب وہ اس کیفیت سے باہر نہ نکل آئے اور اب تو آگے راستے صاف اور روشن تھے۔

زینی نے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ وہ ہی مریم کی رفاقت کے اہل ہیں۔

اب کوئی خوف یا شک نہیں تھا۔ نہ ہی وہ یقین و بے یقینی کے درمیان والی کیفیت تھی۔

انہیں ہولے ہولے مریم کو یقین دلانا تھا۔

پہلے اپنا اعتبار بحال کرنا تھا اور پھر......

''کیا سوچنے لگے ہو عادل؟''

بی آپا نے جو بہت غور سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں' پوچھا۔

''کچھ نہیں بی آپا۔''

انہوں نے چونک کر کہا۔

''ابھی کم از کم ہفتہ بھر تو میں یہاں رہوں گی ہی۔ اگر مریم کی والدہ واپس آ گئی ہوں تو فون کر دینا۔''

''نہیں بی آپا۔''

وہ دل ہی دل میں ایک حتمی فیصلہ کر چکے تھے۔

''ابھی نہیں۔ کم از کم چھ ماہ بعد۔ میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''لیکن عادل' ماں جی کی طبیعت کا تمہیں پتا ہے۔''

بی آپا کو از حد حیرت ہوئی۔ کہاں تو وہ اتنے بے چین دکھتے تھے اور کبھی کبھی بے اختیاری میں بی آپا کے

سامنے اپنے جذبوں کا اظہار کر بیٹھتے تھے اور کہاں اب اتنے سکون سے کہہ رہے تھے کہ فی الحال نہیں مری
کی والدہ نے انکار تو نہیں کر دیا۔ انہیں خدشہ سا ہوا تو انہوں نے عادل کی طرف دیکھا۔
تو انہیں ان کا چہرا بہت پر سکون لگا۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
''دراصل بی آپا۔ مریم ابھی اس شاکڈ سے پورے طور پر سنبھلی نہیں ہیں جو یہ جان کر کہ ابو اس کے پاپا
نہیں تھے' اسے لگا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا اسے کئی دن ہاسپٹل میں رہنا پڑا۔ یوں سمجھ لیں کہ
موت کو چھو کر پلٹی ہے وہ۔''

''اچھا۔''

بی آپا پریشان سی ہو گئیں۔

''اب کیسی ہے وہ۔ جب وہاں جاؤ تو میرا پیار کہنا اسے۔''

''جی ضرور۔''

وہ مسکرائے اور انہوں نے پاؤں پھیلاتے ہوئے بی آپا کی طرف دیکھا۔

''اور اب مجھے اچھی سی چائے پلوا دیجیے۔''

''ہاں' مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ عفتاں۔''

انہوں نے ملازمہ کو آواز دی۔

''خیر تب تو...... میں ناشتا کر کے ہی نکلا تھا مگر اب طلب ہو رہی ہے۔''

انہوں نے بی آپا کے پاس پڑا اخبار اٹھا لیا۔

عفتاں کو چائے بنانے کا کہہ کر بی آپا پھر ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''عادل تمہارا کیا خیال ہے۔ مریم کی والدہ اپنی بات سے پلٹیں گی تو نہیں۔''

ایک لمحہ کے لیے جیسے کسی نے ان کے دل کو مٹھی میں لے لیا اور پھر بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

''نہیں' میرے خیال میں تو نہیں۔''

''خدا کرے' ایسا ہی ہو۔ اب تو تمہارے ساتھ میری اور ماں جی کی بھی یہی خواہش ہے کہ مر
تمہاری دلہن بن کر اس حویلی میں اترے۔ ماں جی تو صبح شام اسی کا ذکر کرتی ہیں۔ عادل تمہاری پسند تو
بہت اعلیٰ ہے۔''

اور مریم جیسے تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور ان کے ہونٹوں پر ا
طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

عفتاں کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے لے کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بی آپا نے پروفیسر عادل کی طرا
دیکھا۔ ان کے بھرے بھرے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی اور وہ کرسی کی پشت سے ٹیک

گائے آنکھیں موندے جانے کیا سوچ رہے تھے۔

''کبھی کبھی حریم کا خیال آتا ہے تو دل کو دکھ سا ہوتا ہے۔ سوچتی ہوں' جانے اس کا نصیب کیسا ہوگا۔''

''چاچا نے بھی تمہاری آس میں کئی اچھے رشتے ٹھکرا دیے تھے اور جب تمہاری طرف سے ناامید
ہو گئے ہیں۔ تو اب کوئی برابر کا اچھا رشتہ ہی نہیں آ رہا۔'' ان کے ہونٹ بھینچ گئے اور اندر ہی اندر نادم ہوتے
ہوئے وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ کبھی کبھی مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی آدمی خود کو مجرم سمجھنے لگتا ہے اور حریم کے
معاملے میں وہ خود کو ایسا ہی سمجھتے تھے لیکن بعض معاملوں میں آدمی بے اختیار ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی خود کو اس
رفاقت کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں کر سکے تھے۔ جب مریم نہیں ملی تھی تب بھی نہیں اور اب تو۔

''تم چاچا کی طرف گئے تھے عادل؟''

بی آپا نے چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھائی۔

''نہیں۔ ماں جی کی طرف سے اتنی پریشانی رہی کہ جا ہی نہ سکا۔ چاچا جی سے تو اس روز حویلی میں ہی
ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ چچی جان کی طبیعت بھی کچھ نرم گرم رہتی ہے۔ ابھی جاؤں گا' یہی
سوچ کر آیا تھا کہ ادھر سے ہو کر ادھر جاؤں گا۔''

''ہاں ضرور جانا عادل۔ رشتے دوریوں سے کمزور پڑ جاتے ہیں اور پھر اب ہمارا اور بڑا ہے ہی کون'
ایک چاچا عبدالرحمٰن ہی تو رہ گئے ہیں۔''

''جی بی آپا۔''

انہوں نے آہستگی سے کہتے ہوئے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگائی۔ وہ غیر ارادی طور پر حریم کے
متعلق سوچے چلے جا رہے تھے اور اگر وہ مجتبیٰ سے ذکر کریں حریم کا۔ کوئی خاندانی لڑکا' ان کا ہم پلہ......

''ان کی ذات برادری سے تعلق رکھنے والا۔''

''مجتبیٰ کے تو اتنے تعلقات ہیں۔ اتنے لوگوں سے ملنا جلنا ہے۔''

''اور حریم ایک بہت اچھی لڑکی ہے۔''

ایک بار پہلے بھی انہیں مجتبیٰ کا خیال آیا تھا کہ وہ مجتبیٰ سے حریم کا ذکر کریں لیکن پھر ایک عجیب سی جھجک
مانع آ گئی تھی اور آج ایک بار پھر انہیں مجتبیٰ حیدر کا خیال آیا تھا لیکن پھر انہوں نے خود ہی اسے رد کر دیا تھا۔

''نہیں یہ بھلا مناسب ہوگا۔''

''کیا سوچیں گے مجتبیٰ کہ ہم......''

''نہیں مسرور۔ مسرور تو بہت اچھا لڑکا ہے لیکن پتا نہیں...... اس کا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے اور پھر اگر
اس کا فیملی بیک گراؤنڈ اچھا ہو بھی تو بھلا چاچا مانیں گے۔ ایک سرکاری اسکول میں معمولی ملازمت کرنے
والا لڑکا۔''

اور یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ انسان کی ساری خوبیاں اور ساری اچھائیاں غربت اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور آدمی کی اہمیت صرف اس کی دولت سے مشروط ہے۔

انہوں نے خالی کپ میز پر رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے ”اتنی اچھی چائے پلانے کا شکریہ۔“

”بیٹھو نا عادل۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی اکٹھے چلتے ہیں۔ میں بھی ماں جی کی طرف جاؤں گی۔“

”نہیں بی آپا‘ میں اب چلوں گا بلکہ میں چھوٹی حویلی جاؤں گا۔ چاچا جی سے ملنے‘ شاید مہران یا مانی سے ملاقات ہو جائے دیر ہو گئی تو وہ گھر سے نکل جائیں گے۔ خاص طور پر مانی تو ملتا ہی نہیں ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“

”میرے آنے تک آپ میاں جی کی طرف ہی رہیں گی نا؟“

جاتے جاتے وہ پلٹے۔

”ہاں بس میں ذرا عفتاں کو کچھ کپڑے اور برتن وغیرہ نکال دوں۔ دراصل اس کی بھانجی کی شادی ہے نا۔ تو میں نے کہا تھا اس سے یوں بھی میں دن بھر تو ادھر ہی ہوتی ہوں ماں جی کی طرف‘ میرا کہاں دل لگتا ہے ادھر۔“

”او کے بی آپا پھر دن میں ملاقات ہو گی۔“

انہیں سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی اس لیے وہ بی آپا کو خدا حافظ کہہ کر اپنے حصے میں آ گئے۔ ان کا خیال تھا سگریٹ پی کر اور ذرا...... ریلیکس ہو کر وہ چھوٹی حویلی جاتے ہیں لیکن چاچا عبدالرحمٰن کو ماں جی کے پاس بیٹھے دیکھ کر وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھے۔

”میں تو آپ ہی طرف جا رہا تھا چاچا جی‘ اچھا ہوا نکل نہیں گیا ورنہ ملاقات نہ ہوتی۔“

”میری اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی اس لیے وہ دوبارہ تمہاری والدہ کی خیریت پوچھنے نہ آ سکا۔ البتہ مہران سے پتا چلا تھا کہ اب پہلے سے بہتر ہیں تو اطمینان ہو گیا تھا۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے عادل پتر‘ ایک بار بھرجائی کو لاہور لے کر کسی اسپشلٹ کو دکھا دو۔“

”کئی بار کہا ہے چاچا جی لیکن ماں جی مانتی ہی نہیں ہیں۔“

انہوں نے شکوہ بھری نظروں سے ماں جی کی طرف دیکھا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

”یہ بلڈ پریشر بھی کوئی بیماری ہے جس کے لیے اسپشلسٹوں کی طرف جایا جائے۔“ زیتون بانو مسکرائیں۔

”اور سچ تو یہ ہے کہ بھائی عبدالرحمٰن کہ میں حویلی سے باہر کہیں رہ ہی نہیں سکتی۔ عادل نے تو کئی بار کہا کہ اس کے ساتھ چل کر لاہور ہی رہوں‘ پہلے تو کامی کا مسئلہ تھا اور اب......“

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کامل کے خیال سے ان کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

”جانے کہاں بھٹک رہا ہو گا۔“

انہوں نے زیر لب کہا تھا لیکن عادل نے سن لیا اور ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور ان کی طرف دیکھ کر نرمی سے مسکرائے۔

”ماں جی کچھ باتیں تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں اور جلد یا بدیر ہمیں انہیں قبول کرنا پڑتا ہے۔ کامی کی تقدیر بھی یوں ہی لکھی ہوئی تھی۔ اسے ہم سے یوں ہی بچھڑ جانا تھا اسی طرح۔“ انہوں نے ان کے ہاتھ تھپتھپائے۔

”ہاں بھرجائی‘ اب تو میں بھی مایوس ہو گیا ہوں۔ اسے ملنا ہوتا تو اب تک مل چکا ہوتا۔“

عبدالرحمٰن خان نے کہا اور پھر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

”اور یہ مانی کیا کرتا پھر رہا ہے اور تم نے بھی اسے کھلی اجازت دے دی۔ بھئی میں اس کے حق میں ہرگز نہیں تھا۔“

”کیا کرتا پھر رہا ہے؟“

زیتون بانو نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

”زمین لے رہا ہے اور اس پر ڈس ایبل بچوں کے لیے ایک ادارہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ میرے خیال میں تو یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ خوامخواہ پیسہ ہی ضائع کرے گا۔ پہلے ہی ایسے بہت ادارے ہیں ملک میں۔ مزید کی کوئی ضرورت تو نہیں۔ ابھی کل ہی واپس آیا ہے فیصل آباد سے۔ کسی دوست کے ساتھ گیا تھا زمین کا سودا کرنے۔ کہہ رہا تھا بات طے ہو گئی ہے۔ بس پے منٹ کرنی ہے۔ بھئی میری بات تو وہ سنتا نہیں‘ تم ہی سمجھاتے اسے۔“

انہوں نے بات مکمل کر کے عادل کی طرف دیکھا۔

”تو وہ صحیح ہی کہہ رہا تھا اور میں خوامخواہ ہی اس کی طرف سے بدگمان ہو رہا تھا۔“

”اگر وہ سنجیدہ ہے چاچا جی تو اسے کرنے دیں جو کچھ وہ کر رہا ہے۔ ادارے تو یقیناً بہت ہیں ایسے لیکن جس طرح ان میں کام ہو رہا ہے‘ آپ نہیں جانتے‘ مانی نے میرے ساتھ جا کر وہاں رہنے والے بچوں کا حال دیکھا ہے۔ شاید اسی لیے اس کے دل میں یہ خیال آیا ہے۔“

انہوں نے عبدالرحمٰن خان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ خود ان کا ذہن ایک دم بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے جو ایک الجھن سی ان کے ذہن کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھی۔ ایک موہوم سا وہم تھا جو کبھی کبھی دل سے اٹھتا اور ان کے دماغ پر حاوی ہونے لگتا تھا۔ ایک دھند سی تھی جس میں سے صحیح سمت نظر نہیں آتی تھی‘ جیسے ایک دم صاف ہو گئی تھی۔

”مانی سے کہیے گا‘ وہ میرے پاس لاہور آئے پھر مل کر کچھ طے کر لیں گے۔“

"مجھے بھی تو کچھ پتا چلے کہ مانی کیا کرتا پھر رہا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ سکی بات کی۔"

ماں جی نے پوچھا تو وہ بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ انہیں مانی کا منصوبہ بتانے لگے۔ تب ہی باہر سے کسی ملازم نے آ کر مسرور کے آنے کی اطلاع دی۔

"مسرور اور یہاں گاؤں میں' خیریت؟" وہ چاچا عبدالرحمٰن سے معذرت کر کے مردانے میں آ گئے۔

"مسرور خیریت تو ہے نا۔ سب ٹھیک ہیں نا' تمہاری امی اور...... تم یہاں...... تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں حویلی میں ہوں۔ تم گھر گئے تھے کیا؟" اسے گلے سے لگاتے ہوئے ایک ہی سانس میں انہوں نے کئی سوال کر ڈالے۔

"جی سر' بالکل خیریت ہے' آپ تو یوں ہی پریشان ہو گئے۔" مسرور نے الگ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا یہاں آپ کے گاؤں میں تبادلہ ہو گیا ہے حالانکہ درخواست تو میں نے اپنے گاؤں میں تبادلے کے لیے دی تھی۔"

"اوہ تھینک گاڈ' میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔"

خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اور رہی یہ بات کہ مجھے آپ کا کیسے پتا چلا تو وہ سلطان صاحب نے بتایا ابھی کچھ دیر پہلے کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں' سو چلا آیا۔"

"ماں جی کیسی ہیں اب؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ بہتر ہیں۔ دراصل ان کا بلڈ پریشر اچانک اتنا بڑھ جاتا ہے کہ برین ہیمبرج کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوالیتی رہیں تو ٹھیک رہتی ہیں۔ چھوڑ دیں تو ایک دم بڑھ جاتا ہے۔ ویسے تم کب آئے یہاں؟"

"تقریباً پانچ چھ دن ہو گئے۔"

"رہائش کی فکر نہ کرنا۔ میں ابھی انتظام کر دیتا ہوں۔"

"نہیں' وہ تو مسئلہ حل ہو گیا۔ مانی میرا مطلب ہے' سلطان صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی آتے ہی انہوں نے کوئی بات بھی سننے سے انکار کر دیا۔ آپ جانتے تو ہیں نا انہیں......"

"ہاں۔ ہاں۔"

وہ ہنس دیے۔

"ایک ہی بات ہے' مانی کی طرف رہو یا ادھر۔ اس وقت کہاں تھا وہ ساتھ ہی آ جاتا۔"

"ادھر ڈیرے پر ہی تھے وہ۔ کہہ رہے تھے' دوست آنے والے ہیں۔"

"تمہاری رہائش ڈیرے پر ہی ہے۔" وہ چونکے۔

اس روز کا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

"نہیں' قریب ہی ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ سلطان صاحب نے بتایا تھا' ان کی اپنی رہائش گاہ ہے۔ کھانا ناشتا وغیرہ سب ڈیرے سے آ جاتا ہے حالانکہ میں نے بہت منع کیا لیکن......"

"اوہ اچھا' ممکن ہے چاچا نے کہیں قریب ہی کوئی اور رہائش گاہ بنائی ہو۔" انہیں کچھ زیادہ علم نہیں تھا۔ انہیں اطمینان سا ہوا اور نہ وہ سوچ رہے تھے کہ ڈیرے پر مانی کے جس طرح کے دوست آتے ہیں اور جیسی محفلیں سجتی ہیں۔ مسرور شاید وہاں سیٹ نہ ہو پاتا۔

"آپ کب تک ہیں ادھر؟"

"میں شاید صبح چلا جاؤں۔ بشرطیکہ ماں جی کی طبیعت ٹھیک رہی۔ تم سناؤ' کیسا لگا ہمارا گاؤں اسکول پسند آیا اور کتنے لوگ ہیں یہاں؟"

"ہمارے زیادہ تر دیہاتوں میں اسکول ایک جیسے ہی ہیں سر' کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔"

وہ انہیں تفصیل بتانے لگا اور وہ بہت دلچسپی سے اس کی باتیں سننے لگے۔

❁ ❁ ❁

"بجو' آپ نے ماما سے بات کی تھی۔"

عاشی نے مریم کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس وقت لان میں اوائل دسمبر کی ہلکی ہلکی دھوپ میں بیٹھی تھی اور اسے یوں لان میں اکیلا خاموش بیٹھ کر دھوپ سینکنا اچھا لگ رہا تھا۔

"تم بیٹھو نا۔"

مریم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا "دھوپ اچھی لگ رہی ہے۔"

"نہیں' مجھے ابھی کہیں جانا ہے' آپ بتائیں' ماما نے کیا کہا' انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟"

"عاشی۔"

مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ماما بہت ناراض ہوئی تھیں۔ وہ ہرگز اس بات کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ انکل ہادی کو زبان دے چکی ہیں اور انہوں نے کہا تھا کہ تمہاری شادی صرف معید سے ہوگی اور اگر تمہیں مزید پڑھنا نہیں ہے تو وہ [illegible] کر دیں گی۔"

عاشی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ ماما ہرگز اس بات کے لیے رضامند نہیں ہوں گی۔ انکل فجی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تمہاری ماما اس شادی پر رضامند نہیں ہوں گی اور وہ رضامند بھی کیسے ہو سکتی ہیں۔" وہ عجیب طرح سے ہنسی۔

"کسی زمانے میں وہ خود انکل فجی میں انٹرسٹڈ تھیں' یہ تو انکل فجی......"

"عاشی۔" مریم نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تم ہر اس فضول بات پر یقین کر لیا کرو جو انکل شجی تمہیں بتاتے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر تمہیں SPOIL کر رہے ہیں۔''

''وہ مجھے SPOIL نہیں کر رہے ہیں اور انہیں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں مجھ سے اور میں خود جانتی ہوں سب۔''

''عاشی۔ عاشو پلیز' سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ تمہیں الٹی سیدھی باتیں بتا کر خوامخواہ ماما سے متنفر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عاشی اگر ماما نے شادی کر لی ہے تو یہ اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ تم......''

''ماما کی شادی فی الحال زیر بحث نہیں ہے، بجو۔'' عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔

''آپ ماما کو بتا دیجیے گا کہ اگر وہ اس شادی پر راضی نہیں ہیں تو ہم عدالت سے اجازت لے کر خود شادی کر لیں گے۔''

وہ اس کے سامنے کھڑی بہت بااعتماد لگ رہی تھی۔

مریم نے بے بسی سے ہونٹ کاٹے۔

''مت کرو ایسا عاشی۔ کیوں کر رہی ہو تم ایسا۔ انکل شجی ہرگز تمہارے قابل نہیں ہیں گڑیا۔ تم معید بھائی کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔ میرا یقین کرو عاشی' معید بھائی بہت اچھے ہیں۔''

مریم نے کھڑے ہوتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں کس کے ساتھ خوش رہوں گی' یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔''

عاشی نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''انکل شجی کیسے انسان ہیں' یہ تو آپ کو بھی اچھی طرح پتا ہوگا کہ کسی وقت آپ بھی ان میں انٹرسٹڈ تھیں۔''

''نہیں عاشی' یہ جھوٹ ہے۔'' مریم نے تڑپ کر اسے دیکھا ''جھوٹ بولتا ہے وہ شخص۔ میں نے کبھی اسے پسند نہیں کیا۔ I HATE HIM۔'' اس کی آواز لرزنے لگی۔

''I HATE HIM ASHI BELIVE ME'' (عاشی میرا یقین کرو میں اس سے نفرت کرتی ہوں)

''تو کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ ان کے دفتر گئی تھیں۔ کہہ دیں کہ آپ ان کے دفتر میں کبھی نہیں گئیں۔''

''ہاں میں گئی تھی عاشی لیکن۔''

مریم کی نظریں جھک گئیں۔

''لیکن جو تم سمجھ رہی ہو' وہ غلط ہے۔''

''کیا آپ نے ان سے نہیں کہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہ کریں۔''

''ہاں کہا تھا۔''

مریم نے کمزور آواز میں اعتراف کیا ''لیکن تمہاری بہتری کے لیے' تمہارے بھلے کے لیے گڑیا۔''

''میری بہتری کے لیے یا......'' عاشی نے بات ادھوری چھوڑ دی اور تیزی سے مڑ گئی۔

مریم بے بسی سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

''اور پتا نہیں' عاشی کیا کرنے جا رہی ہے۔''

اس نے وہیں گھاس پر بیٹھتے ہوئے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

کاش وہ اسے روک سکتی' اسے سمجھا سکتی۔ کس قدر بدگمان اور ضدی ہو رہی ہے وہ اور شرجیل مرزا اس کی معصومیت سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور اسے ماما کے اور میرے خلاف جانے کیا کیا پٹیاں پڑھاتا رہتا ہے۔

اور پتا نہیں' عادل بھائی کیا کر رہے ہیں حالانکہ انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے روک لیں گے' سمجھا لیں گے اور پتا نہیں ان کی عاشی سے بات ہوئی بھی ہے یا نہیں۔ حالانکہ ماما کے آنے کے بعد وہ دو تین بار آ چکے تھے اور عاشی سے بھی دیر تلک باتیں کرتے رہے تھے۔

اور عاشی نے ان کی بات بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے' تب ہی تو انہوں نے اسے کچھ نہیں بتایا حالانکہ انہوں نے کتنا یقین دلایا تھا کہ وہ بے فکر ہو جائے۔ مگر وہ کیا کرے۔

کس طرح عاشی کو شرجیل مرزا سے بچائے۔

اس نے تو عاشی کو اس سے بھی بدگمان کر دیا تھا اور ماما سے تو وہ بدگمان تھی ہی۔ اس پر جانے شرجیل کیا الٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا تھا کہ وہ اور بھی بدگمان ہو گئی تھی۔ اتنی کہ اس نے ڈاکٹر عبدالمعید کے بجائے شرجیل مرزا سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ماما کو اس کی پروا ہی نہیں تھی کہ وہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔ مریم نے جب انہیں اس کی خواہش کے متعلق بتایا تھا تو انہوں نے بے حد ناراضی سے مریم کی طرف دیکھا تھا؟ جیسے یہ اس کی غلطی ہو۔

''احمق ہے وہ۔ اسے کہہ دو کہ اس کی شادی ڈاکٹر عبدالمعید سے ہوگی۔ میں ڈاکٹر ہادی کو زبان دے چکی ہوں اور یہ شجی' اسے میں خود دیکھ لوں گی۔''

اور پھر وہ مطمئن ہو گئی تھیں' جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔ یوں جیسے کسی بچے کو اس کی کسی ضد پر معمولی سا بہلا کر کوئی یوں مطمئن ہو جائے' گویا فرض ادا ہو گیا ہے اور عاشی خطرناک حد تک سیریس ہو رہی تھی اپنے فیصلے میں پختہ اور پر یقین۔

''اب جانے کیا ہوگا۔'' بے حد بے بسی سے اس نے سوچا۔

اور عاشی کس قدر معصوم تھی اور کتنی محبت کرتی تھی ماما سے کتنی زیادہ اور وہ اس سے کہا کرتی تھی کہ وہ خوامخواہ

ماما سے خفا نہ ہوا کرے اور اب خود ان سے خفا تھی اور مریم جانتی تھی کہ وہ یہ سب ماما کو تنگ کرنے کے لیے کر رہی ہے۔

یہ محض اس کی خفگی اور ناراضی کا اظہار ہے۔

لیکن یہ صحیح نہیں تھا۔

اور وہ ماما کو اپنا موقف سمجھا نہیں سکی تھی۔ ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ بے حد مصروف تھیں۔ جب سے واپس آئی تھیں' مریم کو ان کے پاس سکون سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کتنی ہی بار اس نے کوشش کی تھی کہ وہ ماما سے عاشی کے متعلق بات کرے لیکن ماما کو ہمیشہ کہیں جانے کی جلدی ہوتی تھی۔

''او کے جانو پھر بات کریں گے۔''

''DONT WORRY تم یونہی فضول باتیں سوچ سوچ کر پریشان نہ ہوا کرو۔''

لیکن یہ فضول بات ہرگز نہ تھی اور ماما اسے بالکل اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔

اور اگر ماما کی مرضی کے خلاف عاشی نے خود ہی شرجیل مرزا سے شادی کر لی تو سب لوگ کتنا ہنسیں گے۔ وہ آنٹی نرگس اور بیگم آفندی کس قدر مذاق اڑائیں گی اور وہ تو اب بھی مذاق اڑاتی ہیں' ماما کی عدم موجودگی میں۔ ان کا اور غضنفر ملک کا ماما اپنے اردگرد ہونے والی سرگوشیوں سے بے نیاز کتنی خوش اور مطمئن تھیں۔ اتنا خوش تو اس نے ماما کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور اپنی خوشیوں میں انہوں نے سب کو بھلا رکھا تھا۔ عاشی کو' اسے' نینا اور مور سب کو۔ مور کس قدر ان کو مس کرتا تھا اور کتنی ضد کر رہا تھا کہ وہ اسے کسی ویک اینڈ پر ملنے آئیں یا انہیں گھر بلائیں لیکن ایک ماہ ہو گیا تھا انہیں واپس آئے مگر وہ ابھی تک مری نہیں جا سکی تھیں۔ بس فون پر ہی اسے بہلا دیتیں اور اب تو اس نے ضد کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ایک دن انہوں نے پروگرام بنایا بھی تھا جانے کا لیکن اسی روز غضنفر ملک اپنی والدہ والد اور بہنوں کو ساتھ لے کر آ گئے۔ انکل ہادی نے ... اوپر والا پورشن خالی کر دیا تھا اور وہ لوگ اپنے گھر میں منتقل ہو گئے تھے اور اب اوپر والے پورشن میں غضنفر ملک کے والدین آ گئے تھے اور ماما نے غالباً اسی لیے وہ پورشن خالی کروایا تھا۔ اسے یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی تھی کہ اوپر والے پورشن میں اب غضنفر ملک کے والدین رہیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید ماما اور غضنفر ملک خود اوپر والے حصے میں منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ عاشی کا بھی یہی خیال تھا اور غضنفر ملک کے والدین کو دیکھ کر اس نے بے حد ناگواری کا اظہار کیا تھا اور ... بہنوں سے تو دو تین بار جھڑپ بھی ہو چکی تھی۔ وہ تھیں بھی تو ایسی ہی' بالکل جاہل' شوخ شوخ رنگوں کے کپڑے پہن کر گہرا گہرا میک اپ کیے صبح ہوتے ہی نیچے لان میں آ بیٹھتی تھیں اور اونچی آواز میں باتیں کرتیں' شریف اور صفو انہیں دیکھ کر ہنستے۔

''لو اپنے ملک صاحب کی بہنیں بھی کیا چیز ہیں۔

دونوں غیر شادی شدہ تھیں اور غضنفر ملک سے بڑی تھیں سو غضنفر ملک سے تو تڑاق کر کے بات کرتی تھیں' پتا نہیں' ماما کیسے انہیں برداشت کرتی تھیں' اسے ماما پر حیرت ہوتی تھی۔ وہ تو ذرا سی بات پر ڈپریس ہو جاتی تھیں اور عثمان احمد خان بھی ان کے بیڈ روم میں اس طرح بے دھڑک نہیں جاتے تھے جس طرح غضنفر ملک کی بہنیں اور والدہ وقت بے وقت ان کے بیڈ روم میں چلی جاتی تھیں۔

''دراصل زینی کو غضنفر ملک سے عشق ہو گیا ہے۔'' یہ میڈم نرگس کا خیال تھا۔

جس کا اظہار انہوں نے مریم کی موجودگی میں بیگم آفندی سے کیا تھا۔

''اور زینی اسی لیے اس کے خاندان والوں کو برداشت کر رہی ہے ورنہ ان جیسے اجڈ لوگوں کو زینی کبھی بھی برداشت نہ کرتی۔''

یہ کتنی عجیب بات تھی کہ غضنفر ملک خود کس قدر ویل ڈریسڈ اور مینرڈ آدمی تھا لیکن وہ اپنے خاندان والوں کو نہ بدل سکا تھا۔

نہ ان کا لب و لہجہ نہ ان کا طرز زندگی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ بالکل میچ نہیں کرتا تھا۔

عاشی کو تو ان سے انتہائی چڑ ہو گئی تھی اور اس نے ڈاکٹر معید سے خوب لڑائی کی تھی۔

''کیا ضرورت تھی گھر خالی کرنے کی۔''

''مسز عثمان نے کہا تھا تو ظاہر ہے خالی کرنا ہی تھا۔'' (وہ ابھی تک انہیں مسز عثمان ہی کہتے تھے۔)

''تو کیا وہ زبردستی کر سکتی تھیں اگر آپ خالی نہ کرتے تو؟''

''ایک دن تو اپنے گھر جانا ہی تھا گڑیا۔''

''اور یہ جو رنگ برنگے لوگ آئے ہیں یہاں۔'' وہ رونے والی ہو رہی تھی ''مجھے ان کا یہاں رہنا قطعی پسند نہیں ہے۔''

وہ بے حد ناراض اور خفا تھی اور ڈاکٹر عبدالمعید اسے بہلاتے رہے تھے۔

''کوشش کریں گے گڑیا کہ آپ کو جلد ان رنگ برنگے لوگوں سے نجات مل جائے۔''

ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی اور آنکھیں لو دینے لگی تھیں۔ ''PROMISE'' عاشی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ ''PROMISE'' انہوں نے مسکراہٹ کے ساتھ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

اور ان کی بات کا مفہوم جان کر مریم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی لیکن عاشی۔

عاشی نے تو کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا اور ڈاکٹر عبدالمعید۔ کس قدر دکھ ہو گا انہیں یہ جان کر کہ عاشی اور کاش' وہ عاشی کو روک سکتی۔ اسے بچا سکتی لیکن وہ تو کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہ تھی اور عادل بھائی۔

انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ عاشی کو سمجھا لیں گے لیکن شاید وہ بھی ناکام ہو گئے تھے۔شاید عاشی نے
ان کی بات بھی نہیں سنی تھی ورنہ ماما کے آنے کے بعد وہ دوبارہ آئے تھے اور دونوں بار ہی ماما گھر پر نہیں تھیں
اور وہ دیر تک عاشی سے باتیں کرتے رہے اور پتا نہیں انہوں نے عاشی سے کیا کہا تھا اور عاشی نے انہیں
کیا جواب دیا تھا لیکن انہوں نے جاتے جاتے اسے تسلی ضرور دی تھی۔

"آپ بے فکر ہو جائیں مریم' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

لیکن سب ٹھیک نہیں ہوا تھا اور عاشی شجی انکل سے شادی کرنے جا رہی تھی اور وہ بھی ماما کی مرضی کے
بغیر اور ماما تو یقیناً ہنگامہ کریں گی اور... پھر بیمار پڑ جائیں گی۔

مریم کو اس تصور سے ہی خوف آنے لگا۔

ماما کی بیماری اسے ہمیشہ ہی ڈپریس کر دیا کرتی تھی۔

اف او وہ کیا کرے کیسے عاشی کو روکے۔

پروفیسر عادل کی طرف سے وہ مایوس ہو گئی تھی۔

یقیناً وہ عاشی کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

"بابا۔شاید بابا۔"

اسے ایک دم چوہدری نثار کا خیال آ گیا۔

"کیا خبر کوئی ایسا راستہ بتا دیں کہ وہ عاشی کو اس راہ پر چلنے سے روک سکے۔بہر حال ان کا تجربہ
بھائی سے کہیں زیادہ ہے اور شاید انہیں کوئی بہتر راہ سجھائی دے سکے اور کتنے بہت زیادہ دن ہو گئے
اسے بابا اور ماں جی سے ملے۔"

"عینی نے کتنی ہی بار گلہ کیا تھا۔اصرار کر کے اسے بلایا تھا لیکن وہ نہیں جا سکی تھی۔حالانکہ کتنی بار
اس کا جی چاہا تھا' وہ عینی کے گھر جائے اور بابا کو اپنے دکھ میں شریک کرے۔"

"انہیں بتائے کہ وہ کتنی نامعتبر ہو گئی ہے۔عثمان احمد اس کے پاپا نہیں ہیں۔"

اور وہ شخص جو اس کا باپ ہے' وہ اس کے متعلق نہیں جانتی اور ان کے متعلق اسے کچھ جاننے کی
خواہش بھی نہیں ہے۔ماما کی واپسی پر ایک بار اس نے پوچھا تھا کہ اس کا باپ کون ہے اور کہاں ہے تو
ماما نے اسے جھڑک دیا تھا۔وہ اس وقت غضنفر ملک کے ساتھ میڈم نرگس کے ہاں ایک پارٹی میں جا رہی
تھیں۔

"موموتم فضول سوال مت کیا کرو۔وہ جو کوئی ... بھی تھا' مجھے اس کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ
کہاں ہے' زندہ بھی ہے یا نہیں۔وہ کون تھا اور اس کا کیا نام تھا' بیس بائیس سال پہلے وہ نام
اور تمہاری زندگی سے نکل گیا تھا۔اسے ایک خواب سمجھو۔"

یوں خود اس کے دل میں اس کے متعلق جاننے کی کوئی ایسی شدید خواہش نہ تھی اور اس نے دوبارہ ماما
سے سوال نہیں کیا تھا۔

وہ بابا کو عاشی کے متعلق بتائے۔

اس کی ضد۔

اور اس کی ناراضی۔

"بابا یقیناً کوئی نہ کوئی راہ نکال لیں گے۔وہ کتنے نرم لفظوں میں بات کرتے ہیں اور کتنی محبت اور
شفقت سے۔بابا سے بات کر کے یقیناً اس کا دکھ کم ہو جائے گا۔"

اس نے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا۔سامنے مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

بابا کے ساتھ ہی اسے شہریار کا خیال آ گیا۔اس نے شہریار کے خط کا جواب نہیں دیا تھا۔یقیناً اب تک وہ
یوں ہو چکا ہوگا۔شاید اس نے سوچا ہو کہ میں اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکی اور شاید اس نے خود ہی راہ بدل
لینے کا سوچ لیا ہو۔وہ اس مایوس کن صورت حال سے تھک گیا ہو۔تب ہی تو اس نے پھر خط نہیں لکھا تھا۔

"اور کاش وہ کبھی جان سکتا کہ مریم نے بھی اس سے کتنی شدید محبت کی ہے اور یہ کہ اگر شہریار کے
ساتھ زندگی کا سفر طے نہیں ہو سکا تو پھر وہ تنہا ہی یہ سفر طے کرے گی۔عینی نے بھی تو شہریار کے متعلق اس
کے بعد کوئی بات نہیں کی تھی۔"

وہ کسی کو خفا نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اسے لگتا تھا جیسے سب اس سے خفا ہیں۔شاید عینی بھی اس سے خفا تھی۔

"چلو آج عینی کو منا لوں گی۔"

وہ دل ہی دل میں اس کے گھر جانے کا فیصلہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

"وہ آج سارا دن بابا سے باتیں کرے گی اور بابا یقیناً اپنی نرم اور مہربان باتوں سے اس کے دل
و جان میں چبھے سارے کانٹے چن لیں گے۔یہ صحیح کہ عینی کے چاچو کی وجہ سے وہ مجبور ہو گئے تھے لیکن عینی
نے مجھے بتایا تھا کہ بابا اب بھی مجھے یاد کرتے ہیں اور عینی سے میرے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں اور یہ
جاننے کے بعد کہ میں عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہوں' وہ کیا سوچیں گے میرے متعلق۔"

"کیا کہیں گے کہ ماما ساری زندگی شادیاں ہی کرتی رہی ہیں پہلے میرے باپ سے۔"

"پھر عثمان احمد سے۔"

"اور اب پھر غضنفر ملک سے۔"

"کیا مجھے ان کے ساتھ اپنا دکھ شیئر کرنا چاہیے۔"

"اور پتا نہیں کیا صحیح ہے کیا غلط۔"

اس نے بے بسی سے سوچا۔

''پھر بھی آج عینی کی طرف ضرور جاؤں گی۔ شاید یہ گھٹن جو میرا گلا بھینچ رہی ہے' کم ہو جائے۔ پر عثمان احمد کے متعلق بابا کو نہ بھی بتاؤں تب بھی عاشی کے متعلق تو ان سے مشورہ لیا جا سکتا ہے نا اور وہ اتنے مہربان اور شفیق ہیں اور میں یونہی اتنے سارے دن ان سے دور رہی ہوں۔''

وہ دل ہی دل میں ان کی طرف جانے کا حتمی فیصلہ کر کے اندر کی طرف بڑھی۔

ٹی وی لاؤنج میں رک کر اس نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ غضنفر ملک کی دونوں بہنیں بھڑکیلے رنگوں کے کپڑے پہنے اور گہرا میک اپ کیے گولڈن پرس گلے میں ڈالے سیڑھیوں پر کھڑی تھیں۔

''اب آ بھی چکو اماں۔''

ان میں سے ایک جس کا نام عاصمہ تھا' نے مڑ کر غالباً اپنی والدہ کو پکارا تھا اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر دھپ دھپ کرتی نیچے اتر آئی اور ٹی وی لاؤنج کے عین وسط میں کھڑی مریم کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

''اے مریم' بھائی کدھر ہے۔ اندر ہے کمرے میں؟''

''نہیں۔''

مریم نے آہستگی سے اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹایا اور نرمی سے بولی۔

''وہ لوگ صبح جلدی ہی کہیں چلے گئے تھے۔''

''کہاں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''خیر گاڑی تو ہے نا گھر پر؟''

''نہیں' اسلم چاچا ماما کے ساتھ گئے ہیں اور سوزوکی عاشی کے پاس ہے۔''

''لو ہمارے بھائی کا گھر ہے اور ہم ہی غیروں کی طرح رہ رہے ہیں یہاں۔''

وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اماں کتنے دنوں سے کہہ رہی تھیں' چڑیا گھر جانے کو۔ کتنا شوق تھا انہیں چڑیا گھر دیکھنے کا۔ کب سے مومن سے کہہ رہی ہوں کہ اماں کو ایک دن چڑیا گھر دکھا لاؤ۔ کہہ دیتا ہے' اسلم لے جائے گا کسی دن اور اب۔''

''اماں۔ اماں''

وہ نیچے سے ہی آوازیں دینے لگی۔

''اب تیار نہ ہوتا' ڈرائیور نہیں ہے۔ وہ بھابی کی چہیتی' گاڑی لے گئی ہے۔ لو یہ مومن تو ہمیشہ سے ہے۔ بچپن میں بھی اسی طرح دھڑلے سے جھوٹ بولتا تھا۔ مجھ سے پیسے ادھار مانگ کر لے جاتا کہ آ کر دے دوں گا اور جا کر فلم دیکھ آتا اور کبھی نہیں لوٹائے۔ رات کیسے اماں کے گھٹنے پکڑے کہہ رہا تھا کہ صبح اسلم چاچا آپ کو لے جائے گا۔ جھوٹا کہیں کا۔''

اس نے بات مکمل کر کے سر اٹھا کر اوپر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

''اے عارفہ تو بھی نیچے ہی آ جا۔ کوئی فلم لگا کر دیکھتے ہیں ایتا بھ کی۔''

لیکن عارفہ نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور مریم پر ایک غصیلی نظر ڈالتی ہوئی اوپر چلی گئی۔

''خیر نہ دیکھو' مجھے کیا۔''

اس نے کندھے اچکائے اور مریم کی طرف دیکھا۔

''تم مجھے کوئی اچھی سی فلم لگا دو ایتا بھ کی۔''

مریم نے صفو کو آواز دی۔

''صفو ادھر آؤ' شریف سے کہو عاصمہ بی بی کو ان کی پسند کی فلم لگا دے وی سی آر پر۔''

پھر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ عاصمہ نے اسے آواز دی۔

''اے مریم سنو تو۔ یہ مومن اور بھابی مری گئے ہیں کیا؟ رات مومن کہہ تو رہا تھا کہ اسے مری جانا ہے دو روز تک۔''

''میں نے بتایا نہ کہ ماما نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔''

مریم نے بدستور نرمی سے جواب دیا۔

شروع شروع میں تو جب غضنفر ملک کو مومن کہہ کر بلاتی تھیں تو مریم ذرا سی دیر کو پزل ہو جاتی تھی کہ مومن کون ہے لیکن اب اسے پتا چل گیا تھا کہ مومن غضنفر ملک کا اصل نام ہے۔ غضنفر اس کا فلمی نام ہے۔

''ویسے یہ مومن بھی پکا جھوٹا ہے۔'' وہ زور سے ہنسی۔

''بڑی تعریفیں کرتا تھا اپنی بیوی کی لیکن ہوا تک لگنے نہیں دی کہ بیوی جہیز میں اتنے بڑے بڑے بنگلے لا رہی ہے۔'' وہ ایک بار پھر مریم کی طرف دیکھ کر ہنسی۔

''خیر اماں کہہ رہی تھیں' خود ہی دل بھر جائے گا ایک دن تو پھر مومن کی دوسری شادی کریں گی۔ دھوم دھام سے۔ ہمارے تو سارے ارمان دل میں ہی رہ گئے' نہ ایک بھائی نے حسرت پوری کی نہ دوسرے نے۔ بڑے میاں تو خود ہی لڑکی بھگا کر لے آئے خالی ہاتھ نہ کان میں بالی نہ ہاتھ میں چوڑی۔''

مریم نے از حد ناگواری محسوس کرتے ہوئے اپنا رخ موڑ لیا۔

''وہ کوئی کمین ہیں کہ دو گھڑی ہمارے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں۔ خاندانی لوگ ہیں ہم۔ ہائے میرا معصوم بھائی جانے کیسے نخریلے لوگوں میں پھنس گیا۔ کیسے کیسے رشتے نہیں آ رہے تھے اس کے لیے۔ فلمیں دیکھ کر انڈیا سے خود مادھوری نے خط لکھے تھے اسے کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے

لیکن تمہاری اماں نے پھنسالیا اسے ورنہ آج مادھوری ہماری بھابی ہوتی۔ ارے اتنی اداکارائیں
مرتی ہیں اور یہ مومن یہ تو بچپن سے ہی نظرباز ہے۔"

"شکل اچھی تھی نا۔ لڑکیوں کو پھنسالیتا تھا۔ ابا نے تو پہلے ہی پیش گوئی کردی تھی کہ یہ بڑا ہوکر
نہ کچھ کرے گا۔"

وہ مسلسل بول رہی تھی' مریم اسے نظرانداز کر کے تیزی سے اپنے کمرے میں آگئی اور
گھر جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔

❁ ❁ ❁

"سن رہی ہونا عاشی۔ میں آیندہ تمہیں اس ربش شخص کے ساتھ نہ دیکھوں۔" پروفیسر عادل کی
بلند تھی اور لہجہ مضبوط تھا۔

"یہ عادل بھائی تو کبھی اس طرح اونچی آواز میں نہیں بولتے۔" مریم اندرونی گیٹ کو دھکیلتے
ٹھٹک سی گئی۔ سامنے ہی لونگ روم میں پروفیسر عادل کھڑے تھے۔ عاشی کا بازو ان کے ہاتھ میں
کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور رنگ زرد ہورہا تھا پھر وہ ایک دم عاشی کا بازو پکڑے پکڑے شرجیل
طرف مڑے جس کے ہونٹوں پر بڑی تمسخرانہ سی مسکراہٹ تھی اور وہ ایک ہاتھ صوفے کی بیک
قدرے جھک کر کھڑا انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مریم اک دم سہم کر وہیں کھڑی ہوگئی۔

"آیئے آیئے مس احمد' اس سین میں صرف آپ کی کمی تھی۔" اس کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

"شٹ اپ۔"

پروفیسر عادل کا چہرہ دمک اٹھا۔ انہوں نے ایک لمحے کے لیے شرجیل
آنکھوں میں جھانکا اور پھر آہستہ لیکن سرد اور سخت لہجے میں بولے۔

"مسٹر شرجیل مرزا' آیندہ میں آپ کو یہاں آتے ہوئے اور عاشی سے ملتے نہ دیکھوں۔"

"BUT WHO ARE YOU MR.?"

شرجیل مرزا سیدھا ہوکر کھڑا ہوگیا اور اس نے اپنا ہاتھ صوفے کی بیک سے اٹھالیا۔ مریم کو
اس کی آنکھیں کسی لومڑی سے مشابہ لگ رہی تھیں۔

"مجھے اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں مسٹر شرجیل' آپ اچھی طرح جانتے
میں کون ہوں۔"

"لیکن شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔"

شرجیل مرزا نے اب ہونٹ بھینچ لیے تھے اور وہ بہت خوں خوار نظروں سے پروفیسر عادل
رہا تھا۔

"میں' اور عاشی بہت جلد شادی کررہے ہیں۔" اس نے گویا دھماکا کیا۔

پروفیسر عادل کی آنکھیں خون رنگ ہوگئیں۔

وہ عاشی کا بازو چھوڑ کر یک دم ایک قدم آگے بڑھے۔

مریم نے بے آواز دعا کی' خوف سے اس کا دل کانپ رہا تھا۔

"شرجیل مرزا' عزت وغیرت کی خاطر قتل کرنا ہمارے لیے معمولی بات ہے۔ آیندہ آپ "زینب وِلا"
سے دس میل دور بھی مجھے دکھائی دے گئے تو......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھا۔

ان کا لہجہ بدستور سرد اور سخت تھا۔

مریم نے اپنے وجود کے اندر تھرتھری سی محسوس کی۔

"ناؤ گٹ لاسٹ۔" وہ دہاڑے۔

"میں زینی سے تمہاری شکایت کروں گا اور میں تو کیا۔ تم زینب وِلا میں دکھائی نہیں دو گے آج کے
بعد اور......"

"شٹ اپ۔"

پروفیسر عادل نے اس کی بات کاٹی لیکن شرجیل مرزا نے اپنی بات جاری رکھی۔

"پوچھ لو اس سے جس کے بھائی بنے پھرتے ہو۔ یہ خود مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے' عاشی بتاؤ اس
اپنے برادر محترم کو کہ تم......"

"شرجیل مرزا!"

اب کے پروفیسر عادل کی آواز اس قدر بلند تھی کہ صفو اور شریف کچن سے دوڑتے ہوئے باہر نکل
آئے۔

"مزید ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہاری زبان کاٹ لوں گا۔ ہم اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتے
ہیں۔ عثمان احمد خان اور عادل احمد خان کی عزت الگ نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھنا۔"

"تم۔" شرجیل مرزا نے کچھ کہنا چاہا تو وہ پھر دہاڑے۔

"آئی سے گیٹ لاسٹ۔"

"i will see you" (میں تمہیں دیکھ لوں گا۔)

شرجیل مرزا نے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور جاتے جاتے مریم پر ایک قہر آلود نظر
ڈالی۔ جو ابھی تک وہیں گیٹ کے پاس سہمی کھڑی تھی۔

"کیا کیا ہوا تھا جی' اپنے شجی صاحب نے کیا کیا تھا۔" شریف نے آگے بڑھ کر پوچھا تو مریم نے چونک کر

پہلے پروفیسر عادل اور پھر عاشی کی طرف دیکھا اور وہیں پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں' تم جاؤ اپنا کام کرو۔"

پروفیسر عادل کے لہجے میں ابھی تک غصے کی جھلک تھی اور پھر وہ عاشی کی طرف مڑے۔

"تم آؤ میرے ساتھ۔"

"عادل بھائی۔"

وہ ایک دم دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

"عادل بھائی میں۔" وہ زور زور سے رو رہی تھی۔

"اوکے اوکے' ریلیکس گڑیا۔"

ان کے لہجے میں یک دم نرمی آ گئی اور اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے انہوں نے آہستگی سے اسے الگ کیا اور کسی قدر ناراضی سے بولے۔

"اس روز بھی میں نے تمہیں سمجھایا تھا گڑیا لیکن......"

عاشی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

"کم ان گڑیا۔"

اس کے گرد بازو حمائل کیے وہ اسے لے کر اس کے کمرے کی طرف بڑھے اور جاتے جاتے مڑ کر انہوں نے ہاتھ گود میں دھرے ساکت بیٹھی مریم کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مہربان سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی اور ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی مریم کے وجود میں جنبش سی ہوئی اور اس کا خوف سے کانپتا دل جیسے ٹھہر سا گیا اور اس نے یک دم اپنے وجود میں ایک گہری طمانیت سی اترتے محسوس کی اور ایک یقین سا خود بخود اس کے دل میں مکیں ہو گیا جیسے عادل بھائی اب سب کچھ سنبھال لیں گے۔

اور جیسے وہ عاشی کو روک لیں گے۔

اور وہ شرجیل مرزا۔ کس قدر کینہ تھا اس کی آنکھوں میں۔

اس نے خوف سے جھرجھری سی لی۔

اور پروفیسر عادل جو انتہائی مہربان اور شفیق سے تھے اور جو ہمیشہ نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے' آج کس قدر غصے میں لگ رہے تھے۔

اور عاشی۔

کتنی ڈری ہوئی اور خوف زدہ لگ رہی تھی۔

وہ یقیناً عادل بھائی کی بات مان کر شرجیل مرزا سے شادی کرنے کا خیال چھوڑ دے گی۔

اس نے خود کو یقین دلایا اور اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہو گئے۔ حالانکہ ابھی کچھ دیر پہلے تک وہ کس قدر مایوس اور دل گرفتہ تھی حالانکہ بابا اسے کتنی تسلی دے رہے تھے سمجھا رہے تھے کہ وہ خود عاشی سے بات کریں گے۔ وہ یقیناً اسے سمجھا لیں گے لیکن اس وقت اس کا دل یقین نہیں کر رہا تھا۔

"نہیں بابا' وہ بہت ضدی ہے۔ مجھے پتا ہے' وہ آپ کی بات ہرگز نہیں مانے گی اور شرجیل مرزا انتہائی فضول آدمی ہے اور عمر میں ڈیڈی کے تقریباً برابر۔"

وہ ایک دم رو پڑی تھی اور بابا اسے بہلاتے رہے تھے۔

اور وہ لوگ اسے دیکھ کر کس قدر خوش ہوئے تھے۔

عینی تو اس سے لپٹ پڑی تھی۔

"یہ تم ہو نا مومو' مجھے یقین نہیں آ رہا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم ہم سب سے خفا ہو گئی ہو۔ بہت ناراض ہو ہم سے۔"

"نہیں تو بھلا' ناراضی کی کوئی وجہ بھی ہو عینی' میں تو بس یونہی اپنے ہی حالات میں الجھی ہوئی تھی۔ تمہیں کیا بتاؤں' ڈیڈی کے بعد زندگی کس قدر مشکل لگنے لگی ہے۔"

اور بابا نے بھی گلہ کیا تھا۔

"اچھی بیٹی ہو کہ اتنے دنوں بعد اپنے بابا سے ملنے آ رہی ہو۔"

"اور آپ کون سا اپنی بیٹی سے ملنے آئے ہیں۔" اس نے بھی شکوہ کیا تو وہ ہنس دیے۔

"ہاں' یہ تو ہے۔ ہمارا بیٹا نہیں آیا تھا' ہمیں جانا چاہیے تھا لیکن ہم نے جانا شاید وہ ہم سے خفا ہے۔"

"کیوں بھلا' میں آپ سے کیوں خفا ہوتی۔"

"ہاں بھلا' تم نے کیوں خفا ہونا تھا۔"

انہوں نے نگاہیں چرا لیں اور پھر وہ صالحہ کو آوازیں دینے لگے۔

"صالحہ۔ صالحہ بیگم کہاں ہو بھئی' دیکھو تو کون آیا ہے۔"

اور صالحہ بیگم نے تو اسے لپٹا کر بہت پیار کیا تھا۔

"دیکھو میری مریم آئی ہے۔ ماما کیسی ہیں تمہاری' عاشی مور اور رینا سب ٹھیک ہیں نا؟"

نہ کوئی گلہ نہ شکوہ وہی محبت بھرا لہجہ۔ وہی محبت و شفقت لٹاتی نظریں۔

مامتا کی خوشبو میں بسی ان کی باتیں۔

بابا اس گھر میں اس نے اس قدر طمانیت محسوس کی تھی اور پھر بابا کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے سے ضبط کھو بیٹھی تھی۔

"بابا...... مجھے آپ کی بے حد ضرورت تھی۔"

''ارے ارے' کیا ہوا ہماری بیٹی کو۔ کیا پھر ماما سے ناراضگی ہوگئی۔''

''نہیں۔'' اس نے بھیگی آواز میں کہا۔

''وہ...... وہ عاشی جو ہے نا وہ ناراض ہے ماما سے۔ اسے غصہ ہے ماما پر اور وہ اس کا بدلہ خود سے لے رہی ہے۔ مجھے پتا ہے' وہ جان بوجھ کر ماما کو تنگ کرنے کے لیے ایسا کر رہی ہے۔''

''کیا کر رہی ہے وہ' کچھ پتا تو چلے۔''

اور تب اس نے عاشی کے متعلق ان کو ایک ایک بات بتادی۔

''اور معید بھائی اتنے اچھے ہیں پھر بھلا عاشی شرجیل مرزا کو کیسے پسند کر سکتی ہے بابا۔ مجھے پتا ہے' ایسا نہیں ہے۔ وہ صرف ضد میں ایسا کر رہی ہے۔'' اور تب بابا نے اسے بہت تسلی دی تھی۔

''تم پریشان نہ ہو۔ میں اپنی عاشی بیٹی سے خود بات کروں گا وہ تو اتنی سمجھ دار اور پیاری بچی ہے۔ یقیناً سمجھ جائے گی۔''

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بابا۔ ماما کی اور عاشی کی لڑائی ہوگئی تو...... ماما ڈیپریس ہو جاتی ہیں۔ بہت زیادہ۔ آپ کو تو پتا ہے نا' دورہ پڑتا ہے انہیں۔ کوئی بھی خلاف مرضی بات وہ برداشت نہیں کر سکتیں وہ کبھی بھی عاشی کی شادی انکل شجی سے نہیں کریں گی' کیوں کہ بہت پہلے انہوں نے انکل ہادی کے ساتھ عاشی اور معید بھائی کے رشتے کی بات پکی کر دی تھی۔''

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے بیٹا۔ میں عاشی سے بات کروں گا۔ کل ہم انشاء اللہ تمہارے گھر آئیں گے۔ عاشی بیٹی سے کہنا' وہ گھر پر ہی رہے۔''

لیکن بابا کی اتنی تسلیوں کے باوجود وہ مطمئن نہ تھی۔ اسے عاشی کی ضد سے خوف آ رہا تھا اور وہ بے حد اداس اور دل گرفتہ تھی۔

''مومو تم بہت کمزور ہوگئی ہو اپنا خیال رکھا کرو نا۔''

عینی کے ساتھ جب وہ اس کے کمرے میں آئی تو عینی نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں کیا سوچتی رہتی ہو۔''

''میں عاشی کے لیے بہت پریشان ہوں۔''

''عینی اور پھر مور ہے' بہت ہی حساس۔ اتنا سامنہ نکل آیا تھا اس کا۔ بہت مس کیا اس نے ماما کو اور ماما کی شادی کا سن کر اسے شاک لگا تھا۔ ایک دم چپ سا ہوگیا تھا۔ باقی ساری چھٹیوں میں بہت خاموش اور چپ چپ رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان سب کے لیے کیا کروں۔ کیسے ان کے سامنے خوشیوں کے ڈھیر لگا دوں۔''

''آنٹی کو شادی نہیں کرنا چاہیے تھی؟'' عینی نے آہستگی سے کہا۔

''بہت؟ حیرت ہوئی تھی' مجھے یہ سن کر کہ آنٹی نے شادی کر لی ہے۔'' مریم نے سر جھکا لیا۔ جیسے یہ اس
مجرم ہو ماما کا نہیں۔

''خیر۔'' عینی مسکرائی۔

''اب جو ہونا تھا' ہو چکا تم خوامخواہ ڈیپریس نہ ہو اور عاشی اتنی بے وقوف ہرگز نہیں ہے کہ شجی انکل جیسے بوڑھے سے شادی کر لے وہ جان بوجھ کر تنگ کر رہی ہے۔ اپنے غصے کا اظہار کر رہی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

مریم نے افسردگی سے کہا۔

''تمہیں پتا ہے مریم' شیری بھائی کا...... ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔''

''ک' کیسے؟'' اس نے بے اختیار پوچھا۔ دل جیسے ڈوبنے سا لگا تھا۔

''اب کیسے ہیں وہ؟''

''بہت بہتر ہیں۔ اللہ کا شکر ہے لیکن بہت شدید زخمی ہوئے تھے۔ بازو اور کندھے کا فریکچر ہوگیا تھا۔ تقریباً ایک ماہ اسپتال میں رہے۔ ہمیں تو انہوں نے اب خبر کی ہے۔ اسپتال سے آ کر۔''

''اور حادثہ کیسے ہوا تھا؟''

''پتا نہیں' انہوں نے تفصیل نہیں بتائی۔ کل ہی تو ارسل سے ان کی بات ہوئی ہے۔ بابا اور ماں جی اتنی پریشان تھیں کہ خدا جانے کیا بات ہے' ایک ماہ سے کوئی خیر خبر نہیں ہے۔ مومو۔''

اس نے خاموش بیٹھی مریم کی طرف دیکھا۔

''مومو' میرے بھائی کو معاف کر دو۔ اس کا قصور نہیں ہے کوئی بھی۔ وہ مجبور کر دیا گیا ہے لیکن تم انتظار کر سکو تو میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں چاچو کو منانے کی پوری کوشش کروں گی مگر جب شیری بھائی آ گئے تو تب۔''

''پاگل ہو تم۔'' مریم نے آہستگی سے کہا۔

''میں شہریار سے خفا نہیں ہوں اور شہریار یہ بات جانتے ہیں۔''

''لیکن تم نے ان کے خط کا جواب بھی تو نہیں دیا تھا۔''

''کیا جواب لکھتی عینی' میرے پاس ہے ہی کیا لکھنے کے لیے۔ کوئی امید' کوئی امکان کچھ بھی نہیں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی عینی کہ اگر تمہارے چاچو مان بھی جاتے تو ماما پتا نہیں' راضی بھی ہوتی ہیں یا نہیں اور میں عاشی جیسی بہادر نہیں ہوں عینی۔ تم تو جانتی ہو۔ میں ماما کی کسی بھی بات کو DENY نہیں کر سکتی۔ نہ ہی کبھی کوشش کروں۔ میں پتا نہیں ایسی کیوں ہوں۔ میرے اندر اعتماد کی اتنی کمی کیوں ہے۔ میں تو شاید ان تک کو اپنا موقف نہیں سمجھا سکتی۔ اس کی غلط فہمی دور نہیں کر سکتی۔''

''شیری بھائی تم سے محبت کرتے ہیں مومو۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں اور تمہارے بغیر زندگی گزارنا

ان کے لیے بہت مشکل ہوگا۔"

"وقت ہر زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ بہت بڑا مسیحا ہوتا ہے وقت اور شہریار بھی بھول جائیں گے کچھ عرصے تک۔ ہمارے درمیان کون سی اتنی بہت سی ملاقاتیں اور یادیں تھیں کہ بھلائی نہ جا سکیں۔"

وہ نظریں جھکائے ہولے سے سب کہہ رہی تھی لیکن خود اس کا دل ان ساری باتوں کی نفی کر رہا تھا۔

"نہیں' یہ سب آسان نہیں ہے' بہت مشکل ہے۔ کیا وہ بھول سکتی ہے۔ بھول جائے گی شہریار کو۔"

"جب پہلی بار اس کا دل شہریار کے نام پر دھڑکا تھا۔"

"کیا وہ باتیں جو اس کے اور شہریار کے درمیان ہوئیں۔ گو مختصر ہی سہی اس کے ذہن سے نکل سکتی ہیں۔ وہ مہربان لہجہ تو اس کی سماعتوں میں ہر وقت گونجتا تھا۔"

وہ شوخ جملے

جو کبھی کبھار شہریار بے اختیار کہہ جاتا تھا۔

وہ پرشوق نظریں جو اس کی طرف اٹھتیں تو پھر جھکنا بھول جاتی تھیں۔

وہ......وہ کیسے بھول سکتی تھی۔

"مجھے تو تم دونوں ہی بہت عزیز ہو اور شیری میرا بھائی ہے۔ میں تو تم دونوں کے لیے ہی دعا کرتی ہوں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو جیسا کہ تم کہہ رہی ہو۔"

"مریم' آپ ابھی تک یہاں بیٹھی ہیں!"

پروفیسر عادل نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا تو مریم نے چونک کر سر اٹھایا وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"ٹیک اٹ ایزی مریم۔"

وہی مہربان نظریں اور وہی نرم لہجہ۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔"

"کیا۔ کیا عاشی اب انکل شجی سے شادی نہیں کرے گی۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کیا عاشی نے آپ کی بات مان لی ہے؟"

"مریم' آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں ہوں نا۔ سب کچھ دیکھ لوں گا۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ ایسا کچھ بھی نہ ہوگا جو آپ کے لیے تکلیف دہ ہو اور عاشی کے لیے بھی۔ وہ نادان ہے' معصوم ہے اور اس وقت ضد میں ہے لیکن آپ کو قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا آپ سب کا خیال رکھنے والا اور پلیز۔"

وہ ذرا سا مسکرائے۔

"اپنا خیال رکھا کریں۔ کیا حالت بنالی ہے آپ نے اپنی۔"

"تھینک یو عادل بھائی۔"

اس نے نظریں جھکالیں۔

"آپ اتنا خیال رکھتے ہیں ہم سب کا۔"

"فرض ہے میرا۔ میں نے وعدہ نہ بھی کیا ہوتا تو بھی میرا فرض تھا کہ میں ہر مشکل میں آپ لوگوں کے ساتھ رہوں۔"

"اور......اور اگر شرجیل مرزا۔ میرا مطلب ہے' انکل شجی نے آپ کو کوئی نقصان پہنچایا تو۔ وہ بہت غصے میں تھے۔"

"بچانے والا اور حفاظت کرنے والا تو اللہ ہے۔ انسان کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

انہوں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ اپنے لیے مریم کی یہ تشویش انہیں اچھی لگی تھی۔

"اور یہ شرجیل مرزا جیسے لوگ بزدل ہوتے ہیں' کچھ نہیں کر سکتے۔"

"مگر انکل شجی بہت کینہ پرور ہیں' آپ کو نہیں پتا' انہوں نے جان بوجھ کر عاشی کو ورغلایا ہے اور اب انہوں نے الٹی سیدھی باتیں کر کے عاشی کو ماما سے اور مجھ سے اور ڈاکٹر عبدالمعید سے متنفر کر دیا ہے۔ وہ ضرور کوئی نہ کوئی سازش کر کے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ آپ پلیز' اپنا خیال رکھیے گا۔ ماں جی کے لیے۔"

"اوکے۔" وہ مسکرائے۔ ایک بھرپور مسکراہٹ جس نے ان کے پورے چہرے کو روشن کر دیا تھا۔

"مریم' کبھی یہ زندگی بہت بے معنی لگتی تھی' زندگی سے کوئی خاص محبت بھی نہ تھی لیکن اب محبت ہوگئی ہے زندگی سے' جینے کو جی چاہتا ہے۔ بہت پیاری ہوگئی ہے' یہ زندگی آپ فکر نہ کریں' بہت خیال رکھوں گا اپنا۔"

ان کی نظریں وارفتگی سے مریم کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

مریم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تو وہ فوراً سنبھل گئے اور نگاہیں جھکاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر آپ کچھ خوف محسوس کر رہی ہوں تو میں حویلی سے دو بندوں کو حفاظت کے لیے بلا لیتا ہوں' وہ چوبیس گھنٹے گیٹ پر رہیں گے۔"

"نہیں اس کی ضرورت تو نہیں ہے' وہ خان ہوتا ہے گیٹ پر۔" مریم نے جلدی سے کہا۔

"پھر بھی میں احتیاطاً حویلی سے قادر کو بلا لیتا ہوں البتہ آج رات کے لیے ادھر کوٹھی سے چوکیدار کو بھیج دوں گا۔ اپنا آدمی ہے وہ۔ ویسے ماما کہاں گئی ہیں۔ کب تک واپسی ہوگی ان کی۔"

"معلوم نہیں' عاصمہ کہہ رہی تھی کہ انہوں نے مری جانا تھا۔ شریف نے بھی بتایا ہے کہ اٹیچی بکس رکھا تھا انہوں نے ڈگی میں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی گئے ہیں۔ ایک دو روز کے لیے گئے ہیں۔"

"تو کیا وہ آپ کو بتا کر نہیں گئیں؟"

پروفیسر عادل کو ازحد حیرت ہوئی۔

"دراصل میں تو سو رہی تھی۔ صفو کو بتایا ہوگا انہوں نے۔ میں نے ابھی تک پوچھا ہی نہیں۔"

"خیر میں فون کر کے گھر سے ابھی عزیز کو بلا لیتا ہوں۔ آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں، وہ ادھر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بہت ہوا تو وہ عاشی کو فون کرنے کی کوشش کرے گا اور امید ہے کہ اب عاشی بات نہیں کرے گی اس سے وعدہ کیا ہے مجھ سے۔"

"تھینک یو۔ تھینک یو عادل بھائی۔"

"میں نے آپ سے ابھی کیا کہا ہے مریم کہ کوئی تھینک یو نہیں۔"

"اور میں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔ میں کتنی اکیلی تھی اور کس قدر تنہا۔ عاشی مجھ سے بدگمان تھی، وہ میری بات نہیں سمجھتی تھی اور پاپا سے وعدہ کیا تھا میں نے کہ میں سب کا خیال رکھوں گی لیکن میں کسی کا خیال بھی نہیں رکھ پا رہی تھی۔"

اس کی آواز بھیگ گئی اور پلکیں نم ہو گئیں۔

"آپ اکیلی نہیں ہیں مریم۔"

انہوں نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"اور یاد رکھیے گا، ایسا ہی ایک وعدہ میں نے بھی کیا ہے۔ ایک ہی شخص سے کیا جانے والا یہ وعدہ ہم دونوں نے مل کر نبھانا ہے اور ہم اپنا وعدہ نبھائیں گے۔ آپ ہر بات، ہر فکر چھوڑ کر ریلیکس ہو جائیں۔"

اس نے سر ہلا دیا۔

"اور عاشی۔ وہ...... وہ رو رہی تھی کیا؟"

اسے اچانک عاشی کا خیال آ گیا۔

"نہیں، میں نے اسے سونے کے لیے کہا ہے۔ سو کر اٹھے گی تو فریش ہو جائے گی، اس وقت تھوڑی ڈسٹرب ہے۔ گھبرا گئی ہے۔ مجھے بہت کم غصہ آتا ہے لیکن اس وقت غصہ برداشت نہیں ہوا مجھ سے جب میں نے دونوں کو ساتھ آتے دیکھا۔ خیر۔" انہوں نے سر کو ہولے سے جھٹکا اور مسکرائے۔

"اس وقت تو چائے پلوا دیں۔"

"اوہ ہاں۔"

وہ شرمندہ ہو گئی۔

اسے خود تو خیال ہی نہیں رہتا تھا۔ اتنی الجھی الجھی سی تھی وہ۔

وہ کچن میں چائے کا کہنے گئی تو پروفیسر عادل ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئے تا کہ خدا بخش کو فون

کر کے عزیز کو بلا سکیں۔

❀❀❀

"فرانسیسی مصوری کی تحریک تاثریت پسندی IMPRESSIONISM کو ماڈرن آرٹ کا...... مرکز و محور تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک سرکش نوعیت کی تحریک تھی جس نے آرٹ میں بغاوت پیدا کر دی۔ فرانس میں SALON (آرٹ کی نمائش گاہ) کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے من پسند مصوروں کی نمائش کرتے تھے۔ 1863ء میں نپولین نے ایک نئے سیلون کی بنیاد رکھی جس کا نام SALON DEREFUSES تھا اور اسی میں وسلر، مانے، پزارو PISSARO کے فن کاروں کی نمائش ہوئی اور مانے کی تصویر "دی لنچن آن دی گراس" نے تہلکہ برپا کر دیا۔"

"سر، یہ تصویر کس موضوع پر تھی؟"

مسرور نے جو بہت دھیان سے پروفیسر عادل کا لیکچر سن رہا تھا، پوچھا۔

"یہ تصویر......؟"

پروفیسر عادل نے سگریٹ نکال کر جلائی۔

"اس تصویر کا موضوع دو مرد اور ایک بے لباس عورت تھی۔ اس سے پہلے عورت کو یونانی کلاسیکل اسٹائل میں دکھایا جاتا تھا۔ جبکہ مانے نے اس عورت کو یونانی مثالیہ بنانے کے بجائے مانوس فرنچ ماحول میں بے باکی کے ساتھ بیٹھا ہوا دکھایا تھا...... مانے کی دوسری شاہکار تصویر "اولمپیا" تھی۔ جس نے قیامت برپا کر دی اور اسے اسپانیہ میں پناہ لینی پڑی۔"

پروفیسر عادل نے ایش ٹرے میں راکھ جھاڑی اور مسرور کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"کہو اور کیا پوچھنا ہے؟ کوئی خاص بات جاننا چاہتے ہو تو کہو۔ ورنہ اگر اس طرح بات جاری رکھی تو بہت لمبی ہو جائے گی اور مجھے ذرا چاچا کی طرف بھی جانا ہے، کچھ دیر تک۔"

"نہیں سر، کوئی خاص بات تو نہیں پوچھنی بس یونہی مجھے لگتا تھا جیسے میں مصوری سے برش اور رنگوں سے، ہر شے سے بہت دور ہو گیا ہوں۔ دل چاہا، آپ کی باتیں سنوں، آپ کے لیکچر بہت پرمغز ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی مجھے بہت کمی اور بہت نقصان کا احساس ہوتا ہے کہ آپ سے دور ہو کر میں آپ کی ان باتوں کو سننے سے محروم رہ گیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں نے ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ اس علم سے ایک ذرہ بھی نہیں جو آپ کے پاس ہے۔"

"تم یہاں رہ کر اپنی اسٹڈی جاری رکھ سکتے ہو۔ میری لائبریری میں بہت کتابیں ہیں...... ہر موضوع پر، مصوری پر بھی تمہیں یہاں بہت کتابیں مل جائیں گی۔ جب میں یورپ سے آیا تھا تو میرے سامان میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ جنہیں میں نے بذریعہ بحری جہاز بھجوا دیا تھا۔ تمہارا جب دل چاہے، حویلی آ

جایا کرو۔ میں ماں جی سے کہہ دوں گا۔ تم لائبریری سے جو کتاب لینا چاہو لے جایا کرو۔"

"شکریہ سر!"

"اور تم یہاں کیا کرتے رہتے ہو فارغ اوقات میں یہاں تو بلکہ تم نیچر کے زیادہ قریب ہو' تم نے رنگ اور برش سنبھال کر کیوں رکھ دیے ہیں۔ میں نے کراچی کی ایک آرٹ گیلری سے بات تقریباً فائنل کر دی ہے۔ بس ذرا کچھ الجھا ہوا تھا ایک مسئلے میں اس لیے ابھی تک کراچی جانا نہیں ہو سکا۔"

"کیا بات تھی سر' کوئی پریشانی؟"

"ہاں..... نہیں تو' کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔"

انہوں نے اسے اطمینان دلایا اور سوچا۔

"شکر ہے کے مسئلہ حل ہو گیا ورنہ وہ خود بھی عاشی کی ضدی طبیعت سے اندر سے کچھ خوف زدہ سے تھے اور چاہتے تھے کے عاشی کو پیار اور نرمی سے سمجھائیں اور انہوں نے بہت شفقت اور محبت سے اسے سمجھایا تھا کہ اسے شرجیل مرزا جیسے شخص کے ساتھ گھومنا زیب نہیں دیتا۔"

"کیا بجو نے آپ سے میری شکایت کی ہے؟"

اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔

"نہیں تو' میں نے خود دیکھا ہے تمہیں عاشی۔ تم اور شرجیل مرزا دونوں کو جو مجھے اچھا نہیں لگا۔ میری غیرت نے اسے گوارا نہیں کیا۔"

اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ وہ حویلی سے واپس آتے ہوئے ہی اپنے ایک کولیگ کے ساتھ "کنگ کانگ" چلے گئے تو انہوں نے عاشی کو وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اچھا' میں سمجھی شاید بجو نے آپ سے شکایت لگائی ہے۔ وہ خوامخواہ ہی انکل فجی کے خلاف ہو گئی ہیں۔ ورنہ انکل فجی تو بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ ان سے ملیں نا کبھی تو۔"

"اچھے انسان ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے عاشی۔ مجھے پسند نہیں ہے کہ تم..... عثمان احمد خان کی بیٹی ہو کر یوں غیر مردوں کے ساتھ ہوٹلوں اور کیفوں میں گھومو۔"

اور عاشی نے اس طرح انہیں دیکھا تھا جیسے اسے ان کی بات پر از حد حیرت ہوئی ہو اور انہیں یقین تھا کہ عاشی ان کی بات کا مان رکھے گی۔

لیکن اس روز جب وہ زینب ولا گئے تو شرجیل مرزا لونگ روم میں دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا اور عاشی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ غالباً دونوں ابھی ابھی کہیں باہر سے آئے تھے اور وہ اسے خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

"عاشی!"

وہ اتنے زور سے بولے تھے کہ عاشی نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا اور یک دم زرد پڑ گئی تھی۔ شرجیل مرزا نے غالباً اسے تسلی دینے کے لیے اپنا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا تو انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے کھینچ لیا اور شرجیل مرزا سے درخواست کی تھی کہ وہ چلا جائے لیکن وہ بڑے اعتماد کے ساتھ وہیں کھڑا تمسخر سے انہیں دیکھتا رہا تھا اور غصے کی شدت سے ان کا پورا وجود تپ اٹھا تھا اور خون جیسے دماغ کی دیواروں سے ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔ بمشکل تمام انہوں نے خود کو روکا تھا ورنہ وہ شرجیل مرزا کو دھکے دے کر باہر نکال دیتے۔ عاشی بہت سہم گئی تھی اور کتنی ہی دیر تک کمرے میں آ کر بھی سسکیاں لیتی رہی تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ لگائے ہولے ہولے نرم لہجے میں سمجھاتے رہے تھے کہ یہ شخص اچھا آدمی نہیں ہے۔

"لیکن عادل بھائی' انکل فجی مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے روتے روتے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

اور لمحہ بھر کو وہ ششدر سے رہ گئے تھے اگرچہ مریم نے انہیں بتایا ہوا تھا کہ عاشی انکل فجی سے شادی کرنا چاہتی ہے پھر بھی عاشی کے منہ سے سن کر انہیں بے حد عجیب سا لگا تھا لیکن جلد ہی سنبھل کر انہوں نے فوراً اسے دیکھا تھا۔

"اور تم.....؟"

"میں..... مجھے بھی انکل فجی اچھے لگتے ہیں۔"

اس نے سر جھکا لیا۔

"اور وہ جو ڈاکٹر عبدالمعید ہیں' وہ....."

"میں ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"اس کی کوئی وجہ تو ہو گی گڑیا۔ ورنہ وہ تو بے حد نفیس انسان ہیں اور میں تو بہت خوش تھا کہ میری بہن ایسے شخص کے ساتھ خوش رہے گی مگر تم شرجیل مرزا کو ڈاکٹر عبدالمعید پر کیوں ترجیح دے رہی ہو؟"

وہ خاموش ہی رہی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اوکے' اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔ ابھی تم اپ سیٹ لگ رہی ہو' سو جاؤ..... اور ایک بات یاد رکھنا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور تم مجھ سے ہر بات بلا جھجک کر سکتی ہو..... میرے لیے تمہاری خوشی ہر شے سے مقدم ہے۔"

اور اسے کوئی بھی بات نہ سوچنے کی تلقین کرتے ہوئے وہ باہر آئے تو مریم یونہی ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی تھی اور اس کا رنگ خطرناک حد تک زرد ہو رہا تھا..... کس قدر کم حوصلہ اور نازک تھی وہ..... ان کا جی چاہا اسے دل میں چھپا لیں۔ لمحہ بھر تو وہ اسے یونہی دیکھتے رہے تھے اور پھر جیسے ہی نگاہیں اٹھا کر اس نے انہیں دیکھا تھا' انہوں نے نظریں جھکا لی تھیں۔

اور یہ صرف مریم کی ناپسندیدگی ہی کی بات نہ تھی کہ وہ کئی دن تک زینب ولا جا کر عاشی کو سمجھاتے رہے تھے بلکہ خود بھی شرجیل مرزا انہیں قطعی پسند نہیں آیا تھا اور پھر اس کی شہرت بھی کوئی بہت زیادہ اچھی نہ تھی۔ جب وہ اسے اور ڈاکٹر عبدالمعید کو COMPARE کرتے تو اس کا پلڑا آسمان سے جا لگتا تھا۔ انہوں نے اپنے طور پر یونہی برسبیل تذکرہ مجتبیٰ سے شرجیل مرزا کا ذکر کیا تھا تو اس کے متعلق جو کچھ مجتبیٰ حیدر نے بتایا تھا وہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ عاشی کی ضد مان لیتے پھر زینب نے بھی ان سے درخواست کی تھی کہ وہ عاشی کو سمجھائیں۔ وہ خود پریشان تھیں "میں ڈاکٹر ہادی کو زبان دے چکی ہوں' عادل کیا سوچیں گے وہ اور پھر دونوں کی عمروں میں بہت فرق ہے۔ ایک بار نجی نے مریم کے لیے خواہش کی تھی تو عثمان نے از حد مخالفت کی تھی اس کی۔"

بات صرف عمروں کی تو نہ تھی' مجتبیٰ نے انہیں بتایا تھا کہ وہ تو اس میدان کا پرانا کھلاڑی ہے۔ نہ جانے کتنی لڑکیوں سے شادیاں کر کے انہیں چھوڑ چکا ہے۔ جہاں اس کی دال نہیں گلتی' وہاں شادی کر لیتا ہے لیکن مشہور یہی کر رکھا ہے کہ کنوارہ ہے۔

اور عاشی ان کی بات سننے کے لیے تیار نہ تھی۔

"میں جانتی ہوں بجو اور ماما نے آپ کو ورغلایا ہے۔"

"نہیں عاشی' ایسا نہیں ہے۔ ایک بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے میں خود سمجھ سکتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا بہتر ہے۔"

"نہیں' آپ نہیں سمجھ سکتے عادل بھائی اس لیے کہ آپ میرے سگے بھائی نہیں ہیں۔ سگے بھائی ہوتے تو جیسا آپ نے کہا تھا' میری خوشی آپ کو ہر بات سے زیادہ مقدم ہوتی اور میری خوشی یہ ہے کہ مجھے ڈاکٹر عبدالمعید سے شادی نہیں کرنا' مجھے انکل نجی سے شادی کرنا ہے۔"

وہ اٹھ کر چلی گئی تھی اور وہ کتنی ہی دیر تک خاموش بیٹھے رہے تھے' ایک دم جیسے سے ڈھے سے گئے تھے۔ یہ عاشی نے کیا کہہ دیا تھا۔ وہ عاشی کو کتنا عزیز رکھنے لگے تھے اور انہوں نے کبھی عاشی' نینا یا مور کے لیے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ ان کے سگے بہن بھائی نہیں ہیں۔

"عاشی یونہی بول دیتی ہے' بلا سوچے سمجھے۔" مریم نے ان سے معذرت کی۔

"اور یوں بھی وہ اس وقت ضد میں ہے ورنہ میں جانتی ہوں' وہ اگر کسی کا احترام کرتی۔ محبت کرتی ہے تو وہ آپ ہیں۔"

"شاید!"

وہ بے حد افسردہ اور دل گرفتہ ہو رہے تھے۔

"اسے تو میرے خلوص پر بھی شک ہے اور وہ مجھے بھی سگی اور سوتیلی کے حساب سے دیکھنے لگی ہے۔"

اس کی آواز بھیگ گئی تھی اور آنکھوں میں جگنو سے چمکنے لگے تھے ...... اور وہ اپنا دکھ بھول کر اسے دلاسا دینے لگے۔

"آپ کا کیا خیال ہے مریم' اب کیا کوئی راستہ رہ گیا ہے؟"

"شاید نہیں۔"

وہ بے حد افسردہ تھی اور اس کے چہرے پر ملال کے رنگ لحہ بہ لحہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"اور کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ مسز زینب اپنے ہاتھوں سے عاشی اور شرجیل کی شادی کر دیں بجائے اس کے کہ وہ خود کر لیں۔"

مریم خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی اور اس کی آنکھوں میں چمکتے جگنو ٹوٹ کر رخساروں پر ٹک گئے۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے آنسو بہاتی رہی اور وہ انتہائی دکھ' مایوسی اور دل گرفتگی سے اسے روتے دیکھتے رہے کہ وہ اب اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

"آپ ماما سے بات کریں گے عادل بھائی یا میں خود کروں؟" تھوڑی دیر بعد عاشی پھر ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں کوشش کروں گا عاشی کہ انہیں قائل کر سکوں لیکن اگر وہ نہ مانیں تو......؟"

"وہ مان جائیں گی۔ میں انہیں جانتی ہوں لیکن اگر وہ نہیں مانیں تو شرجیل خود انہیں منا لیں گے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ ماما کو دو منٹ میں قائل کر سکتے ہیں۔"

انہوں نے ایک خاموش نظر عاشی پر ڈالی۔

گہرے میک اپ میں اس نے اپنے چہرے کی زردی کو چھپانے کی کوشش کی تھی اور بہت فریش دکھائی دے رہی تھی حالانکہ کچھ دیر پہلے اس کا چہرہ بے حد زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں کے گرد مسلسل رونے سے حلقے سے دکھائی دے رہے تھے۔

"اوکے!"

اس نے ان کی طرف باری باری دیکھا۔

"میں ذرا باہر جا رہی ہوں...... ماما آجائیں تو پلیز' ان سے بات کر لیجیے گا' نجی کو بہت جلدی ہے۔"

وہ ہاتھ ہلاتی چلی گئی اور وہ بے بسی سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

مسز زینب جو پارلر گئی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر بعد واپس آئیں تو انہوں نے بے حد مایوسی سے انہیں بتایا کہ عاشی کسی بھی صورت اپنی خواہش سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہے۔

اور جیسا کی مریم کو توقع تھی' پہلے تو وہ بہت دیر تک تیز تیز بولتی رہیں پھر انہیں ڈیپریشن ہونے لگا اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ان کی آواز سن کر اوپر سے عاصمہ آگئی تھی اور آخری سیڑھی پر پورا منہ کھول کر

جمائیاں لیتی ہوئی وہ کچھ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر زینب کے بیڈروم میں جانے کے بعد نیچے اتر کر مریم کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

"اے مریم' یہ بھابی اتنا اونچا اونچا کیوں بول رہی تھی؟"

"یونہی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"ہمارے خلاف تو نہیں چلا رہی تھی۔ ہم اپنے بھائی کے گھر رہتے ہیں۔ اس کا کھاتے ہیں۔ بتا دینا اپنی اماں کو۔ زیادہ بولیں تو طلاق دلوا دیں گے' ہاں۔"

اور عادل کی طبیعت مکدر ہوئی۔ انہوں نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا مریم' میں چلتا ہوں۔ آپ اپنی ماما کے پاس جا کر بیٹھیں اور پریشان نہ ہوں۔ ریلیکس ہو جائیں گی ابھی اور اگر طبیعت کچھ دیر تک بحال نہ ہو تو ڈاکٹر ہادی یا عبدالمعید کو کال کر لیجیے گا۔"

"لو میری وجہ سے جا رہے ہو تو میں چلی جاتی ہوں اوپر...... ویسے میں نے تم سے تو کچھ نہیں کہا تھا۔ یہ تو ہماری بھابی ہے' بھائی کی ساری کمائی سنبھال کر بیٹھی ہے۔ ہمارا دل گردہ ہے کہ اسے اس کی اولادوں سمیت برداشت کر رہے ہیں پھر بھی ہم پر چلاتی ہے اور مومن کو اکساتی رہتی ہے کہ ہمیں چلتا کرے۔"

پروفیسر عادل نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور مریم کی طرف دیکھا۔

"اوکے مریم!"

"اوکے اللہ حافظ۔"

مریم نے آہستگی سے کہا۔

"بعض حقائق بہت تلخ ہوتے ہیں لیکن انہیں قبول کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات انسان بہت مجبور ہو جاتا ہے۔ جب دونوں طرف کھائی ہو تو نسبتاً کم تکلیف دہ موت کا انتخاب کرنا چاہیے۔"

انہوں نے اسے حوصلہ دیا اور تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھے اور جاتے جاتے انہوں نے سنا۔

عاصمہ پوچھ رہی تھی۔

"اے' یہ کون ہے تیرا؟"

مریم کوئی جواب دیے بغیر زینب کے بیڈروم کی طرف بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا اور عاصمہ نے بھی انہیں مڑ کر دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور شاید اسی لیے انہیں سنانے کی خاطر قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"اللہ جانے کون ہے' ہر دوسرے تیسرے دن چلا آتا ہے۔"

وہ زور سے دروازہ اپنے پیچھے بند کرتے ہوئے باہر نکل آئے تھے اور پورچ میں گاڑی سے ٹیک لگائے عاشی کھڑی تھی۔

"عاشی' تم گئی نہیں؟"

بے حد حیران ہو کر انہوں نے پوچھا اور اس کے قریب چلے آئے۔

"تم ٹھیک تو ہو نا گڑیا۔ میں ہوں نا تمہارا بھائی' میں نے زینب آنٹی سے بات کی ہے۔ ہم تمہاری خوشی میں خوش ہیں۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ بے شک اس میں ہماری مرضی شامل نہیں ہے لیکن ہم نے تمہاری خوشی اور صرف تمہاری خوشی کی خاطر......"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور غور سے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی اور اس کی پلکیں بھیگی بھیگی لگ رہی تھیں۔ جیسے کچھ دیر پہلے روئی ہو۔

"تمہاری ماما' انکل ہادی سے معذرت کر لیں گی۔ تم شرجیل مرزا سے کہہ دینا کہ وہ اپنا باقاعدہ پروپوزل بھجوا دیں۔" از حد دکھ محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بات مکمل کی۔

"نہیں...... نہیں۔"

عاشی نے یکدم دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

"مجھے شرجیل مرزا سے شادی نہیں کرنی...... عادل بھائی!"

اور وہ بے حد حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ کس قدر مختلف بات کہہ رہی تھی اور کس قدر ناراض دکھائی دیتی تھی لیکن اب......

ایک دم ان کا ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا' جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ ان کے دل سے اتر گیا ہو۔ ان کا جی چاہا' ابھی پیچھے پلٹ جائیں اور مریم کو جا کر یہ خوش خبری دے دیں جو اس قدر آزردہ ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس کے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے' وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"ریلیکس گڑیا!"

انہوں نے بہت شفقت سے اس کے آنسو پونچھے۔

"چلو میرے ساتھ' تمہیں آج اپنے خدا بخش صاحب کے ہاتھ کی چائے پلواتے ہیں اور پھر لمبی ڈرائیو کرتے ہوئے دونوں بہن بھائی بہت ساری باتیں کریں گے اور میں تم سے تھوڑی سی لڑائی بھی کروں گا' تمہیں پتا ہے نا' میں تم سے ناراض ہوں۔ پتا ہے کیوں...... تم نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ میں تمہارا سگا نہیں سوتیلا بھائی ہوں۔"

انتہائی لائٹ موڈ میں اس سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"sorry عادل بھائی!"

اس نے بیٹھتے ہوئے ندامت سے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"عاشی' ایک بات یاد رکھنا ہمیشہ' تمہاری رگوں میں بھی وہی لہو دوڑ رہا ہے جو میری رگوں میں دوڑ رہا ہے...... اور میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ تمہیں جنم دینے والی میری ماں نہیں ہے۔"

وہ نہیں جانتے تھے کہ عاشی نے ایک دم یہ فیصلہ کیوں کرلیا تھا۔ آدھا گھنٹا پہلے تک تو وہ اپنے فیصلے میں بہت سخت تھی پھر...... انہوں نے اس سے یہ فیصلہ بدلنے کی وجہ نہیں پوچھی تھی لیکن وہ بہت مطمئن اور بہت خوش تھے...... زینب بھی مطمئن ہوگئی تھی اور مریم تو اتنی خوش تھی کی اس نے بے اختیار دعا کی تھی کہ خدا کرے وہ ہمیشہ یونہی خوش رہے اور اس کی آنکھوں میں غم کے تارے نہیں' خوشی کے جگنوں یونہی جگمگاتے رہیں۔ عاشی نے کالج میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرلیا تھا اگرچہ وہ کافی لیٹ تھی پھر بھی انہوں نے بھاگ دوڑ کر کے اسے داخلہ دلوا دیا تھا...... اور اب بے حد مطمئن ہوکر ماں جی کو ملنے حویلی آئے تھے۔ بی آپا یہاں ہوتی تھیں تو انہیں ماں جی کی اتنی فکر نہیں ہوتی تھی مگر اب بی آپا کراچی میں تھیں اس لیے وہ دس پندرہ دن بعد حویلی کا چکر ضرور لگاتے تھے۔

"سر' آپ کیا سوچنے لگے؟"

مسرور نے انہیں مسلسل خاموشی سے سگریٹ پھونکتے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

انہوں نے آخری کش لگا کر سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک دیا۔

"یونہی' تمہیں بتایا ہے نا کہ ایک مسئلے میں الجھ گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کے بخوبی وہ مسئلہ حل ہوگیا۔ خیر سناؤ' دل لگ گیا ہے نا بلکہ میرا خیال ہے' مانی تمہیں بور نہیں ہونے دیتا ہوگا۔"

"جی سر!"

"گھر کب گئے تھے' امی کیسی ہیں تمہاری؟"

"کافی دن ہو گئے ہیں۔ ایک دو روز تک جاؤں گا۔ ویسے خط آیا تھا امی کا' پہلے سے بہتر ہیں۔ شیری کی تجویز کی ہوئی دوا انہیں سوٹ کر گئی ہے۔"

"ہاں' شہریار کیسا ہے؟"

"امی نے لکھا تھا کہ پچھلے دنوں اس کا...... ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا لیکن تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔ بہرحال کوئی خطرے والی بات نہیں تھی۔"

"بھئی' کبھی خط لکھواسے تو میری دعا بھی لکھ دینا۔"

"جی سر' سوچ تو رہا ہوں خط لکھنے کا۔"

مسرور کھڑا ہوگیا۔

"اب میں چلوں گا۔ آپ ابھی کچھ دن رہیں گے نا یہاں؟"

"نہیں بس کل کا دن ہے۔ پرسوں صبح انشاءاللہ واپسی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے سر' پھر کل شام ملاقات ہوگی اور ہوسکتا ہے میں بھی آپ کے ساتھ جانے کا پروگرام بنالوں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے مسرور بلکہ تم پروگرام بنا ہی لو...... راستے میں باتیں کرتے ہوئے سفر اچھا کٹ جائے گا اور میں تمہیں فرانسیسی مصوری کی تحریک impressionism کے متعلق مزید کچھ بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے سر' کل پھر فائنل کرلیں گے۔"

مسرور خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا تو وہ اندر ماں جی کی طرف چلے گئے تا کہ انہیں بتا کر...... وہ چاچا عبدالرحمٰن سے مل آئیں۔

مگر ماں جی نے کامل کی باتیں شروع کردیں تو انہوں نے چاچا عبدالرحمٰن کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کردیا اور ماں جی کی باتیں سننے لگے اور باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نا چلا۔ مسجد میں عشاء کی اذان ہورہی تھی جب وہ ماں جی کے پاس سے اٹھے۔ ماں جی بھی نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھے تو ماں جی نے آہستگی سے کہا۔

"عادل بیٹا' نماز پڑھ لیا کرو۔"

"جی ماں جی کوشش تو کرتا ہوں۔"

وہ نادم سے ہوگئے۔ کتنی بار وہ سوچتے تھے کہ نماز باقاعدگی سے پڑھا کریں۔ دو چار روز تو باقاعدگی رہتی اور پھر گڑبڑ ہوجاتی تھی۔ وہ دل ہی دل میں آیندہ باقاعدگی سے پڑھنے کا عہد کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ملازم نے آکر اطلاع دی کہ مسرور آیا ہے۔

"مسرور!"

انہیں از حد حیرت ہوئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ یہاں سے ہوکر گیا تھا۔

زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے ہوئے تھے اسے گئے ہوئے اور "خدا خیر کرے' سب خیریت ہو۔ مسرور کی امی کو اللہ زندگی دے......" انہوں نے بے آواز دعا کی اور تیز تیز چلتے ہوئے باہر تک آئے۔ مسرور کی آنکھیں کسی اندرونی جوش سے چمک رہی تھیں اور چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔

"خیریت...... خیریت ہے نا مسرور؟"

"جی...... جی سر۔" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ "سر...... سر' وہ کامل مل گیا ہے۔"

"کیا کامی!" انہوں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی...... جی سر۔ وہ کامی ہی ہے سر' میں اسے پہچانتا ہوں۔"

"کہاں۔ کہاں ہے وہ؟" پروفیسر عادل کی آواز کانپ گئی اور آنسو باہر آنے کو جیسے بے تاب ہونے لگے۔

"سر' وہ ادھر ہے۔ ادھر میرے کمرے میں۔ آپ پلیز چلیں نا۔"

''تم...... تم اسے ساتھ کیوں نہیں لے آئے مسرور؟'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''وہ ضد کر رہا تھا' نہیں آ رہا تھا' میرے ساتھ۔ میں اسے گھر ہی میں وہاں اپنے کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔''

''اور اگر وہ وہاں سے چلا گیا تو مسرور تم...... تم کیوں چھوڑ آئے ہو اسے اکیلا۔'' وہ بے حد مضطرب سے ہو گئے تھے۔

''نہیں سر۔'' اب کے مسرور نے اپنے اوپر قابو پا لیا تھا ''وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے پاس آمنہ صفی اور تصدق احمد بھی ہیں۔ میں یہاں سے گیا تو وہ میرے منتظر تھے۔''

''لیکن وہ تمہیں ملا کہاں سے مسرور اور کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ کامی ہی ہے نا؟'' انہوں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پھر پوچھا۔

''جی سر' وہ کامی ہے۔ آپ چلیں نا سر' وہاں چل کر ساری بات ہوتی ہے۔'' مسرور کے چہرے پر ابھی تک سرخی تھی۔

پروفیسر عادل نے ایک لمحہ کے لیے سوچا کہ وہ ماں جی کو کامل کے ملنے کا بتائیں لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ مسرور کے ساتھ چل دیے۔

❁ ❁ ❁

''بجو۔'' عاشی نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور مریم کی طرف دیکھا۔ جو بہت دیر سے اس کے بالکل سامنے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی ''یہ جو محبت ہوتی ہے' کیا واقعی بہت تکلیف دہ اور ظالم ہوتی ہے اور کیا اس کے بچھڑ جانے سے آدمی کو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے' جتنی مجھے ہو رہی ہے۔''

''عاشی۔'' مریم نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ شدت گریہ سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور رخسار دمک رہے تھے ''کیا تم انکل فجی سے سچ مچ محبت کرنے لگی تھیں۔''

''پتا نہیں۔'' اس نے بے بسی سے مریم کی طرف دیکھا ''لیکن مجھے ایسا ہی لگتا تھا' جیسے دنیا میں ان سے بڑھ کر کوئی بھی میرا اپنا نہیں ہے۔''

''کیا تم ان سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ تم ان کے ساتھ زیادہ خوش رہو گی؟'' مریم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ عاشی پچھلے کئی دنوں سے کتنی ڈسٹرب تھی۔ اس قدر مضطرب اور بے چین کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح اسے تسلی دے۔ وہ تو خود نہیں چاہتی تھی کہ عاشی' شرجیل مرزا جیسے شخص سے شادی کرے اور ڈاکٹر عبدالمعید کتنے اچھے' کتنے نائس تھے لیکن اس سے عاشی کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس روز سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نہ کپڑے تبدیل کیے تھے' نہ بال بنائے تھے۔ وہ عادل سے کہے گی کہ ٹھیک ہے عاشی کی شادی انکل فجی سے ہی ہو جائے۔ وہ اتنی کم سن ہے اور اتنی نازک دل کہ وہ برداشت نہ کر پائے شاید وہ سچ مچ انکل فجی سے

محبت کرنے لگی ہے۔

''عاشی' میں ماما کو راضی کرنے کی کوشش کروں گی اور میں عادل بھائی سے بھی کہوں گی کہ وہ ماما سے کہیں کہ تم صرف انکل فجی کے ساتھ ہی خوش رہ سکتی ہو۔ ماما مان جائیں گی۔ مجھے یقین ہے عاشی۔ تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ ماما مان گئیں نہ تو پھر عادل بھائی کا کیا ہے۔ وہ بھلا کس کی پروا کرتی ہیں! چلو اٹھو کپڑے تبدیل کرو۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ ہم آج لمبی ڈرائیو پر جاتے ہیں۔''

''نہیں بجو۔'' عاشی نے مریم کی طرف دیکھا ''مجھے انکل فجی سے شادی نہیں کرنا۔''

''تمہیں عادل بھائی سے ڈر لگتا ہے نا' میں انہیں منا لوں گی۔ آئی پرامس عاشی۔ میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ وہ تمہیں سمجھائیں لیکن سوری عاشی' مجھے پتا نہیں تھا کہ تم...... تم انکل فجی سے اتنی شدید محبت کرنے لگی ہو۔''

''نہیں بجو۔ مجھے اب انکل فجی سے شادی نہیں کرنی۔ کبھی نہیں۔'' عاشی نے چونک کر کہا ''انکل فجی بہت گھٹیا آدمی ہیں...... بہت فضول۔ پتا ہے' اس روز جب میں گھر سے نکلی تھی نا تو ان کے دفتر میں گئی تھی اور وہاں دفتر میں ان کے ساتھ کوئی اور لڑکی تھی اور وہ دونوں......'' اس کی آواز بھرا گئی ''پتا ہے بجو لیکن وہ...... جو کچھ مجھے کہتے تھے' وہ سب کچھ جھوٹ تھا...... وہ صرف آپ کو اور ماما کو پریشان کرنے کے لیے میری طرف بڑھے تھے۔ آپ صحیح کہتی تھیں بجو لیکن میں...... میں......'' یک دم اس نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا اور زور زور سے رونے لگی مریم نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

''میں نے خود اپنے کانوں سے سنا بجو' وہ کہہ رہے تھے کہ عاشی...... وہ ذرا سی ہاتھ بھر کی لڑکی وہ بھلا مجھے......'' اس کی آواز اندر کہیں بھنچ گئی ''بجو...... مجھے اپنے ساتھ زور سے بھینچ لو...... نہیں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ مجھے لگتا ہے جیسے میرا دل......''

''میری جان۔'' مریم نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ خود اس کا دل جیسے سینے کی چار دیواری سے باہر آنے کو بے چین ہو رہا تھا۔

''اور خدا کرے' یہ شخص کبھی خوش نہ رہے۔'' اس نے دل ہی دل میں اسے بد دعا دی۔

بڑی دیر بعد عاشی سنبھلی تو اس کے آنسو پونچھتے ہوئے مریم نے اس کے رخساروں پر پیار کیا۔

''مجھے یقین ہے۔ عاشی کے ہولے ہولے تمہارا دل سنبھل جائے گا اور پتا ہے۔ یہ محبت ہرگز نہیں تھی۔'' وہ مسکرائی۔

''یہ محض تمہاری ضد تھی۔ ورنہ معید بھائی تو اتنے اچھے ہیں۔ وہ سچ مچ تم سے محبت کرتے ہیں اور تم انہیں پہلی نظر ہی میں بہت اچھی لگی تھیں اور تم ان کے ساتھ بہت خوش رہو گی...... انکل ہاشم' انکل ہادی سب کتنے اچھے ہیں عاشو۔ محبت کرنے والے چاہنے والے۔''

عاشی سر جھکائے سنتی رہی اور مریم نرم آواز میں ہولے ہولے اسے بہلاتی رہی۔

"بجو کیا آپ کو ڈاکٹر شہر یار یاد آتے ہیں؟" ایک دم ہی عاشی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور وہ بولتے بولتے چپ کر گئی۔ دل کے اندر جیسے کسی نے سوئی چبھو دی تھی۔

"بجو کیا آپ ان سے محبت کرتی تھیں؟" عاشی نے پھر پوچھا۔

مریم نگاہیں جھکائے ساکت بیٹھی تھی۔

"مجھے پتا ہے، آپ ان سے محبت کرتی ہیں۔ وہ بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اس روز جب آپ دونوں وہاں ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے تو وہ جس طرح آپ کو دیکھ رہے تھے وہ محبت ہی تھی اور مجھے یہ بھی پتا ہے بجو کہ ماما کبھی بھی آپ کی شادی ان سے نہیں کریں گی۔ جب ان کے بابا اور ماں جی آئے تھے نا تو میں نے خود سنا تھا کہ ماما آنٹی نرگس سے کہہ رہی تھیں کہ وہ کبھی بھی کسی مڈل کلاس میں اپنی بیٹی کی شادی نہیں کریں گی۔ بلاشبہ شہر یار خوبصورت اور اچھا ہے لیکن یہ جو مڈل کلاس کے لوگ ہوتے ہیں نا یہ تمام عمر اپنے ہی کمپلیکس میں مبتلا رہتے ہیں اور کمپلیکسز انہیں ڈھنگ سے محبت بھی نہیں کرنے دیتے اور پتا ہے بجو! آنٹی نرگس اور ماما یہ بھی جانتی ہیں کہ آپ اور ڈاکٹر شہر یار ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" مریم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بجو میں نے خود سنا تھا۔ آنٹی نرگس کہہ رہی تھیں.... کہ مومو شاید شہر یار کو پسند کرتی ہے تو ماما نے کہا تھا مومو بیوقوف ہے۔"

مریم نے ایک گہری سانس لے کر نگاہیں جھکا لیں۔

"بجو کیا آپ کو یہ سوچ کر کہ ڈاکٹر شہر یار اور آپ ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔ دکھ ہوتا ہے۔"

"دکھ۔" مریم نے سوچا۔

شاید اس احساس کے لیے لغت میں اس سے بڑا لفظ ہو تو...... ڈاکٹر شہر یار اور وہ...... وہ اور شہر یار کچھ خواب بے تعبیر رہتے ہیں اور خوابوں کے بے تعبیر رہنے کا دکھ کیسا ہوتا ہے۔ اسے لگا جیسے اس کے سینے کے اندر موجود دل پانی پانی ہونے لگا ہو۔

"یہ دکھ کیسا ہوتا ہے بجو بچھڑ..... جانے کا نہ پانے کا دکھ...... اس شخص کو نہ پانے کا دکھ جسے پانے کا خواب آپ نے دیکھا ہو۔"

پوچھنے والے تمہیں کیسے بتائیں آخر
دکھ عبارت تو نہیں ہیں کہ جو لکھ بھیجیں
یہ کہانی بھی نہیں ہے کہ سنائیں تجھ کو
آئینہ بھی تو نہیں ہے کہ دکھائیں تجھ کو

"بجو۔" عاشی کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں جس پر کئی رنگ آ کر جا رہے تھے "بجو اگر ڈاکٹر شہر یار

آپ سے بے وفائی کرتے۔ اگر وہ آپ کی محبت کی توہین کر دیتے تو کیا وہ اس دکھ سے بڑا ہوتا جس دکھ سے آپ آج کل گزر رہی ہیں۔"

"محبت کی توہین کا دکھ، دھوکا کھا جانے کا دکھ، کھلونا بن جانے کا دکھ، بچھڑ..... جانے کے دکھ سے کہیں بڑا ہوتا ہے بجو...... بہت بڑا۔ میرا دکھ آپ سے بڑا ہے۔ مجھے انکل شجی نے بے وقوف بنایا ہے۔ مجھے......" اس کی آواز بھرا گئی اور آنسو ایک بار پھر اس کے رخساروں پر بہہ آئے۔ مریم نے اسے پھر بازوؤں میں لے لیا۔

"عاشی، پلیز اب اس شخص کا ذکر نہ کرنا۔ وہ شخص تمہارے قابل تھا ہی نہیں...... خدا کا شکر کہ اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔" مریم نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا "اور اب ریلیکس ہو جاؤ۔ ماما تمہارے لیے پریشان تھیں۔"

"ماما میرے لیے......" عاشی نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے حیرت سے پوچھا اور پھر ہولے سے مسکرا دی۔

"ماما ہم میں سے کسی کے لیے پریشان نہیں ہو سکتیں وہ صرف اپنے لیے پریشان ہو سکتی ہیں اور...... اور غضنفر ملک کے لیے......"

"تم ناحق ماما سے خفا ہو گئی ہو۔ وہ ہم سب سے بہت پیار کرتی ہیں۔"

"تم بھی تو ماما سے خفا رہتی تھیں نا۔"

"ہاں اور تمہیں پتا ہے۔ عاشی۔ ماما سے میرا پہلا جھگڑا بھی اسی شخص کی وجہ سے ہوا تھا۔ شرجیل مرزا کی وجہ سے۔ یہ ماما کو میرے خلاف ورغلاتے تھے۔"

"اور انکل شجی مجھ سے کہتے تھے تم اور ماما دونوں......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

صفو نے اندر جھانکا "فون ہے جی۔ بڑی دیر سے بیل ہو رہی ہے۔"

"کس کا؟" مریم نے مڑ کر اسے دیکھا۔

تیمور بابا کا مری سے۔"

اوہ اچھا۔ ان کی تو چھٹیاں ہونے والی تھیں۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اپنی پریشانی میں اسے تو خیال نہ نہیں رہا تھا اور ماما از حد مصروف تھیں۔

"وہ جی پانچ منٹ بعد کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔" اس نے مڑ کر عاشی کی طرف دیکھا۔

"عاشی تمہیں یاد ہے جو مو اور نینا کے اسکول سے خط آیا تھا۔ اس میں چھٹیوں کی کون سی تاریخ لکھی تھی؟"

"پتا نہیں۔"

''اور ماما تو بالکل بے نیاز ہوگئی ہیں یا تو گھر سے باہر رہتی ہیں اور گھر پر ہوں تو اپنے سسرال والوں کو بھگتاتی رہتی ہیں اور پتا نہیں وہ کیسے برداشت کرتی ہیں انہیں۔ حالانکہ ماما کی طبیعت اور مزاج ایسا نہیں تھا کہ وہ ان جیسے لوگوں کو برداشت کرتیں لیکن شاید غضنفر ملک کی وجہ سے وہ مجبور تھیں اور عاشی ٹھیک کہتی ہے کہ ماما کو صرف اپنے آپ کا خیال ہے اور اپنے آپ سے محبت ہے۔ مور کس قدر ناراض ہوگا۔''

باہر گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ تیزی سے باہر لپکی۔

''بجو اسلم چاچا کیوں نہیں آئے؟'' تیمور نے اس کی آواز سنتے ہی کہا ''ہم صبح سے انتظار کر رہے ہیں۔''

''میری جان۔ وہ اسلم چاچا گھر پر نہیں تھے نا اس لیے لیٹ ہوگئے ہیں۔ ابھی بھیجتی ہوں انہیں۔''

''ابھی بجو...... اب تو دیر ہوگئی ہے۔ اب تو وہ آدھی رات کو کہیں پہنچیں گے اور رات کو سر پیٹر جانے نہیں دیں گے۔''

''رات کو سفر کریں گے نا تو صبح آپ کی طرف آجائیں گے۔ رات کو راولپنڈی ٹھہر جائیں گے اور انشاء اللہ صبح آٹھ نو بجے تمہارے پاس ہوں گے۔''

''بجو کیا آپ کو اسکول سے چھٹیوں کا لیٹر نہیں ملا تھا؟'' وہ بے انتہا ذہین تھا۔

''نہیں لیٹر تو مل گیا تھا۔ کیوں؟''

''اچھا میں سمجھا تھا شاید آپ کو پتا ہی نہیں کہ چھٹیاں ہو رہی ہیں۔''

''کیا سب لوگ چلے گئے ہیں؟''

''نہیں تو ابھی تقریباً آدھے بچے گئے ہیں۔ کل تک سب چلے جائیں گے اور پتا ہے آج رات مدر جوائس کرسمس ٹری سجائیں گی۔ میرا ایک دوست کہہ رہا تھا۔ بہت مزہ آئے گا۔'' وہ بتانے لگا۔

تیمور سے بات کر کے وہ زینب کے بیڈروم کی طرف آئی اور ہولے سے دستک دی۔

''کم آن۔'' ماما ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھیں' انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا ''کیا بات ہے مومو؟''

''ماما وہ آج مور اور نینا کی چھٹیاں ہونی تھیں۔ کیا آپ نے چاچا اسلم کو بھیجا نہیں۔ تیمور کا فون آیا تھا۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔''

''غزنی، میں نے تم سے کہا تھا کہ اسلم کو مری بھیجنا ہے......'' برش رکھ کر انہوں نے غزنی کو دیکھا۔

''مجھے خیال نہیں رہا۔''

''تمہیں خیال رکھنا چاہیے تھا غزنی۔ مور کس قدر SENSITIVE ہے' میں نے تمہیں بتایا تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات کو محسوس کرتا ہے۔''

''بچے تمہاری ذمے داری ہیں ڈیئر' تمہیں خود خیال ہونا چاہیے۔'' از حد بے نیازانہ انداز تھا۔

''او کے مومو تم جاؤ۔ میں ابھی اسلم سے کہہ دیتی ہوں۔ وہ چلا جائے گا۔'' مریم نے ایک نظر زینب

کے چہرے پر ڈالی اور پھر اسے عثمان احمد یاد آگئے۔ ماما کے آگے پیچھے پھرتے ان کی ہر بات کو ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے۔

ان کی زیادتیاں برداشت کرتے ہوئے

ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کوشاں۔

اور ان کے لیے پریشان ہوتے ہوئے عثمان احمد۔

کاش۔ کاش وہ ہی میرے پاپا ہوتے' میرے اپنے پاپا۔

دل میں ایک درد کی لہر سی اٹھی جس نے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ خاموشی سے ان کے بیڈروم سے باہر نکل آئی۔ کچھ دیر ٹی وی لاؤنج میں کھڑی وہ کچھ سوچتی رہی۔

یوں ہی بے معنی اور فضول باتیں۔

کیا خبر وہ عثمان احمد کی ہی بیٹی ہو۔

اور کیا خبر ماما نے جھوٹ بولا ہو۔

اور نرگس آنٹی نے ان کا ساتھ دیا ہو۔

اور نرگس آنٹی تو یوں بھی ماما کا ساتھ دیتی ہیں۔ بیگم آفندی کے ساتھ مل کر ان کا مذاق اڑانے کے باوجود وہ ان کی گہری دوست تھیں...... ہر معاملے میں ان کی رازدار۔

اور اگر یہ سچ ہے تو وہ ضرور کسی دن آنٹی نرگس سے اپنے باپ کے متعلق پوچھے گی۔ یقیناً انہیں پتا ہوگا اور ایک بار...... ہاں' ایک بار وہ اس شخص کو دیکھے گی اور اس سے ملے گی جس نے مڑ کر اس کی خبر تک نہیں لی تھی اور عثمان احمد کس قدر عظیم شخص تھے جنہوں نے اس کو کبھی سوتیلا نہیں جانا تھا...... ہمیشہ اپنی سگی بیٹی جانا تھا اور کبھی کبھی تو وہ اس کے لیے ماما سے بھی الجھ پڑتے تھے۔

اور کون یقین کرے گا کہ وہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔

اور جب وہ اسپتال میں تھے تو بھی آخری دنوں میں کتنی بار انہوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اسے عاشی اور نینا سے بڑھ کر چاہتے ہیں ''اور کیا یہ ممکن ہے کہ انہیں مجھ سے' عاشی اور نینا سے زیادہ پیار ہو۔'' اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

اور پھر کوئی جواب نہ پا کر وہیں ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اور یہ سچ ہے۔'' اس نے اپنے آپ کو یقین دلایا ''پاپا نے مجھے بے حد اور بے تحاشا چاہا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''اور میں نے بھی پاپا کو...... آئی لو یو پاپا آئی لو یو۔''

اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور سر صوفے کی پشت سے ٹکائے ہوئے

آنکھیں موند لیں اور شہر یار کا تصور بند آنکھوں میں جھلملانے لگا۔

"پتا نہیں کیسی طبیعت ہو گی اب اس کی۔ اس نے تو دوبارا عینی سے پوچھا بھی نہیں تھا کہ وہ کیسا ہے؟ اب اسپتال سے اپنے اپارٹمنٹ میں آنے کے متعلق تو عینی نے اسے بتایا تھا لیکن اس کی طبیعت کیسی تھی؟ یہ اس نے نہیں پوچھا تھا۔ حالانکہ کئی بار اس نے سوچا تھا کہ وہ عینی کو فون کر کے پتا کرے لیکن زندگی میں جیسے ایک دم بہت سے الجھاؤ پیدا ہو گئے تھے۔ گھنٹوں ایک ہی جگہ بیٹھی ایک ہی بات سوچتی رہتی تھی حالانکہ اب اسے یونیورسٹی بھی نہیں جانا ہوتا تھا لیکن پھر بھی ایسا لگتا تھا جیسے دن ایک دم بہت جلدی گزر گیا اور وہ بہت سارے ضروری کام جو اس دن کرنے تھے سب رہ گے۔ مثلاً میڈم نرگس کو فون کرنا' ماما سے اپنے باپ کے متعلق پوچھنا' ڈاکٹر عبدالمعید کے گھر جانا' شہر یار کا پتا کرنا۔

لیکن زندگی ایسا ریشم کا ڈھیر بن گئی تھی جس کے اندر ہر گزرتے دن کے ساتھ الجھاؤ بڑھتے جا رہے تھے۔ بظاہر تو اک ذرا سا بھی الجھاؤ نہ تھا لیکن اندر الجھاؤ ہی الجھاؤ تھے اور وہ جتنا اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرتی تھی اتنا ہی زیادہ وہ الجھتا جا رہا تھا۔ پتا نہیں یہ سب الجھاؤ خود ساختہ تھے یا سچ مچ ہی اس کی زندگی الجھ گئی تھی۔

اور اگر زندگی کے سفر میں شہر یار اس کے ساتھ ہوتا تو شاید وہ اپنی مشاق انگلیوں سے یہ سارے الجھاؤ ختم کر دیتا۔ دل کی گہرائیوں میں یہ خواہش ابھر کر ڈوب گئی۔

کچھ لوگ زندگی کے سفر میں بہت مختصر عرصے کے لیے ملتے ہیں۔ شاید لیکن ہمیشہ کے لیے ان کی یادوں میں ایک کسک بن کر اٹکی رہتی ہے۔ اور عاشی کہتی ہے کہ بے وفائی کا دکھ بچھڑ جانے کے دکھ سے زیادہ بڑا ہوتا ہے...... زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ۔

لیکن بچھڑنے کا دکھ بھی کتنا اذیت ناک ہوتا ہے...... یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا جس میں رہ رہ کر درد اٹھتا اور پورے وجود پر چھا جاتا۔ اور یہ بھی اچھا ہوا کہ شہر یار کے ماموں نے خود ہی منع کر دیا ورنہ اگر ماما انکار کر دیتیں تو کتنی شرمندگی ہوتی مجھے شہر یار سے۔ عاشی شاید ٹھیک کہہ رہی ہے کہ ماما کبھی بھی شہر یار کا پروپوزل قبول نہ کرتیں۔

"مور کیا کہہ رہا تھا؟" عاشی نے اس کے قریب آ کر پوچھا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ان کی چھٹیاں ہو گئی ہیں اور وہ اسلم چاچا کا انتظار کر رہا تھا۔"

"تو کیا چاچا اسے لینے نہیں گئے؟" عاشی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی اور کارنر ٹیبل سے ریموٹ اٹھایا۔

"نہیں ماما کو یاد نہیں رہا۔"

"ماما کو اب کچھ یاد نہیں رہتا سوائے غضنفر ملک کے۔" عاشی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"اسلم چاچا کو ماما ابھی بھیج رہی ہیں۔ کل وہ لے کر آ جائے گا۔" مریم نے نرمی سے کہا...... اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا "اچھی لگ رہی ہو۔"

بلیک ٹائٹس پر میرون لانگ شرٹ پہنے ہوئے اور گلے میں میرون اسکارف لٹکائے وہ کچھ فریش تو لگ رہی تھی لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں میں ایک ملال تھا جس نے اس کے پورے وجود کو اپنے احاطے میں لے رکھا تھا۔ اس نے تیار ہو کر آنکھوں میں کاجل بھی لگایا تھا لیکن پھر بھی آنکھیں سوجی سوجی اور سرخ لگ رہی تھیں۔ بہرحال اتنے دنوں بعد اس نے کپڑے چینج کیے تھے اور اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی اور یہ ایک مثبت ردعمل تھا۔ یقیناً وقت کے ساتھ ساتھ وہ سنبھل جائے گی' وقت سب سے بڑا مسیحا ہے۔

اور شاید وہ خود بھی وقت کے ساتھ شہر یار کو بھلا سکے۔ اس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور عاشی کی طرف دیکھا۔

"کیا پروگرام ہے کہیں باہر چلیں؟"

"نہیں...... کوئی خاص موڈ نہیں ہے۔ ماما کہاں ہیں گھر پر یا......؟"

"فی الحال تو گھر پر ہیں لیکن شاید کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔"

"اور وہ غضنفر ملک صاحب۔"

"وہ بھی گھر پر ہی ہیں۔" مریم نے بہ غور اسے دیکھا "کیا بات ہے' کیا ماما سے کچھ کہنا ہے؟"

"ہاں ایک کام تھا ماما سے۔"

"تو ماما اپنے بیڈروم میں ہی ہیں۔ چلی جاؤ۔"

"نہیں...... ابھی نہیں پھر سہی۔"

"کیا کام تھا؟" مریم نے پوچھا۔

"یوں ہی کوئی خاص نہیں۔" عاشی کے انداز میں بے پروائی تھی اور وہ مریم کی بات کا جواب دے کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

زی ٹی وی پر بہت اچھا اسٹیج شو چل رہا تھا۔ مریم کی توجہ بھی ادھر ہی ہو گئی تھی اور وہ اتنے دھیان سے ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ انہیں ڈاکٹر عبدالمعید کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" عاشی پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے انہوں نے محبت سے کہا۔

"ارے آپ معید بھائی۔" مریم کو انہیں یوں اچانک دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔

"جی ہم۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولے "آپ لوگوں نے مڑ کر خبر ہی نہیں لی۔ ڈیڈی آپ دونوں کو بہت یاد کر رہے تھے۔"

"انکل کیسے ہیں اب؟"

''بہت بہتر۔''

''گھر وغیرہ سیٹ ہو گیا؟'' مریم نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ حالانکہ گھر کی سیٹنگ میں کسی نہ کسی خاتون کے مشورے کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم کچھ نہ کچھ کام چل ہی گیا ہے۔'' انہوں نے ہلکا سا گلہ کیا۔

''سوری معید بھائی۔'' مریم شرمندہ ہو گئی ''میں ہر روز پروگرام بناتی تھی کہ آج ضرور چلوں گی آپ کی طرف......''

''او کے' کوئی بات نہیں۔'' ڈاکٹر عبدالمعید مسکرائے ''میں نے سوچا' یوں تو شاید آپ کو فرصت نہ ملے۔ کیوں نہ باقاعدہ انوائٹ کر لیا جائے کل رات نئے گھر میں منتقل ہونے کی خوشی میں ایک چھوٹا سا ڈنر آپ لوگ ہمارے ساتھ کریں۔''

''ارے ڈاکٹر معید' کیسے ہیں آپ اور کب آئے؟'' زینب نے اپنے بیڈروم سے باہر آتے ہوئے کہا تو ڈاکٹر عبدالمعید احتراماً کھڑے ہو گئے۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں۔ مسز عثما......'' کہتے کہتے وہ یک لخت خاموش ہو گئے اور معذرت طلب نظروں سے پہلے انہوں نے انہیں پھر ان کے پیچھے کھڑے غضنفر ملک کو دیکھا ''دراصل ڈیڈی نے نئے گھر کی خوشی میں کچھ گیدرنگ کا پروگرام بنایا ہے اس لیے آیا تھا۔'' انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے انہیں کل آنے پر اصرار کیا۔

''تھینکس مسز......ملک۔'' انہوں نے بات مکمل کرنے میں ذرا سا وقفہ لیا۔

''او کے۔ ڈاکٹر۔ تم گپ لگاؤ عاشی اور مومو کے ساتھ اور ہمیں اجازت دو کہ آج ہمیں ایک پارٹی میں جانا ہے۔''

''کوئی بات نہیں آپ جائیں میں بھی اب چلوں گا۔ مجھے ایک دو جگہ ضروری کام سے جانا تھا۔'' انہوں نے باری باری غضنفر ملک اور زینب کی طرف دیکھا۔ غضنفر ملک نخوت سے سر اٹھائے بے نیاز سا کھڑا تھا اور اس دوران نہ تو اس نے ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی ان سے کوئی بات کی تھی۔ تھری پیس سوٹ کے ساتھ میچنگ ٹائی اور رے بین کے سن گلاسز کے ساتھ وہ بہت جچ رہا تھا اور کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا بچپن اور لڑکپن کیسا گزرا ہو گا...... مریم نے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔

''او کے۔'' اس نے گلاسز اتار کر ہاتھ میں پکڑتے ہوئے پہلی بار ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف دیکھا اور انتہائی بے دلی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر عبدالمعید نے مسکرا کر ہاتھ ملایا۔

''اللہ حافظ۔'' اور پھر مریم اور عاشی کی طرف متوجہ ہو گئے ''کل آپ لوگ کس وقت آئیں گے۔ اگر جلدی آ جائیں تو مجھے ذرا تسلی رہے گی۔''

''ضرور معید بھائی' آپ بیٹھیں نا۔'' مریم نے ان کی طرف دیکھا ''ہم انشاء اللہ صبح ہی آ جائیں گے۔ نہیں بلکہ تیمور اور نینا کے آنے کے بعد آئیں گے۔''

''اوہ تو کیا وہ کل آ رہے ہیں؟'' ڈاکٹر عبدالمعید نے پوچھا۔

''جی ان کی چھٹیاں ہو گئی ہیں۔'' مریم نے بتایا۔

''عاشی' کیا آپ مجھ سے خفا ہیں؟'' ڈاکٹر عبدالمعید نے خاموش بیٹھی عاشی کی طرف دیکھا۔ جو اس دوران سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس نے کسی طرف نہیں دیکھا تھا۔ نہ ماما کی طرف اور نہ ڈاکٹر عبدالمعید کی طرف۔

''نہیں تو۔'' اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''پھر اس قدر چپ چپ سی کیوں ہیں؟'' ان کی پرشوق نظریں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

''یوں ہی۔'' ان کی نظروں کی تپش سے گھبرا کر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ رخساروں پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی...... حسن و معصومیت اور ملال نے مل کر اس کے چہرے کو عجیب سی دلکشی بخش دی تھی۔ ڈاکٹر عبدالمعید کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہری گئی تھیں اور وہ بے اختیار اسے دیکھے جا رہے تھے۔

''دراصل عاشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے کئی دنوں سے۔'' مریم نے وضاحت کی تو انہوں نے چونک کر اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں اور بے چینی سے پوچھا۔

''کیوں' کیا ہوا انہیں؟''

''یوں ہی۔ معمولی سا ٹمپریچر تھا' فلو وغیرہ۔'' مریم نے بات بتائی۔

''مجھے بلوا لیا ہوتا۔''

''اتنی سی بات کے لیے۔'' مریم مسکرائی۔

''ہاں' ڈاکٹر اپنا ہو تو اتنی سی بات کے لیے بھی بلوایا جا سکتا ہے۔ کیوں عاشی؟'' ان کے لہجے میں ہلکا سا [illegible]ی کا رنگ تھا۔

''جی۔''

''جب آپ ایگری کرتی ہیں اس سے تو پھر بلوایا کیوں نہیں۔ لایئے نبض دیکھیں آپ [illegible]'' انہوں نے خود ہی اس کی کلائی تھام لی ''ٹمپریچر تو اب بھی ہے۔ ہنڈرڈ ہو گا۔'' انہوں نے کلائی [illegible] تھامے مریم کی طرف دیکھا تو وہ پریشان ہو گئی۔

''تو پھر؟''

''میں میڈیسن دیے دیتا ہوں۔ میری گاڑی میں میڈیسن باکس ہے۔ ذرا شریف کو بھیجنا لے آئے۔''

''شریف۔'' مریم نے شریف کو بلا کر میڈیسن باکس لانے کے لیے کہا اور پھر ڈاکٹر عبدالمعید سے پوچھا ''یہ بخار کیوں ہوگیا ہے؟''

''موسم کی تبدیلی کا اثر ہے اور پھر دیکھیں' اتنی خنکی میں خاتون بغیر کسی گرم کپڑے کے ہیں۔ نہ کوئی سوئیٹر نہ کوٹ۔ ٹھنڈ لگ گئی ہوگی۔''

''یہ شرٹ اونی ہے۔'' عاشی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی ''کوئی ٹھنڈ نہیں لگی ہے صرف تھکن سے معمولی حرارت ہوگئی ہے۔''

''کیوں کیا آپ ہل جوتتی رہی ہیں۔'' ڈاکٹر عبدالمعید مسکرا رہے تھے۔

''اور یہ دکھ جو اس نے سہا تھا کیا کم کڑی مشقت تھی۔ اتنا بڑا بوجھ آپڑا تھا اس کے دل پر۔ انکل مجی ایک دھوکے باز اور فریبی شخص تھے اور اس کے علاوہ نہ جانے وہ کتنی لڑکیوں کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل رہے تھے اور کس قدر سچا جانا تھا انہیں...... اور کتنا مہربان اور شفیق سمجھتی تھی' وہ انہیں اور کتنا بدظن کر دیا تھا انہوں نے اسے ماما اور مریم دونوں سے اور پھر ڈاکٹر عبدالمعید سے بھی۔ حالانکہ یہ شخص کتنا سادہ سچا اور بے ریا ہے۔ بھلا ماما اور ڈاکٹر عبدالمعید......''

''ربش گھٹیا...... فریبی۔'' اس نے دل ہی دل میں شرجیل مرزا کو مخاطب کیا۔

''لیجیے محترمہ' یہ میڈیسن۔'' شریف سے میڈیسن لے کر اسے دیتے ہوئے انہوں نے اسے تنبیہ کی ''اور صبح تک یہ ٹمپریچر اتر جانا چاہیے۔ ورنہ......''

''ورنہ کیا......'' اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ورنہ۔'' انہوں نے سر کھجایا ''ورنہ ڈنر کینسل کرنا پڑے گا۔''

''بے فکر رہیں' ڈنر کینسل نہیں کرنا پڑے گا۔''

''گڈ۔'' وہ خوش دلی سے مسکرائے اور جانے کی اجازت طلب کی۔

مریم انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی۔

''کیا عاشی کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟''

''نہیں۔'' وہ مسکرائے ''مریم آپ یوں ہی پریشان ہو جاتی ہیں۔ بہت معمولی ٹمپریچر ہوگا۔ آپ چیک کر لینا۔ ایک ڈوز سے ہی انشاءاللہ اتر جائے گا۔ ویسے عاشی کچھ اپ سیٹ لگ رہی تھی' یا اس کی ہر ماما سے کوئی بات ہوئی ہے؟''

''ہاں...... نہیں تو وہ دراصل غضنفر ملک...... آئی مین وہ ان کی فیملی کی وجہ سے اپ سیٹ رہتی ہے۔ جو ان کی بہنیں ہیں نا ان سے نہیں بنتی اس کی۔''

''صحیح۔ وہ کچھ عجیب و غریب سی ہیں۔ خیر کچھ کرتے ہیں بندوبست اس کا بھی۔'' کسی خیال سے ان

کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

مریم انہیں خدا حافظ کہہ کر آئی تو عاشی ابھی تک لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی۔

''عاشی تم جا کر لیٹ جاؤ۔ معید بھائی کہہ رہے تھے کہ آرام کرنے سے ٹمپریچر اتر جائے گا اور میڈیسن لے لیں تم نے۔''

''جی لیکن میرا جی نہیں چاہ رہا۔ آپ نے کہا تھا کہ باہر چلتے ہیں۔ تو چلیں...... عینی کے گھر چلتے ہیں۔ عینی کے بابا اور ماں جی بہت اچھے لگتے ہیں۔ کتنے شفیق اور مہربان سے ہیں۔ ہیں نا۔''

''ہاں' بہت مہربان اور شفیق۔'' مریم نے سوچا اس روز مریم کے کہنے پر وہ آئے تھے۔

''بھئی کہاں ہے ہماری بیٹی؟'' انہوں نے بڑی بے تکلفی سے پوچھا تھا۔

تب مریم نے انہیں بتایا تھا کہ ''ابھی وہ اس سے کوئی بات نہ کریں کیوں کہ وہ بہت اپ سیٹ ہے اور یہ کہ عادل بھائی نے اسے سمجھایا ہے اور شرجیل مرزا کو منع کر دیا ہے۔''

''پھر بھی ہماری بیٹی کو بلاؤ تو سہی ہم یوں ہی باتیں کریں گے۔''

اور پھر وہ یوں ہی بہت دیر تک وہ عاشی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے اور عاشی جو بڑی بے دلی سے اپنے کمرے سے نکلی تھی' دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''نہیں گڑیا...... اس وقت تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور پھر یوں بھی بہت دیر ہوگئی ہے پھر چلیں گے کسی دن سب...... مور نینا اور تم۔ کل تو انکل ہادی کی طرف جائیں گے نا؟'' مریم نے بہت پیار سے اس سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور مریم نے ٹی وی آن کر لیا۔

❀ ❀ ❀

''مریم بی بی کوئی امامن صاحب آئے ہیں۔'' چوکیدار نے آکر بتایا تو مریم نے اخبار سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ لان میں دھوپ میں کرسی بچھائے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ جنوری کی اس خنک صبح میں اسے دھوپ سینکنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''کوئی خاتون بھی ہیں' ساتھ برقع اوڑھا ہوا ہے اور بچے بھی ہیں۔''

''تم نے پوچھا نہیں کون ہیں' کس سے ملنا ہے؟''

''کہہ رہے تھے' اپنے بھائی کا گھر ہے اس سے ملنے آیا ہوں۔''

''بھائی کا گھر۔'' مریم نے الجھ کر اسے دیکھا۔ تب ہی گیٹ میں سے' ٹین کا صندوق دھکیلتے ہوئے کوئی شخص اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے کالا ریشمی برقع پہنے ایک عورت اور تین بچے بھی اندر چلے آئے۔

''ارے ارے کدھر آتا ہے۔'' چوکیدار پلٹ کر اسے روکنے لگا۔

''چل چل پیچھے ہٹ۔'' اس نے چوکیدار کو ہلکا سا دھکا دیا ''مجھے روکتا ہے۔ مجھے' ضامن کا بھائی ہوں میں بھائی' بڑا ہیرو بنا پھرتا ہے۔''

''اوہ۔'' مریم نے ایک طویل سانس لی ''خان بابا' مت روکو انہیں۔اوپر جانے دو۔''

''بھائی۔ارے میرا بیٹا۔'' اوپر سے چیخ سنائی دی۔

مریم نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

ماں بیٹیاں تینوں نیچے جھانک رہی تھیں۔ ہر وقت جیسے نیچے گیلری میں دھری رہتی تھیں۔

''اماں۔'' صندوق نیچے رکھ کر ان صاحب نے یوں ہاتھ پھیلائے جیسے کوئی فلم سین ہو رہا ہو۔مریم نے ناگواری سے رخ موڑ کر اخبار اٹھالیا۔

تھوڑی دیر میں ہی تینوں لان میں پہنچ گئی تھیں اور پھر سب گلے ملنے لگے تھے' جیسے برسوں سے بچھڑے ہوئے ہوں۔

کافی دیر تک ہنگامہ رہا۔پھر غضنفر ملک کی والدہ نے حکم دیا ''اے خان' یہ سامان اٹھا کر اوپر لے چل۔''

''ارے امامن' تجھے کیسے خیال آ گیا' ماں بہنوں کا۔اس کم بخت نے کیسے آنے کی اجازت دے دی۔'' انہوں نے بظاہر سرگوشی کی تھی لیکن ان کی آواز مریم تک بھی پہنچ رہی تھی۔'' چھوٹی منمنائی ''تمہاری محبت میں نہیں آئے ہیں۔کیوں بھائی۔''

''چل چپ۔'' بھائی نے اسے ڈانٹ دیا۔

''یہ کون ہے؟'' ان کی نظریں مریم کی پشت پر تھیں ''یہ'' بڑی کھی کھی کر کے ہنسنے لگی۔

''یہ بھائی کی بڑی بیٹی ہے مریم......''

''چل بک بک نہ کر۔''

''قسم سے اماں سے پوچھ لو۔کیوں اماں۔''

''چل چل' اوپر چل کر ساری اسٹوری سناتی ہوں۔'' وہ یکے بعد دیگرے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

''تھینک گاڈ۔'' مریم نے سکون کا سانس لیا۔یہ کس طرح کے لوگ ہیں اور ماما خوش ہیں محض غضنفر ملک کی رفاقت سے۔اسے کبھی کبھی بڑی حیرت ہوتی تھی کہ ماما کیسے ان سب کو برداشت کر رہی ہیں۔ان کا مزاج اس طرح کا نہیں تھا کہ وہ یہ سب برداشت کرتیں لیکن شاید غضنفر ملک کی خاطر۔

اس نے پھر سے اخبار پر نظریں جمائیں مگر دل اچاٹ ہو گیا تھا۔یوں بھی تقریباً وہ سارا اخبار اشتہارات کے پڑھ چکی تھی۔اندر خاموشی تھی اگرچہ گیارہ بجنے والے تھے لیکن سب سو رہے تھے۔ماما رات نیو ایر نائٹ پارٹی اٹینڈ کر کے بہت دیر سے آئی تھیں۔نینا مور اور عاشی تینوں دیر تک ڈش پر نیو ایر پروگرام دیکھتے رہے تھے۔سو سب ہی سو رہے تھے۔نینا اور مور کی چھٹیوں پر گھر میں آنے سے خاصی رو

ہوتی تھی۔عاشی بھی بہت حد تک سنبھل گئی تھی اور نینا اور تیمور کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔ڈاکٹر عبدالمعید کے ہاں ڈنر میں بھی وہ بہت خوش دلی سے شریک ہوئی تھی اور بہت دیر تک انکل ہاشم کے پاس بیٹھ کر اس نے گپ لگائی تھی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چلتے پھرتے سارا انتظام دیکھتی رہی تھی۔اس نے ڈاکٹر عبدالمعید کو سراہا بھی تھا کہ انہوں نے بہت خوب صورتی سے گھر ڈیکوریٹ کیا ہے لیکن مریم کو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اس کی بے ساختہ ہنسی' آنکھوں کی وہ قدرتی چمک کہیں کھو گئی ہے۔کاش شرجیل مرزا اس کی زندگی میں نہ آتا۔ڈاکٹر عبدالمعید کے ساتھ کھڑی ان سے ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن پر ڈسکس کرتی وہ اسے بہت خوب صورت لگی۔ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے بہت اچھے لگ رہے تھے اور عین اسی وقت ڈاکٹر عبدالمعید نے اس کی طرف دیکھا اور پھر عاشی کی طرف اور ہولے سے مسکرا دیے اور ایک قدم آگے بڑھ کر مریم سے پوچھا۔

''مریم کیا سوچ رہی تھیں؟''

''میں۔'' مریم کے ہونٹ کھل اٹھے ''میں سوچ رہی تھی کہ آپ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔''

''خدا کرے ہم ہمیشہ یوں ہی ساتھ ساتھ کھڑے رہیں۔'' ڈاکٹر عبدالمعید نے زیر لب کہا۔

''کیا ماما سے انکل کی فائنل بات ہو گئی ہے؟''

''ہاں لیکن ابھی مسز زینب نے حتمی جواب نہیں دیا۔کہہ رہی تھیں کہ عاشی کچھ ڈسٹرب ہے۔کیا عاشی نے ابھی تک مسز زینب کی شادی کو ایکسیپٹ نہیں کیا؟''

''ہاں نہیں تو ایسے ہی وہ کچھ ڈسٹرب تھی۔'' مریم نے عاشی کی طرف دیکھا جو ایک پینٹنگ کو بڑی تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں' وہ اب بھی اندر سے ڈسٹرب ہے۔میں نے محسوس کیا ہے۔''

''کسی بھی واقعے کا اثر زائل ہونے میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔''

''ہوں......مریم کوئی اور بات بھی ہے کیا؟'' ڈاکٹر عبدالمعید نے بغور اسے دیکھا۔

''نہیں تو اور کیا بات ہونی ہے۔آپ کو بتایا تھا وہ غضنفر ملک کے عزیزوں کے آجانے سے ہی ڈسٹرب ہے۔''

''آپ اسے سمجھائیں نا کہ زندگی میں بہت سے مقامات پر آدمی کو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔مجھے تو وہی عاشی چاہیے' الھڑ اور شوخ سی عاشی۔سنجیدگی اس کی ذات پر کبھی سوٹ نہیں کرتی۔''

''ہر بات میں وقت لگتا ہے معید بھائی۔''

عاشی ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی ''یہ پینٹنگ کس کی ہے۔بہت خوب صورت ہے۔''

"معلوم نہیں میں نے لندن سے خریدی تھی۔ کسی غیر معروف مصور کی ہے۔" ڈاکٹر عبدالم
مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔

"مجھے مصوری سے بہت دلچسپی ہے۔"

"رئیلی۔" ڈاکٹر عبدالمعید کو ازحد خوشی ہوئی "میرے پاس بہت اچھی پینٹنگز ہیں۔ میں ہمیشہ تصا
خریدتا رہتا ہوں۔ جب بھی کوئی ایگزیبیشن ہوتی ہے ایک دو پینٹنگز میں ضرور خرید لیتا ہوں۔ تم دیکھو
عاشی؟"

"ضرور۔"

"ابھی یا پھر کبھی؟"

"ابھی دکھا دیں پھر کا کیا بھروسا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"او کے۔ آؤ۔" انہوں نے کلائی الٹ کر ٹائم دیکھا۔ ابھی مہمانوں کے آنے میں بہت وقت
تھا اور سب انتظام مکمل ہو چکے تھا۔

نینا اور مورا لاونج میں بیٹھے کوئی فلم دیکھ رہے تھے۔ مریم ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"تم جاؤ عاشی تصاویر دیکھ آؤ۔ مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔"

"موموکیا ماما بھی ادھر آئیں گی۔" تیمور نے ٹی وی دیکھتے دیکھتے پوچھا۔

"ہاں انہوں نے کہا تو تھا کہ وہ بھی آئیں گی۔"

"اور ان کے ساتھ وہ بھی آئیں گی نیلی پیلی۔" نینا کا اشارہ غضنفر ملک کی بہنوں کی طرف تھا۔

"اور ڈبو بٹو بھی۔" تیمور مسکرایا۔

"یہ ڈبو بٹو کون ہیں بھئی؟"

"کبوتر اور کبوتری۔" وہ پھر ہنسا۔

"اوہ صحیح طرح سے بتاؤ نہ کون۔"

"ان کے اماں ابا اور کون۔" نینا نے وضاحت کی اور کھل کھلا کر ہنسنے لگی۔

"یہ نام تم نے رکھے ہیں شریر۔" مریم نے ہولے سے ان کے کان کھینچے۔

"نہیں تو۔" اس کی چھوٹی چھوٹی بے تحاشا چمکیلی آنکھوں سے ہنسی پھوٹ رہی تھی۔

"وہ...... وہ جوان کے ابا ہیں نا اپنی بیگم کو میری کبوتری کہتے ہیں تو پھر وہ خود کبوتر ہوئے نا۔"

"چلو ٹھیک لیکن یہ ڈبو بٹو......"

"یہ نام تو نینا نے رکھے تھے کیونکہ ابا ہر وقت ایک ڈبا کھولے بیٹھے رہتے ہیں اور اماں ہر وقت اپنا بٹوا
ڈھونڈتی رہتی ہیں۔"

"اچھا بہت شریر ہو گئے ہو تم دونوں۔"

"موموکیا یہ لوگ ہمیشہ ادھر ہی رہیں گے ہمارے گھر میں۔" تیمور ہنستے ہنستے ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"پتا نہیں۔"

"آخر ماما نے شادی کیوں کی ہے بجو۔" نینا نے پہلی بار بے زاری کا اظہار کیا۔

اور اس سوال کا جواب تو خود مریم کے پاس نہیں تھا سو ان کا دھیان بٹانے کے لیے اس نے ان کی توجہ
وی کی طرف کروائی۔

"ادھر دیکھو ٹی وی پر کتنا اچھا گانا آرہا ہے۔"

نینا اور مورا ٹی وی دیکھنے لگے تو وہ اٹھ کر انکل ہاشم کے کمرے میں چلی گئی۔

رات ڈنر میں کافی لوگ آئے تھے۔ زیادہ تر کا تعلق میڈیکل ہی سے تھا۔ انکل ہادی کے کولیگ،
ست احباب وغیرہ۔ پروفیسر عادل بھی تھے اور ڈاکٹر رافع بھی...... اور رافع اسپتال کی وہ ڈاکٹر بھی
نہوں نے شہریار کو اور اسے ایک ساتھ کھڑا دیکھ کر شہریار کو اس کی چوائس پر سراہا تھا۔ وہ مریم کو دیکھ کر اس
کے پاس چلی آئی تھیں۔

"تم مریم ہو نا مجھے پہچانا؟"

"جی۔"

"تمہاری منگنی وغیرہ ہوئی۔" انہوں نے متجسس نگاہوں سے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

"نہیں تو۔" مریم کو ان کے سوال پر حیرت ہوئی۔

"کس قدر احمق ہے یہ شہریار بھی یوں ہی چلا گیا کوئی مضبوط بندھن باندھے بغیر۔ اتنی پیاری سی تو
بھلا اتنی پیاری چیز کو بھی کوئی یوں ہی چھوڑ کر جاتا ہے۔" انہوں نے بے لاگ تبصرہ کیا تو وہ ریڈ
"تم بہت پیاری ہو مریم اور دیکھو شادی وغیرہ کرنے میں جلدی مت کرنا...... وہ بے وقوف لڑکا تمہیں
تا چاہتا ہے لیکن مجھے پتا ہے اس نے تمہیں یہ بات نہیں بتائی ہو گی۔ اس سے مجھے یہی توقع ہے۔"

مریم کو وہ پرخلوص سی ڈاکٹر جو بے حد بولتی تھیں بہت اچھی لگیں۔

مسز زینب بہت لیٹ آئی تھیں ان کے ساتھ میڈم نرگس بھی تھیں اور کمال یہ تھا کہ غضنفر ملک ان کے
تھ نہیں تھا۔

"دراصل غزی کی طبیعت کچھ بوجھل سی تھی اس لیے انہوں نے معذرت کی ہے۔" انہوں نے ڈاکٹر
معید اور انکل ہادی کو بتایا اور پھر خود میڈم نرگس کے ساتھ ایک طرف بڑھ گئیں جہاں ان کے کچھ فین
ین نے انہیں گھیر لیا۔ اسے ماما کا اکیلے آنا بہت اچھا لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں غضنفر ملک کے ساتھ انہیں
دل پر بوجھ سا بڑھ جاتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ عاشی بھی ریلیکس لگ رہی تھی۔ ماما ہمیشہ کی طرح

بہت خوب صورت اور گریس فل لگ رہی تھیں۔ انہوں نے کافی کلر کا سادہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کلر لپ اسٹک اور میچنگ میک اپ نفیس کڑھائی والی گرم شال کندھوں پر ڈالے وہ کوئی ملکہ لگ رہی تھیں۔

میڈم نرگس حسب معمول گہرے میک اپ میں تھیں اور ہونٹوں پر ان کی وہی مخصوص لپ اسٹک تھی' تیز سرخ رنگ کی۔ حالانکہ وہ میک اپ نہ کریں تو اس سے کہیں زیادہ حسین لگیں جتنی اب لگتی ہیں۔ بار کی طرح اس نے آج بھی سوچا۔ لائٹ بیلو کلر کی ستاروں والی ساڑی میں وہ دمک رہی تھیں۔

"آنٹی' لالہ کا کوئی فون وغیرہ آیا ہے؟" وہ بہت دنوں سے پوچھنا چاہ رہی تھی آج اچانک اسے خیال آگیا۔

"نہیں۔ بے وفا خون ہے اس کا اور اس کا باپ کہتا ہے کہ وہ میرے پاس ہے۔ اس کے پاس چلی آئی ہے...... (انہوں نے گالی دی......) جھوٹ بولتا ہے۔ ایک بار وہ ذرا سا اشارہ کردے کہ میرے پاس آنا چاہتی ہے تو میں اس کی حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادوں لیکن وہ خود ہی آنا نہیں چاہتی پھر میں کس لیے لڑوں۔ کس لیے کیس کروں جانو۔" وہ اداس ہوگئیں "میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں لیکن اسے پتا نہیں ہے......اور وہ اعزاز وہ بے چارہ تو پاگل ہو رہا ہے اس کے لیے......دن میں چکر لگاتا ہے۔ دس بار فون کرتا ہے کہ لالہ آئی یا نہیں؟ بہت محبت کرنے والا لڑکا ہے۔ میرا ہی دماغ خراب تھا۔" وہ اسے تفصیل بتاتی رہیں۔ کئی بار ان کی آواز بھرائی اور کئی بار انہوں نے ہاتھ میں پکڑے رومال سے آنکھیں صاف کیں۔

اور مریم بہت دیر تک سوچتی رہی کہ کیا لالہ واقعی اپنی ممی سے اتنی ہی ناراض ہوگئی ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اسے ان کی یاد نہیں آئی اور اس نے ایک بار بھی مڑ کر فون نہیں کیا۔

اور لالہ واقعی عجیب لڑکی تھی۔ جو دل میں آتا نتائج کی پروا کیے بغیر کر گزرتی تھی۔ وہ کچھ اسی ٹائپ بہت ضدی لڑکی تھی......اور اگر عینی کے چاچو کو کوئی اعتراض نہ ہوتا اور ماما انکار کر دیتیں تو کیا وہ ماما کو کر سکتی تھی......شاید نہیں۔ وہ تو ماما کو یہ بھی نہ بتا پاتی کہ یہ اس کی اپنی خواہش بھی ہے۔

"یار زینی' یہ تمہارے سسرالیے کیا ہمیشہ یہاں ہی قیام کریں گے؟" میڈم نرگس زینب کی طرف متوجہ ہوگئیں تو وہ اٹھ کر پچھلی نشستوں پر آبیٹھی۔ تب ہی پروفیسر عادل اس کی طرف چلے آئے۔

"کیسی ہیں مریم آپ؟"

"فائن۔" وہ مسکرائی "آپ کیسے ہیں؟"

"آپ کو کیسا لگ رہا ہوں۔"

"اچھے ہی لگ رہے ہیں۔"

"تو پھر اچھا ہی ہوں۔ عاشی کیسی ہے اور کیا آئی نہیں؟"

"آئی تو ہے' یہیں کہیں ہوگی......اور ٹھیک ہے۔"

"وہ شرجیل مرزا پھر تو نہیں آیا۔"

"نہیں۔"

"اس کا کوئی فون۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں......میری موجودگی میں تو نہیں لیکن عاشی نے بتایا ہے کہ دو تین بار آیا مگر عاشی نے بات نہیں کی۔"

"گڈ۔" وہ اطمینان سے مسکرائے۔

"اور عاشی تو ضرور خفا ہوگی مجھ سے۔"

"نہیں' میرے خیال میں نہیں۔"

"کیا اب آپ مطمئن ہیں؟" ان کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"یس او کے۔" مریم نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ اس کی کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھے بہت دھیان سے اسے دیکھ رہے تھے ان کی آنکھوں میں ہزاروں رنگ تھے۔

"یہ رنگ......" لمحہ بھر کے لیے شہریار کا تصور اس کی آنکھوں میں جھلملایا۔ کبھی کبھی وہ بھی یونہی دیکھتا تھا۔ آنکھوں میں ہزاروں رنگ لیے۔

اور وہ بلش ہو جاتی تھی۔

لیکن آج پروفیسر عادل کی نظروں کی تپش سے وہ پزل سی ہوگئی۔ گھبرا کر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"ماما' نینا اور مور سب کیسے ہیں؟"

"سب اچھے ہیں ادھر ہی ہیں۔ آپ ملے نہیں ان سے؟" اس نے پھر نظریں اٹھائیں......پروفیسر کی نظریں اب بھی اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہی شوق ووارفتگی لیے......اس کی پلکیں جھک گئیں' وہ از حد گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔

"مریم۔" انہوں نے آہستگی سے کہا...... "مریم آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں' بہت دلکش' یہ رنگ آپ پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔" انہوں نے ایک دم کرسی کے ہتھے سے ہاتھ ہٹایا اور مڑ گئے......مریم وہیں بیٹھی انہیں سامنے والی نشستوں کی طرف دیکھتی رہی۔

"یہ...... یہ عادل بھائی نے اس طرح کیوں کہا بھلا۔" ان کی گمبھیر آواز دیر تلک اس کے کانوں میں گونجتی رہی "مریم آج آپ اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ کچھ پریشان اور حیران سی وہیں بیٹھی سوچتی

رہی...... یہ بھلا عادل بھائی۔

"شاید آج وہ واقعی اچھی لگ رہی ہے۔ ماما نے بھی اور میڈم نرگس نے بھی تو اس کی تعریف کی تھی اور پھر عاشی اور نینا نے بھی تو اسے سراہا تھا پھر...... پھر آخر عادل بھائی نے بھی......"

❀❀❀

"اے مریم۔" بڑی نے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ مریم نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اپنی ناگواری کو مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کی۔

"جی فرمایئے۔"

"ذرا اپنی ماں کو تو جگانا جا کر۔"

"کیوں؟"

"لو بھائی اتنی دور سے اسے دیکھنے آیا ہے اور وہ پڑی سو رہی ہیں...... بہت شوق ہو رہا ہے اسے دیکھنے کا اپنی بھاوج کو۔"

"ماما رات بہت دیر سے آئی تھیں پارٹی اٹینڈ کر کے سو دیر سے اٹھیں گی۔"

"تو کیا ہوا جگا دو' کیا سارا دن سوتی رہیں گی۔"

"آپ خود کیوں نہیں جگا لیتیں۔"

"وہ بڑبڑ کرتا ہے ضامن کا بچہ...... جا اچھی بہن جا کر جگا دے۔"

"وہ اس وقت نہیں جاگیں گی۔" صبح کے قریب ہی تو وہ آئی تھیں۔ اس نے جھک کر اخبار اٹھاتے ہوئے سوچا جو نیچے گر گیا تھا۔

"کوئی خاص خبر ہے کیا۔" بڑی کے پیچھے پیچھے اماں جان بھی آ گئی تھیں اور ان کے عقب میں امامن صاحب تھے۔ بالوں کو تیل میں ڈبو کر وہ کنگھی کر چکے تھے۔ چہرہ بھی چمک رہا تھا اور آنکھوں میں سرمے کی سلائیاں بھی لگائی گئی تھیں۔

"نہیں۔" اس نے مختصراً کہا "اماں کے لیے تو خاص خبر بس ایک ہی ہوتی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ ہو گئی۔"

امامن صاحب نے دانتوں کی نمائش کی۔ ان کی پرشوق نظریں مریم کے چہرے پر تھیں۔

"چل ہٹ خدا نہ کرے پاکستان اور ہندوستان میں جنگ ہو ابھی...... ہم تو بارڈر پر بیٹھے ہیں۔" انہوں نے اسے ہلکا سا تھپڑ مارا۔

"لو یہ ہمارے بڑے بھائی ہیں۔" بڑی نے قدرے سلیقے سے تعارف کروانے کی کوشش کی "ہماری دادی انہیں پیار سے امامن کہا کرتی تھیں۔"

"آداب۔" اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر آداب کیا۔

"اور یہ...... یہ بھابی کی بیٹی ہے۔ بتایا تو تھا تمہیں۔" وہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگی۔

"اتنی بڑی۔" امامن کی نظریں اس کے چہرے پر گڑی جا رہی تھیں۔

"چل ہٹ نظریں نیچے کر بھتیجی ہے تمہاری۔"

"قسم سے اماں' یہ پہلے مل جاتی نا...... پر اب تو تیری بہو سے ڈر لگتا ہے۔"

"کم بخت۔" اماں نے اسے موکا مارا۔

مریم نے ازحد ناگواری محسوس کرتے ہوئے انہیں دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"جا اپنے ابا اور بہن کو بھی بلا لا...... کتنی اچھی دھوپ ہے۔ جب سے آئے ہیں دھوپ سینکنے کو ترس گئے ہیں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

اور انہیں وہیں چھوڑ کر مریم اندر چلی آئی۔

❀❀❀

"مریم تم میرا خواب ہو۔"

"میری آرزو ہو۔"

"بہت ساری راتیں میں نے تمہارے تصور میں جاگ کر گزاری ہیں۔"

"اور بہت سارے دن تمہاری یادوں میں بیتے ہیں۔"

"تمہیں ملنے سے پہلے ہی میں نے تمہارا ایک خیالی پیکر تراش رکھا تھا مریم۔"

"مدتوں میں نے تمہارا انتظار کیا ہے۔"

"اور اب تم ملی ہو اتنی دور ہو' اتنے فاصلے پر کھڑی ہو...... کہ ابھی تک تمہیں اپنا کہنے کا حق نہیں ہے۔ حالانکہ مسز زینب یہ حق مجھے دے چکی ہیں۔" براؤن کمبل سینے تک تانے آنکھیں موندے پروفیسر عادل مریم کے تصور سے باتیں کر رہے تھے۔ رات وہ ڈاکٹر عبدالمعید کے گھر سے لوٹے تو وہ بہت بے چین تھے اور مضطرب تھے سو دیر تک جاگتے رہے تھے۔

مریم کا سراپا بار بار ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔

وہ کس قدر دلکش لگ رہی تھی نا۔

سفید لباس میں۔

کوئی اپسرا یا پری۔

کتنی ہی دیر تک وہ دور سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ وہ محفل میں موجود ساری خواتین سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی اور پھر وہ اس کے پاس چلے آئے تھے اور ان کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئی تھیں

اور پھر وہ اپنا ضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار کہہ اٹھے۔

"مریم آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اور وہ کس قدر گھبرا گئی تھی۔

اور وہ کس قدر پریشان سی ہوگئی تھی۔ تب وہ اس کے پاس رکے نہ تھے۔

"پتا نہیں' وہ خفا نہ ہوگئی ہو۔"

پھر وہ سارا ٹائم اس کے سامنے نہ آئے تھے۔ اور دل ہی دل میں نادم سے ہوتے رہے تھے۔ آج پہلی بار تو وہ انہیں کچھ مطمئن اور پرسکون لگی تھی۔

ملال کے وہ بادل جو ہمیشہ اس کے چہرے کو اپنے ہالے میں لیے رکھتے تھے' اس وقت نہیں تھے اور انہوں نے اسے پریشان کر دیا تھا...... کیا تھا اگر وہ اپنے آپ کو روک لیتے۔

کتنی الجھ گئی تھی وہ۔

عاشی' نینا اور مور سے باتیں کرتے ہوئے دور سے انہوں نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔

وہ وہیں الجھی الجھی سی بیٹھی تھی اور وہ نادم سے ہو رہے تھے۔

مسز زینب نے انہیں تاکید کی تھی کہ وہ جلد اپنی والدہ کو بھیج دیں کیونکہ ڈاکٹر ہادی جلدی کر رہے ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ مریم اور عاشی کی شادی اکٹھی کر دیں۔

"لیکن عاشی ابھی کم عمر ہے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا تھا۔

"ہاں لیکن ڈاکٹر ہاشم کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔"

اور بے حد خوشگوار موڈ میں بے اندازہ خوشیوں کو سنبھالے وہ گھر کی طرف آئے تھے لیکن پھر رات بھر مضطرب رہے تھے۔

اس کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے سلجھانے کی خواہش۔ اس کے لبوں کو چھونے کی خواہش...... رات بھر انہیں بیتاب کیے رہی تھی۔

سو ابھی تک وہ بستر میں تھے۔ خدا بخش دو دفعہ انہیں آ کر دیکھ چکا تھا۔

"مریم یہ کمرہ تمہارے وجود سے سج جائے گا۔ تمہیں کیا خبر کہ ایک تمہارے آنے سے اس گھر میں کتنے رنگ اتر آئیں گے۔ کتنی باتیں ان کے اندر باہر آنے کو بے تاب تھیں...... بعض اوقات [illegible] بہت ساری خوشیاں مل جاتی ہیں...... ابھی تو کامل کے ملنے کی خوشی دل میں سنبھالے وہ حویلی سے آئے تھے اور آتے ہی مسز زینب نے انہیں یہ خوش خبری سنا دی تھی۔ حالانکہ وہ بے حد تھکے ہوئے تھے اور [illegible] انہوں نے ڈاکٹر عبدالمعید سے معذرت کر لی تھی۔

"میں کچھ دیر پہلے ہی حویلی سے آیا ہوں اور بے تحاشا تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

"لیکن میری شدید خواہش تھی کہ آپ آتے۔ میں نے کل بھی فون کیا تھا لیکن آپ نہیں تھے۔"

اور انہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ۔ یوں بھی عاشی کے حوالے سے وہ ڈاکٹر عبدالمعید کو بہت پسند کرنے لگے تھے اور پھر اتنے دن ہو گئے تھے' سب کو دیکھے اور وہ بھی تو وہاں ہوگی۔

"مریم......"

"اور کس قدر خوش ہوگی' جب وہ اسے کامی کے ملنے کا بتائیں گے...... وہ تو بالکل مایوس ہو چکے تھے۔" انہوں نے اپنے دل کو یقین دلا دیا تھا کہ کامی اب اس دنیا میں نہیں ہے لیکن پھر وہ مریم کو کامی کے متعلق بتا نہیں پائے تھے۔ خود ہی انہیں ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ کامی مل چکا ہے۔ اس طرح اچانک' خود ہی۔

جب وہ اس کی کھوج کرتے کرتے تھک گئے تھے تو وہ خود ہی مل گیا تھا۔

اس روز مسرور کے ساتھ جب وہ اس کے گھر پہنچے تو انہیں یقین تھا کہ وہ کامی ہوگا۔

ایک بار پہلے بھی تو انہیں مایوسی ہوئی تھی لیکن مسرور تو کامی سے مل چکا تھا۔ دیکھا ہوا تھا اس نے اسے وہ دل ہی دل میں امیدوں کے جال بنتے اور ادھیڑتے جب مسرور کے گھر پہنچے تو لمحہ بھر دروازے پر ہی کھڑے رہے...... کمرے کے وسط میں کامی کھڑا تھا۔

"میں باہر جاؤں گا۔"

وہ ضد کر رہا تھا اور آمنہ صفی اسے بہلا رہی تھیں۔ وہ بلاشبہ کامی تھا لیکن کس قدر کمزور ہو رہا تھا۔ الجھے ہوئے بال' میلے کپڑے۔

ان کے اندر جیسے چشمے ابل پڑے۔

"کامی۔"

وہ بے اختیار آگے بڑھے اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"کامی۔"

اسے دونوں بازوؤں میں بھینچے کتنی ہی دیر وہ کھڑے رہے اور ان کی آنکھیں برستی رہیں۔

"سر پلیز۔" مسرور نے انہیں آہستہ سے الگ کیا۔

"کامی۔"

اس سے الگ ہوتے ہوئے انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم۔ کہاں گم ہو گئے تھے؟"

کامی کچھ دیر یوں ہی اجنبی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا تھا پھر اس نے انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا۔

"بھائی۔"

''ہوں بھائی۔'' آنسو پونچھتے ہوئے وہ مسکرائے۔

''بھائی۔'' اس نے خوش ہو کر دہرایا۔

''بھائی۔''

اور پہلے کی طرح ان کا ہاتھ تھام کر اس پر پیار کیا۔

''گھر...... بھائی گھر۔ اماں پاس۔ بابا پاس۔''

''ہاں ہاں' لے جاؤں گا گھر اماں کے پاس۔'' وہ اسے لیے ہوئے چارپائی پر بیٹھ گئے۔

''یہ...... یہ کہاں سے ملا تمہیں؟''

''میں آپ کے گھر سے آ رہا تھا تو مجھے یہاں اپنے گھر کے پاس ہی کھڑا مل گیا۔ مجھے شک ہوا کہ یہ کامل ہے اور جب قریب آ کر دیکھا تو یقین آ گیا۔ اسے لے کر گھر آیا تو آمنہ صفی اور تصدق احمد کو اپنا منتظر پایا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اسے ساتھ حویلی لے چلوں لیکن یہ ضد کرنے لگا۔''

''مگر یہ یہاں اچانک کیسے آ گیا اور پھر گاؤں میں کسی شخص نے نہیں دیکھا۔''

وہ بے حد الجھ گئے تھے اور مسرور بھی انہیں خاصا الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ کیا خبر کوئی شخص اسے یہاں چھوڑ گیا ہو یا پھر خود ہی کہیں سے گھومتا پھرتا آ گیا ہو۔ جو بھی تھا' وہ مل گیا تھا۔ اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی تھی۔ پھر وہ آمنہ صفی اور تصدق احمد کے کہنے کے باوجود وہاں نہیں رکے تھے اور انہیں حویلی آنے کی دعوت دیتے ہوئے وہ فوراً ہی کامل کو حویلی لے کر چلے آئے تھے۔ زیتون بانو کتنی ہی دیر حیران سی اسے دیکھتی رہی تھیں اور پھر جو اس کے گلے لگ کر روئیں تو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا اور ابھی تک ان کی طبیعت نہیں سنبھلی تھی۔

لیکن انہیں لاہور آنا پڑ گیا تھا اگرچہ کالج ابھی بند تھا۔ یکم جنوری تک چھٹیاں تھیں لیکن کراچی سے ایک صاحب آ رہے تھے جن سے مسرور کی ایگزبیشن کے سلسلے میں ان کی بات ہو رہی تھی اور ان صاحب نے صرف دو دن لاہور رکنا تھا۔ اور ان سے مل کر سامنے بات کرنا ضروری تھا۔ مسرور کو بھی وہ ساتھ ہی لائے تھے۔ یوں بھی اسے گھر جانا تھا۔ ایک دن کے لیے انہوں نے اسے اپنے پاس روک لیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مدنی صاحب سے مسرور کی بات کروا دیں۔

خدا بخش نے دروازے سے جھانک کر دیکھا تو انہوں نے آہٹ پر آنکھیں کھول دیں۔

''آپ جاگ گئے ہیں تو چائے لے آؤں؟''

''ہاں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھے ''لے آؤ اور مسرور اٹھ گئے کیا؟''

''جی وہ تو کب کے اٹھ گئے بلکہ اب تک دونوں اخبار تین بار پڑھ چکے ہوں گے۔''

خدا بخش نے تفصیل بتائی۔ گویا انہیں جتا رہے ہوں کہ وہ لیٹ ہو گئے ہیں۔

پروفیسر عادل مسکرا دیے۔

''اپنے کمرے میں ہیں کیا؟''

''نہیں' باہر دھوپ میں بیٹھے ہیں۔''

''او کے۔ میں وہیں آ رہا ہوں۔ آپ چائے ادھر ہی لے آنا۔''

وہ برش کر کے گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے باہر آئے تو خدا بخش ٹیبل پر چائے رکھ رہا تھا۔

''لگتا ہے' چائے پہلے سے تیار تھی۔'' وہ مسرور کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

''اب پانچویں بار دم کی ہے۔'' وہ کچھ ناراض لگ رہے تھے۔

''سوری' رات دیر سے سویا تھا اس لیے اٹھ نہیں سکا۔'' انہوں نے خدا بخش سے معذرت کی وہ جانتے تھے کہ خدا بخش دیر سے اٹھنے پر چڑتا ہے۔

''اتنی دیر تک جاگنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے کہ صبح اٹھا ہی نہ جا سکے۔ رات خدا نے آرام کے لیے بنائی ہے۔''

خدا بخش جیسے اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوا چلا گیا تو وہ مسرور کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''سوری مسرور' آج اٹھنے کا موڈ ہی نہیں ہو رہا تھا۔''

''آپ آرام کر لیتے سر' آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔'' اس نے ان کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں طبیعت تو اچھی ہے بھائی۔ دراصل رات صحیح سے نیند نہیں آئی۔ میں ابھی تک حیران ہوں کہ کامل اچانک وہاں کیسے پہنچ گیا اور کدھر سے آ گیا تم گاؤں سے بالکل باہر رہتے ہو۔ وہ گاؤں سے گزرا تو کسی نے دیکھا نہیں۔''

''کیا یہ جاننا بہت ضروری ہے سر کہ وہ کیسے آیا۔ اہم بات تو یہ ہے کہ وہ مل گیا۔ آپ خوامخواہ اپنے ذہن کو مت تھکائیں۔''

''ہاں۔'' اہم بات تو یہ ہے کہ وہ مل گیا۔ ورنہ ماں جی نے تو روگ لگا لیا تھا خود کو۔'' انہوں نے چائے کی پیالی اپنی طرف کھسکاتے ہوئے میز پر سے اخبار بھی اٹھا لیا۔

مسرور کے پاس ان کے سوال کا جواب موجود تھا لیکن ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان کو اصل بات بتائے یا نہیں۔ ان سے بات کرنے سے پہلے وہ ایک بار سلطان سے ملنا چاہتا تھا۔ اس سے بات کر کے اپنے شبہے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

اس شام وہ پروفیسر عادل سے مل کر گھر آیا تو تھوڑا اندھیرا ہو چکا تھا۔ بے خیالی میں وہ اپنے گھر جانے کے بجائے ساتھ والے گھر میں چلا گیا۔ یہ دونوں گھر ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ بالکل ایک جیسے تھے۔ سلطان نے اسے بتایا تھا کہ یہ گھر شہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے بنوائے گئے ہیں۔ بعض

اوقات کچھ ایسے مہمان بھی آجاتے ہیں جنہیں وہاں ڈیرے پر نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ ایک گھر میں اس نے مسرور کو ٹھہرایا تھا اور کام کاج کے لیے ایک لڑکا بھی بھیج دیا تھا۔ جس سے مسرور کو خاصی سہولت ہوگئی تھی۔ اب وہ لڑکا چائے اور ناشتا خود ہی بنالیتا تھا۔ ہاں کھانا بدستور ڈیرے سے آتا تھا...... اگرچہ اس کی خوددار طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا لیکن سلطان نے اس سلسلے میں اس کی کوئی بات سننے سے انکار کردیا تھا۔

''تم میرے گاؤں میں میرے مہمان ہو بس۔''

''مہمان تو تین چار دنوں کا ہوتا ہے سلطان صاحب۔ مجھے نہ جانے کب تک یہاں ٹھہرنا پڑے۔''

''بھلے صدیوں تک رہو لیکن کھانا تمہارا ادھر سے ہی آئے گا۔''

ساتھ والا گھر اکثر بند رہتا تھا۔ کبھی کبھار ہی کھلا ہوتا تھا لڑکا بہت باتونی تھا اور اکثر خود ہی کچھ نہ کچھ بولتا رہتا تھا۔

''یہ جو گھر ہے نا یہاں اکثر وہ ٹھہرتی ہیں' گانے والیاں کئی کئی مہینے رہتی ہیں جی۔ اپنے سلطان صاحب بہت شوقین ہیں جی۔''

لیکن وہ جب سے آیا تھا اس طرح کی کسی عورت کو اس نے ساتھ والے گھر میں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں تین چار بار بڑی بڑی مونچھوں والے ایک مرد کو اس نے گھر سے باہر نکلتے اور تالا لگاتے دیکھا تھا۔

''اپنے سلطان صاحب کا خاص بندہ ہے جی فتح علی۔ بڑا جی دار ہے جی۔'' لڑکے نے اسے بتایا۔

دونوں دروازے ساتھ ساتھ تھے اور وہ نہ جانے کس دھیان میں تھا کہ اپنے دروازے کی بجائے اس نے ساتھ والے دروازے کو دھکیلا اور اندر چلا گیا۔ سامنے کوئی نہیں تھا حالانکہ اکثر وہ لڑکا اس کی عدم موجودگی میں باہر صحن میں ہی بیٹھا ہوتا تھا۔ شاید کمرے میں ہوگا۔ اس نے سوچا اور دائیں طرف والے کمرے کی طرف بڑھا جو اس کے استعمال میں تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کمرے تھے جو بند رہتے تھے۔ دروازے کو ہلکا سا دھکیل کر اس سے اندر قدم رکھا اور ٹھٹک گیا۔

یہ اس کا کمرہ تو نہیں تھا۔ دونوں گھر بھی ایک جیسے تھے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر کونے میں زمین پر بیٹھے ہوئے کامل کو دیکھ کر وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا۔

''کامی...... کامی......'' اسے پہچاننے میں اسے ایک لمحہ بھی نہ لگا۔

''کامی......''

اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بلایا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور یکا یک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''نہ...... نہ مجھے مت مارنا۔''

''نہیں...... نہیں' میں تمہیں نہیں ماروں گا۔ تم آؤ چلو میرے ساتھ۔''

''کہاں۔ اماں پاس؟''

اس کی آنکھیں ایک دم چمکنے لگی تھیں اور وہ کھڑا ہو گیا۔ تب دل میں ایک ہیجان چھپائے اس کا ہاتھ تھامے وہ باہر نکلا تو اسے لگا جیسے سامنے والے کمرے کے دروازے سے کوئی اندر گیا ہو۔ کامی کا ہاتھ تھامے وہ کمرے میں گیا۔ اندر کوئی نہ تھا البتہ کھڑکی کھلی تھی۔ غالباً جو کوئی تھا یہاں سے کود گیا تھا۔

کیا سلطان نے اسے قید کر رکھا تھا۔

یا اس شخص فتح علی نے اپنے طور پر اسے بند کر رکھا تھا۔

لیکن اس کا فائدہ؟

کامی کو اغوا کرنے کا سلطان یا فتح علی کو کیا فائدہ ہوسکتا تھا۔ اگر فتح علی نے اسے پیسے کے لیے اغوا کیا تھا تو ابھی تک کسی قسم کا مطالبہ کیوں نہیں کیا تھا...... اور پھر اس وقت دروازہ کیوں کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ نہ صرف باہر کا دروازہ کھلا تھا بلکہ کمرے کا دروازہ بھی لاک نہ تھا اور اگر سلطان نے تو...... آخر سلطان کو کیا فائدہ تھا اگر اسے کوئی دشمنی تھی تو پروفیسر عادل سے ہونی چاہیے تھی نہ کہ بے ضرر کامل سے۔

وہ فتح علی کے متعلق اس لڑکے سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ حویلی جانے کے بجائے گھر چلا آیا تھا جہاں آمنہ صفی اور تصدق احمد اس کے منتظر تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ بے حد حیران ہوا تھا۔

''ارے آپ کیسے اچانک!''

''دراصل ہم یہاں ایک قریبی گاؤں میں آئے تھے۔ میری ایک عزیزہ کا انتقال ہو گیا تھا جو میری بہت اچھی دوست بھی تھیں۔ میں تصدق احمد کو ساتھ لائی تھی۔ ہم نے سوچا تھا' رات تمہارے پاس گزاریں گے۔''

''تھینک یو۔'' اسے خوشی ہوئی تھی۔

''اب آپ آئے ہیں تو کچھ دن رہیں اور گاؤں کی زندگی کا لطف اٹھائیں۔''

''نہیں رہنا تو مشکل ہے۔ اماں پریشان ہوں گی۔'' آمنہ صفی نے معذرت کی ''ہمیں صبح واپس جانا ہے۔''

''پھر کبھی میں آؤں گا مجتبیٰ کے ساتھ۔ کئی دنوں سے تمہارے پاس آنے کا پروگرام بنا رہا تھا لیکن مجتبیٰ حیدر ہی فارغ نہیں ہو پا رہے تھے حالانکہ جب تمہارا خط ملا تھا' اسی دن میں نے ارادہ کرلیا تھا یہاں آنے کا۔'' تصدق احمد نے اسے اپنا پروگرام بتایا۔

اور پھر لڑکے کو چائے وغیرہ پلانے کا کہہ کر اور کامل کو ان لوگوں کے پاس چھوڑ کر وہ حویلی چلا آیا تھا اور راستے میں ہی اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ابھی پروفیسر عادل کو یہ نہیں بتائے گا کہ کامل اسے

کہاں ملا تھا۔ جب تک سلطان سے بات نہیں ہو جاتی۔ سلطان دو دن سے لاہور آیا ہوا تھا۔ ڈیرے پر ہوتا تھا تو ہر شام اس کے پاس ضرور آتا تھا پھر اکثر گھنٹوں اس کے پاس بیٹھتا' گپ لگاتا۔ کبھی وہ دونوں باہر بھی نکل جاتے تھے۔

کیا سوچنے لگے تم؟'' انہوں نے اخبار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں سر۔'' مسرور ان کی طرف متوجہ ہو گیا'' کامل کا ملنا ایک معجزہ ہی لگتا ہے جبکہ دل کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ شاید......''

''ہاں یار۔'' پروفیسر عادل نے ایک گہری سانس لی''سب ہی کہہ رہے تھے...... چاچا اور مہران بھی۔''

یہ حقیقت تھی کہ سب کو بے حد حیرت ہوئی تھی اور خوشی بھی۔ کامل کے ملنے کا سن کر سب ہی بڑی حویلی آ گئے تھے۔ چاچی چاچا عبدالرحمٰن' مریم اور مہران۔ حالانکہ چاچی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ چاچا عبدالرحمٰن نے فوراً دیگیں پکوا کر غریبوں میں تقسیم کروانے کے لیے کہا تھا اور ڈاکٹر کو بلا کر کامل کا معائنہ کروانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ بے حد کمزور ہو رہا تھا۔

''شکر ہے ماں جی' کامل مل گیا۔ ورنہ زندگی بھر یہ خلش رہتی آپ کو۔''

ماں جی کا ہاتھ تھامے انہیں مبارکباد دیتی ہوئی حریم کو دیکھتے ہوئے ان کا دل اس کے لیے اداس ہو گیا۔ وہ ابھی تک مسرور یا مجتبیٰ سے اس کے متعلق بات نہ کر سکے تھے۔ انہیں وہ بہت اداس اور دل گرفتہ لگ رہی تھی۔

''مسرور۔'' انہوں نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا''شادی وغیرہ کا کب تک ارادہ ہے؟''

''شادی۔'' اسے پروفیسر عادل کے اس اچانک سوال پر حیرت ہوئی''یہ اچانک آپ کو شادی کا خیال کیسے آ گیا؟''

''یوں ہی...... بھئی' ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ جب بیٹا پڑھ لکھ کر کہیں نوکری کر لے تو اس کی شادی ہو جائے کیا تمہاری امی......؟''

''ہاں امی تو کہتی رہتی ہیں اور وہ میری خوشی دیکھنا چاہتی ہیں لیکن میں فی الحال خود کو اس پوزیشن میں نہیں پاتا۔ آپ تو جانتے ہیں سر' میں نہیں چاہتا کہ عینی کو میرے گھر آ کر کسی تکلیف کا سامنا ہو۔ وہ بہت لاڈ و پیار سے پلی ہے۔''

''عینی کون؟'' پروفیسر عادل چونکے۔

''عینی میرے ماموں کی بیٹی ہے' سر ارسل کی بہن۔''

''کیا تمہیں پسند ہے؟ اچھی ہے وہ۔''

''پتا نہیں سر۔ میں نے کبھی اس کے متعلق سوچا نہیں۔ امی کی خواہش ہے اور یقیناً وہ بہت اچھی ہو گی

اور اگر وہ اچھی نہ بھی ہوتی تو امی کی خواہش کو پورا کرنا میرے لیے اہم ہے۔ آپ جانتے ہیں نا سر' میری امی نے بہت دکھ سہے ہیں اور میں اپنی ذات سے انہیں کوئی دکھ نہیں پہنچا سکتا۔''

''بہت اچھی بات ہے مسرور۔'' انہیں مسرور کی سوچ پر خوشی ہوئی تھی۔

''تمہارا کیا پروگرام ہے۔ آج ہی گاؤں جانا ہے؟''

''مدنی صاحب سے ملنے کے بعد ایک دو کام ہیں میرے۔ اگر وہ ہو گئے تو آج ہی چلا جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے ناشتا کر کے مدنی صاحب کی طرف چلتے ہیں۔ جب تک ناشتا بنتا ہے میں تیار ہو جاتا ہوں۔ تم تو غالباً تیار ہی ہو۔''

''جی سر۔''

اسے سلطان اور تصدق احمد سے ملنا تھا۔ سلطان یقیناً اپنی ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں ہو گا۔

اس نے سوچا اور اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا۔

یہ ماڈل ٹاؤن کا وہی گھر تھا جہاں ایک بار پہلے بھی مسرور آیا تھا اور آج پھر وہ اسی گھر کے سامنے کھڑا تھا۔ لمحہ بھر گیٹ کے باہر اس نے کچھ سوچا اور پھر آہستگی سے گیٹ کو اندر دھکیلا۔ گیٹ کے اندرونی طرف کچھ فاصلے پر کرسی بچھائے اسلحہ بردار چوکیدار بیٹھا تھا۔ وہ یک دم الرٹ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ مسرور نے اس کی طرف دیکھا۔

''سلطان صاحب ہیں؟''

''جی لیکن آپ کون ہو جی۔ اس سے پہلے ادھر نہیں دیکھا۔'' چوکیدار ایک قدم آگے بڑھ آیا تھا اور اب سر اٹھائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں مسرور ہوں۔ سلطان صاحب کا دوست۔''

''مسرور......'' اس نے حافظے پر زور دیا اور پھر جیسے کوئی ہدایت یاد آتے ہی اس کے لہجے میں فرق آ گیا۔

''جی صاحب۔ سلطان صاحب نے آپ کے متعلق بتایا تھا جی۔ بہت پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ جب کبھی آپ آؤ تو آپ کا خاص خیال رکھا جائے۔ آپ جاؤ جی اندر چلے جاؤ۔ صاحب اندر ہی ہیں۔'' اس نے اندر کی طرف اشارہ کیا۔

''اور کون ہے؟''

''کوئی نہیں جی۔ صبح صبح سب ہی چلے گئے تھے۔ بس سلطان صاحب ہیں۔ وہ بھی جا رہے تھے لیکن اس سے بندہ آ گیا تو رک گئے۔ وہ...... وہ عزیز ہے نا جی۔ آپ تو جانتے ہوں گے اسے۔''

مسرور نے سر ہلایا اور ایک قدم آگے بڑھا دیا۔

''اوہ جی' یاد آ گیا۔ آپ ایک بار پہلے بھی آئے تھے ادھر' بڑے عرصے بعد آئے ہیں۔ کیا کسی اور

شہر میں رہتے ہیں۔ یار لوگ تو روز ہی محفلیں جماتے ہیں۔ سلطان صاحب کے سارے دوست یار بڑے جی دار ہیں جی۔ بڑے دل والے۔"

چوکیدار بہت باتونی معلوم ہو رہا تھا۔ مسرور اثبات میں سر ہلاتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا...... ادھر ادھر دیکھتا ہوا وہ اندرونی گیٹ کے پاس آ کر لمحہ بھر کو ٹھہر گیا۔

"بھلا کیوں آیا ہے وہ یہاں...... وہ کیا جاننا چاہتا ہے اور کس لیے سلطان کے پاس آیا ہے۔" اس کے ذہن میں کوئی واضح بات نہ تھی۔ بس مبہم مبہم سا کوئی شک تھا' وہم سا تھا جو ذہن و دل کو جکڑے ہوئے تھے "کیا کہوں گا سلطان سے وہ مجھے یوں اچانک دیکھ کر حیران نہیں ہوگا؟ ابھی تین دن پہلے تو وہ مجھے گاؤں چھوڑ کر آیا تھا...... کیا یہاں سے ہی واپس چلا جاؤں......" ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن میں خیال آیا لیکن دوسرے لمحے غیر ارادی طور پر دروازے پر رکھے ہوئے ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا اور دروازہ کھلتا چلا گیا اندر لاؤنج میں سلطان صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے اپنے سامنے کھڑے عزیز خاں کو غصے سے دیکھ رہا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم سے یہ بے پروائی ہوئی کیوں اور تم......" اس نے جملہ نامکمل چھوڑ کر مسرور کی طرف دیکھا۔

"ارے تم مسرور یہاں!" وہ خوش ہونے کی بجائے کچھ حیران اور پریشان لگ رہا تھا۔ مسرور نے ایک اچٹتی ہوئی نظر سلطان کے سامنے کھڑے عزیز خان پر ڈالی اور پھر فوراً ہی سلطان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیوں مجھے دیکھ کر تمہیں بہت حیرت ہوئی ہے کیا؟"

"ہاں' نہیں تو بیٹھو۔" سلطان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور عزیز کی طرف دیکھا "ٹھیک ہے' تم جاؤ۔"

"یہ شخص میرا پڑوسی ہے غالباً اور اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور...... ضرور پوچھو یار۔ یہ شخص کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ یہیں ہے' جب کہو حاضر کر دوں گا۔ جو دل چاہے پوچھتے رہنا۔" سلطان نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے مسرور کے کندھے پر ہاتھ مارا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"جاؤ بھئی عزیز خاں۔ کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ کچھ بھجواؤ کھانے پینے کو میرا یار آیا ہے۔"

"نہیں' میں ابھی ناشتا کر کے نکلا ہوں۔ سر عادل کے ساتھ ناشتا کیا تھا اور ناشتے سے پہلے نہ جانے کتنے کپ چائے انڈیل چکا ہوں۔ سو کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔"

"کب آئے؟"

"رات ہی سر کے ساتھ آیا ہوں اور ایک خوش خبری بھی ہے۔"

"کیا؟" سلطان نے اس کی طرف دیکھا۔

"کامل مل گیا ہے۔"

"اوہ ہاں' پتا ہے مجھے۔" بے اختیار سلطان کے لبوں سے نکلا۔

"کیسے پتا چلا؟"

"وہ۔" سلطان ذرا سٹپٹایا "بابا جانی سے فون پر بات ہوئی تھی۔ انہوں نے ہی بتایا۔"

"جانتے ہو' وہ کیسے...... اور کہاں سے ملا؟"

"نہیں...... نہیں تو۔" سلطان نے نظریں چرا لیں۔

"وہ ایک گھر جو تم نے مجھے رہنے کے لیے دیا ہے سلطان۔ اس گھر سے ملحق ایک اور گھر بھی ہے۔ بالکل ویسا ہی' کامل اس گھر میں قید تھا۔"

مسرور کی نگاہیں سلطان کے چہرے پر تھیں۔ بہت گہری نظریں اندر کو اترتی ہوئی سلطان نے ازحد بے چینی محسوس کی۔

"اور ابھی یہ شخص جو ابھی کچھ دیر پہلے تمہارے سامنے کھڑا تھا' میں نے اکثر اس کو تمہارے گھر آتے جاتے دیکھا ہے۔" ذرا سے توقف کے بعد مسرور نے بات مکمل کی اور ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"او کے سلطان' میں چلتا ہوں۔"

"نہیں...... مسرور رکو تو۔" غیر ارادی طور پر سلطان کے لبوں سے نکلا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مسرور کی اس مختصر بات کا کیا جواب دے اور صفائی میں کچھ کہے "لیکن کیا صفائی میں کہنے کے لیے اس کے پاس کچھ ہے۔ شاید کچھ بھی نہیں۔" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

مسرور کا انداز اتنا حتمی اور یقینی تھا کہ کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ مسرور کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں اور پسینا ہولے ہولے اس کے مساموں سے پھوٹ رہا تھا۔ وہ خود کو سلطان کہلواتا تھا اور ذرا سی غلطی پر اپنے ملازمین کی کھال ادھیڑ کر رکھ دیتا تھا۔ اس میں وڈیروں والے سارے انداز موجود تھے۔

وہی مزاج کی تیزی

وہی انا

وہی غرور و تکبر

وہی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر شے کو روندتے چلے جانا۔

سب کچھ تھا لیکن پتا نہیں کیا بات تھی کہ مسرور کے سامنے وہ پانی ہو جاتا۔ لہجے میں خود بخود حلیمی اور نرمی آ جاتی۔

چہرے کی کرختگی میں محبت کے رنگ گھل مل جاتے

کیا تھا' مسرور ایک عام سالڑکا تھا لیکن اس میں تھی کوئی بات'

کوئی انداز تھا اس میں جس نے پہلے ہی روز اسے اسیر کرلیا تھا۔

اس کی آنکھوں کی بے تحاشا اور بے خوف چمک۔ اس کے چہرے کے ناراض نقوش۔

اور اس کی بے نیازی۔

اس نے ذرا سی بھی تو اہمیت نہیں دی سلطان کو اور نہ ہی اس کی دوستی کی آفر کو ایک دم قبول کرلیا تھا۔ وہ جتنا اس سے دور بھاگتا تھا' سلطان کا دل اتنا ہی اس کی طرف کھنچتا تھا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ مسرور اسے اپنا دوست سمجھے دل و جان سے' حالانکہ اس کے دوستوں کی کمی نہیں تھی۔ ہر طرح کے دوست اس کے حلقے احباب میں تھے۔

ایسے بھی تھے جو وقت پڑنے پر سردھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کرتے۔ ایسے بھی تھے جو اس کی خاطر جیل تک جانے کے لیے تیار ہوجاتے لیکن پتا نہیں کیوں' سلطان کو ہمیشہ یہ محسوس ہوتا کہ یہ سب عارضی ہے۔ جب تک پیسہ ہے' یہ دوستیاں بھی ہیں۔

اگر وہ قلاش ہوجائے اور باباجان کسی بات پر ناراض ہوکر اسے چھوٹی حویلی سے نکال دیں تو یہ دوستیاں بھی ختم ہوجائیں۔ یہ سب لوگ اس لیے اس کے گرد جمع ہیں کہ وہ چھوٹی حویلی کا وارث ہے۔

بے تحاشا پیسہ لٹاتا ہے۔

اور ان کے لیے عیش و عشرت کے سامان مہیا کرتا ہے۔

لیکن مسرور کی بات اور تھی اس کے متعلق جانے کیوں اسے یقین تھا کہ وہ کسی بھی حالت میں اس کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتا۔ اسے اس کی عیش و عشرت کی محفلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ جب سے وہ گاؤں میں آیا تھا اور سلطان کو اس کے قریب رہنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع ملے تھے تو اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ غیر محسوس طریقے پر اسے ان محفلوں سے دور لے جانا چاہ رہا تھا۔ کتنے دنوں سے اس نے ڈیرے پر کسی کو نہیں بلایا تھا۔

نہ رنگ و نور کی کوئی محفل جمائی تھی۔

بلکہ اندر ہی اندر وہ کامی کو قید کرنے پر پچھتانے سا لگا تھا...... اپنے ایک دوست کے ...... کامی کو اغوا تو کر چکا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ آسانی سے اس تمام جائداد کا مالک بن کر اپنی مرضی سے اسے خرچ کرسکے گا جو کامی کے بعد اسے ملنا تھی لیکن یہ سب کچھ اتنا آسان نہ تھا۔ باباجان بھی تھے جو نہ جانے کیوں کامی کے گم ہوجانے کے بعد سے اس کی ہر بات پر نظر رکھے ہوئے تھے' اور سوال و جواب کرنے لگے تھے کہ کتنا پیسہ کہاں سے ملا اور کہاں خرچ کیا گیا۔ پتا نہیں انہیں کیا وہم ہوگیا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ مسرور سے ملنے سے پہلے اس کا ذہن بہت منفی انداز میں سوچنے لگا تھا۔ کئی بار اس نے چچی جان اور عادل بھائی کو ختم کرنے کے لیے منصوبے بنائے تھے اور کئی بار اس نے پلان بنائے تھے کہ کسی طرح وہ چچا جان کی جائداد پر قابض ہوجائے اور پھر دوستوں کے ساتھ مل کر خوب داد عیش دے۔ جب سے زیتون بانو نے گوجرانوالہ کے حاجی صاحب سے گندم کی فروخت کے سلسلے میں خود بات کی تھی اور بابا جان نے اس کو بے تحاشا رقم دینے سے ہاتھ کھینچ لیا تو اس کی نیت خراب ہوگئی تھی۔ پھر چوہدری اللہ یار نے جو اس کا گہرا دوست تھا' اسے کامی کے اغوا کی راہ سجھائی تھی۔

"ختم کرکے کھیتوں میں پھینک دو۔"

لیکن اس کے خون میں وہ جو شاید دادا جان کا خون بھی شامل تھا وہ اسے ہر بار ایسا کرنے سے روکتا پھر مہران اور باباجان کی مشکوک نظریں۔

باباجان کے عجیب و غریب سوالات۔

اسے ان سوالات سے بچنے کے لیے خوامخواہ معذور بچوں کے لیے ادارہ قائم کرنے کا بہانہ بنانا پڑا اور زمین بھی خریدنی پڑی۔ تب کہیں جاکر عبدالرحمٰن خاں مطمئن ہوئے تھے۔ زمین کی خریداری سے وہ چند لاکھ روپے ہی بچا سکا تھا اور وہ چند دنوں میں اڑ گئے۔ صرف دو لاکھ روپیہ تو اس نے ماہ بانو کو تاڑ ارانی کی کارروائی کا دے دیا تھا۔

مسرور نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹائیں۔

"سوری سلطان' میں نہیں رک سکتا۔ مجھے گاؤں بھی جانا ہے۔"

"پلیز۔"

سلطان نے چونک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے لہجے میں خود بخود نرماہٹ آگئی تھی۔

"کچھ کہنے تو دو۔"

"کیا۔ کیا کہو گے۔ سلطان۔ سب کچھ تو واضح اور صاف ہے۔ ایک بار پہلے بھی میں تمہارے پاس آیا تھا لیکن تب میں متذبذب تھا اور آج تک میں متذبذب ہی تھا لیکن آج ...... آج مجھے یقین ہے کہ میں نے جو کیا غلط نہیں تھا۔"

"ہاں۔" سلطان نے سر جھکا دیا "مجھے اعتراف ہے یار لیکن غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں۔ میرے حلقہ احباب میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے جنہوں نے کبھی مجھے میری غلطیوں سے آشنا نہیں کروایا۔ تم بھلے یقین کرو یا نہ کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب سے تم گاؤں آئے ہو میرے اندر زبردست تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ میری کایا پلٹ گئی ہے۔"

مسرور نے تاسف سے اسے دیکھا۔

""میں تم سے یہ تو نہیں پوچھوں گا کہ تم نے کامی کو کیوں اغوا کیا۔ پیسے کی ہوس انسان کو اندھا کر دیتی ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ ماں جی کو جو اذیت ہوئی اور عادل بھائی نے جو دکھ اٹھایا اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا اور پھر وہ معصوم جو اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ خود سے اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔""

""ہاں عزیز نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ ضد کرتا تھا۔ یقین کرو دوست' میں اس غلطی پر بعد میں بہت پچھتایا...... کئی دفعہ سوچا کہ تم سے ذکر کروں۔ شاید تم کوئی بہتر راستہ بتا دو لیکن پھر سوچا شاید اس طرح میں تمہاری نظروں میں گر جاؤں گا۔""

""پھر عادل بھائی اور سب سے بڑھ کر بابا جان۔ وہ تو مجھے کبھی معاف نہ کرتے۔ وہ عثمان چچا اور عادل بھائی سے بالکل مختلف ہیں۔ غصیلے اور اپنے فیصلوں میں اٹل۔ سو میں نے جو کچھ کیا ہے اسے نبھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن شاید خدا کو یہ منظور نہیں تھا۔ تم عادل بھائی سے معافی مانگ لینا۔ میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا اور بابا جان وہ شاید اس حرکت پر مجھے زندہ بھی نہ چھوڑیں۔ وہ مجھے دیکھنا بھی گوارا نہ کریں۔""

سلطان کے لہجے میں تاسف' دکھ' افسوس سبھی کچھ تھا۔

مسرور لمحہ بھر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اور انسانی ذہن کو سمجھنا بہت مشکل ہے اور اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب کس وقت انسان کیا کر بیٹھے اور سلطان...... سلطان نے ہمیشہ ہی اسے حیران کیا تھا۔

پہلے دوستی کا ہاتھ بڑھا کر۔

پھر آمنہ صفی کو واپس کر کے۔

اور اب...... اب کامی کے اغوا پر شرمندگی کا اظہار کر کے۔ آج وہ سب دنوں سے بہت مختلف لگ رہا تھا...... اداس اور ملول سا۔

سر جھکائے' نادم اور شرمندہ۔

یہ اس سلطان سے کتنا مختلف تھا جسے پہلی بار اس نے سر عادل کے ساتھ دیکھا تھا۔

مغرور اور خود سر وڈیرا۔

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کے لبوں پر بکھری مدھم مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

""لیکن عادل صاحب سے کس بات کی معافی مانگوں؟""

سلطان نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ازحد حیرت تھی اور وہ مسرور کے سوال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسرور اس کی مشکل جان چکا تھا۔

""میں نے سر سے اس بات کا تو کوئی تذکرہ نہیں کیا کہ کامی مجھے کہاں سے ملا تھا۔ کامی مل گیا۔ یہ بڑی

بات تھی' اس بات پر زیادہ غور نہیں کیا گیا کہ وہ اچانک وہاں کیسے آ گیا۔"" مسرور نے اسے وضاحت سے بتایا کہ اس نے سر عادل سے کیا کہا تھا۔

""مسرور' میرے یار۔"" سلطان کی آواز بھرا گئی۔

""یانی دوست' ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہی کہا تھا نا کہ غلطیاں انسانوں سے ہی سرزد ہوتی ہیں۔"" مسرور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تو سلطان ایک دم اٹھ کر اس سے لپٹ گیا۔ آج پہلی بار مسرور نے یانی کہہ کر اسے بلایا تھا اور آج پہلی بار اس نے اس کے چہرے پر اپنے لیے محبت کے رنگ دیکھے تھے۔

""تم سچ مچ میرے دوست ہو۔ سچے اور حقیقی دوست۔""

مسرور مسکرایا ""یقیناً۔"" اس سے الگ ہوتے ہوئے مسرور نے اس کا ہاتھ دبایا ""اور اب اجازت دو مجھے۔""

""نہیں۔ ہرگز نہیں۔"" سلطان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کے کونوں میں جمع ہو جانے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔

""تم بہت عظیم ہو میرے دوست۔ ورنہ اگر تم عادل بھائی کو بتا دیتے تو میں زندگی بھر حویلی جانے اور کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہ رہتا۔""

""دوست کہا تھا تم نے مجھے۔"" مسرور نے اس کی طرف دیکھا۔

""ہاں کہا تھا۔ سمجھا تو کبھی نہیں تھا۔"" سلطان نے ہولے سے کہا تو مسرور بے اختیار ہنس دیا۔

""غلط نہیں کہہ رہا ہوں مسرور۔"" سلطان بے حد سنجیدہ تھا ""آج پہلی بار میں نے تمہارے چہرے اور تمہاری آنکھوں میں اپنے دوستی کے جذبے دیکھے ہیں' مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔""

""اور مجھے بھی...... او کے سلطان' اب اجازت دو۔ مجھے گاؤں جانا ہے ماں جی منتظر ہوں گی۔"" اس نے اپنی بات پھر دہرائی۔

""ہاں ہاں چلے جانا۔ اکٹھے چلتے ہیں۔ میں تمہیں چھوڑ آؤں گا اور وہیں سے حویلی چلا جاؤں گا۔""

""عزیز' بالم' خیر دین۔"" مسرور کا ہاتھ چھوڑ کر وہ آوازیں دینے لگا ""کہاں مر گئے ہو سب۔ ادھر آؤ۔ کھانے پینے کو لاؤ۔ میرا دوست آیا ہے اور خیر دین تم......"" لاؤنج میں آتے خیر دین کو دیکھ کر اس نے کہا۔ ""ڈرائیور سے کہو جا کر گاڑی تیار کر لے۔ ابھی ہمیں جانا ہے۔""

اور پھر مڑ کر مسرور کا ہاتھ تھامے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

❁❁❁

تیمور اور اماں من کے بیٹے میں لڑائی ہو رہی تھی۔

مریم شور کی آواز سن کر باہر نکلی ""کیا ہے موز' کیوں شور کر رہے ہو۔""

''مومو' یہ حبیب کا بچہ خوامخواہ میری چیزوں پر اپنا حق جتاتا ہے۔ ابھی میری کونٹرا اٹھا کر اوپر لے جا رہا تھا۔ پرانی والی ٹی وی گیم تو ساری توڑ پھوڑ کر رکھ دی ہے۔''

''بہت بری بات ہے حبیب۔ دوسروں کی چیزیں نہیں اٹھاتے۔'' مریم نے آگے بڑھ کر کونٹرا کا ڈبا حبیب کے ہاتھ سے لے لیا۔

''مومو' یہ کب تک ہمارے گھر میں رہیں گے۔ آخر اپنے گھر کیوں نہیں چلے جاتے۔''

''واہ کیوں جائیں۔'' حبیب نے منہ چڑایا ''ہمارے چاچا کا گھر ہے' نہیں جاتے۔''

''نہیں' یہ ہمارا گھر ہے' ہمارے پاپا کا۔ تم لوگ چلے جاؤ۔'' تیمور کے لہجے میں سنجیدگی تھی اور وہ بہت غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں جاتے۔ ہمارے چاچا کا گھر ہے' ہم یہیں رہیں گے۔'' حبیب زور زور سے کہتا ہوا سیڑھیاں پھلانگتا چلا گیا۔

''مومو' یہ ہمارے پاپا کا گھر ہے نا۔'' تیمور کی آواز میں آنسو تھے اور وہ تصدیق طلب نظروں سے مریم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مریم نے بے اختیار اسے ساتھ لگا لیا ''ہاں میری جان' یہ تمہارا گھر ہے۔'' اس نے تیمور کو تسلی دی۔

''یہ گھر پاپا کا ہے۔ آپ ماما سے کہیں وہ ان سب کو نکال دیں۔ یہ لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے اور یہ حبیب تو مجھ سے روز لڑائی کرتا ہے۔ یہ دیکھیں۔'' اس نے کلائی موڑتے ہوئے آستین پیچھے کی ''کل بھی اس نے مجھے کاٹ لیا تھا۔''

کلائی پر دانتوں کے نشان ابھی تک موجود تھے۔ مریم نے ایک دم اس کی کلائی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے

''میری جان' تم اس کے منہ کیوں لگتے ہو۔ وہ تو بہت بدتمیز اور فضول ہے۔''

''میں تو اس سے بات ہی نہیں کرتا وہ خود ہی جان بوجھ کر مجھے روزانہ ہی تنگ کرتا ہے اور......''

''یہ صحیح ہے۔'' عاشی کچن سے چائے کا کپ لیے باہر نکلی۔

''بجو وہ دونوں لڑکے انتہائی بدتمیز ہیں اور خوامخواہ ہی منہ لگتے ہیں۔ کتنی بار میں نے انہیں منع کیا ہے کہ نیچے نہ آیا کریں لیکن......'' اس نے چائے کا کپ سینٹر ٹیبل پر رکھا اور تیمور کی طرف دیکھا ''اب کیا ہوا ہے؟''

''یہ...... یہ۔'' مریم نے تیمور کی کلائی آگے کر دی ''یہ حبیب نے کاٹا ہے اس کی کلائی پر۔''

عاشی کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔

''آپ ماما سے بات کیوں نہیں کرتی ہیں بجو۔ نکال باہر کریں انہیں' بہت ہو گیا ہے۔ پہلے والدین آئے۔ پھر بھائی مع فیملی کے آ گیا اور ابھی نہ جانے کس کس نے یہاں آنا ہے۔ نہیں برداشت ہوتے یہ لوگ مجھ سے۔ ابھی ماما سے جا کر بات کرتی ہوں۔''

''ماما گھر پر نہیں ہیں...... وہ غضنفر ملک کے ساتھ کچھ دیر پہلے ہی کہیں گئی ہیں۔'' مریم نے بتایا اور تیمور کا ہاتھ تھامے تھامے صوفے پر بیٹھ گئی۔ عاشی بھی کپ اٹھا کر سامنے بیٹھ گئی۔

''اور یہ جو عاصمہ بی بی ہیں...... وقت بے وقت میرے کمرے میں چلی آتی ہیں اور جو مرضی ہوا اٹھا کر لے جاتی ہیں' کبھی لپ اسٹک' کبھی نیل پالش۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے یہ سب۔ میں ماما سے آج ضرور بات کروں گی۔''

''او کے' لیکن عاشی ماما...... ماما شاید......'' مریم نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ماما کو ہماری بات ماننا ہو گی۔'' عاشی کا انداز حتمی تھا ''موراور نینا چند دن کے لیے چھٹیاں گزارنے آئے ہیں اور ایک دن بھی سکون نہیں ملا۔'' اس نے چائے کی چسکی لی اور مسکرا کر تیمور کی طرف دیکھا ''تم فکر نہ کرو مور' دو دن میں یہ چلتے پھرتے نظر آئیں گے یہاں سے۔''

''سچ مچ عاشی بجی۔'' تیمور خوش ہو گیا۔

''سچ اور ہاں معید کا فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے' سب لوگ تیار رہنا' شام کو لمبی ڈرائیو پر جائیں گے اور ڈنر بھی باہر ہی کریں گے۔''

''رئیلی بجی۔''

''ہوں۔''

عاشی کے ہونٹوں پر ابھی تک مسکراہٹ تھی۔

''چند دن تو رہ گئے ہیں تمہارے واپس ہاسٹل جانے میں اس لیے ڈاکٹر معید کہہ رہے تھے کہ بھئی تیمور میاں کو جاتے جاتے ایک اچھا سا ڈنر دے دیا جائے ان کی پسندیدہ جگہ پر۔''

''معید بھائی بہت اچھے ہیں۔'' تیمور نے آنکھیں مٹکائیں اور نینا کو بتانے کے لیے اندر کی طرف بھاگا۔

''ماما کو اب شاید مور سے بھی محبت نہیں رہی۔ ہیں نا۔''

تیمور کے جانے کے بعد عاشی نے مریم کی طرف دیکھا تو مریم چونک گئی۔ وہ تو عاشی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر ڈاکٹر معید کا نام لیتے ہوئے رنگ سا اتر آیا تھا ''تھینک گاڈ۔'' اس نے ایک گہری سانس لی ''عاشی پلٹ آئی ہے ورنہ اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہتی اور شرجیل مرزا سے......''

''بجو' میں صحیح کہہ رہی ہوں نا ماما کو اب تیمور سے بھی محبت نہیں رہی......'' عاشی نے اپنی بات دہرائی۔

مریم نے محبت سے اسے دیکھا ''ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔ ماما کو تو تیمور سے بہت زیادہ محبت تھی۔''

''تھی نا۔ ہے تو نہیں۔'' عاشی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"نہیں عاشی ماما کو ہم سب سے زیادہ محبت ہے لیکن وہ اتنی مصروف رہتی ہیں کہ ان کے پاس یہ سوچنے کے لیے وقت نہیں ہے کہ ہمارے کیا مسائل ہیں۔ تم ان سے بدگمان نہ رہا کرو۔ مجھے یقین ہے' جب تم آرام سے انہیں اپنا نقطہ نظر سمجھاؤ گی' اپنے مسائل تو سمجھ جائیں گی اور ضرور غضنفر ملک سے بات کریں گی کہ وہ اپنے عزیزوں کو سمجھائے۔"

"بجو' آپ ماما کو کچھ زیادہ ہی ڈیفنڈ نہیں کرنے لگی ہیں۔" عاشی نے خالی کپ اٹھا کر ٹیبل پر رکھا "ماما کے سوا ہمارا اور ہے بھی کون اور ماما کا بھی تو کوئی نہیں ہے ہمارے سوا۔"

"یہ غلط فہمی ہے آپ کی بجو۔ ماما کے تو سب ہیں' غضنفر ملک اور ان کے عزیز و اقارب سب اور ماما تو کبھی بھی اکیلی نہیں رہیں...... ہاں ہم اکیلے ہیں اور اگر عادل بھائی بھی نہ ہوتے تو ہم بالکل اکیلے تھے اور انکل مجی جیسے لوگ ہمیں جیسے چاہتے استعمال کرتے۔" وہ کمرے کی طرف جانے کے لیے مڑی۔

"اور ان چند ہفتوں میں یہ عاشی کتنی عقل مند ہو گئی ہے۔" مریم نے سوچا۔

"ارے ہاں' آپ کو ایک خوش خبری سنانا تو بھول ہی گئی۔" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے پلٹی "عادل بھائی نے بتایا تھا کہ کامل مل گیا ہے۔"

"ارے کہاں سے' کیسے؟" مریم کو سچ مچ بہت خوشی ہوئی۔

"پتا نہیں لیکن مل گیا ہے۔"

"تب ہی شاید عادل بھائی اتنے دنوں سے نہیں آئے۔" مریم نے سوچا "ضرور حویلی گئے ہوں گے۔ میں آج ہی ماں جی فون کر کے مبارک دوں گی۔ ڈاکٹر عبدالمعید کے ہاں پارٹی ہی میں پروفیسر عادل سے بات ہوئی تھی اور وہ الجھ بھی گئی تھی۔ ان کا یہ کہنا کہ وہ اچھی لگ رہی ہے اور ان کے انداز نے کئی دن تک اسے ڈسٹرب کیے رکھا۔ مگر اس دن کے بعد وہ آئے ہی نہیں۔ حالانکہ ماما نے بھی ایک دو بار پوچھا تھا۔

"اور پتا نہیں ماما کیوں پوچھ رہی تھیں۔"

اس نے یوں ہی سوچا۔

ماما کا پروفیسر عادل کے ساتھ رویہ' کبھی کبھی اسے بڑا حیران کرتا تھا۔ جس طرح کا ان کا مزاج تھا۔ اس سے یہ ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ پروفیسر عادل کے ساتھ ان کا رویہ اچھا ہوگا لیکن مریم کے لیے یہ ازحد حیرت کی بات تھی کہ نہ صرف پروفیسر عادل کے ساتھ ان کا رویہ بہت اچھا تھا بلکہ وہ ان کی بات کو اہمیت بھی دیتی تھیں حالانکہ وہ پاپا کے بیٹے تھے...... اور پاپا کی بات کو ماما نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی ہمیشہ اپنی ہی بات منوائی تھی۔ شاید اس میں خود عادل خان کی شخصیت کا دخل ہے۔

اس نے سوچا۔

عاشی بھی تو ان کا احترام کرتی ہے۔ نینا اور مور بھی کتنا چاہتے ہیں انہیں اور خود اس کے دل میں بھی ان

کے لیے بے حد احترام تھا اور پھر پاپا کی نسبت وہ اسے عزیز بھی ہو گئے تھے اور اتنے دنوں سے وہ نہیں آئے تھے تو وہ ان کی کمی محسوس کر رہی تھی۔

عاشی اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ اگرچہ ٹی وی لاؤنج میں خنکی تھی پھر بھی کمرے میں جانے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا بے چینی تھی اور کیسا اضطراب تھا جو اسے بے چین کیے رکھتا۔ حالانکہ عاشی کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

عاشی نے بہت جلد اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالمعید کے ہاں پارٹی اٹینڈ کر کے آنے کے بعد سے وہ بہت مطمئن لگتی تھی اور جب کبھی ڈاکٹر عبدالمعید کا فون آتا تو نہایت خوش دلی سے باتیں کرتے ہوئے وہ ہولے ہولے مسکراتی رہتی اور کبھی کبھی اس کا چہرہ یک دم لو دے اٹھتا تھا۔ ماما نے ڈاکٹر ہادی سے کہا تھا کہ وہ ایک فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں اسکاٹ لینڈ جا رہی ہیں۔ واپسی دو تین ماہ میں ہو جائے گی اور آ کر عاشی کو رخصت کر دیں گی لیکن عاشی نے ڈاکٹر عبدالمعید سے کہا۔

"میں گریجویشن کرنا چاہتی ہوں۔"

"بعد میں بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"نہیں بعد میں نہیں...... ابھی...... پہلے......"

"او کے۔" ڈاکٹر عبدالمعید اس کی بات ٹال نہیں سکتے تھے۔ "جہاں اتنا انتظار کیا' وہاں کچھ اور سہی لیکن گریجویشن کے بعد ماسٹرز کا پروگرام نہ بنا بیٹھنا۔" ڈاکٹر عبدالمعید کے انداز میں شوخی تھی لیکن عاشی سنجیدہ تھی۔

"نہیں پرامس۔"

اسے سنبھلنے کے لیے ٹائم چاہیے تھا۔ اگرچہ بظاہر وہ سنبھل گئی تھی لیکن اس کی آنکھوں سے ملال کے رنگ جھانکنے لگتے تھے اور اس کے دکھ کو محسوس کر کے مریم خود بھی اداس ہو جاتی لیکن اسے یقین تھا کہ ڈاکٹر عبدالمعید کی رفاقت اور محبت پا کر بہت جلد عاشی کی آنکھوں میں بسے ملال کے رنگوں کی جگہ خوشی کے جگنو اتر آئیں گے۔

"اور وہ...... وہ خود کیا اسے بھی کوئی خوشی ملے گی۔"

"شاید نہیں...... اور ماما کہہ رہی تھیں اسکاٹ لینڈ سے واپس آ کر وہ مریم اور عاشی دونوں کو رخصت کر دیں گی۔"

اور آنٹی نرگس نے کہا تھا "ہاں' یہ کام اب کر ہی لو۔"

"اور پتا نہیں وہ شخص کون ہے جس کے ساتھ ماما نے میری شادی کا سوچ رکھا ہے۔ نہ کبھی کسی شخص کو اس نے ادھر آتے دیکھا ہے اور نہ ہی ماما نے کبھی ذکر کیا ہے۔"

''کہیں شجی انکل تو نہیں۔''

''اچانک اس کے دل میں خیال آیا مگر پھر خود ہی اس خیال کو رد کر دیا۔

''نہیں بھلا وہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ بہر حال جو بھی ہو مجھے شادی نہیں کرنا ہے۔ میں ماما سے کہہ دوں گی کہ مجھے شادی نہیں کرنا ہے۔ ماما تو اتنی مصروف رہتی ہیں' تیمور اور نینا کا کون خیال رکھے گا...... ماما کو تو یاد بھی نہیں رہا تھا کہ تیمور کی چھٹیاں ہو رہی ہیں اور انہیں لینے بھی جانا ہے اور مجھ کو خیال رکھنا ہے ان سب کا اور اب اور بھی زیادہ جب کہ غضنفر ملک کے عزیزوں نے یہاں ڈیرا جما لیا تھا اور عاشی کی طرح تیمور بھی انہیں سخت ناپسند کرنے لگا تھا۔'' اور وہ جانتی تھی کہ ماما کبھی بھی غضنفر ملک سے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ انہیں جانے کے لیے کہے۔ وہ کسی طرح غضنفر ملک کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتی تھیں۔ انہیں شاید اتنی ہی محبت ہو گئی تھی غضنفر ملک سے اور ایک پاپا تھے جن کی ہر بات کو وہ بڑے آرام سے رد کر دیا کرتی تھیں۔

''ہے مریم۔'' عاصمہ نے اوپر سیڑھیوں سے آواز دی تو اس نے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

تیز گلابی رنگ کا ٹشو کا دوپٹہ اوڑھے اور گلابی رنگ کی ہی لپ اسٹک لگائے اور ہم رنگ سوٹ پہنے اور کانوں میں بڑے بڑے جھمکے ڈالے شاید وہ کہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

''کیا ہے؟'' مریم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مومن ہے نیچے؟''

''نہیں۔'' مریم کا جواب مختصر تھا۔

''امامن۔ امامن۔'' اس نے منہ اوپر اٹھا کر آواز دی۔

''چلا گیا ہے کہیں سیر سپاٹے کو۔''

''بھاوج بھی گئی ہے یا اکیلا ہی گیا ہے؟'' اوپر شاید امامن نے پوچھا ''ارے بھائی اکیلا کہیں جاتا ہے وہ ساتھ ہی گئی ہوں گی۔ کیوں مریم' بڑی اماں بھی ساتھ ہی گئی ہوگی نا۔'' امامن کی بات کا جواب دے کر عاصمہ نے نیچے جھانک کر مریم سے پوچھا تو مریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''نہیں ہے بھابی نیچے وہ بھی گئی ہے۔'' اس نے اونچی آواز میں اوپر والوں کو بتایا اور خود کھٹ کھٹ کرتی ہوئی نیچے آ گئی۔

''کیا کر رہی تھیں مریم؟'' وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں۔ یوں ہی فارغ بیٹھی تھی۔''

''وہ...... وہ کیا نام ہے' تمہارا سوتیلا بھائی۔ وہ نہیں آیا بڑے دنوں سے۔'' عاصمہ نے عادل کے متعلق پوچھا۔'' غالباً ان کے متعلق وہ معلومات حاصل کر چکی تھی۔

''کیوں کوئی کام تھا آپ کو ان سے؟''

''نہیں۔ ہاں نہیں تو کوئی کام تو نہیں۔'' وہ نگاہیں جھکا کر انگلی پر دوپٹہ لپیٹنے لگی ''یوں ہی بہت دنوں سے دیکھا نہیں تو دل اداس ہو رہا تھا۔'' اس نے شرمانے کی ایکٹنگ کی اور بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے مریم پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی اور دلچسپی سے پوچھا۔

''ان کے نہ آنے سے آپ کیوں اداس ہو رہی ہیں؟''

''وہ دراصل یوں ہی۔'' وہ مزید شرما گئی ''ویسے مریم بھائی کے لیے کوئی لڑکی وڑکی دیکھی۔'' شرمانے کی ایکٹنگ بدستور جاری تھی۔

لمحہ بھر کے لیے حریم کا چہرہ مریم کے سامنے آ گیا۔

''ہاں۔''

''جی۔'' عاصمہ بی بی نے یک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''لیکن وہ شریف تو کہہ رہا تھا۔ ابھی شادی وادی نہیں ہوئی لیکن لڑکی تو گھر ہی میں ہے۔ میرا مطلب ہے چچا کی بیٹی ہے۔ یہ آج کل کی لڑکیاں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ اماں کہتی ہیں' میرے جیسی سیدھی سادی لڑکیاں تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔''

''بالکل۔'' مریم بے اختیار ہنس دی۔ ایسی بے اختیاری ہنسی تو مدت سے نہیں آئی تھی۔

وہ خود ہی اپنی ہنسی پر چونک گئی۔

جب شہریار تھا تو کبھی کبھار جب وہ یونیورسٹی آتا تھا یا وہ اس کے ہاسٹل جاتی تھی تو اس کے کسی لطیفے یا کسی بات پر وہ کبھی کبھی یوں ہی بے اختیار ہو کر ہنس پڑتی تھی۔ تو شہریار بے اختیار اسے دیکھے چلا جاتا۔

''مومی' تم ہنستے ہوئے کتنی خوب صورت لگتی ہو۔ خدا کرے تم ہمیشہ یوں ہی ہنستی رہو۔'' اور وہ محض اسے ہنسانے کے لیے ڈائجسٹوں سے لطیفے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسے سناتا تھا۔

''اور تمہاری دعا شاید قبول نہیں ہوئی شہریار۔'' وہ تو ہنسنا ہی بھول گئی تھی۔

''لے ہنس کیوں رہی ہے تو۔ میں نے کوئی غلط بات کہی ہے۔ پوچھ لے اماں سے ہزار بار اماں نے کہا ہے کہ میری جیسی لڑکیاں آج کل کہاں۔''

''صحیح' لیکن مجبوری ہے' عادل بھائی کی بات تو بچپن سے ہی طے ہے۔''

''تو بچپن کی بات کو کون اہمیت دیتا ہے۔ امامن کی بات بھی بچپن سے نوری خالہ کی بیٹی سے طے تھی لیکن وہ اپنی مرضی سے بھابی کو لے آیا اور یہ مومن' اس نے تو اپنی مرضی سے منگنی رچائی تھی گل عابد دھوبی کی سالی سے۔ پر تیری اماں پر دل پھسل گیا اس کا اور پھر سچ تو یہ ہے کہ گل عابد دھوبی کی سالی اس کے معیار کی تھوڑی تھی۔ یوں بھی مومن کے لاہور آنے کے بعد وہ بھاگ گئی تھی کسی کے ساتھ۔''

''اچھا۔'' مریم ایک دم بے زار ہو گئی۔ ان لوگوں کی صحبت میں چند منٹ سے زیادہ بیٹھنا مشکل ہو جاتا

تھا اس کے لیے۔

"میں ذرا کمرے میں جا کر لیٹوں گی۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ بیٹھیں گی یا......؟" مریم نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"لو میں خالی کمرے میں بیٹھ کر کیا کروں گی۔ تمہیں دیکھ کر نیچے آ گئی تھی ورنہ مومن نے منع کیا ہے کہ بلاوجہ نیچے نہ آیا کریں۔ تری ماں نے ہی کان بھرے ہوں گے اس کے۔"

"کس کے کان؟" امامن اتنے دبے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے اترا کہ انہیں خبر تک نہ ہوئی۔

"لو یہ کیا چوروں کی طرح چپکے سے آ کر ڈرا دیا ہے بھائی۔ تمہاری عادتیں نہیں بدلیں گی۔" عاصمہ نے اس کی آواز پر تقریباً اچھلتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا لیکن اس کی نگاہیں مریم کے سراپے پر یوں جمی تھیں جیسے ساکت ہو گئی ہوں۔

"سبحان اللہ۔" کچھ دیر بعد اس کے لبوں سے نکلا اور وہ عاصمہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو اس کی بات پر مسکرانے لگی تھی۔

"تو ادھر بیٹھی دانت نکال رہی ہے اور ادھر اماں بے چاری کا ہاتھ جل گیا ہے۔ پکار رہی ہے تجھے۔"

"ہائے میں مری' کیسے؟" عاصمہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"چائے گر گئی ہاتھ پر۔"

"گرم تھی۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

"نہیں ٹھنڈی تھی۔" امامن قہقہہ مار کر ہنسا۔

"لیکن گری کیسے۔" عاصمہ بدستور دل پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔

"تیری بھاوج کا ہاتھ لگ گیا تھا۔ حبیب کو مارنے کے لیے اٹھایا تھا۔ اماں کے ہاتھ پر لگ گیا۔"

"جان بوجھ کر گرایا ہوگا۔ وہ تو ہے ہی اماں کی جان کی دشمن۔"

"لے اوپر اماں نے واویلا مچایا ہے اور نیچے تو یہی کہہ رہی ہے۔ جا کر اماں کو ٹھنڈا کر۔ تو بھی اس کی ہم زبان ہو گئی ہے۔"

"جانتی ہوں' تیری بیوی کو کیسی گنوں کی پوری ہے۔" عاصمہ گھورتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"سنبھل کر جائیو کہیں اماں کا ہاتھ جلا ہے تیری ہڈی پسلی نہ ٹوٹ جائے۔"

"تجھ سے میں بعد میں بات کروں گی امامن' پہلے میں اماں کو دیکھ لوں۔"

"ارے کیا بات کرے گی تو مجھ سے۔" وہ ہنسا۔

مریم حیران کھڑی تھی۔ یہ کیسا انداز تھا اور کیسا طرز گفتگو۔ اگرچہ مریم بہت دنوں سے دیکھ رہی تھی مگر بھی ہر بار اسے حیرت ہوتی۔ ماں' بہنیں' بھائی سب ایک ہی انداز میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے تھے۔

نہ کوئی ادب نہ کوئی احترام

"بڑی حسین لگ رہی ہو۔" امامن ایک قدم آگے بڑھا۔

"شٹ اپ۔" مریم کو از حد غصہ آیا۔

"لو میں نے کیا کہہ دیا۔ جس پر اتنی گرم ہو رہی ہو۔"

"پلیز آپ میرے ساتھ بات نہ کریں اور جائیں اوپر۔"

"واہ کیوں جائیں اوپر۔ ہمارے بھائی کا گھر ہے جہاں مرضی ہوگی بیٹھیں گے۔ کون روک سکے گا بھلا ہمیں۔"

"تو ٹھیک ہے بیٹھیں آپ۔" مریم نے جل کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

"ارے کہاں چلی ہو۔ ہم تو صرف تیری خاطر نیچے اترے ہیں ورنہ اس وقت تو حبیب کی اماں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔ صبح صبح نہا دھو کر لال جوڑا پہن کر دلہن بنی بیٹھی ہے۔ قسم سے سینے پر ہاتھ رکھ کر آیا ہوں۔ اماں کو تو جلاپا ہے بہو سے۔ واویلا کرنے کی عادت ہے۔ ایک ساتھ بیٹھے نہیں دیکھ سکتی۔ اتنا شور مچایا کہ عاصمہ کو بلاؤ کہ مجھے اٹھنا ہی پڑا حبیب کو نیچے نہیں بھیجا خود ہی آ گیا کہ شاید تو نظر آ جائے اور تجھے دیکھ کر دل خوش ہو گیا' اللہ قسم۔"

ضبط کی کوشش میں مریم کا چہرہ آگ کی طرح دہک اٹھا۔ وہ ہونٹ بھینچے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

"دو گھڑی رک کر بات تو کر لو۔ اللہ قسم ایک بار تو ہاں کر دے تو پاؤں دھو دھو کر پیوں گا۔ پوچھ لے حبیب کی اماں سے کیسے چارپائی پر بٹھا رکھا ہے۔ تجھے بھی خوش رکھوں گا۔ حبیب کی اماں کی فکر نہ کر تیری نوکرانی بن کر رہے گی۔"

"کیا بکواس ہے۔" مریم کے ہاتھ سے ضبط کی لگامیں گر پڑیں۔

"لو دل کی باتوں کو بکواس کہتی ہو۔ اللہ قسم' جب سے تمہیں دیکھا ہے' رات رات بھر جاگتا ہوں۔"

"میں آج ماما سے آپ کی شکایت کروں گی۔" مریم نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے غصے سے کہا۔

"لو میں نے کیا کیا ہے جو شکایت کرو گی اور تری اماں کیا کر لے گی میرا۔ ابھی تو مومن کو نہیں جانتی' بڑا ہاتھ چھٹ ہے۔ چٹنی بنا کر رکھ دے گا تیری اماں کی۔ بھابی کی شکایت نہیں سنے گا وہ۔"

"کیا بات ہے بجو؟" عاشی نے کمرے سے جھانک کر دیکھا اور باہر نکل آئی۔ وہ غالباً کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی۔ مریم نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"کہیں جا رہی ہو کیا؟"

''ہاں نینا اور مور کو کہیں گھمانے لے جا رہی ہوں۔ آپ چلیں گی ساتھ۔''

''ہاں۔'' مریم نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔

''تو پھر آ جایئے' میں گاڑی نکالتی ہوں۔''

''مور' نینا تم بھی آ جاؤ۔ ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔'' اس نے مڑ کر آواز دی اور گاڑی کی چابی اٹھائی۔

''واہ اکیلے اکیلے سیریں ہوں گی' ہمیں بھی لے چلو ساتھ۔'' امامن غلیظ نظروں سے عاشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے' آپ بڑی دیر سے یہاں تشریف فرما ہیں اب تشریف لے جایئے۔''

''واہ کیوں جائیں۔''

''کیوں نہ جائیں۔ زیادہ دیر تک فضول لوگوں کو میں اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا اٹھیے اور اوپر چلے جایئے۔''

''عاشی لیو اٹ۔'' مریم نے آہستگی سے کہا۔

''میں بہت دیر سے اس کی فضول گوئی سن رہی ہوں۔'' عاشی مریم کی بات کا جواب دے کر اس کی طرف مڑی۔

''بہتر ہے کہ آپ صرف اوپر تک ہی محدود رہا کریں۔ جہاں ماما نے آپ کو رہنے کی اجازت دی ہے۔ ہر جگہ پر اپنا استحقاق مت جتائیں۔''

''نہیں جاتے کیا کر لو گی تم۔''

''دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا کر لوں گی میں تو دیکھیں۔'' عاشی نے اسے گھورا۔

''اللہ قسم' غصے میں بھی اچھی لگ رہی ہو۔ تیکھا مرچ لگ رہی ہو۔ بڑی تو بڑی چھوٹی سبحان اللہ۔ ویسے قسم اللہ پاک کی' تیرے جیسی تیکھا مرچ کا مزا ہی اور ہے۔ غصہ تھوک دے۔ تیری بہن تو کچھ بھی نہیں۔ تو' تو...... وہ کیا کہتے ہیں۔ ہلدی تو ہلدی ہے۔ سونٹھ کڑا کے دار۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری ''ایمان سے تو ہی ہاں کہہ دے۔ اگر کہے تو حبیب کی ماں کی چھٹی کرا دوں گا۔ بھاڑ میں جائے۔''

''شریف...... شریف۔'' مریم کا رنگ غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا ''خان بابا کو بلاؤ اور اس شخص کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔''

''مگر وہ......'' شریف ہچکچایا۔

''سنا نہیں تم نے۔'' عاشی کی آواز بہت بلند تھی۔

''جی۔ جی۔'' شریف باہر کی طرف لپکا۔

''رکو رکو بھائی بھائی۔ جا رہا ہوں اوپر لیکن دیکھ لینا' شکایت کروں گا تیری مومن سے۔ کہہ

دوں گا' تیرے گھر میں یہ عزت ہے میری۔ تم تو اتنی دور سے مارے محبت کے آئے ہیں اور یہاں......'' وہ بڑبڑاتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

عاشی سر تھام کر بیٹھ گئی۔

تیمور اور نینا خاموش کھڑے تھے۔ مریم نے آگے بڑھ کر عاشی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ریلیکس عاشی۔''

''بجو۔'' عاشی نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں بھیگ رہی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے بجو۔ ماما آخر ان لوگوں کو کیوں نہیں روکتیں۔ کیوں اتنی ڈھیل دے رکھی ہے انہیں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''ٹیک اٹ ایزی عاشی۔ میں آج ماما سے بات کروں گی۔''

''ہاں مومو۔ آپ ماما سے ضرور بات کرنا۔ یہ سب لوگ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' تیمور نے بھی اس کا ہاتھ ہلا کر اظہار خیال کیا۔

''اوکے ڈیر۔'' مریم نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا ''آج ماما سے بات ہو گی۔ دراصل وہ اتنی بزی رہتی ہیں اور انہیں پتا ہی نہیں ہے کہ یہ لوگ کس طرح کے ہیں۔ اب میں بتاؤں گی تو پتا چلے گا۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔'' تیمور نے سر ہلایا۔ عاشی خاموش بیٹھی تھی۔ سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ یک دم ہی سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''چلیں نا بجی۔''

''موڈ نہیں رہا مور کل چلیں گے۔''

تیمور خاموش ہو گیا۔

''کم آن عاشی۔ اب بچے تیار ہیں تو چلتے ہیں۔ ذرا ان کی آؤٹنگ ہو جائے گی اور تم بھی فریش ہو جاؤ گی۔''

''اور کیا گھر میں بوریت ہے اور پھر عادل بھائی بھی نہیں آئے اور عادل بھائی کتنے اچھے ہیں۔ ہیں نا بجو۔''

نینا نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں واپسی پر عادل بھائی کی طرف جائیں گے۔'' تیمور نے خوشی سے کہا ''اتنے دنوں سے وہ آئے ہی نہیں اور انہوں نے فون بھی نہیں کیا۔''

''کہیں بیمار نہ ہو گئے ہوں۔'' نینا نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں۔'' عاشی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''دو تین دن قبل فون آیا تھا۔ معروف تھے بہت۔ وقت نہیں مل سکا...... کامی کی طبیعت بہت خراب تھی اسے کسی اسپیشلسٹ کو دکھانا تھا۔ کہہ رہے تھے کامی کو حویلی چھوڑ کر آؤں گا تو ادھر آؤں گا ملنے۔''

''تو بھی کیا حرج ہے' دیکھ لیں گے۔ کیا خبر گھر میں ہی ہوں۔ کامی بھائی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' تیمور نے اصرار کیا۔

''ہاں چلے چلیں گے۔''

مریم کا جی بھی کامی کو دیکھنے کو چاہنے لگا۔ کس قدر معصوم تھا وہ...... لونگ سا۔ جن دنوں وہ حویلی میں تھی تو وہ کتنا مانوس ہو گیا تھا اس سے۔

''اور خدا جانے اتنا عرصہ کہاں رہا اور کیسے ملا۔ ماں جی تو بہت خوش ہوں گی۔ واپس آ کر وہ ضرور حویلی فون کرے گی۔'' مریم نے سوچا اور مور کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''چلو بھئی' اب دیر نہیں کرو۔''

اور پھر وہ صفو کو دروازہ بند کرنے کا کہہ کر سب کے ساتھ باہر آ گئی۔

❁ ❁ ❁

پورچ میں زینب ملک کی گاڑی کھڑی دیکھ کر تیمور نے مریم کا ہاتھ دبایا۔

''ماما آ گئی ہیں۔''

''ہوں۔'' مریم نے مسکرا کر اسے دیکھا اور مڑ کر گاڑی لاک کی۔

''وہ جو انکل ہیں' امامن صاحب انہوں نے ماما سے آپ کی اور بجو کی شکایت کر دی ہو گی۔ ہیں نا' مومو۔''

''تو۔'' عاشی نے اسے گھورا'' کر دی ہے تو کرتے رہیں۔''

''تو پھر ماما آپ کو ڈانٹیں گی۔''

''بالکل بھی نہیں ڈانٹیں گی۔'' مریم نے اس کے رخسار تھپتھپائے۔

''تو اور کیا انہیں ڈانٹیں گی کہ وہ ہم سے لڑائی کیوں کرتے ہیں۔'' نینا نے بھی اس کی تائید کی۔

''ہاں مگر ماما کچھ عجیب سی ہو گئی ہیں۔ دیکھ لینا اگر انہوں نے شکایت کی نا تو ماما مومو اور بجی کو ڈانٹیں گی۔'' تیمور نے بڑے مدبرانہ انداز میں نینا کو جواب دیا۔

مریم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ مورا سے کتنا پیارا تھا اور کتنا حساس تھا' اتنی سی عمر میں ہی۔ وہ سب بے حد خوش تھے۔ بہت انجوائے کیا تھا انہوں نے اور اس کا دھیان بھی نہیں رہا تھا کہ گھر سے نکلنے سے پہلے امامن سے کس قدر بدمزگی ہو گئی تھی۔ واپسی پر وہ پروفیسر عادل کی طرف بھی گئے تھے لیکن خدا بخش نے بتایا تھا کہ وہ حویلی گئے ہیں اور دو ایک روز میں ماں جی اور بی آپا کو لے کر آ رہے ہیں۔

خدا بخش نے اصرار کر کے انہیں روک لیا تھا اور چائے کے ساتھ شامی کباب کھلائے تھے اور عثمان احمد کے بچپن کی باتیں انہیں سناتے رہے تھے۔

''مور میاں بچپن میں آپ کے پاپا بالکل آپ کی طرح بہت سوال کرتے تھے اور ان کی پیشانی تو بالکل آپ جیسی تھی۔''

''اور میں...... کیا میں بھی پاپا جیسی ہوں۔'' نینا نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ہوں۔'' خدا بخش نے اسے غور سے دیکھا'' آپ کی ناک تو بالکل عثمان میاں جیسی ہے اور عاشی بیٹا کی آنکھیں اور یہ کان کے پاس ننھا سا تل بالکل اپنے پاپا جیسا ہے۔''

''اچھا۔'' عاشی مسکرائی۔

''ہاں عثمان میاں کے دائیں کان کے پاس بالکل اسی جگہ پر ایسا ہی تل تھا۔ بس وہ ذرا بڑا تھا۔ یہ قدرے چھوٹا ہے۔''

''بابا آپ پاپا سے پیار کرتے تھے؟'' عاشی نے پوچھا۔

''ہاں' وہ تھے ہی بہت اچھے' نرم مزاج اور محبت کرنے والے۔''

مریم کا جی چاہا' وہ پوچھے کیا میں...... کیا میں بھی پاپا جیسی لگتی ہوں...... لیکن وہ میرے پاپا تو نہیں ہیں۔ بھلا میں کیسے پاپا سے مل سکتی ہوں لیکن یہ خواہش اتنی شدت سے اس کے اندر پیدا ہوئی کہ خدا بخش کہے کہ وہ بھی اپنے پاپا سے ملتی ہے' وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''اور بابا میں...... کیا میں بھی پاپا سے ملتی ہوں؟''

عاشی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''اور شاید بجو کبھی بھی یہ تسلیم نہ کر سکیں کہ پاپا ان کے پاپا نہیں تھے حالانکہ یہ حقیقت ہے۔''

''مریم بی بی آپ کا لہجہ آپ کا بات کرنے کا انداز بالکل اپنے پاپا جیسا ہے۔ بالکل وہی نرماہٹ' وہی حلیمی۔ وہی دھیمے دھیمے لہجے میں بات کرنا۔''

اور وہ بے اندازہ خوش ہو گئی تھی۔

پتا نہیں کیوں۔

''کیا آپ کو ڈر لگ رہا ہے ماما سے۔'' تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا ''میں ہوں نا' آپ کے ساتھ۔'' اس نے گویا اسے تسلی دی۔ تو چونک کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''تم ہو نا' میرے ساتھ میرے اپنے بھائی اپنے دوست تو پھر مجھے کسی کا بھی ڈر نہیں ہے۔''

عاشی اور نینا اندر جا چکی تھیں۔ وہ بھی تیمور کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلی آئی۔ خلاف توقع ماما اور غضنفر ملک ٹی وی لاؤنج میں ہی تھے اور ان کے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ ٹی وی اسکرین پر نظریں

جمائے وہ ایش ٹرے گود میں رکھے سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا اور ٹی وی پر کوئی اشتہار چل رہا تھا۔ غالباً چائے کا۔

عاشی سیدھی کچن کی طرف چلی گئی تھی کیونکہ تیمور کی فرمائش پر انہوں نے رستے سے اسپرنگ چکن پیک کروایا تھا۔

''السلام علیکم ماما۔'' مریم نے زینب کو سلام کیا جس کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا۔

مریم تیمور کا ہاتھ پکڑے کچھ دیر وہاں ہی کھڑی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں بیٹھے یا اپنے کمرے میں چلی جائے۔ تب ہی عاشی صفو کو چکن دے کر کچن سے باہر نکلی اور زینب کو سلام کیے بغیر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو زینب نے اسے پکارا۔

''عاشی ادھر آؤ۔ موموتم بھی اور مور تم جاؤ اپنے کمرے میں۔''

مریم نے تیمور کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ تیمور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ وہ جائے یا رک جائے۔ مریم نے مسکرا کر اسے جانے کے لیے کہا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی ماما کے سامنے والے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

''ویر از سم تھنگ رانگ مومو۔'' اس کے پاس سے گزرتے ہوئے تیمور نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ڈونٹ وری۔'' مریم نے مسکرا کر اسے تسلی دی اور عاشی کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

''عاشی' میں نے تمہیں بلایا ہے۔''

''خیریت ہے؟'' عاشی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مریم کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے زینب کو دیکھنے لگی۔

''عاشی اور موموتم دونوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ امامن بھائی نے شکایت کی ہے کہ تمہارا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہیں ہے...... اور یہ کہ تم ان کی انسلٹ کرتی ہو۔ دونوں روز گھر سے جانے کا کہتی ہو ان سے۔''

''بہت خوب اور کیا فرمایا انہوں نے۔'' عاشی کی آنکھوں میں تمسخر تھا اور لہجے میں ہلکا سا طنز۔

''عاشی اپنا لہجہ درست کرو۔'' زینب ملک کو غصہ آ گیا۔

''مسز غضنفر ملک صاحبہ' آپ نے ان سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ وہ کیا فرما رہے تھے۔ کیا انہوں نے اپنے ارشادات سے آپ کو مستفید نہیں کیا۔''

''عاشی۔'' زینب کا رنگ یک دم سرخ پڑ گیا ''میں تمہاری بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتی۔''

''او کے مم۔'' عاشی کھڑی ہو گئی ''تو میں جاؤں اپنے کمرے میں۔''

''شٹ اپ۔'' زینب کی آواز بلند تھی ''آئندہ مجھے تمہاری کوئی شکایت نہ ملے اور نہ ہی میں یہ سنوں کہ تم نے انہیں گھر سے جانے کو کہا ہے۔ مہمان ہیں وہ ہمارے۔''

''مہمان۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔

غضنفر ملک خاموش بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ بلا کا تحمل تھا اس میں اور کبھی بھی وہ ان کے آپس کی گفتگو میں دخل نہیں دیتا تھا۔ شاید اندر سے جانتا تھا کہ زینب اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گی اور جو کچھ وہ چاہے گا وہی ہو گا۔

''عاشی' میری بات سن لی ہے نا تم نے؟'' انہوں نے پھر اپنی بات دہرائی۔

''یس ماما لیکن آپ بھی سن لیں اور اپنے شوہر نامدار کے ان برادر محترم کو کہہ دیں کہ وہ اپنی حد میں رہیں۔ اگر انہوں نے آئندہ حد سے نکلنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا اور بہتر ہے کہ وہ اپنے حصے تک ہی محدود رہا کریں۔''

عاشی بات مکمل کر کے اٹھی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مریم حیران سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ماما نے امامن کی شکایت تو سن لی تھی لیکن ان سے پوچھا تک نہ تھا کہ آخر بات کیا تھی...... عاشی کے کہنے پر بھی نہیں۔ وہ ایک شخص جس سے ان کی آشنائی زیادہ نہ تھی۔ اس کی بات پر انہوں نے فوراً اعتبار کر لیا تھا اور وہ جوان کی بیٹیاں تھیں' ان کا اعتبار نہیں تھا انہیں۔

''اور موموتم۔'' عاشی کے جانے کے بعد زینب اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''زینی' میں ذرا اوپر جا رہا ہوں' اماں کی طرف۔ بھیا بتا رہے تھے کہ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔'' غضنفر ملک نے گود میں رکھا ہوا ایش ٹرے اٹھا کر میز پر رکھی۔

زینب نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک گہری نظر مریم اور زینب پر ڈالتا ہوا اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ تم نے عاشی کا دماغ خراب کیا ہے۔''

''میں نے۔'' مریم نے سر اٹھا کر بے حد حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ہاں تم نے۔ بجائے اس کے کہ تم عاشی کو سمجھاتیں' الٹا تم نے خود بھی امامن کو اوپر چلے جانے کو کہا۔''

''ماما آپ جانتی ہیں' آپ کو پتا ہے کہ وہ شخص کیا فضول اور بے ہودہ باتیں کر رہا تھا۔ وہ......''

''لیو اٹ مومو۔'' زینب نے اس کی بات کاٹ دی ''اگر امامن نے مذاق میں کوئی بات کہہ بھی دی تھی تو کیا حرج تھا لیکن تمہارا ذہن ہمیشہ سے بہت محدود ہے۔ تم فجی کے ساتھ بھی بدتمیزی کرتی تھیں اور عاشی نے بھی یہ تم سے ہی سیکھا ہے۔ اتنے اچھے اور اعلیٰ ماحول میں پرورش پانے کے باوجود تمہارا ذہن اپنے

باپ کی طرح ہے۔ محدود سوچ' دقیانوسی خیال۔"

"اپنا باپ' اپنا باپ۔" مریم کے دماغ پر جیسے کوئی ہتھوڑے برسانے لگا۔

"کون ہے وہ؟" اس نے سرگوشی کی۔

"ماما پلیز' آج مجھے بتا دیں کہ وہ کون ہے' کہاں ہے' کس جگہ ہے؟"

اس کے لہجے میں التجا تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے لیکن اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔ جیسے اپنے باپ سے باتیں کر رہی ہو۔ زینب نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا اور کھڑی ہو گئیں۔

"وہ غزی کے بہن بھائی ہیں اور تمہیں نہ صرف خود ان کا احترام کرنا چاہیے بلکہ مور اور نینا کو بھی سمجھانا چاہیے۔" انہوں نے ایک تنبیہی نظر ساکت کھڑی مریم پر ڈالی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔ غالباً غضنفر ملک کو خوش کرنے کے لیے اس کی والدہ کی مزاج پرسی کو جا رہی تھیں۔

"اور میں آج ہی عادل خان کو فون کرتی ہوں اور ڈاکٹر ہادی سے بھی کہتی ہوں۔ کوئی انتظار نہیں کروں گی اب سال دو سال کا۔" سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے انہوں نے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا لیکن مریم کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔ وہ خالی خالی ذہن کے ساتھ انہیں اوپر جاتے دیکھتی رہی۔

"اور ماما' میں بھی کبھی نہیں جان پاؤں گی کبھی نہیں۔ شاید آپ کو کسی سے بھی محبت نہیں ہے اور صرف اپنے آپ سے محبت ہے۔ عاشی صحیح کہتی ہے۔"

آنکھوں میں اکٹھے ہو جانے والے آنسو یک دم باہر نکل آئے۔ اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسوؤں کو صاف کیا لیکن آنسو تھے کہ امڈے چلے آ رہے تھے۔ اس نے دھندلی آنکھوں سے عاشی اور تیمور وغیرہ کے کمروں کی طرف دیکھا۔ ان کے دروازے بند تھے۔ عاشی کے کمرے سے میوزک کی آواز آ رہی تھی۔ اس کی عادت تھی کہ جب ڈسٹرب ہوتی تو فل آواز میں میوزک لگا دیتی۔ اس نے ایک قدم عاشی کے کمرے کی طرف بڑھایا لیکن پھر یک دم واپس پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف تقریباً بھاگتی ہوئی چلی گئی اور اپنے بیڈ پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگی۔

❁ ❁ ❁

"چین ون سے' تیمور کی جینز لے کر مریم باہر نکلی تو اسے یک دم گمان ہوا جیسے اس نے لالہ کی جھلک دیکھی ہو لیکن تیمور کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی بے دھیانی میں وہ پارکنگ کی طرف بڑھ گئی لیکن گاڑی کا دروازہ کھولتے کھولتے اچانک اسے یاد آیا کہ ابھی جینز لے کر جب وہ باہر نکل رہی تھی تو کونے میں جہاں بیڈز وغیرہ تھے' اس طرف مڑتے ہوئے ایک لڑکی پر اسے لالہ کا گمان ہوا تھا۔ اگرچہ اس کے چہرے کی ایک سائیڈ پر اس کی نظر پڑی تھی اور اس کے ذہن کے اندر کہیں لالہ کا نام گونجا تھا مگر پھر وہ تیمور کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جو نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ مگر اب اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

وہ سو فی صد لالہ تھی۔ یقیناً اس کے بالوں کا اسٹائل اور دائیں طرف گردن پر بڑا سا تل۔ اس کے چہرے کا دایاں حصہ اور گردن اس نے دیکھی تھی لیکن بس...... شاید اسے لالہ کے یہاں ملنے کا امکان نہیں تھا اس لیے...... "نہیں وہ لالہ ہی تھی۔"

اس نے بڑے یقین سے ایک بار پھر خود سے کہا اور جینز کا پیکٹ تیمور کے ہاتھ میں تھما کر واپس پلٹی۔

"موز' تم رکو یہاں میں ابھی آتی ہوں۔"

"کیا ہوا مومو؟"

"بس ایک منٹ میری جان۔ میرا خیال ہے وہاں اندر میری ایک دوست ہے۔"

"کمال ہے مومو' آپ نے وہاں نہیں دیکھا تھا اسے' لگتا ہے آپ ذہنی طور پر حاضر نہیں ہوتی ہیں۔ ہیں نا۔"

تیمور کی بات کا جواب دیے بغیر وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھی اور پھر وہ اسے جوگرز خریدتی ہوئی نظر آ گئی...... بلاشبہ وہ لالہ ہی تھی اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔

"لالہ۔ تم کب آئی ہو...... اور تم نے فون ہی نہیں کیا بے وفا۔ میں تمہیں کتنا یاد کرتی تھی اور......"

"یہ مریم ہے میری دوست۔ ہاسٹل میں ہم اکٹھے رہتے تھے۔" اس نے مریم کی بات کاٹ دی۔ مریم نے حیرت سے منہ کھولا اور بند کر لیا۔

ادھیڑ عمر خاتون نے سرسری سی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر شوکیس میں جوتے دیکھنے لگی۔

"کیسی ہو مومو؟" لالہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے آہستہ سے کہا اور پھر اس کے کان میں سرگوشی کی "میں رات میں تمہیں فون کروں گی۔ ابھی کچھ نہ کہنا۔"

"یہ" مریم نے پھر کہنا چاہا تو اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارا کیا۔

"ممی کیسی ہیں۔" خاتون ذرا آگے بڑھیں تو اس نے پھر سرگوشی کی اور مریم کو پھر حیرت کا جھٹکا لگا۔

"تم گھر نہیں گئیں۔ آنٹی سے نہیں ملیں۔ یہاں آ کر بھی۔"

"نہیں اور تم ممی کو مت بتانا میرا۔"

"لالہ...... کم آن ڈیئر' یہ دیکھو ہنی کے لیے یہ ڈریس کیسا رہے گا۔" خاتون نے اسے آواز دی تو وہ تھ بلاتی ہوئی جلدی سے خاتون کی طرف بڑھ گئی۔

"اوکے پھر رات میں۔" جاتے جاتے اس نے سرگوشی کی تھی۔

لمحہ بھر تو مریم حیران سی کھڑی اسے خاتون کے ساتھ دوسری طرف جاتے دیکھتی رہی پھر واپس آ گئی۔

"آپ کو اپنی دوست ملی مومو؟" اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے تیمور نے پوچھا۔

''ہاں۔نہیں تو وہ کوئی اور تھی۔'' وہ چونکی۔

''آر یو رائٹ مومو؟'' تیمور نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''یس۔'' مریم نے مسکرا کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

لیکن اس کا ذہن لالہ میں الجھا ہوا تھا۔ لالہ کتنی بڑی لگ رہی تھی اور کس قدر کمزور بھی اور وہ خاتون کون تھی اور پھر اس خاتون کے سامنے لالہ نے جھوٹ بولا کہ وہ ہاسٹل میں اس کے ساتھ...... لالہ ممی سے بھی نہیں ملی۔

شاید وہ اس کے ڈیڈی کی کوئی عزیز ہوگی اور ممکن ہے کہ اس کے ڈیڈی نے منع کیا ہو کہ وہ ممی سے نہ ملے۔ مریم کو سب کچھ جان لینے کی از حد بے چینی تھی مگر لالہ تو خاتون کے بلانے پر چلی گئی تھی اور پتا نہیں رات کو فون بھی کرے گی یا نہیں۔

تیمور بولتا رہا لیکن اس کا ذہن راستے بھر لالہ ہی میں الجھا رہا۔ تیمور اور نینا کو صبح مری جانا تھا۔ ان کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ تیمور کا قد تیزی سے بڑھ رہا تھا اور اس کی ساری جینز چھوٹی ہوگئی تھیں۔ عاشی اور نینا ڈاکٹر عبدالمعید کے گھر گئی ہوئی تھیں اور وہ تیمور کے ساتھ چین ون آئی تھی تا کہ اس کی پسند کی جینز اسے لے کر دے سکے۔

''موموٗ اس بار میرا واپس جانے کو جی نہیں چاہ رہا۔'' تیمور نے باہر دیکھتے ہوئے اچانک کہا۔

''کیوں بھلا۔'' مریم نے اس کی طرف دیکھا۔

''بس یوں ہی دل اداس ہو رہا ہے۔''

''مگر پڑھائی تو کرنا ہے میری جان۔''

''مومو کیا میں یہاں نہیں پڑھ سکتا۔ آپ کے اور عاشی کے ساتھ رہ کر۔''

''ہاں لیکن ماما کی خواہش تھی کہ تم وہاں پڑھو۔''

''مگر اب تو ماما بہت بدل گئی ہیں۔ مجھے لگتا ہے جیسے اب انہیں مجھ سے پیار نہیں رہا۔''

''وہم ہے تمہارا۔'' مریم نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے رکھے دوسرے ہاتھ سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

''ماما تم سب سے اب بھی پیار کرتی ہیں۔''

''شاید۔'' اس نے کندھے اچکائے...... ''آپ کو پتا ہے ماما اور وہ...... حبیب کے چاچو صبح اسکاٹ لینڈ جا رہے ہیں' فلم کی شوٹنگ کے لیے۔''

''نہیں تو۔'' مریم کو حیرت ہوئی۔

اسے یہ تو معلوم تھا کہ ماما اور غضنفر ملک نے کسی فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں اسکاٹ لینڈ جانا ہے اور یہ بات غالباً ماما نے ڈاکٹر عبدالمعید کے ہاں پارٹی پر بھی بتائی تھی اور بعد میں بھی اس کا ذکر ہوتا رہتا تھا لیکن

اسے یہ معلوم نہ تھا کہ کب اور ماما نے رات سب کے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا لیکن کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور آج صبح ناشتے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک لونگ روم میں بیٹھی رہی تھیں اور وہ بھی وہاں اخبار دیکھ رہی تھی...... لیکن ماما نے کوئی ذکر تک نہیں کیا تھا کہ وہ کل جا رہی ہیں۔

''تمہیں کس نے بتایا ہے مور؟''

''حبیب نے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے چاچو اسکاٹ لینڈ سے بہت سے کھلونے لے کر آئیں گے اور عاصمہ آنٹی کے لیے بھی چیزیں لائیں گے اور دادا کے لیے ریڈیو لائیں گے۔''

''تمہاری حبیب سے دوستی ہوگئی کیا؟''

''نہیں تو...... وہ خود ہی آیا تھا میرے کمرے میں یہ بتانے کہ اس کے چچا اس کے لیے ویسی ہی ٹی وی گیم لے آئیں گے جیسی میرے پاس ہے۔ مجھے تو وہ بالکل اچھا نہیں لگتا۔ روز ہی تو لڑائی ہوتی ہے اور وہ جو چھوٹا بھائی ہے اس کا نجیب اس نے مجھے گالی بھی دی تھی۔''

''اور ماما کتنی دور ہوگئی ہیں ہم سے کتنی اجنبی۔'' اس نے بے حد دکھ سے سوچا۔

''اور اب جائیں گی تو نہ جانے کتنے دنوں بعد آئیں گی۔ دو تین ماہ تو لگ ہی جائیں گے اور پیچھے سے یہ لوگ ہوں گے۔ عاصمہ اور اس کی بہن اور والدہ تو پھر بھی گوارا تھے لیکن یہ امامن صاحب کسی صورت قابل برداشت نہ تھے...... حالانکہ جب آئے تھے تو چند دن کا کہہ رہے تھے لیکن اب جانے کا نام نہیں لے رہے تھے اور ماما کے بعد پتا نہیں ان کا کیا رویہ ہوگا۔''

''دیکھ لیں گے اگر ایسی ویسی بات ہوئی تو عادل بھائی اور معید بھائی بھی تو ہیں نا' میں ان سے کہہ دوں گی۔''

اس نے خود کو تسلی دی اور تیمور سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے ایک بار پھر اس کا ذہن لالہ کی طرف چلا گیا۔

''اور لالہ اس طرح کیوں کر رہی تھی۔ وہ آنٹی نرگس سے کیوں نہیں ملی۔ کیا وہ اعزاز سے ملنے آئی ہے۔ پتا نہیں اعزاز سے ملی بھی ہے یا نہیں اور پتا نہیں' وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ کس کے پاس اگر وہ اپنے [illegible] گئی تو کیا وہ آنٹی سے اتنی ہی خفا ہے کہ گھر بھی نہیں گئی...... اور اگر رات کو اس نے فون کیا تو میں اسے بتاؤں گی کہ آنٹی نے کہا ہے کہ اگر وہ گھر لوٹ آئے تو وہ اعزاز سے اس کی شادی کر دیں گی اور یہ جان کر کہ اعزاز سے آنٹی کی بہت دوستی ہوگئی ہے اور اعزاز اکثر آنٹی سے ملنے جاتا رہتا ہے۔ وہ کس قدر خوش ہوگی۔

یوں ہی لالہ کے متعلق سوچتی پیکٹ ہاتھ میں اٹھائے تیمور کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی وہ لاؤنج میں داخل ہوئی اور پھر وہیں ٹھٹک کر رک گئی۔

لاؤنج کے عین وسط میں ماما کھڑی چیخ رہی تھیں اور ٹی وی پر ہاتھ رکھے عاشی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے روتی رہی ہو اور ٹی وی پر رکھا اس کا ہاتھ جذبات کی شدت سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

''تم...... تم عاشی حد سے بڑھ رہی ہو۔'' ماما کی آواز بہت بلند تھی۔ مریم سہم کر وہیں کھڑی ہوگئی۔ تیمور نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ لیا۔

''حد سے میں نہیں بڑھی' آپ بڑھ رہی ہیں۔'' عاشی کی آواز آہستہ اور لہجہ مضبوط تھا ''ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ وہ ہمارا مکان خالی کر دیں۔ میں مزید ایک دن بھی انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تم کون ہو انہیں گھر سے نکالنے والی۔'' زینب کی آواز بلند تھی اور غصے سے ان کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ مریم کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کس کی طرف جائے۔ ماما کو خاموش کرائے یا عاشی کو منع کرے۔

''میں...... عثمان احمد کی بیٹی ہوں اور یہ عثمان احمد کا گھر ہے۔''

''یہ گھر میرا ہے۔ میرے نام ہے یہ گھر اور میرا جس کو جی چاہے گا' اسے میں اپنے گھر میں رکھوں گی۔''

''تو ٹھیک ہے' آپ رکھیں ان کو اس گھر میں۔ ہم چلے جائیں گے اس گھر سے۔''

''میری طرف سے جہنم میں جاؤ لیکن میں یہ برداشت نہیں کروں گی کہ اس گھر میں رہ کر تم امامن بھائی سے یا کسی اور سے بدتمیزی کرو۔''

''اور آپ کے امامن بھائی چاہے آپ کی بیٹی کو......'' وہ تمسخر سے ہنسی اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ سر اٹھا کر ایک تیز نظر ان پر ڈالی۔

''آپ کو آپ کا گھر مبارک ہو۔ میں صبح ہی چلی جاؤں گی اور سب کو ساتھ لے جاؤں گی۔''

''کہاں جاؤ گی؟'' اب کے زینب کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''اپنے باپ کے گھر۔''

''دیکھوں گی کتنے دن رہتی ہو اپنے باپ کے گھر میں۔''

''نہ رہ سکی تو آپ کی طرف لوٹ کر نہیں آؤں گی۔''

مریم ساکت کھڑی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح دونوں کو روکے۔ ماما حد سے بڑھ رہی تھیں اور عاشی...... خدا جانے اس کی عدم موجودگی میں کیا ہوا تھا۔ عاشی کب گھر آئی تھی۔ ماما بھی شاید گھر پر نہیں تھیں۔ یقیناً امامن نے کوئی بدتمیزی اور فضول بکواس کی ہوگی۔ کاش میں باہر نہ جاتی۔

''میری طرف سے اجازت ہے۔ ان سب کو بھی لے جانا ساتھ' بہت مان ہے تمہیں ماں جی کا اور عادل بھائی کا۔''

''آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے' لے جاؤں گی۔''

مریم کو لگا اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہ رہی ہو۔ اس نے اپنے بازو پر رکھے تیمور کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ لیا۔ تیمور نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے بازو پر رکھ کر ہولے سے دبایا۔

زینب غصے میں بڑبڑاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں تو مریم آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی عاشی کی طرف آئی۔ عاشی ابھی تک ایک ہاتھ ٹی وی پر رکھے تھوڑا سا جھکی کھڑی تھی۔

''عاشی۔'' مریم نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا'' کیا ہوا تھا؟''

''بجو۔'' عاشی نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبائے لحہ بھر مریم کو دیکھتی رہی...... اور پھر ایک دم اس سے لپٹ گئی۔

''بجو۔'' آنسوؤں سے اس کی آواز رندھ گئی۔

مریم نے اسے دونوں بازوؤں میں تھام لیا اور وہ بے اختیار رونے لگی۔ اس کے گرد بازو لپیٹے آنسو بہاتی عاشی چند لمحے پہلے کی عاشی سے بالکل مختلف لگ رہی تھی۔ کمزور بزدل اور معصوم سی عاشی مریم اسے اپنے ساتھ لپیٹے ہوئے ہولے ہولے تھپکنے لگی ''ریلیکس گڑیا...... میری جان بتاؤ کیا ہوا۔ میں ہوں ناں...... ماما کی باتوں کی پروا نہ کرو' تمہیں پتا تو ہے غصے میں انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا...... جو منہ میں آتا ہے کہتی چلی جاتی ہیں...... بچپن سے تم دیکھتی چلی آرہی ہو۔ بعض اوقات انہیں ذرا سی بات پر غصہ آجاتا تھا۔''

''ہاں۔'' اس نے روتے روتے سر اٹھایا ''لیکن میں اب یہاں نہیں رہوں گی اور آپ' مور اور نینا بھی میرے ساتھ چلیں گے۔ عادل بھائی کے پاس ہم حویلی جا کر رہیں گے۔ ٹھیک ہے نا بجو۔''

''لیکن عاشی۔'' مریم نے بہت محبت سے اس کے آنسو پونچھے۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔'' وہ اس سے الگ ہو کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ''مجھے یہاں نہیں رہنا۔ یا وہ رہیں گے یا میں۔''

''وہ یہاں ہی رہیں گے' تم جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔'' ماما پھر کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ ان کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور پیشانی کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔

''ماما پلیز۔'' مریم نے ملتجی نظروں سے دیکھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اگر ضد پر اڑ جاتی تھیں تو پھر اپنے نقصان کی بھی پروا نہیں کرتی تھیں' چاہے کتنا بڑا نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

''آپ اپنے کمرے میں جائیں اور آرام کر لیں۔''

''او کے ماما......'' عاشی آنسو پونچھ کر کھڑی ہوگئی۔ زینب عثمان نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور پھر واپس اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

''عاشی گڑیا' آؤ اپنے کمرے میں چلو۔'' مریم نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما لیکن اس نے آہستگی سے ہاتھ چھڑا لیا اور فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔

''ہیلو کون خدا بخش۔'' اس نے شاید عادل خان کی طرف فون کیا تھا۔

''اچھا عادل بھائی نہیں ہیں' کہاں گئے ہیں؟''

''مجتبیٰ صاحب کی طرف۔ ٹھیک ہے۔ جس وقت بھی آئیں ان سے کہیے گا' مجھے رنگ کرلیں۔''

وہ فون رکھ کر مڑی تو مریم نے اس کی طرف دیکھا ''تو تم نے فیصلہ کرلیا ہے عاشی؟''

''ہاں......'' وہ تیمور کی طرف مڑی ''مور تم میرے ساتھ چلو گے نا' عادل بھائی کے گھر حویلی میں یا ماما کے ساتھ رہو گے یہاں؟''

''آپ کے ساتھ۔'' تیمور بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا ''ہم سب آپ کے ساتھ جائیں گے۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے حبیب اور نجیب دونوں مجھ سے لڑائی کرتے ہیں اور ماما انہیں منع بھی نہیں کرتیں' مومو آپ بھی چلیں گی۔''

''میں۔'' مریم نے تیمور کی طرف دیکھا۔

''میں۔'' اس نے پھر زیر لب دہرایا اور ماما کی بات اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

''تم......تم بھلا کس رشتے سے جاؤ گی عادل کے ساتھ کیا لگتا ہے' وہ تمہارا......''

''مومو' ہم آپ کے بغیر نہیں جائیں گے۔ آپ چلیں گی نا' عاشی بجی کے ساتھ۔ آپ یہاں اکیلی کیسے رہیں گی۔ وہ امامن انکل تو آپ کے ساتھ بدتمیزی کریں گے۔''

''ہاں'' اس نے پرسوچ نظروں سے عاشی اور تیمور کو دیکھا۔ اس کا ذہن فی الحال کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔

''عاشی......عاشی پلیز' اس طرح غصے میں فیصلہ مت کرو۔ ماما کا تو تمہیں پتا ہے نا' وہ غصے میں......''

''فیصلہ تو ہو چکا بجو......اب سوچنے کی گنجائش نہیں ہے...... آپ پلیز' اپنا ضروری سامان پیک کرلیں۔ کیا خبر عادل بھائی ابھی آجائیں' نہیں تو صبح سویرے ہم چلے جائیں گے۔''

وہ تیمور کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو' مریم وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

''تو بالآخر یہ ہونا ہی تھا۔ زندگی اجیرن ہوگئی تھی' جب سے ماما نے امامن کی شکایت پر اسے ڈانٹا تھا وہ اور بھی شیر ہوگیا تھا۔ آتے جاتے فضول فقرے چست کرتا۔ بری نظروں سے دیکھتا۔ حالانکہ انہوں نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھنا کم کردیا تھا۔ زیادہ تر کمروں میں رہتی تھیں۔ پھر بھی کبھی کبھار سامنا ہو جاتا تھا۔ عاصمہ اور چھوٹی تو جب جی چاہتا دھڑلے سے اس کے یا عاشی کے کمرے میں آکر بیٹھ جاتیں اور گھنٹوں اپنی فضول باتوں سے انہیں بے زار کرتیں۔ مور کی الگ نجیب اور حبیب سے لڑائی رہتی۔ ماما تو زیادہ تر اپنی

شوٹنگ کے سلسلے میں گھر سے صبح سویرے ہی چلی جاتی تھیں۔ اکثر شام کو اور کبھی رات کو وہ اور غضنفر ملک لوٹتے تھے۔

اور خدا جانے آج کیا بات ہوگئی تھی اور کس سے۔ اس نے ابھی تک عاشی سے تفصیل پوچھی ہی نہیں تھی۔

''اور اب عاشی عادل بھائی کے ساتھ چلی جائے گی۔ مور اور نینا بھی......اور وہ......''

''وہ......وہ کہاں جائے۔ کون ہے اس کا۔ بڑی حویلی یا عادل بھائی سے اس کا کیا تعلق......کیا رشتہ ہے۔''

''ماما نے ہی تو کہا تھا کس ناطے سے وہ جائے گی وہاں۔''

اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

''عینی کے گھر چلی جائے۔''

''بابا اور ماں جی تو خوش ہوں گے۔''

''لیکن کب تک......کب تک وہ رہے گی وہاں۔''

اور شاید......عینی کے چاچو اس کا وہاں رہنا بھی پسند نہ کریں......اور شہریار۔

''شہریار مجھے تمہاری اس وقت کتنی ضرورت ہے۔''

ایک دم اسے اپنا آپ بہت اکیلا لگا۔

جیسے اس بھری دنیا میں اس کا کوئی نہ ہو اور وہ تنہا ہو' بالکل تنہا۔

پتا نہیں کتنی ہی دیر وہ یوں ہی اکیلی بیٹھی رہی۔ ماما اور غضنفر ملک نے کھانا اپنے کمرے میں منگوایا تھا۔ تیمور اور عاشی نے کھانے سے منع کر دیا تھا۔ ٹیبل پر تنہا نینا تھی۔ جو چند لقمے لے کر اٹھ گئی۔

''بجو کوئی بھی کھانا کیوں نہیں کھا رہا۔''

''بھوک نہیں ہے۔''

''ماما کی لڑائی ہوئی ہے آپ سے؟''

''ہاں' نہیں تو۔''

وہ الجھن سی ٹیبل پر پرانا میگزین اٹھائے اس کے ورق الٹتی رہی۔ نینا تھوڑی دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر عاشی کے کمرے میں چلی گئی۔ عاشی اپنا سامان اکٹھا کر رہی تھی۔ اسے اپنا' نینا اور مور تینوں کا ضروری سامان تیار کرنا تھا......اگرچہ مری جانے کے لیے ان کا سامان تیار تھا پھر بھی ادھر ادھر سے سامان اٹھا کرتی پھر رہی تھی اور مریم یوں ہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ جیسے کسی نے اس کے وجود سے ساری طاقت نچوڑ لی ہو۔

بہت دیر سے غالباً ساڑھے بارہ بجے فون کی بیل ہوئی۔ میکانکی انداز میں اس نے فون

اٹھایا......دوسری طرف عادل خان تھے اور بہت تشویش سے پوچھ رہے تھے۔

''خیریت ہے نا مریم؟'' انہوں نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

''آپ عاشی سے بات کریں۔''

اور عاشی نے انہیں تفصیل بتاتے ہوئے اسی وقت آنے کو کہا۔

''حویلی کے دروازے ہر وقت تم سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ مگر عاشی بیٹا ایک بار سوچ لو۔''

''میں نے سوچ لیا ہے عادل بھائی کہ ہمیں یہاں نہیں رہنا۔ ہاں اگر آپ......''

''فضول کوئی بات مت کرنا عاشی ورنہ میرے دل کو دکھ ہوگا۔ عثمان احمد خان کی اولاد کے لیے حویلی میں بہت جگہ ہے میری بہن بعض اوقات جذباتی فیصلوں پر آدمی کو بہت پچھتانا پڑتا ہے۔ اس لیے رات بھر سوچ لو' صبح نو بجے میں آؤں گا......اور یوں بھی اس وقت اس طرح تمہیں لے جانا مناسب نہیں ہے۔ مسز غضنفر ملک کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے' ہم صبح تیار ہوں گے' مورنینا کو مری بھی بھجوانا ہے۔ ان کی چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔''

عاشی فون رکھ کر مریم کی طرف بڑھی۔

''عادل بھائی صبح آئیں گے نو بجے۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''عثمان احمد خان کی اولاد۔''

''لیکن میں عثمان احمد خان کی اولاد نہیں ہوں عاشی۔'' اس نے بے حد دل گرفتگی سے کہا۔

''اوہ' بجو فضول باتیں مت سوچیں۔ ماں جی آپ سے کتنا پیار کرتی ہیں اور بی آپا بھی کتنا پیار کرتی ہیں......اور عادل بھائی اس طرح کبھی آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ چلیں اٹھیں پھر صبح پیکنگ نہیں ہو سکے گی۔''

''ہم ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلے جائیں گے۔ یہ گھر ماما اور غضنفر ملک کو مبارک ہو۔''

عاشی اسے تاکید کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی اور اس کے جانے کے بعد بیل ہوئی۔ شاید عادل بھائی نے پھر کوئی بات کہنے کے لیے فون کیا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف لالہ تھی۔

''لالہ تم......؟''

''سوری یار اس وقت تم سے بات نہیں کر سکی۔ دراصل......''

''مگر کیوں لالہ......'' وہ اپنی پریشانی بھول گئی۔

''سنو میں تمہیں مختصراً بتاتی ہوں۔ یہاں سے میں اپنے ڈیڈی کے گھر چلی گئی تھی لیکن وہاں جا کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہت گھٹن تھی اور بہت پابندیاں۔ پھر ڈیڈی نے میری منگنی اپنے ایک بھتیجے سے کر دی۔ میں نے بہت انکار کیا لیکن وہاں انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی' میں تو وہاں اس لیے گئی تھی کہ ڈیڈی میری

اعزاز سے شادی کر دیں گے......مگر میں نے ممی کے پاس واپس آنا چاہا تو راستے بند تھے۔ یوں سمجھ لو کہ میں ایک طرح سے قید تھی وہاں۔ اس سے پہلے کہ میرا نکاح ہو جاتا میں وہاں سے کسی طرح چھپ کر نکل آنے میں کامیاب ہوگئی اور وہاں سے سیدھی کراچی آئی۔ مجھے پتا تھا کہ ڈیڈی میری تلاش میں لاہور جائیں گے۔ کراچی میں میری ایک دوست رہتی تھی اور اتفاق سے اس کا فون نمبر مجھے یاد تھا۔ بس اسٹیشن سے فون کیا اور اس کے پاس چلی گئی......چند دن وہاں رہ کر میں نے ایک بوتیک میں جاب کر لی اور پرائیوٹ ہاسٹل میں منتقل ہوگئی۔ سو وہ خاتون جو میرے ساتھ تھیں' اس بوتیک کی مالک تھیں۔ مسز ارباب اور ان سے میں نے کہا تھا کہ میرا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے۔ مطلب قریبی عزیز' ہاسٹلوں میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

مریم خاموشی سے ریسیور کان سے لگائے اس کی بات سن رہی تھی۔

''مسز ارباب آ رہی تھیں۔ کسی عزیز سے ملنے تو میں بھی آ گئی۔ ممی کو دیکھنے کو دل مچل اٹھا۔ کل کوٹھی کے باہر کھڑی رہی۔ بہت دیر تک۔ بس ایک جھلک نظر آئی ان کی گاڑی میں سے۔''

''وہ تمہیں بہت یاد کرتی ہیں لالہ اور اعزاز کے ساتھ شادی پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے اعزاز سے شادی نہیں کرنا اور فی الحال ممی کے پاس بھی نہیں جانا۔''

''کیوں؟''

''پھر کبھی تفصیل بتاؤں گی بلکہ میں کراچی جا کر تمہیں خط لکھوں گی اور فون بھی کروں گی۔ تم سناؤ کچھ یک لگ رہی تھیں۔ تمہارے ڈاکٹر صاحب کا کیا حال ہے' کوئی پیش رفت ہوئی؟''

''لالہ......لالہ میں۔'' مریم کی آواز بھرا گئی۔

''کیا ہوا مریم۔ شہریار کیا بے وفائی کر رہے ہیں؟''

''نہیں۔ سنو۔ تم مجھے کل مل سکتی ہو۔'' مریم نے شعوری کوشش سے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔

''نہیں یار' میں تو کل نو بجے کی فلائٹ سے جا رہی ہوں مسز ارباب تو ابھی رہیں گی لیکن مجھے تو واپس ہے۔ دراصل مسز ارباب مجھ پر بہت ٹرسٹ کرتی ہیں اور وہاں بوتیک پر آج کل ورکر بھی کم ہیں اور نگرانی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔''

''تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو لالہ۔''

''خیریت ہے نا مریم' کیا آنٹی سے لڑائی ہوگئی؟''

اور تب مریم نے اسے ہولے ہولے سب کچھ بتا دیا۔

''اوکے مومو' صبح نو بجے تیار رہنا' میں تمہیں پک کر لوں گی اور پھر دعا کرو کوئی چانس سیٹ مل جائے۔ آئی ہوپ۔ اوکے باقی باتیں ملنے پر۔ پریشان مت ہونا اور بی بریو۔''

"لالہ پلیز، بھول نہیں جانا۔" اس نے التجا کی۔

"ڈونٹ وری موموا ور سنو مسز ارباب کروٹ بدل رہی ہیں، میں فون بند کر رہی ہوں۔" اس نے سرگوشی کی۔

"صبح سات بجے گیٹ پر آجانا۔"

فون رکھ کر مریم نے کچھ دیر کے لیے بڑی طمانیت سی محسوس کی۔ وقتی طور پر ٹھکانا بن رہا تھا۔ خدا کرے سیٹ مل جائے، خدا کوئی نہ کوئی سبب بنا دیتا ہے۔ اگر لالہ نہ ملتی اس کا فون نہ آتا تو شاید اسے یہاں ہی رہنا پڑتا...... وہ اٹھی اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ ایک اٹیچی میں اس نے اپنی سب ضروری چیزیں رکھ لیں۔ تو تھک کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ گھڑی کی سوئیاں دو بجا رہی تھیں۔ آنکھیں بند کرتے ہی وہ طمانیت کہیں رخصت ہوگئی اور ایک بے چینی ایک اضطراب نے اسے بے کل کر دیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا پھر وہ اس گھر میں کبھی نہ آسکے گی۔"

"ماما کو۔"

"عاشی کو، نینا اور مور کو کبھی نہ دیکھ سکے گی۔"

وہ بیڈ سے نیچے اتری آہستگی سے دروازہ کھولا اور باہر نکلی۔ صفو اور شریف اپنے اپنے کوارٹر میں سونے جا چکے تھے۔ لاؤنج میں ہلکی روشنی تھی۔ اس نے عثمان احمد کی اسٹڈی روم کی طرف دیکھا۔ پھر لونگ روم کی طرف نظر دوڑائی۔

"یہاں پاپا بیٹھتے تھے۔"

"آخری بار بیمار ہو کر وہ یہاں اس صوفے پر لیٹے تھے۔" اس نے اس صوفے پر ہاتھ پھیرا۔ پھر عاشی کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازہ لاک نہیں کیا تھا اور وہ کبھی بھی دروازہ لاک کر کے نہیں سوتی تھی۔ شاید اسے دروازہ بند کر کے سونے سے خوف آتا تھا۔

اس نے بغیر آواز پیدا کیے دروازہ کھولا۔ کمرے کے وسط میں اٹیچی اور بیگ پڑے تھے، جیسے کہ ویٹنگ روم ہو۔ بیڈ پر تینوں آڑے ترچھے لیٹے ہوئے۔ عاشی کے چہرے پر تھکن تھی اور تیمور سوتے میں بھی کروٹیں بدل رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر کھڑی بلب کی روشنی میں انہیں دیکھتی رہی۔

"اور شاید میں اب۔ آج کے بعد انہیں کبھی نہ دیکھ سکوں۔"

"پاپا...... پاپا مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکی۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"کاش ہم اکٹھے رہتے اور میں ان کا خیال رکھ سکتی اور ہر مصیبت اور پریشانی میں ان کے لیے ڈھال بن سکتی۔"

اس کا جی چاہ رہا تھا۔ وہ عاشی، مور، نینا سب کی پیشانیوں پر اپنے ہونٹ رکھ دے۔ انہیں خوب پیار کرے...... جی بھر کر دیکھے لیکن ضبط کیے کھڑی رہی۔ اور جب آنسوؤں نے اس کی آنکھوں کے سامنے پردہ تان دیا اور پاؤں کھڑے کھڑے شل ہونے لگے تو وہ ایک آخری نظر ان پر ڈال کر اپنے کمرے میں آگئی...... وہ بے حد نڈھال اور تھکی تھکی سی تھی۔ تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں اور گرم گرم آنسو تکیہ بھگونے لگے۔

❁❁❁

"اور پتا نہیں لالہ نے اتنی دیر کیوں کر دی۔" مریم نے بے چینی سے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ نو بجنے والے تھے اور عموماً وہ چھ بجے تک آجاتی تھی۔ کبھی بہت دیر بھی ہو جاتی تو سات بج جاتے تھے لیکن اس سے زیادہ لیٹ نہیں ہوتی تھی۔

مریم نے اپنے اندر بے حد بے چینی محسوس کی۔

یہ کراچی تھا اور یہاں تو ٹریفک ہی اتنا زیادہ تھا کہ...... کہیں کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو۔

افوہ...... اس سے کس قدر بے وقوفی ہوئی۔ اس نے لالہ سے بوتیک کا نمبر تک نہیں لیا تھا۔ شاید کسی اور کے پاس ہو۔ اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے سوچا سب کمروں کے دروازے بند تھے۔ سب ہی تھکی ہاری آکر آرام کر رہی ہوں گی اور پھر اس کی ابھی تک کسی سے جان پہچان بھی نہ ہوئی تھی۔ ساتھ والے کمرے میں سبین رہتی تھی جو کبھی کبھار ان کے کمرے میں آجاتی اور جس سے تھوڑی بہت واقفیت تھی۔ وہ کسی گارمنٹ فیکٹری میں کام کرتی تھی اور اس کی فیکٹری بہت دور تھی۔ اور اسے سواری کا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے اسے اکثر دیر ہو جاتی لیکن لالہ کو پک اور ڈراپ کی سہولت تھی۔ پھر پتا نہیں کیوں دیر کر دی تھی اس نے۔

مریم نے گیٹ کے تین چکر لگائے اور پھر آکر بیٹھ گئی۔

اس ہاسٹل میں چھ کمرے تھے اور ہر کمرے کے ساتھ اپنا کچن اور باتھ تھا۔ اور ہر کمرے میں تقریباً [illegible] یاں رہتی تھیں۔ لالہ کے کمرے میں اب وہ تین تھیں اور لالہ کی روم میٹ ان دنوں گاؤں گئی ہوئی تھی ملتان کے قریب تھا۔ مریم کے آنے کے دو دن بعد ہی وہ چلی گئی تھی اور ابھی تک نہیں آئی تھی اور یہ کیسا [illegible] اتفاق تھا جس روز ماما اور عاشی کی بات ہوئی تھی اسی روز لالہ آگئی تھی شاید خدا اس کی مدد کر رہا تھا۔ [illegible] لالہ کا اس طرح اچانک ملنا......

اس رات وہ لمحہ بھر کے لیے بھی نہ سو سکی تھی۔ اور پھر ماما اور غضنفر ملک بھی بہت جلد اٹھ گئے تھے۔ ان کی

فلائٹ بھی سات بجے تھی۔ اس لیے وہ پانچ بجے ہی گھر سے نکل گئی تھیں اور ان کے جانے کے بعد اس نے کچن میں جا کر چائے بنائی تھی۔ صفو نے پوچھا بھی تھا کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے اسے جانے کے لیے کہہ دیا تھا اور خود چائے بنا کر باہر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی تھی اور یہ گھر شاید آج کے بعد وہ اس گھر میں کبھی نہ آ سکے اور کبھی ان در و دیوار کو نہ دیکھ سکے۔

دل جیسے پھٹ جانے کو تھا لیکن وہ آنسو روکے ہونٹ بھینچے بیٹھی وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہی۔

عاشی، نینا، مور سب سو رہے تھے۔

سات بجے اس نے اٹیچی اٹھا کر گیٹ کے پاس رکھا تو خان بابا نے اسے چونک کر دیکھا۔

''آپ کہیں جا رہی ہو؟''

''ہاں ابھی مجھے لینے کے لیے گاڑی آئے گی۔''

''کہاں جائیں گی آپ؟'' اس نے پوچھا لیکن مریم نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور واپس اندر آئی۔ عاشی کے نام اس نے خط لکھ کر اس کے سرہانے رکھ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ جاگ گئی تو شاید وہ اسے جانے نہ دے۔ اور پھر شاید مور اور نینا کے سامنے وہ خود بھی کمزور ہو جائے' ان سے جدا نہ ہو سکے۔ وہ کتنی ہی دیر کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور انہیں بانہوں میں لے کر پیار کرنے کو بے چین ہوتی رہی۔ اور آنسو بہت آہستگی سے اس کے رخساروں پر بہتے رہے۔

تب ہی گیٹ پر بیل ہوئی تو ایک آخری نظر اس نے ان پر ڈالی اور بہت تیزی سے باہر نکل آئی۔

باہر لالہ ہی تھی اور مسز ارباب کے عزیزوں کا ڈرائیور اسے چھوڑنے آیا تھا۔

''جلدی کرو مومو۔''

اور وہ ایک الوداعی نظر ''زینب ولا'' پر ڈالتی اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اور قسمت مہربان تھی کہ انہیں سیٹ بھی مل گئی۔

اور اب اتنے دنوں سے وہ یہاں تھی اور لالہ نے اس کے لیے نوکری تلاش کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک نوکری ملی نہیں تھی اور وہ لالہ ہی کے ساتھ رہ رہی تھی۔

''اور ایسا کب تک ہوگا۔'' وہ لالہ پر زیادہ دنوں تک بوجھ بن کر نہیں رہ سکتی تھی۔

سبین نے اندر جھانک کر اسے دیکھا۔

''لالہ نہیں آئی یار۔ اس کے لیے ایک زبردست خبر ہے۔''

''نہیں۔'' مریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سبین۔'' اس کی آواز بھرا گئی ''بہت دیر ہو گئی ہے۔ تمہارے پاس اس کے بوتیک کا کوئی نمبر وغیرہ ہے؟''

''نہیں تو لیکن یار' تم بڑی کمزور دل ہو۔ آ جائے گی وہ ابھی۔ اس کمزور دل کے ساتھ تنہا کیسے دنیا کا مقابلہ کرو گی۔'' سبین اندر ہی آ گئی۔

''لیکن سبین' اس سے پہلے کبھی اتنی دیر نہیں ہوئی۔''

''ہو جاتی ہے' اسے کبھی کبھار دیر جس دن آڈٹ وغیرہ ہو۔''

''لو وہ آ گئی۔''

گیٹ پر اس کی وین کا مخصوص ہارن بجا تو ہاسٹل کے چوکیدار نے گیٹ کھولا۔

ہاسٹل کی مالک ایک بیوہ خاتون تھیں اور انہوں نے یہ ہاسٹل تقریباً تین سال پہلے شروع کیا تھا۔

لالہ پرس جھلاتی اندر آئی اور ایک طرف پرس اچھالا۔

''یار تمہاری سہیلی کا دل بہت چھوٹا ہے۔'' سبین نے اسے بتایا۔

لالہ نے بے پروائی سے کہا اور پھر مریم کی طرف دیکھا۔

''یار' فٹافٹ چائے کا ایک کپ تو بنا دو بہت تھک گئی ہوں۔ بچی یہ مسز ارباب کے بھائی اس قدر تنگی آدمی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ایک ماہ میں دو بار ضرور آتے ہیں اور پھر ایک ایک ٹکے کا حساب لیتے ہیں۔ بھئی مسز ارباب کا حوصلہ ہے۔ دراصل یہ سارا کاروبار آئی مین بوتیک ان کے بھائی کا ہی ہے۔ سارا پیسہ انہی کا لگا ہوا ہے۔

لالہ جوتوں کے اسٹریپ کھولتے ہوئے بولتی رہی۔

''مسز ارباب تو سمجھو محض ایک نگران ہیں اور اس نگرانی کی تنخواہ لیتی ہیں۔''

وہ جوتے اتار کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور تکیہ گود میں رکھ کر اس پر کہنیاں ٹیکتے ہوئے مریم کی طرف دیکھنے لگی جو الیکٹرک کیتل میں پانی بوائل کر چکی تھی اور اب ٹی بیگ پیالیوں میں رکھ رہی تھی۔

''ہاں تو اب بتاؤ' یہ سبین کیا کہہ رہی تھی۔ روتی رہی ہو کیا؟''

اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''اتنے وہم آ رہے تھے مجھے لالہ۔ کیا بتاؤں تم نے پہلے کبھی اتنی دیر جو نہیں کی۔''

''یار' زندگی ہمیں جس موڑ پر لے آئی ہے وہاں اس کمزور دل کے ساتھ گزارہ نہیں ہوگا۔ اپنا دل مضبوط کرو۔ یہ دنیا کمزوروں کو اور بھی دباتی ہے۔ اب دیکھو نا' میں اگر تمہاری جگہ ہوتی تو ڈٹ کر وہاں ہی رہتی اور اس امامن اور اس کے رشتے داروں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیتی۔

''مگر لالہ میں۔ میں وہاں کیسے رہتی' جبکہ عاشی' نینا اور مور بہ..... ان کے بغیر..... نہیں۔''

''بہتر تو یہ تھا کہ تم بھی ان کے ساتھ حویلی چلی جاتیں۔''

''میں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے لالہ پھر بھی تم یہ کہہ رہی ہو۔ میرا کیا رشتہ ہے ان سے۔ کس ناتے وہاں جا کر رہتی۔''

مریم اپنا کپ اٹھا کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''کیا تم میری میزبانی سے تھک گئی ہو؟''

''بکواس نہ کرو۔''

لالہ نے اسے ڈانٹا۔

''میں نے تمہیں کہا بھی تھا لالہ کہ میرے لیے جاب......''

''جاب کی تمہیں اتنی پریشانی کیوں ہے' مسز ارباب سے کہا ہے۔ انہوں نے اپنے ملنے والوں سے کہا ہے۔ جہاں بھی کوئی جگہ خالی ہوگی' تمہیں رکھوا دیں گی لیکن یار' جاب ملنا اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ (آئی مین) I MEAN مطلب کی جاب' بہرحال تمہیں تو جاب مل جائے گی۔ تم خوامخواہ اپنے ذہن پر برڈن نہ ڈالا کرو۔ ویسے ایک بات ہے موموُ' اس نے خالی کپ بیڈ کی سائیڈ پر رکھا۔

''تم اپنے ڈیڈی کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں۔ تمہارے لیے شاید اس طرح لائف گزارنا مشکل ہو۔''

''میرے ڈیڈی!''

مریم نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''مگر۔''

''میرا مطلب ہے' تمہارے اپنے ڈیڈی حقیقی۔''

''ہاں مگر مجھے تو یہ تک نہیں معلوم کہ ان کا نام کیا ہے۔ وہ کون ہیں' کہاں رہتے ہیں۔''

مریم کے دل میں درد سا اٹھا۔

''کمال ہے مریم' تم نے آنٹی سے پوچھا تک نہیں۔'' لالہ کو از حد حیرت ہوئی۔

''ایک دو بار سرسری سا پوچھا تھا لیکن ماما نے دھیان ہی نہیں دیا اور میں نے بھی اصرار نہیں کیا۔ پتا نہیں کیوں لالہ شاید میرا دل اندر سے اس حقیقت کو ابھی تک تسلیم ہی نہیں کر رہا کہ پاپا میرے پاپا نہیں تھے اور شاید میں اندر سے ڈرتی بھی ہوں کہ پتا نہیں' کیسے ہوں گے وہ۔ مجھے ACCEPT بھی کریں گے یا نہیں اور کیا پتا وہ پاپا جیسے نہ ہوں۔'' اس کی آواز بھرا گئی لیکن اس نے سخت شعوری کوشش سے آنسوؤں کو باہر آنے سے روک لیا۔

''بہرحال تمہیں پتا تو کرنا چاہیے مریم۔ حقائق کو فیس کرنا سیکھو۔ کیا خبر وہ تمہارے لیے بے [illegible] مضطرب ہوں اور تم تک ان کی رسائی نہ ہو رہی ہو۔ اب دیکھو نا' میرے ڈیڈی بھی مجھے بے حد چاہتے ہیں۔ اگرچہ ممی نے مجھے کبھی ان سے ملنے نہیں دیا لیکن وہ ہمیشہ اس کی کوشش کرتے رہے کہ ممی مجھے ان سے ملنے دیں اور ان کے پاس رہنے دیں۔''

''پھر...... پھر تم ان کے پاس سے کیوں چلی آئی ہو۔''

''یہ ایک الگ مسئلہ ہے مریم۔ میری پرورش جس طرح ہوئی ہے۔ میں کسی بھی طرح کی پابندی برداشت نہیں کر سکتی۔ وہاں ڈیڈی کی حویلی میں بہت گھٹن تھی' بہت پابندیاں تھیں۔ دن بھر بس پلنگوں پر بیٹھ کر حکم چلاتے رہو۔ بہت ہوا تو ٹی وی دیکھ لو۔ شاپنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ میرے لیے بہت مشکل تھا۔ تمہیں تو پتا ہے کہ میں سارا دن گاڑی لیے گھومتی پھرتی تھی اور وہاں جا کر تو جیسے زنگ ہی لگ گیا تھا مجھے اور پھر ڈیڈی کی خاندانی بیوی اور اس کے بیٹے مجھے بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ اس پر ڈیڈی نے نور جمال سے میری منگنی کر دی اور میں نے اسے دیکھا تک نہ تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے اسٹیٹس گیا ہوا تھا ور چند ایک روز میں آنے والا تھا۔ اس کے آنے پر نکاح ہو جاتا۔ ڈیڈی نے اس کی بے حد تعریفیں کی تھیں۔ بلاشبہ وہ اچھا ہوگا لیکن یار' وہ اعزاز تو نہیں تھا جس کے لیے میں نے ممی کو چھوڑا' گھر چھوڑا حالانکہ YOU KNOW I LOVE HIER

''پھر تم گھر کیوں نہیں گئیں اور اعزاز سے کیوں نہیں ملیں۔''

''دراصل میں نے تمہیں بتایا ہے نا' پہلے تو میرا خیال یہ تھا کہ ڈیڈی کا خیال لاہور کی طرف جائے گا اور وہ میری تلاش میں لاہور جائیں گے اس لیے میں کچھ دن یہاں اپنی دوست کے پاس رکوں گی اور پھر اعزاز کو بلا کر ہم دونوں نکاح کر لیں گے اور نکاح کے بعد ممی کو فون کروں گی اگر انہوں نے بلایا تو چلی جاؤں گی لیکن اعزاز نہیں آیا۔ میں نے اسے گاؤں کے پتے پر تین خط لکھے۔ لاہور میں اس کے دوست کو MESSAGE دیا۔ وہ جب بھی لاہور آتا تھا' اپنے اسی دوست کے پاس ٹھہرتا تھا اور میں وہاں پر اسے فون کرتی تھی اگر کبھی ضرورت ہوتی لیکن۔''

''مگر آنٹی تو کہہ رہی تھیں کہ اعزاز تمہارے لیے بہت پریشان ہے' بہت اپ سیٹ رہتا ہے اور یہ کہ تم جب آؤ گی وہ تمہاری شادی اعزاز سے کر دیں گی۔ انہوں نے اعزاز سے بھی وعدہ کیا ہے بلکہ ان کی تو دوستی ہو گئی ہے اعزاز سے' بہت تعریف کرتی ہیں۔''

''ممی نے یہ بات تم سے کب کہی تھی موموُ؟''

''تین چار ماہ پہلے۔''

''اور آدمی کو بدلتے کتنی دیر لگتی ہے موموُ۔ اعزاز بھی بدل گیا ہے۔''

''کیا خبر لالہ' اسے تمہارے خط نہ ملے ہوں۔'' مریم نے خیال ظاہر کیا۔

''فرض کرو' خط نہ ملے ہوں تو کیا MESSAGE بھی نہیں ملا۔ میں نے تحسین کو خود فون پر تاکید کی تھی کہ وہ اعزاز کو میرا فون نمبر دے دے اور کہے کہ مجھ سے بات کرے اور تحسین نے کہا تھا کہ جب وہ آیا تو اسے نمبر دے دے گا اور تحسین اس کا بہت اچھا دوست ہے۔ مریم پتا نہیں' یہ محبت بھی کیا چیز ہے۔ ہوتی بھی ہے یا نہیں' شاید ہم یونہی دھوکے میں زندگی گزار جاتے ہیں۔''

"تم ایک بار پھر فون کرلو ناتحسین کو۔"

"نہیں۔اب نہیں۔" اس کا انداز حتمی تھا۔

"پھر آنٹی کے پاس چلی جاؤ۔"

"فی الحال نہیں۔"

"کیوں؟"

"یونہی کوئی خاص وجہ نہیں' بس زندگی کو ذرا اس انداز میں بھی انجوائے کرلوں' تھک گئی تو چلی جاؤں گی۔"

"آنٹی تم سے محبت کرتی ہیں لالہ۔"

"I KNOW"

اس نے بے پروائی سے کہا اور گود سے تکیہ اٹھا کر سر کے نیچے رکھتے ہوئے لیٹ گئی۔

"سنو' تم کل میرے ساتھ چلنا' زینی آنٹی سے فون کرکے اپنے ڈیڈی کا نام اور پتا لینا۔"

"مگر ماما تو یہاں نہیں ہیں' وہ تو اسکاٹ لینڈ گئی ہیں شوٹنگ کے لیے۔"

"تو......پھر میری ممی سے بات کرلو۔"

"ہاں۔آنٹی میں نے سوچا تھا آنٹی سے پوچھوں گی لیکن۔"

"چلو' صبح بات کرلینا ممی سے بلکہ ابھی کیوں نہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کم آن۔"

"مگر اس وقت کہاں۔"

"یار' ذرا اپنی لینڈ لیڈی کی طرف چلتے ہیں۔مہربان خاتون ہیں اور میں کبھی کبھی ان کا فون استعمال کرتی رہتی ہوں۔"

"مگر......!"

"آؤ یار۔"

لالہ نے بیڈ سے اترتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔کمرے سے باہر نکلتے ہی سبین آتی دکھائی دی۔

"اے کہاں جارہی ہو لالہ؟"

سبین نے انہیں جاتے دیکھ کر پوچھا۔پھر کہا "مجھے ایک خوش خبری سنانا تھی۔"

"اچھا تم بیٹھو' کمرے میں آکر تمہاری خوش خبری سنتے ہیں۔ ذرا ایک فون کرنا ہے' بہت ضروری۔"

سبین کی بات کا جواب دیتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی لینڈ لیڈی اوپر والی منزل پر رہتی تھیں۔ دو بیٹیاں بھی تھیں ان کی ایک یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی اور دوسری ابھی کالج

میں تھی۔شوہر کی وفات کے بعد ورکنگ ویمن کے لیے ہاسٹل بنادیا تھا اور اس ہاسٹل کی شہرت کافی اچھی تھی بلکہ لالہ نے اسے بتایا تھا کہ یہاں وہ خود کو بہت سیف محسوس کرتی ہے۔ لینڈ لیڈی بہت مدبر خاتون تھیں۔مریم کو بہت اچھی لگیں۔

"آنٹی کیسی ہیں آپ؟"

لالہ نے ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔

"فائن گڈ گرل! تم کیسی ہو؟"

"فائن!"

لالہ مسکرائی اور اس نے مریم کی طرف اشارہ کیا "یہ مریم ہے' میری دوست۔"

"اچھا اچھا' یہ ہے تمہاری دوست۔اس روز تم آئیں تو ملاقات نہ ہوسکی۔ربی نے بتایا تھا کہ لالہ کی ..ست بہت پیاری ہے ماشاءاللہ۔"

انہوں نے مریم کا ہاتھ تھام کر بہت پیار سے اس کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔

"بیٹی' تمہارے والدین۔" انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔مریم اور لالہ بھی بیٹھ گئی تھیں۔

"آنٹی وہ میں نے بتایا تو تھا ربی کو اس کے ڈیڈی فوت ہوئے ہیں اور ممی نے دوسری شادی کرلی ہے اور آج کل ملک سے باہر ہیں۔"

"اوہ ویری سیڈ۔" انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"اور ایجوکیشن وغیرہ تمہاری کیا ہے؟"

"آنٹی میں نے ماسٹرز کیا ہے۔"

"ارے اتنی چھوٹی سی لگ رہی ہو۔کس سبجیکٹ میں۔" سوالات کا سلسلہ جاری تھا۔لالہ نے بے زار ہوکر ان کی بات کاٹی۔

"SORRY آنٹی وہ ہم نے ایک فون کرنا تھا لاہور۔"

"ہاں ہاں کرو ضرور۔" انہوں نے اٹھ کر فون کا کوڈ کھولا۔

"تم بات کرو' میں ذرا تمہارے لیے چائے بناؤں۔" انہوں نے مسکرا کر مریم کی طرف دیکھا۔

"نہیں آنٹی پلیز' چائے تو ابھی پی کر آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر میں ذرا کچن میں مصروف تھی۔"

فون ان کے حوالے کرتے ہوئے انہوں نے معذرت کی "او کے آنٹی آپ جائیں۔"

لالہ نے فون سیٹ گود میں رکھتے ہوئے نمبر ملایا۔

"اس فون کا بل؟" مریم نے استفسار کیا۔

"بل جب آئے گا تو میڈم آئی مین آنٹی کرائے میں شامل کرلیں گی۔"

ایرپیس کان سے لگاتے ہوئے لالہ نے مریم کی طرف دیکھا اور پھر دیکدم ریسیور تھما دیا۔

"الو...... بولتے کیوں نہیں آگے سے۔ معلوم نہیں۔ تمہیں یہ میڈم نرگس کا گھر ہے۔"

ایرپیس کان سے لگاتے ہوئے آنٹی نرگس کی طویل نہ سمجھ میں آنے والی گالی سن کر مریم نے لالہ کی طرف دیکھا۔ وہ منہ نیچے کیے ہولے ہولے ہنس رہی تھی۔

"آنٹی۔ یہ میں ہوں مریم۔"

اس سے پہلے کہ وہ ریسیور رکھ دیتیں۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"مریم۔ مریم' موموڈرالنگ۔ تم کہاں سے بات کر رہی ہو؟"

میڈم نرگس کی آواز تنی بلند تھی کہ ریسیور سے باہر آرہی تھی۔ لالہ نے اشارے سے منع کیا۔

"وہ۔ میں آنٹی ایک دوست کے گھر ہوں۔"

"جانو' تم کہاں ہو۔ کہاں چلی گئی ہو۔ عاشی' نینا وغیرہ تو حویلی چلی گئی ہیں' عادل کے ساتھ۔ ماما تمہاری اسکاٹ لینڈ میں ہیں اور زینب وِلا میں غضنفر ملک کے رشتے دار دندناتے پھر رہے ہیں۔"

وہ بغیر رکے بولے جا رہی تھیں۔ مریم نے دو دفعہ بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے سنا ہی نہیں۔

"عادل خان' اور عاشی آئے تھے تمہارا پتا کرنے۔ ازحد پریشان تھے وہ تمہارے لیے اور یہ تمہیں کیا سوجھی گھر چھوڑنے کی اور پھر تم عادل کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟"

"وہ آنٹی میں......" اس نے پھر بات کرنے کی کوشش کی لیکن میڈم نرگس نے اسے ٹوک دیا۔

"بھئی وہ زینی تو بہت غصے میں ہے اور بہت ناراض ہے' کہہ رہی تھی جہنم میں جائیں سب میری بلا سے۔ اس کے غصے کا تو تمہیں پتا ہے نا جان' تمہیں گھر نہیں چھوڑنا تھا' اور ادھر عادل خان بہت پریشان ہے۔ تم اپنا پتا بتا دو میں اطلاع دے دوں۔"

"آنٹی پلیز' آپ عاشی کو بتا دیجیے گا۔ میں خیریت سے ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تم بڑی تھیں موموڈیر' تمہیں سمجھانا چاہیے تھا عاشی کو نہ کہ تم خود بھی۔ زینی تم سے بے حد خفا ہے' بہت ناراض ہے تم سے کہ شاید تم نے ہی سب کو......"

"نہیں آنٹی' یہ عاشی کا اپنا فیصلہ تھا عادل بھائی کے ساتھ جانے کا۔ آپ نہیں جانتیں ساری بات۔ عاشی کے لیے وہاں رہنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ ماما ہر بات میں غضنفر ملک کے بہن بھائیوں کو ہم سب پر ترجیح دینے لگی تھیں اور...... اور...... خیر میں نے دراصل اس لیے فون کیا تھا' مریم نے ایک لمحہ رک کر سانس درست کیا۔

"آپ کو پتا ہے آنٹی کہ میرے ڈیڈی کون تھے؟"

"تمہارے ڈیڈی۔"

"اوہ......نو...... بالکل بھی نہیں جانو۔ دراصل میری جب زینی سے ملاقات ہوئی تو وہ مسز عثمان تھیں اور طویل عرصے تک تو مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ عثمان احمد زینی کے دوسرے شوہر ہیں اور تم عثمان احمد کی بچی نہیں ہو۔ بہت بعد میں ایک بار زینی نے بتایا تھا۔"

"آنٹی پلیز۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"ڈرالنگ صحیح کہہ رہی ہوں' مجھے نہیں معلوم لیکن میں تمہیں زینی سے پوچھ کر بتا دوں گی کہ وہ کون ہے۔"

"آپ...... آپ ماما کو کب فون کریں گی؟" اس نے بے اختیاری میں پوچھا۔

"چند روز میں ڈیئر۔ آج کل تو وہ آؤٹ ڈور میں مصروف ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ کب ہوٹل واپس آتی ہے۔ بہرحال فکر نہیں کرو۔ میں تمہیں پتا کر کے فون کر دوں گی۔ نمبر مجھے بتا دینا۔"

"نہیں' وہ آنٹی' میں تو باہر سے فون کر رہی ہوں۔ میری دوست کے گھر میں فون نہیں ہے۔ میں خود کرلوں گی چھ سات دن تک۔ آپ پلیز ماما سے پوچھ کر رکھیے گا۔"

"موموٗ کیا تم اپنے باپ کے پاس جانا چاہتی ہو اور یہ تم لڑکیاں کس قدر بے وفا ہوتی ہو' لالہ کی طرح۔ کس طرح نازوں سے پالا اور جا کر بیٹھ گئی ہے اپنے باپ کے پاس اور تم' تمہیں کیا خبر تمہارا باپ تمہیں قبول کرے گا یا نہیں۔ کیا خبر......"

"آنٹی پلیز۔ میں ان کے پاس جا کر رہنا نہیں چاہتی لیکن میں جاننا چاہتی ہوں کہ وہ کون تھے۔ دیکھنا چاہتی ہوں' ملنا چاہتی ہوں۔ اگر ان کے دل میں یا گھر میں میری گنجائش نہ ہوئی تو لوٹ آؤں گی لیکن ایک بار۔"

"اوکے۔ اپنا خیال رکھنا۔"

"آنٹی صحیح کہتی ہیں لالہ۔" ریسیور رکھتے ہوئے اس نے لالہ کی طرف دیکھا۔

"کیا خبر میرے ڈیڈی مجھے قبول نہ کریں۔ جس شخص نے اب تک میری خبر نہیں لی' پوچھا تک نہیں میری' ماما سے کہ میں کیسی ہوں۔ حالانکہ ماما کو ڈھونڈنا مشکل تو نہیں ہے۔ وہ تو آئے دن شوبز کے حوالے سے اخبارات میں ان کا ذکر رہتا ہی ہے۔"

"ہاں۔" لالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ ایک بار تم اپنے ڈیڈی کے پاس ضرور جاؤ۔ یہ دنیا تمہارے لیے نہیں ہے موموٗ۔ ان چند ماہ میں مجھے اندازہ ہوا ہے کہ انسانوں بلکہ درندوں کے اس تالاب میں اکیلی لڑکی کے لیے زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ تم جاب نہیں کرسکو گی۔ کچھ دن رہو میرے پاس اور جب ڈیڈی کا پتا چلے تو ان کے پاس چلی جاؤ۔ میرے خیال میں کوئی مرد اتنا بے غیرت نہیں ہوسکتا کہ اپنی بیٹی کو یوں تنہا چھوڑ

دے۔ یہ مرد اپنی بیٹیوں کے متعلق بہت غیرت مند ہوتے ہیں' میرے ڈیڈی کی طرح۔"

"پتا نہیں۔" مریم اداس اور دل گرفتہ تھی۔

"سب لوگ ایک جیسے تھوڑا ہی ہوتے ہیں ممکن ہے میرے ڈیڈی تمہارے ڈیڈی سے بہت مختلف ہوں۔ کیا خبر وہ مجھے بیٹی تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیں پھر۔"

"کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر واپس آ جانا۔" لالہ نے اسے تسلی دی۔

"بلکہ میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گی اور تمہیں چھوڑ کر آ جاؤں گی۔"

"تو تم۔ کیا تم ہمیشہ یہاں ہی رہو گی۔ لالہ تم بھی واپس چلی جاؤ آنٹی نرگس کے پاس۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتی ہیں اور اعزاز بھی۔"

"بعض اوقات واپسی کے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ شاید میرے پاس بھی واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا۔" اس نے بہت آہستگی سے کہا' مریم نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"لالہ۔"

"کم آن یار۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم سے باہر آ گئی اور جاتے جاتے کچن میں جھانکا "او کے ....آنٹی ہم جا رہے ہیں۔"

"ارے بیٹھو نا' آج ربی نے کباب بنائے تھے وہ میں نے ابھی نکال کر فریزر سے رکھے ہیں تمہارے لیے۔"

"نہیں آنٹی بہت تھکی ہوئی ہوں۔" لالہ نے معذرت کی۔

"تم اتنے دنوں سے آئی ہی نہیں۔ ربی اور لیلیٰ یاد کر رہی تھیں تمہیں۔"

"بس آنٹی' بہت تھک جاتی ہوں۔ چھٹی والے دن آؤں گی پھر ربی کے بنے ہوئے کباب بھی کھاؤں گی اور گپ بھی لگاؤں گی آپ سے۔ میرا حصہ رکھ دیجیے گا۔" وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی مریم کے پاس آ گئی۔ جو سیڑھیوں کے پاس کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"میری آنٹی سے بہت دوستی ہے اور پتا ہے یہ سب بڑی جیلس ہوتی ہیں حتیٰ کہ میری روم میٹ بھی بہت جلتی تھی۔"

"ہاں تمہاری روم میٹ۔ وہ آ گئی تو پتا نہیں' وہ میرا یہاں رہنا پسند بھی کرے گی یا نہیں۔"

"بہت سڑی سی ہے وہ۔ تمہارا یہاں رہنا اسے پسند تو نہیں آئے گا لیکن اسے بہر حال کرائے کی کمی پسند آ جائے گی۔ ظاہر ہے' اب یہ رقم دو میں تقسیم ہوتی تھی' تین میں تقسیم ہو گی۔"

سیڑھیوں سے اترتے ہوئے لالہ نے بتایا۔

سبین باہر کھڑی مسز گلاب احمد سے باتیں کر رہی تھیں۔ جو کپڑے دھو کر تار پر لٹکا رہی تھیں۔

"اتنی دیر کر دی۔" اس نے لالہ کی طرف دیکھا۔

"کچھ زیادہ تو نہیں' بس فون کیا اور آ گئے۔"

"صرف فون کیا یا آنٹی کے کباب سموسے کھا کر آ رہی ہو۔"

سبین نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا اور زور سے ہنسی۔

"REALY کچھ بھی نہیں' پوچھ لو مریم سے۔"

"اچھا چلو' اب کمرے میں اور وہ خوش خبری سنا دو۔ مجھے پتا ہے' تمہارے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہوں گے۔"

"ہاں خوش خبری۔"

سبین ایک دم پرجوش نظر آنے لگی اور مسز گلاب کو خدا حافظ کہتی ہوئی مریم اور لالہ کے پیچھے ان کے کمرے میں آ گئی۔

"ہاں اب ارشاد ہو۔"

لالہ نے بیڈ پر تقریباً گرتے ہوئے کہا۔

"لالہ وہ تم نے ایک بار کہا تھا نا کہ تم ماڈلنگ کرنا چاہتی ہو اور انٹرسٹنگ ہو ماڈلنگ میں۔"

"ہاں پھر۔"

لالہ نے بیڈ کی پائنتی سے کمبل اٹھا کر اوپر لے لیا۔

"وہ ایک کولیگ ہے' میری ان کے بھائی کی اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی ہے۔ وہ کچھ نئی ماڈل کی تلاش میں ہیں۔ میری کولیگ نے بتایا تو میں نے تمہارا ذکر کیا تھا۔ آج اس کے بھائی آ گئے تھے وہاں اور ان کا اصرار تھا کہ ابھی انہیں آپ کی طرف لے جاؤں لیکن میں نے کہا کہ تمہارا اس وقت تو ملنا ممکن نہیں ہے' چھٹی والے دن رکھ لیں۔"

"ہائے داوئے' یہ تمہاری کون سی کولیگ ہیں۔" لالہ نے بھنویں اچکائیں۔

"وہ......وہ مسز تنویر۔"

"اچھا وہ۔ تو تم نے ان سے نہیں پوچھا کہ ان کے بھائی کی اتنی بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی ہے اس پھٹیچر سی فرم میں کیا کر رہی ہیں۔"

"وہ دراصل ان کے سگے بھائی نہیں ہیں' خیر تم بتاؤ انہیں لے آؤں چھٹی والے دن۔"

"نہیں یار فی الحال تو میرا ارادہ نہیں ہے ماڈلنگ میں آنے کا۔"

"کیوں یار' تم تو اتنی پیاری ہو اور دیکھ لینا' تمہیں تو وہ بس ایک نظر دیکھ کر اوکے کر دیں گے۔" سبین نے اسے اکسایا۔

"لالہ یار' ایک بھی ماڈل تمہارے جیسی پیاری نہیں ہو گی اور پھر تم......"

"نہیں......نہیں سبین تم انہیں منع کر دینا۔ میں فی الحال یہاں ہی سیٹ ہوں۔"
"کیا مسز ارباب نے تمہاری سیلری بڑھا دی ہے؟" سبین نے پوچھا۔
"نہیں یار لیکن۔ خیر چھوڑو اور سناؤ تمہاری انچارج کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک ہوا یا نہیں؟"
"ہاں اب بہتر ہے۔"
"دیکھ لو بچہ' ہمارے نسخوں پر عمل کرو گی تو یوں ہی کامیاب رہو گی۔"
مریم خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔
"تم......تم مریم' مریم کیوں نہیں ماڈلنگ میں آ جاتیں۔" سبین ایک دم اس کی طرف مڑی۔
"فی الحال تمہیں جاب بھی نہیں مل رہی۔"
"نہیں ہرگز نہیں' مجھے بالکل پسند نہیں ہے ماڈلنگ۔" مریم نے فوراً کہا۔
"کیوں۔ آج کل تو اچھی اچھی لڑکیاں ماڈل بن رہی ہیں۔ میری اگر شکل ذرا بھی اچھی ہوتی نا تو میں ضرور...ماڈلنگ کرتی۔"
"خیر اتنی بھی بری نہیں ہے۔ ٹرائی کر کے دیکھ لو لیکن مریم کو مت ورغلاؤ۔" لالہ نے کہا۔
"میں کہاں ورغلا رہی ہوں۔"
سبین برا منا کر کھڑی ہو گئی۔
"شب بخیر۔"
لالہ نے شرارت سے سبین کی طرف دیکھا اور چہرہ کمبل کے اندر چھپا لیا۔ سبین برا سا منہ بناتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔
"سنو مومو۔" اس نے کمبل سے ذرا سا چہرہ باہر نکالا۔
"مجھے کھانے کے لیے مت جگانا۔ میں نے آتے ہوئے دیکھا تھا' سبزی گوشت پک رہا تھا اور مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔"
"اچھا۔" مریم نے چونک کر اسے دیکھا اور خود بھی چادر لے کر لیٹ گئی۔ اسے بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی اور ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا۔ نینا' عاشی' تیمور' ماما' عادل اور......اور شہریار سب ہی اسے یاد آ رہے تھے۔ بہت بہت زیادہ۔
اس نے آنکھیں بند کر کے چادر اوڑھ لی اور بند آنکھوں کے اندر آنسو مچلنے لگے۔

❀❀❀

پروفیسر عادل کو کوریڈور میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ پیشانی پر گہری لکیریں کسی اندرونی تفکر کا مظہر تھیں اور سیاہ دلکش خوب صورت آنکھوں کی سرخی کئی رت جگوں کی غماز۔۔۔

ہونٹ بھینچے دانتوں پر دانت سختی سے جمائے ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے۔ خدا بخش کوئی تین دفعہ ان سے آ کر پوچھ چکا تھا۔
"میاں کیا بات ہے۔ حویلی میں تو خیریت ہے نا۔ سب ٹھیک تو ہیں نا؟"
اور وہ سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دے کر پھر ٹہلنے لگتے تھے۔ وہ بے چین' بے حد مضطرب تھے۔ کتنی راتیں ہو گئی تھیں۔ وہ ٹھیک سے سو نہیں پائے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں' کہاں جائیں' کہاں تلاش کریں اسے۔ پتا نہیں' کہاں کھو گئی تھی وہ۔ اتنی بڑی دنیا میں کہاں ڈھونڈیں گے وہ اسے۔ وہ کتنے خوش' کتنے مطمئن اور کتنے پرسکون تھے کہ منزل تک پہنچ گئے ہیں لیکن منزل قریب آ کر دور ہو گئی تھی اور پتا نہیں۔
درد بہت گہرا درد ان کے دل کو چھیلنے لگا تو وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔
اس نے آخر ان کی ماں جی پر بی آپا پر اعتبار کیوں نہیں کیا۔ ایک بار آزما کر تو دیکھتی۔ انسانوں کے اس ہجوم میں' اس بھیڑ میں وہ اسے کہاں تلاش کریں' کہاں ڈھونڈیں۔
"مریم' تم نے کیوں کیا ایسا؟"
بے حد نڈھال سے ہو کر وہ وہیں ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔
"اور شاید کچھ قصور ان کا بھی ہے۔"
کرسی کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے انہوں نے اپنے آپ سے کہا۔ میں نے کب اس سے اپنے جذبوں کا اظہار کیا تھا۔ کب بتایا تھا اسے کہ وہ میری عمر بھر کی ریاضت کا حاصل ہے۔ کب اسے وہ اعتماد دیا تھا کہ وہ نہ جاتی لیکن میں تو......میں تو صرف اسی خیال سے خاموش تھا اب تک کہ کہیں وہ HURT نہ ہو۔ کہیں اس کا دل نہ دکھے' کہیں وہ بے اعتبار نہ ہو۔
اور کیا ان سے غلطی ہو گئی تھی۔ کیا انہیں اپنے جذبوں کا اظہار کر دینا چاہیے تھا۔ ایک پچھتاوا سا ان کے دل میں اترنے لگا۔
ہاں شاید ان سے غلطی ہی ہوئی تھی۔
اگر وہ اپنے جذبوں کا اظہار کر دیتے اگر وہ اسے بتا دیتے کہ کتنے انتظار کے بعد انہوں نے اسے پایا ہے تو شاید وہ کہیں نہ جاتی لیکن وہ تو انتہائی مایوس' انتہائی دل گرفتہ ہو کر گھر چھوڑ گئی تھی اور اگر ماں جی کو ہی بروقت فون کر دیتے اور زینب ملک کے جانے سے پہلے وہ آ کر مریم کو ان کے نام کی انگوٹھی پہنا دیتیں تو وہ کتنے استحقاق سے اسے اپنے ہاں لے آتے لیکن اب کیا رہ گیا تھا صرف پچھتاوا اور دکھ' اب کہاں تلاشیں گے وہ اسے۔ راہ چلتے چلتے وہ رک جاتے۔ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے بند شیشوں کے پیچھے سے وہ گھنٹوں دیکھتے رہتے کہ شاید آتے جاتے لوگوں میں وہ کہیں دکھائی دے جائے لیکن وہ کہیں نظر نہیں آتی

تھی۔ کہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ تین ماہ سے زیادہ ہو گئے تھے۔ تین ماہ پہلے ہی کی تو بات تھی' وہ مجتبیٰ وغیرہ سے مل کر بہت دیر سے گھر آئے تھے اور خدا بخش نے انہیں بتایا تھا کہ زینب ولا سے فون آیا ہے اور پھر عاشی کی بات سن کر وہ کس قدر بے چین ہو گئے تھے لیکن تب انہیں گمان تک نہ تھا کہ عاشی اس قدر سنجیدہ ہو گی اور وہ سچ مچ ان کے ساتھ حویلی آ جائے گی' نینا اور تیمور سمیت۔ ان کا خیال تھا کہ عاشی وقتی طور پر غصے میں ہے۔ جانتے تھے کہ وہ ان دنوں بہت اپ سیٹ ہے اس پر غضنفر ملک کے رشتے داروں کا رویہ اسے مزید بھڑکا دیتا ہے۔ ذہنی طور پر اس نے زینب کی شادی کو ہی ACCEPT نہیں کیا تھا پھر غضنفر ملک کے عزیز۔ انہوں نے اس وقت اسے بہلا دیا تھا اور سوچا تھا' صبح تک اس کا غصہ اتر جائے گا لیکن جب صبح صبح وہ زینب ولا پہنچے تو تیمور نے انہیں دیکھتے ہی بتایا۔

''موموچلی گئی عادل بھائی۔''

''کہاں؟'' وہ ششدر رہ گئے۔

''پتا نہیں۔'' وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

''مومو نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا بھائی۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا نا۔''

وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ہلانے لگا لیکن وہ تو ساکت کھڑے تھے۔ انہیں لگا' جیسے ان کے ارد گرد ساری روشنیاں مر گئی ہوں اور ایک دم اندھیرا ہو گیا ہو۔ وہ یونہی حیرانی سے تیمور کو تکے جا رہے تھے کہ عاشی نینا کا ہاتھ پکڑے اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''عاشی۔ عاشی یہ سب کیا ہے؟''

وہ بے تاب ہو کر اس کی طرف بڑھے۔

''یہ مور کیا کہہ رہا ہے' مریم کہاں چلی گئی ہیں' کسی نے ان سے کیا کہہ دیا ہے۔''

''عادل بھائی۔'' عاشی بے اختیار اس سے لپٹ گئی اور آنسو اس کی پلکیں بھگونے لگے۔

انہوں نے اسے تھپکتے ہوئے ہولے سے الگ کیا۔

''یہ گھر ہمارا نہیں ہے۔ ماما کا ہے۔ ماما نے کہا ہے' ہم جہاں چاہیں' چلے جائیں۔''

''اوہ نہیں!''

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی ماں ایسا بھی کہہ سکتی ہے۔

''بھائی' آپ ہمیں گھر لے جائیں اپنے ساتھ حویلی میں۔''

عاشی نے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھا۔

''ہم یہاں نہیں رہیں گے۔''

''اوہ ہاں۔''

ان کا ذہن مریم میں الجھا ہوا تھا۔

''عاشی پلیز' مجھے سب بات شروع سے بتاؤ۔''

وہ پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

عاشی بھرائی آواز میں انہیں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''اور صبح جب میں اٹھی تو بجو کا خط پڑا تھا۔''

اس نے مٹھی میں بند خط عادل کی طرف بڑھا دیا۔

انہوں نے چند لائنوں کو کوئی چھ دفعہ پڑھا اور ہر دفعہ انہیں یوں لگا' جیسے کسی نے ان کے دل میں خنجر بھونک دیا ہو۔

''کیوں...... کیوں کیا اس نے ایسا عاشی۔''

اضطراری حالت میں خط کو اپنی مٹھیوں میں بھینچتے ہوئے انہوں نے عاشی کی طرف دیکھا۔

''کیا اسے مجھ پر' تم پر' ماں جی پر اعتبار نہیں تھا۔ کیا ہم اسے اکیلا چھوڑ دیتے۔''

ان کی آواز بھرا گئی تو پوری شعوری کوشش سے انہوں نے خود کو سنبھالا۔

''آخر کہاں جا سکتی ہے وہ؟''

''شاید عینی کے گھر۔''

عاشی نے اظہار خیال کیا۔

''عاشی' تم عینی کے گھر فون تو کرو۔ پتا کرو اس کا۔''

''اور ہم۔ ہم کیا آپ کے ساتھ جائیں گے۔ آپ ہمیں ساتھ لے جائیں گے؟''

تیمور نے جو مسلسل انہی کی طرف دیکھ رہا تھا' ان کی بات مکمل ہوتے ہی پوچھا۔

''تم۔''

وہ سوچ میں پڑ گئے۔

خدا جانے یہ اس طرح بچوں کو ساتھ لے جانا صحیح ہو گا یا نہیں۔ زینب کا ردعمل کیا ہو گا۔ عاشی تو جذباتی ہو رہی ہے لیکن وہ بچے نہیں ہیں۔ انہیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے' بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہے لیکن اس وقت کچھ دنوں کے لیے وہ انہیں ساتھ لے جائیں حویلی۔ بعد میں عاشی کو سمجھا لیں گے۔ زینب کبھی بھی یہ بات پسند نہیں کریں گی اور وہ زینب کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''آپ کو ماما سے ڈر لگ رہا ہے' عادل بھائی۔''

تیمور نے ان کی طرف دیکھا۔

''اوہ ہاں' نہیں تو۔''

انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''لیکن میں یہ ضرور سوچ رہا ہوں کہ آپ کی ماما اس طرح آپ کے چلے جانے پر ناراض ضرور ہوں گی۔''

''وہ تو ہے۔''

تیمور نے کندھے اچکائے۔

''لیکن بجی بھی تو ماما سے ناراض ہیں۔ ماما نے بہت ڈانٹا تھا انہیں اور وہ...... وہ جو ہیں نا انکل امامن' وہ بہت فضول ہیں۔ ایسا کریں آپ بجی کو اپنے ساتھ حویلی لے جائیں اور ہمیں تو ویسے بھی مری جانا ہے۔ کل چلے جائیں گے اور جب ماما آئیں گی تو آپ بجی کو ادھر لے آنا۔ اب تو مومو بھی نہیں ہے نا اور یہ سب لوگ اچھے نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے نا' عادل بھائی' آپ پریشان نہ ہوں۔''

اس نے مدبروں کی طرح انہیں سمجھایا تو انہوں نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگایا۔ مریم صحیح کہتی تھی' وہ اپنی عمر سے بہت آگے ہے۔

''میں پریشان نہیں ہوں' میری جان۔ تم سب مجھے بہت عزیز ہو اور میرے یا ماں جی کے لیے کوئی بوجھ ہرگز نہیں ہو' میں جو کچھ سوچ رہا ہوں وہ کچھ اور ہے۔''

''بجو! ادھر نہیں ہیں اور عینی باجی کہہ رہی ہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور دوست کے گھر نہیں جاتی ہیں اور وہ بے وقوف لڑکی خدا جانے کہاں چلی گئی ہے۔''

انہیں یک دم جھنجلاہٹ ہونے لگی۔

''عادل بھائی' اب چلیں۔ اپنا سامان لے آؤں۔''

''ہوں۔''

انہوں نے پرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''عاشی۔''

وہ شاید اسے سمجھانا چاہتے تھے کہ امامن سیڑھیوں سے اترتا ہوا دکھائی دیا۔

''آہاہا۔''

اس نے سیڑھیوں سے آواز لگائی۔

''آج تو صبح صبح ہی بڑی رونقیں ہیں ادھر' خیر ہے نا کہیں جانے کی تیاری ہے؟''

پروفیسر عادل نے یک دم مڑ کر اسے دیکھا۔

یہ محض اتفاق تھا کہ ابھی تک وہ امامن سے نہیں مل سکے تھے۔

''اے۔''

اس نے عاشی کو مخاطب کیا۔

''یہ کون لمڈا ہے۔ بھائی اور بھاوج کے جاتے ہی یہ کسے بلا لیا۔''

''شٹ اپ۔''

عاشی کا چہرہ تپ اٹھا۔

''لو' مومن مجھے خیال رکھنے کا کہہ گیا ہے' تم سب کا اور تم نے ابھی سے پر نکالنے شروع کر دیے۔''

پروفیسر عادل نے انتہائی ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

''پلیز' آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔''

''اور عاشی' تم لوگ چل کر گاڑی میں بیٹھو اور مور بیٹا' آپ شریف سے کہو آپ لوگوں کا سامان گاڑی میں رکھے۔''

امامن ہونق سا بنا عاشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پروفیسر عادل جو اتنی بڑی ذمے داری لیتے ہوئے متذبذب سے تھے۔ کچھ انہیں زینب کی ناراضی کا بھی خیال تھا لیکن امامن کی غلیظ نظریں جو عاشی پر جمی تھیں۔ انہیں دیکھ کر انہوں نے فوری فیصلہ کیا۔ مور صحیح کہہ رہا تھا۔ عاشی کو یہاں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ شخص قطعی ناقابل اعتبار ہے۔ زینب آئیں تو وہ خود ان سے بات کر لیں گے۔ آخر عثمان احمد کی وفات کے بعد بھی تو سب لوگ حویلی میں رہے تھے۔

''اے عاصمہ' ادھر آ۔''

امامن نے پیچھے مڑ کر حلق پھاڑ کر آواز دی۔

''یہ تیرے بھائی کی سوتیلی جا رہی ہے کسی کے ساتھ۔'' عاصمہ نے سیڑھیوں کی ریلنگ سے تقریباً نیچے دیکھا اور ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسنے لگی۔

''بھائی ہے اس کا تو کیوں ہلکان ہو رہا ہے۔''

''بھائی۔''

امامن کا منہ پورا کھل گیا اور عاصمہ کھٹ کھٹ کرتی نیچے اتری اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سلام کیا۔

''اوہ جی۔ یہ امامن میرا بھائی ہے۔ مومن سے بڑا ہے۔ اس نے پہلے آپ کو نہیں دیکھا نا۔ اس لیے [illegible] کر رہا ہے۔ آپ بڑے دنوں بعد آئے ہیں' میں تو انتظار کرتی تھی روز۔''

دوپٹے کا کونا انگلی پر لپیٹتے ہوئے وہ لچک رہی تھی۔

ایک انتہائی ناگوار نظر اس پر ڈالتے ہوئے عادل خان تیمور کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئے۔

''میاں طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟''

خدا بخش پھر ان کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''چائے لے آؤں؟''

''ہاں لے آؤ۔''

ایک دم ہی بہت ساری تھکن ان کی رگوں میں اتر آئی تھی۔

''کیا اب مریم کبھی نہیں ملے گی؟''

وہ کس قدر بے چین' کس قدر مضطرب رہے تھے۔ کہیں کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ عینی اور بابا بھی پریشان ہو گئے تھے۔ عاشی کے ساتھ وہ خود ان کے گھر گئے تھے۔ میڈم نرگس کے فون سے انہیں یہ اطمینان تو ہو گیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی تھی محفوظ تھی لیکن تھی کہاں' کچھ پتا نہیں چلتا۔ انہوں نے میڈم کے فون کے بعد کتنی ہی بار انہیں فون کیا تھا لیکن مریم نے پھر انہیں کوئی فون نہیں کیا تھا۔

''میڈم پلیز' آپ اسے سمجھائیں' اس بے وقوف کو۔''

''بہت رشتے ہیں اس کے ہمارے ساتھ۔ وہ پاپا کی بیٹی تھی نا اور حویلی میں اس کے لیے بہت گنجائش ہے۔ اسے...... یہ بھی بتائیے گا کہ پاپا کی خواہش کیا [illegible]۔ وہ یقیناً پاپا کی خواہش کا احترام کرے گی۔''

لیکن اس نے پھر مڑ کر فون نہیں کیا تھا۔ میڈم ان کی بے چینی پر ہنستیں۔

''لگتا ہے عادل خان' تمہیں محبت ہو گئی ہے مریم سے۔''

وہ جز بز سے ہو جاتے' میڈم سے کچھ کہہ کر انہیں اپنا ریکارڈ لگوانا تھا کیا۔

''وہ بہر حال خود بخود ہی میری ذمے داری بن گئی تھی میڈم۔''

''میں نے ابو سے وعدہ کیا تھا' سب کا خیال رکھنے کا۔''

وہ سنجیدہ ہی رہتے۔

لیکن میڈم ہنستی رہتیں۔

''تمہارے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی ہے کیا عادل خان' کہو تو لائن لگا دوں۔ ایک سے ایک نازک بدن۔''

لڑکیوں کی کمی تو کبھی نہیں تھی اور یہ تو ان کا مسئلہ تھا ہی نہیں لیکن میڈم...... میڈم بھلا کیا سمجھ سکتی تھیں ان کے احساسات کو۔

''وہ اب نہیں آئے گی۔ لالہ کی طرح۔''

میڈم نے پورے یقین سے کہا تو انہیں لگا جیسے ان کا دل پھٹ جانے کو ہو۔

''پھر بھی۔''

انہوں نے خود کو حوصلہ دیتے ہوئے میڈم سے کہا۔

''وہ آپ کو فون تو کرے گی' اپنے والد کے متعلق جاننے کے لیے۔''

''ہاں۔''

''تو پلیز۔''

انہوں نے التجا کی۔

''او کے عادل خان!''

انہوں نے وعدہ کیا تھا لیکن مریم نے تو فون ہی نہیں کیا تھا۔ یا پھر کیا بھی تھا تو میڈم سے ان کی بات نہیں ہوئی تھی' کئی دنوں سے۔ کئی بار انہوں نے ریسیور اٹھایا تھا اور پھر رکھ دیا تھا۔

''کیا کہیں گی میڈم۔ انہوں نے کہا بھی تھا کہ وہ خود بتا دیں گی۔''

''اور کیا خبر اس نے میڈم کو فون کیا ہو اور میڈم کو اپنی مصروفیات میں خیال ہی نہ رہا ہو۔''

وہ یک دم اٹھ کر فون کی طرف بڑھے۔

''ارے عادل خان' میں تمہیں فون کرنے لگی تھی۔''

میڈم نرگس ان کی آواز سن کر چہکیں تو ان کا دل جیسے زور سے دھڑک کر سینے سے باہر آنے کو بے تاب ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی ساری سماعتیں میڈم کی طرف لگا دیں۔ دل کی دھڑکن خود انہیں سنائی دے رہی تھی۔

''عادل خان' وہ تمہاری مریم کا فون آیا تھا...... پر۔''

''پر کیا۔''

انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

''اس نے کوئی فالتو بات ہی نہیں کی اور فون رکھ دیا۔ بس اپنے والد کے متعلق پوچھا اور......''

انہیں لگا جیسے ان کا دل ڈوب جانے کو ہو۔ امید کی ایک چھوٹی سی لو جو کئی دنوں سے انہیں سہارا دیے ہوئے تھی اب ٹمٹمانے لگی تھی۔

''اور ان کے والد کا کچھ اتا پتا؟''

''نہیں عادل میاں۔ زینی کو اس کے متعلق کوئی علم ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے اور کس جگہ۔ زینی نے تو صاف انکار کر دیا نام تک نہیں بتایا۔''

''اس میں کچھ حرج تو نہیں تھا میڈم۔''

انہوں نے اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں مگر عادل خان وہ زینی ہے۔ ابھی تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔ وہ بے حد ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔''

''مریم بے چاری تو از حد مایوس ہو گئی تھی۔ لگتا ہے وہ کسی دوست کے گھر ہے؟''

''مگر کون دوست؟''

انہوں نے ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے سوچا۔

"عینی تو اس کی کسی دوست کے متعلق نہیں جانتی اور نہ ہی عاشی کو کچھ علم ہے۔"

"چائے عادل میاں۔"

خدا بخش ٹرالی دھکیلتا ہوا ان کے پاس چلا آیا۔

"ہاں بنا دو خدا بخش۔"

عاشی بی بی کا فون آیا تھا کہ کل سے ان کی تین چھٹیاں ہو رہی ہیں اس لیے آپ لے جائیے گا۔"

چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے خدا بخش نے بتایا۔

"کب آیا تھا؟"

"صبح ہی جب آپ سو رہے تھے۔"

"اچھا کل یاد دلا دینا۔"

انہوں نے کپ ہونٹوں سے لگایا۔

عاشی کو انہوں نے ہاسٹل میں داخل کرا دیا تھا۔ مور اور نینا بھی مری چلے گئے تھے۔ وہ چند دن حویلی میں رہی تھی لیکن اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا تھا اور یہاں گھر میں انہوں نے اس کا تنہا رہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ یہاں ہر طرح کے لوگ آتے رہتے تھے۔ ان کے اسٹوڈنٹس' ملنے جلنے والے' ماں جی بھی اس کے خلاف تھیں۔

"عادل بہت بڑی ذمے داری ہے۔ بہتر ہے کہ تم اسے ہاسٹل بھجوا دو۔"۔

یوں عاشی ہاسٹل میں تھی اور ویک اینڈ پر وہ اسے حویلی لے جاتے تھے۔ ماں جی نے انہیں گلے لگا لیا تھا۔

"اور ماں جی کا ظرف اور دل کتنا بڑا ہے۔"

کئی بار کی سوچی ہوئی بات انہوں نے پھر سوچی تھی۔

اور ماں جی کے سینے سے لگی عاشی انہیں بہت مطمئن اور پرسکون دکھائی دی تھی۔

"ماں جی' کیا آپ ہمیں اپنے پاس رکھ لیں گی' اپنے بچے سمجھ کر۔"

تیمور نے سوال کیا تھا۔

"کیوں نہیں۔"

ماں جی نے عاشی کو الگ کر کے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

وہ عاشی وغیرہ کی طرف سے بے حد مطمئن ہو گئے تھے انہوں نے زینب سے رابطہ کرنے کی بے حد کوشش کی تھی لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

ڈاکٹر عبدالمعید اور ڈاکٹر ہادی بھی ان کے جانے سے پریشان ہو گئے تھے لیکن انہوں نے انہیں تسلی

دی تھی۔

"کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ بھی تو انہی کا گھر ہے اور انشاء اللہ مسز ملک کے آتے ہی وہ عاشی کی رخصتی کر دیں گے۔"

"اور چائے بناؤں؟"

انہوں نے خالی کپ ٹرالی میں رکھا تو خدا بخش نے پوچھا۔

"نہیں۔"

انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا جو وہیں زمین پر بیٹھا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں ہے خدا بخش۔ آپ یونہی پریشان ہو رہے ہو۔" بے حد ملائمت سے انہوں نے کہا۔

"آپ کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی میاں' گودوں میں کھلایا ہے۔"

"جانتا ہوں خدا بخش۔" ان کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

"مسرور اگر میری عدم موجودگی میں آئیں تو انہیں روک لینا ان کی EXHIBITION کے سلسلے میں حتمی بات چیت ہو گئی ہے ایک صاحب سے۔ شاید اسی سلسلے میں ایک دو روز تک کراچی جاؤں۔"

"آپ اب کالج جائیں گے کیا؟"

"نہیں اب کالج کا وقت کہاں رہا۔ ذرا مجتبیٰ کی طرف جاؤں گا۔ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی ذرا مسرور کی exhibition کے سلسلے میں مشورہ کرنا تھا ان سے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مسرور میاں نے آج آنا تھا کیا؟"

"ضروری نہیں لیکن میں نے اسے پیغام بھجوایا تھا' مائی کے ہاتھ کہ کچھ دنوں تک چکر لگائے۔"

خدا بخش کی بات کا جواب دے کر وہ تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ مجتبیٰ کی باتیں شاید اس بوجھل پن کو کم کر دیں۔

دور تک کہیں کوئی امید کا تارا نہیں دمکتا تھا۔ وہ جو ایک ذرا سی آس تھی کہ شاید وہ میڈم کو اپنا پتا دے دے' وہ آس بھی دم توڑ گئی تھی۔ وہ اتنی ظالم تو نہیں تھی پھر اتنی ظالم کیوں ہو گئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس سے باتیں کرتے ہوئے تیار ہونے لگے۔

۞۞۞

"مجتبیٰ کے ہاں تصدق احمد بھی تھے۔ سر جھکائے کچھ پریشان سے بیٹھے تھے اور مجتبیٰ ہولے ہولے انہیں کچھ سمجھا رہے تھے کہ پروفیسر عادل دستک دے کر اندر چلے آئے۔

"ارے عادل خاناں' آج یہ چاند غریب خانے پر کیسے طلوع ہو گیا۔"

مجتبیٰ نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا تو وہ شرمندہ سے ہو گئے۔

"sorry مجتبیٰ ان دنوں کچھ ایسا مصروف رہا کہ نہ آ سکا۔"

"مصروف تو آپ ہمیشہ ہی رہتے ہیں عادل خان لیکن آپ سے اس بے وفائی کی توقع نہ تھی کہ آپ مزاج پرسی تک کو نہ آئے۔ بھئی ہمیں تو بڑا یقین تھا کہ ہماری بیماری کا سنتے ہی دوست احباب بھاگے چلے آئیں گے۔ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔"

انہوں نے لطیف سا گلہ کیا۔

"بخدا' مجھے آپ کی بیماری کا علم نہیں تھا بالکل بھی۔"

پروفیسر عادل نے بے حد حیرت سے کہا۔

"مجھے آپ کا پیغام ضرور ملا تھا لیکن کسی نے بیماری کا نہیں بتایا۔ بس حافظ صاحب نے اتنا ہی کہا تھا کہ آپ مجھے یاد کر رہے ہیں۔"

"یہ حافظ صاحب ان دنوں اپنے حواسوں میں کب رہتے ہیں۔ ایک غیر حاضر اور دو حاضر بیویاں ان کے ہوش و حواس بھلائے ہوئے ہیں۔ بہرحال اب گلہ نہیں رہا آپ سے۔"

"مگر آپ کو ہوا کیا تھا مجتبیٰ؟"

فرشی نشست پر بیٹھتے ہوئے پروفیسر عادل نے پوچھا۔

"بس یوں ہی ذرا دل بے ایمان ہو گیا تھا۔"

انہوں نے قہقہہ لگایا۔

"ساری زندگی ہم اسے دغا دیتے رہے۔ اب یہ دغا دینے والا تھا لیکن ڈاکٹروں نے پکڑ دھکڑ کر اسے روک ہی لیا۔"

"کیا۔" پروفیسر عادل کو شاک سا لگا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ مجتبیٰ!"

"ہاں' عادل خاناں' دل کا دورہ پڑا تھا لیکن لوٹ پوٹ کر اٹھ ہی بیٹھے۔ ایک ہجوم دلبراں تھا اسپتال میں۔ کسی کی دعائیں لگ گئیں۔"

"اور مجھے معلوم تک نہیں ہوا۔ آپ نے بھی تصدق احمد مجھے فون نہیں کیا۔"

انہوں نے تصدق احمد سے گلہ کیا تو تصدق احمد نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں اور چہرے سے جھلکتا اندرونی کرب۔

پروفیسر عادل چونک پڑے اور گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"Sorry sir

تصدق نے آہستگی سے کہا۔

"مجھے بھی کچھ دن پہلے ہی پتا چلا اور تب مجتبیٰ صاحب گھر آ چکے تھے اور مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ کو علم نہیں ہو گا۔"

"خیر۔"

انہوں نے سر کو ہلکا سا دائیں طرف جھکایا۔

"آپ کچھ پریشان لگتے ہیں۔ کیا جاب کا کوئی مسئلہ ہے؟"

"نہیں۔ زندگی میں اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔"

ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کی تراش میں گم ہو گئی۔

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

"be brave yong man"

انہوں نے تصدق احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھا" آپ جیسے ینگ لوگوں کے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ مجتبیٰ کو دیکھیں۔ کیسے دل کا درد بھگتا کر بھی خوش اور مطمئن بیٹھے ہیں۔"

"ان کی اور بات ہے سر' انہوں نے زندگی میں جو کچھ چاہا' پالیا اور یہاں یہ حال ہے کہ بچپن سے ہی جو پانا چاہا' ہاتھوں سے پھسل گیا۔ جو خواہش کی' وہ خود ہی اپنی موت آپ مر گئی۔"

ایک مبہم سی طنزیہ مسکراہٹ پھر ان کے لبوں پر ابھر کر ختم ہو گئی۔

پروفیسر عادل نے مجتبیٰ کی طرف دیکھا۔

"بہت دیر سے سن رہا ہوں میاں۔"

"تو آپ سمجھاتے کیوں نہیں انہیں' ابھی آگے زندگی پڑی ہے اور کیا خبر آنے والے لمحوں میں سب کچھ انہی کا ہو۔"

تصدق احمد نے کوئی جواب نہیں دیا اس نے پھر سر جھکا لیا۔

"اور جانے کیا پریشانی ہے اسے' شاید کوئی ایسی پریشانی جو وہ ان سے share نہیں کرنا چاہتا۔"

پروفیسر عادل نے سوچا اور موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"آج کل کوئی کام ہو رہا ہے کیا؟"

"نہیں۔"

اس نے جھکے سر کے ساتھ جواب دیا۔

"دفتر' گھر اور بس' زندگی جیسے کسی ایک نقطے پر آ کر ٹھہر گئی ہے۔ برش اور رنگوں سے ناتا ٹوٹے تو جیسے

صدیاں ہی بیت گئی ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے تصدق احمد۔"

پروفیسر عادل نے تنبیہ کی۔

"برش اور رنگوں سے تو ناتا نہیں ٹوٹنا چاہیے' یہ تو آپ ظلم کر رہے ہیں اس عظیم فنکار پر جو آپ کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔"

"وہ عظیم فنکار۔"

وہ دھیرے سے ہنسا۔

"کمال کرتے ہیں آپ سر۔ بھول گئے ہیں شاید کہ ناقد مجھے deny کر چکے ہیں۔"

"وہ نہیں تصدق احمد۔ انہوں نے تمہیں deny نہیں کیا...... ہاں۔"

"سر پلیز' اس ٹاپک کو مت چھیڑیں۔ لہو رسنے لگتا ہے۔ سارے زخموں کے ٹانکے ادھڑ جاتے ہیں۔ میں اگر کسی بڑے دولت مند خاندان سے تعلق رکھتا ہوتا تو یہ لوگ مجھے کبھی deny نہ کرتے بلکہ میرے کام کی تعریف میں صفحوں کے صفحے سیاہ کر دیتے جیسے سلمٰی اعوان کے کام پر انہوں نے تعریفی مضامین اور مقالے لکھے۔ آپ نے تو سلمٰی کا کام دیکھا ہے نا' سر۔ کیا اس کا کام مجھ سے بہتر تھا۔ نہیں ہرگز نہیں لیکن فرق یہ تھا کہ وہ دولت مند تھی اور امراء کے اس طبقے سے تعلق رکھتی تھی کہ اگر وہ الٹی سیدھی لکیریں بھی کھینچ دیتی تو لکھنے والے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے۔"

اس کے ہونٹ زہر سے بھیگ گئے تھے۔ پروفیسر عادل نے اس کے کندھوں پر نرمی سے تھپکی دی۔

"relax......relax تصدق احمد۔ وقت بہت بڑا منصف ہے۔ انشاء اللہ ایک دن آئے گا...... جب تمہارے کام کو تسلیم کر لیا جائے گا۔"

"کب کب آئے گا یہ وقت سر' جب میں نہیں رہوں گا۔"

وہ بے حد تلخ ہو رہا تھا۔

"یہ اس ملک کی ریت ہے کہ بعد موت کے ہم فنکاروں کو ہار پہناتے ہیں۔ زندگی میں چاہے وہ خیراتی اسپتال میں دوا کے لیے ترس ترس کر مر جائے۔"

"اتنی خفگی اچھی نہیں ہوتی ینگ مین۔"

پروفیسر عادل نے مسکرا کر اسے دیکھا لیکن تصدق احمد کے ہونٹ یوں ہی بھینچے رہے جیسے وہ سب سے خفا ہو۔ سب سے' زمانے سے اور اپنے آپ سے۔

وہ چند لمحے یونہی ہونٹ بھینچے سر جھکائے بیٹھا رہا پھر ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے کہیں جانا تھا بہت ضروری۔"

اس نے کسی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"او کے' تم جاؤ اور زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

مجتبیٰ حیدر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اور یہ کہ تم اکیلے نہیں ہو اور تمہارے ساتھ اور بھی کئی زندگیاں وابستہ ہیں۔ آدمی صرف اپنے لیے ہی نہیں جیتا تصدق احمد۔ بعض اوقات اسے دوسروں کے لیے زندہ رہنا اور جینا ہوتا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب تم یہ جان لو گے کہ تم نے بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔"

"فیصلہ......؟ میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا مجتبیٰ صاحب کیا مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں بھی تھوڑا سا خوش ہو لوں۔ کچھ دن اپنی مرضی سے جی لوں۔" وہ بات مکمل کر کے تیزی سے باہر نکل گیا۔ پروفیسر عادل نے اسے باہر جاتے حیرت سے دیکھا۔

"کیا بات ہے مجتبیٰ' تصدق کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟"

"اسے محبت ہو گئی ہے۔" مجتبیٰ زور سے ہنسے۔

"اور یہ شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کس سے؟"

پروفیسر عادل ابھی تک حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"آمنہ صفی سے۔"

"اور آمنہ صفی کیا وہ بھی......"

"نہیں' وہ تو خود از حد پریشان ہے لیکن بھئی اتنی بہت سی ہمدردیوں اور دوستی کا کچھ نتیجہ تو نکلنا ہی تھا نا تصدق احمد کے لیے جاب ڈھونڈی جا رہی ہے' مکان تلاش کیا جا رہا ہے اس کے بچوں کے داخلے کے لیے بھاگ دوڑ ہو رہی ہے۔"

"لیکن اس سب کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا۔"

"عادل خاناں' مطلب کچھ بھی نہ ہو لیکن POSITIVE اور NEGATIVE جب ملیں تو SPARKING تو ہوتی ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ تصدق احمد کی شادی بہت کم عمری میں ہو گئی تھی۔ اس کی بیوی سیدھی سادی دیہاتی عورت ہے اور تصدق احمد فنکار۔ سر سے پاؤں تک مکمل فنکار۔ نہ دل ملے نہ ذہن ایسے میں آمنہ صفی کا خلوص اور التفات۔ جو جذبہ بھی تصدق کے دل میں پیدا ہوا ہے اسے وہ محبت کا نام دے رہا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آمنہ صفی مجھے کہتی ہے کہ اسے سمجھاؤں کہ اسے اپنی بیوی اور بچوں کا خیال رکھنا چاہیے اور وہ کہتا ہے کہ آمنہ کو سمجھاؤں کہ اسے آمنہ کی رفاقت کی ضرورت ہے۔"

"تو پھر۔"

پروفیسر عادل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو پھر کچھ نہیں میاں، آمنہ کسی عورت پر ظلم نہیں کر سکتی سو وہ کبھی تصدق سے شادی نہیں کرے گی چاہے وہ خود بھی کیوں نہ تصدق احمد کے عشق میں مبتلا نہ ہو چکی ہو۔"

"واقعی آمنہ صفی ایسی ہی تھی۔"

پروفیسر عادل نے سوچا۔

"اوہ، کاش وہ اس کے لیے کچھ کر سکتے۔ آمنہ صفی کے لیے ان کے دل میں ہمیشہ ہی ایک نرم گوشہ رہا۔ پتا نہیں کیوں، انہیں ہمیشہ ہی یہ محسوس ہوا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔"

"چائے لوگے یا ٹھنڈا؟"

مجتبیٰ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں نہیں، کچھ بھی نہیں۔ آپ پلیز بیٹھیں مجتبیٰ۔"

پروفیسر عادل نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

"اور بتائیں مجھے ڈاکٹرز نے کیا کہا تھا؟"

"ارے یار، کیا کہنا ہے۔ آرام کریں، سیڑھیاں نہ چڑھیں، کولیسٹرول چیک کرتے رہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"ہوں۔"

پروفیسر عادل کچھ دیر ان سے ان کی بیماری کے متعلق تفصیل پوچھتے رہے اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے اتنی جلدی، بیٹھو نا۔"

"نہیں مجتبیٰ اب اجازت دیں۔"

ایک دم ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا حالانکہ گھر سے وہ یہ سوچ کر آئے تھے کہ بہت دیر تک مجتبیٰ کے پاس بیٹھیں گے شاید ان کی بے ساختہ گفتگو اور دلچسپ باتوں سے دل کا بوجھ کم ہو جائے۔ کئی دفعہ ان کا جی چاہا، وہ مجتبیٰ سے پوچھیں کہ انہوں نے مریم کو دیکھا ہے کہیں انہیں پتا ہے کچھ کہ وہ کہاں جا سکتی ہے۔ آخر وہ عثمان احمد کے دوست تھے۔ ان کے گھر آنا جانا تھا ان کا لیکن پھر انہوں نے خود کو روک لیا۔

"کچھ پریشان لگتے ہو عادل خان؟"

ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے مجتبیٰ حیدر نے پوچھا۔

"ہاں نہیں تو۔"

پروفیسر عادل نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کچھ کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور کبھی کبھی کوئی راہ بھی دکھائی دے جاتی ہے۔"

مجتبیٰ حیدر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی بات ہوئی تو دل کا بوجھ آپ کے سامنے ہی ہلکا کروں گا۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے مجتبیٰ حیدر کو خدا حافظ کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"اور اب کہاں جائیں وہ؟"

اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے ایک لمحے کو انہوں نے سوچا اور پھر عاشی کے ہاسٹل کی طرف گاڑی موڑ دی۔

❁❁❁

"مریم" "کیا آج چلنا نہیں ہے؟"

لالہ نے مریم کو لیٹے دیکھا تو پوچھا۔

"نہیں۔"

مریم نے چہرے سے چادر ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"کیوں خیر تو ہے نا۔ تمہیں پتا ہے نا، مسز ارباب بلاوجہ چھٹی کرنے پر کس قدر بولتی ہیں۔"

لالہ نے جلدی جلدی بالوں کو برش کرتے ہوئے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟"

لالہ نے برش ٹیبل پر رکھ کر اس کی چادر کھینچی اور پھر چونک پڑی۔

"ارے، تمہارا چہرہ تو ایک دم سرخ ہو رہا ہے۔"

اس نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں تو ٹمپریچر ہے۔ ٹھیک ہے میں بھی نہیں جاتی۔ مسز ارباب کو فون کر دوں گی۔ میں تمہارے لئے دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔ تم ایسا کرو، تیار ہو جاؤ پھر تمہیں ڈاکٹر کی طرف لے جاتی ہوں۔"

"نہیں معمولی سی حرارت ہے تم جاؤ۔ ٹیبلٹ لوں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

مریم نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور پھر کروٹ بدل لی۔

"نہیں یار، اس قدر جل رہی ہو، معمولی ٹمپریچر نہیں ہے۔"

لالہ اس کے بیڈ کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"پلیز لالہ، تم جاؤ۔"

اس کی اس ہمدردی پر مریم کا دل بھر آیا اور آنکھیں گیلی ہو گئیں۔

"مومو!"

لالہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ادھر دیکھو نا میری طرف مجھے تمہاری طبیعت صحیح نہیں لگ رہی ہے۔ کل سے جب سے میں آئی ہوں' تم بہت چپ چپ اور اداس لگ رہی تھیں بلکہ شاید روئی بھی تھیں۔ کیا مسز ارباب نے کچھ کہا ہے؟"

"ہاں نہیں تو۔"

مریم نے کروٹ بدلی۔

"کل تم کہاں چلی گئی تھیں؟"

"میں......وہ......میں۔"

لالہ ٹپٹا گئی۔

"یوں ہی مسز ارباب نے کسی کام سے بھیجا تھا۔"

"اے لالہ۔"

سبین نے دروازے سے جھانکا۔

"تم ابھی تیار نہیں ہوئیں' ناشتا لگ گیا ہے۔"

"آتی ہوں۔"

لالہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارا ناشتا یہاں ہی لے آؤں۔" اس نے مریم سے پوچھا۔

"نہیں۔ میرا جی نہیں چاہ رہا۔ میں جب اٹھوں گی تو خود چائے بنالوں گی۔ کچھ لے لو مریم۔ میں ماسی سے کہتی ہوں' تمہیں دودھ دے جائے۔" اس نے باہر جاتے جاتے کہا۔

"سنو لالہ' تم چلی جانا۔ میرے لیے مت رکنا۔"

مریم نے کروٹ بدل کر اسے جاتے جاتے آواز دی۔

"ٹھیک ہے لیکن تم پلیز ڈاکٹر کے پاس ضرور جانا۔ میں آنٹی سے کہہ دوں گی۔"

"اچھا۔"

مریم نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور بند آنکھوں کے اندر آنسو مچلنے لگے۔

"میں اس بھری دنیا میں کس قدر تنہا اور اکیلی ہوں۔ سب کے ہوتے ہوئے بھی اور پتا نہیں کوئی مجھے ...بھی کرتا ہوگا یا نہیں اور خدا جانے ماما ابھی تک ملک سے باہر ہیں یا آ گئی ہیں اور اگر آ گئی ہیں تو پتا نہیں ...شی' نینا اور مور کو ساتھ لے گئی ہیں یا نہیں۔ کیا خبر وہ ابھی تک حویلی میں ہی ہوں اور پتا نہیں' سب نے ...رے متعلق کیا سوچا ہوگا اور پتا نہیں' مجھے یہاں آنا بھی چاہیے تھا یا نہیں لیکن میرا کیا رشتہ تھا عادل بھائی ...سے' ماں جی سے' بی آپا سے۔ کس ناتے جاتی وہاں۔" کتنی ہی بار اس نے سوچا تھا۔ شاید ماں جی اسے بھی

قبول کر لیتیں۔

لیکن اب تو وہ یہاں آ گئی تھی۔ لالہ کے ساتھ آٹھ ماہ ہونے والے تھے اور ان آٹھ ماہ میں اس نے زندگی سے جو کچھ سیکھا تھا وہ چوبیس پچیس سالوں میں نہیں سیکھ پائی تھی۔ اب وہ پہلے والی مریم نہیں رہی تھی۔ ڈرنے' خوف زدہ ہونے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو دینے والی مریم۔

ماما نے میڈم کو اس کے ڈیڈی کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ اس نے میڈم نرگس کے اصرار کے باوجود نہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہے اور خاموشی سے فون رکھ دیا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے ڈیڈی کے متعلق زیادہ نہیں سوچتی تھی۔ جب بھی وہ ان کا تصور کرتی سامنے عثمان احمد آ کر کھڑے ہو جاتے لیکن پھر بھی کبھی کبھی بڑی شدت سے اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ وہ ایک بار اس شخص کو دیکھے ضرور جو اسی دنیا میں کہیں موجود ہے اور جس کے ساتھ اس کا بڑا گہرا' بڑا مضبوط رشتہ ہے اور جسے شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ اس دنیا میں کہیں ایک لڑکی ہے جو اس کی بیٹی ہے۔ اگر اسے علم ہوتا تو کبھی تو وہ اسے کھوجتا ہوا اس تک آتا۔ ماما اتنی غیر معروف تو نہ تھیں کہ ان کو کھوجنا مشکل ہوتا۔

"مومو' تم ممی سے کہتیں تو کہ وہ ایک بار پھر تمہاری ماما سے بات کریں اور کچھ نہیں تو نام ہی پوچھ لیتیں۔ شاید کہیں زندگی کے کسی موڑ پر وہ تمہیں مل جاتا اور تم بتا سکتیں کہ تم اس کی بیٹی ہو۔"

"کیا فائدہ لالہ اور پھر تم ماما کو نہیں جانتی ہو اگر انہوں نے ایک بار نہ کر دی ہے تو وہ زندگی بھر نہیں مانیں گی اور پھر ایک نام کے نہ جانے کتنے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا کروں گی صرف نام معلوم کر کے اور پھر کیا خبر ماما میرے باپ کے متعلق کیوں نہیں بتانا چاہتیں۔" کوئی گہرا درد اس کے دل کو چھیل گیا۔

"کوئی اور......کوئی اور شخص نہیں ہے جو تمہیں تمہارے اپنے ڈیڈی کے متعلق بتا سکے۔"

لالہ ابھی تک اسی میں الجھی ہوئی تھی۔

"شاید نہیں۔ پلیز لالہ' لیو اٹ اور اب میرے لیے کہیں جلدی جاب کا بندوبست کر دو۔"

"کوشش تو کر رہی ہوں لیکن میری خواہش تھی کہ تم یہاں نہ رہتیں اپنے گھر چلی جاتیں۔ ماما کے پاس نہ سہی تو ڈیڈی کے پاس۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتیں مریم۔" اس نے ایک دم چٹکی بجائی۔

"ممی سے آنٹی کا نمبر لے کر انہیں خود کال کر لو۔"

"نہیں ماما کبھی کچھ نہیں بتائیں گی۔"

"پھر بھی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

لالہ پتا نہیں' کیوں چاہتی تھی کہ وہ ہر صورت اپنے ڈیڈی کے پاس چلی جائے اور پھر لالہ کے اصرار پر اس نے میڈم نرگس سے نمبر لے کر اسکاٹ لینڈ فون بھی کیا تھا اور جواب حسب توقع ملا تھا۔ ماما نے اس سے بات کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔

''میرے ساتھ بات مت کرو تم مومو۔''

''ماما پلیز' میری بات تو سنیں۔''

''مت کہو مجھے ماما۔''

انہوں نے چیخ کر کہا تھا اور فون بند کر دیا تھا اور تب ایک بار پھر اس نے لالہ' سبین' پروین سب ہی سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کے لیے کہیں جاب کا بندوبست کر دیں۔ خود صبح ہر روز وہ آنٹی سے اخبار لے کر دیکھتی اور اگر اسے کہیں کوئی اشتہار نظر آتا وہاں درخواست دے ڈالتی لیکن دو ماہ گزر جانے کے بعد بھی کہیں جاب نہیں ملی تھی۔ لالہ کی روم میٹ بھی واپس نہیں آئی تھی۔ اس کی شادی ہو گئی تھی اور لالہ ہی اکیلے کمرے کا کرایہ وغیرہ دے رہی تھی۔

''یہ صحیح نہیں ہے لالہ' پلیز۔''

ایک روز لالہ بوتیک سے واپس آئی تو مریم نے کہا۔

''کیا۔''

لالہ نے پرس بیڈ پر پھینکا۔

''یہی اس طرح تم پر بوجھ بننا۔''

''تمہیں کوئی تکلیف ہے یہاں؟''

''نہیں' لیکن لالہ۔''

''بور مت کرو مومو' جب تمہارے مطلب کی کوئی جاب مل گئی تو کر لینا۔ جو جاب میں کرتی ہوں' وہ تمہارے مطلب کی نہیں ہے ورنہ وہ تو ایک دن میں مل سکتی ہے۔''

''تو پلیز لالہ کہو نا' مسز ارباب سے۔''

''تمہیں اتنی جلدی کیا ہے؟'' پھر خود ہی بولی۔

''اچھا کہوں گی۔''

اس وقت لالہ نے اسے ٹال دیا۔

اور بعد میں بھی کئی بار مریم نے پوچھا تو لالہ نے یہی کہا۔

''مومو ابھی جگہ نہیں ہے۔ مسز ارباب سے کہہ دیا ہے میں نے۔ جب بھی جگہ ہوئی تو......''

وہ دو تین جگہ انٹرویو بھی دے چکی تھی اور کہیں سے ابھی کال لیٹر نہیں آیا تھا۔ وہ ازحد مایوس اور پریشان ہو رہی تھی کہ اس شام مسز ارباب لالہ کی مزاج پرسی کو آ گئیں۔ لالہ کو تین چار دن سے ٹمپریچر ہو رہا تھا اور وہ کام پر نہیں جا رہی تھی۔ تب مسز ارباب کے لیے چائے بناتے ہوئے اس نے درخواست کی کہ جب بھی کوئی جگہ خالی ہو وہ اس کا دھیان رکھیں۔

مسز ارباب نے چائے کا کپ لیتے ہوئے دھیان سے اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں بھئی۔ تم لالہ کی دوست ہو اور تمہارے لیے جگہ نہ بھی ہو تو بنائی جا سکتی ہے۔''

''سچ مسز ارباب۔'' وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

''بالکل سچ ایسا کرو' تم کل ہی آ جاؤ۔''

''کل۔''

اسے یقین نہیں آیا۔

''لیکن ابھی لالہ کو تو ڈاکٹر نے ایک دو روز اور ریسٹ بتایا ہے۔''

''تو لالہ نے کیا تمہیں اٹھا کر لانا ہے۔''

مسز ارباب نے قہقہہ لگایا۔

''بھئی وین جاتی ہے' پک کرنے سب ورکرز کو' تمہیں بھی لے جائے گی۔''

وہ بے حد خوش تھی۔

''تھینک گاڈ لالہ' بالآخر مجھے بھی جاب مل گئی۔''

مسز ارباب کے جانے کے بعد اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

''لیکن لالہ' مجھے کام کیا کرنا ہو گا۔ کر لوں گی نا میں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا مریم کہ تمہیں اتنی جلدی کیا تھی۔ یہ جاب تمہارے شایان شان نہیں ہے؟''

''اور کیا تمہارے شایان شان ہے۔''

''میری ایجوکیشن تمہاری جتنی تو نہیں ہے نا۔ تمہیں اچھی جاب مل سکتی تھی' بس تھوڑا انتظار کرنا پڑتا۔''

''اور کتنا انتظار کرتی۔ سارا بوجھ تم پر ہے۔''

''گزارا تو ہو رہا تھا نا۔'' لالہ بے حد چپ تھی۔

''میں نے تو بہت چاہا تھا مریم کہ تم یہاں جاب نہ کرو لیکن شاید...... تمہاری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ خیر اپنا خیال رکھنا۔''

صبح جب وین اسے لینے آئی تو لالہ نے آہستگی سے کہا۔

''don't worry لالہ۔''

اس نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''جب بھی اس سے بہتر کوئی جاب ملی تو یہ جاب چھوڑ دوں گی۔''

''خدا کرے' تمہیں کوئی اچھی جاب جلدی مل جائے۔ ورنہ بعض اوقات جب آدمی کہیں پھنس جاتا ہے تو پھر بچنا مشکل ہو جاتا ہے'' لیکن تب اس نے لالہ کی بات پر بالکل غور نہیں کیا تھا۔ مسز ارباب کی بوتیک

شاپ بہت بڑی تھی۔ Chen one کی طرز پر بنی ہوئی۔ بچوں' بڑوں' لیڈیز' جینٹس سب کے لیے الگ الگ شعبے تھے۔ بے حد قیمتی کپڑے' میچنگ جوتے' پرس' جیولری کے علاوہ بیڈشیٹ وغیرہ بھی تھیں۔ وہاں اس کے علاوہ نو لڑکیاں اور بھی کام کر رہی تھیں۔ کچھ سیلز گرل تھیں۔ دو لڑکیاں کاؤنٹر تھیں۔ میل کے لیے الگ کاؤنٹر تھا۔ وہاں بھی ایک لڑکی کام کر رہی تھی۔

"لالہ یہاں اس کاؤنٹر پر کام کرتی ہے۔"

مسز ارباب نے سب لڑکیوں سے اس کا تعارف کروانے کے بعد اسے بتایا۔

"اور آج کل بے چاری افزا اکیلی کام کر رہی ہے۔ جب تک لالہ نہیں آتی تم اس کی ہیلپ کرو۔ پھر تمہیں تمہارا کام بتا دیا جائے گا۔"

افزا بہت کم گو لڑکی تھی۔ اس نے سارے دن بہت کم بات کی اس سے۔ بس خریداروں سے چٹ لیتی' رقم دیکھتی اور وصول کرتی رہی۔ خریداروں کو قیمت کی چٹ متعلقہ شعبے کی سیلز گرل سے مل جاتی تھی جسے کاؤنٹر پر دکھا کر وہ پے منٹ کر دیتے تھے۔ افزا نے اس کی ذات کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی بس لالہ کا پوچھا تھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ باقی لڑکیوں نے کم و بیش اس کی خوب صورتی کی تعریف کی تھی۔

دوپہر کا کھانا وہاں ہی سرو کیا جاتا تھا۔ سب نے اکٹھے بیٹھ کر کھایا تھا اور کھانے کے بعد مسز ارباب نے اسے اپنے دفتر میں بلایا اور اس کے کاغذات دیکھے تھے۔

"بچوں کے شعبے میں فی الحال دو سیلز گرل ہیں اور بعض اوقات بیک وقت بہت سے کسٹمرز کو ڈیل کرنا انہیں مشکل ہو جاتا ہے اس لیے لالہ کے آنے کے بعد تم وہاں کام کرنا یہ سیلز گرل کی جاب بظاہر تمہیں اپنی ڈگری کے مقابلے میں بہت معمولی لگے گی لیکن یہ اتنی معمولی نہیں ہے۔"

"جی۔"

مریم نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب دیکھو نا' یہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں۔ ہائی جینٹری کے......"

انہوں نے قہقہہ لگایا۔

"ابھی لاسٹ ایر کی بات ہے' ہماری ایک کسٹمر کو میری ایک سیلز گرل اتنی پسند آئی کہ اس نے اپنے بیٹے کی شادی کر دی اس سے۔ اب وہ دو کنال کی کوٹھی میں رہتی ہے اور یہ لمبی گاڑیوں میں گھومتی ہے۔"

"جی۔" مریم کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہے' مسز ارباب کی بات اسے بہت عجیب لگی تھی۔

"وہ بھئی کیا نام تھا اس کا' فریدہ۔ تم فریدہ سے زیادہ خوب صورت ہو۔ کیا خبر کبھی تمہاری بھی لاٹری نکل آئے۔"

مریم کا چہرہ تپ اٹھا۔

"میڈم' میں اس مقصد کے لیے تو جاب نہیں کر رہی ہوں۔"

"اوہ۔ ہاں۔ تم نے برا مان لیا۔ خیر اس میں برا ماننے کی تو کوئی بات نہیں' چلو ابھی نئی آئی ہو نا۔ تمہارے پیرنٹس۔ ہاں یاد آیا' وہ لالہ بتا تو رہی تھی کہ تمہاری والدہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔"

"جی۔" مریم کو ان کی باتوں سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

"تمہیں پہلے تین ماہ تین ہزار روپے ملے گی پک اینڈ ڈراپ کی سہولت۔ لنچ اور چائے وغیرہ۔ کوئی اعتراض؟"

"نہیں۔"

مریم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

فی الحال یہ بھی غنیمت تھا۔ وہ لالہ کے ساتھ کچھ تو share کر سکتی تھی۔

اسے مسز ارباب کچھ زیادہ پسند نہیں آئی تھیں اور نہ ہی ان کا انداز گفتگو اسے اچھا لگا تھا۔

"یہ مسز ارباب کچھ عجیب سی نہیں ہیں۔" واپس آ کر اس نے لالہ سے کہا۔

"ہاں شاید۔ تم سے کیا بات ہوئی؟"

لالہ کے استفسار پر اس نے ساری بات بتائی۔ تب ایک بار پھر لالہ نے اسے روکا۔

"مریم' کیا تم کچھ انتظار نہیں کر سکتیں۔ میرا خیال ہے کہ تم یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو پاؤ گی۔"

"لالہ لوگ ہمیشہ ہر جگہ ہماری مرضی کے نہیں ہوتے اور ہمیں ایڈجسٹ کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیا خبر کسی دوسری جگہ اس سے بھی برے لوگ ہوں پھر یہاں تو تم بھی ہو۔"

"ہوں۔" لالہ خاموش ہو گئی۔

اس روز سبین اور دوسری لڑکیاں اس سے ٹریٹ مانگنے کمرے میں آئیں اور اس نے پہلی تنخواہ ملنے پر انہیں ٹریٹ دینے کا وعدہ کیا۔ وہ سب خوش تھیں کہ اسے جاب مل گئی ہے لیکن لالہ بہت چپ چاپ تھی شاید طبیعت کی خرابی کی وجہ سے سبین نے پوچھا بھی "کیا بات ہے لالہ اتنی چپ چپ کیوں ہو۔ کیا ممی یاد آ رہی ہیں۔"

"نہیں تو۔"

"سنو' تم ممی کے پاس واپس چلی جاؤ۔ مائیں زیادہ عرصے تک بچوں سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔"

"ہاں سوچوں گی۔"

اور اس رات بیڈ پر لیٹتے ہوئے مریم نے پوچھا۔

"لالہ' کیا تم نے کبھی واپس ممی کے پاس جانے کے متعلق نہیں سوچا؟"

"سوچا تھا' جب میں لاہور سے واپس آئی تھی تو۔"

"لیکن کیا پھر میری وجہ سے؟"

"نہیں خیر صرف تمہاری وجہ سے نہیں۔"

"کیا تمہارا خیال ہے کہ ممی تم سے بات نہیں کریں گی۔"

"نہیں مجھے پتا ہے، ممی مجھے دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ جائیں گی۔ وہ مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔"

"پھر تم چلی جاؤ نا۔ آنٹی بھی کہتی تھیں کہ اگر تم ان کے پاس چلی جاؤ تو وہ تمہیں اعزاز سے ملنے اور اس سے شادی کرنے سے منع نہیں کریں گی۔"

"اعزاز۔"

"یہ مرد ذات اتنی بے وفا کیوں ہوتی ہے مومو۔"

"صرف مرد کی ذات۔ نہیں لالہ، بے وفائی کسی ایک صنف سے تو مخصوص نہیں ہے۔ کہیں مرد بے وفا ہوتا ہے اور کہیں عورت۔"

"مریم، تم کچھ بدل نہیں گئی ہو۔"

"کس طرح؟"

"میرا مطلب ہے، پہلے کے مقابلے میں کچھ سمجھ دار ہو گئی ہو۔ اچھا ایک بات تو بتاؤ، کیا ڈاکٹر شہریار کبھی یاد آتا ہے تمہیں؟"

وہ خاموش ہی رہی۔

"کیا وہ بے وفا تھا؟"

"نہیں۔"

مریم نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب اگر تم کبھی کسی مشکل میں گھر جاؤ اور شہریار کو مدد کے لیے پکارو تو کیا وہ آ جائے گا؟"

"ہاں۔" مریم نے پورے یقین سے کہا۔

"مجھے بھی اعزاز پر اتنا ہی یقین تھا مریم مگر اس نے میرا یقین توڑ دیا۔"

"لیکن شہریار۔ شہریار ہر گز ایسا نہیں ہے۔" اس رات آنکھیں موندے دیر تک وہ شہریار کے متعلق سوچتی رہی تھی اور شاید اب کبھی وہ دوبارہ شہریار کو نہ دیکھ سکے لیکن کیا وہ اسے بھول سکے گی۔

کیا کوئی اور اس کی جگہ لے سکے گا۔

نہیں، شاید کبھی نہیں۔

وہ مسزارباب کے بوتیک میں جانے لگی تھی۔ ہولے ہولے وہ اس سے ہم آہنگ ہو گئی تھی حالانکہ شروع شروع میں اسے بہت مشکل پیش آئی تھی۔ سارا دن کھڑے ہو کر کسٹمرز کو اٹینڈ کرنا لیکن اب وہ عادی

ہو گئی تھی اور اسے یہ کام مشکل نہیں لگتا تھا۔ اسے یہاں کام کرتے ہوئے تقریباً دو ماہ ہو گئے تھے اور ابھی تک اپنی اہلیت کے مطابق کوئی جاب اسے نہیں ملی تھی۔ حالانکہ ہر ہفتے کوئی نہ کوئی درخواست کسی نہ کسی ادارے میں دیا کرتی تھی کیونکہ لالہ کو اس کا یہاں کام کرنا پسند نہیں تھا۔ خود اسے بھی کبھی مسزارباب انتہائی پراسرار لگتی تھیں اور ان کی باتیں انتہائی ربش اور لغو۔ خاص طور پر جس طرح انہوں نے اس کا تعارف اپنے بھائی سے کروایا اور جس طرح ان کے بھائی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا تھا، وہ اسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ خود اسے بھی مسزارباب سے خوف محسوس ہوتا تھا اور وہ اس خوف کی وجہ نہ جان سکی تھی حالانکہ بظاہر مسزارباب کا رویہ سب کارکنوں کے ساتھ بہت نرم ہوتا تھا۔

اس روز آپریٹر لڑکی چھٹی پر تھی اور مسزارباب نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ اس کی جگہ ڈیوٹی دے اور خود لالہ کے ساتھ وہ کہیں چلی گئی تھیں۔ ہر ہفتے وہ کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ کپڑا وغیرہ خریدنے اور دوسرا سامان لینے جاتی تھیں۔

وہ دوسری سیلز گرل کو بتا کر فون والے کیبن میں آ گئی۔ اسے یہاں آپریٹر لڑکی کی موجودگی کا کوئی جواز نظر نہیں آتا تھا لیکن پھر لالہ نے ایک دن اسے بتایا تھا کہ لوگوں کی سہولت کے لیے مسزارباب نے یہ فون سیٹ یہاں رکھے ہیں۔ اس نے اکثر لڑکیوں کو یہاں آ کر فون کرتے دیکھا تھا مگر جب اس کی ڈیوٹی لگی تو اسے پتا چلا کہ یہاں آنے والی زیادہ لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈز کو فون کرنے آتی تھیں۔ قریب ہی گرلز کالج تھا اور آنے والی لڑکیوں میں زیادہ کالج کی لڑکیاں تھیں۔ جب پہلی لڑکی نے کال کرنے کے بعد اس کے سامنے پچاس روپے رکھے تو وہ حیران رہ گئی۔

"ایک کال کے۔"

"جی۔"

لڑکی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"آپ شاید نئی ہیں۔"

وہ مسکرا کر چلی گئی تو وہ کتنی ہی دیر تک حیران بیٹھی رہی پھر بعد میں آنے والی لڑکیوں نے بھی پچاس روپے فی کال دیے۔

کچھ لڑکیاں تو کال کے بعد وہاں ہی موجود رہیں اور کچھ دیر بعد وہیں سے آ کر کسی نے پک کر لیا۔

وہ حیران سی یہ سب دیکھتی رہی۔

"تو بوتیک کو اس مقصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔"

اس نے لالہ سے بات کی تو لالہ نے اسے سمجھایا۔

"مریم، تم اپنے کام سے کام رکھو۔ یوں سمجھو، تمہیں کچھ نہیں معلوم۔"

"کیا خبر لالہ وہ لڑکی خود ہی پیسے لیتی ہو اور مسز ارباب کو کچھ علم نہ ہو۔"

"مسز ارباب کو سب پتا ہے، پلیز تم ان سے کچھ مت کہنا۔ بے خبری اچھی ہے۔ اگر تم باخبر ہو گئی نا تو......"

لالہ نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا اور کل......کل جیسے سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ ایک خاتون نے اپنے بچے کے لیے جینز خریدی تھی، اس کا سائز کچھ صحیح نہیں تھا۔ مریم کی ساتھی سیلز گرل نے کہا کہ وہ کچھ دیر بیٹھیں تو ابھی سائز صحیح کر دیا جاتا ہے۔ وہ جینز لے کر درزی خانے کی طرف جانے لگی تو کچھ اور خواتین آ گئیں۔ تو اس نے مریم سے کہا کہ وہ اسے ٹھیک کروا کے لے آئے۔ بوتیک کی بیک پر درزی خانہ تھا۔ جہاں مسز ارباب کے بوتیک کے لیے ڈریس تیار ہوتے تھے اور اگر کسی خاتون کی فٹنگ صحیح کرنی ہوتی تو فوری طور پر صحیح کر دی جاتی تھی۔ تقریباً سترہ اٹھارہ درزی وہاں پر کام کرتے رہتے تھے۔ مریم صرف ایک بار ہی لالہ کے ساتھ درزی خانے میں آئی تھی اس لیے جب وہ بوتیک کے پچھلے دروازے سے باہر نکلی تو الجھ سی گئی۔ اس کے سامنے دو دروازے تھے اور پتا نہیں درزی خانے کا دروازہ کون سا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا اور پھر بالکل سامنے والے دروازے میں داخل ہو گئی لیکن اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

یہ درزی خانہ تو نہیں تھا۔

وہاں تو ایک بڑے ہال میں درزی بیٹھے کام کر رہے تھے، جبکہ یہاں ہال نما کمرے میں صوفے پڑے تھے۔ قیمتی قالین تھا اور دونوں طرف دو کمرے تھے جن کے دروازے بند تھے۔

شاید وہ غلط جگہ آ گئی ہے۔ اسے ساتھ والے گیٹ میں داخل ہونا چاہیے تھا۔ یہ سوچ کر وہ واپس مڑی ہی تھی کہ ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر سے ایک لڑکی اور لڑکا باہر نکلے۔

وہ چونک پڑی۔

یہ تو وہی لڑکی تھی جس نے دو تین دن پہلے فون کال کے پچاس روپے دیے تھے اور شاید کسی کو آج کی تاریخ ہی بتا رہی تھی ملنے کے لیے۔

ابھی وہ حیران ہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے مسز ارباب کی آواز سنائی دی۔

"ارے مریم، تم یہاں کیسے!"

"وہ......میں......"

وہ گھبرا گئی۔

"یہ جینز ٹھیک کروانے آئی تھی۔"

"اچھا، اچھا وہ ساتھ والا گیٹ ہے۔"

"وہ دراصل ایک بار ہی آئی تھی نا اس لیے۔"

اس نے پیشانی سے پسینا صاف کیا اور جانے کے لیے پلٹی تو مسز ارباب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سنو، تمہیں بھی اگر ڈیٹ ویٹ مارنی ہو تو یہاں آ سکتی ہو۔ میں اپنی کارکن لڑکیوں سے کچھ چارج نہیں کرتی۔" وہ زور سے ہنسیں۔

"بے چاری لڑکیاں پریشان رہتی تھیں کہ اپنے فرینڈز سے کہاں ملیں اور خوف زدہ کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ سو میں نے ان کے لیے یہ ارینج کر دیا۔ نہ کسی کے دیکھ لینے کا ڈر نہ خوف۔ وہ کچھ پیسے خرچ کرتی ہیں اور میں انہیں یہ سہولت مہیا کرتی ہوں۔"

انہوں نے پھر قہقہہ لگایا تھا اور مریم کو یوں لگا تھا جیسے وہ کوئی بلا ہوں۔ خوف ناک۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکلی تھی اور پھر درزی خانے میں جانے کے بجائے واپس بوتیک میں آ گئی تھی۔

"یہ......یہ تم ہی لے جاؤ شانزہ۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ سر چکرا رہا ہے۔"

اور شانزہ حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی جینز اس کے ہاتھ سے لے کر چلی گئی تھی۔

اور سارا ٹائم ہی وہ ڈسٹرب رہی تھی اور چھٹی سے کچھ دیر پہلے مسز ارباب نے اسے اپنے دفتر میں بلایا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ لگ رہی تھیں۔

"مریم!" ان کا لہجہ پتھریلا تھا۔

"میں اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتی کہ یہاں کی کوئی بات باہر نکلے۔"

"جی......!"

"تم سمجھ رہی ہو نا؟"

اس نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر......تو......" ان کے نامکمل فقرے میں جو دھمکی تھی۔ اس نے مریم کو لرزا دیا۔

"او کے اب جاؤ۔"

اور ہاسٹل واپس آتے ہی وہ بیڈ پر گر گئی تھی اور چہرہ چادر میں چھپائے بہت دیر تک روتی رہی تھی۔

لالہ مسز ارباب کے ساتھ واپس نہیں آئی تھی۔

"اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم چلی جانا۔"

جاتے جاتے اس نے مریم سے کہا تھا۔ سو وہ اکیلی ہی گھر آ گئی تھی۔

اور اس کے آنے پر وہ سوتی بن گئی۔ لالہ سے بات کرنے سے پہلے وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی لیکن ساری رات جاگنے کے باوجود وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ کتنی مشکل سے یہ جاب ملی تھی مگر یہ جاب کرنا

ناممکن تھا۔

اور مسز ارباب۔

اس نے جھرجھری سی لی۔

کس قدر پراسرار اور خوف ناک خاتون ہیں اور نہ جانے ان کی زندگی کے اور کتنے پہلو ہیں جو ابھی تک اس سے پوشیدہ ہیں۔

"نہیں، وہ مسز ارباب کے بوتیک پر جاب نہیں کرے گی۔"

اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اور اٹھ بیٹھی۔ سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا اور رونے سے آنکھیں سرخ اور بھاری ہو رہی تھیں۔

"یہ دودھ۔"

ماسی نے جو سب لڑکیوں کا کھانا بناتی تھی، دروازے سے جھانک کر اسے دیکھا۔

"یہاں رکھ دو۔"

اس نے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"لالہ بی بی نے بتایا تھا کہ آپ کو بخار ہے۔"

"ہاں معمولی سا۔"

اس نے مختصراً کہا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

پانچ بج رہے تھے اور بس تھی کہ آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ مریم نے بے چینی سے کلائی الٹ کر ٹائم دیکھا۔

"اگر کچھ دیر تک مزید بس نہ آئی تو کوئی ٹیکسی یا رکشا کر لوں گی۔"

اس نے اپنے آس پاس کھڑی خواتین کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

شکر ہے کہ اسٹاپ پر کوئی بے ہودہ قسم کے لوگ نہیں تھے۔ ورنہ تو مشکل ہو جاتی۔ یہ اسٹاپ اس کے ہاسٹل کے قریب ہی تھا اور عموماً چار بجے وہ ہاسٹل سے نکلتی تو دس پندرہ منٹ بعد بس آجاتی تھی مگر آج تو اسے کھڑے ہوئے ایک گھنٹا ہونے والا تھا۔ ہاسٹل سے نکلنے میں اسے کچھ دیر ہو گئی تھی۔ لالہ کی طبیعت خراب تھی اور اس نے چھٹی کر رکھی تھی۔ سو اس کے لیے سوپ تیار کرنے میں کچھ وقت لگ گیا۔ صبح سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اگرچہ اسے چند منٹ کی ہی دیر ہوئی تھی لیکن پہلی بس نکل گئی تھی اور دوسری ابھی تک نہیں آئی تھی۔

پتا نہیں اس روٹ پر دوسری بس آتی ہے یا نہیں۔ نئی نئی جاب تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ لوگ اس

کے متعلق کوئی غلط تاثر لیں۔ حالانکہ لالہ کی طبیعت اتنی زیادہ خراب تھی کہ اس کا جانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا مگر لالہ نے بھی کہا تھا کہ ابھی تو اسے ادھر جاتے صرف پندرہ دن ہوئے ہیں لہٰذا اسے چھٹی نہیں کرنی چاہیے۔ یوں بھی پانچ بجے تک سیٹھن وغیرہ بھی آجاتی ہیں۔ وہ دیکھ لیں گی۔

سو وہ چلی آئی تھی اور بس تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس نے مسز ارباب کی جاب چھوڑ دی تھی، لالہ پریشان ہو گئی تھی۔

"کیوں مومو، یہ جاب چھوڑنے کا فیصلہ اچانک کیوں؟"

تب اس نے لالہ کو بتا دیا۔ لالہ خاموش سنتی رہی۔

"چلو اچھا ہوا کہ تم پر بہت جلد مسز ارباب کا ایک پہلو ظاہر ہو گیا۔ عام طور پر تین ماہ تک وہ کسی پر اپنی شخصیت کے دوسرے پہلو ظاہر نہیں کرتیں۔ مجھے بھی تین ماہ بعد پتا چلا تھا اس لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ تم وہاں جاب کرو۔"

"پھر پھر تم یہ جاب چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔"

"اگر تم بھی تین ماہ مکمل کر لیتیں تو شاید تم بھی یہ جاب چھوڑ نہ سکتیں۔ اگرچہ اب بھی مسز ارباب شور کریں گی لیکن میں سنبھال لوں گی۔ تم سے اگر براہ راست بات کریں تو کہہ دینا کہ تمہاری ماما نے تمہیں باہر بلوالیا ہے۔"

"مگر لالہ۔"

"پلیز، تم نے مسز ارباب کی زندگی کا صرف ایک پہلو دیکھا ہے، اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے روپ ہیں۔ تم اگر براہ راست ان سے بات نہ کرتیں تو میں کبھی بھی تمہیں مسز ارباب کے پاس جاب نہ کرنے دیتی لیکن تم نے خود ہی...... خیر۔"

اس نے کندھے جھٹکے۔

"لالہ، تم آنٹی کے پاس چلی جاؤ۔ وہاں اعزاز......"

"نہیں بھئی۔ مجھے کہیں نہیں جانا، ہاں تم چلی جاؤ واپس ماما کے پاس یا پھر اپنے ڈیڈی کو تلاش کرو۔ ایک بار پھر ممی کو فون تو کرو۔"

اور لالہ کے کہنے پر اس نے ایک بار پھر میڈم نرگس کو فون کیا تھا کہ ماما کا فون نمبر لے کر وہاں خود فون کر سکے لیکن میڈم نرگس چیک اپ کے لیے امریکا گئی ہوئی تھیں۔

تب لالہ نے اسے مشورہ دیا کہ وہ شہریار سے رابطہ کرے۔

"مومو، زندگی سے میں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ تم نے نہیں سیکھا۔ میں چاہتی ہوں کہ جو غلطیاں میں نے کی ہیں وہ تم نہ کرو۔ اچھے لوگ زندگی میں کبھی کبھی ملتے ہیں انہیں کھونا نہیں چاہیے۔ میں نے اعزاز کو

کھو دیا۔ حالانکہ اعزاز نے مجھے کہا تھا کہ اپنی تعلیم مکمل کرلوں تو ممی کی مرضی نہ بھی ہوئی تو وہ مجھ سے شادی کرلے گا اور مجھے اس پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ جبکہ اس کے خیال میں ممی کو منانے کے لیے اس کے بھائی کا مہرہ ہمارے پاس تھا۔ تمہیں ایک مزے کی بات بتاؤں۔ ممی اس کے بھائی سے عشق کرتی ہیں۔ ایک بار مجھے اعزاز نے بتایا تھا کہ اس کے بھائی نے ممی سے شادی نہیں کی بلکہ ممی نے اس کے بھائی سے شادی کی ہے۔ میرے ڈیڈی سے طلاق لینے کے بعد کئی سال تک ممی اس کی محبت میں مبتلا رہی تھیں۔ ان سے ملنے گاؤں چلی جاتی تھیں اور ان دنوں......"

وہ ہنسی۔

"ممی باقاعدگی سے نماز پڑھنے لگی تھیں۔ صبح شام داتا دربار پر حاضری دیتیں۔ بڑا سا دوپٹا اوڑھے شلوار قمیض پہنے پوری گھریلو عورت بننے کی کوشش کرتی تھیں اور اعزاز کے ماں باپ سے ملنے گاؤں جاتیں۔ تو ان کے پاس زمین پر بیٹھ کر تنور کی روٹی اور سرسوں کا ساگ کھاتیں اور اعزاز کی ماں کو خوش کرنے کے لیے اس کا کام کرتیں۔ ایک مرتبہ اعزاز نے انہیں برتن دھوتے بھی دیکھا تھا۔"

وہ زور سے ہنسی۔

"یہ محبت بھی کیا شے ہوتی ہے موموٗ میں آج تک نہیں جان سکی۔ کیسے آدمی کو دیوانہ کردیتی ہے۔ میں بھی تو ممی کی ہی بیٹی تھی نا۔ ان ہی کی طرح محبت میں پاگل ہوگئی تھی۔ حالانکہ ممی نے کہا تھا کہ میں ابھی بہت چھوٹی ہوں اور...... خیر۔"

اس نے بات نامکمل چھوڑ کر مریم کی طرف دیکھا۔

"میں شہریار کی بات کررہی تھی اور بات کہاں جانکلی۔ موموٗ ڈاکٹر شہریار ایک بہت مخلص' سادا اور محبت کرنے والا آدمی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے' وہ تم سے ازحد محبت کرتا ہے۔ تم اسے خط لکھو اور اس سے شادی کرکے زندگی سکھ اور سکون سے گزارو۔"

وہ بہت دیر تک اسے سمجھاتی رہی تھی اور تب اس نے شہریار کا خط نکال کر پڑھا۔ کئی بار اس نے لکھا تھا

مریم ایک بار تم آواز دوگی مجھے تو میں اڑتا ہوا تم تک آپہنچوں گا۔ تم کیوں پریشان رہتی ہو۔ مجھے خط لکھو۔ اپنے مسائل میرے ساتھ SHARE کرو۔ میں تم سے دور نہیں ہوں۔ تمہارے ان دیکھے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں اور تصور ہی تصور میں اپنی انگلیوں کی پوروں سے ان آنسوؤں کو پونچھتا ہوں۔ میرا اعتبار کرو مریم' میں ہر لمحے تمہارے ساتھ ہوں۔

اور تب اس نے شہریار کے خط کا جواب نہیں دیا تھا لیکن اب اس رات لالہ کے کہنے پر اس نے شہریار کو خط لکھا۔ ایک ایک بات لکھ دی اس نے۔

"میں بہت اکیلی ہوں' بہت تنہا ہوں اور مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

خط بھیجنے کے بعد کتنے دن تک اس نے بے چینی سے شہریار کے خط کا انتظار کیا تھا لیکن شہریار نے اس کے خط کا جواب نہیں دیا تھا۔

وہ جو اس کے لیے جان سے گزر جانے کی باتیں کرتا تھا' اس نے ایک حرف تسلی تک نہیں لکھا تھا۔

"کیا ساری محبتیں ایسی ہی ہوتی ہیں بے وفا؟" ازحد مایوس ہوکر اس نے لالہ سے پوچھا۔

"شاید لیکن پتا نہیں کیوں' مجھے یقین تھا کہ شہریار ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ...... اسے دیکھ کر تو یہی احساس ہوتا تھا کہ اگر اس نے کسی سے محبت کی تو وہ جان تک سے گزر جانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔"

"اور اعزاز......"

مریم نے اس کی طرف دیکھا۔

"اعزاز نے بھی تو تمہارے خطوط کا جواب نہیں دیا تھا اور نہ ہی تمہاری فون کالز کے بعد تم سے رابطہ کیا تھا۔"

"ہاں' جبکہ اعزاز بھی ایسا نہیں تھا۔"

لالہ نے تبصرہ کیا۔

"لیکن شاید سب ایسے ہی ہوتے ہیں مگر شاید شہریار کو تمہارا خط نہ ملا ہو۔ تم ایک اور خط لکھ کر دیکھو۔"

لیکن وہ لالہ کے کہنے کے باوجود خود کو دوسرا خط لکھنے کے لیے تیار نہ کرسکی۔

شاید محبت اس دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے۔ ساری محبتیں دھوکا ہوتی ہیں۔ صرف فریب......!

اگر ماں کی محبت میں کھوٹ ہوسکتی ہے تو پھر کسی دوسرے کی محبت کیسے قابل اعتبار ہوسکتی ہے۔

وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔

"محبتوں کا بچھڑ جانا اتنا عذاب نہیں ہوتا۔ جتنا ان کا بے وفا ہونا عذاب ہوتا ہے۔" ایک بار عاشی نے کہا تھا۔

اس کرب سے وہ پہلی بار گزر رہی تھی۔ یہ اذیت ناقابل برداشت تھی اور اس پر یہ احساس کہ وہ لالہ کے لیے بوجھ ہے حالانکہ لالہ نے ایسی کوئی بات کبھی نہیں کی تھی بلکہ اب تو لالہ سے اس کی بات بہت کم ہوتی تھی۔ وہ اکثر دیر سے آنے لگی تھی اور اتنی تھکی ہوئی ہوتی کہ آتے ہی بستر پر گر جاتی تھی۔

"لالہ' ہر روز تم دیر سے کیوں آتی ہو؟"

"مجبوری ہے یار' ان دنوں کام زیادہ ہے۔ مسز ارباب اپنا مال باہر بھجوانے لگی ہیں۔"

"مگر میری جاب لالہ' تم کوئی کوشش کرونا۔"

"میں ضرور کوشش کروں گی۔"

وہ کوئی بھی تسلی بخش جواب دیے بغیر اسے ٹال دیتی۔ تب اس نے آنٹی سے بھی کہا اور ہاسٹل کی

لڑکیوں کو تو پہلے ہی کہہ رکھا تھا۔ ایک روز سبین نے اپنے ساتھ فیکٹری چلنے کو کہا تا کہ وہ خود اس کے باس سے مل لے لیکن لالہ نے منع کر دیا۔

''تمہیں اتنی بے چینی کیوں ہے مومو؟''

''ایسا کب تک چلے گا لالہ۔ میں کب تک تم پر بوجھ بنی رہوں گی۔''

وہ جلد از جلد کوئی کام کرنا چاہتی تھی۔

یوں بھی کبھی کبھی لالہ کے متعلق وہ بدگمان ہو جاتی۔

سبین نے ایک دوبار دبے لفظوں کہا تھا کہ لالہ غلط راستوں پر چل رہی ہے اور اگر ان کی لینڈ لیڈی کو پتا چل گیا تو وہ اسے ہاسٹل میں نہیں رہنے دیں گی۔

''نہیں لالہ ایسی نہیں ہے۔''

اس نے سبین کی سختی سے تردید کی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ پریشان تھی۔ وہ لالہ سے بدگمان ہونا بھی چاہتی تو نہیں ہو سکتی تھی۔ لالہ اس کے ساتھ بے حد مخلص تھی۔ اس نے اسے مسز ارباب سے بچانے کی کتنی کوشش کی تھی حالانکہ وہ خود ان کے پاس جاب کرتی تھی اور اب کتنے دنوں سے وہ اس کا خرچ برداشت کر رہی تھی۔ مسز ارباب کو خدا جانے کیسے اس نے ہینڈل کیا تھا ورنہ۔

''اف۔''

اس نے خوف سے جھرجھری سی لی۔

کس قدر دہشت ناک آواز تھی ان کی جیسے کوئی سانپ پھنکار رہا ہو۔ جب لالہ نے انہیں بتایا کہ اب مریم کام پر نہیں آئے گی تو اسی رات انہوں نے فون کیا تھا۔

''ٹھیک ہے' تم اپنی والدہ کے پاس جا رہی ہو۔ جاؤ لیکن یاد رکھنا' ہمارے بوتیک کے متعلق کہیں کوئی ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا تو......''

ان کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی لیکن اس کا پورا وجود لرز کر رہ گیا۔

ذرا سا ٹھہر کر انہوں نے سرد لہجے میں جملہ مکمل کیا تھا۔

''زندگی تمہارے لیے ایک ایسی سزا بنا دی جائے گی کہ مرنا چاہوں گی تو مر نہ سکو گی۔''

اس کی زرد ہوتی رنگت کو دیکھ کر آنٹی نے جو پاس کھڑی تھیں' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹا تم ٹھیک تو ہو نا۔ سب خیریت ہے نا؟''

''جی۔''

اس نے چونک کر ہاتھ میں پکڑے ریسیور کی طرف دیکھا۔

لائن بے جان ہو چکی تھی۔

''یونہی ذرا چکر آ گیا تھا۔''

اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور آنٹی کو خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ (ہاسٹل کی سب لڑکیاں ہی انہیں آنٹی کہتی تھیں) پھر کتنے ہی دن تک اس پر خوف سا طاری رہا۔

''اکیلی اور تنہا لڑکی جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو قدم قدم پر اسے بھیڑیے ملتے ہیں۔'' ایک بار اس نے کہیں پڑھا تھا۔

اور کتنا صحیح لکھا تھا لکھنے والے نے۔ اس کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔

سبین اور دوسری لڑکیاں جو باتیں کرتی تھیں' ان سے پتا چلتا تھا کہ زندگی ان کے لیے کوئی اتنی زیادہ آسان نہیں ہے۔

''میرا باس۔''

ایک بار سبین نے ہنستے ہوئے اس کے متعلق بتایا تھا۔

''یوں دیکھتا ہے' جیسے کچا کھا جائے گا۔ اگر میں ذرا سی بھی کمزور پڑوں نا تو بغیر چبائے نگل جائے۔''

''ہمارے دور کی عورت بہت بدقسمت ہے۔''

یہ مسز ساجدہ کی رائے تھی۔

''بہت کچھ پانے کی خواہش میں تھوڑے سے بھی محروم ہو گئی ہے اور ہم عورتیں جو مرد کا ہاتھ بٹانے کے لیے ان کے معاشی مسائل share کرنے کے لیے گھروں سے باہر نکلی ہیں۔ اس کے تحفظ سے بھی محروم ہو گئی ہیں۔''

وہ سب جب کھانے کی میز پر اکٹھی ہوتیں تو وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی اور گھنٹوں تجزیہ کرتی رہتی کہ اس نے اس طرح آ کر شاید غلط کیا ہے۔

• ماں جی اور عادل بھائی اور بی آپا وہ سب کتنے اچھے تھے۔

کبھی کبھی لالہ بھی اسے اکساتی کہ وہ چلی جائے واپس حویلی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

مسز ساجدہ کا خیال تھا۔

''ایک بار جو گھر سے نکل آئے' وہ کسی نیک مقصد کے لیے ہی کیوں نہ نکلے' واپسی کی راہیں اس کے لیے مسدود ہو جاتی ہیں۔''

اور اس کا تو اپنا کوئی گھر تھا ہی نہیں' اسے کہاں جانا تھا۔ کئی دفعہ اس نے سوچا تھا کہ وہ باہر نکلے اور خود کہیں نوکری تلاش کرے۔

کسی پرائیویٹ اسکول میں ہی جا کر پتا کرے لیکن مسز ارباب کے خوف سے اکیلے باہر نکلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

لیکن جب ہولے ہولے وہ مسز ارباب کے خوف سے آزاد ہوگئی تو پھر جاب تلاش کرنے لگی تھی۔

ایسے میں پندرہ دن پہلے آنٹی نے اسے بلایا تھا۔

"سنو مریم! تم ٹیوشن کرلوگی؟"

"جی۔"

"میری جاننے والی ہیں بہت اچھی اور نائس خاتون ہیں' ان کے بچوں کو پڑھانا ہے۔ دو بیٹیاں ہیں' بڑی میٹرک میں پڑھتی ہے اور دو بیٹے ہیں چھوٹے۔ ایک ففتھ میں ہے اور ایک فورتھ میں۔ تین ہزار ٹیوشن ملے گی' پڑھالوگی نا؟"

"جی جی کیوں نہیں۔" وہ ایک دم خوش ہوگئی تھی۔

فی الحال یہی غنیمت تھا۔ پھر لالہ کو بتا کر وہ آنٹی کے ساتھ مسز علی سے ملی تو وہ اچھی لگیں۔ بچے بھی بہت سلجھے ہوئے تھے۔ خاص کر رومی کو دیکھ کر اسے تیمور بہت یاد آتا تھا۔

رومی اسے بالکل تیمور کی طرح ہی لگا تھا۔

اس کی طرح ذہین۔

اور اسی کی طرح چھوٹے چھوٹے سوال کرتا۔

ان پندرہ دنوں میں وہ ان سے خاصی مانوس ہوگئی تھی اور اب کبھی کبھار پڑھانے کے بعد مسز علی سے گپ شپ لگالیتی تھی۔ وہ واقعی بہت نرم مزاج کی نفیس سی خاتون تھیں اور ان کے شوہر کو آج تک اس نے دیکھا نہیں تھا۔ عموماً جب وہ پڑھا کر واپس آرہی ہوتی تو ان کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوتی تھی۔

بچے اور مسز علی بھی اس کی پڑھائی سے مطمئن تھے اور آج دیر ہوگئی تھی "کیا سوچیں گی مسز علی۔" مضطرب ہوکر اس نے پھر وقت دیکھا۔ تب ہی سفید کرولا قریب سے گزری تو اس میں سے جھانکتے ہوئے بچے پر اس کی نظر پڑی۔ وہ چونکی۔

گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

"یہ...... یہ مور تھا...... مور ہی تھا نا۔" وہ بڑبڑائی۔

پلک جھپکتے میں اس نے دیکھا تھا۔ اس کی نظر اس سے ملی تھی۔ چہرے پر پہلے حیرت اور پھر خوشی کے رنگ پھیلتے اس نے دیکھے تھے۔ اس کا منہ ذرا سا کھلا تھا اور کرولا آگے بڑھ گئی تھی بلاشبہ وہ مور تھا۔

"لیکن مور یہاں...... کون تھا اس کے ساتھ۔" اس نے سوچا۔ تبھی پیچھے سے بس آگئی اور وہ تیزی سے بس کی طرف بڑھ گئی اور سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا' سفید کرولا ٹریک لے کر واپس مڑ رہی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے تیمور! وہ مریم ہی تھی؟" پروفیسر عادل نے کوئی گیارہویں بار تیمور سے پوچھا۔

"بالکل وہ موموہی تھیں۔ کیا میں مومو کو پہچان نہیں سکتا۔" تیمور بہت ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا "وہ مومو تھیں' انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ وہ ابھی مجھے بلائیں گی' بھاگ کر ادھر آئیں گی۔ میں نے سوچا مگر وہ تو کہیں بھی نہیں اور بس میں بیٹھ کر چلی گئیں۔"

وہ پورے یقین سے کہہ رہا تھا لیکن پروفیسر عادل کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"وہ بھلا یہاں کیسے۔ کراچی میں کون ہے اس کا۔" جب تک وہ تیمور کی بات پر دھیان دیتے اسٹاپ پر موجود لوگ بس میں بیٹھ چکے تھے۔ انہوں نے یقین و بے یقینی کے درمیان گاڑی کو ٹرن دیا تھا اس لیے وہ بس کے پیچھے بھی نہ جاسکے تھے۔ اور جب انہیں تیمور کی بات پر کچھ یقین آنے لگا تھا' تب شام پانچ بجے سے رات آٹھ بجے تک انہوں نے اس اسٹاپ کے کتنے ہی چکر لگائے تھے لیکن وہ انہیں کہیں دکھائی نہ دی تھی۔

جب تیمور نے انہیں بتایا تھا کہ وہاں اسٹاپ پر مومو کھڑی تھیں تو تھوڑی دیر کو تو انہیں اپنی سماعت پر اعتبار ہی نہیں آیا تھا۔

"وہاٹ۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے تیمور کو دیکھا۔

"وہ...... وہ مومو تھیں' بلیومی عادل بھائی۔ میں نے انہیں دیکھا ہے' وہاں اسٹاپ پر۔" اس کا چہرہ تمتمارہا تھا اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

ایک لمحے کو انہیں یوں لگا تھا جیسے خدا اچانک ہی ان پر مہربان ہوگیا ہو۔

وہ دو دن قبل کراچی آئے تھے۔ مسرور کی ایگزیبیشن کے سلسلے میں آخری انتظامات دیکھنے آئے تھے۔ مسرور کا کام مکمل تھا اور انتہائی چونکا دینے والا...... انہیں یقین تھا کہ وہ بہت جلد اپنا ایک نام اور مقام بنالے گا۔ اگرچہ وہ ذہنی طور پر بہت پریشان تھے لیکن وہ ایگزیبیشن میں تاخیر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ویک اینڈ پر وہ عاشی کو لے کر حویلی گئے تو ماں جی اور بی آپا نے ان کا گھیراؤ کرلیا۔

"اب تم نے کیا سوچا ہے عادل؟" ماں جی نے پوچھا تو انہوں نے حیرانی سے ماں جی کی طرف دیکھا۔

"کس سلسلے میں؟"

"شادی کے متعلق۔"

"آپ جانتی ہیں ماں جی۔"

"لیکن اب جبکہ مریم کا کچھ اتا پتا نہیں تو۔ معلوم نہیں وہ کہاں چلی گئی ہے۔ عادل زندگی کا کیا بھروسا' کب تک انتظار کروں گی۔ میں کہیں تمہاری خوشی دیکھنے کی حسرت لیے ہی نہ چلی جاؤں۔"

"ماں جی پلیز' ایسی باتیں مت کریں۔" انہوں نے تڑپ کر ماں جی کی طرف دیکھا۔

"عادل' میں نے کبھی تمہاری کسی بات پر اعتراض نہیں کیا۔ میری خواہش تھی کہ حریم تمہاری دلہن بن کر اس حویلی میں آئے۔ تمہارے دادا کی بھی یہی خواہش تھی لیکن تمہاری مرضی نہیں تھی تو میں نے کبھی تمہیں مجبور نہیں کیا' مریم اچھی بچی تھی۔ میں نے تمہاری خواہش کا احترام کیا لیکن اب وہ جب نہیں ہے۔"

اور انہیں لگا جیسے کسی نے ان کا دل نوچ کر باہر پھینک دیا ہو۔

"وہ ہے ماں جی۔ ایسا مت کہیں۔ وہ ہے اس دنیا میں ہی ہے لیکن ہماری نظروں سے چھپ گئی ہے۔" انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔

"عادل' تمہارے چاچا چند دن پہلے میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے پہلی بار اپنی زبان سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے بھائی عبدالرحمٰن سے کہا ہے کہ تم سے بات کروں گی۔"

"ماں جی پلیز۔" انہوں نے التجا کی۔

"دیکھو عادل' اب زیادہ انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مریم کو واپس آنا ہوتا تو اب تک آ چکی ہوتی۔ تم نے خود بتایا تھا کہ اس نے میڈم نرگس سے رابطہ کیا تھا۔ تم اجازت دو تو میں بھائی عبدالرحمٰن سے ہاں کر دوں۔"

"نہیں ماں جی۔" وہ تڑپ گئے "تھوڑا سا وقت دیں ماں جی۔ میں مریم کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے وہ اپنی ماما کے پاس باہر چلی گئی ہو۔ میں واپس لاہور جا کر میڈم سے ان کا ایڈریس لیتا ہوں۔"

"نہیں عادل' پہلے ہی......"

ماں جی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تو بات نامکمل چھوڑ دی۔ اور ذرا دیر بعد بولیں۔

"ٹھیک ہے اگر دو ماہ تک مریم کا پتا نہ چلا تو میں بھائی عبدالرحمٰن سے حریم کا رشتہ مانگ لوں گی۔"

اور وہ صرف بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

"بی آپا' آپ ہی ماں جی کو سمجھائیں۔ مریم نہیں تو کوئی نہیں۔" شام میں بی آپا کے پاس جا کر انہوں نے التجا کی۔

"عادل' ماں جی ٹھیک کہتی ہیں۔ تم نے پہلے ہی انہیں بہت انتظار کروایا ہے۔"

"آپ تو سب جانتی ہیں بی آپا۔" وہ روہانسے ہو رہے تھے۔

"تم سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہو عادل۔" بی آپا نے انہیں سمجھایا "ماں جی کی طبیعت نرم گرم رہتی ہے اور مراد بھائی جب بھی فون کرتے ہیں' مجبور کرتے ہیں کہ ان کے پاس جا کر رہوں لیکن ماں جی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ تم شادی کر لو تو مجھے بھی اطمینان ہو جائے گا۔"

"تو میں ماں جی کو ساتھ لاہور لے جاؤں گا۔ آپ مراد بھائی کے پاس چلی جائیں۔"

"یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے عادل۔"

اور وہ دل ہی دل میں بی آپا سے خفا ہو کر اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔

"مگر بی آپا کا بھی بھلا کیا قصور' اپنے دل کی کیفیات سے وہ خود ہی باخبر تھے اور وہ خدا جانے کہاں چھپ کر بیٹھ گئی تھی اور کیا وہ اس لیے ملی تھی کہ اسے بچھڑ جانا تھا اگر وہ نہ ملتی تو شاید ماں جی کی بات ماننا ان کے لیے اتنا مشکل نہ ہوتا...... مگر اب جبکہ وہ موجود تھی' یہیں کہیں اسی دنیا میں تو کسی اور کے سنگ زندگی بتانا کس قدر مشکل تھا۔

وہ اسے کہاں تلاش کریں......

انہیں کچھ سمجھ نہ آتی تھی۔ پھر بھی ایک بار دوبارہ انہوں نے اسے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ زینب ولا بھی گئے لیکن شریف اور صفو بھی اس کے کسی عزیز کا پتا نہ بتا سکے۔

نہ ہی زینب واپس آئی تھیں۔

اور نہ ہی میڈم نرگس سے ملاقات ہو سکی۔ وہ اپنے چیک اپ کے لیے ملک سے باہر گئی ہوئی تھیں۔ ان کی گاڑی ایک بار پھر بے مقصد لاہور کی سڑکوں پر چکر لگانے لگی تھی۔ کالج سے آتے ہی وہ گاڑی لے کر نکل جاتے تھے لیکن مریم کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ ایسے میں مسرور کی تصویروں کی ایگزیبیشن کا کام بھی مکمل ہو گیا تھا۔ مدنی صاحب کے کہنے پر ضرار صاحب نے انہیں فون کیا تو وہ خود کراچی جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ کراچی کا پروگرام بنا کر حویلی آئے تو تیمور بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"عادل بھائی میں نے کبھی سمندر نہیں دیکھا۔ آپ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔"

"مگر بیٹا آپ کی تو چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں۔"

وہ موسم بہار کی چھٹیاں گزارنے آئے ہوئے تھے۔

"نہیں ابھی دو تین دن رہتے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ تیمور کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔ وہ پوری کوشش کرتے تھے کہ اسے کوئی کمی محسوس نہ ہو۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں۔ وہ مریم کو بہت پیارا تھا۔ سو انہیں بھی بہت پیارا تھا اس سے۔ وہ ان سے مریم کی باتیں کرتا تھا تو ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کی باتیں سنتے رہیں۔

"مومو میری دوست ہے۔" وہ انہیں بتاتا۔

اور انہیں اس کے پاس سے مریم کی خوشبو آتی ہے۔

پھر ماں جی نے اس کی سفارش کی تھی۔

وہ ماں جی کو بہت پیارا ہو گیا تھا۔ ویک اینڈ پر آتا تو ان ہی کے کمرے میں سوتا۔ ان سے کہانیاں سنتا کاٹی سے بھی اس کی دوستی ہو گئی تھی۔ سو وہ تیمور کو ساتھ ہی لے کر کراچی آ گئے تھے۔

"وہ مومو ہی تھیں نا عادل بھائی۔" تیمور نے ان کا بازو پکڑ کر ہلایا تو وہ چونکے۔

"شاید۔" انہوں نے اسے دیکھا ہی کب تھا کہ وہ اس کی تصدیق کرتے۔

"اب آپ ادھر ہی رہ کر انہیں ڈھونڈیں گے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"اس اتنے بڑے شہر کراچی میں وہ کہاں اسے ڈھونڈیں گے۔" لیکن پھر بھی آس کا دیا جل اٹھا تھا۔

"کیا وہ مل جائیں گی؟" تیمور آس بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تم دعا کرنا مور۔" انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے "خدا بچوں کی دعا سنتا ہے۔"

"میں دعا کروں گا لیکن میں ان سے بولوں گا نہیں۔ ناراض ہو جاؤں گا ان سے۔"

وہ مسکرا دیے "وہ ملے تو۔" انہوں نے سوچا۔

صبح انہوں نے واپس جانا تھا لیکن ایک ہفتے کے بعد پھر انہیں نمائش کے سلسلے میں آنا تھا۔

"صبح نہیں جائیں گے نا؟" تیمور نے دوبارا اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں صبح تو واپسی ہے۔ آپ۔ کو پتا ہے نا کہ آپ کی چھٹیاں آج ختم ہو گئی ہیں۔"

"جی۔" تیمور اداس ہو گیا۔

آج تو وہ کسی صورت نہیں رک سکتے تھے لیکن انہیں آنا تھا یہاں...... اور انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ کالج سے لمبی چھٹی لیں گے اور یہاں کراچی میں رہ کر وہ اسے تلاش کریں گے۔

"میں آپ کو چھوڑ کر پھر آؤں گا نا۔"

"اور مومو مل جائیں گی آپ کو۔"

"بس آپ دعا کرنا۔"

"اور مومو کہتی تھیں کہ میں ان کا دوست ہوں اور میرے ہوتے ہوئے انہیں کسی کا خوف نہیں ہے پھر بھی وہ چلی گئیں۔" تیمور بولتا رہا۔ وہ خاموش خالی الذہن سے بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے۔ ہمیشہ کی طرح تیمور، مومو اور پاپا کی باتیں کرتا کرتا سو گیا۔

نو بجے ان کی فلائٹ تھی۔

ضرار صاحب نے سویرے ہی گاڑی ہوٹل بھیج دی تھی۔

ایئر پورٹ جانے سے پہلے وہ پھر اسی اسٹاپ پر آئے تھے۔ اسٹاپ تقریباً خالی تھا۔ ایک دو بوڑھے شخص کھڑے تھے۔ بے حد مایوس ہو کر انہوں نے ڈرائیور کو ایئر پورٹ چلنے کا کہا اور سوچا۔

"کیا خبر تیمور کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ ایک جھلک ہی تو دیکھی تھی اس نے۔"

"پھر بھی۔"

انہوں نے سوچا جب وہ کراچی آئیں گے تو اس اسٹاپ کو ضرور چیک کریں گے۔ کیا خبر وہ کہیں آس پاس ہی رہتی ہو یا جاب کرتی ہو۔ ایئر پورٹ کی طرف جاتے ہوئے ان کی نظر ایک اسکول پر پڑی اور انہوں

نے سوچا تھا وہ اس اسکول کو ضرور چیک کریں گے۔ ممکن ہے، مریم یہاں ہی اسی اسکول میں جاب کرتی ہو اور اسی یقین کے سہارے جب وہ دوبارہ آئے تو سیدھے اسکول پہنچ گئے۔

"سنیں، یہاں مس مریم ہیں تو پلیز انہیں بلا دیں۔" انہوں نے چوکیدار سے کہا۔

چوکیدار نے سر سے لے کر پاؤں تک انہیں دیکھا۔

"آپ انتظار کریں۔ ابھی بلاتا ہوں۔"

"تو...... تو مریم یہاں ہی ہے۔" ان کا دل جسم کے ہر حصے میں دھڑکنے لگا۔ تب ہی چوکیدار نے بتایا۔

"میڈم مریم پیریڈ لے رہی ہیں۔ فارغ ہو کر آتی ہیں آپ انتظار کر لیں۔"

دھک دھک ان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ صدی بن کر گزر رہا تھا۔

"مریم آئے گی تو اس سے گلہ کریں گے۔ اس سے پوچھیں گے اس نے ایسا کیوں کیا۔ کیوں ان پر اعتبار نہ کیا...... آج وہ دل کی ہر بات اس سے کہہ دیں گے۔"

"وہ سب جو وہ اس کے متعلق سوچتے تھے۔"

"سارے جذبوں کا اظہار کر دیں گے۔"

"بہت انتظار کیا انہوں نے۔"

ادھر سے ادھر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے وہ سوچتے رہے۔

اور خدا خدا کر کے پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی اور ان کی نگاہیں دروازے کی سمت لگ گئیں۔ تب ہی ایک خاتون اندر داخل ہوئیں۔

گہرا سانولا رنگ اور قدرے بھاری جسم۔

وہ جو آہٹ پر ایک دم آگے بڑھے تھے، وہیں ٹھٹک کر رک گئے۔

"آپ۔" خاتون نے ان کی طرف دیکھا "آپ پلیز کیوں ملنا چاہتے تھے مجھ سے۔ کیا آپ کا کوئی بچہ یہاں پڑھتا ہے؟"

"وہ تو میں مس مریم سے ملنے آیا تھا۔"

"جی، میں مس مریم ہوں۔"

"کیا آپ کے علاوہ کوئی اور مس مریم نہیں ہیں؟" انہوں نے ڈوبتی آواز میں پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"سوری، مجھے غلط فہمی ہوئی۔"

وہ انہیں حیران چھوڑ کر ایک دم باہر نکل گئے۔ نینا اور تیمور کو مری چھوڑ کر انہوں نے مسرور کو لاہور بلایا تھا۔ ایک دو دن جو انتظامات میں لگے تھے۔ وہ بہ مشکل انہوں نے گزارے تھے۔ کل مسرور کی تصاویر کی

نمائش شروع ہو رہی تھی اور کم از کم ایک ہفتہ یہ نمائش جاری رہنا تھی لیکن ان کا پروگرام زیادہ دن تک رہنے کا تھا۔ وہ یہاں رہ کر مریم کو تلاش کرنا چاہتے تھے۔ ایک ماہ گزر گیا تھا اور ماں جی نے انہیں صرف دو ماہ کا وقت دیا تھا۔ انہیں لگتا تھا جیسے ہر گزرتا دن ان کے گرد دائرہ تنگ کرتا جا رہا ہو۔

کبھی انہیں لگتا وہ ناکام و نامراد رہ جائیں گے۔

اور کبھی لگتا جیسے مریم انہیں مل جائے گی۔

اسکول سے باہر نکل کر بہت دیر تک وہ یوں ہی اسٹیئرنگ کو تھامے خالی الذہن سے بیٹھے رہے۔ پھر قریب سے ایک گاڑی ہارن بجاتی گزری تو انہوں نے چونک کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ہوٹل میں مسرور کے ساتھ شہریار کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

''آپ شہریار! آپ کب لوٹے وطن؟''

''تقریباً تین ماہ ہو گئے۔''

شہریار انہیں پہلے کے مقابلے میں بہت کمزور اور سنجیدہ سا لگا۔

''آپ کچھ بیمار رہے ہیں؟''

''ہاں کافی۔'' شہریار کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

''اوہ یاد آیا کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہو گیا تھا آپ کا۔ مسرور نے بتایا تو تھا۔'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے مسرور کی طرف دیکھا۔

''ضرار صاحب کا فون وغیرہ تو نہیں آیا تھا؟''

''جی آیا تھا وہ کچھ دیر میں گاڑی بھیج رہے ہیں۔ تصاویر وغیرہ میں نے آپ کے جاتے ہی بھجوا دی تھیں۔ ضرار صاحب نے ہی پک اپ بھیجی تھی۔'' مسرور نے تفصیل سے بتایا۔

''اور سنائیں ڈاکٹر شہریار۔ کیسی رہی آپ کی اسٹڈی؟'' مسرور کی بات سن کر وہ شہریار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''بس ہو گئی۔''

''اور آج کل کیا کر رہے ہیں۔''

''جناح اسپتال میں جاب کر رہا ہوں۔''

''یعنی یہاں کراچی میں!''

''جی۔''

''اور وہ ارسلان اور ارمغان دونوں کیسے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں؟ عرصہ ہوا وہ لوگ آئے نہیں۔''

''دونوں جاب کر رہے ہیں اور مزے میں ہیں۔ ارسلان تو ان دنوں پشاور میں ہے اور ارمغان فیصل

آباد میں ہے۔''

''اور وہ ان کی سیاست سے دلچسپی اور شاعری کا سلسلہ کیسا چل رہا ہے؟''

مسرور کو چائے منگوانے کا کہہ کر وہ شہریار کی طرف متوجہ ہوئے۔

''معلوم نہیں سر...... میرے آنے پر دونوں آئے تھے ملنے' ایک دن رہ کر چلے گئے۔ زیادہ بات نہیں ہوئی۔ انھوں نے پھر چھٹی لے کر آنے کا کہا تھا لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی مجھے یہاں جاب مل گئی اور میں کراچی آ گیا۔''

''تم واپس رافع اسپتال میں کیوں نہیں گئے۔ وہاں اپنا گھر بھی تھا اور میرے خیال میں ڈاکٹر رافع تمہاری واپسی پر خوشی محسوس کرتے۔ ایک دو بار ملاقات ہوئی تھی میری ان سے۔ تمہیں یاد کر رہے تھے۔''

''جی سر...... لیکن پتا نہیں کیوں مجھے لگتا تھا جیسے میں لاہور میں رہ نہیں پاؤں گا۔ دم گھٹتا تھا میرا۔ یہاں میرا ایک کلاس فیلو جاب کر رہا تھا۔ اس سے بات ہوئی تو اس نے بلا لیا کہ جگہ ہے آ جاؤ۔''

''لاہور میں دم گھٹتا تھا۔''

پروفیسر عادل نے دل ہی دل میں دہرا کر شہریار کی طرف دیکھا۔ انہیں شہریار بے حد ڈسٹرب اور پریشان لگا تھا۔ وہ اس شہریار سے بالکل مختلف تھا جو پہلے انہوں دیکھا تھا۔

''سر' بعض اوقات بڑا عجیب اتفاق ہوتا ہے۔'' انہیں سوچ میں ڈوبے دیکھ کر شہریار نے کہا۔

''میں ابھی کل ہی سوچ رہا تھا کہ آپ سے ملوں' آپ کے پاس بیٹھوں اور آپ سے بہت ساری باتیں کروں شاید سکون ملے اور صبح ہی مسرور کا فون آ گیا کہ وہ یہاں ہے آپ کے ساتھ۔ آج یوں بھی میری نائٹ تھی۔ میں نے سوچا کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔''

''ہاں' میں جب سے آیا ہوں دیکھ رہا ہوں کہ ڈاکٹر شہریار' آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی پریشانی میرے ساتھ شیئر کر سکتے ہیں۔ شاید میں آپ کے کام آ سکوں۔''

''پریشانی۔ کیا وہ اپنی پریشانی کسی کے ساتھ شیئر کر سکتا ہے۔'' شہریار نے سوچا۔

زندگی نے اس کے ساتھ کیسا مذاق کیا تھا۔

وہ ایک لڑکی جو دل کو اچھی لگی تھی۔

جس کے سنگ زندگی گزارنے کا خواب اس نے دیکھا تھا۔ وہ ایک لڑکی اس کا نصیب نہ بن سکی۔

وہ خواب بے تعبیر رہ گیا۔

اور اس کی آنکھوں سے یہ خواب چھیننے والے بھی اس کے اپنے تھے۔

وہ اپنے جن سے اس نے از حد محبت کی تھی۔

اور جنہوں نے اسے پالا پوسا اور بڑا کیا تھا۔

محبتیں دی تھیں۔ مان دیا تھا اور تحفظ دیا لیکن پھر ان ہی چاہنے والوں نے اس سے ان محبتوں کا خراج لے لیا۔

صلے میں اس کی زندگی چھین لی۔

اور وہ انہیں روک بھی نہ سکا کہ اس کی گردن ان کے احسانوں کے بوجھ تلے جھکی ہوئی تھی۔

"بابا ایسے تو نہ تھے۔"

"وہ تو خود مریم سے پیار کرتے تھے۔ انہوں نے خود اسے مریم کے لیے سوچنے کو کہا تھا۔ وہ کتنا خوش تھا۔"

دنیا اسے اتنی خوب صورت کبھی نہ لگی تھی جتنی ان دنوں لگتی تھی مگر پھر جیسے اس کے گرد سارے رنگ مر گئے تھے۔

ساری خوبصورتیاں ختم ہو گئی تھیں۔

وہ کتنی ہی دیر حیران سا بابا کو دیکھتا رہا تھا اور اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ سکندر ماموں ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اسے لگتا تھا جیسے کسی نے اس کا دل سینے سے نوچ کر پاؤں تلے مسل ڈالا ہو اور مریم کتنی کمزور دل تھی۔

ذرا ذرا سی بات پر وہ رو دینے والی۔

اپنی ماما کے رویے سے شاکی۔

ہر وقت پاپا کے لیے پریشان...... گھبرائی گھبرائی سی لیکن اس کی محبت نے کتنا اعتماد بخش دیا تھا اسے......اور پھر سارے خواب بکھر گئے۔ وہ مریم سے اپنی آخری ملاقات نہیں بھول سکا تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔

پھر اس نے ملک سے باہر جانے کا سوچا۔

یہاں رہ کر وہ مریم سے دور نہیں رہ سکتا تھا اور وہ اس سے ملتی نہیں تھی۔

"جو راستے منزلوں تک نہ لے جائیں شہریار ان پر چلنے سے فائدہ۔" ایک بار اس نے کہا تھا۔

"میرے راستے تو تمہاری طرف ہی آتے ہیں۔"

اس نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن پتا نہیں کیوں وہ اتنی مایوس کیوں تھی۔ اسے خود پر اعتبار نہیں تھا یا اس پر۔"

کتنا یقین دلایا تھا اس نے اسے لیکن وہ جاتے لمحے اس سے ملنے بھی نہیں آئی تھی حالانکہ اس نے وعدہ بھی کیا تھا اور پھر اس نے وہاں سے اسے خط بھی لکھا تھا لیکن مریم نے اسے جواب نہیں دیا تھا جبکہ عینی نے بتایا تھا کہ وہ پریشان ہے اور ایک بار پھر اسے یقین دلانا چاہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

ہر دکھ اور ہر خوشی میں۔

جب وہ اسے آواز دے گی وہ آ جائے گا۔

ساری زنجیریں اور سارے رشتے توڑ کر۔

لیکن اس نے اسے آواز نہیں دی تھی۔

اور وہ خود دنیا کی بھیڑ میں کھو گئی تھی۔

عینی نے اسے بتایا تھا۔

وہ اپنی ماما سے ناراض ہو کر کہیں چلی گئی ہے۔ کہاں؟ یہ علم نہیں۔

"اس کی ماما نے غضنفر ملک سے بالکل اچانک شادی کر لی تھی۔ یہ دکھ یقیناً بہت بڑا تھا لیکن وہ اتنی ناسمجھ تو نہیں تھی کہ وہ اس بات پر گھر چھوڑ دیتی جبکہ اسے عاشی نینا اور تیمور سے بہت پیار تھا۔ یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہوگی۔ بہت ہی دکھ دینے والی۔"

اس نے سوچا تھا اپنی پڑھائی نامکمل چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ بے حد تھکا تھکا اور نڈھال سا۔

"تم شہریار۔" بابا اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"اچانک۔" ماں جی نے بھی ان کی پیشانی چومتے ہوئے پوچھا تھا "اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"بس یوں ہی۔"

بابا نے اسے گلے لگاتے ہوئے بہت غور سے دیکھا۔

"شیری اسٹڈی تو مکمل کر لیتے۔"

اس نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا اور سر جھکا لیا۔

انہیں جیسے القا ہو گیا تھا کہ وہ یوں ہی چلا آیا ہے، تعلیم نامکمل چھوڑ کر۔

"بہت کمزور ہو گئے ہو۔" صالحہ بیگم کی نظریں بار بار اس کے چہرے کی طرف اٹھتی۔

اور کتنے محبت کرنے والے تھے یہ سب۔ کسی موڑ پر کسی لمحے انہوں نے اسے یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ ماں باپ جیسے شفیق رشتوں سے محروم ہے انہوں نے اس کی ہر خواہش پوری کی تھی لیکن......

اس روز بھی وہ کتنی ہی دیر تک سوچتا رہا تھا کہ بابا چاہتے تو شاید سکندر ماموں کو منا لیتے۔

اور اس رات جب وہ بابا کے پاس ان کے بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا تھا تو انہوں نے کہا تھا۔

"شیری! میں نے سوچا، جب تم آؤ گے تو تمہیں سرپرائز دوں گا لیکن......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں نے سکندر سے کہا تھا یار! میں نے زندگی میں آج تک کبھی شیری کی کوئی بات نہیں ٹالی۔ یاد ہے تمہیں، تم تیراکی سیکھنا چاہتے تھے لیکن تمہاری ماں کو پانی سے خوف آتا تھا اور جب ایک بار ارسل نے آ کر بتایا کہ تم اسکول سے چھٹی کے بعد تیرنے چلے جاتے ہو تو تمہاری ماں نے تمہیں سختی سے منع کر دیا تھا اور تم سے کہا تھا کہ اگر تم تیر... نے گئے تو وہ تم سے ناراض ہو جائیں گی اور تم سے کبھی بات نہیں کریں گی اور تم اگلے

روز اسکول سے سیدھے گھر آئے تھے لیکن کھانا کھا کر برآمدے میں افسردہ سے بیٹھ کر اسکول کا کام کرنے لگے تھے اور مجھ سے تمہاری افسردگی دیکھی نہ گئی تھی اور پھر میں خود ہی دوسرے دن تمہیں تیراکی سکھانے کے لیے نہر پر لے گیا تھا اور صالحہ کو خبر تک نہیں ہوئی تھی' یاد ہے نا؟"

"جی بابا۔"

وہ بھولا ہی کب تھا۔ اسے تو ایک ایک بات یاد تھی۔ بابا ارسل اور منے کو بعض اوقات نظرانداز بھی کر جاتے تھے لیکن اس کی ہر ضرورت کا انہیں خیال رہتا تھا۔ کبھی وہ احتجاج بھی کرتا۔

"بابا میرے جوتے تو ابھی بالکل نئے ہیں' آپ ارسل کو نئے جوتے خرید دیں۔"

لیکن بابا اس کے احتجاج کی رتی بھر پروا نہیں کرتے تھے۔

"تم میری بہت لاڈلی' بہت پیاری بہن کے بیٹے ہو شیری' میرے اختیار میں ہو تو میں دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔"

اور یہی باتیں تو تھیں جنہوں نے اسے زنجیر کر دیا تھا۔

وہ ایک بار بھی ان سے نہ کہہ سکا تھا۔

"بابا' مریم میری خواہش ہے۔"

"میری آرزو ہے۔"

"میں اس کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"میں نے صرف اس کے سنگ زندگی گزارنے کے خواب دیکھے ہیں۔"

"صرف اسی کا ساتھ چاہا ہے۔"

"تو" بابا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں نے سکندر سے کہا میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے عنبر دکھائی دیتی ہے۔ گلہ کرتی' شکوہ کرتی' شہریار کے لیے اداس اور پریشان۔ میں نے اس سے کہا سکندر یار' ہم تم اپنی زندگی گزار چکے۔ اب ہمارے بچوں کی باری ہے۔ اگر کچھ غلط بھی ہے تو انہیں ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے دو۔"

انہوں نے مسکرا کر اس کے کندھے تھپتھپائے "میں نے سوچا تھا یار تم آؤ گے تو پھر ہم مریم کی طرف جائیں گے۔ کتنا اچھا سرپرائز تھا میرے پاس تمہارے لیے...... لیکن وہ بچی......" انہوں نے گہری سانس لے کر اس کے کندھے سے ہاتھ اٹھا لیے۔ وہ کتنی ہی دیر تک یقین و بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتا رہا۔

ایک لمحے کے لیے اسے کائنات اپنے اردگرد رقص کرتی دکھائی دی۔

"مریم' مریم دیکھو' میں نہ کہتا تھا' ہماری منزل ایک ہے۔ ہمارے راستے ایک ہیں۔" اس نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا اور سر اٹھا کر بابا کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں تاسف اور دکھ کی ملی جلی کیفیت

تھی اور کائنات کی گردش تھم گئی۔ اس نے سر جھکا لیا اور انتہائی شعوری کوشش سے اپنے آنسوؤں کو امڈ آنے سے روکا۔

یہ کیسی خوشی خبری سنائی تھی بابا نے جو دکھ سے بوجھل تھی۔

رات کتنی ہی بار اس نے عینی سے پوچھا تھا "عینی کیا مریم نے تم سے کچھ نہیں کہا؟"

"نہیں' بس مجھے اتنا پتا ہے کہ وہ بہت اپ سیٹ تھی' اپنی ماما کی شادی سے اور ان کے سسرالی عزیزوں کی آمد سے جو زینب ولا میں مقیم تھے کیونکہ عاشی انہیں قبول نہیں کر رہی تھی۔"

"وہ تو تمہاری اتنی گہری دوست تھی۔ اتنے قریب تھی تمہارے پھر بھی اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ تم اس سے اتنی دور کیوں ہو گئی تھیں۔" اس نے گلہ کیا۔

"میں دور نہیں ہوئی تھی شیری بھائی۔ بس وہ خود ہی دور چلی گئی تھی۔"

کوئی دوست' کوئی عزیز رشتے دار کہاں جا سکتی تھی۔ وہ' سب کچھ تو جانتا تھا وہ ایک ایک بات بتائی تھی مریم نے۔ عینی کے علاوہ کسی اور سے اس کی دوستی نہ تھی۔ کوئی ایسا عزیز نہ تھا۔ حویلی وہ گئی نہیں تھی۔

پروفیسر عادل خود پریشان تھے عینی نے بتایا تھا کئی بار انہوں نے اس کا پوچھا تھا۔ عاشی نے کئی بار ون کیا تھا۔

وہ کہاں اسے ڈھونڈے؟

اس کا دم گھٹنے لگا۔ یہ وہی لاہور تھا۔ جہاں وہ اسے ملی تھی اور جہاں بچھڑ گئی تھی۔ سو وہ کراچی بھاگ آیا ما۔ حالانکہ سکندر ماموں کی کتنی شدید خواہش تھی کہ وہ گاؤں آ جائے اور ان کے ساتھ کام کرے۔

انگلینڈ جانے سے پہلے بھی انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور اب بھی انہوں نے اس سے کہا تھا۔

"شیری تم گاؤں کیوں نہیں آ جاتے۔ یہاں تمہاری ضرورت ہے۔ اب تو آس پاس سے سب ہی یہاں آنے لگے ہیں۔"

لیکن وہ سب کے سامنے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے دیکھ دیکھ کر بابا اور ماں جی پریشان ہوں۔ اسے اپنے اوپر اعتبار نہیں رہا تھا۔ کئی بار وہ خود پر سے اعتبار کھو بیٹھا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے کسی دن اس کا دل پھٹ جائے گا۔

"پتا نہیں وہ کہاں ہو گی؟"

"کیسی ہو گی۔"

اسے سوچتی بھی ہو گی یا نہیں۔

"کیا سوچنے لگے شہریار؟" پروفیسر عادل نے اسے سوچتے دیکھ کر پوچھا تو وہ چونک کر مسکرا دیا۔

بہت دل شکستہ اور افسردہ مسکراہٹ تھی۔

"کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں شہریار؟"

"نو سر' کچھ بوجھ ہمیں تنہا اٹھانے ہوتے ہیں۔"

وہ ان سے کیسے اپنا دکھ شیئر کر سکتا تھا۔ مریم ان کی بہن تھی۔ سوتیلی ہی سہی۔ عینی نے بتایا تھا کہ وہ بھی اس کے لیے پریشان تھے اور وہ کتنی دیر تک سوچتا رہا تھا کہ جب عاشی چلی گئی تھی تو وہ کیوں نہیں گئی۔ جبکہ ماں جی اور بی آپا کی بہت تعریف کرتی تھی۔ جب وہ حویلی سے واپس زینب ولا آئی تھی تو اس نے اسے بتایا تھا۔

"پتا ہے شہریار' ماں جی کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ماں ایسی ہوتی ہیں...... ان کے سینے سے لگ کر ماں کی خوشبو آتی ہے۔"

"پھر وہ حویلی کیوں نہیں گئی۔" اس سوال کا جواب اسے نہیں مل رہا تھا۔

"ہاں' تمہاری بات صحیح ہے ڈاکٹر۔ اپنا بوجھ تنہا ہی اٹھانا ہوتا ہے۔ پھر بھی کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔"

"شاید۔" اس نے آہستگی سے کہا اور مسرور کی طرف دیکھا جو چائے لانے والے بیرے سے گاڑی کا پوچھ رہا تھا۔

"گاڑی آ گئی ہے سر۔"

اس نے مڑ کر پروفیسر کی طرف دیکھا۔

"چائے پی کر چلتے ہیں۔"

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے سر۔" اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

"کہ منزل سامنے ہوتی ہے اور راستے پاٹے نہیں جا سکتے۔ ناقابل عبور بنا دیے جاتے ہیں اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ راستے آسان ہو جاتے ہیں مگر منزل دکھائی نہیں دیتی۔"

"کیا تمہارے ساتھ ایسا ہوا ہے شہریار؟" پروفیسر عادل نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ سر جھکائے چائے پی رہا تھا۔

"ایسا ہے تو انتظار کرو ینگ مین۔ راستے آسان ہو گئے ہیں تو ایک دن منزل بھی مل جائے گی۔" انہوں نے دھیمے انداز میں اسے سمجھایا "تم جیسے ینگ آدمی کے چہرے پر مایوسی نہیں سجتی۔"

"سر کیا آپ زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہوئے؟"

"کئی بار۔ آس و نراس کا یہ کھیل تو جاری رہتا ہے لیکن میں مایوسی کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیتا...... پھر سے بجھتا دیا جلا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔"

اگرچہ کچھ دیر پہلے وہ خود از حد مایوس ہو رہے تھے لیکن انہوں نے اسے سمجھایا۔

پروفیسر عادل کی ذات میں یہ کمال تھا کہ وہ خود کتنے بھی پریشان ہوں' دوسروں کو اس کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔

"کمال آدمی ہیں پروفیسر عادل بھی۔"

پہلی بار جب ارسلان نے اسے ان کے متعلق بتایا تھا تو تبصرہ کیا تھا "خود بھلے ڈوب رہے ہوں لیکن دوسروں کو بچانے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"میرے خیال میں اب چلنا چاہیے۔ ضرار صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔" خالی کپ ٹیبل پر رکھ کر پروفیسر عادل اٹھ کھڑے ہوئے "ابھی تو ہم یہاں ہی ہیں شہریار۔ پھر دیکھیں گے کہ ہم تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں......" انہوں نے مہربان لہجے میں کہا تو وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔

کوئی بھی اس کے لیے کیا کر سکتا تھا۔ خدا ہی تھا جو اس پر مہربان ہو جاتا اور مریم اسے مل جاتی۔

اور پتا نہیں مقدر یاوری کرے گا یا نہیں۔

وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

"جی سر۔ ضرور آتا رہوں گا۔" اس نے جواب دیا "اور سر' مریم کے متعلق کچھ پتا چلا؟"

باہر نکلتے پروفیسر عادل ٹھٹک کر رک گئے اور انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا تو وہ سٹپٹا گیا۔ شاید اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا لیکن بے اختیار ہی لبوں سے نکل گیا تھا کہ ممکن ہے اس وقت تک وہ حویلی جا چکی ہو۔

"وہ...... دراصل عینی بہت پریشان تھی اس کے لیے۔"

"نہیں۔"

ان کا جواب مختصر تھا اور ان کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو گئیں۔ انہیں شہریار کے منہ سے مریم کا نام سننا اچھا نہیں لگا تھا۔ انہوں نے دوبارہ اس کے چہرے پر نظر ڈالی اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے رخ موڑ لیا اور ہوٹل کی لابی میں اپنے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مسرور کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

"مسرور بھی تو عینی کا کزن ہے پھر اس نے تو ایک بار بھی مریم کے متعلق کوئی بات نہیں کی...... کیا وہ مریم کی گمشدگی سے لاعلم ہے یا پھر اس نے مناسب نہیں سمجھا۔"

ممکن ہے' شہریار عینی سے زیادہ قریب ہو اور پھر وہ اسی گھر میں رہتا ہے جبکہ مسرور وہاں نہیں رہتا۔ یقیناً اس نے عینی سے مریم کا ذکر سنا ہو گا۔ وہ بھی کئی بار عاشی سے کہہ کر فون کروا چکے تھے اور خود بھی انہوں نے پوچھا تھا اور عاشی کے ساتھ گھر بھی گئے تھے۔

انہوں نے ہولے سے کندھے جھٹکے اور مڑ کر پیچھے سر جھکائے آتے شہریار کو دیکھا اور پھر تیز تیز چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

❁❁❁

ماسی نے میز پر کھانا لگا دیا تھا لیکن لالہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ سبین نے چاول پلیٹ میں ڈالتے ہوئے مریم کو آواز دی۔

"اب آ بھی جاؤ مریم' لالہ اب نہیں آئے گی اور اگر آ بھی گئی تو کھانا کھا کر آئے گی۔"

"لالہ آخر جاتی کہاں ہے؟" مسز ساجدہ نے کہا۔

"معلوم نہیں' شاید بوتیک پر رات کی شفٹ بھی شروع ہو گئی ہے۔"

صابرہ خاتون کے لہجے میں گہرا طنز تھا مریم کو بے حد برا لگا اور خاموشی سے آ کر ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ ایسا تو نہیں تھا کہ لالہ پوری رات باہر رہی ہو۔ ہاں اسے دیر ضرور ہو جاتی تھی۔ خدا جانے کیا بات تھی اس نے کتنی بار پوچھا بھی تھا۔

"لالہ' آج کل تم اتنی دیر سے کیوں آتی ہو؟"

"یار' تمہیں تو پتا ہے مسز ارباب کا۔ آج کل دیر تک کام کرواتی ہیں' یوں بھی بوتیک دس بجے بند ہوتا ہے۔"

"لیکن یہ لوگ باتیں کرتی ہیں۔"

"کرنے دو۔" لالہ کو پروا نہیں تھی۔

"مگر لالہ' آنٹی بھی پوچھ رہی تھیں۔"

"آنٹی سے میں خود بات کروں گی۔"

"لیکن تم بات تو کرو مسز ارباب سے۔ آخر پہلے بھی تو تم پانچ بجے آ جاتی تھیں۔ آٹھ دس تک کسی اور کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔"

"ہاں کی تھی میں نے بات لیکن مسز ارباب نہیں مانتیں نا۔"

"تم یہ جاب چھوڑ دو نا لالہ۔ یوں بھی مسز ارباب کوئی اچھی خاتون نہیں ہیں۔ تمہیں تو پتا ہے نا۔"

"چھوڑ دوں گی مریم۔ تم پریشان نہ ہو۔" لالہ نے اسے تسلی دی لیکن سبین اور ساجدہ وغیرہ کی معنی خیز باتیں اسے ٹارچر کرتی تھیں۔

پتا نہیں کیوں' وہ لالہ سے بدگمان نہیں ہو سکتی تھی۔

"لالہ بہت اچھی ہے۔"

وہ سبین وغیرہ سے کبھی کبھی تو بحث پر اتر آتی۔

"اس کی جاب ہی ایسی ہے۔ وہ کیا کرے اور نئی کوئی جاب اسے ملتی نہیں تھی جبکہ اس کی ایجوکیشن بھی مکمل نہ تھی۔ خود ماسٹرز کی ڈگری رکھنے کے باوجود اسے جاب نہیں مل سکی تھی۔ یہ تو خدا کا شکر تھا کہ آنٹی نے اس کے لیے ٹیوشن تلاش کر دی تھی...... اور لوگ بھی بہت اچھے تھے۔ اس روز اسے دیر ہو گئی تھی تو اس نے

مسز علی سے معذرت کی تھی۔

"سوری مسز علی آج بس نہیں مل سکی۔"

"کوئی بات نہیں۔" مسز علی نے حلیمی سے کہا تھا اور پھر انہوں نے اس کی سواری کا مسئلہ بھی حل کر دیا تھا۔

"ڈرائیور آپ کو لے بھی آئے گا اور چھوڑ بھی آئے گا۔"

یوں اب اسے بس اسٹاپ پر کھڑا نہیں ہونا پڑتا تھا۔ اس کے لیے وہ مسز علی کی از حد ممنون تھی۔ دن کو فارغ ہوتی تھی تو آنٹی کے پاس جا کر بیٹھ جاتی۔ آنٹی نے دو اور لڑکیوں کی ٹیوشن بھی اسے لے دی تھی جو ایف اے کے امتحان کی پرائیوٹ تیاری کر رہی تھیں اور انہیں انگلش کی تیاری کے لیے ٹیوٹر درکار تھی...... وہ دونوں گیارہ بجے ہاسٹل آ جاتی تھیں اور گھنٹا بھر پڑھ کر چلی جاتی تھیں۔

آنٹی اس پر بہت مہربان تھیں اور انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ موسم گرما کی اب چھٹیاں ہونے والی ہیں اور چھٹیوں میں کئی مزید بچے ٹیوشن کے لیے مل جائیں گے۔

یوں ایک طرح سے وہ پرسکون ہو گئی تھی لیکن کیا وہ باقی ماندہ زندگی یہاں اسی ہاسٹل میں گزار دے گی۔

"اپنے ڈیڈی کو تلاش کرو۔"

لالہ اکثر سے اکساتی تھی۔

"عاشی سے رابطہ کرو۔ حویلی میں بات کرو عادل بھائی سے۔ وہ کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ وہ لڑکی جس کو عثمان احمد نے اپنی بیٹی کی طرح پالا ہے' یوں اس طرح ہاسٹلوں میں رہے۔"

لیکن وہ نہ تو ڈیڈی کو تلاش کر سکتی تھی اور نہ ہی حویلی جانا چاہتی تھی...... آگے کیا ہو گا اس کی اسے خبر نہ تھی۔

"سنو۔ لالہ آ گئی ہے۔" باہر گاڑی کا ہارن بجا تو سبین پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور بارے تجسس کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کھڑکی سے گیٹ کے سامنے والی سڑک نظر آتی تھی۔

ریڈ سوزوکی ٹرن لے کر مڑ رہی تھی۔ اس نے سب کی طرف دیکھ کر اطلاع دی۔

"وہ آج بھی بوتیک وین میں نہیں آئی۔"

"اچھا۔" مسز ساجدہ نے بھی اچک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی۔

مریم کو از حد برا لگا۔ وہ ان سب کے متعلق کتنی اچھی رائے رکھتی تھی لیکن وہ سب کس طرح لالہ کے متعلق اندازے لگا رہی تھیں اور ہر ایک کو اپنے لگائے گئے اندازوں پر پورا یقین تھا۔

"کسی کے متعلق بدگمانی اچھی نہیں ہوتی سبین۔" اسی نے متنبہ نظروں سے سبین کی طرف دیکھا...... "بعض اوقات سچ وہ نہیں ہوتا جو آنکھیں دیکھ رہی ہوتی ہیں۔"

"تمہاری تو وہ دوست ہے نا لیکن ہم جھوٹ کو سچ نہیں کہہ سکتے اور کیا یہاں سب شریف لڑکیاں رہتی

ہیں۔ میں آنٹی سے بات کروں گی۔ اس سے ہاسٹل کی شہرت پر خراب اثر پڑتا ہے۔"

مسز ساجدہ نے بھی رائے دی۔ ہاتھ میں پکڑا چمچ مریم نے پلیٹ میں رکھ دیا اور کھڑی ہو گئی' تب ہی لالہ ڈائننگ ہال کے دروازے پر رکی۔

"ہیلو۔" سب کی طرف دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلایا۔

"آ جاؤ یار' پلاؤ پکا ہے۔" سبین نے دعوت دی۔

"اور کس قدر دوغلی ہے یہ سبین۔" مریم نے سوچا۔

"نہیں' مجھے بھوک نہیں ہے۔" لالہ نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گئی۔ مریم بھی اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔

وہ بستر پر اوندھی لیٹی تھی۔

"لالہ۔" مریم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہوں......" اس نے یوں ہی چہرہ تکیے میں چھپائے چھپائے جواب دیا۔

"تم کھانا کھا چکی ہو؟"

"نہیں' مجھے بھوک نہیں تھی۔"

مریم اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"لالہ ادھر دیکھو میری طرف' تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی "اور یہ تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے کیا پھر کسی نے میرے متعلق کچھ کہہ دیا؟"

اس نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن مریم سنجیدہ تھی۔

"تمہیں تو پتا ہے لالہ سب تمہارے متعلق فضول باتیں کرتی ہیں پھر تم کیوں انہیں موقع دیتی ہو بات کرنے کا۔"

"کرنے دو باتیں۔ میری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اگر میں صحیح ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ لوگ مجھے کیا کچھ سمجھتے ہیں۔"

"مگر لالہ' وہ آنٹی سے تمہاری شکایت کرنے کو کہہ رہی تھیں۔" مریم پریشان ہو رہی تھی۔

"کرنے دو شکایت۔ آنٹی مجھے جانتی ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کندھے جھٹکے تو......اسے کھانسی آ گئی۔

مریم نے اس کی پیٹھ سہلائی اور پانی کا گلاس دیتے ہوئے خفگی سے اسے دیکھا۔

"لالہ' تمہاری کھانسی بگڑتی جا رہی ہے اور تم ہو کہ بے پروائی کر رہی ہو۔ دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں......رنگ دیکھو کس قدر زرد ہو رہا ہے۔ صبح بوتیک سے چھٹی کرو تو ڈاکٹر کی طرف چلتے ہیں۔"

"گئی تو تھی' میں ڈاکٹر کے پاس مسز ارباب کے ساتھ چلی گئی تھی اور دوا بھی لے رہی ہوں۔"

"زہر لگتی ہیں مجھے تمہاری یہ مسز ارباب۔ ویمپائر خدا جانے کہاں لے گئی تھیں کس نیم حکیم کے پاس۔"

"بھئی ڈاکٹر کے پاس ہی لے گئی تھیں۔ دیکھ لو میرے بیگ میں اب بھی ڈھیروں دوائیں لے کر آئی ہوں۔"

"لیکن آخر ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"

"کچھ نہیں سینے کا انفیکشن ہے۔ آج بہت درد ہو رہا تھا' پسلیوں میں ادھر ادھر ہر جگہ۔ میں نے سوچا کہیں دل تو دغا نہیں دینے لگا۔ سو چھٹی میں ڈاکٹر کی طرف چلی گئی تھی۔"

"سچ بتاؤ ڈاکٹر کی طرف گئی تھیں؟" مریم نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اعزاز کی قسم' میں ڈاکٹر کی طرف گئی تھی۔"

"اور وہ ریڈ سوزوکی کس کی تھی؟"

"او تو میری جاسوسی کی جاتی ہے۔" لالہ نے زیر لب کہا تو مریم شرمندہ ہو گئی۔

"وہ سبین نے کھڑکی سے دیکھا تھا۔"

"خیر۔" لالہ نے کندھے اچکائے "وہ سوزوکی بھی مسز ارباب کی ہے۔ ان کا ڈرائیور مجھے چھوڑ گیا تھا۔"

"اچھا سنو مریم' تمہیں تکلیف تو ہو گی مجھے گرم پانی کی بوتل دے دو بہت درد ہو رہا ہے' شاید سکون ملے۔" لالہ پھر لیٹ گئی۔

"نہیں بھلا تکلیف کیسی۔" مریم ایک دم کھڑی ہو گئی "ابھی لاتی ہوں۔"

وہ کچن جانے کے لیے ڈائننگ ہال کے پاس سے گزری تو اس نے سنا' ابھی تک ان کے درمیان لالہ ہی موضوع گفتگو تھی۔

لالہ......لالہ کیا تھی۔ وہ خود کو کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی لیکن وہ لالہ سے محبت کرنے لگی تھی۔

اس کی ممنون تھی۔

اس نے بہت مشکل لمحوں میں اس کا ساتھ دیا تھا اور اب بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

وہ لالہ کی مدد کرنا چاہتی تھی۔

کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی اس کے ساتھ۔

لیکن وہ کچھ بھی بتانے پر تیار نہ تھی۔

مسز ارباب بھی کوئی اچھی خاتون نہ تھیں۔

سبین اور دوسری لڑکیاں لالہ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتی تھیں حالانکہ بظاہر ایسی کوئی بات بھی نہ تھی۔

وہ لالہ کے لیے پریشان تھی۔

اور اپنے لیے بھی' اسے ڈر تھا کہ کہیں ان کی باتوں میں آ کر آنٹی اسے اور لالہ کو ہوسٹل سے نکال نہ دیں...... پھر کیا ہوگا......

اس رات لالہ کے سونے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک جاگتی رہی۔

پاپا اور ماما کی لڑائیاں......

شرجیل مرزا اور ماما کی اس سے خفگی اور پھر شہریار...... اس کی محبتیں۔ سب اس کی آنکھوں کے سامنے آتے رہے۔

"مگر کتنی کمزور ہوتی ہیں یہ محبتیں بھی۔"

"اور کتنی عارضی۔"

جانے کب یہ سب سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی لیکن ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ لالہ کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

"کیا ہوا لالہ؟" وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"مریم۔" لالہ بہ مشکل بول رہی تھی۔

"بہت...... بہت شدید درد ہو رہا ہے مجھے۔"

"کہاں؟" مریم اپنے بیڈ سے اتر آئی۔

"یہاں سینے میں۔"

"دل...... دل میں تو نہیں ہے۔" وہ گھبرائی۔

"نہیں۔" لالہ نے آہستگی سے جواب دیا۔

"کیا کروں لالہ؟" مریم بے حد گھبرا رہی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی ساڑھے چار بج رہے تھے پورے ہاسٹل پر خاموشی طاری تھی۔ سب سو رہے تھے۔

"آنٹی کو جگاؤں لالہ؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

مریم کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ لالہ کا رنگ ایک دم زرد ہو رہا تھا اور ہونٹ تکلیف کی شدت سے سپید ہو رہے تھے۔

"لالہ۔" وہ بے چینی سے اس کا ہاتھ ہلانے لگی۔

"الس او کے مریم۔" لالہ نے مسکرانے کی کوشش کی "گھبراؤ مت' ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"مگر لالہ تمہیں ایک دم اچانک کیا ہو گیا ہے؟"

"ایک دم اچانک نہیں مریم۔ تمہیں پتا تو ہے' بہت دنوں سے چیسٹ انفیکشن ہے مجھے۔"

"اور تم اتنی بے پروائی کر رہی تھیں۔"

مریم نے ناراضگی سے اسے دیکھا اور پھر اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ کر اسے ویکس لگانے لگی۔ لالہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

"کچھ سکون ملا ہے لالہ؟"

لالہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"مریم اگر کبھی مجھے کچھ ہو جائے تو پلیز واپس چلی جانا۔ نینا' عاشی اور مور کے پاس اور اگر وہاں نہ جانا چاہو تو اپنے گھر چلی جانا زینب ولا میں۔ وہاں تمہاری ماما تو ہوں گی نا...... اور تمہارا اپنا گھر۔"

"اچھا فضول نہ بولو۔ تمہیں کبھی کچھ نہیں ہوگا۔" مریم نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ فضول نہیں ہے مریم۔" لالہ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹایا "یہاں مت رہنا۔ تم نے مسز ارباب کو دیکھا ہے۔ ایسے لوگوں سے یہ شہر بھرے پڑے ہیں جن کا اصل چہرہ کچھ اور ہوتا ہے اور بظاہر وہ کچھ اور دکھائی دیتے ہیں۔"

"اتنی ساری لڑکیاں گھروں سے نکل کر جاب کر رہی ہیں۔"

"ہاں لیکن اکیلی لڑکی کے لیے جگہ جگہ بھیڑیے منہ کھولے کھڑے ہوتے ہیں' بس پتا چل جائے کہ اس کے سر پر کوئی سائبان نہیں ہے۔"

"لالہ' کیا تمہارے ساتھ مسز ارباب نے کوئی زیادتی کی ہے؟"

"نہیں' میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا لیکن مو مو تم میرے جیسی نہیں ہو۔ تم بہت معصوم ہو' اور سنو' ایسا نہیں ہے' جیسا بظاہر دکھائی دے رہا ہے بات کچھ اور ہے۔"

یہ تو اسے بھی یقین تھا کہ ایسا نہیں ہے' جیسا سب سمجھ رہے ہیں لیکن بات کیا تھی' یہ معلوم نہیں تھا اسے۔ وہ تو مسز ارباب کو ہی مجرم سمجھ رہی تھی۔

"مسز ارباب سے بھی برے لوگ ہیں اس دنیا میں۔" لالہ نے آنکھیں موند لیں اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے منہ کھولا اور لمبی لمبی سانس لی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی ہو۔

"لالہ لالہ۔" مریم نے بے چینی سے اسے جھنجوڑ ڈالا۔

"مریم پلیز۔" لالہ نے بہ مشکل آنکھیں کھولیں "میرے ہینڈ بیگ میں میڈیسن ہیں' ان میں ایک لال رنگ کا پتا ہے' پلیز اس میں سے ایک گولی نکال دو شاید کچھ درد کم ہو جائے۔"

مریم نے گولی اسے دی لیکن درد میں کمی نہیں ہوئی تھی' صبح تک اس کی حالت خاصی خراب ہو گئی تھی۔

روشنی ہوتے ہی مریم اوپر آنٹی کی طرف بھاگی۔ آنٹی فوراً ہی اس کے ساتھ آگئی تھیں اور پھر آنٹی کے ساتھ لالہ کے منع کرنے کے باوجود وہ اسے اسپتال لے گئی......اور ایمرجنسی میں اسے فوری طبی امداد دینے کے بعد داخل کر لیا گیا۔ وہ سارا دن لالہ کے پاس رہی۔

"لالہ! میں آنٹی کو فون کر دوں لاہور۔ وہ یقیناً واپس آگئی ہوں گی۔"

"نہیں۔" لالہ نے سختی سے منع کر دیا۔

"آنٹی تم سے محبت کرتی ہیں لالہ۔"

"میں بھی ان سے محبت کرتی ہوں۔"

"لیکن۔" لالہ نے مریم سے درخواست کی "میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی اور سنو مجھے گھر لے چلو۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں اور پھر تمہیں ٹیوشن پڑھانے بھی جانا ہوگا۔"

"آج اتوار ہے اور ابھی تمہیں گھر لے کر نہیں جانا۔ ڈاکٹر نے ایک دو ایکسرے بتائے ہیں۔ وہ کروانے ہیں۔"

"فضول۔" لالہ ایکسرے کروانے کو تیار نہ تھی لیکن ڈاکٹر بہ ضد تھا کہ ایکسرے کیا جائے۔

"میں نے ایکسرے کروایا ہے۔ انفیکشن ہے' بگڑ گیا ہے۔"

"بی بی! یہی تو دیکھنا ہے کہ انفیکشن کس حد تک ہے تاکہ دوا تجویز کی جائے۔" ڈاکٹر نے ناراض لہجے میں کہا تو لالہ چپ ہوگئی۔

"ایکسرے ہو جائے تو دوائیں وغیرہ لے کر چلے جائیں گے۔"

لالہ چپ ہوگئی۔ ایکسرے ہوا اور ڈاکٹر نے ایکسرے دیکھنے کے بعد مریم کو بلایا۔

"آپ ہیں مریضہ کے ساتھ؟"

"جی۔"

"کوئی مرد ساتھ نہیں ہے؟"

"نہیں جی۔"

"مریضہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟"

"بہن۔" مریم پریشان ہو کر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگی۔

"بی بی! بیٹھ جائیے۔" ڈاکٹر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ایکسرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ایک پھیپھڑا تو ایکسرے میں بالکل آیا ہی نہیں۔ مجھے شک ہے بی بی کہ آپ کی بہن کو پھیپھڑوں کا سرطان (لنگز کینسر) ہے۔"

مریم کو لگا' جیسے زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی ہے۔

"نہیں۔" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"بی بی! ابھی یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم یہ مندرجہ ذیل ٹیسٹ ہیں' یہ کروانے پڑیں گے۔" اس نے مختلف ٹیسٹوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست اس کے ہاتھ میں پکڑوا دی "بہتر ہے کہ کسی مرد کو بلا لیں۔"

"اسے آج گھر لے جاؤں۔"

"نہیں' ابھی یہاں ہی ایڈمٹ رکھیں۔ کچھ ٹیسٹ تو ادھر ہی ہوں گے اور کچھ آغا خان سے کروانے پڑیں گے اور پھر ابھی ان کا سانس کا مسئلہ صحیح نہیں ہوا۔"

"جی۔" وہ مرے مرے قدموں سے لسٹ ہاتھوں میں لے کر وارڈ میں آگئی۔ لالہ تکیے کے سہارے بیٹھی ساتھ کے بیڈ والی بوڑھی عورت سے گپ لگا رہی تھی۔

"چلیں؟" اسے آتے دیکھ کر لالہ نے اس سے پوچھا۔

"ہاں نہیں۔ ابھی ڈاکٹر نے اجازت نہیں دی۔"

مریم نے انتہائی ضبط سے اپنے آنسو اس سے چھپانے کی کوشش کی۔

"ادھر دیکھو مریم' ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" مریم نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا "کچھ مزید ٹیسٹ بتائے ہیں۔"

"ٹیسٹ۔" لالہ ایک لمحے کو چپ کر گئی "رہنے دو موموٗ میں اب بہتر ہوں۔ درد بھی نہیں ہے۔ اینٹی بائیوٹک لے تو رہی ہوں اور مزید ٹیسٹوں پر پیسے بھی لگیں گے' ہم کہاں افورڈ کر سکتے ہیں۔" اس نے مریم کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا جس پر ان سارے ٹیسٹوں کے متعلق لکھا تھا جو کروانے تھے۔

"لالہ ہم آنٹی کو اطلاع کر دیتے ہیں۔"

"نہیں پلیز مریم' ممی کو مت بتانا میں ان کا سامنا کرنا نہیں چاہتی۔ کتنی محبت دی انہوں نے مجھے' کتنا چاہا اور میں نے ایک اجنبی شخص کے لیے انہیں چھوڑ دیا۔ ایک شخص کی محبت پر اعتبار کیا جس کی محبت ناقابل اعتبار تھی۔"

مریم خاموش ہوگئی۔ اس کا دل بھرا ہوا تھا۔ جی چاہتا تھا بہت سارا رو لے لیکن لالہ کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ سو ضبط کیے بیٹھی رہی۔

"مومو پلیز' ڈاکٹر سے گھر جانے کی اجازت لے لو۔ میں اب بہتر محسوس کر رہی ہوں۔" اسے سوش دیکھ کر لالہ نے اصرار کیا۔

"اچھا۔" مریم کھڑی ہوگئی "میں پوچھتی ہوں ڈاکٹر سے۔" یوں بھی وہاں اس سے بیٹھا نہیں جا رہا باہر آ کر کوریڈور میں دیوار سے ٹیک لگا کر وہ بہت دیر تک روتی رہی۔

"یا اللہ! لالہ کو کچھ نہ ہو۔ ڈاکٹر کا شک غلط ہو؟"

کوریڈور سے گزرتے ہوئے سب نے اسے روتے ہوئے دیکھا۔ ایک دو خواتین نے اس کے پاس
رک کر پوچھا بھی "کون بیمار ہے تمہارا؟"
اسپتال میں تو ایسے مناظر روز ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ سو کسی نے زیادہ پروا نہیں کی۔
کچھ دیر رونے کے بعد اس نے چہرہ صاف کیا اور جا کر ڈاکٹر سے واپس جانے اجازت مانگی۔
"نہیں بھئی' ایک دو روز رکنا پڑے گا۔ ایک دو ضروری ٹیسٹ ہو جائیں تاکہ کچھ وضاحت سے معلوم
ہو سکے کہ مرض کیا ہے۔" تب وہ خاموشی سے لالہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ سو گئی تھی۔ شاید ڈاکٹر نے درد
کے لیے جو انجکشن دیا تھا اس میں نیند کا بھی اثر تھا۔ وہ بے حد زرد اور کمزور لگ رہی تھی۔ مریم نے غور سے
اس کا چہرہ دیکھا تو پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ لالہ کی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ قدرے......
لبو ترا لگ رہا تھا۔ وہ اتنا گہرا میک اپ کرتی تھی کہ اسے کبھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتنی کمزور ہو رہی ہے......
لاہور میں اس کا چہرہ کتنا شگفتہ اور کھلا ہوا رہتا تھا۔ ایک دم سرخ و سپید رنگ۔ جب اس نے اپنڈکس
آپریٹ کروایا تھا' تب بھی وہ کتنی فریش لگتی تھی۔ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ بیمار ہے......اور ڈاکٹر شہریار کو
اسے دوائیاں کھلانے کے لیے دھمکی دینی پڑی تھی اور وہیں پہلی بار وہ ڈاکٹر شہریار سے ملی تھی۔ لحہ بھر کے
لیے اس کا ذہن ڈاکٹر شہریار کی طرف چلا گیا۔
"بعض لوگ کتنے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن آزمائش کے لمحوں میں ان کا پول کھل جاتا
ہے۔" اس نے بے حد دکھ سے سوچا۔
"کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ شہریار کو نہ پکارتی۔ بھرم تو قائم رہتا کہ اس نے جس شخص سے محبت کی
آزمائش کے لمحوں میں اسے چھوڑ گیا۔" لالہ نے کراہ کر کروٹ لی تو وہ پھر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"اور کیا لالہ کو بتا دوں کہ ڈاکٹر کو کیا شبہ ہے......" اس نے سوچا۔
"مگر نہیں' ابھی نہیں۔ جب صحیح طور پر تشخیص ہو جائے گی تب ہی بتاؤں گی۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔"
اس نے دل ہی دل میں دعا کی اور جیسے اسے یقین سا ہو گیا کہ ایسا نہیں ہوگا۔
"بھلا لالہ کو کینسر کیسے ہو سکتا ہے' وہ اتنی صحت مند تھی۔ نہیں ڈاکٹر کا خیال بالکل غلط ہے۔"
لالہ دن بھر دوائیوں کے زیر اثر سوتی جاگتی رہی۔ شام کو سبین' مسز ساجدہ اور دوسری لڑکیاں بھی اسے
دیکھنے آئیں تو وہ خوب ہنس ہنس کر ان سے گپ لگاتی رہی اور دوسرے روز ضد کر کے اسپتال سے آ گئی۔
جو دو تین ٹیسٹ ہوئے تھے' ان سے کوئی بات واضح نہیں ہو سکتی تھی۔ مریم بہت پریشان تھی......اور لالہ کا
بہت خیال رکھتی تھی۔
"لالہ پلیز ایک ہفتے کی چھٹی لے لو۔"
"نہیں اب ٹھیک تو ہوں۔ چھٹی کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں پتا ہے نا مسز ارباب تنخواہ کاٹ لیتی ہیں

اور اتنا خرچ ہو رہا ہے میڈیسن پر۔"
"لیکن تمہیں آرام کی ضرورت ہے لالہ اور ابھی پیسے تو ہیں نا کرایہ اور میس کا خرچ الگ کر کے رکھ
دیں۔ پھر بھی کچھ پیسے ہیں نا۔"
لالہ کچھ دیر خاموشی سے سوچتی رہی اور پھر اٹھ کر کپڑے استری کرنے لگی۔
"صبح سے کام پر جاؤں گی۔"
"لالہ پلیز' ایک دن تو رک جاؤ۔" مریم نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے استری لے لی۔
"کل ہم آغا خان جائیں گے اور جو دوسرے ٹیسٹ ڈاکٹر نے بتائے ہیں' وہ کروا لیتے ہیں اور پیسوں
کی تم فکر نہ کرو' ہو جائیں گے۔"
"کہاں سے؟" لالہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا "اپنی چین وغیرہ فروخت کرو گی۔"
مریم کو از حد حیرت ہوئی۔ وہ چین بیچنے کا ہی سوچ رہی تھی۔ خاصی موٹی چین تھی "یہ لالہ بھی بلا کی
ذہین ہے۔"
"تمہارے خیال میں کیا کینسر ہو گیا ہے مجھے اور فرض کرو کینسر بھی ہے تو ایک چین فروخت کرنے سے
کینسر کا علاج ہو جائے گا۔" اس نے قہقہہ لگایا۔
مریم ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی......"کیا اسے پتا ہے۔ کیا وہ جانتی ہے۔"
"مومو' پریشان مت ہو میری جان۔" لالہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "تقریباً دو ماہ پہلے جب
ٹمپریچر ہوا تھا مجھے اور سینے میں درد بھی بہت تھا تو میں ایک پرائیوٹ کلینک میں گئی تھی۔ وہیں ہے ہمارے
بوتیک کے قریب تو اس نے بھی شبہ ظاہر کیا تھا اور کئی ٹیسٹ لکھ کر دیے تھے۔"
"تو......تو تم نے بتایا ہی نہیں۔ ذکر تک نہیں کیا۔"
"کیا فائدہ تھا تمہیں پریشان کرنے کا۔ یہ ڈاکٹر لوگ تو بس یوں ہی کہہ دیتے ہیں۔ مجھے کچھ بھی نہیں
ہے۔ دراصل جب میں ڈیڈی کے گھر سے آئی تھی تو آتے ہی مجھے نمونیے کا شدید اٹیک ہو گیا تھا اور بس
وہی بگڑ گیا ہے۔ اس لیے ذرا سی بے احتیاطی کروں تو انفیکشن ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں ہے۔"
"پھر بھی اگر...تسلی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"
"دیکھیں گے۔" لالہ نے کندھے اچکائے "فی الحال تو میرے کپڑے پریس کر دو' صبح بوتیک
جاؤں گی۔"
"لالہ اگر ممی کو اطلاع نہیں دینا چاہتیں تو ڈیڈی ہی کو خبر کر دو۔ کم از کم تمہارا علاج تو بہتر طریقے سے
ہو سکے گا۔ فرض کرو فی الحال معمولی تکلیف ہے بعد میں بگڑ بھی تو سکتی ہے۔"
"نہیں ڈیڈی تو مجھے اپنی حویلی میں قید کر دیں گے۔ دم گھٹ جائے گا میرا وہاں۔ اگر مجھے اس وقت

کچھ نہیں ہے تو تب ضرور کچھ نہ کچھ ہو جائے گا اور یقین رکھو مجھے کچھ نہیں ہے۔ دو چار روز میں بھلی چنگی ہو جاؤں گی۔'' اس نے مریم کو پھر تسلی دی لیکن رات اچانک ہی دوبارہ اس کی طبیعت بگڑ گئی۔ سانس لینے میں بہت دقت ہو رہی تھی۔ اسے فوری طور پر دوبارہ اسپتال لے جانا پڑا۔ مریم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے آنٹی بہت ہیلپ کر رہی تھیں۔ آنٹی کی مدد سے اس نے ہر قابل ذکر چیز فروخت کر دی تھی۔ مختلف ٹیسٹ ہو رہے تھے اور ادویات دی جا رہی تھیں اس نے مسز علی کو فون کر کے چند دن کی چھٹی لے لی تھی اور مستقل لالہ کے پاس ہی تھی۔ اس روز لالہ کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ وہ اس کے بیڈ کے پاس بیٹھی اسے سوپ پلا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر سامنے پڑی۔

کسی نرس کے ساتھ باتیں کرتا ہوا تیز تیز قدم اٹھاتا شہریار بیڈ نمبر چار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس کی مریضہ نے شور مچایا ہوا تھا۔

''شہریار۔'' اس نے دوبارہ سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ بلاشبہ شہریار ہی تھا اگرچہ اس کی رنگت کچھ سانولی ہو رہی تھی اور وہ کچھ کمزور لگ رہا تھا لیکن وہ اسے پہچان سکتی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے سر جھکا لیا اور رخ بدل لیا تا کہ شہریار کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔

''اور نہیں، مریم۔''

لالہ لیٹ گئی تو وہ سوپ کا پیالہ میز پر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''لالہ میں ذرا واش روم تک جا رہی ہوں ابھی آتی ہوں۔''

وارڈ سے باہر اسے نرس مل گئی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ''کیسی طبیعت ہے اب لالہ کی؟''

لالہ اپنے مزاج کی وجہ سے سب میں بے حد مقبول ہو گئی تھی۔

''بہتر۔''

''ڈاکٹر راؤنڈ پر آ چکے ہیں۔''

''ڈاکٹر احسن تو نہیں ہیں کوئی اور ہے۔''

''ڈاکٹر شہریار ہوں گے۔ وہ دو ہفتے کی چھٹی پر تھے۔ آج ہی آئے ہیں۔ ان کی تشخیص بہت صحیح ہوتی ہے۔''

''تو ڈاکٹر شہریار یہ تم ہی تھے۔ محبتوں کے داعی اور جان تک سے گزر جانے کا عہد کرنے والے۔''

وہ یکا یک بہت ہی بدگمان ہو گئی اور اس نے سوچا اگر ڈاکٹر شہریار سے سامنا ہو گیا تو وہ اس سے کبھی بات نہیں کرے گی اور یہاں رہ کر یہ ممکن نہیں تھا کہ ڈاکٹر شہریار سے سامنا نہ ہو۔

''سنو۔'' کچھ دیر بعد جب وہ واپس وارڈ میں آئی تو شہریار راؤنڈ کر کے واپس جا چکا تھا اور لالہ بیڈ پر چمکتی آنکھوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔

''تم ڈاکٹر شہریار کو دیکھ کر بھاگی تھیں نا۔''

''ہاں۔'' مریم نے اقرار کیا ''تم نے میرے متعلق بتایا تو نہیں؟''

''وہ میرے بیڈ تک آئے ہی نہیں۔ وہیں سے چلے گئے لیکن میں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ چلو اچھا ہوا اب دو بدو بات ہو جائے گی۔ کم از کم میں تمہاری پریشانی سے آزاد ہو جاؤں گی۔''

''خبردار میرے متعلق کوئی بات مت کرنا شہریار سے اور یہ کیا میں کوئی بچی ہوں کہ تم میرے لیے پریشان رہتی ہو۔''

''ہاں بچی ہی ہو۔'' لالہ قہقہہ لگا کر ہنسی ''پتا ہے، جب ڈاکٹر نے پہلی بار مجھے بتایا کہ مجھے شک ہے کہ کہیں آپ کو لنگز کینسر نہ ہو تو سب سے پہلے مجھے تمہارا ہی خیال آیا تھا کہ......''

''تم بہت بے درد ہو لالہ۔'' مریم نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا ''کتنے آرام سے اپنی بیماری کا ذکر کرتی ہو۔''

''تو اس میں بے دردی کی کیا بات ہے۔ ویسے چہرے پر اتنے رنگ کیوں آ رہے ہیں۔'' لالہ شوخ ہو رہی تھی۔

''فضول نہیں لالہ مجھے اب اس شخص سے کوئی سروکار نہیں۔''

''آدمی کو چانس تو دینا چاہیے نا۔''

''تم نے اعزاز کو چانس دیا تھا۔''

''ہاں۔ میں نے تو کئی خط لکھے تھے۔ فون پر میسج دیا تھا...... اور...... اور یہ کہ اعزاز بے وفا نہیں ہے اس لیے ممکن ہے، شہریار بھی بے وفا نہ ہو۔''

''کیا!'' مریم کو حیرت ہوئی۔

''اعزاز بے وفا نہیں ہے۔ اسے میرے خط نہیں ملے تھے اور نہ میرا میسج۔''

لالہ سنجیدہ ہو گئی ''چند دن پہلے اس کا فون آیا تھا مسز ارباب کے آفس میں۔ میں نے تحسین کو وہی نمبر دیا تھا۔ دراصل تحسین کے والد کا اچانک انتقال ہو گیا تو وہ اپنے گاؤں چلا گیا اور واپس آ کر اسے خیال ہی نہیں رہا جس روز اعزاز نے فون کیا تھا اس روز اچانک تحسین کو میرے فون کا خیال آ گیا اور اس نے اعزاز کو بتایا کہ ایک بار لالہ کا فون آیا تھا اور اس نے نمبر بھی دیا تھا...... اور۔'' وہ سانس لینے کو رکی ''اعزاز نے اس سے نمبر لے کر اسی وقت مجھے فون کیا۔ وہ بے چین ہو رہا تھا اور اسی روز کی فلائٹ سے کراچی آنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔''

''کیوں تم نے اسے کیوں منع کیا؟''

''اب منع ہی کرنا تھا نا۔ پھر بھی مجھے پتا تھا وہ آ جائے گا اس لیے میں نے مسز ارباب سے اور سب

سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ آئے تو اسے کہہ دیجیے گا کہ میں جاب چھوڑ کر جا چکی ہوں۔ خود میں نے تین دن کی چھٹی لے لی تھی اور پتا ہے۔'' ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی ''وہ اگلے ہی دن آ گیا تھا۔ مسز ارباب نے مجھے بتایا تھا وہ بہت اپ سیٹ اور دکھی لگ رہا تھا لیکن انہوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ میں ان کی جاب چھوڑ کر دوسرے شہر جا چکی ہوں۔''

''تم نے اچھا نہیں کیا لالہ۔''

''شاید میں نے اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا لیکن اس کے ساتھ اچھا کیا ہے۔''

''لالہ'' مریم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا'' فار گاڈ سیک لالہ اسے بلوا لو۔ ممی ڈیڈی کو بھی نہیں بلاتی ہو۔ کوئی تو ہو لالہ ہمارے پاس جو......''

''نہیں مریم' میں اسے کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتی ممکن ہے وہ اس آزمائش میں پورا نہ اتر سکے اور میں اس خوشی سے محروم ہو جاؤں جو اس کے اس طرح آنے سے مجھے ہوئی ہے۔ میں اس احساس کے ساتھ اس یقین کے ساتھ مرنا چاہتی ہوں کہ اس نے سچ مچ مجھ سے محبت کی اور......''

''پلیز لالہ خدا کے لیے ایسی باتیں مت کرو' تمہیں کچھ نہیں ہوگا تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ ابھی ڈاکٹرز نے ہم سے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔ ابھی تو وہ خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچے اور......'' مریم کی آواز بھرا گئی تو اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''خیر۔ میں اسے آزمانا نہیں چاہتی۔ تمہیں نہیں معلوم میں کتنی خوش ہوں۔ کتنی زیادہ۔'' اس کے زرد چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی ''اور پتا ہے' مسز ارباب بھی بڑی مکار' بڑی چالاک ہیں انہوں نے اعزاز سے سب کچھ پوچھ لیا میرے متعلق ایک ایک بات اور یہ کہ میں میڈم نرگس کی بیٹی ہوں۔ حیرت سے ان کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔ اعزاز کے آنے کے بعد تو میں صرف چند دن ہی کام پر گئی ہوں اور چند دنوں میں کئی بار مسز ارباب مجھ سے سوری کر چکی ہیں کہ وہ جو کبھی کبھار ان سے زیادتی ہو جاتی تھی' اس کا خیال نہ کروں اور ممی کو ان کے اور ان کے بوتیک کے متعلق کچھ نہ بتاؤں۔''

''یہ دنیا بھی عجیب جگہ ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی کی طرح دھیمی ہو گئی تھی۔

''کہاں کمزوریوں کو دبایا جاتا ہے۔ اکیلے اور تنہا لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے اور طاقتوروں کے آگے سر جھکایا جاتا ہے۔ اگر ممی کو پتا چلے کہ کس طرح مسز ارباب نے مجھے زنجیر کیا ہے اور کیسے......تو وہ تو ان کے بوتیک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔''

وہ پھیکی سی ہنسی ہنسی۔

''لیکن میں نے مسز ارباب سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں ان کے متعلق کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔''

''بعض لوگ ایسے کیوں ہوتے ہیں مریم۔ باہر سے چمکتے دمکتے اور اندر سے گھناؤنے' کریہہ' سفیدی

پھری قبروں کی طرح۔''

اس کا سانس بکھرنے لگا تو مریم نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا'' ریلیکس لالہ' کچھ دیر آرام کر لو' تمہارا سانس خراب ہو رہا ہے۔''

''اچھا۔''

شاید وہ خود بھی تھک گئی تھی اس لیے آنکھیں موند کر لیٹ گئی اور کچھ دیر بعد سو گئی۔ مریم نے اسے آواز دے کر دیکھا اور پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس کا دل بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔

''کیا اعزاز کی طرح شہریار کو بھی میرا خط نہیں ملا ہوگا......'' سر جھکائے وہ باہر لان کی طرف جا رہی تھی کہ کارڈیو کی طرف سے آتے شہریار کی نظر اس پر پڑی۔ ایک لمحے کو تو اسے یوں لگا جیسے کائنات کی گردش تھم گئی ہو۔ دوسرے ہی لمحے اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیے وہ اتنی تیزی سے اس کی طرف بڑھا جیسے پلک جھپکنے میں وہ غائب ہو جائے گی۔

''مریم......مریم۔'' اس کے پیچھے آ کر اس نے بے چینی سے آواز دی۔

مریم نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔

''مریم......یہ تم ہو نا۔ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔''

''شاید خواب ہی ہے۔'' بے حد آہستگی سے جواب دے کر اس نے چہرہ موڑ لیا اور چلنے لگی۔

''مریم۔'' شہریار کے لہجے میں از حد حیرانی تھی ''اتنی اجنبی کیوں بن رہی ہو۔ کہاں کھو گئی تھیں۔ کتنا تلاش کیا ہے تمہیں' جب سے پاکستان آیا ہوں تب سے ایک ایک چہرہ اس خیال سے دیکھتا ہوں کہ کہیں یہ تم ہی نہ ہو۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''جو راستے اپنے نہ ہوں ان پر چلنے سے فائدہ ڈاکٹر شہریار۔ ہمارے راستے تو الگ ہو چکے۔''

''نہیں۔'' شہریار نے تڑپ کر اسے دیکھا ''ہمارے راستے ایک تھے ازل سے اور ایک ہی رہیں گے۔''

وہ دونوں چلتے چلتے باہر لان میں آ گئے تھے۔

''مریم۔'' شہریار کا لہجہ بے حد نرم اور ملائم تھا'' چلو بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔ تم مجھ سے اتنی بدگمان کیوں ہو......اتنی خفا کیوں ہو۔ اب جبکہ میں مایوس ہو رہا تھا' اچانک تمہیں دیکھ کر میری جو کیفیات ہوئی ہیں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ مریم مجھ سے پوچھو کہ میں نے یہ سارے دن تمہارے بغیر کیسے گزارے ہیں۔ کس کس طرح تمہیں یاد کیا ہے۔ تمہارے تصور سے باتیں کی ہیں اور تم اپنے متعلق بتاؤ تمہارے ساتھ کیا بیتی۔ تم نے اچانک گھر کیوں چھوڑ دیا۔ یقین کرو مومی' جب عینی نے مجھے بتایا کہ تم اپنی ماما سے خفا ہو کر کہیں کسی دوست کے پاس چلی گئی ہو تو میں تڑپ اٹھا اور اپنی تعلیم نامکمل چھوڑ کر پاکستان چلا آیا اور تب سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔''

وہ بے حد دل گرفتگی سے کہہ رہا تھا۔ مریم نگاہیں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ کوئی مشکل پڑے تو مجھے آواز دے لینا' پکار لینا' لیکن تم نے مجھے پکارا ہی نہیں' آواز ہی نہیں دی' مجھ پر اعتبار ہی نہیں کیا؟''

''پکارا تو تھا۔'' مریم نے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا'' خط لکھا تھا' بلایا تھا۔''

''خدا گواہ ہے مریم۔ مجھے تمہارا خط نہیں ملا۔ اگر تمہارا خط مل جاتا تو میں یوں خوار نہ ہوتا پھرتا۔ پوچھ لے نا عینی سے۔''

مریم خاموش رہی۔

''کیا...... کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے۔ مریم' کیا تم اتنا بدل گئی ہو۔''

شہریار بے حد دکھی ہو رہا تھا۔ مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اور اس کا چہرہ سچ بول رہے تھے۔

''مریم ادھر دیکھو میری آنکھوں میں تمہیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔''

مریم کی نظریں جھک گئیں۔

اتنی تپش تھی اس کی آنکھوں میں۔

اتنی اپنائیت اور اتنی محبت کہ دل اس کی طرف سے ایک دم صاف ہو گیا۔

''آپ ٹھیک تو رہے۔'' ایک مدھم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

''شکر ہے کہ تم...... تمہارا لہجہ تو بدلا سچ بتاؤ مریم' کیا تم اس لیے خفا تھیں کہ میں نے تمہارے خط کا جواب نہیں دیا۔''

مریم نے سر ہلایا۔

''تھینک گاڈ کہ کوئی اور بات نہ تھی۔ میں...... میں تمہیں سچ کس طرح بتاؤں کہ تمہیں اچانک دیکھ کر میری کیا کیفیات ہیں۔ لگتا ہے جیسے میرے ارد گرد موجود کائنات کی ہر چیز رقص کر رہی ہو۔ اف اوہ کاش' میں شاعر یا ادیب ہوتا تو تمہیں اپنے دل کی کیفیت بتاتا اور تم...... تمہارا روکھا روکھا رویہ مجھے یوں لگا جیسے میں سب کچھ لٹا بیٹھا ہوں۔ کھو چکا ہوں تمہیں۔''

وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

''کھو تو چکے ہیں۔'' مریم نے بے حد آہستگی سے کہا۔

''نہیں غلط' میں نے تمہیں کبھی نہیں کھویا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ تم ہمیشہ میرے پاس ہی رہی ہو...... میرے دل میں' میرے اندر...... اور...... میں تمہیں بتاؤں' بابا مان گئے ہیں۔''

''مگر اب......'' مریم نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اب کیا ہو گیا ہے؟''

''اب تو اور بھی ناممکن ہو گیا ہے۔ شہریار اب تو نہ میرا کوئی گھر ہے نہ پہچان۔''

''پاگل پنے کی باتیں مت کرو موی۔'' اس نے اپنے مخصوص لہجے میں اسے ڈانٹا'' تمہارا گھر ہے تمہاری ماما ہیں...... انہوں نے شادی کر لی تو کیا ہو گیا۔ اتنی سی بات پر تمہیں اپنا گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا...... وہ بہر حال تمہاری ماما ہیں۔ مجھے تم سے ایسی حماقت کی امید نہیں تھی۔''

''آپ کو شہریار سب کچھ نہیں معلوم بات صرف ماما کی شادی کی نہیں ہے۔''

''پھر کیا ہے' مجھے بتاؤ سب کچھ۔ پاگل لڑکی پتا نہیں کیا کچھ کرتی پھر رہی ہو۔'' اس نے بے حد اپنائیت سے اس کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ہاں اب شروع ہو جاؤ۔''

اور مریم نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔

''ہوں' پھر بھی تمہیں گھر سے نہیں آنا چاہیے تھا۔ عاشی وغیرہ کو بھی سمجھانا چاہیے تھا۔ الٹا تم ان کے لیے گھر چھوڑ کر چلی آئیں اور شاید یہی وہ چاہتے تھے۔ خیر۔'' اس نے ہولے سے سر جھٹکا'' جو ہوا سو ہوا۔ کیا اب تم اپنے ڈیڈی کے پاس ہو۔ کیا وہ یہاں کراچی میں رہتے ہیں؟''

''نہیں میں ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ شخص کون ہے کہاں رہتا ہے۔''

''کیا تم نے پوچھا نہیں ماما سے؟''

''پوچھا تھا لیکن ماما نے ٹال دیا۔''

''پھر اب تم یہاں کس کے پاس رہ رہی ہو؟''

''لالہ کے پاس۔''

''لالہ کے پاس!'' شہریار کو حیرت ہوئی۔

''وہ یہاں کیسے؟''

تب اس نے لالہ کے ساتھ اپنے آنے کی تفصیل بھی اسے بتا دی۔

''ہوں۔'' شہریار چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا'' اب تم میرے ساتھ گھر چلو اور یہ جاب وغیرہ چھوڑ دو اور لالہ کو بھی ساتھ لے چلو۔ تم دونوں انتہائی بے وقوف لڑکیاں ہو۔''

''نہیں' مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''کیوں؟'' شہریار کو حیرت ہوئی۔

''شہریار' کیا آپ کے بابا اور ماموں ایک ایسی لڑکی سے آپ کی شادی کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے جس کو اپنے حقیقی باپ کا علم نہیں اور جو ایک نجی ہاسٹل میں رہتی ہے اور بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہے جبکہ

آپ کے ماموں صرف اتنی سی بات پر ہی کہ ماما ایک ماڈل گرل ہیں' اس رشتے سے انکار کر چکے تھے' اب......''

''اچھا فضول باتیں نہ کرو۔ یہ میرا مسئلہ ہے ان کا نہیں...... اور میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ اگر کبھی تمہیں میری ضرورت ہوئی تو میں سب زنجیریں توڑ دوں گا تو...... تمہیں میری ضرورت ہے۔ او کے سمجھ میں آیا۔''

مریم نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور کھڑی ہوگئی' ''لالہ گھبرا گئی ہوگی۔''

''کیا لالہ یہاں داخل ہے۔ کیا ہوا ہے اسے؟'' شہریار نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اسے۔'' مریم کی آواز میں آنسو گھل گئے ''معلوم نہیں لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ شاید لنگز کینسر ہے۔''

''اوہ نہیں۔'' شہریار کو شاک لگا۔

''ابھی صحیح طرح سے مرض کی تشخیص...... تو نہیں ہوئی لیکن وہ ٹھیک نہیں ہے شہریار۔''

شہریار نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا ''کم آن۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آیا تو لالہ سو رہی تھی۔

''او کے میں کچھ دیر تک آتا ہوں۔ نجی کلینک میں بھی میرے کچھ مریض ہیں' انہیں دیکھ آؤں اور لالہ کس ڈاکٹر کے زیر علاج ہے؟''

''ڈاکٹر احسن نے ہی پہلے داخل کیا تھا۔ ویسے دیگر ڈاکٹرز بھی آتے رہتے ہیں۔''

''او کے۔ ڈاکٹر احسن سے ڈسکس کرتا ہوں لالہ کا کیس۔ بھاگ نہ جانا کہیں۔''

جاتے جاتے اس نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا لیکن جواباً مریم مسکرا نہ سکی۔ وہ کچھ الجھا الجھا سا وارڈ سے باہر نکل گیا۔ مریم کا رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اتنی اپ سیٹ کیوں تھی شاید وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔

''خیر۔'' وہ آپوں آپ مسکرایا ''میں جانتا ہوں کہ اسے کیسے منایا جا سکتا ہے۔ آج ہی بابا کو فون کر دوں گا کہ وہ اور ماں جی فوراً آ جائیں۔''

مریم اس کے جانے کے بعد لالہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''لالہ۔'' اس نے آہستہ سے پکارا لیکن وہ بے خبر سو رہی تھی۔

اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اعزاز کی طرح شہریار بھی اپنی محبتوں میں سچا ہے اور لالہ کو کس قدر خوشی ہوگی یہ جان کر اور کیا وہ بھی خوش ہے۔

اس نے اپنا دل ٹٹولا لیکن وہاں ابھی تک تاریکی اور اندھیرا تھا۔

''راستے اسی طرح پر خار ہیں شہریار بلکہ اب تو اور بھی مشکل ہوگئے ہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''اور ہمارے راستے الگ ہیں' کبھی ایک نہیں ہوسکتے۔ اب تو میں بالکل ہی بے سائبان ہوگئی ہوں۔''

''کاش...... اے کاش پاپا کبھی نہ مرتے۔'' آنسو اس کی آنکھوں میں جلنے لگے تو اس نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔

''ہیلو مس۔'' ڈاکٹر احسن وارڈ میں آتے ہی سیدھے لالہ کے بیڈ کی طرف آئے تھے۔

''جی سر' السلام علیکم۔'' وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔

''وعلیکم السلام۔'' ڈاکٹر احسن نے سرہانے سے اس کی فائل اٹھائی اور دیکھنے لگے ''بھئی یہ ٹیسٹ بہت ضروری ہیں' آپ جلدی کروائیں۔ ان کے لیے آپ کو آغا خان جانا پڑے گا۔''

''جی ذرا لالہ کی طبیعت ٹھیک ہو تو پھر۔''

''یہ اب کافی بہتر ہیں' آپ ان کو لے جا سکتی ہیں لیکن پلیز' یہ ٹیسٹ لازمی ہیں۔ ٹیسٹ کروانے کے بعد رپورٹ مجھے دیں۔''

''تو کیا میں کل جا سکتی ہوں سچ۔'' لالہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شاید وہ جاگ گئی تھی۔

ڈاکٹر احسن نے مسکرا کر اسے دیکھا ''آپ کیسی ہیں؟''

''فائن سر۔''

''گڈ گرل۔'' ڈاکٹر احسن کی آنکھوں میں تحسین تھی ''ہر مریض کو آپ جیسا ہونا چاہیے حوصلہ مند۔''

''میں درحقیقت آپ کی قدر کرتا ہوں۔''

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' لالہ مسکرا دی ''تو اب ہم جائیں؟''

''ضرور وش یو گڈ لک۔''

''چلیں مریم۔'' اس نے مریم کی طرف دیکھا جو متذبذب سی بیٹھی تھی۔

''اگر تمہاری طبیعت پھر خراب ہوگئی تو؟''

''میری طبیعت کی خرابی کا تو بہانہ ہے۔ یہ کہو ڈاکٹر شہریار کا انتظار ہے۔ چلو جانے سے پہلے ملاقات کر لیتے ہیں۔''

''ملاقات تو ہوگئی۔''

''اچھا کیا فرماتے ہیں؟''

''لالہ کیا تم واقعی بہتر محسوس کر رہی ہو؟'' اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے پوچھا۔

''ہاں ہاں۔'' لالہ نے پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے ''جلدی کرو ورنہ اگر آ گیا نا لمبے منہ والا ڈاکٹر تو اس نے نہیں جانے دینا۔ وہ تو صبح بھی کہہ رہا تھا کہ ابھی دو تین دن اسپتال ہی میں رہیں۔''

مریم خاموشی سی کھڑی ہوگئی اور سائڈ کیبنٹ سے اپنی چیزیں سنبھالنے لگی۔

''تم ذرا رکو میں حساب کلیئر کر آؤں......''

''نہیں اکٹھے چلتے ہیں۔تم حساب کلیئر کرنا میں ذرا ڈاکٹر شہر یار سے ملوں گی۔''

''ذرا اپنا پتا بتا کر جائیں نا۔''

مریم نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر سامان اٹھایا۔باہر کوریڈور میں آ کر لالہ نے پاس سے گزرتی ایک نرس سے ڈاکٹر شہر یار کا پوچھا۔

''ڈاکٹر شہر یار۔'' نرس نے سر اٹھا کر لالہ کو دیکھا ''کہاں ہونا ہے بھئی 'ڈاکٹر روما کے کمرے میں ہوں گے۔''

پھر وہ اپنی ساتھی نرس کی طرف دیکھ کر ہنسی ''یہ ڈاکٹر شہر یار اور روما آخر کب تک شادی کریں گے؟''

''تمہیں کیوں اتنی بے چینی ہے۔'' دونوں باتیں کرتی ہوئی اس کے پاس سے گزر گئیں۔

لالہ نے مریم کے چہرے کی طرف دیکھا جس کے چہرے کی رنگت اچانک ماند پڑ گئی تھی اور خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی اور ادائی کر کے وہ دونوں باہر نکل آئیں۔

❀ ❀ ❀

مسز علی کو لالہ کے متعلق بتاتے ہوئے مریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''وہ... بہت زیادہ بیمار ہے مسز علی اور اتنی بے پروائی کر رہی ہے۔''

''تم پریشان نہ ہو مریم' انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہو گا اور آغا خان میں میرے چھوٹے بھائی ہیں سرجن ہیں۔ابھی حال میں اسپیشلائز کر کے آئے ہیں۔میں ان کو فون کر دوں گی۔تم لالہ کے ساتھ جانا وہاں ٹیسٹ وغیرہ کے سلسلے میں وہ تمہاری ہر ممکن مدد کر دیں گے۔''

''لیکن لالہ کہتی ہے' وہاں......وہاں کے اخراجات کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے۔حالانکہ۔'' مریم ایک لحہ رکی اور پھر اس نے مسز علی کو لالہ کے متعلق بتا دیا ''اور آنٹی نرگس کو تو آپ جانتی ہی ہیں۔کیا ہیں۔وہ تو فوراً لالہ کو باہر لے جائیں گی۔''

''مریم' ایک بات کہوں تم سے؟''

''جی مسز علی' آپ کہیں۔''

''تم لالہ کی ممی کو فوراً اس کی بیماری کی خبر کر دو۔دیکھو' یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔کیا خبر......''

انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر مریم کی طرف دیکھا ''وہ اتنی دولت مند ہیں کہ لالہ کو کہیں بھی لے جا سکتی ہیں' اس کا علاج بہترین ڈاکٹرز سے کروا سکتی ہیں۔''

''مگر وہ لالہ۔'' مریم نے ان کی طرف دیکھا۔

''یہ چھوٹی انائیں بہت خوار کرتی ہیں۔لالہ محض اپنی انا کی خاطر اپنی ممی کو بھی اطلاع نہیں کرنا چاہتی۔''

''جی' میں لالہ سے بات کروں گی۔''

''لالہ تمہیں اس کی اجازت نہیں دے گی۔یہ تمام کام تمہیں خود کرنا ہے' اسے بتائے بغیر۔''

''جی' آپ اپنے بھائی کو فون کر دیں گی نا؟''

''میں ابھی بات کرتی ہوں زبیر سے۔''

مسز علی اٹھ کر چلی گئیں تو وہ بچوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ آج کئی دن بعد آئی تھی اور مسز علی کے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کی روم میٹ لالہ بیمار ہے۔

لالہ اسپتال سے تو آ گئی تھی لیکن اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا سانس رکنے لگتا تھا۔اسے سانس لینے میں بہت تکلیف ہو رہی تھی۔وہ آج بھی نہیں آنا چاہتی تھی لیکن لالہ نے اسے زبردستی بھیجا تھا۔

''دیکھو مریم ڈیئر' اگر تمہاری ٹیوشن بھی ختم ہو گئی تو ہاسٹل کا کرایہ کہاں سے ادا کریں گے۔میں بھی نہیں جا رہی۔''

تب آنٹی اور ساجد کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ چلی آئی تھی۔

''ارے' تم نے فون کر دیا ہوتا' میں گاڑی بھیج دیتی۔''

مسز علی بہت مہربان اور شفیق تھیں۔وہ دل ہی دل میں ان کی بہت ممنون تھی۔

''دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔'' اس نے سوچا تھا اور واقعی مسز علی بہت اچھی اور شفیق تھیں۔

جب وہ جا رہی تھیں تو انہوں نے اسے تاکید کی۔

''لالہ کو صبح ضرور لے کر جانا' میں نے زبیر سے کہہ دیا ہے۔تم سیدھی اسی کے پاس چلی جانا۔''

''جی شکریہ مسز علی۔''

''جتنے بھی ٹیسٹ ہیں کروا لو اور ادائی کی فکر نہ کرنا' میں نے زبیر سے کہہ دیا ہے۔''

''تھینک یو مسز علی' میں انشاء اللہ بہت جلد یہ رقم آپ کو لوٹا دوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

اس رات وہ بستر پر لیٹی تو دیر تک مسز علی کے متعلق سوچتی رہی۔پھر اسے شہر یار کا خیال آیا۔

اور ڈاکٹر روما۔

جانے کون تھیں۔شاید بہت خوب صورت ہوں گی۔تب ہی تو شہر یار ان سے شادی کرنے والا تھا۔

لیکن......اسے اپنے ساتھ شہر یار کی گفتگو یاد آئی۔

''اور یہ مرد بڑے دوغلے ہوتے ہیں' ان کا کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔''

میڈم نرگس ماما سے کہا کرتی تھیں۔

اور میڈم نرگس کے متعلق سوتے ہوئے اسے مسز علی کی تاکید یاد آئی۔اس نے آہستہ سے لالہ کو آواز دی۔

"ہوں۔" لالہ نے کروٹ بدل کر اس کی طرف دیکھا۔

"لالہ تم اتنی بیمار ہو' ہمیں آنٹی کو بتا دینا چاہیے۔"

"کیوں تھک گئی ہو میری تیمارداری سے۔"

"لالہ" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی "مجھے تم سے ایسی فضول باتوں کی امید نہیں تھی۔"

"دیکھو مریم۔" لالہ نے سنجیدگی سے کہا "اگر کبھی مر بھی جاؤں تو ممی کو مت بتانا' خاموشی سے مجھے دفن کر دینا تاکہ ممی یہی سمجھتی رہیں کہ میں ڈیڈی کے پاس ہوں اور ڈیڈی کے کسی بھتیجے سے شادی کر کے خوشگوار زندگی گزار رہی ہوں۔ پتا ہے' میں نے بہت پہلے ایک خط لکھا تھا کہ ڈیڈی میری شادی اپنے کسی بھتیجے سے کر رہے ہیں جو امریکا میں ہے۔"

اس نے اندھیرے میں لالہ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن لالہ کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ شاید رو رہی تھی۔

"لالہ' تم رو رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ ممی مجھ سے ناراض تھیں مریم؟"

"نہیں' بالکل بھی نہیں۔" مریم نے اسے یقین دلایا۔

"پھر بھی میں نے انہیں دکھ تو دیا نا اور مزید دکھی نہیں کرنا چاہتی۔ پتا ہے مریم' ماں باپ ہمارے لیے اپنی طرف سے اچھا اور بہتر فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی کبھی ان کے فیصلے ہمارے دلوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ممی نے اگر یہ سوچا تھا کہ اعزاز میرے قابل نہیں ہے تو ٹھیک ہی سوچا تھا۔ وہ صحیح کہتی تھیں نا کہ جتنی اس کی تنخواہ ہے اتنا میرا ایک دن کا خرچ بھی نہیں ہے' اتنے روپوں کا تو میں ایک جوڑا جوتا خرید لیا کرتی تھی لیکن یہ دل...... یہ دل آدمی کو کتنا خوار کرتا ہے...... مجھے اعزاز اچھا لگتا تھا۔ اس کی بے نیازی متاثر کرتی تھی۔

اس کی بے رخی پسند آتی تھی۔

اس کا کھردرا پن

اس کے لہجے کی تلخی

اس کے چہرے کے ناراض نقوش

سب مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے تھے مریم۔"

"اور پھر مریم اس سے دوستی ہوئی تو اس کی باتیں اچھی لگنے لگیں۔ وہ ممی سے خفا رہتا تھا اس لیے کہ اس کے خیال میں ممی نے اس کے بھائی کو ان سے چھین لیا تھا اور مجھے ممی سے گلہ تھا کہ وہ مجھے وقت نہیں دیتیں۔ میں سارا دن اکیلی اتنے بڑے گھر میں پاگل ہونے لگتی تھی اور پھر دونوں چھوٹوں کو بھی مری بھیج دیا تھا۔

یوں ایک مشترک دکھ ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آیا۔ وہ ممی کے خلاف بولتا تو میں اس کی تائید کرتی۔

ٹھیک ہے اگر ممی اس کے بھائی سے شادی نہ کرتیں تو شاید میرے ڈیڈی ہمارے ساتھ رہتے۔ پھر شاید ممی مجھے اس طرح نظرانداز نہ کرتیں۔ میں یوں ہی سوچا کرتی تھی مریم اور پھر پتا نہیں کب کیسے مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میں اعزاز سے محبت کرنے لگی ہوں...... بہت شدید محبت اور اعزاز نے بھی ایسا ہی محسوس کیا۔

اور یہ کتنی عجیب بات تھی مریم کہ وہ ممی کو پسند نہیں کرتا تھا اور میری محبت میں ملوث ہو گیا تھا۔

میں جو ممی کی بیٹی تھی......"

اس کا سانس الجھنے لگا تو مریم نے پیار سے اسے ٹوکا۔

"لالہ پلیز' زیادہ باتیں نہ کرو۔ دیکھو تمہارا سانس خراب ہو رہا ہے۔"

"پتا نہیں' اچانک میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا ہے۔ شاید مجھے ممی کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے...... ہے نا۔"

"اور کیا اسے بھی کوئی سزا ملے گی۔ کیا اس نے بھی اس طرح سے ماما کا دل دکھایا ہے۔ نہیں بلکہ ماما نے خود ہی انہیں گھر سے چلے جانے کو کہا تھا۔"

"مریم۔" لالہ نے اسے پکارا تو وہ چونک پڑی۔

"کیا بات ہے لالہ' سو جاؤ۔ تھک جاؤ گی۔"

"نہیں' صرف ایک بات مریم کیا تم بھی سبین کی طرح سمجھتی تھیں کہ میں......"

"نہیں' بالکل بھی نہیں۔"

"مسز ارباب لڑکیاں ضرور سپلائی کرتی تھیں لیکن وہ اپنی کارکن لڑکیوں کو ان کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کرتی تھیں۔ ہاں' وہ ان کی رازدار ضرور ہوتی تھیں...... اور میں انجانے میں مسز ارباب کے بہت سے رازوں سے واقف ہو گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے مجھے پابند کر دیا تھا کہ میں کہیں نہ جاؤں اور یہ جو میں ان دو تین ماہ میں اکثر لیٹ آنے لگی تھی نا تو اس کی دو وجوہات تھیں۔

ایک تو یہ کہ ان دنوں مسز ارباب کے بھائی یہاں نہیں تھے اور وہ کئی جگہوں پر مجھے ساتھ لے جانے لگی تھیں اور دوسرے یہ کہ کبھی کبھار میری طبیعت اتنی خراب ہو جاتی تھی کہ ڈاکٹر کو آکسیجن لگانی پڑتی تھی۔ بہت شفیق اور مہربان ڈاکٹر تھا۔ کسی دن اس کا شکریہ ادا کرنے چلیں گے۔"

"او کے لالہ۔ صبح ہم آغا خان جائیں گے مسز علی نے اپنے بھائی سے بات کر لی ہے۔"

"کیا فائدہ' مجھے علم ہے کہ میں......"

"اب فضول کوئی بات مت کرنا۔" مریم نے اسے ڈانٹا "اور سو جاؤ اب ورنہ طبیعت زیادہ خراب ہو

جائے گی۔"

"اچھا" لالہ نے کہا لیکن کچھ دیر بعد پھر اسے آواز دی "مریم ادھر میرے پاس آجاؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"اچھا" مریم اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھی اور اس کا ہاتھ تھام لیا "دیکھو میں تمہارے پاس ہوں تم آرام سے سو جاؤ۔" وہ اس کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیرنے لگی۔

"مریم' مرد بہت کمزور ہوتا ہے۔" ممی کہتی تھیں۔

"شہریار بھی مرد ہے' یہ ممکن ہے' تمہاری عدم موجودگی میں وہ کسی اور ڈاکٹر روما میں انوالو ہو گیا ہو لیکن اب اگر وہ تمہیں پروپوز کرے تو تم انکار مت کرنا۔"

"اچھا ٹھیک ہے' پلیز اب سو جاؤ۔" اس نے ننھے بچوں کی طرح اسے بہلایا۔

"اچھا" لالہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور آنکھیں بند کر لیں اور اس کے پاس لیٹتے ہوئے مریم ہونٹ بھینچے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن آنسو تھے کہ امڈے چلے آرہے تھے۔ ایک ہاتھ سے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بے آواز دعا کرنے لگی......

صبح لالہ کی طبیعت بہت بہتر تھی۔ اس نے ٹالنے کی کوشش کی لیکن مریم نے اس کی ایک نہ سنی اور آنٹی کو ساتھ لے کر وہ آغا خان اسپتال پہنچ گئی۔ آنٹی بھی بہت تعاون کر رہی تھیں اور لالہ کے لیے خاصی پریشان تھیں۔ جب جس وقت بھی ضرورت ہوتی' وہ اپنی گاڑی لے کر آجاتیں۔

ڈاکٹر زبیر بہت اچھی طرح ملے اور انہوں نے پوری ہیلپ کی۔ خود انہیں ساتھ لیے لیے پھرتے رہے۔

لالہ کے کچھ بلڈ ٹیسٹ اور ایک ایکسرے ہوئے تھے "ان کی پوری رپورٹس دیکھنے کے بعد باقی ٹیسٹ ہوں گے۔" انہوں نے مریم کو بتایا اور تسلی دی "ویسے پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔"

"بھئی ایسا اسمارٹ اور شاندار شخصیت والا ڈاکٹر ہو تو مریض کا آدھا مرض رہ جاتا ہے۔ دیکھ لو میں خود کو کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔"

واپسی پر لالہ شرارت کے موڈ میں تھی۔ مریم کو کافی اطمینان سا ہو گیا تھا لیکن دو روز بعد مسز علی نے اسے بتایا "لالہ کو لنگز کینسر ہے۔ ایک پھیپھڑا بہت خراب ہو چکا ہے۔ ابتدائی رپورٹس تو یہی کہہ رہی ہیں۔ آپریٹ کرنا پڑے گا تاہم ابھی کچھ ٹیسٹ ہوں گے۔ تم فوراً زبیر سے رابطہ کرو اور میری مدد کی جب بھی ضرورت ہو بلا جھجک کہنا اور تم نے اس کی ممی کو اطلاع دی تھی؟"

"جی' وہ ابھی نہیں۔" بہت سارے آنسوؤں نے اس کا حلق بھینچ لیا۔

"مریم' تم فوراً اس کی ممی کو اطلاع کر دو۔ یہ تمہاری ذمے داری ہے۔ اگر لالہ کو کچھ ہو گیا تو زندگی بھر پچھتاؤ گی کہ تم نے اس کی ممی کو خبر کیوں نہیں کی۔ مریم' یہ ایسا مرض نہیں ہے کہ تم اسے کسی عام سی فزیشن سے

دوا لے کر دے دو۔"

"جی۔"

مسز علی صحیح کہہ رہی تھیں۔ وہ تو مزید ایک ٹیسٹ بھی افورڈ نہیں کر سکتی تھی...... اس کے پاس اس وقت صرف دو سو روپے تھے۔ آنٹی سے پہلے ہی وہ دو ہزار ادھار لے چکی تھی۔

"تم لالہ کی پروا نہ کرو۔ اس کی ممی آگئیں نا تو وہ خود ہی سب کچھ بھول جائے گی۔" مسز علی نے اسے سمجھایا تو اس نے عہد کر لیا کہ وہ آج ہی آنٹی کو فون کر دے گی۔

"تمہیں اگر نمبر معلوم ہو تو یہاں سے ہی فون کر لو۔"

مسز علی کی پیشکش پر وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن میڈم نرگس گھر پر نہ تھیں۔ کسی ملازمہ نے اٹینڈ کیا تھا۔

"آنٹی گھر پر نہیں ہیں پھر بات کروں گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن دیر مت کرنا۔"

"جی۔"

وہ بہت اپ سیٹ ہو گئی تھی اور پڑھانے میں بھی اس کا جی نہیں لگ رہا تھا بچوں کا کام چیک کرتے ہوئے ان کی اغلاط کی طرف اس کا دھیان نہیں لگ رہا تھا اور نہ ہی اس نے انہیں انڈر لائن کیا تھا۔

"مس' یہ بھائی نے اسپیلنگ غلط کیے ہیں۔" رومی نے کہا تو وہ چونک پڑی۔

"سوری' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا۔"

"تو پھر آج آپ چھٹی کر لیں۔"

اس نے کتاب بند کر دی۔

"تھینک یو" اسے تیمور یاد آگیا "لیکن آج پڑھ لو۔ کیا خبر کل نہ آسکوں۔"

"کوئی بات نہیں' آپ نہ ہوں تو امی ہمیں خود پڑھا دیتی ہیں۔ ہم وقت ضائع نہیں کرتے ہیں۔"

اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

بے پناہ ذہین آنکھیں تیمور کی طرح۔

"مریم' تمہارا فون ہے۔" مسز علی نے اسے آواز دی تو وہ انہیں اسٹڈی میں چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

مسز علی ریسیور کریڈل پر ڈال رہی تھیں۔

"آنٹی کا فون آیا تھا۔ لالہ کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے اور وہ لوگ اسے اسپتال لے کر جارہے ہیں۔ اسی اسپتال میں جہاں پہلے لے جایا جاتا تھا۔"

اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے اور آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا۔

مسز علی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آنکھوں آنکھوں میں اسے تسلی دی اور ساتھ ہی ملازم کو آواز دی کہ ڈرائیور سے کہے کہ گاڑی نکالے۔

"میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

"نہیں پلیز، آپ تکلیف نہ کریں۔"

"مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔"

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی "پہلے بھی کئی بار لالہ کی طبیعت یوں ہی خراب ہو جاتی ہے اور پھر ڈاکٹر احسن وہاں جو ٹریٹ منٹ دیتے ہیں، اس سے بہتر ہو جاتی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کوئی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔ تکلف نہ کرنا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور باہر آ گئی جہاں ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔

سبین اور آنٹی اسے باہر ہی مل گئیں۔

"سبین کیسی ہے لالہ؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"فی الحال تو آئی سی یو میں لے گئے ہیں اور آکسیجن لگا دی ہے۔" سبین نے بتایا اور آنٹی کی طرف دیکھا۔

"اب مریم آ گئی ہے تو میرا خیال ہے، ہم [illegible]۔ مریم تم رکو گی نا یہاں؟"

اس نے سر ہلا دیا اس کی آنکھوں میں دھند آ رہی تھی۔ وہ وہیں پڑے ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔

"بے چاری لڑکیاں۔" آنٹی نے تاسف سے اسے دیکھا "ان کا کوئی نہیں اپنا اور لالہ...... لالہ کتنی خوش اخلاق، ہنس مکھ اور پیاری بچی ہے۔" انہوں نے تاسف سے مریم کو دیکھا۔

"تم کہو تو میں رک جاتی ہوں۔"

"نہیں آنٹی، پلیز آپ جائیں۔ کوئی پرابلم ہوا تو میں آپ کو فون کر دوں گی۔"

"گھبرانا نہیں۔" انہوں نے جاتے جاتے اسے تسلی دی۔

"تم یہاں اکیلی نہیں ہو۔ ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔" انہوں نے سبین کی طرف اشارہ کیا۔

"تھینک یو آنٹی۔" اس نے آنسو پینے کی کوشش کی اور سر جھکا لیا اور سوچنے لگی، پتا نہیں ڈاکٹر احسن کہاں ہوں گے، وہ ان سے جا کر لالہ کے متعلق بات کرے۔ اس کے متعلق پوچھے لیکن اسے لگا جیسے اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہیں ہے اور پتا نہیں لالہ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس کا دل بھر آیا تھا اور وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"مریم۔" شہریار نے اس کے بالکل قریب آ کر اسے آواز دی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ شہریار اس کے سامنے کھڑا ناراضی سے اسے دیکھ رہا تھا "یہ تم اس روز بغیر بتائے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ جا

ہو کس قدر پریشان کیا تم نے مجھے۔ لگتا تھا، پاگل ہو جاؤں گا۔ مریم۔"

"پلیز۔" مریم نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا "پھر کبھی بات کریں گے۔" اس کا انداز سراسر اجنبیت لیے ہوئے تھا۔ شہریار نے اسے بے حد حیرت کے ساتھ دیکھا۔

"مریم، تم...... کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا کہ مجھے تمہارا خط نہیں ملا تھا۔ کیا اتنی بے اعتبار ہو گئی ہو تم۔ کیسے، کس طرح یقین کرو گی میرا۔ کہو تو قرآن پر ہاتھ رکھ دوں مریم۔"

"فار گاڈ سیک شہریار، میں اس وقت لالہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔" مریم نے نرم لہجے میں کہا تو وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لالہ آئی۔سی۔یو میں ہے۔ اور۔"

"او کے۔" شہریار نے ایک نظر اس پر ڈالی "میرے ساتھ آؤ۔ ڈاکٹر احسن سے بات کرتے ہیں۔" اور وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

❀❀❀

لالہ اسپتال میں ہی تھی اور آنٹی مل نہیں رہی تھیں۔ فی الحال جناح ہی میں تھی۔ کبھی وہ بالکل ٹھیک ہو جاتی اور کبھی یک دم اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ یوں لگتا جیسے چند لمحوں کی مہمان ہو۔ شہریار اس کا بہت خیال رکھ رہا تھا اور لالہ بھی شہریار سے ضرور گپ لگاتی۔ مریم سارا دن اس کے پاس رہتی تھی۔ ہاں شام کو دو گھنٹے کے لیے مسز علی کے بچوں کو پڑھانے چلی جاتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں شہریار فارغ ہوتا تو اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتا۔ اس روز تو اتوار تھا اور مریم کو پڑھانے... نہیں جانا تھا۔ وہ لالہ کے پاس بیٹھی آنٹی نرگس کے متعلق سوچ رہی تھی کہ جانے وہ ملتان سے کب واپس آئیں گی۔ ملازم نے اسے بتایا تھا کہ وہ ملتان اپنی بہن سے ملنے گئی ہوئی ہیں اور ملتان کا کوئی رابطہ نمبر اس کے پاس نہیں تھا۔

میڈم نرگس کو اطلاع دینا از حد ضروری تھا۔ سب میڈیسن وغیرہ شہریار لا رہا تھا اور اسپتال کا بھی جانے کتنے بل بن چکا تھا۔ ادھر ڈاکٹر زبیر نے کئی بار مسز علی سے کہلوایا تھا کہ وہ بقایا ٹیسٹ بھی کروا لے تاکہ حتمی فیصلے پر پہنچنے کے بعد اس کا علاج شروع کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ تشخیص واضح ہو جانے کے بعد آپریشن لازم ہوگا اور وہ پریشان تھی کہ کیا کرے۔

"خدا کرے، آنٹی جلدی ملتان سے آ جائیں۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی۔ لالہ خاموشی سے آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹی تھی۔ شہریار وارڈ میں آتے ہی سیدھا اس کے بیڈ کے پاس آیا۔

"ہیلو۔" اس نے باری باری مریم اور لالہ دونوں کو دیکھا۔

"ہیلو۔" لالہ نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں، نہیں لیٹی رہیں آپ پلیز۔" اس نے ہاتھ کے [illegible] سے اسے لیٹنے [illegible] کہا اور خود

اسٹول کھینچ کر بیڈ کے پاس بیٹھ گیا۔
عام وارڈ میں عام مریضوں کی طرح آنکھیں بند کیے لیٹی لالہ کو دیکھ کر اسے رافع اسپتال کا منظر یاد
آ گیا۔

وی آئی پی روم۔

میڈم نرگس کا ذرا ذرا سی بات پر ہنگامہ کرنا۔

ڈاکٹر رافع کی ڈانٹ ڈپٹ

اس کا دل لالہ کے لیے گداز ہونے لگا۔

"لالہ، کیسی طبیعت ہے اب؟"

"فائن۔" وہ مسکرائی اور مریم جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا باہر جا رہی ہوں لالہ، ابھی آتی ہوں۔"

"مریم۔" شہریار نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا "تم اس طرح کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ؟"

مریم خاموش ہی رہی۔ شہریار بے حد الجھا ہوا تھا، اس کا یہ گریز اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ابھی تک وہ عینی یا بابا کو بھی اس کے مل جانے کے متعلق نہیں بتا سکا تھا۔

وہ مل کر ایک بار پھر کھو گئی تھی۔

کس قدر پریشان ہوا تھا وہ۔

لگتا تھا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

کیوں آخر کیوں، وہ اس سے ملے بنا، بتائے بنا چلی گئی۔

کیا وہ بدل گئی ہے یا مجھ سے بدگمان ہے، اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ اسے کہاں تلاش کرے...... اور
جب وہ پاگل ہونے کے قریب تھا تو وہ پھر اسے نظر آ گئی تھی۔

لیکن اجنبی اور بے گانہ سی بنی۔

اس سے بھاگ رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ نا مومو۔" لالہ نے ملتجی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ نہ جانے لالہ کی نظروں میں کیسی حسرت
تھی کہ وہ پھر بیٹھ گئی اور اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"چلو بیٹھ گئی ہوں، خوش۔"

"ہاں۔" لالہ مسکرا دی "سنو یہ ڈاکٹر شہریار پوچھ رہے تھے کہ تم ان سے کیوں ناراض ہو۔" اس نے
شرارت سے مریم کی طرف اور پھر شہریار کی طرف باری باری دیکھا۔

"نہیں، میں ناراض نہیں ہوں۔"

"پھر تمہارا یہ گریز یہ اجنبیت یہ سب کیا ہے مریم۔" شہریار نے اپنا رخ اس کی طرف کر لیا "اتنے
فاصلے کیوں پیدا کر لیے تم نے اپنے اور میرے درمیان۔ یہ سب تکلیف دہ ہے مریم۔"

"فاصلے تو خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔"

"ہاں لیکن اب تم ان فاصلوں کو ختم کرنے کے بجائے بڑھا رہی ہو۔" اس کا لہجہ بدستور شکوے کا
رنگ لیے ہوئے تھا۔

"وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے ڈاکٹر شہریار۔ زندگی کے اس سفر میں کچھ اور لوگ بھی تو آپ
کے شریک ہو چکے ہوں گے اور کسی کو مایوس کرنا اچھی بات نہیں ہے...... اور پھر میرا اور آپ کا ساتھ تو یوں
بھی غیر یقینی ہے۔ سو جن کی رفاقت یقینی ہو سکتی ہے، انہیں کیوں دکھ دیا جائے۔"

شہریار نے بے حد الجھ کر اسے دیکھا "تم کیا کہہ رہی ہو مریم۔ تمہارا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا۔
تم کن رفاقتوں کی بات کر رہی ہو۔ پلیز، کھل کر بات کرو۔"

"کھوں کھوں۔" لالہ نے کھانس کر انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"لالہ پلیز۔ یہ تمہاری دوست مجھے پاگل کیے دے رہی ہے، سچ میرے دماغ کی رگیں پھٹ
جائیں گی۔"

"ارے ڈاکٹر شہریار آپ یہاں ہیں اور وہاں آپ کی تلاش ہو رہی ہے۔" ایک بے حد خوب صورت
اور نازک سی ڈاکٹر ہاتھوں میں سفید گاؤن ڈالے اسے پکارتی ہوئی لالہ کے بیڈ کے قریب آ گئی۔

"تو یہ ہیں ڈاکٹر روما، واقعی بہت خوب صورت ہیں۔" مریم نے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔

"اور اگر زندگی کے سفر میں چلتے چلتے تھک کر شہریار نے اس کی رفاقت چاہی تھی تو کچھ غلط تو نہیں کیا۔"

اچھا تو یہ تمہاری وہ رشتے دار ہیں جن کا تم بتا رہے تھے، کیسی ہیں اب؟"

"بہت بہتر۔" شہریار نے اس کی طرف دیکھا۔

"خیریت، مجھے کیوں تلاش کیا جا رہا ہے۔"

"بھئی وہ ادھر ڈاکٹر شہریار سینئر اور ڈاکٹر روما کی بات پکی ہونے کی خوشی میں مٹھائی کھائی جا رہی ہے۔"

"کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔" شہریار کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"وہاں سب نے ڈاکٹر شہریار اور ڈاکٹر روما کو گھیر رکھا ہے اور کوئی بھی ڈنر سے کم پر راضی نہیں ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی خبر سنائی آپ نے ڈاکٹر عابدہ۔"

شہریار اس سے بات کر کے لالہ کی طرف متوجہ ہو گیا "ڈاکٹر شہریار ہمارے سینئر ڈاکٹر ہیں اور روما ان کی
کزن ہیں۔ بچپن میں منگنی ہو چکی ہے لیکن کچھ گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے شادی میں تاخیر ہوتی جا رہی تھی۔"

مریم کا منہ تھوڑا سا کھلا اور پھر بے اختیار مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے اس نے سر جھکا لیا...... لالہ نے

بے اختیار قہقہہ لگایا۔ شہریار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
''لیجیے ڈاکٹر شہریار آپ کا مسئلہ حل ہوگیا۔''
شہریار نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دونوں کی طرف باری باری دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا...... ''ٹھیک ہے
میں آتا ہوں ذرا ڈاکٹر صاحب کو مبارک باد دے آؤں۔''
اور اس کے جانے کے بعد بھی لالہ بہت دیر تک ہنستی رہی۔
''سنو' ڈاکٹر عابدہ ہی نام لیا تھا نا' ڈاکٹر شہریار نے۔ تمہیں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ ورنہ تو تم بہت
سخت بدگمان تھیں ڈاکٹر شہریار سے اور دیکھو اتنے نفیس' اتنے پیارے بندے کو کھونا مت...... اس کا دل
مت توڑنا اور......'' لالہ کو کھانسی آ گئی اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
مریم نے اٹھ کر اس کی پیٹھ ملی لیکن اس کا سانس اکھڑ گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر پاس سے گزرتی نرس کو
بلا لیا...... کچھ دیر بعد اس کا سانس بحال ہوگیا لیکن وہ نڈھال ہو چکی تھی۔
''مومو۔'' اس نے نحیف آواز میں کہا ''سنو تم کسی طرح مجھے باہر لے جا سکتی ہو۔ میں...... میں ممی کی
آواز سننا چاہتی ہوں۔ ایک بار آخری بار...... تم ممی کو فون کرنا اور جب وہ بولیں تو ریسیور مجھے دے دینا......''
''مگر وہ......'' مریم بتانا چاہتی تھی کہ وہ تو گھر پر نہیں ہیں' ملتان گئی ہوئی ہیں لیکن پھر رک گئی۔ بھلا وہ کیا
کہے گی کہ اسے کس طرح معلوم ہے کہ آنٹی گھر پر نہیں ہیں ''ٹھیک ہے' ذرا تمہاری طبیعت بہتر ہو جائے نا
تو چلتے ہیں۔''
''نہیں ابھی چلو پلیز۔'' لالہ نے ضد کی۔
''اچھا چلو اٹھو۔'' مریم نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ وارڈ سے باہر نکلتے ہی اسے ڈاکٹر شہریار مل گئے۔
''یہ تم کہاں جا رہی ہو؟'' اسے شک گزرا کہ وہ پھر بتائے بغیر بھاگ رہی ہے۔
''وہ لالہ کو فون کرنا ہے ضروری' ہم باہر پی سی او تک جا رہے ہیں۔''
''ادھر میرے کمرے میں آ جاؤ۔'' شہریار واپس پلٹ پڑا تو وہ لالہ کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے پیچھے
چلنے لگی۔
اس نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے میڈم نرگس نے ہی ریسیو کیا۔ ان کی مخصوص بلند چیختی ہوئی آ...
میں ہیلو سن کر اس نے ریسیور لالہ کی طرف بڑھا دیا۔ لالہ نے ائرپیس کانوں سے لگایا تو اس کے ہونٹوں پر
مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے آنکھیں موند لیں اور آنکھوں کے آنسو بہت آہستگی کے ساتھ اس کے رخساروں پر
ڈھلک آئے۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور مریم سے سرگوشی کی۔
''ماما نے ریسیور رکھ دیا ہے اور پتا ہے' ممی بالکل ویسی ہی ہیں' ہمیشہ کی طرح...... وہی لہجہ وہی اسٹائل
وہی انداز...... وہی...... ممی ذرا بھی نہیں بدلیں...... اور میں مجھے دیکھو' میں کتنا بدل...''

''ایک' ایک بار پھر فون کرلوں۔'' اس نے ملتجی نظروں سے شہریار کی طرف دیکھا اور شہریار نے سر
ہلا دیا تو اس نے پھر نمبر ملایا۔ دوسری بار پھر میڈم نرگس نے ہی اٹینڈ کیا اور ان کی دہاڑ ریسیور سے باہر تک
سنائی دی۔ پھر بلار کے گالیاں......
لالہ ائرپیس کان سے لگائے مسکراتی رہی اور جب انہوں نے فون رکھ دیا تو وہ کھڑی ہوگئی۔
''تھینک یو ڈاکٹر شہریار۔''
شہریار نے سر ہلا دیا۔
''پتا ہے مومو' ممی کی آواز سن کر یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ممی بالکل ادھر ہوں' میرے پاس اور......''
''لالہ' میں آنٹی کو تمہارے متعلق بتا دوں نا۔''
''نہیں۔'' اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے لیکن مریم نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ آج ہی کسی وقت آنٹی کو
فون کر دے گی۔ کل ڈاکٹر احسن کہہ رہے تھے کہ لالہ کو اس سے بہتر ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے جو اسے
یہاں مل رہا ہے۔
''مریم سنو...... مجھے تھوڑا سا وقت دے دو' مجھ سے کھل کر بات کرو۔ میں بہت الجھ گیا ہوں' بہت اپ
سیٹ ہوں۔''
''کچھ بھی تو نہیں ہے۔'' مریم نے مڑ کر اسے دیکھا ''میں یونہی لالہ کی وجہ سے اپ سیٹ ہوں۔'' اس
کی آنکھوں میں وہی رنگ تھے۔ محبت اور حیا کے ملے جلے رنگ۔ چہرے پر شفق اُمڈ رہی تھی اور ہونٹوں پر
مدھم سی مسکراہٹ تھی ''جو پریشانی تھی' وہ تو آپ نے واضح کر دی تھی۔'' اور ڈاکٹر شہریار کو حیران چھوڑ کر وہ
باہر نکل آئی۔
لالہ بے حد نڈھال ہو رہی تھی اس لیے بستر پر لیٹتے ہی سو گئی اور اس کے سونے کے بعد اس نے میڈم
نرگس کو فون کرنے کا سوچا اور وارڈ سے باہر آ گئی۔ شہریار کی ڈیوٹی آف ہو چکی تھی وہ اسے کوریڈور میں مل گیا۔
''کہاں جا رہی ہو' لالہ تو ٹھیک ہے نا؟''
''ہاں سو رہی ہے لیکن مجھے آنٹی کو اس کے بارے میں مطلع کرنا ہے۔ مسز علی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ
مجھے آنٹی کو بتا دینا چاہیے۔''
''ہاں' یہ ضروری ہے۔'' شہریار اس کے ساتھ واپس پلٹ پڑا ''میں لالہ کو دیکھنے ہی آ رہا تھا اور ساتھ
تمہیں بھی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔
مریم نے سر اٹھا کر دیکھا۔ نظریں ملیں اور جھک گئیں۔
''مریم' تم نے مجھے حیران کیا ہے۔ تمہاری پل پل بدلتی کیفیتوں نے' ابھی جب ہم وارڈ میں تھے تو تم
کس قدر اجنبی لگ رہی تھیں اور اب کتنی اپنی لگ رہی ہو۔ کبھی زندگی کی نوید دیتی ہو۔ کبھی چھین لیتی ہو۔''

''شہریار' میں بہت الجھی ہوئی ہوں' بہت اپ سیٹ ہوں۔''

''جانتا ہوں' میری جان۔ میری زندگی۔ تم مجھ پر اعتبار تو کرو۔ اپنے سارے دکھ مجھے دے دو۔ مجھے اختیار دے دو مریم۔'' اس کی آواز بوجھل ہوگئی ''میں تمہیں اتنی خوشیاں دوں گا کہ تم سب دکھ بھول جاؤ گی۔ میں تمہاری راہوں کے سارے کانٹے چن لوں گا مریم۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا دھیمے مگر جذباتی لہجے میں بولتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔

''مجھے...... مجھے آپ پر اعتبار ہے شہریار......''

مریم نے اسے یقین دلایا تو شہریار کو یوں لگا' جیسے اسے زندگی مل گئی ہو۔ جیسے کھوئی ہوئی مریم کو اس نے سچ مچ پالیا ہو......

''تھینک یو مریم۔ تھینک یو۔'' اس کی آواز بھاری ہوگئی ''میں...... میں بہت خوش ہوں کہ آج سچ مچ مجھے مریم واپس مل گئی ہے...... ورنہ مجھے تو یوں لگنے لگا تھا جیسے اب میں تمہیں کبھی نہ پاسکوں گا۔ کھو دوں گا تمہیں تم اتنی ظالم کیوں ہوگئی تھیں۔ کیوں بدگمان ہوگئی تھیں مجھ سے...... بیٹھو بیٹھ جاؤ نا' آج بہت دیر باتیں کریں گے......''

''پہلے آنٹی کو فون کرنا ہے۔'' مریم نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں کرلو۔'' شہریار نے بیٹھتے ہوئے فون اس کی طرف بڑھایا۔ دوسری طرف میڈم نرگس ہی تھیں۔

''آنٹی یہ میں ہوں مریم۔'' اس نے ان کی ہیلو سنتے ہی فوراً کہا۔

''ارے تم' جانو...... کہاں ہو...... فون ہی نہیں کیا پھر......''

''آنٹی میں یہاں ہوں کراچی میں۔''

''کس کے پاس ہو؟ اپنے باپ کے پاس چلی گئی ہو لالہ کی طرح......''

''وہ آنٹی ماما کیسی ہیں اور عاشی وغیرہ۔'' اس نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

''عاشی وغیرہ سب مزے میں ہیں...... اپنی سوتیلی ماں کے پاس حویلی میں ہیں اور تمہاری ماما آئی تھیں میں نے کہا کہ بچوں کو جا کر لے آؤ...... آخر کار وہ تمہارے بچے ہیں لیکن زینی بڑی ضدی ہے' اس نے انہیں لانے سے انکار کردیا کہتی ہے سب میرے لیے مرگئے ہیں۔''

مریم کے دل میں جیسے کسی نے سوئی چبھودی ہو۔

''تیمور نے بھی فون کیا تھا اور شاید عاشی نے بھی لیکن زینی نے بات نہیں کی کسی سے۔'' میڈم نرگس بغیر رکے بولے جارہی تھیں ''اور سنو مریم' تم اپنا فون نمبر دے دو' وہ تمہارا عادل خان بہت مضطرب ہے' بار بار فون کرتا ہے کہ شاید تم کبھی مجھے فون کرو۔''

''جی' وہ دے دوں گی۔'' اس نے گہری سانس لی ''آنٹی' وہ لالہ۔''

''ارے گولی مارو لالہ کو...... بے وفا خون...... نہیں پتا مجھے اس کا کہاں ہے۔''

''آنٹی' وہ یہاں ہے کراچی...... اسپتال میں۔''

''کیا!'' وہ زور سے دہاڑیں ''تمہیں کیسے مل گئی۔''

''آنٹی پلیز' وہ بیمار ہے بہت زیادہ آپ فوراً آجائیں کراچی' یہاں جناح اسپتال میں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

''وہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ......'' وہ رک گئی۔

''اسے کوئی سیریس بات ہے کوئی خطرناک بات۔''

''بکتے ہیں' ڈاکٹر وہ تو اتنی صحت مند تھی اسے کوئی بیماری نہیں ہوسکتی۔ وہ بالکل ٹھیک ہے اور وہ اس کا باپ کہاں مرگیا ہے اسے اسپتال چھوڑ کر۔''

''نہیں آنٹی' وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' مریم کا ضبط جواب دے گیا اور وہ بے اختیار رو دی۔

اچھا' اچھا روؤ نہیں ڈارلنگ' میں صبح ہی آرہی ہوں' پہلی فلائٹ سے۔ مجھے پتا ہے' وہ یونہی بہانہ کر رہی ہوگی تاکہ میں اسے لے جاؤں...... لے جاؤں گی۔''

مریم اور شدت سے رونے لگی تو وہ اسے بہلانے لگیں۔

''مجھے پتا ہے تمہارا دل بہت کمزور ہے' بہت چھوٹا ہے۔ چڑیا جیسا...... مگر حیرت ہے' تم نے اتنا حوصلہ کیسے کرلیا۔ زینی کو بھی حیرت ہورہی تھی...... وہ تم سے بہت خفا ہے لیکن تم فکر نہیں کرو' میں اسے منالوں گی۔ تم میرے ساتھ ہی لاہور آجانا اور دیکھو بے وقوف لڑکی' تمہیں کہیں اور جانے کی کیا ضرورت تھی' میرے پاس چلی آتیں خیر ساری تفصیل وہاں آکر معلوم کروں گی۔''

وہ ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص انداز میں تیز تیز بولتی گئیں اور مریم خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی اور آنسو اس کے رخساروں پر بہتے رہے۔

''او کے جانو۔'' میڈم نرگس نے اسے خدا حافظ کہا تو اس نے ریسیور رکھ دیا۔ شہریار اس کے پاس ہی کھڑا گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مومو۔'' اس نے انگلی کی پور سے اس کے رخسار پر اٹکا ہوا آنسو پونچھا ''تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں' مت رویا کرو۔''

''وہ آنٹی کتنی خوش لگ رہی تھیں لیکن جب انہیں پتا چلے گا کہ لالہ کو کینسر ہے تو۔'' وہ پھر رو دی۔

''بس اب رونا نہیں۔'' شہریار نے تنبیہ کی ''اور بیٹھو ادھر میرے سامنے آج میں تمہیں جی بھر کے دیکھوں گا' ترس گیا تھا تمہیں دیکھنے کو۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا اور خود اس کے سامنے کرسی کھینچ کر

بیٹھ گیا۔

''میں تم سے بہت ناراض ہوں' بہت خفا ہوں' تم نے مجھے بہت تنگ کیا ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔ اس کی نگاہیں مریم کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں اور ان کی آنکھوں میں اتنے رنگ تھے اتنی تپش تھی کہ مریم کی نظریں اٹھ نہیں رہی تھیں۔ اپنے لبوں پر دھیمی سی مسکان سجائے وہ نگاہیں جھکائے شہریار کی باتیں سن رہی تھی۔

❁❁❁

اس مخصوص اسٹاپ کے پاس سے گزرتے ہوئے پروفیسر عادل نے گاڑی کی رفتار آہستہ کردی اور اسٹاپ پر کھڑے ہجوم کو دیکھا۔ ان سارے چہروں میں کوئی ایک چہرہ بھی مریم کا نہیں تھا۔ کتنی ہی بار وہ یہاں سے گزرے تھے لیکن مریم انہیں کہیں دکھائی نہیں دی تھی اور اب تو انہیں یقین ہونے لگا تھا کہ شاید تیمور کو غلط فہمی ہوئی تھی...... اگر وہ یہاں تھی تو کبھی تو دکھائی دیتی۔ مسرور کی ایگزبیشن کے دوران وہ کتنی بار یہاں آئے تھے اور جب بھی فارغ ہوتے ادھر ادھر گھومتے رہتے۔

طارق روڈ۔

ساحل سمندر پر۔

وہ ہر قابل ذکر جگہ پر گئے تھے کہ شاید ہجوم میں کہیں وہ دکھائی دے جائے۔ ضرار صاحب نے گاڑی مستقل طور پر ان کے حوالے کردی تھی۔ مسرور کی ایگزبیشن بہت کامیاب رہی تھی۔ لوگوں نے اس کے کام کو بہت سراہا تھا۔ کافی تصاویر بک بھی گئی تھیں اور وہ بہت خوش تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر تصدق احمد کی طرح مسرور کو پذیرائی نہ ملی تو کہیں وہ بھی مایوسی کا شکار نہ ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ نقادوں نے بھی اس کے فن کو سراہا تھا۔ جب تک ایگزبیشن جاری رہی' وہ اسی بہانے کراچی میں مقیم رہے لیکن پھر انہیں واپس جانا پڑا تھا لیکن دل جیسے کہیں ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔ جی چاہتا تھا کہ وہ یہاں کراچی میں ہی ٹھکانا بنا لیں' شاید وہ کہیں کسی سڑک' کسی دکان' کسی اسٹاپ' پر نظر آجائے لیکن یہ ممکن ہی کب تھا۔ لاہور میں بے شمار کام تھے۔ کالج سے بھی وہ اتنی لمبی چھٹی نہیں لے سکتے تھے۔ ان کے طلبا کا بہت حرج ہو رہا تھا۔ ادھر مجتبیٰ بار بار انہیں بلا رہے تھے کہ وہ تصدق احمد اور آمنہ صفی کا معاملہ سلجھانے میں ان کی مدد کریں......

تصدق احمد جان دینے پر تلا تھا۔

آمنہ صفی رضامند نہیں ہو رہی تھی۔

اور اس کے بیوی بچے الگ پریشان ہو رہے تھے۔

مانی انہیں روز فون کرتا تھا کہ وہ کسی دن اس کے ساتھ جا کر ادارے کا کام دیکھیں۔ کامی مل گیا تھا لیکن انہوں نے سلطان سے کہا تھا کہ جو اس کا پروگرام تھا' معذور بچوں کے لیے ایک ادارہ قائم کرنے کا وہ

جاری رکھے۔ یوں عمارت تقریباً اب مکمل ہوگئی تھی اور اس کا اصرار تھا کہ وہ ایک بار اس کے ساتھ چلیں اور مشورہ دیں کہ مزید کیا کیا جائے لیکن ان کا دل تو جیسے ہر کام سے اچاٹ گیا تھا۔

عاشی' نینا اور مورا اپنی پڑھائی میں مصروف تھے اور بہت حد تک ایڈجسٹ ہوگئے تھے۔ تیمور کے اصرار پر وہ زینب کے ملک واپس آنے کے بعد اسے لے کر زینب ولا گئے تھے لیکن زینب نے ان سے اور تیمور سے ملنے سے انکار کردیا تھا اور نہ ہی ان کی کوئی بات سننے کے لیے تیار ہوئی تھیں۔ زینب ان سب سے بہت ناراض تھیں۔ زینب ولا پر غضنفر ملک کے رشتے داروں کا قبضہ تھا۔ عاصمہ نے ہی آکر انہیں بتایا تھا کہ بھابی سو رہی ہیں۔

وہ ان کے جاگنے کے انتظار میں بیٹھے عاصمہ کی فضول باتیں سنتے رہے اور جب زینب بیدار ہوئیں تو انہوں نے عادل سے ملنے سے انکار کردیا۔ تب وہ خود ہی ڈرائنگ روم سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں آگئے۔

''مسز زینب پلیز' آپ میری بات تو سن لیں' بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ عاشی بہت جذباتی ہے اگر میں اس وقت انہیں ساتھ نہ لے کر جاتا تو نہ جانے کہاں چلی جاتیں وہ۔''

''ٹھیک ہے مجھے آپ سے گلہ نہیں ہے عادل خان لیکن میں اب عاشی وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتی۔''

''ماما'' تیمور...... بے قرار سا ہو کر ان کی طرف لپکا تھا لیکن اس کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر انہوں نے ایک ہاتھ سے اسے پیچھے ہٹا دیا تھا اور تیمور یوں حیران کھڑا رہ گیا تھا جیسے کوئی انہونی بات ہوگئی ہو۔ انہوں نے بہت آہستگی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا لیکن وہ ان کا ہاتھ چھڑا کر دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

''مسز ملک...... آپ کے خیال میں مریم کہاں جاسکتی ہے؟'' بالآخر انہوں نے پوچھ لیا لیکن انہوں نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ مریم کے والد کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے کہ غضنفر ملک اپنے بیڈروم کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں آگیا اور انتہائی طنزیہ لہجے میں مخاطب ہوا۔

''اوہ تو عادل خان اپنے سوتیلے بہن بھائیوں کی وکالت کے لیے آئے ہیں۔ کیا جی بھر گیا ان کی مہمانداری سے لیکن اب ان کی اس گھر میں جگہ نہیں ہے۔ گھروں سے نکل جانے والوں کے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔''

انہوں نے اس فضول شخص کی بات کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور مسز زینب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئے۔ سیٹ کی پشت پر سر رکھے تیمور زار و قطار رو رہا تھا۔ انہوں نے بغیر کچھ کہے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کے آنسو پونچھے اور حیرت سے سوچتے رہے کہ کیا کوئی ماں اتنی ظالم اتنی بے نیاز بھی ہو سکتی ہے۔ یقیناً غضنفر ملک نے انہیں حد سے زیادہ ورغلا دیا تھا۔ وہ بے حد اپ سیٹ تھے۔ ایسے میں حویلی

سے ماں جی کا فون آ گیا۔

"عادل بہت ہو گیا۔ دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں اور اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتی۔"

"جی ماں جی۔"

ایک دم ہی بہت ساری تھکن ان کی رگوں میں اتر آئی...... اور بالکل غیر ارادی طور پر ان کے لبوں سے نکلا "میں دو تین دن کے لیے کراچی جا رہا ہوں واپس آ کر حویلی آتا ہوں تو......"

"ٹھیک ہے۔" ماں جی نے فون بی آپا کو دے دیا "عادل کراچی جا رہے ہو تو مراد بھائی سے ضرور ملنا اور انہیں کہنا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ہارٹ بیٹنگ بہت زیادہ ہے اور جہاز کے سفر سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے اس لیے وہ خود ہی آ جائیں۔ مرنے والوں کی قسمیں تو ان کے ساتھ ختم ہو گئیں۔ بہت دل چاہ رہا ہے ان سے ملنے کو تمہاری زبان میں تاثیر ہے عادل میاں تو انہیں قائل نہیں کر سکتی' شاید تم کر لو۔"

"جی بی آپا ضرور جاؤں گا۔" انہوں نے بی آپا سے پتا اور فون نمبر وغیرہ لے لیا تھا۔ کراچی میں ان کو کوئی کام تھا نہیں بس یوں ہی بے اختیاری میں ان کے لبوں سے کراچی جانے کا نکل گیا تھا۔

شاید لاشعور... میں کہیں امید تھی کہ انہیں کہیں مریم نظر آ جائے۔ ایک آخری کوشش اور سہی' سو کراچی آنے کے بعد انہوں نے ضرار صاحب سے گاڑی منگوائی تھی اور مراد علی کے گھر جا رہے تھے اور بی آپا کی طبیعت واقعی بہت خراب رہنے لگی تھی۔ مراد علی کے گھر جاتے ہوئے وہ اس اسٹاپ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے رفتار کم کر دی تھی لیکن مریم تو کہیں نہیں تھی۔

مریم کے متعلق اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے انہیں پتا ہی نہ چلا کہ گلشن اقبال آ گیا۔

مراد علی کے گھر کے سامنے گاڑی پارک کی تو انہوں نے بیل دی اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا...... تو مراد علی خود ہی بھاگتے ہوئے چلے آئے اور انہیں اپنے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ کتنے سالوں بعد انہوں نے مراد علی کو دیکھا تھا۔ صحت کی سرخی سے چمکتا چہرہ۔

شخصیت سے جھانکتا اطمینان۔

وہ اسے بازوؤں کے حلقے میں لیے لیے اندر آئے اور اندر آتے ہی اپنی بیوی کو آوازیں دینے لگے۔

عادل میاں کو ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی بچے کچھ دیر بعد معذرت کر کے چلے گئے تھے۔

"دراصل ان کی ٹیوٹر پڑھانے آئی ہوئی ہے۔" مراد علی نے وضاحت کی۔

خوب صورت' سلیقہ مند بیوی۔

سلجھے ہوئے ذہین بچے۔ ان کی زندگی ہر طرح سے مکمل تھی۔

"مراد بھائی' اتنی پرسکون اور مکمل زندگی ہے آپ کی۔ کبھی پچھتاوا ہوا؟"

"نہیں پچھتاوا تو نہیں خلش ضرور ہے زندگی میں کہ والدین کی رضا اس میں شامل نہ تھی۔ کبھی کبھی تو

بہت زیادہ...... بے قرار اور بے چین ہوتا ہوں جب اپنا گھر اپنا گاؤں یاد آتا ہے تو جی چاہتا ہے یہاں کی فاسٹ زندگی کو خیرباد کہہ کر چند دنوں کے لیے کسی پرسکون جگہ چلا جاؤں۔ کئی دفعہ بچوں کو لے کر سوات کاغان وغیرہ چلا گیا لیکن یہ بے سکونی ختم نہیں ہوئی وہاں جا کر۔ یہ دکھ تو عمر بھر رہے گا آخری سانس تک کہ نہ والدین کی خدمت کر سکا۔ نہ ان کے جنازے کو کندھا دے سکا۔

لیکن عادل میاں' زندگی میں سب کچھ نہیں مل سکتا۔ آدمی کچھ پاتا ہے تو کچھ کھوتا بھی ہے۔ میں نے ایک خوشی پائی تو دوسری سے محروم ہو گیا۔"

"مراد بھائی' جانے والے تو چلے گئے' اب آپ کو آنا چاہیے بچے بھی تو دیکھیں کہ ان کے باپ کا گاؤں کیسا ہے۔ بی آپا نے کہاں لے کر جانا ہے سب۔ ماں جی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں بلکہ آپ میرے ساتھ ہی چلیں۔"

"اب کیا جانا ہے عادل میاں' جب ماں باپ کی زندگی میں نہیں گیا تو۔"

"یہ تو آپ کی فضول کی ضد ہے۔" پروفیسر عادل نے انہیں ٹوک دیا "بی آپا کے لیے سفر کرنا مشکل ہو گیا ہے۔" پروفیسر عادل نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ مراد علی اپنے ارادوں میں اٹل تھے۔

"مجھے زمین جائیداد کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے بی آپا سے کہہ دیا ہے جو جی چاہیں کریں۔"

انہوں نے وضاحت کی لیکن پروفیسر عادل انہیں قائل کر کے ہی اٹھے اور انہوں نے بالآخر وعدہ کر لیا کہ بچوں کے امتحان کے فوراً بعد وہ آئیں گے۔

وہ مُصر تھے کہ پروفیسر عادل وہاں ہی قیام کریں جتنے دن وہ کراچی میں ہیں لیکن پروفیسر عادل نے انہیں ٹال دیا۔

"بھئی عادل میاں' میرا جی نہیں بھرا تم سے باتیں کر کے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور ہوٹل سے تمہارا سامان لے آتا ہوں۔" ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مراد علی نے ان سے کہا تو کوریڈور میں رک کر پروفیسر عادل نے ان کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ مجھے کچھ لوگوں سے ضروری ملنا ہے اور صبح کو میری واپسی ہے لیکن انشاء اللہ پھر آیا تو سیدھا ادھر ہی آؤں گا۔"

"عادل بھائی' پرامس کریں۔" بیگم مراد علی نے ان کی طرف دیکھا "یقین کریں' میں آج اتنی خوش ہوں کہ میرے سسرال سے کوئی میرے گھر آیا ہے۔"

"پرامس بھابی' انشاء اللہ سیدھا یہاں ہی آؤں گا۔" پروفیسر عادل ان کے خلوص سے بے حد متاثر ہوئے تھے "اب اجازت دیں۔" انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور تب ہی رومی کے ساتھ بات کرتے ہوئے مریم اسٹڈی سے باہر نکلی اور پروفیسر عادل کے لب ذرا سے کھلے اور پھر بند

ہو گئے‘‘کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا.....مریم اور یہاں۔’’انہوں نے آنکھوں کو بند کیا اور کھولا۔

مریم کی نظر بھی ان پر پڑی تو وہ وہیں ٹھٹک کر رک گئی۔

‘‘یہ مس مریم ہیں' بچوں کی ٹیوٹر۔’’مسز مراد علی نے پروفیسر عادل کی طرف دیکھتے پا کر بتایا۔

‘‘مریم۔’’ وہ ان کی بات کا جواب دیے بغیر ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے‘‘مریم آپ نے اچھا نہیں کیا۔ ہمارے ساتھ' عاشی نینا اور مور کے ساتھ۔’’

ان کا دل ان کے وجود کے ہر حصے میں دھڑک رہا تھا۔ وہ ان کے سامنے تھی جسے تلاش کرتے کرتے وہ تھکنے لگے تھے۔ اب جبکہ کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا انہیں لگتا تھا' جیسے وہ ہار جائیں گے تو وہ مل گئی تھی.....اوپر آسمانوں پر رہتا خدا کتنا مہربان کتنا شفیق ہے۔

‘‘مریم' بتائیں نا کیوں کیا آپ نے ایسا۔’’ وہ اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے شکوہ کر رہے تھے۔

مریم نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔

‘‘وہ نینا' عاشی اور مور کیسے ہیں؟’’

‘‘آپ کو ان کی کیا پروا۔ آپ تو انہیں چھوڑ کر چلی آئیں تھیں۔’’ وہ مسلسل شکوہ کیے جا رہے تھے حالانکہ اندر رقص جاری تھا۔

‘‘نہیں' مجھے ان کی بہت پروا ہے۔’’مریم نے انہیں تڑپ کر دیکھا۔

‘‘تب ہی چلی آئی تھیں۔’’ان کا جی چاہ رہا تھا' وہ اس سے لڑیں خوب لڑیں۔ کتنا پریشان کیا تھا اس نے۔ کیسے کیسے آزمایا تھا اس نے اور اب آج اگر وہ نہ ملتی تو.....’’مراد علی اور مسز علی حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

‘‘عادل' تم انہیں جانتے ہو؟’’مسز علی نے پوچھا۔

‘‘جی بھابی۔’’پروفیسر عادل نے بہت سرشار لہجے میں جواب دیا‘‘یہ مریم ہیں' پاپا کی بیٹی۔ آپ کو بی آپا نے بتایا ہوگا۔’’

‘‘لیکن یہ یہاں' بی آپا کہہ رہی تھیں کہ تم بچوں کو حویلی میں لے گئے ہو۔’’

‘‘جی۔’’ وہ اسی سرشار لہجے میں بولے‘‘لیکن انہیں ہم پر اعتبار جو نہیں تھا۔’’ انہوں نے پھر پر شکوہ نظروں سے اسے دیکھا۔

‘‘ارے پھر تو تم ہماری اپنی بچی ہو۔ عثمان بھائی کی بیٹی۔’’مراد علی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

‘‘عادل یار' عثمان بھائی کی ڈیتھ کا بہت دکھ ہوا تھا مجھے۔ بہت نفیس انسان تھے۔ بہت محبت کرنے والے۔’’

‘‘بیگم صاحب' وہ آج مریم بی بی کو چھوڑنے جانا ہے یا نہیں؟ ادھر زبیر صاحب کی طرف سے گڑیا کو

بھی لانا ہے۔’’ڈرائیور نے آ کر پوچھا تو بیگم علی کے جواب دینے سے پہلے ہی پروفیسر عادل نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

‘‘ٹھیک ہے آپ جائیں' میں مریم بی بی کو پہنچا دوں گا۔’’

‘‘آئیے۔’’انہوں نے مریم کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر مراد علی اور ان کی وائف کو خدا حافظ کہا۔

‘‘عادل' بچی بالکل جی نہیں چاہ رہا کہ تم جاؤ مگر.....’’مراد علی نے ایک بار پھر انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن مسکرا کر معذرت کرتے ہوئے وہ مریم کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر آ گئے۔ مریم خاموشی سے ان کے پیچھے باہر نکل آئی۔

‘‘آئیے۔’’انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ مریم خاموشی سے بیٹھ گئی۔ مریم کو ان کا یہ اپنائیت بھرا انداز اچھا بھی لگ رہا تھا اور خوف بھی آ رہا تھا۔ ان کی شخصیت میں ایسا ہی رعب تھا۔ جب انہیں غصہ آیا تھا تو عاشی بھی خوف زدہ ہو گئی تھی اور اب پتا نہیں وہ اس سے کیا کہیں گے۔ ڈانٹیں گے' خیر میں بھی کہہ دوں گی' سب صاف صاف۔ کس ناتے' کس رشتے سے حویلی جاتی ہیں۔

‘‘ہاں اب بتائیے کیوں کیا آپ نے ایسا۔’’ گاڑی سڑک پر لانے کے بعد انہوں نے مریم کی طرف دیکھا‘‘آپ جانتی ہیں' آپ کو پتا ہے' آپ کے اس اقدام سے کتنی اذیت اٹھائی ہے کس قدر مشکل اور عذاب میں یہ دن رات کاٹے ہیں ہم نے' آپ کو اتنا سوچ لینا چاہیے تھا مریم کہ آپ کا یہ اقدام.....’’

‘‘پلیز عادل بھائی' میں کیا کرتی۔ ماما نے گھر سے چلے جانے کو کہہ دیا تھا۔ تو مجھے جانا ہی تھا۔’’

‘‘آپ عاشی کے ساتھ حویلی آ سکتی تھیں۔’’

‘‘لیکن حویلی سے میرا کیا ناتا تھا۔ آپ بھول رہے ہیں کہ ماما نے آپ کے سامنے ہی یہ بات کہی تھی۔ میں کس ناتے' کس رشتے سے حویلی جا سکتی ہوں۔’’

‘‘یاد ہے مجھے لیکن مریم ناتا یا رشتہ بن بھی تو سکتا تھا۔’’

مریم نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ مریم کی نظریں جھک گئیں۔

‘‘تم.....آپ کا عاشی' نینا اور مور سے تو رشتہ تھا نا۔ بہت مضبوط۔ اس رشتے یا ناتے کو تو جھٹلا نہیں سکتیں' آپ اس رشتے سے تو حویلی آ سکتی تھیں۔ پھر پاپا کو آپ کتنی عزیز تھیں۔ جانتی ہیں نا آپ۔ آخری لمحوں میں انہوں نے مجھ سے خصوصاً آپ کا خیال رکھنے کا کہا تھا اور آپ سے نینا عاشی اور مور کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔’’

‘‘جی۔’’مریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

‘‘پھر آپ نے ہمارا اعتبار کیوں نہیں کیا۔ کیا اتنے عرصے میں آپ اتنا بھی نہیں جان سکیں' مجھے یاد ہے'

میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ہر پریشانی مجھے دے دیں اور......''

''سوری عادل بھائی' مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔''

''صرف سوری سے کام نہیں چلے گا۔'' پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی ''بلکہ سزا بھی ملے گی۔''

''کیا؟'' مریم کی نظریں پھر بے اختیار ان کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ مسکراہٹ سجائے آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہان بسائے اسے دیکھ رہے تھے۔

''عمر قید بھی ہو سکتی ہے۔'' مسکراہٹ ابھی تک ان کے لبوں پر سجی تھی اور انہیں لگ رہا تھا' جیسے وہ ایک دم ہلکے پھلکے ہو گئے۔ جیسے کئی ماہ سے سینے پر دھری وزنی سل آپوں آپ سرک گئی ہو۔ مریم کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''مریم۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے ''میں نے جب آپ کو پاپا کے کمرے میں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی میں آپ کو دیکھ چکا تھا اور اس سے بھی بہت پہلے آپ میرے تصور میں تھیں۔

ایک خیالی پیکر

جو واضح نہ تھا۔

جس کی کوئی شبیہ نہ تھی۔

بس ایک احساس تھا جو آپ کو دیکھ کر ایک پیکر میں ڈھل گیا۔''

آہستہ روی سے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ ہولے ہولے بول رہے تھے اور مریم ہاتھ گود میں دھرے ساکت بیٹھی تھی۔ نہ اس کی آنکھوں میں کوئی رنگ اترے تھے اور نہ چہرے پر کوئی چمک آئی تھی بلکہ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا' جیسے کسی نے سارا خون رگوں سے نچوڑ لیا ہو۔

''مریم۔'' ان کی آواز جذبات سے بوجھل ہو رہی تھی ''میں کبھی اپنے جذبوں کا اظہار آپ کے سامنے نہ کر سکا کہ آپ اصل رشتے کی نوعیت سے بے خبر تھیں مجھے ڈر تھا کہ آپ پاپا سے ایسی محبت کرتی تھیں تو حقیقت آپ کو اذیت دے گی سو میں اپنے اوپر جبر کرتا رہا۔ صرف آپ کے دل کو اس دکھ سے بچانے کے لیے جو حقیقت جان کر ہوتا۔ آپ کو یاد ہوگا' جب ماں جی اور بی آپا حویلی آئیں تھیں تو پتا ہے انہوں نے میرے لیے آپ کو مانگا تھا اور آپ کی ماما نے یہ پروپوزل قبول کر لیا تھا۔''

''اوہ!'' اس نے ایک لمبی اور گہری سانس لی۔

''تب ہی ماما کہا کرتی تھیں کہ وہ عاشی کی اور اس کی رخصتی ایک ساتھ کر دیں گی اور وہ حیران ہوتی تھی کہ کون...... کون شخص ہے جسے ماما نے اس کے لیے منتخب کیا ہے تو وہ پروفیسر عادل تھے۔''

''مریم' میں نے ایک طویل عرصہ انتظار کیا ہے کہ آپ کی طبیعت سنبھلے تو......'' وہ اس کی حالت سے بے نیاز دل کی کیفیات بیان کرتے رہے۔ یوں جیسے انہیں خوف ہو کہ اگر اب بھی انہوں نے اپنا آپ

اس پر ظاہر نہ کیا تو وہ اسے کھو دیں گے۔

''مگر۔'' مریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''مگر کیا مریم؟'' انہوں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا۔ ان کے ہونٹوں پر بڑی دلکش سی مسکان تھی۔

''پلیز کوئی ایسی بات نہ کرنا کوئی فضول بات۔ میں آج اس وقت اس لمحے اتنا خوش ہوں' جتنا زندگی میں کبھی نہیں ہوا۔ مریم' آپ اس خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ روئے زمین پر آج اس وقت مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی شخص نہیں ہے۔ اس شخص کی خوش قسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے' مریم جس نے پہلے ایک احساس کو اپنے دل میں جگہ دی پھر اس احساس کو ایک پیکر ملا اور پھر وہ پیکر آپ کی صورت میں مجسم ہو گیا۔ یقین کرو مریم' میں نے طلوع ہوتی صبحوں میں' غروب ہوتی شاموں اور رات کی تنہائیوں میں آپ سے باتیں کی ہیں...... مدتوں آپ کو سوچا ہے کہ کبھی کوئی لمحہ ایسا بھی میری زندگی میں آئے کہ آپ میرے روبرو ہوں اور میں اپنا آپ' آپ پر کھول دوں۔ یہ لمحے بہت طویل انتظار کے بعد آئے ہیں۔ پلیز' انہیں کوئی فضول بات کہہ کر رائیگاں نہ کرو۔''

مریم بے بسی سے ہونٹ کاٹ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے' کس طرح' پروفیسر عادل کو یہ سب کچھ کہنے سے روک دے۔

''پلیز عادل بھائی' یہ سب کچھ جو آپ کہہ رہے ہیں صحیح نہیں ہے۔ مناسب نہیں ہے۔'' بالآخر اس نے کہہ دیا۔

اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے پروفیسر عادل نے مریم کی طرف دیکھا اور ذرا سا چونکے۔ وہ بے حد سنجیدہ اور اپ سیٹ لگ رہی تھی۔

''مریم سوری' شاید میں نے اس طرح اچانک اپنے جذبوں کا اظہار کر کے آپ کو پریشان کر دیا ہے لیکن میں' میں کیا کرتا مریم۔'' انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے لگتا تھا جیسے اب...... اب بھی اگر میں نے کچھ نہ کہا تو میں پھر آپ کو کھو نہ دوں' میں آپ کو اعتبار دینا چاہتا تھا مریم۔ آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ آپ کا کیا ناتا ہے مجھ سے' حویلی سے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ حویلی جانے سے انکار نہ کر دیں۔ آپ کو میرے ساتھ جانا ہے حویلی۔ آپ نے اس طرح سب کو دکھی کیا ہے لیکن اب ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اس بات کا خیال ہے کہ مجھے اس طرح یوں اپنے جذبوں کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ سکون سے' اطمینان سے جب آپ......'' وہ ذرا سا رک کے مسکرا کے اسے دیکھا اور اپنی بات مکمل کی ''بلکہ میں نے تو سوچا تھا مریم کہ آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بعد آپ کو بتاؤں گا کہ آپ میرے لیے کیا تھیں اور کس کس طرح میں آپ کو سوچتا تھا لیکن آپ اتنی بے اعتبار اور اتنی بے گانہ ہو رہی تھیں تو......''

''پلیز عادل بھائی۔'' مریم نے التجا کی ''پلیز میری بات تو سن لیں۔''

"آپ ہی کی باتیں تو سننی ہیں ساری عمر۔ آج تو مجھے بولنے دیں۔ پھر تو آپ ہی کو بولنا ہے۔"
آج وہ بہت موڈ میں تھے۔ ایسا شوخ انداز تو انہوں نے کبھی زندگی میں نہیں اپنایا تھا، مگر آج تو ان کا بَ
چاہ رہا تھا کہ وہ خوب بولیں۔ مریم کو تنگ کریں اور خوب خوش ہوں۔ ان کے لیے دنیا اتنی خوب صورت کبھی
نہ تھی جتنی زیادہ خوبصورت اس لمحے لگ رہی تھی۔ جب وہ انتہائی مایوس اور دل گرفتہ تھے جب انہیں یقین ہو
چلا تھا کہ وہ اسے پا کر کھو چکے ہیں۔ تو وہ انہیں مل گئی تھی۔ ان کا دل کسی ننھے بچے کی طرح ان کے اندر دھمال
ڈال رہا تھا...... جیسے کوئی بچہ کسی بات پر بہت خوش ہو کر آنکھیں بند کر کے چک پھیریاں کھائے۔
اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے انہوں نے مریم کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھ گود میں دھرے ازحد
پریشان نظر آ رہی تھی اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے کس طرح اس شخص کو بتائے کہ وہ جو کچھ سوچ رہے
ہیں، وہ ناممکن ہے۔

"کوئی اتا پتا کوئی منزل۔"
ان کے ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ تھی۔
"ویسے آپ کے ساتھ بغیر کسی منزل کا تعین کیے بھی ساری زندگی چل سکتا ہوں۔"
مریم نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر رنگ ہی رنگ تھے۔ مسکراہٹ ان
کی آنکھوں میں چھپی بیٹھی تھی۔
"مریم۔" اسے اپنی طرف یوں دیکھتا پا کر وہ چونکے "مریم میں اپنی بے اختیاری میں نہ جانے کیا کیا
کہہ گیا ہوں۔ آپ کو برا تو نہیں لگا۔ آپ سے تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ میری جسارت......"
"عادل بھائی۔" مریم نے نگاہیں جھکا لیں...... "یہ...... یہ جو آپ کہہ رہے ہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ میں
نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ آپ......"
"تو اب سوچ لیں۔ میں آپ کے سامنے ہوں جیسا بھی ہوں۔ کچھ پوچھنا چاہیں تو پوچھ لیں۔ جان
ہو تو جان لیں۔"
"آپ بہت اچھے ہیں عادل بھائی، میں جانتی ہوں، بالکل پاپا کی طرح مہربان اور شفیق۔ جب پہلی
بار میں نے آپ کو دیکھا تھا تو آپ مجھے بالکل پاپا کی طرح لگے تھے۔ ویسے ہی مہربان اور مجھے ایک د
تحفظ کا احساس ہوا تھا، جیسے پاپا کے بعد بھی میں اکیلی نہیں ہوں کوئی......"
"مریم۔" پروفیسر عادل نے اس کی بات کاٹ دی۔
"پلیز، پہلے میری بات سن لیں۔"
"ہاں کہو۔ جو کہنا ہے کہہ لو۔" وہ مسکرائے۔
"میں...... میں عادل بھائی میں...... مجھے۔"

گھر سے الگ اس طرح ہاسٹل میں رہنے سے اگرچہ اس میں کافی اعتماد آ گیا تھا پھر بھی وہ عادل سے
حقیقت کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔
"مریم۔" پروفیسر عادل ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور ان کا دل جیسے ڈوبنے لگا "مریم کیا آپ کو میری
جسارت بری لگی۔ میرے جذبوں کا اظہار پسند نہیں آیا۔ کیا آپ......" کچھ کہتے کہتے وہ ٹھہر سے گئے
جو بات کہنے والے تھے اسے کہتے ہوئے ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ پھر بھی ہمت کر کے
انہوں نے بات مکمل کر دی۔
"کیا آپ کسی اور کے......"
مریم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔
پروفیسر عادل کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا اور آنکھوں میں دھول سی اڑنے لگی...... نہیں بھلا ایسا
کب سوچا تھا، انہوں نے کہ مریم کسی اور کو بھی پسند کر سکتی ہے۔ کوئی اور بھی اس کی زندگی میں شامل ہو سکتا
ہے۔ وہ تو انہیں اب ملی تھی اور اب سے پہلے بہت سارے سال وہ گزار چکی تھی۔ وہ اتنی پیاری، اتنی دلکش
اور اتنی سلجھی ہوئی تھی کہ کوئی بھی اس سے متاثر ہو سکتا تھا۔ انہوں نے یہ کیسے فرض کر لیا تھا کہ اس کا دل ان
کی طرح بالکل صاف شفاف ہو گا اور اس کے دل کی تختی پر لکھا جانے والا پہلا نام ان کا ہی ہو گا۔

پتا نہیں کون تھا وہ
اور کس قدر خوش نصیب
جس نے اس کے دل کی تختی پر اپنا نام لکھا تھا۔
دل جیسے کوئی دبائے جا رہا تھا۔
کچھ پانے سے پہلے ہی سب کچھ کھو بیٹھے تھے وہ۔
ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھایا۔
"یہ پاپا کی بھی خواہش تھی مریم۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مریم بہت پیاری ہے اور عادل تم مریم کا
بہت خیال رکھنا۔" ان کی آنکھوں میں کانچ سے چبھنے لگے۔
"اور یہ خواہش۔" ان کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی۔
"میری اپنی خواہش، میری اپنی آرزو بھی تھی۔"
"پاپا کی خواہش۔" مریم نے استعجاب سے انہیں دیکھا۔
"ہاں ان کی خواہش۔"
اور پاپا اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔
مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے۔

نرم نرم لہجے میں باتیں کرتے ہوئے۔
اسپتال کے بیڈ پر لیٹے بڑی حسرت سے کہتے ہوئے۔
''کاش! مجھے اتنی مہلت مل جاتی کہ میں...... میں نے تمہارے لیے جو سوچا ہے مریم' وہ بہت خوش کن ہے۔ بس تمہاری ماما سے ڈر لگتا ہے کہ وہ......''
ان کی بہت ساری ادھوری باتیں یاد آ کر اس کی آنکھیں نم کر گئیں۔
پاپا کی خواہش اس کے لیے بہت محترم تھی...... لیکن
کاش...... اے کاش' شہریار اس کی زندگی میں شامل نہ ہوتا...... کیا وہ محض پاپا کی خاطر ان کی خواہش پوری کرنے کے لیے شہریار کو چھوڑ سکتی ہے۔
کیا شہریار کے علاوہ کسی اور کے سنگ زندگی بتائی جا سکتی ہے۔
بلاشبہ پروفیسر عادل بے حد نفیس انسان تھے۔
چاہے جانے کے قابل۔
لیکن وہ اس دل کا کیا کرتی جو شہریار کے علاوہ کسی کی رفاقت کا متمنی نہیں تھا۔
ایک لمحے صرف ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ وہ پاپا کی خواہش کے احترام میں اس بے حد نفیس شخص کا ساتھ قبول کر لے تو اسے لگا جیسے اس کا دل اس کا ساتھ چھوڑ رہا ہو۔ اس کی رنگت یک دم سپید پڑ گئی کسی انجانے درد سے مغلوب ہو کر بے اختیار اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔
''میں پاپا کی خواہش......'' اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن پروفیسر عادل نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔
''مریم پلیز! اپنے اوپر جبر مت کریں۔'' وہ انتہائی تکلیف سے گزر کر اب ضبط کی انتہاؤں پر تھے۔
''مگر پاپا کی خواہش۔'' مریم نے بے بسی سے انہیں دیکھا اور اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی پھیل گئی۔
''مرنے والوں کی خواہشات' زندہ انسانوں کی آرزوؤں سے زیادہ اہم نہیں ہوتیں' مجھے یقین ہے۔'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔
''اگر پاپا زندہ ہوتے تو وہ اپنی خواہش پر آپ کی آرزو کو ترجیح دیتے اور مریم میں اپنی عجلت پر نادم ہوں۔ جو کچھ میں نے کہا اسے ایک خواب سمجھ کر بھول جائیے گا۔ مایوسی کی انتہا پر پہنچ کر اچانک امید کی کوئی کرن دکھائی دے جائے تو شاید آدمی یوں ہی بے اختیار ہو جاتا ہوگا۔ میں اتنا بے صبر تو کبھی بھی نہیں تھا مریم کہ میرا پیمانہ چھلک جاتا لیکن آپ کو اس طرح اچانک پا کر میں...... بہرحال اسے بھول جائیے گا۔''
وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ سیدھے ہو بیٹھے...... ''اب بتائیے کدھر جانا ہے۔ کس ہاسٹل میں قیام ہے۔ اپنے ڈیوز وغیرہ ادا کیجیے اور سامان وغیرہ پیک کر لیں۔ میں کوشش کروں گا کہ آج ہی کی کسی فلائٹ سے کوئی

سیٹ مل جائے' نہیں تو کل صبح ہم یہاں سے چلیں گے۔''
''مگر میں......''
''مریم کوئی آرگو نہیں۔ آپ عثمان احمد کے حوالے سے جانی جاتی ہیں۔ نینا' عاشی اور تیمور ان سے بہت مضبوط رشتہ ہے آپ کا بہت گہرا۔ وہ وہاں ہیں حویلی میں آپ کو بھی ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا وہاں۔ ان کے ناتے سے آپ کے لیے حویلی میں بہت گنجائش ہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں بات پوری کر گئے ''اور اگر آپ حویلی نہیں جانا چاہتیں پھر بھی میں آپ کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں آپ کو آپ کی ماما کے پاس چھوڑ دوں گا۔''
''نہیں' نہیں ماما کے پاس نہیں۔''
ماما تو اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں۔ کتنی بار اس نے فون کیا تھا لیکن انہوں نے بات کیے بغیر فون رکھ دیا تھا۔
''ماما پلیز' میری بات سن لیں ایک بار۔'' اس نے ایک دن التجا کی تھی۔
''میں تم سب کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی۔ آئندہ فون مت کرنا۔ میرے لیے تم سب مر گئے ہو۔''
''تو ٹھیک ہے' آپ حویلی چلیں۔ آپ میری ذمے داری ہیں مریم۔ میں نے پاپا سے وعدہ کیا تھا کہ...... چلیں بتائیں نا' آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ باقی مسائل کا حل گھر چل کر ڈھونڈیں گے۔''
''کیا اسے عادل کے ساتھ جانا چاہیے۔'' مریم نے سوچا اور اس کا دل عاشی' نینا اور مور کے لیے بے تاب ہو گیا۔
انہیں ایک نظر دیکھنے کو ان سے ملنے کو' ان سے باتیں کرنے کو...... ایک بار عادل بھائی کے ساتھ چلی جاؤں پھر دیکھوں گی اور یہاں اکیلے رہنا بھی کس قدر مشکل ہے۔ لالہ...... لالہ پتا نہیں کب ٹھیک ہوگی۔ ڈاکٹرز ٹھیک طرح سے بتا ہی نہیں رہے تھے۔ بس ٹیسٹ ہو رہے تھے میڈیسن دی جا رہی تھیں اور لالہ روز بروز اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ میڈم نرگس اس کا فون ملتے ہی کراچی آ گئی تھیں اور لالہ کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے تو وہ بالکل ساکت سی کھڑی رہ گئی تھیں۔
''یہ...... یہ لالہ ہے؟''
''یہ...... یہ کیا کر لیا تم نے لالو...... تمہارے باپ نے تمہیں قید کر رکھا تھا۔ خون چوس لیا تمہارا۔'' وہ اس سے لپٹ گئیں۔ لالہ کے آنسو خاموشی سے اس کے رخساروں پر بہتے رہے۔
''ارے' دیکھ لوں گی اس سومرو کو۔ مقدمہ کر دوں گی۔ عدالت میں گھسیٹوں گی۔'' وہ بولتی رہیں۔ بڑی دیر بعد سنبھلیں تو لالہ نے شکایتی نظروں سے مریم کو دیکھا۔
''میں نے تمہیں منع کیا تھا مریم کہ ممی کو پریشان نہ کرنا۔''

"نہیں ہوتی' میں پریشان وغیرہ اور یہ تم عام وارڈ میں پڑی ہو۔ میڈم نرگس کی بیٹی اور عام وارڈ میں۔" انہوں نے مٹھیاں بھینچیں "اور وہ جاگیردار الو...... وہ اس نے یہاں عام وارڈ میں بیٹی کو داخل کرا دیا۔ کہاں مر گیا ہے وہ...... پوچھوں گی اس سے بیٹی کے علاج کے لیے پیسہ نہیں تھا تو بھیک مانگ لیتا۔"

"ممی پلیز' ڈیڈی کو تو کچھ معلوم نہیں۔ میں تو جاب کر رہی تھی یہاں......" لالہ کا سانس اکھڑنے لگا۔

ذرا سی دیر میں انہوں نے پورے اسپتال میں ہنگامہ کر ڈالا تھا۔ پہلے فوری طور پر لالہ کو وی۔ آئی۔ پی روم میں منتقل کیا گیا اور دوسرے ہی دن وہ اسے آغا خان لے گئیں۔ ایک سے ایک بڑا ڈاکٹر اور اسپیشلسٹ لالہ کو چیک کر رہے تھے۔ اس کا کیس ڈسکس کرنے کے لیے پورا ایک ڈاکٹروں کا بورڈ بیٹھا تھا اور بالآخر انہوں نے متفقہ فیصلہ دے دیا تھا کہ لالہ کو کینسر ہے...... لنگز میں اور اس کا ایک پھیپھڑا ختم ہے۔

"نہیں' بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ سب ڈاکٹر جھوٹ بولتے ہیں۔ میں لالہ کو امریکا لے جاؤں گی۔ انگلینڈ لے جاؤں گی۔ جہاں بھی ممکن ہوا۔"

میڈم نرگس کو ڈاکٹروں کی بات پر اعتبار نہ تھا اور لالہ کی حالت بہتر نہ تھی۔ اب تو وہ وقفے وقفے سے کومے میں چلی جاتی تھی۔ میڈم کے بیٹوں نے انٹرنیٹ پر ساری دنیا سے رابطہ قائم کیا تھا اور بالآخر لالہ کو انگلینڈ لے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ انتظامات تقریباً مکمل تھے۔ دو چار روز میں شاید میڈم لالہ کو لے جاتیں۔

"مریم' آپ کیا سوچنے لگیں۔ ہم پر اعتبار کریں مریم اور پلیز بتائیں آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔"

پھر اچانک جیسے مریم کی خاموشی سے انہوں نے خود ہی مطلب اخذ کر لیا۔

"کیا...... کیا یہاں آپ ان کے ساتھ ہیں۔ آئی مین وہ......" وہ خود ہی جھجک گئے۔

"نہیں...... نہیں' شہریار کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ میں یہاں ہوں۔" ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا "میں تو لالہ کے ساتھ آئی تھی۔" اس نے وضاحت کی۔

"کون لالہ؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ تب لالہ کے وہاں اچانک ایک روز "چین ون" میں نظر آ جانے سے لے کر اب تک کی ہر بات مریم نے بتا دی۔

"تو شہریار' عینی کا بھائی ہے۔" انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوٹل کے کمرے میں الجھا الجھا سا سوال کرتا ہوا شہریار آ گیا۔

"جی۔" مریم کو عادل سے حیا آ گئی اور اس کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں اور شہریار کے نام پ چہرے پر اتر آنے والے رنگوں نے عادل کو بتا دیا کہ شہریار کا نام اس کے دل کی تختی پر کتنا گہرا ہو چکا ہے۔

"ہاں بے شک' ہی از اے ویری نائس مین......" انہوں نے بے ساختہ تعریف کی اور مسکرائے۔

"فی الحال آپ حویلی چلیں پھر یہ فیصلہ ماں جی کریں گی کہ آپ کو پہلے رخصت کر دیا جائے یا پھر عا کے ساتھ ہی...... دراصل ڈاکٹر عبدالمعید کا اصرار ہے کہ عاشی جیسے ہی فارغ ہو......" یک دم درد کی ا

شدید لہر دل میں اٹھی اور آنکھوں کے سامنے دھند سی آ گئی۔ گہرا درد بے دردی سے ان کے دل کو چھیلنے لگا۔ یہ دنیا جو چند لمحے پہلے بے انتہا خوب صورت اور روشن لگ رہی تھی۔ اب یک دم ہی اس کی ساری خوبصورتیاں اور سارے رنگ مر گئے تھے۔

حالانکہ دن اتنا ہی روشن تھا۔

اور آسمان اتنا ہی نیلا تھا۔

لیکن انہیں سب کچھ میلا میلا اور ڈل ڈل لگ رہا تھا۔

اتنی دیر سے وہ ضبط کیے مریم سے باتیں کر رہے تھے مگر اب ایکا ایکی ان کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ مریم کو یہیں چھوڑ کر گاڑی بھگاتے ہوئے دور نکل جائیں۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ان کے ماتھے پر ابھرتے پسینے کے قطروں کو دیکھ کر اس نے تشویش سے پوچھا۔

"رومانس کے لیے یہ جگہ انتہائی نامناسب ہے۔" قریب سے گزرتے ہوئے ایک اسکوٹر سوار نے فقرہ اچھالا تو ناگواری کی ایک لہر سی ان کے چہرے پر آ کر گزر گئی۔ یہ تو غنیمت تھا کہ یہاں اس روڈ پر زیادہ رش نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ انہوں نے گاڑی سائیڈ پر کر رکھی تھی پھر بھی یہ مناسب نہیں تھا۔

"ہاں۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی اور گاڑی روڈ پر لے آئے۔

"اور اب ذرا رہنمائی کیجیے' کس سمت جانا ہے۔"

"وہ اس وقت تو میں آغا خان جاتی ہوں لالہ کو دیکھنے۔"

"او کے۔"

غیر ارادی طور پر انہوں نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ ان کے اندر آندھیاں چل رہی تھیں اور انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کا وجود کسی تنکے کی طرح شدید طوفان کی زد میں آیا ہوا ہو۔ ادھر سے ادھر ہچکولے کھا رہا ہو۔ بار بار ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ گاڑی کسی شے سے ٹکرا دیں اور لمحوں میں سب ختم ہو جائے۔

ساری تکالیف۔

اور سارے درد ماند پڑ جائیں۔

ایک ناقابل بیان سی اذیت تھی۔

اور ایک انجانا سا درد تھا جو اندر ہی اندر انہیں گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ رہا تھا' ان کے ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے تھے اور وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیو کر رہے تھے۔

"آغا خان کی پارکنگ میں انہیں میڈم نرگس مل گئیں۔ وہ شاید کسی کو خدا حافظ کہنے باہر آئی تھیں۔ ان کی آنکھیں شدت گریہ سے سوجی ہوئی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار مریم نے ان کے ہونٹوں کو لپ اسٹک

سے بے نیاز دیکھا تھا۔ وہ وہی کل والی آسمانی ساڑی باندھے ہوئے تھیں۔ کل اسی وقت وہ لالہ کو دیکھنے آئی تھی۔ تو لالہ کا سانس بہ مشکل آرہا تھا لیکن اس نے مسکرا کر مریم کی طرف دیکھا تھا۔

"موموٴ یہاں نہ رہنا۔" اس نے سرگوشی کی تھی "اور شہریار سے شادی ضرور کرلینا اور ممی کو اور اعزاز کو حوصلہ دینا۔"

میڈم نرگس کے آنے کے فوراً بعد ہی اعزاز بھی آگیا تھا' خفا خفا اور ناراض سا۔

"تم بے وفا لڑکی' کیوں کیا تم نے ایسا کیوں چھپ گئی تھیں تم مجھ سے؟"

"یہ ضروری تھا نا اعزاز۔ میں بیمار جو تھی پھر کیا فائدہ تمہیں پریشان کرنے کا۔"

اور اعزاز تو سارا وقت اسپتال ہی میں رہتا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے لمحوں میں اچھا کردے اور میڈم نرگس دن میں دس مرتبہ اس سے کہتیں۔

"اعزاز' لالہ اچھی ہوجائے تو پھر میں دھوم دھام سے اس کی تمہارے ساتھ شادی کردوں گی۔ دیکھنا' اتنی دھوم دھام سے کروں گی کہ یہ شادی لوگوں کو مدتوں یاد رہے گی اور وہ گلبرگ والی کوٹھی میں لالہ کو جہیز میں دے دوں گی اور تمہارا ولیمہ پی سی میں ارینج کروں گی۔"

وہ بولتی رہیں اور لالہ کی آنکھوں میں جگنو چمکتے رہے اور وہ سب سے نظر بچا کر ان جگنوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں میں سموتی رہی......

"تم...... تم آگئی ہو مومو؟" وہ اسے دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھیں۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"آنٹی' لالہ کیسی ہے؟"

"لالہ...... وہ اسے لے گئے کل تمہارے جانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا تھا "ممی آئی لو یو۔"

"جھلی' پاگل مجھے اسے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس جا رہی تھی تب بھی مجھے پتا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"آنٹی۔" مریم نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

پھر اس کا سانس اکھڑ گیا۔ اس نے ایک دم آنکھیں بند کرلیں اور کومے میں چلی گئی۔ وہ اسے آئی۔ سی۔ یو میں لے گئے لیکن اس کا سانس ایسے ہی رہا...... پھر...... پھر انہوں نے مجھے بتایا۔

انہوں نے پیچھے مڑ کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو شاید ان کے ساتھ ہی باہر آیا تھا۔

"انہوں نے اسے وینٹی لیٹر لگا دیا ہے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

مریم نے اپنے بازو ان کے گرد حمائل کردیے "آنٹی پلیز گھبرائیں نہیں' روئیں نہیں' وہ ٹھیک ہوجائے گی...... انشاءاللہ۔"

"اچھا' وہ ٹھیک ہوجائے گی نا۔" انہوں نے اپنے آنسو پونچھے پھر ان کی نظر عادل خان پر پڑی۔

اپنے ہی کسی خیال میں کھوئے ہوئے کھڑے تھے۔

"ارے عادل خان تم...... ڈھونڈ لیا' بالآخر تم نے اپنی مریم کو۔" انہوں نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن ہونٹ صرف پھیل کر رہ گئے۔ پروفیسر عادل نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اب لالہ کیسی ہے؟"

"وہ...... عادل خان' وہ جا رہی ہے' مجھے چھوڑ کر جا رہی ہے۔ میں اسے لندن لے جا رہی تھی لیکن وہ......" پروفیسر عادل کے بازو سے سر ٹکا کر زور زور سے رونے لگیں۔

"ممی پلیز۔" ان کے بیٹے نے آگے بڑھ کر ان کے گرد اپنے بازو حمائل کردیے۔

"چلیں' اندر چلتے ہیں۔" پھر اس نے معذرت طلب نظروں سے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا اور انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں' میں اندر نہیں جاؤں گی اس کمرے میں جہاں اس کا خالی بیڈ ہے۔" میڈم نرگس مچل گئیں۔

"اوکے ممی...... ہم وزیٹر روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

اور ابھی وہ اسپتال کے لان میں ہی تھے کہ اندر سے تیز تیز چلتا ہوا اعزاز' اس کے پیچھے سید امتیاز شاہ اور ان کے پیچھے میڈم کا دوسرا بیٹا نکلا اور پھر وہ سب میڈم کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوگئے۔ میڈم نرگس نے ان کی طرف دیکھا۔ اعزاز کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ وہ ایک دم میڈم کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا جیسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی سکت نہ ہو۔

"وہ چلی گئی۔" اس نے سر اٹھا کر سرگوشی کی "وہ چلی گئی میڈم۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں۔ میں اس سے ناراض ہوں بہت زیادہ ناراض ہوں۔ بہت زیادہ۔" وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میڈم نرگس ساکت کھڑی تھیں' خاموش۔ میڈم کے بڑے بیٹے ایک قدم آگے بڑھے" ابھی وینٹی لیٹر اتارنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ شاید دو تین یا چار دن لیکن اچانک ہی سب کچھ ختم ہوگیا۔ سارے نظام نے کام کرنا چھوڑ دیا...... اور......"

"نہیں۔" میڈم نرگس کی آنکھیں خشک تھیں مگر ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی "وہ بڑی ایکٹر ہے۔ بچپن ہی سے تماشے کرتی آئی ہے میرے توجہ حاصل کرنے کے لیے۔ مجھے روکنے کے لیے۔ ایک بار اس نے سیڑھیوں سے چھلانگ لگا دی تھی۔ مہینوں پلاسٹر چڑھا رہا تھا پھر ایک بار اس نے ہتھیلی میں چاقو کھبو لیا تھا' تمہیں تو پتا ہے مومو۔ تم ہی بتاؤ سب کو۔" انہوں نے مریم کی طرف دیکھا "وہ ایسے ڈرامے کرتی رہتی ہے۔ اب وہ چاہتی تھی نا کہ میں اس کے پاس خود آؤں تو بیمار بن کر بیٹھ گئی۔ کچھ نہیں ہوا اس کو۔ میں خود دیکھتی ہوں جا کر اسے۔"

"ممی ممی۔" دونوں بیٹے ایک ساتھ ان کی طرف لپکے تھے اور دونوں نے ہی انہیں سنبھالنے کی کوشش

کی تھی اور بیٹوں کی بانہوں کا سہارا پاتے ہی وہ بکھر گئیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ان کے بیٹے بھی رو رہے تھے۔

''دیکھو لالہ' تم کہتی تھیں نا کہ وہ ممی کے بیٹے ہیں' میرے بھائی نہیں ہیں۔'' مریم نے جیسے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

وہ سب کس بری طرح رو رہے تھے۔ ان سارے بیتے دنوں میں مریم جب اسپتال آئی تھی' اس نے انہیں وہاں ہی پایا تھا۔ چوبیس گھنٹے وہ ان کی بیویاں' ان کے بچے وہاں ہی ہوتے۔ لان میں بیٹھے یا اس کے پاس سب رو رہے تھے اور مریم کا دل جیسے ہولے ہولے ڈوب رہا تھا۔ اس کی رنگت ہلدی کی سی ہو رہی تھی اور آنکھوں کے آگے دھند سی چھا رہی تھی۔ اس نے سہارے کے لیے بے اختیار نزدیک کھڑے پروفیسر عادل کے بازو پر ہاتھ رکھا...... پروفیسر عادل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اسے سہارا دیتے ہوئے قریب ہی نشست پر بٹھا دیا۔

''مریم' حوصلہ کریں پلیز۔''

''عادل بھائی۔'' مریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر ان کے بازو سے سر ٹکا کر رونے لگی۔

❀❀❀

''بجو۔'' عاشی نے مریم کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا'' آپ نے بتایا نہیں' ماما نے کیا کہا تھا۔ وہ آپ سے اچھی طرح ملی تھیں' انہوں نے میرا پوچھا تھا؟''

بتانے کے لیے تھا ہی کیا جو وہ عاشی کو بتاتی۔ سوائے اسے دکھی کرنے کے۔ وہ تو جب سے زینب ولا سے ہو کر واپس آئی تھی چھپ کر یہاں بی آپا کے گھر بیٹھی تھی صرف اس لیے کہ وہ عاشی کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عاشی کو کس طرح بتائے کہ ماما انہیں معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

''تیمور نے کچھ نہیں بتایا؟''

''نہیں' وہ کہہ رہا تھا بجو سے پوچھ لو۔''

''اچھا۔'' مریم نے افسردگی سے اسے دیکھا'' کیا ماما بہت خفا ہوئی تھیں۔ بہت ناراض ہوں گی ہے نا۔'' وہ مسکرائی'' لیکن مجھے پتا ہے پھر انہوں نے معاف کر دیا ہوگا۔ کیا انہوں نے گھر آنے کے لیے کہا ہے اور عاصمہ' امامن وہ سب لوگ کیا ابھی وہاں ہی ہیں ہمارے گھر؟''

عاشی کی آنکھوں میں جگنو سے اتر آئے تھے۔ مریم نے ایک گہری سانس لی۔ ماما کا رویہ عاشی کی توقعات کے بالکل برعکس تھا اور وہ خود کتنے یقین سے گئی تھی زینب ولا' حالانکہ پروفیسر عادل نے بڑے رسان سے سمجھایا تھا کہ وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ جانا چاہتی تھی۔

ماما کے سوا اس کا اپنا کون تھا۔

حویلی سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ پاپا کے بیٹے کا گھر تھا اور وہاں عاشی' نینا اور مور تھے۔

وہ عادل کے ساتھ آ تو گئی تھی کہ اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ لالہ چلی گئی تھی اور وہ اکیلی تھی۔ اسے تو کچھ ہوش نہیں تھا۔ کب لالہ کو اسپتال سے گھر لے جایا گیا۔ میڈم کے بیٹوں کے گھر وہاں ہی تھے کراچی میں اور کب اس کی میت لاہور پہنچی...... اسے کچھ خبر نہیں تھی...... اسے بالکل خبر نہیں تھی۔ پروفیسر عادل ہی تھے جو اسے سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ اس کی آنکھوں کے آگے تو بار بار اندھیرا چھا جاتا تھا۔ میڈم کے گھر کے وسیع و عریض لاؤنج میں لالہ کی میت رکھی تھی۔ اس کے بھائیوں نے اسے پھولوں سے لاد دیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ یوں جیسے ابھی ایک لمحے میں قہقہہ لگا کر اٹھ بیٹھے گی اور ہنستے ہنستے بے حال ہو جائے گی۔

''ارے' میں تو یونہی ایکٹنگ کر رہی تھی۔''

لیکن وہ تو اسی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ اسے لاہور لے جانے کے انتظامات ہو رہے تھے اور میڈم نرگس کی حالت پاگلوں کی طرح ہو رہی تھی۔

کبھی وہ سومرو کو گالیاں دینے لگتیں' کبھی لالہ کو جھنجوڑنے لگتیں۔

''بس بہت ہو گیا' اب اٹھ جاؤ۔''

کبھی وہ اعزاز کو آوازیں دیتیں۔

''جاؤ کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ شادی کی تیاری کرو۔'' اور مریم کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔

وہ اس کی پٹی پر سر رکھے بیٹھی تھی کہ اسے اپنے کندھوں پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا' وہ مسز ارباب تھیں۔

''تم اپنی ماما کے پاس انگلینڈ نہیں گئی ہو اب تک؟''

وہ صرف انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

ان کی تیز نظریں اسے اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئیں اور ان کی انگلیاں اسے اپنے بازوؤں میں کھبتی ہوئی لگیں۔

''تو پھر کل سے جاب پر آجاؤ۔ تم وہیں ہونا' آنٹی کے ہاسٹل میں؟''

وہ پیچھے ہٹ گئی تھیں لیکن کتنی دیر تک اس کے وجود میں سنسنی سی طاری رہی۔ اسے لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ ہو۔

لالہ کے جانے کے انتظامات مکمل ہو گئے تھے۔ جب اسے لے جانے لگے تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی

تھی۔ پروفیسر عادل اس کے پاس آ گئے۔

"مریم! اگلی فلائٹ سے دو سیٹیں مل گئی ہیں۔"

اس نے ایک نظر انہیں دیکھا۔ ابھی اس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ پروفیسر عادل کے ساتھ جائے یا نہیں۔ وہ یوں ہی کھڑی تھی خاموش۔

"مریم چلیں پلیز۔ ابھی آپ کو ہاسٹل سے اپنا سامان بھی لینا ہوگا۔"

"مومو یہاں نہ رکنا۔ حویلی یا ماما کے پاس چلی جانا۔" لالہ نے جیسے اس کے کان میں سرگوشی کی اور اسے اپنے بازوؤں میں مسز ارباب کی انگلیاں کھبتی محسوس ہوئیں۔

"اکیلی لڑکی کے لیے قدم قدم پر بھیڑیے موجود ہیں۔"

لالہ عمر میں اس سے چھوٹی تھی لیکن اس کی باتیں کتنی میچورڈ ہوتی تھیں وہ ہمیشہ لالہ سے متاثر رہی تھی جب وہ لاہور میں تھی تب بھی اور اب جب لالہ کے ساتھ یہاں ہاسٹل میں تھی تب بھی لالہ نے ہمیشہ اسے حیران کیا تھا...... اور اب بھی حیران کر کے چلی گئی تھی۔

وہ خاموشی سے عادل کے ساتھ ہاسٹل چلی آئی۔

لالہ کی موت کا سن کر وہاں کھلبلی مچ گئی۔ سب ہی اس کے کمرے میں اکٹھی ہو گئیں۔ وہ خاموشی سے سامان سمیٹتی رہی۔

اس کے جانے کا سن کر سب کو حیرت ہوئی تھی لیکن سب اسے گیٹ تک خدا حافظ کہنے کے لیے آئی تھیں۔ لاہور آ کر وہ میڈم نرگس کی طرف آ گئی تھی۔ وہ لالہ کی آخری رسوم میں شریک ہونا چاہتی تھی...... آخری لمحے تک اسے دیکھنا چاہتی تھی۔

پروفیسر عادل اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے ایئرپورٹ سے سیدھے میڈم نرگس کے گھر ہی لے گئے تھے۔ جہاں ایک کہرام مچا تھا۔ لالہ کے سوئم تک وہ وہاں ہی تھی، میڈم نرگس کے پاس۔ وہ اسے اپنے پاس سے اٹھنے ہی نہیں دے رہی تھیں۔ اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھی رہتیں۔

"مجھے بتاؤ لالہ کیا کرتی تھی۔ کیا کہتی تھی۔ کیا باتیں کرتی تھی۔ اس کے ایک ایک لمحے کا حال بتاؤ جو تم نے اکٹھے گزارے تھے۔"

وہ یاد کر کر کے بتاتی رہتی۔ وہ اشتیاق سے سنتی رہتیں اور جب وہ بات ختم کرتی تو وہ دھاڑیں مار مار کے رونے لگتیں۔ اس روز لالہ کا سوئم تھا۔ وہ میڈم نرگس کے پاس بیٹھی سپارہ پڑھ رہی تھی کہ اس نے ماما کو آتے دیکھا۔

سیاہ لباس میں نیچرل لک دیتے ہوئے میک اپ کے ساتھ وہ ہمیشہ کی طرح دلکش لگ رہی تھیں۔ وہ میڈم نرگس کی فاسٹ فرینڈ تھیں سو لالہ کی موت کی خبر سنتے ہی آ گئی تھیں۔

"یوں بھی چند روز میں ہمیں آنا ہی تھا۔"

"ماما۔" وہ مسز آفندی کو بتا رہی تھیں جب مریم نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے کہا۔ انہوں نے بغیر اس کی طرف دیکھے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ماما۔" وہ ان کے سامنے آ گئی۔ مسز آفندی کسی اور خاتون کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"مومو مت کرو مجھ سے بات۔"

"ماما پلیز، میری بات سن لیں۔"

"نہیں ہوں میں تمہاری ماما۔"

"ماما۔" اس نے سسکی لی "ماما آپ چلی گئی تھیں...... عاشی عادل بھائی کے ساتھ جا رہی تھی۔ میں وہاں نہیں جا سکتی تھی۔ آپ ہی نے تو کہا تھا۔ اس لیے میں لالہ کے ساتھ کراچی چلی گئی تھی۔ وہ مجھے اچانک مل گئی تھی اور ماما وہاں گھر میں وہ امامن تھا۔ بہت غلیظ انسان۔"

"فضول مت بولو۔ تم ہمیشہ سے یہ ہی کرتی آئی ہو۔ عاشی کو بھی تمہاری شہہ تھی۔ تمہیں ہر شریف آدمی فضول لگتا ہے۔"

"ماما پلیز، میرا یقین کریں، میں نے عاشی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ امامن سے چڑتی تھی۔ وہ اچھا آدمی نہیں تھا ماما۔ وہ تنگ کرتا تھا ماما۔ مجھے، عاشی کو اور......"

"زینی یار، یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔" ماما کی کوئی جاننے والی ان کے قریب آ گئی تھیں اور ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر ہنس رہی تھیں "بڑا حوصلہ ہے بھئی۔ اس عمر میں رسک لے لیا۔"

"آخر غضنفر ملک کو بھی تو اپنا نام لیوا چاہیے تھا نا۔" یہ مسز آفندی تھیں۔ وہ خاموش کھڑی تھی اور ماما کے چہرے پر شفق سی پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں جیسے تارے اتر آئے تھے۔ وہ اسے یکسر نظر انداز کر کے ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"ارے یہ مریم ہے نا، تمہاری بیٹی۔" ان کی جاننے والی خاتون نے اس کی طرف دیکھا "میں نے پہچانا نہیں، دراصل کافی عرصے بعد دیکھا ہے اور پھر یہ کچھ کمزور لگ رہی ہے۔ شاید بیمار ہے کچھ۔"

تب ماما نے پہلی بار نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر نرم نرم سا تاثر تھا۔ جیسے انہیں بھی اس کی کمزوری پر تشویش ہو اور مریم کے چہرے پر ایک نامعلوم سی خوشی اتر آئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ ماما اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہیں گی تو وہ ان کے ساتھ زینب ولا چلی جائے گی۔ وہ پروفیسر عادل کے ساتھ حویلی نہیں جائے گی اور پھر ماما کو منا کر وہ عاشی، نینا اور مور کو بھی لے جائے گی لیکن اسے تو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ قرآن خوانی اور کھانے کے بعد ماما کب چلی گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار بھی اسے اپنے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تھا۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا گرا تھا اور وہ خاموشی سے پروفیسر عادل کے

ساتھ ان کے گھر چلی آئی تھی۔

''کل صبح ہم حویلی چلیں گے۔ اس وقت دیر ہوگئی ہے۔ آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ رات آرام کرلیں۔ جانے کتنی راتوں سے آپ سوئی نہیں ہیں۔ صبح سویرے ہی حویلی چلیں گے۔'' پروفیسر عادل نے اس سے کہا تھا لیکن وہ حویلی جانے سے پہلے ماما سے ملنا چاہتی تھی مگر فون پر عاشی اس کی آواز سنتے ہی اس بری طرح روئی تھی کہ خود اسے ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔ عاشی کے کالج کی چھٹیاں تھیں اور وہ حویلی میں تھی۔

''آپ......آپ کب آرہی ہیں۔''

''پتا نہیں آؤں گی بھی یا نہیں۔'' اور کیا خبر ماما کے پاس ہی رک جاؤں۔ اس نے سوچا۔

''نہیں پلیز' آپ صبح ہی آجائیں۔ میں بہت زیادہ آپ کے لیے اداس ہوں بہت زیادہ۔ پھر تیمور کو بھی بہت تیز بخار ہے۔ وہ مدہوشی میں بھی آپ کو بلاتا ہے' کبھی ماما اور پاپا کو۔'' وہ پھر رو دی اور وہ بے چین سی ہوگئی۔

''مورو وہاں ہے۔ اسے کب سے ٹمپریچر ہے؟''

''اسے کئی دن سے ٹمپریچر ہے۔ اس کے ہاسٹل سے فون آیا تھا' تو ڈرائیور جا کر اسے لے آیا تھا۔ عادل بھائی کراچی گئے ہوئے تھے نا اور آپ کہاں چلی گئیں تھیں بجو۔ آپ نے نہ اپنی خبر دی' نہ ہماری لی۔''

شاید عادل نے ابھی کسی کو کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔

''تیمور بیمار تھا۔'' وہ تڑپ اٹھی۔

''میں کل عادل بھائی کے ساتھ آجاؤں گی تو سب بتادوں گی۔''

اس نے سوچا تھا' وہ عاشی اور تیمور سے مل کر پھر واپس آجائے گی ماما کے پاس لیکن......

بی آپا اور ماں جی سب کتنی محبت اور چاہت سے ملے تھے۔

اسے بی آپا کی خفگی' ماں جی کی اپنائیت بھری سرزنش۔ وہ ان محبتوں کی پھوار میں کتنی ہی دیر تک بھیگتی رہی اور اس نے سوچا تھا کیا اس نے کراچی جا کر غلطی کی تھی......لیکن نہیں' ہر بات میں کوئی نہ کوئی خدا کی مصلحت ہوتی ہے۔ اگر وہ لالہ کے ساتھ نہ جاتی تو......شاید کسی کو خبر بھی نہ ہوتی اور وہ خاموشی سے ایک دن مرجاتی۔ تیمور تو اس سے سخت ناراض تھا بے حد خفا۔

''مجھ سے بات مت کریں مومو۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں لیکن مریم نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور کتنی ہی دیر تک اپنے ساتھ لپٹائے روتی رہی۔

اسے ٹائیفائڈ تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا اور اگرچہ وہ میڈیسن بھی لے رہا تھا اور کافی بہتر تھا پھر بھی پروفیسر عادل چاہتے تھے کہ ایک بار لاہور لے جا کر وہ کسی اسپیشلسٹ کو دکھادیں تو مریم بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔

''ہم رات تک واپس آجائیں گے مریم۔ آپ کو محض سفر کی تکلیف ہوگی۔''

''وہ دراصل میں ماما سے بھی ملنا چاہتی ہوں۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں مریم پھر بھی آپ کی خواہش ہے تو۔'' انہوں نے نگاہیں جھکائے اسے اپنی اور زینب کی گفتگو بتادی لیکن اس کا خیال تھا کہ تب ماما کو بہت غصہ تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ ان کا غصہ اتر چکا ہے۔ ان کے چہرے پر جو نرم نرم سا تاثر اسے دکھائی دیا تھا اس نے بڑی تقویت دی تھی اسے اور عاشی بھی پرامید تھی اور اس نے بتایا تھا کہ وہ ماما کو بہت مس کر رہی ہے اور اپنے گھر کو بھی۔

''بجو ماما کی خفگی ختم ہوچکی ہوگی' ہے نا۔ شاید میں نے غلط کیا تھا۔ مجھے اس طرح عادل بھائی کے ساتھ آنا نہیں چاہیے تھا لیکن ماما کو بھی دیکھا تھا' آپ نے کس طرح انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ہم ان کے گھر سے چلے جائیں لیکن بجو اگر ماما بہت زیادہ ناراض نہ ہوئیں تو ہم چلیں گے اور بجو ماما کو بتانا کہ میں اب بی اے فائنل میں ہوں اور میرے مارکس ہر سبجیکٹ میں بہت اچھے آتے ہیں اور سب اساتذہ میری بہت تعریف کرتی ہیں۔''

''ضرور بتاؤں گی۔'' مریم نے اس کے رخسار تھپتھپائے لیکن وہ تو ماما سے کوئی بات نہیں کرسکی تھی۔ ماما کا موڈ بہت خراب تھا وہ اپنے بیڈروم میں تھیں اور لیڈی ڈاکٹر ان کا بی پی چیک کررہی تھی۔ پروفیسر عادل گاڑی اندر نہیں لائے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ وہ یہاں ہی ان کا انتظار کرتے ہیں۔ تیمور نے بھی اس کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا۔

''کیوں۔'' اسے حیرت ہوئی تھی ''ماما سے نہیں ملو گے؟''

''نہیں۔'' تیمور نے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا تھا ''وہ بھی تو ہم سے ملنا نہیں چاہتیں۔''

''اور میں اکیلی جاؤں اندر۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ اس کی آنکھیں نم سی تھیں اور چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا کتنا دل چاہ رہا ہوگا' ماما سے ملنے اور ان کو دیکھنے کو۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور خاموش ہوگیا تھا لیکن وہ ظاہر نہیں کرتا تھا کہ وہ انہیں مس کرتا ہے۔

''میرا بھائی ہے نا میرے ساتھ۔ میرا محافظ تو پھر میں اکیلی کیوں جاؤں اندر۔''

''آپ پہلے بھی تو چلی گئی تھیں اکیلی کراچی۔'' ناراض سے لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کے ساتھ اندر چلا آیا تھا اور مریم کو اس کی ناراضی پر بے حد پیار آیا تھا۔

''غلطی ہوگئی میری جان۔ سوری نا۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے اندر آئی تھی۔ اندرونی گیٹ صفو نے کھولا تھا اور پھر جیسے خوشی سے پاگل ہوکر شریف کو آوازیں دینے لگی تھی۔ پھر شریف' صفو' جیناں سب ہی لونگ روم میں اکھٹے ہوگئے تھے۔

''ارے بی بی' شکر ہے' آپ آگئے ہو۔'' شریف نے شکر ادا کیا تھا۔ وہ سب ہی ان کی آمد پر خوش

ہو گئے تھے۔

''اے کون ہے۔ کیوں شور مچا رکھا ہے؟'' ٹی وی لاؤنج سے امامن نے آواز دی تھی۔

''ماما کہاں ہیں؟'' اس نے صفو سے پوچھا تو اس نے بتایا۔

''اپنے بیڈروم میں ہیں' لیڈی ڈاکٹر آئی ہوئی ہے۔''

''طبیعت خراب ہے کیا؟''

''جی بس۔'' صفو مسکرائی تو وہ ٹی وی لاؤنج کی طرف بڑھی۔ ٹی۔ وی لاؤنج میں صوفے پر امامن نیم دراز کوئی فلم دیکھ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

''آہا! آج تو بھتیجی صاحبہ کی سواری باد بہاری آئی ہے۔ تب ہی اتنا ہنگامہ ہو رہا تھا۔ خیر چیز ہی ہنگامہ برپا کرنے والی ہو۔''

مریم اسے نظر انداز کر کے ماما کے بیڈروم کی طرف بڑھ گئی تیمور کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور پھر دروازے پر دستک دے کر وہ اندر چلی گئی۔ زینب لیٹی ہوئی تھیں اور ڈاکٹر ان کا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھی۔

مریم اور تیمور کو دیکھ کر ان کی پیشانی پر ناگواری شکنیں پڑ گئیں اور انہوں نے رخ موڑ لیا۔

''ماما'' مریم تڑپ کر آگے بڑھی'' آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

وہ خاموش رہیں۔

''ماما پلیز آپ خفا نہ ہوں' میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ......''

''مومو'' انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا'' کیوں یہاں آئی ہو اب...... کس لیے؟''

''ماما آئی لو یو ماما' بلیو می۔''

''چلی جاؤ یہاں سے مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے اب۔''

''ماما۔'' مریم نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن وہ یک دم غصے سے چلا اٹھیں۔

''یہ گھر میرا ہے۔ تم نے اپنی مرضی سے اسے چھوڑا تھا مومو اور اب جہاں جی چاہے رہو' میرے لیے تم سب مر چکے ہو۔''

مریم لمحہ بھر ساکت کھڑی رہی۔ ماما اتنا بدل چکی ہیں' انہوں نے تیمور کو بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

''آپ جاتی کیوں نہیں۔'' غضنفر ملک واش روم سے باہر آیا تھا ''چلی جائیں اور آئندہ یہاں قدم نہ رکھیے گا اور آنے سے پہلے سوچ لیجیے گا' یہ زینب ولا نہیں ملک ہاؤس ہے۔''

وہ غضنفر ملک جو خاموش رہتا تھا ان کے کسی معاملے میں کبھی نہیں بولتا تھا' اب تیز لہجے میں بول رہا تھا۔

اس نے پھر ماما کی طرف دیکھا جنھوں نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا تھا۔

''زینی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آپ کی آمد ان کی طبیعت کو مزید خراب کر رہی ہے اس سے پہلے کہ

مجھے خود آپ کو نکلوانا پڑے' آپ چلی جائیں یہاں سے۔''

''ہاں جاؤ جاؤ' چلی جاؤ اور حویلی جا کر رہو۔''

ماما چیخیں تو اس کی ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور وہ تیمور کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلی آئی۔ ٹی وی لاؤنج میں پھر امامن صوفے پر نیم دراز ہو چکا تھا۔ عاصمہ اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے ایک طنزیہ نظر اس پر ڈالی۔ گویا اس کا کمرہ اب اس کے قبضے میں تھا۔ امامن نے اسے دیکھ کر آنکھ دبائی'' کہو تو سفارش کر دیں' میری جان۔''

غصے سے لال چہرے کے ساتھ وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی...... پروفیسر عادل نے کچھ نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی تیمور نے کچھ کہا تھا۔

''بتائیں نا بجو ماما نے کیا کہا تھا؟'' عاشی نے اس کا گھٹنا ہلایا تو وہ چونکی۔

''عاشو۔'' مریم نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے'' ہاسٹل میں مسز ساجدہ کہتی تھیں کہ جو لڑکیاں ایک بار اپنے گھروں سے نکل جاتی ہیں' ان کے لیے واپسی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔''

''ہاں لیکن بجو ہم کسی کے ساتھ بھاگے تو نہیں ہیں' اپنے بھائی کے گھر آئے ہیں۔''

''پھر بھی ماما کے دل میں ہماری گنجائش نہیں رہی۔ مور کی بھی نہیں اور جب دل میں گنجائش نہ ہو تو گھر میں گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔''

عاشی کے چہرے پر زردی سی کھنڈ آئی تھی۔

''وہاں میرے کمرے میں عاصمہ تھی اور......'' مریم نے عاشی کی طرف دیکھا اور پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چوم لی'' تم اتنی پریشان نہ ہو۔ بہت سی باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں نا اور تمہارے پاس ماں ہے اپنے بھائی کا (سوتیلا ہی سہی) ہے تو۔ اپنے باپ کے گھر رہ رہی ہو اور میرے پاس تو یہ ماں بھی نہیں ہے۔'' اس کی آواز بھیگ گئی'' اور خوش قسمتی سے سب لوگ بہت اچھے ہیں۔''

''لیکن' بجو' ماما ہمیں معاف بھی تو کر سکتی تھیں۔ عاصمہ وغیرہ کو کوئی اور گھر لے کر دے سکتی تھیں۔''

''ہاں لیکن ایسا نہیں ہے نا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے جو ہم نہیں سوچتے۔'' اس نے انگلی کے پوروں سے اس کے رخساروں پر بہنے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔

''اور دیکھو' تمہارا اصل گھر تو ڈاکٹر عبدالمعید کا گھر ہو گا نا۔'' مریم نے مسکرا کر اس کا ذہن بٹانے کی کوشش کی۔

''عادل بھائی کہہ رہے تھے کہ وہ بہت جلد شاید ایک دو ماہ تک ڈاکٹر عبدالمعید کو تمہاری شادی کی تاریخ لے دیں گے۔''

''اور آپ؟'' عاشی نے پوچھا۔

"میں...... میرا خیال ہے کہ عادل بھائی سے کہہ کر کوئی اچھی سی جاب کرلوں گی اور پھر وہاں ہی کوئی گھر کرائے پر لے کر نینا اور مور کو بھی اپنے پاس رکھ لوں گی۔"

"عادل بھائی مان جائیں گے۔"

"ہاں انہیں ماننا ہی ہوگا۔ میں کب تک یہاں رہ سکتی ہوں عاشی۔" مریم کے لہجے میں ایک دم تھکن سی اتر آئی۔

"بجو ایک بات کہوں۔" عاشی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ضرور۔" مریم نے بے حد پیار سے اسے دیکھا۔

"بجو وہ ڈاکٹر شہریار...... میرا مطلب ہے عینی کے بھائی۔ اگر وہ پاکستان آگئے ہوں تو انہیں کہیں نا کہ وہ عادل بھائی کے پاس آئیں اور آپ کے لیے بات کریں ان سے۔"

"پاگل ہو تم عاشی۔"

"نہیں بجو اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے۔ میں جانتی ہوں' آپ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ شاید ڈاکٹر شہریار کا پروپوزل کبھی قبول نہ کرتیں لیکن عادل بھائی......"

"نہیں عاشی' یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیا بات ممکن نہیں ہے بھئی؟"

پروفیسر عادل نے اندر آتے ہوئے پوچھا تو مریم شپٹا گئی۔

"یہ عادل بھائی' یہ جو بجو ہیں نا یہ......"

مریم نے تنبیہی نظروں سے عاشی کی طرف دیکھا اور اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ دراصل میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟" پروفیسر عادل نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر مریم کی طرف دیکھا اور پھر فوراً نگاہیں جھکالیں...... وہ دانستہ اس کے سامنے آنے اور اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے تھے۔ کس قدر مشکل لمحے ہوتے تھے ان کے لیے جب وہ ان کے سامنے ہوتی تھی اور وہ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھتے نہیں تھے۔ وہ ضبط کی انتہائی منزلوں سے گزر رہے تھے...... کبھی کبھی تو انہیں لگتا تھا جیسے وہ اختیار کھو بیٹھیں گے۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مریم کو نرگس کے گھر چھوڑ کر دل پر بے انتہا بوجھ لیے وہ گھر آئے تو ماں جی کا فون آگیا۔

"عادل کل رحمٰن بھائی آئے تو میں نے حریم کے لیے ہاں کر دی ہے بس اب اور انتظار نہیں کروں گی۔"

"جی ماں جی۔" آواز جیسے ان کے حلق میں ہی گھٹ گئی۔

"عادل۔ سراب کے پیچھے بھاگنے سے فائدہ بیٹا۔ میرے پاس زیادہ وقت کہاں رہا ہے عادل کہ......"

"ٹھیک ہے ماں جی' آپ نے جو مناسب سمجھا۔" بہ مشکل انہوں نے کہا اور پھر جیسے بے اختیار سے ہوگئے اور ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے رو دیے۔ کتنی ہی دیر تک بازوؤں پر سر رکھے وہ روتے رہے تھے۔ پھر بھی جیسے دل کا بوجھ کم نہیں ہوا تھا۔ اس روز کے بعد سے مریم سے ان کی اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسے حویلی بھی لے آئے تھے لیکن خود اس سے بی آپا اور ماں جی سے بچتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ ماں جی ان سے کچھ کہنا چاہتی ہیں لیکن انہوں نے انہیں کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

"بس ماں جی کچھ مت کہیے گا۔"

"مریم کب' کہاں اور کیسے ملی تم نے بتایا کیوں نہیں۔"

"ماں جی پلیز' یہ چیپٹر اب کلوز ہو چکا ہے۔"

"تم خوش نہیں ہو عادل۔ میں رحمٰن بھائی سے معذرت کر لیتی ہوں۔"

"نہیں ماں جی...... لیکن پلیز' مجھے تھوڑا سا وقت ضرور دیں...... رخصتی میں جلدی مت کیجیے گا۔ بھلے منگنی وغیرہ کی رسم کر دیں۔"

"عادل بیٹا' مجھے معاف کر دینا۔" انہوں نے پروفیسر عادل کے ہاتھ تھام لیے تو وہ شرمندہ ہوگئے۔

"ماں جی' پلیز آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔"

"حریم بہت اچھی لڑکی ہے' مجھے یقین ہے تم خوش رہو گے اس کے ساتھ۔"

"جی ماں جی۔" انہوں نے ماں جی کو تسلی دے دی تھی لیکن خود ان کا دل کسی طور بہل نہیں رہا تھا...... ماں جی کپڑے نکالنے بیٹھی تھیں۔ عبدالرحمٰن چاچا کا خیال تھا کہ منگنی کے ساتھ نکاح بھی کر دیا جائے۔ رخصتی بھلے سال بعد ہو اور ماں جی گھبرائی بیٹھی تھیں۔

"نکاح کی رسم ہے تو مہمان بھی سب ہوں گے۔"

"ماں جی پلیز۔" انہوں نے درخواست کی "سادگی سے کر دیں جو بھی کرنا ہے۔"

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ میرا اپنا زیور تو سارا پڑا ہے جوں کا توں' مگر نئے زمانے کا بھی ہو تو ایسا کرو بی آپا کو لے کر لاہور چلے جاؤ اور نئے زمانے کا اچھا سا سیٹ لے آؤ نکاح پر وہی ایک سیٹ چڑھادیں گے۔ باقی کا زیور بعد میں دے دیا جائے گا۔" اور وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"کہاں جا رہے ہو عادل؟" انہوں نے انہیں کھڑے ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"بی آپا کی طرف۔"

"اچھا ادھر اگر عاشی ہو تو اسے ادھر بھیج دینا اور بی آپا کو کہنا فارغ ہو کر آئے۔"

اور یہاں عاشی کے ساتھ مریم بھی تھی۔ مریم یہاں حویلی میں تھی تو وہ اس سے کتنا بھاگتے اور مریم کے ہوتے خود کو سنبھالنا ضبط کرنا کتنا مشکل تھا انہوں نے سوچا تھا کہ واپس لاہور جانے سے قبل وہ مسرور سے مل کر اسے کہیں گے کہ شہریار سے کہو وہ اپنے والدین کو ماں جی کے اور ان کے پاس بھیجے۔ شاید مریم اور شہریار کی شادی کے بعد ان کا بے قابو دل سنبھل جائے۔

''آپ نے بتایا نہیں مریم' کیوں جاب کرنا چاہتی ہیں آپ؟'' اپنے خیالات کو جھٹک کر انہوں نے پوچھا۔

''میں۔'' مریم نے سر اٹھا کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کھڑے تھے۔

''مجھے کسی پر بوجھ نہیں بننا اور میں یہاں حویلی میں کب تک رہ سکتی ہوں...... میرا خیال ہے عاشی کی شادی تک میں یہاں رکوں گی۔ پھر مجھے جانا ہی ہے اور جاب بھی کرنا ہے۔ میری خواہش ہے عادل بھائی کہ مجھے اگر کوئی اچھی جاب مل جائے تو میں مور اور نینا کو اپنے ساتھ رکھوں۔ میں نے پاپا سے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ ان کا خیال رکھوں گی۔ پاپا جانتے تھے کہ ماما زیادہ عرصے تک ہمارے ساتھ نہیں رہ پائیں گی۔ میں نہیں جانتی کہ میں نے اس طرح لالہ کے ساتھ جا کر غلطی کی تھی یا نہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اور عاشی کو اس طرح گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا لیکن اب جو ہوا سو ہوا مگر آئندہ کے لیے میں نے بہت سوچا ہے اور مجھے آپ کے تعاون اور ماں جی کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' وہ بول رہی تھی اور پروفیسر عادل خاموشی سے سن رہے تھے۔

''لیکن میں نے تو آپ کے لیے کچھ اور سوچ رکھا تھا مریم۔''

''کیا؟'' مریم نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تب ہی ملازمہ نے آ کر عاشی سے کہا ماں جی اسے بلا رہی ہیں۔

''اوہ مجھے خیال ہی نہیں رہا' عاشی آپ سے کہنا۔ ماں جی بلا رہی تھیں۔'' وہ پیچھے ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئے اور عاشی کے جانے کے بعد مریم کی طرف دیکھا ''میں نے تو سوچا تھا مریم کہ میں شہریار کو پیغام بھجواتا ہوں کہ وہ اپنے والدین کو حویلی بھیجیں' ماں جی کے پاس۔ آپ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن فی الحال آپ ماں جی کی سرپرستی میں ہیں...... بے شک آپ کے نزدیک حویلی سے آپ کا کوئی ناتا نہ ہو لیکن کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا بظاہر کوئی نام نہیں ہوتا لیکن وہ بہت مضبوط ہوتے ہیں۔'' انہوں نے بات مکمل کر کے مریم کی طرف دیکھا وہ خاموش بیٹھی تھی۔

''مریم۔'' انہوں نے پھر آہستگی سے اسے بلاتے ہوئے بات شروع کی ''میں آج مسرور سے کہوں گا کہ وہ شہریار......''

''پلیز نہیں...... بالکل نہیں' یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے؟'' انہوں نے حیرت سے مریم کی طرف دیکھا ''شہریار کا کوئی پرابلم ہے؟''

''وہ دراصل......'' مریم نے مختصراً ساری بات بتا دی۔

''مگر یہ تو کوئی جواز نہیں ہے مریم۔ میں خود بات کروں گا ان سے۔ شہریار سے' ان کے والدین سے۔''

''نہیں پلیز نہیں۔''

وہ مریم سے محبت کرتے تھے اور اس کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتے تھے۔ وہ سر جھکائے بے حد مضطرب اور بے چین لگ رہی تھی۔

انہیں لگا' جیسے اس کا دل ان کے دل میں اتر آیا ہو۔

''مریم' میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ آپ جاب کریں اور اکیلی رہیں۔ آپ اپنے آپ کو بوجھ نہ سمجھیں۔ پلیز آئی ریکوئسٹ یو اور مجھے اجازت دیں کہ میں شہریار۔''

''پلیز عادل بھائی۔'' مریم نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں ''شہریار نے بتایا تھا کہ اس کے بابا مان گئے ہیں لیکن میں خود ایسا نہیں چاہتی۔''

وہ شہریار سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی پھر کیوں اس نے ان کے جذبوں کی پذیرائی نہیں کی کیوں انہیں ہمیشہ کے لیے تہی دامن کر دیا۔ کیا وہ ان کی شدتوں کو نہیں جان سکی تھی یا پھر ان کے جذبوں میں ہی کہیں کسی سچ کی کوئی کمی تھی...... مگر نہیں ان کے جذبوں میں تو کہیں کوئی کھوٹ نہیں تھا کہیں کوئی میل نہیں تھا۔

ان کا جی چاہا' وہ اس سے گلہ کریں۔ اس سے پوچھیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ان کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں... اور پھر جیسے اس کے چہرے سے ہٹنا بھول گئیں...... بے حد بے چین مضطرب سی اپنی انگلیوں کو مسلتی ہوئی وہ ان کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کیے جا رہی تھی۔ آنسو اس کی پلکوں کے کناروں سے پھسل کر رخساروں پر آ ٹھہرے تھے۔

کاش...... اے کاش' وہ اپنی انگلیوں سے ان آنسوؤں کو پونچھ سکتے۔

''مریم پلیز' روئیں نہیں۔'' ضبط کی انتہائی منزلوں سے گزرتے ہوئے انہوں نے اپنی نگاہیں جھکا لیں ''مجھے بتائیں اور مجھ پر اعتبار کریں اور بھول جائیں وہ سب کچھ جو چند کمزور لمحوں میں آپ سے کہہ بیٹھا تھا۔''

''میں...... میری کیا شناخت ہے' مجھے تو یہ تک نہیں معلوم کہ میرا باپ کون تھا...... ماما نے میرے اصرار پر بھی نہیں بتایا اور وہ لوگ جن کے لیے ماما کا اداکارہ اور ماڈل گرل ہونا ہی قابل قبول نہیں تھا' وہ یہ کیسے گوارا کریں گے کہ میری شناخت ہی نہ ہو...... نہیں عادل بھائی' مجھے اپنی انا اپنی خودداری بہت عزیز ہے۔ پلیز آپ مسرور سے' شہریار سے کچھ نہیں کہیں گے۔ میں شہریار کو اپنے متعلق بتا دیا تھا کہ عثمان احمد میرے پاپا نہیں تھے اور میرا باپ کون تھا' یہ مجھے معلوم نہیں۔''

"کیا خبر ماما نے میرے باپ سے شادی بھی کی تھی یا نہیں۔" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی۔

"آپ بہت فضول سوچ رہی ہیں مریم۔" پروفیسر عادل نے خفگی سے کہا "اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ کے والد سے آپ کی ماما نے امریکا میں علیحدگی اختیار کی تھی۔ مجھ سے ایک بار مجتبیٰ حیدر نے ذکر کیا تھا۔"

"تو پلیز۔" مریم نے روتے روتے ایک دم ان کے ہاتھ تھام لیے۔ "آپ مجھے میرے باپ کا نام بتا دیں۔ مجھے ان سے ملوا دیں ایک بار صرف ایک بار میں اس شخص سے ملنا چاہتی ہوں۔ اسے دیکھنا چاہتی ہوں جس نے پھر مڑ کر اور پلٹ کر نہیں دیکھا کہ......"

مریم کے ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھے اور ان کے رگ و پے میں جیسے بجلیاں سی دوڑنے لگی تھیں' ان دلکش اور خوب صورت ہاتھوں کو چھونے کی کتنی شدید خواہش تھی انہیں۔ بارہا انہوں نے سوچا تھا کہ ان نرم نازک اور مومی انگلیوں والے ہاتھوں کو جب میں اپنے ہاتھوں میں لوں گا تو جانے کیسا لگے گا اور اب......

انہوں نے آہستگی سے مریم کے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے اٹھائے اور اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے اسے تسلی دی "ریلیکس مریم پلیز' آئی پرامس کہ میں بہت جلد آپ کو آپ کے والد سے ملوانے کے لیے لے جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے اور باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی "اب منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر آئیں۔ ماں جی' ادھر جانے کیا کیا کھولے بیٹھی ہیں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کو میرے والد کا پتا چل جائے گا۔"

"یقیناً۔"

انہیں یاد تھا کہ ایک بار مجتبیٰ خود بڑی تفصیل سے انہیں زینب عثمان کے متعلق بتا رہے تھے لیکن پھر ان کی ناگواری محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"آپ کب پتا کریں گے پلیز آپ کل ہی لاہور چلے جائیں اور......"

"اچھا کل ہی چلا جاؤں گا۔"

"آپ۔ آپ بہت اچھے ہیں عادل بھائی' بہت اچھے۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیے گا میں نے آپ کو دکھ دیا۔ میری وجہ سے......"

"پلیز مریم۔" پروفیسر عادل نے انہیں روک دیا۔ "میں نے آپ سے کہا کہ آپ بھول جائیں جو میں نے کہا تھا۔ کبھی کبھی زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک عمر کا سفر طے کر کے اپنی منزل پر پہنچتا ہے اور اسے پتا چلتا ہے کہ یہ تو اس کی منزل نہ تھی۔ مریم' میں آپ کی خوشیوں کا خواہش مند ہوں۔"

مریم [illegible] ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"پلیز مریم۔" انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا "اس طرح مجھے مت آزمائیں۔ میں نے کہا نا آپ

سے کہ میں اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے اپنی جلد بازی پر ندامت ہے۔"

"آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں عادل بھائی؟" مریم نے روتے روتے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"نہیں مریم' بالکل بھی نہیں۔"

وہ تو ان کے لیے موت بھی صادر کر دیتی تو وہ اس سے خفا نہیں ہو سکتے تھے۔

"اور ناؤ' پلیز' اب آپ بالکل ریلیکس ہو جائیں۔ میں صبح ہی انشاء اللہ لاہور جاؤں گا اور......" وہ کھڑے ہو گئے۔

"اور یہ بی آپا کہاں ہیں۔ نظر نہیں آئیں۔"

"وہ تو کچھ دیر کے لیے حریم کے گھر گئی ہیں۔ چاچی نے بلوایا تھا۔ ابھی تک آئی نہیں۔ مجھے کہا تھا کہ میرے آنے تک تم ادھر ہی رہنا۔"

"اچھا پھر میں چلتا ہوں' مجھے ذرا کام سے جانا ہے۔" وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

انہیں لگتا تھا کہ جیسے وہ کچھ دیر اور رک گئے تو ان کا دل دھڑکنا بند کر دے گا۔ مریم کے سامنے بیٹھ کر اس سے بات کرنا اور یہ احساس کہ وہ ان کا نصیب نہیں حالانکہ وہ ان کا خواب تھی یہ لمحے ان کے لیے امتحان بن جاتے۔ سو وہ خواہش کے باوجود نہیں رکے تھے اور یوں ہی بے مقصد حویلی سے باہر نکل آئے تھے۔

❁ ❁ ❁

"ارے مجتبیٰ آپ!" پروفیسر عادل جو خدا بخش سے کوئی بات کرتے ہوئے کمرے سے باہر آ رہے تھے' انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے "میں آپ کی طرف ہی آ رہا تھا۔" انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے ان سے مصافحہ کیا۔

"زہے نصیب' آج آپ کو ہمارا خیال کیسے آ گیا۔ ورنہ ہم تو ترس ہی گئے ہیں۔" مجتبیٰ نے حسب معمول خوشگوار سے لہجے میں کہا۔

"سوری مجتبیٰ' میں بہت شرمندہ ہوں کہ پھر نہیں آ سکا۔ دراصل کچھ ایسی ہی مصروفیات ہو گئی تھیں۔ پہلے مسرور کی ایگزیبیشن......اور پھر......" وہ انہیں ساتھ لیے لیے ڈرائنگ روم میں آ گئے اور ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکرائے۔

"خیر آج تو میں آ ہی رہا تھا۔ آپ بتائیے کیسے ہیں۔ آپ کی طبیعت کیسی رہی؟"

"اللہ کا شکر ہے' میاں' اتنے حسین مزاج پرسی کو آ رہے ہوں تو طبیعت کو بحال ہونا ہی ہے۔"

"اچھا تو یہ حسینوں کا کرم ہے۔" پروفیسر عادل نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"بالکل۔ اسپتال سے آئے اتنے دن گزر گئے لیکن ابھی تک حسینوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔"

"بائے داوے' یہ اتنے حسینوں سے کہاں ملاقات ہوتی ہے۔"

''بھئی کیا بتائیں۔ کچھ خطوط کے ذریعے' کچھ اپنی اسٹوڈنٹ سے اور کچھ اِدھر اُدھر محفلوں میں سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے بھئی۔''

''ایک بات مجھے سمجھ میں نہیں آتی مجتبیٰ۔ یہ لڑکیاں لکھنے والوں کو ماورائی مخلوق کیوں سمجھتی ہیں حالانکہ وہ بھی عام انسان ہوتے ہیں۔''

''بھئی وہ ایسا نہ کریں تو ہم لوگ کہاں جائیں جن کے سینے میں سانسوں کی آمدورفت ان ہی کی مہربانیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔''

''چائے لاؤں صاحب یا ٹھنڈا؟'' خدا بخش نے اندر آ کر پوچھا تو مجتبیٰ حیدر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ارے میاں خدا بخش' اتنے برسوں سے اس دروازے پر حاضری دے رہے ہیں۔ ابھی تک آپ کو پتا نہیں چلا کہ ہمیں کیا مرغوب ہے۔''

''آپ بیمار ہو گئے تھے نا تو میں نے سوچا شاید ڈاکٹروں نے چائے وغیرہ کو منع کر دیا ہو ورنہ تو......''

''ڈاکٹروں کی کون پروا کرتا ہے خدا بخش صاحب۔ چائے لائیں تیز گرم......اور ہاں۔'' وہ پروفیسر عادل کی طرف مڑے۔

''کل تصدق احمد آئے تھے تمہارے پاس؟''

''نہیں تو میں حویلی گیا تھا' رات آیا ہوں ممکن ہے' میری عدم موجودگی میں آئے ہوں خیریت تھی؟''

''ارے میاں خیریت کہاں دماغ چل گیا ہے اس کا۔''

''کیا ہوا؟''

''ہونا کیا تھا یار۔ بتایا تو تھا اس دن تمہیں کہ آمنہ صفی سے شادی کرنے پر تلا ہوا ہے جبکہ آمنہ اس پر تیار نہیں۔ اس کے خیال میں یہ اس کے بیوی بچوں کی حق تلفی ہے جبکہ تصدق کا کہنا ہے کہ وہ ان کی حق تلفی نہیں کرے گا۔''

''جب آمنہ رضامند نہیں تو بات ختم ہو جاتی ہے۔''

''بات ختم نہیں ہوتی میاں' تصدق نے دھمکی دی ہے کہ اگر آمنہ نے اس کی بات نہ مانی تو وہ اپنی زندگی ختم کر لے گا۔ میں نے اسے تمہارے پاس بھیجا تھا' بہانے سے کہ تم اسے کچھ سمجھاؤ۔''

''کوشش کروں گا مجتبیٰ لیکن یہ جذبے بڑے اندھے ہوتے ہیں' بعض اوقات کچھ سجھائی نہیں دیتا اور یہ تصدق احمد کو ہوا کیا ہے کہ اسے بیوی بچوں کا بھی خیال نہیں۔''

''میرے خیال میں تو اس سوال کا جواب تم خود دے چکے ہو عادل میاں کہ یہ جذبے اندھے ہوتے ہیں لیکن میرا جہاں تک خیال ہے اس میں کسی اندھے جذبے سے زیادہ ہمدردی کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ بہ حیثیت دوست کے وہ آمنہ کو اپنا کے اسے معاشرے میں وہ تحفظ دینا چاہتا ہے جو ایک عورت کو صرف ایک مرد دے سکتا ہے۔''

''ہے بی۔'' پروفیسر عادل نے کچھ سوچتے ہوئے سگریٹ سلگایا اور ہمیشہ کی طرح مجتبیٰ حیدر نے ان کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا۔

''مجتبیٰ۔'' پروفیسر عادل نے تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا ''ڈاکٹر نے آپ کو سگریٹ پینے سے منع کیا ہے۔''

''منع تو ڈاکٹر نے بہت ساری باتوں سے کیا ہے لیکن کیا میں ان سے باز ہو گیا ہوں۔ یار زندگی روز روز تھوڑا ہی ملتی ہے۔ جی بھر کے انجوائے کیوں نہ کریں اور اب ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہو سکتا ہے کہ اردگرد کی خوبصورتیوں سے آنکھیں بند کر کے عابد و زاہد بنا رہے۔'' انہوں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے پروفیسر عادل کی طرف دیکھا۔

''وہ ایک ملی بھی تھیں خاتون مگر شاید خواب میں۔ میاں' اب قسم توڑ ہی ڈالو اور کسی مہ جبین سے شادی کر ہی لو۔''

''مجتبیٰ' اگلی اتوار کو میرا نکاح ہے۔'' پروفیسر عادل نے آہستگی سے کہا تو مجتبیٰ اچھل پڑے۔

''سچ کہہ رہے ہو میاں؟''

''ہوں۔'' پروفیسر عادل نے سر اثبات میں ہلایا۔

''تمہاری اُسی تصوراتی پیکر سے۔''

''نہیں۔'' پروفیسر عادل بے حد سنجیدہ تھے' ماں جی نے مجھے مجبور کر دیا۔ ورنہ شاید یوں زندگی زیادہ بہتر گزر جاتی۔''

''مگر اس سے کیوں نہیں جو آپ کے عین تصوراتی پیکر کی طرح تھی۔''

''کچھ مجبوریاں رہی ہوں گی۔'' پروفیسر عادل نے دھیرے سے کہا۔

''مگر وہ کون تھی۔ کیا مسئلہ ہو گیا۔ آپ نے کبھی کچھ کہا ہی نہیں عادل میاں۔ ہم کوئی غیر تو نہیں تھے......'' مجتبیٰ حیدر نے گلہ کیا۔

''کیا بتاتا' وہ کون تھی۔ وہ تو کسی اور ہی دنیا سے آئی تھی اور اس نے مجھے غم آشنا کر دیا۔'' پروفیسر عادل کے چہرے پر ملال کے رنگ اتر آئے ''وہ جتنی آہستگی اور نرمی سے میری دنیا میں اتری تھی' اسی کوملتا اور نزاکت سے چلی گئی۔ وہ تو ایک آب گینہ ہے مجتبیٰ۔ کانچ کی کاریگری کا شاہکار۔''

''کسی اینجل کی طرح معصوم۔''

ان کا لہجہ سرگوشی کی طرح مدہم ہو گیا۔ جیسے اپنے آپ سے بات کر رہے ہوں۔

''وہ میری دنیا کی نہیں تھی لیکن میرا تو سب کچھ اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ میرے دن رات' میری نیندیں'

میرے سب خواب' میرا اپنا پن۔ یہ جو میں آپ کے سامنے ہوں' یہ تو کوئی اور عادل ہے۔"

مجتبیٰ حیدر نے حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں چونکے جیسے کسی خواب سے بے دار ہوئے ہوں۔

"سوری مجتبیٰ' میں پتا نہیں کیا کیا کہہ رہا تھا۔ خیر مجھے آپ سے ایک بات پوچھنا تھی۔ ایک بار آپ نے ذکر کیا تھا زینب عثمان کا کہ آپ انہیں بہت پہلے سے جانتے تھے۔"

"ہاں جانتا تھا یار۔ بڑی دوستی تھی ان سے۔ عثمان احمد کے ساتھ شادی کرنے سے بہت پہلے سے۔ بلکہ یار برا نہ ماننا۔ وہ تو اپنے شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کے بعد مجھ سے شادی کرنا چاہ رہی تھی لیکن یار میں......"

"آپ ان کے پہلے شوہر کو جانتے تھے......" پروفیسر عادل نے ان کی بات کاٹ دی۔ وہ از حد بے چینی محسوس کر رہے تھے اور چاہتے تھے بات جلد از جلد ختم ہو جائے۔ زینب عثمان احمد کا اس طرح موضوع گفتگو ہونا انہیں ذرا بھی پسند نہ تھا۔

"ہاں کبھی با قاعدہ ملاقات تو نہ ہوئی لیکن میں نے اسے دیکھا تھا' دو تین بار...... بڑا شریف آدمی تھا۔ سیدھا سادہ سا...... ڈاکٹر تھا۔ سکندر نام تھا اس کا۔ ابھی کچھ دن ہوئے میں نے رافع اسپتال میں اسے دیکھا ہے۔ غالباً وہ بھی پاکستان ہی میں ہے۔ ویسے آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"یوں ہی خیال آ گیا تھا۔" اپنے اندرونی اضطراب کو چھپانے کے لیے انہوں نے جھک کر ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

"ویسے زینب عثمان بھی کمال کی شے ہیں' عادل میاں۔ اس عمر میں بھی کیا شان ہے...... تب ہی تو وہ......"

"مجتبیٰ' وہ پھر کیا خیال ہے' تصدق کی طرف نہ چلیں۔"

پروفیسر جانتے تھے کہ مجتبیٰ یوں ہی بے سوچے سمجھے بولے چلے جائیں گے چاہے وہ باتیں کسی کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچا رہی ہوں اس لیے انہوں نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"خیال تو اچھا ہے لیکن تصدق احمد کا ٹھکانا مجھے معلوم نہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیا انہوں نے گھر بدل لیا۔"

"ہاں انہیں ایک اور قدرے بہتر گھر مل گیا تھا جس کا کرایہ بھی مناسب تھا۔ ویسے شاید تصدق خود ہی آ جائیں۔ میں نے کہلوا دیا تھا انہیں کہ ادھر آ جائیں۔ سوچا تھا مل جل کر گھیر لیں گے اسے۔ بے چاری آمنہ اتنی پریشان ہے اور وہ اس قدر جذباتی ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے' وہ کر بھی گزرے۔"

"کیا آپ انہیں فون کر کے نہیں بلوا سکتے؟"

"بلوایا جا سکتا ہے لیکن کیا آپ کو کہیں جانا ہے۔" مجتبیٰ حیدر نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاں نہیں تو۔" پروفیسر عادل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ دراصل وہ جلد از جلد ڈاکٹر سکندر کے متعلق

معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کون شخص ہیں اور انہوں نے کیوں مڑ کر مریم کی خبر نہ لی۔ وہ جوان کے وجود کا حصہ تھی اور جانے کیا کیا کچھ...... سوچ رہی تھی۔ اس کی آنسو بھری آنکھیں ان کے تصور میں جھلملانے لگیں۔

"تو پھر میاں' ایسی جلدی کیا ہے۔ بیٹھو گپ لگاؤ۔ کچھ حال دل سناؤ کچھ سنو کتنے دنوں بعد تو ملے ہیں۔"

ان کے پاس سنانے کے لیے کیا تھا" چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی قصہ۔ کہاں کا ذکر سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رکے ہوئے ہیں۔"

وہ افسردگی سے مسکرائے۔

"لیجئے' حضرت تشریف لے آئے۔" مجتبیٰ حیدر نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے تصدق احمد کو دیکھتے ہوئے کہا" آیئے آیئے تصدق احمد آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا۔" مجتبیٰ حیدر کا لہجہ ہمیشہ کی طرح تروتازہ اور خوشگوار تھا۔

"جی سر' آپ نے کیوں بلایا۔" تصدق احمد نے پروفیسر عادل سے مصافحہ کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں نے!" پروفیسر عادل چونکے اور ان کی نظریں مجتبیٰ حیدر سے ملیں' اوہ ہاں۔ جی چاہ رہا تھا آپ سے ملنے کو اور پھر سنا تھا کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔"

"ہاں' بہت پریشان ہوں۔ زندگی عذاب لگنے لگی ہے۔ اپنے ہونے کا کوئی جواز نہیں ملتا۔ جو زندگی کسی کے کام نہ آ سکے وہ بے معنی اور بے کار ہے۔" وہ مجتبیٰ حیدر کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

پروفیسر عادل نے اسے سر اٹھا کر دیکھا۔

شکن آلود لباس' بڑھا ہوا شیو۔ سرخ آنکھیں رت جگوں کی غماز۔ یک دم ہی ان کا دل اس کے لیے گداز ہونے لگا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تصدق احمد' زندگی انسان سے بعض اوقات بڑے بڑے امتحان لیتی ہے۔ بہادر تو وہ ہے تصدق احمد جوان آزمائشوں سے گزر جائے۔"

"لیکن میں بہادر نہیں ہوں سر۔" اس نے سر اٹھا کر ایک لمحے کے لیے پروفیسر عادل کی آنکھوں میں جھانکا" میں جانتا ہوں سر کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ میں بے بس ہوں۔ میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ قطعی بے بس ہوں۔ اپنے اختیار میں کچھ بھی نہیں پاتا...... میں چاہتے ہوئے بھی اسے کوئی اعتبار نہیں دے سکتا۔"

"کیا آپ آمنہ سے محبت کرتے ہیں تصدق احمد؟" مجتبیٰ حیدر نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"محبت۔ پتا نہیں آپ محبت کی کیا تعریف کرتے ہیں۔ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میں آمنہ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اسے دکھ کے اس حصار سے باہر لانا چاہتا ہوں جس میں گھر کر اس کی شخصیت کی

روشنیاں چھپ گئی ہیں۔ گرد آلود ہو گئی ہیں۔ میں اس کا مان اسے لوٹانا چاہتا ہوں کہ وہ فخر سے سر اٹھا کر کھڑی ہو۔ میں ناکردہ گناہوں کی سیاہی اس کے دامن سے دھونا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ بہت اچھی ہے' اس کی روح بہت خوبصورت ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں اس کا ہاتھ تھام لوں اور آپ لوگ بجائے اسے سمجھانے کے مجھے سمجھا رہے ہیں۔ آپ کو تو چاہیے مجتبیٰ کہ آپ اسے سمجھائیں تاکہ وہ فخر سے سر اٹھا کر کھڑی ہو سکے۔"

"لیکن ایسا کر کے کیا تم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ظلم نہیں کرو گے تصدق؟"

"نہیں بلکہ میں ایسا نہ کر کے اپنے ساتھ ظلم کروں گا اور ساری عمر یہ احساس ستاتا رہے گا کہ میں ایک خوب صورت روح کی خوب صورتی کو اس کے حسن کو بچا سکتا تھا مگر میں بھی اس روح کے قاتلوں میں شامل تھا۔ وہ جو ایک بہت اچھی اور بہت مہربان لڑکی ہے۔ نہیں' نہیں مجتبیٰ حیدر' میں اس احساس کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"لیکن کوئی اور...... کوئی اور بھی تو اس کا ہاتھ تھام سکتا ہے تصدق احمد۔" پروفیسر عادل نے نرمی سے کہا۔

"کوئی اور۔" اس نے جھٹکے سے مڑ کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا اور ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"کون...... کون کرے گا اس سے شادی...... آپ...... آپ کر لیں گے اس سے شادی؟"

"میں۔" پروفیسر عادل نے از حد حیران ہو کر اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں آپ۔" اس کے ہونٹ زہر میں بھیگ گئے "مگر میں جانتا ہوں آپ ایسا نہیں کر سکتے حالانکہ اس کی زندگی میں تاریکیاں گھولنے والا آپ ہی میں سے ایک تھا...... آپ کا عزیز۔ وہ یہیں تو آئی تھی اور آپ جانتے ہیں' اس اغوا سے ٹھیک تین روز بعد اس کی منگنی تھی لیکن وہ شخص جو اسے سمجھنے اور اسے چاہنے کا دعویٰ کرتا تھا اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ ایک اغوا شدہ لڑکی کو اپنے گھر کی عزت بناتا۔"

"میرا عزیز۔" پروفیسر عادل نے الجھ کر اسے دیکھا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تصدق احمد!"

بہت پہلے آمنہ صفی کی کہی ہوئی باتیں ان کے کانوں میں گونجنے لگیں۔

"ہاں...... اسے اغوا کرنے والا آپ کا سگا ر چچا زاد مانی تھا۔" تصدق احمد جیسے اپنے آپ میں نہیں تھا۔

"مانی!" انہوں نے بے یقینی سے پہلے تصدق کو اور پھر مجتبیٰ حیدر کو دیکھا۔

"یقین نہ آئے تو مسرور سے پوچھ لیں جس کی خاطر مانی نے اسے چھوڑ دیا تھا۔"

"اوہ نہیں۔" پروفیسر عادل کا دل جیسے کسی گہرے صدمے تلے دب سا گیا تھا۔

"اور اگر کسی بھی طرح سے میں سارے واقعے میں ملوث ہوا آمنہ صفی تو میں اس کا کفارہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

اپنے ہی کہے لفظوں کی بازگشت سے چونک کر انہوں نے سر اٹھایا۔

"اور اگر ایسا ہے تصدق احمد تو میں آمنہ سے شادی کے لیے تیار ہوں...... جرم اگر کسی میرے اپنے نے کیا ہے تو اس کا کفارہ مجھے ہی ادا کرنا ہے۔"

جب انہوں نے تصدق احمد کی طرف دیکھا تو ان کی آواز ٹھہری ہوئی مضبوط تھی اور دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑے سلطان کو یوں لگا جیسے حریم بسنے سے پہلے ہی اجڑ گئی ہو۔

وہ کل شام پروفیسر کے ساتھ ہی حویلی سے آیا تھا اور ابھی چند لمحے قبل سو کر اٹھا تھا اور واپس جانے کے لیے پروفیسر عادل کو خدا حافظ کہنے ادھر آیا تھا اور تصدق احمد کے منہ سے اپنا نام سن کر وہیں دروازے کے پاس ٹھٹک کر رک گیا تھا۔

اور کیا میری غلطی کا خمیازہ حریم کو بھگتنا پڑے گا کتنے سارے دنوں بعد اس نے حریم کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی اور اسے لگا تھا جیسے اداسی کے ہالے میں ہمہ وقت لپٹی رہنے والی اس کی بڑی بہن کی آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آئی ہیں اور چہرے پر کوئی انہونی چمک آ کر ٹھہر گئی ہو اور اماں جان کتنی خوش نظر آتی ہیں۔ جیسے کبھی بیمار ہی نہ تھیں۔ ساری حویلی میں ان کی آواز گونجنے لگی ہے۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"نہیں عادل بھائی غلطی میری ہے اور مجھے ہی اس کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ میں آمنہ سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ بشرطیکہ وہ مجھے قبول کر لے۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا اور پیشانی پر ندامت کے قطرے تھے۔

پروفیسر عادل کے کھنچے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور وہ قدرے پرسکون ہو کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ سلطان کے لیے ان کی آنکھوں میں محبت' پیار اور فخر تھا۔

"ارے' کیسے قبول نہیں کرے گی میاں۔" مجتبیٰ حیدر چہکے "کیا کمی ہے تم میں۔"

سلطان سر جھکائے پروفیسر عادل کے سامنے کھڑا تھا۔

"سوری عادل بھائی وہ میں۔"

"اٹ از او کے۔" پروفیسر عادل نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روک دیا اور تصدق احمد کی طرف دیکھا جو کسی حد تک حیران سا مانی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیوں تصدق احمد کیا آپ ہمیں اس قابل سمجھتے ہیں کہ ہم مانی کا پروپوزل آمنہ صفی کے لیے لے کر ان کے گھر جائیں۔"

"سر۔" تصدق احمد نے پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کیے "آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں یوں ہی جذباتی ہو گیا تھا۔"

"نہیں تصدق احمد...... میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ورنہ میں کبھی بھی اپنے آپ سے نظر نہ ملا سکتا۔ آپ آمنہ صفی سے کہہ دیجیے گا کہ ہم ایک دو روز تک ان کے گھر آئیں گے۔ مجھے ایک ضروری کام ہے یہاں ورنہ اتنی تاخیر بھی نہ ہوتی اور میں آج ہی حویلی چلا جاتا اور آمنہ سے یہ بھی کہیے گا کہ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں اور غلطیوں پر شرمندہ ہونے والے لوگ بہت پیارے ہوتے ہیں۔ ہاں مانی......" وہ سلطان کی طرف مڑے۔

"تم غالباً جا رہے تھے۔"

"جی عادل بھائی' میں حویلی واپس جا رہا تھا۔" سلطان کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔

"تو پھر دیر ہو جائے گی اٹھو چلو میں خود آ کر چاچا چاچی سے بات کر لوں گا۔"

"جی۔" سلطان کھڑا ہو گیا اور کچھ سوچ کر وہ بھی کھڑے ہو گئے اور معذرت طلب نظروں سے مجتبیٰ حیدر اور تصدق احمد کی طرف دیکھا۔

"میں ذرا مانی کو چھوڑ آؤں۔" وہ تصدق احمد کے مطمئن چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان کے پیچھے ہی باہر نکل آئے۔

"مانی۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے کہا "میں جانتا ہوں کہ تم نے اچانک اتنا بڑا فیصلہ کیوں کیا لیکن مجبوری کے تحت کیے جانے والے فیصلے زیادہ دیرپا نہیں ہوتے۔ ابھی کچھ دن سوچ لو اچھی طرح میں حویلی آؤں گا......"

اور آمنہ صفی کا سراپا اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔

وہ بے نیاز اور لاپرواسی آمنہ صفی جو اگر ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا لیتی اور آنکھوں میں کاجل ڈال لیتی تو اس کا سراپا دل میں کھبنے لگتا تھا۔ اس کی بے نیازی میں کتنی کشش تھی اور اس کے نقوش میں کتنی جاذبیت تھی لیکن وہ خود اس بات سے بے خبر تھی۔

"نہیں۔" اس کی آنکھوں میں کوندا سا لپکا تھا "آپ پریشان نہ ہوں عادل بھائی۔ میں کبھی نہیں پچھتاؤں گا۔"

"آر یو شیور؟" پروفیسر عادل نے پوچھا۔

"یس۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ تو پروفیسر عادل کے ہونٹوں پر ایک پُراطمینان سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

❁❁❁

"تو یہ ہیں سرجن سکندر ملک۔" پروفیسر عادل نے سر سے پاؤں تک ڈاکٹر سکندر کو دیکھا جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئے تھے اور معذرت کر کے واش روم میں چلے گئے تھے۔

"یہ ڈاکٹر سکندر ملک ہیں؟" پروفیسر عادل نے ڈاکٹر رافع سے پوچھا۔

"جی کیا آپ پہلے ان سے کبھی نہیں ملے؟"

ڈاکٹر رافع کو حیرت ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ پروفیسر عادل شاید ڈاکٹر سکندر کے جاننے والوں میں سے ہیں۔ شہریار نے انہیں ایک بار پروفیسر عادل سے متعارف کروایا تھا اور وہ پروفیسر عادل کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

"نہیں' بس کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ ہاں ان سے ملنے کا اشتیاق بہت تھا۔"

"اوہ ہاں' شہریار نے ذکر کیا ہوگا۔ بہت قابل ڈاکٹر ہیں اور میں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ وہ یہاں میرے اسپتال میں ہفتے میں دو دن سرجری کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ خدا نے ان کے ہاتھ میں بہت شفا دی ہے۔"

"عام طور پر کہاں ہوتے ہیں۔ کس اسپتال میں؟"

"اپنے گاؤں میں اپنا ذاتی کلینک بنایا ہے انہوں نے اور وہاں اپنا ٹیلنٹ ضائع کر رہے ہیں...... بہت مشکل سے راضی ہوئے ہیں' یہاں ہفتے میں دو دن آنے کے لیے۔"

تب ہی ڈاکٹر سکندر واش روم سے باہر نکلے اور تھکے تھکے سے کرسی پر بیٹھ گئے اور کرسی کی پشت پر سر رکھتے ہوئے ڈاکٹر رافع کی طرف دیکھا۔

"آج کے آپریشن نے تو بے حد تھکا دیا۔ مسلسل چار گھنٹے۔ ایک بار تو لگا شاید وہ ایکسپائر ہو گیا ہے...... مگر پھر سانس بحال ہو گیا۔ تھینکس گاڈ آپریشن کامیاب رہا۔ ورنہ مجھ میں اس نوجوان کے باپ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔"

پروفیسر عادل بہت گہری نظروں سے ان کی شخصیت کا جائزہ لے رہے تھے۔ بے حد باوقار اور متاثر کن شخصیت تھی۔ کنپٹیوں پر سے جھانکتے کہیں کہیں سفید بال ان کی گریس فل نس میں اضافہ کر رہے تھے۔

بولنے کا دھیما دھیما انداز انہیں اپنے پاپا کی طرح لگا۔ بلاشبہ انہیں ہی مریم کا پاپا ہونا چاہیے تھا۔ آنکھیں بالکل مریم کی طرح۔ کشادہ' لانبی پلکوں والی اداس' براؤن جھلک لیے بے حد دلکش آنکھیں۔

بات مکمل کر کے انہوں نے پروفیسر عادل کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ریلیکس ہونے کے لیے انہوں نے سر اسی طرح کرسی کی پشت پر رکھا ہوا تھا اور ٹانگیں پھیلائی ہوئی تھیں۔

"یہ پروفیسر عادل ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کافی دیر سے آپ کے منتظر تھے لیکن آپ آپریشن تھیٹر میں مصروف تھے۔" ڈاکٹر رافع نے بتایا تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پروفیسر عادل کی طرف متوجہ ہوئے۔

"جی۔"

"آپ ڈاکٹر سکندر ملک۔" پروفیسر عادل نے جو بہت غور سے ان کا جائزہ لینے میں مصروف تھے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ سکندر ملک نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سر، میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔"

"خیریت ہے جناب۔ کیا کوئی مریض ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر سکندر، مجھے کچھ نجی کام ہے آپ سے اگر آپ مجھے چند منٹ دے دیں۔"

"جی۔ جی کہیے۔" سکندر نے کسی قدر الجھن کے سے انداز میں انہیں دیکھا تو پروفیسر عادل کی نظریں ڈاکٹر رافع کی طرف اٹھیں جو غالباً سمجھ گئے تھے کہ پروفیسر عادل غالباً تنہائی میں ان سے بات کرنا چاہتے ہیں اس لیے ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوکے، میں ذرا راؤنڈ پر جا رہا ہوں ڈاکٹر سکندر، آپ اپنے مہمان سے گپ شپ کریں اور پلیز ذرا جانے سے پہلے میرے کمرے میں آیئے گا۔ ذرا اس ٹانگ والے مریض کے بارے میں بات کرنا ہے۔ ڈاکٹر عابد کا خیال ہے کہ ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔ لیکن میں آپ سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا اس لیے یہاں موجود تھا، آپ کے کمرے میں۔"

"نہیں، نہیں میرے خیال میں ٹانگ کاٹنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

ڈاکٹر سکندر نے فوراً کہا۔

"دیکھتے ہیں، اسٹڈی کرتے ہیں۔ اوکے پروفیسر عادل۔" ڈاکٹر رافع کمرے سے باہر چلے گئے تو پروفیسر عادل نے ڈاکٹر سکندر کی طرف غور سے دیکھا۔

"جی عادل صاحب کہیے، میں منتظر ہوں۔ دراصل میں اندازہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ آخر آپ کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے، جبکہ میرے خیال میں ہم اس سے پہلے کبھی نہیں ملے۔"

"بجا ارشاد فرمایا۔ مجھے پہلی بار آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔" پروفیسر عادل نے نپے تلے الفاظ میں کہا "میرا نام عادل ہے۔ پڑھنا میرا شوق بھی ہے اور جاب بھی۔ میرے والد کا نام عثمان احمد تھا۔"

"عثمان احمد۔" وہ ذرا سا چونکے۔ یہ نام جانا پہچانا تھا لیکن نہ جانے اس دنیا میں کتنے عثمان احمد ہوں گے۔ ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی شخص عثمان احمد ہوں...... جس نے ان کی زندگی کے سارے رنگ چھین لیے تھے۔ یہی تو بتایا تھا، صبح صادق نے ایک بار انہیں کہ ڈولی نے جس شخص سے شادی کی ہے، اس کا نام عثمان احمد ہے اور وہ یونیورسٹی میں کبھی ڈولی کا کلاس فیلو رہا تھا۔ تب انہیں یاد آ گیا تھا کہ ایک بار جب وہ ڈولی کے ساتھ یونیورسٹی گئے تھے تو اس نے انہیں عثمان احمد سے متعارف کروایا تھا اور پھر وہ کبھی عثمان احمد سے نہ ملے تھے۔ ہاں جب وہ بھا نثار کے ساتھ "زینب ولا" گئے تھے، شیری کے رشتے کے لیے تو انھوں نے وہاں عثمان احمد کی تصویر دیکھی تھی انھوں نے پروفیسر عادل میں عثمان احمد کی شباہت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"میرے والد نے زینب ملک سے شادی کی تھی۔ وہ میری سوتیلی والدہ تھیں۔"

سکندر ملک نے یک دم چونک کر پروفیسر عادل کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے کے نقوش میں ایک دم سختی سی آ گئی۔

"پھر بھی میں آپ کی آمد کا مقصد نہیں سمجھا۔"

"زینب ملک۔" پروفیسر عادل کی نظریں ان کے چہرے پر جمی تھیں "میرے والد سے شادی کرنے سے پہلے آپ کی......"

"پلیز......" ڈاکٹر سکندر ملک نے ہاتھ اٹھا کر انھیں روک دیا "آپ نے جو کچھ کہنا ہے کہیں، تمہید نہ باندھیں۔" ان کا لہجہ سپاٹ تھا اور کچھ دیر پہلے کی نرمی اور ملائمت ایک دم رخصت ہو گئی تھی۔

"جی میں وہی کہنے لگا ہوں...... آپ کو غالباً علم نہ ہو کہ زینب عثمان احمد اب زینب غضنفر ملک ہے۔"

"جی میں جانتا ہوں لیکن آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔ زینب عثمان احمد یا زینب غضنفر ملک جو بھی ہیں میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ انہیں میری زندگی سے نکلے تقریباً پچیس برس ہو چکے اور میں آپ کی ان باتوں کا مقصد اب تک نہیں سمجھ پایا ہوں۔" وہ بے زار سے ہو گئے تھے۔

"بجا فرمایا آپ نے۔ زینب ملک سے آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے اب لیکن اپنی بیٹی سے آپ کا جو رشتہ ہے وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور آپ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتے۔"

"کیا...... کیا مطلب ہے آپ کا؟"

ڈاکٹر سکندر نہ صرف الجھ گئے تھے بلکہ ان کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں اور یکا یک مضطرب اور بے چین ہو گئے تھے۔

"میرا مطلب آپ کی بیٹی سے ہے۔"

"مگر میری تو کوئی بیٹی نہیں ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شاید۔" ڈاکٹر سکندر کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی اور وہ غیر ارادی طور پر اپنے ہاتھوں کو مسل رہے تھے۔

"تو ڈاکٹر سکندر کو معلوم نہیں ہے کہ ان کی کوئی بیٹی بھی ہے......" پروفیسر عادل نے گہری نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ بے حد مضطرب اور بے چین لگ رہے تھے اور ان کی نگاہیں پروفیسر عادل کے چہرے پر تھیں۔

"پلیز۔" انہوں نے التجا کی "کھل کر بات کریں، صاف صاف سسپنس ختم کریں۔ جب زینب نے مجھ سے علیحدگی اختیار کی تو ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ زینب اتنی جلدی بچوں کے حق میں نہیں تھی، جبکہ میں......" وہ خاموش ہو گئے۔ پھر لمحہ بھر رک کر بولے۔ اب کے ان کے لہجے میں یقین سا تھا۔

"یقیناً آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ عثمان احمد سے زینب کی اولاد......"

"ڈاکٹر سکندر شاید آپ کو علم نہیں ہے کہ۔" پروفیسر عادل نے دل ہی دل میں لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے بہت نرمی سے کہا۔

"آپ کی ایک بیٹی ہے۔ میرے والد نے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کی بیٹی نہیں ہے اور خود مریم کو بھی معلوم نہیں تھا کہ شاید میرے حقیقی والد مرحوم عثمان احمد اس کے والد نہیں ہیں...... بلکہ ذہنی طور پر وہ ابھی تک اس بات کو قبول نہیں کر سکی ہے...... دراصل......"

انہوں نے سر اٹھا کر سکندر ملک کی طرف دیکھا جو ساکت بیٹھے تھے۔

"بچوں نے زینب ملک کی شادی کو قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی ماما سے ناراض تھے' خفا تھے اور میرے ساتھ حویلی آنا چاہتے تھے...... اور زینب ملک نے تب انکشاف کیا تھا کہ مریم کا حویلی سے کوئی ناتا نہیں اس لیے کہ وہ عثمان احمد کی بیٹی نہیں ہے۔ یہ انکشاف مریم کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ حواس کھو بیٹھی اور بہت دن اسپتال میں رہی......"

"مریم...... مریم۔" ڈاکٹر سکندر کے دل میں ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ دلکش آنکھوں والی پیاری سی لڑکی مریم۔

جسے سب چاہتے تھے بے حد۔ بھا نثار' بھابو اور شیری۔

اور جسے انہوں نے محض اس لیے مسترد کر دیا تھا کہ وہ زینب کی بیٹی ہے...... اور وہ جانتے تھے کہ زینی کبھی بھی شہریار کا پروپوزل قبول نہیں کرے گی۔ بلکہ وہ انکار کر کے انہیں دکھ اور اذیت پہنچا کر خوش ہوگی۔

اور وہ مریم......

وہ ان کا اپنا خون تھی۔

ان کے اپنے وجود کا حصہ اور وہ اس سے بے خبر تھے۔ تب ہی تو ان کا دل اس کے لیے دکھا تھا۔

تب ہی تو انہوں نے سوچا تھا کہ وہ واپس امریکا چلے جائیں گے۔ یہاں رہ کر تو ناممکن تھا کہ ان کا ڈولی سے سامنا نہ ہوتا مگر پھر بھا نثار نے انہیں روک لیا تھا۔

اپنی محبت کی زنجیریں ان کے قدموں میں ڈال دیں۔

یہ کتنا ظلم کیا تھا' زینب نے ان پر۔

مریم کو ان سے دور رکھ کر۔

جدا کر کے۔

انہیں اس کے متعلق نہ بتا کر۔

"ابو نے مجھے بتایا تھا کہ جب زینب انہیں ملی تو وہ......"

پروفیسر عادل آہستہ آہستہ انہیں سب بتانے لگے۔ وہ ایک ہاتھ سینے پر رکھے از حد مضطرب اور بے چین سے ان کی بات سن رہے تھے اور ان کا دل جیسے سینے کے اندر مچل رہا تھا...... تڑپ رہا تھا کہ وہ اڑتے ہوئے جائیں اور مریم کو اپنے سینے سے لگا لیں۔

"اور وہ بہت اپ سیٹ اور بہت پریشان ہے۔" ساری تفصیل بتا کر پروفیسر عادل نے آہستگی سے کہا۔ مریم کا دکھ ان کے لہجے میں اتر آیا تھا۔

"وہ ایک بار آپ کو دیکھنا اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ اپنی شناخت پانا چاہتی ہے۔ زینب ملک نے جب اسے آپ کے متعلق سب کچھ نہیں بتایا تو وہ اور بھی ڈسٹرب ہو گئی تھی۔"

"وہ ایسی ہی ہے' اتنی ظالم اور اتنی ہی بے درد۔" وہ اضطراری حالت میں کھڑے ہو گئے۔

"پلیز...... پلیز عادل صاحب مجھے...... مجھے لے چلیے' ابھی اسی وقت اس کے پاس...... آپ نہیں جانتے' وہ ہم سب کو کتنی عزیز ہے۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ میں خود بہت پہلے ہی انجانے میں اس کے ساتھ کیا زیادتی کر بیٹھا ہوں۔"

"میں آپ کو لینے ہی آیا ہوں۔ میں نے مریم سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں آپ سے ملواؤں گا۔ میں آپ سے ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ مریم ہمارے لیے غیر نہیں ہے۔ میں نے ابو سے مرتے دم وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ اس کا اور سب کا خیال رکھوں گا۔ آپ یہ مت سمجھیے گا کہ میں اس لیے آپ کو کھوجتا ہوا آپ تک آیا ہوں کہ حویلی میں مریم کے لیے جگہ نہیں ہے۔ میری ماں جی اسے اپنی بیٹی ہی کی طرح چاہتی ہیں اور......"

"عادل میاں' آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہا ہوں...... پلیز اس وقت میں صرف اور صرف مریم کو دیکھنا چاہتا ہوں مجھے لگ رہا ہے جیسے میرا دل سینے کی چار دیواری توڑ کر باہر نکل آئے گا۔"

"ریلیکس پلیز۔" پروفیسر عادل نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں بٹھا دیا۔

"عادل بیٹے' میں آپ کا بہت احسان مند ہوں' بہت ممنون۔" ان کی آواز بھیگ گئی "اگر آپ مجھے نہ بتاتے تو میں زندگی بھر اس بات سے بے خبر رہتا اور یہ کتنا بڑا ظلم کیا زینب نے مجھ پر۔ آپ کو کس شخص نے میرا پتا بتایا۔ کون یہاں تک لایا۔ میں اس کا بھی شکر گزار ہوں بے حد۔" وہ جذباتی ہو رہے تھے۔

"مجتبیٰ حیدر' شاید آپ نے نام سنا ہوگا' معروف کہانی نگار ہیں۔ ایک بار انہوں نے آپ کا ذکر کیا تھا۔ بس انہی سے آپ کا نام و پتا معلوم ہوا۔"

"مجتبیٰ حیدر۔" ان کے ذہن میں جھماکا سا ہوا...... یہ تو وہ نام تھا جو برسوں ان کے اعصاب کو جھنجوڑتا رہا تھا۔ برسوں اس نام سے ان کے وجود میں آگ سی دہک اٹھتی تھی۔ جب زینب نے انہیں خدا حافظ کہا تھا تو یہی نام تو تھا جس کے ساتھ زینب کا نام لیا جا رہا تھا۔

اور وہ برسوں یہی سمجھ رہے تھے کہ یہی وہ شخص تھا جس کی وجہ سے ڈولی ان کی زندگی سے نکل گئی تھی لیکن پھر مدتوں بعد ایک بار صبیح صادق نے انہیں بتایا تھا کہ ڈولی اب زینب عثمان احمد ہے...... اور...... وہ شخص مجتبیٰ حیدر جو وائس آف امریکا میں اپنی خوب صورت آواز کا جادو جگاتا تھا اور جس کے ڈپارٹمنٹ میں خوب صورت لڑکیوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا' معلوم نہیں زینب نے اس سے شادی کیوں نہیں کی۔ شاید

عثمان احمد مجتبیٰ حیدر سے زیادہ خوب صورت، زیادہ دولت مند ہوگا۔ انہوں نے خود ہی سوچ لیا تھا اور جو مدتوں ان کے دل میں مجتبیٰ حیدر سے کدورت رہی تھی، آج وہ کدورت ان کے دل سے نکل گئی تھی اور آج وہ پروفیسر عادل سے کہہ رہے تھے۔

"عادل بیٹا، میری طرف سے مجتبیٰ حیدر کا بھی شکریہ ادا کر دینا بے حد، بے حساب۔ اگر آپ مجھے نہ کھوجتے تو میں تو محروم ہی رہ جاتا...... اور وہ مریم...... میری بیٹی۔ میرے وجود کا حصہ ہمیشہ بدگمان رہتی، بے یقین رہتی......" وہ پھر جذباتی ہونے لگے تو پروفیسر عادل اٹھ کھڑے ہوئے۔

"او کے تیار رہیے۔ مجھے ایک آدھ کام ہے۔ میں ایک گھنٹے بعد آپ کو یہاں سے پک کر لیتا ہوں۔"

"اور حویلی میرا مطلب ہے، حویلی کتنی دور ہے یہاں سے؟"

"ہمارا گاؤں یہاں سے تقریباً چار پانچ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔"

"اچھا۔" ڈاکٹر سکندر کی کیفیت بالکل معصوم بچے کی طرح ہو رہی تھی۔ جو جلد از جلد اپنا پسندیدہ کھلونا حاصل کرنا چاہتا ہو۔

"بہت دیر مت کیجیے گا عادل، آپ میری کیفیت سمجھ رہے ہیں نا؟"

"آپ فکر مت کیجیے۔"

پروفیسر عادل ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرائے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں تسلی دی...... اور خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

❀❀❀

"میاں مٹھو۔ میاں مٹھو، طوطا پنجرے کے اندر اچھل رہا تھا اور طوطے کے پنجرے کے پاس کھڑے پروفیسر عادل بے دھیانی میں اسے دیکھے جا رہے تھے۔

"میاں مٹھو۔ میاں مٹھو۔" طوطے نے پنجرے کے اندر زور زور سے پر پھڑپھڑائے تو وہ چونک پڑے اور ان کی آنکھوں کے سامنے وہ شام آ گئی جب اسی جگہ یہاں پر انہوں نے مریم سے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بے اختیاری میں نہ جانے کیا کہتے کہتے خاموش ہو گئے تھے اور مریم ان سے بدگمان ہو گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد وہ کتنے مضطرب، کتنے بے چین سے کتنی ہی دیر تک یہاں کھڑے بی آپا کو دیکھتے رہے تھے...... اور آج مریم...... کسی اور کے نام منسوب ہو گئی تھی۔

سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

سارے خواب بے تعبیر رہ گئے تھے۔

اور سارے رنگ مر گئے تھے۔

اندر کیسا اندھیرا ہو رہا تھا۔

کیسی سائیں سائیں تھی...... ایک دم ویرانی تھی...... جیسے وہاں کبھی بھی...... پھول نہیں کھلے تھے اور کبھی کوئی رنگ نہیں دیکھے تھے۔

اس ایک چہرے کے تصور سے کیسے چراغاں رہتا تھا اندر

کیسی روشنیاں سی جلتی بجھتی رہتی تھیں۔

انہوں نے آہستگی سے طوطے کا پنجرہ ہلایا تو وہ پھر چیخنے لگا۔

اندر حویلی میں کتنی رونق تھی۔

خوشی، مسرتیں اور رنگ۔ جیسے ایک دم ہجوم کر کے آ گئے تھے اور مریم کتنا خوش تھی۔

اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ، اس کا پورا وجود اس خوشی کا اظہار کر رہا تھا جو اچانک ہی اسے ملی تھی وہ کتنے خوش کن لمحے تھے، جب وہ ڈاکٹر سکندر سے ملی تھی۔

اسے اپنے ساتھ لگائے اسے چومتے ہوئے وہ بے تحاشا رو رہے تھے...... اور یہ کتنی ستم ظریفی تھی کہ وہ اس کے وجود سے بے خبر تھے اور مریم وہ تو جیسے خود اپنی نظروں میں معتبر ہو گئی تھی۔ بلند ہو گئی تھی۔

"میں نے سمجھا تھا عادل بھائی۔" اس نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا "میرے پاپا شاید بہت سخت بہت دقیانوسی اور ماما کے معیار سے بہت کمتر ہوں گے مگر پاپا تو......" اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جگ مگ کر رہے تھے۔

"اور میں آپ کی بے حد ممنون ہوں۔ بہت مشکور...... اور میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ میں پاپا کی خواہش پوری نہیں کر سکی میں نے بہت سوچا تھا کہ میں پاپا کی خواہش پوری کروں لیکن شاید میں آپ کو خوشی نہ دے سکتی۔ مجھے قطعی حق نہیں ہے عادل بھائی کہ میں ایک خائن دل کے ساتھ آپ کی زندگی میں شامل ہوتی...... آپ نرم دل، نرم خو، نرم مزاج اور اتنے اچھے انسان ہیں۔ آپ کے لیے تو کوئی آپ کے جیسے ہی شفاف دل اور شفاف روح والی شریک حیات ہونی چاہیے۔"

اور وہ خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے تھے اور پھر از حد کوشش کے ساتھ اپنے دلی جذبات کو چھپاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اٹ از او کے مریم...... وہ صرف ابو کی خواہش تھی کہ اور میں نے آپ سے کہا تھا کہ زندہ لوگوں کی خواہش مردہ لوگوں کی خواہشوں سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ زندگی میں کسی موڑ پر بھی میری ضرورت پڑے تو مجھے آواز دے لیجیے گا۔ میں آپ کے آس پاس ہی رہوں گا۔"

ڈاکٹر سکندر انہیں اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے سہولت سے منع کر دیا۔

"یہ جاننے کے بعد کہ ڈاکٹر شہریار آپ کا بھتیجا ہے، میری ایک چھوٹی سی خواہش ہے کہ مریم اس حویلی سے رخصت ہو...... پاپا نے مریم کو بیٹیوں کی طرح چاہا ہے...... بی آپا کی...... ماں جی کی اور میری خواہش

ہے مریم کی اور عاشی کی رخصتی ایک ساتھ یہاں سے ہی ہو۔"

اور ڈاکٹر سکندر نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے عادل بیٹا' جیسا تم چاہو اور حقیقت تو یہ ہے کہ میرا مریم پر کوئی حق ہی نہیں ہے۔ میں نے کیا دیا ہے اسے۔ عثمان احمد زندہ ہوتے تو وہی وارث تھے اس کے اور وہی اس کے باپ۔"

انہیں ڈاکٹر سکندر بے حد اچھے لگے تھے' بہت باوقار اور بہت شفیق اور پھر آج سب حویلی میں موجود تھے۔

چوہدری نثار اور ان کی بیوی۔

ڈاکٹر سکندر

شہریار اور ارسلان' ارمغان' عینی سب ہی تھے اور حویلی کے ہال میں رونق لگی تھی۔ مریم چوہدری نثار کے سینے سے لگی بیٹھی تھی اور سب کہانیوں جیسے اس اتفاق پر از حد حیران تھے۔

ارسلان اور ارمغان کے برجستہ فقرے' سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتے تھے۔ عاشی بھی بے حد خوش تھی اور شہریار کو چھیڑ رہی تھی۔

"ہمیں تو پہلے سے پتا تھا کہ آپ بجو میں انٹرسٹڈ ہیں لیکن بجو نہیں مانتی تھیں۔"

"اور تمہاری یہ بجو۔ ان سے تو میں پوچھوں گا بعد میں۔" شہریار چہک رہا تھا۔

"اب کی بار پھر بغیر اطلاع کے بھاگ آئی تھیں۔ وہ تو بھلا ہو ان کی دوست کا جس نے اطلاع دے دی کہ محترمہ حویلی میں پروفیسر عادل کی کسٹڈی میں ہیں۔"

"نہیں' میں خود کہہ کر آئی تھی سبین کو کہ آپ کو بتائے۔" مریم کا دھیان غالباً ادھر ہی تھا "اتنا اچانک آنا پڑ گیا تھا...... وہ لالہ۔"

اور لالہ کے ذکر سے اس کے اندر اداسی اتر آئی اور آواز بھیگ گئی۔ کچھ دیر کو شہریار بھی اداس ہو گیا تھا۔

کس قدر انوکھی اور مختلف تھی وہ۔

چوہدری نثار' ماں جی سے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے۔

"ڈاکٹر ہادی سے بات کر کے آپ کو شادی کی تاریخ دے دیں گے۔" ماں جی نے وضاحت کی......

"دراصل وہ بھی عاشی کی رخصتی کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔"

"تو پھر بہن جی' جلدی کیجیے۔ اب مزید صبر نہیں ہوتا۔ برسوں کی تشنگی یوں لمحوں میں کیسے ختم ہو سکتی ہے۔" چوہدری نثار اپنے بازو اس کے گرد لپیٹے بیٹھے تھے۔

"میں بھی حیران ہوتی تھی کہ آخر کیا ہے اس بچی میں کہ دل اس طرف کھنچتا ہے۔" صالحہ بیگم بھی مسرور تھیں۔

"یہ شگون کی انگوٹھی ہے۔ میں مریم کو پہنا دوں۔" وہ اٹھیں تو سب نے ہی مریم کو گھیر لیا۔

قہقہے' شور' ہنگامہ۔ ایک دم انہیں لگا' جیسے ان کے دل پر بہت بھاری بوجھ آ گرا ہو۔ وہ گھبرا کر صرف

باہر ہی نہیں آئے بلکہ بی آپا کے پورشن میں چلے آئے تھے۔

"ربا' مجھے حوصلہ دے۔" انہوں نے اپنا سر دیوار کے ساتھ ٹیک لیا۔ آنسو دل کی دیواروں سے ٹھوکریں مار رہے تھے اور وہ آنکھیں بھینچے' پیشانی دیوار سے ٹکائے ضبط کی انتہائی منزلوں سے گزر رہے تھے۔

"عادل۔" بہت آہستگی سے کسی نے انہیں آواز دی تو انہوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ سامنے حریم کھڑی تھی۔ ہلکے فیروزی رنگ کے سوٹ اور ہم رنگ جیولری کے ساتھ ہلکے ہلکے میک اپ میں بجی سنوری وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے ہمیشہ کے اداس اور حزیں چہرے پر ایک چمک سی تھی۔

اور آنکھوں میں روشنی کوند رہی تھی۔

اور چند دنوں بعد اس لڑکی سے ان کا نکاح تھا اور پھر کچھ عرصے بعد وہ ان کے شب و روز پر قابض ہونے والی تھی۔

یہ لڑکی جس کے لیے اپنے دل میں سوائے ایک نرماہٹ' ایک گداز اور ایک خونی رشتے کے لگاؤ کے وہ کوئی جذبہ نہیں رکھتے تھے۔

جس کی اچھائی اور دلکشی میں کوئی شبہ نہ تھا پھر بھی دل نے اس کی کبھی کوئی تمنا نہ کی تھی اور پتا نہیں' وہ اس لڑکی کو وہ سب کچھ دے بھی سکیں گے یا نہیں جو اس کا حق ہے۔

"آپ ایک دم اٹھ کر چلے آئے تھے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔" انہوں نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے پیشانی کو دبایا "کچھ سر میں درد اور گرمی محسوس ہو رہی تھی۔"

"وہاں سب پوچھ رہے تھے کہ آپ ایک دم کہاں چلے گئے؟" اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا "آپ اپنے کمرے میں چل کر آرام کریں۔ میں شہریار سے کہتی ہوں وہ آپ کو دیکھ لیتا ہے۔"

دو ہی ملاقاتوں میں سب لوگ کیسے گھل مل گئے تھے۔

پروفیسر عادل نے سوچا اور اسے منع کر دیا۔

"نہیں نہیں حریم' آپ چلیں' میں آتا ہوں۔"

"آپ۔"

حریم نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ دلکش آنکھوں میں کاجل کی دھاریں انہیں ساحر بنا رہی تھی۔

"آپ خوش نہیں ہیں نا۔ کیا ماں جی نے آپ کو مجبور کیا ہے؟"

دمکتا چہرہ بجھ سا گیا تھا اور کاجل بھری آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

وہ لمحہ بھر اس کے چہرے کو دیکھتے رہے۔ یہاں ملگجی سی روشنی تھی اور فیروزی دوپٹے کے ہالے میں ملگجی روشنی میں اس کے چہرے پر یک دم اتر آجانے والا حزن اسے بے حد دلکش بنا رہا تھا۔ چچی اس کے یہاں آنے کے خلاف تھیں۔

"ارے ایک ہفتے کے بعد تو نکاح ہے اور......"

لیکن بی آپا اسے زبردستی لے آئی تھیں۔

"مریم کے سسرال والے تاریخ لینے اور انگوٹھی پہنانے آ رہے ہیں۔ اتنی رونق ہوگی پھر سسرال کیسا اپنے چچا کا گھر ہے اور میں اسی لیے آ گئی تھی بی آپا کے ساتھ۔"

اس نے نظریں جھکا لی تھیں اور اب وضاحت کر رہی تھی۔

"آپ خوش نہیں ہیں نا تو...... اگر آپ کہیں تو میں...... میں انکار کر دوں...... آپ پر حرف نہیں آئے گا۔" اس کی آواز بھیگ گئی۔

"نہیں حریم۔" اس کے اس بے غرض جذبے پر ان کے دل میں ممنونیت پیدا ہوگئی "ایسا نہیں ہے۔ ماں جی نے مجھے مجبور نہیں کیا۔"

"پھر۔" اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں "آپ اتنے دل گرفتہ کیوں ہیں...... اور آپ کو یاد ہوگا۔ ایک بار آپ نے کہا تھا کہ آپ نے میرے لیے اس طرح کبھی نہیں سوچا۔"

"کبھی نہ سوچنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے نا حریم کہ آئندہ بھی کبھی نہیں سوچا جا سکتا۔ آدمی کبھی بھی کسی وقت کوئی بھی بات سوچ سکتا ہے۔"

ہلکی سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کے کونوں کو چھوا لیکن وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوگئے۔

"حریم، میں جانتا ہوں آپ میرے متعلق شکوک کا شکار ہیں۔ میں خوش ہوں...... نہیں ہوں۔ مجھے خود بھی نہیں پتا۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ شاید میں آپ کے قابل......"

"نہیں پلیز، اس طرح مت کہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں ہی آپ کو DESERVE نہیں کرتی۔" حریم نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

وہ حریم کی طرف سے ذرا سا رخ موڑے طوطے کے پنجرے پر انگلی رکھے کھڑے تھے۔

"حریم۔" اس کی طرف دیکھے بغیر انہوں نے آہستگی سے کہا "مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ تھوڑا سا......"

ابھی تو آنکھیں دھواں دھواں ہیں۔

ابھی تو ہونٹوں پہ ہیں فغائیں۔

ابھی تو نس نس میں اک جلن ہے۔

کہ زہر غم خون بن کے رگ رگ میں دوڑتا ہے۔

وہ بدستور اسی طرح طوطے کے پنجرے پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے اور ان کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔

حریم جو کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"عادل میں...... کیا میں آپ کے دکھوں کو شیئر نہیں کر سکتی...... وہ کیا بات ہے جس نے آپ کو زنجیر کر رکھا ہے۔ کیا وہ کوئی لڑکی ہے...... کیا......"

"پلیز۔" وہ جھٹکے سے اس کی طرف مڑے اور پھر نگاہیں اس کی نم پلکوں پر ٹھہر سی گئیں۔

نہ زخم دل کا حساب پوچھو۔

نہ مجھ سے میرے عذاب پوچھو۔

ابھی گلابوں کی نیم وا آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہیں۔

شکستہ خوابوں کی کرچیاں سی۔

ابھی تو پوروں میں چبھ رہی ہیں۔

ابھی تو دل جوئی بھی گراں ہے۔

ابھی تسلی عذاب جاں ہے۔

وہ لمحہ بھر ہونٹ بھینچے یوں ہی اس کی پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو دیکھتے رہے۔

"حریم، ایسا مت کریں، آپ جانتی ہیں نا کہ آپ کے آنسو ہمیشہ مجھے تکلیف دیتے ہیں۔"

"لیکن میں کیا کروں۔ پلیز، مجھے بتائیں۔ کیا میں اپنی زندگی ختم کر لوں۔ کیا اب اس طرح......"

"حریم۔" انہوں نے بات کاٹ دی "ایسا نہیں ہے جو آپ سوچ رہی ہیں۔ بس ایک تصور ہے...... ایک خیال ہے جس نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔

ایک خواب

جس کے طلسم نے سحر زدہ کر رکھا ہے لیکن....

انہوں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بہت جلد میں اس سحر سے نکل آؤں گا ابھی......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اسے دیکھنے لگے۔

ابھی تو تجدید غم کا مجھ میں نہ حوصلہ ہے۔

نہ آرزو ہے۔

انہوں نے اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے جمائے سوچا۔

کہ

جو بستیاں زیر آب ہوں تو

نئی بنا پانیوں میں رکھنا

فقط حماقت کی انتہا ہے

انہیں یوں خاموشی سے اپنی طرف تکتے پا کر حریم نے نظریں اٹھائیں۔
"تھوڑا سا وقت حریم......" انہوں نے آہستگی سے کہا اور ایک قدم اس کی طرف بڑھایا۔
ٹھہر جا۔
ذرا سا بس انتظار کر لے۔
انھوں نے مسکرانے کی کوشش کی اور اس کی پلکوں پر اٹکے ہوئے موتیوں کو اپنی انگلی کے پوروں سے پونچھا۔
"آؤ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" انھوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ حریم نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور مضبوطی سے اسے تھامتے ہوئے انھوں نے بڑی حویلی کی طرف قدم بڑھا دیے۔

❁❁❁

زینب وِلا کے پاس سے گزرتے ہوئے مریم نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا' ایسا ہی جب بھی وہ یہاں سے گزرتی تھی' غیر ارادی طور پر وہ گاڑی کی رفتار کم کر دیتی تھی۔ نگاہیں بے اختیار "زینب وِلا" کے گیٹ کی طرف اٹھ جاتی تھیں اور وہاں "زینب وِلا" کے بجائے ملک غضنفر ملک کی نیم پلیٹ دیکھ کر اندر کہیں جل تھل ہونے لگتی تھی۔ غضنفر ملک کی نیم پلیٹ دیکھنا اس کے لیے بہت اذیت ناک ہوتا تھا۔ کئی بار اس کا جی چاہا تھا کہ وہ گاڑی ایک طرف پارک کر کے اترے گیٹ کے پاس جا کر دیکھے' اندر جھانکے پتا نہیں وہی پرانا چوکیدار ہے یا کوئی اور۔
یہ وہ گیٹ تھا جس سے وہ برسوں اندر جاتی اور باہر آتی رہی تھی۔ اس گھر سے کتنی یادیں وابستہ تھیں اس کی۔
خوشیاں اور چھوٹے چھوٹے غم۔
لیکن اب اس گھر کے دروازے اس کے لیے بند ہو چکے تھے' ہمیشہ کے لیے۔ کتنا جی چاہتا تھا اس کا کہ وہ پاپا کی اسٹڈی میں جائے۔
ان کی کتابوں کو چھو کر دیکھے
انہیں محسوس کرے۔
ان کے وجود کو۔
وہ اس گھر میں چلتے پھرتے تھے۔
اپنی اسٹڈی میں اپنی مخصوص کرسی پر۔
اور وہ ان کا بڑا سا پورٹریٹ۔
پتا نہیں اب وہاں ہو گا یا نہیں۔
لیکن شدید خواہش کے باوجود اب وہ زینب وِلا میں نہیں جا سکتی تھی۔

ماما کس قدر ضد اور غصے میں آ گئی تھیں۔
عادل بھائی نے حتیٰ کہ ماں جی نے بھی ان کی منت کی تھی۔ وہ خود گئی تھیں ان کے پاس کہ مریم اور عاشی کی شادی میں وہ شریک ہوں...... لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔
"میرے لیے عاشی اور مریم سب ختم ہو چکے ہیں۔ میں ان کی کچھ نہیں۔"
اور وہ ایسی ہی تھیں جب کسی بات پر اڑ جاتی تھیں تو کوئی بھی ان سے بات نہیں منوا سکتا تھا۔
اسے کتنی آس تھی کہ شاید ماما ساری ناراضی چھوڑ کر آ جائیں...... بلکہ اسے تو یقین تھا کہ ماما کہیں گی کہ وہ ان کی رخصتی اپنے گھر سے کریں گی' زینب وِلا سے لیکن ماما تو انہیں معاف کر دینے کو ہرگز تیار نہ تھیں۔
"پلیز ماما۔" اس نے خود فون کر کے ان سے التجا کی تھی' "عاشی بہت اداس ہے...... مور اور نینا بھی۔"
لیکن انہوں نے فون رکھ دیا تھا اور تیمور جو اس کے پاس ہی کھڑا تھا اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔
"موموٗ آپ یوں ہی فضول کوشش کر رہی ہیں۔ ماما کو اب ہماری ضرورت نہیں رہی...... اور شاید انہیں کبھی ہماری ضرورت تھی ہی نہیں موموٗ۔"
"مور۔" وہ اسے بازوؤں میں لیے کتنی ہی دیر تک روتی رہی تھی اس وقت اسے اور عاشی کو ماما کی کتنی ضرورت تھی۔
اگرچہ ماں جی اور بی آپا اور عادل بھائی بہت کچھ کر رہے تھے لیکن پھر بھی...... پھر بھی ماما تو ماما تھیں' ان کا ہونا کس قدر ضروری تھا۔
"دراصل غضنفر ملک کو ڈر ہو گا کہ اگر ہم زینب وِلا گئے تو ماما کو ہماری شادیوں پر پیسہ خرچ کرنا پڑے گا۔ اس لیے اس نے ماما کو منع کر دیا ہو گا کہ ہمیں واپس نہ بلائیں اور ہماری شادیوں میں شریک نہ ہوں۔ ورنہ ماما ایسی تو نہ تھیں۔ وہ غضنفر ملک کے ٹرانس میں ہیں جو وہ کہتا ہے' وہی کرتی ہیں۔"
عاشی کا خیال تھا۔ بھلے سے ماما کچھ بھی خرچ نہ کرتیں' بس ان کی رخصتی میں شریک ہو جاتیں تو کیا تھا [illegible] انہیں خرچ کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ڈاکٹر سکندر تھے جو بے حساب خریداری کر رہے تھے اس کے اور عاشی دونوں کے لیے۔
عادل بھائی تھے جو بہت دھوم دھام سے یہ شادی کرنا چاہ رہے تھے۔
سبھی کچھ تھا' بس ماما نہیں تھیں۔
وہ ان سے دور چلی گئی تھیں شاید ہمیشہ کے لیے۔
رخصتی والے دن وہ انہیں یاد کر کے بے تحاشا روئی تھی۔
پاپا بھی اسے بہت یاد آئے تھے۔
اگرچہ ڈاکٹر سکندر اس کے پاس کھڑے تھے اور انہوں نے ایک باپ کی طرح ہی عاشی کو بھی رخصت

کیا تھا لیکن عاشی بھی بے تحاشا رو رہی تھی۔ شاید پاپا اور ماما کو یاد کر کے۔

ماما نے ڈاکٹر ہادی کی بات بھی رد کر دی تھی اور وہ حویلی سے رخصت ہو کر شہریار کے گھر آ گئی تھی۔ یہ خوب صورت گھر ڈاکٹر سکندر نے شہریار کو اور اسے دیا تھا۔

سب کچھ ہی مل گیا تھا۔

شہریار کی محبتیں

چوہدری نثار اور صالحہ بیگم کی شفقتیں

ارسلان اور ارمغان جیسے بھائی

اور پھر سب سے بڑھ کر ڈاکٹر سکندر ملک

برسوں کی تشنگی ختم ہو گئی تھی۔

وہ ہفتے میں تین دن ان کے پاس رہتے تھے

نینا اور تیمور بھی اس کے پاس ہی تھے۔ نینا کو اس نے لاہور ہی میں داخل کروایا تھا مگر تیمور مری ہی میں تھا۔ ڈاکٹر سکندر کا خیال تھا کہ وہ وہاں سے ہی سینئر کیمبرج کرے۔ نینا اور تیمور کو ڈاکٹر سکندر نے اتنا ہی پیار دیا تھا جتنا کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔

"یہ کوئی احسان نہیں ہے مریم..... عثمان احمد نے تمہیں جو محبتیں دیں یہ ان کا قرض ہے۔" تیمور میں ان کی جان اٹکی ہوئی تھی۔ اتنا ہی پیارا ہو گیا تھا وہ انہیں۔ عادل بھی آتے رہتے تھے۔ عاشی بھی ڈاکٹر عبدالمعید کے ساتھ بہت خوش تھی..... کہیں کوئی کمی نہ تھی۔

مگر ایک کسک تھی جو رہ رہ کر دل میں اٹھا کرتی تھی..... کاش ماما..... ان سے خفا نہ ہوتیں۔

کبھی وہ ماما کو دیکھنے جا سکتی۔

انہیں مل سکتی..... ادھر ادھر سے ماما کے متعلق خبریں ملتی رہتی تھیں۔

غضنفر ملک نے رابعہ رحیم سے شادی کر لی ہے۔

زینب ملک سے علیٰحدگی کا امکان

جھگڑے بڑھ گئے ہیں۔

یہ سب خبریں اسے ازحد اذیت دیتی تھیں۔

"ماما دکھی ہوں گی۔"

"ماما اکیلی ہوں گی۔" وہ سوچا کرتی تھی۔

پھر ہولے ہولے اخبارات میں ان کے متعلق خبریں آنا بند ہو گئیں۔ ٹی وی پر بھی ان کے ڈرامے، اشتہارات وغیرہ آنے تقریباً بند ہو گئے تھے۔ کبھی کبھار کوئی پرانا اشتہار لگتا تو وہ دکھائی دے جاتیں۔

ایک بار اچانک ایک پارٹی میں بیگم آفندی مل گئی تھیں تو انہوں نے بتایا تھا کہ زینب اور رابعہ رحیم اکٹھی رہتی ہیں۔ علیٰحدگی نہیں ہوئی۔

رابعہ اوپر منزل پر اور زینب نیچے ہی۔

"بہت بدل گئی ہے وہ اور غضنفر کا رویہ اس کے ساتھ بہت خراب ہے۔ سنا ہے سب کچھ غضنفر ملک نے اپنے نام کروا لیا ہے..... گھر..... سرگودھا والی زمینیں اور بینک میں موجود رقم۔"

"اور ماما نے سب کچھ لکھ دیا۔ وہ اتنی کمزور تو نہ تھیں۔" اسے ازحد حیرت ہوئی تھی۔

اور اس روز وہ کتنی ہی دیر تک ماما کے لیے دکھی ہوتی رہی تھی اور اس نے ماما کو فون کرنے کی کوشش بھی کی تھی..... لیکن ماما نہیں تھیں۔

اور آج کتنے دنوں بعد وہ ادھر سے گزری تھی۔

"اور ماما پتا نہیں کہاں ہیں۔"

بہت دنوں سے اس نے ان کے متعلق کچھ نہیں سنا تھا۔ میڈم نرگس بھی ملک سے باہر تھیں۔ اس نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تیمور کی طرف دیکھا جو بے نیاز سا باہر دیکھ رہا تھا۔

بھیگتی مسوں والا تیمور کتنا سنجیدہ اور بردبار لگنے لگا ہے..... حالانکہ بچپن میں وہ خاموش بھی ہوتا تو شرارت اور ہنسی اس کی آنکھوں سے پھوٹتی رہتی تھی۔

"دیر ہو جائے گی مومو۔" اپنی طرف دیکھتے پا کر تیمور نے کہا۔

"اوہ ہاں۔" وہ چونکی۔

ڈاکٹر فخر الملک صرف دو گھنٹے بیٹھتے تھے اور چند مریضوں کی آنکھیں چیک کرتے تھے۔ تیمور کی آنکھوں سے کئی دنوں سے پانی بہہ رہا تھا اور اس نے شکایت کی تھی کہ پڑھتے پڑھتے اس کی آنکھوں میں دھند آ جاتی ہے۔ چند دن قبل ہی ڈاکٹر سکندر مری سے اسے لائے تھے اور انہوں نے گاؤں جاتے ہوئے تاکید کی تھی کہ وہ ڈاکٹر سے اس کی آنکھیں چیک کروا لے۔ سو وہ ادھر ہی جا رہی تھی۔

"تیمور کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالا۔

"کچھ نہیں مومو۔" اس نے نظریں چرا لیں۔

"اور شاید تیمور ماما کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔" مریم نے سوچا "اٹس او کے مومو"

تیمور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر فخر الملک کمرے سے باہر نکل کر ویٹنگ روم میں ذرا سی دیر کو رکے۔ تیمور ابھی اندر ہی تھا کہ اس کی نظر ایک بچے پر پڑی۔ بہت معصوم اور پیارا سا بچہ سب کی نظروں کا مرکز بنا ہوا تھا بے اختیار جھک کر اس نے اٹھا لیا اور اس کے رخساروں کو چومتے ہوئے اس نے اسے زمین پر کھڑا کرتے ہوئے سر اٹھایا تو ماما کو

دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بچہ ان سے لپٹ گیا۔ وہ ساکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کس قدر نڈھال اور تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔ میک اپ کے باوجود یہ تھکن ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

''موموکیسی ہو؟'' لمحہ بھر بعد انہوں نے پوچھا۔

آواز اس کے حلق میں ہی پھنس گئی اور آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہہ آئے۔

''شہریار کیسا ہے......؟ عاشی' نینا اور مور۔''

وہ خاموشی کھڑی تھی اور آنسو یوں ہی بے آواز اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے رخسار بھگوتے جا رہے تھے۔ تب ہی تیمور ڈاکٹر فخر الملک کے کمرے سے باہر نکلا ''چلیں مومو...... یہ نمبر عینک کے لیے دیا ہے انہوں نے۔''

''مور' میری جان۔'' زینب ملک تڑپ کر اس کی طرف بڑھیں تیمور ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔

''مور......'' ویٹنگ روم میں موجود مریضوں کی پروا کیے بغیر انہوں نے ہاتھ پھیلائے...... ''بیٹا۔''

تیمور نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر تقریباً بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ ان کے پھیلے ہوئے بازو نیچے گر گئے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''مومو' یہ مور۔'' ان کی آواز ٹوٹ سی گئی اور انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔

مریم نے تسلی دینے کے انداز میں ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور پھر ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے زینب عثمان کے ساتھ لگے کھڑے بچے کے رخساروں کو تھپتھپایا اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی...... مسز زینب بے اختیار اس کے پیچھے نکل آئیں ''مومو۔'' ان کے لب ذرا سے کھلے۔

''ماما۔'' بچے نے انہیں شرٹ سے پکڑ کر اچانک اپنی طرف کھینچا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور ہاتھوں کی پشت سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے وہ مریم کو دیکھنے لگیں جس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے مڑ کر انہیں دیکھا اور پھر فوراً ہی رخ موڑ کر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کر لیا۔

تیمور دونوں بازوؤں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہا تھا۔

''مور' میری جان۔''

اس نے تیمور کو بے اختیار اپنی بانہوں میں لے لیا اور اردگرد سے بے نیاز خود بھی اس کے خوب صورت بالوں والے سر پر چہرہ رکھے آنسو بہانے لگی۔

(ختم شد)